جہانِ مفتی اعظم

نصف اول

مرتبین

علامہ محمد احمد مصباحی اعظمی

علامہ محمد عبد المبین نعمانی مصباحی

مولانا مقبول احمد سالک مصباحی

تصحیح و تخریج

مولانا مقبول احمد سالک مصباحی

ناشر

رضا اکیڈمی ممبئی

الاسلامی.نیٹ

WWW.alislami.net

تقریبی فہرست

اس فہرست کے ذریعہ قارئین یا ارباب تحقیق فوری طور پر اپنے متعلقہ باب یا موضوع کی طرف بہ سہولت رجوع کر سکتے ہیں۔

(۱)	پہلا باب	سوانحی خاکہ	ازص:	۱۵	تاص:	۱۸۱
(۲)	دوسرا باب	بیعت وارشاد، اجازت وخلافت	ازص:	۱۸۲	تاص:	۲۱۲
(۳)	تیسرا باب	سیرت وکردار، مثالی شخصیت	ازص:	۲۱۳	تاص:	۳۲۰
(۴)	چوتھا باب	تبحر علمی، فضل وکمال	ازص:	۳۲۱	تاص:	۳۹۱
(۵)	پانچواں باب	روحانیات وتصرفات، کرامات	ازص:	۳۹۲	تاص:	۴۲۸
(۶)	چھٹا باب	فقہی بصیرت، فتوی نویسی	ازص:	۴۲۹	تاص:	۵۴۹
(۷)	ساتواں باب	فن حدیث میں رسوخ وعبقریت	ازص:	۵۵۰	تاص:	۶۳۰
(۸)	آٹھواں باب	ذوق شعر وسخن، عشق رسول	ازص:	۶۳۱	تاص:	۶۸۲
(۹)	نواں باب	الملفوظ کی ترتیب وتدوین	ازص:	۶۸۳	تاص:	۷۴۲
(۱۰)	دسواں باب	تصنیفی وتالیفی خدمات	ازص:	۷۴۳	تاص:	۷۸۷
(۱۱)	گیارہواں باب	دینی واصلاحی خدمات	ازص:	۷۸۸	تاص:	۸۷۴
(۱۲)	بارہواں باب	تنظیمی وتحریکی خدمات	ازص:	۸۷۵	تاص:	۸۹۷
(۱۳)	تیرہواں باب	اسفار ومشاہدات کی روشنی میں	ازص:	۸۹۸	تاص:	۹۶۷
(۱۴)	چودھواں باب	رسائل واخبارات کی روشنی میں	ازص:	۹۶۸	تاص:	۹۸۶
(۱۵)	پندرہواں باب	علماے حجاز کی نظر میں	ازص:	۹۸۷	تاص:	۹۹۶
(۱۶)	سولھواں باب	ارباب علم ودانش کی نظر میں	ازص:	۹۹۷	تاص:	۱۰۰۸
(۱۷)	سترہواں باب	اقران ومعاصرین کی نظر میں	ازص:	۱۰۰۹	تاص:	۱۰۲۳
(۱۸)	اٹھارہواں باب	خلفا وتلامذہ، مریدین ومستفیدین	ازص:	۱۰۲۴	تاص:	۱۰۵۴
(۱۹)	انیسواں باب	شہر بریلی کے علما ودانشوران	ازص:	۱۰۵۵	تاص:	۱۰۷۹
(۲۰)	بیسواں باب	حج وزیارت حرمین شریفین	ازص:	۱۰۸۰	تاص:	۱۰۸۷
(۲۱)	اکیسواں باب	مکتوبات مفتی اعظم	ازص:	۱۰۸۸	تاص:	۱۱۱۹
(۲۲)	بائیسواں باب	وصال پر ملال	ازص:	۱۱۲۰	تاص:	۱۱۳۰
(۲۳)	تیسواں باب	مناقب مفتی اعظم	ازص:	۱۱۳۱	تاص:	۱۱۷۶
(۲۴)	چوبیسواں باب	آثار وتبرکات نوری	ازص:	متفرق	تاص:	متفرق

شذرات ومشمولات

’’جہان مفتی اعظم‘‘

۱	فہرست رفقائے قلم بہ اعتبار حروف تہجی	مولانا مقبول احمد سالک مصباحی	۵
۲	فہرست مقالات ومضامین بہ اعتبار ابواب	// // //	۱۴
۴	پیغامات وتاثرات	محمد ناظم خان، رضا اکیڈمی، ممبئی (ترتیب وپیشکش)	۲۵
۵	۲۵ رسالہ عرس نوری	محمد عارف رضوی، رضا اکیڈمی، ممبئی	۳۶
۶	انتخابِ کلام نوری	مولانا مقبول احمد سالک مصباحی	۴۲
۷	سرکارِ مفتی اعظم اور جہانِ مفتی اعظم (اداریہ)	مولانا مقبول احمد سالک مصباحی	۶۳

فہرست رفقائے قلم بہ اعتبار حروف تہجی

[الف]

نمبر شمار	اسمائے گرامی	عنوانات	صفحہ
۱	حضرت سید آلِ رسول حسنین میاں برکاتی نظمیؔ، مارہروی	ولی صورت ولی سیرت ہمارے مفتی اعظم	۲۲۲
۲	حضرت سید آلِ رسول حسنین میاں برکاتی نظمیؔ، مارہروی	بوالحسین احمد نوری ضیا کا آئینہ	۱۱۵۰
۳	مولانا مفتی آلِ مصطفی مصباحی، جامعہ امجدیہ، گھوسی	حضور مفتی اعظم اور فتاویٰ مصطفویہ	۵۱۳
۴	حضرت اجمل سلطان پوری	ولی دینِ حق شانِ ولایت مفتی اعظم (منظوم)	۱۱۳۸
۵	حضرت اجمل سلطان پوری	سعیدِ نوری کے اصرار پر ہے منقبت حاضر (//)	۱۱۳۹
۶	حضرت اجمل سلطان پوری	احمد رضا کا نورِ نظر مصطفی رضا (//)	۱۱۴۰
۷	حضرت اجمل سلطان پوری	احتیاطِ شریعت کی کیا بات ہے (//)	۱۱۴۱
۸	مولانا اختر حسین فیضی مصباحی اعظمی، مبارک پور	مفتی اعظم کے دادا پیر، سید آلِ رسول احمدی	۲۰۱

۹	مولانا اختر الاسلام علیمی، المجمع الاسلامی، مبارک پور	مفتی اعظم ماہ و سال کے آئینے میں	۱۱۲۸
۱۰	علامہ اختر رضا خاں قادری ازہری، بریلی شریف	المفتی العظام (عربی منقبت) (منظوم)	۱۱۴۸
۱۱	// // // //	ذات احمد رضا کا ہو تم آئینہ (//)	۱۱۶۴
۱۲	// // // //	شبیہ غوث ہو نوری میاں ہو اور رضا تم ہو (//)	۱۱۶۵
۱۳	// // // //	ایک میرے مفتی اعظم کا تقویٰ چھوڑ کر (//)	۱۱۶۶
۱۴	// // // //	لعلِ یکتائے شہِ احمد رضا ملتا نہیں (//)	۱۱۶۷
۱۵	مولانا ارشاد احمد رضوی مصباحی شہسرامی، علی گڑھ	مفتی اعظم اور ردِ بدعات و منکرات	۸۱۰
۱۶	مولانا ارشاد احمد رضوی مصباحی شہسرامی، علی گڑھ	برتر قیاس سے ہے مقام ابوالحسین	۱۸۳
۱۷	رئیس القلم علامہ ارشد القادری مصباحی، جمشید پور	مفتی اعظم کا محدثانہ منصب	۵۵۱
۱۸	رئیس القلم علامہ ارشد القادری مصباحی، جمشید پور	الملفوظ کی ترتیب و تدوین	۶۸۴
۱۹	مولانا مفتی اسلم بستوی مرحوم، انوار القرآن، بلرام پور	جہاں میں آج بھی اس کا پیام روشن ہے (منظوم)	۱۱۳۷
۲۰	مولانا مفتی اسلم بستوی مرحوم، انوار القرآن، بلرام پور	تجریدی نظم (//)	۱۱۴۱
۲۱	مولانا افتخار احمد قادری، دار العلوم غریب نواز، افریقہ	حضور مفتی اعظم قدس سرہ اور علمائے عرب	۹۸۸
۲۲	مولانا مفتی امان الرب رضوی، جامعہ مینائیہ، گونڈہ	مفتی اعظم کے گستاخوں کا لرزہ خیز انجام	۴۱۸
۲۳	الحاج قاری امانت رسول رضوی، پیلی بھیت	مفتی اعظم، متقی اعظم	۲۷۶
۲۴	الحاج قاری امانت رسول رضوی، پیلی بھیت	شہ نوری میاں کی ہیں بشارت مفتی اعظم	۱۱۳۲
۲۵	پروفیسر ڈاکٹر انجم عرفانی، گورکھ پور	نگاہِ نور نے نوری نظر کیا اس کو (منظوم)	۱۱۵۸
۲۶	مولانا انیس عالم سیوانی، جامعۃ القرا، لکھنؤ	حضور مفتی اعظم کے مستفیدین	۱۰۱۶

[ب]

۲۷	مولانا بہاء المصطفیٰ قادری مصباحی، بریلی شریف	مفتی اعظم ایک ہمہ جہت شخصیت	۳۰۴
۲۸	حضرت بیکل اتساہی بلرام پوری، سابق ممبر پارلیمنٹ	علم و تقویٰ کا وہ بے داغ چمکتا ہوا چاند (منظوم)	۱۱۴۷

۲۹	حضرت بیکلؔ اتساہی بلرام پوری، سابق ممبر پارلیمنٹ	الٰہی! اس کی راہ میں ہماری زندگی رہے (منظوم)	۱۱۳۴

[ت]

۳۰	مولانا تطہیر احمد رضوی مصباحی، ضلع بریلی	مفتی اعظم کا دینی تصلب	۷۸۹
۳۱	مولانا توفیق احمد نعیمی اشرفی، شیش گڑھ، ضلع بریلی	مفتی اعظم اور تحریک شدھی	۸۹۵
۳۲	حضرت ترنم فیضی، جمشید پور	ہوگیا خاموش بستانِ علی کا عندلیب	۱۱۷۵

[چ]

۳۳	مولانا چراغ عالم حامدی، اجمل العلوم، سنبھل	سرکار مفتی اعظم کے چند واقعات	۲۸۰

[ح]

۳۴	مولانا حبیب احمد مصباحی نوری، اترانچل	حضور مفتی اعظم اور ردِ بدعات ومنکرات	۸۵۲
۳۵	حضرت حقؔ کان پوری	کیسے محفل میں ترے بعد اجالا ہوگا (منظوم)	۱۱۵۵

[ر]

۳۶	جناب رازؔ الہ آبادی مرحوم	دلِ بے تاب لیے کس کی طرف جاؤ گے (منظوم)	۱۱۵۱
۳۷	مولانا رضوان احمد نوری شریفی مصباحی، گھوسی، مئو	مفتی اعظم کی حق گوئی و بے باکی	۸۳۲
۳۸	علامہ شاہ ریحان رضا خان رحمانی میاں، بریلی شریف	ادائے مصطفیٰ تم ہو رضائے مصطفیٰ تم ہو (منظوم)	۱۱۷۱

[ز]

۳۹	مولانا مفتی زاہد علی سلامی مصباحی، مبارک پور	مفتی اعظم، کچھ یادیں کچھ باتیں	۹۲۸

[س]

۴۰	مولانا ساجد علی مصباحی، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور	مفتی اعظم کی کرامت وروحانیت	۴۲۰
۴۱	ڈاکٹر سراج احمد قادری بستوی	مفتی اعظم کی تنقیحی بصیرت	۳۷۵

۴۲	سید سلیم احمد رضوی قادری، جام نگر، گجرات	نگہ بلند سخن دلنواز جاں پرسوز	۸۶۴
۴۳	سہیل احمد رضوی روکاڑیا، رضا اکیڈمی ممبئی	آثار و تبرکات نوری	متفرق

[ش]

۴۴	حضرت مولانا سید شاہد علی رضوی، رام پور	مفتی اعظم کا سوانحی خاکہ	۱۰۰
۴۵	مولانا شبیر احمد مصباحی، سراج العلوم، مہراج گنج	مفتی اعظم اور ان کی غربا پروری	۸۶۶
۴۶	مولانا، مفتی شبیر حسن رضوی مصباحی، روناہی	مفتی اعظم اور علوم عقلیہ	۳۴۰
۴۷	ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی، گھوسی، مئو	وہ شاہ کار عزیمت تھے مفتی اعظم (منظوم)	۱۱۳۶
۴۸	مولانا شکیل احمد مصباحی، شیش گڑھ، ضلع بریلی	مفتی اعظم اور ان کی تصانیف کا مختصر تعارف	۷۵۷
۴۹	مولانا شمس الہدیٰ خاں مصباحی، مبارک پور	مسئلہ دوام مسجدیت اور سرکار مفتی اعظم	۴۷۹
۵۰	مفتی شفیق احمد شریفی، دار العلوم غریب نواز، الہ آباد	مفتی اعظم اور فتاویٰ مصطفویہ	۵۰۹

[ص]

۵۱	مولانا مفتی صدر الوریٰ قادری مصباحی، مبارک پور	حضور مفتی اعظم کی فقہی بصیرت، ایک فتویٰ کی روشنی میں	۴۸۷

[ط]

۵۲	ڈاکٹر سید طلحہ رضوی برقؔ، دانا پور	سروش دادندامات مفتی اعظم (منظوم)	۱۱۷۳

[ع]

۵۳	علامہ مفتی عاشق الرحمن حبیبی، جامعہ حبیبیہ، الہ آباد	مجاہد ملت کی نظر میں مفتی اعظم کی عظمت و فقاہت	۱۰۴۲
۵۴	مولانا عبد الحق رضوی مصباحی، مبارک پور	حضور مفتی اعظم اور اذان خطبہ	۳۴۳
۵۵	مولانا عبد الحق رضوی، مصباحی مبارک پور	مفتی اعظم کے رسالہ ''الموت الاحمر'' کا ایک جائزہ	۷۴۴
۵۶	مفتی عبد الحلیم اشرفی، دعوت اسلامی، ناگ پور	مفتی اعظم کی کچھ یادیں، کچھ باتیں	۲۵۷
۵۷	مولانا عبد السلام رضوی، جامعہ نوریہ رضویہ، بریلی	ادخال السنان الی حنک الحلقی بسط البنان	۷۷۷
۵۸	مولانا عبد الغفار اعظمی مصباحی، ضیاء العلوم، خیر آباد، مئو	مفتی اعظم اور علماے حرمین شریفین	۹۹۳

۵۹	مولانا عبدالغفار اعظمی مصباحی، ضیاء العلوم، خیرآباد، مئو	دین کے رہ نما ابن احمد رضا (منظوم)	۱۱۶۱
۶۰	مولانا مفتی عبدالغفار ثاقب نوری، جھارکھنڈ	کرامت مفتی اعظم کی منہ بولتی تصویر	۴۰۹
۶۱	علامہ مفتی عبدالمنان اعظمی مصباحی، گھوسی	مفتی اعظم کا زہد و تقویٰ	۲۳۹
۶۲	ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی، بریلی شریف	مفتی اعظم اور حافظ ملت	۱۰۳۶
۶۳	مولانا مفتی عبدالواجد قادری، مقیم ہالینڈ	لمعات مفتی اعظم	۹۴۲
۶۴	مولانا عبدالہادی افریقی	فنا کی آخری منزل مرے بحرِ بقا تم ہو (منظوم)	۱۱۷۲

[غ]

۶۵	مولانا غلام آسی پیا حسنی، بھینسوڑی شریف، رام پور	اب تو بھارت میں ہمارا ہی اجالا ہوگا (منظوم)	۱۱۴۹
۶۶	غلام مصطفی رضوی، مالے گاؤں، ضلع ناسک	کلام نوری میں عقیدۂ ختم نبوت کی ضیاباریاں	۶۷۳
۶۷	ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی، ہمدرد یونیورسٹی، نئی دہلی	مفتی اعظم اور شیر بیشۂ اہل سنت کے باہمی روابط	۱۰۲۵

[ف]

۶۸	جناب فاروق احمد، مدناپوری	یارب! سدا بہار رضا کا چمن رہے (منظوم)	۱۱۴۲
۶۹	پروفیسر فاروق احمد صدیقی، بہار یونیورسٹی، مظفر پور	مفتی اعظم اور سامان بخشش	۶۳۲
۷۰	مولانا فیضان المصطفی اعظمی، جامعہ امجدیہ، گھوسی	الملفوظ کا مقام اور مفتی اعظم	۴۲۷
۷۱	مولانا فروغ احمد اعظمی مصباحی، جمدا شاہی، بستی	مفتی اعظم کے افادات علمیہ	۳۶۴
۷۲	مولانا فروغ احمد اعظمی مصباحی، جمدا شاہی، بستی	مفتی اعظم فقیہ اعظم ہندوستان (منظوم)	۱۱۴۴

[ق]

۷۳	مولانا قمر الحسن قمر بستوی مصباحی، امریکہ	فقہ میں بوحنیفہ کے عکس جمیل (منظوم)	۱۱۳۳
۷۴	مولانا قمر الحسن قمر بستوی مصباحی، امریکہ	حضرت نوری بریلوی کی شاعرانہ پیکر تراشی	۶۳۸
۷۵	مولانا قمر الزماں خاں اعظمی مصباحی، مقیم مانچسٹر	حضور مفتی اعظم ایک عظیم فقیہ، ایک عظیم مجاہد	۲۶۵

[ک]

۷۶	پیر طریقت سید کمیل اشرف اشرفی الجیلانی کچھوچھہ شریف	حضور مفتی اعظم اور عظمت سادات کرام	۲۳۳

۷۷	مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی، کراچی، پاکستان	اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں	۲۹۶

[م]

۷۸	مولانا مبارک حسین مصباحی، رام پوری، مبارک پور	مفتی اعظم اور الجامعۃ الاشرفیہ	۸۷۶
۷۹	مولانا مفتی مجیب الاسلام نسیم اعظمی، ادری، مئو	مفتی اعظم یادوں کے جھروکوں سے	۹۵۷
۸۰	مفتی محبوب رضا روشن القادری، پھول گلی، ممبئی	حضور مفتی اعظم میری یادوں کی روشنی میں	۹۶۰
۸۱	مفتی محبوب رضا روشن القادری، پھول گلی، ممبئی	بھلا کہنا کیا بوے گلستان طریقت کا (منظوم)	۱۱۴۵
۸۲	صدر العلما علامہ محمد احمد مصباحی اعظمی، مبارک پور	مفتی اعظم کے ایک فتوے کا تقابلی مطالعہ	۴۳۰
۸۳	مولانا محمد اختر رضا مصباحی، مہراج گنجوی، مبارک پور	حضور مفتی اعظم کا آخری سفر گورکھ پور	۹۶۳
۸۴	مولانا محمد اختر حسین قادری، جمد اشاہی، بستی	مفتی اعظم اکابر علما و مشائخ کی نظر میں	۹۹۸
۸۵	مولانا مفتی محمد اختصاص الدین اجملی نوری، سنبھل	عالمِ باعمل سرکار مفتی اعظم	۲۶۲
۸۶	ڈاکٹر محمد اسد نوری (علیگ) پیلی بھیت	نوری نوری یادیں ان کی	۹۰۷
۸۷	ڈاکٹر محمد اسد نوری (علیگ) پیلی بھیت	حضور مفتی اعظم کا ذکر رسائل و اخبارات میں	۹۶۹
۸۸	مولانا مفتی محمد اشفاق حسین نعیمی، جودھ پور	مفتی اعظم مئے چشمۂ ولایت و ہدایت	۳۹۵
۸۹	ڈاکٹر محمد اعجاز انجم لطفی، منظر اسلام، بریلی شریف	حضور مفتی اعظم کا روحانی تصرف	۴۱۳
۹۰	مولانا محمد اعجاز رضوی، دار العلوم فیضان رضا، بریلی	شہر بریلی کے ممتاز علماے کرام (خانوادۂ رضویہ)	۱۰۵۶
۹۱	مولانا مفتی محمد اعظم رضوی، مظہرِ اسلام، بریلی شریف	مفتیِ اعظم کا تبحرِ علمی	۱۰۵۱
۹۲	مفتی محمد اشرف رضا قادری، دار العلوم حنفیہ، ممبئی	فن تعویذ نویسی مفتی اعظم کا روحانی عطیہ	۴۰۴
۹۳	مفتی محمد اشرف رضا قادری، دار العلوم حنفیہ، ممبئی	مفتی اعظم کے سقمِ شرعی سے منزہ اشعار	۶۶۳
۹۴	مولانا محمد الیاس عطار قادری، امیر دعوت اسلامی	مفتی اعظم سے ہم کو پیار ہے	۲۵۵
۹۵	مولانا محمد الیاس عطار قادری، امیر دعوت اسلامی	مفتی اعظم سے ہم کو پیار ہے (منظوم)	۱۱۴۸
۹۶	مولانا محمد افروز قادری، چریا کوٹ، مئو	مفتی اعظم اور فن تجوید	۳۸۷

۹۷	مولانا محمد افروز قادری، چریا کوٹ، مئو	مفتی اعظم اور ذکرِ مدینہ	۲۶۸
۹۸	مولانا سید محمد اکبر چشتی، خانقاہ صمدیہ، پھپھوند شریف	مفتی اعظم کے خانقاہی روابط	۳۹۳
۹۹	ڈاکٹر محمد امجد رضا خاں، مرکزی ادارہ شرعیہ، پٹنہ، بہار	حضور مفتی اعظم کی حمد نگاری	۶۵۴
۱۰۰	مولانا سید محمد انور میاں چشتی، پھپھوند شریف	مفتی اعظم اور آپ کا تصلب فی الدین	۲۸۳
۱۰۱	مولانا مفتی محمد ایوب نعیمی، جامعہ نعیمیہ، مرادآباد	صحبتے با اولیا	۴۰۷
۱۰۲	برہان ملت علامہ مفتی محمد برہان الحق رضوی، جبل پوری	مفتی اعظم سے میری دیرینہ رفاقت	۲۱۴
۱۰۳	مولانا محمد حسن علی رضوی، میلسی، پاکستان	مفتی اعظم کی شان عبقرت	۳۸۰
۱۰۴	مولانا سید محمد حسینی اشرفی برکاتی مصباحی، رائچور	حضور مفتی اعظم اور ناگ پور	۹۲۳
۱۰۵	مولانا محمد رفیق عالم رضوی مصباحی، بریلی شریف	شہر بریلی کے ممتاز علمائے کرام (خانوادۂ رضویہ کے علاوہ)	۱۰۶۵
۱۰۶	جناب محمد رفیق رضوی، رضا اکیڈمی، ممبئی	میرے مرشد گرامی کی یادیں	۸۷۳
۱۰۷	اسیر مفتی اعظم الحاج محمد سعید نوری، رضا اکیڈمی، ممبئی	میرے مرشد گرامی	۸۴۸
۱۰۸	اسیر مفتی اعظم الحاج محمد سعید نوری، رضا اکیڈمی، ممبئی	منتخبات فتاویٰ مصطفویہ	۵۲۱
۱۰۹	شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی، علیہ الرحمہ	کیا کیا کہوں تجھے؟	۲۵۱
۱۱۰	شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی، علیہ الرحمہ	مفتی اعظم اپنے فضل وکمال کے آئینے میں	۳۲۲
۱۱۱	مولانا مفتی محمد شمشاد حسین رضوی، بدایوں شریف	سرکار مفتی اعظم، مقبولیت اور اسباب	۲۸۸
۱۱۲	مولانا مفتی محمد شمشاد حسین رضوی، بدایوں شریف	حضور مفتی اعظم اور مسئلہ تثویب	۳۶۹
۱۱۳	مولانا محمد شہاب الدین رضوی، بریلی شریف	مفتی اعظم کے چند مشاہیر خلفا	۱۰۱۰
۱۱۴	مولانا محمد شہاب الدین رضوی، بریلی شریف	مفتی اعظم اور کل ہند جماعت رضائے مصطفی	۸۸۱
۱۱۵	مولانا محمد طاہر المصباحی، جامعہ کاملیہ، مہراج گنج	ان کا سایہ اک تجلی ان کا نقش پا چراغ	۸۷۱
۱۱۶	مولانا محمد عارف اللہ فیضی مصباحی، محمد آباد گوہنہ، مئو	مفتی اعظم کی حق گوئی وبے باکی	۲۹۸

۱۱۷	مولانا محمد عاقل رضوی مصباحی، الجامعۃ القادریہ، رچھا	مفتی اعظم اور جماعت رضائے مصطفی	۸۹۱
۱۱۸	مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی، شمس العلوم، گھوسی، مئو	ہمارے مفتی اعظم کا جذبۂ خدمت خلق	۸۴۰
۱۱۹	مولانا مفتی محمد عالم گیر رضوی مصباحی، جودھ پور	جامع شرع وطریقت مفتی اعظم کی ذات	۳۰۸
۱۲۰	مولانا محمد عبد المبین نعمانی قادری، چریاکوٹ مئو	جامع شرع وطریقت مفتی اعظم کی ذات (منظوم)	۱۱۵۴
۱۲۱	مولانا محمد عبد المبین نعمانی قادری، چریاکوٹ مئو	حضور مفتی اعظم کے آخری ایام کی جھلکیاں	۱۱۲۱
۱۲۲	مولانا محمد عبد المبین نعمانی قادری، چریاکوٹ مئو	یادوں کے چراغ	۸۹۹
۱۲۳	محمد عثمان اوج اعظمی، ضیاء العلوم، خیرآباد، مئو	پھلے پھولے ہمیشہ گلستان مفتی اعظم (منظوم)	۱۱۵۷
۱۲۴	محمد عثمان اوج اعظمی، ضیاء العلوم، خیرآباد، مئو	خوشبو سے تری مہکے فردوس کا ہر خانہ (تضمین)	۱۱۶۰
۱۲۵	مفتی محمد عنایت احمد نعیمی، عربک کالج، بلرام پور	نمونۂ اسلاف سرکار مفتی اعظم	۲۹۲
۱۲۶	مولانا محمد عیسیٰ رضوی قادری، گرسہائے گنج، قنوج	مفتی اعظم اور علم حدیث	۵۸۹
۱۲۷	مفتی محمد فاروق رضوی، منظر اسلام، بریلی شریف	مفتی اعظم اور صدر العلما غلام جیلانی میرٹھی	۱۰۴۶
۱۲۸	علامہ سید محمد قائم رضوی قتیلؔ داناپوری	نالہ کشاں زرنج والم ہر بریلوی ست (منظوم)	۱۱۵۶
۱۲۹	مفتی محمد مجیب اشرف رضوی، دار العلوم امجدیہ، ناگ پور	حضور مفتی اعظم کا علمی وفقہی استحضار	۴۷۴
۱۳۰	ڈاکٹر محمد محب الحق قادری (علیگ)، گھوسی، مئو	مفتی اعظم کے ظاہر وباطن کی یکسانیت	۳۹۸
۱۳۱	مولانا محمد محسن رضا ہادی، گجرات	حضور مفتی اعظم کا تصلب فی الدین	۸۵۹
۱۳۲	علامہ سید محمد مدنی میاں اشرفی الجیلانی، کچھوچھہ شریف	مفتی اعظم کا استقلال واستقامت	۲۲۸
۱۳۳	مفتی محمد مطیع الرحمٰن، جامعۃ الخضرا، مظفر پور	حضور مفتی اعظم اور ان کی فقاہت	۴۶۶
۱۳۴	مولانا مفتی محمد معراج القادری مصباحی، مبارک پور	مفتی اعظم اور تصویر کشی	۴۸۳
۱۳۵	محمد میکائیل ضیائی، بھاگل پور	مشعل راہ جس کے نشان قدم (منظوم)	۱۱۵۲
۱۳۶	مولانا مفتی محمد ناظم علی مصباحی، مبارک پور	فن اسماء الرجال میں مفتی اعظم کی مہارت	۵۹۸
۱۳۷	علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی، مبارک پور	مفتی اعظم بحر فقاہت کے درشاہ وار	۴۴۰

۱۳۸	مولانا محمد یامین رضوی مرادآبادی، مدن پورہ، بنارس	حضرت مفتی اعظم کا طرز افتا	۴۹۷
۱۳۹	مولانا محمود احمد رفاقتی، مظفر پور	مفتی اعظم کے آخری سفر حج کے کچھ خاص واقعات	۱۰۸۱
۱۴۰	ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی	مکاتیب مفتی اعظم بہ نام مولانا ظفر الدین قادری	۱۰۸۹
۱۴۱	علامہ مفتی مطیع الرحمن مضطر رضوی پورنوی	مفتی اعظم، مفتی اعظم کیوں؟	۴۵۳
۱۴۲	مولانا ملک الظفر اکمل سہسرامی، جامعہ نظامیہ خیریہ	وہ زندگی جو تھی تصویر اعلیٰ حضرت کی (منظوم)	۱۱۵۳
۱۴۳	مولانا مرغوب حسن قادری، ادروی، بحر العلوم، مئو	مفتی اعظم ایک جامع الصفات شخصیت	۳۱۳
۱۴۴	مولانا مرغوب حسن قادری، ادروی، بحر العلوم، مئو	خلوص بے کراں کی داستاں تھے مفتی اعظم (منظوم)	۱۱۶۲
۱۴۵	مولانا محمد منشا تابش قصوری، جامعہ نظامیہ، لاہور	السلام اے ذاکرِ آلِ رسول	۱۱۶۳
۱۴۶	مہتاب پیامی (ایم۔اے۔اردو) مبارک پور	حسن اخلاق کے احساس کا پیمانہ چلا (〃)	۱۱۶۸
۱۴۷	مہتاب پیامی (ایم۔اے۔اردو) مبارک پور	لب پہ آجاتا ہے جب اس باصفا کا تذکرہ (〃)	۱۱۷۰

[ن]

۱۴۸	مولانا نصر اللہ رضوی مصباحی، محمد آباد گوہنہ، مئو	مفتی اعظم اور اسنادِ فقہ و احادیث	۵۶۹
۱۴۹	مولانا نفیس احمد مصباحی بارہ بنکوی، مبارک پور	مفتی اعظم کے والد ماجد امام احمد رضا قادری	۱۴۰
۱۵۰	علامہ نسیم بستوی علیہ الرحمہ، براؤں شریف	ہمارے مفتی اعظم ہمارے مفتی اعظم (منظوم)	۱۱۷۶

[و]

۱۵۱	صاحب زادہ وجاہت رسول قادری، کراچی	مفتی اعظم ایک ہمہ جہت شخصیت	۳۵۸
۱۵۲	مولانا ولی محمد رضوی، باسنی، ناگور شریف، راجستھان	مفتی اعظم اور فتاویٰ مصطفویہ	۵۰۲

[ی]

۱۵۳	علامہ یٰسین اختر مصباحی، اعظمی، دار القلم، نئی دہلی	مفتی اعظم اور الملفوظ	۷۰۱
۱۵۴	یکے از گدائے مفتی اعظم	مفتی اعظم کا ادبی سراپا سامانِ بخشش کے آئینے میں	۶۷۷

فہرست مقالات بہ اعتبار ابواب

[پہلا باب]

سوانحی خاکہ

نمبرشمار	عنوانات	مقالہ نگار	صفحہ
۱	مفتیِ اعظم کا سوانحی خاکہ	حضرت مولانا سید شاہد علی رضوی، رام پوری	۱۰۰
۲	مفتیِ اعظم کے والد ماجد امام احمد رضا قادری	مولانا مفتی نفیس احمد مصباحی بارہ بنکوی، مبارک پور	۱۴۰

[دوسرا باب]

بیعت وارشاد، اجازت وخلافت

نمبرشمار	عنوانات	مقالہ نگار	صفحہ
۳	''برتر قیاس سے ہے مقامِ ابوالحسین'' (نوری میاں)	مولانا ارشاد احمد مصباحی شہسرامی، علی گڑھ	۱۸۳
۴	مفتیِ اعظم کے دادا پیر حضرت سید آلِ رسول مارہروی	مولانا اختر حسین فیضی مصباحی اعظمی، مبارک پور	۲۰۱

[تیسرا باب]

سیرت وکردار، مثالی شخصیت

نمبرشمار	عنوانات	مقالہ نگار	صفحہ
۵	مفتی اعظم سے میری دیرینہ رفاقت اور آپ کی بصیرت افروز شخصیت	برہانِ ملت علامہ مفتی محمد برہان الحق، جبل پوری	۲۱۴
۶	ولی صورت ولی سیرت ہمارے مفتی اعظم	حضرت سید آلِ رسول حسنین میاں نظمی برکاتی مارہروی	۲۲۲
۷	مفتی اعظم کا استقلال واستقامت	علامہ سید محمد مدنی میاں اشرفی الجیلانی، کچھوچھہ شریف	۲۲۸
۸	حضور مفتی اعظم اور عظمتِ سادات کرام	پیر طریقت سید کمیل اشرف اشرفی الجیلانی کچھوچھہ شریف	۲۳۳

۹	مفتی اعظم کا زہد وتقویٰ	حضرت علامہ مفتی عبدالمنان اعظمی مصباحی، گھوسی	۲۳۹
۱۰	کیا کیا کہوں تجھے؟	شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی (علیہ الرحمہ)	۲۵۱
۱۱	مفتی اعظم سے ہم کو پیار ہے	مولانا محمد الیاس عطار قادری، امیر دعوت اسلامی	۲۵۵
۱۲	مفتی اعظم کی کچھ یادیں، کچھ باتیں	مفتی عبدالحلیم اشرفی، دعوت اسلامی، ناگ پوری	۲۵۷
۱۳	عالمِ باعمل سرکار مفتی اعظم	مولانا مفتی محمد اختصاص الدین اجملی نوری، سنبھل	۲۶۲
۱۴	حضور مفتی اعظم ایک عظیم فقیہ ایک عظیم مجاہد	مولانا قمرالزماں خاں اعظمی مصباحی، مقیم مانچسٹر	۲۶۵
۱۵	مفتی اعظم: متقی اعظم	الحاج قاری امانت رسول رضوی، پیلی بھیت	۲۷۶
۱۶	سرکار مفتی اعظم کے چند واقعات	مولانا چراغ عالم حامدی، اجمل العلوم، سنبھل	۲۸۰
۱۷	مفتی اعظم اور آپ کا تصلب فی الدین	مولانا سید محمد انور میاں چشتی، پھپھوند شریف	۲۸۳
۱۸	سرکار مفتی اعظم، مقبولیت اور اسباب	مولانا مفتی محمد شمشاد حسین رضوی، بدایوں شریف	۲۸۸
۱۹	نمونۂ اسلاف سرکار مفتی اعظم	مولانا مفتی محمد عنایت احمد نعیمی، عربی کالج، بلرام پور	۲۹۲
۲۰	اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں	مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی، کراچی، پاکستان	۲۹۶
۲۱	مفتیِ اعظم کی حق گوئی وبے باکی	مولانا محمد عارف اللہ مصباحی، محمد آباد گوہنہ، مئو	۲۹۸
۲۲	مفتی اعظم ایک ہمہ جہت شخصیت	مولانا بہاء المصطفیٰ قادری مصباحی، بریلی شریف	۳۰۴
۲۳	جامع شرع وطریقت مفتی اعظم کی ذات	مولانا مفتی محمد عالم گیر رضوی مصباحی، جودھ پور	۳۰۸
۲۴	حضور مفتی اعظم ایک جامع الصفات شخصیت	مولانا مرغوب حسن قادری ادروی، بحر العلوم، مئو	۳۱۳

[چوتھا باب]

تبحر علمی، فضل وکمال

۲۵	مفتی اعظم اپنے فضل وکمال کے آئینے میں	شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی (علیہ الرحمہ)	۳۲۲
۲۶	مفتی اعظم اور علوم عقلیہ	مولانا مفتی شبیر حسن رضوی مصباحی، روناہی	۳۴۰
۲۷	حضور مفتی اعظم اور اذان خطبہ	مولانا عبدالحق رضوی مصباحی، مبارک پور	۳۴۳

۲۸	مفتی اعظم ایک ہمہ جہت شخصیت	صاحب زادہ وجاہت رسول قادری، کراچی	۳۵۸
۲۹	مفتی اعظم کے افادات علمیہ	مولانا فروغ احمد اعظمی مصباحی، جمداشاہی، بستی	۳۶۴
۳۰	حضور مفتیِ اعظم اور مسئلۂ تثویب	مولانا مفتی محمد شمشاد حسین رضوی، بدایوں شریف	۳۶۹
۳۱	مفتی اعظم کی تنقیحی بصیرت	ڈاکٹر سراج احمد صاحب قادری، بستوی	۳۷۵
۳۲	مفتی اعظم کی شان عبقریت	مولانا محمد حسن علی رضوی، میلسی، پاکستان	۳۸۰
۳۳	مفتی اعظم اور فنِ تجوید	مولانا محمد افروز قادری، چریاکوٹ، مئو	۳۸۷

[پانچواں باب]

روحانیات، تصرفات، کرامات

۳۴	مفتی اعظم کے خانقاہی روابط	مولانا سید محمد اکبر چشتی، خانقاہ صمدیہ، پھپھوند شریف	۳۹۳
۳۵	مفتی اعظم مئے چشمۂ ولایت وہدایت	مولانا مفتی محمد اشفاق حسین نعیمی، جودھ پور	۳۹۵
۳۶	مفتی اعظم کے ظاہر و باطن کی یکسانیت	ڈاکٹر محمد محب الحق قادری (علیگ) گھوسی، مئو	۳۹۸
۳۷	فن تعویذ نویسی، مفتی اعظم کا روحانی عطیہ	مفتی محمد اشرف رضا قادری، دارالعلوم حنفیہ، ممبئی	۴۰۴
۳۸	صحبتے با اولیا	مولانا مفتی محمد ایوب نعیمی، جامعہ نعیمیہ، مرادآباد	۴۰۷
۳۹	کرامت مفتی اعظم کی منہ بولتی تصویر	مولانا مفتی عبدالغفار ثاقب نوری، جھارکھنڈ	۴۰۹
۴۰	حضور مفتی اعظم کا روحانی تصرف	ڈاکٹر مولانا محمد اعجاز انجم لطیفی، منظر اسلام، بریلی شریف	۴۱۳
۴۱	مفتی اعظم کے گستاخوں کا لرزہ خیز انجام	مولانا مفتی امان الرب رضوی، جامعہ مینائیہ، گونڈہ	۴۱۸
۴۲	مفتی اعظم کی کرامت و روحانیت	مولانا ساجد علی مصباحی، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور	۴۲۰

[چھٹا باب]

فقہی بصیرت، فتویٰ نویسی

۴۳	مفتی اعظم کے ایک فتوے کا تقابلی مطالعہ	صدرالعلما علامہ محمد احمد مصباحی اعظمی، مبارک پور	۴۳۰

۴۴	مفتی اعظم بحرِ فقاہت کے درِ شاہوار	علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی، مبارک پور	۴۴۰
۴۵	مفتی اعظم، مفتیِ اعظم کیوں؟	علامہ مفتی مطیع الرحمان مضطرؔ رضوی پورنوی	۴۵۳
۴۶	حضور مفتی اعظم اور ان کی فقاہت	مفتی محمد مطیع الرحمان، جامعۃ الخضرا، مظفر پور	۴۶۶
۴۷	حضور مفتی اعظم کا علمی وفقہی استحضار	مفتی محمد مجیب اشرف رضوی، دار العلوم امجدیہ، ناگ پور	۴۷۴
۴۸	مسئلہ دوام مسجدیت اور سرکار مفتی اعظم	مولانا شمس الہدیٰ خاں مصباحی، مبارک پور	۴۷۹
۴۹	مفتی اعظم اور تصویر کشی	مولانا مفتی محمد معراج القادری، مصباحی، مبارک پور	۴۸۳
۵۰	مفتی اعظم کی فقہی بصیرت، ایک فتویٰ کی روشنی میں	مولانا مفتی صدر الوریٰ قادری مصباحی، مبارک پور	۴۸۷
۵۱	حضرت مفتی اعظم کا طرز افتا	مولانا محمد یامین رضوی مرادآبادی، مدن پورہ، بنارس	۴۹۷
۵۲	مفتی اعظم اور فتاویٰ مصطفویہ	مولانا ولی محمد رضوی، باسنی، ناگور شریف، راجستھان	۵۰۲
۵۳	مفتی اعظم اور فتاویٰ مصطفویہ	مفتی شفیق احمد شریفی، دار العلوم غریب نواز، الہ آباد	۵۰۹
۵۴	حضور مفتیِ اعظم اور فتاویٰ مصطفویہ	مولانا مفتی آلِ مصطفی مصباحی، جامعہ امجدیہ، گھوسی	۵۱۳
۵۵	منتخبات فتاویٰ مصطفویہ	اسیر مفتی اعظم الحاج محمد سعید نوری، رضا اکیڈمی، ممبئی	۵۲۱

[ساتواں باب]

فن حدیث میں رسوخ وتبحر

۵۶	مفتی اعظم کا محدثانہ منصب	رئیس القلم علامہ ارشد القادری مصباحی، جمشید پور	۵۵۱
۵۷	مفتی اعظم اور اسناد فقہ واحادیث	مولانا نصر اللہ رضوی مصباحی، محمد آباد گوہنہ، مئو	۵۶۹
۵۸	مفتی اعظم اور علم حدیث	مولانا محمد عیسیٰ رضوی قادری، گرسہائے گنج، قنوج	۵۸۹
۵۹	فن اسماء الرجال میں مفتی اعظم کی مہارت	مولانا مفتی محمد ناظم علی مصباحی، مبارک پور	۵۹۸

[آٹھواں باب]

ذوق شعر وسخن، عشق رسول

۶۰	مفتی اعظم اور سامان بخشش	پروفیسر فاروق احمد صدیقی، بہار یونیورسٹی، مظفر پور	۶۳۲
۶۱	حضرت نوری بریلوی کی شاعرانہ پیکر تراشی	مولانا قمر الحسن قمر بستوی مصباحی، امریکہ	۶۳۸
۶۲	حضور مفتی اعظم کی حمد نگاری	ڈاکٹر محمد امجد رضا خاں، مرکزی ادارہ شرعیہ، پٹنہ، بہار	۶۵۴
۶۳	مفتی اعظم کے سقمِ شرعی سے منزہ اشعار	مفتی محمد اشرف رضا قادری دار العلوم حنفیہ ممبئی	۶۶۲
۶۴	مفتی اعظم اور ذکر مدینہ	مولانا محمد افروز قادری، چریا کوٹ، مئو	۶۶۸
۶۵	کلامِ نوری میں عقیدہ ختم نبوت کی ضیا باریاں	غلام مصطفیٰ رضوی، مالے گاؤں، ضلع ناسک	۶۷۳
۶۶	مفتی اعظم کا ادبی سراپا سامان بخشش کے آئینے میں	یکے از گدائے مفتی اعظم	۶۷۷

[نواں باب]

الملفوظ کی ترتیب وتدوین

۶۷	الملفوظ کی ترتیب وتدوین	رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری، مصباحی جمشید پور	۶۸۴
۶۸	مفتی اعظم اور الملفوظ	علامہ یٰسین اختر مصباحی اعظمی، دار القلم، نئی دہلی	۷۰۱
۶۹	الملفوظ کا مقام اور مفتی اعظم	مولانا فیضان المصطفیٰ اعظمی، جامعہ امجدیہ، گھوسی	۷۲۷

[دسواں باب]

تصنیفی وتالیفی خدمات

۷۰	مفتی اعظم کے رسالہ ''الموت الاحمر'' کا ایک جائزہ	مولانا عبد الحق رضوی، مصباحی، مبارک پور	۷۴۴
۷۱	مفتی اعظم اور ان کی تصانیف کا مختصر تعارف	مولانا شکیل احمد مصباحی، شیش گڑھ، ضلع بریلی	۷۵۷
۷۲	ادخال السنان الی حنک الحلقی بسط البنان	مولانا عبد السلام رضوی، جامعہ نوریہ رضویہ، بریلی	۷۷۷

[گیارہواں باب]

دینی واصلاحی خدمات

۷۳	مفتی اعظم کا دینی تصلب	مولانا تطہیر احمد رضوح مصباحی، ضلع بریلی	۷۸۹

۷۴	مفتی اعظم اور ردِ بدعات ومنکرات	مولانا ارشاد احمد رضوی مصباحی شہسرامی، علی گڑھ	۸۱۰
۷۵	مفتی اعظم کی حق گوئی و بے باکی	مولانا رضوان احمد نوری شریفی مصباحی، گھوسی، مئو	۸۳۲
۷۶	ہمارے مفتی اعظم کا جذبۂ خدمت خلق	مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی، شمس العلوم، گھوسی، مئو	۸۴۰
۷۷	میرے مرشد گرامی	اسیر مفتی اعظم الحاج محمد سعید نوری، رضا اکیڈمی، ممبئی	۸۴۸
۷۸	حضور مفتی اعظم اور ردِ بدعات ومنکرات	مولانا حبیب احمد مصباحی نوری، اترانچل	۸۵۲
۷۹	حضور مفتی اعظم کا تصلب فی الدین	مولانا محمد محسن رضا ہادی، گجرات	۸۵۹
۸۰	نگہ بلند، سخن دل نواز، جاں پرسوز	سید سلیم احمد قادری رضوی، جام نگر گجرات	۸۶۴
۸۱	مفتی اعظم اور ان کی غربا پروری	مولانا شبیر احمد مصباحی، سراج العلوم، مہراج گنج	۸۶۶
۸۲	ان کا سایہ اک تجلی، ان کا نقش پا چراغ	مولانا محمد طاہر المصباحی، جامعہ کاملیہ، مہراج گنج	۸۷۱
۸۳	میرے مرشد گرامی کی یادیں	جناب محمد رفیق رضوی، رضا اکیڈمی، ممبئی	۸۷۳

[بارہواں باب]

تنظیمی وتحریکی خدمات

۸۴	مفتی اعظم اور الجامعۃ الاشرفیہ	مولانا مبارک حسین مصباحی، رام پوری، مبارک پور	۸۷۶
۸۵	مفتی اعظم اور کل ہند جماعت رضائے مصطفی	مولانا محمد شہاب الدین رضوی، بریلی شریف	۸۸۱
۸۶	مفتی اعظم اور جماعت رضائے مصطفی	مولانا محمد عاقل رضوی مصباحی، الجامعۃ القادریہ، رچھا	۸۹۱
۸۷	مفتی اعظم اور تحریک شدھی	مولانا توفیق احمد نعیمی اشرفی، شیش گڑھ، ضلع بریلی	۸۹۵

[تیرہواں باب]

اسفار ومشاہدات کی روشنی میں

۸۸	یادوں کے چراغ	مولانا محمد عبد المبین نعمانی قادری، چریا کوٹ، مئو	۸۹۹
۸۹	نوری نوری یادیں ان کی	ڈاکٹر محمد اسد نوری (علیگ) پیلی بھیت	۹۰۷

۹۰	حضور مفتی اعظم اور ناگ پور	مولانا سید محمد حسینی اشرفی برکاتی مصباحی، رائچور	۹۲۳
۹۱	مفتی اعظم: کچھ یادیں کچھ باتیں	مولانا مفتی زاہد علی سلامی، مصباحی، مبارک پور	۹۲۸
۹۲	لمعات مفتی اعظم	مولانا مفتی عبدالواجد قادری، مقیم ہالینڈ	۹۴۲
۹۳	مفتی اعظم یادوں کے جھروکوں سے	مولانا مفتی مجیب الاسلام نسیم اعظمی، ادری، مئو	۹۵۷
۹۴	حضور مفتی اعظم میری یادوں کی روشنی میں	مولانا مفتی محبوب رضا روشن القادری، پھول گلی ممبئی	۹۶۰
۹۵	حضور مفتی اعظم کا آخری سفر گورکھ پور	مولانا محمد اختر رضا مصباحی مہراج گنجوی، مبارک پور،	۹۶۳

[چودہواں باب]

مفتی اعظم رسائل واخبارات کی روشنی میں

۹۶	حضور مفتی اعظم کا ذکر رسائل واخبارات میں	ڈاکٹر محمد اسد نوری پیلی بھیتی (علیگ)	۹۶۹

[پندرہواں باب]

مفتی اعظم اور علماے حجاز

۹۷	حضور مفتی اعظم قدس سرہ اور علماے عرب	مولانا افتخار احمد قادری، دارالعلوم غریب نواز، افریقہ	۹۸۸
۹۸	مفتی اعظم اور علماے حرمین شریفین	مولانا عبدالغفار اعظمی، مصباحی، خیرآباد، مئو	۹۹۳

[سولہواں باب]

مفتی اعظم ارباب علم ودانش کی نظر میں

۹۹	مفتی اعظم اکابر علما ومشائخ کی نظر میں	مولانا محمد اختر حسین قادری، جمد اشاہی، بستی	۹۹۸

[سترہواں باب]

خلفا وتلامذہ، مریدین ومستفیدین

۱۰۰	مفتی اعظم کے چند مشاہیر خلفا	مولانا محمد شہاب الدین رضوی، بریلی شریف	۱۰۱۰

۱۰۱	حضور مفتی اعظم کے مستفیدین	مولانا انیس عالم سیوانی، جامعۃ القرا لکھنؤ	۱۰۱۶

[اٹھارہواں باب]

اقران ومعاصرین کی نظر میں

۱۰۲	مفتی اعظم اور شیر بیشہ اہل سنت کے باہمی روابط	ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی، ہمدرد یونیورسٹی، نئی دہلی	۱۰۲۵
۱۰۳	مفتی اعظم اور حافظ ملت	ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی، بریلی شریف	۱۰۳۶
۱۰۴	مجاہد ملت کی نظر میں مفتی اعظم کی عظمت وفقاہت	علامہ مفتی عاشق الرحمان حبیبی، جامعہ حبیبیہ، الہ آباد	۱۰۴۲
۱۰۵	مفتی اعظم اور صدر العلما غلام جیلانی میرٹھی	مفتی محمد فاروق رضوی، منظر اسلام، بریلی شریف	۱۰۴۶
۱۰۶	مفتی اعظم کا تبحر علمی	مولانا مفتی محمد اعظم رضوی، مظہر اسلام، بریلی شریف	۱۰۵۱

[انیسواں باب]

شہر بریلی کے علما ودانش وران

۱۰۷	شہر بریلی کے ممتاز علمائے کرام (خانوادۂ رضویہ)	مولانا محمد اعجاز رضوی دارالعلوم فیضان رضا، بریلی	۱۰۵۶
۱۰۸	شہر بریلی کے ممتاز علمائے کرام (خانوادۂ رضویہ کے علاوہ)	مولانا محمد رفیق عالم رضوی مصباحی، بریلی شریف	۱۰۶۵

[بیسواں باب]

حج وزیارت حرمین شریفین

۱۰۹	مفتی اعظم کے آخری سفر حج کے کچھ خاص واقعات	مولانا محمود احمد رفاقتی، مظفر پور	۱۰۸۱

[اکیسواں باب]

مکتوبات مفتی اعظم

۱۱۰	مکاتیب مفتی اعظم بہ نام مولانا ظفر الدین قادری	ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی	۱۰۸۹

[بائیسواں باب]

مفتی اعظم کا آخری سفر

۱۱۱	حضور مفتی اعظم کے آخری ایام کی جھلکیاں	مولانا محمد عبد المبین نعمانی، قادری، چریا کوٹ، مئو	۱۱۲۱
۱۱۲	مفتی اعظم ماہ وسال کے آئینے میں	مولانا اختر الاسلام علیمی، المجمع الاسلامی، مبارک پور	۱۱۲۸

[تیئیسواں باب]

مناقب مفتی اعظم

۱۱۳	شہ نوری میاں کی ہیں بشارت مفتی اعظم	الحاج قاری امانت رسول نوری، پیلی بھیت	۱۱۳۲
۱۱۴	فقہ میں بوحنیفہ کے عکس جمیل	مولانا قمر الحسن قمر بستوی مصباحی، امریکہ	۱۱۳۳
۱۱۵	الٰہی اس کی راہ میں ہماری زندگی رہے	حضرت بیکل اتساہی بلرام پوری، سابق ممبر پارلیمنٹ	۱۱۳۴
۱۱۶	وہ شاہ کار عزیمت تھے مفتی اعظم	ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی، گھوسی، مئو	۱۱۳۶
۱۱۷	جہاں میں آج بھی اس کا پیام روشن ہے	مولانا مفتی اسلم بستوی مرحوم، انوار القرآن، بلرام پور	۱۱۳۷
۱۱۸	ولی دین حق شان ولایت مفتی اعظم	حضرت اجمل سلطان پوری	۱۱۳۸
۱۱۹	سعید نوری کے اصرار پر ہے منقبت حاضر	// // //	۱۱۳۹
۱۲۰	احمد رضا کا نورِ نظر مصطفی رضا	// // //	۱۱۴۰
۱۲۱	احتیاط شریعت کی کیا بات ہے	حضرت اجمل سلطان پور	۱۱۴۱
۱۲۲	یارب سدا بہار رضا کا چمن رہے	جناب فاروق احمد مدنا پوری	۱۱۴۲
۱۲۳	تجریدی نظم	مولانا مفتی اسلم بستوی مرحوم، انوار القرآن، بلرام پور	۱۱۴۳
۱۲۴	مفتی اعظم فقیہ اعظم ہندوستاں	مولانا فروغ احمد اعظمی مصباحی، جمد اشاہی	۱۱۴۴

۱۲۵	بھلا کہنا کیا بوے گلستان طریقت کا	مفتی محبوب رضا روشن القادری، پھول گلی، ممبئی	۱۱۴۵
۱۲۶	مفتی اعظم سے ہم کو پیار ہے	مولانا محمد الیاس عطار قادری، امیر دعوت اسلامی	۱۱۴۶
۱۲۷	علم وتقویٰ کا وہ بے داغ چمکتا ہوا چاند	حضرت بیکل اتساہی بلرام پوری، سابق ممبر پارلیمنٹ	۱۱۴۷
۱۲۸	المفتی العظام (عربی منقبت)	علامہ اختر رضا خاں، قادری، ازہری، بریلی شریف	۱۱۴۸
۱۲۹	اب تو بھارت میں ہمارا ہی اجالا ہوگا	مولانا غلام آسی پیا حسنی، بھینسوڑی شریف، رام پور	۱۱۴۹
۱۳۰	بوالحسین احمد نور رضیا کا آئینہ	سید آل رسول حسنین میاں نظمی برکاتی، مارہرہ	۱۱۵۰
۱۳۱	دلِ بے تاب لیے کس کی طرف جاؤ گے	جناب راز الٰہ آبادی مرحوم	۱۱۵۱
۱۳۲	مشعل راہ جس کے نشان قدم	جناب محمد میکائیل ضیائی، بھاگل پوری	۱۱۵۲
۱۳۳	وہ زندگی جو تھی تصویر اعلیٰ حضرت کی	مولانا ملک الظفر اکمل سہسرامی، جامعہ نظامیہ خیریہ	۱۱۵۳
۱۳۴	جامع شرع وطریقت مفتی اعظم کی ذات	مولانا محمد عبد المبین نعمانی قادری، چریا کوٹ، مئو	۱۱۵۴
۱۳۵	کیسے محفل میں ترے بعد اجالا ہوگا؟	حضرت حق کان پوری	۱۱۵۵
۱۳۶	نالہ کشاں ز رنج والم ہر بریلوی ست (نظم تاریخ)	علامہ سید محمد قائم رضوی قتیل دانا پوری	۱۱۵۶
۱۳۷	پھلے پھولے ہمیشہ گلستان مفتی اعظم	محمد عثمان اوج اعظمی، ضیاء العلوم خیر آباد، مئو	۱۱۵۷
۱۳۸	نگاہِ نور نے نوری نظر کیا اس کو	پروفیسر ڈاکٹر انجم عرفانی، گورکھ پور	۱۱۵۸
۱۳۹	خوشبو سے تری مہکے فردوس کا ہر خانہ (تضمین)	محمد عثمان اوج اعظمی، ضیاء العلوم خیر آباد، مئو	۱۱۶۰
۱۴۰	دین کے رہ نما ابن احمد رضا	مولانا عبد الغفار اعظمی مصباحی، ضیاء العلوم خیر آباد، مئو	۱۱۶۱
۱۴۱	خلوص بے کراں کی داستاں تھے مفتی اعظم	مولانا مرغوب حسن قادری ادروی، بحر العلوم، مئو	۱۱۶۲
۱۴۲	السلام اے ذاکر آل رسول	مولانا محمد منشا تابش قصوری، جامعہ نظامیہ، لاہور	۱۱۶۳
۱۴۳	ذات احمد رضا کا ہو تم آئینہ	علامہ اختر رضا خاں قادری، ازہری، بریلی شریف	۱۱۶۴
۱۴۴	شبیہ غوث ہو نوری میاں ہو اور رضا تم ہو	// // //	۱۱۶۵
۱۴۵	ایک میرے مفتی اعظم کا تقویٰ چھوڑ کر	// // //	۱۱۶۶

۱۴۶	لعل یکتاے شہ احمد رضا ملتا نہیں	〃 〃 〃	۱۱۶۷
۱۴۷	حسنِ اخلاق کے احساس کا پیمانہ چلا	مہتاب پیامی، ایم۔اے۔(اردو) مبارک پور	۱۱۶۸
۱۴۸	لب پہ آجاتا ہے جب اس باصفا کا تذکرہ	مہتاب پیامی، ایم۔اے۔(اردو) مبارک پور	۱۱۷۰
۱۴۹	ادائے مصطفیٰ تم ہو رضائے مصطفیٰ تم ہو	علامہ شاہ ریحان رضا خان رحمانی میاں، بریلی شریف	۱۱۷۱
۱۵۰	فنا کی آخری منزل میرے بحرِ بقا تم ہو	مولانا عبد الہادی افریقی	۱۱۷۲
۱۵۱	سروش دادندامات مفتی اعظم	ڈاکٹر سید طلحہ رضوی برقؔ، دانا پور	۱۱۷۳
۱۵۲	ہمارے مفتی اعظم ہمارے مفتی اعظم	علامہ نسیم بستوی علیہ الرحمہ، براؤں شریف	۱۱۷۴
۱۵۳	ہو گیا خاموش بستانِ علی کا عندلیب	حضرت ترنم فیضی، جمشید پور	۱۱۷۵

[چوبیسواں باب]

مفتی اعظم کی کہانی تصویروں کی زبانی

۱۵۴	آثار و تبرکات نوری	سہیل احمد رضوی، روکاڑیا، رضا اکیڈمی، ممبئی	متفرق

اپنی بات

اسیر مفتی اعظم حضرت الحاج محمد سعید نوری دام ظلہ
بانی وصدر رضا اکیڈمی، ممبئی

برادرانِ اہلِ سنّت! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

فقیر محمد سعید نوری اس سعادت عظیم پر جس قدر بھی فخر ومباہات کرے کم ہے کہ اس کو روزگارِ فقیر، مردِ حق آگاہ، عارف باللہ حضور مفتی اعظم سیدی شاہ محمد مصطفی رضا نوری بریلوی ابن امام اہل سنت مجدد اسلام اعلیٰ حضرت سیدی امام احمد رضا قادری برکاتی حنفی کا دامنِ کرم ہاتھوں میں میسر آ گیا اور انھیں کے صدقے و وسیلے سے شہبازِ لامکانی، غوثِ صمدانی، محبوبِ سبحانی، شہنشاہِ بغداد سیدی سرکار شیخ عبدالقادر جیلانی البغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تعلق وانتساب بھی مل گیا۔ آج جو کچھ بھی مجھ ناتواں کے پاس ہے یا جو کچھ کام دین وسنّیت اور قوم وملّت کا ہو رہا ہے سب انھیں کا فیضان وعرفان ہے۔ میرا وجود نا جود بھی انھیں کی دعاے مستجاب کا صدقہ اور اُتارا ہے۔ میرے والدین کریمین نے اپنی دعاے صبح گاہی میں مجھ کو ان کے درِ اقدس سے مانگ لیا تھا۔ میری سعادت واقبال مندی اُس وقت بامِ عروج پر پہنچ گئی تھی جب سرکارِ نوری نے خود اپنے لب ہاے کرم سے میرا نام محمد سعید تجویز فرمایا۔ میں ایک ذرہ تھا مجھ کو عروج وتوانائی عطا فرما دیا۔ میرے نزدیک یہ بات ہر شک وشبہہ سے بالاتر ہے کہ رضا اکیڈمی کے بینر تلے مسلکِ سوادِ اعظم اہل سنّت وجماعت ومشرب غوثِ اعظم اور تحریکِ فکرِ رضا کے تعلق سے جو کچھ بھی تنظیمی، تبلیغی اور قلمی وصحافتی کام ہو رہا ہے وہ سب ان کی نظرِ کرم کا رہینِ منّت ہے۔

سرکارِ مفتی اعظم کی ذات بابرکات اپنے زمانے میں ستاروں کے بالمقابل آفتاب وماہتاب کی تھی۔ جس پر ان کی نظرِ عنایت پڑ گئی، ذرہ تھا تو وہ بھی آفتاب کی طرح جگمگانے لگا۔ لاکھوں افراد نے اُن سے فیض وعرفان حاصل کیا ہے۔ آپ کا وصالِ پُرملال عالم سنّیت کے لیے ایک صدمۂ جانکاہ سے کم نہ تھا۔ آپ کے زمانہ میں اور آپ کے بعد آپ کے چاہنے والوں نے زبان وقلم کے ذریعہ اپنی محبتوں کے بے شمار نقوش پیش کیے ہیں اگر اُن سب کو یکجا کیا جائے تو پوری لائبریری تیار ہو سکتی ہے۔ اگر حالات سازگار رہے تو ان شاء اللہ تعالیٰ اس مرحلۂ شوق کو بھی ہم عن قریب طے کرنے کی کوشش کریں گے۔

سردست سیکڑوں اربابِ فکر ودانش اور اصحابِ عرفان وطریقت کی محبتوں اور چاہتوں کا ایک حسین گلدستہ ''جہانِ مفتی اعظم'' کی شکل میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ اس گلدستہ کو خوب سے خوب تر بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اہلِ سنت وجماعت کی علمی اور معتبر شخصیتوں نے اس کی ترتیب وتدوین میں حصہ لیا ہے۔ مرتبین کے علاوہ بھی متعدد احباب کے مشورے شامل رہے ہیں۔ ہم اپنے مشن

میں کہاں تک کامیاب ہیں؟ یہ فیصلہ قارئین کو کرنا ہے۔ میں اُن تمام اربابِ قلم کا شکر گزار ہوں جنھوں نے اپنے دماغ وفکر کی خوبصورت کاوشوں کو جہانِ مفتی اعظم کے حوالے کیا ہے۔ احبابِ اہلِ سنت اُن سب کے لیے بالخصوص مجھ فقیر اور رضا اکیڈمی کے جملہ معاونین و مخلصین کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ میں دعا گو ہوں کہ ربِ قدیر جلِ شانہٗ سیدی سرکار مفتی اعظم کے صدقہ اور وسیلہ سے اہلِ سنت و جماعت کو ہر مشن اور مرحلہ میں سرخرو اور شادکام فرمائے۔

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

اسیرِ مفتی اعظم محمد سعید نوری
رضا اکیڈمی، ممبئی

رائے گرامی

بحر العلوم حضرت علامہ مفتی عبدالمنان صاحب مصباحی اعظمی

شیخ الحدیث، دارالعلوم شمس العلوم، گھوسی، ضلع مئو

اپنے اسلاف کی تاریخ کو زندہ رکھنا زندہ قوموں کا شعار ہے۔لیکن چودویں صدی ہجری کے مجدد اعلیٰ حضرت امام اہل سنت حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد مذہب حق اہل سنت و جماعت کے پیروکار تقریباً نصف صدی تک خواب غفلت میں مست پڑے سوتے رہے۔بل کہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ اعلیٰ حضرت کے تجدیدی کارناموں کے نتیجے میں حق اور باطل کے درمیان جو امتیازی نشانات نمایاں ہوگئے تھے انھیں کی حمایت وحفاظت کے لیے اہل سنت و جماعت کی پوری قوم لسانی جہاد میں مصروف رہی۔

مگر پندرہویں صدی کے آتے آتے دنیا میں نشر واشاعت اور ذریعۂ ابلاغ ورسائل میں ایسا طوفانی انقلاب آیا جس کی فلک پیما موجوں نے پوری دنیا کو اپنے گھیرے میں لے لیا اور ساری دھرتی کو ایک بڑے گھرانے میں تبدیل کر دیا کہ دنیا کے کسی گوشہ میں کوئی واقعہ درپیش آئے دوسرے دور دراز کے باشندے اسی وقت اس سے ایسا آگاہ ہوجاتے ہیں جیسے ایک گھر کے دو کمروں کا معاملہ ہو۔بہ الفاظ دیگر میڈیا کا جال سارے عالم میں پھیل گیا،تحقیق واکتشافات کی نئی راہیں کھلیں،علوم وفنون کی نئے سرے سے تدوین وترغیب ہونے لگی۔

اسی اتھل پتھل میں طبقۂ اہل سنت بھی بیدار ہوگیا۔اور پوری تن دہی سے امام اہلِ سنّت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علمی خزانوں کی طرف متوجہ ہوگیا۔

دنیا کی مختلف یونیورسٹیوں میں ان پر تھیسس لکھی گئیں۔ڈاکٹریٹ کے مقالے لکھے گئے اور ان پر ڈگریاں حاصل کی گئیں، بے شمار اداروں میں ان پر سیمینار قائم ہوئے اور نجی طور پر بھی علماے اہل سنت بل کہ دوسرے طبقہ کے علما نے ان کے ذکر وفکر، اعتقادیات و نظریات کے تعارف اور توضیح میں گراں قدر کتابیں لکھیں اور پوری دنیا میں سال بہ سال ان کے نام پر عرس وایصال ثواب کی تقریبات منائی جارہی ہیں۔اور اب تو یہ حال ہے کہ خشکی اور تری میں ہی نہیں فضاؤں میں بھی نذر رضا کی محفلیں قائم ہوتی ہیں ؎

گونج گونج اٹھے ہیں نغمات رضاؔ سے بوستاں　　　　کیوں نہ ہو کس پھول کی مدحت میں وا منقار ہے

اس سلسلہ میں خصوصیت کے ساتھ حضرت پروفیسر مسعود احمد صاحب زید مجدہم کی سرپرستی میں چلنے والے ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی اور رضا اکادمی بمبئی کے کارنامے غیر معمولی ہیں۔اول الذکر نے عالمی پیمانہ پر امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کارناموں کا تعارف کرایا۔اور رضا اکادمی بمبئی نے اپنے رہنما سعید احمد صاحب نوری کی قیادت میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تحقیقات علمیہ کے خزانۂ عامرہ کو کنج خمولی سے نکال کر مقبول خواطر اور مقبول انام بنایا۔اور ہر دم اس کی نشر واشاعت کے لیے نئی ترکیبیں سوچتے رہتے ہیں۔فجزاھم اللہ خیر الجزاء

حضرت مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے شہزادۂ اصغر حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آپ ہی کے تجدیدی کارناموں کی تکمیل اور تذئیل تھے۔ احقاق حق اور ابطال باطل کے لیے ناقابل تسخیر جرأت وہمت کے مالک، متقی و پرہیزگار، عابد شب زندہ دار اور عالم نامدار تھے۔ ان کی ہر ادا سنت رسول کی آئینہ دار اور وہ خود اللہ تعالیٰ کی آیت اور بندگانِ خدا پر رحمت پروردگار کا سایہ تھے۔ ان کا تذکرہ نزول رحمت الٰہی کا سبب اور ان کا عمل رشد وہدایت کی مشعل۔

مجھے یہ سن کر بڑی مسرت ہوئی کہ رضا اکادمی کے مہتمم حضور مفتی اعظم کے ذکر جمیل کا ایک مجموعہ ''جہانِ مفتی اعظم'' شائع کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسے مقبول انام بنائے اور اس سے اہل اسلام کو فائدہ پہنچائے۔ آمین یارب العالمین۔

فقط عبدالمنان اعظمی
شمس العلوم، گھوسی، ضلع مئو
۱۲؍ربیع الاول ۱۴۲۷ھ

اظہارِ حقیقت

عزیز ملت حضرت علامہ شاہ عبدالحفیظ صاحب قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ

سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ (یوپی)

رضا اکیڈمی ممبئی بڑے اہتمام سے تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم بریلوی علیہ الرحمہ کی بلند پایہ شخصیت پر ایک ضخیم مجموعۂ مضامین شائع کررہی ہے۔ اس مسرت انگیز خبر سے ہمیں بے پناہ خوشی ہوئی۔ مولیٰ تعالیٰ رضا اکیڈمی کے اس عظیم اور تاریخی کارنامے کو امت مسلمہ کے لیے مفید اور کارآمد بنائے اور حضور مفتی اعظم کی تقویٰ شعار شخصیت کو نئی نسل کے لیے رہنمائے حیات بنائے۔ آمین۔

حضور مفتی اعظم اور والد بزرگوار حضور حافظ ملت علیہما الرحمۃ والرضوان کے درمیان ایک مثالی ارتباط تھا، دونوں ایک دوسرے سے بے پناہ محبت فرماتے تھے، جب حضور حافظ ملت نے الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کا منصوبہ بنایا تو سنگ بنیاد کی مبارک رسم کی ادائیگی کے لیے حضور مفتی اعظم کو بہ طور خاص مدعو فرمایا۔ جامعہ اشرفیہ کی مرکزی عمارت کے جشن افتتاح کے موقع پر بھی حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ نے حضور مفتی اعظم نور اللہ مرقدہ کو دعوت دی۔ ۱۶/اکتوبر ۱۹۷۲ء کو بعد نماز مغرب نئی عمارت میں ایک تقریب منعقد ہوئی۔ یہ ۱۹/۔۲۰/شوال المکرم کی درمیانی شب تھی، جس میں دورۂ حدیث کے طلبہ کو بخاری شریف کا پہلا سبق آپ نے پڑھایا۔ راقم سطور بھی اسی درجہ فضیلت کی جماعت میں شریک تھا، یہ مقدس لمحات میری زندگی کے بھی زریں لمحات ہیں جنھیں میں کبھی فراموش نہیں کرسکتا۔ تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم نے حضور حافظ ملت کے عرس چہلم کے موقع پر مجھے اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا۔ حضور مفتی اعظم کے ان فیوض و برکات نے میری زندگی میں حیرت انگیز انقلاب برپا کیا۔ حضور مفتی اعظم نے متعدد مواقع پر الجامعۃ الاشرفیہ کی تعمیر وترقی کے لیے جو دعائیں فرمائیں اور تحریری اپیلیں جاری کیں ان کے اثرات آج بھی ہم چمن اشرفیہ میں سر کی آنکھوں سے محسوس کررہے ہیں۔

عزیز القدر مولانا مقبول احمد مصباحی جامعہ اشرفیہ کے ایک وفا پیشہ فرزند کی حیثیت سے ''جہان مفتی اعظم'' کی ترتیب وتہذیب میں لگے ہیں اور اس عظیم مقصد کی تکمیل کے لیے قریب تین ماہ سے وہ مبارک پور میں مقیم ہیں، انھوں نے اس مرقع جمیل کو وقیع سے وقیع تر بنانے میں بڑی محنت وجاں فشانی کی، اپنے بزرگوں کی یادوں کو محفوظ رکھنا اور ان کے نقوش حیات کو نئی نسلوں کے لیے مشعل راہ بنانا بڑی نیک بختی ہے۔ جامعہ اشرفیہ اور اس کے اساتذہ نے ان کا ہر ممکن تعاون کیا۔ مولیٰ تعالیٰ ان کے اقبال میں بلندی عطا فرمائے، انھیں آلام روزگار سے محفوظ و مامون فرمائے اور اس صحیفہ فکر وقلم کو مقبول انام فرمائے۔ انشاء اللہ رضا اکیڈمی کا یہ تاریخی کارنامہ جہانِ رضا میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔

از۔عبدالحفیظ عفی عنہ

۱۷/جون ۲۰۰۶ء

ہدیۂ تبریک

فقیہ عصر، حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی

زیب مسند افتا، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ (یوپی)

تاجدار اہل سنت، آبروے فقاہت، آقاے نعمت، شاہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور سیدی شاہ مولانا مفتی محمد مصطفی رضا خاں قادری علیہ الرحمۃ والرضوان کی حیات وخدمات اور ان کے فضل وکمال کے تعلق سے کچھ لکھنا اہل علم وفکر کے لیے کسی آزمائش سے کم نہیں کیوں کہ ان کی ہشت پہلو اور تہ دار شخصیت اس بحر ذخار کی طرح سے ہے جس کی غواصی آسان نہیں۔ اس لیے بار بار دعوت نامہ اور پھر تقاضے کے خطوط ملنے کے باوجود اس کارِ عظیم کے لیے اپنی ہمت جمع نہیں کر پا رہا تھا اس پر مستزاد دارالافتا مجلس شرعی اور درس وتدریس کی گوناگوں ذمہ داریاں اور ان سب سے الگ تسلسل کے ساتھ طبیعت کی ناسازی مگر یہ عزیز سعید مولوی مقبول احمد مصباحی سلمہ ربہ (سابق استاذ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور) کا اصرار وتکرار ہی تھا جس نے مجھے بھی اس سعادت سے بہرہ ور ہونے کا موقع فراہم کر دیا۔ چنانچہ مقالات کی تصحیح ونظر ثانی کے سلسلے میں الجامعۃ الاشرفیہ میں اپنے قیام طویل کے دوران مجھے برابر اکساتے رہے تا آں کہ وقفہ وقفہ سے کئی نشستوں میں نمبر میں شامل میرا مضمون معرض وجود میں آ گیا۔

مجھے خوشی ہو رہی ہے کہ چند سطور کے ذریعہ میں بھی خاک روبان بارگاہِ مفتی اعظم میں شامل ہو گیا ہوں۔ ''جہانِ مفتی اعظم'' ان شاء اللہ تعالیٰ علم وادب اور بحث وتحقیق کی دنیا میں ایک گراں قدر تاریخی اضافہ ہوگا۔ فہرست مضامین دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے ذریعہ حضور مفتی اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تابندہ اور پاکیزہ زندگی کے بہت سے گم شدہ گوشے اہل علم کی نگاہوں کو سرمہ بنیں گے۔

میری دعا ہے کہ مولائے قدیر جل شانہ اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اس کو قبولِ عام عطا فرمائے۔ رضا اکیڈمی اور اس کے اراکین ومعاونین خصوصاً الحاج محترم محمد سعید نوری اور مولوی مقبول احمد مصباحی سلمہ کو دارین کی سعادتوں سے مالامال کرے۔ جن کی خصوصی مساعی سے یہ نعمت غیر مترقبہ ہم اہل سنن کو میسر آ رہی ہے۔ آمین ثم آمین بجاہ حبیبہ الکریم علیہ وعلی آلہ واصحابہ افضل التحیۃ والتسلیم۔

محمد نظام الدین

۱۰ر ربیع النور ۱۴۲۷ھ/ ۹ر اپریل ۲۰۰۶ء

نذرِ عقیدت

مبلغ اہلِ سنت، حضرت علامہ محمد عبدالمبین نعمانی
مہتمم دارالعلوم قادریہ، چریاکوٹ ونگراں تربیت وتصنیف، المجمع الاسلامی، مبارک پور

فدائے مفتی اعظم عالی جناب الحاج محمد سعید نوری بانی رضا اکیڈمی ممبئی جو جماعت اہل سنت کی نمایاں اور نمائندہ شخصیت کے مالک ہیں، عرصہ پچیس سال سے مسلسل مسلک اہل سنت کی ملی خدمات میں مصروف ہیں۔ آپ امام عشق ومحبت، مجدد دین وملت، سرکار اعلیٰ حضرت محدث بریلوی قدس سرہ العزیز کے سچے عاشق ہیں اور شہزادۂ اعلیٰ حضرت، تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم علامہ شاہ محمد مصطفیٰ رضا خاں قادری نوری علیہ الرحمۃ والرضوان کے فداکار مرید صادق بھی، ان دونوں عظیم وجلیل شخصیات نے اپنے اپنے عہد میں دین پاک مصطفی کی جیسی کچھ خدمات انجام دی ہیں، باطل افکار ونظریات کی پوری بے باکی سے جو سرکوبی کی ہے وہ اظہر من الشمس ہے، نوری صاحب آغازِ شعور ہی میں مفتی اعظم کے واقف مرید اور گرویدہ ہوگئے تھے۔ اس طرح سرکار مفتی اعظم قدس سرہ کی محبت نوری صاحب کی گھٹی میں پلا دی گئی ہے، جس کے اثرات وقتاً فوقتاً رونما ہوتے رہتے ہیں، جب ۱۲ ۱۴ھ/ جنوری ۱۹۹۲ء میں سعید نوری صاحب نے رضا اکیڈمی کی جانب سے جشن صد سالہ ''یوم ولادت مفتی اعظم'' منایا جس میں عالمی اجلاس کے ساتھ ہی ساتھ ایک سیمینار بھی منعقد ہوا، ہر دو میں ملک وبیرون ملک سے علما ودانشوران اور مشائخ ملت نے شرکت کی، اس کے بعد ہی ''انوار مفتی اعظم'' کے نام سے ایک مجموعہ مقالات بھی شائع ہوا جس کے مرتب علامہ محمد احمد مصباحی تھے جب کہ ایک اور مجموعۂ مقالات بہ نام تجلیات مفتی اعظم بھی اکیڈمی کی طرف سے شائع ہوا جس کے مرتب مولانا قمر الحسن قمر بستوی ایم اے (امریکہ) ہیں۔ اب اس کے بعد سرکار مفتی اعظم پر کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ چلا۔ متعدد مضامین کتابچوں کی شکل میں بھی شائع ہوئے، پھر خود حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کی تصنیف کردہ کتابوں اور فتاوے کی اشاعت کا بھی اہتمام ہوا ہے جس کے نتیجے میں ۲۸ رسائل مفتی اعظم شائع ہوگئے اور مجموعہ فتاویٰ بہ نام فتاویٰ مصطفویہ، جن کی تین قسطیں علاحدہ علاحدہ شائع ہوئی تھیں سب یکجا مقدمہ اور سوانح حیات کے ساتھ ایک خوب صورت جلد میں نئی ترتیب کے ساتھ شائع ہوگیا ہے۔ اس مجموعے کی ترتیب کا کام فقیہ ملت حضرت علامہ مفتی جلال الدین احمد امجدی علیہ الرحمہ نے فرمایا تھا، پھر ابھی ایک سال قبل تاجدار اہل سنت کے نام سے متوسط سائز پر مفتی اعظم کے تعلق سے لکھے ہوئے مقالات کا مجموعہ شائع کیا ہے۔ امسال یادگارِ رضا سالانہ، بمبئی اور اب ایک ضخیم مفتی اعظم نمبر بنام ''جہانِ مفتی اعظم'' آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس قدر عظیم وجلیل نمبر کی اشاعت پر جناب الحاج محمد سعید بھائی نوری اور دیگر ارکان رضا اکیڈمی کو دل کی گہرائیوں سے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ اور ان کے عزائم کو داد دیتا ہوں کہ اتنا عظیم اور تحقیقی نمبر شائع کر کے انھوں نے سرکار مفتی اعظم کی بارگاہ میں عقیدتوں کا بہترین خراج پیش کیا ہے۔ میں اپیل کروں گا کہ رضا اکیڈمی کے ذمہ دار حضرات اس قابل قدر تاریخی دستاویز کو ملک وبیرون ملک کی معروف دانش گاہوں میں یونیورسٹیوں اور بڑی لائبریری میں بھیجنا نہ بھولیں گے تاکہ عام دانشور طبقہ بھی حضور مفتی اعظم کی ادبی، علمی، دینی اور فقہی خدمات سے روشناس ہوسکے۔ وما توفیقی الا باللہ- والسلام

عرق انفعال

نیّر فلکِ صحافت حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی رام پوری

مدیر اعلیٰ ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ (یوپی)

مبارکبادیوں کے گلدستے میں تحیۃ وسلام قبول ہو۔

آفریں صد آفریں آپ نے ''جہانِ مفتی اعظم'' مرتب فرما کر جہانِ رضا میں ایک اور عشق وعرفان کا تاج محل کھڑا کر دیا۔ تاجدار اہل سنت کی شخصیت وفکر اور عشق وعرفان کی یہ کہانی محبت کی نشانی تاج محل سے زیادہ دل آویز بھی ہے اور مستحکم و دیر پا بھی، یہ کاغذ کے پھول نہیں جو خوشبوؤں کے پیرہن سے عاری ہوتے ہیں اور نہ کچی مٹی پر اگنے والا لالہ زار ہے جس کے گلوں کے نازک چہرے خزاؤں کی تپش کا پہلا بوسہ ہی برداشت نہ کرسکیں بل کہ یہ ایک خدا رسیدہ بزرگ کے تذکار کا سدا بہار گلشن ہے جو خزاؤں کا رخ پھیر دے گا اور کبھی نہ بجھنے والا عشق وفقر کا ایسا چراغ ہے جو تہ بہ تہ تاریکیوں میں شگاف ڈال کر نور بھر دے گا۔ اور جہاں بھی جائے گا افق در افق اجالوں کا جہان ساتھ لے کر جائے گا۔

جہاں بھی جائے گا روشنی لٹائے گا　　　　کسی چراغ کا اپنا مکاں نہیں ہوتا

اقلیم رضا کے اس تاجدار پر پہلے بھی لکھا گیا۔ درجنوں مقالات ومضامین شائع ہوئے مگر آپ نے فکر وقلم کی ساحری سے نئے پرانے شذرات کا ایک مکمل دبستان بنا دیا، فنکاری سے پتھر بھی تراشے جائیں تو شاہوں کے تاج کی زینت اور گل بدنوں کے مرمریں گلوں کے ہار بن جاتے ہیں۔ آپ نے تو ایک عارف باللہ کی پاک باز زندگی کے نقوش تراشے ہیں۔ عشق وعرفان کے سوز وگداز کو قلم کی زبان عطا کی ہے۔ جدید جاہلیت کے عہد تاریک میں اجالوں کا شہر بسایا ہے۔ ہزاروں دماغوں کو کھنگال کر رنگ ہزاروں خوشبو ایک کا مثالی گلشن سجایا ہے۔ اس گلدستہ علم وعرفان سے محل نہیں دماغ مہکیں گے۔ اس مینارہ علم وعرفان سے بدن نہیں دل منور ہوں گے اور اگر تنقید وادب کا قبلہ درست ہو جائے تو اکیسویں صدی عیسوی کے جہانِ اردو میں ''جہان مفتی اعظم'' بحث ونظر اور فکر وقلم کا موضوع بن سکتا ہے۔ مگر افسوس میکدہ بردوش خامہ برگوشوں نے اردو کو اپنی موروثی بپوتی سمجھ کر اپنے گرد فلک پیما حصار کھینچ لیا ہے۔ وہ میکدوں سے نکل کر مسجدوں کی طرف آنا ہی نہیں چاہتے ان کی آنکھیں فکری آوارگی کی اتنی عادی ہو چکی ہیں کہ انھیں صحت مند ادب اور صالح تنقید کے ہر اجالے سے چکا چوند لگتی ہے۔ انھیں غالب ومیر کے میکدے تو یاد رہے لیکن خواجہ بندہ نواز گیسو دراز اور مخدوم کچھوچھہ کی خانقاہیں یاد نہ رہیں جن کے ذکر وفکر کے آغوش میں اردو نے جنم لیا، انھوں نے دینی مدارس کو کبھی قابل اعتنا نہیں سمجھا جن کے قدم قدم سے آج ہندوستان میں اردو زبان زندہ ہے۔ یہ ایک حساس لمحۂ فکریہ ہے جس پر مذہبی قلم کاروں کو صف بندی کرنے کی ضرورت ہے۔ مذاکرات و سیمیناروں کی ضرورت ہے۔ اور صرف شکوے کرنے کی ضرورت نہیں بل کہ اس حوالے سے مسلسل کتابیں لکھنے کی ضرورت ہے۔ مذہبی رسائل کو نمبر اور خصوصی شمارے نکالنے کی صرورت ہے۔

غیر ارادی طور پر قلم کا رخ سجادہ نشینان میکدہ کی طرف پھر گیا تھا اس کے لیے میں معذرت پیش کرنے کی ضرورت بھی نہیں سمجھتا اجالے کو سمجھانے کے لیے اندھیرے کا ذکر بھی ضروری ہے۔ ادب کی تفہیم کے لیے انھوں نے حمد ونعت کے دبستانوں کو یکسر قلم زد کر دیا جنھوں نے کروڑوں انسانوں کو عشق حقیقی کا سوز وگداز عطا کیا۔ دراصل بے ادبی کی یلغار پر قلمی ضرب لگانا ضروری ہے۔ ہاں تو ذکر تھا تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم کی شخصیت وفکر کا۔ وہ صرف پیر وفقیہ ہی نہیں تھے زبان وادب کے کینوس پر بھی ان کی نظر ہمیشہ تیز رہتی تھی وہ خود بھی عظیم شاعر اور نثر نگار تھے وہ روہیل کھنڈ کے ادبی دبستان کے بھی تاجدار تھے ان کی تصانیف علمی، استدلالی اور تحقیقی اسلوب کا شاہ کار ہیں۔ ان کی لسانی اصلاحات بجائے خود ایک مستقل موضوع ہے۔ آپ کی نعتیہ شاعری کا نمایاں وصف یہ ہے کہ جس میں ''دبستان رضا'' اور ''دبستان حسن'' کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے۔ میرے اس زاویہ فکر پر ہزاروں صفحات روشن کیے جاسکتے ہیں۔

انسانی فضل وکمال کی مختلف جہتیں ہیں۔

۱- خاندانی افتخار و وجاہت ۲-حسن وجمال کی دل آویزی

۳- اپنے وسیع امکانات کے ساتھ علمی تبحر اور وسعت مطالعہ ۴-تصلب فی الدین اور تقویٰ شعاری

۵- احساس زیاں کی شدت اور منصوبہ بندی کے ساتھ بلندیوں کی طرف پیش قدمی

۶- کردار واخلاق کی بلندی اور ملی غم گساری ۷- زمینی حقائق پر مبنی اہم کارنامے

مومنانہ فضل وکمال کے اس آئینے میں آپ ذرا عام مشاہیر کی زندگیوں پر نگاہ ڈالیے کوئی عالی نسب ہے تو ضروری نہیں کہ پیکر حسن و جمال بھی ہو، کوئی حسن وجمال کا پیکر ہے تو ضروری نہیں کہ اقلیم علم وحکمت کا تاجدار بھی ہے کوئی عامل اور تقویٰ شعار ہے تو ضروری نہیں کہ تنظیم و تحریک کی بساط پر بھی امت کی قیادت ورہنمائی کر رہا ہو، کوئی کردار واخلاق کا مہر درخشاں آفتاب اور عالم تاب ہے تو ضروری نہیں کہ اس نے روئے زمین پر یادگار تاریخی کارنامے بھی انجام دیے ہوں۔

مگر کبھی کبھی قدرت کی فیاضیاں فرد واحد کو انجمن جہاں آرا بنا دیتی ہیں، ذرا عالم تصور میں سر اٹھا کر مملکت سنیت کے تاجدار پر ایک نظر ڈالیے، رضا نگر بریلی شریف میں جس کا فردوسی ایوان دنیا کے ہر گوشے سے دیکھا جاسکتا ہے۔ مجدد اعظم امام احمد رضا نے جیسے فقاہت و روحانیت کا قلم دان عطا کیا ہے اسی علم وروحانیت کے فرماں روا کو تاجدار اہل سنت اور حضور مفتی اعظم کہا جاتا ہے۔ ان کی عظیم شخصیت مستقل ایک جہان ہے اور اس جہان میں ہفت جہان ہیں۔ ایک خاندانی افتخار و وجاہت کا جہان، دوسرا پیکر حسن وجمال کا جہان، تیسرا علم وحکمت کا جہان، چوتھا تصلب فی الدین اور تقویٰ شعاری کا جہان پانچواں منصوبہ بند تحریکوں کا جہان، چھٹا بلند کردار واخلاق کا جہان، ساتواں حد نظر پھیلے ہوئے کارناموں کا جہان۔ آپ نے ان ساتوں جہانوں کو سمیٹ دیا تو اہل علم ودانش انگلی کا اشارہ کرکے پکار اٹھے یہ ہے ''جہانِ مفتی اعظم''

مولانا مقبول صاحب اگر یہ سچ ہے کہ انسان عظیم کارناموں سے عظیم ہوتا ہے تو یقیناً آپ عظیم ہیں آپ نے یہ عظیم کارنامہ انجام دے کر پوری ملت کے سر سے بوجھ اتار دیا۔ آپ کو مبارکباد دینا ہم پر فرض ہے جو کسی مناسب موقع پر پیش کریں گے سر دست رضا اکیڈمی کے جنرل سکریٹری محترم الحاج سعید نوری کے لیے مبارکبادیوں کا گلدستہ حاضر خدمت ہے۔

گر قبول افتد زہے عز وشرف

مبارک حسین مصباحی، ۲۰؍جون ۲۰۰۶ء

نذرِ خلوص

حضرت حافظ وقاری عبدالقادر رضوی بارہ بنکوی

مہتمم دارالعلوم حنفیہ رضویہ، قلابہ، ممبئی

اپنے بزرگوں کی یادگاروں کو آنے والی نسلوں تک پہنچانا بیداری اور زندگی کی علامت ہے۔ ان یادگاروں کا تعلق خواہ ظاہری اسباب و وسائل سے ہو یا علم و ادب کے خزینے سے۔ وہ ہر حال میں قابلِ قدر ہوتی ہیں۔ حضور مفتی اعظم کی ذاتِ بابرکات بلاشبہہ مجمع البحرین نہیں بل کہ مجمع البحار تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو گوناگوں خوبیوں سے مالامال فرمایا تھا۔ علم وفقاہت کے ساتھ ساتھ معرفت وتصوف میں درک وکمال آپ کا وصفِ خاص تھا۔ وقت کے بڑے بڑے علما وفقہا نے آپ کے علمی فیصلوں کو بلاچوں وچرا تسلیم کیا۔ آپ کی شخصیت پوری جماعت کے لیے سرپرست اور مربی کی تھی۔ آپ کا فیصلہ ہر ایک کے لیے قابلِ تسلیم اور واجب العمل تھا۔

رضا اکیڈمی کے بینر تلے روزِ اوّل سے ہی اہل سنّت و جماعت کے عقائد و معمولات کو روشن کرنے والی کتابیں شائع ہوتی رہی ہیں بالخصوص سرکارِ اعلیٰ حضرت، مجدد اسلام، امام احمد رضا خان قادری برکاتی علیہ الرحمۃ والرضوان کی تصنیفات وتحقیقات کی اشاعت اس کا فرضِ اوّلین رہا ہے۔ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ اگر کوئی عام اور کم پڑھا لکھا شخص اعلیٰ حضرت کا تعارف دریافت کرے تو میں بلا جھجک کہہ سکتا ہوں کہ وہ سرکارِ مفتی اعظم کی ذات کو دیکھ لے۔

مجھے خوشی ہو رہی ہے کہ اہلِ سنت و جماعت کے مایۂ ناز قلم کاروں اور شعراء نے بڑے پُروقار اور مؤثر انداز میں اجتماعی طور پر حضور مفتی اعظم کی بارگاہ میں خراجِ عقیدت پیش کر کے وقت کے ایک اہم تقاضے کو پورا کیا ہے۔ مولانا مقبول احمد مصباحی عصرِ جدید کے نوجوان اور معتبر قلم کار ہیں۔ حضرت علامہ محمد احمد مصباحی اور حضرت علامہ عبدالمبین صاحب نعمانی جیسی عظیم علمی شخصیتوں کی سرپرستی ونگرانی میں انھوں نے ''جہانِ مفتی اعظم'' کو خوب سے خوب تر بنانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ اس سلسلے میں ان کی مساعی جمیلہ قابلِ قدر ہیں۔ مولانا اس سلسلے میں تقریباً چار ماہ تک دارالعلوم حنفیہ رضویہ کی تدریسی مصروفیات سے بے نیاز ہو کر ملک کی معروف دانش گاہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں مقیم رہے اور شب وروز کی جد وجہد سے یہ مجموعہ مرتب ہو کر اہلِ علم کی خدمت میں پہنچ رہا ہے۔

یہ مجموعہ ان شاء اللہ تعالیٰ دوسری شخصیات کے علمی کارناموں کو اجاگر کرنے کے لئے مشعلِ راہ ثابت ہوگا۔ مولیٰ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ دوسرے نوجوان علما اور اہلِ قلم اس مجموعہ کو اپنے لیے نمونۂ عمل قرار دیتے ہوئے اسی طرح سے دوسرے علمی کارنامے بھی انجام دیں۔ مولیٰ تعالیٰ رضا اکیڈمی کی خدماتِ جلیلہ کو قبول فرمائے اور اس کو دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ بالخصوص الحاج محمد سعید نوری صاحب کے علم وعمل میں برکتیں عطا فرمائے اور ان کو بیش از بیش خدمت دین وسنیت کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

والسلام

عبدالقادر رضوی، ممبئی

تاثرات

مولانا اسید الحق محمد عاصم القادری
فاضلِ جامعہ ازہر، وولی عہد آستانہ عالیہ قادریہ، بدایوں شریف

از ما بجز حکایت مہر ووفا مپرس ماقصۂ سکندر ودارا نہ خواندیم

محترم الحاج سعید نوری صاحب کے ذریعہ معلوم ہوا کہ رضا اکیڈمی ممبئی حضرت العلام مفتی اعظم ابوالبرکات آل رحمن محمد مصطفی رضا قادری نوری بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی حیات وخدمات پر ایک ضخیم مجلہ بنام ''جہانِ مفتی اعظم'' شائع کرنے جارہی ہے۔ اکابر کی حیات، ان کے دینی وعلمی کارنامے اوران کے پیغام کو نئی نسل تک پہنچانا نہ صرف یہ کہ ایک سعادت ہے بل کہ ہمارا دینی اور جماعتی فریضہ بھی ہے، اس سے ایک طرف تو ہم اکابر کے سلسلے میں اپنے واجب سے عہدہ برآ ہوں گے اور دوسری طرف اکابر کی تعلیمات سے نئی نسلوں کو روشناس کراکے ان کے لیے ہدایت ورہ نمائی کا سامان بھی مہیا کریں گے۔ میں اس عمدہ اقدام پر رضا اکیڈمی کے ارباب بست وکشاد اور بالخصوص محترم الحاج سعید نوری صاحب کو صمیمِ قلب سے مبارک باد دیتا ہوں۔

اس مجلّے میں لکھنے کے لیے مجھے جو عنوان دیا گیا تھا (مفتی اعظم اور اکابر خانقاہ قادریہ بدایوں۔ تعلقات وروابط) وہ ایسا نہیں ہے کہ اس پر چند سطور یا چند صفحات میں بات مکمل ہوجائے، اس موضوع کا حق ادا کرنے کے لیے ایک طویل مقالہ درکار ہے، میں اپنی عدیم الفرصتی کے باعث اس سلسلے میں فی الحال (خواہش کے باوجود) کوئی تفصیلی تحریر لکھنے سے قاصر ہوں۔

آج کے بدلے ہوئے حالات میں جب خانوادۂ قادریہ بدایوں اور خانوادۂ رضویہ بریلی کے تعلقات وروابط کا جائزہ لیا جاتا ہے تو عموماً ''غبارِ راہ'' کے پیچھے ''نشانِ منزل'' چھپ کر رہ جاتا ہے، حالاں کہ اگر تاریخ کی شاہراہ پر سفر کیا جائے تو ان دونوں خانوادوں کے تعلقات وروابط کے سلسلے میں آپ کو ایک نئے جہان کی سیر ہوگی، مگر اس کے لیے آپ کو ایک صدی سے زیادہ کا سفر طے کرنا ہوگا، مجھے اس تاریخی حقیقت سے انکار نہیں ہے کہ تاریخ کی اس شاہراہ میں بعض جگہ ''نشیب'' بھی آئے ہیں لیکن اگر ہم اپنی توجہ تاریخ کے خوشگوار پہلوؤں پر مرکوز رکھیں تو ان ''نشیبی علاقوں'' کے باوجود تلخی ایام بہت حد تک کم کی جاسکتی ہے۔ عشق رسالت، خدمتِ دین وسنیت، ردِ ضلالت وبدعت اورنسبتِ قادریت یہ ہمارے ایسے ''مابہ الاشتراک'' ہیں جن کے قدوقامت کے آگے ہمارا نقطۂ ''مابہ الافتراق'' بہت چھوٹا نظر آتا ہے۔ اور پھر سب سے قریبی تو ''برکاتیت'' کی نسبت ہے۔ من وتو ہر دو خواجہ تاشانیم ـــ بندۂ بارگاہِ سلطانیم

یہی وہ نسبتیں ہیں جن کو آج پھر از سرِ نو مستحکم کرنے کی ضرورت ہے۔

تاریخ کے ان خوشگوار پہلوؤں کو دیکھ کر میں تو یہی کہوں گا کہ

زمانہ مانگ رہا ہے دعا ترقی کی
مگر تجھے ترا عہد کہن ہی راس آئے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۵ رسالہ عرس نوری (حضور مفتی اعظم)

محمد عارف رضوی
رضا آفسیٹ، ممبئی

۲۵ رسالہ عرس نوری حضور مفتی اعظم حضرت علامہ شاہ محمد مصطفی رضا قادری برکاتی نوری قدس سرہٗ کے موقع پر رضا اکیڈمی نے مختلف نہج سے صاحب عرس کی بارگاہ میں نذرانۂ عقیدت پیش کیا۔ جس کی چند جھلکیاں درج کی جاتی ہیں تاکہ ذوق وشوق طبع کو مہمیز لگے اور ہم اپنے اسلاف کو خوب خوب یاد کریں اور پڑھیں اوران کی زندگی کو پڑھ کر ہم اپنی زندگی میں تابندگی بخشیں۔

کاروانِ نوری

حضور مفتی اعظم حضرت علامہ شاہ محمد مصطفی رضا قادری برکاتی نوری قدس سرہٗ کے ۲۵ رسالہ عرس نوری کے موقع پر ''کاروانِ نوری'' ۲۰ رنومبر ۲۰۰۶ء کو صبح ۱۱ ربج کر ۱۱ رمنٹ پر حضور غوث اعظم، حضور خواجہ غریب نواز اور حضرت ابوالحسین احمد نوری پیرومرشد حضور مفتی اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مزارات مقدسہ کی چادروں کے ساتھ مولانا معین الدین اشرف صاحب، مولانا منصور علی خاں صاحب، مولانا مقبول احمد مصباحی، مولانا مقصود علی خاں صاحب نوری، مولانا محمود علی صاحب رشیدی، مولانا ولی اللہ صاحب شریفی، مولانا امان اللہ رضا صاحب رضوی، مولانا فخر عالم صاحب برکاتی، قاری نیاز احمد صاحب رضوی، عالی جناب الحاج محمد سعید نوری صاحب سکریٹری جنرل رضا اکیڈمی کی قیادت میں چالیس افراد پر مشتمل کاروانِ نوری ۶ رکوالیس اور ارٹیمپو کے ساتھ رضا اکیڈمی کے دفتر سے روانہ ہوا اور سب سے پہلے حضرت عبدالرحمن شاہ بابا علیہ الرحمہ کے مزار شریف پر حاضری دی۔ پھر محبوب ملت حضرت مولانا محبوب علی خاں صاحب قادری برکاتی رضوی، حضرت بہاء الدین شاہ بابا، حضرت حاجی علی شاہ بابا، حضرت مخدوم شاہ بابا، حضرت مولانا شاہ بابا باندرہ علیہم الرحمہ کے مزارات مقدسہ پر حاضری دیتا ہوا ممبئی سے بھیونڈی روانہ ہوا جہاں رات کو جشن نوری منایا گیا۔ پھر کارواں صبح بھیونڈی سے روانہ ہوا دوپہر کو ناسک پہنچ کر پروگرام کیا بعدہٗ رات کو مالیگاؤں میں قیام پذیر ہوا جہاں پر کاروانِ نوری کا پرجوش استقبال کیا گیا اور شاندار پروگرام ہوا پھر صبح کارواں مالیگاؤں سے روانہ ہوا اور دھولیہ، راویر، نصیرآباد، جلگاؤں، برہان پور، اندور، اجین، جھانسی، کان پور میں قیام وپروگرام کرتا ہوا کالپی شریف پہنچا۔ وہاں کی حاضری کے بعد کارواں حضور اعلیٰ حضرت اور حضور مفتی اعظم علیہما الرحمہ کے پیرومرشد خانہ مارہرہ مطہرہ پہنچا وہاں عرس قاسمی میں شرکت ہوئی اور رات کے قیام کے بعد منزل مقصود بریلی شریف مرشد گرامی کی بارگاہ میں پہنچا اور عقیدت ومحبت کا نذرانہ پیش کیا اور نیاز حاصل کر کے کارواں کی واپسی ہوئی جو دہلی، اجمیر شریف، جے پور، بھیلواڑہ ہوتے ہوئے ۲ ردسمبر ۲۰۰۶ء کو نماز جمعہ سے پہلے ممبئی پہنچا۔ یہ

جشن عرس نوری کی پہلی کڑی تھی جو بخیر وعافیت تکمیل کو پہنچی۔

نوری انعامی مقابلہ

۲۵؍سالہ عرس نوری (حضور مفتی اعظم) کے موقع پر ''نوری انعامی مقابلہ'' کے نام سے حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ سے متعلق ممبئی کے روز نامہ انقلاب، اردو ٹائمز اور ہفت روزہ مسلم ٹائمز، دہلی لکھنؤ اور گورکھپور کے راشٹریہ سہارا میں ۱۰؍دن تک مسلسل سوالات شائع کروائے گئے جو آپ کی معلومات کے لیے درج ہیں۔

سوالات

سوال نمبر-۱ حضور مفتی اعظم کس امام کے مقلد تھے؟ (۱) امام احمد بن حنبل (۲) امام مالک (۳) امام شافعی (۴) امام اعظم ابوحنیفہ

سوال نمبر-۲ حضور مفتی اعظم کی ولایت کی بشارت سب سے پہلے کس نے دی؟ (۱) تاج الفحول مولانا عبدالقادر بدایونی (۲) حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری (۳) حضرت علی حسین اشرفی میاں (۴) حافظ بخاری حضرت سید عبدالصمد چشتی

سوال نمبر-۳ حضور مفتی اعظم ۱۸؍سال کی عمر میں سب سے پہلی کس مسئلہ پر فتویٰ دیا؟ (۱) رضاعت (۲) وراثت (۳) مصاہرت (۴) مضاربت

سوال نمبر-۴ فتاویٰ مصطفویہ میں حضور مفتی اعظم نے کس مسجد کی شہادت کے تعلق سے مفصل فتویٰ تحریر فرمایا؟ (۱) بابری مسجد، (۲) گیان واپی مسجد (۳) مسجد شہید گنج (۴) عیدگاہ متھرا

سوال نمبر-۵ حضور مفتی اعظم نے اپنے خلفا میں سے اعظم خلفا کس کو فرمایا؟ (۱) شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی (۲) مفتی سید افضل حسین مونگیری (۳) محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد (۴) حضرت علامہ فضل الرحمن مدنی

سوال نمبر-۶ جب مسلمانوں کو مرتد بنانے کی شدھی تحریک چلائی جا رہی تھی تو حضور مفتی اعظم نے کس جماعت کے پلیٹ فارم سے لاکھوں مسلمانوں کو مرتد ہونے سے بچایا؟ (۱) رضا اکیڈمی (۲) آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء (۳) جماعت رضائے مصطفی (۴) آل انڈیا سنی تبلیغی جماعت

سوال نمبر-۷ حضور مفتی اعظم کے دیوان ''سامانِ بخشش'' میں منقبت کے اشعار سب سے زیادہ کس بزرگ کی شان میں ہیں؟ (۱) حضور غوث اعظم (۲) حضور خواجہ غریب نواز (۳) حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی (۴) حضرت صابر کلیری

سوال نمبر-۸ حکومت ہند وسعودیہ کی جانب سے فوٹو لازمی ہونے کے باوجود کس سن میں حضور مفتی اعظم نے بلا فوٹو حج فرمایا؟ (۱)۱۹۴۰ء (۲)۱۹۶۰ء (۳)۱۹۷۱ء (۴)۱۹۷۵ء

سوال نمبر-۹ ۱۹۴۵ء میں سفر حج کے موقع پر حضور مفتی اعظم نے اپنے اختیارات کس کے سپرد کئے تھے؟ (۱) صدرالافاضل مولانا نعیم الدین مرادابادی (۲) صدرالشریعہ مولانا امجد علی اعظمی (۳) ملک العلما مولانا ظفرالدین بہاری (۴) محدث اعظم

ابو محامد مولانا محمد کچھوچھوی

سوال نمبر-۱۰ ''الدولۃ المکیۃ'' جیسی ضخیم عربی کتاب اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے مکہ معظّمہ میں بغیر کسی کتاب کی مدد کے کتنے گھنٹے میں لکھی؟(۱)۸ر گھنٹے (۲)۱۶ر گھنٹے(۳)۲۴ر گھنٹے (۴)۴۸ر گھنٹے

صحیح جوابات

(۱) حضرت امام اعظم ابوحنیفہ (۲) حضرت سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری (۳) رضاعت (۴) مسجد شہید گنج (۵) محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد (۶) جماعت رضائے مصطفی (۷) حضور غوث اعظم (۸)۱۹۷۱ء (۹) صدرالشریعہ مولانا امجد علی اعظمی (۱۰)۸ر گھنٹے

نوری انعامی مقابلہ کے نتائج، انعامات اور انعام یافتگان کی تفصیلات

نوری انعامی مقابلہ میں بہت سارے حضرات نے نہایت ہی ذوق وشوق کے ساتھ حصہ لیا اور جوابات ارسال کیے۔ موصولہ جوابات انتہائی دیانت داری اور امانت داری کے ساتھ دیکھے گئے، صحیح جوابات اور غلط جوابات الگ الگ کیے گئے۔ اور آپ نے صحیح جوابات سوالات کے ذیل میں اس سے پہلے ملاحظہ فرمالیا۔ ۱۹ر محرم الحرام ۱۴۲۷ھ مطابق ۱۸ر فروری ۲۰۰۶ء بروز سنیچر بعد نماز عشا مینارہ مسجد میں عرس نوری منانے کا پروگرام رکھا گیا جس میں جناب سید فرقان قادری، جناب ریحان قادری، جناب ڈاکٹر نثار مارفانی، جناب غلام مصطفی قادری، جناب شہزاد برکاتی پاکستان اور جناب صادق رضا رضوی انڈیا نے نعت ومناقب پیش کیے اور اسی موقع پر ''نوری انعامی مقابلہ'' کے جوابات کی قرعہ اندازی ہوئی۔ جوابات کے لفافے مختلف بچوں اور الگ الگ لوگوں سے اٹھوائے گئے لیکن پہلے اور سب سے بڑے انعام کے لیے لفافہ رفیق ملت حضرت سید نجیب میاں صاحب مارہرہ مطہرہ نے اپنے دست مبارک سے اٹھایا اور دوسرے انعام کے لیے لفافہ عالی جناب الحاج محمد سعید نوری سکریٹری جنرل رضا اکیڈمی نے اٹھایا۔

انعامات کی تعداد

۲ر بڑے انعامات کے علاوہ برائے تشفی ۲۰ر انعامات تھے جو کل ۲۲ر ہوئے اور مزید برآں پہلے آئے ہوئے صحیح جوابات والے ۱۰,۰۰۰ افراد کو بذریعہ ڈاک ''الملفوظ شریف'' روانہ کرنا تھا لیکن رفیق ملت حضرت سید نجیب میاں صاحب مارہرہ مطہرہ نے خانقاہ عالیہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کی جانب سے مزید ۳ر انعامات کا اضافہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ ۲۵ر سالہ عرس نوری کی مناسبت سے ۲۵ر انعامات ہونے چاہئیں اور انھوں نے کرم فرماتے ہوئے ۲۲ر انعامات میں ۳ر انعامات بڑھا کر ۲۵ر انعامات کردیے جو ہمارے اور انعام یافتگان کے لیے بہت ہی زیادہ مسرت وشادمانی کی بات ہے۔ ہم ارکانِ رضا اکیڈمی حضرت موصوف کی ذرہ نوازی پر فخر کرتے ہوئے ان کے ممنون ومشکور ہیں۔

انعامات اور انعام یافتگان کی تفصیل

پہلا انعام : مفتی اعظم ایوارڈ ''حج کی سعادت یا ۱۱ر تولے سونا'' مولانا رئیس احمد خاں شاہ جہان پوری، دارالعلوم انوار مدینہ ملاڈ (ایسٹ)، ممبئی

دوسرا انعام : احسن العلما ایوارڈ ''عمرہ کی سعادت یا ۶ر تولے سونا'' ام الخیر محمد ہاشم نوری، مہا کالی اندھیری (ایسٹ)، ممبئی

تیسرا انعام : پنکھا- مولانا عبدالرشید قادری، دارالعلوم غوثیہ، کولی واڑہ، وسئی، تھانہ

چوتھا انعام : استری- آفرین محمد شریف احمد صابری، رابوڑی، تھانہ

پانچواں انعام : سینڈوچ ٹوسٹر- محمد رضوان القادری، بلالی مسجد، نہرو نگر، کرلا (ایسٹ)، ممبئی

چھٹا انعام : بول (بڑا پیالہ سیٹ)- توقیر احمد مصباحی، محمد یہ مسجد، اندھیری (ویسٹ)، ممبئی

ساتواں انعام : بریف کیس- آصف احمد شکیل احمد، پیٹ والا کمپاؤنڈ، مقابل اردو ٹائمز آفس، ممبئی-۸

آٹھواں انعام : واٹر کولر- محمد عمران عرفان، ایس وی روڈ، اندھیری، (ویسٹ)، ممبئی

نواں انعام : ہوٹ پوٹ (ٹفن سیٹ) محمد اختر رضا، دارالعلوم اہل سنت، چشتیہ میمن جماعت، تھانہ

دسواں انعام : ڈیجیٹل گھڑی- شعبان علی نظامی، پی ایل لوکھنڈے مارگ، چھیڑا نگر، چیمبور، ممبئی

گیارہواں انعام : ہینڈ مکسر- زوجہ نسیم علی قاضی، سورتی محلہ، ممبئی-۸

بارہواں انعام : کالر آئی ڈی فون- شیخ صدف عبدل جے، جوگواڑہ، ناسک

تیرہواں انعام : بریف کیس- عطاء اللہ شبیر احمد، گرانٹ روڈ، ممبئی-۷

چودھواں انعام : ڈنر سیٹ- مولانا عزیز الرحمن، امام جامع مسجد غوث الوریٰ، اندھیری (ایسٹ)، ممبئی

پندرہواں انعام : ٹی- سیٹ- انصاری نوشین مختار احمد، کوٹر گیٹ، بھیونڈی

سولہواں انعام : سینڈوچ ٹوسٹر- محمد ذاکر حسین ابن تاج الاسلام، مؤذن درگاہ مسجد، ڈاکیارڈ روڈ، ممبئی-۱۰

سترہواں انعام : ہینڈ مکسر- مشتاق احمد رضوی، مدرسہ وارثیہ غازی آباد، یوپی

اٹھارہواں انعام : ہوٹ پوٹ (ٹفن سیٹ)- شہاب الدین شیخ قطب الدین، مالیگاؤں، ناسک

انیسواں انعام : بول (بڑا پیالہ سیٹ) نعیم الرحمن عثمان غنی، مالیگاؤں، ضلع ناسک

بیسواں انعام : کالر آئی ڈی فون- مشتاق احمد، نیا نگر میرا روڈ (ایسٹ) تھانہ

اکیسواں انعام : ڈیجیٹل گھڑی- احمد جہانگیر نوری قادری، ہندوستانی مسجد، بائیکلہ، ممبئی-۲۷

بائیسواں انعام : واٹر کولر- مصطفی رضا مصباحی، جامعہ چشتیہ خانقاہ شیخ العالم رودولی شریف، بارہ بنکی، یوپی

تیئیسواں انعام : ۲۱۰۰ر روپے- تسنیم انیس اختر، بھیونڈی

چوبیسواں انعام : ۱۱۰۰ر روپے- محمد عمران رضا، سورج پیلس، ممبرا، تھانہ

پچیسواں انعام : ۵۰۰ر روپے- قاضی شہاب الدین علیم الدین، ناسک

عرس نوری کا انعقاد کب کب اور کہاں کہاں

نبیرہ اعلیٰ حضرت مولانا سبحان رضا خاں قادری رضوی خانقاہ عالیہ قادریہ رضویہ نوریہ اور جانشین حضور مفتی اعظم تاج الاسلام حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں قادری ازہری دامت برکاتہم العالیہ کی جانب سے حسب روایات سابقہ عرس نوری بریلی شریف میں منایا گیا۔ ۱۳ رمحرم الحرام ۱۴۲۷ھ مطابق ۱۱ رفروری ۲۰۰۶ء کو نوری مشن کی جانب سے اسلامیہ انٹر کالج کے گراؤنڈ میں عرس مبارک کی ایک تقریب رکھی گئی جس کی صدارت رفیق ملت حضرت سید نجیب حیدر صاحب نائب سجادہ نشین خانقاہ عالیہ قادریہ برکاتیہ نے فرمائی۔ شہزادۂ صدرالشریعہ حضرت مولانا فداء المصطفیٰ صاحب قادری اور دیگر سیکڑوں علمائے کرام نے شرکت کی۔ پاکستان کے معروف نعت خواں جناب اویس قادری، جناب سید فرقان قادری، جناب ریحان قادری، جناب ڈاکٹر نثار مارفانی، جناب غلام مصطفی قادری، جناب شہزاد برکاتی نے نعت ومناقب پیش کیے۔ اور ۱۴ رمحرم الحرام ۱۴۲۷ھ مطابق ۱۲ رفروری ۲۰۰۶ء کو ممبئی، کان پور، ناسک، مالیگاؤں وغیرہ میں بھی شان دار عرس نوری (حضور مفتی اعظم) کی تقریبات ہوئیں۔ ۱۶ رویں شب محرم الحرام ۱۴۲۷ھ مطابق ۱۵ رفروری ۲۰۰۶ء کو جوگیشوری ممبئی میں حضرت رفیق ملت کی صدارت میں مذکورہ بالا نعت خواں حضرات نے نعت ومناقب پیش کیے اور پھر ۱۷ رویں شب محرم الحرام ۱۴۲۷ھ مطابق ۱۶ رفروری ۲۰۰۶ء کو پاٹکر ہال میں عرس نوری (حضور مفتی اعظم) منایا گیا۔ اس پروگرام کی بھی صدارت حضرت رفیق ملت نے فرمائی اور نظامت مولانا منصور علی خاں صاحب رضوی خطیب وامام سنی بڑی مسجد مدنپورہ ممبئی-۸ نے فرمائی اور ۱۸ رویں شب محرم الحرام ۱۴۲۷ھ مطابق ۱۷ رفروری ۲۰۰۶ء مینارہ مسجد محمد علی روڈ ممبئی ۳ میں بہت ہی شان دار طریقے پر عرس نوری (حضور مفتی اعظم) کے پروگرام کا انعقاد ہوا اس پروگرام کی بھی صدارت ونظامت مذکورہ حضرات نے فرمائی اور اس عرس نوری کے شان دار ماحول میں نوری انعامی مقابلہ کے صحیح جوابات کی قرعہ اندازی ہوئی اور انعام یافتگان کے نام و پتہ کا اعلان ہوا۔ انعام یافتگان میں پہلا انعام (مفتی اعظم ایوارڈ ''حج کی سعادت یا ۱۱ رتولے سونا'') جس خوش نصیب کو ملا وہ ہیں جناب مولانا رئیس احمد خان شاہ جہان پوری دارالعلوم انوار مدینہ، ملاڈ (ایسٹ)، ممبئی اور دوسرے انعام (احسن العلماء ایوارڈ ''عمرہ کی سعادت یا ۶ رتولے سونا'') سے جسے سرفرازی ملی وہ ہیں ام الخیر بنت مولانا محمد ہاشم صاحب نوری مہاکالی اندھیری (ایسٹ)، ممبئی- باقی انعام یافتگان میں ممبرا، میرا روڈ، وسئی، رابوڑی، کرلا، اندھیری، چیمبور، بائیکلہ، سورتی محلہ، ناسک، مالیگاؤں، بھیونڈی، بارہ بنکی، غازی آباد وغیرہ کے افراد ہیں جیسا کہ آپ نے ازیں قبل تفصیل کے ساتھ ملاحظہ فرمایا۔

آئی کیمپ

۲۵ رسالہ عرس نوری (حضور مفتی اعظم) ہی کی ایک کڑی تھی ''آئی کیمپ''، جو ۲۵ ردسمبر ۲۰۰۵ء بروز اتوار صبح ۹ ربجے سے ''رضا ہیلتھ لائن'' کے زیر اہتمام ''رضا اکیڈمی کی جانب سے نور اسپتال میں انعقاد پذیر ہوا تھا جس میں کئی ڈاکٹروں کے ذریعہ ۱۷۰ رافراد کی آنکھوں کی جانچ ہوئی تھی اور انھیں چشمہ دیا گیا تھا۔

ہر کتاب صرف ۲۵/روپے میں

سلف صالحین، بزرگانِ دین کی یادیں، ان کی باتیں اوران کے تذکرے ہمارے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ اعراس بزرگان دین میں نظم ونثر میں صاحب عرس کا تذکرہ ہوتا ہے، ان کے اعمال و معمولات کا ذکر ہوتا ہے، ان کے تقویٰ وطہارت، زہد و ورع، علم و قلم اور تصنیف و تالیف کی باتیں ہوتی ہیں جو ہماری زندگی کی تابندگی کے لیے سبب ہوتی ہیں انھیں بزرگان دین میں ایک ذات گرامی تاجدار اہلسنت حضور مفتی اعظم حضرت علامہ شاہ محمد مصطفی رضا قادری برکاتی نوری علیہ الرحمہ کی ہے جن کی زندگی کی صبح وشام، لیل ونہار، ہر گھڑی ہر لمحہ اور ہر ادا ہماری زندگی کے لیے ہادی وراہ نما ہے۔ اسی ذات والا مرتبت کا ۲۵/واں سالہ عرس رضا اکیڈمی نے مختلف طریقے پر نہایت ہی عمدہ کارکردگی کے ساتھ منایا جیسا کہ آپ نے گذشتہ صفحات پر ملاحظہ فرمایا کہ کئی جگہوں پر نعت ومناقب کی محفل سجائی، نوری کارواں روانہ کیا، نوری انعامی مقابلہ کروایا، آئی کیمپ کا اہتمام کروایا، تقریباً ہزار صفحات پر مشتمل ''جہانِ حضور مفتی اعظم'' شائع کروائی اور ایک احسن وعمدہ طریقہ عرس نوری منانے کا یہ بھی اپنایا کہ مختلف موضوعات کی ۵۰/کتابیں جو ضخامت اور قیمت کے اعتبار سے بھی مختلف تھیں یعنی کوئی تقریباً ۲۰۰/صفحات کی تھی تو کوئی ۳۰۰/۴۰۰/۵۰۰/صفحات کی اور کسی کی قیمت تخمیناً ۶۰/روپے تھی تو کسی کی ۷۵/، ۸۰/، ۹۰/، ۱۰۰/، ۱۱۰/، ۱۲۵/روپے لیکن ہر کتاب ۲۵/سلہ عرس نوری کی یاد میں عرس رضوی ۲۳/ ۲۴/ ۲۵/صفرالمظفر ۱۴۲۷ھ کے موقع پر اسلامیہ انٹر کالج بریلی شریف میں صرف ۲۵/روپے میں دی۔

محمد عارف رضوی
سکریٹری، رضا اکیڈمی

انتخاب کلام نوری

مولانا مقبول احمد سالک مصباحی
استاذ دار العلوم حنفیہ رضویہ، قلابہ، ممبئی

تقدیس الوہیت و رسالت، عشق رسول، رقت جذبات اور حقیقت گوئی، حضور مفتی اعظم کی شاعری کے بنیادی عناصر ہیں، ان کے یہاں کذب آمیز مبالغہ آرائی، سطحی جذبات اور بے باکانہ اظہار بیان کی بجائے، جذبات کی سچائی وصفائی انداز بیان کی تاثیر اور شیرینی کو فروغ حاصل ہے۔ آٹھویں باب میں ان کے نعتیہ کلام پر ارباب فکر ونظر کے تنقیدی مباحث ملاحظہ کریں۔

جہان مفتی اعظم کی تیاری جب بالکل آخری مرحلہ میں تھی، معاً خیال آیا کہ کیوں نہ حضور مفتی اعظم کے نعتیہ کلام کے کچھ نمونے بھی شامل اشاعت کر لیے جائیں، ارادہ نیک تھا، میں نے مولانا عبد المبین نعمانی صاحب سے اس کا اظہار کیا، انھوں نے پذیرائی کی اور میرے خیال کو بہت سراہا۔ واقعہ یہ ہے کہ بحث کے دوران جب کوئی بھی نقاد اپنے خیال کا اظہار کرتا ہے تو ایک طرح سے قاری کے اوپر اپنے خیالات کو بہ زور قلم نافذ کرنا چاہتا ہے، اس کے برخلاف جب قاری بہ راہ راست نمونۂ کلام کو خود پڑھ لیتا ہے تو پورے انشراح صدر کے ساتھ کلام کی عظمت و مقام سے واقف ہو جاتا ہے، اس میں کسی جنبہ داری یا شک وارتیاب کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔ یوں تو مفتی اعظم کا کلام بلاغت نظام ''سامان بخشش'' کے نام سے شائع ہو کر ہزاروں کی تعداد میں ملک و بیرون ملک مقبول عام ہو چکا ہے، لیکن اس کے باوجود جب انتخاب کی بات آئی تو مروجہ نسخہ کی بجائے میں نے قدیم نسخہ کی تلاش شروع کی، چناں چہ آل انڈیا اسلامک مشن، مدن پورہ بنارس کا مطبوعہ نسخہ سامنے رکھا، جو ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء میں شائع ہوا تھا۔ جب سرکار مفتی اعظم بہ قید حیات تھے اور یہ سامان بخشش کی پہلی مکمل اشاعت تھی، سامان بخشش تاریخی نام ہے، جس کا مادہ تاریخی ۱۳۵۴ھ ہے۔

اس نسخہ کے مرتب مولانا مرغوب حسن قادری اعظمی مدرس جامعہ فاروقیہ بنارس اور آل انڈیا اسلامک مشن کے جنرل سکریٹری ہیں، یہ بات ہر شک وشبہہ سے بالاتر ہے کہ مرتب نے اس کی تصحیح وترتیب میں کسی طرح کی کوتاہی کی ہوگی لیکن اس کے باوجود کہیں نہ کہیں غفلت ضرور راہ پا گئی جس کی وجہ سے بہت سی فروگزاشتیں در آئیں، ان میں سے صرف ان مقامات کی نشان دہی کی جا رہی ہے، جو زیر نظر مجموعہ میں شامل کلام سے متعلق ہیں۔ تاکہ جن کے پاس یہ نسخہ ہو وہ ان کو درست کر لیں۔

(۱) عربی الفاظ پر اعراب میں ضروری احتیاط نہیں برتی گئی جس کی وجہ سے قاری کو ذہنی انتشار کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

(۲) عربی یا فارسی تراکیب مثلاً حالت اضافت میں کسرہ یا بعض الفاظ کے اصل لغوی اشکال اور صیغے ظاہر کرنے کے لیے جہاں اعراب کی ضرورت تھی اس کی پابندی نہیں کی گئی جس کی وجہ سے عام قاری شعر کی غلط خوانی پر مجبور ہوتا ہے۔ اور کبھی کبھی مصرع یا شعر کو بحر سے خارج سمجھنے لگتا ہے۔

(۳) جدید اردو قواعد املا کی بالکل اتباع نہیں کی گئی ،لفظوں کے وصل و فصل وغیرہ میں احتیاط نہ برتنے کی وجہ سے ان کی مختلف شکلیں بن گئیں۔ جواب متروک ہیں۔

(۴) بڑی جرأت کے ساتھ متعدد مقامات پر تحریف لفظی نے بھی جگہ بنالی ہے، جس کی بنیادی وجہ غالباً کاتب پر اعتماد بے جا رہی ہوگی۔ اس کے ہم ذیل میں چند شواہد پیش کرتے ہیں۔

(الف) ص: ۱۳ پر آخری مصرع ۔ بے وسیلہ نجد یو ہرگز خدا ملتا نہیں۔ یہاں ''نجد یو'' کی جگہ اصل نسخہ میں ''دہریو'' مرقوم ہے، جو سراسر وہابی کاتب کی تحریف ہے جس نے نجد یو کی جگہ دہریو فٹ کر دیا، دہریو مقتضائے حال اور معنوی ضرورت دونوں لحاظ سے بے محل۔ دہریے خدا کے منکر ہیں وسیلہ کے نہیں، وسیلہ کے منکر وہابی لعین اور ان کے دیگر متبعین ہیں۔ اس لیے دہریوں کو انکار وسیلہ سے خطاب کرنا شاعر کی جہالت کو ظاہر کرتا ہے، جس سے حضور مفتی اعظم کا دامن پاک ہے، بلاشبہہ دہریوں کے خلاف بھی مفتی اعظم نے جہاد بالقلم فرمایا ہے ،مگر یہ شعر اس کا محل نہیں۔ بعد میں معلوم ہوا کہ کاتب واقعۃً مبارک پور کا ایک وہابی تھا۔

(ب) ص: ۱۱۱، ۲۱۱، سے لی گئی مشہور نعت کا مطلع یوں درج ہے'' تو شمع نبوت ہے عالم تیرا پروانہ، تو ماہ رسالت ہے اے جلوۂ جانانہ''

یہاں بھی قلب ماہیت محسوس ہو رہا ہے، اصل میں شعر یوں ہے، تو شمع رسالت ہے، تو ماہ نبوت ہے۔ اسی ترتیب سے برصغیر ہندو پاک میں یہ شعر مشہور و معروف اور مرغوب و مقبول ہے، اور بعد میں تصحیح کرنے والوں کی ترتیب بھی مرتب کی ذکر کردہ ترتیب کے مطابق ہے، چنان چہ اس وقت میرے سامنے فیاض الحسن اینڈ سنس کان پور کا شائع کردہ نسخہ ہے، جس پر سن طباعت ۱۴۱۳ھ /۱۹۹۲ء درج ہے، اس نسخہ کے اولین ناشر مولانا محمد فاروق رضا قادری رضوی رکن قادری اکیڈمی رام پور ہیں، مولانا محمد انور علی نان پاروی قادری رضوی اور قاری امانت رسول رضوی پیلی بھیتی نے اس کی تصحیح و ترتیب جدید کی ہے، مولانا محمد فاروق قادری رضوی نے اس نسخہ کو ۱۴۰۵ء میں شائع کیا تھا، ناشر کے بیان کے مطابق قاری امانت رسول رضوی نے اپنے پاس موجود مخطوطہ دیوان سے اس کی مطابقت کی تھی۔

(ج) محولہ بالا نظم میں ہی ایک مصرع یوں رقم ہے، سجدہ نہ سمجھ نورؔی سر دیتا ہوں نذرانہ۔

اس مصرع میں بھی کاتب نے ہاتھ کی صفائی دکھائی ہے اس نے نجدی کی جگہ بڑی چالاکی سے نورؔی کر دیا جو سراسر غلط ہے۔ اگر چہ ایک کلام میں دو جگہ تخلص کا ورود شعری اصطلاح میں ممنوع نہیں، اور نہ ہی درمیان کلام محظور، لیکن جب آخر شعر میں تخلص مذکور ہے، تو درمیان میں اس کی حاجت نہ رہی اور پھر شاعر کا یہاں پر اپنی ذات کو مخاطب کرنا کسی طور جائز نہیں کیوں کہ وہ سنگ در جاناں پر جبیں سائی (بہ معنی احترام و تقدیس) کا قائل ہے، منکر ہے تو وہابی ہے جسے درِ رسول پر ہر کام میں شرک و بدعت نظر آتی ہے، مفتی اعظم نے وہابی نجدی کو خطاب کر کے للکارا ہے، اس مصرع میں نجدی کی جگہ نوری آ جانے سے پورا شعر ہی مہمل ہو گیا ہے۔

(د) ص: ۱۱۶، ۱۱۷ سے لی گئی نعت کا ایک مصرع یوں مرقوم ہے۔ ''اور وہ دشمنوں کی دعا کر چلے''

یہ بھی محرف ہے، اصل میں یوں ہونا چاہیے۔ ''اور وہ دشمنوں کو دعا کر چلے'' مرتب اردو قواعد زبان و بیان کے لحاظ سے ہی اس مقام کو درست کر چکا تھا، مگر جب فیاض الحسن کے نسخہ سے موازنہ اور مقابلہ کیا تو اس کی توثیق و تائید ہو گئی، اس میں ''کو'' ہی مرقوم ہے۔

(ہ) ص: ۵۲، ۶۲، ۷۲، ۸۲، سے لی گئی نعت کا ایک مصرع یوں درج ہے۔ ''ملی جہان کو روزی صدا مدینے سے''

یہ بھی محرف ہے مرتب نے مقام اور مقتضائے حال کے لحاظ سے ہی طے کر لیا تھا کہ لفظ اصل میں ''سدا'' ہے، جس کے معنی ہمیشہ

کے ہیں۔ صدا بمعنی آواز جس کی یہاں نہ حاجت اور نہ محل۔ جب فیاض الحسن کے نسخہ سے مقابلہ کیا تو اس میں ''سدا'' ہی محرر تھا۔

(و) جہاں تک املا اور الفاظ کے اشکال وصور اور وصل وفصل کی بات تو اس کی ایک لمبی فہرست ہے، مرتب نے زیر نظر مجموعہ میں شامل کلام میں ان تمام قواعد وضوابط کی رعایت کرتے ہوئے تدوین کی ہے، ان شاءاللہ قاری اس سے ایک نیا لطف وشوق محسوس کرے گا۔

یہ مشتِ نمونہ از خروارے چند نظائر پیش کیے گئے ہیں، ممکن ہے اور جگہ بھی اسی طرح کی تحریفات اور سُقطات ہوں، مولانا مرغوب حسن قادری ادروی ایک ذی استعداد اور جید عالم دین ہیں، زیر نظر مجموعہ میں آپ کی بھی ایک منقبت اور ایک مقالہ شامل ہے، جو بالکل آخر میں ہمیں دست یاب ہوا، مگر نوک پلک درست کر کے اسے شامل اشاعت کر لیا گیا ہے، مولانا نے مرتب کردہ مجموعہ پر ایک تفصیلی مقدمہ بھی لکھا ہے، مگر یہ بتانے کی زحمت نہیں کی ہے کہ انھوں نے کس نسخہ یا مخطوطہ کی مدد سے اس نسخہ کو شائع کیا، اور کس کی تصحیح کی ضمانت پر اسے طبع کیا، بہ ہر حال جو گزر گیا سو گزر گیا، لیکن تذکرہ اس لیے ضروری تھا تاکہ آئندہ کوئی اور اس سے دھوکا نہ کھائے، چنان چہ مولانا مفتی اشرف رضا قادری نے اپنے مقالے میں اسی نسخہ کا حوالہ دیا ہے، اس میں انھوں نے بھی ایسی کسی تنقیدی رائے کا اظہار نہیں کیا ہے، بس یہ کہہ کر بات آگے بڑھا دی ہے کہ بنارس کے نسخہ کی فوٹو کاپی فقیر کے پاس بھی محفوظ ہے، مفتی صاحب کا مقالہ آٹھویں باب میں شامل ہے۔

۱۔ تا ۴ نمبروں میں، میں نے جن خامیوں یا کمزوریوں کی نشان دہی کی ہے اس سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش کی گئی ہے، ناظرین اس کو ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ البتہ ان میں ایک اضافہ یہ کیا گیا ہے کہ ہر نعت ومنقبت کو کسی ایک لفظ یا ترکیب کی بجائے پورے ایک مصرع سے شروع کیا گیا ہے، اس سے قاری اول نظر میں ہی فہرست کی مدد سے کلام کی نوعیت اور اس کی زمین سے واقف ہو جاتا ہے۔ یہی صورت حال حضور مفتی اعظم کے تعلق سے تیئسویں باب میں شامل منقبتوں کی ترتیب میں ہے۔ ادبی نقطۂ نظر سے یہ اضافہ جائز بھی ہے اور مفید بھی۔ خصوصاً جب کہ وہ مصرع نعت یا منقبت کے مرکزی مضمون کا حامل ہو۔

★★★★★★★

اَللّٰہُ ھُوْ، اللّٰہُ ھُوْ، اللّٰہُ ھُوْ، اللّٰہُ ھُوْ

مفتی اعظم علامہ شاہ محمد مصطفی رضا قادری نوری

اَللّٰہُ ھُوْ، اللّٰہُ ھُوْ، اللّٰہُ ھُوْ، اللّٰہُ ھُوْ

تو کسی جا نہیں اور ہر جا ہے تو تو منزہ مکاں سے مبرا زسو
علم و قدرت سے ہر جا ہے تو کُوْ بکُوْ تیرے جلوے ہیں ہر ہر جگہ اے عفو
اَللّٰہُ ھُوْ، اللّٰہُ ھُوْ، اللّٰہُ ھُوْ، اللّٰہُ ھُوْ

قلب کو اس کی رویت کی ہے آرزو جس کا جلوہ ہے عالم میں ہر چارسو
بل کہ خود نفس میں ہے وہ سُبحنہ عرش پر ہے مگر عرش کو جستجو
اَللّٰہُ ھُوْ، اللّٰہُ ھُوْ، اللّٰہُ ھُوْ، اللّٰہُ ھُوْ

طائرانِ جناں میں تری گفتگو گیت تیرے ہی گاتے ہیں وہ خوش گلو
کوئی کہتا ہے حق کوئی کہتا ہے ھُو اور سب کہتے ہیں لا شَرِیک لہ
اَللّٰہُ ھُوْ، اللّٰہُ ھُوْ، اللّٰہُ ھُوْ، اللّٰہُ ھُوْ

بلبلِ خوش نوا طوطی خوش گلو زمزمہ خواں ہیں گاتے ہیں نغمات ھو
قمریِ خوش لِقا بولی حق سِرُہ فاختہ خوش ادا نے کہا دوست تو
اَللّٰہُ ھُوْ، اللّٰہُ ھُوْ، اللّٰہُ ھُوْ، اللّٰہُ ھُوْ

صبح دم کر کے شبنم سے غسل و وضو شاہدانِ چمن بستہ صف رو بہ رو
ورد کرتے ہیں تسبیح سُبحَانَہ ھوْ و لا غیرہ ھوْ وَلا غیرہ
اَللّٰہُ ھُوْ، اللّٰہُ ھُوْ، اللّٰہُ ھُوْ، اللّٰہُ ھُوْ

عرش و فرش و زمان و جہت اے خدا جس طرف دیکھتا ہوں ہے جلوہ ترا
ذرے ذرے کی آنکھوں میں تو ہی ضیا قطرے قطرے کی تو ہی تو ہے آبرو
اَللّٰہُ ھُوْ، اللّٰہُ ھُوْ، اللّٰہُ ھُوْ، اللّٰہُ ھُوْ

نغمہ سنجانِ گلشن میں چرچا ترا چہچہے ذکرِ حق کے ہیں صبح ومسا
اپنی اپنی چہک اپنی اپنی صدا سب کا مطلب ہے واحد کہ واحد ہے تو
اَللّٰہُ ھُوْ، اللّٰہُ ھُوْ، اللّٰہُ ھُوْ، اللّٰہُ ھُوْ

ہے زبانِ جہاں حمد باری میں لال   دم کوئی حمد کا مارے کس کی مجال
تا بہ اِمکان ہم رکھتے ہیں قیل و قال   اس کو مقبول فرمائے رحمت سے تو
اَللہ ھُوْ، اللہ ھُوْ، اللہ ھُوْ، اللہ ھُوْ

رحم فرما خدایا حرم پاک ہو   تو نے تقدیس بخشی ہی جس خاک کو
دفع فرما وہاں پر ہے بے باک جو   اور گرا بجلیاں قہر کی بر عدو
اَللہ ھُوْ، اللہ ھُوْ، اللہ ھُوْ، اللہ ھُوْ

خوابِ نوریؔ میں آئیں جو نور خدا   بقعۂ نور ہو اپنا ظلمت کدا
جگمگا اٹھے دل چہرہ ہو پر ضیا   نوریوں کی طرح شغل ہو ذکر ھُوْ
اَللہ ھُوْ، اللہ ھُوْ، اللہ ھُوْ، اللہ ھُوْ

سامان بخشش،ص:۲۵،۲۶،۲۷،۲۸ آل انڈیا اسلامک مشن، مدن پورہ، بنارس ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء

بنا عرش بریں مسند کف پائے منور کا

مفتی اعظم علامہ شاہ محمد مصطفی رضا قادری نوری

پڑھوں وہ مطلعِ نوری ثنائے مہرِ انور کا
ہوجس سے قلب روشن جیسے مطلع مہرِ محشر کا

بنا عرش بریں مسند کفِ پائے منور کا
خدا ہی جانتا ہے مرتبہ سرکار کے سر کا

ضیا بخشی تری سرکار کی عالم پہ روشن ہے
مہ وخورشد صدقہ پاتے ہیں پیارے ترے در کا

طبق پر آسماں کے لکھتا میں نعتِ شہِ والا
قلم اے کاش مل جاتا مجھے جبریل کے پر کا

محالِ عقل ہے تیرا مماثل اے مرے سرور
توَہّم کر نہیں سکتا ہے عاقل تیرے ہمسر کا

بجھے گی شربتِ دیدار ہی سے تشنگی اپنی
تمھاری دید کا پیاسا ہوں یوں پیاسا ہوں کوثر کا

جو آب و تاب دندانِ منور دیکھ لوں نوریؔ
مرا بحرِ سخن سر چشمہ ہو خوش آب گوہر کا

سرِ عرشِ علا پہنچا قدم جب میرے سرور کا
زبانِ قدسیاں پر شور تھا اللہ اکبر کا

دو عالم صدقہ پاتے ہیں مرے سرکار کے در کا
اسی سرکار سے ملتا ہے جو کچھ ہے مقدر کا

نگاہ مہر سے اپنی بنایا مہر ذروں کو
الٰہی نور دن دونا ہو مہرِ ذرہ پرور کا

نہ سایا روح کا ہرگز نہ سایا نور کا ہرگز
تو سایا کیسا اس جانِ جہاں کے جسمِ انور کا

خدا شاہد رضا کا آپ کا طالب خدا ہوگا
تعالی اللہ رتبہ میرے حامی میرے یاور کا

کمی کچھ بھی خزانے میں تمھارے ہو نہیں سکتی
تمھیں حق نے عطا فرمادیا جب چشمہ کوثر کا

سامان بخشش، ص: ۵۴، ۶۴، ۴۷، مطبوعہ آل انڈیا اسلامک مشن، مدن پورہ، بنارس ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء

مرقدِ نوریؔ پہ روشن ہے یہ لعلِ شب چراغ

مفتی اعظم علامہ شاہ محمد مصطفی رضا قادری نوری

چارہ گر ہے دل تو گھائل عشق کی تلوار کا
کیا کروں میں لے کے پھاہا مرہم زنگار کا

روکشِ خلدِ بریں ہے دیکھ کوچہ یار کا
حیف بلبل اب اگر لے نام تو گل زار کا

حسن کی بے پردگی پردہ ہے آنکھوں کے لیے
خود تجلی آپ ہی پردہ ہے روے یار کا

تیرے باغِ حسن کی رونق کا کیا عالم کہوں
آفتاب اک زرد پتا ہے ترے گل زار کا

کب چمکتا یہ ہلال آسماں ہر ماہ یوں
جو نہ ہوتا اس پہ پرتو ابروے سرکار کا

حسرت دیدار دل میں ہے اور آنکھیں بہہ چلیں
تو ہی والی ہے خدایا دیدۂ خوں بار کا

''از سرِ بالین من برخیز اے ناداں طبیب''
ہوچکا تجھ سے مداوا عشق کے بیمار کا

جب گرا میں بےخودی میں ان کے قدموں پر گرا
کام تو میں نے کیا اچھے بھلے ہشیار کا

آبلہ پا چل رہا ہے بےخودی میں سر کے بل
کام دیوانہ بھی کرتا ہے کبھی ہشیار کا

آبلوں کے سب کٹورے آہ خالی ہوگئے
منہ ابھی تر بھی نہ ہونے پایا تھا ہر خار کا

آبلے کم مائیگی پر اپنی روئیں رات دن
سوکھ کر کانٹا ہوا دیکھیں بدن ہر خار کا

پاؤں میں چبھتے تھے پہلے اب تو دل میں چبھتے ہیں
یاد آتا ہے مجھے رہ رہ کے چبھنا خار کا

پاؤں کیا میں دل میں رکھ لوں پاؤں جو طیبہ کے خار
مجھ سے شوریدہ کو کیا کھٹکا ہو نوکِ خار کا

گل ہو صحرا میں تو بلبل کے لیے صحرا چمن
گل نہ ہو گلشن میں تو گلشن ہے اک بن خار کا

کوثر و تسنیم سے دل کی لگی بجھ جائے گی
میں تو پیاسا ہوں کسی کے شربت دیدار کا

جلوہ گاہِ خاص کا عالم بتائے کوئی کیا
مہرِ عالم تاب ہے ذرہ حریمِ یار کا

ہفت کشور ہی نہیں چودہ طبق روشن کیے
عرش و کرسی لامکاں پر بھی ہے جلوہ یار کا

مرقدِ نوریؔ پہ روشن ہے یہ لعلِ شب چراغ
یا چمکتا ہے ستارہ آپ کی پیزار کا

سامانِ بخشش، ص: ۵۰، ۵۱، ۵۲ آل انڈیا اسلامک مشن، مدن پورہ، بنارس ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء

آتا ہی نہیں گویا سرکار کو لا کرنا

مفتی اعظم علامہ شاہ محمد مصطفی رضا قادری نوری

مقبول دعا کرنا منظور ثنا کرنا
مدحت کا صلہ دینا مقبول ثنا کرنا

سینہ پہ قدم رکھنا دل شاد مرا کرنا
دَرْدِ دلِ مضطر کی سرکار دوا کرنا

کب آپ کے کوچہ میں منگتا کو صدا کرنا
خود بھیک لیے تم کو منگتا کو ندا کرنا

دن رات خطاؤں پر ہم کو ہے خطا کرنا
اور تم کو عطاؤں پر ہردم ہے عطا کرنا

ہم اپنی خطاؤں پر نادم بھی نہیں ہوتے
اور ان کو عطاؤں پر ہر بار عطا کرنا

ہے عام کرم ان کا اپنے ہوں کہ ہوں اعدا
آتا ہی نہیں گویا سرکار کو لا کرنا

واللہ وہ سن لیں گے اور دل کی دوا دیں گے
بے کار نہ جائے گا فریاد بکا کرنا

طیبہ میں بلالینا اور اپنا بنالینا
قیدی غم فرقت کے سرکار رہا کرنا

ہم عرض کیے جائیں سرکار سنے جائیں
کیا دور کرم سے ہے دن ایسا شہا کرنا

سنگِ درِ سرور پر رکھا ہوا ہو یہ سر
اے کاش ہو قسمت میں اس طرح قضا کرنا

ہر داغ مٹادینا اور دل کو شفا دینا
آئینہ بنا دینا ایسی تو جلا کرنا

سرور ہے وہی سرور اے سرورِ ہر سرور
ہے آپ کے قدموں پر سر جس کو فدا کرنا

شہرہ لبِ عیسی کا جس بات میں ہے مولا
تم جانِ مسیحا ہو ٹھوکر سے ادا کرنا

وہ تیرا برا چاہیں ممکن ہی نہیں ان سے
اعدا کی بھلائی کی جن کو ہے دعا کرنا

دنیا بنے یا بگڑے دنیا رہے یا جائے
تو دین بنا پیارے دنیا کا ہے کیا کرنا

قسمت میں غمِ دنیا جنت کا قبالہ ہو
تقدیر میں لکھا ہو جنت کا مزا کرنا

دنیا میں جو روتے ہیں عقبی میں وہ ہنستے ہیں
دنیا میں جو ہنستے ہیں ہے ان کو کڑھا کرنا

موسی ہوئے غش جس سے اور طور جلا جس سے
وہ جلوہ مرے دل پر اے نور خدا کرنا

برباد نہ ہو مٹی اس خاک کے پتلے کی
اللہ مجھے ان کی خاکِ کفِ پا کرنا

کیوں نقشِ کفِ پا کو دل سے نہ لگائے وہ
ہے آئینہ دل کی نوریؔ کو جلا کرنا

سامان بخشش، ص: ۵۳، ۵۴، ۵۵، آل انڈیا اسلامک مشن، مدن پورہ، بنارس ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء

میں تو جاتا مجھے سرکار نے جانے نہ دیا

مفتی اعظم علامہ شاہ محمد مصطفی رضا قادری نوری

بختِ خفتہ نے مجھے روضے پہ جانے نہ دیا
چشم و دل سینے کلیجے سے لگانے نہ دیا

آہ قسمت! مجھے دنیا کے غموں نے روکا
ہائے تقدیر! کہ طیبہ مجھے جانے نہ دیا

پاؤں تھک جاتے اگر پاؤں بناتا سر کو
سر کے بل جاتا مگر ضعف نے جانے نہ دیا

سر تو سر جان سے جانے کی مجھے حسرت ہے
موت نے ہائے مجھے جان سے جانے نہ دیا

حالِ دل کھول کے دل آہ ادا کر نہ سکا
اتنا موقع ہی مجھے میری قضا نے نہ دیا

ہائے اس دل کی لگی کو میں بجھاؤں کیوں کر
فرطِ غم نے مجھے آنسو بھی گرانے نہ دیا

سجدہ کرتا جو مجھے اس کی اجازت ہوتی
کیا کروں اذن مجھے اس کا خدا نے نہ دیا

حسرتِ سجدہ یونہی کچھ تو نکلتی لیکن
سر بھی سرکار نے قدموں پہ جھکانے نہ دیا

کبھی بیمارِ محبت بھی ہوئے ہیں اچھے
روز افزوں ہے مرض کام دوا نے نہ دیا

اب کہاں جائے گا نقشہ ترا میرے دل سے
تہ میں رکھا ہے اسے دل نے گمانے نہ دیا

نفسِ بدکار نے دل پر یہ قیامت توڑی
عمل نیک کیا بھی تو چھپانے نہ دیا

نفس بدکیش ہے کس بات کا دل یہ شاکی
کیا برا دل نے کیا ظلم کمانے نہ دیا

میرے اعمال کا بدلہ تو جہنم ہی تھا
میں تو جاتا مجھے سرکار نے جانے نہ دیا

میرے اعمال سیہ نے کیا جینا دو بھر
زہر کھاتا ترے ارشاد نے کھانے نہ دیا

اور چمکتی سی غزل کوئی پڑھو اے نوریؔ
رنگ اپنا ابھی جمنے شعرانے نہ دیا

سامان بخشش، ص: ۷۵، ۸۵، آل انڈیا اسلامک مشن، مدن پورہ، بنارس ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء

مرحبا صد مرحبا مہرِ عجم ماہِ عرب

مفتی اعظم علامہ شاہ محمد مصطفی رضا قادری نوری

ماہ تاباں تو ہوا مہرِ عجم ماہِ عرب ہیں ستارے انبیا مہرِ عجم ماہِ عرب
ہیں صفات حق کے نوری آئینے ساری نبی ذات حق کا آئینہ مہرِ عجم ماہِ عرب
کب ستارا کوئی چمکا سامنے خورشید کے ہو نبی کیسے نیا مہرِ عجم ماہِ عرب
آپ ہی کے نور سے تابندہ ہیں شمس و قمر دل چمک جائے مرا مہرِ عجم ماہِ عرب
قبر کا ہر ذرہ اک خورشید تاباں ہو ابھی رخ سے پردہ دو ہٹا مہرِ عجم ماہِ عرب
کوچۂ پر نور کا ہر ذرہ رشک مہر ہے واہ کیا کہنا ترا مہرِ عجم ماہِ عرب
روسیہ ہوں منہ اجالا کر مرا جانِ قمر صبح کریا چاندنا مہرِ عجم ماہِ عرب
نیرِ چرخِ رسالت جس گھڑی طالع ہوا اوج پر تھا غلغلہ مہرِ عجم ماہِ عرب
آپ نے جب مشرقِ انور سے فرمایا طلوع دامنِ شب پھٹ گیا مہرِ عجم ماہِ عرب
ظلمتِ شب مٹ گئی جب آپ جلوہ گر ہوئے رات تھی پر دن ہوا مہرِ عجم ماہِ عرب
تم نے مغرب سے نکل کر اک قیامت کی بپا کافروں پر سرورا مہرِ عجم ماہِ عرب
آفتابِ ہاشمی تو غرب سے طالع ہو پھر کر سویرا کفر کا مہرِ عجم ماہِ عرب
حق کے پیارے نور کی آنکھوں کے تارے ہو تمھیں نورِ چشمِ انبیا مہرِ عجم ماہِ عرب
زلف والا کی صفت واللیل ہے قرآن میں اور رُخ کی والضحی مہرِ عجم ماہِ عرب
ظلمتیں سب مٹ گئیں ناری سے نوری ہو گیا جس کے دل میں بس گیا مہرِ عجم ماہِ عرب
ظلمتوں پر ظلمتیں ہیں میرے مولی قبر میں اب تو اپنا منہ دکھا مہرِ عجم ماہِ عرب
مہر فرما مہر سے عصیاں کی ظلمت محو کر جلوہ فرما ہو ذرا مہرِ عجم ماہِ عرب
نور سے معمور ہو جائے مرا سینہ اگر دل پہ رکھ دے اپنا پا مہرِ عجم ماہِ عرب
اک اشارے سے قمر کے تم نے دو ٹکڑے کیے مرحبا صد مرحبا مہرِ عجم ماہِ عرب

نور کی سرکار ہے تو بھیک بھی نوری ملے
قلب نوریؔ جگمگا مہر عجم ماہ عرب

سامانِ بخشش، ص: ۲۶، ۳۶، آل انڈیا اسلامک مشن، مدن پورہ، بنارس ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء

حاضر در آج ہیں سرکار کے رضوی غلام

مفتی اعظم علامہ شاہ محمد مصطفی رضا قادری نوری

الصلاۃ والسلام اے رہبرِ جملہ امام الصلاۃ والسلام اے سرورِ عالی مقام
الصلاۃ والسلام اے پیکرِ حسنِ تمام الصلاۃ والسلام اے مظہرِ ذات السلام
الصلاۃ والسلام الصلاۃ والسلام
اے نبیوں کے نبی اور اے رسولوں کے
امام

یا حبیبَ اللہ انت شفیع المذنبین انی مذنب سیدی انت مھبط الوحی المبین
یا رسولَ اللہ انت رحمۃ للعالمین یا نبیَ اللہ انت ملاق الوعد الامین
الصلاۃ والسلام الصلاۃ والسلام
اے نبیوں کے نبی اور اے رسولوں کے
امام

اے شہِ عرش آستاں اے سرورِ کون و مکاں اے مرے ایمانِ جاں اے جانِ ایمانِ زماں
اے مرے امن و اماں اے سرورِ ہر دو جہاں میں ہوں عاصی سرورا اور تم شفیعِ عاصیاں
الصلاۃ والسلام الصلاۃ والسلام
اے نبیوں کے نبی اور اے رسولوں کے
امام

اے وہ جس کا رب ہے شاہد اور وہ مشہود ہے اے وہ جس کا رب ہے حامد اور وہ محمود ہے
اے وہ جس کا رب ہے قاصد اور وہ مقصود ہے اے کہ جس کا جود ایسا ہے کہ لا مقصود ہے
الصلاۃ والسلام الصلاۃ والسلام
اے نبیوں کے نبی اور اے رسولوں کے
امام

قبلۂ کونین ہیں سرکار امام القبلتین آپ ہیں فتحِ خدا سے فاتحِ بدر و حنین
دور در سے جو ہوا تو پھر کہاں یہ امن و چین حاضرِ در آج ہیں سرکار کے رضوی غلام

الصلاۃ والسلام الصلاۃ والسلام
اے نبیوں کے نبی اور اے رسولوں کے امام

سامانِ بخشش، ص:۱۸، ۲۸، آل انڈیا اسلامک مشن، مدن پورہ، بنارس ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء

کھلا میرے دل کی کلی غوث اعظم

مفتی اعظم علامہ شاہ محمد مصطفی رضا قادری نوری

کِھلا میرے دل کی کلی غوث اعظم — مٹا قلب کی بے کلی غوث اعظم
مرے چاند میں صدقے آجا ادھر بھی — چمک اٹھے دل کی گلی غوث اعظم
ترے رب نے مالک کیا تیرے جد کو — تیرے گھر سے دنیا پلی غوث اعظم
کہا جس نے یاغوث اغثنی تو دم میں — ہر آئی مصیبت ٹلی غوث اعظم
نہیں کوئی بھی ایسا فریادی آقا — خبر جس کی تم نے نہ لی غوث اعظم
نہ مانگوں میں تم سے تو پھر کس سے مانگوں — کہیں اور بھی ہے چلی غوث اعظم
صدا گر یہاں میں نہ دوں تو کہاں دوں — کوئی اور بھی ہے گلی غوث اعظم
قدم گردنِ اولیا پر ہے تیرا — ہے تو رب کا ایسا ولی غوث اعظم
جو ڈوبی تھی کشتی وہ دم میں نکالی — تجھے ایسی قدرت ملی غوث اعظم
ہمارا بھی بیڑا لگا دو کنارے — تمھیں نا خدائی ملی غوث اعظم
تجھے تیرے جد سے انھیں تیرے رب سے — ہے علمِ خفی و جلی غوث اعظم
مرا حال تجھ پر ہے ظاہر کہ پُتلی — تری لوح سے جا مِلی غوث اعظم
خدا ہی کے جلوے نظر آئے جب بھی — تری چشمِ حق میں کھُلی غوث اعظم

فدا تم پہ ہو جائے نوریؔ مضطر
یہ ہے اس کی خواہش دِلی غوث اعظم

سامانِ بخشش، ص:۵۸، ۶۸، آل انڈیا اسلامک مشن، مدن پورہ، بنارس ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء

بے وسیلہ نجدیو ہرگز خدا ملتا نہیں

مفتی اعظم علامہ شاہ محمد مصطفی رضا قادری نوری

دو جہاں میں کوئی تم سا دوسرا ملتا نہیں — ڈھونڈتے پھرتے ہیں مہر و مہہ پتا ملتا نہیں
ہے رگِ گردن سے اقرب نفس کے اندر ہے وہ — یوں گلے ملنے پر بھی اے خدا جدا ملتا نہیں
آبِ بحرِ عشقِ جاناں سینہ میں ہے موج زن — کون کہتا ہے ہمیں آبِ بقا ملتا نہیں
ذرہ ذرہ خاک کا چمکا ہے جس کے نور سے — بے بصیرت ہے جسے وہ مہہ لقا ملتا نہیں
جو خدا دیتا ہے ملتا ہے اسی سرکار سے — کچھ کسی کو حق سے اس در کے سوا ملتا نہیں
کیا علاقہ دشمنِ محبوب کو اللہ سے — بے رضائے مصطفی ہرگز خدا ملتا نہیں
کوئی مانگے یا نہ مانگے ملنے کا در ہے یہی — بے عطائے مصطفائی مدعا ملتا نہیں
وصلِ مولی چاہتے ہو تو وسیلہ ڈھونڈ لو — بے وسیلہ نجدیو ہر گز خدا ملتا نہیں
ذرہ ذرہ قطرہ قطرہ سے عیاں پھر بھی نہاں — ہوکے شہِ رگ سے قریں تر ہے جدا ملتا نہیں
دہریہ الجھا ہوا ہے دہر کے پھندوں میں یوں — سارا الجھا سامنے ہے اور سرا ملتا نہیں
علمِ صانع ہوتا ہے مصنوع سے لیکن اسے — دیکھ کر مصنوع صانع کا پتا ملتا نہیں
نعمتِ کونین دیتے ہیں دو عالم کو یہی — مانگ دیکھو ان سے تم دیکھو تو کیا ملتا نہیں
جل رہے ہیں پھنک رہے ہیں عاشقانِ سوختہ — دھوپ ہے اور سایۂ زلفِ رسا ملتا نہیں
وہ ہیں خورشیدِ رسالت نور کا سایہ کہاں — ان کے فرضی ظِل سے بھی ظلِ ہما ملتا نہیں
قاسمِ نعمت سے ہم مانگیں تو نجدی یوں بکیں — کیوں نبی سے مانگیے اللہ سے کیا ملتا نہیں
مصطفی ما جئت الا رحمۃ للعالمین — چارہ سازِ دوسرا تیرے سوا ملتا نہیں
ہم تو ہم وہ انبیا کے بھی لیے ہیں واسطہ — ان کو بھی جو ملتا ہے بے واسطہ ملتا نہیں
دل گیا اچھا ہوا اس کا نہیں غم ،غم ہے تو یہ — لے گیا پہلو سے جو وہ دل ربا ملتا نہیں
محیِ سنت حامیِ ملت مجدد دین کا — پیکرِ رشد و ہدی احمد رضا ملتا نہیں

کس طرح ہو حاضر درِ نوری بے پر شہا

نا کے روکے دشمنوں نے راستہ ملتا نہیں

سامانِ بخشش،ص:۹۸،۰۹،۰۰،۱۹،آل انڈیا اسلامک مشن، مدن پورہ، بنارس ۹۹۳۱ھ/۹۷۹۱ء

کہ پھر رہا ہی کسی کا مزار آنکھوں میں

مفتی اعظم علامہ شاہ محمد مصطفی رضا قادری نوری

کچھ ایسا کردے مرے کردگار آنکھوں میں
ہمیشہ نقش رہے روے یار آنکھوں میں

بسا ہوا ہے کوئی گل عذار آنکھوں میں
کھلا ہے چار طرف لالہ زار آنکھوں میں

وہ نور دے مرے پروردگار آنکھوں میں
کہ جلوہ گر رہے رخ کی بہار آنکھوں میں

نہ اک نگاہ ہی صدقہ ہو دل بھی قرباں ہو
کرم کرے تو وہ ناقہ سوار آنکھوں میں

تمھارے قدموں پہ موتی نثار ہونے کو
ہیں بے شمار مری اشک بار آنکھوں میں

انھیں نہ دیکھا تو کس کام کی ہیں یہ آنکھیں
کہ دیکھنے کی ہے ساری بہار آنکھوں میں

نظر میں کیسے سمائیں گے پھول جنت کے
کہ بس چکے ہیں مدینے کے خار آنکھوں میں

عجب نہیں کہ لکھا لوح کا نظر آئے
جو نقش پا کا لگاؤں غبار آنکھوں میں

ملے جو خاک قدم ان کی مجھ کو قسمت سے
لگاؤں سرمہ نہ پھر زینہار آنکھوں میں

یہ دم ہمارا کوئی دم کا اور مہماں ہے
کرم سے لیجیے دم بھر قرار آنکھوں میں

وہ سبز سبز نظر آرہا ہے گنبد سبز
قرار آگیا یوں بے قرار آنکھوں میں

وہی مجھے نظر آئیں جدھر نگاہ کروں
انھیں کا جلوہ رہے آشکار آنکھوں میں

یہ دل تڑپ کے کہیں آنکھوں میں نہ آجائے
کہ پھر رہا ہی کسی کا مزار آنکھوں میں

کرم یہ مجھ پہ کیا ہے مرے تصور نے
کہ آج کھینچ دی تصویر یار آنکھوں میں

فرشتے پوچھتے ہو مجھ سے کس کی امت ہے
لو دیکھ لو یہ ہے تصویر یار آنکھوں میں

نہار چہرۂ والا تو گیسوہیں واللیل
بہم ہوئے ہیں یہ لیل و نہار آنکھوں میں

پیا ہے جامِ محبت جو آپ نے نوریؔ
ہمیشہ اس کا رہے گا خمار آنکھوں میں

سامانِ بخشش،ص:۹۷،۸۹،۹۹،آل انڈیا اسلامک مشن، مدن پورہ، بنارس ۹۹۳۱ھ/۹۷۹۱ء

سجدہ نہ سمجھ نجدی سر دیتا ہوں نذرانہ

مفتی اعظم علامہ شاہ محمد مصطفی رضا قادری نوری

تو شمع رسالت ہے عالم ترا پروانہ — تو ماہ نبوت ہے اے جلوۂ جانانہ
جو ساقی کوثر کے چہرے سے نقاب اٹھے — ہر دل بنے مے خانہ ہر آنکھ ہو پیمانہ
دل اپنا چمک اٹھے ایمان کی طلعت سے — کر آنکھیں بھی نورانی اے جلوۂ جانا نہ
سرشار مجھے کردے اک جام لبالب سے — تاحشر رہے ساقی آباد یہ مے خانہ
مستِ مئے الفت ہے مدہوشِ محبت ہے — فرزانہ ہے دیوانہ دیوانہ ہے فرزانہ
کیوں زلفِ معنبر سے کوچے نہ مہک اٹھیں — ہے پنجۂ قدرت جب زلفوں کا ترے شانہ
اس در کی حضوری ہی عصیاں کی دوا ٹھہری — ہے زہر معاصی کا طیبہ ہی شفا خانہ
ہر پھول میں بو تیری ہر شمع میں ضو تیری — بلبل ہے ترا بلبل پروانہ ہے پروانہ
پیتے ہیں ترے در کا کھاتے ہیں ترے در کا — پانی ہے ترا پانی دانہ ہے ترا دانہ
سنگِ درِ جاناں پر کرتا ہوں جبیں سائی — سجدہ نہ سمجھ نجدی سر دیتا ہوں نذرانہ
گر پڑکے یہاں پہنچا مرمر کے اسے پایا — چھوٹے نہ الٰہی اب سنگِ درِ جانانہ
سنگ درِ جاناں ہے ٹھوکر نہ لگے اس کو — لے ہوش پکڑا اب تو اے لغزشِ مستانہ
وہ کہتے نہ کہتے کچھ وہ کرتے نہ کرتے کچھ — اے کاش وہ سن لیتے مجھ سے مرا افسانہ
اے مفلسو نادارو جنت کے خریدارو — کچھ لائے ہو بیعانہ کیا دیتے ہو بیعانہ
کچھ نیک عمل بھی ہیں یا یونہی اَمل ہی ہے — دنیا کی بھی ہرشی کا تم لیتے ہو بیعانہ

آباد اسے فرما ویراں ہے دلِ نوریؔ
جلوے ترے بس جائیں آباد ہو ویرانہ

سامانِ بخشش، ص:۱۱۱،۲۱۱ آل انڈیا اسلامک مشن، مدن پورہ، بنارس ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء

داغ دل میں جو مزا پایا ہے نوری تم نے

مفتی اعظم علامہ شاہ محمد مصطفی رضا قادری نوری

مرضِ عشق کا بیمار بھی کیا ہوتا ہے — جتنی کرتا ہے دوا اور سوا ہوتا ہے
کیوں عبث خوف سے دل اپنا ہَوا ہوتا ہے — جب کرم آپ کا عاصی پہ شہا ہوتا ہے
ان کا ارشاد ہے ارشادِ خداوندِ جہاں — یہ وہی کہتے ہیں جو رب کا کہا ہوتا ہے
پلہ نیکی کا اشارے سے بڑھا دیتے ہیں — جب کرم بندہ نوازی پہ تُلا ہوتا ہے
سارا عالم ہے رضا جوے خداوندِ جہاں — اور خدا آپ کا جو یاے رضا ہوتا ہے
ہم نے یوں شمع رسالت سے لگائی ہے لَو — سب کی جھولی میں تمھارا ہی دِیا ہوتا ہے
دونوں ہاتھوں سے لٹاتے ہیں خزانہ لیکن — جتنا خالی کریں اتنا ہی بھرا ہوتا ہے
بے کس و بے بس و بے یارو مدد گار جو ہو — آپ کے در سے شہا سب کا بھلا ہوتا ہے
جگمگا اٹھتا ہے دل کا مرے ذرہ ذرہ — جب مرا جانِ قمر جلوہ نما ہوتا ہے
آپ محبوب ہیں اللہ کے ایسے محبوب — ہر محب آپ کا محبوب خدا ہوتا ہے
کب گلِ طیبہ کی خوشبو سے بسیں گے دل وجاں — دیکھیے کب کرمِ بادِ صبا ہوتا ہے
دل تپا سوزِ محبت سے کہ سب میل چھٹے — تپنے کے بعد ہی تو سونا کھرا ہوتا ہے
کب مٹانے سے کسی کے خطِ تقدیر مٹے — ق ہو کے رہتا ہے جو قسمت کا لکھا ہوتا ہے
تیرا دیدار میسر ہو جسے نورِ خدا — اسے دنیا ہی میں دیدار خدا ہوتا ہے
ترا جلوہ نہیں اللہ کا جلوہ ہے وہ — تیری صورت سے خدا جلوہ نما ہوتا ہے

داغِ دل میں جو مزا پایا ہے نوریؔ تم نے
ایسا دنیا کی کسی شی میں مزا ہوتا ہے

سامانِ بخشش، ص: ۱۱۴، ۱۱۵، آل انڈیا اسلامک مشن، مدن پورہ، بنارس ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء

وہ حسیں کیا جو فتنے اٹھا کر چلے

مفتی اعظم علامہ شاہ محمد مصطفی رضا قادری نوری

کون کہتا ہے آنکھیں چرا کر چلے — کب کسی سے نگاہیں بچا کر چلے
کون ان سے نگاہیں لڑا کر چلے — کس کی طاقت جو آنکھیں ملا کر چلے
وہ حسیں کیا جو فتنے اٹھا کر چلے — ہاں حسیں تم ہو فتنے مٹا کر چلے
رب کے بندوں کو رب سے ملا کر چلے — جلوۂ حق وہ ہم کو دکھا کر چلے
جز بشر اور کیا دیکھیں خیرہ نظر — اَیُّکُمْ مِثْلِی گو وہ سنا کر چلے
جگمگا ڈالیں گلیاں جدھر آئے وہ — جب چلے وہ تو کوچے بسا کر چلے
شب کو شبنم کی مانند رویا کیے — صورت گل وہ ہم کو ہنسا کر چلے
سب کو اسلام کا تم نے بخشا شرف — گرتے پڑتوں کو پیارے اٹھا کر چلے
جس کا ثانی ہوا اور نہ ہے اور نہ ہو — وہ عطا کر چلے وہ سخا کر چلے
عمر بھر اعدا ان کو ستایا کیے — اور وہ دشمنوں کو دعا کر چلے
جسم پر نور کا یوں تو سایا نہ تھا — اور پتھر میں نقشے جما کر چلے
جن کے دعوے تھے ہم ہی ہیں اہل زباں — سن کے قرآں زبانیں دبا کر چلے

داغِ دل ہم نے نوریؔ دکھا ہی دیا
دردِ دل کا فسانہ چِھڑا کر چلے

سامان بخشش، ص: ۱۱۶، ۱۱۷، آل انڈیا اسلامک مشن، مدن پورہ، بنارس ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء

الٰہی نکلے یہ نجدی بلا مدینے سے

مفتی اعظم علامہ شاہ محمد مصطفی رضا قادری نوری

پیام لے کے جو آئی صبا مدینے سے — مریضِ عشق کی لائی دوا مدینے سے
سنو تو غور سے آئی صدا مدینے سے — قریں ہے رحمت و فضلِ خدا مدینے سے
ملے ہمارے بھی دل کو جلا مدینے سے — کہ مہر و ماہ نے پائی ضیا مدینے سے
تمھاری ایک جھلک نے کیا اسے دل کش — فروغ، حسن نے پایا شہا مدینے سے
تمام شاہ و گدا پل رہے ہیں اس در سے — ملی جہان کو روزی سدا مدینے سے
جو آیا لے کے گیا کون لوٹا خالی ہاتھ — بتادے کوئی سنا ہو جو لا مدینے سے
بتادے کوئی کسی اور سے بھی کچھ پایا — جسے ملا جو ملا وہ ملا مدینے سے
نہ چین پائے گا یہ غم زدہ کسی صورت — مریضِ غم کو ملے گی شفا مدینے سے
لگاؤ دل کو نہ دنیا میں ہو کسی شے سے — تعلق اپنا ہو کعبے سے یا مدینے سے
گدا کی راہ جہاں دیکھیں پھر نوا کیوں ہو — نوا سے پہلے ملے بے نوا مدینے سے
چمن کے پھول کھلے مردہ دل بھی جی اٹھے — نسیم خلد سے آئی ہے یا مدینے سے
کرے گی مردوں کو زندہ یہ تشنوں کو سیراب — وہ دیکھو اٹھی کرم کی گھٹا مدینے سے
مدینہ چشمۂ آبِ حیات ہے یارو — چلو ہمیشہ کی لے لو بقا مدینے سے
چلے جو طیبہ سے مسلم تو خلد میں پہنچے — کہ سیدھا خلد کا ہے راستہ مدینے سے
تم ایک آن میں آئے گئے تمھارے لیے — دو گام بھی نہیں عرش علا مدینے سے
ترے حبیب کا پیارا چمن کیا برباد — الٰہی نکلے یہ نجدی بلا مدینے سے

ترے نصیب کا نوریؔ ملے گا تجھ کو بھی
لے آئے حصہ یہ شاہ و گدا مدینے سے

سامانِ بخشش، ص: ۵۲، ۶۲، ۷۲، ۸۲ آل انڈیا اسلامک مشن، مدن پورہ، بنارس ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء

رباعیات نوری

مفتی اعظم علامہ شاہ محمد مصطفی رضا قادری نوری

دنیا تو یہ کہتی ہے سخن ور ہوں میں سارے شعرا کا آج سرور ہوں میں
میں یہ کہتا ہوں یہ غلط ہے سو بار غلط سچ تو ہے یہی کہ سب سے احقر ہوں میں

دیگر

گل ہائے ثنا سے مہکتے ہوئے ہار سقمِ شرعی سے ہیں منزہ اشعار
دشمن کی نظر میں یہ نہ کھٹکیں کیوں کر ہیں پھول مگر ہیں چشمِ اعدا میں خار

دیگر

منظور نظر ہے بس ثنائے سرکار جانِ دو جہاں کی جو ہیں سر ہر کار
نوری کافی ہے دو جہاں میں مجھ کو مقبول اگر ہوں ان کو مرے افکار

دیگر

بدکار ہوں مجرم ہوں سیہ کار ہوں میں اقرار ہے اس کا کہ گنہ گار ہوں میں
بایں ہمہ ناری نہیں نوری ہوں حضور مومن ہوں تو فردوس کا حق دار ہوں میں

دیگر

حد بھر کا زیاں کار سیہ کار ہوں میں امت میں بڑا سب سے گنہ گار ہوں میں
پر دل کو ہے اپنے اسی سے ڈھارس فرماتا ہے اللہ کہ غفار ہوں میں

دیگر

ظالم ہوں جفا کار وستم گر ہوں میں عاصی و خطا کار بھی حد بھر ہوں میں
یہ سب ہے مگر پیارے تری رحمت سے سنی ہوں مسلمان مقرر ہوں میں

سامان بخشش، ص: ۱۴۰، ۱۴۱، آل انڈیا اسلامک مشن، مدن پورہ، بنارس ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء

شجرۂ عالیہ حضرات

عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ نوریہ

رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین الی یوم الدین

یا الٰہی! رحم فرما مصطفی کے واسطے
یا رسولَ اللہ کرم کیجے خدا کے واسطے

مشکلیں حل کر شہِ مشکل کُشا کے واسطے
کر بَلائیں ردَ شہید کربلا کے واسطے

سیدِ سجاد کے صدقے میں ساجد رکھ مجھے
علمِ حق دے باقرِ علمِ ہُدی کے واسطے

صِدقِ صادِق کا تَصدُق صادِقُ الاسلام کر
بے غضب راضی ہو کاظم اور رضا کے واسطے

بہرِ معروف وسری معروف دے بے خودسری
جُندِ حق میں گِن جُنیدِ با صفا کے واسطے

بہرِ شبلی شیرِ حق دنیا کے کُتوں سے بچا
ایک کا رکھ عبدِ واحدِ بے ریا کے واسطے

بُو الفرح کا صدقہ کر غم کو فرح دے حُسن وسعد
بو الحسن اور بو سعیدِ سعد زا کے واسطے

قادری کر قادری رکھ قادریوں میں اُٹھا
قدرِ عبد القادرِ قُدرت نما کے واسطے

اَحْسَنَ اللہ لَہ رزقاً سے دے رزق حَسن
بندۂ رزاق تاجُ الاَصفیا کے واسطے

نَصرِ ابی صالح کا صَدقہ صالح و منصور رکھ
دے حیاتِ دیں محیِ جاں فزا کے واسطے

طورِ عرفان و علو و حمد و حُسنی و بَہا
دے علیؔ موسیؔ حسنؔ احمدؔ بہا کے واسطے

بہرِ ابراہیم مجھ پر نارِ غم گل زار کر
بھیک دے داتا بھکاری بادشاہ کے واسطے

خانۂ دل کو ضیا دے روے ایماں کو جمال
شہَ ضیاؔ مولی جمال الاولیا کے واسطے

دے محمدؔ کے لیے روزی کر احمدؔ کے لیے
خوانِ فضلُ اللہ سے حصہ گدا کے واسطے

دین و دنیا کی مجھے برکات دے برکات سے
عشقِ حق دے عشقیِ عشقِ انتما کے واسطے

حُبِ اہلِ بیت دے آلِ محمد کے لیے
کر شہیدِ عشق حمزہ پیشوا کے واسطے

دل کو اچھا تن کو سُتھرا جان کو پُر نور کر
اچھے پیارے شمسِ دیں بدر العلی کے واسطے

دو جہاں میں خادمِ آلِ رسولِ اللہ کر
حضرتِ آلِ رسولِ مقتدا کے واسطے

نورِ جان و نورِ ایماں نورِ قبر و حشر دے
بو الحسینِ احمدِ نوری لقا کے واسطے

کر عطا احمد رضاے احمدِ مرسل مجھے
میرے مولی حضرتِ احمد رضا کے واسطے

سایۂ جملہ مشائخ یا خدا ہم پر رہے
مفتی اعظم امام الاولیا کے واسطے

صدقہ ان اَعیاں کا دے چھ عین عزعلم وعمل
عفو وعرفاں عافیت اِس بے نوا کے واسطے

مناجات رضویه

اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں قادری برکاتی سنی حنفی
رضی اللہ تعالیٰ عنہ

یا الٰہی ہر جگہ تیری عطا کا ساتھ ہو
جب پڑے مشکل شہِ مشکل کُشا کا ساتھ ہو

یا الٰہی بھول جاؤں نزع کی تکلیف کو
شادیِ دیدارِ حُسنِ مصطفی کا ساتھ کو

یا الٰہی گورِ تیرہ کی جب آئے سخت رات
ان کے پیارے منہ کی صبحِ جانفزا کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب پڑے محشر میں شورِ دارو گیر
اَمن دینے والے پیارے پیشوا کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب زبانیں باہر آئیں پیاس سے
صاحبِ کوثر شہِ جود و عطا کا ساتھ ہو

یا الٰہی سرد مہری پر ہو جب خورشید حشر
سیدِ بے سایہ کے ظِلِّ لِوا کا ساتھ ہو

یا الٰہی گرمی محشر سے جب بھڑکیں بدن
دامنِ محبوب کی ٹھنڈی ہوا کا ساتھ ہو

یا الٰہی نامۂ اعمال جب کھلنے لگیں
عیب پوشِ خلق ستارِ خطا کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب بہیں آنکھیں حسابِ جُرم میں
اُن تبسم ریز ہونٹوں کی دعا کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب حسابِ خندۂ بے جا رُلائے
چشمِ گریانِ شفیعِ مرتجی کا ساتھ ہو

یا الٰہی رنگ لائیں جب مری بے باکیاں
ان کی نیچی نیچی نظروں کی حیا کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب چلوں تاریک راہِ پل صراط
آفتابِ ہاشمی نور الہدی کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب سرِ شمشیر پر چلنا پڑے
ربِّ سلِّم کہنے والے غم زُدا کا ساتھ ہو

یا الٰہی جو دُعائیں نیک ہم تجھ سے کریں
قدسیوں کے لب سے آمیں ربنا کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب رضاؔ خوابِ گراں سے سر اٹھائے
دولتِ بیدار عشقِ مصطفی کا ساتھ ہو

☆☆☆☆☆☆

عرض مرتب:

سرکار مفتی اعظم قدس سرہ اور ''جہان مفتی اعظم''

جس وقت امام احمد رضا کا وصال ہوا، اس وقت آپ کے بڑے صاحب زادے حضرت حجۃ الاسلام مولانا شاہ محمد حامد رضا خاں قادری کی عمر مبارک تقریباً ۴۸ ر سال تھی اور چھوٹے صاحب زادے مفتی اعظم حضرت علامہ شاہ مصطفیٰ رضا خاں قادری کی عمر تقریباً ۳۰ ر سال تھی، گویا کہ دونوں ہی صاحب زادے عمر کی پختہ منزل میں قدم رکھ چکے تھے اور نہ صرف انھوں نے آپ کے مشن کو اپنی زندگی کا حصہ بنا لیا تھا، بل کہ اپنے والد محترم کی زندگی میں ہی باطل پرستوں کے چھکے چھڑانے شروع کر دیے تھے، جیسا کہ عن قریب ان کی زندگیوں کی اجمالی تصویر سے اندازہ ہو جائے گا۔ حضرت حجۃ الاسلام کی تاریخ ولادت ۱۲۹۲ھ ہے، جب کہ مفتی اعظم کی تاریخ ولادت ۱۳۱۰ھ ہے۔ اس طرح دونوں شہزادوں کی عمروں کے درمیان ۱۸ ر سال کا فاصلہ ہے۔ لکھنے والوں نے لکھا ہے کہ امام احمد رضا دوسری اولادِ نرینہ کے حصول کے درمیان اس طویل فاصلے سے کچھ مضطرب سے تھے۔ انھیں یہ فکر دامن گیر تھی کہ میرے بعد دینِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت وصیانت کا سامان کس طرح ہوگا اور تقدیس رسالت کی میری چھوڑی ہوئی تحریک کس طرح پائے دار ہوگی؟

چنان چہ (سوانح نگاروں کے مطابق) آپ نے رب قدیر کی بارگاہ میں گڑگڑا کر دعا کی کہ اے مالک یوم الدین، اے کارسازِ حقیقی !تو غفور رحیم ہے، خداوندا! بادشاہا! بندہ نوازا! تو جبار وقدیر ہے، تیرے خزانے میں کسی چیز کی کمی نہیں، تو نے زندگی کا ایک خوب صورت پھل (شہزادیوں کے علاوہ حضرت حجۃ الاسلام کی شکل میں) ضرور عطا کیا ہے۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ تو مجھے ایک اور ایسی اولاد عطا فرما جو پوری دنیا میں تیرے دین کو سرخرو کرے، جو تیرے ذکر سے زمینِ ہند کے ہر خطے کو آباد کر دے۔ آپ کی دعا قبول ہوئی اور پھر اسی سال حضور مفتی اعظم کی ولادتِ مبارکہ ہوئی، ان کے آنے سے صحنِ رضا میں خوشیوں کے فوارے ابلنے لگے۔ یہ وہی شہزادہ تھا جسے امام احمد رضا نے اپنے رب سے دعاے سحر گاہی میں مانگا تھا، انھیں کی زندگی کی بکھری کڑیوں کو ہم اس ''جہانِ مفتی اعظم'' کے صفحات میں جمع کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

انسانی زندگی کے دو مرحلے بڑے ہی اہم ہوا کرتے ہیں، ایک اس کا آنا اور دوسرے اس کا جانا۔ آتا ہے تو خوشیوں کے شادیانے بجائے جاتے ہیں اور جب جاتا ہے تو پورا ماحول اور گرد وپیش ماتم کدہ بن جاتا ہے۔ مگر حضرات انبیاے کرام کا آنا اور جانا دونوں ہی مبارک ہوا کرتا ہے، وہ آتے ہیں تو بشارتوں کی سوغات لے کر آتے ہیں اور جاتے ہیں تو امتِ مرحومہ کے لیے نجات ومغفرت کا سامان بن کر جاتے ہیں۔ (شفا شریف از قاضی عیاض) قرآن کریم نوع انسانی کی ہدایت ورہ نمائی کے لیے آخری اور لازوال دستور ہے، اس نے انبیا ومرسلین کی زندگی کے دونوں ہی مراحل کو بڑی خوب صورتی اور شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ قرآن کریم کا یہ انداز نظر بتا رہا ہے کہ نوع انسانی

کے لیے انبیا کی زندگی کے ان دونوں مراحل کا ہمیشہ پیش نظر رہنا ضروری ہے۔ پہلا مرحلہ ہمیں اگر آدابِ زندگی بتاتا ہے تو دوسرا مرحلہ ہمیں انجام زندگی کی روشنی عطا کرتا ہے۔

مشہور حدیث پاک کا مضمون ہے کہ ابن آدم کی آنکھیں جب بند ہو جاتی ہیں تو اس کے اعمال کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے البتہ تین ذریعوں سے جاری رہتا ہے (۱) ولد صالح (۲) علم نافع اور (۳) صدقہ جاریہ امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بعد یہ تینوں سلسلے برقرار رکھے۔ ایک ہزار کے قریب تصنیفات کا ذخیرہ چھوڑا جس سے پوری جماعت سنیت اپنی بقا و تحفظ کا سامان کر رہی ہے، یہ علمِ نافع کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔ ولدِ صالح کی شکل میں حضور حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خان قادری اور خلفِ اصغر مفتی اعظم مصطفی رضا خاں قادری نوری (علیہما الرحمۃ والرضوان) کو چھوڑا جن کے ذریعہ آپ کا فیض وکرم چہار دانگ عالم میں بٹ رہا ہے اور جہاں تک صدقۂ جاریہ کا سوال ہے تو مسجد رضا، رضوی دارالافتا اور منظر اسلام اوران کے شہزادوں اوران کے مریدین ومتوسلین کے ذریعہ قیام پذیر سیکڑوں ہزاروں سنی رضوی اور نوری برکاتی ادارے، اور مساجد ومراکز وغیرہ اس کی جیتی جاگتی مثالیں ہیں۔

مفتی اعظم کی ولادت ۲۲ر ذی الحجۃ ۱۳۱۰ھ مطابق ۷ر جولائی ۱۸۹۳ء بہ روز جمعہ بہ وقت صبح صادق علامہ حسن رضا خاں قادری کے دولت سرائے اقدس پر رضا نگر محلہ سوداگران بریلی میں ہوئی، والد گرامی نے آپ کا نام محمد تجویز فرمایا اور اسی نام پر عقیقہ بھی ہوا، جب کہ شیخ طریقت حضرت نوری میاں مارہروی نے آپ کا نام ابوالبرکات محی الدین جیلانی، تجویز فرمایا۔ والد ماجد نے ہی عرفی نام مصطفی رضا رکھا ، اور فن شاعری میں آپ نے اپنا تخلص ''نوری'' پسند فرمایا، اور عرفی نام ہی مشہور ہوا اور بعد میں عرفی نام کے علاوہ مفتی اعظم کا لقب آپ کا علم بن گیا۔ آپ کی تاریخ ولادت وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (۱۳۱۰ھ) سے نکلتی ہے، جس وقت آپ کی ولادت ہوئی والد گرامی کی عمر مبارک تقریباً اڑتیس سال تھی، آپ کی ولادت کے بعد والد گرامی کل تقریباً تیس سال (۱۳۴۰ھ) تک حیات ظاہری میں رہے، جس وقت آپ کی ولادت ہوئی، بڑے بھائی حضرت حجۃ الاسلام کی عمر تقریباً ۱۸ر سال تھی، جیسا کہ پچھلے صفحے میں گزرا۔ امام احمد رضا نے مفتی اعظم کو بڑے نازوں سے پالا پوسا، آپ کو اپنے برادر اکبر کی محبتیں بھی میسر رہیں۔ حضرت حجۃ الاسلام آپ سے بے پناہ محبت فرماتے تھے، جبھی تو حج بیت اللہ کی جب دعا کی، تو اپنے چھوٹے بھائی کو فراموش نہ کیا، ان کے لیے بھی دعا مانگی، بچپن کی زیادہ تفصیلات دست یاب نہیں، حضرت علامہ ضیاء الدین مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں، جب اعلیٰ حضرت دارالافتا میں تشریف فرما ہوتے تو کبھی کبھی شہزادۂ اصغر حاضر ہوتے، بارگاہ رضا میں، شہزادۂ رضا کی حاضری کا اتنا پیارا انداز ہوتا کہ قربان ہونے کو جی چاہتا، جو بھی دیکھتا پکار اٹھتا کہ بلا شبہ یہ مادر زاد ولی کامل ہیں، عارف حق آگاہ اور مرشد ربانی ہیں۔ اس کے علاوہ کسی اور سے ایسا عرفانی عمل متوقع نہیں ہو سکتا تھا، فرماتے ہیں کہ آہستہ سے آتے، اور دوزانو مؤدب سرکار رضا میں بیٹھ جاتے، یعنی شریر بچوں کی طرح نہ ہنگامہ کرتے، نہ کاندھوں پر دوڑتے نہ سامان کو اٹھاتے پھینکتے اور اس وقت آپ کی عمر ۴ر سال کے قریب تھی، سارے احباب وتلامذہ نے چھوٹے سرکار کی ولادت پر امام ممدوح کو مبارک بادیں پیش کیں، امام نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ آپ کی زبان مبارک کرے میں تو دین کا ادنی خادم ہوں اور میری دلی تمنا ہے کہ میرا بیٹا بھی دین کی خدمت کو ہی اپنا شعار بنائے،،

چار سال ۴۔ ماہ اور چار دن کی عمر میں آپ کی رسم تسمیہ خوانی خود حضور امام اہل سنت نے ادا کی اور حضور حجۃ الاسلام کو آپ کی تعلیم و

نگہ داشت کے لیے خاص طور پر متعین کیا، تین سال میں تکمیل ناظرہ قرآن کریم کرلیا۔آپ کے اساتذہ مولانا رحم الٰہی منگلوری، تلمیذ مولانا عبدالعزیز انبیٹوی مولانا سید بشیر احمد علی گڑھی تلمیذ مولانا لطف اللہ علی گڑھی، حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خاں اور خود امام موصوف والد گرامی ہیں ۔مولانا ظہور الحسین رام پوری تلمیذ مولانا شاہ فضل رحمن گنج مراد آبادی۔

۱۸؍سال کی عمر میں فارغ ہوئے،اور تقریبا چالیس علوم وفنون میں مہارت بہم پہنچائی جو درج ذیل ہیں۔

(۱)علم القرآن (۲)علم الحدیث (۳)اصول الحدیث (۴)فقہ حنفی (۵) جملہ کتب فقہ متداولہ مذاہب اربعہ (۶)اصول فقہ (۷) علم تفسیر (۸)علم العقائد والکلام (۹)علم النحو (۱۰)علم صرف (۱۱)علم معانی (۱۲)علم بیان (۱۳)علم بدیع (۱۴)علم منطق (۱۵)علم مناظرہ (۱۶)علم فلسفہ (۱۷)علم حساب (۱۸)علم ہندسہ (۱۹)علم سیر (۲۰)علم تاریخ (۲۱)علم لغت (۲۲)ادب (۲۳)اسماء الرجال (۲۴)نظم عربی (۲۵)نظم فارسی (۲۶)نظم ہندی (۲۷)نثر عربی (۲۸)نثر فارسی (۲۹)نثر ہندی (۳۰)خط نستعلیق (۳۱) تلاوت مع تجوید (۳۲)علم الفرائض (۳۳)علم عروض (۳۴)علم قوافی۔

(۳۵)علم تکسیر (۳۶)علم التوقیت (۳۷) زیجات (۳۸)ہیأت کی والد ماجد سے تحصیل کی۔(۳۹)علم تصوف اور سلوک کی تعلیم حضرت نوری میاں اور والد گرامی سے لی۔دیگر علوم وفنون کی تحصیل اساتذہ سے کی۔

۱۳۲۸ھ میں فراغت کے بعد پہلا قلم برداشتہ فتوی رضاعت کے مسئلے پر لکھا۔جواب کی صحت پر امام نے مسرت کا اظہار فرمایا اور خود ہی مہر بنوا کر عطا کی،امام کی کامیابی پر علامہ نقی علی خان کو جو خوشی ہوئی تھی،امام کو خود چھوٹے شہزادے کی کامیابی پر بھی وہی خوشی ہوئی۔

۱۳۲۸ھ سے ۱۳۴۰ تک ۱۲؍سال امام کی زیر نگرانی فتوی لکھا،اور تربیت بھی حاصل کی۔

۱۳۲۹ھ کو جب عم مکرم علامہ حسن رضا خان قادری کا وصال ہوا تو حجۃ الاسلام منظر اسلام کے مہتمم ہوے اور علامہ مصطفی رضا نوری کو فتوی نویسی اور امام کی اعانت تفویض ہوئی۔(اور پھر امام کے وصال کے بعد ۱۳۴۰ھ سے باضابطہ فتوی نویسی کا آغاز کیا۔)

جس وقت تسمیہ خوانی ہوئی نماز اور وضو کے مسائل سیکھ چکے تھے،کھیل کود سے قطعا شغف نہ تھا،آپ کی پوری تعلیم منظر اسلام میں ہوئی،والد کی طرح آپ کے اساتذہ بھی محدود ہیں اور اوراد ووظائف اور تلاوتِ قرآن کے بچپن سے ہی پابند تھے،کبھی کسی کو نماز کے لیے کہنے کی ضرورت نہ پڑی۔

پہلا دور عزلت نشینی کا گزرا،دوسرا دور منزل تحریر کا گزرا،جس میں تدریسی کام کیا اور فتاوی لکھے،سبق پختہ خود یاد کیا اور زیادہ یاد کیا، علمی مباحثوں میں حصہ لیتے،طلبہ کے اشکال دفع فرماتے،کبھی کسی نے قہقہہ لگا کر ہنستے نہیں دیکھا۔

مفتی اعظم کی شادی چھوٹے چچا حضرت محمد رضا خاں کی اکلوتی صاحب زادی دختر نیک اختر ’’فاطمہ بیگم‘‘ سے تقریباً ۱۸؍سال کی عمر میں ۱۳۲۸ھ۔۱۹۱۱ءمئی کے اوائل میں ہوئی۔آپ کی کل سات اولادھوئیں۔صاحب زادہ مرحوم محمد انور رضا کے وصال کا سارے خانوادۂ رضویہ اور جملہ مریدین ومعتقدین اور حضرات احباب واقارب مفتی اعظم کو ملال ہوا،نگار فاطمہ،انوار فاطمہ،برکاتی بیگم،رابعہ بیگم،ہاجرہ بیگم، شاکرہ بیگم۔آپ کے والد گرامی کو بھی کل سات ہی اولاد عطا فرمائیں۔آپ کی شادی کی قطعی تاریخ دست یاب نہیں۔ہاں دبدبۂ سکندری میں آپ کی شادی خانہ آبادی کے موقع پر حضرت مولانا قاری ہدایت رسول قادری رضوی پیلی بھیتی کا لکھا ہوا سہرا معروف اردو اخبار دبدبۂ سکندری رام پور میں شائع ہوا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ماہ مئی ۱۹۱۱ء کے پہلے ہفتہ کے کسی دن میں ہوئی۔ذیل میں وہ یادگار سہرا بہ طور تبرک درج کیا جاتا ہے۔

سہرا

رخِ نوشہ نے کیا جلوہ فگن سہرے کو ‏ چاند چہرے کو جو کہیے تو کرن سہرے کو
نوشہ کے سر پہ چڑھا یا تو گرا قدموں پر ‏ یاد ہے خوب خوشامد کا چلن سہرے کو
کوئی کلیوں پہ تصدُّق کوئی نوشہ پہ نثار ‏ دیکھ کر ہوتے ہیں پروین پرن سہرے کو
ابھی ہو جائے مسلماں ابھی کلمہ پڑھ لے ‏ دیکھ لے آکے اگر رام سرن سہرے کو
جس کے جلوے کے ہیں مشتاق حَسِینانِ جہاں ‏ زہے مالن وہ بنا لائی دلہن سہرے کو
ابھی آنکھوں سے لگائے ابھی سر پر رکھ لے ‏ اک نظر دیکھے اگر شاہِ ختن سہرے کو
پہلے تھیں سر میں تمنا کی ہوائیں اس کی ‏ اب بنایا ہے مسرت نے وطن سہرے کو
وجد میں آئیں جسے دیکھ کے حُورانِ جِناں ‏ ہاتھ آئی ہے وہ قدرت سے پھَبَن سہرے کو
رنج وغم فکر و الم صدمہٗ اندوہ و مَلال ‏ دیکھ کر ہوتے ہیں یک لخت ہرن سہرے کو
ہیں گلِ سُرخ بھی بیلے کی لڑی میں شامل ‏ مل گئے دُرِّ عدن لعلِ یمن سہرے کو
کچھ ہدایتؔ کو بھی خیراتِ رضاؔ کا صدقہ ‏ سُن کے فرمائیں عطا شاہِ زمن سہرے کو

مفتی اعظم ۲۵ ر جمادی الآخرہ ۱۳۱۱ھ کو بیعت سے سرفراز ہوئے اور ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۱۰ء میں باضابطہ درس نظامیہ سے فراغت ہوگئی ،آپ کا وصال پر ملال ۱۴ر محرم الحرام ۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۱ء میں ہوا، حضور اعلیٰ حضرت کے وصال پر ملال کے وقت مفتی اعظم کی عمر مبارک ۳۰ر سال یعنی کڑیل جوانی کی تھی۔ والد گرامی کے وصال کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک طویل عمر یعنی تقریباً ۶۲ر سال مرحمت فرمائی، اس دوران مفتی اعظم وصیت کے وقت اپنے والد گرامی سے کیے ہوئے وعدوں کو نبھاتے رہے، زندگی کا لمحہ لمحہ دین مصطفوی کے فروغ وارتقا اور گستاخان رسالت کی سرکوبی اور باطل طاقتوں کی بیخ کنی میں صرف فرما دیا، جس وقت آپ اس کائنات سے تشریف لے جا رہے تھے، تو آپ کے پیچھے لاکھوں مریدین کا سمندر موجیں مار رہا تھا، جس کا اظہار آپ کے وصال کے بعد نماز جنازہ میں ہوا، علامہ سید محمد مدنی میاں کی روایت کے مطابق تقریباً ۲۵ر لاکھ افراد نے جنازے میں شرکت کی۔

کسی بھی انسان کے اوپر دو طرح کے حقوق عائد ہوتے ہیں۔ (۱) حقوق اللہ (۲) حقوق العباد۔ حقوق اللہ کا تعلق براہ راست رب کائنات سے ہوتا ہے، بندہ اور اس کے درمیان کوئی اور حائل نہیں ہوتا ہے، ادا نہ کیا تو رب تبارک وتعالیٰ میدان قیامت میں باز پرس فرمائے گا اور حسب حکمت ومشیت وعدہ وعید، جزا وسزا کا ترتب ہوگا۔ جب کہ حقوق العباد کا تعلق بندوں سے ہے، ان کی معافی ومغفرت کے لیے بندوں کی رضا درکار ہے۔ یہ اور بات ہے کہ باز پرس اور جزا وسزا رب ذوالجلال کی بارگاہ صمدیت ہی سے ہوگی۔

حضور مفتی اعظم کی زندگی دونوں پہلوؤں سے بالکل آئینہ کی طرح شفاف نظر آتی ہے، جہاں تک حقوق اللہ کی ادائیگی کا تعلق ہے تو زندگی میں لوگوں نے شاید باید تکبیر اولیٰ فوت ہوتے دیکھی ہو، نماز کے لیے اس طرح بے چین ہوتے کہ لگتا تھا کہ گھر لوٹا جا رہا ہے یا جسم کا کوئی حصہ کاٹا جا رہا ہے، ہوش کی دنیا میں قدم رکھنے کے بعد نزع تک نماز کے لیے یہی بے چینی قائم رہی، آخری ایام میں ایک بار گرمیوں

کے دنوں میں روزے رکھنے کے لئے والد محترم کی طرح رمضان شریف میں نینی تال بھوالی قیام کر کے فریضۂ الٰہی ادا کیا۔ امام احمد رضا نے بھی روزہ کے تعلق سے اپنے حق میں یہی فتوی دیا تھا، کہ چوں کہ میرے اندر کسی سرد علاقے مثلا نینی تال، جا کر روزہ رکھنے کی استطاعت ہے، اس لیے وہاں جا کر روزے رکھے۔ اپنی ہی ذات کے لیے ایسا غیر رعایتی اور سخت فتویٰ کم ہی زندگیوں میں نظر آئے گا؟ یہ تھی شان عزیمت خاندان رضا اور جہاں تک صدقات وعطیات اور جود ونوال یا زکوۃ وخیرات کی بات ہے تو دنیا جانتی ہے کہ امام احمد رضا کے اثاثوں کا بیش تر حصہ آہستہ آہستہ دین کے فروغ واستحکام میں ہی کام آیا۔ کتابوں کی اشاعت وطباعت اور مدرسین وعاملین کی تنخواہیں، طلبہ کی دعوتیں اور ضیافتیں اور منظر اسلام کے دیگر اخراجات، کتابوں کی خریداری یہ سب کچھ تو ذاتی مصرف سے ہوتا۔ مفتی اعظم تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ کہنے والوں نے کہا اور بتانے والوں نے بتایا کہ مفتی اعظم کے دور میں گھر کی بیگمات اور شہزادیوں کے زیورات تک اٹھ گئے، مگر دین میں فرق نہ آنے دیا، وہی شان کرم، وہی شان عزیمت وسخاوت۔ تاریخ شاہد ہے کہ امام احمد رضا نے وصایا شریف میں اپنی جائداد کا ایک ثلث حصہ حکم شریعت کے مطابق وقف علی الدین فرمایا۔ پروفیسر مسعود صاحب لکھتے ہیں کہ اگر شرعی عذر نہ ہوتا تو شاید امام موصوف پورا ہی مال وقف فرما دیتے۔ دوسروں کا حق دینے کے لیے ہمیشہ تیار رہے اپنا حق کبھی کسی سے نہ مانگا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے نفس مر چکا ہے اور یقینا مر چکا ہے۔ جس کا نفس مر جاتا ہے، وہی ولایت کے اس مرتبۂ عظمیٰ پر فائز ہوتا ہے، جہاں مفتی اعظم کی ذات ستودہ صفات نظر آتی ہے۔

مفتی اعظم کی زندگی بھی ایک فرد بشر کی طرح دو حصوں میں منقسم تھی۔ ذاتی زندگی اور قومی ومذہبی زندگی، ذاتی زندگی میں مفتی اعظم ہند ایک فولاد صفت انسان معلوم ہوتے ہیں، جو ہر طرح کا سرد وگرم، محنت ومشقت اور تکلیف واذیت برداشت کر سکتا ہے، اس کی اپنی کوئی خواہش نہیں، کوئی جذبہ نہیں، جو ملا کھا لیا، جو ملا پہن لیا اور شکر مولی ادا کیا، لیکن جہاں تک مذہبی اور قومی زندگی کا سوال ہے، تو اس میں کوئی بپھرا ہوا دریا یا زخم خوردہ شیر نظر آتے تھے، جو ذرا سی آہٹ بھی برداشت نہ کر سکتا ہو، محسوس ہو گیا کہ دین کو نشانہ بنایا گیا ہے، فکر اسلامی کا مذاق اڑایا گیا ہے تو پھٹ پڑتے، حرکت میں آجاتے اور پھر کوئی طاقت آپ کو احتساب ومکافات سے نہ روک سکتی تھی، مستحبات ومندوبات کے خلاف بھی کچھ سننا گوارا نہ کیا۔ الملفوظ شریف میں اعلیٰ حضرت نے تحریر فرمایا ہے، ایک مفید ہے دوسرا مستفید۔ جس میں افادہ کی صلاحیت نہ ہو، گوشہ گیری اختیار کرے اور جس میں افادہ کی صلاحیت ہو اس کے لیے گوشہ گیری حرام ہے۔

خانوادۂ رضویہ کا یہ پہلو بڑا عظیم ہے کہ اس نے مستفید بننے کے بجائے مفید بننا گوارہ کیا، مفتی اعظم خود زحمت اٹھا سکتے تھے، مگر کسی کا چہرہ میلا نہیں دیکھ سکتے تھے۔ قومی زندگی میں بھی آپ کی غیرت وحمیت بڑی مثالی تھی ہمیشہ قوم کی بقا وتحفظ اور شیرازہ بندی میں لگے رہے۔ گاندھوی تحریک ہو یا انگریزی استعمار امام موصوف کا قلم دونوں کی یکساں پردہ دری کرتا نظر آیا، وہی لکھا جو صحیح تھا، وہی کہا جو سچ تھا، کبھی مداہنت نہ کی، صلح کلیت کو قریب نہ آنے دیا، ترک موالات کا ''رضوی فارمولہ'' آج بھی کارآمد اور قابل عمل ہے، بل کہ یہ فارمولہ پہلے کے مقابلہ میں زیادہ اہم ہو گیا ہے، جدید مغربی ولادینی معاشی چیرہ دستیوں نے مسلمانوں کا سارا سرمایہ نگل لیا ہے، مسلمان دن بدن قلاشی کی طرف بڑھتا جا رہا ہے، یورپ نے مسلم ملکوں کو دیمک کی طرح کھا لیا ہے، اگر مسلمانوں نے امام موصوف کے اس نظریہ پر عمل کیا ہوتا تو صورت حال آج مختلف ہوتی، حضرت مفتی اعظم نے بھی قومی زندگی میں کہیں بھی قوم کے وقار وآبرو سے سمجھوتہ نہ کیا اور نہ اس بارے میں کسی خوف وضرر کی پرواہ کی، نس بندی کا معاملہ آیا تو بلا خوف لامۃ لائم جو سچ تھا اسے بہ بانگ دہل اعلان کر دیا، قید وبند کی صعوبتیں سامنے کھڑی تھیں کچھ پرواہ نہ کیا، حکومت نے ہاتھ ڈالنا چاہا، نگاہ غضب اٹھائی، فتوی نہیں بدلا، حکومت بدل گئی۔

تاریخ میں بہت سے افراد نے دنیاوی عیش وعشرت کو لات مار کر دین کی طرف رجوع کیا ہے، حضرت ابراہیم بن ادہم کا واقعہ

ضرب المثل ہے، جنھوں نے ایک صدائے غیبی پر شاہانہ کروفر ترک کر کے جنگل کی راہ لی، حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی کا مثالی کردار بھی نگاہوں کے سامنے ہے، جنھوں نے سمنان کے تخت شاہی کو خیر باد کہہ کر خدمت خلق خدا کو اپنا مسلک ومشرب بنالیا، لیکن افراد کے علاوہ بہت سی قومیں اور جماعتیں بھی اپنی اجتماعی تاریخ میں اس حوالے سے پہچانی گئی ہیں، پیغمبر انقلاب صلی اللہ علیہ وسلم نے یمنی لوگوں کی تعریف وتوصیف فرمائی ہے، ارشاد فرماتے ہیں۔ **عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتا کم اھل الیمن ھم الین قلوبا وارق افئدۃ الإیمان یمانی والحکمۃ یمانیۃ راس الکفر قبل المشرق۔** (صحیح مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمھارے پاس اہل یمن آئے ہیں ان کے دل سب سے زیادہ رقیق ہیں ایمان اور دانائی یمنی ہے اور کفر کا مرکز (مدینہ کے) مشرق (نجد) میں ہے۔

غور کیجیے کہ زبان نبوت نے کسی ایک فرد کی نہیں بل کہ صرف ایک قوم یا قبیلے کی نہیں بل کہ پوری ایک کمیونٹی اور ایک مکمل معاشرہ کی تعریف بیان فرمائی ہے۔

اس کے بالکل برعکس بعض افراد کی بھی تقبیح وتردید قرآن وسنت دونوں میں وارد ہوئی ہے، قرآن میں ایک طرف اگر قارون کو مورد مذمت بنایا گیا، تو دوسری طرف ابولہب کو بھی انتہائی درجہ تک ملعون ومطعون کیا گیا، حدیث پاک میں بھی ابوجہل اور دجال جیسے افراد کی بھر پور مذمت کی گئی ہے، مگر اسی کے ساتھ ساتھ پوری پوری جماعت اور کمیونٹی کی بھی مذمتوں کے واقعات ملتے ہیں۔ قرآن کریم میں بنی اسرائیل کی شقاوتوں اور ماضی کی بہت سی قوموں کی سرکشی اور بدکرداری کے واقعات کو بیان کیا گیا ہے، حدیث پاک میں نجد کی بڑے کھلے لفظوں میں مذمت کی گئی ہے، آقائے کریم صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمارہے ہیں۔

دوسری حدیث: **عن ابن عمر قال ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم اللھم بارک لنا فی شامنا اللھم بارک لنا فی یمننا قالوا وفی نجدنا قال اللھم بارک لنا فی شامنا اللھم بارک لنا فی یمننا قالوا یا رسول اللہ وفی نجدنا فاظنہ قال فی الثالثۃ ھناک الزلازل والفتن وبھا یطلع قرن الشیطان۔** (صحیح البخاری)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اے اللہ! ہمیں ملک شام میں برکت دے، اے اللہ! ہمیں ملک یمن میں برکت دے۔ لوگوں نے عرض کی اور ہمارے نجد میں بھی۔ آپ نے دعا فرمائی اے اللہ! ہمیں ہمارے شام میں برکت عطا فرما۔ اے اللہ ہمیں ہمارے یمن میں برکت عطا فرما۔ لوگ عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہ ہمارے نجد میں بھی۔ میرے خیال کے مطابق آپ نے تیسری مرتبہ فرمایا وہاں سے زلزلے اور فتنے ظاہر ہوں گے اور شیطان کا سینگ اسی جگہ سے نکلے گا۔

اتفاق سے امام احمد رضا اور آپ کے اخلاف واسلاف دونوں کا سابقہ شروع سے ہی گروہ نجد اور ان کے اعوان وانصار سے پڑتا رہا، دوسری طرف روز اول سے آپ کے خاندان میں یمنی ایمان وعشق اور صداقت واخلاص بھی موروثی طور پر منتقل ہوتا رہا، یہ کوئی اتفاقی حادثہ نہیں تھا بلکہ ہاتف غیبی نے حضرت حافظ کاظم علی خان کی زندگی میں اس بات کے اشارے دے دیے تھے کہ اب یہ خاندان دنیاوی جاہ وحشم اور مادی عیش وعشرت کو ترک کر کے عیش آخرت کی طلب میں سرگرداں ہو جائے گا۔ تاریخ اسلام نے بہت سے خاندانوں کے عروج و زوال دیکھے، اموی خاندان، عباسی خاندان، فاطمی خاندان، حمدانی خاندان، مغل خاندان، لودھی خاندان، تیموری خاندان، سلجوقی خاندان، تاتاری خاندان، برمکی خاندان، یہ سارے خاندان ایوان اقتدار کے گلیاروں میں بھٹکتے رہے، لیکن ایسے خاندان تاریخ میں نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہیں جنھوں نے دنیاوی اقتدار کو ٹھوکر مار کر دین متین کی خدمت واشاعت کو اپنا مقصد ومطمح نظر بنالیا۔ ملک ہندوستان

میں انفرادی سطح پر سیکڑوں افراد نے علم وفکر کی خدمت کو اپنا شیوہ بنایا، امام احمد رضا کا وہ خاندان ہے، جہاں پچھلے دوسو سالوں سے فتوی نویسی اور رشد وہدایت ورہ نمائی کا کام ہورہا ہے اور انشاء اللہ آئندہ بھی یہ سلسلہ جاری وساری رہے گا۔ امام احمد رضا نے اپنے خاندان کے اس تفرد اور اختصاص کا بہ طور تحدیث نعمت بارہا تذکرہ کیا ہے۔ حتی کہ وقت آخر جب شہزادگان اور پسماندگان کو وصیت فرمارہے تھے اس وقت بھی اپنے خاندان کی اس روایت پر اپنے اطمینان کا اظہار کیا تھا۔

مگر امام احمد رضا کی شان تقویٰ قابل دید ہے۔ سوالات اتنی کثرت سے آتے تھے کہ ایک موقع پر (کسی نے کچھ اس طرح لکھ دیا تھا کہ جواب کی جو کچھ فیس ہوگی ادا کی جائے گی) اصل مسئلہ کے جواب کے بعد رقم طراز ہیں۔

''یہاں بحمد اللہ تعالیٰ فتوی پر کوئی فیس نہیں لی جاتی، بفضلہ تعالیٰ تمام ہندوستان ودیگر ممالک مثل۔ چین وافریقہ وامریکہ۔ وخود عرب شریف وعراق سے استفتے آتے ہیں۔ اور ایک وقت میں چار چار سو فتوے جمع ہوجاتے ہیں۔ بحمد اللہ تعالیٰ حضرت جد امجد قدس سرہ العزیز کے وقت سے اس ۱۳۳۷ھ تک اس دروازے سے فتوے جاری ہوئے اکانوے برس۔ اور خود اس فقیر غفرلہ کے قلم سے فتوے نکلتے ہوئے بعونہ تعالیٰ اکاون برس ہونے آئے۔ یعنی اس صفر کی ۱۴ر تاریخ کو پچاس برس چھ مہینے گزرے۔ اس نوکم سو برس میں کتنے ہزار فتوے لکھ گئے۔ بارہ مجلد تو صرف اس فقیر کے فتاوی کے ہیں۔ بحمد اللہ تعالیٰ یہاں کبھی ایک پیسہ نہ لیا گیا۔ نہ لیا جائے گا۔ بعونہ تعالیٰ ولہ الحمد۔

معلوم نہیں کون لوگ ایسے پست فطرت، دنی ہمت ہیں جنھوں نے یہ صیغہ کسب کا اختیار کر رکھا ہے۔ جس کے باعث دور دور کے ناواقف مسلمان کئی بار پوچھ چکے ہیں کہ فیس کیا ہوگی؟ بھائیو! مَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (قرآن کریم)۔ میں تم سے اس پر کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر تو سارے جہان کے پروردگار پر ہے۔ اگر وہ چاہے۔

اس خاندان کو خاندان مارہرہ اور گلشن بدایوں کی دعائیں حاصل رہیں، یہ ایک چراغ تھا جو مشکات مارہرہ سے روشن ہوا تھا، اب یہ اتنا نوری اور تابناک ہوگیا ہے کہ اس چراغ سے لاکھوں چراغ جل رہے ہیں، اس خاندان کا ہر فرد آفتاب وماہتاب کی طرح جگ مگ کرتا نظر آتا ہے، آیئے اس خاندان کے بزرگوں کی فہرست پر ایک نظر ڈالیے اور اندازہ لگایئے کہ کس طرح سے رب تعالیٰ کی نوازشیں خاص خانوادۂ مفتی اعظم کے جلو میں چمکتی رہیں۔

(۱) شجاعت جنگ محمد سعید اللہ خاں (۲) سعادت یار خاں فاتح روہیل کھنڈ (۳) حضرت مولانا محمد اعظم خاں (۴) حضرت مولانا حافظ کاظم علی خاں (۵) امام العلما حضرت مولانا مفتی محمد رضا علی خاں (۶) حضرت رئیس الاتقیا مولانا محمد نقی علی خان (۷) اعلیٰ حضرت مولانا امام احمد رضا خاں (۸) حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں (۹) مفتی اعظم مولانا مصطفی رضا خاں (۱۰) استاذ زمن مولا ونا حسن رضا خاں (۱۱) مولانا مفتی محمد رضا خاں (۱۲) علامہ ابراہیم رضا خاں مفسر قرآن (۱۳) علامہ حماد رضا خاں نعمانی میاں (۱۴) مفکر اسلام علامہ حسنین رضا خاں (۱۵) محدث بریلوی علامہ تحسین رضا خاں (۱۶) مترجم اہل سنت علامہ مفتی تقدس علی خاں (۱۷) علامہ ریحان رضا خاں ریحانی میاں (۱۸) علامہ سبطین رضا خاں قادری (۱۹) علامہ مفتی اختر رضا خاں قادری۔

دوسو سالوں تک آسمان علم وفکر اور فقہ وفتاویٰ میں خاندان کے بزرگان دین روشن اور درخشاں رہے اور پوری ملت کو اپنی تابشوں سے روشن ومنور کرتے رہے، خدا جانے ابھی آئندہ کیسے کیسے ارباب فضل وکمال اور اصحاب فکر ونظر وجود میں آئیں گے اور ان چراغوں سے جو چراغ روشن ہوئے ان کا کوئی اعداد وشمار ہی نہیں ہے، حضور مفتی اعظم کے تقریباً ڈیڑھ سو سے زائد خلفا فیضان رضا تقسیم کرتے رہے مگر دریا کی روانی اور موجوں کی طغیانی میں کوئی فرق نہیں ہے، عرب وعجم، ہندوسند، شرق وغرب، شمال وجنوب اور افریقہ و

امریکہ ہر جگہ عشق و ایمان کی روشنی تقسیم ہو رہی ہے، ہر مدرسے میں اسی کا نور ہے، ہر گلشن میں اسی کا جلوہ، ہر دانش کدہ میں اس کی رسائی اور اب تو ہر خانقاہ میں اس کی پذیرائی۔

رضا اکیڈمی

رضا اکیڈمی سے کون اہلِ قلم ناواقف ہوگا۔ آج ہندوستان میں متعدد اشاعتی و قلمی جماعتی ادارے سرگرمِ عمل ہیں، ان میں رضا اکیڈمی سر فہرست ہے، رضا اکیڈمی انتہائی اخلاص و استقلال کے ساتھ پچھلے پچیس سالوں سے مسلسل سنی لٹریچر کی اشاعت و ترسیل میں مصروف کار ہے، ایک اندازے کے مطابق اب تک سیکڑوں کتابوں کی لاکھوں کاپیاں شائع کر کے ملک و بیرون ملک اہلِ علم وفکر کا اعتماد و اعتبار حاصل کر چکی ہے، بل کہ ہزاروں، لاکھوں مسلمانوں کو فکر و نظر کی روشنی اور ایمان و عقیدہ کی دولت سے مالا مال کرنے میں بھی کامیاب ہوئی ہے۔ رضا اکیڈمی یوں تو تمام علماے اہلِ سنت کی مستند و معتبر کتابوں کی نشر و اشاعت کی کوشش کرتی ہے، لیکن خصوصیت کے ساتھ امام احمد رضا قادری بریلوی اور ان کے شہزادوں حضور حجۃ الاسلام، حضور مفتی اعظم کی تصنیفات و تالیفات اور حیات و خدمات پر لکھی گئی دیگر کتابوں کو اور دیگر کتب و رسائل کو منظرِ عام پر لانا اس کے اشاعتی منشور کی پہلی دفعہ ہے اور آج تک اسی محور پر پوری سرگرمی کے ساتھ روبہ عمل ہے اور کامرانیاں اس کے قدم چوم رہی ہیں۔

رضا اکیڈمی کا طرۂ امتیاز ہے کہ یہ ایک معروف مذہبی، قومی و رفاہی ادارہ ہے۔ عموماً کتابیں مفت تقسیم کی جاتی ہیں۔ ترجمہ کنز الایمان و تفسیر خزائن العرفان، فتاویٰ رضویہ، حدائق بخشش اور ڈیڑھ سو سے زائد تصنیفات و رسائل اعلیٰ حضرت اس کی خاص مطبوعات ہیں۔ اردو ہندی اور انگریزی و عربی زبانوں میں بالخصوص لٹریچر شائع کرتی ہے اور ادھر پچھلے چند سالوں سے درس نظامیہ کی کتابیں بھی طبع کر کے مفت بلا معاوضہ مدارسِ اسلامیہ میں پہنچانے کا عمل جاری ہے۔ گزشتہ رمضان المبارک میں درس نظامیہ کی تقریباً ۳۰؍ چھوٹی بڑی کتابیں پانچ پانچ سو اور ایک ایک ہزار حسب ضرورت طبع کر کے سیکڑوں مدرسوں کو مفت تقسیم کی گئیں۔ راقم السطور خود اس تقسیم کے عمل میں شریک رہا اور درجنوں مدرسوں کی طرف خود رہ نمائی کی۔ اسی طرح امسال سالانہ عرس رضوی نوری کے موقع پر رضا اکیڈمی نے تقریباً پچاس کتابوں کے پچیس ہزار نسخے طبع کرائے جن کی قیمت سو روپے سے لے کر ایک سو پچھتر روپے تک تھی، مگر صرف ارسال و ابلاغ کے نقطۂ نظر سے رضا اکیڈمی نے لاکھوں روپے کا خسارہ برداشت کرتے ہوئے عوام و علماے اہلِ سنت وطلبۂ مدارس کو فی کتاب ۲۵؍ روپے کی شرح سے اور کنز الایمان کے دو ہزار نسخے صرف ۷۵؍ روپئے میں تقسیم کیا۔ شائقین کا ازدحام و اضطراب اس قدر تھا کہ لوگوں کو قطار میں کھڑا کرنا پڑا اور جب اس سے بھی جمِ غفیر قابو میں نہ آیا تو باقاعدہ پولیس کی خدمات حاصل کرنی پڑیں۔ اس پروگرام کی مقبولیت کا اندازہ اس سے لگائیں کہ تقریباً چار سو کارٹون کتابیں دو دنوں سے بھی کم وقفے میں تمام ہو گئیں جب کہ آج سے تیس پینتیس سال قبل اشاعتی مزاج یہ نہ تھا۔ سالِ گزشتہ بھی درسی کتابوں کے تعلق سے عرس رضوی کے موقع پر یہ پالیسی اپنائی گئی تھی۔

اب ان کا ارادہ ہے کہ جہاں جہاں اہلِ سنت و جماعت کے ملکی پیمانے پر لاکھوں پر مشتمل اجتماعات ہوتے ہیں اور اہلِ علم و ہنر اکٹھا ہوتے ہیں وہاں وہاں پروگرام کے تحت کتابیں پہنچائی جائیں۔ جو لوگ بھی اس طرح کے پروگراموں میں رضا اکیڈمی کا ہاتھ بٹاتے ہیں، میں ان سب کو مبارک باد پیش کرتا ہوں اور انھیں یقین دلاتا ہوں سنی لٹریچر کی یہ ارزانی اور فراوانی تحریک امام احمد رضا کا ایک حصہ اور حضور

مفتی اعظم کے خوابوں کی تعبیر ہے۔ حضور مفتی اعظم کی خاص خواہش تھی کہ علماے اہلِ سنت کی کتابیں طبع ہو کر تقسیم ہوں۔ امام احمد رضا نے بھی اپنی زندگی میں اس مشن کو جاری رکھا، جماعت رضاے مصطفیٰ کی متعدد ذمہ داریوں میں سے ایک اہم ذمہ داری کتابوں کی مفت تقسیم بھی تھی۔ اگر ہم الحاج محمد سعید نوری صاحب کا بار ہلکا نہیں کر سکتے تو کم از کم ان کے لیے دعاے خیر ضرور کر سکتے ہیں۔ ربِ قدیر! الحاج محمد سعید نوری صاحب کے اضطراب کو ہر سنی خوش عقیدہ مسلمان کے دل کی دھڑکن بنا دے، اے مولاے کریم! تو انھیں ایسی تاب وتوانائی عطا کر کہ وہ تیرے دین کی آواز کو دنیا کے آخری کناروں تک پہنچا سکیں۔ وہ تیرے مقبول ومحبوب بندے امام احمد رضا کے مشن کی تکمیل اور مفتی اعظم کے خوابوں کی تعبیر کے لیے وقف ہیں، تو انھیں ثابت قدمی عطا فرما تا کہ تیرے حبیب لبیب سرکار ابد قرار حضرت احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی نصرت وحمایت کی راہ میں ہمیشہ سرگرم عمل رہیں۔

رضا اکیڈمی کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ جب بھی قومی یا عالمی سطح پر اسلام، پیغمبرِ اسلام، قرآن یا مسلمانوں کے خلاف کوئی فتنہ کھڑا ہوتا ہے تو رضا اکیڈمی سب سے پہلے اس کے خلاف آواز بلند کرتی ہے۔ یہ فتنہ چاہے اخبارات کے ذریعہ اٹھے یا ریڈیو ٹیلی ویژن کے ذریعہ، انٹرنیٹ یا ویب سائٹس کے ذریعہ اٹھے یا زبان وقلم کے ذریعہ۔ ہر موقع پر رضا اکیڈمی سدِّ سکندری کا کام کرتی ہے اور فرقہ پرستوں اور اسلام دشمنوں نیز گستاخانِ رسالت کو دنداں شکن جواب دیتی ہے۔ ماضی قریب میں ۲۸ر فروری ۲۰۰۶ء کو ڈنمارک میں شائع گستاخانہ کارٹون کے خلاف عظیم الشان اجتماعی ریلی کا انتظام کیا گیا تھا، جس میں ایک اندازے کے مطابق تقریباً ایک لاکھ رضا کاروں نے شرکت کی تھی، راقم السطور اس پروگرام میں شریک تھا۔ پورا مجمع سمندر کی طرح لہریں لے رہا تھا، ہر طرف سے نعرۂ تکبیر ورسالت کی فلک شگاف آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔

حضرت مولانا منصور علی خان قادری جنرل سکریٹری آل انڈیا سنی جمعیۃ العلما مدن پورہ، مولانا سید سراج احمد قادری رضوی خطیب و امام رضا جامع مسجد پھول گلی، مولانا ولی اللہ شریفی خلیفہ حضرت شارح بخاری چمبور، مولانا محمود عالم رشیدی خطیب و امام جامع مسجد گوونڈی، مولانا امان اللہ رضا خاں قادری، مولانا فخر عالم رضوی استاذ جونیئر ہائی اسکول گوونڈی، مولانا ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری، شاعر اسلام تبسم عزیزی مبارک پوری، مفتی عبد الحکیم نوری رضوی، خطیب وامام جامع مسجد مالونی ملاڈ، قاری نیاز احمد قادری دارالعلوم حنفیہ رضویہ قلابہ، مفتی محبوب رضا روشن القادری، سید عبد اللہ قادری گورکھپوری دارالعلوم خلیلیہ مانویہ، گوونڈی، مولانا محمد فاروق رضوی ناظم اعلیٰ دارالعلوم امام احمد رضا کوسہ، مولانا صابر القادری مدینہ مسجد، ۹۰ فٹ روڈ سائن، مفتی منظور احمد مصباحی جامعہ قادریہ سونا پور، مفتی عبد الستار مصباحی جامعہ قادریہ سونا پور، مولانا نوشاد عالم قادری مخدومیہ جوگیشوری، قاری غلام مجتبیٰ رضوی مصباحی نوری مسجد بائی کلہ، ان کے علاوہ اور سیکڑوں علما ومشائخ اور اربابِ سیاست وحکومت موجود تھے، اس عظیم الشان تاریخی ریلی میں جہاں ملعون کارٹونسٹ کی کھل کر مذمت کی گئی وہیں مسلمانوں کی صفوں میں موجود گستاخوں کی بھی بھرپور طریقے سے سخت مذمت کی گئی اور اہل سنت کی شناخت کو باقی رکھتے ہوئے اپنے موقف کو پیش کیا گیا، یہ ایک مثال ہے ورنہ جب بھی کوئی اسلامی اور قومی مسئلہ کھڑا ہوتا ہے، رضا اکیڈمی ملت کے دفاع میں پیش پیش رہتی ہے۔

رضا اکیڈمی کا تیسرا رخ اس کی رفاہی اور ویلفیئر سرگرمیاں ہیں، گاہے گاہے حسب استطاعت امداد وتعاون کے کاموں میں بھی ہاتھ بٹاتی ہے، فسادات کے موقعوں پر کپڑے، اشیاے خوردنی، برتن، اور دیگر اسباب معاش وغیرہ فراہم کرتی ہے، گجرات فسادات کے موقعہ پر

رضا اکیڈمی کے جوانوں نے بے مثال جرأت و ہمت کا مظاہرہ کیا تھا۔ جولائی ۲۰۰۵ء میں جب ممبئی میں قیامت خیز سیلاب آیا اور پوری ممبئی زہریلے پانی میں غرق ہوگئی، ریلوے لائن، ٹیلی فون، بجلی اور بس سروس سب کچھ معطل ہوگئی، اربوں کی جائیدادیں تباہ ہوگئیں، ہزاروں جانیں نذرِ سمندر ہوگئیں، محلوں میں اترانے والے سڑکوں پر اس طرح کھڑے تھے جیسے وہ غریب الدیار خانماں برباد مسافر ہوں۔ اس وقت اہل سنت ہی نہیں بل کہ کسی بھی طبقہ یا گروپ کی طرف سے تقسیم کیا جانے والا پہلا امدادی پیکج رضا اکیڈمی کی جانب سے تھا، اس موقع پر ایک اندازے کے مطابق رضا اکیڈمی نے تقریباً دس لاکھ روپے کے سامان تقسیم کیے، اس کاروائی میں دوسرے احباب و اعوان خصوصاً حضور معین المشائخ حضرت علامہ سید شاہ معین الدین اشرفی الجیلانی ناظم اعلیٰ جامعہ قادریہ چھوٹا سونا پور اور علامہ منصور علی خان وغیرہ نے بھی سہارا دیا۔ رضا اکیڈمی کے جوانوں نے کرلا، جری مری، گھاٹ کوپر، کلیان، کلوا، دیوا جنکشن، کوسہ ممبرا، تھانے اور بہت سی جگہوں پر جا جا کر گھر گھر امداد پہنچائی، نقصانات کا سروے کیا اور بعد میں آفس سے سروے رپورٹ کے مطابق متاثرہ خاندانوں کو راحت پہنچائی اور اس کاروائی میں بھی راقم السطور برابر شریک رہا اسی طرح امریکہ کے عراق پر دوسرے حملے کے بعد عراق کے مظلومین کی دادرسی کے طور پر ممبئی سے عراق تک ریلیف پہنچائی۔

۲۵ ؍سالہ عرس نوری

جہان مفتی اعظم کی اشاعت دراصل حضور مفتی اعظم کے جشن ۲۵ ؍سالہ کی ایک کڑی ہے، سالانہ عرس کے موقع پر ۱۴؍محرم الحرام ۱۴۲۷ھ کو اس کی اشاعت لازمی تھی، مگر تاخیر سے مقالوں کی وصولیابی اور پھر اس کی تصحیح و ترتیب میں تاخیر کے عمل نے اس کو کافی پیچھے کر دیا، الحاج محمد سعید نوری صاحب کا ارادہ تھا کہ ۲۵ ؍سالہ جشنِ حضور مفتی اعظم تاریخی جاہ و جلال کے ساتھ منایا جائے اور اس کی پوری تیاریاں بھی کیں، لیکن جو چیز ان کے ہاتھ میں نہیں ہے، اس میں وہ کر بھی کیا سکتے تھے۔

۲۵ ؍سالہ جشن کے اشتہار اور پیغام حضور مفتی اعظم کی نشر و اشاعت کے سلسلے میں ۲۰ ؍نومبر ۲۰۰۶ کو انھوں نے ''کاروانِ نوری'' کے نام سے ایک ''روحانی سفر'' کا اہتمام کیا، جس میں راقم الحروف اور مولانا منصور علی خاں قادری، مولانا مقصود علی خاں نوری، مولانا امان اللہ خاں قادری، مولانا فخر عالم رضوی، مولانا محمود عالم رشیدی، مولانا ولی اللہ شریفی اور مولانا محمد فاروق وغیرہ کے علاوہ کل تقریباً ۴۰ ؍افراد پر مشتمل ایک نوری و نورانی قافلہ تھا جو ممبئی کی مختلف درگاہوں اور مزاروں کی زیارت کرتا اور ان کے فیوض و برکات حاصل کرتا بھیونڈی کے لیے روانہ ہوا، بھیونڈی سے ناسک، مالیگاؤں، جلگاؤں، سودا، بھساول، اجین، اندور، کان پور، مارہرہ، پیلی بھیت، بدایوں، نواب گنج، بریلی، مرادآباد، رام پور، سنبھل، دہلی، اجمیر شریف، بھیل واڑہ، اودے پور، احمد آباد، سورت، بڑودہ اور واپی ہوتے ہوئے تقریباً دو ہفتوں میں ہزاروں کلومیٹر سفر طے کر کے ممبئی واپس ہوا۔ اس کارواں میں دورانِ سفر لوگوں کا ''حضور مفتی اعظم'' سے جو لگاؤ اور تعلق خاطر راقم الحروف نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا اسے بیان نہیں کیا جاسکتا۔

''جہانِ مفتی اعظم'' کی تیاری اور اس کی اشاعت کا خاکہ سعید نوری صاحب کے دماغ میں کیوں کر آیا، اس کا جواب تو وہی دے سکتے ہیں یا ان کا بے زبان عشق دے سکتا ہے، لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ تقریباً سال بھر سے اس کی منصوبہ بندی جاری تھی، مقالہ نگاروں کے پتے جمع کیے جارہے تھے، مطبوعہ مضامین سے انتخاب و اختیار کا سلسلہ جاری تھا۔ خطوط کی روانگی، مقالوں کی فائلنگ، فوٹو کاپی کا حصول اور کمپوزر

کے حوالے کرنا یہ سارا کام جاری رہا۔ اس دوران ناظم علی رضوی کی محنتوں کا انکار نہیں کیا جا سکتا، جن کا دماغ کمپیوٹر کی طرح سریع الحرکت یاد داشت کا مالک ہے، ہر مقالہ نگار کا نام اور پتہ ہمیشہ ذہن میں محفوظ، کس کا مضمون آیا اور کس کا نہیں، اس کی تفصیل ہر وقت ذہن میں مستحضر۔ کئی کئی بار مقالہ نگاروں کو یاد دہانی کے خطوط لکھے گئے، جن کے پاس مواد کی بالکل دست یابی نہ تھی انھیں مواد کی ترسیل ایک اہم مسئلہ تھا، مگر حضرت الحاج محمد سعید نوری صاحب ان سارے مسائل پر بڑی چابک دستی سے قابو پاتے رہے۔ جب مضامین کمپوز ہو کر آجاتے، ان کو پہلی پروف ریڈنگ کے مرحلے سے گزارنا اور ضروری حد تک اصلاح و تنقیح کرنا راقم السطور کے ذمہ رہا، پہلے مرحلے میں علامہ یٰسین اختر صاحب مصباحی بانی و مہتمم دار القلم دہلی اور مولانا محمد حنیف خاں رضوی مصباحی جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف نے عنوانات کی تعیین اور مقالہ نگاروں کی نشان دہی میں ہمارا بھر پور تعاون کیا اور اس سلسلے میں انھوں نے حضرت الحاج محمد سعید نوری صاحب کی خواہش پر ممبئی کا سفر بھی کیا۔ مضامین کی پہلی پروف ریڈنگ مکمل ہوتے ہوتے تقریباً فروری کا پورا مہینہ گزر گیا۔ اب مارچ آنے والا تھا، عرس اعلیٰ حضرت ۲۵ر صفر المظفر سے تقریباً ۱۵ر دن قبل ہی میں وطن مالوف ضلع مہراج گنج کا پروگرام بنا چکا تھا، کہ اسی اثنا میں حضرت نوری صاحب کا فرمان آ گیا کہ کمپوز شدہ سارا میٹر لے کر میں فوراً الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور چلا جاؤں تاکہ علامہ محمد احمد مصباحی اور مولانا عبد المبین نعمانی صاحب اس مجموعہ پر آخری نظر ڈال لیں اور اس کے بعد اسے فوراً دہلی میں پریس کے حوالے کر دیا جائے تاکہ عرس اعلیٰ حضرت میں منظر عام پر آ سکے، مجھے اس میں کوئی زحمت نظر نہیں آ رہی تھی، کیوں کہ گھر آنا ہی تھا۔ گورکھ پور سے اعظم گڑھ کا فاصلہ ہی کتنا ہے، چند دن یوں ہی سہی۔ اس طرح اس عظیم امانت کو لے کر عازمِ اشرفیہ ہوا۔

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ ابتداءً نشانہ یہ مقرر کیا گیا تھا کہ ۱۴ر محرم الحرام ۱۴۲۷ھ کو ۲۵ر سالہ عرس مفتی اعظم کے تاریخی موقع پر ''جہانِ مفتی اعظم'' کو منظر عام پر لایا جائے، مگر بروقت بعض اہم مقالات کی عدم فراہمی اور کمپوزنگ و اصلاح کی سست رفتاری اور بعض عالمی مسائل کے تناظر میں انقلابی حالات و واقعات نے ہمیں اس نشانے کے حصول سے باز رکھا، پھر تو کام روایتی ڈھرے پر چل پڑا۔ لیکن الحاج محمد سعید نوری صاحب کے یکا یک عرسِ اعلیٰ حضرت کے موقع پر ''جہانِ مفتی اعظم'' کی اشاعت کے اعلان نے پھر گرمی پیدا کر دی اور دوبارہ راقم الحروف اور رضا اکیڈمی کے دیگر اسٹاف نے تیاریاں زور و شور سے شروع کر دیں۔ خدا خدا کر کے ۴ر مارچ ۲۰۰۶ء کو شام چار بجے تک کمپوز شدہ کل مضامین و مقالات کی سی ڈی دست یاب ہو سکی، جو کل تقریباً آٹھ سو صفحات پر مشتمل تھی۔ راقم الحروف بادلِ نخواستہ اسی شام کشی نگر ایکسپریس سے گورکھ پور کے لیے روانہ ہو گیا۔ چھ مارچ کی شام کو صبح ۱۲ر بجے گورکھ پور اسٹیشن پر پہنچا، وہاں سے دار العلوم کا ملیہ مفتاح العلوم کوٹھوئی بازار ضلع مہراج گنج کے لیے بذریعہ بس دہلی سنولی بازار (سرحد نیپال) روڈ سے روانہ ہوا، جو ہمارے علاقے کا مرکزی اور سرگرم تعلیمی ادارہ ہے۔ بے سرو سامانی کے باوجود پوری ثابت قدمی اور استقلال کے ساتھ خدمتِ دینِ متین میں مصروف ہے۔ ۱۹۷۰ء میں مولوی صوفی مبین الدین صاحب کاملی کے ذریعہ اس کا قیام عمل میں آیا۔ آج وہاں عالی شان دو عمارتیں اور ایک مسجد موجود ہے۔

دار العلوم میں میرے برادرِ اکبر ماسٹر محمد رضا انصاری صاحب، فاؤنڈر لال پور جونیر ہائی اسکول اطلاع کے مطابق انتظار کر رہے تھے، ان کے ذریعہ میری بوڑھی اور ضعیف والدہ محترمہ و مخدومہ کریمہ ام رضا امت النساء عرف اماتی (رحمہا اللہ تعالیٰ) کو بھی میری آمد کی

اطلاع ہوچکی تھی۔وہ میری بلائیں لینے کے لیے دوپہر ہی سے دروازے پر آنکھ لگائے ہوئے تھیں۔(افسوس کہ جن کی محبتوں کو قربان کر کے زیر نظر مجموعہ کی ترتیب وتدوین میں ایک سال تک مصروفِ کار رہا۔(مشیت ایزدی سے ان کی زندگی میں یہ مجموعہ زیور طبع سے آراستہ نہ ہوسکا، اور ۲۵/اکتوبر ۲۰۰۶ء کو اس دارفانی سے کوچ کر گئیں۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔مولیٰ تعالیٰ اس خدمت کے صدقے وطفیل ان کی مغفرت فرمائے۔)مولانا محمد طاہر القادری مصباحی کی معیت میں بذریعہ اسکوٹر بعد نمازِ مغرب اپنے آبائی وطن لال پور گاؤں پہنچا، جو کولھوئی بازار سے پانچ کلومیٹر کے فاصلے پر جانبِ جنوب برجمن گنج اور مہراج گنج روڈ پر واقع ہے۔والدہ محترمہ نے رقت انگیز انداز میں آب دیدہ ہو کر میرا استقبال کیا۔کیوں کہ وہ سال میں کبھی کبھار ہی مجھ کم نصیب کی ملاقات سے مسرور وشادکام ہوتی ہیں، عموماً میرا سارا وقت پردیس میں اور وہ بھی حالت سفر میں گزرتا ہے، وہ میری زندگی کا ایک ایسا خلا ہے جسے میں کبھی پُر نہ کرسکا اور نہ آئندہ سردست ایسی کوئی صورت نظر آتی ہے اور میں اپنے آپ کو اس کے لیے کبھی معاف نہیں کرسکتا۔ان کی خدمتِ مبارکہ میں صرف ایک گھنٹہ بہ مشکل حاضر رہ سکا اس کے بعد دارالعلوم کا ملیہ شام کی تاریکی میں واپس آگیا۔(بعد وفات گھر کی مستورات کے ذریعہ معلوم ہوا کہ والدہ محترمہ کو اس حادثہ کا آخری وقت تک قلق رہا اور برابر اس کا ذکر کرتی رہیں۔کاش کہ یہ مجموعہ ان کی حیات میں چھپ جاتا تو شاید میرا وہ قصور معاف کر دیتیں مگر حالات نے یہ آخری عذر بھی پیش کرنے کی اجازت نہ دی اور میں ان کے سایہ رحمت سے محروم ہوگیا۔ناظرین وقارئین حضرات ان کی مغفرت کے لئے ضرور دعا فرمائیں۔)بعد نمازِ فجر ضروریات سے فارغ ہو کر مبارک پور کے لیے روانہ ہوگیا۔شام کو چار بجے کے قریب الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے مین گیٹ پر پہنچا، عظیم وضخیم سبز گنبد اور سنٹرل بلڈنگ کا سہانا منظر دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی ہوگئیں۔فرطِ مسرت سے میرا دل بلیوں اچھل رہا تھا، کیوں کہ تقریباً دس سال کے بعد مادرِ علمی میں چندروز باضابطہ قیام کے ارادے سے داخل ہو رہا تھا۔

شروع شروع میں اندازہ تھا کہ ہفتہ دس دن میں نظر ثانی واصلاح کا کام مکمل کر کے جلد ہی حضرت الحاج محمد سعید نوری، بانی و صدر، رضا اکیڈمی کے حوالے کر دوں گا۔مگر جب کام شروع ہوا تو معلوم ہوا کہ جو کچھ بیاں ہوا وہ آغازِ باب تھا۔بہ ہرحال جماعتی سطح پر دو نام ور اور معتبر محقق اور اہلِ قلم حضرت علامہ محمد احمد مصباحی صدر المدرسین الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور اور علامہ عبدالمبین نعمانی مہتمم دار العلوم قادریہ چریا کوٹ، کو اس کی اصلاح ونظرِ ثانی کا کام سونپا گیا۔فکر وقلم کی دنیا سے تعلق رکھنے والے حضرات ان بزرگوں کی مصروفیات سے بہ خوبی آگاہ ہیں۔اس لیے ابتداءً مجھے امید نہیں تھی کہ یہ قیمتی حضرات اس ناگہانی ذمہ داری یا کام کی ضخامت واہمیت کے مدِ نظر اس بلائے ناگہانی سے نبرد آزما ہونے کے لیے تیار ہو جائیں گے۔مگر کچھ تو الحاج محمد سعید نوری صاحب کا خلوص پھر سرکار مفتی اعظم سے نسبت ارادت اور کچھ اس طرح کے کاموں سے ان حضرات کی ذاتی دل چسپی اور کسی نہ کسی حد تک علامہ مصباحی صاحب سے براہِ راست راقم السطور کا شرفِ تلمذ اور تدریسی رفاقت اور پھر حضرت نعمانی صاحب سے دیرینہ سلام وکلام اور معرفت، ان سب عوامل نے مل جل کر ان حضرات کو اس کام کو ہاتھوں میں لینے پر مجبور کر دیا۔بل کہ پورے جوش وخروش کے ساتھ اس کی ترتیب و تہذیب، اصلاح ونظر ثانی اور حذف واضافی میں لگ گئے۔راقم الحروف کے ساتھ یہ دونوں بزرگ شخصیات پوری سرگرمی کے ساتھ ایک ہفتہ تک کام کرتی رہیں اور کوشش یہ رہی کہ ہر حال میں ''جہان مفتی اعظم'' کو ۲۵/صفر المظفر ۱۴۲۷ھ عرس اعلیٰ حضرت کے موقع پر شائع کر دیا جائے۔مگر مضامین کی خستہ حالی اور غیر مستند روایتوں اور حوالوں کی در اندازی، اس بات کی اجازت نہیں دے رہی تھی کہ اس عظیم وجلیل شخصیت کی بارگاہ میں جو خود تحقیق وتدقیق، بحث ونظر اور نقد وادراک کی تاج دار اور فکر وشعور کی کوہِ ہمالہ اور فقہ وفتاویٰ کا درِ

شاہ وار رہی ہو، ایسی کوئی نذر پیش کی جائے جو غیر ثقہ یا کم زور روایتوں کے ملغوبے سے تیار کی گئی ہو۔ اس کی روح کو خوش کرنے کا ایک ہی راستہ تھا کہ اس کی بارگاہ میں ایک ایسا مجموعہ ہدیہ کیا جائے جو حتی الوسع اغلاط کی آمیزش سے پاک وصاف ہو، اس لیے انتہائی دیدہ وری اور عرق ریزی سے کام کو جاری رکھا گیا۔ اسی دوران علامہ نعمانی صاحب کی رہ نمائی اور حکم سے کئی مفید اور معیاری مضامین بھی حاصل کیے گئے۔ ان کی کمپوزنگ کا بھی مسئلہ تھا۔

بہ ہر حال وہ سارا کام ایک ساتھ چلتا رہا۔ اس طرح کل تقریباً گیارہ سو (۱۱۰۰) صفحات تیار ہو گئے، دونوں بزرگوں اور راقم الحروف نے الگ الگ نقطۂ نظر سے برق رفتاری سے تصحیح کا ایک راؤنڈ مکمل کر لیا۔ یہ کام کا پہلا مرحلہ تھا، اب اس کے بعد کمپیوٹر آپریٹر کے ساتھ بیٹھ کر صبح وشام اور شب وروز اس کی تصحیح اور مقابلہ کا جاں سوز کام تھا، جو مکمل طور پر اس فقیر کے حصے میں تھا۔ میں تو شاید پہلے سے ہی ایسے کاموں کا عادی رہا ہوں اس لیے دن جائے، رات آئے، سورج ڈوبے، چاند نکلے، کچھ فرق نہیں پڑنے والا تھا، گھنٹوں قلم میری انگلیوں میں گردش کرتا رہے، تکان کا احساس نہیں ہوتا، ہاں مگر کبھی آپریٹر اور کبھی کمپیوٹر ضرور جواب دے جاتا۔ دونوں موجود ہوتے تو بجلی دغا دے جاتی، مبارک پور کچھ ممبئی نہیں ہے، جہاں چوبیس گھنٹے بجلی سپلائی ہو، وہ تو بھلا ہوا ارباب اشرفیہ کا کہ انھوں نے ایک ایسا طاقت ور جنریٹر نصب کرنے میں کامیابی حاصل کر لی ہے، جس سے بیک وقت پورے گراؤنڈ میں روشنی فراہم ہو جاتی ہے، مگر یہ بھی صرف دس بجے شب تک، اسی طرح صبح آٹھ بجے سے بارہ بجے تک بجلی نہیں تو جنریٹر حرکت میں رہتا اور کام چلتا رہتا، اس کے علاوہ کوئی صورت نہیں تھی کہ کام جاری رہتا۔ بہ ہر حال جیسے تیسے تصحیح کا پہلا مرحلہ مکمل ہوا، اب آخری راؤنڈ ایک بار پھر علامہ مصباحی صاحب کی تنقیدی نگاہ سے گزرنا تھا، اب جو مصباحی صاحب نے ذرا اطمینان کے ساتھ نظر ڈالی تو پھر جتنا کام ہو چکا تھا، اتنا ہی کام اور نکل آیا۔ ہوا یوں کہ ابتداءً عجلت میں تینوں افراد کام کو تقسیم کر کے نظر ثانی کر رہے تھے تاکہ جلد از جلد پریس کے حوالے کیا جا سکے، مگر جب عرس اعلیٰ حضرت بالکل قریب آ گیا اور بہ ظاہر کوئی صورت نہ رہ گئی جس سے اس کو عرس اعلیٰ حضرت تک پریس کے حوالے کیا جا سکے تو مصباحی صاحب نے ذرا گہری نظر سے مقالوں کو دیکھنا شروع کیا، اب فیصلہ یہ ہوا کہ جب تک سارے ہی مقالے ایک بار نگاہ سے نہ گزر جائیں، ان کی اشاعت کسی طور پر مناسب نہیں، چناں چہ مصباحی صاحب ایک نئے ارادے اور حوصلے کے ساتھ دوبارہ سرگرم ہو گئے اور فرداً فرداً ہر مقالے پر نظر ڈالنی شروع کی اور جس قدر اس میں اصلاح ہو سکتی تھی کی اور کامل ایک ماہ کی جدو جہد اور جاں فشانی کے بعد تصحیح کا دوسرا مرحلہ مکمل ہوا اور چوں کہ بغیر آپریٹر کے ساتھ رہے کام قابل اطمینان حد تک ہونا ممکن نہ تھا، اس لیے اب دوسرے راؤنڈ میں پھر قلعہ بند ہو کر کام میں مشغول ہو گیا، تقریباً دو ہفتوں کی جاں فشانی اور زہرہ گدازی کے بعد یہ مرحلہ بھی خدا خدا کر کے مکمل ہوا، اس دوران جو نئے مضامین مبارک پور میں کمپوز ہو رہے تھے، ان کی بھی از سر نو پروف ریڈنگ اور تصحیح کا معاملہ آتا رہا اور کچھ ہی دنوں بعد تقریباً ڈیڑھ سو صفحات بذریعۂ ای میل ممبئی سے بھی موصول ہوئے، ان سب کو نپٹاتا رہا، اس طرح تقریباً ایک ماہ کی مدت اور بھی تمام ہو گئی۔

آساں نہیں راہِ عمل شیشہ گری کا

ناظرین حیران ہوں گے کہ اتنا سارا وقت کیسے لگ گیا، مگر جن لوگوں کو اس طرح کے کاموں کا تجربہ ہے وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس طرح کے کاموں کو قابل اطمینان طریقے سے انجام دینے کے لیے کافی وقت درکار ہوتا ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ دقتِ نظر، وسعتِ

مطالعہ،قوت تنقید، ذوق سلیم اوران سب سے بڑھ کر جماعت کے تئیں سچی ہمدردی وذمہ داری اور جواب دہی کا احساس ضروری ہے، الحمد للہ ان بزرگوں کی صحبت میں الجامعۃ الاشرفیہ کے اندر یک جا یہ ساری چیزیں میسر آ گئیں اور وقت کی تنگی کے باوجود صحت وحسن کے اعلیٰ معیار کو برتنے کی بھرپور کوشش کی گئی، جس کی وجہ سے اس علمی وادبی کاوش کو کسی بھی ٹیبل پر پورے اعتماد کے ساتھ رکھا جا سکتا ہے۔

مقالہ نگار حضرات اور قارئین کے ذہن میں یہ بات ہوگی کہ جہاں تک پروف ریڈنگ کا کام تھا، تو وہ کچھ مشکل نہیں۔ اس سلسلے میں عرض ہے کہ یہاں صرف پروف ریڈنگ کا کام نہیں تھا بل کہ سلامت ذوق اور تنقیدی نقطۂ نظر سے بارہ سوفل اسکیپ صفحات کی ریڈنگ، تنقیح واصلاح، نوک پلک کی درستی، قواعد واملا کی رعایت، آیتوں اور ان کے ترجموں کی مراجعت، عربی عبارتوں کی تصحیح اور اصل کتابوں سے مقابلہ وغیرہ کا جاں سوز مرحلہ تھا، جو ارباب ِنظر کی نظر میں کام کی اہمیت اور نوعیت میں اضافہ کر رہا تھا۔

مقالوں کی تصحیح اور نظر ثانی میں کئی باتوں کا خیال رکھا گیا ہے، ذیل میں اختصاراً ان کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

(۱) سب سے اہم مسئلہ لکھے ہوئے مقالوں کے املا اور جدید قواعد کتابت کا تھا۔ جتنے مقالے تھے، لفظوں کو اتنی ہی شکلوں میں لکھا گیا تھا، اکثر حضرات جدید قواعد اردو کی رعایت نہ کرنے کی وجہ سے لفظوں کو قدیم عادت کے مطابق ہی لکھنے پر مجبور تھے۔ کئی مرحلوں کی جدوجہد کے بعد الفاظ کی شکلوں اور ان کے وصل وفصل کو جدید اردو قواعد املا کے مطابق کیا گیا، جو محققین اور مدونین کے یہاں مسلم الثبوت اور قابلِ تقلید ہیں۔ اس کے لیے خاص طور پر مولانا عبدالمبین نعمانی صاحب کا مشکور ہونے کے ساتھ ساتھ بہ راہِ راست اس فن کی کتابوں، مثلاً اردو املا، ادبی تحقیق مسائل وتجزیہ، تحقیق کا فن، املا نامہ وغیرہ سے استفادہ کیا ہے۔ بعض مشورے جو بالکل نا قابلِ عمل تھے ان کو ترک کر دیا گیا ہے اور بعض فیصلے جو ضروری محسوس ہو رہے تھے ان کی اتباع بھی کی گئی ہے۔ ممکن ہے بعض اشکال قارئین کی نظروں پر گراں گزریں، لیکن اس کے لیے معذرت کی ضرورت نہیں محسوس کرتا۔ جب لوگ عادی ہو جائیں گے تو یہ گرانی اور مشکل پسندی کا احساس خود بہ خود ختم ہو جائے گا۔

(۲) بہت سے مقالہ نگاروں نے قلم برداشتہ مضامین ارسال کیے تھے، انھوں نے نظر ثانی یا اصلاح کی بالکل ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ ان کا خیال رہا ہوگا کہ زبان وبیان اور قواعد نحو وصرف تو ایڈیٹر یا پروف ریڈر صاحب تو درست کر ہی لیں گے اور جہاں تک اصولِ املا کا تعلق ہے تو یہ کام کاتب یا آپریٹر کر لے گا۔ انھوں نے مسودہ بھیج کر اپنا دامن جھاڑ لیا، اور بس! اب آگے الحاج محمد سعید نوری صاحب ہیں یا حضرت مدیر محترم! ایسے مقالوں میں ہمیں کافی محنت کرنی پڑی ہے، کئی کئی بار انھیں تصحیح کے مراحل سے گزار کر قابلِ اشاعت بنایا گیا ہے۔ حضرت علامہ مصباحی اور علامہ نعمانی صاحب کا ارادہ تھا کہ کثیر الاغلاط مقالوں کو سرے سے شاملِ اشاعت ہی نہ کیا جائے، مگر چوں کہ یہ موضوع علمی تحقیق کے ساتھ حضور مفتی اعظم کے ساتھ قلبی لگاؤ اور ذہنی وجذباتی وابستگی کا بھی تھا اور شاید عموماً مقالہ نگار حضرات نے اس عظیم ہستی کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرنے کی نیت سے لکھا ہے، اس لیے میں نے انھیں شریک اشاعت کرنے کی سفارش کی، یہ ایک غیر علمی وادبی رویہ تھا، لیکن ارباب قلم کے جذبات کے مدنظر اصول تحقیق وتنقید کے خلاف، روایت سے سمجھوتا کرتے ہوئے اکثر مقالے شاملِ اشاعت کر لیے گئے ہیں، مگر اس کے باوجود چند مضامین جو بالکل ہی بے وزن اور ناکارہ تھے ان سے معذرت کر لی گئی ہے۔ ارباب قلم کو حضرات مرتبین کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ انھوں نے اپنا قیمتی وقت دے کر ان کے مقالوں کی دیدہ ریزی کے ساتھ اصلاح کی اور اسے قابل اشاعت بنایا۔

(۳) عام اردو کتابوں میں عربی عبارت حتی کہ قرآنی آیات اور احادیث کریمہ میں بھی اعرابی اور کبھی کبھی تو لفظی غلطیاں در آتی ہیں

جس کی وجہ سے سنجیدہ اور علم دوست قاری کو ایسے مقالات پڑھنے میں بڑا انقباض محسوس ہوتا ہے۔ تنگی وقت کے باوجود عربی عبارات کو درست کر دیا گیا ہے، مگر اعراب نہیں لگایا گیا ہے۔ تاکہ قرآنی آیات سے ممتاز رہیں۔ قرآنی آیات پر اعراب لازمی طور پر لگائے گئے ہیں اور اس میں ہمارا کافی وقت صرف ہوا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ممکن ہے کہ غلطیاں راہ پا گئی ہوں، ایسے مقامات کی نشان دہی ہو جائے تو ہم شکر گزار ہوں گے۔ انشاء اللہ اگلا ایڈیشن آیا تو اس کی تصحیح کر دی جائے گی۔ قرآنی آیتوں سے ممتاز کرنے کے لیے احادیث پر بھی اعراب نہیں لگایا گیا ہے، اسی طرح عربی عبارات اور احادیث میں بھی نیچے یا اوپر علامتی ہمزہ کا اہتمام شروع سے ہی نہیں کیا گیا ہے۔ چوں کہ عبارتیں حوالوں کے ضمن میں مذکور ہیں، مستقل کسی کتاب کا حصہ نہیں بن رہی ہیں اس لیے عام اردو قارئین کے مزاج و نگاہ کی رعایت کرتے ہوئے ہمزہ کا التزام ترک کر دیا گیا ہے۔ عبارتوں کے اختتام پر فل اسٹاپ لازمی طور پر لگایا گیا ہے۔

(۴) من جملہ متعدد مسائل کے مقالوں میں واقعات کی تکرار بھی ہے اور کہیں کہیں پورا پیراگراف، یا ایک ہی عبارت کا بار بار حوالہ یا حوالوں کا توارد ہے، کوشش کی گئی ہے کہ مقالہ کی اصل روح کو بلا نقصان پہنچائے مکررات کو حذف کر دیں اور پھر ضروری تبصرہ یا حذف و اضافہ کے ذریعہ ماسبق کو مالحق سے مربوط کر دیں۔ اس طرح کی اصلاحات سے بعض مقالات انتہائی جامع اور مفید ہو گئے ہیں، اس کام میں علامہ مصباحی صاحب نے اپنا انتہائی قیمتی دماغ اور وقت دونوں صرف کیا ہے اور کھوٹے سکوں کو تپا تپا کر کھرا بنا دیا ہے۔

(۵) بہت سے مقالوں میں مفتی اعظم کی فقاہت و ثقاہت یا فضل و کمال پر بحث کرتے ہوئے طویل تمہیدیں لکھی گئی تھیں، جن کی یہاں ضرورت نہیں تھی۔ مثلاً مفتی اعظم کے دور کے حالات، تاریخ ولادت، نوری میاں کی بشارت، تعلیم و تربیت اور پہلا فتویٰ وغیرہ۔ یہ ایسی معلومات تھیں جو مستقل مضمون کے تحت آ چکی ہیں۔ اس لیے ہم نے ان طول طویل تمہیدات کو یکسر حذف کر دیا ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ ہماری یہ جرأت ہمارے رفیقوں کو گراں نہ گزرے گی، کیوں کہ اگر ہم ان سب کو من و عن شائع کرتے تو حشو و زوائد کا اچھا خاصا ذخیرہ تیار ہو جاتا اور اہلِ نظر قارئین ہمیں حاطب اللیل کہنے میں حق بہ جانب ہوتے۔

(۶) متعدد مطبوعہ مضامین کو بھی شامل کر لیا گیا ہے۔ یہ مقالے عموماً جماعت اہلِ سنت کے عمائدین اور مقتدر شخصیات کے قلم سے لکھے گئے ہیں، جن کی زندگی کا ہر لمحہ ہمارے لیے بسا غنیمت ہے۔ ان میں بعض حضرات دنیا سے رحلت بھی کر چکے ہیں مثلاً حضرت علامہ مفتی برہان الحق جبل پوری، حضرت علامہ ارشد القادری، حضرت علامہ مفتی شریف الحق امجدی، وغیرہ اور ان میں جو ابھی ہماری سرپرستی فرما رہے ہیں ان میں بحر العلوم حضرت علامہ مفتی عبد المنان اعظمی اور حضرت علامہ سید کمیل اشرف اشرفی الجیلانی وغیرہ ہیں، ان بزرگوں سے کچھ لکھوانا، اصرار کرنا اور اس ضعیفی میں انھیں تکلیف دینا بڑی ہمت کا کام تھا۔ اس لیے بس ان کی نئی دعاؤں اور پرانی تحریروں پر اکتفا کر لیا گیا۔ البتہ امین اشرف المشائخ، سلطان العارفین حضرت علامہ سید شاہ کمیل اشرف صاحب قبلہ اشرفی الجیلانی، سجادہ نشین مخدوم ثانی، روح آباد، رسول پور، کچھوچھہ شریف نے غایت کرم فرماتے ہوئے از خود ایک معلومات افزا مقالہ تحریر فرما کر ان سعید لمحوں کو خراج پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے جو انھیں سرکار مفتی اعظم کی صحبت و رفاقت کے میسر آئے۔ ان کے علاوہ بھی متعدد مفید مضامین بعض ایسے کتب و رسائل میں شائع ہوئے جو محدود اشاعت ہونے کی وجہ سے قارئین تک نہ پہنچ سکے، انھیں دوبارہ شامل اشاعت کیا جا رہا ہے۔ ابھی بھی ایسے مقالوں اور مضامین کی ایک طویل فہرست ہے جو دوبارہ اشاعت کے منتظر ہیں، اگر قارئین نے حوصلہ افزائی کی تو ہم انھیں بھی دوبارہ شائع کریں گے۔

(۷) تاج دار اہلِ سنت کے لیے لکھے جانے والے واقعات و مشاہدات اور روایات میں کڑی چھان پھٹک کی گئی ہے، جس واقعہ

کی کوئی سند نہیں ملی، مقالہ نگار نے بے سند درج کر دیا اور اس کی تصدیق کسی اور ذریعہ سے بھی نہ مل سکی، یا سند تو ملی مگر وہ عقل ونقل کی کسوٹی پر پوری نہیں اترتی تھی یا اعداد وشمار اور تواریخ وسنین سے ان کی تصدیق نہ ہوتی تھی ایسے واقعات کو عموماً قلم زد کر دیا گیا ہے۔ مثلاً مقالہ نگار نے واقعہ کو کسی حوالے سے بیان کر دیا، مگر مقامِ بیان یا تاریخ وسنہ کی صراحت نہ کی، نہ جس سے بیان کی اس کے نام وحیثیت کی صراحت کی تو ایسے واقعات وروایات کو قابلِ اعتنا نہیں سمجھا گیا ہے۔ ہاں اگر مقالہ نگار نے اپنی ذمہ داری پر بیان کیا اور اس کے احوال سے حضور مفتی اعظم کی صحبت ورفاقت ظاہر ہوتی ہے تو اسے باقی رکھا گیا ہے۔

(۸) جب تہذیب وتنقیح اور نظر ثانی وتصحیح کے سارے مراحل طے ہو گئے اور بالکل قریب تھا کہ رسالہ پریس کے حوالے کر دیا جاتا تو عین اسی وقت اشارۂ غیبی کے تحت ذہن میں خیال آیا کہ مختلف مقالات بہ شمول منتخبات فتاویٰ مصطفویہ میں، جو بھی قرآنی آیات، احادیث نبویہ اور فقہی عبارات وارد ہیں اور ارباب قلم نے ان کے حوالے درج نہیں کیے ہیں، کیوں نہ ان کی ازسر نو تخریج کر لی جائے۔ یہ خیال ذہن میں آنا تھا کہ کام شروع کر دیا گیا جن لوگوں کو بھی اس کام کا تجربہ ہے، وہ جانتے ہیں کہ کبھی کبھی ایک ہی عبارت یا حدیث کی تلاش میں ہفتے نکل جاتے ہیں۔ اس عمل کا خاص پہلو یہ ہوتا ہے کہ بعض احادیث زبان زد خاص وعام ہوتی ہیں مگر جب ان کا حوالہ تلاش کیا جاتا ہے تو پسینے آجاتے ہیں اور حوالہ نہیں ملتا۔ کہیں کہیں یہی صورتِ حال اس رسالہ کی تخریج کے وقت بھی پیش آئی۔ اسی میں غنیّۃ (حلبی کبیر) اور مدخل ابن الحاج کی بعض عبارات ہیں، درمختار اور ردالمحتار کی بعض عبارات جن کا تعلق مولانا شمس الہدیٰ صاحب اور مولانا مفتی مطیع الرحمٰن کے مقالات سے تھا، نہ مل سکیں۔ اس طرح میزان الشریعۃ الکبریٰ اور الطبقات الکبریٰ امام عبدالوہاب الشعرانی کی بھی بعض عبارات جن کو تلاش کرنے کے لیے پوری کتاب کی قراءت ضروری تھی، ممکنہ مقامات پر تلاش کی گئیں، جب نہ مل سکیں تو علی حالہا باقی رکھی گئیں، جو حوالے پہلے سے درج تھے ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا گیا، البتہ کہیں کہیں مراجعت بھی کی گئی ہے اور کہیں کہیں پرانے حوالوں کی جگہ نیا حوالہ بھی درج کر دیا گیا ہے، اسی طرح مدارک کی بعض عبارات جو فتاویٰ میں مذکور ہیں متعلقہ آیتوں کے تحت تلاش کی گئیں مگر نہ مل سکیں، ممکن ہے وہ کسی اور آیت کے تحت درج ہوں، علی حالہا باقی رکھی گئی ہیں۔

(۹) تخریج کے عمل کا فائدہ یہ ہوا کہ متعلقہ عبارات میں جو غلطیاں نقل درنقل سے درآئی تھیں ان کی تصحیح ہوگئی، حتی کہ آیات واحادیث میں بھی اچھی خاصی اصلاح کی گئی، جن عبارتوں میں ''اہ ملخصاً'' کی علامت درج نہیں تھی اور عبارتوں میں کمی بیشی تھی، یا کسی طرح کا اور نقص تھا، انھیں درست کر دیا گیا اور جہاں ''اہ ملخصاً'' درج تو تھا مگر عبارت میں بعض ایسے الفاظ ترک کر دیے گئے تھے، جن سے ادائے مطلب میں فرق پڑتا تھا، انھیں مندرج کر لیا گیا ہے۔

(۱۰) کہیں کہیں جو حدیثیں مذکورہ حوالوں میں نہ مل سکیں اور دوسرے حوالوں سے مل گئیں مگر کچھ فرق تھا لیکن اس سے ادائے مطلب میں کچھ فرق نہ پڑتا تھا تو جو حدیث حوالے سے مل سکی اسے درج کر لیا گیا ہے مگر یہ عمل انتہائی محدود ہے، اس میں مطلقاً وسعت سے کام نہیں لیا گیا ہے، ایسے مقامات چند سے زیادہ نہیں۔

تخریج کا یہ عمل تقریباً پندرہ دنوں میں مکمل ہو سکا اس سلسلے میں وقفہ وقفہ سے مولانا نفیس احمد مصباحی، مولانا صدرالوریٰ مصباحی، مولانا غلام نبی مصباحی اور مفتی محمد معراج القادری صاحبان نے رہ نمائی کی۔ درجۂ تحقیق فی الفقہ اور تقابل ادیان کے متعدد طلبہ نے بھی بہت سی آسانیاں بہم پہنچائیں۔ راقم الحروف ان سب کا شکرگزار ہے اور دعا گو ہے کہ علم وادب کی دنیا میں خوب پھلیں پھولیں اور حضور مفتی اعظم کا روحانی فیضان ان پر جھوم جھوم کر برسے۔

(۱۱) مضامین کے علاوہ منقبتیں بھی کم دردسر نہیں تھیں، جو منقبتیں کہنہ مشق شاعروں نے ارسال کی تھیں وہ بحر ووزن کے لحاظ سے سلامت تو تھیں لیکن کہیں کہیں شرعی لحاظ سے سقم زدہ تھیں اور جن لوگوں نے صرف اظہارِ عقیدت کے لیے لکھی تھیں اور وہ شعر گوئی کے عادی بھی نہیں تھے، وہ کافی تشویش ناک تھیں، ان میں معنوی سطحیت اور لفظی جھول کے علاوہ بحور اور اوزان کا بھی مسئلہ در پیش تھا۔ علامہ محمد احمد مصباحی صاحب نے تمام منقبتوں کو استاذ الشعرا حضرت عثمان احمد اوج چریا کوٹی استاذ دار العلوم اہلِ سنت ضیاء العلوم اشرفیہ خیر آباد کے پاس بھجوا دیا اور تحریر فرمایا کہ جلد از جلد آپ ان پر نظر ثانی کریں۔ خصوصیت کے ساتھ اوزان اور بحور درست فرما دیں، انھوں نے باوجود خرابی صحت اور کثرت کار کے کام کی نوعیت و اہمیت کے پیش نظر منظور کر لیا۔ اور بھر پور کدو کاوش کی، اس کے بعد پھر وہ منقبتیں مولانا عبد المبین نعمانی صاحب اور علامہ مصباحی کی نظروں سے بھی گزریں۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں حضرات شاعر نہیں، مگر اس کے باوجود بعض الفاظ کی تبدیلی سے شعر زمین سے آسمان کی بلندیوں کو چھونے لگا، متعدد مقامات پر راقم کے مشورے بھی کام آئے۔

نمبروں کے جھرمٹ میں جہانِ مفتی اعظم

اداریہ کی تکمیل کا سلسلہ جاری تھا کہ اس دوران خیال آیا کہ اب تک جتنے بھی نمبرات جماعتی سطح پر مختلف عناوین اور شخصیات کے تعلق سے شائع ہو چکے ہیں، ان کا بھی ایک سرسری جائزہ لے لیا جائے، ابتداءً اندازہ تھا کہ ایک درجن کی تعداد پوری ہونی مشکل ہوگی، مگر جب فہرست سازی شروع ہوئی اور مولانا عبد المبین نعمانی صاحب نے اپنے دماغ کو کھنگالنا شروع کیا تو ایک طویل فہرست تیار ہوگئی۔ ذیل میں ان کی تفصیلات کچھ اس طرح ہیں:

(۱)	ماہنامہ اشرفیہ	مبارک پور	حافظ ملت نمبر
(۲)	// //	//	مجاہد ملت نمبر
(۳)	// //	//	صدر الشریعہ نمبر
(۴)	// //	//	انوار حافظ ملت نمبر
(۵)	// //	//	فقیہ اعظم نمبر
(۶)	// //	//	جشن شارح بخاری نمبر
(۷)	// //	//	فقیہ ملت خصوصی شمارہ
(۸)	// //	//	سیدین نمبر
(۱۰)	معارف شارح بخاری (خصوصی اشاعت)	//	شارح بخاری کے موضوع پر
(۱۱)	صحیفہ فقہ اسلامی (خصوصی اشاعت)	//	فقہ اسلامی کے موضوع پر
(۱۲)	حافظ ملت افکار اور کارنامے (خصوصی اشاعت)	//	حافظ ملت کے موضوع پر
(۱۳)	ماہنامہ المیزان	ممبئی	امام احمد رضا نمبر
(۱۴)	// //	دہلی	محدث اعظم نمبر

(۱۵)	// //	ممبئی	اکابر ملت نمبر
(۱۶)	// //	کچھوچھہ شریف	ختم نبوت نمبر
(۱۷)	ماہنامہ پاسبان	الہ آباد	امام احمد رضا نمبر
(۱۸)	// //	//	کربلا کا مسافر نمبر
(۱۹)	// //	//	محدثِ اعظم نمبر
(۲۰)	ماہنامہ کنزالایمان	دہلی	شارح بخاری نمبر
(۲۱)	// //	//	رئیس القلم نمبر
(۲۲)	ماہنامہ استقامت	کان پور	مفتی اعظم نمبر
(۲۳)	// //	//	محمد عربی نمبر (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم)
(۲۴)	ماہنامہ استقامت	کان پور	تحفظ عقائد نمبر
(۲۵)	// //	//	اولیا نمبر اول
(۲۶)	// //	//	// دوم
(۲۷)	// //	//	کربلا نمبر
(۲۸)	// //	//	اسلامی جہاد نمبر
(۲۹)	// //	//	بابری مسجد نمبر
(۳۰)	ماہنامہ جام نور	کلکتہ	خورشید رسالت نمبر
(۳۱)	// //	//	کربلا نمبر
(۳۲)	// //	//	شاہ تیغ علی نمبر
(۳۳)	// //	//	سنی مدارس نمبر
(۳۴)	ماہنامہ جام نور	دہلی	رئیس القلم نمبر
(۳۵)	// //	//	جہاد نمبر
(۳۶)	// //	//	شبنم کمالی نمبر
(۳۷)	پندرہ روزہ الحبیب (اخبار سائز)	کلکتہ	مجاہد ملت نمبر مختصر
(۳۸)	پندرہ روزہ نوائے حبیب	//	// ضخیم
(۳۹)	پندرہ روزہ رفاقت	پٹنہ	مفتی اعظم نمبر
(۴۰)	// //	//	شبنم کمالی نمبر
(۴۱)	ماہنامہ نور مصطفی	//	پاسبان ملت نمبر
(۴۲)	ماہنامہ نوری کرن	بریلی	محدث اعظم پاکستان نمبر

(۴۳)	//	//	//	دیارحبیب نمبر
(۴۴)	ہفت روزہ	تاجدار (ویکلی)	ممبئی	قرآن نمبر
(۴۵)	//	//	//	غریب نواز نمبر
(۴۶)	ماہنامہ	دامن مصطفی	بریلی	مفتی اعظم نمبر
(۴۷)	ماہنامہ	نوری نکات جدید	بستی	مفتی اعظم نمبر
(۴۸)	ماہنامہ	حجاز جدید	دہلی	امام احمد رضا نمبر
(۴۹)	//	//	//	مفتی اعظم نمبر
(۵۰)	ماہنامہ	اعلیٰ حضرت	بریلی	مفتی اعظم نمبر
(۵۱)	//	//	//	منظر اسلام نمبر
(۵۲)	ماہنامہ	اعلیٰ حضرت	بریلی	قصیدۂ نور نمبر
(۵۳)	//	//	//	نوری میاں نمبر
(۵۴)	ماہنامہ	سنی دنیا	بریلی	حسن بریلوی نمبر
(۵۵)	ماہنامہ	مظہر حق	بدایوں	تاج الفحول نمبر
(۵۶)	ماہنامہ	فیض الرسول	براؤں شریف	شیخ العلما نمبر
(۵۷)	//	//	//	حافظ ملت نمبر
(۵۸)	ماہنامہ	قاری	دہلی	امام احمد رضا نمبر
(۵۹)	//	//	//	غریب نواز
(۶۰)	ماہنامہ	یسٓ (ڈائجسٹ)	کان پور	مفتی اعظم نمبر
(۶۱)	ہت روزہ	ہجوم (اخبار)	دہلی	امام احمد رضا نمبر
(۶۲)	ہفت روزہ	عالمی سہارا	دہلی	حافظ ملت نمبر
(۶۳)	روزنامہ	راشٹریہ سہارا	لکھنؤ	شارح بخاری نمبر
(۶۴)	//	//	//	حافظ ملت نمبر
(۶۵)	روزنامہ	اردو ٹائمز	ممبئی	امام احمد رضا نمبر
(۶۶)	(خصوصی)	تجلیات	ناگ پور	امام احمد رضا نمبر
(۶۷)	(خصوصی)	تجلیات رضا	بریلی	امام احمد رضا نمبر
(۶۸)	(خصوصی)	محمد منظر وسیم	ممبئی	تحفظ اسلام نمبر
(۶۹)	ہفت روزہ	مسلم ٹائمز	ممبئی	امام احمد رضا نمبر
(۷۰)	//	//	//	مفتی اعظم ہند

(۷۱) (خصوصی) پیغام رضا	سیتامڑھی	امام احمد رضا نمبر اول، دوم
(۷۲) // //	//	مفتی اعظم نمبر
(۷۳) // //	//	قدسیات نمبر
(۷۴) سالنامہ اہل سنت کی آواز	مارہرہ شریف	تصوف اسلام نمبر
(۷۵) // //	//	قرآن پاک نمبر
(۷۶) // //	//	نظام اخلاق نمبر
(۷۷) // //	//	احسن العلما نمبر
(۷۸) // //	//	توحید نمبر

نمبرات کی اس فہرست نے ان خطوط کو بڑی وضاحت کے ساتھ طے کر دیا ہے جن پر ہماری صحافت پچھلے پچاس سالوں میں گامزن رہی ہے اور ایک بات تو بالکل صاف ہوگئی ہے، کہ خصوصی اشاعتوں اور نمبرات کی ترتیب و پیش کش میں ہم شخصیات کے دائرے سے ابھی تک باہر نہیں نکل سکے ہیں، ہماری ہمدردیاں موضوعات سے کم شخصیات سے زیادہ وابستہ رہی ہیں، اس رجحان کو منفی نہ بھی کہا جائے تو یک طرفہ ضرور کہا جائے گا، معدودے چند نمبرات ہی کسی اسلامی موضوع پر شائع ہو سکے ہیں۔

دوسری بات یہ واضح ہو کر سامنے آئی کہ سب سے زیادہ امام احمد رضا قادری اور مفتی اعظم کی ذات گرامی کے تعلق سے ہی نمبرات شائع ہوئے ہیں۔ نمبرات کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہو سکتی ہے۔ یہاں اس کا استیعاب مقصود نہیں، لیکن سر دست موجودہ فہرست کے مطابق تقریباً دس نمبرات امام احمد رضا کی ذات اور نو نمبرات حضور مفتی اعظم کی ذات بابرکات کے تعلق سے نظر آتے ہیں۔ ان دونوں شخصیتوں کے تعلق سے کثرت نمبرات کی دو معقول وجہیں ہیں۔ پہلی وجہ تو بالکل واضح ہے، یعنی ان دونوں شخصیتوں کی ملک، قوم اور فکر و عقیدہ کی صیانت و تحفظ کے تعلق سے لازوال تاریخی خدمات اور اس کے نتیجے میں پوری جماعت اہل سنت کا والہانہ عاشقانہ لگاؤ اور حرارت عشق۔ امام احمد رضا کے فیض قلم سے سنی صحافت پورے شباب پر تھی۔ تحفۂ حنفیہ لاہور، الفقیہ امرتسر، دبدبۂ سکندری رام پور اور الرضا بریلی وغیرہ امام احمد رضا کے افکار عالیہ کے ترجمان و علم بردار تھے، دیگر سنی رسائل و جرائد بھی اپنی استطاعت کے مطابق اپنی خدمات پیش کرتے تھے۔ اس دور کے سارے اہل قلم خواہ کسی بھی مشرب و مسلک سے وابستہ رہے ہوں آپ کی ذات کی ہمہ جہتی اور تبحر کے معترف و ثنا خواں رہے، اس لیے ہر ایک دوسرے پر اپنی عقیدت و محبت کے اظہار میں سبقت لے جانا چاہتا تھا اور جب سرکار مفتی اعظم کا دور آیا تو یہ لگاؤ اور تعلق پورے شباب پر آ گیا۔ ملک کا خطہ خطہ، ان کے ذکر جمیل سے گونج اٹھا، تاریخ میں بہت کم ہی ایسے مشائخ طریقت نظر آتے ہیں، جن کے دامن کرم سے اتنی بڑی تعداد میں علمائے کرام اور اہل فکر و نظر اور دانشوران قوم وابستہ رہے ہوں، مفتی اعظم ایک بدر کامل کی طرح آسمان سنیت پر جگمگا رہے تھے اور علما و مشائخ آپ کے گرد چاند کے گرد ہالہ کی طرح احاطہ کیے ہوتے تھے۔

دوسری وجہ وہ صحافتی و قلمی بیداری تھی، جو خانوادۂ رضویہ کی قربانیوں اور دوسرے خانوادوں اور مشربوں کی جاں فشانیوں کے نتیجہ میں جماعت اہل سنت میں پیدا ہوئی تھی، خصوصاً بیسویں صدی کی آٹھویں دہائی کے بعد یہ سلسلہ کسی پہاڑی آبشار کی طرح پوری قوت کے ساتھ بہہ رہا تھا۔

نمبرات کی فہرست پر طائرانہ نظر ڈالنے سے ایک اور حقیقت چھن کر سامنے آئی ہے اور اس کا اعتراف نہ کرنا یا اس کے اظہار میں بخل اور تنگ نظری سے کام لینا، قلمی دیانت کے قرین انصاف نہیں۔ وہ یہ کہ کان پور کا ماہنامہ استقامت اپنے نمبرات کی بوقلمونی، تنوع اور ہمہ گیری اور مختلف حساس اسلامی موضوعات کا احاطہ کرنے میں عدیم المثال ہے، حافظ ظہیر الدین صاحب جماعت اہل سنت کی وہ قابل قدر شخصیت ہیں جنھوں نے انتہائی نامساعد حالات میں جماعتی صحافت کو نئی روشنی عطا کی ہے، انھوں نے شخصیات اور اسلامی معلومات پر انتہائی کامیاب ضخیم نمبرات کی اشاعت میں نمایاں کامیابی حاصل کی ہے، مختلف قسم کے معاشی مسائل اور فکری وذہنی آویزش اور مسلسل خرابی صحت سے دو چار رہنے کے باوجود ابھی تازہ تازہ ''اسلامی جہاد نمبر'' آپ کا خاص تحفہ ہے۔ حضور مفتی اعظم کی زندگی پر شائع کردہ آپ کا خوب صورت نمبر اپنے موضوع پر سب سے شان دار پیش کش ہے۔ انھوں نے ''مفتی اعظم ہند نمبر'' کو ایک ایسے وقت میں پیش کیا جب طباعت و اشاعت کی موجودہ سہولیات خصوصا کمپوزنگ اور عوام اہل سنت کا طباعت و اشاعت کے کاموں کی طرف میلان بہت حد تک مفقود تھا۔ متعدد مقالات اس نمبر سے بھی شکریہ کے ساتھ لیے گئے ہیں، آپ نے اس نمبر کو جس دیدہ ریزی، اور زہرہ گدازی کے ساتھ سجایا ہے، وہ قابل تعریف ہے اور آپ پوری جماعت کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں۔ بل کہ یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ اگر ''المیزان'' ممبئ کے امام احمد رضا نمبر نے امام احمد رضا کی شخصیت کو علمی اور صحافتی حلقوں میں متعارف کرانے میں کلیدی کردار ادا کیا ہے، تو بلاشبہہ ''استقامت'' کے مفتی اعظم نمبر نے مفتی اعظم کی ذات گرامی کو ارباب فکر و دانش تک پہنچانے میں زبردست رول ادا کیا ہے۔ یہ نمبر آج بھی مفتی اعظم کی ذات گرامی کے تعلق سے مصدر و ماخذ کا کام کر رہا ہے۔ البتہ متعدد غیر ثقہ روایات اس میں بھی در آئی ہیں، مگر اس وقت شاید اس سے زیادہ کچھ اور نہیں کیا جا سکتا تھا، اس لیے ہم حضرت حافظ ظہیر الدین صاحب کو اس بارے میں زیادہ مورد الزام نہیں ٹھہراتے۔ قارئین معاف کریں میں جماعتی سطح پر سنی صحافت کے تعارف کے حوالے سے نہیں گفتگو کر رہا ہوں ورنہ اس باب میں بڑے بڑے قد آور نام باقی ہیں۔ صرف مفتی اعظم کی ذات گرامی کے تعلق سے کی گئی کوششوں کے حوالے سے رقم طراز ہوں۔

استقامت ڈائجسٹ کان پور کے مفتی اعظم نمبر کے بعد دوسرا ضخیم نمبر سیدین نمبر ماہنامہ اشرفیہ سے شائع ہوا جو دس ابواب پر مشتمل ہے، اس نمبر میں سرکاران مارہرہ حضرت سید العلما اور حضرت احسن العلما کی حیات و خدمات کا احاطہ کیا گیا ہے، یہ تقریبا ۱۴ر سو صفحات پر مشتمل ہے، مگر شاید قیمت کی گرانی کی وجہ سے مارکیٹ میں اس نمبر کو وہ مقبولیت نہ حاصل ہو سکی، جو ہونی چاہیے تھی۔ اس نمبر کی تقریباً چار سالوں سے تیاریاں چل رہی تھیں۔ اس کے بعد اشرفیہ مبارک پور کے اساتذہ اور تلامذۂ شارح بخاری کے تعاون سے حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی کی شخصیت پر ایک اور دستاویزی نمبر شائع ہوا، جو دس ابواب پر مشتمل ہے، ان کامیاب اشاعتوں کے بعد کسی اور کامیاب اشاعت کا تصور کرنا ہی دل ہلانے کے لیے کافی تھا، مگر حضرت الحاج محمد سعید نوری صاحب کی شبانہ روز مساعی اور علما و اہل قلم سے ان کے دوستانہ مراسم اور حضور مفتی اعظم سے جماعت اہل سنت کی گہری دل بستگی اور لگاؤ نے اس مرحلہ کو آسان کر دیا اور صرف سال بھر کی مختصر سی جد و جہد سے مضامین کا ایک انبار تیار ہو گیا ہے، یہ نمبر جیسا کہ آپ ملاحظہ کر رہے ہیں چوبیس ابواب پر مشتمل ہے، فہرست میں تفصیلات ملاحظہ کرنے کے باوجود میری خواہش ہے کہ اداریہ کے حوالے سے ایک بار اور انھیں ملاحظہ کر لیں۔

پہلا باب: سوانحی خاکہ۔ دوسرا باب: سیرت و کردار، مثالی شخصیت۔ تیسرا باب: بیعت و ارشاد، اجازت و خلافت۔ چوتھا باب: تبحر علمی فضل و کمال۔ پانچواں باب: روحانیت، تصرفات، کرامات۔ چھٹا باب: فقہی بصیرت، فتوی نویسی۔ ساتواں باب: فن حدیث میں رسوخ و تبحر۔ آٹھواں باب: ذوق شعر و سخن، عشق رسول۔ نواں باب: الملفوظ کی ترتیب و تدوین۔ دسواں باب: تصنیف و تالیفی خدمات۔

گیارہواں باب: دینی و اصلاحی خدمات ۔ بارہواں باب: تنظیمی و تحریکی خدمات ۔ تیرہواں باب: اسفار و مشاہدات کی روشنی میں ۔ چودہواں باب: رسائل و اخبارات کی روشنی میں ۔ پندرہواں باب: علماے حجاز کی نظر میں ۔ سولہواں باب: ارباب علم و دانش کی نظر میں ۔ سترہواں باب: اقران و معاصرین کی نظر میں ۔ اٹھارہواں باب: خلفا و تلامذہ، مریدین و مستفیدین ۔ انیسواں باب: شہر بریلی کے علما و دانش وران ۔ بیسواں باب: حج و زیارت حرمین شریفین ۔ اکیسواں باب: مکتوبات مفتی اعظم ہند ۔ بائیسواں باب: سفر وصال پر ملال ۔ تیئسواں باب: مناقب مفتی اعظم ہند ۔ چوبیسواں باب: مفتی اعظم کی کہانی تصویروں کی زبانی ۔

چوبیس ابواب پر پھیلا ہوا یہ تاریخی اور دستاویزی مجموعہ تقریباً بارہ سو صفحات پر مشتمل ہے ۔ ابواب کی یہ ہمہ گیری بتا رہی ہے کہ یہ مجموعہ کس قدر جامع اور فاضلانہ وقار و تمکنت کا حامل ہے ۔ قدیم و جدید میں اب تک کسی بھی شخصیت کے تعلق سے ایسا شان دار مجموعہ کہیں اور نظر نہیں آتا ہے ۔ تعداد صفحات میں ممکن ہے بعض مجموعے اس سے سبقت لے جائیں مگر صحت و اصلاح، سلامت روی، مضامین کے انتخاب، تحقیق و تنقید اور شخصیت کے مختلف گوشوں کے احاطہ کے اعتبار سے یہ مجموعہ اپنی مثال آپ ہے، خود راقم السطور کو تصحیح و ترتیب کے دوران مضامین پڑھنے میں کافی لطف و ذوق حاصل ہوا ۔ متعدد مقامات ایسے آئے جہاں آنکھوں میں بے اختیار آنسو تیرنے لگے اور دل بھر آیا، حضرت علامہ حسنین میاں نظمی مارہروی کا مضمون انتہائی حقیقت رقم ہے، جو سادگی و پرکاری، صراحت بیان اور صاف گوئی سے متصف ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی روح پرور، ایمان افروز اور رقت انگیز ہے ۔ مفتی اعظم کے پاس علم و فکر زہد و تقویٰ اور روحانیت و کرامت کی جو دولت بے بہا تھی، وہ سرکاران مارہرہ کا ہی فیضان و احسان تھا ۔ اس مضمون کو میں نے کئی بار پڑھا اور ہر بار محظوظ و ممنون ہوا خصوصاً وہ مقام جہاں ان کے والد محترم نے مفتی اعظم کے استقبال و تعظیم میں کھڑا نہ ہونے پر زوردار تھپڑ رسید کیا، پڑھ کر مجھ پر رقت اور بے خودی کی کیفیت طاری ہوگئی ۔ بے اختیار آنکھوں سے آنسوؤں کے موتی ٹپکنے لگے ۔ سچ ہے کہ یہ خانقاہ مارہرہ کا امتیاز و تفرد ہے کہ وہ اپنے مریدوں کو بھی ایسا فیاضانہ نوازتے ہیں اور ان کے ساتھ احترام و اکرام کا ایسا معاملہ کرتے ہیں کہ آج کوئی مرید بھی اپنے پیر کے ساتھ کم ہی کرتا ہے! یہ آل رسول ہیں، آل رسول کی ریت رہی ہے کہ وہ خود ہی نوازتے ہیں اور خود ہی دعا بھی دیتے ہیں ۔ ع: خود بھیک دیں اور خود کہیں منگتا کا بھلا ہو ۔

یا الٰہی رنگ لائیں جب مری کوتاہیاں

میرے محدود مطالعہ کے مطابق کسی ایک مجموعے میں اتنے تحقیقی مضامین پہلی بار ہی جمع ہوئے ہیں، خصوصیت کے ساتھ چوتھا، چھٹا، اور ساتواں باب بہت ہی معرکہ آرا ہے ۔ مطبوعہ رسائل و جرائد سے بھی کچھ مضامین ان کی اہمیت و افادیت کے پیش نظر لیے گئے ہیں، خصوصیت کے ساتھ استقامت مفتی اعظم نمبر کان پور، اور انوار مفتی اعظم، مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی سے استفادہ کیا گیا ہے، ان کے علاوہ مستند مقالات و مضامین کا ایک ذخیرہ ابھی بھی لائبریوں میں ضائع ہو رہا ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ ان سب کو نئی ترتیب اور جدید کمپوزنگ کے ساتھ مرتب کر کے دوبارہ شائع کیا جائے ۔ جہان مفتی اعظم کی اشاعت کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ اس کی طرف بھی توجہ دی جائے گی ۔ اس کے علاوہ خلفا و تلامذہ، مریدین و معتقدین، متوسلین و منتسبین کے پاس بھی مفتی اعظم کے بارے میں معلومات کا ایک بیش بہا خزانہ محفوظ ہے ۔ پریشانی یہ ہے کہ لوگ انشا پردازی کے چکر میں قلم نہیں اٹھاتے، ایسے لوگوں سے گزارش ہے کہ جو کچھ بھی ہو اور جیسے بھی ممکن ہو، اپنی معلومات کو صفحہ قرطاس پر ثبت کریں یا کسی کیسٹ میں جمع کریں ۔ جو کچھ بھی معلومات آپ کے سینے میں دفن ہیں وہ قوم کی

امانت ہے۔ اگر وہ آپ کے سینے میں محصور قبر میں چلے گئے تو علمی کوتاہی کے مرتکب قرار پائیں گے اور آپ کی یہ مجرمانہ کوتاہی نا قابل معافی ہوگی۔ ایسے لوگوں سے اہل قلم اور علمائے کرام اگر رابطہ کریں اور معلومات جمع کریں، جو سنیں اسے تحریر کریں، کڑی سے کڑی ملائیں، تو جو کچھ ضائع ہو گیا اس کی بہت حد تک تلافی ہو سکتی ہے۔

غفلت و بے توجہی کا یہ المیہ صرف حضور مفتی اعظم کی ذات گرامی تک محدود نہیں ہے بل کہ وہ بزرگان دین جن کو ہم صبح و شام اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں، ان کے بہت سے اہم حالات و واقعات کا مشاہدہ کرتے ہیں، ان کو حیطہ تحریر میں لاتے ہیں نہ ان کے بارے میں کچھ جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ غفلت ہمیں مسلسل نقصان پہنچا رہی ہے۔ چنان چہ جب شخصیت نگاہوں سے روپوش ہو جاتی ہے اور ایک اچھا خاصا عرصہ گزر جاتا ہے حتی کہ ان کے احباب و اقارب بھی ایک ایک کر کے رخصت ہونے لگتے ہیں، ان کے تلامذہ اور خلفا معدوم ہو جاتے ہیں اور ان کے بارے میں براہ راست جاننے والے اور بتانے والے نہیں رہ جاتے، تب اہل قلم سے اپیل کی جاتی ہے کہ ہم فلاں حضور والا کی ذات بابرکت پر ایک خصوصی نمبر شائع کر رہے ہیں، مقالہ نگار حضرات و اربابِ فکر و دانش علمی و تحقیقی خدمات پر مشتمل مضامین ارسال کریں، مقالہ نگار بے چارہ کیا کرے گا؟ جن موضوعات پر مواد کی بھرمار ہے ان پر آسانی سے لکھنے کے لیے طبیعت آمادہ نہیں ہوتی تو جن موضوعات پر بالکل مواد ہی نہیں ہے ان پر کیسے لکھا جا سکتا ہے اور اس پر مستزاد یہ سب فی سبیل اللہ بالکل مفت ہونا چاہیے۔

دوسروں سے کیا شکوہ؟ اہل خاندان، احباب و اقارب، خلفا و تلامذہ، مریدین و جانشین اور رشتہ دار و خانہ زاد بھی اپنے مرکز عقیدت و محبت کے نہ تو تبرکات محفوظ کرتے ہیں، نہ حالات و واقعات جمع کرتے ہیں، بس دست بوسی، قدم بوسی، اور حاضر باشی وغیرہ کو ہی اپنی معراج عقیدت تصور کرتے ہیں۔ استعمال کی اشیا تک محفوظ نہیں رہ جاتیں۔ ان میں بھی جو حضرات تعلیم یافتہ ہوتے ہیں، مضامین و مقالات لکھتے ہیں ان کے مقالات اور کتابوں کی کاپیاں تک محفوظ نہیں رہ جاتیں ایسی صورت میں قلم کار اپنے دماغ کی سطح سے کھرچ کھرچ کر کتنے مضامین پیدا کرے گا۔

میرے اپنے اندازہ کے مطابق بیسویں صدی کی آخری دہائی میں کثرت سے علمائے اہل سنت کے سانحہ ارتحال پیش آئے ہیں، مگر ان میں سے اکثر حضرات کے تعلق سے بھی مضامین تک نہیں لکھے گئے۔ نہ ان کے حالات جمع کئے گئے۔ اساتذہ و تلامذہ اور مریدین و معتقدین سب خاموش، سارا قصور آنے والے وقت میں قلم کاروں کے سر ڈال دیا جائے گا کہ انھوں نے اپنے بزرگوں کے لیے کچھ نہیں کیا۔

مولانا عبد المبین نعمانی صاحب سے اس موضوع پر تذکرہ ہوا تو انھوں نے بھی اپنی حسرت و افسوس کا اظہار کیا اور کہا اس کے تدارک کے لیے میں نے ذاتی طور پر کچھ دنوں سے اس موضوع پر کام شروع کر رکھا ہے۔ جب قابل اعتبار ذخیرہ جمع ہو جائے گا، تہذیب و تنقیح کے مراحل سے گزار کر المجمع الاسلامی سے شائع کر دیا جائے گا۔ کسی کے بارے میں کسی اور سے کیا شکوہ؟ علمائے مدارس اب اتنے کاہل اور بے حس ہو چکے ہیں کہ اپنے اساتذہ بل کہ خود اپنے بارے میں بھی نہیں لکھ سکتے۔ میں سمجھتا ہوں کہ کسی بھی قوم کی جماعتی بے حسی اور زوال کی یہ آخری منزل ہے۔ خود اپنے حالات جمع کرنے کے سلسلے میں بات کی جائے تو بعض لوگ کہتے ہیں۔ یہ سب ریا کاری ہے، اس کی کیا ضرورت ہے؟ گورکھپور کے ایک تجربہ کار اور معروف قاری صاحب سے کہا کہ حضرت آپ جو کچھ بھی دینی و تبلیغی کام کریں تو اس کی رپورٹ اخباروں کے لیے ضرور جاری کیا کریں۔ بولے، یہ سب دنیا داری ہے، ہم کام کرنا جانتے ہیں، ہمیں کام سے مطلب ہے، ہم نام نہیں چاہتے۔ میں نے کہا بے شک کام کیجیے مگر یاد رکھیے۔ کام ہی کا ایک حصہ بل کہ اہم حصہ یہ ہے کہ اس کو تاریخ کے جزدان میں محفوظ کر دیا جائے۔ آج ہمیں اپنے بارے میں خود لکھنا ہوگا۔ اپنے لیے نہیں بل کہ آنے والی نسل کے لیے تا کہ آنے والی نسلوں میں یہ بدگمانی نہ پیدا ہو کہ ہمارے

پچھلے بزرگوں نے کچھ نہیں کیا۔

حضور مفتی اعظم کی زندگی اکیانوے سال کچھ ماہ کے طویل ترین عرصے پر پھیلی ہوئی ہے۔کیا ایک ایسا شخص جو پوری نو دہائیوں تک زندہ رہا ہو اور ہمیشہ متحرک وفعال اور رواں دواں رہا ہوں، کبھی بیٹھا نہ ہو، صحرائی بگولے کی طرح آبادیوں کو سر کرتا رہا ہو، اس کی زندگی کو محفوظ کرنے کے لیے جہان مفتی اعظم کے یہ چند صفحات کافی ہوں گے؟ نہیں! ہرگز نہیں! اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ مفتی اعظم کی زندگی کا ابھی بڑا حصہ جو اصلاح وتبلیغ اور دعوت واسفار میں گزرا وہ نگاہوں سے اوجھل ہے۔قلم بند نہ ہوسکا۔آپ کی اکیانوے سالہ زندگی کرامتوں اور تصرفات سے لب ریز ہے، سیکڑوں روحانی اور ایمان افروز واقعات آپ کے دامن سے جڑے ہوئے ہیں، ان کو جمع کرنے کی ضرورت ہے۔ان بکھری ہوئی لڑیوں کو ایک دھاگے میں پرونے کی ضرورت ہے۔یہ ہماری تاریخ کی متاع گم شدہ ہے، جس کی بازیافت ہماری بقا کی ضمانت ہے۔حضور مفتی اعظم کی زندگی اہل علم وقلم کی گردنوں میں امانت ہے، اس سے عہدہ برآ ہونا اور اسے آنے والی نسلوں تک پہنچانا نہ صرف ملی فریضہ ہے بل کہ ہماری قومی واجتماعی زندگی کے لیے اکسیر وتریاق ہے۔ان کی حیات طیبہ کی وہ گم شدہ کڑیاں جو ہمارے پرانے بزرگوں کے سینوں میں قید ہیں اور ان کی طہارت وپاکیزگی کی وہ نوری تابشیں جو کہنہ چراغوں کی لوؤں میں مرتعش ہیں، انھیں نوک قلم سے قید کر کے قرطاس کی پلکوں پہ سجانا، دیدہ وران شوق کی اخلاقی ذمہ داری ہے، ایک پرنور ہلکی ہلکی سی آواز، مہکی سی صدا، فضاے محبت میں بلند ہو رہی ہے، وہ کہہ رہی ہے میں ایک صدا ہوں مجھے روحوں میں اتارلو، میں ایک روشنی کی لکیر ہوں مجھے آنکھوں میں بسالو، میں ایک احساس ہوں مجھے خوشبو کی طرح پلکوں پہ سجالو، میں تمھارے دلوں کا سرور اور تمھاری آنکھوں کا نور ہوں مجھے اپنالو، اگر تم نے مجھے اپنالیا تو تمھارے ارمانوں کا شبستان روشن چراغوں کی طرح منور رہے گا۔

خصوصاً جن علاقوں میں مفتی اعظم کے کثرت سے دورے ہوئے، نوری برکتوں کو لوٹنے کے لیے بار بار لوگ اپنے گھروں اور دکانوں، کمپنیوں اور فیکٹریوں میں بلاتے رہے، مریضوں کو دعاے شفا دلاتے رہے، بچوں کے سروں پر شفقت کے ہاتھ پھیراتے رہے، بیٹھے ہوئے کاروبار کو چلاتے رہے، ایسے علاقوں کو چھاننے کی ضرورت ہے جیسے ممبئی، اندور، اجمیر، کلکتہ، کان پور، نینی تال، رام پور، مرادآباد، سنبھل، دہلی، آگرہ، جودھ پور، جے پور، بنارس، الہ آباد، گورکھپور، گھوسی، مبارک پور، دھام نگر، ناسک، پوکھریرا، مالے گاؤں، جھانسی، سورت، احمدآباد نیز اتر پردیش، راجستھان، بہار، بنگال، گجرات، مدھیہ پردیش وغیرہ میں آج بھی مفتی اعظم کی زندگی کی بہت سی کڑیاں بکھری ہوئی ہیں، ان کو جمع کرنے کی ضرورت ہے، حیرت مجھے ان لوگوں پر ہے، جو اپنے ناموں کے ساتھ خلیفۂ حضور مفتی اعظم کا لاحقہ لگاتے نہیں تھکتے، کسی اسٹیج پر اناؤنسر سے یا پوسٹر میں مرتب سے آں جناب کے نام کے ساتھ یہ اعزاز چھوٹ جائے تو گویا وہ قابل گردن زدنی ہوتا ہے، نام سے زیادہ جلی، خلافت نامہ تحریر کیا جاتا ہے، ایسے خدارسیدہ بزرگوں سے جب حضور مفتی اعظم کی زندگی کے بارے میں استفسار کیا جاتا ہے، تو جواب صفر میں ہوتا ہے، اس کا واضح مطلب ہے کہ چور دروازے سے خلافت حاصل کر کے صرف کاروبار طریقت چمکانے میں زیادہ توجہ دی اور حضور مفتی اعظم کی زندگی اور معمولات کے بارے میں جاننے سے دل چسپی کم سے کم رہی، ایسے لوگوں کو اپنے گریبان میں سر ڈال کر سوچنا چاہیے کہ وہ کس حد تک خلیفہ حضور مفتی اعظم کا لاحقہ اپنے نام کے ساتھ استعمال کرنے میں حق بہ جانب ہیں، میرا مقصد کسی کی توہین یا اہانت نہیں لیکن اس صورت حال کو تبدیل کرنے کے لیے ان کی توجہ کو ضرور مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

''جہان مفتی اعظم''میں جن لوگوں نے بھی اپنا قلمی تعاون پیش کیا ہے، رضا اکیڈمی ان کی بے حد ممنون اور شکر گزار ہے، کہ انھوں

نے اپنا قیمتی وقت نکال کر ہم تک اہم ترین معلومات پہنچانے کی سعی کی۔ مولیٰ تعالیٰ ان کو جزاے خیر عطا فرمائے اور مفتی اعظم کے فیضان سے شاد کام فرمائے۔

حضور مفتی اعظم کے دل میں جماعت اور قوم کا بے کراں درد تھا، انھوں نے خود اپنے لیے کبھی چندے کی اپیل نہ کی، اور نہ اس کے لیے کبھی نکلے، درجنوں مدرسوں، اور انجمنوں کی سرپرستی فرماتے تھے، درجنوں سالانہ جلسوں میں بالالتزام شرکت فرماتے تھے، دعائیہ کلمات ارشاد فرماتے تھے، کبھی کبھی خطابات بھی فرماتے تھے، موجودہ دور کے فیشن ایبل پیروں کی طرح صرف وقت دعا تشریف نہیں لاتے تھے، بل کہ بسا اوقات جلسے کے بالکل آغاز میں تشریف لے جاتے اور آخر تک تشریف رکھتے تھے اور علما سے دوران تقریر لفظی یا شرعی غلطیاں ہوتیں تو ان کی اصلاح فرماتے، ایسے تو سیکڑوں واقعات ہوں گے مگر ان میں سے بہت کم محفوظ رہے۔ جہان مفتی اعظم کی تیاری کے دوران متعدد جگہ یہ تجربہ ہوا کہ جب کسی سے گفتگو کی تو فوراً اس نے اپنی آپ بیتی بیان کی اور وہاں سے مفتی اعظم کی زندگی کا کوئی نہ کوئی روشن گوشہ ضرور نکل آیا۔ لیکن وقت کی قلت اور مصروفیت کی وجہ سے سر دست فقیر اس گوشہ کی تکمیل سے قاصر ہے۔

کاروان نوری کے دورے کے موقع پر درجنوں لوگوں نے حضور مفتی اعظم سے اپنے تعلق ونسبت اور تصرف وکرامت کے واقعات بیان کیے، جنھیں میں نے اپنی ڈائری میں محفوظ کرلیا ہے، فرصت کے اوقات میں ان کو مہذب ومنقح کرکے قارئین تک پہنچانے کی سعی کی جائے گی۔ بعض واقعات مناسب جگہوں پر شامل بھی کرلیے گئے ہیں۔ سرکار نوری نے درجنوں کتابوں پر مقدمے لکھے، تقریظیں لکھیں، مدرسوں کے لیے کلمات معائنہ تحریر کیے چندوں کی اپیلیں لکھیں، لاکھوں لوگوں کے لیے تعویذات لکھے، مگر ان میں سے درجن بھر سے زیادہ واقعات نہیں ملتے، کسی بھی شخصیت پر اس سے بڑا ظلم کیا ہوسکتا ہے کہ اس سے فائدہ تو اٹھایا جائے مگر کیا فائدہ پہنچا اس کو بیان کرنے اور دوسروں تک پہنچانے کے لیے بھی آپ کے پاس وقت نہیں ہے۔ یاد رکھیے مفتی اعظم آپ سے زیادہ مصروف تھے مگر انھوں نے اپنا انتہائی قیمتی وقت نکال کر آپ کی خبر گیری کی تھی، آپ کی ضرورت پوری کی تھی، آپ کے مسئلے کو حل کیا تھا، ایسی صورت میں آپ کی اخلاقی ذمہ داری آپ سے کس چیز کا مطالبہ کرتی ہے؟ حیرت تو مجھے اہل ممبئی پر ہے، جہاں مفتی اعظم کی زندگی کے قیمتی ایام گزرے ہیں، بل کہ میں یہ کہوں تو حق بہ جانب ہوں گا کہ اہل ممبئی نے مفتی اعظم کی روحانی برکتوں سے سب سے زیادہ فائدہ اٹھایا ہے، مفتی اعظم کی نوازشیں اہل ممبئی پر بے حد وحساب رہیں اور اہل ممبئی نے بھی مفتی اعظم کی برکتوں کو دونوں ہاتھوں سے خوب خوب لوٹا ہے۔ سنّی جمعیۃ العلما نے ممبئی کو مذہبی قیادت کا اہم موقع فراہم کیا، حضور سید العلما ایک زمانے تک اس کے صدر نشیں رہے، ایک وقت آیا کہ سید العلما نے استعفا کا عزم مصمم کرلیا، حضور مفتی اعظم کو معلوم ہوا فوراً تشریف لائے اور استعفا واپس لینے کی درخواست کی، بالآخر استعفا واپس ہوا اور پھر حالات نارمل ہوگئے، الحاج محمد سعید نوری صاحب بھی خاص طور پر مفتی اعظم کے الطاف کریمانہ کے مورد ومہبط رہے، ان کے والد گرامی اور احباب واقارب نے جب بھی یاد کیا حضرت تشریف لائے، اور اپنی دعاؤں سے نوازا، شہر ممبئی میں کئی خلفاے مفتی اعظم آپ کے فیوض وبرکات لوگوں میں تقسیم کررہے ہیں۔

لیکن اس کے باوجود مفتی اعظم کے حالات وواقعات کے باب میں ممبئی کی سرزمین سے کام بہت محدود ہے، ممبئی آپ کی اصلاحی وتبلیغی سرگرمیوں کا مرکز رہی، اس کے باوجود اس زمین کے حوالے سے کم ہی واقعات محفوظ ہیں، میرے خیال میں الحاج محمد سعید نوری صاحب کا مضمون اس سلسلے میں پہلی باضابطہ کوشش ہے، الحاج محمد سعید نوری صاحب باضابطہ قلم کار نہیں، لیکن اس کے باوجود آپ کا مضمون مواد کے لیے کافی اہم ہے۔ دوسرے ارباب عقیدت وقلم کو ان کی تقلید کرنی چاہیے، اور جو کچھ بھی ہوسکے قلم بند کرنا

چاہیے۔ علامہ محمد احمد مصباحی صاحب نے اس مضمون کی کافی پذیرائی کی بلکہ متعدد ایسے مضامین کی تحسین کی جوان لوگوں نے لکھے ہیں جو بہ حیثیت قلم کار معروف نہیں ہیں۔ اس کی وجہ وہی ہے کہ ان حضرات نے بلاتکلف سادگی کے ساتھ اپنے مافی الضمیر کوادا کر دیا ہے۔

یہاں میں بہ طور خاص امام احمد رضا سنٹرل لائبریری الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور کا تذکرہ کرنا نہ بھولوں گا جس سے میں نے تخریج و مراجعت میں بھرپور استفادہ کیا۔ آج سے ایک دہائی قبل یہ صورت حال نہ تھی، مگر آج یہ لائبریری ایک شان دار، کشادہ اور پُرسکون عمارت میں قائم ہے۔ علوم اسلامیہ کے جملہ گوشوں پر محیط ایک عظیم ذخیرہ دست یاب ہے، جس سے اہلِ فکر و تحقیق دور دور سے آکر استفادہ کرتے ہیں، خصوصیت کے ساتھ عربی زبان وادب، صرف ونحو، فصاحت و بلاغت، تفسیر اصول تفسیر، حدیث واصول حدیث، فقہ واصول فقہ، اور تاریخ کے گوشوں پر زبردست ذخیرہ موجود ہے، خاص بات یہ ہے کہ یہ سارا ذخیرہ ان طبع شدہ کتابوں کا ہے جو جدید طرز پر ایڈٹ ہو کر بیروت سے آرہی ہیں، ان کتابوں سے مراجعت اور استفادہ بہت آسان ہے۔ آخر میں ان کتابوں کی ایک مختصر فہرست شامل کر دی گئی ہے ، جن سے میں نے استفادہ کیا۔ مولانا اختر حسین فیضی مصباحی کا انتہائی درجہ ممنون ہوں جنھوں نے میرے لیے ہمیشہ لائبریری کا دروازہ کھلا رکھا، اس کی وجہ سے میرا کافی وقت بچا، مولانا دور طالب علمی سے ہی ہمارے باوقار دوستوں میں ہیں، میرے ساتھ ان کی بہت سی نیکیاں شامل حال ہیں، میں ان کا بے حد ممنون ہوں۔

یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ آج ''جہان مفتی اعظم'' کے خط وخال کو سنوار کر زیور طبع سے آراستہ ہونے کے لائق بنایا جا رہا ہے اور ایک وقت وہ بھی تھا جب علماے مبارک پور کی جانب سے فتاویٰ رضویہ کی اشاعت کے سوال پر سرکار مفتی اعظم نے ڈبڈبائی آنکھوں سے کہا تھا کہ ''آپ لوگوں کے علاوہ اور کس سے امید کی جاسکتی ہے'' اہل مبارک پور کا رشتہ شہر بریلی سے بڑا پختہ رہا ہے، انھوں نے اپنے آقاے نعمت کو محروم نہ کیا بل کہ علامہ حافظ عبد الرؤف صاحب کی قیادت میں اس کی تبییض و تصحیح کا کام مکمل ہوا، بحر العلوم حضرت علامہ مفتی عبد المنان صاحب نے اس کی نگرانی کی اور ایک مبسوط مقدمہ لکھا اور سنّی دارالاشاعت الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور سے اس کی اشاعت عمل میں آئی۔ اساتذہ اشرفیہ میں آج بھی مولانا اعجاز احمد مصباحی، مولانا احمد رضا مصباحی، مولانا عبد الشکور مصباحی، مولانا محمد احمد مصباحی، مفتی نظام الدین رضوی مصباحی، مولانا عبد الحق رضوی، حضور مفتی اعظم کے دامن کرم سے وابستہ ہیں، حضور مفتی اعظم کو مبارک پور سے ایک خاص قسم کا والہانہ لگاؤ تھا، جب بھی اہل مبارک پور نے آواز دی، آپ نے انکار نہ کیا، الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کبھی بھی آپ کے فیوض وبرکات اور احسانات سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتا، وہ بڑا تاریخی لمحہ تھا جب شہزادۂ اعلیٰ حضرت نے اپنے ہاتھوں سے اشرفیہ (مجوزہ عربی یونیورسٹی) کی بنیاد میں اپنے دست اقدس سے پہلی اینٹ رکھی تھی۔ یہ اشرفیہ ہی کی اینٹ نہیں تھی بل کہ قوم کی تقدیر تھی جسے آپ نے اپنے دست کرامت سے سلجھا دیا تھا، پھر تو اشرفیہ ایسا پھلا پھولا کہ ہر سو اسی کے جلوے مچل رہے ہیں۔

حضور مفتی اعظم کو الجامعۃ الاشرفیہ سے جو محبت اور والہانہ لگاؤ تھا اور جس طرح سے انھوں نے اس کے لیے اپنے بے تابانہ جذبات کا اظہار کیا ہے وہ ایک الگ باب ہے اور اس کی ایک سنہری تاریخ ہے، جو آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے، اندرونی صفحات کے متعدد مقامات پر اس کے بے حجابانہ جلوے نظر آئیں گے، الجامعۃ الاشرفیہ کے در و دیوار پر اس مرد قلندر کے اخلاص وللہیت کے آج بھی لافانی نقوش ثبت ہیں، اس کی محبتوں کی بھینی بھینی خوشبو آج بھی اعلان کر رہی ہے کہ وہ اگرچہ آرام فرما ہے شہر بریلی میں مگر اس کی روح آج بھی، اس کی نگاہ عنایت اس دیارِ علم وادب پر فیض بار ہے۔ الجامعۃ اشرفیہ مبارک پور کی برق رفتار ترقی اور قلمی سفر اس بات کا ناقابل تردید ثبوت ہے کہ روح مفتی اعظم نے اس شہر زرنگار کو اپنی حفاظتی حصار میں لے لیا ہے، اب کسی کو اس کی طرف ایک نگاہ

غلط انداز ڈالنے کا یارا بھی نہیں ہوسکتا۔

مفتی اعظم کی آرزوؤں کی صدائے بازگشت آج بھی اس کی فضاؤں میں سنائی دے رہی ہے، نکہت ونور میں ڈوبا ہوا وہ نورانی منظر اہل مبارک پور آج بھی نہیں بھلا پاتے، جب اپنے نوری نوری ہاتھوں سے ''رضوی دولھا'' نے اشرفیہ کی بنیاد میں اینٹ رکھی تھی، سینکڑوں علما موجود تھے، ہزار ہا ہزار انسانوں کا سمندر تھا، پورا ماحول نعرۂ تکبیر و رسالت کی صداؤں سے گونج رہا تھا اور شہزادۂ اعلیٰ حضرت بے آب و گیاہ صحرا میں ایک گلشن علم و فکر کی بنیاد رکھ کر سنت براہیمی کی رسم ادا کر رہے تھے۔

مبارک پور میں میری یہ کوشش رہی کہ جس قدر بھی ممکن ہو جلد از جلد اس کام کو نبٹا کر ممبئی کے لیے روانہ ہو جاؤں کیوں کہ دارالعلوم حنفیہ رضویہ قلابہ کی تدریسی ذمہ داریاں طویل سفر کی اجازت نہیں دیتیں۔ مگر ایسا نہ ہوسکا کیوں کہ کام کا وہ تسلسل جو اس طرح کے کاموں میں رہنا چاہیے، وہ قائم نہیں رہ سکا اور اس کی معقول وجوہات ہیں، مثلاً علامہ محمد احمد مصباحی صاحب الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے صدر المدرسین ہیں، اتنے عظیم ادارہ کے پرنسپل کو کس قدر مصروفیت یا دشواری ہوسکتی ہے اس کا اندازہ ناظرین آسانی سے کر سکتے ہیں، کام ابھی باضابطہ شروع ہی ہوا تھا کہ ششماہی امتحان سر پر آگیا، امتحانات کے پرچوں کی تیاری، امتحان گاہوں کی تقسیم، امتحان گاہوں میں نگرانوں کی تقرری، پرچوں کی فوٹو کاپی کا حصول، رول نمبر کی تیاری اور طلبہ میں ان کی تقسیم، اسی طرح مجلس برکات کے مسائل، حواشی اور مسودات و مبیضات کی نگرانی و نظر ثانی، المجمع الاسلامی اور اس کی مصروفیات، علامہ اس پر مستزاد مصباحی صاحب ان سارے مسائل سے بذات خود نپٹتے ہیں، خدا خدا کر کے امتحان ختم ہوا تو مجلس شرعی کے تحت منعقد ہونے والے ۲۰۰۶ء کے دو روزہ فقہی سمینار کا پروگرام شروع ہو گیا، جس میں دو سو سے زائد علما و فقہا نے ملک کے مختلف حصوں سے شرکت کی، علامہ مصباحی صاحب کا اس سمینار کی کامیابی میں بھرپور کردار ہوتا ہے، مقالوں کی جانچ و نظر ثانی، سوالات کی ترتیب اور خلاصہ مباحث کی تیاری، یہ وہ زہرہ گداز کام ہے کہ پتھر پر بھی ڈال دیا جائے تو سیسہ بن کر پگھل جائے، مگر اساتذہ اشرفیہ خصوصاً علامہ مفتی محمد نظام الدین صاحب رضوی جنرل سکریٹری مجلس شرعی، علامہ مصباحی صاحب کی نگرانی اور حضرت سربراہ اعلیٰ کی سرپرستی میں انجام دیتے ہیں، الجامعۃ الاشرفیہ میں مقیم ہونے کی وجہ سے اس طرح کے پروگراموں سے راقم کا بھی متاثر ہونا لازمی تھا اور جب اس سمینار سے چھٹی ملی تو کچھ دنوں بعد دو روزہ بین الاقوامی میڈیا سمینار کی تیاریاں شروع ہو گئیں، جو علامہ مبارک حسین مصباحی صاحب چیف اڈیٹر ماہنامہ اشرفیہ کی قیادت میں منعقد ہونے والا تھا۔ یہ اپنی نوعیت کا پہلا سمینار تھا جو کسی بھی سنّی تنظیم کی جانب سے انعقاد پذیر ہوا یہ بڑا کھلا ہوا اور معلومات افزا پروگرام تھا۔ اس لیے راقم السطور نے بھی باضابطہ شرکت کی۔ ان سب مسائل سے فارغ ہوتا ہوا اب اداریہ کی نقشہ سازی میں مصروف ہوں یہاں کا ماحول یہ ہے کہ بجلی آتی ہے، چلی جاتی ہے، گرمی بڑھ رہی ہے، قلم حرکت میں آتا ہے تو پسینہ بھی حرکت میں آجاتا ہے۔ جوں جوں کام سمٹتا جا رہا ہے، طبیعت میں انشراح و اطمینان حاصل ہوتا جا رہا ہے۔

حضرت ناظم اعلیٰ صاحب سے جب میں نے سرکار مفتی اعظم کے بارے میں جاننا چاہا تو انھوں نے کہا کہ آخری بار جب حضور مفتی اعظم مبارک پور تشریف لائے تھے اس وقت میں مدرسہ اشرفیہ (واقع گولہ بازار، قصبہ مبارک پور) میں درجہ پرائمری کا طالب علم تھا، وہیں پر دور سے حضرت کو دیکھا تھا، قریب جانے کی ہمت نہ پڑی تھی اس کے لیے بڑے بوڑھے لوگ حضرت کو گھیرے ہوئے تھے۔ بس اتنا یاد ہے کہ اہل مبارک پور پروانوں کی طرح حضرت پر ٹوٹے پڑ رہے تھے، ایسا نورانی اور خوب صورت چہرہ میں نے آج تک کسی بھی عالم دین کا نہیں دیکھا۔ گویا حضور مفتی اعظم کے فیضان کرم سے آپ بھی محروم نہ رہے، اور اس طرح وہ بچہ جو کبھی اشرفیہ کے درجہ پرائمری کا

طالب علم ہوا کرتا تھا آج الجامعۃ الاشرفیہ (مجوزہ عربی یونیورسٹی) کا ناظم اعلیٰ ہے، مولیٰ تعالیٰ ان کو فیضان مفتی اعظم سے خوب خوب نہال فرمائے۔آمین

آخر میں مجاہد سنیت حضرت الحاج سرفراز احمد ناظم اعلیٰ دارالعلوم اشرفیہ کا بھی مشکور وممنون ہوں، جنھوں نے کمپیوٹر سنٹر میں مقالات کی اصلاح کے لیے بعض انتظامی مسائل کے باوجود پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی سہولت فراہم کی۔ یقیناً یہ سہولت اگر فراہم نہ ہوتی تو مبارک پور سے ممبئی اور ممبئی سے دہلی کا سفر ناگزیر ہو جاتا۔ اور اس جاں سوز مشقت کے باوجود بہت سی لفظی ومعنوی خامیوں کا در آنا اس پر مستزاد، جو اس ضخیم نمبر کی اشاعت کی معنویت وافادیت پر سوالیہ نشان لگا سکتی تھیں۔ مولائے کریم ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ حضرت ناظم اعلیٰ صاحب بڑے دیدہ ور اور صاحب نظر ترقی پسند اور روشن خیال فکر کے مالک ہیں۔ ان کے دورِ نظامت میں اشرفیہ نے بڑی ترقیاں کی ہیں۔

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں مولانا محمد قاسم مصباحی، مولانا حسیب اختر مصباحی، جناب مہتاب پیامی (شعبۂ کمپیوٹر) جدید مقالات کی کمپوزنگ اور کمپوز شدہ مضامین کی اصلاح میں اپنی خدمات پیش کرنے میں کبھی بھی کوتاہی سے کام نہ لیا۔ شہزادۂ عزیز ملت حضرت مولانا محمد نعیم الدین مرادآبادی مصباحی عزیزی ہر گام پر سائبان کی طرح فروغ نظر بنے رہے۔ ہم سب کے مرکز عقیدت ومحبت، سرمایۂ ملک وملت، عزیز ملت حضرت مولانا شاہ عبدالحفیظ مصباحی، سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کی نگہ کرم کی تابانیاں اتنی تابدار رہیں کہ اُن سے نگاہیں ملانے کی قلم میں تاب نہیں۔ مولیٰ تعالیٰ ان تمام حضرات کو اپنے خزانۂ عامرہ سے بہتر سے بہتر اجر عطا فرمائے۔

اراکان رضا اکیڈمی، محمد عارف رضوی، سہیل احمد رضوی روکاڑیا، حاجی عبدالغفار رضوی عرف بابو بھائی، محمد ناظم خان اور بطور خاص الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں ہمارے رفیق درس مولانا محمد اسلم رضا مصباحی کٹیہاری شکریہ کے مستحق ہیں جنھوں نے شب وروز ایک کر کے ''جہانِ مفتی اعظم'' کی اشاعت کے مرحلے کو آسان بنایا۔ قارئین ان سب حضرات کو اپنی دعاؤں میں ضرور یاد رکھیں۔ اگر اس نمبر میں کچھ حسن وخوبی ہے تو وہ مقالہ نگاروں اور ہمارے رفیق وشفیق اساتذہ کی عنایتیں ہیں اور اگر کچھ قصور ہے تو اس عاجز فقیر مقبول احمد مصباحی کا حصہ ہے۔

خوب کی سیرِ چمن پھول چنے شاد رہے
باغباں جاتا ہوں اب گلشن تیرا آباد رہے

یکے از گدایانِ کرم مفتی اعظم

مقبول احمد سالک مصباحی

رکن رضا اکیڈمی واستاذ دارالعلوم حنفیہ رضویہ، قلابہ، ممبئی
سب ایڈیٹر اردو ہفت روزہ مسلم ٹائمز
۱۵-۰۲-۲۰۰۷

نوٹ: زیرنظر اداریہ کل تقریباً ۱۱۶ صفحات پر مشتمل ہے۔لیکن بہ سبب طوالت خاص حصے ہی پیش کیے جا سکے۔اس کی وجہ سے ممکن ہے قاری مجموعی طور پر مضمون میں بے ربطی یا تشنگی محسوس کرے۔انشاءاللہ عنقریب پورا مضمون کتابی شکل میں شائع ہو کر نذرِ قارئین ہوگا۔

مصادر و مآخذ تخریجات

۱)موسوعۃ اطراف الحدیث	( )	ابو ہاجر محمد سعید بن بسیونی زغلول	دار الکتب العلمیۃ، بیروت
۲)مرقاۃ المفاتیح	(۱۴۲۲ھ)	شیخ علی بن سلطان محمد القاری	دار الکتب العلمیۃ، بیروت
۳)جامع الاحادیث	(۱۴۲۴ھ)	امام حافظ جلال الدین سیوطی	دار الفکر، بیروت
۴)مجمع الزوائد منبع الفوائد	(۱۴۲۵ھ)	حافظ نور الدین علی بن ابو بکر تیمی	دار الفکر، بیروت
۵)شرح الزرقانی علی مؤطا امام مالک	( )	محمد بن عبد الباقی الزرقانی	درا الکتب العلمیہ، بیروت
۶)جواہر البحار فی الاحادیث الصحیحہ	(۱۴۱۹ھ)	الشیخ عبد اللہ التلیدی	دار البشائر الاسلامیہ، بیروت
۷)اوجز المسالک الی مؤطا امام مالک	(۱۴۲۰ھ)	شیخ محمد زکریا بن محمد الکاندھلوی	درا الکتب العلمیہ، بیروت
۸)معارفۃ السنن وال آثار	(۱۴۲۲ھ)	شیخ ابو بکر احمد ابن الحسین البیہقی	دار الکتب العلمیہ، بیروت
۹)مسند الامام احمد	(۱۴۱۶ھ)	الامام احمد بن حنبل الشیبانی	موسسۃ الرسالہ، بیروت
۱۰)صحیح ابن حبان	(۱۴۱۷ھ)	امیر علاء الدین علی بن بلبان الفارسی	دار الفکر، بیروت
۱۲)شرح السنۃ	(۱۴۱۹ھ)	ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی	دار الفکر، بیروت
۱۳)النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر	(۱۴۲۱ھ)	امام مجد الدین ابی السعادات الجزری	دار الفکر، بیروت
۱۴)مشارق الانوار علی معانی الآثار	(۱۴۲۳ھ)	قاضی ابو الفضل عیاض المالکی	دار الکتب، بیروت
۱۵)نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ	(۱۴۱۸ھ)	حافظ جمال الدین ابی محمد الزیلعی الحنفی	موسسۃ الریان،
۱۶)شعب الایمان	(۱۴۲۱ھ)	امام ابی بکر احمد بن الحسین البیہقی	دار الکتب العلمیۃ، بیروت
۱۷)مسند ابی یعلی الموصلی	(۱۴۱۸ھ)	ابو یعلی احمد بن علی الموصلی	دار الکتب العلمیۃ، بیروت
۱۸)السنن الکبری	(۱۴۱۱۹ھ)	حافظ ابو بکر احمد بن الحسین البیہقی	دار الفکر، بیروت
۱۹)سنن ابی داؤد	(۱۴۲۲ھ)	حافظ ابی داؤد سلیمان السجستانی	دار المعرفۃ، بیروت
۲۰)صحیح مسلم	(۱۴۲۵ھ)	امام ابو الحسین مسلم بن الحجاج القشیری	دار الکتاب العربی، بیروت
۲۱)صحیح البخاری	(۱۴۲۵ھ)	امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری	دار الکتاب العربی، بیروت
۲۲)ذخائر المواریث	(۱۴۱۹ھ)	امام عبد الغنی بن اسماعیل النابلسی	مکتبۃ عباس احمد الباز، مکۃ المکرمہ

۲۳)سنن الترمذی	(۱۴۲۱ھ)	ابوعیسی محمد بن عیسی الترمذی	داراحیاء التراث العربی، بیروت
۲۴)المستدرک علی الصحیحین	(۱۴۰۶ھ)	امام ابی عبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم النیسابوری	دارالمعرفہ، بیروت
۲۵)المطالب العالیہ	(۱۴۲۴ھ)	حافظ شہاب الدین ابن حجر العسقلانی	دارالکتب العلمیۃ، بیروت
۲۶)مسند الفردوس بماثور الخطاب	(۱۴۰۶ھ)	ابی شجاع شبرویہ بن شہردار الدیلمی	دارالکتب العلمیۃ، بیروت
۲۷)شرح الطیبی علی المشکاۃ	(۱۴۱۳ھ)	امام شرف الدین بن حسین الطیبی	ادارۃ القرآن، کراچی
۲۸)تفسیر الطبری (جامع البیان)	(۱۴۲۰ھ)	ابوجعفر محمد بن جریر الطبری	دارالکتب العلمیۃ، بیروت
۲۹)تفسیر خازن مسمی بلباب التاویل	(۱۴۱۵ھ)	علاء الدین علی بن محمد الخازن	دارالکتب العلمیۃ، بیروت
۳۰)التفسیر الکبیر مسمی بمفاتیح الغیب	(۱۴۲۱ھ)	امام فخر الدین محمد بن عمر الرازی	دارالکتب العلمیۃ، بیروت
۳۱)حاشیۃ القونوی (علی البیضاوی)	(۱۴۲۲ھ)	عصام الدین اسماعیل بن محمد الحنفی	دارالکتب العلمیۃ، بیروت
۳۲)الجواہر فی تفسیر القرآن	(۱۴۲۵ھ)	شیخ طنطاوی مصری	دارالکتب العلمیۃ، بیروت
۳۳)احکام القرآن	(۰۰۰۰)	ابوبکر محمد بن عبداللہ بن العربی	دارالمعرفہ، بیروت
۳۴)تاویلات اہل السنۃ	(۱۴۲۵ھ)	ابومنصور محمد بن محمد الماتریدی	موسسۃ الرسالہ، بیروت
۳۵)زاد المسیر فی علم التفسیر	(۱۴۲۲ھ)	جمال الدین عبدالرحمن بن علی الجوزی	دارالکتب العلمیۃ، بیروت
۳۶)الدر المنثور فی التفسیر الماثور	(۱۴۱۴ھ)	حافظ عبدالرحمن جلال الدین السیوطی	دارالفکر، بیروت
۳۷)تفسیر الجلالین	(۱۴۱۸ھ)	حافظ عبدالرحمن جلال الدین السیوطی	دارالفکر، بیروت
۳۸)تفسیر النسفی (مدارک التنزیل)	(۱۴۲۱ھ)	عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی	دارالمعرفہ، بیروت
۳۹)تفسیر القرآن العظیم	(۱۴۱۲ھ)	حافظ عماد الدین ابن کثیر الدمشقی	المتکتبۃ التجاریۃ، مکۃ المکرمۃ
۴۰)تنویر المقباس فی تفسیر ابن عباس	(۱۴۲۵ھ)	حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ	دارالکتب العلمیۃ، بیروت
۴۱)حاشیۃ الصاوی علی الجلالین	(۱۴۲۱ھ)	علامہ احمد بن محمد الصاوی المصری	دارالفکر، بیروت
۴۲)الفتوحات الالہیۃ علی الجلالین	(۱۴۱۶ھ)	امام سلیمان بن عمر عجیلی الشافعی	دارالکتب العلمیۃ، بیروت
۴۳)اعراب القرآن	(۱۴۲۱ھ)	امام ابی جعفر احمد بن النحاس	دارالکتب العلمیۃ، بیروت
۴۴)المعجم الموضوعی لآیات القرآن	(۱۴۲۰ھ)	حسان عبدالمنان	بیت الافکار الدولیۃ، بیروت
۴۵)تفسیر القرآن العظیم	(۱۴۲۴ھ)	حافظ عبدالرحمن بن ابی حاتم الرازی	دارالفکر، بیروت
۴۶)تفسیر البیضاوی المسمی بانوار التنزیل	(۱۴۱۶ھ)	امام قاضی ناصر الدین بن محمد الشیرازی	دارالفکر، بیروت
۴۷)الکشف والبیان فی تفسیر القرآن	( )	امام ابواسحاق احمد بن محمد الثعلبی	دارالکتب العلمیۃ، بیروت
۴۸)اسباب النزول	(۰۰۰۰)	امام ابوالحسن علی بن احمد النیسابوری	دارالمعرفہ، بیروت
۴۹)تفسیر القشیری	(۱۴۲۰ھ)	امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن النیسابوری	دارالکتب، بیروت
۵۰)المحیط البرہانی	(۱۴۲۴ھ)	امام برہان الدین ابن مازۃ البخاری الحنفی	دارالکتب العلمیۃ، بیروت

۵۱)الاستذکار	(۳۲۴۱ھ)	حافظ ابی عمر یوسف بن عبداللہ	دار الکتب العلمیۃ، بیروت
۵۲)ردالمحتار علی الدر المختار	(۴۲۴۱ھ)	محمد امین ابن عابدین الشامی	دار الکتب العلمیۃ، بیروت
۵۳)شرح فتح القدیر	(۴۲۴۱ھ)	امام کمال الدین ابن الہمام الحنفی	دار الکتب العلمیۃ، بیروت
۵۴)الفتاوی التاتارخانیۃ	(۵۲۴۱ھ)	علامہ عالم بن العلاء الانصاری الدہلوی	داراحیاء التراث الاسلامی، بیروت
۵۵)الفتاوی الولوالجیۃ		ابوالفتح اظہر الدین ابن عبدالرزاق الولوالجی	دار الکتب العلمیۃ، بیروت
۵۶)العطایا الاحمدیہ	(۲۰۰۲ھ)	صاحب زادہ مفتی اقتدار احمد خاں نعیمی	مکتبہ رضویہ، دہلی
۵۷)الفتاوی الہندیۃ	(۱۲۴۱ھ)	علامہ شیخ نظام الدین واعوانہ	دار الکتب العلمیۃ، بیروت
۵۸)البحر الرائق	(۸۱۴۱ھ)	شیخ زین الدین ابن نجیم المصری الحنفی	دار الکتب العلمیۃ، بیروت
۵۹) کنز الدقائق	(۸۱۴۱ھ)	امام ابی البرکات بن احمد النسفی	دار الکتب العلمیۃ، بیروت
۶۰)منحۃ الخالق	(۸۱۴۱ھ)	محمد امین ابن عابدین الشامی	دار الکتب العلمیۃ، بیروت
۶۱)الدر المختار	(۸۱۴۱ھ)	علامہ علاء الدین الحصکفی	دار الکتب العلمیۃ، بیروت
۶۲)شرح معانی الآثار	(۲۲۴۱ھ)	امام ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی الحنفی	دار الکتب العلمیۃ، بیروت
۶۳)جد الممتار	(۰۰۰۰)	امام احمد رضا خان قادری	المجمع الاسلامی، مبارک پور
۶۴)کتاب المبسوط	(۱۲۴۱ھ)	امام شمس الدین ابوبکر محمد السرخسی	دار الفکر، بیروت
۶۵)بدائع الصنائع	(۷۱۴۱ھ)	امام علاء الدین ابوبکر الکاسانی	دار الفکر، بیروت
۶۶)مجمع الانہر	(۲۲۴۱ھ)	شیخی زادہ عبدالرحمن داماد آفندی	داراحیاء التراث العربی، بیروت
۶۷)ملتقی الابحر	(۲۲۴۱ھ)	امام ابراہیم بن محمد الحلبی	داراحیاء التراث العربی، بیروت
۶۸)ابریز شریف	(۸۱۴۱ھ)	سیدی احمد بن المبارک السجلماسی المالکی	دار الکتب العلمیۃ، بیروت
۶۹)میزان الشریعۃ الکبری	(۹۱۴۱ھ)	عبدالوہاب بن احمد الشافعی المصری الشعرانی	دار الکتب العلمیۃ، بیروت
۷۰)اتحاف السادۃ المتقین	(۳۲۴۱ھ)	علامہ سید محمد بن محمد الحسینی الزبیدی	دار الکتب العلمیۃ، بیروت
۷۱)احیاء علوم الدین	(۰۰۰۲ء)	ابوحامد محمد بن محمد الطوسی الشافعی الغزالی	دار صادر، بیروت
۷۲)الصحاح	(۹۱۴۱ھ)	ابونصر اسماعیل بن حماد الجوہری	دار الفکر، بیروت
۷۳)معجم البلدان	(۰۱۴۱ھ)	امام شہاب الدین یاقوت الحموی	دار الکتب العلمیۃ، بیروت
۷۴)معجم الادباء	(۵۵۳۱ھ)	امام شہاب الدین یاقوت الحموی	داراحیاء التراث، بیروت
۷۵)اساس البلاغۃ	(۳۲۴۱ھ)	امام جاراللہ محمود بن عمر الزمخشری	المکتبۃ العصریۃ، بیروت
۷۶)لسان العرب	(۰۰۰۲ء)	علامہ ابوالفضل محمد بن مکرم	دار صادر، بیروت
۷۷)غریب الحدیث	(۱۳۹۶ھ)	ابوعبید القاسم بن سلام الہروی	دار الکتاب العربی، بیروت
۷۸)تفسیرات احمدیہ	( )	شیخ احمد ملاجیون جونپوری	المکتبۃ الاشرفیہ، دیوبند

۷۹)حلبی کبیر	(　　)	علامہ ابراہیم الحلبی الشافعی	مصطفی البابی مصری
۸۰)المدخل	(　　)	امام ابن الحاج المالکی الفاسی	مکتبہ دارالتراث، القاہرہ
۸۱)شفاشریف	(　　)	علامہ قاضی عیاض الحصکفی	مرکز اہلِ سنّت پور بندر، گجرات
۸۲)المعتمد المستند	(　　)	علامہ فضلِ رسول بدایونی	المجمع الاسلامی، مبارک پور
۸۳)المعتقد المنتقد	(　　)	الامام احمد رضا القادری	المجمع الاسلامی، مبارک پور
۸۴)نسیم الریاض	(　　)	علامہ احمد شہاب الدین الخفاضی المصری	مرکز اہلِ سنّت پور بندر، گجرات
۸۵)حدوث الفتن	(　　)	علامہ محمد احمد مصباحی	المجمع الاسلامی، مبارک پور

☆☆☆☆☆☆☆

پہلا باب

مفتی اعظم کی زندگی ایک کھلی ہوئی کتاب کی طرح روشن اور بے غبار ہے ، آپ کا ظاہر و باطن یکساں تھا، جیسا کہ ڈاکٹر محب الحق صاحب نے اپنے مقالہ مشمولہ زیر نظر مجموعہ میں اس کی جانب اشارہ کیا ہے ۔ علامہ سید شاہد علی رضوی نے انتہائی عرق ریزی کے ساتھ مفتی اعظم کا سوانحی خاکہ مرتب فرمایا ہے جو انتہائی جامع اور معلومات افزا ہے ۔ یہ مضمون اس سے قبل خلفاے مفتی اعظم ہند (مولفہ مولانا شہاب الدین رضوی) میں بہ طور مقدمہ چھپ کر قبول عام حاصل کرچکا ہے ۔ علامہ محمد احمد مصباحی صاحب نے اس مضمون کی مزید تہذیب و تنقیح کرکے اس کے پایہ ثبات و اعتبار کو اور بھی مستحکم کردیا ہے ۔ مقالہ کے بعض حصوں کو اطناب و اعادہ کی وجہ سے قصداً حذف کردیا گیا ہے ۔ موصوف نے اس مضمون میں مفتی اعظم کا حلیہ، عادات و اطوار، سیرت و کردار، تعلیم و تربیت، نشو و نما، تحصیل علوم و فنون، فراغت، تدریسی زندگی، فتوی نویسی، جرأت و بسالت، بیعت و ارادت، ارشاد و تبلیغ، اجازت و خلافت، اسناد حدیث، سلسلۂ تلمذ، دینی خدمات، اصلاحی کارنامہ، علمی افادات، تصنیفات و تالیفات اور اختصار کے ساتھ خلفا و تلامذہ کی اجمالی فہرست، بڑی ہی پرکاری اور جامعیت کے ساتھ پیش کیا ہے ۔ زیر نظر مقالے کے ساتھ صدر العلما علامہ محمد احمد مصباحی کا مفید نوٹ بھ
تنقید براے تنقید نہیں، بل کہ عالم اسلام کے اس رجل عظیم کے تعلق سے صحیح ترین معلومات و حقائق پہونچانے کی کامیاب سعی ہے ، مقالہ نگار یا ان کے احباب کو اس نوٹ کو معروضی انداز میں دیکھنا چاہیے ۔ اور علامہ مصباحی صاحب نے اس مقالہ کی تہذیب و تنقیح میں جو جگر کاوی کی ہے اس کے لیے مشکور ہونا چاہیے ۔ اگلے صفحات میں مقالہ حاضر ہے ۔

سوانحی خاکہ کا ہی ایک حصہ مفتی اعظم کے والد گرامی امام احمد رضا قادری کی ذات بابرکات بھی ہے ، جنھوں نے شہرت و عظمت کے آخری بلندیوں کو چھولیا ہے ، جن کے قد عظیم کے سامنے بڑے بڑے عقلاے روزگار بونے نظر آتے ہیں، فاضل گرامی مولانا نفیس احمد مصباحی نے بڑے اختصار و جامعیت کے ساتھ امام موصوف کی زندگی کے بیشتر حصوں کا اس طور پر احاطہ کرلیا ہے اگر اسے مستقل رسالہ کی شکل میں بھی شائع کیا جائے ، تو بھی اس کی افادیت میں کچھ کمی نہ آئے گی ارادہ تھا کہ علامہ نقی علی خاں اور حضرت حجۃ الاسلام کے تذکرے کو اس باب میں جگہ دی جائے ، مگر وقت کی قلت نے اجازت نہ دی۔ در اصل ایک مستقل باب خاندانی حالات کے تحت ہونا چاہیے تھا جو قلت وقت کی وجہ سے نہ ہوسکا ۔ مرتب نے اس طرف رجوع کیا تو یہ موضوع کافی تشنہ معلوم ہوا ۔ اندازہ یہ ہے کہ ابھی تک کسی اہل قلم نے مستقلاً اس کو موضوع قلم نہیں بنایا ہے ، جب کہ اس موضوع پر سیر حاصل بحث کے بغیر امام موصوف اور آپ کے خانوادے کی خدمات اور اس کے تاریخی پس منظر کے تعلق سے انصاف نہیں کیا جاسکتا ہے ۔ حضور مفتی اعظم اور حجۃ الاسلام کے بعد بھی اس خانوادے میں کافی ترقی اور وسعت آئی ہے ، قدیم و جدید کو سمیٹنے کی ضرورت ہے ۔ مرتب کو اگر کبھی موقع میسر آیا ہے تو اس موضوع سے ضرور عہدہ برآ ہونے کی کوشش کرے گا ۔

مقبول احمد سالک مصباحی

از: مولانا محمد احمد مصباحی
الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

نوٹ:-مولانا سید شاہد علی رضوی کا یہ شاہ کار مضمون مفتی اعظم اور ان کے خلفا جلد اول مرتبہ محمد شہاب الدین رضوی کے شروع میں شائع ہوا۔مولانا نے بڑی محنت وعرق ریزی سے لکھا اس میں ان کی محبت وعقیدت بھی کار فرما رہی۔مگر جہاں تک ہو سکا تحقیق سے کام لیا اور غیر مستند باتوں سے پرہیز کیا۔ساتھ ہی یہ خواہش ظاہر فرمائی کہ اگر کوئی غیر مستند یا غیر معیاری بات آ گئی ہو تو مطلع کریں تا کہ آئندہ اشاعت میں تصحیح کر دی جائے۔اس کی غرض سے کتاب کا ایک نسخہ انھوں نے برادر گرامی مولانا عبد المبین نعمانی کو سپرد بھی کیا تھا۔مگر پوری طرح فرمائش کی تعمیل کر کے کتاب انھیں واپس نہ کر سکے۔اب جب کہ یہ مضمون اپنی گراں بہا معلومات اور افادیت کے باعث دوبارہ زیر نظر اس مجموعہ میں شامل اشاعت کیا جانے لگا۔تو ضروری تھا کہ اس پر نظر ثانی کر لی جائے۔اکثر و بیشتر مستند حوالے ملے،بعض مآخذ مثلاً پندرہ روز''رفاقت'' کا مفتی اعظم نمبر،ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی کی کتاب''مفتی اعظم''وغیرہ بروقت نہ مل سکے اور زیر نظر مضمون میں یہ صراحت نہیں کہ ان مآخذ میں حوالہ سے متعلق مضمون کہاں سے لیا گیا،اس لیے چند باتیں تحقیق طلب رہ گئیں۔کام مکمل کرنے کی عجلت بھی ہے۔ہاں چند مقامات پر غیر مستند یا روایت کے خلاف روایتیں آ گئی تھیں انھیں حذف کر دیا گیا۔مثلاً صرف کرامات مفتی اعظم از راز الہ آبادی اور مشہور افسانوی حکایت نگار وقار صدیقی کے مضمون مشمولہ مفتی اعظم نمبر استقامت کانپور کے حوالے سے جو بھی مضامین آئے یکسر ساقط کر دیے گئے۔اول الذکر کتاب سے بے زاری اور اس کی بے اعتباری کا اظہار خود سرکار مفتی اعظم قدس سرہ نے فرمایا جو مجھ سے مفتی مجیب اشرف رضوی اور مفتی محمد اعظم رضوی نے بیان کیا۔اس کے علاوہ بعض حضرات نے یہ بھی بتایا کہ ہم نے واقعہ مختصر لکھ کر دیا مگر راز صاحب نے اس پر اس قدر مبالغہ آرائی فرمائی کہ کذب کی حد میں داخل کر دیا۔وقار صدیقی کا مضمون اکثر یا کل اسی سے ماخوذ ہے نمبر تیار ہونے سے پہلے مدیر استقامت نے مجھ سے بتایا تھا کہ وقار صدیقی کا مضمون حاصل کرنے کے لیے سفر پاکستان میں بڑی کوشش کرنی پڑی ان سے مل کر مدعا بتایا تو انھوں نے مواد طلب کیا۔کرامت مفتی اعظم اور ایک مختصر کتابچہ میں نے دے دیا۔میں نے مدیر استقامت سے کہا کہ یہ ساقط الاعتبار کتاب آپ نے کیوں دی؟بولے،کیا کروں،وہاں کوئی دوسری کتاب یا مضامین دستیاب ہی نہ تھے۔''افسوس یہ ہے کہ بعض وہ لوگ جنھیں''کرامات راز''سے احتراز تھا وہ بھی استقامت اور وقار صدیقی کے توسط سے اس میں پھنس گئے چوں کہ اس مضمون میں کسی کتاب کا حوالہ نہیں اور انداز بہت دل پزیر ہے اس لیے قاری کو گمان ہوتا ہے کہ اس کا کوئی مستند ماخذ ضرور ہوگا،اس طرح وہ بعینہ نقل کر لیتا ہے اور سمجھتا ہے میں نے سچی بات نقل کی ہے۔

اسی طرح حضور مفتی اعظم قدس سرہ کے مجدد ہونے نہ ہونے کا تذکرہ آنے سے قصداً گریز کیا گیا ہے۔مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے گونا گوں کمالات ومحاسن،ان کی عظمت وسربلندی،اور ان کے امتیاز وانفرادیت کے اعلان کے لیے کافی ووافی ہیں۔رب کریم نے انھیں جس جلالت ومقبولیت سے نوازا وہ ہماری زبان وقلم سے دعوائے مجددیت کے پیوند کی محتاج نہیں۔جن کے ممدوحین کے پاس نہ ایسا عظیم تقویٰ ہو،نہ ایسا رفیع علم وعرفان،نہ ایسی وسیع وعریض مخلصانہ خدمات وہ اگر اپنے ممدوحین کا قد اپنے دعوائے مجددیت کے سہارے بلند کرنے کی کوشش کریں تو وہ اپنے ہدف کے پیش نظر اس کے محتاج ہیں مگر ہم اس سے بے نیاز ہیں۔جو لوگ اپنے ممدوحین کے لیے اس طرح کی کوشش

اور کہیں سازش میں لگے ہوئے ہیں وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ مجدد کے لیے کس درجے کا علم وعرفان چاہیے۔ کیسا زہد وتقویٰ، کیسی ژرف نگاہی اور کیسی خدمات ہونا چاہیے۔

مفتی اعظم قدس سرہ کے تذکرے کے ساتھ انھیں بہت سے لوگوں نے پندرہویں صدی کا مجدد لکھ ڈالا۔ اس کے لیے مولانا رحم الٰہی منگلوری علیہ الرحمہ کی زبان پر ایک تاریخ ولادت بھی گڑھی گئی ''طبیب دین احمد ابن مجدد اعظم'' مگر افسوس کہ اس کے عدد ۱۳۱۰ھ ہوتے ہیں اس کے علاوہ بقول شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق علیہ الرحمہ ''۱۳۱۰ھ تک اعلیٰ حضرت قدس سرہ کو بھی مجدد نہ کہا گیا تھا، مجدد اعظم کہنا تو بہت دور کی بات ہے۔'' لیکن اب کسی صاحب نے اس سوال کا جواب نہ دیا کہ مفتی اعظم قدس سرہ پندرہویں صدی کے مجدد تھے تو پندرہویں صدی میں انھوں نے صرف ایک سال تیرہ دن گزار کر سفر آخرت اختیار کیا۔ اور اخیر عمر کے ایک دو سال حالت استغراق میں گزرے۔ نماز ادا کر چکے ہوتے پھر پڑھنے کو کہتے، تو حاضرین یاد دلاتے۔ حضور یہ نماز آپ کچھ دیر پہلے پڑھ چکے ہیں اور بھی بہت سی ایسی باتیں استغراق کی وجہ سے ظاہر ہوئیں۔ اس لیے ایک سال کا عرصہ تجدیدی کارناموں کی وجہ سے خالی ہی گزرا۔ ان کی عظیم خدمات جو بھی منظر خاص وعام پر رونما ہوئیں وہ سب چودہویں صدی میں تھیں۔ جس صدی کا انھیں مجدد کہا جاتا ہے۔ اس صدی میں ان کی خدمات کیا ہیں؟

جب تک سوال کا شافی جواب نہ دے دیا جائے ہم سرکار مفتی اعظم قدس سرہ کی ذات کو ''مجددیت'' کا مبحث اور محل نزاع بنانا ہرگز پسند نہیں کریں گے۔ اعلم علمائے عصر، افقہ فقہائے دہر، اور اہل زمانہ جیسے سچے اور بے نزاع القاب وخطابات ان کی انفرادیت بتانے کے لیے یوں ہی کافی ہیں۔ مجدد کا خطاب ان پر راست ہو یا نہ ہو، عند اللہ اور عند الناس ان کی جو قرار واقعی مقبولیت ہے ہماری عقیدت کی تشفی کے لیے وہی کافی ہونا چاہیے۔

چودہ صدیوں کی تمام مجددین کے اسما یک جا کیے جائیں تو کل اسما پچاس سے زیادہ نہ ہوں گے۔ کیا ان حضرات کے علاوہ جو علما، عرفا، صلحا، اولیا، اقطاب، اغواث گزرے تھے ان میں ان مجددین کے مشائخ اور مشائخ کے مشائخ، اساتذہ اور اساتذہ کے اساتذہ بھی ہیں جو علم وعرفان میں عموماً ان سے ارفع واعلیٰ ہی ملیں گے، ان کی دینی وعلمی خدمات بھی ایک سے ایک عظمت کی حامل ملیں گی۔ کیا دنیا نے ان کی تعظم وتکریم میں کوئی کمی کی؟ کیا انھیں ان کے شاگردوں اور ان کے مریدوں سے کم تر جانا؟ مجدد نہ جانتے، نہ مانتے ہوئے بھی جس اعزاز واکرام کے وہ مستحق تھے حتی المقدور معتقدین نے اس میں کوئی فروگزاشت روا نہ رکھی یہی معاملہ سرکار مفتی اعظم قدس سرہ کے ساتھ بھی ہوسکتا ہے۔ ایک قابل اعتراض اور محل نزاع مسئلہ کھڑا کرنے اور بے موقع فکری، قلمی، لسانی توانائیاں صرف کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ''واللہ الهادی الی سواء السبیل''

اسی طرح اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے زمانے میں یا اعلیٰ حضرت کی زبان سے مفتی اعظم کا خطاب ملنے کی بات صحیح روایت اور درایت کے بالکل خلاف ہے، اس لیے حذف کی گئی۔ سید اعجاز حسین بریلوی مدیر ماہنامہ اعلیٰ حضرت نے دعویٰ کیا ہے کہ اعلیٰ حضرت نے یہ خطاب دیا مگر اس پر کوئی ثبوت فراہم نہ کیا۔ یہ خود اس وقت نہ تھے۔ اور کسی ثقہ راوی کا حوالہ بھی نہیں دیتے، ایسی روایت کسی اور کے کلام میں بھی نہیں ملتی، اس لیے اس کا اعتبار نہیں۔ خصوصاً ایک روایت اگر صدر الافاضل سے منقول ہے تو یہ کہ دوسرے حضرات نے اعلیٰ حضرت کے زمانے میں مفتی اعظم کہا اور اعلیٰ حضرت نے برقرار رکھا۔ پھر بعد کا آدمی بلا سند یہ دعویٰ کرے کہ خود اعلیٰ حضرت نے خطاب دیا تو کیوں کر مسموع ہوسکتا ہے؟ صدر الافاضل علیہ الرحمہ کے حوالے سے جو بات نقل ہے اس میں مجھے کسی راوی کے سہو کا غالب گمان ہے معترض جچة

الاسلام مولانا حامد رضا خان علیہ الرحمہ کے مرید رہے ہوں گے۔انھوں نے کہا ہوگا کہ یہ کب سے مفتی اعظم ہو گئے؟ صدر الافاضل نے جواب دیا ہوگا کہ اپنے پیر ''بڑے حضرت'' سے پوچھو کہ ان کے زمانے میں مفتی اعظم لکھا اور کہا گیا انھوں نے کیسے برقرار رکھا؟ (اس زمانے میں حجۃ الاسلام کو بڑے حضرت اور مفتی اعظم کو چھوٹے حضرت کہا جاتا تھا) یہ بات روایت وشواہد کے مطابق قرینِ قیاس بھی ہے۔اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے زمانے میں اہم فتاویٰ اعلیٰ حضرت ہی لکھتے۔بل کہ اکثر فتاویٰ خود ہی تحریر فرماتے، کچھ سوالات تربیت پانے والے حضرات کو دیتے وہ جوابات لکھتے پھر نظر ثانی اور اصلاح وتصدیق ہوتی۔اس وقت خود اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ارشاد موجود ہے کہ یہاں کے موجودین میں افقہ مولانا امجد علی ہیں۔اور ذیلی کارافتا بھی زیادہ وہی انجام دیتے، اخیر عمر میں صدر قاضی اسلام انھیں کو بنایا، پھر ان کے ہوتے ہوئے ہمارے حضرت کو مفتی اعظم کا خطاب دینا، اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی شان سے بہت بعید ہے۔اور دیگر حضرات سے بھی بعید ہے کہ زیادہ فتاویٰ اعلیٰ حضرت لکھیں اور چند فتاویٰ کبھی کبھی ان کے تلامذہ لکھ دیا کریں تو ان میں سے سب کو چھوڑ کر ایک صاحب کو لوگ مفتی اعظم کہنا شروع کر دیں۔ہاں اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے وصال کے بعد جب حجۃ الاسلام کے سر انتظامی ذمہ داریاں سب کی سب آ گئیں اور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے ذمہ دن بھر تدریس اور اہتمام مطبع وغیرہ کی ذمہ داریاں تھیں۔پھر بھی تین سال بعد اجمیر شریف چلے گئے تو سارے سوالات کا مرجع اور تمام جوابات کا مصدر خلف اصغر علیہ الرحمہ کی ذات ہی قرار پائی۔اب تمام اطراف واکناف میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی تحقیقی شان اور تحریری اسلوب لیے ہوئے جوابات پہونچنے پر خلف اصغر علیہ الرحمہ کو بہت جلد مفتی اعظم کا لقب ملنا اور اس خطاب سے شہرت حاصل ہونا بالکل قرینِ قیاس اور عین واقعہ ہے۔خطابات سے متعلق مولانا محمود احمد رفاقتی کا سوال اور سرکار مفتی اعظم قدس سرہ کا جواب اسی مجموعہ میں ملاحظہ کریں تو بھی حقیقت عیاں ہو جائے گی کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اپنے عہد میں مفتی اعظم کا خطاب کسی کو نہ دیا۔

اعلیٰ حضرت، امام، علامہ اور ''فاضل''

شیخ الاسلام والمسلمین اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا قادری قدس سرہ کے آداب والقاب کے ساتھ، یا دیگر القاب کے بغیر ''فاضل بریلوی'' لکھنے، بولنے کا رواج چل پڑا ہے اور خاصے عقیدت منداور بالغ نظر حضرات اس میں گرفتار ہیں۔

غور فرمائیں کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کو ہم جس مہارت علوم وفنون اور جس عظیم علمی تبحر سے موصوف کرتے ہیں لفظ ''فاضل'' سے اس کا اظہار کس حد تک ہوتا ہے؟ یہ لقب تو ایسے شخص کے لیے بھی بجا ودرست ہے جو درس نظامی سے فراغت کے ساتھ مروجہ علوم وفنون میں یک گونہ درک رکھتا ہو، اور ایسے ہی حضرات کے لیے عام طور پر بولا بھی جاتا ہے۔اعلیٰ حضرت کے لیے اس کا استعمال کر کے کیا یہ بتانا مقصود ہے کہ وہ بھی ایسے ہی لوگوں کی صف میں تھے؟ ہرگز نہیں! پھر ان کے لیے اسے استعمال کرنے کی کیا ضرورت؟۔

بعض لوگ تو اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے دیگر عظیم القاب ذکر کرنے کے بعد بھی ''فاضل بریلوی'' کا پیوند لگا دیتے ہیں۔اُس وقت تو یہ بالکل ''فاضل''، ہی نظر آتا ہے۔

میں نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے رتبہ شناس معاصرین اور ان کے کثیر تلامذہ وخلفا کی تحریریں پڑھیں، ان میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے لیے ''فاضل بریلوی'' کا استعمال کہیں نہ دیکھا۔پھر یہ استعمال ہم میں کہاں سے در آیا؟ اس کا سراغ لگانے کی ضرورت ہے۔

میں نے جہاں تک سمجھا اور معلوم کیا اس کا استعمال ان لوگوں سے شروع ہوا جو امام اہل سنت کو وہابیوں، دیوبندیوں کی طرح ''خاں صاحب'' یا ''خاں صاحب بریلوی'' علانیہ کہنا پسند نہیں کرتے تھے۔اور اُس زمانے کے عرف کے لحاظ سے ''مولانا احمد رضا خاں'' کہنے میں بھی خاصی تحریم وتعظیم کا اظہار ہوتا تھا، اس لیے یہ بھی گوارا نہ تھا۔لیکن ''فاضل بریلوی'' کہنے میں انہیں یک گونہ راحت نظر آئی۔اس لیے کہ

فاضل کا مصدر فضل اور فضول دونوں ہے۔ فضل پر نظر کرتے ہوئے معتقد کو کچھ بولنے کی گنجائش نہ ملتی اور فضول پر نظر کرتے ہوئے دل کے بغض اور آتش حسد کی تسکین ہو جاتی، اس لیے سب چھ ✕ ڑ کر اسی کو لکھنا بولنا پسند کیا۔ جماعت کے لیے لفظ ''بریلوی'' کے بے جا استعمال کی طرح اب شخصیت کے لیے ''فاضل بریلوی'' بھی عقیدت مندوں نے اپنا لیا ہے، اور اتنی کثرت سے استعمال ہونے لگا ہے کہ جیسے اس کے ذریعہ کسی بڑے بھاری کمال کا اظہار ہوتا ہے، جس کی تعبیر سے دوسرے آداب والقاب قاصر ہیں۔ جب کہ عموماً یہ زائد یا بے محل ہی نظر آتا ہے۔ اس لیے زیر نظر مجموعہ میں اعلی حضرت قدس سرہ کے لیے اس کا استعمال باقی نہ رکھا گیا۔ غفلت اور بھول چوک سے کہیں رہ گیا ہو تو ہو سکتا ہے۔ ''واللہ سبحانہ یحب الحق وھو یھدی السبیل''۔

محمد احمد مصباحی
۱۵؍صفر المظفر ۱۴۲۷ھ

مفتی اعظم کا سوانحی خاکہ

مولانا سید شاھد علی رضوی رام پوری

بانی ومہتمم الجامعۃ الاسلامیہ، گنج قدیم، رام پور (یوپی)

زر بکف گل پیرہن رنگین قبا آتش بجام ایک قطرہ سو طرح سے سرخرو ہو کر اٹھا

اسلام کا وہ بطل جلیل اور استقامت کا جبل عظیم کہ جس کے جہاد بالقلم نے دینِ مصطفی کو بھاری تباہی سے بچا لیا۔ جس کی نگاہ کیمیا اثر نے لاکھوں گم گشتگان راہ کو جادۂ حق سے ہم کنار کیا۔ جس کے در کی جبیں سائی وقت کے بڑے بڑے مسند نشینوں نے کی۔ جس کے ناخنِ ادراک میں لاینحل مسائل کا حل تھا۔ جو بیک وقت علم ظاہر و باطن کا ایسا سنگم تھا جہاں ہر تشنہ لب کو سیرابی و آسودگی کی دولتِ گراں مایہ ملتی تھی۔ جو رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سچا نائب، تصدیق حق میں صدیقِ اکبر کا پرتو، باطل کو چھانٹنے میں فاروق اعظم کا مظہر، رحم وکرم میں ذوالنورین کی تصویر، باطل شکنی میں حیدری شمشیر، امام اعظم ابوحنیفہ کی فکر، امام رازی کی حکمت، امام غزالی کا تصوف اور مولانائے روم کا سوز وگداز تھا۔

جو علم وفضل میں شہرۂ آفاق، معقولات میں بحر ذخار، منقولات میں دریائے ناپیدا کنار، فقہ وروایت میں امیر المومنین اور سلطنتِ قرآن وحدیث کا مسلم الثبوت وزیر المجتہدین، اعلم العلما عند العلما، افقہ الفقہا عند الفقہا، قطب عالم علی لسان الاولیا، فانی فی اللہ، باقی باللہ، عاشقِ کاملِ رسول اللہ مولانا الشاہ الحاج محمد ابوالبرکات محی الدین جیلانی مصطفی رضا قادری قدس سرہٗ جسے دنیا تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم کے نام نامی اسمِ گرامی سے یاد کرتی ہے۔ ان کے مدح سراؤں کی صف میں جگہ پا جانا فقیر نوری اپنے لیے سرمایۂ افتخار سمجھتا ہے۔

نقش سراپا :

شہیر عرب وعجم، مرجع العلما والفقہا، قطبِ عالم، مفتی اعظم رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا۔

گورا مکھڑا جلوے جس پر آ آ کر پھر جاتے ہیں آؤ تم کو بھی ہم صورت ایسی ایک دکھاتے ہیں

لباس نورانی — سیرت نورانی — صورت نورانی — رنگت سرخی سفید مائل۔

قد — میانہ۔

بدن — نحیف۔

سر — بڑا — گول اس پر عمامہ کی بہار۔

چہرہ — گول — روشن وتابناک — نور برساتا ہوا — جسے دیکھ کر خدا کی یاد آ جائے۔

پیشانی — کشادہ — بلند — تقدس کے آثار لیے ہوئے۔

بھویں — گنجان — ہالہ لیے ہوئے۔

پلکیں — گھنی — بالکل سفید — ہالہ نما۔

آنکھیں — بڑی بڑی — کالی چمکدار — گہرائی وگیرائی لیے ہوئے۔

رخسار — بھرے بھرے — گداز — روشن — جلال وجمال کا آئینہ۔

ناک — متوسط۔

مونچھ — نہ بہت پست — نہ اٹھی ہوئی۔

لب —— پتلے — گلاب کی پتی کی طرح — تبسم کے آثار لیے ہوئے۔
دندان —— چھوٹے چھوٹے — ہموار — موتیوں کی لڑی کی طرح — جب تبسم ریز ہوتے۔
کان —— متناسب — قدرے درازی لیے ہوئے۔
گردن —— معتدل۔
سینہ —— فراخ — کچھ روے ں لیے ہوئے۔
کمر —— خمیدہ مائل۔
ہاتھ —— لمبے لمبے — جو سخاوت وفیاضی میں ضرب المثل۔
کلائیاں —— چوڑی — روئیں دار۔
ہتھیلیاں —— بھری ہوئی — گداز۔
انگلیاں —— لمبی لمبی — موزوں وکشادہ۔
پاؤں —— متوسط۔
ایڑیاں —— گول — موزوں۔

لباس

ٹوپی —— دوپلّی — کڑھی ہوئی۔
عمامہ —— بڑے عرض کا زیادہ تر سفید — بادامی۔
پوشاک —— کرتا — کلی دار — اس پر صدری جبّہ۔
پائجامہ —— چھوٹی مہری کا — علی گڑھی۔
جوتا —— ناگرہ — جے پوری۔
چھڑی —— سینگ — یا لکڑی کی۔

یہ ہے اس مقدس عظیم المرتبت شخصیت کا سراپا ؂

آں دل کہ رم نمودے از خوبرو جواناں دیرینہ سال پیرے بردوش بیک نگاہے

وہ دل جسے خوبرو جوان اپنی طرف مائل نہ کر سکے ایک دیرینہ سال پیر مرد نے اسے ایک نگاہ میں لوٹ لیا۔

ولادت :

قرنہا باید کہ تا یک مردِ حق پیدا شود بوسعید اندر خراسان و اویس اندر قرن

مدت کے بعد ہوتے ہیں پیدا کہیں وہ لوگ مٹتے نہیں ہیں دہر سے جن کے نشاں کبھی

حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ ۲۲رذی الحجہ ۱۳۱۰ھ/ ۷رجولائی ۱۸۹۳ء بروز جمعہ بوقتِ صبح صادق دنیا میں تشریف لائے۔
مفتی اعظم کی ولادت کا سن ہجری اس آیتِ کریمہ سے نکلتا ہے۔

وَسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

۱۳۱۰ھ

جائے ولادت اور وطن :

حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کی ولادت، امام احمد رضا قدس سرہٗ کے برادرِ حقیقی علامہ حسن رضا خاں حسنؔ بریلوی قدس سرہٗ کے دولت کدہ واقع محلہ رضا نگر سوداگران شہر بریلی شریف، یوپی انڈیا میں ہوئی۔ [۱]

اسمِ گرامی :

حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کا پیدائشی اور اصلی نام محمد ہے۔ اسی اسمِ پاک پر آپ کا عقیقہ ہوا۔ غیبی نام آل الرحمن ہے۔ پیرومرشد نے آپ کا نام ابوالبرکات محی الدین جیلانی تجویز فرمایا اور والد ماجد نے عرفی نام مصطفی رضا رکھا۔ فنِ شاعری میں آپ اپنا تخلص ''نوریؔ'' فرماتے تھے۔ عرفی نام اس قدر مشہور ہوا کہ خاص و عام میں آپ کو اسی نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

خوابِ رضا و بشارتِ نوری :

حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کی ولادت سے پہلے امام احمد رضا قدس سرہٗ اپنے پیرومرشد، رہبر کامل، زبدۃ العارفین حضرت سید شاہ آل رسول مارہروی قدس سرہٗ (م ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۷۹ء) کے مزارِ مقدس کی زیارت اور قدوۃ السالکین، حفید الکاملین، سید المشائخ حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہٗ سے ملاقات کے لیے مارہرہ مطہرہ تشریف لے گئے تھے۔ اس موقع کی ایک روایت فقیہ ذی شان مفتی محمد مطیع الرحمن رضوی نے ایک ملاقات میں مجھے بتائی اور فرمایا کہ یہ میں نے خود سرکار مفتی اعظم قدس سرہ العزیز سے سنی ہے اس لحاظ سے اسے دیگر ناقص روایات پر ترجیح حاصل ہے۔ وہ اس طرح ہے:

۲۲/ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ کی شب میں تقریباً نصف رات تک امام احمد رضا قدس سرہٗ اور سید المشائخ حضرت نوری میاں قدس سرہٗ کے درمیان علمی مذاکرات رہے۔ پھر دونوں اپنی اپنی قیام گاہوں میں آرام فرما ہوئے۔ اسی شب عالمِ خواب میں دونوں بزرگوں کو حضرت مفتیِ اعظم کی ولادت کی نوید دی گئی اور نومولود کا نام ''آل الرحمن'' بتایا گیا۔ خواب سے بیداری پر دونوں بزرگوں میں سے ہر ایک نے یہ فیصلہ کیا کہ بوقتِ ملاقات مبارکباد پیش کریں گا۔

فجر کی نماز کے لیے جب دونوں بزرگ مسجد پہنچے تو مسجد کے دروازے پر ہی دونوں بزرگوں کی ملاقات ہوگئی اور وہیں ہر ایک نے دوسرے کو مبارکباد پیش کی۔ فجر کی نماز کے بعد سید المشائخ حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہٗ نے امام احمد رضا قدس سرہٗ سے ارشاد فرمایا:

مولانا صاحب! آپ اس بچے کے ولی ہیں۔ اگر اجازت دیں تو میں نومولود [۲] کو داخلِ سلسلہ کرلوں۔''

امام احمد رضا قدس سرہٗ نے عرض کیا:

''حضور وہ غلام زادہ ہے۔ اسے داخلِ سلسلہ فرمالیا جائے۔''

سید المشائخ حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہٗ نے مصلّی ہی پر بیٹھے بیٹھے مفتی اعظم کو غائبانہ داخلِ

سلسلہ فرمالیا۔ حضرت سید المشائخ نے امام احمد رضا کو اپنا عمامہ اور جبہ عطا فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''میری یہ امانت آپ کے سپرد ہے۔ جب وہ بچہ اس امانت کا متحمل ہو جائے تو اسے دے دیں۔ مجھے خواب میں اس کا نام ''آل الرحمن'' بتایا گیا ہے لہذا نومولود کا نام ''آل الرحمن'' رکھیے۔ مجھے اس بچے کو دیکھنے کی تمنا ہے۔ وہ بڑا ہی فیروز بخت اور مبارک بچہ ہے۔ میں پہلی فرصت میں بریلی حاضر ہو کر آپ کے بیٹے کی روحانی امانتیں اس کے سپرد کردوں گا۔'' ۳؎

دوسرے روز جب ولادت کی خبر مارہرہ پہنچی تو سید المشائخ حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہٗ نے نومولود کا نام ''ابوالبرکات محی الدین جیلانی منتخب فرمایا۔'' ۴؎

امام احمد رضا قدس سرہٗ نے ساتویں روز ''محمد'' نام پر بیٹے کا عقیقہ کیا۔ اسم محمد کی برکتوں اور سعادتوں کا کوئی شمار ہی نہیں کرسکتا۔ اس نام پاک کی برکتوں اور سعادتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ دنیا میں جو مومن اس نام کے ساتھ موسوم ہیں وہ جنت میں بغیر حساب داخل ہوں گے۔ سیرت حلبی جلد اول صفحہ ۹۹ میں ہے :

وفی حدیث معضلٍ اذا کان یوم القیامۃ نادیٰ منادٍ محمد! قم فادخل الجنۃ بغیر حساب فیقوم کل من اسمہ محمد یتوھم ان النداء لہ فلکرامۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم لا یمنعون''

اور حدیث معضل ا؎ میں ہے جب قیامت کا دن آئے گا تو ایک منادی ندا کرے گا اے محمد! کھڑے ہو کر جنت میں بغیر حساب داخل ہو جاؤ تو ہر وہ شخص کھڑا ہو جائے گا جس کا نام محمد ہے۔ یہ خیال کر کے کہ یہ بلاوا میرے لیے تھا۔ پس محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی کے پیش نظر ان کو روکا نہ جائے گا۔

بیعت وخلافت :

اس انکشاف کے بعد ۲۵؍ جمادی الثانی ۱۳۱۱ھ چھ ماہ تین یوم کی عمر شریف میں سید المشائخ حضرت شاہ ابوالحسین نوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی انگشت شہادت آل الرحمن محمد ابوالبرکات محی الدین جیلانی کے دہن مبارک میں ڈالی۔ مفتی اعظم شیر مادر کی طرح چوسنے لگے۔ سید المشائخ نے داخل سلسلہ فرمایا اور تمام سلاسل کی اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا۔ ۵؎

مرشد کامل کی بشارت :

سید المشائخ حضرت شاہ سید ابوالحسین احمد نوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت مفتی اعظم کو بیعت کرتے وقت ارشاد فرمایا:

''یہ بچہ دین وملت کی بڑی خدمت کرے گا اور مخلوق خدا کو اس کی ذات سے بہت فیض پہنچے گا۔ یہ بچہ ولی ہے۔ اس کی نگاہوں سے لاکھوں گم راہ انسان دین حق پر قائم ہوں گے۔ یہ فیض کا دریا بہائے گا۔'' ۶؎

سید المشائخ حضرت نوری میاں قدس سرہٗ نے حلقۂ بیعت میں لینے کے بعد قادری نسبت کا دریائے فیض بنا کر ابوالبرکات کو امام احمد رضا بریلوی کی گود میں دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''مبارک ہو آپ کو یہ۔ قرآنی آیت ''**واجعل لی وزیرا من اھلی**'' کی تفسیر مقبول ہو کر آپ کی گود میں آ گئی ہے۔ آل الرحمن۔ محمد۔ ابوالبرکات محی الدین جیلانی مصطفی رضا'' ۷؎

اس مبارک نام پر اگر غور کیا جائے تو سب سے پہلے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جب کسی شخص میں محاسن کی کثرت ہوتی ہے تو اس کا ہر کام تشنۂ توصیف محسوس ہوتا ہے۔ اور ذوق ستائش کسی جامع الصفات شخصیت کو مختلف ناموں سے پکارنے پر مجبور ہوتا ہے۔ اس نام میں پہلی نسبت رحمن سے ہے۔ دوسری نسبت سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے۔ تیسری نسبت سیدنا حضرت غوث اعظم شیخ عبد القادر محی الدین جیلانی قدس سرہٗ سے ہے۔

تیسری نسبت کے بعد عزیمت میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ سے نسبت ملحوظ رکھی گئی ہے۔ یہ اہتمام تو اکابر کی بالغ نظری نے کیا تھا۔ مگر لاکھوں افراد نے جب اس منبع خیر و فلاح اور سرچشمۂ ہدایت سے قریب ہو کر فیوض و برکات حاصل کیے تو وہ بھی اپنے جذبۂ ستائش پر قابو نہ پا سکے۔ آج حضرت مفتیِ اعظم مختلف ناموں سے یاد کیے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے اسماے صفات کا پرتو انھیں پر ڈالتا ہے جو اس کی بارگاہ میں مقبول و محبوب ہو جاتے ہیں۔

اجازت وخلافتِ رضا :

امام احمد رضا قدس سرہٗ نے اپنے نورِ نظر لختِ جگر خلفِ اصغر مفتیِ اعظم کو جمیع اورادو اشغال، اوفاق و اعمال اور جمیع سلاسلِ طریقت میں ماذون و مجاز بنایا۔ ۸؎

تعلیم و تربیت

مولانا محمود احمد قادری مظفر پوری اپنی یادداشت میں لکھتے ہیں:

حضرت والا سیدی الکریم مفتی اعظم علیہ الرحمہ سے عرض کیا: کچھ اپنی تعلیم کے بارے میں بھی فرمائیں۔

فرمایا: قرآن شریف اعلیٰ حضرت سے بھی پڑھا، منجھلے اور چھوٹے چچا کے علاوہ مولانا (حامد رضا خاں) سے بھی پڑھا۔ اس کے بعد فارسی و عربی بھی انھیں حضرات سے پڑھی۔ جب مدرسہ اہل سنت قائم ہوا تو اس کے اساتذہ بھی۔ مولانا سید بشیر احمد علی گڑھی سے بھی پڑھا۔ مولانا ظہور الحسین فاروقی رام پوری سے بھی پڑھا۔ جب مولانا رحم الٰہی مظفر نگری مدرس دوم ہو کر آئے تو ان سے خاص طور پر پڑھا۔ یہ میرے خاص استاد تھے۔ جب متوسکات پڑھ چکا تو زیادہ تر اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حضوری حاصل رہتی جس سے فوائد کثیرہ حاصل ہوئے۔

فراغت :

حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ نے ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء میں بہ عمر اٹھارہ سال خداداد ذہانت، ذوقِ مطالعہ، لگن اور محنت، اساتذہ کرام کی شفقت و رافت، اعلیٰ حضرت امام اہل سنت قدس سرہٗ کی توجہ کامل اور شیخ مکرم سید المشائخ قدس سرہٗ کی عنایات کے نتیجے میں جملہ علوم وفنون منقولات ومعقولات پر عبور حاصل کر کے مرکزِ اہل سنت دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف سے تکمیل وفراغت پائی۔ ۹؎

اساتذۂ کرام :

حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ نے اصل تربیت تو اپنے والدِ ماجد امام احمد رضا قدس سرہٗ سے پائی۔ علوم دینیہ کی تکمیل بھی اپنے والد ماجد اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ سے کی۔ ۱۰؎ جن دیگر نامور، مشہورِ زمانہ اور قابل اساتذۂ کرام سے خصوصی درس لیا ان میں مندرجہ ذیل حضرات کے اسما قابلِ ذکر ہیں۔

۱- حجۃ الاسلام علامہ مفتی شاہ محمد حامد رضا بریلوی م ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء تلمیذ وفرزندِ اکبر امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

۲- استاذ الاساتذہ علامہ شاہ رحم الٰہی منگلوری م ۱۳۶۱ھ (تلمیذ مولانا سید عبد العزیز انبیٹھوی، م ۱۳۴۴ھ تلمیذ علامہ عبد الحق خیرآبادی (م ۱۳۱۶ھ)

۳- شیخ العلما علامہ شاہ سید بشیر احمد علی گڑھی [۱۱] تلمیذ مولانا مفتی لطف اللہ علی گڑھی م ۱۳۳۴ھ

۴- شمس العلما علامہ ظہور الحسین فاروقی رام پوری [۱۲] م ۱۳۴۲ھ تلمیذ مولانا محمد فضل رحمن گنج مرادآبادی، تلمیذ خاتم المحدثین علامہ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی و تلمیذِ رشید علامہ عبد الحق خیرآبادی م ۱۳۱۶ھ

علوم وفنون :

برصغیر میں معقول ومنقول علوم وفنون کی جتنی مشہور اسناد ہیں ان میں سے سلسلہ تلمذ بریلوی کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ ہر فن اور ہر علم کی سندِ عالی ہے۔ اور پھر اسی ایک سلسلے سے تمام معقول ومنقول علوم وفنون کی سند حاصل ہو جاتی ہے۔ گویا سلسلۂ تلمذ بریلوی جمیع علوم وفنون کا جامع ہے۔ ذیل میں ان علوم وفنون کا ذکر کیا جاتا ہے جو حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ نے بریلوی سلسلۂ تلمذ کے واسطے سے نہ صرف حاصل کیے بل کہ ان میں درجۂ اختصاص حاصل کیا۔

۱-علم تفسیر	۲-علم حدیث	۳-اصولِ حدیث	۴-فقہ (جملہ مذاہب)	۵-اصولِ فقہ
۶-علم الفرائض	۷-جدل	۸-تفسیر	۹-عقائد	۱۰-کلام
۱۱-نحو	۱۲-صرف	۱۳-معانی	۱۴-بیان	۱۵-بدیع
۱۶-منطق	۱۷-مناظرہ	۱۸-فلسفہ	۱۹-تکسیر	۲۰-ہیئت
۲۱-حساب	۲۲-ہندسہ	۲۳-قراءت	۲۴-تجوید	۲۵-تصوف
۲۶-سلوک	۲۷-اخلاق	۲۸-اسماء الرجال	۲۹-سیر	۳۰-تاریخ
۳۱-لغت	۳۲-ادب	۳۳-عروض وقوافی	۳۴-توقیت	۳۵-اوفاق
۳۶-فنِ تاریخ واعداد	۳۷-جفر	۳۸-ریاضی وغیرہ [۱۳]		

حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ نے بریلوی سلسلۂ تلمذ کے علاوہ خیرآبادی سلسلۂ تلمذ اور دہلوی سلسلۂ تلمذ سے بھی معقول ومنقول علوم وفنون کی تحصیل و تکمیل کی۔ مگر بریلوی سلسلۂ تلمذ نے علم وعرفان اور عشقِ مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وہ لازوال دولت عطا کی جو بریلوی سلسلۂ تلمذ کا خاص امتیاز ہے۔ اس طرح حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ، دہلوی اور بریلوی سلاسلِ تلمذ کی بدولت علوم وعرفان کے وارث اور امین بنے۔

مزید برآں عالم اسلام کی عبقری شخصیت، نابغہ روزگار، وحیدِ عصر، مجدد مأۃ رابعہ عشر امام احمد رضا قدس سرہٗ نے ان کو پچیس سلاسل اولیا وسلاسلِ قرآن وسلاسلِ حدیث کی اجازت عطا فرمائی جو النور والبہا میں درج ہیں۔ نیز ان تمام ''سلاسل رضویہ'' کی اجازت عطا فرمائی جو الاجازات المتینہ اور فتاویٰ رضویہ میں درج ہیں۔ [۱۴]

ذیل میں چند مشہور سلاسل علوم وفنون کا ذکر کیا جا رہا ہے، ملاحظہ ہوں

سلاسل علوم : (الف) خیرآبادی سلسلۂ تلمذ :

علامہ مولانا فضل حق خیرآبادی

مولانا عبد العلی خاں رام پوری (الریاضی) مولانا عبد الحق خیرآبادی

امام احمد رضا بریلوی | مولانا ظہورالحسین رام پوری | مولانا سید عبدالعزیز انبیٹھی

مولانا رحم الٰہی مظفرنگری

حضرت مفتی اعظم مولانا مصطفی رضا قدست اسرارہم

سندِ احادیث مبارکہ وعلوم متفرقہ

(ب) سلسلہ تلمذ دہلوی و بریلوی ۱۵ ؁

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی | ابوالعیاش محمد عبدالعلی لکھنوی | شیخ عثمان دمیاطی | جمال ۱۶ ؁ بن عبداللہ مفتی مکہ | عابد السندی المدنی | شاہ علی حسین مرادآبادی

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی | الشیخ محمد السندی | سید احمد بن زین دحلان مکّی | عبدالرحمن بن عبداللہ السراج مکّی | حسین بن صالح جمل اللیل | سید ابوالحسین احمد نوری

سید آل رسول احمدی مارہروی | شیخ خلیل الرحمن محمد آبادی

مولانا رضا علی بریلوی

مولانا نقی علی بریلوی

امام احمد رضا بریلوی

حضرت مفتی اعظم
مولانا مصطفی رضا

اس کے بعد حدیث مسلسل بالاولیہ اور فقہ حنفی کی سندوں کے نقشے مولانا نصر اللہ رضوی کے مضمون میں یہیں سے منقول ہیں۔ یہاں بھی ان کو شامل سمجھیں اور وہاں مطالعہ کریں)

تدریس :

حضرت مفتیِ اعظم قدس سرہٗ نے درسِ نظامی کی تکمیل وفراغت کے بعد ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء میں جامعہ رضویہ منظرِ اسلام میں مسندِ تدریس کو زینت بخشی اور درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا ۱۔ مگر کس طرح اور کب تک یہ سلسلہ رہا؟، اس کی صراحت سے تمام تذکرے خاموش ہیں۔

حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ ان کے تلامذہ اور خلفاء کے تذکروں کے مطالعہ اور منظرِ اسلام اور مظہرِ اسلام کے ریکارڈ سے معلوم ہوتا ہے کہ منظر اسلام اور مظہر اسلام کے طلبہ نے حضرت سے شرف تلمذ پایا ہے مگر حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ رضوی دار الافتا کے اہتمام اور کارِ فتویٰ کی زیادتی کے سبب صرف مخصوص طلبہ کو پڑھاتے تھے۔ چنانچہ ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء کو شیر بیشۂ اہل سنت، مناظر اعظم ہند حضرت علامہ مفتی شاہ محمد حشمت علی خاں پیلی بھیتی قدس سرہٗ نے حضرت مفتیِ اعظم قدس سرہٗ سے بخاری شریف پڑھی۔ ۱۷۔

۱۳۴۴ھ/ ۱۹۲۶ء میں حجۃ الاسلام مفتی انام حضرت علامہ شاہ محمد حامد رضا بریلوی قدس سرہٗ انجمن حزب الاحناف لاہور کے پہلے اجلاس میں شریک ہوئے۔ دوروز لاہور میں قیام کے بعد بریلی واپس آئے۔ واپسی پر حصولِ تعلیم کی غرض سے محدثِ اعظم پاکستان حضرت علامہ ابوالفضل سردار احمد رضوی لائل پوری قدس سرہٗ، حضرت حجۃ الاسلام کے ساتھ بریلی آئے۔ حضرت حجۃ الاسلام نے اپنی سرپرستی میں خصوصی عنایات کے ساتھ تعلیم وتربیت کا اہتمام کیا۔ اور اپنے دولت خانے پر قیام وطعام کا انتظام کیا۔ جامعہ رضویہ منظرِ اسلام بریلی میں کم و بیش تین سال تک تعلیم حاصل کی۔ اس عرصے میں محدثِ اعظم پاکستان نے حجۃ الاسلام مولانا شاہ محمد حامد رضا، مفتی اعظم مولانا شاہ محمد مصطفی رضا اور مولانا شاہ محمد حسین قدس سرہم سے درسِ نظامی کی کتابیں پڑھیں۔ صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں مولانا محمد حسین مدرس منظرِ اسلام سے پڑھیں۔ منیہ، قدوری، کنز الدقائق اور شرحِ جامی تک کی کتابیں حضرت مفتیِ اعظم قدس سرہٗ سے پڑھیں۔ ۱۸۔

حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ خود ارشاد فرماتے ہیں:

''جب میں ان (مولانا سردار احمد) کو دیکھتا۔ پڑھتے دیکھتا۔ مدرسہ میں، قیام گاہ پر، حتیٰ کہ مسجد میں آتے تو بھی کتاب ہاتھ میں ہوتی۔ اگر جماعت میں تاخیر ہوتی تو بجائے دیگر اذکار واوراد کے مطالعہ میں مصروف ہوجاتے۔ ان کے اس والہانہ تحصیلِ علم سے میں بہت متاثر ہوا۔ میرے پاس دوسرے پنجابی طالبِ علم مولوی نذیر احمد سلمہٗ پڑھتے تھے۔ ان سے دریافت کرنے پر انھوں نے آپ کی ساری سرگزشت سنائی۔ پھر ان کے ذریعہ وہ (مولانا محمد سردار احمد) میرے پاس آنے جانے لگے۔ ان کی بہ اصرار درخواست اور مولوی نذیر احمد کی سفارش پر میں نے منیہ، قدوری، کنز الدقائق اور شرحِ جامی تک پڑھایا۔ ۱۹۔

حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ سے ہی ایک دوسری روایت ہے کہ:

''میں نے مولانا محمد سردار احمد سلمہٗ کو قطبی، رضی، شرحِ کافیہ اور مطول بھی سبقاً سبقاً پڑھائی۔ وہ بڑی محنت سے پڑھتے تھے۔'' ۲۰۔

فقیہ عصر مولانا مفتی محمد اعجاز ولی خاں رضوی بریلوی قدس سرہٗ متولد ۱۳۳۲ھ/ ۱۹۱۴ء متوفی ۱۳۹۳ھ/ ۱۹۷۳ء نے حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ سے شرح جامی پڑھی اور ۱۳۵۲ھ/ ۱۹۲۹ء میں حضرت مفتی اعظم مولانا شاہ محمد مصطفی رضا نوری بریلوی قدس سرہ سے سندِ حدیث حاصل کی۔ ۲۱۔

فقیہ ذی شان مولانا معین الدین شافعی قادری متولد ۱۳۵۷ھ/ ۱۹۳۹ء ناظمِ اعلیٰ جامعہ قادریہ رضویہ لائل پور نے حضرت مفتی اعظم

قدس سرہٗ سے میزان، نحو میر تک کی کتابیں مستقل سبقاً سبقاً پڑھیں۔ اور ۱۹۵۰ء میں جامعہ رضویہ مظہرِ اسلام لائل پور سے سندِ فراغت حاصل کی ۲۲؎ بعد میں حضرت مفتیِ اعظم قدس سرہٗ نے اجمیر مقدس میں آستانۂ عالیہ پر حضرت مولانا معین الدین شافعی کو دستارِ خلافت کے ساتھ ''تاج العلم والفضل کی سند بھی عطا کی۔ ۲۳؎

مندرجہ بالا تصریحات سے یہ بات بخوبی معلوم اور واضح ہوگئی کہ حضرت مفتیِ اعظم قدس سرہٗ نے ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء سے ۱۳۶۶ھ/ ۱۹۴۷ء تک درس وتدریس کا سلسلہ کسی نہ کسی طور پر جاری رکھا۔ بعد میں رضوی دار الافتا کے اہتمام، فتاویٰ کی کثرت، جامعہ رضویہ مظہرِ اسلام کی ادارت وسرپرستی اور تبلیغی سفروں کے سبب تدریس کا سلسلہ موقوف کردینا پڑا۔ مگر موقوف کردینے کے باوجود مدارس اسلامیہ کے ماہرینِ علوم وفنون، اساتذہ کرام خصوصاً جامعہ رضویہ منظرِ اسلام اور جامعہ رضویہ مظہرِ اسلام کے اساتذہ اور فارغ ہونے والے طلبہ حضرت مفتیِ اعظم سے صحاحِ ستہ اور درسِ نظامی کی منتہی کتابوں کا درس لیتے اور شرفِ تلمذ حاصل کرتے۔

محدثِ کبیر، شہزادۂ صدر الشریعہ، بدر الطریقہ مولانا مفتی ضیاء المصطفیٰ قادری شیخ الحدیث الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور فرماتے ہیں:

علوم اسلامیہ کی عربی درس گاہوں میں عموماً رمضان المبارک میں تعطیلِ کلاں ہوتی ہے۔ ان تعطیلات میں بریلی حاضر ہوکر فقیر ضیاء المصطفیٰ حضرت مفتی اعظم رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہ سے علمی استفادہ کرتا۔ ایک سال تعطیلِ کلاں میں حضرت مفتیِ اعظم قدس سرہٗ سے صحاحِ ستہ میں ابوداؤد شریف وابن ماجہ شریف پڑھی۔ حضرت مفتیِ اعظم نے ان دونوں کتابوں کی اجازت بھی عطا فرمائی۔ ۲۴؎

فقیہ ملت قاضی عبد الرحیم رضوی بستوی مفتی مرکزی دار الافتا بریلی فرماتے ہیں:

حضرت مفتیِ اعظم قدس سرہٗ ایک سال دار العلوم فیض الرسول براؤں کے سالانہ جلسۂ دستارِ فضیلت کے موقع پر براؤں تشریف لے گئے۔ ساتھ میں میں اور مفتی شریف الحق صاحب امجدی مدظلہٗ بھی تھے۔ دار العلوم فیض الرسول کے اساتذہ ومنتظمین نے حضرت کا شاندار استقبال کیا۔ حضرت فیض الرسول پہنچے، کئی روز قیام رہا۔ اسی موقع پر فیض الرسول کے اساتذہ نے حضرت مفتیِ اعظم قدس سرہٗ سے درسِ حدیث لے کر اجازتِ حدیث لینے کا فیصلہ کیا۔ حضرت مفتیِ اعظم کی اجازت سے درسِ حدیث کی ایک نورانی مجلس بڑے تزک واحتشام سے منعقد ہوئی۔ درسِ حدیث کی اس مجلس میں شرکا پر لازم قرار دیا گیا کہ وہ عمامہ باندھ کر ہی شریک ہوں۔ چنانچہ سارے اساتذۂ فیض الرسول درسِ حدیث کی اس مجلس میں عمامہ باندھ کر شریک ہوئے۔ حضرت مفتیِ اعظم قدس سرہٗ نے بخاری شریف کی ایک حدیث کا درس دیا۔ درسِ بخاری سے فراغت کے بعد جمیع شرکا کے درس کو حدیث مسلسل بالاولیہ، حدیثِ مصافحہ اور حدیثِ تمر کی عملاً اجازت عطا فرمائی۔ نیز النور والبہاء میں درج شدہ جملہ اجازتیں عطا فرمائیں۔ بخاری شریف کے اس درس میں، میں، مفتی شریف الحق امجدی صاحب، مولانا غلام جیلانی صاحب، مولانا بدر الدین صاحب، مولانا جلال الدین صاحب، مولانا محمد یونس صاحب، مولانا محمد حنیف صاحب بستوی اور مولانا قدرت اللہ وغیرہ شریک تھے۔ ۲۵؎

فقیہ جلیل مفتی محمد اعظم رضوی ٹانڈوی شیخ الحدیث جامعہ رضویہ مظہر اسلام بریلی فرماتے ہیں:

جب میں مظہرِ اسلام میں صدر مدرس وشیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوا تو میرا یہ معمول تھا کہ میں حضرت مفتیِ اعظم قدس سرہٗ کو درس کے افتتاح کے موقع پر مظہرِ اسلام لاتا تھا۔ حضرت مفتیِ اعظم عموماً بخاری شریف اور تفسیر بیضاوی

طلبہ کو شروع کراتے تھے۔ پھر تعلیمی سال کے اختتام پر ختمِ بخاری شریف کے لیے میں حضرت مفتی اعظم کو مظہر اسلام لاتا تھا۔ حضرت مفتیِ اعظم طلبہ کو بخاری شریف ختم کراتے تھے۔ ان مواقع پر مجھے بھی شرفِ تلمذ حاصل ہوا۔ یہ سلسلہ آٹھ سال تک جاری رہا۔ ۲۶؎

عمدۃ المدرسین مولانا محمد نعیم اللہ خاں رضوی بستوی صدر المدرسین جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی فرماتے ہیں:

''حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ صحت کے زمانے میں عموماً بعدِ عشا رضوی دار الافتا میں تشریف رکھتے تھے۔ اس وقت علماے کرام و مفتیانِ عظام حضرت سے استفادہ کرتے تھے۔ چنانچہ اس وقت میں نے بھی حضرت مفتیِ اعظم قدس سرہٗ سے ہدایہ اور مسلم الثبوت کے چند اسباق پڑھے اور مشکل مقامات کو حل کیا۔ نیز حضرت سے حفظِ قرآنِ کریم شروع کیا اور صرف ایک ماہ میں حضرت سے تین پارے حفظ کیے مگر افسوس کہ تکمیل کا موقع نہ مل سکا۔ ۲۷؎

شیخ العلما مفتی محمد اعظم رضوی ٹانڈوی شیخ الحدیث جامعہ رضویہ مظہر اسلام بریلی فرماتے ہیں:

ایک بار جب کہ میں رضوی دار الافتا میں بیٹھا مشکوٰۃ شریف کا مطالعہ کر رہا تھا کیونکہ مجھے یہ کتاب پڑھانے کے لیے دی گئی تھی۔ حدیثِ جبریل میں جہاں قیامت کے علم کو پانچ ان علوم میں بتایا گیا ہے جنھیں بے بتائے کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ میں اس حدیث کو کئی بار پڑھا چکا تھا۔ علومِ خمسہ طلبہ کو سمجھا چکا تھا بما لہ وما علیہ۔ لیکن مجھے خود سمجھانے کے باوجود حضرتِ مفتی اعظم علیہ الرحمۃ سے اس حدیث کو سمجھنے کا شوق ہوا۔ میں نے حضرت مفتیِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ حضور! اس حدیث میں پانچ علوم کے مخلوق کو علم ذاتی نہ ہونے کی تخصیص ہے۔ تو پانچ ہی کی تخصیص کیوں کی گئی ہے حالاں کہ کسی چیز کا علم ذاتی مخلوق کو نہیں۔ حضرت مفتی اعظم نے ارشاد فرمایا: آپ نے کہا ہے کہ علوم خمسہ کی تخصیص کی گئی۔ یہاں تخصیص کہاں ہے؟ میں متنبہ ہوا اور سمجھ گیا کہ حضرت نے مجھے اس بات پر تنبیہ کی کہ آپ کو تخصیص نہیں کہنا چاہیے تھا کہ تخصیص علمِ معانی و بیان میں خاص صورت میں ہوتی ہے، خاص کلمات کے ذریعہ مثلاً نفی اور استثنا کے ذریعہ اور کلمہ انما کے ذریعہ اور تقدیم وغیرہ کے ذریعہ۔ اور یہاں ایسی کوئی صورت نہیں۔ مجھے یہاں تخصیص نہیں بولنا چاہیے تھا۔ اس کے بعد فوراً حضرت مفتیِ اعظم نے فرمایا: ''یہ کہیۓ علومِ خمسہ کی تخصیص بالذکر کی گئی۔ اس تنبیہ سے میں نے حضرت مفتیِ اعظم کے مبلغ علم کی بلندی اور تعمقِ نظر و فکر کو خوب سمجھ لیا اور میں نے اندازہ لگا لیا کہ حضور مفتی اعظم کا درسِ نظامی پر گہرا مطالعہ ہے۔ اگرچہ مفتی اعظم کہلاتے ہیں، مگر مدرسِ اعظم بھی ہیں۔ پھر حضرت نے وہ بتایا جو میں جاننا چاہتا تھا۔

حضرت مفتی اعظم نے فرمایا:

بے شک عالم کے کسی ذرّے کا بھی علم مخلوق کو بے عطاے الٰہی حاصل نہیں کہ علمِ ذاتی خاص ہے اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ۔ حدیث شریف کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ پانچ چیزوں کا علم ذاتی مخلوق کو نہیں اور ان پانچ کے سوا کا معاذ اللہ علم ذاتی مخلوق کو ہے۔ اصل میں پانچ کی تخصیص ذکر کے ساتھ اس لیے کی گئی کہ اس زمانے میں کاہن، قائف اور ساحر وغیرہ ان پانچ چیزوں کے علم کا دعویٰ کیا کرتے تھے اور وہ گمراہ تھے۔ اس قابل نہیں تھے کہ اللہ عزوجل انھیں ان چیزوں کا علم عطا فرمائے۔ جب انھیں اللہ تعالیٰ نے بتایا نہیں اور وہ ان علوم کے جاننے کے مدعی تھے۔ تو ان کے دعویٰ سے نکلتا

تھا کہ انھیں ان چیزوں کا علم ذاتی ہے۔ تو قرآن و حدیث میں ان کا رد کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے بے بتائے جو یہ دعویٰ کررہے ہیں وہ غلط اور باطل ہے۔ ان علوم کو بھی وہی جانتے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ بتائے۔ اور یہ کاہن وغیرہ نہیں جانتے۔ یہ ہے وجہ تخصیص بالذکر کی۔

یہ ایک حدیث خاص حضرت نے مجھے سمجھائی اور پتہ نہیں کتنی بار فتاویٰ سناتے اور دکھاتے وقت تفسیر و حدیث اور فقہ وغیرہ کی کتابوں کے مطالب سمجھائے اور بتائے۔ ۲۸؎

محققِ عصر مفتی محمد مطیع الرحمن رضوی مدیر عام ''الادارۃ الحنفیہ'' کشن گنج بہار فرماتے ہیں:

حضرت مفتیِ اعظم قدس سرہٗ سے فتویٰ نویسی سیکھنے کے زمانے میں فتاویٰ دکھاتے اور سناتے وقت تفسیر و حدیث اور فقہ و اصول کی سیکڑوں کتابوں کے مطالب سمجھے۔ اور جو کچھ آج فقیر کے پاس ہے وہ حضرت ہی کا عطیہ ہے۔ مگر درسیات میں کوئی کتاب حضرت سے نہیں پڑھی تھی۔ ایک روز حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ نے خوش ہوکر رضوی دارالافتا میں بخاری شریف کی پہلی اور آخری حدیث کمالِ شفقت و محبت اور پوری شرح و بسط کے ساتھ پڑھائی۔ اور الاجازات المتینہ کی اجازت عطا کی۔ ۲۹؎

فاضل جلیل مولانا عبدالخالق رضوی مدرس جامعہ رضویہ منظرِ اسلام بریلی فرماتے ہیں:

''۱۹۷۳ء میں ایک روز بعد نماز عشاء میں، مولانا بلال احمد رضوی اور مولانا محمد ہاشم یوسفی رضوی دارالافتا میں حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کی خدمت میں تبرکاً بخاری شریف پڑھنے کے لیے حاضر ہوئے۔ حضرت مفتی اعظم نے بخاری شریف کی حدیث **اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَاتِ** (بخاری شریف، حدیث ۔۱ کتاب بدأ الوحی، دارالکتاب العربی، بیروت) کمال شفقت کے ساتھ پڑھائی۔ عبارت پڑھتے وقت حضرت کا رعبِ علمی کچھ اس طرح غالب آیا کہ زبان سے اِنَّمَا کے بجائے اَنَّمَا نکل گیا۔ حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ نے ارشاد فرمایا:

اَنَّمَا نہیں **اِنَّمَا** ہے۔ اِنَّ متعدد مقامات پر آتا ہے:

۱- القول مصدر سے جتنے افعال مشتق ہوں ان کے بعد جیسے: **قَالَ اِنَّہٗ یَقُوْلُ اِنَّھَا بَقَرَۃٌ** (سورۂ بقرہ ۲/ ۶۸)

۲- اسمِ موصول کے بعد جیسے: **جَاءَ الرَّجُلُ الَّذِیْ اِنَّہٗ قَائِمٌ**۔

۳- ابتدائے کلام میں جیسے: **اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ**۔ (سورۂ بقرہ ۲/ ۷۳)

۴- جس کی خبر میں لام تاکید آئے جیسے: **اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ**۔ (سورۂ بقرہ ۲/ ۲۵۲)

۵- جوابات قسم میں جیسے: **وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ** ۳۰؎ (سورۂ بقرہ ۱۰۳/ ۱)

عمدۃ المدرسین مولانا محمد نعیم اللہ خاں رضوی بستوی صدر المدرسین جامعہ رضویہ مظہرِ اسلام بریلی فرماتے ہیں:

مولوی عبدالحمید رضوی افریقی اور مولوی احمد مقدم رضوی افریقی سلمہما نے حضرت مفتیِ اعظم قدس سرہٗ سے نحو میر اور شرح مأۃ عامل پڑھی۔ ۳۱؎

رہا معاصر علما و فقہا، مفسرین و محدثین اور متکلمین و مناظرین کا حضرت مفتیِ اعظم قدس سرہٗ سے علمی استفادہ۔ مسائل شرعیہ میں

رجوع۔اصلاحِ فتاویٰ اور پیچیدہ ولاینحل مسائل کا حل ۔تو یہ سلسلہ تا حیاتِ ظاہری جاری رہا۔ہزار ہا کتب دینیہ کی عبارات کے مطالب سمجھنا۔پیچیدہ ولاینحل مسئلۂ شرعیہ کے حل کے لیے کلیات وجزئیات اور حوالوں کی تلاش میں مدتوں سرگرداں رہ کر رجوع کرنا اور اپنے لکھے ہوئے فتاویٰ حضرت مفتی اعظم کو دکھا یا سنا کر اصلاح لینا۔معاصر علما وفقہا کا روزانہ کا معمول تھا۔

فقیہ العصر مفتی محمد شریف الحق امجدی شارح بخاری صدر مفتی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور رقم طراز ہیں:

تفصیل بالا سے میرے اساتذۂ کرام کے اسماے گرامی معلوم ہو چکے۔لیکن میرے دو اہم استاذ جو سارے اساتذہ سے اہم و معظم ہیں۔ان کے اسماے گرامی نہیں آئے۔وہ حضرت صدر الشریعہ اور حضرت مفتی اعظم ہیں۔چونکہ آج کے رواج کے مطابق استاذ اس کو مانا جاتا ہے جس سے درسِ نظامی کی کتابیں پڑھی گئی ہوں، حالاں کہ ایسا نہیں ۔جس سے بھی کوئی علمی استفادہ کیا جائے وہ استاذ ہے۔اور میں نے ان دونوں بزرگوں سے بے پناہ استفادے کیے ہیں اور ہزاروں اپنے علمی اشکال دور کیے ہیں۔اور ہزاروں کتبِ دینیہ کی عبارتوں کے مطالب سمجھے ہیں۔اس لیے مجھے ان دونوں بزرگوں سے بلاشبہہ شرفِ تلمذ حاصل ہے۔

فقیہ العصر مفتی محمد شریف الحق امجدی شارح بخاری چند سطور کے بعد لکھتے ہیں:

میں بریلی شریف مدرسہ مظہرِ اسلام مسجد بی بی جی حضرت مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بلانے پر ۲۴ رشوال ۱۳۷۵ھ مطابق ۴ رجون ۱۹۵۶ء بروز دوشنبہ حاضر ہوا۔سال بھر کے بعد غایت کرم سے حضرت نے مجھے اپنے دولت خانے پر رکھ لیا۔تدریس کے ساتھ افتا کی بھی خدمت سونپ دی۔مدرسہ مظہرِ اسلام ہر موسم میں بارہ بجے دوپہر تک رہتا۔میں بعدِ ظہر فتویٰ لکھتا اور روزانہ رات میں جب حضرت مفتی اعظم نمازِ عشا وغیرہ سے فارغ ہو جاتے ۔تو حضرت کی خدمت میں بغرض اصلاح پیش کرتا۔یہ سلسلہ کبھی کبھی دو بجے رات تک رہتا۔اصلاح کا یہ طریقہ نہیں تھا کہ میرے لکھے ہوئے کاٹ دیا اور اپنا جملہ لکھ دیا۔بل کہ فرماتے کہ آپ نے جو لکھا ہے اس میں یہ خرابی ہے۔اس لیے اس کو یوں ہونا چاہیے۔کبھی کبھی دیر تک سوال وجواب کا بھی سلسلہ رہتا۔

خلاصۂ کلام یہ نکلا کہ فتویٰ نویسی کے میرے استاذ حضرت صدر الشریعہ اور مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہما ہیں۔ حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں فتویٰ سیکھنے کے لیے ۱۴ مہینے زانوے تلمذ تہ کیا ہے۔اور حضرت مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بارگاہ میں گیارہ سال ۲ ماہ تین دن فیض یاب ہوتا رہا۔ ۳۲؎

فقیہ اسلام، تاج الشریعہ، نبیرۂ اعلیٰ حضرت مفتی شاہ محمد اختر رضا خاں قادری ازہری جانشینِ مفتیِ اعظم بریلی اپنی فتویٰ نویسی کی ابتدا بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''جامعہ ازہر سے واپسی کے بعد میں نے اپنی دلچسپی کی بنا پر فتوے کا کام شروع کیا۔شروع شروع میں مفتی افضل حسین صاحب علیہ الرحمہ اور دوسرے مفتیانِ کرام کی نگرانی میں یہ کام کرتا رہا۔اور کبھی کبھی حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر فتویٰ دکھایا کرتا تھا۔کچھ دنوں کے بعد اس کام میں میری دلچسپی زیادہ بڑھ گئی اور پھر میں مستقل حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے لگا۔حضرت کی توجہ سے مختصر مدت میں اس کام میں مجھے وہ فیض حاصل ہوا کہ جو کسی کے پاس مدتوں بیٹھنے سے بھی نہ ہوتا۔ ۳۳؎

عمدۃ المدرسین مولانا محمد نعیم اللہ خاں رضوی بستوی صدر المدرسین منظرِ اسلام بریلی فرماتے ہیں:

میرے اشرفیہ کے زمانۂ تعلیم میں حضرت مفتیِ اعظم قدس سرہٗ دار العلوم اشرفیہ مبارک پور تشریف لے گئے تھے۔اسی موقع پر بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی نے تفسیر مدارک سورۂ کہف میں ایک مشکل مقام حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ سے حل کیا۔اور تفسیر مدارک کا وہ حصہ با قاعدہ حضرت سے سمجھا۔ ۳۴؎

طریقۂ تعلیم

فقیہ ذی شان مفتی محمد مطیع الرحمن رضوی مدیر عام ''الادارۃ الحنفیہ'' کشن گنج بہار حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کے طریقۂ تعلیم اور درس افتاء میں امتیازی شان بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

حضور مفتی اعظم درسِ افتا میں اس کا التزام فرماتے تھے کہ محض نفسِ حکم سے واقفیت نہ ہو بل کہ اس کے ماعلیہ و مالہ کے تمام نشیب و فراز ذہن نشین ہو جائیں۔ پہلے آیات و احادیث سے استدلال کرتے، پھر اصولِ فقہ و حدیث سے اس کی تائید دکھاتے اور قواعدِ کلیہ کی روشنی میں اس کا جائزہ لے کر کتب فقہ سے جزئیات پیش فرماتے، پھر مزید اطمینان کے لیے فتاویٰ رضویہ یا امام احمد رضا کا ارشاد نقل فرماتے۔اگر مسئلہ میں اختلاف ہوتا تو قولِ راجح کی تعیین دلائل سے کرتے اور اصولِ افتا کی روشنی میں ماعلیہ الفتویٰ کی نشاندہی کرتے۔ پھر فتاویٰ رضویہ یا امام احمد رضا کے ارشاد سے اس کی تائید پیش فرماتے۔مگر عموماً یہ سب زبانی ہوتا۔ عام طور سے جواب بہت مختصر اور سادہ لکھنے کی تاکید فرماتے۔ ہاں کسی عالم کا بھیجا ہوا استفتا ہوتا اور وہ ان تفصیلات کا خواستگار ہوتا تو پھر جواب میں وہی رنگ اختیار کرنے کی بات ارشاد فرماتے۔ ۳۵؎

فقیہ العصر شارح بخاری مولانا محمد شریف الحق امجدی صدر مفتی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور حضرت امام الفقہا مفتی اعظم قدس سرہٗ کے درسِ افتا اور اصلاح فتاویٰ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

میں گیارہ سال تین ماہ خدمت میں حاضر رہا۔اس مدت میں چوبیس ہزار مسائل لکھے ہیں، جن میں کم از کم دس ہزار وہ ہیں جن پر حضرت مفتیِ اعظم کی تصحیح و تصدیق ہے۔عالم یہ ہوتا کہ دن بھر بل کہ بعد مغرب بھی دو گھنٹے تک حاجت مندوں کی بھیڑ رہتی۔ یہ حاجت مند خوشخبری لے کر نہیں آتے، سب اپنا اپنا دکھڑا سناتے، غم آگیں واقعات سننے کے بعد دل و دماغ کا کیا حال ہوتا ہے وہ سب کو معلوم ہے۔اتنے طویل عرصے تک اس غم آفریں ماحول سے فارغ ہونے کے بعد، عشا بعد پھر تشریف رکھتے اور میں اپنے لکھے ہوئے مسائل سناتا۔ میں گھسا پٹا نہیں، بہت سوچ سمجھ کر، جانچ تول کر مسئلہ لکھتا، مگر واہ رے مفتی اعظم۔اگر کہیں ذرا بھی غلطی ہے، یا لوچ ہے یا بے ربطی ہے۔ یا تعبیر غیر مناسب ہے۔یا سوال کے ماحول کے مطابق جواب میں کمی بیشی ہے۔ یا کہیں سے کوئی غلط فہمی کا ذرا بھی اندیشہ ہے فوراً اس پر تنبیہ فرما دیتے اور مناسب اصلاح۔......تنقید آسان ہے مگر اصلاح دشوار۔ جو لکھا گیا ہے وہ نہیں ہونا چاہیے، اس کو کوئی بھی ذہین نقاد کہہ سکتا ہے، مگر اس کو بدل کر کیا لکھا جائے، یہ جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے۔مگر ستّر سالہ مفتی اعظم کا دماغ اور علم ایسا جوان تھا کہ تنقید کے بعد فوراً اصلاح فرما دیتے اور ایسی اصلاح کہ پھر قلم ٹوٹ کر رہ جاتا۔

کبھی ایسے جاں فزا تبسم کے ساتھ کہ قربان ہونے کا جذبہ حدِ اضطرار کو پہنچ جائے۔کبھی ایسے جلال کے ساتھ کہ اعصاب جواب دے جائیں۔مگر اس جلال کو کون سا نام دیں جس کے بعد مخاطب کی جرأتِ رندانہ اور بڑھ جاتی۔کیا کیجیے گا اگر جلال سے مرعوب ہوکر چپ رہتے تو اور جلال بڑھتا، بڑھتا رہتا، یہاں تک کہ مخاطب کو عرض و معروض کرنا ہی پڑتا۔یہ جلال وہ جلال تھا کہ جواس کا مورد بنا کندن ہوگیا۔

یہ مجلس آدھی رات سے پہلے کبھی ختم نہ ہوتی۔بارہا رات کے دو بج جاتے اور رمضان شریف میں تو سحری کا وقت روز ہو جاتا۔

بارہا ایسا ہوتا کہ حکم کی تائید میں کوئی عبارت نہ ملتی تو میں اپنی صواب دید سے حکم لکھ دیتا۔کبھی دور دراز کی عبارت سے تائید لاتا۔مگر مفتیِ اعظم ان کتابوں کی عبارتیں جو دارالافتا میں نہ تھیں زبانی لکھوا دیتے۔میں حیران رہ جاتا۔یا اللہ کبھی کتاب کا مطالعہ کرتے نہیں، یہ عبارتیں زبانی کیسے یاد ہیں؟ پیچیدہ سے پیچیدہ دقیق سے دقیق مسائل پر بداہۃً ایسی تقریر فرماتے کہ معلوم ہوتا تھا اس پر بڑی محنت سے تیاری کی ہے۔

سب جانتے ہیں کہ کلام بہت کم فرماتے مگر جب ضرورت ہوتی تو ایسی بحث فرماتے کہ اجلہ علما انگشت بدنداں رہ جاتے۔کسی مسئلہ میں فقہا کے متعدد اقوال ہیں تو سب دماغ میں ہر وقت حاضر رہتے۔سب کے دلائل، وجوہ ترجیح اور قولِ مختار و مفتی بہ پر تیقن اور ان سب اقوال پر اس کی وجہ ترجیح سب از بر۔بابِ نکاح میں ایک مسئلہ ایسا ہے جس کی بہتّر (۷۲) صورتیں ہیں اور کثیر الوقوع بھی ہیں۔پہلی بار جب میں نے اس کو لکھا، سوال مبہم تھا۔میں نے بیس (۲۰) پچیس (۲۵) شق قائم کر کے چار ورق فل اسکیپ کاغذ پر لکھا جب سنانے بیٹھا تو فرمایا:

''یہ طول طویل شق در شق۔اور شق در شق جواب کون سمجھ پائے گا؟ پھر اگر لوگ ناخدا ترس ہوئے تو جو شق اپنے مطلب کی ہوگی اس کے مطابق واقعہ بنالیں گے۔آج ہندوستان میں یہ صورت رائج ہے اسی کے مطابق حکم لکھ کر بھیج دیں یہ قید لگا کر کہ آپ کے یہاں یہی صورت تھی تو حکم یہ ہے۔''

یہ جواب فل اسکیپ کے آدھے ورق سے بھی کم پر مع تائیدات آ گیا۔

اس واقعہ نے بتایا کہ کتب بینی سے علم حاصل کر لینا اور بات ہے اور فتویٰ لکھنا اور بات۔ ۳۶؎

مفتی اعظم کی طلبہ سے شفقت و محبت :

حضرت مفتیِ اعظم قدس سرہٗ طلبہ پر نہایت مہربان تھے، انھیں شفقت و محبت سے نوازتے اور ہر طرح ان کی خدمت کرتے حتیٰ کہ غریب و نادار طلبہ کو خفیہ طور پر خرچ کے لیے رقوم بھی عنایت فرماتے۔یوں ہی درس و تدریس کے ذریعہ ان کی خدمت کرتے۔اکثر طلبہ تفسیر، نہایت شفقت و محبت سے ان کو پڑھاتے۔کوئی طالب علم مسئلہ دریافت کرتا تو حضرت حدیث یا فقہ کی کتاب کے آغاز کے وقت تبرکاً پڑھنے کے لیے حضرت مفتی اعظم کی خدمت میں حاضر ہوتے، حضرت نہایت شفقت سے جواب دے کر مطمئن فرماتے۔جلسہ دستار فضیلت کے موقع پر علما و طلبہ کے لیے خصوصی دعوت کا اہتمام فرماتے۔خوشی کے موقع پر کھانے پکوا کر طلبہ کو کھلاتے تھے۔بہت سے طلبہ ایسے تھے جو دونوں وقت حضرت کے یہاں کھانا کھاتے تھے۔بعض طلبہ کو ان کے ذوقِ علمی کی بنا پر حضرت خود اپنے مکان پر ٹھہراتے اور نہایت لطف و

کرم سے قیام وطعام کا بندوبست فرماتے نیز ان کو اپنے علمی وروحانی فیضان سے مالا مال فرماتے۔ چنانچہ علامہ سید مظہر ربانی دارالعلوم ربانیہ باندہ رقم طراز ہیں:

''علما کی توقیر، طلبہ سے شفقت ومحبت جو آج کل بڑی بڑی ہستیوں میں مفقود ہوتی جارہی ہے۔ حضرت (مفتیِ اعظم) کا طرۂ امتیاز تھا۔'' ۳۷؎

ماہرِ رضویات پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد پی۔ ایچ ڈی پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج سکھر پاکستان رقم طراز ہیں:

آپ طلبہ پر بہت مہربان تھے۔ فارغ التحصیل طلبہ کی دعوت کرتے اچھے اچھے کھانے کھلاتے، امام احمد رضا بھی طلبہ پر بہت مہربان تھے، خوشی اور تہوار کے موقعوں پر طلبہ کو لذیذ کھانے پکوا کر کھلایا کرتے تھے۔ ہمارے علمی اداروں میں یہ شفقت ومحبت عنقا ہوگئی اور انگریزی اداروں کی تو بات ہی نہ پوچھیے۔ یہاں طلبہ استاد کے لیے مالِ تجارت بن کر رہ گئے ہیں۔ پھر طلبہ میں جذبۂ اطاعت ومحبت پیدا ہو تو کیوں کر ہو؟ شفقت ختم ہوگئی۔ شفقت عنقا ہو جائے تو محبت بھی عنقا ہو جاتی ہے۔ ہم طلبہ سے محبت مانگتے ہیں۔ مگر محبت تو خود بخود دل سے پھوٹتی ہے۔ مانگنے سے نہیں ملتی۔ ۳۸؎

ادیبِ شہیر عبدالنعیم عزیزی مدیر ماہنامہ سنّی دنیا بریلی شریف لکھتے ہیں:

حضرت طلبہ سے بہت محبت کرتے تھے۔ انھیں علم نافع حاصل ہونے کی دعائیں دیتے تھے۔ ان کے کھانے و دیگر ضروریات کا بھی خیال رکھتے تھے۔ آج بھی مدارس کے کئی طلبہ حضرت کے یہاں کھاتے پیتے ہیں۔ اگر کوئی طالب علم حضرت سے کوئی مسئلہ دریافت کرتا تو بڑی خوشی سے بتاتے تھے۔ اکثر طلبہ حدیث یا کوئی (دوسری) کتاب شروع کرتے وقت حضرت کے پاس پڑھنے کے لیے آتے تھے۔ تو حضرت اسے بڑی محبت سے پڑھاتے تھے۔ گھر میں کوئی تقریب ہو تو طلبہ کی دعوت ضرور کرتے تھے۔ ۳۹؎

حضرت مفتیِ اعظم قدس سرہٗ کی جلالتِ علمی ورفعتِ روحانی ہر کہ ومہ پر واضح ہے۔ عالمِ اسلام میں مسلمانوں کی توجہ کا مرکز تھے۔ بایں جلالت ورفعت اپنے شاگرد رشید حضرت محدثِ اعظم پاکستان مولانا سردار احمد رضوی لائل پوری قدس سرہٗ کو کن الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔ حضرت کے ایک مکتوب کا اقتباس پڑھیے اور اپنے شاگردوں سے والہانہ شفقت ومحبت کا اندازہ کیجیے!

آپ کے مدرسہ اور خدماتِ دینی کا حال ہر آنے والے سے معلوم ہوتا رہتا۔ ماشاء اللہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ مولیٰ تعالیٰ آپ کے فیض کو اور زیادہ سے زیادہ کرے اور دارین کی نعمتوں، برکتوں سے آپ کو مالا مال کرے اور بہت بہت ترقیاں ہر قسم کی دینی ودنیوی نصیب فرمائے آپ کی خدماتِ دینی کو شرفِ قبول بخشے اور بیش از بیش توفیقِ خیر دے اور آپ کو اس فقیر حقیر گناہ گار عصیاں کار کے لیے سرمایۂ نجات بنائے۔ آپ کی دینی خدمات سن سن کر دل باغ باغ ہے۔ ۴۰؎

تلامذہ ومستفیدین:

حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کے تلامذہ ومستفیدین کی ایک بڑی جماعت ہے۔ جو ہندو پاک کے ہر حصے میں حق کی آواز بلند کر رہی ہے۔ مفتیِ اعظم کے تلامذہ ومستفیدین عالم، عامل، مدرس، مقرر، مفسر ومحدث، مناظر ومتکلم، منطقی وفلسفی، محقق ومصنف، فقیہ وقاضی اور مفتی ہونے کے ساتھ ساتھ ملک وملت کے بہی خواہ، ہمدرد اور بے لوث خادم ہیں۔

استاذ کی سیرت وکردار، علم وعمل کی پختگی اور قول وفعل کی یکسانیت اور ہم آہنگی کا اثر تلامذہ پر ضرور پڑتا ہے۔ خصوصاً جب کہ استاذ کی علمی وروحانی قوت اپنے معاصر علما ومشائخ سے بھی خراجِ عقیدت وصول کر چکی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مفتیِ اعظم قدس سرہٗ کے تلامذہ ومستفیدین رسوخ فی العلم، استقامت فی الدین، مسلک سے والہانہ محبت، عشقِ مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دیگر مقاصد علم میں ایسے ممتاز ومنفرد ہیں کہ اپنی مثال آپ ہیں۔

حضرت مفتیِ اعظم قدس سرہٗ خیرآبادی اور دہلوی سلسلۂ تدریس کے ساتھ ساتھ عشقِ مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مظہر بریلی سلسلۂ تدریس کے امین وارث تھے۔ اس لیے آپ کے تلامذہ میں عشقِ مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک حسین تڑپ پیدا ہوگئی۔ جس نے ان کی فکری واعتقادی زندگی میں اجتماعیت، روحانیت، عزمِ مصمم، یقین محکم اور عمل پیہم کی بے بہا اور بےکراں دولت جمع کر دی۔ آپ کے مکتب اور فیضانِ نظر نے انھیں باطل فتنوں کے مقابلے کی ہمت وجرأت بخشی۔ آپ کے فیض یافتہ علما، فقہا، مفسرین، محدثین، متکلمین ومناظرین، محققین ومقننین، مصنفین ومؤلفین، مقررین ومدرسین، مناطقہ وفلاسفہ، ادبا وشعرا، قاضیانِ عدالت اور مفتیانِ شریعت۔ زمانے کے ہر چیلنج کا جواب دینے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں۔ اور اپنے اندر ایسی توانائی اور قوت پاتے ہیں کہ جہاں ہوں، وہاں ایک جہان آباد کرتے ہیں ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست   تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

حضرت مفتی اعظم قدس سرہ سے منظر اسلام ومظہر اسلام کے جن طلبہ نے درس لیا یا استفادہ کیا ان کا کوئی ریکارڈ نہ رکھا گیا اس لیے آپ کے تلامذہ ومستفیدین کا شمار ممکن نہیں رہا۔ ہاں یہ حقیقت تو واضح ہے کہ آپ کے ان گنت تلامذہ ومستفیدین آسمانِ علم وفضل کے مہر وماہ بن کر چمکے اور ان کا علمی فیض ہندو پاک اور اس کی سرحدوں کے پار بھی فضاؤں کو منور کر رہا ہے۔ ؎

بجتا ہے آج علم کا جو ساز دوستو   یہ بھی اُسی جرس کی ہے آواز دوستو

درسی تلامذہ :

حضرت مفتیِ اعظم قدس سرہٗ کے بےشمار تلامذہ میں چند ایک کے اسما ملاحظہ ہوں:

۱- محدثِ اعظم پاکستان مولانا سردار احمد رضوی گورداس پوری قدس سرہٗ بانی جامعہ رضویہ مظہرِ اسلام، فیصل آباد، پاکستان۔ [۴۱]

۲- فقیہ عصر مولانا اعجاز ولی خاں رضوی بریلوی قدس سرہٗ شیخ الحدیث والفقہ جامعہ نعیمیہ لاہور پاکستان۔ [۴۲]

۳- مناظرِ اعظم ہند مولانا حشمت علی خاں رضوی پیلی بھیتی قدس سرہٗ بانی دار العلوم حشمت الرضا پیلی بھیت۔ [۴۳]

۴- استاذ العلما مولانا الحاج مبین الدین رضوی امروہوی قدس سرہٗ شیخ التفسیر جامعہ نعیمیہ مرادآباد۔ [۴۴]

۵- شیخ المحدثین مولانا محمد تحسین رضا خاں رضوی بریلوی شیخ الحدیث جامعہ نوریہ رضویہ بریلی۔ [۴۵]

۶- فقیہ الہند مولانا محمد شریف الحق امجدی صدر مفتی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور۔ [۴۶]

۷- ریحانِ ملت مولانا محمد ریحان خاں رضوی بریلوی قدس سرہٗ متولی ومہتمم جامعہ رضویہ منظرِ اسلام، بریلی۔ [۴۷]

۸- فقیہ اسلام مولانا مفتی محمد اختر رضا خاں ازہری رضوی بریلوی صدر مفتی مرکزی دار الافتا بریلی۔ [۴۸]

۹- ناصر ملت مولانا محمد خالد علی خاں رضوی مہتمم جامعہ رضویہ مظہرِ اسلام، بریلی۔ [۴۹]

۱۰- محدثِ کبیر مولانا محمد ضیاء المصطفیٰ رضوی امجدی شیخ الحدیث وصدر المدرسین جامعہ رضویہ مظہرِ اسلام، بریلی۔ [۵۰]

۱۱- شیخ العلما مولانا محمد اعظم رضوی ٹانڈوی شیخ الحدیث وصدر المدرسین جامعہ رضویہ مظہرِ اسلام، بریلی۔ ۵۱؎
۱۲- استاذ العلما مولانا سید محمد عارف رضوی نانپاروی شیخ الحدیث جامعہ رضویہ منظرِ اسلام، بریلی۔ ۵۲؎
۱۳- عمدۃ المدرسین مولانا محمد نعیم اللہ خاں رضوی بستوی صدر المدرسین جامعہ رضویہ منظرِ اسلام، بریلی۔ ۵۳؎
۱۴- مبلغ اسلام مولانا محمد ابراہیم خوشتر صدیقی رضوی بانی سنّی رضوی سوسائٹی ماریشس افریقہ۔ ۵۴؎
۱۵- فاضلِ جلیل مولانا محمد منظور احمد فیضی رضوی بانی مدرسہ ''مدینۃ العلوم'' بھاول پور پاکستان۔ ۵۵؎
۱۶- فقیہ جلیل مولانا معین الدین شافعی قادری ناظمِ اعلیٰ ''جامعہ قادریہ رضویہ''، فیصل آباد، پاکستان۔ ۵۶؎
۱۷- شیخ العلما مولانا غلام جیلانی گھوسوی شیخ الحدیث جامعہ رضویہ مظہرِ اسلام، بریلی۔ ۵۷؎
۱۸- فقیہ ملت مولانا قاضی عبد الرحیم بستوی مفتی مرکزی دار الافتا بریلی۔ ۵۸؎
۱۹- فقیہ جلیل مولانا جلال الدین امجدی مفتی دار العلوم فیض الرسول براؤں ضلع بستی۔ ۵۹؎
۲۰- بدر العلما مولانا بدر الدین رضوی گورکھپوری، صدر مدرس مدرسہ غوثیہ بڑھیا، ضلع بستی۔ ۶۰؎
۲۱- شیخ الحدیث مولانا محمد یونس نعیمی صدر المدرسین دار العلوم فیض الرسول براؤں ضلع بستی۔ ۶۱؎
۲۲- فاضلِ جلیل مولانا محمد حنیف قادری مدرس دار العلوم فیض الرسول براؤں ضلع بستی۔ ۶۲؎
۲۳- فاضلِ شہیر مولانا قدرت اللہ رضوی مفتی دار العلوم فیض الرسول براؤں ضلع بستی۔ ۶۳؎
۲۴- فقیہ شہیر مفتی محمد مطیع الرحمن رضوی مدیر عام، ''الادارۃ الحنفیہ''، کشن گنج بہار۔ ۶۴؎
۲۵- مولانا لطف اللہ قریشی رضوی علی گڑھی خطیب شاہی جامع مسجد و مفتی شہر متھرا۔ ۶۵؎
۲۶- مولانا نذیر احمد رضوی پنجابی۔ ۶۶؎
۲۷- مولانا محمد اسماعیل رضوی پورنوی۔ ۶۷؎
۲۸- مولانا بلال احمد رضوی بہاری مدرس جامعہ رضویہ منظرِ اسلام، بریلی۔ ۶۸؎
۲۹- مولانا عبد الخالق نوری بہاری مدرس جامعہ رضویہ منظرِ اسلام، بریلی۔ ۶۹؎
۳۰- مولانا محمد ہاشم یوسفی بہاری مفتی دار الافتا منظرِ اسلام بریلی،۔ ۷۰؎
۳۱- مولانا عبد الحمید رضوی افریقی۔ ۷۱؎
۳۲- مولانا احمد مقدم رضوی افریقی۔ ۷۲؎
۳۳- مولوی محمد میاں رضوی بریلوی۔ ۷۳؎
۳۴- قاری محمد امانت رسول رضوی پیلی بھیتی۔ ۷۴؎
۳۵- فقیر نوری سید شاہد علی رضوی رام پوری شیخ الحدیث و ناظم الجامعۃ الاسلامیہ، رام پور۔ ۷۵؎

افتا کے تلامذہ :

حضرت مفتیِ اعظم قدس سرہٗ کے تلامذہ میں آپ سے افتا میں استفادہ کرنے والے حضرات کی تعداد زیادہ ہے بل کہ اگر برصغیر کے

اہم مفتیانِ کرام کے اسما جمع کیے جائیں تو ان اکثر حضرات حضرت مفتیِ اعظم کے بلا واسطہ یا بالواسطہ تلامذہ ہوں گے۔ حضرت مفتیِ اعظم کے درس افتا کے بے شمار تلامذہ میں چند ایک کے اسما ملاحظہ ہوں:

۱- محدث اعظم پاکستان مفتی سردار احمد رضوی گورداس پوری قدس سرہٗ بانی مظہرِ اسلام فیصل آباد، پاکستان۔ ۷۶؎
۲- مفتی اعظم پاکستان مولانا ابوالبرکات سید احمد رضوی شیخ الحدیث دارالعلوم حزب الاحناف لاہور ۔ ۷۷؎
۳- افقہ الفقہا مفتی سید افضل حسین رضوی مونگیری قدس سرہٗ شیخ الحدیث و مفتی جامعہ قادریہ رضویہ فیصل آباد، پاکستان ۔ ۷۸؎
۴- اعلم العلما مفتی الحاج مبین الدین رضوی امروہوی شیخ التفسیر جامعہ نعیمیہ مراد آباد ۔ ۷۹؎
۵- فقیہ عصر مفتی محمد احمد جہانگیر خاں رضوی اعظمی شیخ الحدیث و مفتی منظرِ اسلام بریلی۔ ۸۰؎
۶- شیخ المحدثین مولانا محمد تحسین رضا خاں رضوی بریلوی شیخ الحدیث جامعہ نوریہ رضویہ بریلی ۔ ۸۱؎
۷- فقیہ الہند مفتی محمد شریف الحق امجدی شارح بخاری وصدر مفتی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور۔ ۸۲؎
۸- فقیہ اسلام مفتی محمد اختر رضا خاں ازہری بریلوی جانشین حضرت مفتیِ اعظم وصدر مفتی مرکزی دارالافتا، بریلی۔ ۸۳؎
۹- محدثِ کبیر مفتی محمد ضیاء المصطفی رضوی اعظمی شیخ الحدیث وصدر المدرسین الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور۔ ۸۴؎
۱۰- فقیہ ملت مولانا قاضی عبدالرحیم رضوی بستوی مفتی مرکزی دارالافتا بریلی ۔ ۸۵؎
۱۱- فقیہ جلیل مفتی محمد اعظم رضوی ٹانڈوی شیخ الحدیث وصدر المدرسین جامعہ رضویہ مظہرِ اسلام، بریلی۔ ۸۶؎
۱۲- بحر العلوم مفتی عبدالمنان اعظمی شیخ الحدیث و مفتی شمس العلوم گھوسی ضلع اعظم گڑھ۔ ۸۷؎
۱۳- بلبلِ ہند مفتی محمد رجب علی رضوی نانپاروی بانی و مہتمم ''مدرسہ عزیز العلوم'' نان پارہ ضلع بہرائچ۔ ۸۸؎
۱۴- یادگارِ سلف مولانا محمد حبیب رضا خاں رضوی بریلوی ناظم ادارہ سنّی دنیا بریلی۔ ۸۹؎
۱۵- فاضل جلیل مفتی ابرار حسین صدیقی تلہری مفتی جماعت رضائے مصطفی و مدیر اعلیٰ ماہنامہ یادگارِ رضا بریلی۔ ۹۰؎
۱۶- شیخ العلما مفتی غلام جیلانی گھوسوی شیخ الحدیث جامعہ رضویہ مظہرِ اسلام بریلی ۔ ۹۱؎
۱۷- استاذ العلما مفتی خواجہ مظفر حسین رضوی پورنوی شیخ المعقولات درالعلوم فیض الرسول براؤں۔ ۹۲؎
۱۸- شیخ الحدیث مولانا غلام یزدانی گھوسوی صدر المدرسین جامعہ رضویہ مظہرِ اسلام بریلی۔ ۹۳؎
۱۹- مولانا غلام محمد یٰسین رشیدی پورنوی قدس سرہٗ۔ ۹۴؎
۲۰- مولانا معین الدین خاں اعظمی مدرس جامعہ رضویہ مظہر اسلام، بریلی۔ ۹۵؎
۲۱- مفتی محمد طاہر حسین اشرفی مفتی رضوی دارالافتا بریلی۔ ۹۶؎
۲۲- مفتی محمد مطیع الرحمن رضوی بہاری مدیر عام ''الادارۃ الحنفیہ'' کشن گنج بہار۔ ۹۷؎
۲۳- مولانا حسن منظر قدیری۔ فاضل جامعہ رضویہ منظرِ اسلام، بریلی۔ ۹۸؎
۲۴- مولانا عبدالحمید رضوی دیناج پوری۔ ۹۹؎
۲۵- مفتی محمد صالح رضوی مدرس جامعہ رضویہ مظہرِ اسلام، بریلی۔ ۱۰۰؎
۲۶- مولانا مفتی مجیب الاسلام نسیم اعظمی مدرس جامعہ رضویہ مظہرِ اسلام، بریلی۔ ۱۰۱؎

۲۷- مولانا مظفر حسین غازی پوری کراچی پاکستان۔ ۱۰۲؎

۲۸- مفتی ریاض احمد سیوانی۔ نائب مفتی جامعہ رضویہ منظرِ اسلام، بریلی۔ ۱۰۳؎

۲۹- مفتی جلال الدین قادری۔ ٹانڈہ ضلع فیض آباد۔ ۱۰۴؎

۳۰- مفتی عبدالغفور بہاری مدرس جامعہ رضویہ مظہر اسلام، بریلی۔ ۱۰۵؎

۳۱- مولانا محمد انور رضوی ٹانڈوی مفتی رضوی دارالافتا بریلی۔ ۱۰۶؎

۳۲- مولانا رئیس الدین رضوی پورنوی مدرس مظہرِ اسلام بریلی۔ ۱۰۷؎

مستفیدین :

حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کے مستفیدین کا حلقہ بہت وسیع ہے۔ عرس رضوی ۔ عرس حجۃ الاسلام ۔ جلسۂ دستارِ فضیلت ۔ حج بیت اللہ ۔ اور دینی و تبلیغی سفروں میں ہزار ہا علما و فقہا اور مفتیانِ کرام نے حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ سے علمی استفادہ کیا۔ آپ کی ذات اکابر علما و فقہاے معاصرین کا مرجع و ماویٰ تھی۔ علماے کرام اپنی علمی مشکلات آپ سے حل کرواتے ۔ مشکل مسائل میں آپ سے رجوع فرماتے اور جلیل القدر مفتیانِ کرام اپنے فتاویٰ کی تصدیق و تصویب آپ سے کرواتے۔

ادیبِ شہیر عبدالنعیم عزیزی ایم۔اے، بی۔ایس۔سی ، مدیر سنّی دنیا بریلی اور حضرت مفتی محمد اعظم رضوی مدظلہ نے اس وقت کا واقعہ بیان کیا ہے جب امریکیوں کے چاند پر جانے میں صدر العلما علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی اور شمس العلما قاضی شمس الدین احمد جعفری رحمہما اللہ نے حضرت مفتی اعظم قدس سرہ سے دیگر علما کی موجودگی میں سوال کیا اور حضرت نے دلیل کے ساتھ بتایا کہ ستارے اور سیارے سب زیر آسمان فضا میں ہیں اس لیے چاند پر انسان کا پہنچنا ممکن ہے۔ ''والشمس تجری لمستقر لھا'' کے پیش نظر سورج کی حرکت اور استقرار دونوں وصف ثابت ہونے پر پیش ہوا حضرت نے اس کا بھی تشفی بخش جواب دیا۔ (تفصیل مفتی محمد اعظم صاحب مدظلہ کے مضمون میں دیکھی جائے۔)

فقیہ الہند مفتی محمد شریف الحق امجدی شارح بخاری حضرت مفتیِ اعظم قدس سرہٗ کی ایک اور مجلس استفادہ کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

حاشیہ شرح ماۃ عامل عبدالرسول میں عربی کا ایک مقولہ ہے: ''اَلنَّارُ فِی الشِّتَاءِ خَیْرٌ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ''

۱۰۸؎ جس کا ظاہری ترجمہ یہ ہے کہ جاڑے میں آگ اللہ اور رسول سے بہتر ہے۔ اور ظاہر ہے یہ معنیٰ کفری ہے۔

حاشیہ شرح ماۃ عامل کے مطابق مِنْ یہاں پر قسمیہ ہے۔ تو اب معنیٰ یہ ہوں گے کہ اللہ و رسول کی قسم آگ جاڑے میں بہتر ہے۔ مگر اس توجیہ پر بھی یہ اشکال ہے کہ اللہ کی قسم کھانا تو جائز ہے۔ مگر رسول کی قسم کھانا جائز نہیں۔ علما کے درمیان اس مسئلہ میں مذاکرہ ہوا۔ سب نے اپنے اپنے طور پر جوابات دیے۔ پھر آخر میں حضرت مفتی اعظم رضی اللہ عنہ سے استفسار کیا گیا۔ حضرت نے ایسا جواب دیا جس سے اس جملہ کی صحیح توجیہ بھی ہوگئی اور اشکال بھی اٹھ گیا۔ حضرت نے فرمایا کہ اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ آپ لوگ روزمرہ کے محاورے میں بولتے ہیں۔ یہ بات من جانب اللہ ہے۔ اسی طور پر اس جملہ کو ادا کیجیے ۔ حضرت کے ارشاد سے صاف ہوگیا کہ من یہاں قسمیہ نہیں ہے کہ وہ اشکال ہو۔ جو گزرا۔ نہ تفضیل بتانے کے لیے جیسا کہ اس جملے سے ذہن کو دھوکا ہوتا ہے۔ بل کہ من یہاں ابتداء غایت کے لیے ہے اور مطلب یہ ہے:

''اللہ ورسول کی جانب سے آگ جاڑے میں بہتر ہے۔'' ۱۰۹؎

حضرت مفتیِ اعظم قدس سرہٗ کی شہرت ومقبولیت صرف برصغیر ہی تک محدود نہ تھی بل کہ عالمِ اسلام کے علما ومشائخ آپ کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔غائبانہ طور پر آپ کی دینی وملی خدمات اور رفعت وعظمت کے معترف تھے اور آپ کے وجودِ مسعود کو عالمِ اسلام کے لیے ایک نعمتِ عظمیٰ تصور فرماتے تھے۔چنانچہ ۱۳۹۱ھ میں جب حضرت مفتیِ اعظم قدس سرہٗ تیسری مرتبہ حج وزیارت کے لیے حاضر ہوئے تو اس موقع پر مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کے سیکڑوں افراد حضرت کے دستِ مبارک پر بیعت ہوئے۔بڑے بڑے جید علماے اعلام،فضلاے کرام اور مفتیانِ عظام نے آپ کے سامنے زانوے ادب تہہ فرما کر شرفِ تلمذ حاصل کیا۔آپ سے اجازتِ حدیث لی۔اور خلافتیں حاصل کیں۔جن میں سے چند ایک کے اسما ملاحظہ ہوں:

(۱) مفتی حرم حضرت علامہ مولانا سید محمد مغربی مالکی مکی (۲) شیخ العلما حضرت علامہ مولانا سید امین قطبی مکی (۳) حضرت علامہ مولانا مفتی سید محمد نور (۴) استاذ العلما حضرت علامہ مولانا جعفر بن کثیر (۵) حضرت علامہ مولانا عمر ہمدان مکی (۶) حضرت علامہ مولانا سید عباس مالکی مکی (۷) حضرت علامہ مولانا عبد المالک (۸) حضرت علامہ مولانا موز اعرقی (۹) حضرت علامہ مولانا ابراہیم مدنی (۱۰) حضرت علامہ مولانا محمد فضل الرحمن مدنی (۱۱) حضرت علامہ مولانا سید علوی مالکی وغیرہ۔ ۱۱۰؎

مولانا مفتی محمد اشرف رضا قادری مصباحی فاضل الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کے تیسرے سفرِ حج و زیارت کے احوال میں رقم طراز ہیں:

''مدینہ منورہ میں آپ کی قیام گاہ پر ہر وقت اہلِ مدینہ اور دوسرے ممالک کے حجاج کرام کا ہجوم رہا کرتا تھا۔ایک روز حلب کے علما کرام آپ کی زیارت کو آئے۔آپ نے انھیں چائے پیش کی۔توانھوں نے اس شرط پر چائے پی کہ آپ جھوٹا کر کے تبرک کر دیں۔بعد میں ان حضرات میں سے بعض آپ کے مرید ہوئے اور بعض نے اجازت وخلافت حاصل کی۔ ۱۱۱؎

مولانا مفتی محمد مطیع الرحمن رضوی مدیرِ عام ''الادارۃ الحنفیہ'' کشن گنج بہار حضرتِ مفتی اعظم قدس سرہٗ کے مستفیدین کے متعلق رقم طراز ہیں:

''پاکستان اور عرب مقدس کے بہت سے حضرات کے علاوہ ہزار ہا وہ علما بھی (مستفیدین) میں شامل ہیں،جو بریلی شریف یا اسفار وغیرہ میں خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ ۱۱۲؎

حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کے تلامذہ اور خلفاء کی طرح مستفیدین کا بھی کوئی ایسا ریکارڈ محفوظ نہیں کہ جس سے مستفیدین کی صحیح تعداد معلوم ہو سکے۔تاہم حضرت مفتی اعظم کے بے شمار مستفیدین میں چند ایک کے اسما ملاحظہ ہوں۔

۱- برہانِ ملت حضرت علامہ مفتی برہان الحق رضوی جبل پوری
۲- صدر العلما حضرت علامہ مفتی سید غلام جیلانی قادری میرٹھی
۳- شمس العلما حضرت مفتی قاضی شمس الدین رضوی جون پوری
۴- مجاہدِ ملت حضرت علامہ مفتی محمد حبیب الرحمن رضوی اڑیسوی
۵- حافظِ ملت حضرت علامہ مفتی عبد العزیز رضوی محدث مرادآبادی

۶- امیر شریعت حضرت مفتی رفاقت حسین قادری بہاری
۷- حبیبِ ملت حضرت علامہ مفتی محمد حبیب اللہ قادری بہاری
۸- سید العلما حضرت علامہ مفتی سید آلِ مصطفی برکاتی مارہروی
۹- استاذ العلما حضرت علامہ مفتی عبدالرؤف قادری بلیاوی
۱۰۔ شیخ العلما حضرت علامہ مفتی محمد یونس قادری سنبھلی
۱۱۔ مناظرِ اہل سنت حضرت علامہ مفتی محمد حسین قادری سنبھلی ۱۱۳ھ (رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین)

افتا :

افتا کے معنی ہیں فتویٰ دینا۔ فتویٰ شرعی مسائل میں ماہر شریعت کے فیصلے کو کہتے ہیں۔

علم فتویٰ وہ علم ہے کہ جس میں جزئی واقعات کی بابت ماہر شریعت فقہا سے صادر شدہ احکام مروی ہوں تا کہ آنے والے پست ہمت لوگوں کے لیے عمل آسان ہو۔

قال فی مدینة العلوم: هو علم مروی فیه الاحکام الصادرة عن الفقهاء فی الواقعات الجزئیة لیسهل العمل علی القاصرین من بعدهم۔

افتا ایک نہایت عالی اور کامل فن ہے جو آغاز اسلام میں وجود میں آیا۔ جس کی مثال اسلام کے علاوہ اور کہیں نہیں ملتی۔ افتا چونکہ نہایت اہم اور ذمہ داری کا کام ہے اس لیے اسلام میں ابتدا ہی سے اس کا ایک مخصوص محکمہ قائم تھا جس کا نام ”محکمہ افتا“ تھا اس محکمۂ افتا میں کام کرنے والے لائق وفائق ماہرین قانون فقہاے کرام ہر جگہ موجود رہتے تھے،

تشنگانِ علوم دینیہ میں سے جو شخص کوئی مسئلہ دریافت کرنا چاہتا، ان سے دریافت کر سکتا تھا ان پر فرض تھا کہ نہایت تحقیق کے ساتھ ان مسائل کو بتائیں، اس صورت میں گویا ہر شخص جب چاہے قانون کے مسائل سے واقف ہو سکتا تھا۔

مفتیانِ شرع متین :

امت مسلمہ میں علماے دین کے دو طبقوں نے خاص طور پر دینِ اسلام کی خدمت میں نمایاں کردار ادا کر کے نا قابل فراموش خدمات انجام دی ہیں۔

ایک محدثین کرام کا طبقہ جس نے احادیث نبوی کی روایات اور ان کے بیان وضبط کا اہتمام فرمایا اور اسناد والفاظ پر گہری نظر رکھی۔

دوسرا فقہاے کرام کا طبقہ، جس نے قرآنی آیات اور احادیث نبوی سے مسائل واحکام کا استنباط واستخراج کیا۔ اور الفاظِ حدیث کے ساتھ معانی حدیث اور اس سلسلہ کے اصول وقواعد پر ان کی نظر مرکوز رہی، مفتیان شرع متین کا تعلق اسی دوسرے طبقے سے ہے۔

امت مسلمہ کے سب سے پہلے مفتی :

امت مسلمہ کے سب سے پہلے مفتی سید عالم، نبی اکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور یہ نعمت عظمیٰ اللہ رب العزت نے آپ کو اپنے فضل عمیم سے عطا کی، قرآن کریم میں افتا کا لفظ خود اللہ رب العزت کے لیے بھی وارد ہوا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَیَسْتَفْتُوْنَکَ فِی النِّسَاءِ قُلِ اللّٰہُ یُفْتِیْکُمْ فِیْھِنَّ وَ مَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ فِی الْکِتَابِ (نسا: ۴/۱۲۷)

اور تم سے عورتوں کے بارے میں فتویٰ پوچھتے ہیں تم فرمادو کہ اللہ تمھیں ان کا فتویٰ دیتا ہے اور وہ جو تم پر قرآن میں پڑھا جاتا ہے۔

یَسْتَفْتُوْنَکَ قُلِ اللّٰہُ یُفْتِیْکُمْ فِی الْکَلَالَۃِ (نسا: ۴/۱۷۶)

اے محبوب تم سے فتویٰ پوچھتے ہیں تم فرمادو کہ اللہ تمھیں کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے۔

ان آیات میں افتا کی نسبت اللہ رب العزت جل جلالہ کی طرف کی گئی ہے، جس سے اس کام کی جلالتِ شان نمایاں ہوتی ہے۔

مفتیانِ صحابہ :

سید عالم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عظیم الشان منصب پر آپ کے جلیل القدر صاحب بصیرت صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین فائز تھے جن کی تعداد علما کے ایک قول کے مطابق کچھ اوپر ایک سو تیس ہے۔ ان میں سے سات حضرات اس خدمت کو خاص طور پر بکثرت انجام دیتے تھے۔ یہ وہ حضرات ہیں جن کے فتاویٰ یک جا کیے جائیں تو ان میں سے ہر ایک کے فتاویٰ کی تعداد اتنی ہو کہ اس کی ضخیم جلدیں تیار ہو جائیں۔ ان سات حضرات کے اسماے مبارکہ یہ ہیں۔

(۱) امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب (۲) امیر المؤمنین حضرت علی ابن ابی طالب (۳) حضرت عبداللہ بن مسعود (۴) ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ (۵) حضرت زید بن ثابت (۶) حضرت عبداللہ بن عباس (۷) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم اجمعین۔

ان حضرات کے علاوہ امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی، حضرت معاذ بن جبل، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت ابی بن کعب، حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابودرداء وغیرہ ہم بھی صحابۂ کرام میں جلیل القدر مفتی تھے (رضی اللہ عنہم اجمعین)

صحابۂ کرام کے بعد فتاویٰ :

صحابۂ کرام کے ذریعہ دینی علوم وفنون نے نشو و نما پائی اور اسی طرح چراغ سے چراغ جلتا گیا، چنانچہ صحابۂ کرام کے بعد تابعین عظام، تابعین کے بعد تبع تابعین پھر بعد کے علما و فقہا نے ہر صدی میں اس سلسلہ کو قائم رکھا۔ جن کی تفصیلات سے آگاہی کے لیے فقہ اسلامی کی تاریخ کا مطالعہ ضروری ہے۔

خاندان رضا میں افتا کی بنیاد :

تیرہویں صدی ہجری میں امام احمد رضا قدس سرہٗ کے جد امجد امام العلما مفتی رضا علی خاں بریلوی قدس سرہٗ متوفی ۱۲۸۲ھ/ ۱۸۶۵ء نے ۱۲۴۶ھ/ ۱۸۳۱ء میں بریلی کی سرزمین پر مسند افتا کی بنیاد رکھی اور ۱۲۸۲ھ/ ۱۸۶۵ء تک فتویٰ نویسی کا کارگراں قدر انجام دیا [۱۱۴]۔ امام العلما نے نہ صرف خود مسند افتا کو زینت بخشی بل کہ اپنے فرزند سعید امام المتکلمین مولانا مفتی نقی علی خاں بریلوی قدس سرہٗ م ۱۲۹۷ھ کو خصوصی تعلیم و تربیت دے کر مسند افتا پر فائز کیا۔ مفتی نقی علی خاں دقت نظر اور اصابت فکر میں یگانۂ روزگار تھے۔ بے پناہ فہم و فراست اور زیرکی و دانائی کے مالک تھے، بلندیِ اقبال، علو ہمت، کرم و مروت، سخاوت و شجاعت، حکام سے عزلت رزق موروثی پر قناعت، دبدبہ و جلال، عزت و سرفرازی، علم و عقل نیز دیگر فضائل و خصائل کے جامع تھے۔

آپ نے مسند افتا پر فائز ہونے کے بعد ۱۲۹۷ھ تک نہ صرف فتویٰ نویسی کا گراں قدر فریضہ انجام دیا بل کہ معاصر علما و فقہا سے اپنی علمی صلاحیت اور فقہی بصیرت کا لوہا منوا کر مرجع فتاویٰ ہو گئے۔

امام المتکلمین نے یوں تو اپنے جمیع فرزندگان کو زیور علم سے آراستہ کیا مگر فتویٰ نویسی کے لئے خاص طور پر امام احمد رضا قدس سرہٗ کو منتخب فرمایا۔

امام احمد رضا قدس سرہٗ نہایت قلیل مدت میں درسی علوم وفنون کے دریاؤں کو عبور کر کے علوم وفنون کے سمندروں میں ایک ماہر شناور کی طرح تیرنے لگے۔ والد ماجد کی امیدوں کا صحیح مرکز بن گئے یہاں تک کہ ۱۴ رشعبان المعظم ۱۲۸۶ھ/ ۱۸۶۹ء کو تیرہ سال دس ماہ اور پانچ دن کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے۔

امام احمد رضا قدس سرہٗ کی روز افزوں ترقی دیکھ کر والد ماجد کی مسرتوں کی انتہا نہ رہی۔ تکمیل کے بعد ہی والد ماجد امام المتکلمین نے فتویٰ نویسی کا کام امام احمد رضا قدس سرہٗ کے سپرد فرما دیا۔ آپ نے بڑی ذمہ داری سے اسے نبھایا ہی نہیں بل کہ اس میدان میں اپنی انفرادیت اور نمایاں حیثیت سبھی اہل علم وفضل سے منوالی۔

۱۲۹۳ھ/ ۱۸۷۶ء کو والد ماجد امام المتکلمین نے فتویٰ نویسی کی مطلقاً اجازت عطا فرما دی۔ پھر والد گرامی امام المتکلمین مولانا نقی علی خاں بریلوی قدس سرہٗ کے وصال کے بعد ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۸۰ء میں امام احمد رضا قدس سرہٗ مستقل طور پر مسند افتا پر فائز ہو گئے۔ ۱۱۵؎

امام احمد رضا قدس سرہٗ ملک العلما مولانا ظفر الدین بہاری قدس سرہٗ کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

''بحمدہٖ تعالیٰ فقیر نے ۱۴ رشعبان ۱۲۸۶ھ کو ۱۳ برس کی عمر میں پہلا فتویٰ لکھا۔ اگر ۷ دن اور زندگی بالخیر ہے تو اسی شعبان ۱۳۳۶ھ کو اس فقیر کو فتاویٰ لکھتے ہوئے بفضلہٖ تعالیٰ پورے پچاس سال ہوں گے۔ اس نعمت کا شکر فقیر کیا ادا کر سکتا ہے۔ ۱۱۶؎

امام احمد رضا قدس سرہٗ نے فقہ میں شیخ عبدالرحمن حنفی مکی قدس سرہٗ سے سند حاصل کی، جن کا سلسلہ صحابی رسول سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ حدیث وفقہ پر امام احمد رضا کو کمال وعبور حاصل تھا، اس کی نظیر ان کے عہد میں کہیں نہیں ملتی، ان کی فاضلانہ اور محققانہ تصنیف لطیف ''العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ'' کی بارہ جلدیں اور کثیر کتب ورسائل اس حقیقت پر گواہ ہیں۔ ان کی فقہی مہارت وبصیرت کا اعتراف کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد اقبال نے کہا تھا۔

ہندوستان کے دور آخر میں ان جیسا طباع اور ذہین فقیہ پیدا نہیں ہوا۔ ۱۱۷؎

اور فتاویٰ رضویہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے ہندوستان کے مشہور قانون داں اور بمبئی ہائی کورٹ کے جج پروفیسر ڈی ایف ملا نے کہا تھا:

''ہندوستان کا بھی بڑا کارنامہ ہے، فقہ حنفی میں بہت کچھ لکھا گیا بالخصوص دو کتابیں تو بہت بڑی لکھی گئیں۔ ایک فتاویٰ عالمگیری اور دوسری فتاویٰ رضویہ۔'' ۱۱۸؎

پروفیسر مجید اللہ قادری کراچی یونیورسٹی فتاویٰ رضویہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''فتاویٰ رضویہ تیرہویں صدی ہجری کے عشرۂ آخر اور چودھویں صدی ہجری کی چار دہائیوں میں لکھے جانے والے ان فتاویٰ کا مجموعہ ہے جو امام اہل سنت، مجدد دین وملت، شاہ احمد رضا بریلوی قادری نوری نور اللہ مرقدہ کی فطانت ذہانت وذکاوت، تبحر علمی اور تفقہ فی الدین کا ایک عظیم ترین شاہکار ہے اور ۷۰ سال گزر جانے کے بعد بھی ایسا جامع مبسوط، مدلل اور مبرہن کوئی دوسرا مجموعۂ فتاویٰ نہ تو احناف کے ہاں مرتب ہو سکا اور نہ ہی کسی دوسرے مذہب اہل سنت وجماعت میں مرتب ہوا۔ ۱۱۹؎

مکہ معظّمہ کے ایک مشہور فاضل سید اسمٰعیل خلیل حافظ کتب حرم نے امام احمد رضا کے فتاویٰ کو دیکھ کر لکھا تھا۔

واللّٰہ اَقول والحق اقول انه لو رآها (فتاواه) ابوحنيفة النعمان لأقرت عينه ولجعل مؤلفها من جملة الاصحاب۔ ۱۲۰ ؎

اور میں قسم کھا کر کہتا ہوں اور سچ کہتا ہوں ان فتوؤں کو اگر ابوحنیفہ نعمان (رضی اللہ عنہ) دیکھتے تو یقیناً ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچتی اور اس کے مؤلف کو اپنے (اجلۂ) تلامذہ میں شامل فرماتے۔

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کی فقہی اور علمی تحقیقات نے علماء عرب وعجم کو حیرت میں ڈال دیا تھا، انھوں نے دل کھول کر امام احمد رضا کو خراجِ عقیدت پیش کیا اور چودھویں صدی کا مجدد قرار دیا۔

امام احمد رضا بریلوی کے دارالافتا میں براعظم ایشیا، براعظم یورپ، براعظم امریکہ اور براعظم افریقہ سے استفتا آتے تھے اور کبھی ایک وقت میں پانچ پانچ سو جمع ہوجایا کرتے تھے۔ یہ امتیاز یہ مقبولیت، یہ مرجعیت صرف اور صرف امام احمد رضا ہی کو حاصل تھی۔ علماے دین، مفتیانِ شرع اور قاضیانِ عدالت سب ان سے مستفید ہوتے تھے۔

امام احمد رضا قدس سرہٗ کی سرعت تحریر کا یہ عالم تھا کہ آپ کے مسودات کو نقل کرنے والے بیک وقت چار چار افراد نقل کرتے جاتے تھے۔ یہ ابھی فارغ بھی نہ ہوتے تو پانچواں صفحہ تیار ہوجاتا، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کتنا کچھ لکھا ہوگا۔ ۱۲۱ ؎

دارالافتا کا نظم جدید :

امام احمد رضا قدس سرہٗ نے دارالافتا کی روز افزوں ترقی، عالمی شہرت ومقبولیت اور کثرت کار کو دیکھتے ہوئے ایسا لاجواب نظام قائم فرمایا تھا کہ اس کی نظیر سوائے بریلی کے کہیں نہیں ملتی۔

امام احمد رضا قدس سرہٗ نے نظم جدید کی رو سے دارالافتا کا نام ''رضوی دارالافتا'' تجویز کیا اور اس کا مہتمم اپنے فرزند صغیر بدرالشریعہ والطریقہ، مرجع العلما والفقہا تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کو مقرر فرمایا۔ ۱۲۲ ؎

امام احمد رضا قدس سرہٗ فتویٰ نویسی کا کام عموماً دو مقام پر کرتے تھے ایک باہر دارالافتا میں، دوسرے زنانہ مکان میں۔ باہر دارالافتا میں کام کرنے والے حضرات کو نظم جدید کی رو سے دو منصب عطا کیے تھے۔ ایک پیش کار، دوسرے امین الفتویٰ

پیش کار :

اس نظم جدید کی رو سے ملک العلما مولانا ظفرالدین بہاری م ۱۳۸۲ھ/ ۱۹۶۲ء امام احمد رضا قدس سرہٗ کے پیش کار ہوئے۔ ان کا کام نماز عصر کے بعد باہر کی آئی ہوئی ڈاک پیش کرنا تھا۔ جن کا جواب امام احمد رضا قدس سرہٗ بولتے جاتے تھے اور ملک العلما لکھتے جاتے تھے۔

ملک العلما مولانا ظفرالدین بہاری خطیب جامع مسجد ہوکر شملہ چلے گئے تو ان کی جگہ صدرالشریعہ، بدرالطریقہ مولانا مفتی امجد علی اعظمی قدس سرہٗ پیش کاری کے منصب پر فائز ہوئے۔ حضرت صدرالشریعہ بیک وقت پیش کار بھی تھے، منظر اسلام کے مدرس بھی تھے، مطبع اہل سنت کے مہتمم بھی۔ یہ سب فرائض بحسن وخوبی انجام دیتے تھے، اسی حالت میں تصنیف بہار شریعت کا کام بھی جاری تھا اور بوقتِ ضرورت مناظرہ کے لئے بھی یہی بھیجے جاتے تھے، حضرت صدرالشریعہ کی پیش کاری تاحیاتِ امام احمد رضا قدس سرہٗ جاری رہی اور دیگر کارہائے متعلقہ جو پہلے سے کررہے تھے بدستور کرتے رہے۔

امین الفتویٰ :

امین الفتوی کا کام چھوٹے چھوٹے فتوں کا جواب لکھنا اور جو فتوے اندر زنانہ مکان سے امام احمد رضا قدس سرہٗ کے لکھے ہوئے آئیں ان کا فتاویٰ رضویہ کی مختلف جلدوں میں نقل کرنا تھا۔ امین الفتویٰ کا نقل کا کام بہت بڑا تھا۔ امام احمد رضا قدس سرہٗ بعض معمولی مسائل پر اندر سے رسائل لکھ کر بھیج دیتے تھے۔ پھر ان کی روزانہ کی تصنیف کوئی ایک شخص نقل نہیں کر سکتا تھا۔

نظم جدید کی رو سے امین الفتویٰ کے منصب پر سید غلام محمد اور مولانا سید عبد الرشید عظیم آبادی علیہما الرحمۃ والرضوان فائز ہوئے۔ کچھ دنوں کے بعد مولانا عبد الرحمن بہاری اور مولانا نواب مرزا بریلوی علیہما الرحمۃ والرضوان امین الفتویٰ ہوئے۔ مولانا نواب مرزا کے ہٹنے پر مولوی شفیع احمد خاں بیسل پوری قدس سرہٗ امین الفتوی ہوئے۔

ان کے بعد امین الفتویٰ کے منصب پر یکے بعد دیگر دو نو جوان فاضل آئے۔ پہلے برہان ملت مولانا برہان الحق جبل پوری قدس سرہٗ ان کی واپسی وطن کے کچھ دن بعد محدث اعظم ہند مولانا سید محمد ابو المحامد کچھوچھوی قدس سرہٗ نے مسند امین الفتویٰ کو رونق بخشی۔

محدث اعظم ہند مولانا سید محمد کچھوچھوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

(امام احمد رضا قدس سرہٗ کی) عادت کریمہ یہ تھی کہ استفتا ایک ایک مفتی کو تقسیم فرما دیتے۔ اور پھر ہم لوگ دن بھر محنت کر کے جوابات مرتب کرتے۔ پھر عصر و مغرب کے درمیان مختصر ساعت میں ہر ایک سے پہلے استفتا پھر فتویٰ سماعت فرماتے۔ اسی وقت مصنفین اپنی تصنیف دکھاتے، زبانی سوال کرنے والوں کو بھی اجازت تھی جو کہنا ہو کہیں اور جو سنانا ہو سنائیں، اتنی آوازیں، اس قدر جداگانہ باتیں اور صرف ایک ذات کو سب کی طرف توجہ فرمانا۔ جوابات کی تصحیح و تصدیق و اصلاح۔ مصنفین کی تائید و تصحیح اغلاط۔ زبانی سوالات کا تشفی بخش جواب عطا ہو رہا ہے۔ اور فلسفیوں کے خبط "**لا یصدر عن واحد الا واحد** کی دھجیاں اڑ رہی ہیں۔ جس ہنگامۂ سوالات و جوابات میں بڑے بڑے اکابر علم و فن سر تھام کر چپ ہو جاتے ہیں کہ کس کی سنیں اور کس کی نہ سنیں وہاں سب کی سنوائی ہوتی تھی اور سب کی اصلاح فرما دی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ ادبی خطا پر بھی نظر پڑ جاتی اور اس کو درست فرما دیا کرتے تھے۔" ۱۲۳ ؎

مسائل ترکہ کا انتظام :

امام احمد رضا قدس سرہٗ کے دار الافتا میں مسائل ترکہ کا انتظام ابتدا ہی سے بہت معقول رہا۔ ابتداءً یہ کام امام احمد رضا قدس سرہٗ کے شاگرد مولانا نواب سلطان احمد خاں قدس سرہٗ کرتے تھے۔ جب کام بڑھنے لگا تو امام احمد رضا قدس سرہٗ کے برادر خورد مولانا محمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ کرنے لگے۔ مولانا سلطان احمد خاں بریلوی محلہ بہاری پور میں رہتے تھے اور مولانا محمد رضا خاں بریلوی محلہ سوداگران میں رہتے تھے۔ اس لئے ان کی طرف رجوع بڑھ گیا اور وہ مسائل ترکہ کا مرکز بن گئے۔ پہلے تو بریلی ہی سے مسائل ترکہ آتے تھے، باہر کے لوگوں کو جب معلوم ہوا تو بیرون قصبہ جات کے مناسخے آنے لگے۔ اب کام کی کثرت اور بڑھ گئی تو دار العلوم منظر اسلام کے طلبہ کو بھی تیار کر لیا گیا۔ اس طرح کام بھی سمٹتا رہا اور طلبہ بھی اس کام کو سیکھ گئے۔ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ مسائل ترکہ لکھنے سے اس لیے گریز فرماتے تھے کہ ترکہ کا مقدمہ لڑنے کی صورت میں مناسخہ لکھنے والے کو تصدیق کے لیے کچہری جانا پڑتا تھا، امام احمد رضا قدس سرہٗ کو انگریز اور اس کی کچہری سے ہمیشہ نفرت رہی۔ امام احمد رضا قدس سرہٗ نے یہ عہد کر لیا تھا کہ کچہری نہ جاؤں گا وہ عمر کے کسی حصہ میں کچہری کے کمرے

میں نہ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا عہد قائم رکھا۔

شہزادگان کو فتویٰ نویسی کی تربیت :

امام احمد رضا قدس سرہٗ نے اپنے والد مفتی نقی علی خاں قدس سرہٗ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنے دونوں شہزادوں حجۃ الاسلام اور مفتی اعظم کو زیور علم سے آراستہ کر کے باقاعدہ فتویٰ نویسی کی خصوصی تعلیم و تربیت دی۔ چنانچہ امام احمد رضا جب اندر مکان میں فتاویٰ اور تصنیف و تالیف کا کام کرتے تو کتب خانہ سے کتابیں نکال کر حوالہ کی نشان دہی کی خدمت شہزادۂ کبیر حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ کے سپرد تھی۔

۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء میں استاذ زمن مولانا حسن رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ کے وصال کے بعد جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی کا اہتمام جب شہزادۂ کبیر حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں بریلی قدس سرہٗ کے سپرد ہوا۔ تو حجۃ الاسلام کی جگہ شہزادۂ صغیر مفتی اعظم مولانا مصطفی رضا بریلوی قدس سرہٗ کو یہ خدمت تفویض کی گئی کہ ملک و بیرون ملک سے آنے والے سوالات کے جوابات کی تیاری میں امام احمد رضا کے حوالہ کے لیے کسی عبارت کی ضرورت ہو تو وہ کتاب نکال کر حوالہ کی نشان دہی کریں اور امام احمد رضا کی خدمت میں پیش کر دیں۔ حضرت مفتی اعظم نے کمالِ حسن و خوبی کے ساتھ یہ خدمت انجام دی۔

مفتی اعظم کی فتویٰ نویسی کا آغاز :

۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء میں جب حضرت مفتی اعظم کی عمر مبارک ۱۸ سال تھی، آپ کسی کام سے رضوی دارالافتا میں پہنچے تو وہاں ملک العلما مولانا ظفر الدین بہاری فتاوی رضویہ کی مراجعت کرتے ہوئے فتویٰ نویسی میں مشغول تھے حضرت مفتی اعظم نے فرمایا:

> نوعمری کا زمانہ تھا۔ میں نے کہا! کیا فتاویٰ رضویہ دیکھ کر جواب لکھتے ہو؟ مولانا نے فرمایا: اچھا تم بغیر دیکھے لکھ دو تو جانوں۔ میں نے فوراً لکھ دیا۔ وہ رضاعت کا مسئلہ تھا۔ ۱۲۴؎

جب فتویٰ اصلاح کی غرض سے امام احمد رضا قدس سرہٗ کی بارگاہ میں پیش کیا گیا۔ امام احمد رضا نے خط پہچان لیا۔ دریافت فرمایا کس نے دیا ہے، لے جانے والے نے بتایا کہ ''چھوٹے میاں'' نے (گھر میں لوگ پیار میں حضرت مفتی اعظم کو چھوٹے میاں کہتے تھے) امام احمد رضا نے طلب فرمایا۔ مفتی اعظم خدمت میں حاضر ہوئے۔ دیکھا کہ اعلیٰ حضرت باغ باغ ہیں، پیشانی اقدس پر بشاشت سے کرنیں پھوٹ رہی ہیں فرمایا! اس پر دستخط کرو، دستخط کروانے کے بعد امام احمد رضا قدس سرہٗ نے صح الجواب بعون اللہ العزیز الوہاب لکھ کر اپنے دستخط فرمائے۔ اس طرح اگر ایک طرف حضرت مفتی اعظم دارالافتا کے مفتیانِ کرام پر سبقت لے گئے۔ تو دوسری طرف امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کی طرف سے فتویٰ نویسی کی باقاعدہ اجازت بھی مل گئی۔

فتویٰ نویسی کے اس حسن آغاز پر امام احمد رضا قدس سرہٗ نے اپنے شہزادۂ صغیر مفتی اعظم کو پانچ روپے بطور انعام عطا فرما کر ارشاد فرمایا۔

> ''تمھاری مہر بنوا دیتا ہوں۔ اب فتویٰ لکھا کرو۔ اپنا ایک رجسٹر بنا لو۔ اس میں نقل بھی کیا کرو۔ ۱۲۵؎

امام احمد رضا نے اپنے دست مبارک سے مہر کا خاکہ تیار فرمایا، مندرجہ ذیل عبارت لکھی،

> ''ابوالبرکات محی الدین جیلانی آل الرحمن عرف محمد مصطفیٰ رضا''

مولانا حافظ یقین الدین بریلوی علیہ الرحمہ کے بھائی کے حوالہ کیا، جب مہر بن کر آ گئی تو شہزادہ صغیر مفتی اعظم کو بلا کر عطا فرمائی۔ یہ

مہر دینی شعور کی سند تھی اور اصابت فکر کا اعلان تھا۔ ۱۲۶؎

فقیہ عصر مفتی محمد شریف الحق امجدی شارح بخاری شریف حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کے اس پہلے فتویٰ کے متعلق رقم طراز ہیں:

یہ عجیب اتفاق ہے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے بھی پہلا فتویٰ رضاعت ہی کا لکھا تھا۔ اور ان کے آئینۂ جمال و کمال مفتی اعظم نے بھی پہلا فتویٰ مسئلہ ''رضاعت'' ہی کا لکھا۔

خاص بات یہ ہے کہ اس پہلے فتویٰ پر اعلیٰ حضرت نے نہ ایک لفظ گھٹایا نہ ایک لفظ بڑھایا۔ کوئی اصلاح نہ کی۔ پہلا فتویٰ ہی حضرت مفتی اعظم نے ایسا صحیح اور مکمل لکھا کہ کہیں اس میں کوئی انگلی رکھنے کی جگہ نہ تھی۔ ع

آغاز کا جب یہ عالم ہے انجام کا عالم کیا ہوگا۔ ۱۲۷؎

امام احمد رضا قدس سرہٗ کو اپنے فرزند اصغر مفتی اعظم کی فقاہت وثقاہت پر اس نوعیت کا اعتماد تھا کہ اپنے بعض فتاویٰ پر ان کے تائیدی دستخط کرواتے تھے۔ ۱۲۸؎

امام احمد رضا قدس سرہٗ نے اپنی حیات طیبہ میں سیکڑوں مسائل اپنے خلف اصغر مفتی اعظم سے لکھوائے اور ان کی تصدیق وتصویب فرما کر اپنے دستخط کئے۔ ۱۲۹؎

رجب ۱۳۳۹ھ میں اعلیحضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے متحدہ ہندوستان کے لیے دار القضا شرعی قائم فرمایا اور بعض علمائے کرام کی موجودگی میں حضرت صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی رضوی اعظمی کو پورے متحدہ ہندوستان کے لیے قاضی شرع بنایا اور حضرت مفتی اعظم مولانا محمد مصطفی رضا نوری بریلوی وحضرت مفتی محمد برہان الحق جبل پوری علیہم الرحمہ والرضوان کو دار القضا کے مفتی اور معین القاضی کی حیثیت سے مامور فرمایا۔ اور یہ بھی ظاہر کر دیا کہ ''اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اختیار مجھے عطا فرمایا ہے اس کی بنا پر یہ تقرر عمل میں آیا ہے''۔ ۱۳۰؎

پوری تفصیل سرکار برہان ملت کے مضمون میں ملاحظہ ہو۔

مولانا مصطفی رضا کو مفتی اعظم کا خطاب :

۲۵ رصفر المظفر ۱۳۴۷ھ اگست ۱۹۲۸ء کو خانقاہ عالیہ رضویہ بریلی کے عظیم الشان اجتماع میں جس میں ہزاروں کی تعداد میں اہل اسلام شریک تھے مقامی علمائے کرام، اولیاے عظام، مشاہیر قوم کے علاوہ لنکا، بنگال، پنجاب، بمبئی، گجرات، کاٹھیاواڑ، گونڈل، مدراس، یوپی، راج پوتانہ سرحد کے جلیل القدر فضلا وعمائدین قوم بھی حاضر جلسہ تھے۔ اس تاریخی اجلاس میں حضرت مولانا محمد مصطفیٰ رضا نوری قدس سرہٗ کو مفتی اعظم اور صدر العلما نہ صرف کہا گیا بل کہ شہزادۂ اکبر حجۃ الاسلام مولانا محمد حامد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ کے حکم سے اس اجلاس میں جو تجاویز پاس ہوئیں۔ ان میں تجویز نمبر ۳ میں آپ کو صدر العلما اور مفتی اعظم لکھا گیا''۔ ۱۳۱؎

صدر الافاضل حضرت مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی قدس سرہٗ نے ۱۹۴۶ء میں محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد رضوی قدس سرہٗ کو سنّی کانفرنس بنارس میں شرکت کا جو دعوت نامہ ارسال کیا تھا۔ اس میں بھی حضرت کو ''مفتی اعظم''۔ ۱۳۲؎

۱۹۴۶ء میں برصغیر کے ہزاروں علما ومشائخ نے آل انڈیا سنّی کانفرنس کے اجلاس کے موقع پر برصغیر کے لیے جس دار القضاۃ کے چند مفتیان کرام کے اسما پر اتفاق کیا ان میں حضرت مفتی اعظم کا نام نامی سرفہرست ہے۔ ۱۳۳؎

آل انڈیا سنّی کانفرنس، بنارس کا ایک تاریخ ساز اجلاس ۲۴/تا ۲۷/ جمادی الاولی ۱۳۶۵ھ/ ۲۷/تا ۳۰/ اپریل ۱۹۴۶ء کو منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں پانچ سو مشائخ عظام، سات ہزار علماے کرام اور دو لاکھ سے زائد عوام اہل سنت شریک ہوئے۔ اس اجلاس میں حضرت مفتی اعظم نے مرکزی کردار ادا کیا اور کانفرنس کی طرف سے مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے جو مختلف کمیٹیاں مقرر ہوئیں، ان میں سے بعض کی سربراہی حضرت مفتی اعظم نے قبول فرمائی۔ جن مجالس میں آپ کا انتخاب ہوا وہ یہ ہیں:

تعلیم، پاکستان، دار القضاۃ، عائلی قوانین، جمعیت آئین ساز۔ ۱۳۴؎

امام احمد رضا قدس سرہٗ کے وصال کے بعد رضوی دار الافتا میں آنے والے ہزار ہا مسائل کے جوابات لکھنے والے صرف دو تھے۔ ایک حضرت مفتی اعظم دوسرے حضرت صدر الشریعہ، حضرت حجۃ الاسلام قدس سرہٗ اگرچہ حضرت مفتی اعظم کے استاذ تھے۔ خود زبردست مفتی تھے مگر مسائل ان دونوں حضرات کے یہاں ارسال فرمادیتے۔ بہت کم ایسا اتفاق ہوتا کہ خود کوئی فتویٰ تحریر فرماتے۔ اور جب حضرت صدر الشریعہ اجمیر شریف چلے گئے تو تنہا مفتی اعظم رضوی دار الافتا میں آنے والے تمام مسائل کو لکھا کرتے۔ اس زمانہ میں لوگ دین دار آج کی بہ نسبت زیادہ تھے، ہر معاملہ میں حکم شرعی دریافت کرتے تھے اور دینی مدارس وہ بھی اہل سنت کے بہت ہی کم تھے۔ آج بحمدہٖ تعالیٰ مدارس بکثرت ہیں اور تقریباً ہر مدرسے میں دار الافتا ہے۔ اب اندازہ لگائیں کہ حضرت مفتی اعظم کتنے مسائل لکھتے رہے ہوں گے۔ پھر فتویٰ کی شان وہ تھی کہ سب میں اعلیٰ حضرت کا طرز موجود ہے۔ وہی اسلوب بیان، وہی زور استدلال، وہی جزئیات فقہ کے شواہد کا ذخیرہ۔ معلوم ہوتا ہے کہ مفتی اعظم کا قلم ہے اور مضمون اعلیٰ حضرت کا اس وقت ملک کے طول وعرض میں بہت سے علما و فقہا تھے۔ کسی کے یہاں وہ جامعیت جو مفتی اعظم کے فتویٰ میں تھی نہیں ملتی۔ اور نہ ملے گی۔ ۱۳۵؎

یہی وجہ ہے کہ اعلی حضرت قدس سرہ کے وصال کے بعد علما و فقہا کو آپ کی عظمت فتاوی سے بہت جلد روشناسی ہوگئی اور چند سال کے اندر ہی اجلۂ علما آپ کو مفتی اعظم کے لقب سے یاد کرنے لگے جس کے چند شواہد بقید سنہ و تاریخ مذکور ہوئے۔

آفتاب شریعت ماہتابِ طریقت حضرت مفتی اعظم کی تابانی صرف ہندوستان تک ہی محدود نہ رہی بل کہ تمام عالم اسلام آپ کی علمیت و فقاہت اور طریقت کے نور سے مستفیض ہوا۔

> حضرت مفتی اعظم جب حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے تو علما حجاز، مصر، شام، عراق اور ترکی وغیرہ کے علما نے آپ سے مسائل دریافت کیے۔ علاوہ ازیں آپ کے پاس عرب، افریقہ، ماریشس، انگلینڈ، امریکہ، سری لنکا، ملیشیا، بنگلہ دیش اور پاکستان سے استفتا آئے اور آپ نے ان کے جوابات تحریر فرمائے۔

۱۳۵۴ھ/ ۱۹۳۵ء میں سکھوں نے انگریز حکام کی پشت پناہی میں مسجد شہید گنج لاہور کو مسمار کردیا اور یہ دعوی کیا کہ یہ عمارت اور جگہ گرودوارہ کی ہے۔ مسلمانوں نے غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے۔ مسجد کے انہدام پر برصغیر کے مسلمان تڑپ اٹھے۔ مسجد کی واگزاری کے لیے جلسے، جلوسوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ بدقسمتی سے مجلس احرار نے مسلمانوں کی اجتماعی مساعی میں نہ صرف عدم شرکت کی، بل کہ اس خالص اسلامی تحریک کی مخالفت کی اور یہ پروپیگنڈا کیا کہ اس تحریک میں حصہ لینا جائز نہیں۔ جو مسلمان اس تحریک میں جان کا نذرانہ پیش کررہے ہیں ان کی موت، حرام موت ہے، وہ شہید نہیں۔

۲۷/ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ/ ۱۹۳۵ء کو مسجد شہید گنج کی بازیابی کے ضمن میں ہلاک ہونے اور تحریک میں حصہ لینے والوں کی شرعی حیثیت سے متعلق ایک استفتا حضرت مفتی اعظم کی خدمت میں ایا، آپ نے نہایت تفصیل سے دلائل شرعیہ سے ثابت کیا کہ مسلمانوں پر فرض

ہے کہ اس تحریک میں حصہ لے کر مسجد کو سکھوں سے آزاد کرائیں اور جو لوگ اس تحریک میں جان کا نذرانہ پیش کر چکے ہیں وہ شہید ہیں۔ ۱۳۶؎

۹۷-۱۳۹۶ھ/ ۷۷-۱۹۷۶ء کا دور اسلامیانِ ہند کے لیے ایک بھیانک طوفان کا دور تھا۔حکومت نے نس بندی کے جواز کے لیے مفتیان کو ترغیب و ترہیب سے مائل کرنے کی مہم شروع کی، کانگریسی مفتیان نے اس کے جواز کا فتویٰ جاری کر دیا۔ ریڈیو اور اخبارات کے ذریعہ ان فتاویٰ کی خوب تشہیر کی۔ ہندوستان کا مسلمان اب ایسے نازک موڑ پر آ چکا تھا، جہاں ہر طرف تاریکی ہی تاریکی تھی۔ پوری قوم ایسے امیر کارواں کی تلاش میں تھی جو اسے سہارا دے، ایمان و اعتقاد کی اجڑتی ہوئی کھیتی کو لالہ زار بنا دے۔ اس حال میں پاسبان ناموس رسالت، ملت اسلامیہ کے عظیم مجاہد، اہل سنت کے تاجدار حضرت مفتی اعظم اپنے علمی و روحانی وقار سے جابر حاکم کے سامنے کلمۂ حق کہنے کھڑے ہوئے۔ آپ نے بے باکی اور حق گوئی سے کام لیتے ہوئے فتویٰ جاری کیا:

"نس بندی حرام ہے، حرام ہے، حرام ہے۔"

چوں کہ ذرائع ابلاغ پر حکومت کے آہنی پنجوں کا مضبوط قبضہ تھا۔ ان کو اشاعت کا ذریعہ بنانا ممکن نہ تھا۔ آپ نے حکومت کے خلاف فتویٰ عدم جواز نسبندی کو سائیکلو اسٹائل کرا کے ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیلا دیا۔ اندیشۂ سود و زیاں سے بے نیاز ہو کر حضرت مفتی اعظم کا جرأت مندانہ اقدام دینِ مصطفیٰ کی حفاظت کا ذریعہ بن گیا اور ظالم و جابر حاکم ایمرجنسی کے دور میں آپ کے فتویٰ کے مقابل بے بس ہو کر رہ گیا۔ نس بندی کے خلاف فتویٰ جاری کرنے اور اسے شائع کرنے کی بنا پر ضلع کلکٹر نے مسلح فورس کے ساتھ حضرت مفتی اعظم کی محبوسی کے لیے سخت ہدایات جاری کر دیں، لیکن ایک صوبائی وزیر اور سابق اسپیکر یوپی نے مرکزی حکومت سے رابطہ قائم کر کے صورت حال سے آگاہ کیا اور کہا کہ اگر حضرت مفتی اعظم کو گرفتار کیا گیا تو پورے ملک میں بے چینی اور تشدد کے واقعات رونما ہوں گے۔ دیگر ذرائع نے بھی مرکزی حکومت کو یہی خبر دی کہ حضرت مفتی اعظم کی گرفتاری سے حالات مزید ابتر ہو جائیں گے، اس لیے کہ وہ کسی حال میں بھی اپنا فتویٰ واپس نہیں لیں گے۔ اس پر مرکزی حکومت نے مداخلت کی اور بریلی کی انتظامیہ کو ہدایت کی کہ گرفتاری کے احکام ختم کر دیے جائیں۔ کچھ دنوں کے بعد وہ حکومت، خود بخود ختم ہو گئی۔ ۱۳۷؎

حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ نے اپنے والد ماجد امام احمد رضا قدس سرہٗ کی حیات ظاہری میں ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء سے ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء تک فتاویٰ لکھے۔ والد ماجد کے وصال کے بعد ۱۳۹۵ھ تک مسلسل فتویٰ نویسی فرمائی۔ اس کے بعد ضعف و علالت کی وجہ سے فتویٰ نویسی کا کام نہ ہو سکا۔ تاہم آخری لمحات تک مفتیانِ دین کی علمی مشکلات کو زبانی حل فرماتے رہے۔ اس طرح ۷۰ سال کے طویل عرصہ تک بلا معاوضہ فتویٰ نویسی کی خدمت انجام دی۔

حضرت مفتی اعظم کے فتاویٰ لاکھوں کی تعداد میں ہیں۔ ۱۳۸؎

مولانا ڈاکٹر فیضان علی رضوی اور حاجی قربان علی انجینیر (صاحبزادگان مولانا عرفان علی بیسل پوری) نے صرف ۱۳۴۹ھ سے ۱۳۵۹ھ تک دس گیارہ سال کے فتاویٰ کی نقل اصل رجسٹر سے کر کے اس کی تبویب کی۔ جس کی ۳ جلدیں فتاویٰ مصطفویہ کے نام سے منظر عام پر آ چکی ہیں۔

پہلی جلد میں کتاب الایمان اور دوسری جلد میں کتاب الطہارۃ، کتاب الصلوۃ، احکامِ مسجد درج ہیں۔ اور تیسری میں دیگر مسائل

تصنیفات اور حواشی :

حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کے تمام قلمی جواہر پارے آپ کی علمیت وصلاحیت اور فقہی بصیرت وژرف نگاہی کے منہ بولتے شاہ کار ہیں۔ آپ نے اپنی گوناگوں مصروفیات ومشاغل کے باوجود مختلف موضوعات پر تصنیفات وتالیفات کا ایک گراں قدر ذخیرہ چھوڑا ہے۔ قلم میں خالقِ کائنات نے بے پناہ کشش اور قوت ودیعت کردی تھی۔ زبان پُر اثر اور طاقت ور استعمال فرماتے۔ الفاظ کا برمحل استعمال کرتے۔ آپ کی تصنیفات وتالیفات کے سلسلہ میں مولانا افتخار احمد مصباحی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور رقم طراز ہیں:

''وہ (حضرت مفتی اعظم) ایک عظیم محقق ومصنف بھی ہیں، ان کی تحریر میں ان کے والد جلیل امام احمد رضا قدس سرہٗ کے اسلوب کی جھلک اور ژرف نگاہی نظر آتی ہے۔ تحقیق کا کمال بھی نظر آتا ہے اور تدقیق کا جمال بھی۔ فتاویٰ کے جزئیات پر عبور کا جلوہ بھی نظر آتا ہے اور علامہ شامی کے تفقہ کا انداز بھی۔ تصانیف میں امام غزالی کی تحقیق اور امام رازی کی تدقیق اور امام سیوطی کی تلاش وجستجو کی جلوہ گری نظر آتی ہے۔ ۱۳۹؎

اللہ رب العزت نے حضرت مفتی اعظم کے ہاتھ میں ایسی روانی دی تھی کہ مضامین کے سیلاب کو جوان کے دماغ میں امنڈتا تھا، اسے ضبطِ تحریر میں لے آتے تھے۔ کتاب وسنت کے خلاف اگر کسی طرف سے آواز اٹھتی تو بے تابانہ تعاقب فرماتے اور بلا خوف ظالم ولومۃ لائم احقاق حق اور ابطال باطل فرماتے۔ حضرت مفتی اعظم کی تصنیفات وتالیفات اور قلمی خدمات جواب تک تحقیق میں آئیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱- اشد الباس علی عابد الخناس ۱۳۲۸ھ ۲- الکاوی فی العاوی والغاوی ۱۳۳۰ھ
۳- القسم القاصم للداسم القاسم ۱۳۳۰ھ ۴- نور الفرقان بین جند الالہ واحزاب الشیطان ۱۳۳۰ھ
۵- وقعات السنان فی حلق المسماۃ بسط البنان ۱۳۳۰ھ ۱۴۰؎ ۶- الرمح الدیانی علی راس الوسواس الشیطانی ۱۳۳۱ھ ۱۴۱؎
۷- وقایۃ اہل السنۃ عن مکر دیوبند والفتنہ ۱۳۳۲ھ ۱۴۲؎ ۸- الٰہی ضرب بہ اہل الحرب ۱۳۳۲ھ ۱۴۳؎
۹- ادخال السنان الی الحنک الحلقی لبسط البنان ۱۳۳۲ھ ۱۴۴؎ ۱۰- نہایۃ السنان ۱۳۳۲ھ ۱۴۵؎
۱۱- صلیم الدیان لتقطیع حیالۃ الشیطان ۱۳۳۲ھ ۱۲- سیف القہار علی العبید الکفار ۱۳۳۲ھ
۱۳- نفی العار من معائب المولوی عبد الغفار ۱۳۳۲ھ ۱۴- النکتۃ علی مراءِ کلکتہ ۱۳۳۲ھ
۱۵- مقتل کذب وکید ۱۳۳۲ھ ۱۶- مقتل اکذب واجہل ۱۳۳۲ھ ۱۴۶؎
۱۷- الموت الاحمر علی کل انحس اکفر ۱۳۳۷ھ ۱۴۷؎
۱۸- (الملفوظ اعلیٰ حضرت چار حصص) ۴؎ ۱۳۳۸ھ ۱۴۸؎ ۱۹- الطاری الداری لہفوات عبد الباری (۳ حصص) ۱۳۳۹ھ ۱۴۹؎

۲۰- القول العجیب فی جواز التثویب ۱۳۳۹ھ ۱۵۰ـ ۲۱- طرق الہدیٰ والارشاد الی احکام الامارۃ والجہاد ۱۳۴۱ھ ۱۵۱ـ
۲۲- حجۃ واہرہ بوجوب الحجۃ الحاضرہ ۱۳۴۲ھ ۱۵۲ـ ۲۳- القسورۃ علی ادوار الحمر الکفرۃ ۱۳۴۳ھ ۱۵۳ـ
۲۴- سامان بخشش عرف گلستان نعت نوری ۱۳۵۴ھ ۱۵۴ـ ۲۵- فتاویٰ مصطفویہ (۳ حصص) از ۱۳۴۹ھ تا ۱۳۵۹ھ ۱۵۵ـ
۲۶- شفاء العی فی جواب سوال بمبئی ۱۵۶ـ ۲۷- تنویر الحجہ بالتواء الحجہ ۱۵۷ـ
۲۸- وہابیہ کی تقیہ بازی ۱۵۸ـ ۲۹- مسائل سماع ۱۵۹ـ
۳۰- الحجۃ الباہرہ ۱۶۰ـ ۳۱- نور العرفان ۱۶۱ـ
۳۲- داڑھی کا مسئلہ ۱۶۲ـ
۳۳- طرد الشیطان ۱۶۳ـ ۳۴- مسلک مراد آباد پر معترضانہ ریمارک ۱۶۴ـ
۳۵- کانگریسیوں کا رد ۱۶۵ـ
۳۶- کشف ضلال دیو بند (حواشی وتکمیلات الاستمداد) ۱۶۶ـ
۳۷- حاشیہ فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ۱۶۷ـ ۳۸- حاشیہ تفسیر احمدی (قلمی)
۳۹- حاشیہ فتاویٰ عزیزیہ (قلمی) ۱۶۸ـ

تاریخ وصال، جنازہ اور عمر شریف :

لفظ طہ میں ہے مضمر ان کی تاریخ وصال چودھویں کی رات کو وہ بے گماں جاتا رہا

محبوب ذوالجلال کا عاشق صادق، اسلام وسنت کا مہکتا گلشن شریعت وطریقت کا نیر تاباں، علم وفضل کا کوہ گراں، امام ابوحنیفہ کی فکر، امام رازی کی حکمت، امام غزالی کا تصوف، مولانا روم کا سوز و گداز، خواجہ ہند کی شان سطوت واقتدار کا وارث، صدرِ بزمِ اولیا، سرتاج کملا، نوری میاں کا راج دلارا، امام احمد رضا کی آنکھ کا تارا اور ہم سنیوں کا سہارا، اکانوے سال ایکس دن کی عمر میں مختصر علالت کے بعد ۱۴ محرم الحرام ۱۴۰۲ھ، ۱۲ نومبر ۱۹۸۱ء رات ایک بج کر چالیس منٹ پر کلمہ طیبہ کا ورد کرتا ہوا خالقِ حقیقی سے جاملا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔

حضرت مفتی اعظم کے وصال پر ملال کی خبر دنیا کے مشہور ریڈیو اسٹیشنوں نے نشر کی۔ اگلے روز نماز جمعہ کے بعد اسلامیہ کالج کے وسیع میدان میں تین بج کر پندرہ منٹ پر نماز جنازہ ہوئی اور تقریباً چھ بجے امام احمد رضا قدس سرہ کے بائیں میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ نماز جنازہ میں لاکھوں افراد کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا۔ جو حضرت مفتی اعظم کی مقبولیت وشہرت اور جلالتِ شان کا کھلا ثبوت تھا۔

بقیۃ السلف حضرت سید شاہ محمد قائم رضوی چشتی قتیل دانا پوری کا مادہ تاریخ وصال ملاحظہ ہو ـ

ہجری ست سال ''در سو بہشت بزرگ وقصر''

۱۴۰۲ھ

"پرواز کرد مفتی اعظم" بہ عیسوی ست

۱۹۸۱ء

☆☆☆

مراجع وحواشی

۱- پندرہ روزہ "رفاقت" پٹنہ، جلد ۱، شمارہ ۵، ص ۶، یکم فروری ۱۹۸۲ء

۲- قبلِ ولادت اور بعد ولادت عہدِ طفلی و شیر خوارگی میں کسی کو داخلِ سلسلہ کرنے اور خلیفہ ومجاز بنانے کا مسئلہ میر عبدالواحد بلگرامی قدس سرہٗ (۹۱۵ھ /۱۰۱۷ھ) سبع سنابل شریف وغیرہ میں منقح فرما چکے ہیں۔ ۱۲ رضوی

۳- روایت علامہ مفتی محمد مطیع الرحمن رضوی مدیر عام الادارۃ الحنفیہ، کشن گنج بہار، ۱۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ ۱۴؍ دسمبر ۱۹۸۹ء بروز پنج شنبہ بہ وقت ۱۱ بجے دن بمقام خانقاہ قادریہ رضویہ نوریہ، لال مسجد، رام پور۔

۳- "محدثِ اعظم پاکستان" مولانا جلال الدین قادری، جلد ۱، ص ۶۶ مطبوعہ لاہور

۴- یاد رہے کہ نامِ پاک "محمد" کے ساتھ تسمیہ فضائل اعمال سے ہے۔ جن میں حدیثِ ضعیف بھی بالا جماع معتبر ہے چہ جائے کہ حدیثِ معضل ۱۲ رضوی

۵- (الف) حیاتِ مفتی اعظم کی ایک جھلک، مرزا عبدالوحید بیگ،
(ب) پندرہ روزہ رفاقت، پٹنہ، ص ۱۳-۱۵، دسمبر ۱۹۸۱ء

۶- پندرہ روزہ رفاقت پٹنہ، ص ۱۳-۱۵، دسمبر ۱۹۸۱ء

۷-۸- محدث اعظم پاکستان، مولانا محمد جلال الدین قادری، جلد ۱، ص ۶۷، مطبوعہ لاہور

۹- حیاتِ مفتی اعظم کی ایک جھلک، مرزا عبدالوحید بیگ، ص ۶، مطبوعہ بریلی

۱۰- (الف) فاضل بریلوی علماے حجاز کی نظر میں۔ پروفیسر محمد مسعود احمد ایم اے پی ایچ ڈی، ص ۸۷، مطبوعہ لاہور
(ب) پندرہ روزہ رفاقت، پٹنہ، ص ۱۳-۱۵، مجریہ ۱۵ دسمبر، ۱۹۸۱ء

۱۱- (الف) محدث اعظم پاکستان، مولانا محمد جلال الدین قادری جلد ۱، ص ۶۶، مطبوعہ لاہور
(ب) پندرہ روزہ رفاقت، پٹنہ، جلد ۱، شمارہ ۵ ص ۷، یکم فروری ۱۹۸۲ء

۱۲- حیاتِ مفتی اعظم کی ایک جھلک، مرزا عبدالوحید بیگ، ص ۵، مطبوعہ بریلی

۱۳- (الف) پندرہ روزہ رفاقت پٹنہ، ص ۱۵، مجریہ ۱۵؍ دسمبر ۱۹۸۱ء (ب) مفتی اعظم، عبدالنعیم عزیزی، ص ۱۱۱، مطبوعہ بریلی (ضمیمہ) (ج) محدث اعظم پاکستان۔ مولانا جلال الدین قادری، جلد ۱ ص ۷

۱۴- تفصیل کے لیے ملاحظہ ہوں:
حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کے ارشد تلامذہ وخلفا مثلاً:
(الف) محدث اعظم پاکستان علامہ مفتی سردار احمد رضوی لائل پوری قدس سرہٗ
(الف) فقیہ العصر علامہ مفتی اعجاز ولی خاں رضوی بریلوی قدس سرہٗ
(الف) شارح بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی اعظمی (رحمہ اللہ تعالیٰ)
(الف) شیخ العلما علامہ مفتی محمد احمد جہانگیر خان رضوی اعظمی وغیرہم کی وہ اسنادِ علوم وفنون اور اجازتیں جو حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ نے بطورِ خاص عطا کیں۔

فقیر نوری غفرلہٗ

۱۵- تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: الاجازات المتینۃ لعلما بکۃ والمدینۃ

۱۶- اس سند کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں امام رضا بریلوی سے امام بخاری تک فقط گیارہ واسطے ہیں۔ رضی اللہ عنہم اجمعین (حیات اعلیٰ حضرت)

۱۷، ۱۸- (الف) روایت مفتی محمد یعقوب رضوی حشمتی دھانے پوری

(ب) قلمی یادداشت مولانا محمد انور علی رضوی بہرائچی مدرس منظر اسلام، بریلی

(ج) مکتوب محقق عصر مفتی محمد مطیع الرحمن رضوی بہاری بنام فقیر نوری غفرلہ، ۱۹؍ ذوالحجہ ۱۴۱۰ھ

۱۹- (الف) ماہنامہ نوری کرن، بریلی ص ۳۵-۳۶، مجریہ مارچ واپریل ۱۹۶۳

(ب) محدث اعظم پاکستان، مولانا محمد جلال الدین قادری، جلد ۲ ص ۴۲

۲۰- روایت محقق عصر مفتی محمد مطیع الرحمن رضوی بہاری مدیر عام ’’الادارۃ الحنفیہ‘‘ کشن گنج بہار، ۱۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ/ ۱۹۸۹ء

۲۱- (الف) تذکرہ اکابر اہل سنت، مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری، ص ۶۳، مطبوعہ لاہور

(ب) تذکرہ علمائے اہل سنت و جماعت لاہور، پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی ایم اے۔ ص ۳۶۸

۲۲- حاشیہ تذکرہ علمائے اہل سنت و جماعت لاہور، پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی ایم اے۔ ص ۱۳۴ مطبوعہ لاہور

۲۳- حاشیہ تذکرہ علمائے اہل سنت و جماعت لاہور، پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی ایم اے۔ ص ۱۳۴ مطبوعہ لاہور

۲۴- مدرسہ سراج العلوم نگلیا عاقل ضلع رام پور میں سالانہ اجلاس کے موقع پر محدثِ کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری دامت برکاتہم نے خود یہ روایت فقیر نوری غفرلہٗ سے علمائے کرام کی موجودگی میں بیان فرمائی۔

۲۵- ۷؍ محرم الحرام ۱۴۱۱ھ بروز دوشنبہ مرکزی دارالافتا بریلی میں تاج الشریعہ فقیہ اسلام جانشین مفتی اعظم حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں قادری ازہری دامت برکاتہم القدسیہ کی موجودگی میں فقیہ ملت قاضی عبدالرحیم رضوی بستوی دامت برکاتہم نے فقیر نوری غفرلہ سے یہ روایت بیان فرمائی۔

۲۶- ۷؍ محرم الحرام ھ بروز دوشنبہ شریف بعد نماز عصر نوری مسجد بریلی میں فقیہ جلیل مفتی محمد اعظم رضوی ٹانڈوی دامت برکاتہم نے فقیر نوری غفرلہ سے یہ روایت بیان فرمائی۔

۲۷- ۶؍ محرم الحرام ۱۴۱۱ھ بروز یک شنبہ اپنی درس گاہ میں منظرِ اسلام کے اساتذۂ کرام کی موجودگی میں عمدۃ المدرسین علامہ محمد نعیم اللہ خاں رضوی بستوی دام عنایۃ نے یہ روایت فقیر نوری غفرلہٗ سے بیان فرمائی۔

۲۸- ۷؍ محرم الحرام ۱۴۱۱ھ بروز دوشنبہ بعد عصر نوری مسجد بریلی میں فقیہ جلیل مفتی محمد اعظم رضوی ٹانڈوی دامت برکاتہم نے فقیر نوری غفرلہ سے یہ روایت بیان فرمائی۔

۲۹- ۱۵ محرم الحرام ۱۴۱۱ھ بعد نماز فجر جامعہ رضویہ منظرِ اسلام میں محقق عصر مفتی محمد مطیع الرحمن رضوی زاداللہ تعالیٰ کرماً وشرفاً نے یہ روایت فقیر نوری غفرلہ سے بیان فرمائی۔

۳۰- ۱۵؍ محرم الحرام ۱۴۱۱ھ کو جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی میں فاضل جلیل مولانا محمد عبدالخالق نوری نے فقیر نوری سے یہ روایت بیان فرمائی اور شیخ العلما مولانا سید محمد عارف رضوی نان پاروی دام عنایۃ نے اس روایت کی تصدیق فرمائی۔

۳۱- ۶؍ محرم الحرام بروز یک شنبہ اپنی درس گاہ میں منظرِ اسلام کے اساتذہ کی موجودگی میں عمدۃ المدرسین علامہ محمد نعیم اللہ خاں دام عنایۃ نے یہ روایت بیان فرمائی۔

۳۲- مکتوب فقیہ العصر مفتی محمد شریف الحق امجدی دامت برکاتہم العالیہ بنام مولوی شہاب الدین ازہری ملخصاً

۳۳- ماہنامہ استقامت، کان پور (مفتی اعظم ہند نمبر) ملخصاً ص ۱۹۱، مجریہ مئی ۱۹۸۳ء

۳۴- ۶؍ محرم الحرام ۱۴۱۱ھ بروز یک شنبہ عمدۃ المدرسین علامہ نعیم اللہ خاں رضوی دام عنایاتہٗ نے منظرِ اسلام کے اساتذۂ کرام کی موجودگی میں اپنی درس گاہ میں یہ روایت بیان کی۔

۳۵- مکتوب بنام فقیر نوری سید شاہ علی رضوی غفرلہٗ محررہ ۱۹؍ذوالحجہ ۱۴۱۰ھ/ ۱۳ جولائی ۱۹۹۰ء بروز جمعہ

۳۶- پندرہ روزہ ''رفاقت'' پٹنہ جلد: ا شمارہ: ۵ ص: ۹ مجریہ یکم فروری ۱۹۲۸ء

۳۷- ماہنامہ استقامت کان پور، (مفتی اعظم نمبر) مئی ۱۹۸۳ء ص ۲۵۲

۳۸- ایضاً ص: ۱۵۲

۳۹- مفتی اعظم ہند مرتبہ عبدالنعیم عزیزی ص ۹۸-۹۹، مطبوعہ بریلی (چھٹا ایڈیشن)

۴۰- مکتوب حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ بنام حضرت محدثِ اعظم پاکستان قدس سرہٗ محررہ ۱۶؍شوال ۷۴ ۱۳ھ

۴۱- (الف) ماہنامہ نوری کرن، بریلی ص ۳۵-۳۶، مارچ واپریل ۱۹۶۳ء

(ب) محدث اعظم پاکستان، مولانا محمد جلال الدین قادری جلد دوم، ص ۴۲، مطبوعہ لاہور

۴۲- (الف) تذکرہ اکابر اہل سنت پاکستان۔ علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری ص ۶۳، مطبوعہ لاہور

(ب) تذکرہ علمائے اہل سنت و جماعت لاہور۔ پیرزادہ علامہ اقبال احمد ایم اے ص ۶۸ ۳ مطبوعہ لاہور پاکستان۔

۴۳- روایت مفتی محمد یعقوب حشمتی دھانے پوری۔ قلمی یادداشت مولانا محمد انور علی رضوی بہرائچی۔ مکتوب محبِ محترم مفتی محمد مطیع الرحمن رضوی بنام فقیر نوری غفرلہٗ ۱۹؍ذوالحجہ ۱۴۱۰ھ

۴۴- فقیر نوری غفرلہٗ سے حضرت علامہ حاجی مبین الدین رضوی قدس سرہٗ کا جامعہ نعیمیہ مرادآباد میں ایک علمی مجلس میں بیان۔

۴۵- فقیر نوری غفرلہ سے حضرت علامہ تحسین رضا خاں بریلوی دامت برکاتہم کا اپنے دولت خانے پر ایک علمی مجلس میں اعتراف وصراحت، ۷؍محرم الحرام ۱۴۱۱ھ بروز دوشنبہ

۴۶- مکتوب فقیہ الہند مفتی محمد شریف الحق امجدی دامت برکاتہم بنام مولوی محمد شہاب الدین رضوی بہرائچی

۴۷- ماہنامہ ''قاری'' دہلی (امام احمد رضا نمبر)، ص ۵۲۱، اپریل ۱۹۸۹ء

۴۸- (الف) مفتی اعظم ہند، عبدالنعیم عزیزی، ص ۱۱۶، مطبوعہ بریلی

(ب) ماہ نامہ ''استقامت'' کان پور (مفتی اعظم نمبر)، ص ۱۸۹، مجریہ مئی ۱۹۸۳ء

۴۹- مکتوب مولانا خالد علی خاں بریلوی دامت برکاتہم بنام مولوی محمد شہاب الدین رضوی بہرائچی

۵۰- محدثِ کبیر مولانا محمد ضیاء المصطفیٰ رضوی دامت برکاتہم نے مدرسہ سراج العلوم نگلیا عاقل ضلع رام پور کے سالانہ اجلاس کے موقع پر علمائے کرام کی موجودگی میں ارشاد فرمایا کہ ۱۹۶۲ء میں حضرت مفتیِ اعظم قدس سرہٗ سے میں نے صحاحِ ستہ میں ابوداؤد شریف اور ابن ماجہ شریف پڑھی اور حضرت نے دونوں کتابوں کی مجھے اجازت بھی عطا کی۔

۵۱- ۷؍محرم الحرام ۱۴۱۱ھ بروز دوشنبہ بعد نمازِ عصر نوری مسجد بریلی میں شیخ العلما مفتی محمد اعظم رضوی دامت برکاتہم نے فقیر نوری غفرلہٗ سے فرمایا کہ شوال المکرم میں حضرت مفتیِ اعظم قدس سرہٗ کو میں مظہر اسلام میں تفسیر بیضاوی اور بخاری شریف کے درس کے افتتاح کے لیے لاتا تھا۔ حضرت بخاری اور بیضاوی پڑھاتے تھے۔ میں بھی حضرت کے درس میں شریک ہوتا تھا۔ یہ سلسلہ تقریباً آٹھ سال جاری رہا۔ ختمِ بخاری شریف بھی حضرت مفتیِ اعظم ہی کراتے تھے۔ میں اس میں بھی شریک رہ کر استفادہ کرتا تھا۔ نیز رضوی دارالافتا میں ایک مرتبہ حضرت مفتیِ اعظم قدس سرہٗ سے مشکوۃ المصابیح میں حدیثِ جبریل کو باقاعدہ سبق کے طور پر پڑھا اور سمجھا۔

۵۲- ۱۵؍محرم الحرام ۱۴۱۱ھ بروز سہ شنبہ استاذ العلما مولانا سید محمد عارف رضوی دامت برکاتہم نے فقیر نوری غفرلہٗ سے منظر اسلام میں ایک ملاقات کے دوران فرمایا کہ دارالعلوم شاہ عالم احمد آباد گجرات میں تدریس کے زمانے میں حضرت مفتیِ اعظم قدس سرہٗ دارالعلوم شاہ عالم تشریف لائے تھے اسی موقع پر حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ نے مجھے حدیث کی اجازت مطلقہ عطا فرمائی۔ نیز منظرِ اسلام کی تدریسی زندگی میں بارہا علمی مشکلات حضرت سے حل کیں۔

۵۳- ۶؍محرم الحرام ۱۴۱۱ کو عمدۃ المدرسین مولانا محمد نعیم اللہ خاں رضوی دامت برکاتہم نے منظرِ اسلام کے اساتذۂ کرام کی موجودگی میں فرمایا کہ میں نے

حضرت مفتیِ اعظم قدس سرہٗ سے ہدایہ اور مسلم الثبوت کے چند اسباق پڑھے ہیں۔ نیز حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ سے قرآنِ کریم کا حفظ شروع کیا اور ایک ماہ میں تین پارے حفظ بھی کیے۔

۵۴- مکتوب مبلغ اسلام مولانا محمد ابراہیم خوشتر صدیقی بنام مولوی محمد شہاب الدین رضوی بہرائچی

۵۵- تعارف علمائے اہلِ سنت پاکستان، مولانا محمد صدیق ہزاروی، ص ۱۵۴، مطبوعہ لاہور

۵۶- حاشیہ تذکرہ علمائے اہل سنت و جماعت لاہور۔ پیرزادہ علامہ اقبال احمد ایم۔اے۔ ص ۱۳۴، مطبوعہ لاہور

۵۷ تا ۶۳- ۷ر محرم الحرام ۱۴۱۱ھ بروز دوشنبہ فقیہ ملت قاضی عبدالرحیم بستوی دامت برکاتہم نے تاج الشریعہ فقیہ اسلام مفتی محمد اختر رضا خاں ازہری دامت برکاتہم القدسیہ و متع اللہ المسلمین بطول بقائہ کی موجودگی میں مرکزی دار الافتا میں فرمایا کہ ایک سال حضرتِ مفتی اعظم قدس سرہٗ دارالعلوم فیض الرسول براؤں تشریف لے گئے، ساتھ میں، میں اور مفتی شریف الحق صاحب امجدی مدظلہ بھی تھے۔ فیض الرسول کے اساتذہ کی خواہش واصرار پر حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ نے بخاری شریف کا درس دیا۔ اور شرکاے درسِ بخاری شریف کو حدیثِ مسلسل بالاولیہ، حدیث مصافحہ اور حدیثِ تمر کی عملاً اجازت عطا فرمائی۔ بخاری شریف کے اس درس میں، میں، مفتی شریف الحق صاحب، مولانا غلام جیلانی صاحب، مولانا بدرالدین صاحب، مولانا جلال الدین صاحب، مولانا محمد یونس صاحب، مولانا محمد حنیف صاحب اور مولوی قدرت اللہ صاحب وغیرہ شریک تھے۔

۶۴- مکتوب رفیقِ محترم مفتی محمد مطیع الرحمن رضوی بہاری بنام فقیر نوری غفرلہٗ ۱۹ر ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ

۶۵- روایت شیخ العلما مفتی محمد اعظم رضوی ٹانڈوی شیخ الحدیث وصدر المدرسین جامعہ رضویہ مظہر اسلام، بریلی

۶۶- ماہ نامہ ''نوری کرن'' بریلی ص ۳۶، مجریہ مارچ واپریل ۱۹۶۳ء

۶۷- مفتی اعظم، عبدالنعیم عزیزی ص ۱۱۶، مطبوعہ بریلی

۶۸- وحاشیہ شمار ۱-و۲- صفحہ دیگر بروایت مولانا عبدالخالق نوری تفصیل چند صفحے پہلے گزر چکی۔

۶۹۔۷۰۔ حاشیہ برائے ۱- اور ۲ صفحہ سابق میں شمار ۱۴ نیز ۱ اور ۲ کے تحت درج ہے۔)

۷۱-۷۲- ۶ر محرم الحرام ۱۴۱۱ھ بروز یک شنبہ منظر اسلام بریلی میں ایک علمی مجلس میں عمدۃ المدرسین مولانا محمد نعیم اللہ خاں رضوی دام عنایاتہ نے فرمایا کہ مولوی عبدالحمید رضوی افریقی اور مولوی احمد مقدم رضوی افریقی سلمہما نے حضرت مفتیِ اعظم قدس سرہٗ سے میزان، نحو میر اور شرح مأۃ عامل پڑھی۔

۷۳- ۶ر محرم الحرام ۱۴۱۱ھ بروز یک شنبہ منظرِ اسلام میں محبِ محترم مفتی محمد فاروق رضوی بریلوی مفتی دار الافتا منظرِ اسلام بریلی نے ایک ملاقات میں فرمایا کہ مولوی محمد میاں سلمہٗ نے حضرت مفتیِ اعظم قدس سرہٗ سے نحو میر، میزان اور پنج گنج کے کچھ اسباق پڑھے مگر افسوس کہ وہ حضرت مفتی اعظم قدس سرہ سے تکمیل نہ کر سکے۔

۷۴- محب محترم قاری محمد امانت رسول رضوی نے حضرت مفتی اعظم قدس سرہ سے شعر وسخن میں استفادہ کیا ہے۔

۷۵- فقیر نوری غفرلہٗ اور عمدۃ المدرسین علامہ محمد نعیم اللہ خاں رضوی دام عنایاتہٗ کو دوشنبہ کے روز ایک ہی مجلس میں اپنے دولت خانے پر حدیثِ مسلسل بالاولیہ کی اجازت عطا فرمائی۔ ۱۲

۷۶- (الف) ماہنامہ ''نوری کرن'' بریلی ص ۱۷، مجریہ مارچ واپریل ۱۹۶۳ء

(ب) ''محدثِ اعظم پاکستان'' مولانا محمد جلال الدین قادری ص ۳۳۵، مطبوعہ لاہور

۷۷- مکتوب محبِ محترم مفتی محمد مطیع الرحمن رضوی بنام فقیر نوری غفرلہٗ ۱۹ر ذوالحجہ ۱۴۱۰ھ

۷۸- (الف) مفتی اعظم، عبدالنعیم عزیزی، ص ۱۱۵، مطبوعہ بریلی

(ب) مکتوب مفتی محمد مطیع الرحمن رضوی بنام فقیر نوری غفرلہٗ

۷۹- مکتوب مذکور مفتی محمد مطیع الرحمن رضوی

۸۰- (الف) مفتی اعظم ہند۔ عبدالنعیم عزیزی ص ۱۱۶

(ب) مکتوب فقیہ عصر مفتی محمد احمد جہانگیر خاں رضوی دامت برکاتہم بنام فقیر نوری غفرلہٗ

۸۱- ۷ رمحرم الحرام ۱۴۱۱ھ بروز دوشنبہ اپنے دولت خانے پر شیخ المحدثین دامت برکاتہم کا بیان۔
۸۲- (الف) مکتوب فقیہ الہند مفتی محمد شریف الحق امجدی دامت برکاتہم بنام مولوی محمد شہاب الدین رضوی بہرائچی
(ب) مفتی اعظم۔ عبدالنعیم عزیزی ص ۱۱۶، مطبوعہ بریلی
۸۳- (الف) ماہنامہ استقامت، کان پور (مفتی اعظم نمبر) ص ۱۹۱، مجریہ مئی ۱۹۸۳ء
(ب) مفتی اعظم، عبدالنعیم عزیزی، ص ۱۱۶، مطبوعہ بریلی (چھٹا ایڈیشن)
۸۴- (الف) مکتوب محب محترم مفتی محمد مطیع الرحمن رضوی بنام فقیر نوری غفرلہٗ ۱۹ر ذوالحجہ ۱۴۱۰ھ
(ب) مفتی اعظم، عبدالنعیم عزیزی ص ۱۱۶، مطبوعہ بریلی (چھٹا ایڈیشن)
۸۵-۸۶- مفتی اعظم، عبدالنعیم عزیزی ص ۱۱۶، مطبوعہ بریلی (چھٹا ایڈیشن)
۸۷- روایت محب محترم مولانا محمد حنیف خاں رضوی بھوگپوری، صدر المدرسین الجامعۃ القادریہ رچھا، بریلی۔
۸۸- روایت مخلص محترم مولانا سعید اختر نعیمی فاضل جامعہ نعیمیہ مرادآباد
۸۹- ۷ رمحرم الحرام ۱۴۱۱ھ بروز دوشنبہ فقیر نوری غفرلہٗ سے یادگارِ سلف مولانا محمد حبیب رضا خاں رضوی بریلوی مدظلہٗ کا بیان۔
۹۰- مفتی اعظم۔ عبدالنعیم عزیزی ص ۱۱۶، مطبوعہ بریلی (چھٹا ایڈیشن)
۹۱-۱۰۰- مکتوب مخلصی الاعز مفتی محمد مطیع الرحمن رضوی بہاری بنام فقیر نوری غفرلہٗ ۱۹ر ذوالحجہ ۱۴۱۰ھ
۱۰۱- ۷ رمحرم الحرام ۱۴۱۱ھ بروز دوشنبہ منظر اسلام بریلی کی ایک علمی مجلس میں فقیر نوری غفرلہٗ سے بیان۔
۱۰۲-۳-۴- مفتی اعظم، عبدالنعیم عزیزی ص ۱۱۶، مطبوعہ، بریلی (چھٹا ایڈیشن)
۱۰۵- روایت محب محترم مولانا حضور احمد منظری ٹانڈوی خطیب وامام جامع مسجد شاہ جہاں پور۔
۱۰۶-۷- (الف) مفتی اعظم۔ عبدالنعیم عزیزی ص ۱۱۶، مطبوعہ بریلی (چھٹا ایڈیشن)
(ب) روایت فقیہ جلیل مفتی محمد اعظم رضوی ٹانڈوی مفتی رضوی دارالافتا بریلی۔
۱۰۸- روایت فقیہ جلیل مفتی محمد اعظم رضوی ٹانڈوی مفتی رضوان، دارالافتا، بریلی۔
۱۰۹- شرح مأۃ عامل عبدالرسول، ص: ۱۷۔ مطبوعہ دہلی
۱۱۰- ضمیمہ مفتی اعظم۔ عبدالنعیم عزیزی ص: ۷۷ مطبوعہ بریلی (چھٹا ایڈیشن)
۱۱۱- تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:
(الف) ماہ نامہ "سنّی دنیا" بریلی ص ۳۳، مجریہ جون ۱۹۸۷ء، مضمون محبِ محترم قاری محمد امانت رسول رضوی پیلی بھیتی
(ب) ماہنامہ "استقامت" کان پور (مفتی اعظم نمبر) ص ۱۱۵-۵۶۲، مجریہ مئی ۱۹۸۳ء
(ج) پندرہ روزہ "رفاقت" پٹنہ، (مفتی اعظم نمبر) ص ۱۵، مجریہ ۱۵ر دسمبر ۱۹۸۱ء، مضمون محبِ محترم مفتی اشرف رضا قادری مصباحی
۱۱۲- پندرہ روزہ "رفاقت" پٹنہ مفتی اعظم نمبر۔
۱۱۳- مکتوب محبِ محترم مفتی محمد مطیع الرحمن رضوی بنام فقیر نوری غفرلہٗ ۱۹ر ذوالحجہ ۱۴۱۰ھ
۱۱۴- مکتوب محبِ محترم مفتی محمد مطیع الرحمن رضوی بنام فقیر نوری غفرلہ، ۱۹ر ذوالحجہ ۱۴۱۰ھ
۱۱۵- تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو،
(الف) ماہنامہ "حجازِ جدید" دہلی (امام اہل سنت نمبر) ص ۲۴، مجریہ ستمبر واکتوبر ۱۹۸۹ء
(ب) ماہنامہ فیض الرسول براؤں شریف ضلع بستی ۲۸ مجریہ دسمبر ۱۹۸۹ء
۱۱۶- ماہنامہ "حجازِ جدید" دہلی (امام اہل سنت نمبر) ص ۲۴، مجریہ ستمبر واکتوبر ۱۹۸۹ء
۱۱۷- حیاتِ اعلیٰ حضرت، مولانا ظفر الدین بہاری، مطبوعہ بریلی، مکتوب بنام مؤلف ۷ رشعبان ۱۳۳۶ھ

۱۱۸- دائرہ معارف امام احمد رضا۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد ص:۱۶ مطبوعہ کراچی
۱۱۹- ایضاص:۱۶
۱۲۰- ماہنامہ حجاز جدید دہلی' امام اہل سنت نمبر' ص: ۶۴ مجریہ ستمبر و اکتوبر ۱۹۸۹ء
۱۲۱- الاجازات المتینہ۔ حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں بریلوی۔ ص:۹
۱۲۲- تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:
(الف) سیرتِ اعلیٰ حضرت، مولانا حسنین رضا خاں بریلوی ص ۱۱۵، مطبوعہ بریلی
(ب) ماہنامہ حجاز جدید (امام اہل سنت نمبر) ص ۲۴ مجریہ ستمبر و اکتوبر ۱۹۸۹ء
۱۲۳- (الف) ۷ رمحرم الحرام ۱۴۱۱ھ بروز دوشنبہ فقیہ ملت قاضی عبد الرحیم بستوی مفتی مرکزی دار الافتا بریلی نے تاج الشریعہ فقیہ اسلام حضرت جانشین مفتی اعظم دامت برکاتہم القدسیہ کی موجودگی میں ارشاد فرمایا کہ یہ روایت خود حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ نے مجھ سے رضوی دار الافتا میں بیان فرمائی۔
(ب) ۱۵ رمحرم الحرام ۱۴۱۱ھ بروز سہ شنبہ فقیہ شہیر مفتی محمد مطیع الرحمن رضوی دام عنایاتہ نے فقیر نوری سے فرمایا کہ حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ نے خود مجھ سے بھی یہ روایت بیان فرمائی۔
۱۲۴- ماہنامہ قاری' دہلی (امام احمد رضا نمبر) ص ۲۴۴، مجریہ اپریل ۱۹۸۹ء
۱۲۵- تذکرۂ علمائے اہل سنت، مولانا محمود احمد قادری، ص ۲۲۳، مطبوعہ بہار
۱۲۶- پندرہ روزہ رفاقت، پٹنہ ص ۸، مجریہ یکم فروری ۱۹۸۲ء (مضمون فقیہ عصر شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی دامت برکاتہم)
۱۲۷- تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:
(الف) سیرت اعلیٰ حضرت، مولانا حسنین رضا خاں بریلوی ص ۱۱۹ مطبوعہ بریلی
(ب) تذکرہ علمائے اہل سنت، مولانا محمد احمد قادری، ص ۲۲۳، ۲۲۴، مطبوعہ بہار
(ج) پندرہ روزہ رفاقت، پٹنہ ص ۸، مجریہ یکم فروری ۱۹۸۲ء
(د) ماہنامہ ''استقامت'' کان پور (مفتی اعظم نمبر) ص ۵۰-۱۵۲ مجریہ ۱۹۸۳ء
(ر) ماہنامہ اعلیٰ حضرت، بریلی ص ۱۰، مجریہ جولائی ۱۹۶۵
۱۲۸- پندرہ روزہ رفاقت، پٹنہ ص ۸، مجریہ یکم فروری ۱۹۸۲ء
۱۲۹- تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:
(الف) الحجۃ المؤتمنہ فی آیۃ الممتحنہ ص ۴، ۵، مطبوعہ بریلی (بار اوّل)
(ب) اخبار ''دبدبۂ سکندری'' رام پور شمارہ ۱۶، جلد ۵۹، ص ۴، مجریہ ۳۱ر مارچ ۱۹۱۳ء
(ج) اخبار ''دبدبۂ سکندری'' رام پور شمارہ ۴۴، جلد ۵۰، ص ۳، مجریہ ۲۸ر ستمبر ۱۹۱۴ء
(د) اخبار ''دبدبۂ سکندری'' رام پور شمارہ ۲۱، جلد ۵۶، ص ۱۰، مجریہ ۱۶ر فروری ۱۹۲۰ء
(ر) روزنامہ پیسہ اخبار لاہور، ص ۴، مجریہ ۳ر دسمبر، ۱۹۲۰ء
۱۳۰- تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:
(الف) الرمح الدیانی علی راس الوسواس الشیطانی ص ۲۵، مطبوعہ امرتسر
(ب) فتاویٰ رضویہ کتاب النکاح (دوسرا حصہ)، باب المحرمات ص ۱۱۲، مطبوعہ حسنی پریس، بریلی
(ج) (پندرہ روزہ ''رفاقت'' پٹنہ، ص ۸، مجریہ یکم فروری ۱۹۸۲ء
۱۳۱- (الف) محدث اعظم پاکستان، مولانا جلال الدین قادری، جلد ۱، ص ۱۳۱، مطبوعہ لاہور
(ب) ماہنامہ استقامت کان پور (مفتی اعظم نمبر) ص ۲۴، مضمون سرکار برہان الملۃ علیہ الرحمہ مجریہ ۱۹۸۳ء

(ج) حیات صدر الشریعہ، مرتبہ: بحر العلوم مفتی عبدالمنان اعظمی، شائع کردہ: رضا اکیڈمی لاہور، ربیع الاول ۲۲ ۱۴ھ/ جون ۲۰۰۱ء

۱۳۲- تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

اخبار دبدبہ سکندری، رام پور شمارہ ۹، جلد ۶۶، ص ۶، مجریہ ۲۰/ اگست ۱۹۲۸ء

۱۳۳- محدث اعظم پاکستان، مولانا محمد جلال الدین قادری، جلد دوم، ص ۵۰۷، مطبوعہ لاہور

۱۳۴- (الف) اخبار دبدبہ سکندری، رام پور مجریہ ۲۷/ مئی ۱۹۴۶ء

(ب) خطبات آل انڈیا سنّی کانفرنس، مولانا محمد جلال الدین قادری، مطبوعہ گجرات، ۱۹۷۸ء

۱۳۵- (الف) اخبار دبدبہ سکندری، رام پور، مجریہ ۲۰ مئی، ۳/ جولائی، ۱۷/ جولائی، یکم اگست ۱۹۴۶ء

(ب) محدث اعظم پاکستان، مولانا محمد جلال الدین قادری، جلد اوّل، ص ۹۷، مطبوعہ لاہور

۱۳۶- پندرہ روزہ رفاقت، پٹنہ، ص ۸، ۹، مجریہ یکم فروری ۱۹۸۲ء

۱۳۷- محدث اعظم پاکستان، مولانا محمد جلال الدین قادری، جلد اول ۷۶ مطبوعہ لاہور۔

نوٹ: مسجد شہید گنج سے متعلق فتویٰ ''فتاویٰ مصطفویہ'' جلد دوم ص: ۹۵ تا ۱۰۱ مطبوعہ الہ آباد (ص: ۲۴۴ تا ۲۵۱۔ اشاعت رضا اکیڈمی ممبئی) میں ملاحظہ کریں۔

۱۳۸- (الف) ماہنامہ استقامت، کان پور، ص ۱۰۶، ۱۲۷، ۲۹۰، مجریہ مئی ۱۹۸۳ء

(ب) پندرہ روزہ رفاقت، پٹنہ، ص ۱۶، مجریہ ۱۵/ دسمبر، ۱۹۸۱ء

(ج) روشن ستارے، مفتی محمد اعظم نوری، مطبوعہ بریلی، ۱۹۷۷ء

(د) مفتی اعظم ہند، عبدالنعیم عزیزی، مطبوعہ بریلی، بار ششم

(ر) محدث اعظم پاکستان، مولانا جلال الدین قادری، جلد اول، ص ۷۷-۸، مطبوعہ لاہور

۱۳۹- پیش لفظ فتاویٰ مصطوفیہ، مفتی محمد اعظم نوری، جلد دوم، ص ۲، مطبوعہ پیلی بھیت

۱۴۰- پندرہ روزہ رفاقت، پٹنہ (مفتی اعظم نمبر) ص ۱۳، مجریہ ۱۵/ دسمبر ۱۹۸۱ء

۱۴۱- وقعات السنان: صولت پبلک لائبریری رام پور میں موجود ہے۔ جس کا مناظرہ فرق اردو میں اندراج نمبر ۳۹۸ ہے۔ وقعات السنان کے مقدمہ میں خود حضرت مفتی اعظم نے مذکورہ چار کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں: ''تا این ہمہ آپ کے اوتاب چاہتے ہیں کہ آپ کے مستعار حیات جس میں تائے تانیث کے سوا باقی حصہ بالکل معدوم ہو گیا ہے، چین سے نہ زرے۔ کتاب مستطاب الکاوی فی العادی والغاوی وکتاب لا جواب القسم القاصم للداسم القاسم وکتاب سراپا انتخاب اشد الباس علی عابد الخناس یعنی ردتحذیر الناس وکتاب کامل الانصاب نور الفرقان بین جند الالہ واحزاب الشیطان وغیر ہا سے چند سوال التقاط کرکے حاضر کر رہا ہوں۔ ص ۳، مطبوعہ بریلی'

۱۴۲- الرمح الدیانی رام پور رضا لائبریری رام پور میں موجود ہے۔ جس کا مناظرہ فرق اردو میں اندراج نمبر ۹۸ ہے۔ یہ رسالہ حسام الحرمین کا گویا خلاصہ و نچوڑ ہے۔ اس میں تفسیر نعمانی کے مؤلف پر حکم کفر وارتداد ہے۔ کلاں سائز میں ۱۴ صفحات پر مشتمل ہے مطبع روز بازار امرتسر سے طبع ہوئی ہے۔ اعلیٰ حضرت صدر الشریعہ قدس سرہما وغیرہ کی کتاب میں تصدیقات ہیں۔ ۱۲

۱۴۳- وقایہ اہل السنہ صولت پبلک لائبریری رام پور میں موجود ہے۔ اس کا مناظرۂ فرق اردو میں اندراج نمبر ۹۰ ہے۔ ۲۸/ ربیع الآخر ۱۳۳۲ھ کو بریلی سے یہ رسالہ شائع ہوا۔

۱۴۴- یہ رسالہ وقایہ اہل سنہ کے ساتھ شامل اشاعت ہے۔ ص ۶۷ سے شروع ہے۔

۱۴۵- ادخال السنان صولت پبلک لائبریری رام پور میں موجود ہے۔ جس کا مناظرہ فرق اردو میں اندراج نمبر ۱۵۶ ہے۔ ۱۳۳۲ھ میں بریلی سے یہ رسالہ شائع ہوا۔

۱۴۶- ادخال السنان کے آخر میں ٹائٹل پر اس رسالہ کا اعلان ہے۔

۱۴۷- مذکورہ کتب میں مقتل کذب وکید رام پور رضا لائبریری میں موجود ہے۔جس کا مناظرہ فرق اردو میں اندراج نمبر ۲۵۳ ہے۔مقتل کذب وکید میں حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ نے مذکورہ بالا پانچ کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ملاحظہ ہو مقتل کذب وکید کا ص ۲، ۵، ۷، اور ۷۶ مطبوعہ بریلی (باراول ۱۳۳۲ھ)

۱۴۸- یہ رسالہ پاک وہند سے متعدد بار چھپ چکا ہے۔فقیر نوری کے پاس مکتبہ رضویہ ڈسکہ کالج روڈ ضلع سیالکوٹ صوبہ لاہور کا شائع کیا ہوا نسخہ ہے۔صفحات ۸۴، تاریخ اشاعت جمادی الاولیٰ ۱۴۰۳ھ، ۱۹۸۳ء۔ ۱۲

۱۴۹- پاک وہند سے متعدد بار شائع ہو چکے ہیں، فقیر نوری غفرلہٗ کے پاس مکتبہ نبویہ لاہور کا شائع کیا ہوا نسخہ ہے۔ ۱۲

۱۵۰- ۱۹۲۰ء اور ۱۹۲۱ء میں امام احمد رضا اور مولانا عبدالباری کے درمیان جو مراسلت ہوئی۔مولانا عبدالباری نے ۱۶ خطوط لکھے اور امام احمد رضا نے ۱۲، اس جملہ مراسلت کو حضرت مفتی اعظم نے حسنی پریس بریلی سے ۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۱ء میں بعنوان الطاری الداری لہفوات عبدالباری تین حصوں میں شائع کیا، خود امام احمد رضا قدس سرہٗ نے ایک رباعی میں اس تالیف کا ذکر کیا ہے ؎

ز ہ علم وفن جناب عبد البا ری خوش سکہ زن جناب عبد البا ری

یک کودک من طاری داری نوشت دندان شکن جناب عبد البا ری

(الطاری الداری لہفوات عبدالباری حصہ سوم ص ۸۱، مطبوعہ بریلی)

۱۵۱- اذان کے بعد صلوٰۃ پکارنے کے جواز میں مدلل رسالہ ہے۔متعدد مرتبہ شائع ہو چکا ہے۔باراول اور دوم کے چھپے ہوئے دو نسخے فقیر نوری غفرلہٗ کے پاس محفوظ ہیں۔ ۱۲

۱۵۲- یہ رسالہ ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے۔رام پور رضا لائبریری میں موجود ہے۔جس کا مناظرہ فرق اردو میں اندراج نمبر ۳۸۵ ہے۔حسنی پریس بریلی کا چھپا ہوا ہے۔اس رسالہ پر آخر میں حضرت صدر الافاضل، حضرت مناظر اعظم ہند، حضرت مفتی عبدالسلام، حضرت مفتی برہان الحق، حضرت مفتی سید محمد میاں اولاد رسول مارہروی، حضرت مولانا حسنین رضا، مولانا عبدالحق، مولانا محمد طاہر رضوی، مولانا محمد اسماعیل تلہری وغیرہم علیہم الرحمہ والرضوان کی تصدیقات ہیں۔ ۱۲

۱۵۳- ۱۳۴۲ھ میں بعض لیڈروں نے حج بیت اللہ سے روکنے کی کوشش کی تھی۔اس رسالہ میں ان لیڈروں کا بالغ رد ہے اور فرضیت حج کے بعد فی الفور حج کی ادائیگی واجب ہے، اس کا روشن ثبوت۔فقیر نوری غفرلہٗ کے پاس نظامی کتابستان نخاس کہنہ الہ آباد کا شائع کیا ہوا نسخہ ہے۔

۱۵۴- یہ رسالہ ۳۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ایک پاکستانی شاعر کے تین کفری شعری کا بالغ رد ہے۔فقیر نوری غفرلہٗ کے پاس انجمن حزب الاحناف لاہور کا شائع کیا ہوا نسخہ ہے۔اس رسالہ پر ۲۰ اکابر علمائے اہل سنت کی تصدیقات ہیں۔جن میں حضرت صدر الشریعہ، حضرت صدر الافاضل، حضرت مناظر اعظم ہند، حضرت مفتی تقدس علی صاحب، حضرت محدث اعظم پاکستان علیہم الرحمہ والرضوان کے اسماء خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔اس رسالہ کا لقبی نام ''**ظفر علی رمۃ من کفر**'' ہے اور عرفی نام ''**سیف الجبار علی کفر زمیں دار**'' ہے۔ ۱۲

۱۵۵- یہ حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کا نعتیہ دیوان ہے۔جس میں حمد باری تعالیٰ، مناقب، غزل اور رباعیات وغیرہ بھی ہیں۔اس کا دوسرا نام گلستان نعت نوری ہے۔یہ دیوان ۱۳۴۷ھ سے ۱۳۵۴ھ کے درمیان مکمل ہوا۔اس لیے دونوں سنوں کے حساب سے حضرت مفتی اعظم نے دو نام رکھے اور پورا نام اس طرح رکھا سامان بخشش عرف گلستان نعتِ نوری۔متعدد بار شائع ہو چکا ہے۔

۱۵۶- یہ ۱۳۴۹ھ سے ۱۳۵۹ تک کے حضرت مفتی اعظم کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے جو تین جلدوں میں مولانا ڈاکٹر فیضان علی رضوی بیسل پوری والحاج قربان علی نے مکتبہ الرضا بیسل پور ضلع پیلی بھیت اور بریلی سے شائع کیا۔فقیر نوری کے پاس تینوں جلدیں محفوظ ہیں۔

۱۵۷- فتاویٰ مصطفویہ۔مفتی اعظم مولانا مصطفی رضا نوری۔جلد اوّل از ص ۵۰ تا ۴۷ مطبوعہ پیلی بھیت

۱۵۸- تاج الشریعہ جانشین مفتی اعظم دامت برکاتہم القدسیہ کے ہاں مرکزی دارالافتا بریلی میں فقیر نوری نے اس رسالہ کی زیارت کی ہے۔مطبوعہ ہے۔

۱۵۹- متعدد بار شائع ہو چکا ہے۔فقیر نوری کے پاس بھی موجود ہے۔

۱۶۰- مکتبہ ایشق استنبول ترکی سے یہ رسالہ شائع ہو چکا ہے۔فقیر نوری کے پاس موجود ہے۔

۱۶۱- (الف) ماہنامہ استقامت، کان پور ص ۳۱۵، مجریہ مئی ۱۹۸۳ء مضمون مولانا یٰسین اختر مصباحی ایڈیٹر ماہنامہ حجاز جدید، دہلی

(ب) حیات مفتی اعظم کی ایک جھلک، مرزا عبدالوحید بیگ، ص ۹، مطبوعہ بریلی
۱۶۲- پندرہ روزہ رفاقت پٹنہ (مفتی اعظم ہند نمبر) ص ۶ مجریہ ۱۵ دسمبر ۱۹۸۱ء مضمون مولانا ڈاکٹر حسن رضا خاں پی ایچ ڈی پٹنہ
(ب) ماہنامہ استقامت، کان پور (مفتی اعظم ہند نمبر) ص ۳۱۵، مجریہ مئی ۱۹۸۳ء (مضمون ادیب شہیر مولانا یٰسین اختر مصباحی ایڈیٹر ماہنامہ حجازِ جدید، نئی دہلی
۱۶۳- پندرہ روزہ رفاقت پٹنہ، (مفتی اعظم ہند نمبر) ص ۱۵ مجریہ ۱۵ دسمبر، ۱۹۸۱ء مضمون مفتی محمد اشرف رضا قادری، مصباحی دارالعلوم امام احمد رضا بمبئی
۱۶۴- ماہنامہ استقامت، کان پور (مفتی اعظم نمبر) ص ۳۱۵، مجریہ مئی ۱۹۸۳ء
(ب) مفتی اعظم، عبدالنعیم عزیزی، ص ۶۵، مطبوعہ بریلی بار ششم
نوٹ: ادیب شہیر عبدالنعیم عزیزی حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کے رسالہ "طرد الشیطان" کے سلسلے میں فرماتے ہیں: "نجدی حکومت نے جو ٹیکس لگایا تھا اس کے رد میں (حضرت مفتی اعظم نے یہ رسالہ) لکھا، (مفتی اعظم ص ۶۴)
غالباً یہ وہی کتاب ہے جس کے بارے میں جناب امید رضوی ایڈیٹر ماہنامہ نوری کرن بریلی رقم طراز ہیں:
"آپ (حضرت مفتی اعظم) کی فضیلت وجلالت علمی کا یہ عالم ہے کہ جب پہلی بار حاضری حرمین ہوئی، تو وہاں کے اجلہ علمائے کرام نے آپ کے سامنے نہ صرف زانوے عقیدت تہہ کیے۔ بل کہ علم حدیث کے اجازت نامے بھی باصرار لکھوائے۔ اور جس کا سلسلہ بعد واپسی مدت تک جاری رہا۔ اسی قیام حرمین کے زمانہ میں آپ سے علمائے حرمین نے دریافت کیا کہ "موجودہ حکومت عربیہ حجاج سے جو ٹیکس لیتی ہے۔ یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں آپ (حضرت مفتی اعظم) نے چند گھنٹوں کی قلیل مدت میں سیر حاصل رسالہ تحریر فرما دیا۔ جس میں پر زور دلائل سے ثابت کیا کہ یہ ٹیکس لینا شرعاً ناجائز وحرام ہے۔" (افسوس ہے کہ سفر حج کی واپسی پر یہ رسالہ ضائع ہو گیا۔) (ماہنامہ نوری کرن، بریلی خاص نمبر، ص ۹، مجریہ شوال وذیقعدہ ۱۳۷۹ھ اپریل ومئی ۱۹۶۰ء)
۱۶۵- صولت پبلک لائبریری رام پور کی فہرست مطبوعات اردو (مناظرہ فرق) کے صفحہ ۱۲۴ سطر ۱۱ میں اس کتاب کو حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کی تصنیف تحریر کیا ہے۔ اندراج نمبر ۳۹۷ ہے۔ کیفیت کے خانہ میں یہ تحریر ہے کہ "مسلک مراد آباد پر معترضانہ ریمارک" اخبار نظام الملک کے ساتھ شامل ہے۔ مگر کتاب طلب کرنے پر نہ مل سکی۔
۱۶۶- ۷ محرم الحرام ۱۴۱۱ھ کو حضرت مفتی محمد اعظم رضوی شیخ الحدیث مظہر اسلام بریلی نے فقیر نوری کو ملاقات کے وقت بتایا کہ: "حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کی ایک مطبوعہ تصنیف میرے پاس ہے جو کانگریسیوں کے رد میں ہے۔ دو سو صفحات پر مشتمل ہے۔ سرورق اس کتاب کا غائب ہونے کی وجہ سے نام معلوم نہیں۔ میں اس کتاب کی فوٹو کاپی آپ کو دے دوں گا۔ ۱۲
۱۶۷- حضرت مفتی اعظم قدس سرہ کی یہ کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے بل کہ الاستمداد تصنیف اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے حواشی وتکمیلات کا تاریخی کام ہے۔ چنانچہ پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی ایم۔ اے۔ رقم طراز ہیں: "زیر نظر کتاب الاستمداد کے حواشی وتکمیلات ملقب بلقب تاریخی کشف ضلال دیو بند آپ ہی کے رشحاتِ قلم کا نتیجہ ہیں۔" (الاستمداد ص ۹۸، مطبوعہ بریلی، ۱۴۰۸ھ)
۱۶۸- ترتیب سابق کے اعتبار سے جلد چہارم اور موجودہ ترتیب کے اعتبار سے فتاویٰ رضویہ جلد پنجم پر حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کے فوائد وحواشی ہیں۔ جو مولانا حسنین رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ نے اپنے اہتمام سے حسنی بریلی سے چار حصوں میں چھاپ کر شائع کیے۔ ان چاروں حصوں کے ٹائٹل پر مندرجہ ذیل عبارت تحریر ہے۔ "تصحیح واضافہ فوائد از فقیر مصطفیٰ رضا قادری برکاتی رضوی غفرلہٗ" الحمد للہ فقیر نوری کے پاس چاروں حصے موجود ہیں۔ ۱۲
۱۶۹- ۷ محرم الحرام ۱۴۱۱ھ کو حضرت مفتی محمد اعظم رضوی مفتی "رضوی دار الافتا" بریلی نے فقیر نوری کو ایک ملاقات میں بتایا کہ: "حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کے تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ اور اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی بہت سی کتابوں پر قلمی حواشی وفوائد رضوی دار الافتا میں تھے۔ مگر جب سے رضوی دار الافتا کی کتابیں خورد برد ہوئیں وہ سب ادھر اُدھر ہو گئے۔ اس وقت رضوی دار الافتا میں حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کے صرف دو حاشیے (۱) حاشیہ تفسیر احمدی (۲) حاشیہ فتاویٰ عزیزیہ قلمی موجود ہیں۔ آپ کسی وقت فرصت سے آئیں تو میں ان کی فوٹو کاپی دے سکتا ہوں۔ ۱۲

مفتی اعظم کے والد ماجد

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی علیہ الرحمۃ

حیات و خدمات - اوصاف اور کارنامے

مولانا نفیس احمد مصباحی بارہ بنکوی
استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

ہندو پاک کی سرزمین پر تقریباً ایک ہزار سال تک مسلمانوں کی حکومت رہی، ان کے عہدِ سلطنت میں غیر مسلموں کو مکمل شہری اور انسانی حقوق حاصل رہے، ہر شخص کو اپنے دین و مذہب پر عمل کرنے کی پوری آزادی تھی، بل کہ بعض مواقع تو ایسے بھی آئے کہ غیر مسلموں کو ترجیحی مراعات حاصل رہیں۔ انگریز تاجر بن کر آئے اور سازشوں کے بل بوتے پر حکمراں بن بیٹھے، ان کی حکومت کو سب سے زیادہ خطرہ مسلمانوں سے تھا۔ ایک تو اس لیے کہ مسلمان عرصۂ دراز تک یہاں حکومت کر چکے تھے۔ دوسرے اس لیے کہ ان کی ایمانی حرارت انھیں کسی بھی وقت انگریزوں کے ظالمانہ رویّے اور غیر انسانی طرزِ حکومت کے خلاف آمادۂ جہاد کر سکتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ انھوں نے مسلمانوں کی قوت کو پامال کرنے اور ان کی ملی وحدت کا شیرازہ منتشر کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

وہ اس حقیقت سے پوری طرح باخبر تھے کہ مسلمانوں کی بقا اور ترقی کا راز ایمان اور اتحاد میں مضمر ہے۔ اسی لیے انھوں نے اپنی تمام تر توانائیاں اسی بنیاد کو کمزور اور ختم کرنے پر صرف کر دیں، دینی مدارس کو بے اثر بنانے کے لیے اسکول اور کالج کھولے، تعلیم کی تجدید کے نام پر نہایت چابک دستی اور عیاری سے وہاں تعلیم پانے والے بچوں کے ذہن و دماغ کو الحاد اور بے دینی کے زہر سے مسموم کیا۔ اتحادِ ملت کو ختم کرنے کے لیے نئے نئے پیدا ہونے والے فرقوں کی حوصلہ افزائی کی۔ اور اسی دورِ بلاخیز میں اس قسم کے مباحث چھیلے کہ اللہ تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے یا نہیں؟ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کوئی نیا نبی آ جائے تو آپ کے خاتم النبیین ہونے میں فرق آئے گا یا نہیں؟ بل کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے تو نبی ہونے کا دعویٰ ہی کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کے حبیب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دیگر محبوبانِ خدا کی شان میں توہین و تنقیص کی زبان دراز کی گئی، کسی نے کہا کہ وہ تو بس ہمارے جیسے بشر ہیں، کسی نے کہا انھیں دیوار کے پیچھے کی بھی خبر نہیں، کوئی ان کے علم کو شیطان اور ملک الموت کے علم سے کم بتانے لگا، اور یہاں تک دعویٰ کر بیٹھا کہ شیطان اور ملک الموت کے علم کی وسعت اور پوری روئے زمین کے احوال و کوائف سے ان کا باخبر ہونا تو قرآن و حدیث سے ثابت ہے اور سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی وسعت کسی

نص سے ثابت نہیں۔ اور کسی نے تو یہاں تک لکھ مارا کہ ان کے جیسا علم غیب تو عام انسانوں، بل کہ بچوں اور پاگلوں، بل کہ تمام جانوروں اور چوپایوں کو حاصل ہے۔ کسی نے لکھا کہ ہر سال میلاد مصطفیٰ کی خوشی منانا تو ہر سال کنہیّا کا جنم دن منانے کی طرح ہے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امت مسلمہ کے اتحاد و اتفاق کا محل زمیں بوس ہو گیا، اس کی وحدت و سالمیت جاتی رہی، اور قوم مسلم مختلف فرقوں اور ٹولیوں میں بٹ گئی، اور متحدہ ہندو پاک میں اتنے فرقے پیدا ہو گئے کہ دوسرے کسی بھی اسلامی ملک میں اس کی نظیر ملنی دشوار ہے۔

ایسے نازک اور پُرفتن دور میں امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہٗ پیدا ہوئے اور عقل و شعور کی آنکھیں کھولتے ہی ان اسلام دشمن ٹولیوں اور غیر اسلامی افکار و نظریات کا رد بلیغ فرمایا، فرقہ بندی کی بھرپور حوصلہ شکنی کی، اور وحدتِ ملی پر زور دیا۔ ان کی علمی اور تحقیقی مساعی کا محور ہی ملّی اتحاد تھا۔

ذیل میں ہم ان ہی کی حیات و خدمات اور احوال و کوائف پر کچھ روشنی ڈالیں گے۔

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کے احوالِ زندگی پر ایک اجمالی نظر :

اعلیٰ حضرت مجدد دین و ملت امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہٗ، ۱۰؍شوال ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴؍جون ۱۸۵۶ء کو اتر پردیش کے شہر بریلی کے ایک دینی و علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔

☆ بسم اللہ خوانی ہی کے دن الف، با، تا، ثا پڑھتے ہوئے ''لا'' پر حیرت انگیز عالمانہ اعتراضات کیے۔

☆ چار سال کی عمر میں ناظرۂ قرآن مجید ختم کر لیا۔

☆ چھ سال کی عمر میں ایک نو وارد عرب سے دیر تک فصیح عربی میں گفتگو کی۔

☆ آٹھ سال کی عمر میں فنِ نحو کی ہدایۃ النحو نامی درسی کتاب کی دورانِ تعلیم ہی عربی زبان میں شرح لکھی۔

☆ دس سال کی عمر میں اصول فقہ کی نہایت دقیق، مشکل اور اہم کتاب ''مسلم الثبوت'' پر عربی زبان میں شان دار اور گراں قدر عالمانہ حاشیہ لکھا۔

☆ تیرہ سال، دس ماہ، پانچ دن کی عمر میں تمام مروّجہ درسی علوم و فنون سے فراغت حاصل کر کے باقاعدہ تدریس کا آغاز کیا، اور منصبِ افتا کی ذمہ داری سنبھال لی۔ پھر خداداد ذہانت، فطری لیاقت و قابلیت اور زورِ مطالعہ سے تدریجاً مختلف مشرقی و مغربی علوم کو خود ہی حل فرما کر دادِ تحقیق دی، اور ان میں سے بیشتر میں اپنے پیچھے علمی نقوش و آثار یادگار چھوڑے۔ ا؎

☆ بائیس سال کی عمر میں تاج الفحول علامہ عبد القادر بدایونی علیہ الرحمۃ کے ایما پر ۱۲۹۴ھ میں اپنے والدِ گرامی عمدۃ المحققین علامہ نقی علی خاں قادری قدس سرہٗ کی معیت میں مارہرہ شریف حاضر ہو کر حضرت خاتم الاکابر سیدنا شاہ آل رسول مارہروی علیہ الرحمۃ والرضوان کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے اور اسی وقت والد گرامی کے ساتھ اجازت و خلافت سے بھی سرفراز کیے گئے۔ ۲؎

☆ ۱۲۹۵ھ میں اپنے والد ماجد کے ساتھ پہلا سفرِ حج فرمایا اور زیارتِ حرمین طیبین سے شرف یاب ہوئے، اور حضرت سید احمد زینی دحلان مفتی شافعیہ اور حضرت شیخ عبد الرحمن سراج مفتی حنفیہ جیسے جلیل القدر اور متبحر علمائے حرمین شریفین سے حدیث، فقہ، اصول فقہ، تفسیر اور دیگر علوم کی سندیں حاصل کیں۔ امام شافعیہ حضرت شیخ حسین بن صالح جمل اللیل نے کسی تعارف کے بغیر آپ کا ہاتھ پکڑا اور اپنے دولت کدہ پر تشریف لائے، اور آپ کی پیشانی کو پکڑ کر فرمایا:۔ **اِنِّیْ لَاَجِدُ نُوْرَ اللّٰہِ فِیْ ھٰذَا الْجَبِیْنِ** (بے شک

میں اس پیشانی میں اللہ کا نور پاتا ہوں۔) اور صحاحِ ستہ اور سلسلہ قادریہ کی اجازت اپنے دست مبارک سے لکھ کر عنایت فرمائی۔ ۳؎

☆ پھر تدریس، افتا اور تصنیف و تالیف کے ساتھ اصلاحِ معاشرہ کی طرف خصوصی توجہ دی۔ مسلمانوں میں پھیلے ہوئے غلط رسم و رواج کو مٹانے کے درپے ہوئے، بدعات و خرافات کے خلاف محاذ قائم کیا۔ اور دوسرے باطل مذاہب کی تردید کے ساتھ خود اسلام کے نام پر غیر اسلامی نظریات پھیلانے والے مختلف فرقوں کے ردو ابطال میں پوری تن دہی کے ساتھ مصروف ہو گئے۔

☆ ۱۳۱۸ھ مطابق ۱۹۰۰ء کو مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کے جانشین جناب حضور شاہ امین احمد فردوسی، زیبِ سجادہ ''خانقاہ معظم بہار شریف'' کی صدارت میں منعقد پٹنہ کے تاریخ ساز اجلاس میں غیر منقسم ہندستان (موجودہ ہندو پاک و بنگلہ دیش) کے سیکڑوں علما، مشائخ اور خانقاہوں کے سجادہ نشین حضرات کی موجودگی میں ''مجدد مائۃ حاضرۃ'' (موجودہ صدی کے مجدد) کے گراں قدر خطاب سے سرفراز ہوئے۔ اور آپ کی تمام تصنیفات (جو اس وقت دو سو کے قریب تھیں) کا نصف حصہ، تقریباً ایک سو کتابوں کا پہلا ایڈیشن مطبع تحفۂ حنفیہ پٹنہ سے شائع ہوا۔

☆ ۱۳۲۴ھ مطابق ۱۹۰۶ء میں مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور دیگر ممالک کے علما و مشائخ نے بھی آپ کی مجددیت کا برملا اعتراف کیا اور آپ کو ''امام الائمۃ'' کے لقب سے یاد کیا۔

☆ ۱۳۳۰ھ مطابق ۱۹۱۱ء کو آپ نے اردو زبان میں قرآن کریم کا صحیح ترین ترجمہ ''کنز الایمان'' پھر فقہ اسلامی کا عظیم دائرۃ المعارف ''فتاویٰ رضویہ'' عالم اسلام کو عطا فرمایا۔

☆ پھر احیاے علوم اور تجدید دین کے ان داخلی امور کی انجام دہی کے ساتھ، خارجی امور کی طرف بھی توجہ فرمائی، فلسفیوں کے ہذیانات اور باطل افکار و خیالات کے تار و پود بکھیر دیے۔

☆ سائنس کی جانی مانی قدآور شخصیتوں نیوٹن، کاپرنیکس، کیپلر اور آئن اسٹائن کا تعاقب کرتے ہوئے ان کے بعض غلط نظریات کا انھیں کے اصولوں کی روشنی میں عالمانہ رد فرمایا۔

☆ امریکہ کے مشہور نجومی پروفیسر ایف پورٹا کی غلط پیشین گوئی کی دھجیاں اڑائیں۔ ۴؎

☆ ماہرِ ریاضیات ڈاکٹر سر ضیاء الدین وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے پیچیدہ اور لاینحل سوالوں کو چشم زدن میں حل فرمایا، جس کے اعتراف میں ان کو یہ کہنے پر مجبور ہونا پڑا کہ ''میں سنا کرتا تھا کہ علم لدُنی بھی کوئی شی ہے، آج آنکھوں سے دیکھ لیا۔ ۵؎

☆ شہر بریلی کے گوشۂ گم نامی میں بیٹھ کر انگریزوں اور ان کی غاصبانہ حکومت کی مخالفت کی۔ غیر شرعی تحریکِ خلافت کا رد کیا۔ اور ہندوستان سے مسلمانوں کی عام ہجرت پر بند باندھا۔

☆ اس طرح قمری مہینے کے اعتبار سے ۶۷ سال کچھ ماہ کی عمر پا کر ۲۵ رصفر ۱۳۴۰ھ/ ۲۸ راکتوبر ۱۹۲۱ء کو اس دارِ فانی سے دارِ آخرت کی طرف رحلت فرمائی۔ ۶؎

خاندانی حالات :

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کے آبا و اجداد قندھار (افغانستان) کے موقر قبیلہ ''بڑہیچ'' کے پٹھان تھے۔ مغل بادشاہوں کے

عہدِ سلطنت میں وہ لاہور آئے اور معزز عہدوں پر فائز رہے، لاہور کا شیش محل انھیں کی جاگیر تھا، پھر وہاں سے دہلی آئے اور اعلیٰ عہدوں پر رہے، حضرت محمد سعید اللہ خاں شش ہزاری عہدہ پر فائز تھے، اور انھیں ''شجاعت جنگ'' خطاب ملا تھا۔

ان کے صاحبزادے سعادت یار خاں، سلطنت کی جانب سے ایک مہم سر کرنے کے لیے بریلی، روہیل کھنڈ بھیجے گئے، فتح یابی پر ان کو بریلی کا صوبہ دار بنانے کے لیے شاہی فرمان آیا، لیکن وہ ایسے وقت آیا جب کہ وہ بسترِ مرگ پر تھے۔ ان کے تین صاحبزادے تھے۔ (۱) اعظم خاں (۲) معظم خاں (۳) مکرم خاں، یہ سبھی بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھے، ان کا ماہانہ وظیفہ ایک ہزار سے کم نہ تھا۔

اعظم خاں بریلی تشریف فرما ہوئے، اور دنیا چھوڑ کر مولیٰ تعالیٰ سے لو لگائی، زہد و تقویٰ اور قناعت و استغنا اختیار کیا۔ ''شاہ زادے کا تکیہ'' جو محلہ معماران بریلی میں ہے، آج بھی انھیں کی نسبت سے مشہور ہے۔ ان کا وہیں قیام تھا اور وہیں سپردِ خاک ہوئے۔ ۷؎

ان کے صاحبزادے جناب حافظ محمد کاظم علی خاں علیہ الرحمۃ شہرِ بدایوں کے تحصیل دار تھے۔ اور یہ عہدہ آج کل کی کلکٹری کے ہم پلّہ تھا۔ دو سو سواروں کی بٹالین خدمت میں رہتی تھی، آٹھ گاؤں مغل شاہی دربار سے جاگیر میں ملے تھے۔

حضرت حافظ صاحب کے صاحب زادہ، قدوۃ الواصلین، زبدۃ الکاملین، قطبِ وقت حضرت مولانا رضا علی خاں علیہ الرحمۃ والرضوان تھے، بلند پایہ عالم اور اپنے معاصرین میں علم و تقویٰ دونوں میں ممتاز تھے، فقہ و تصوف میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ زہد و قناعت، علم و تواضع، تجرید و تفرید، سلام میں سبقت کرنے میں نمایاں تھے۔ ۲؍ جمادی الاولیٰ ۱۲۸۲ھ میں اس دارِ فانی سے رحلت فرمائی۔ ۸؎

بڑے با کرامت اور صاحبِ روحانیت بزرگ تھے۔ علامہ محمد حسن علمی بریلوی جن کا خطبہ ''مجموعۂ خُطبِ علمی'' کے نام سے ہر جگہ پھیلا ہوا ہے، شہر تو شہر، دیہات کی مساجد میں بھی وہ پڑھا جاتا ہے، وہ حضرت ہی کے شاگرد و مرید تھے، اس کے اخیر میں علمی صاحب خود تحریر فرماتے ہیں:

> ''اس مؤلفِ عاصی محمد حسن علمی کو امیدواری جناب باری عز اسمہ سے یہ ہے کہ اپنے فضلِ عمیم اور طفیل رسولِ کریم، ملقب بہ ''اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ'' کے ہم سب مومنین کو بعفوِ جرائم و عصیان اور فیضانِ توفیق و احسان کے عزت بخشے۔ اور ہمارے مرشد و مولیٰ، عالم علم ربانی، مقبولِ بارگاہِ سبحانی، مخزنِ اسرار معقول و منقول، کاشفِ استار فروع و اصول، مطلع العلوم، مجمع الفہوم، عالم باعمل، فاضلِ بے بدل، منبع الاخلاق، منہل الاشفاق، مصدرِ احسان، مظہر امتنان، مولانا و مخدومنا، لوذعی زماں، مولوی رضا علی خاں کو بیچ دونوں جہان کے رحمتِ خاصہ میں اپنی رکھ کر اقصیٰ مراتبِ قبولیت کو پہنچائے۔ آمین یا رب العالمین۔'' ۹؎

حضرت مولانا رضا علی خاں قدس سرہٗ کے صاحب زادہ رئیس المتکلمین، تاج الفقہا حضرت مولانا نقی علی خاں قادری برکاتی علیہ الرحمۃ تھے، یکم رجب ۱۲۴۶ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ اپنے والد ماجد سے تعلیم و تربیت پائی، اور علوم درسیہ سے فراغت پائی۔ فطری شجاعت کے علاوہ سخاوت، تواضع اور استغنا سے موصوف تھے۔ ذہانت، اصابت رائے، ژرف نگاہی میں معاصرین سے ممتاز تھے۔ ۱۰؎ عقائد و کلام و افتا میں تو ان کا کوئی جواب ہی نہ تھا، اس کا اندازہ امام احمد رضا قادری علیہ الرحمۃ والرضوان کی درج ذیل شہادت سے ہوتا ہے۔

> ''ردِّ وہابیہ اور افتا یہ دونوں ایسے فن ہیں کہ طب کی طرح یہ بھی صرف پڑھنے سے نہیں آتے۔ ان میں بھی طبیبِ حاذق کے مطب میں بیٹھنے کی ضرورت ہے۔ میں بھی اک حاذق طبیب کے مطب میں سات برس بیٹھا۔ مجھے وہ وقت، وہ دن، وہ جگہ، وہ مسائل اور جہاں سے وہ آئے تھے اچھی طرح یاد ہیں۔ میں نے ایک بار ایک پیچیدہ حکم بڑی کوشش و

جاں فشانی سے نکالا، اور اس کی تائیدات مع تنقیح آٹھ ورق جمع کیں مگر جب حضرت والد ماجد قدس سرہٗ کے حضور میں پیش کیا تو انھوں نے ایک جملہ ایسا فرمایا کہ اس سے یہ سب ورق ردہو گئے، وہی جملے اب تک دل میں پڑے ہوئے ہیں اور قلب میں اب تک ان کا اثر باقی ہے۔'' ۱۱؎

مولانا شاہ محرم علی چشتی، صدر انجمن نعمانیہ، لاہور کے ایک سوال (۱۵؍جمادی الآخرہ ۱۳۳۰ھ) کے جواب میں اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں:

'' آہ، آہ، آہ! ہندوستان میں میرے زمانۂ ہوش میں دو بندۂ خدا تھے جن پر اصول وفروع، وعقائد وفقہ سب میں اعتمادِ کلّی کی اجازت تھی۔ اوّل: اقدسِ حضرت خاتم المحققین سیدنا الوالد قدس سرہ الماجد، حاش للہ! نہ اس لیے کہ وہ میرے والد ووالی، ولیِ نعمت تھے، بل کہ اس لیے کہ الحق، والحق اقول، الصدق، واللہ یحب الصدق، میں نے اس طبیبِ صادق کا برسوں مطب پایا، اور وہ دیکھا کہ عرب وعجم میں جس کا نظیر نظر نہ آیا، اس جناب رفیع قدس اللہ سرہ البدیع کو اصولِ حنفی سے استنباطِ فروع کا ملکہ حاصل تھا، اگر چہ کبھی اس پر حکم نہ فرماتے، مگر یوں ظاہر ہوتا تھا کہ کوئی نادر و دقیق و معضل مسئلہ پیش نہ ہوا کہ کتبِ متداولہ میں جس کا پتہ نہیں (اس) خادم کمینہ کو مراجعتِ کتب واستخراجِ جزئیہ کا حکم ہوتا اور ارشاد فرماتے ظاہراً حکم یوں ہونا چاہیے، جو وہ فرماتے وہی نکلتا، یا بعض کتب میں اس کا خلاف نکلتا تو زیادتِ مطالعہ نے واضح کر دیا کہ دیگر کتب میں ترجیح اسی کو دی جو حضرت نے ارشاد فرمایا تھا۔ عجم کی حالت تو آپ ملاحظہ ہی فرماتے ہیں۔ عرب کا حال یہ ہے کہ اس جنابِ قدس کا یہ ادنیٰ خوشہ چیں وزلہ ربا جو مکہ معظّمہ میں اس بار حاضر ہوا، وہاں کے اعلم العلما وافقہ الفقہا سے چھ چھ گھنٹہ مذاکرۂ علمیہ کی مجلس گرم رہتی، جب انھوں نے ملاحظہ فرمایا کہ یہ فقہ حنفی کے دو حرف جانتا ہے۔ اپنے زمانہ کے عہد افتا کے مسائلِ کثیرہ جن میں وہاں کے علما سے اختلاف پڑا یا اشتباہ رہا اس ہیچ میرز پر پیش فرمانا شروع کیے جس مسئلہ وحکم میں اس احقر نے ان کی موافقت عرض کی آثارِ بشاشت ان کے چہرۂ نورانی پر ظاہر ہوئے۔ آخر میں عرض کر دیا کہ فقیر کی رائے میں حکم اس کے خلاف ہے، سامعِ دلیل سے پہلے آثار حزن نمایاں ہوتے، اور خیال فرما لیتے کہ ہم سے اس حکم میں لغزش واقع ہوئی۔ یہ اس طبیبِ حاذق کی کفش برداری کا صدقہ ہے۔ دوم: والا حضرت تاج الفحول محب الرسول مولانا مولوی عبد القادر صاحب قادری بدایونی قدس سرہ الشریف۔ .... الخ'' ۱۲؎

آخر ذی قعدہ ۱۲۹۷ھ کو پنج شنبہ کے دن، ظہر کے وقت اکیاون برس پانچ مہینہ کی عمر میں داعیِ اجل کو لبیک کہا اور اپنے والدِ ماجد (حضرت مولانا رضا علی خاں بریلوی) علیہ الرحمۃ کے پہلو میں آسودۂ خواب ہوئے۔ ۱۳؎

رئیس الاتقیا حضرت مولانا نقی علی خاں قادری علیہ الرحمۃ کی شادی اسفند یار بیگ کی بڑی صاحبزادی (حسینی خانم) سے ہوئی جن سے درج ذیل اولادیں ہوئیں۔ (۱) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں (۲) استاذ زمن مولانا حسن رضا خاں (۳) مولانا محمد رضا خاں (۴) حجاب بیگم زوجہ وارث علی خاں (۵) احمدی بیگم زوجہ شاہ ایران خان (۶) محمدی بیگم زوجہ کفایت اللہ خاں ۱۴؎

ولادت :

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کی ولادتِ باسعادت ۱۰؍شوال المکرم ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴؍جون ۱۸۵۶ء کو شنبہ کے دن،

ظہر کے وقت بریلی شہر کے محلہ جسولی میں ہوئی، پہلے وہی آپ کا آبائی مکان اور آپ کے جدامجد حضرت مولانا رضا علی خاں علیہ الرحمۃ والرضوان کی قیام گاہ تھی۔

جب آپ شکم مادر میں تھے آپ کے والد ماجد نے ایک رات بہت عجیب وغریب خواب دیکھا، جس سے کچھ پریشان ہوئے، صبح کو اٹھے تو بھی اس کی تشویش ذہن ودماغ کے پردہ پر باقی تھی۔ صبح کو اپنے والد ماجد عارف باللہ حضرت مولانا رضا علی خاں علیہ الرحمۃ سے خواب بیان فرمایا۔ حضرت نے فرمایا: ''یہ خواب مبارک ہے۔ بشارت ہو کہ پروردگارِ عالم تمھارے نطفہ سے ایک ایسا فرزند عطا فرمائے گا جو علم کے دریا بہائے گا، جس کا شہرہ مشرق ومغرب میں پھیلے گا۔''۱۵؎

جب اعلیٰ حضرت کی ولادت ہوئی انھیں داداجان (حضرت مولانا رضا علی خاں قدس سرہٗ) کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ دیکھ کر گود میں لیا اور فرمایا: ''یہ میرا بیٹا بہت بڑا عالم ہوگا۔''

آپ کا تاریخی نام المختار ہے۔ آپ نے اپنا سالِ ولادت درج ذیل آیت کریمہ سے نکالا: **اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمُ الۡاِیۡمَانَ وَاَیَّدَہُمۡ بِرُوۡحٍ مِّنۡہُ** ۔ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ (یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرمادیا ہے اور اپنی طرف سے روح القدس کے ذریعہ ان کی مدد فرمائی ہے۔) اس آیت کا ابتدائی حصہ یہ ہے: **لَاتَجِدُ قَوۡمًا یُّؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ یُوَآدُّوۡنَ مَنۡ حَآدَّ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ وَلَوۡ کَانُوۡٓا اٰبَآءَ ہُمۡ اَوۡ اَبۡنَآءَ ہُمۡ اَوۡ اِخۡوَانَہُمۡ اَوۡ عَشِیۡرَتَہُمۡ** (مجادلہ، ۵۸ / ۲۲) (تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ان سے جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی، اگر چہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے والے ہوں۔)

خود اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

> ''بحمد اللہ تعالیٰ! بچپن سے مجھے نفرت ہے، اعداء اللہ (دشمنانِ خدا) سے اور میرے بچوں اور بچوں کے بچوں کو بھی بفضل اللہ تعالیٰ عداوتِ اعداء اللہ (دشمنانِ خدا سے دشمنی) گھٹی میں پلادی گئی ہے۔ اور بفضلہٖ تعالیٰ یہ وعدہ بھی پورا ہوا۔ **اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمُ الۡاِیۡمَانَ** بحمد اللہ! اگر میرے قلب کے دو ٹکڑے کیے جائیں تو خدا کی قسم ایک پر لکھا ہوگا۔ لا الہ الا اللہ اور دوسرے پر لکھا ہوگا **محمد رسول اللہ**۔ اور بحمد للہ تعالیٰ ہر بدمذہب پر ہمیشہ فتح وظفر حاصل ہوئی۔ رب العزت جل جلالہ نے روح القدس سے تائید فرمائی۔ اللہ تعالیٰ پورا فرمائے: **وَیُدۡخِلُہُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡہُ اُولٰٓئِکَ حِزۡبُ اللّٰہِ، اَلَآ اِنَّ حِزۡبَ اللّٰہِ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ** (اور انھیں باغوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہیں، ان میں ہمیشہ رہیں، اللہ ان سے راضی، اور وہ اللہ سے راضی، یہ اللہ کی جماعت ہے، سنتا ہے! اللہ ہی کی جماعت کامیاب ہے۔) (سورہ مجادلہ، آیت ۲۲)

یہ سب برکات ہیں حضرت جدامجد رضی اللہ عنہ کی۔ قرآن عظیم میں (حضرت) خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعہ میں ہے کہ دو یتیم ایک مکان میں رہتے تھے، اس کی دیوار گرنے والی تھی اور اس کے نیچے ان کا خزانہ تھا۔ خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس دیوار کو سیدھا کردیا۔ اس واقعہ میں فرمایا جاتا ہے: **وَکَانَ اَبُوۡہُمَا صَالِحًا** ''اور ان کا باپ نیک آدمی تھا۔'' (کہف: ۸۲) اس کی برکت سے یہ رحمت کی گئی۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: وہ باپ ان کی چودھویں پشت میں تھا۔ صالح باپ کی یہ برکات ہوتی ہیں، تو یہاں تو ابھی تیسری ہی پشت ہے۔ دیکھیے کب تک

برکات اس سلسلے میں رہیں۔''۱۶؎

بسم اللہ خوانی وسلسلۂ تعلیم :

صحیح طور پر یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کی بسم اللہ خوانی کس عمر میں ہوئی۔ لیکن بسم اللہ خوانی کے وقت ایک عجیب وغریب واقعہ پیش آیا جو آپ کی ذہانت وفطانت کی روشن دلیل ہے۔ استاذ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد الف، با، تا، ثا، پڑھانا شروع کیا۔ آپ استاذ کے پڑھانے کے مطابق پڑھتے رہے۔ جب لام الف (لا) کی نوبت آئی، استاذ نے فرمایا: کہو لام الف۔ آپ خاموش رہے اور نہیں کہا، استاذ نے دوبارہ کہا: کہو میاں، لام الف۔ آپ نے فرمایا: یہ دونوں تو پڑھ چکے ہیں، لام بھی پڑھ چکے ہیں اور الف بھی پڑھ چکے ہیں، یہ دوبارہ کیسا؟ اس وقت آپ کے دادا جان عالم ربانی حضرت مولانا رضا علی خاں بریلوی علیہ الرحمۃ نے اپنی فراستِ ایمانی سے بھانپ لیا، اور فرمایا: بیٹا! استاذ کا کہنا مانو، جو کہتے ہیں پڑھو، آپ نے اپنے دادا جان کے حکم کی تعمیل کی، اور ان کے چہرے کی طرف دیکھنے لگے، دادا جان نے تاڑ لیا کہ اس بچے کو شبہہ یہ ہو رہا ہے کہ حروفِ مفردہ کا بیان ہے، اب اس میں ایک مرکب لفظ کیسے آ گیا؟ یہ دونوں حرف تو الگ الگ پڑھ ہی چکے ہیں۔ اگرچہ بچے کی عمر کے لحاظ سے اس فلسفے کو بیان کرنا مناسب نہ تھا، اور سمجھ سے بالاتر خیال کیا جاتا، مگر مشہور کہاوت ہے: ''ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات'' حضرت جدِّ امجد نے نورِ باطنی سے سمجھا کہ یہ لڑکا کچھ ہونے والا ہے، اسی لیے اس چھوٹی سی عمر ہی میں ان کے سامنے اسرار ونکات کا بیان کرنا مناسب سمجھا، اور فرمایا: بیٹا! تمھارا خیال درست اور بجا ہے، دراصل بات یہ ہے کہ شروع میں تم نے جس کو الف پڑھا حقیقت میں وہ ہمزہ ہے، اور یہ درحقیقت الف ہے۔ لیکن الف ہمیشہ ساکن ہوتا ہے اور کسی ساکن حرف سے ابتدا کرنا ناممکن ہے، اس لیے اک حرف ''لام'' شروع میں لا کر اس کا تلفظ بتانا مقصود ہے۔ اعلیٰ حضرت نے کہا: تو کوئی ایک بھی حرف ملا دینا کافی تھا، اتنی دور کے بعد لام کی خصوصیت کیا ہے؟ با، تا، دال، سین بھی شروع میں لا سکتے تھے۔ دادا جان نے فرطِ مسرت سے آپ کو گلے لگا لیا اور دل سے بہت دعائیں دیں۔ اور فرمایا: لام اور الف میں صورت اور سیرت دونوں اعتبار سے ایک خاص مناسبت ہے۔ ظاہراً لکھنے میں دونوں کی صورت ایک سی ہوتی ہے۔ لا - یا - لا۔ اور سیرت کے اعتبار سے یوں کہ لام کا قلب الف ہے، اور الف کا قلب لام ہے، یعنی یہ اس کے بیچ میں ہے اور وہ اس کے بیچ میں۔ گویا:

من تو شدم تو من شدی، من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نگوید بعد ازیں، من دیگرم تو دیگری

کہنے کو تو آپ کے دادا جان نے لام، الف کو مرکّب لانے کی وجہ بیان فرمائی مگر باتوں بات میں سب کچھ بتا دیا اور اسرار وحقائق کے رموز واشارات کے دریافت وادراک کی صلاحیت اور قابلیت اسی وقت سے پیدا کر دی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا کی نگاہوں نے دیکھ لیا کہ شریعت میں اگر وہ امام ابوحنیفہ کے قدم بقدم ہیں تو طریقت میں سیدنا غوث اعظم کے نائب اکرم ہیں۔

سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ کاشانۂ اقدس پر ایک مولوی صاحب چند بچوں کو پڑھایا کرتے تھے، اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ بھی ان سے قرآن کریم پڑھتے تھے۔ ایک روز کا واقعہ ہے کہ مولوی صاحب کسی آیتِ کریمہ میں بار بار ایک لفظ آپ کو بتاتے، مگر آپ کی زبان سے نہیں نکلتا تھا۔ وہ زیر بتاتے تھے اور آپ زبر پڑھتے تھے۔ یہ کیفیت آپ کے دادا جان قطبِ ربانی حضرت مولانا رضا علی خاں رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھ کر آپ کو اپنے پاس بلا لیا، اور کلام پاک منگا کر دیکھا تو اس میں کاتب سے اعراب کی غلطی ہو گئی تھی، زبر کی جگہ

زیر لکھ گیا تھا، اور یوں ہی بے تصحیح چھپ گیا تھا۔ دادا جان نے آپ سے دریافت کیا: کہ مولوی صاحب جس طرح تم کو بتاتے تھے اسی طرح کیوں نہیں پڑھتے تھے؟ عرض کیا: میں ارادہ کرتا تھا کہ اسی طرح پڑھوں، مگر زبان پر قابو نہ پاتا تھا۔ دادا جان نے فرمایا: خوب۔ اور مسکرا کر سر پر دستِ شفقت پھیرا اور دل سے دعا دی۔ پھر ان مولوی صاحب سے فرمایا: یہ بچہ صحیح پڑھ رہا تھا، کاتب نے غلط لکھ دیا تھا، پھر اپنے قلم سے اس کی تصحیح فرمادی۔

اعلیٰ حضرت خود فرماتے تھے کہ میرے استاد جن سے میں ابتدائی کتاب پڑھتا تھا جب مجھے سبق پڑھا دیا کرتے۔ میں ایک دو بار اسے دیکھ کر کتاب بند کر دیتا، جب سبق سنتے تو حرف بحرف، لفظ بلفظ سنا دیتا۔ روزانہ یہ حالت دیکھ کر وہ سخت تعجب کرتے، ایک دن مجھ سے فرمانے لگے: کہ احمد میاں! یہ تو بتاؤ تم آدمی ہو یا جن؟ کہ مجھ کو پڑھاتے دیر لگتی ہے، مگر تم کو یاد کرتے دیر نہیں لگتی۔ ۱۷؎

جب آپ عربی کی ابتدائی کتابوں کو پڑھ چکے تو تمام مروّجہ درسیات کی تعلیم اپنے والد ماجد علیہ الرحمۃ سے حاصل کی، اور ۱۲۸۶ھ میں تیرہ سال، دس مہینہ کی عمر میں تمام درسیات سے فراغت پائی۔ زُبُر و بیّنات کے لحاظ سے ''تعویذ'' تاریخ فراغت ہے، اور اس میں صاف بشارت ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ آپ کو دشمنوں سے پناہ میں رکھے گا۔ اور دوسرا مادۂ تاریخ ''غفور'' ہے، اور اس میں یہ خوش خبری ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے آپ اور آپ کے وابستگانِ دامن کے لیے مغفرت فرمانے والا ہے۔

دنیا، مزار، حشر، جہاں ہیں غفور ہیں
ہر منزل اپنے ماہ کی، منزل غفر کی ہے ۱۸؎

اساتذۂ کرام :

آپ نے ابتدائی کتابیں ایک مولوی صاحب سے پڑھیں (جن کا نام معلوم نہیں ہو سکا) پھر میزان و منشعب وغیرہ جناب مرزا غلام قادر بیگ سے پڑھنا شروع کیا۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے تھے کہ میں جمادی الاولیٰ ۱۲۹۴ھ میں شرفِ بیعت سے مشرف ہوا، تعلیم طریقت اپنے پیر و مرشد سے حاصل کی، ۱۲۹۶ھ میں حضرت کا وصال ہوا تو قبلِ وصال مجھے اپنے پوتے سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری سجادہ نشین (خانقاہ مارہرہ مطہرہ) کے سپرد فرمایا۔ حضرت نوری میاں صاحب سے میں نے کچھ تعلیم طریقت، علم جفر، علم تکسیر وغیرہ علوم حاصل کیے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کے شیوخ اور اساتذہ کی تعداد بہت مختصر ہے۔

(۱) اعلیٰ حضرت کے وہ استاد جنھوں نے ابتدائی کتابیں پڑھائیں۔
(۲) مرزا غلام قادر بیگ بریلوی
(۳) مولانا عبدالعلی رام پوری
(۴) سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی
(۵) علامہ نقی علی خاں قادری بریلوی (والد ماجد)
(۶) خاتم الاکابر سیدنا آل رسول مارہروی (پیر و مرشد امام ممدوح) علیہم الرحمۃ والرضوان

ان چھ حضرات کے علاوہ آپ نے کسی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ نہیں کیا، مگر اللہ نے اپنے فضل و کرم، آپ کی کوشش و محنت اور خداداد

ذہانت کی وجہ سے آپ کو اتنے علوم وفنون میں کمال اور مہارت عطا فرمائی کہ پچاس فنون میں آپ نے کتابیں تصنیف فرمائیں۔ اور علوم و معارف کے وہ دریا بہائے کہ اپنے تو اپنے، پرائے بھی یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی کشورِ علم کے تاجدار اور قلم کے بادشاہ ہیں جس مسئلہ پر قلم اٹھایا اسے ایسا پانی پانی کر دیا کہ نہ موافق کے لیے اس میں کسی اضافہ کی گنجائش باقی رہی، نہ مخالف کے لیے مجالِ دم زدن۔ ۱۹؎

شادی اور اولاد :

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ کا نکاح ۱۲۹۱ھ میں شیخ افضل حسین عثمانی کی بڑی صاحب زادی ''ارشاد بیگم'' سے ہوا۔ آپ کی سات اولادیں ہوئیں۔ دو شاہزادے (۱) حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں قادری (۲) مفتی اعظم حضرت مولانا مصطفی رضا خاں نوری۔ پانچ صاحبزادیاں، (۱) مصطفائی بیگم (۲) کنیز حسن (۳) کنیز حسین (۴) کنیز حسنین (۵) مرتضائی بیگم۔

حضرت حجۃ الاسلام کی شادی پھوپھی زاد بہن کنیز عائشہ سے ہوئی، ان سے دو صاحب زادے اور چار صاحب زادیاں ہوئیں۔ (۱) ابراہیم رضا خاں (۲) حماد رضا خاں (۳) ام کلثوم (۴) کنیز صغریٰ (۵) رابعہ (۶) سلمیٰ

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کی شادی چھوٹے چچا حضرت مولانا محمد رضا خاں کی اکلوتی صاحب زادی سے ہوئی۔ ان سے سات اولادیں ہوئیں۔ (۱) صاحبزادہ مرحوم (۲) نگار فاطمہ (۳) انوار فاطمہ (۴) برکاتی بیگم (۵) رابعہ بیگم (۶) ہاجرہ بیگم (۷) شاکرہ بیگم۔ صاحب زادے تو کم سنی ہی میں داغِ مفارقت دے گئے، جس کا نہ صرف والدین بل کہ پورے خاندان، اعزہ واقربا اور مریدین ومتعلقین متوسلین کو صدمہ ہوا۔ ۲۰؎

بیعت وخلافت :

امام احمد رضا قدس سرہٗ ۱۲۹۴ھ میں تاج الفحول علامہ عبدالقادر بدایونی علیہ الرحمہ کے ایما پر اپنے والد گرامی عمدۃ المحققین حضرت علامہ نقی علی خاں قادری قدس سرہٗ کے ہمراہ مارہرہ شریف خاتم الاکابر حضرت سیدنا شاہ آل رسول مارہروی علیہ الرحمۃ والرضوان کی بارگاہ میں حاضر ہو کر بیعت سے شرف یاب ہوئے، اسی وقت والد گرامی کے ساتھ اجازت وخلافت سے سرفراز کیے گئے۔ اس سفر میں حضرت تاج الفحول اور مرزا عبدالقادر بیگ بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ مرزا صاحب موصوف بھی اسی موقع پر حضرت خاتم الاکابر علیہ الرحمۃ والرضوان کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔ ۲۱؎

حضرت سیدنا شاہ آلِ رسول مارہروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان اربابِ سلوک اور اہل ایصال مرشدین کرام میں سے تھے جو اپنے مریدین ومسترشدین کو ریاضت ومجاہدہ کی سخت منزلوں سے گزارتے، ان کے قلوب کا بھرپور تزکیہ وتصفیہ کرتے، پھر جب انھیں سجادۂ مشیخت اور مسندِ ارشاد پر جلوہ آرائی کے قابل دیکھتے تو خلافت واجازت سے سرفراز کرتے۔ مگر امام احمد رضا قدس سرہٗ اور ان کے والد گرامی کو بلا ریاضت ومجاہدہ، بیعت کے ساتھ ہی خلافت بھی دے دی گئی، یہ اس بارگاہ کا ایک عجیب وغریب واقعہ تھا۔

حضرت خاتم الاکابر سیدنا شاہ آل رسول مارہروی کے ولی عہد، پوتے اور باکمال خلیفہ حضرت سیدنا ابوالحسین احمد نوری علیہ الرحمہ نے عرض کیا: حضور! آپ کے یہاں تو بڑی ریاضت ومجاہدہ کے بعد خلافت دی جاتی ہے۔ ان کو ابھی کیسے دے دی گئی؟ فرمایا:

''اور لوگ میلا کچیلا زنگ آلود دل لے کر آتے ہیں اس کے تزکیہ کے لیے ریاضت ومجاہدہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ مصفّٰی ومزکی قلب لے کر آئے، انھیں ریاضت ومجاہدہ کی کیا ضرورت تھی؟ صرف اتصال نسبت کی حاجت تھی جو بیعت کے ساتھ ہی حاصل ہو گیا''۔ مزید فرمایا: ''مجھے بڑی فکر تھی کہ بروز حشر اگر احکم الحاکمین نے سوال فرمایا کہ آلِ رسول! تو میرے لیے کیا لایا ہے؟ تو میں کیا پیش کروں گا؟ مگر خدا کا شکر ہے کہ آج وہ فکر دور ہو گئی۔ اس وقت میں احمد رضا کو پیش کر دوں گا۔''

حضرت نوری میاں علیہ الرحمہ سے یہ بھی فرمایا: ''دیکھو اب ہماری اور ہمارے خاندان کے اکابر کی جو کتابیں شائع ہوں، ان دونوں عالموں (مولانا عبدالقادر بدایونی اور مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہما الرحمۃ) کو دکھالی جائیں، اور یہ جیسے اصلاح کریں قبول کی جائے، پھر اشاعت ہو۔''

۱۲۹۴ھ میں امام احمد رضا قدس سرہٗ کی عمر صرف بائیس سال تھی، لیکن ان کا قلب مبارک ایسا روشن اور مزکیٰ ہو چکا تھا کہ اس بارگاہِ عالی میں ایسی قدردانی وعزت افزائی ہوئی کہ ایک تو فوراً خلافت دے دی گئی دوسرے یہ عظیم امتیاز ملا کہ روز قیامت احکم الحاکمین کی بارگاہ میں اپنی کمائی پیش کرنے کا موقع آیا تو احمد رضا کو پیش کر دوں گا۔ تیسرے یہ کہ توجہ تشبیہی سے نوازے گئے۔ امام احمد رضا اپنے مرشد کے ساتھ خانقاہ کے دروازۂ سنگینی سے برآمد ہوئے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت سیدنا آل رسول مارہروی عنفوانِ شباب میں رونق افروز ہیں۔ داڑھی کی سفیدی اور سیاہی سے سیدنا آل رسول اور مولانا احمد رضا میں امتیاز کیا جاسکا۔ جب ابتدا کا یہ حال وکمال ہے تو انتہا کا عروج وارتقا کیا ہوگا؟ ۲۲؎

تدریس :

درسی کتابوں سے فراغت کے بعد آپ نے تدریس وافتا وتصنیف کی طرف توجہ فرمائی، ابتدائی ایام میں بریلی شریف میں کوئی مدرسہ نہ تھا، اس لیے صرف اعلیٰ حضرت کی ذات ہی طلبہ اور علما کا مرجع تھی، جنھیں اپنی علمی تشنگی بجھانی ہوتی وہ آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے، اور آپ سے فیض یاب ہو کر اپنی علمی پیاس بجھاتے۔ گویا حضرت شیخ سعدی کی زبان میں آپ کی ذات ان تشنگانِ علوم کے لیے ''چشمۂ شیریں'' تھی۔

آں نہ بینی کہ تشنگانِ حجاز　　بر لبِ آبِ شور گرد آیند
ہر کجا چشمۂ بود شیریں　　مردم و مرغ و مور گرد آیند

ایک زمانہ وہ بھی گزرا جب اعلیٰ حضرت کی تدریس وتعلیم میں شہرت کی خوشبو پورے برصغیر میں پھیلی ہوئی تھی، آپ کے علمی تبحر اور گہرائی وگیرائی کا چرچا سن کر دور دراز سے طلبہ پروانہ وار آپ کے ارد گرد اکٹھا ہوتے اور اس خورشید علم کی کرنوں سے اپنے قلب ودماغ کو روشنی اور تابندگی عطا کرتے تھے۔

ایک دن تین طالب علم آئے اور اعلیٰ حضرت سے پڑھنے کا ارادہ ظاہر کیا، ان سے پوچھا گیا کہ آپ لوگ کہاں سے آئے ہیں؟ اس سے پہلے کہاں پڑھتے تھے؟ ان طلبہ نے بتایا: ہم لوگ دارالعلوم دیوبند میں پڑھتے تھے، وہاں سے گنگوہ گئے، اس کے بعد یہاں آئے ہیں۔ پوچھنے والے نے کہا: طلبہ میں یہ بیماری عام ہے کہ وہ ایک جگہ جم کر بہت کم پڑھتے ہیں، بل کہ دو چار جگہ جا کر ضرور دیکھتے ہیں کہ تعلیم کیسی ہو رہی ہے۔ لیکن عام طور سے یہ ایسی جگہ جاتے ہیں جہاں کی تعریف وہ پہلے سن چکے ہوتے ہیں۔ مگر میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ

آپ لوگوں نے دیوبند یا گنگوہ میں بریلی کی تعریف وتوصیف سنی ہو، اوراس کی وجہ سے یہاں کے مشتاقِ دید ہوکر آئے ہوں۔ان طلبہ نے کہا : ٹھیک کہتے ہیں، مسلک و مذہب اور فکر وخیال میں ہم آہنگی نہ ہونے کی وجہ سے وہاں زیادہ تر بریلی کی برائی ہی ہوا کرتی تھی، مگر آخر میں ٹیپ کا بند یہ ضرور ہوتا کہ ''قلم کا بادشاہ ہے، جس مسئلہ پر قلم اٹھادیا، پھر کسی کی مجال نہیں کہ اس کے خلاف کچھ لکھ سکے'' یہی دیوبند میں سنا، اور یہی گنگوہ میں بھی۔ تو ہم لوگوں کو شوق ہوا کہ اب وہیں چل کر تعلیم حاصل کرنی چاہیے جن کے مخالفین بھی ان کے فضل وکمال کی گواہی دیتے ہیں۔

والفضل ماشهدت به الأعداء۔ ۲۳؎

تلامذہ اور مستفیدین :

امام احمد رضا قدس سرہٗ کی ذاتِ بابرکات سے بے شمار لوگوں نے فیض پایا، نہ جانے کتنے طلبہ نے اپنی علمی پیاس بجھائی، چوں کہ آپ نے باضابطہ کسی مدرسہ میں مدرس بن کر تعلیم نہیں دی کہ رجسٹر داخلہ سے طلبہ کا نام اور تعداد معلوم کی جائے، یا فارغین طلبہ کے نام فارغ التحصیل طلبہ کے رجسٹر سے حاصل کیے جائیں۔ اس لیے سب کی صحیح تعداد بتانا نہایت مشکل کام ہے، ان میں سے چند مشہور ومعروف تلامذہ کے نام ہی درج کیے جاسکتے ہیں۔ ہاں! آپ کے شاگردوں میں خصوصیت کے ساتھ علم فقہ سے شغف، تصنیف وتالیف کی طرف رغبت اور وعظ وتقریر کا رنگ ضرور ہوتا ہے۔ ان میں سے کچھ حضرات کے نام ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

☆ مولانا نواب سلطان احمد خاں صاحب، محلہ بہاری پور، بریلی

☆ مولانا سید امیر احمد صاحب، محلہ ذخیرہ، بریلی

☆ استاذِ زمن مولانا حسن رضا خاں صاحب (برادرِ اوسط اعلیٰ حضرت)

☆ مولانا محمد رضا خاں صاحب (برادرِ خرد اعلیٰ حضرت)

☆ مولانا حامد رضا خاں صاحب بریلوی حجۃ الاسلام (اعلیٰ حضرت کے بڑے صاحبزادے)

☆ مولانا حافظ یقین الدین، محلہ ملوک پور، بریلی

☆ مولانا حافظ سید عبدالکریم، محلہ ذخیرہ، بریلی

☆ مولوی منور حسین بریلوی

☆ مولانا الحاج سید نور احمد چاٹگامی

☆ مولانا واعظ الدین (مصنف 'دفعِ زیغِ زاغ')

☆ مولانا سید عبدالرشید عظیم آبادی

☆ مولانا نواب مرزا بریلوی

☆ مولانا عبدالاحد پیلی بھیتی، سلطان الواعظین (صاحبزادہ حضرت محدث سورتی علیہ الرحمۃ)

☆ مولانا سید احمد اشرف کچھوچھوی

☆ مولانا سید محمد کچھوچھوی محدث اعظم ہند۔ ۲۴؎

فتویٰ نویسی :

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ پچاس سے زائد علوم وفنون میں کامل مہارت رکھنے والے بے نظیر فاضل تھے، مگر آپ کی علمی شخصیت پر فقہ کا رنگ سب سے زیادہ نمایاں تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ رحمت سے آپ کو یہ خصوصی فیض ملا تھا کہ بچپن ہی سے آپ کو فقہ وافتا سے فطری مناسبت اور لگاؤ ہو گیا تھا۔

جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ امام اہل سنت (اعلیٰ حضرت امام احمد رضا) قدس سرہٗ نے آٹھ سال کی عمر میں علم فرائض کا ایک مسئلہ تحریر فرمایا تھا۔ اتفاقاً (اعلیٰ حضرت کے والد ماجد) حضرت رئیس الاتقیا مولانا نقی علی خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ جب گاؤں سے بذریعہ بیل گاڑی تشریف لائے تو آپ کے لکھے ہوئے اس فتویٰ پر ان کی نظر پڑ گئی، فرمایا: معلوم ہوتا ہے یہ مسئلہ امّن میاں ۲۵؎ نے لکھا ہے، ان کو ابھی نہ لکھنا چاہیے، مگر ہمیں اس جیسا مسئلہ کوئی بڑا لکھ کر دکھا دے تو جانیں۔ ۲۶؎

مگر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے باضابطہ فتویٰ نویسی کا آغاز کب کیا اور والد ماجد علیہ الرحمہ کی جانب سے آپ کو اس کی باقاعدہ اجازت کب ملی؟ ان سوالوں کا جواب الملفوظ کی درج ذیل عبارت میں ملتا ہے:

''عرض! اگر بچے کی ناک میں کسی طرح دودھ چڑھ کر حلق میں پہنچ گیا تو کیا حکم ہے؟

ارشاد : ''منہ یا ناک سے عورت کا دودھ جو بچے کے جوف میں پہنچے گا حرمتِ رضاعت لائے گا' یہ وہی فتویٰ ہے جو چودہ شعبان ۱۲۸۶ھ کو سب سے پہلے اس فقیر نے لکھا، اور اسی چودہ شعبان ۱۲۸۶ھ کو منصبِ افتا عطا ہوا، اور اسی تاریخ سے بحمد اللہ تعالیٰ نماز فرض ہوئی، اور ولادت دس شوال المکرم ۱۲۷۲ھ روز شنبہ وقت ظہر مطابق ۱۴؍ جون ۱۸۵۶ء، ۱۱؍ جیٹھ سدی ۱۹۱۳ء سمبت کو ہوئی، تو منصبِ افتا ملنے کے وقت فقیر کی عمر ۱۳؍ برس، دس مہینہ، چار دن کی تھی۔ جب سے اب تک برابر یہی خدمت دین لی جارہی ہے۔ والحمد للہ ۲۷؎

ابتدا ہی سے فقہ وافتا کے باب میں آپ کی مہارت، ژرف نگاہی اور دور بینی اپنے کمال پر تھی، جسے دیکھنے کے بعد بجا طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ فتویٰ نویسی میں آپ کی مہارت اور لیاقت بارگاہِ رسالت کا خاص فیضان اور اپنے عاشق صادق کے لیے محبوب رب العالمین کا خاص عطیہ تھا، اس کا احساس خود امام احمد رضا قدس سرہٗ کو بھی تھا۔ اسی لیے انھوں نے اپنے مجموعہ فتاویٰ کا نام ''العطایا النبویۃ فی الفتاویٰ الرضویۃ'' رکھا۔ آغاز کار ہی میں آپ کی دقت نظر کس نقطۂ کمال پر تھی اس کا کچھ اندازہ اس واقعہ سے کیا جاسکتا ہے:

مولانا اعجاز ولی خاں صاحب کا بیان ہے کہ اعلیٰ حضرت قبلہ کی عمر کا چودھواں سال تھا۔ افتا کا کام حضرت نے اپنے ذمہ لے لیا تھا، ایک شخص رام پور سے حضرت اقدس امام المحققین مولانا نقی علی خاں صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہرت سن کر بریلی تشریف لائے، اور جناب مولانا ارشاد حسین مجددی کا فتویٰ جس پر اکثر علما کی مہریں اور دستخط ثبت تھے۔ پیش خدمت کیا۔ حضرت نے فرمایا: کمرہ میں مولوی صاحب ہیں، ان کو دے دیجیے، جواب لکھ دیں گے۔ انھوں نے کہا: حضور! میں تو جناب کا شہرہ سن کر آیا تھا۔ حضرت نے فرمایا: آج کل وہی فتویٰ لکھا کرتے ہیں، انھیں کو دے دیجیے۔ اعلیٰ حضرت نے جو اس فتویٰ کو دیکھا تو ٹھیک نہ تھا۔ اعلیٰ حضرت نے اس جواب کے خلاف جواب تحریر فرمایا اور اپنے والد ماجد کی خدمت میں پیش فرمایا۔ حضرت نے اس کی تصدیق وتصویب فرمائی۔ پھر وہ صاحب اس فتویٰ کو

دوسرے علما کے پاس لے گئے۔ان لوگوں نے حضرت مولانا ارشاد حسین صاحب کی شہرت دیکھ کر انھیں کے فتویٰ کی تصدیق کی۔جب وہ فتویٰ والیِ رام پور نواب کلب علی خاں صاحب کی خدمت میں پہنچا، انھوں نے شروع سے آخر تک اس فتویٰ کو پڑھا، اور تمام لوگوں کی تصدیقات دیکھیں۔دیکھا کہ سب علما کی ایک رائے ہے۔صرف بریلی کے دو عالموں نے اس سے اختلاف کیا ہے۔نواب صاحب نے حضرت مولانا ارشاد حسین صاحب کو یاد فرمایا۔حضرت تشریف لائے۔نواب صاحب نے وہ فتویٰ ان کی خدمت میں پیش فرمایا۔حضرت مولانا کی دیانت اور انصاف پسندی دیکھیے کہ صاف فرمایا: حقیقت میں وہی حکم صحیح ہے جو ان دونوں صاحبان نے لکھا ہے۔نواب صاحب نے پوچھا: پھر اتنے علما نے آپ کے فتویٰ کی تصدیق کس طرح کی؟ فرمایا: ان لوگوں نے میری شہرت کی وجہ سے مجھ پر اعتماد کیا، اور میرے فتوے کی تصدیق کی۔ورنہ حق وہی ہے جو انھوں نے لکھا ہے۔۲۸؎

اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

''یہ بیان مولوی اعجاز ولی خاں صاحب کا ہے لیکن مجھے ایسا یاد آتا ہے کہ اعلیٰ حضرت نے اس واقعہ کو مجھ سے خود ارشاد فرمایا تھا، سن شریف اس وقت چودہ سال نہ تھا (یہ سن فتویٰ نویسی کی ابتدا کا ہے) بل کہ اس وقت غالباً بیس سال کے تھے۔یہ واقعہ اعلیٰ حضرت کی شادی کے بعد کا ہے۔آپ کی ولادت ۱۲۷۲ھ میں ہوئی، اور شادی ۱۲۹۱ھ میں۔تو کم از کم یہ واقعہ ۱۲۹۲ھ کا ہے۔۲۹؎

استاذ محترم صدر العلما حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ صدر المدرسین الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور اعلیٰ حضرت کے اس فتوے کے متعلق فرماتے ہیں:

''غالباً یہ وہی فتویٰ ہے جو فتاویٰ رضویہ جلد سوم کے ص ۱۶۸ و ۱۶۹ پر ہے، چوں کہ اعلیٰ حضرت اکابرِ علماے اہل سنت کا بڑا احترام کرتے تھے اس لیے مولانا رام پوری کا مکمل فتویٰ نقل نہ کیا بل کہ نہایت اختصار کے ساتھ سوال اور فتویٰ میں ذکر شدہ دلیل قلم بند فرمائی اور اپنا جواب علی حالہ رکھا ہے۔یہ استفتا مولانا ارشاد حسین علیہ الرحمہ کے بھائی مولانا امداد حسین کا مرسلہ ۱۲۹۴ھ کا لکھا ہے، جب اعلیٰ حضرت کی عمر صرف بائیس سال تھی۔حیات اعلیٰ حضرت میں ملک العلما نے اتنا تو یقین کے ساتھ لکھا ہے کہ یہ واقعہ (فتویٰ لکھنا، پھر رام پور تشریف لے جانا) شادی کے بعد کا ہے۔مگر عمر کی تعیین حتمی طور پر نہیں فرمائی ہے۔اس لیے کوئی بعید نہیں کہ یہ واقعہ مذکورہ فتویٰ ۱۲۹۴ھ سے ہی متعلق ہو۔واللہ اعلم۔۳۰؎

امام احمد رضا قدس سرہ ابتدا میں جو بھی فتویٰ لکھتے اپنے والد ماجد علیہ الرحمہ کو دکھاتے اور ان کی اصلاح و تصدیق کے بعد ہی اسے جاری فرماتے۔۱۴؍شعبان ۱۲۸۶ھ سے یہ سلسلہ شروع ہوا اور برابر سات برس تک جاری رہا، جب اس مدت میں آپ کے والد ماجد کو آپ کی فقہی لیاقت و قابلیت، دقیقہ بینی و نکتہ رسی پر پورا بھروسہ اور اعتماد ہو گیا تو آپ کو اجازت دے دی کہ اب مجھے دکھائے بغیر ہی فتوے سائلین کو جاری کر سکتے ہو، مگر اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا کمالِ احتیاط دیکھیے کہ جب تک والد ماجد علیہ الرحمۃ والرضوان باحیات رہے انھیں دکھائے بغیر کوئی فتویٰ جاری نہ فرمایا۔یہاں تک کہ جب ذی قعدہ ۱۲۹۷ھ میں والد ماجد نے اس دارِ فانی سے کوچ فرمایا تو اس کے بعد خود فتویٰ جاری کرنا شروع فرمایا۔۳۱؎

اس طرح امام احمد رضا قدس سرہٗ نے اپنے علمی تبحر، وسعت مطالعہ، دقت نظر، فقہی بصیرت اور علمی و فنی جامعیت کے باوجود گیارہ

سال، دو ماہ، سولہ دن تک اپنے والد ماجد خاتم المحققین، امام المدققین علامہ مفتی محمد نقی علی خاں علیہ الرحمۃ والرضوان سے فتویٰ نویسی کے باب میں مسلسل استفادہ کیا، اصلاح لی، اور پھر خاکِ ہند سے ایک ایسے مفتی اکبر کی حیثیت سے آپ ابھرے کہ برصغیر ہندو پاک کیا، پورے عالم اسلام میں کوئی آپ کا ہم پلہ نہ رہا۔

فتویٰ نویسی اور خلقِ خدا کی ہدایت ورہ نمائی کا یہ سلسلہ پوری عالمانہ شان کے ساتھ زندگی بھر جاری رہا، اس عرصہ میں آپ کی نوکِ قلم سے ہزار ہا ہزار فتوے جاری ہوئے، سائلوں کی الجھنیں دور فرمائیں، پیچیدہ علمی مسائل کی گتھیاں سلجھائیں، فنی مشکلات کو آسان فرمایا، جس مسئلہ پر قلم اٹھایا اس کے ہر گوشہ پر سیر حاصل بحث فرمائی، اور اس کے تعلق سے کچھ ایسے اچھوتے گوشے پیش فرمائے جن تک بڑے بڑے نکتہ رس رجالِ فقہ وافتا اور صاحبانِ بصیرت کا طائر تخیل بھی پرواز نہیں کر سکا۔

☆ ایک فتوے میں پانی کی قسموں پر گفتگو کا آغاز کیا تو فرمایا: کہ پانی کی ایک سو ساٹھ قسمیں ایسی ہیں جن سے وضو جائز ہے، لیکن ایک سو پچیس قسمیں ایسی بھی ہیں جن سے وضو جائز نہیں اور بیس قسمیں ایسی ہیں جن میں فقہا کا اختلاف ہے، اور پینتالیس قسمیں ایسی ہیں کہ ان میں بھی جواز وعدم جواز وضو کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا، اور یہ مؤخر الذکر قسمیں از اضافات رضویہ ہیں۔ ۳۲؎

☆ جو چیز بدن سے کسی بیماری کے سبب خارج ہو فقہا کے نزدیک اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ علامہ سید احمد طحطاوی نے اس قاعدہ سے یہ مسئلہ نکالا کہ زکام بھی نواقض وضو میں سے ہے۔ امام احمد رضا قدس سرہٗ نے اس تسامح پر تنبیہ فرمائی۔ کیوں کہ کتبِ احناف میں بالتفصیل یہ قید موجود ہے کہ بیماری سے خارج ہونے والی کوئی شی جس میں خون یا پیپ ملے رہنے کا شائبہ ہو وہ ناقض وضو ہے۔ اس کی پوری تفصیل فتاویٰ رضویہ جلد اول میں موجود ہے۔

ہندو پاک یا عالم اسلام میں امام احمد رضا بریلوی کے ہم عصر فقہا کی تحقیقات کا جائزہ لیا جائے اور کسی ایک موضوع پر دوسروں کی کاوش اور آپ کی محققانہ تحریر کا موازنہ کیا جائے تو روزِ روشن کی طرح ہر صاحبِ علم پر عیاں ہو جائے گا کہ امام احمد رضا قدس سرہٗ اپنے وقت کے سب سے بڑے فقیہ اور فقہا کے سرتاج ہیں اور یہ وہ حقیقت ہے کہ اپنے تو اپنے غیر بھی اس کا برملا اعتراف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

سراج الفقہا مولانا سراج احمد قدس سرہٗ مفتی سراج العلوم خان پور، پاکستان لکھتے ہیں:

مولوی نظام الدین فقیہ احمد پوری وہابی جو تفقہ میں اپنے ہم عصر علماے دیوبند وغیرہ سے اپنے آپ جیسا فائق کسی کو نہ جانتا تھا۔ فتاویٰ رشیدیہ کے اس فتویٰ پر کہ حدیثِ صحیح کے مقابل قولِ فقہا پر عمل نہ کرنا چاہیے میں نے رسالہ "**الفضل الموهبی فی معنی اذا صح الحدیث فهو مذهبی**" مصنفہ اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے ابتدائی اوراق، منازلِ حدیث کے سنائے تو کہا "یہ سب منازل فہم حدیث مولانا کو حاصل تھے، افسوس! کہ میں ان کے زمانہ میں رہ کر بے خبر و بے فیض رہا۔"

پھر چند مسائل فقہ کے جوابات رسائل رضویہ سے سنائے تو کہنے لگا کہ "علامہ شامی اور صاحبِ فتح القدیر مولانا کے شاگرد ہیں، یہ تو امامِ اعظم ثانی معلوم ہوتا ہے۔" ۳۲؍ا؎

آپ نے صرف اللہ ورسول کی رضا اور خوشنودی کے لیے اسلام کی خدمت کی، سوالوں کے جواب میں فتاویٰ اور کتابیں لکھیں، انھیں کبھی دنیا طلبی کا ذریعہ نہ بنایا، نہ اس کے ذریعہ مالی منفعت حاصل کرنے کا خیال کبھی ذہن میں آیا۔ ایک سائل نے اپنے استفتا کے آخر میں لکھا: "قیمتِ کاغذ دی جائے گی۔"

اس کا جواب دینے کے بعد آپ لکھتے ہیں:

''قیمتِ کاغذ کی نسبت پہلے آپ کو لکھ دیا گیا کہ یہاں فتویٰ اللہ کے لیے دیا جاتا ہے۔ بیچا نہیں جاتا، آئندہ کبھی یہ لفظ نہ لکھیے۔'' ۳۳؎

ایک دوسرے سائل نے اپنے سوال کے بعد لکھا:

''خوب کوشش کر کے، بل کہ جو فرماویں خرچ وغیرہ کے لیے تو غلام، خدمت کے لیے حاضر ہے۔''

اس کے سوال کے جواب سے پہلے لکھتے ہیں:

''یہاں فتویٰ پر کوئی خرچ نہیں لیا جاتا۔ نہ اس کو اپنے حق میں روا رکھا جاتا ہے۔'' ۳۴؎

اخلاص وللہیت کی یہی وہ دولت ہے جس نے آپ کو اپنے زمانہ کا سب سے شہرۂ آفاق فقیہ ومفتی بنا دیا اور عوام وخواص سبھی اپنی دینی وعلمی الجھنوں کو دور کرنے کے لیے آپ کی بارگاہ فیض کی طرف رجوع کرنے لگے اور آپ کے دارالافتا میں سوالات اس کثرت سے آنے لگے جس کا اندازہ خود آپ کی درج ذیل تحریر سے ہوتا ہے:

''فقیر کے یہاں علاوہ ردِّ وہابیہ۔ خذلہم اللہ تعالیٰ۔ ودیگر مشاغل کثیرہ دینیہ کے، کارِ فتویٰ اس درجہ وافر ہے کہ دس مفتیوں کے کام سے زائد ہے۔ شہر ودیگر بلاد وامصار، جملہ اقطار، ہندوستان وبنگال وپنجاب وملیبار وبرما وارکاٹ وچین وغزنی وامریکہ وافریقہ حتی کہ سرکار حرمین محترمین سے استفتا آتے ہیں۔ اور ایک ایک وقت میں پانچ پانچ سو جمع ہو جاتے ہیں۔'' ۳۵؎

حج وزیارت :

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے دو حج ادا فرمائے، پہلا حج ۱۲۹۵ھ میں اپنے والدین کریمین علیہما الرحمۃ کے ساتھ کیا، اور دوسرا حج ۱۳۲۳ھ میں کیا۔ دوسرے سفر حج میں آپ کے چھوٹے بھائی حضرت مولانا محمد رضا خاں اور بڑے صاحب زادے حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خاں اور آپ کی اہلیہ محترمہ بھی تھیں۔

پہلے سفر حج میں مکہ مکرمہ کے اکابر علما مثلاً مفتی شافعیہ حضرت علامہ سید احمد زینی دحلان اور مفتی حنفیہ حضرت علامہ شیخ عبدالرحمن سراج سے حدیث، فقہ، اصول، تفسیر اور دیگر علوم کی سندیں حاصل فرمائیں۔ اس وقت آپ کی عمر تیئیس سال تھی، نوجوانی کا عالم تھا، مگر آپ کی پیشانی پر روحانیت کے انوار جگمگا رہے تھے۔ ایک دن نماز مغرب مقام ابراہیم میں ادا کی، نماز سے فراغت کے بعد امام شافعیہ حضرت شیخ حسین بن صالح جمل اللیل نے کسی سابقہ تعارف کے بغیر آپ کا ہاتھ پکڑا اور آپ کو اپنے ہم راہ اپنے دولت کدہ پر لے گئے اور دیر تک آپ کی پیشانی کو پکڑ کر فرمایا: **انی لاجد نور اللہ فی ھذا الجبین**'' (بے شک میں اس پیشانی میں اللہ کا نور پاتا ہوں) اور صحاح ستہ اور سلسلۂ قادریہ کی اجازت اپنے دست مبارک سے لکھ کر عنایت فرمائی۔ اور فرمایا کہ تمھارا نام ''ضیاء الدین احمد'' ہے۔ اس سند کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں امام بخاری تک صرف گیارہ واسطے ہیں۔

اور اسی موقع پر آپ نے حضرت شیخ حسین بن صالح کے اشارے پر ان کی عربی تصنیف ''جوہرہ'' کا اردو میں ترجمہ فرمایا، یہ کتاب حج کے مسائل کے بیان میں ہے۔ اور اس کی شرح دو دن میں تحریر فرمائی، اور اس کا نام ''**النیرۃ الوضیۃ فی شرح الجوھرۃ المضیۃ**'' رکھا، جب اس ترجمہ اور شرح کو حضرت شیخ کی خدمت میں پیش فرمایا، وہ بہت خوش ہوئے اور بڑی تعریف وتحسین فرمائی۔

اور مدینہ طیبہ میں مفتی شافعیہ مولانا محمد بن محمد بن عرب نے اعلیٰ حضرت کی دعوت کی۔ کھانے کے دوران یہ بحث چھڑ گئی کہ جنت

البقیع شریف میں جو حضرات مدفون ہیں ان میں سب سے افضل کون ہیں؟ اعلیٰ حضرت نے فرمایا: اہلِ بقیع میں سب سے افضل امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور مولانا محمد صاحب فرماتے تھے کہ ان میں سب سے افضل حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ دونوں حضرات نے اپنے اپنے موقف پر دلائل پیش کیے۔ آخر مولانا نے فرمایا: دونوں قول صحیح اور مُوَجّہ ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا: **وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا** عین اسی وقت حرم شریف میں عصر کی اذان ہوئی ختمِ اذان پر اعلیٰ حضرت نے فرمایا: **فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ** مجلس برخاست ہوئی اور سبھی حضرات نماز کے لیے حرم شریف پہنچے۔ رات کے وقت اعلیٰ حضرت نے تنہا مسجدِ خیف میں قیام کیا اور بخشش ومغفرت کی خوش خبری سے بہرہ مند ہوئے۔ ۳۶

دوسرے سفرِ حج کے موقع پر مکہ مکرمہ کے علما و مشائخ نے آپ کا بڑا اعزاز واکرام کیا، اپنے گھروں پر دعوتیں کیں، مکہ شریف میں قیام کے دوران وہاں کے علمائے کرام و مشائخ عظام کے یہاں پرتکلف دعوتوں کا سلسلہ چلتا رہا۔ ہر دعوت میں علمائے کرام کا مجمع ہوتا، علمی مذاکرات کا سلسلہ جاری رہتا۔ مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران جن علمائے کرام سے ملاقاتیں ہوئیں ان میں سے بعض اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

☆ محافظ کتبِ حرم مولانا سید اسمٰعیل خلیل مکی ☆ مولانا سید خلیل مکی، شیخ عبدالقادر کردی ☆ مفتیِ حنفیہ واعلم علمائے مکہ مولانا شیخ صالح کمال ☆ شیخ الخطبا کبیر العلما مولانا شیخ احمد ابوالخیر مرداد ☆ مولانا سید عبدالحیٔ بن مولانا سید عبدالکبیر محدث مغرب مصنفِ کتبِ کثیرہ ☆ شیخ العلما مولانا محمد سعید بابصیل ☆ مولانا عبدالحق مہاجر الٰہ آبادی وغیرہ۔

اس کے تعلق سے خود اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

> ''فقیر دعوتوں کے علاوہ صرف چار جگہ ملنے کو جاتا۔ (۱) مولانا شیخ صالح کمال (۲) شیخ العلما مولانا محمد سعید بابصیل (۳) مولانا عبدالحق مہاجر الٰہ آبادی (۴) اور کتب خانہ میں مولانا سید اسماعیل کے پاس۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ یہ حضرات اور باقی تمام حضرات فرودگاہِ فقیر پر تشریف لایا کرتے۔ صبح سے نصف شب کے قریب تک ملاقاتوں ہی میں وقت صرف ہوتا۔ مولانا شیخ صالح کمال کی تشریف آوری کی تو گنتی نہیں اور مولانا سید اسماعیل التزاماً روزانہ تشریف لاتے، خصوصاً ایامِ علالت میں کہ یکم محرم ۱۳۲۴ھ سے سلخ محرم تک مسلسل رہی، دن میں دوبار تشریف لاتے، ایک بار کا آنا تو ناغہ ہی نہیں ہوتا۔ حضرت مولانا عبدالحق الٰہ آبادی کو چالیس سال سے زیادہ مکہ معظّمہ میں گزرے تھے، کبھی شریف کے یہاں بھی تشریف نہ لے گئے، قیام گاہِ فقیر پر دوبار تشریف لائے۔ مولانا سید اسماعیل وغیرہ ان کے تلامذہ فرماتے تھے کہ یہ محض خرقِ عادت ہے۔ مولانا کا دم بساغنیمت تھا، ہندی تھے، مگر ان کے انوار مکہ میں چمک رہے تھے۔ مکہ معظّمہ میں بنام علم کوئی صاحب ایسے نہ تھے جو فقیر سے ملنے نہ آئے ہوں، سوا شیخ عبداللہ بن صدیق بن عباس کے کہ اس وقت مفتی حنفیہ تھے، اور وہاں مفتی حنفیہ کا منصب، شریف سے دوسرے درجے میں سمجھا جاتا ہے، اپنے منصب کی جلالتِ قدر نے انھیں فقیر غریب الوطن کے پاس آنے سے روکا۔ اپنے ایک شاگرد خاص کو فقیر کے پاس بھیجا کہ حضرت مفتی حنفیہ نے بعد سلام فرمایا ہے کہ میں آپ کی زیارت کا بہت مشتاق ہوں۔ مولانا سید اسماعیل اس وقت میرے پاس بیٹھے تھے۔ میں نے چاہا کہ حاضری کا وعدہ کروں، مگر اللہ اعلم، حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کرم نے ان اکابر کے دل میں اس ذرۂ بے مقدار کی کیسی وقعت ڈالی تھی، فوراً روکا، اور فرمایا: واللہ یہ نہ ہوگا، تمام علما ملنے آتے ہیں، وہ کیوں نہیں آتے؟ ان کی قسم کے سبب مجبور رہا۔'' ۳۷

اسی سفر میں علم غیب نبوی سے متعلق ایک نہایت اہم ،گراں قدر اور معرکتہ الآرا کتاب علماے مکہ کے سوال پر چند گھنٹوں میں برجستہ عربی میں تحریر فرمائی ،جس کا نام ''الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیۃ'' رکھا جسے خود شریف مکہ نے اپنے دربار میں پڑھوا کر سنا ،اور اس کے دلائل قاہرہ سن کر بلند آواز میں کہا: **اللّٰہ یعطی وھؤلاء یمنعون** (یعنی اللہ تو اپنے حبیب کو علم غیب عطا فرماتا ہے اور یہ وہابیہ منع کرتے ہیں ۔)علماے مکہ کے یہاں یہ کتاب اس قدر مقبول ہوئی کہ انھوں نے بڑے شوق اور رغبت سے اس کی نقلیں لیں۔۳۸؎

اسی مبارک سفر میں قیامِ مکہ ہی کے دوران مولانا عبداللہ مرداد اور مولانا حامد احمد جدّادی کے کرنسی نوٹ سے متعلق بارہ سوالوں پر مشتمل ایک استفتا کے جواب میں ایک نہایت عظیم الشان ،بیش قیمت رسالہ عربی زبان میں تحریر فرمایا جس کا نام ''کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم'' رکھا۔سابق مفتی حنفیہ مکہ علامہ جمال بن عبداللہ بن عمر مکی علیہ الرحمۃ سے نوٹ کے بارے میں اسی وقت سوال ہو چکا تھا جب کہ وہ مفتی حنفیہ کے منصب پر فائز تھے تو انھوں نے اس کے جواب میں فرمایا تھا: ''علم علما کی گردنوں میں امانت ہے، مجھے اس کے جز ئیہ کا کوئی پتہ نہیں چلتا کہ کوئی حکم دوں'' اس رسالہ میں اعلیٰ حضرت نے فتح القدیر شرح ہدایہ سے یہ عبارت نقل فرمائی کہ ''اگر کوئی شخص اپنے ایک کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے میں بیچے تو جائز ہے ،مکروہ نہیں ہے۔'' جب اس وقت کے موجودہ مفتی حنفیہ شیخ عبداللہ بن صدیق اس رسالہ کا مطالعہ کرتے ہوئے اس جز ئیہ تک پہنچے تو پھڑک اٹھے ،اور اپنی ران پر ہاتھ مار کر بولے: **این جمال بن عبداللّٰہ من ھذا النص الصریح** ''(حضرت جمال بن عبداللہ اس نص صریح سے کہاں غافل رہے؟)

جب آپ مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ حاضر ہوئے تو یہاں کے علما و مشائخ اور دیگر حضرات ،اہل مکہ سے زیادہ محبت سے پیش آئے۔ اکتیس روز تک مدینہ طیبہ میں قیام رہا، آپ کی قیام گاہ پر برابر علما و عظما و مشائخ کا ہجوم رہتا۔مولانا عبدالحق مہاجر الہ آبادی کے شاگرد مولانا کریم اللہ کے خلوص کی تو کوئی حد ہی نہ تھی۔وہاں کے علما نے بھی ''حسام الحرمین'' اور ''الدولۃ المکیہ'' پر گراں قدر تقریظیں لکھیں۔خود اعلیٰ حضرت کا بیان ہے:

> ''واللہ اعلم کیا بات تھی کہ جس نے حضراتِ کرام مدینہ طیبہ کو اس ذرۂ بے مقدار کا مشتاق کر رکھا تھا یہاں تک کہ مولانا کریم اللہ صاحب فرماتے تھے کہ علما تو علما ،اہل بازار تک کو تیرا اشتیاق تھا اور یہ جملہ فرمایا: کہ ہم سالہا سال سے سرکار میں مقیم ہیں ،اطراف و آفاق سے علما آتے ہیں ،واللہ! یہ لفظ تھا کہ جوتیاں چٹخاتے چلے جاتے ہیں کوئی بات نہیں پوچھتا ،اور تمھارے پاس علما کا یہ ہجوم ہے۔میں نے عرض کی: میرے سرکار کا کرم ،صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔
>
> کریماں کہ در فضل بالا ترند   سگاں پرورند وچناں پرورند
>
> اپنے کرم کا جب وہ صدقہ نکالتے ہیں   ہموں کو پالتے ہیں اور ایسا پالتے ہیں
>
> ۴۰؎

حجاجِ کرام اور زائرینِ طیبہ کی تعظیم و تکریم :

سچے عاشق کی پہچان یہی ہے کہ جس چیز کو بھی محبوب سے نسبت اور تعلق ہو اس سے محبت رکھے اور اس کی تعظیم و تکریم میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھے۔جب کوئی حج بیت اللہ کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا پہلا سوال یہی کرتے کہ روضۂ رسول پر حاضری ہوئی؟ اگر وہ کہتا کہ ہاں! تو اس کا قدم چوم لیتے اگر چہ وہ آپ سے کتنا ہی فروتر کیوں نہ ہوتا۔اور اگر جواب یہ ملتا کہ درِ حبیب پر حاضری نہیں ہوئی ،حرمِ مکہ ہی

سے واپس چلا آیا تو اس سے منہ پھیر لیتے اور اس کی طرف توجہ نہ فرماتے۔ خود سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: **مَنْ حَجَّ وَلَمْ يَزُرْنِيْ فَقَدْ جَفَانِيْ** (جس نے حج کیا اور میری زیارت کو نہ آیا اس نے مجھ پر زیادتی کی، میرے ساتھ بد خلقی و بدسلوکی کی۔) اور غور کیجیے جس نے محبوب آقا کے ساتھ بدسلوکی کی ہو، اس کے ساتھ ایک سچا عاشق و محب خندہ پیشانی سے کیسے پیش آ سکتا ہے؟

ایک نعت کے مقطع میں آپ فرماتے ہیں

رضاؔ کسی سگِ طیبہ کے پاؤں بھی چومے　　تم اور آہ! کہ اتنا دماغ لے کے چلے

مگر حقیقت یہ ہے کہ امام احمد رضا قدس سرہٗ دیارِ مدینہ سے آنے والے ہر مومن کا پاؤں چوم لیتے اور اس راہ میں ان کے مرتبہ کی عظمت اور منصب کی جلالت حائل نہ ہوتی۔

جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ ایک بار ایک حاجی صاحب زیارتِ حرمین طیبین کے بعد ملنے کے لیے آئے۔ حسبِ عادت اعلیٰ حضرت نے پوچھا: سرکار میں حاضری ہوئی؟ انھوں نے آبدیدہ ہوکر عرض کیا: ہاں حضور! مگر صرف دو دن قیام رہا۔ اعلیٰ حضرت نے ان کی قدم بوسی فرمائی اور ارشاد فرمایا: وہاں کی تو چند سانسیں بھی بہت ہیں، آپ نے تو بحمد اللہ دو دن قیام فرمایا۔

اسی طرح صدر الشریعہ حضرت علامہ محمد امجد علی اعظمی (مصنف بہارِ شریعت و حاشیۂ طحاوی وغیرہ) جب زیارت حرمین طیبین سے واپس ہوئے تو اعلیٰ حضرت خود ریلوے اسٹیشن پر تشریف لے گئے، پھر ایک جلوس کی شکل میں نعت خوانی کرتے ہوئے پورے اعزاز و اکرام کے ساتھ انھیں دولت کدہ پر لایا گیا اور وہاں مداح الحبیب مولانا جمیل الرحمن خاں بریلوی نے اعلیٰ حضرت کی یہ نعت پڑھی:

بھینی سہانی صبح میں ٹھنڈک جگر کی ہے　　کلیاں کھلیں دلوں کی ہوا یہ کدھر کی ہے

پورے مجمع پر عجب کیف و مستی کا عالم تھا [۱۴]۔

مبلغ اسلام حضرت علامہ شاہ عبد العلیم صدیقی میرٹھی حرمین شریفین سے واپسی پر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مندرجہ ذیل منقبت نہایت خوش آوازی سے پڑھ کر سنائی:

تمھاری شان میں جو کچھ کہوں اس سے سوا تم ہو　　قسیمِ جامِ عرفاں اے شہِ احمد رضا تم ہو
غریقِ بحرِ الفت، مستِ جامِ بادۂ وحدت　　محبِ خاص، منظورِ حبیبِ کبریا تم ہو
جو مرکز ہے شریعت کا، مدار اہل طریقت کا　　جو محور ہے حقیقت کا، وہ قطب الاولیا تم ہو
یہاں آ کر ملیں نہریں شریعت اور طریقت کی　　ہے سینہ مجمع البحرین ایسے رہ نما تم ہو
حرم والوں نے مانا تم کو اپنا قبلہ و کعبہ　　جو قبلہ اہل قبلہ کا ہے وہ قبلہ نما تم ہو
مزین جس سے ہے تاجِ فضیلت تاج والوں کا　　وہ لعلِ پُرضیا تم ہو، وہ دُرِّ بے بہا تم ہو
عرب میں جا کے ان آنکھوں نے دیکھا جس کی صولت کو　　عجم کے واسطے لاریب وہ قبلہ نما تم ہو
ہیں سیارہ صفت گردش کناں اہل طریقت یاں　　وہ قطب وقت اے سرخیلِ جمع اولیا تم ہو
عیاں ہے شانِ صدیقی تمھاری شانِ تقویٰ سے　　کہوں اتقیٰ نہ کیوں کر جب کہ خیر الاتقیا تم ہو
جلال و ہیبت فاروقِ اعظم آپ سے ظاہر　　عدو اللہ پر اک حربۂ تیغِ خدا تم ہو
اشداء علی الکفار کے ہو سر بسر مظہر　　مخالف جس سے تھرائیں وہی شیرِ وغا تم ہو

تمھیں نے جمع فرمائے نکات و رمزِ قرآنی　　یہ ورثہ پانے والے حضرت عثمان کا تم ہو
خلوصِ مرتضیٰ، خلقِ حسن، عزم حسینی میں　　عدیم المثل ، یکتائے زمن اے با خدا تم ہو
تمھیں پھیلا رہے ہو علمِ حق اکنافِ عالم میں　　امام اہل سنت نائب غوث الوریٰ تم ہو
بھکاری تیرے در کا بھیک کی جھولی ہے پھیلائے　　بھکاری کی بھرو جھولی، گدا کا آسرا تم ہو
وفی اموالہم حق ہر اک سائل کا حق ٹھہرا　　نہیں پھرتا کوئی محروم ایسے باسخا تم ہو

علیمؔ خستہ اک ادنیٰ گدا ہے آستانہ کا
کرم فرمانے والے حال پر اس کے شہا تم ہو

جب حضرت مبلغ اسلام منقبت کے یہ اشعار پڑھ چکے تو اعلیٰ حضرت نے فرمایا: مولانا! میں آپ کی خدمت میں کیا پیش کروں؟ (اپنے عمامہ کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے جو بہت بیش قیمت تھا فرمایا) اگر اس عمامہ کو پیش کروں تو آپ اس دیار پاک سے تشریف لا رہے ہیں، یہ عمامہ آپ کے قدموں کے لائق بھی نہیں۔ البتہ میرے کپڑوں میں سے سب سے بیش قیمت ایک جبہ ہے وہ حاضر کیے دیتا ہوں۔ اور کاشانۂ اقدس سے سرخ کاشانی مخمل کا جبہ لاکر عطا فرمایا جو بڑا بیش قیمت تھا۔ حضرت مبلغ اسلام نے سروقد کھڑے ہو کر دونوں ہاتھ پھیلا کر اس جبہ کو لیا، آنکھوں سے لگایا، لبوں سے چوما، سر پر رکھا، سینے سے دیر تک لگائے رہے۔۴۲؎

عشق رسول :

''امام احمد رضا قدس سرہٗ کی اس کیفیتِ دل و جان سے عالم آگاہ ہے، ان کے عشقِ رسالت کا چرچا غیروں کی محفل میں بھی ہے، انھوں نے عشقِ رسول کا وہ درس دیا کہ دنیا سیکھا کرے، اور عملاً عشقِ رسول کو اس طرح پیش فرمایا کہ دنیا دیکھا کرے۔ اس باب میں ان کی کون کون سی ادا یاد کی جائے، اور اس کی کتنی صورتیں بیان کی جائیں، اس عشق کے جلوے ان کی خلوت میں بھی ملتے ہیں اور جلوت میں بھی، ان کی نثر میں بھی ملتے ہیں اور نظم میں بھی۔ یہاں نظم سے چند اشعار پیش کیے جا رہے ہیں۔''

اس مقام پر یہ بھی بتا تا چلوں کہ امام احمد رضا کی شاعری سراسر حال ہے، ان کا کلام وارداتِ قلب کا اظہار ہے، وہ بارگاہِ رسول میں جھوٹے احوال دکھانے سے ہر طرح متنفر و بے زار ہیں، وہ اپنے آقا سرورِ انبیا صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ہر کیفیت وحقیقت سے آگاہ اور باخبر جانتے ہیں۔

غالب نے عشقِ مجازی میں کہا تھا ع

جس کو ہو جان و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں

مگر عشق کا جمال و کمال عشقِ مجازی میں کہاں؟ اس لیے اس عشقِ حقیقی والے نے یوں کہا:

پھر کے گلی گلی تباہ، ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں　　دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائے کیوں
رخصتِ قافلہ کا شور غش سے ہمیں اٹھائے کیوں　　سوتے ہیں ان کے سائے میں کوئی ہمیں جگائے کیوں
جان ہے عشقِ مصطفی روز فزوں کرے خدا　　جس کو ہو درد کا مزہ، نازِ دوا اٹھائے کیوں
سنگِ درِ حضور سے ہم کو خدا نہ صبر دے　　جانا ہے سر کو جا چکے، دل کو قرار آئے کیوں

وہ ایک دوسری نعت میں داغِ عشق کو قبر کی تاریکیوں کا اجالا سمجھتے ہیں ؎

لحد میں عشقِ رخِ شہ کا داغ لے کے چلے اندھیری رات سنی تھی چراغ لے کے چلے

وہ آتشِ عشق کو آتشِ جہنم سے نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں ؎

اے عشق ترے صدقے جلنے سے چھٹے سستے جو آگ بجھا دے گی وہ آگ لگائی ہے

سوزِ دروں سے ان کا دل سلگتا تھا، اور عرفائے حق واولیاء اللہ کی طرح ان کا دل سوزشِ عشق سے کباب ہو چکا تھا ؎

اے دل! یہ سلگنا کیا، جلنا ہے تو جل ہی اٹھ دم گھٹنے لگا ظالم، کیا دھونی رمائی ہے

تونے تو کر دیا طبیب، آتشِ سینہ کا علاج آج کے دردِ آہ میں بوئے کباب آئی کیوں

''۔علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ کے متعلق امام عبد الوہاب شعرانی علیہ الرحمہ نے میزان الشریعہ الکبریٰ میں ذکر فرمایا ہے کہ پچہتر بار بیداری میں انھیں سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہوا، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بالمشافہہ تحقیقاتِ حدیث کی دولت پائی۔ بیداری میں شرفِ زیارت کے اثبات میں علامہ سیوطی کا ایک رسالہ بھی ہے جس کا نام ہے: **تنویر الحلک فی إمکان رؤیۃ النبی والملک**۔

امام احمد رضا قدس سرہٗ خواب میں تو بار بار زیارتِ جمالِ اقدس سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف یاب ہوئے، مگر دوسری بار حج و زیارت کے موقع پر روضۂ اطہر کے اندر خاص مواجہہ عالیہ میں شوقِ دیدار کے ساتھ درود شریف پڑھتے رہے اس امید پر کہ سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عزت افزائی فرمائیں گے اور زیارتِ جمال سے سرفراز فرمائیں گے لیکن پہلی رات تکمیلِ آرزو نہ ہوسکی۔ یاس وحسرت کے عالم میں ایک نعت کہی جس کا مطلع ہے

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

مقطع میں عاشق مصطفی کا ناز اور ایک جلیل القدر ولی کا عرفان، پھر بے کسی ومحرومی کا اظہار کچھ عجب انداز لیے ہوئے نظر آتا ہے۔ عرض کرتے ہیں۔

کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضاؔ تجھ سے کتّے ہزار پھرتے ہیں

مواجہہ شریف میں یہ نعت عرض کی اور باادب انتظار میں بیٹھ گئے۔ قسمت جاگی، حجاب اٹھا، اور عالم بیداری میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور جمالِ جہاں آرا کے دیدار سے مشرف ہوئے۔ یہ واقعہ ان کے کمالِ عشق وعرفان کی کھلی ہوئی دلیل اور بارگاہِ رسالت میں ان کی مقبولیت کا بیّن ثبوت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک شامی بزرگ نے امام احمد رضا قدس سرہٗ کے خاص یوم وفات پر خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جنازے کا انتظار کر رہے ہیں۔ ۴۳؂''

وہ عشقِ رسول کی اس منزل پر تھے کہ ناموسِ رسول کی حفاظت کے لیے اپنی عزت وآبرو اور اپنے آباواجداد کی عزت وناموس کو قربان کرنا خوش نصیبی خیال کرتے تھے، دشمنوں کی گالیاں سنتے اور قرار پاتے کہ جب تک وہ مجھے گالی دیتے، اور میری بدگوئی کرتے ہیں میرے آقا کی بدگوئی سے باز رہتے ہیں۔ خود فرماتے ہیں:

''واللہ العظیم! یہ بندۂ خدا بہ خوشی راضی ہے اگر یہ دشنامی حضرات بھی اس بدلے پر راضی ہوں کہ وہ اللہ ورسول (جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی جناب میں گستاخی سے باز آئیں اور یہ شرط لگالیں کہ روزانہ اس بندۂ خدا کو پچاس

ہزار مغلظہ گالیاں سنائیں اور لکھ لکھ کر شائع فرمائیں۔ اگر اس قدر پر پیٹ نہ بھرے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی سے باز رہنا اس شرط پر مشروط رہے کہ اس بندۂ خدا کے ساتھ اس کے باپ دادا اکابر علما قدست اسرارہم کو بھی گالیاں دیں تو ایں ہم برعلم۔

اے خوشا نصیب اس کا کہ اس کی آبرو، اس کے آبا واجداد کی آبرو بدگویوں کی بدزبانی سے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آبرو کے لیے سپر ہو جائے۔

یہی وجہ ہے کہ بدگو حضرات اس بندہ خدا پر کیا کیا طوفان، بہتان اس کے ذاتی معاملات میں اٹھاتے ہیں، اخباروں، اشتہاروں میں طرح طرح کی گڑھتوں سے کیا کیا خاکے اڑاتے ہیں، مگر وہ اصلاً قطعاً نہ اس طرف التفات کرتا، نہ جواب دیتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ جو وقت مجھے اس لیے عطا ہوا کہ بعونہٖ تعالیٰ عزت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کروں، حاشا کہ اسے اپنی ذاتی حمایت میں ضائع ہونے دوں۔ اچھا ہے کہ جتنی دیر مجھے برا کہتے ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بدگوئی سے غافل رہتے ہیں۔

فَاِنَّ اَبِیْ وَ وَالِدَہٗ وَ عِرْضِیْ لِعِرْضِ مُحَمَّدٍ مِّنْکُمْ وِقَاءٗ ۴۴؎

امام احمد رضا قدس سرہٗ عشقِ رسول کی اس بلند منزل پر فائز تھے کہ وہ عشقِ رسول کی کسوٹی پر پرکھ کر شخصیتوں کے مقام ومنصب متعین فرماتے تھے، جس شخص میں عشقِ رسول جتنا زیادہ پاتے اس کے مقام ومنصب کو اتنا ہی بلند سمجھتے۔ اور آپ کے دل میں اس کے لیے تعظیم وتکریم کے جذبات کی اتنی ہی فراوانی ہوتی۔ اس کا اندازہ خود انھیں کی درج ذیل گفتگو سے ہوتا ہے، ایک مجلس میں فرمایا:

''سب انبیا علیہم الصلاۃ والسلام طاہر محض ہیں اور جو شی ان سے علاقہ (تعلق) رکھنے والی ہے سب طاہر۔ ہاں! ان کے فضلات خود ان کے حق میں ایسے ہی نجس ہیں جیسے ہمارے حق میں ہمارے فضلات نجس ہیں۔ اور اگر ان سے کوئی فضلہ خارج ہو جو ہمارے لیے ناقضِ وضو ہے تو بے شک ان کا وضو بھی ٹوٹ جائے گا۔

میری نظر میں امام ابن حجر عسقلانی شارحِ صحیح بخاری کی وقعت ابتداءً امام بدرالدین محمود عینی شارحِ صحیح بخاری سے زیادہ تھی۔ فضلاتِ شریفہ کی طہارت کی بحث ان دونوں صاحبوں نے کی ہے۔ امام ابن حجر نے ابحاث محدثانہ لکھی ہیں کہ یوں کہا جاتا ہے اور اس پر یہ اعتراض ہے، یوں کہا جاتا ہے اور اس پر یہ اعتراض ہے۔ اخیر میں لکھا ہے کہ فضلاتِ شریفہ کی طہارت ان کے نزدیک ثابت نہیں۔ امام عینی نے بھی شرح بخاری میں اس بحث کو بہت بسط سے لکھا ہے۔

آخر میں لکھتے ہیں: کہ ''یہ سب کچھ ابحاث ہیں، جو شخص طہارت کا قائل ہو اس کو میں مانتا ہوں، اور جو اس کے خلاف کہے اس کے لیے میرے کان بہرے ہیں، میں سنتا نہیں'' یہ لفظ ان کی کمالِ محبت کو ثابت کرتا ہے، اور میرے دل میں ایسا اثر کر گیا کہ ان کی وقعت بہت بڑھ گئی۔ ۴۵؎

ارشاداتِ رسول پر اعتماد ویقین :

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان سچے عاشقِ رسول اور عارفِ حق تھے، انھیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی احادیث اور ارشادات پر مکمل یقین واعتماد تھا، انھیں ان حدیثوں پر یقین کامل ہوتا جو اخبارِ آحاد ہوتیں، اور جن سے ثبوت کو علما ومحدثین ظنی قرار دیتے ہیں، یقینی نہیں مانتے۔ جب ان احادیث کا حکم لکھنے کی باری آتی تو خود اعلیٰ حضرت بھی انھیں ظنّی الثبوت لکھتے ہیں۔ لیکن یہ معاملہ

احکامِ شریعت تک ہے اور اس کے خاص اسباب ونتائج ہیں جن میں علمی وفقہی باریکیاں ہیں۔ تفصیل سے صرفِ نظر کرتے ہوئے مجھے یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ وہ احادیث جو غیر احکام میں ہوں اور کسی منصوص شرعی کے معارض ومخالف نہ ہوں، اگر ان پر کسی مومن کو آج بھی یقینِ کامل ہو اور وہ اس پر عمل کرے تو جائز ہے اور شرعاً اسے اس کا حق ہے۔ رب کریم فرماتا ہے، حدیث قدسی میں ہے: **اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ** (میرا بندہ میرے ساتھ جیسی امید رکھتا ہے اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ فرماتا ہوں) امام احمد رضا کو اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر پورا اعتماد اور اپنے مالک جل وعلا کی رحمت پر پختہ یقین تھا اور یہ صرف زبانی جمع خرچ کی حد تک نہ تھا، بل کہ ایک عارفِ کامل، عاشق صادق اور ولی وقت کو جیسا یقین واذعان ہوتا ہے ویسا ہی تھا۔ آپ کی زندگی میں اس کے بہت سے دلائل وشواہد موجود ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ جو کسی بلا رسیدہ کو دیکھ کر ''**اَلحمدللّٰہِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاکَ بِہٖ وَ فَضَّلَنِیْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلاً**'' پڑھ لے اس مرض وبلا سے مامون ومحفوظ رہے گا۔ امام احمد رضا نے طاعون زدہ کو دیکھ کر بارہا یہ دعا پڑھی تھی، حدیث پر انھیں اطمینانِ کامل تھا۔

ایک بار کسی غریب کے یہاں دعوت میں گائے کا گوشت کھانا پڑا۔ گائے کا گوشت آپ کو سخت نقصان کرتا تھا، مگر ایک غریب مومن کی دل جوئی کے لیے آپ نے تناول فرمالیا جس کے اثر سے گلٹی نکل آئی، بولنا پڑھنا سب موقوف ہوگیا، نمازِ سنّت بھی کسی کی اقتدا میں ادا کرتے۔ ان دنوں بریلی میں طاعون کا زور تھا۔ نہ معلوم کتنے افراد اس مہلک بیماری سے لقمۂ اجل بن چکے تھے، طبیب نے دیکھ کر کہا: وہی ہے۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: میں بول نہ سکتا تھا اس لیے جواب نہ دے سکا۔ دل میں بارگاہِ رب العزت کی طرف رجوع کیا اور عرض کیا: **اَللّٰھُمَّ صَدِّقِ الْحَبِیْبَ وَکَذِّبِ الطَّبِیْبَ** (خداوندا! اپنے حبیب کا قول سچا کر دکھا اور طبیب کا قول جھوٹا) فوراً جیسے کسی نے کان میں ایک تدبیر بتائی۔ مسواک اور گول مرچ۔ لوگ رات میں باری باری میرے لیے جاگتے تھے۔ اس وقت جو شخص جاگ رہا تھا میں نے اسے اشارہ سے بلایا، اور اسے مسواک اور گول مرچ کا اشارہ کیا۔ وہ مسواک تو سمجھ گئے، گول مرچ کس طرح سمجھیں۔ بڑی مشکل سے سمجھے۔ میں نے بڑی دقت سے مسواک کے سہارے تھوڑا منہ کھولا اور دانتوں پر مسواک رکھ کر گول مرچ کا سفوف چھوڑ دیا، اور اسی طرح پسی ہوئی مرچیں داڑھوں تک پہنچائیں۔ تھوڑی دیر میں ایک کلّی خالص خون کی آئی، مگر کوئی تکلیف واذیت محسوس نہ ہوئی، اس کے بعد ایک کلّی خون کی اور آئی، اور بحمد اللہ وہ گلٹیاں جاتی رہیں، منہ کھل گیا۔ میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور طبیب صاحب کو کہلا بھیجا کہ آپ کا وہ ''طاعون'' بفضلہٖ تعالیٰ جاتا رہا۔ دو تین روز میں بخار بھی جاتا رہا۔

اسی واقعہ کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ مجھے نوعمری میں آشوبِ چشم اکثر ہوتا اور بوجہِ حدّت مزاج تکلیف دیتا، انّیس سال کی عمر ہوگی، رام پور جاتے ہوئے ایک شخص کو آشوبِ چشم میں مبتلا دیکھ کر یہ دعا پڑھ لی۔ اس وقت سے اب تک آشوبِ چشم کبھی نہیں ہوا۔ مجھے اس موقع پر اس دعا کے پڑھنے کا افسوس ہے کیوں کہ سرکار کا ارشاد ہے کہ تین بیماریوں کو ناپسندیدہ نہ جانو (۱) زکام، کیوں کہ اس کی وجہ سے بہت سی بیماریوں کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ (۲) کھجلی، کیوں کہ اس سے جذام وغیرہ جلدی بیماریوں کا سدِّ باب ہوجاتا ہے۔ (۳) آشوبِ چشم: کیوں کہ یہ نابینائی کو ختم کرتا ہے۔

خیر اس دعا کی برکت سے آشوبِ چشم تو جاتا رہا، جمادی الاولیٰ ۱۳۰۰ھ میں ایک اور مرض پیش آیا۔ کچھ اہم تصانیف کے سبب ایک مہینہ کامل باریک تحریر کی کتابیں شب وروز مسلسل دیکھنا ہوا۔ یہ عمر کا اٹھائیسواں سال تھا۔ اندر کے دالان میں مطالعہ اور تصنیف کا کام ہوتا۔ گرمی کا موسم تھا، میں نے اندھیرے کا خیال نہ کیا۔ ایک دن لکھتے لکھتے گرمی کی شدت کی وجہ سے دوپہر کو غسل کیا۔ سر پر پانی پڑتے ہی

معلوم ہوا کہ کوئی چیز دماغ سے دہنی آنکھ میں اتر آئی۔ ایک سربرآوردہ ڈاکٹر نے آلات سے بہت دیر تک بغور دیکھا، اور کہا، کتب بینی کی کثرت کی بنا پر کچھ خشکی آ گئی ہے۔ پندرہ دن کتاب نہ دیکھو۔ مجھ سے پندرہ گھڑی بھی صبر نہ ہوا۔

حکیم سید مولوی اشفاق حسین صاحب مرحوم سہسوانی ڈپٹی کلکٹر نے فرمایا: مقدمۂ نزولِ آب ہے، بیس برس بعد پانی اتر آئے گا۔ میں نے کوئی توجہ نہ کی، اور نزولِ آب والے مریض کو دیکھ کر وہی دعا پڑھ لی، اور اپنے محبوبِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادِ پاک پر مطمئن ہو گیا۔

۱۳۱۶ھ میں ایک اور ماہر حکیم کے سامنے ذکر ہوا، بغور دیکھ کر کہا۔ چار برس بعد پانی اتر آئے گا۔ ان کا حساب ڈپٹی صاحب کے حساب کے بالکل موافق آیا۔ انھوں نے بیس برس کہے تھے۔ انھوں نے سولہ سال بعد چار کہے۔ مجھے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر ایسا (کمزور) اعتماد نہ تھا کہ معاذ اللہ حکیموں کے کہنے سے متزلزل ہو جاتا۔ بیس درکنار، تیس برس سے زائد گزر چکے ہیں، اور وہ حلقہ ذرّہ برابر نہ بڑھا، نہ بعونہٖ تعالیٰ بڑھے گا۔ نہ میں نے کتاب بینی میں کبھی کمی کی، نہ ان شاء اللہ کمی کروں گا۔ یہ میں نے اس لیے بیان کر دیا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دائم و باقی معجزات ہیں جو آج تک آنکھوں دیکھے جا رہے ہیں، اور قیامت تک اہل ایمان مشاہدہ کرتے رہیں گے۔ ۴۶ے

امام احمد رضا قدس سرہٗ کے دوسرے سفرِ حج کا واقعہ ہے۔ مکہ مکرمہ میں حضرت کو بخار تھا۔ فرماتے ہیں۔ اواخر محرم میں بفضلہٖ تعالیٰ صحت ہوئی، وہاں ایک سلطانی حمام ہے، میں اس میں نہا کر باہر نکلا ہی تھا کہ ابر دیکھا، جو حرم شریف پہنچتے پہنچتے برسنا شروع ہو گیا۔ مجھے حدیث یاد آئی کہ جو بارش کے دوران طواف کرے وہ رحمتِ الٰہی میں تیرتا ہے۔ فوراً سنگ اسود کا بوسہ لے کر بارش ہی میں سات پھیرے طواف کیا۔ بخار دوبارہ آ گیا۔ مولانا سید اسمٰعیل نے فرمایا: ایک ضعیف حدیث کے لیے تم نے اپنے بدن کی یہ بے احتیاطی کی۔ میں نے کہا: حدیث ضعیف ہے، مگر بحمد اللہ تعالیٰ امید قوی ہے۔ یہ طواف بحمدہٖ تعالیٰ بہت مزے کا تھا۔ بارش کے سبب طواف کرنے والوں کی وہ کثرت نہ تھی۔ ۴۷ے

حدیث شریف میں ایک دعا ہے کہ کسی کشتی پر سوار ہوتے وقت پڑھ لی جائے، تو کشتی ڈوبنے سے محفوظ رہے، امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان نے پہلے سفرِ حج میں جہاز پر سوار ہوتے وقت وہ دعا پڑھ لی تھی، ساتھ میں آپ کے والدین کریمین بھی تھے۔ سمندر میں سخت طوفان آیا۔ لوگوں نے کفن پہن لیے۔ والدہ ماجدہ بہت پریشان ہوئیں۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: ان کا اضطراب دیکھ کر بے ساختہ میری زبان سے نکلا: ''آپ اطمینان رکھیں، خدا کی قسم! یہ جہاز نہ ڈوبے گا۔'' یہ قسم میں نے حدیث ہی کے اطمینان پر کھائی تھی۔ حدیث کے سچّے وعدے پر میں مطمئن تھا۔ پھر قسم نکل جانے سے مجھے اندیشہ ہوا اور معاً حدیث یاد آئی: **مَنْ یَتَاَلَّ عَلَی اللّٰہِ یُکَذِّبْہٗ**۔ اللہ عز وجل کی طرف رجوع کیا اور سرکارِ رسالت سے مدد مانگی۔ وہ مخالف ہوا جو تین دن سے پورے زور شور کے ساتھ چل رہی تھی، بحمد اللہ تعالیٰ گھڑی بھر میں موقوف ہو گئی اور جہاز نے نجات پائی۔ ۴۸ے

بہت سی حدیثیں اپنی سندوں کے باعث محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں، اہل عرفان اور اولیاے کرام کے نزدیک کشف و مشاہدہ کے باعث قوی ہیں۔ امام احمد رضا قدس سرہٗ نے اپنی کتاب ''منیر العین فی تقبیل الابہامین'' میں اس کا تفصیلی ذکر فرمایا ہے۔ یہ گراں قدر رسالہ فتاویٰ رضویہ جلد دوم میں شامل ہے۔

بہر حال امام احمد رضا کو ان ضعیف حدیثوں پر بھرپور اعتماد و اذعان ہوتا جو کسی نصِ شرعی کے مخالف نہ ہوتیں اور فضائل رجال و

فضائلِ اعمال میں بلا تکلف ان پر عمل کرتے۔ البتہ موضوع حدیث کو کسی طرح قابل عمل نہ گردانتے، کہ وہ حدیث ہی نہیں، کسی خدا ناترس، بدبخت کی گڑھت ہے۔ ان واقعات وشواہد میں احادیثِ نبویہ پر امام احمد رضا قدس سرہٗ کا قلبی یقین اور کمالِ ایمان واذعان پوری طرح نمایاں نظر آتا ہے، اور ان کی ولایت وروحانیت اور تصوف وعرفان کا سورج پوری آب وتاب کے ساتھ جلوہ آرا نظر آتا ہے۔

قدرتِ الٰہی پر یقین واذعان :

رب قدیر کی قدرت کاملہ پر انھیں ہر وقت کامل یقین واذعان رہتا۔ امام احمد رضا قدس سرہٗ بہت سے علوم وفنون کی طرح علم نجوم کے بھی ماہر تھے۔ عموماً اہلِ نجوم اپنے ظنی علم پر اتنا اعتماد اور بھروسا رکھتے ہیں کہ اپنے علم وفن کے نشے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کو بھول جاتے ہیں اور اپنے علم ہی کو سب کچھ سمجھنے لگتے ہیں۔ مگر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کی کیفیت کچھ اور ہی تھی۔ ان کے یہاں علم وفن کے نتائج اپنی جگہ، لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ پر یقین واعتماد کو سب پر بالادستی حاصل تھی۔

مولانا محمد حسین بریلوی (موجد طلسمی پریس) کے والد مولانا غلام حسین علم نجوم میں بڑے ماہر تھے، ستاروں کی شناخت اور ان کی چال سے نتائج نکالنے پر بڑی دست رس رکھتے تھے۔ عمر میں اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ سے بڑے اور ان کے والد ماجد مولانا نقی علی بریلوی علیہ الرحمہ کے ملنے والوں میں تھے۔

یہ ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہاں تشریف لائے۔ اعلیٰ حضرت نے دریافت کیا: فرمایئے بارش کا کیا انداز ہے؟ کب تک ہوگی؟ انھوں نے ستاروں کی وضع کا زائچہ بنایا اور فرمایا: اس مہینے میں پانی نہیں ہے۔ آئندہ ماہ میں ہوگا۔ یہ کہہ کر زائچہ اعلیٰ حضرت کی طرف بڑھایا۔ آپ نے دیکھ کر فرمایا: ''اللہ کو سب قدرت ہے، چاہے تو آج ہی بارش ہو۔'' انھوں نے کہا: یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ کیا آپ ستاروں کی وضع نہیں دیکھتے؟ اعلیٰ حضرت نے فرمایا: ''محترم! میں سب دیکھ رہا ہوں، اور اس کے ساتھ واضع اور اس کی قدرت کو بھی دیکھ رہا ہوں۔''

پھر اس مشکل مسئلہ کو بڑے آسان طریقے پر سمجھایا۔ سامنے دیوار گھڑی لگی ہوئی تھی۔ اعلیٰ حضرت نے ان سے پوچھا: وقت کیا ہے؟ بولے سوا گیارہ بجے ہیں۔ فرمایا: بارہ بجنے میں کتنی دیر ہے؟ بولے: پون گھنٹہ۔ فرمایا: اس سے پہلے؟ کہا: ہرگز نہیں، ٹھیک پون گھنٹہ۔ اعلیٰ حضرت اٹھے اور بڑی سوئی گھما دی۔ فوراً ٹن ٹن بارہ بجنے لگے۔ حضرت نے فرمایا: آپ نے کہا تھا: ٹھیک پون گھنٹہ بارہ بجنے میں باقی ہے۔ وہ بولے: اس کی سوئی کھسکا دی، ورنہ اپنی رفتار سے پون گھنٹہ بعد ہی بارہ بجتے۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا: ''اسی طرح اللہ رب العزت قادر مطلق ہے کہ جس ستارے کو جس وقت جہاں چاہے پہنچا دے۔ وہ چاہے تو ایک مہینہ، ایک ہفتہ، ایک دن کیا، ابھی بارش ہونے لگے۔'' اعلیٰ حضرت کی زبانِ مبارک سے ان الفاظ کا نکلنا تھا کہ چاروں طرف سے گھنگھور گھٹا چھائی، اور فوراً پانی برسنے لگا۔ ۴۹؎

کیا قدرتِ خداوندی پر ایسے اعلیٰ درجہ کا ایمان ویقین کسی ماہرِ نجوم کے یہاں مل سکتا ہے؟ اور کیا زبان کی ایسی تاثیر کسی عالمِ ظاہر کے یہاں دست یاب ہوسکتی ہے؟ یہ واقعہ اس بات کی بیّن دلیل ہے کہ اعلیٰ حضرت ایک عالم ربانی، عارفِ صمدانی، ولی کامل، صوفیِ زندہ دل اور مستجاب الدعوات مردِ خدا تھے۔

یہ تو قدرتِ الٰہیہ پر ایمان ویقین کی بات ہے جو ہر مومن کے قلب میں ہونا چاہیے۔ اگر یہ بالکل ہی نہ ہو تو مومن ہی کہاں؟ اور اگر اس حد تک نہ ہو تو مومن ضرور ہے مگر عارف اور کامل الایمان ہرگز نہیں۔ ۴۹؎

تقویٰ اور پرہیزگاری :

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان پر نظر ڈالیے تو ان کی پوری زندگی تقویٰ و پرہیزگاری، شریعتِ مصطفی اور سنتِ مصطفی علیہ التحیۃ والثنا کی پابندی سے آراستہ و پیراستہ ملتی ہے۔ان کے تقویٰ و پرہیزگاری کی شان بڑی بلند و بالا ہے۔اس طرح کے بہت سے واقعات ان کی زندگی کی تاریخ سے وابستہ ہیں جن میں ان کا عرفان، خوفِ خداوندی، خشیتِ ربانی اور تقویٰ و پرہیزگاری کا حسن و جمال صاف جھلکتا ہے۔ذیل کے واقعات میرے دعویٰ کے لیے کھلی ہوئی دلیل ہیں۔

امام احمد رضا قدس سرہٗ کی زندگی کا آخری رمضان ۱۳۳۹ھ میں تھا۔اس وقت ایک تو بریلی میں سخت گرمی تھی، دوسرے عمرِ مبارک کا آخری حصہ اور ضعف و مرض کی شدت۔شریعت اجازت دیتی ہے کہ شیخ فانی روزہ نہ رکھ سکے تو فدیہ دے اور ناتواں مریض کو اجازت دی ہے کہ روزہ کی قضا بعد میں قوت و توانائی اور صحت و تندرستی کے وقت کرے۔لیکن امام احمد رضا قدس سرہٗ العزیز کا فتویٰ اپنے لیے کچھ اور ہی تھا جو درحقیقت فتویٰ نہیں، تقویٰ تھا۔انھوں نے فرمایا: بریلی میں گرمی کی شدت کے باعث میرے لیے روزہ رکھنا ممکن نہیں، لیکن پہاڑ پر ٹھنڈک ہوتی ہے، یہاں سے نینی تال قریب ہے، بھوالی پہاڑ پر روزہ رکھا جاسکتا ہے، میں وہاں جانے پر قادر ہوں، لہٰذا میرے اوپر وہاں جاکر روزہ رکھنا فرض ہے۔چنانچہ رمضان نینی تال جاکر بھوالی پہاڑ پر گزارا اور پورے روزے رکھے۔

۲۵؍صفر ۱۳۴۰ھ کو آپ کا وصال ہوا، مرض مہینوں سے تھا، اور ایسا کہ چلنے پھرنے کی طاقت نہیں، شریعت نے اجازت دی ہے کہ ایسا مریض گھر میں تنہا نماز پڑھ لے مگر امام احمد رضا جماعت کی پابندی کرتے اور چار آدمی کرسی پر بٹھا کر مسجد تک لے جاتے، جب تک اسی طرح حاضری کی قدرت تھی، جماعت میں شریک ہوتے رہے۔

حافظ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی علیہ الرحمۃ بانی جامعہ اشرفیہ مبارک پور (۱۳۱۲ھ-۱۳۹۶ھ) کا بیان ہے۔ایک بار مسجد لے جانے والا کوئی نہ تھا، جماعت کا وقت ہو گیا طبیعت پریشان، ناچار خود ہی کسی طرح گھسٹتے ہوئے حاضرِ مسجد ہوئے اور با جماعت نماز ادا کی۔آج صحت و طاقت اور تمام تر سہولت کے باوجود ترکِ نماز اور ترکِ جماعت کے ماحول میں یہ واقعہ ایک عظیم درسِ عبرت ہے۔۵۰؎

ایک بار امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے علاقۂ زمین داری میں سکونت پذیر تھے۔درد قولنج کے سخت دورے ہوا کرتے تھے۔ایک دن تنہا تھے، فرماتے ہیں: ظہر کے وقت درد شروع ہوا۔اسی حالت میں جس طرح بنا وضو کیا۔اب نماز کو کھڑا نہیں ہوا جاتا۔رب عزوجل سے دعا کی اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مدد مانگی، مولا عزوجل مضطر کی پکار سنتا ہے۔میں نے سنتوں کی نیت باندھی درد جاتا رہا۔جب سلام پھیرا، اسی شدت سے تھا۔فوراً اٹھ کر فرضوں کی نیت باندھی، درد جاتا رہا۔جب سلام پھیرا وہی حالت تھی، بعد کی سنتیں پڑھیں درد موقوف۔اور سلام کے بعد پھر بدستور۔میں نے کہا اب عصر تک ہوتا رہ۔پلنگ پر لیٹا کروٹیں لے رہا تھا کہ درد سے کسی پہلو قرار نہ تھا۔۵۱؎

مسجد میں وضو کا مستعمل پانی گرانا جائز نہیں، خواہ وہی پانی ہو جو اعضا پر لگا رہ جاتا ہے۔ایک بار سخت سردی میں شدید بارش ہو رہی تھی۔اعلیٰ حضرت معتکف تھے۔باہر وضو کی صورت نظر نہ آئی۔لحاف کو چار تہہ کر کے اس پر وضو کیا ایک قطرہ بھی فرش پر گرنے نہ دیا۔اور پوری رات سردی میں ٹھٹھر کر بسر کر دی۔

آپ جب مسجد میں داخل ہوتے تو دایاں پاؤں آگے بڑھاتے۔ہر صف کو دایاں قدم بڑھاتے ہوئے پار کرتے۔اسی طرح

محراب تک مصلیٰ پر پہنچ جاتے۔فرض نماز صرف کرتے اور ٹوپی پر بغیر عمامہ کبھی ادا نہ کی۔

دکھتی آنکھ سے جو پانی گرے ناقض وضو ہے۔ایک بار آشوبِ چشم تھا تو ہر نماز کے بعد کسی سے آنکھ دکھا لیتے کہ پانی حلقۂ چشم سے باہر تو نہیں آیا ورنہ دوبارہ وضو کر کے لوٹانی ہوگی۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے: لَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحاً (زمین پر اتراتے ہوئے نہ چل) اس حکم پر ایسا عمل تھا کہ سبک خرامی دیدنی ہوتی، قدموں کی آہٹ پانا بھی مشکل تھا۔بارہا ایسا ہوا کہ قریب پہنچ کر خود پہلے سلام کیا تو خدام کو آنے کی خبر ہوئی۔

سونے میں اسمِ رسالت ''محمد'' علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کا نقشہ ہوتا۔

خط بنواتے وقت اپنی کنگھی اور اپنا شیشہ استعمال کرتے۔قبلہ کی طرف نہ کبھی پاؤں دراز کیا نہ منہ کر کے تھوکا۔آپ کی ان عادات و اطوار کو دیکھ کر سراج الامۃ امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کی تقویٰ شعار زندگی کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ ۵۲ ؎

تجدید و اصلاح :

دعوتِ دین، اصلاحِ اہلِ زمانہ، فتنہ شکنی، احیاے شریعت اور تجدیدِ سنّت نبویہ وہ عظیم مجاہدہ ہے جو اہلِ ظاہر تو اہلِ ظاہر، تمام اربابِ سلوک کو بھی نصیب نہیں ہوتا، بہت سے اولیاے کرام وہ گزرے ہیں جنھوں نے خلوت کی زندگی گزاری، اور جلوت سے انھیں کوئی سروکار نہیں رہا۔اس کی حقیقت تک رسائی کے لیے امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کا درج ذیل بیان پڑھیے۔

''آدمی تین قسم کے ہیں (۱) مفید (۲) مستفید (۳) منفرد۔............مفید: وہ جو دوسروں کو فائدہ پہنچائے۔ مستفید: وہ کہ خود دوسرے سے فائدہ حاصل کرے۔ منفرد: وہ کہ دوسرے سے فائدہ لینے کی اسے حاجت نہ ہو، اور نہ دوسروں کو فائدہ پہنچا سکتا ہو۔مفید اور مستفید کو عزلت گزینی حرام ہے، اور منفرد کو جائز، بل کہ واجب۔'' ۵۳ ؎

اسی بنیاد پر سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تکمیلِ علوم شریعت وراہِ طریقت کے بعد کوئی گوشۂ تنہائی نہیں بل کہ بغداد کی گھنی آبادی کا انتخاب کیا جو بے شمار فتنوں کی آماج گاہ بل کہ تربیت گاہ بن چکا تھا۔انھوں نے اپنی تقریروں سے خلفا، امرا، علما اور عوام کے دل ہلا دیے، ان کے فیضِ اصلاح سے ہزاروں بے دین صراطِ مستقیم پر آئے اور لاکھوں بے راہ صالح اور نیک بن گئے۔

امام غزالی نے تکمیلِ تعلیم کے بعد اپنی اصلاح کا رخ خاص طور پر امرا اور علما کی طرف پھیرا، ان کے ہاتھ پر توبہ کرنے والوں کی فہرست سوانح نگاروں نے مرتب نہ کی، لیکن یہ حقیقت ہے کہ ان کے رشحاتِ قلم آج بھی باعثِ رشد و ہدایت ہیں۔

امام احمد رضا قدس سرہٗ نے دین کے نام پر اٹھنے والے فتنوں اور باطل تحریکوں کا نہایت پامردی سے مقابلہ کیا۔ان کے بھتیجے مولانا حسنین رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

''اس ہندستان میں کوئی باطل فرقہ ایسا نہیں ہے جس کے رد میں ان کی بکثرت تحریریں موجود نہ ہوں۔جب دین میں کوئی نیا فتنہ اٹھتا تو سب سے پہلے حضور کے زبان وقلم کو حرکت ہوتی، اور کامل استیصال فرما کر چھوڑتے۔میں خیال کرتا ہوں کہ ہر فتنہ انگیز کو فتنہ پھیلانے سے قبل یہ خیال مدتہا مدت تک باز رکھتا کہ اعلیٰ حضرت کی سیفِ زبان و نیزۂ قلم کا کیا جواب ہوگا۔ ۵۴ ؎

انھوں نے نہایت جواں مردی اور بے باکی کے ساتھ اس وصف کا خود ہی اعلان فرمایا ہے: ؎

کلکِ رضا ہے خنجرِ خوں خوار، برق بار اعدا سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں

ان کی زبانِ فیض ترجمان سے بہت سے معصیت کاروں، گنہ گاروں اور دنیا داروں کو صلاح وفلاح کی زندگی نصیب ہوئی۔ ایک بار آپ کا قیام جبل پور میں تقریباً چونتیس دن رہا، بے شمار فاسقوں، عصیاں شعاروں نے آپ کے دست حق پرست پر اپنے علانیہ وخفیہ گناہوں سے توبہ کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی زبان میں حیرت انگیز تاثیر رکھی تھی، زبان مبارک سے نکلے ہوئے سیدھے سادھے الفاظ لوگوں میں وہ اثر کرتے کہ ان کے دل امنڈ آتے، آنکھیں اشک بار ہو جاتیں، اور مدتوں کے جھگڑے اور باہمی آویزشیں ایک لمحہ میں دور ہو جاتیں۔

جبل پور کا واقعہ ہے دو بھائیوں میں باہمی نزاع تھی، چند کلمات کے بعد فرمایا: خوب سمجھ لیجیے، آپ دونوں صاحبوں میں جو ملنے میں سبقت کرے گا جنت کی طرف سبقت کرے گا۔ یہ فرمانا تھا کہ دونوں کے دلوں پر ایک بجلی کا سا اثر ہوا، اور بے تابانہ ایک دوسرے کے قدموں پر گر پڑے اور نہایت صاف دلی کے ساتھ ایک دوسرے سے لپٹ گئے، اور جوشِ محبت کی یہ حالت ہوئی کہ اگر حاضرین میں سے کچھ لوگ انھیں سنبھال نہ لیتے تو دونوں حضرات اس گلے ملنے میں گر پڑتے۔ ۵۵

خود بریلی میں آئے دن اعلیٰ حضرت کے ہاتھوں پر توبہ کرنے والوں کا کوئی شمار نہیں۔ جبل پور کے ایک جلسہ میں توبہ کرنے والوں کی فہرست شائع ہوئی۔ اعلیٰ حضرت نے بتایا کہ اللہ ورسول کے گستاخوں سے صحابہ کرام اور اولیاے کبار بیزاری اور نفرت کا سلوک کرتے ہیں، تو بد مذہبوں، گستاخوں سے صحبت وقربت رکھنے والے بہت سے لوگوں نے توبہ کی اور صدقِ دل سے تائب ہوئے۔ اس پر ارشاد فرمایا: بھائیو! یہ وقت نزولِ رحمتِ الٰہی کا ہے۔ سب حضرات اپنے اپنے گناہوں سے توبہ کریں۔ جن کے خفیہ ہوں وہ خفیہ اور جن کے علانیہ ہوں وہ علانیہ۔ فقیر دعا کرتا ہے کہ مولا تعالیٰ آپ حضرات کو استقامت مرحمت فرمائے۔ جو داڑھی منڈاتے یا کترواتے ہوں، یا چڑھاتے، یا سیاہ خضاب لگاتے ہوں وہ اور ایسے ہی جو علانیہ گناہ کرتے ہوں انھیں علانیہ توبہ کرنا چاہیے، اور جو گناہ خفیہ طور پر کیے ان سے پوشیدہ کہ گناہ کا اعلان بھی گناہ ہے۔ ان چند فقروں میں اللہ ہی جانے کیا اثر تھا کہ لوگ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے گویا وہ اپنے گناہوں کے دفتر آنسوؤں سے دھو رہے تھے۔ اور بے تابانہ اس شمعِ انجمنِ محمدی پر نثار ہو رہے تھے۔ (اور اس شیخ ارشاد کے) قدموں پر گڑگڑا کر اپنے خفیہ وعلانیہ گناہوں سے توبہ کر رہے تھے۔ عجب سماں تھا............ جو لوگ حاضرِ جلسہ نہ تھے انھیں بعد میں اطلاع ہوئی، وہ سب حاضر ہو کر تائب ہوتے گئے۔ دوسرے دن وقتِ ظہر جبل پور سے روانگی تھی، لوگ اسٹیشن تک آئے اور تائب ہوئے۔ ۵۶

امام احمد رضا قدس سرہ نے بہت سی سنتوں کو حیاتِ نو عطا کی جن پر عوام وخواص سبھی کا عمل درآمد ختم ہو چکا تھا اور جو مردہ ہو چکی تھیں۔ آپ نے ان کا سنت ہونا لوگوں کے سامنے عیاں کیا، اور اپنی زبان وقلم سے ان کی نصرت وحمایت کا فریضہ سرانجام دیا۔ غیروں کے ساتھ ''اپنوں'' نے بھی کچھ کم مخالفتیں نہیں کیں، آپ نے سب کی ''کرم فرمائیوں'' کو نہایت صبر واستقامت کے ساتھ برداشت کیا، اور احیاے سنت اور تجدیدِ دین وملت پوری ثابت قدمی کے ساتھ کرتے رہے۔

ان سنتوں میں سے جمعہ کی اذانِ ثانی کا مسئلہ ہے۔ اس کی تاریخ یہ رہی ہے کہ عہدِ رسالت وعہدِ صدیق وفاروق بل کہ عہدِ جملہ خلفاے راشدین اور اس کے بہت بعد تک بھی یہ اذان مسجد کے دروازے پر امام کے بالمقابل اور سامنے ہوتی رہی۔ سننِ ابوداؤد کی حدیث میں اس کی صراحت موجود ہے، اور فقہ وفتاویٰ کی بہت سی کتابوں میں تصریح ہے کہ مسجد کے اندر اذان دینا مکروہ ہے، ان عبارتوں میں نہ تو کسی اذان کا استثنا ہے، نہ کسی کی تخصیص۔ لیکن بعد کے زمانوں میں جس طرح بہت سی سنتوں کے خلاف رواج پڑ گیا اسی طرح اس سنت کے خلاف بھی عمل درآمد ہو گیا اور خطبہ کی اذان خاص مسجد میں منبر کے متصل ہونے لگی، اور پنج وقتہ اذانوں کا رواج بھی عام

طور سے مسجد کے اندر ہی ہو گیا۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان سے اس کا استفتا ہوا آپ نے جواب دیا: یہ اذان بھی مسجد کے اندر دینا مکروہ اور خلافِ سنّت ہے۔ دیو بندیوں نے اس مسئلہ میں آپ کی مخالفت کی، اور علماے اہل سنت میں بھی کئی لوگوں نے آپ کی مخالفت کی اور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کو ہر طرح سے پریشان کرنے کی کوشش کی اور اتنی ایذائیں پہنچائیں کہ آپ نے سیدنا غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ کی ایک منقبت میں اس کا اظہار اور بارگاہِ غوثیت میں کچھ اس طرح استغاثہ فرمایا ہے:

عدو بد دین، مذہب والے حاسد تو ہی تنہا کا زورِ دل ہے یا غوث
حسد سے ان کے سینے پاک کر دے کہ بدتر دق سے بھی یہ سل ہے یا غوث
غذاے دق یہی خوں، استخواں، گوشت یہ آتش دین کی آکل ہے یا غوث
دیا مجھ کو انھیں محروم چھوڑا مرا کیا جرم ،حق فاصل ہے یا غوث
خدا سے لیں لڑائی وہ ہے معطی نبی قاسم ہے، وہ موصل ہے یا غوث
عطائیں مقتدر، غفار کی ہیں عبث بندوں کے دل میں غل ہے یا غوث

بہر حال آپ نے مخالفتوں کی ان زوردار آندھیوں کی پرواہ کیے بغیر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنّت کریمہ کو زندہ فرمایا۔ آپ نے فتاویٰ کے علاوہ اس موضوع پر دو مستقل رسالے بھی لکھے۔ ایک ''اوفی اللمعة فی اذان الجمعة'' جو فتاویٰ رضویہ جلد سوم میں شامل ہو کر شائع ہو چکا ہے۔ جب کہ دوسرا رسالہ ''شمائم العنبر فی أدب النداء أمام المنبر'' ہے جو ۱۶۱ صفحات پر پھیلا ہوا ہے اور عربی زبان میں ہے، یہ رسالہ بحر العلوم علامہ مفتی عبدالمنان اعظمی مصباحی سابق شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے اردو ترجمہ اور تقدیم کے ساتھ رضا اکیڈمی ممبئی کے زیر اہتمام علاحدہ شائع ہوا ہے۔ یہ رسالہ اتنا مدلل اور گراں قدر ہے کہ اس کے مطالعہ سے اہل علم کی آنکھیں روشن ہو جاتی ہیں۔ آپ کی یہ مومنانہ جرأت اور مخلصانہ کوششیں رنگ لائیں، اور آج الحمدللہ اہل سنت و جماعت کی مسجدوں میں اسی سنّت کے مطابق عمل ہو رہا ہے۔

اسی طرح حنفیوں کا اس پر اتفاق ہے کہ جب امام مصلے پر موجود ہے اور مکبّر تکبیر کہنا شروع کرے تو امام اور مقتدی اس وقت کھڑے ہوں جب تکبیر کہنے والا ''حی علی الصلوٰة، حی علی الفلاح'' پر پہنچے۔ اس سے پہلے کھڑے ہونا، یا ابتدا ہی سے کھڑے رہنا خلاف سنت اور مکروہ ہے۔ خود محرر مذہب حنفی حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے مؤطا امام محمد ''باب تسویۃ الصفوف'' میں اس مسئلہ کو صاف بیان فرمایا ہے۔ بل کہ فتاویٰ عالمگیری میں تو یہاں تک صراحت موجود ہے کہ اگر تکبیر ہو رہی ہو اور کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو جہاں تکبیر سنے وہیں بیٹھ جائے، اور جب مکبّر ''حی علی الصلوٰة'' تک پہنچے تو امام اور دیگر مقتدیوں کے ساتھ کھڑا ہو، کھڑے کھڑے انتظار کرنا مکروہ ہے۔ فقہ کی درجنوں کتابوں میں اس مسئلے کی صراحت موجود ہے۔

مگر نہ جانے کب سے اس مسئلہ کے خلاف عمل ہونے لگا، اور عوام و خواص سبھی اس خلافِ سنّت رواج کے شکار ہو گئے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے اپنے فتاویٰ میں اس مسئلے کو فقہا و ائمہ کے اقوال اور شرعی دلائل سے خوب خوب مستحکم فرمایا، اور زبان و قلم اور کردار و عمل سے اس مردہ سنت کو زندہ فرمایا، یہاں تک کہ مسجدوں میں اس پر ایسا عمل ہونے لگا کہ یہ سنیت کی واضح نشانی بن گئی۔ اس طرح آپ نے اپنے زبان و قلم کے ذریعہ دین کی تجدید و احیا کا کام سرانجام دیا۔

سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے والہانہ تعلق :

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کو غوث اعظم، قطبِ ربانی حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات سے والہانہ تعلق تھا، آپ صحیح معنوں میں عاشقِ غوث اعظم تھے، آپ کی محفلیں ان کے ذکر سے معمور رہتیں۔ آپ کا نہاں خانۂ دل سرکارِ غوثیت مآب کی بابرکت یادوں سے آباد رہتا۔ آپ کے یہاں بچپن ہی سے بارگاہِ قادریت کا ادب ملحوظ رہا۔ چھ برس کی عمر میں معلوم ہو گیا کہ بغداد شریف کس سمت ہے اس وقت سے اس طرف کبھی پاؤں نہ پھیلایا۔ سمتِ قبلہ کا احترام تو آدابِ شرع میں داخل ہے مگر سمتِ مرشد کا ادب بارگاہِ عشق کا حصہ ہے۔ اسی لیے اعلیٰ حضرت نے فتویٰ کی زبان میں تو یہی لکھا کہ جانبِ شمال پاؤں پھیلا کر سونے میں کوئی ممانعت نہیں، ہاں اگر اس خیال سے بچتا ہے کہ اس سمت بغداد شریف ہے اور مسجدِ اقصیٰ قبلۂ انبیا ہے تو یہ ایک معقول وجہ ہے۔ ۵۷؎

اعلیٰ حضرت خود اپنا ایک خواب بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> ''ایک بار میں نے دیکھا کہ حضرت والد ماجد کے ساتھ ایک سواری ہے بہت نفیس اور اونچی بھی تھی۔ والد ماجد نے کمر پکڑ کر سوار کیا اور فرمایا: گیارہ درجے تک تو ہم نے پہنچا دیا، آگے اللہ مالک ہے۔ میرے خیال میں اس سے مراد غلامی ہے سرکار غوثیت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی۔'' ۵۸؎

امام احمد رضا کو سرکارِ غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیسی گہری عقیدت تھی اس کا اندازہ حضرت محدث اعظم مولانا سید محمد اشرفی جیلانی کچھوچھوی علیہ الرحمہ کے اس بیان سے ہوتا ہے جو انھوں نے جشنِ ولادت اعلیٰ حضرت منعقدہ ناگپور ۱۳۷۹ھ کے خطبۂ صدارت میں دیا ہے:

> ''اعلیٰ حضرت نے مجھے کارِ افتا پر لگانے سے پہلے خود گیارہ روپے کی شیرینی منگائی۔ اپنے پلنگ پر مجھ کو بٹھا کر اور شیرینی رکھ کر فاتحہ غوثیہ کر کے دستِ کرم سے شیرینی مجھ کو بھی عطا فرمائی، اور حاضرین میں تقسیم کا حکم دیا کہ اچانک اعلیٰ حضرت پلنگ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ سب حاضرین کے ساتھ میں بھی اٹھ کھڑا ہوا کہ شاید کسی حاجت سے اندر تشریف لے جائیں گے، لیکن حیرت بالائے حیرت یہ ہوئی کہ اعلیٰ حضرت زمین پر اکڑوں بیٹھ گئے، سمجھ میں نہ آیا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ دیکھا تو یہ دیکھا کہ تقسیم کرنے والے کی غفلت سے شیرینی کا ایک ذرّہ زمین پر گر گیا تھا، اور اعلیٰ حضرت اس ذرّے کو نوکِ زبان سے اٹھا رہے ہیں۔ اور پھر اپنی نشست گاہ پر بدستور تشریف فرما ہوئے۔ اس واقعہ کو دیکھ کر سارے حاضرین سرکار غوثیت کی عظمت و محبت میں ڈوب گئے۔ اب میں سمجھا کہ بارہا مجھ سے جو فرمایا گیا کہ کچھ نہیں، یہ آپ کے جدِّ امجد (سرکار غوث پاک) کا صدقہ ہے وہ مجھے خاموش کر دینے ہی کے لیے نہ تھا اور نہ صرف مجھ کو شرم دلانا مقصود تھا، بل کہ درحقیقت اعلیٰ حضرت، غوث پاک کے ہاتھ میں ''چوں قلم در دستِ کاتب'' تھے۔''

وہ بارگاہِ قادریت کی غلامی میں ایسے غیرت مند تھے کہ کبھی بزرگانِ دین اور مشائخ طریقت سے محبت و احترام کے باوجود کسی اور سے اپنی حاجت روائی کی درخواست کرنا بھی گوارا نہ کرتے تھے۔

الملفوظ میں ہے کہ ایک صاحب نے عرض کیا:

''عرض: حضرت سیدی احمد زروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ جب کسی کو تکلیف پہنچے ''یا زروق'' کہہ کر ندا کرے میں

فوراً اس کی مدد کروں گا۔

ارشاد : مگر میں نے کبھی اس قسم کی مدد نہ طلب کی۔ جب کبھی میں نے استعانت کی ''یاغوث'' ہی کہا۔ یک در گیر، محکم گیر۔ میری عمر کا تیسواں سال تھا کہ حضرت محبوب الٰہی (شیخ نظام الدین اولیا علیہ الرحمہ) کی درگاہ میں حاضر ہوا۔ احاطہ میں مزامیر وغیرہ کا شور مچا تھا، طبیعت منتشر ہوتی تھی۔ میں نے عرض کیا: حضور! میں آپ کے دربار میں حاضر ہوا ہوں، اس شور وشغب سے مجھے نجات ملے، جیسے ہی پہلا قدم روضۂ مبارک میں رکھا ہے کہ معلوم ہوا سب ایک دم چپ ہو گئے ہیں، سمجھا کہ واقعی سب لوگ خاموش ہو گئے۔ قدم درگاہ شریف سے باہر نکالا پھر وہی شور وغل تھا، پھر اندر قدم رکھا پھر وہی خاموشی۔ معلوم ہوا کہ یہ سب حضرت کا تصرف ہے۔ یہ بیّن (اور کھلی ہوئی) کرامت دیکھ کر مدد مانگنی چاہی، بجائے حضرت محبوب الٰہی رضی اللہ عنہ کے نام مبارک کے ''یاغوثاہ'' زبان سے نکلا، وہیں میں نے ''اکسیر اعظم'' (۱۳۰۲ھ) قصیدہ بھی تصنیف کیا۔ (پھر ارشاد فرمایا) ارادت شرطاً اہم ہے بیعت میں، بس مرشد کی ذرا سی توجہ درکار رہے۔ اور دوسری طرف اگر ارادت نہیں تو کچھ نہیں ہوسکتا۔''۵۹؎

اس قصیدے میں عرض کرتے ہیں:

سر توئی، سرور توئی، سر را سروساماں توئی ‏ جاں توئی، جاناں توئی، جاں را قرارِ جاں توئی

بہر پایت خواجۂ ہنداں شہِ کیواں جناب ‏ بل علی عینی ورا سی گوید کہ آں خاقاں توئی

بندہ ات غیرت برد، گر بردرِ غیرت رود ‏ ور رود چوں بنگرد ہم شاہِ آں ایواں توئی

مولانا شاہ محمد ابراہیم قادری برکاتی مدراسی حیدرآبادی نے اطلاع دی کہ مولانا وکیل احمد سکندر پوری قصیدۂ غوثیہ کی شرح لکھ رہے ہیں، اور کچھ لوگوں کو اس قصیدہ کی عربیت پر کلام ہے، ان کا رد بھی اچھی طرح کر رہے ہیں۔ آپ اس قصیدے کی نسبت اور عربیت سے متعلق کیا فرماتے ہیں؟

اعلیٰ حضرت نے جواب میں اولاً اس کی نسبت کی صحت ثابت کی، پھر اس کی عربیت سے متعلق دس نکات تحریر فرمائے۔ جن میں یہ مان کر کہ ممکن ہے اس کی عربیت میں کمی ہے بطور تنزّل کلام کیا، اور نکتۂ ثانیہ میں اکابر علما و ادبا کی تیس عبارتیں پیش کیں جن میں قواعدِ عربی کی رعایت نہ تھی وہ بھی نثر میں۔ جواب کے آخر میں فرماتے ہیں:

> ''الحمد للہ، کلام اپنے منتہا کو پہنچا اور ارتیاب مرتاب اپنی سزا کو۔ مگر ابھی تو ہمیں حضرتِ معترض کی مزاج پرسی کرنی ہے۔ ذرا مہربانی فرما کر اپنے اعتراضاتِ تفصیلی سے اطلاع دیں اور اس وقت جوابِ تفصیلی کے مرتبے میں ہم پر ہمارے آقا کا فیضان دیکھیں۔ ہاں ہاں، اصلاً نہ شرمائیں۔ جہاں تک اعتراض خاطر میں آئیں، سب ایک ایک کر کے بیان فرمائیں۔ کچھ اٹھا رکھنے کی تکلیف ہرگز نہ اٹھائیں۔ ہم بھی تو جانیں کہ قصیدہ مبارکہ میں ایسے کیا کچھ اغلاط دیکھ پائے ہیں، جن کی بنا پر یہ شور اٹھائے ہیں۔''۶۰؎

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے سرکارِ غوثیت مآب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک منقبت میں لکھا:

بندہ مجبور ہے خاطر پہ ہے قبضہ تیرا

یہ سرکار غوث اعظم کے ایک ارشاد کا ترجمہ ہے، بعض حضرات کو اس پر اعتراض ہوا۔ اسی طرح مشہور نعت پاک ''حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو'' میں لفظ ''شہنشاہ'' پر ایک صاحب کو ممانعت اور ناجائز ہونے کا خدشہ ہوا، ان دونوں اعتراضات کے جواب میں آپ نے

ایک رسالہ لکھا جس کا نام رکھا ''**فقه شهنشاه و ان القلوب بيد المحبوب بعطاء الله**'' (۱۳۲۶ھ)

بہجۃ الاسرار شریف اور دیگر اکابر کی کتابوں میں خود سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک نماز مروی ہے جس کا نام ''صلاۃ الاسرار'' ہے، اس میں بعد نماز بغداد شریف کی طرف گیارہ قدم چلتے ہوئے سرکارِ غوثیت سے استمداد بھی ہے۔ غوث اعظم فرماتے ہیں جو حاجت ہو پوری کی جائے گی یہ نماز اولیائے کرام کے معمولات و مجربات سے ہے۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

حسنِ نیت ہو خطا پھر کبھی کرتا ہی نہیں — آزمایا ہے یگانہ ہے دوگانہ تیرا

کچھ منکرینِ استعانت و توسل کو اس پر اعتراض ہوا، اس کے جواب میں ایک رسالہ لکھا جس کا نام ''انہار الانوار من یم صلاۃ الاسرار'' رکھا جس میں اکابرِ امت اور اکابرِ منکرین سے اس کا جواز ثابت کیا، اور بہت سے اہم صوفیانہ نکات بھی اس میں تحریر فرمائے۔

ان ساری تفصیلات کے پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق اعلیٰ حضرت نے جو عرض کیا ہے کہ ؎

میری قسمت کی قسم کھائیں سگانِ بغداد — ہند میں بھی ہوں تو دیتا رہوں پہرا تیرا

یہ صرف شاعرانہ دعویٰ نہیں، بل کہ حقیقت بھی یہی ہے کہ انھوں نے ناموسِ غوثیت کی حفاظت اور فضائل قادریت کے اظہار واعلان میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ ان کی اسی عقیدت و محبت کا ثمرہ ہے کہ مشکل مسائل میں حضرت سیدنا غوث اعظم کی جانب سے ان پر فیوض و برکات اور علمی دقائق و نکات کی وہ بارش ہوئی کہ آپ کی کتابیں پڑھ کر اہل علم انگشت بدنداں ہیں۔

امام احمد رضا نثر کی طرح نظم میں بھی سیدنا غوث اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کی بارگاہِ اقدس میں عشق و عقیدت کے موتی لٹاتے ہوئے نظر آتے ہیں، انھوں نے سرکارِ غوث پاک کی شان میں کئی طویل منقبتیں بھی کہی ہیں جو ان کے دیوان ''حدائق بخشش'' میں چھپ چکی ہیں، جن کے مطالعہ کے بعد یہ تاثر ہر قاری کے ذہن پر مرتسم ہو جاتا ہے کہ انھیں بارگاہِ قادریت سے بے پناہ عشق تھا۔ ان کی یہ منقبت اہل عشق و عرفان کی محفلوں میں بڑے والہانہ انداز میں پڑھی اور سنی جاتی ہے۔

تو ہے وہ غوث کہ ہر غوث ہے شیدا تیرا — تو ہے وہ غیث کہ ہر غیث ہے پیاسا تیرا
سورج اگلوں کے چمکتے تھے چمک کر ڈوبے — افقِ نور پہ ہے مہر ہمیشہ تیرا
سارے اقطاب جہاں کرتے ہیں کعبہ کا طواف — کعبہ کرتا ہے طوافِ درِ والا تیرا
تو ہے نوشاہ، براتی ہے یہ سارا گلزار — لائی فصلِ سمن گوندھ کے سہرا تیرا
گیت کلیوں کی چٹک، غزلیں ہزاروں کی چہک — باغ کے سازوں میں بجتا ہے ترانہ تیرا
صفِ ہر شجرہ میں ہوتی ہے سلامی تیری — شاخیں جھک جھک کے بجا لاتی ہیں مجرا تیرا
کس گلستاں کو نہیں فصلِ بہاری سے نیاز — کون سے سلسلہ میں فیض نہ آیا تیرا
نہیں کس چاند کی منزل میں ترا جلوۂ ناز — نہیں کس آئینہ کے گھر میں اجالا تیرا
راج کس شہر میں کرتے نہیں تیرے خدام — باج کس نہر سے لیتا نہیں دریا تیرا
مزرعِ چشت و بخارا و عراق و اجمیر — کون سے کشت پہ برسا نہیں جھالا تیرا

جو ولی قبل تھے یا بعد ہوئے یا ہوں گے سب ادب رکھتے ہیں دل میں مرے آقا تیرا

سرکارِ غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپ کی گہری عقیدت اور والہانہ تعلق خاطر کا اعتراف غیر جانب دار لوگوں کو بھی ہے۔ مشہور آزاد خیال ادیب و تنقید نگار نیاز فتح پوری نے آپ کے نعتیہ کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

''مولانا حسرت موہانی اور مولانا بریلوی میں ایک شی قدرِ مشترک تھی، اور وہ ہے غوث الاعظم کی ذاتِ والا صفات، جن سے دونوں کی گہری وابستگی تھی۔ مولانا حسرت موہانی کی زبان سے اکثر میں نے مولانا بریلوی کا یہ شعر سنا ہے ؎

تیری سرکار میں لاتا ہے رضاؔ اس کو شفیع جو مرا غوث ہے اور لاڈلا بیٹا تیرا ۶۱؎

تصنیف و تالیف :

امام احمد رضا قدس سرہٗ نے علمی ماحول میں پرورش پائی جہاں درس و تدریس، وعظ و تقریر، ہدایت و ارشاد اور سب سے بڑھ کر تصنیف و تالیف کا دور دورہ تھا، والد گرامی علامہ نقی علی خاں بریلوی ایک بلند پایہ مصنف اور قلم کار تھے، اور آپ کا طبعی میلان بھی دوسرے علمی میدانوں سے زیادہ تصنیف و تالیف کی طرف تھا۔ گھر کے علمی ماحول نے اس میں سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ اس کے علاوہ یہ تاریخی حقیقت بھی آپ کے پیش نظر تھی کہ تصنیف و تالیف کے مقابلے میں وعظ و تقریر اور درس و تدریس کے اثرات وقتی، عارضی اور ناپائدار ہوتے ہیں جب کہ تصنیف و تالیف کے اثرات مستحکم، پائدار اور رہتی دنیا تک باقی رہنے والے ہوتے ہیں۔ دنیا میں بے شمار رجالِ فکر و فن پیدا ہوئے، جو مختلف علوم و فنون میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے، وہ علم کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر اور فکر و فن کا کوہ ہمالہ تھے، انھوں نے اپنی تدریس و تقریر کے ذریعہ ایک عالم کو مستفیض فرمایا، اور علم و آگہی کا اجالا پھیلا کر جہالت و گمرہی کی تاریکی دور کی۔ مگر آج دنیا ان کے نام سے بھی واقف نہیں، نہ یہ معلوم کہ وہ کہاں کہاں کے رہنے والے تھے؟ کن کن علوم و فنون میں انھیں کمال حاصل تھا؟ انھوں نے کس کس طریقے سے دین و علم کی خدمات انجام دیں؟ ان خدمات کی تفصیلات کیا ہیں؟ اور اگر کچھ علم بھی ہوا تو دوسرے اہل علم کی تحریر و تصنیف کے ذریعہ۔ لیکن ہر باشعور انسان سمجھتا ہے کہ ''سنے ہوئے'' اور ''دیکھے ہوئے'' میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ **لیس الخبر کالمعاینة**، شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔ اس کے برخلاف امام غزالی، امام رازی، امام ابن حجر عسقلانی، امام بدرالدین عینی، حافظ جلال الدین سیوطی، امام محمد بن حسن شیبانی، اصحابِ صحاحِ ستہ اور بے شمار اصحابِ تصانیف علما و فضلا نے اپنے پیچھے علمی نقوش و آثار چھوڑے، دنیا آج تک ان کی کتابوں سے براہِ راست فیض اٹھا رہی ہے۔ اور قیامت تک وہ کتابیں علم و فن کا چشمۂ شیریں بن کر تشنگانِ علوم کی پیاس بجھاتی رہیں گی۔

یہی سب بنیادیں تھیں جن کی بنا پر امام اہل سنت، سیدی اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تدریس و تقریر سے زیادہ تصنیف و تالیف کی طرف توجہ فرمائی اور ہوش سنبھالتے ہی اس کام کا آغاز فرما دیا۔ آٹھ برس کی عمر میں ہدایۃ النحو کی عربی زبان میں شرح لکھی۔ تیرہ برس کی عمر میں حمد و ہدایت کی تعریف میں عربی زبان میں ایک رسالہ تصنیف فرمایا جس کا نام ''**ضوء النهاية فی اعلام الحمد و الهداية**'' رکھا۔ ۶۲؎ اور پھر تو زندگی بھر تصنیف و تالیف کا یہ سلسلہ برابر چلتا رہا، آپ نے جس موضوع پر بھی قلم اٹھایا، اس کے تمام ضروری گوشوں پر گفتگو فرمائی اور اس میں کوئی نہ کوئی علمی نکتہ ضرور یادگار چھوڑا، تحقیق اور جامعیت آپ کی ساری تصانیف کا طرۂ امتیاز ہے۔

ملک العلما علامہ ظفر الدین رضوی بہاری علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب ''المجمل **المعدد لتالیفات** المجدد'' میں تین سو پچاس تصانیف کے نام شمار کرائے ہیں اور یہ بھی صراحت کی ہے کہ وہ کس زبان اور کس موضوع پر ہیں۔ یہ وہ تصانیفِ رضویہ ہیں جو ۱۳۲۷ھ کے

ابتدائی مہینوں میں معرضِ تحریر میں آ چکی تھیں۔ اس کے بعد اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان تیرہ سال باحیات رہے، اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ برابری جاری رہا۔ اس تیرہ سال کی مدت میں امام احمد رضا قدس سرہٗ نے کتنی کتابیں تحریر فرمائیں، اس کی باضابطہ کوئی فہرست مرتب نہ ہو سکی۔ جب کہ اس زمانہ میں حضرتِ امام بریلوی کا اشہبِ قلم پہلے کی بہ نسب زیادہ برق رفتار اور فکر زیادہ پختہ اور مضامین کی آمد کا اوسط کچھ زیادہ ہی رہا ہوگا۔ اس لیے اس مدت کی تصانیف کچھ زیادہ ہی ہوں گی۔

پھر حضرت ملک العلما علیہ الرحمۃ والرضوان نے ۱۳۲۷ھ کے اوائل تک تصانیف کی جو تعداد اپنے رسالہ ''المجمل المعدد'' میں لکھی ہے وہ بھی حتمی اور یقینی نہیں، بل کہ ان کی اس وقت کی تلاش و جستجو کے پیش نظر تھی۔ اگر اس سے زیادہ تلاش و جستجو ہوتی تو بہت سی اور تصانیف بھی ملتیں۔ خود حضرت ملک العلما علیہ الرحمہ نے ''المجمل المعدد'' میں اس کا اعتراف کچھ اس طرح کیا ہے:

''یہ مجموعہ مع ذیل بعض تالیفات اصحاب واحباب محرم ۱۳۲۷ھ تک ساڑھے تین سو تصنیفیں ہیں، میں یہ نہیں کہتا کہ سب اسی قدر ہیں، بل کہ یہ صرف وہ ہیں جو اس وقت کے استقرا میں میرے پیش نظر ہیں، فضلِ خدا سے امید واثق کہ تمام قدیم و جدید بستوں پر نظر کی جائے تو کم و بیش پچاس رسالے اور نکلیں، کہ پہلی بار اوائلِ صفر میں یہ فقیر اپنے زعم میں تمام تصنیفات کی فہرست مکمل کر چکا تھا، پھر دوبارہ قدیم بستے اور فتاویٰ کی جلدیں دیکھنے سے چھیانوے رسالے اور نکلے جس میں بعض مطبوعات سے تھے کہ باوصفِ طبع مجھے یاد نہ آئے اور باقی سب مبیضہ پائے۔ وللہ الحمد۔''۶۳

یہی حضرت ملک العلما، حیات اعلیٰ حضرت حصہ اول میں (جو کہ ۱۳۶۹ھ/ ۱۹۳۸ء میں تالیف ہوئی) لکھتے ہیں:

''درحقیقت اعلیٰ حضرت کی تصانیف چھ سو سے زیادہ ہیں جس کا مفصل بیان حیات اعلیٰ حضرت حصہ دوم میں آتا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔''۶۴

لیکن حیاتِ اعلی حضرت حصہ دوم میں انھیں ساڑھے تین سو تصنیفات کا بیان سنِ تصنیف کے اعتبار سے درج ہے۔ جب کہ خود اسی میں آپ کا یہ بیان بھی ہے:

'' اس (المجمل المعدد کی تالیف) کے بعد جب ذی قعدہ ۱۳۶۲ھ میں چار مہینے کی فرصت لے کر اعلیٰ حضرت کی تصنیفات کی اشاعت کے سلسلے میں بریلی شریف میں قیام کا موقع ملا تو ۱۳۲۷ھ کے بعد سے وصال تک جس قدر تصنیفات فرمائی تھیں ان کو بطور ضمیمہ اس رسالہ کے اضافہ کیا اب جملہ تصنیفات چھ سو سے فاضل ہیں۔''۶۵

اس کے باوجود اس میں جو تصانیف درج ہیں وہ وہی ساڑھے تین سو ہیں جو المجمل المعدد میں چھپ چکی ہیں، بقیہ تصنیفات کی کوئی فہرست حیات اعلیٰ حضرت جلد دوم کیا، کسی جلد میں موجود نہیں ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ حضرت ملک العلما علیہ الرحمۃ نے علاحدہ سے کوئی فہرست بنائی ہوگی جو حیاتِ اعلیٰ حضرت میں شامل کرنی تھی لیکن اس کا مسودہ غائب ہو گیا ہو، یا کسی ''امانت دار'' کے ہاتھ لگ گیا ہو اور کسی ''تہ خانے'' میں محفوظ ہو۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

ویسے اکتوبر و دسمبر ۱۹۶۲ء کے ماہنامہ اعلیٰ حضرت، بریلی شریف میں تصانیفِ رضویہ کی ایک فہرست شائع ہوئی ہے جس میں ''المجمل المعدد'' سے کہیں زیادہ کتب و حواشی کے نام درج ہیں، شاید یہ وہی فہرست ہو جو حضرت ملک العلما نے بعد میں بنائی تھی، لیکن اس میں مرتب کی حیثیت سے حضرت ملک العلما کا کہیں ذکر نہیں۔

حضرت علامہ عبد المبین نعمانی مصباحی رکن المجمع الاسلامی مبارک پور نے بڑی محنت اور کاوش سے ایک فہرستِ تصنیفات مرتب

فرمائی ہے جس میں چھ سو چوراسی کتب ورسائل وحواشی کے نام درج ہیں۔ یہ فہرست المجمع الاسلامی، مبارک پور کے زیر اہتمام رضا اکیڈمی، ممبئی سے صفر ۱۴۲۵ھ/ اپریل ۲۰۰۴ء کو ''تصانیفِ امام احمد رضا'' کے نام سے چھپ چکی ہے۔اور حضرت شیر بیشۂ اہل سنت مولانا حشمت علی خاں لکھنوی علیہ الرحمۃ نے ترجمان اہل سنت (شمارہ پنجم، ص ۸۷) پر تحریر فرمایا کہ اعلیٰ حضرت کی تصنیفات مبارکہ ایک ہزار سے بھی زائد ہیں۔(سوانح اعلیٰ حضرت، از مولانا بدرالدین احمد رضوی، ص ۳۹۵، مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی ۱۴۲۲ھ)

تصانیف کی اس کثرتِ تعداد کو دیکھتے ہوئے میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کی ذاتِ گرامی اسلامی تاریخ کی ان چند عبقری، باکمال اور نامور ہستیوں میں نمایاں ہے جنھوں نے اپنے پیچھے امتِ مسلمہ کی ہدایت ورہنمائی کے لیے تصنیفات کا ایک لمبا سلسلہ چھوڑا۔ اس باب میں امام محمد بن حسن شیبانی، امام ابن حجر عسقلانی، امام جلال الدین سیوطی کے بعد مجدد اسلام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ والرضوان کا نام سپہرِ علم وفضل پر بدر کامل کی طرح چمکتا دمکتا نظر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرتِ امام کی تربتِ انور پر ہمیشہ اپنے رحمت وغفران کی بارش فرمائے اور انھیں اپنی بارگاہِ کریم سے اس کی وہ جزا عطا فرمائے جو اس کے شانِ جود وعطا کے لائق ہے ۔آمین

امام احمد رضا کی تصنیفات تین زبانوں میں ہیں۔(۱) عربی (۲) اردو (۳) فارسی۔ ''تصانیف امام احمد رضا'' مرتبہ مولانا عبدالمبین نعمانی قادری مصباحی کے مطابق عربی میں دوسو چھپن (۲۵۶)، فارسی میں چھپن (۵۶) اور اردو میں تین سو بہتر (۳۷۲) تصنیفات ہیں۔ حضرت ملک العلما علیہ الرحمۃ کے بیان کے مطابق یہ کتابیں پچاس فنون وموضوعات پر ہیں جن کی تفصیل حیاتِ اعلیٰ حضرت جلد دوم ص ۵۰ پر دیکھی جاسکتی ہے۔ جب کہ حضرت مولانا نعمانی صاحب دام ظلہ نے ''تصانیف امام احمد رضا'' میں اکیاون فنون میں کتابیں شمار کرائی ہیں۔ سب سے زیادہ کتابیں فقہ میں ہیں جن کی تعداد دوسو ترپن ہے۔ ان میں فتاویٰ رضویہ جیسا عظیم مجموعہ فتاویٰ بھی ہے جو بارہ جلدوں میں پھیلا ہوا ہے۔ حدیث واصول حدیث واسماء الرجال میں ستاون کتابیں ہیں جب کہ تفسیر واصولِ تفسیر میں کتابوں کی تعداد سولہ اور عقائد وکلام میں ایک سو چوبیس تصنیفات ہیں۔

آپ کی تصانیف میں ''فتاویٰ رضویہ، الدولۃ المکیہ، کفل الفقیہ الفاہم، کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن، الفضل الموہبی فی معنی اِذا صح الحدیث فہو مذہبی، منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین، جد الممتار علی رد المحتار، الکشف شافیا حکم فونو جرافیا، شمائم العنبر فی ادب النداء امام المنبر، اجلی الاعلام بأن الفتوی مطلقاً علی قول الامام، المعتمد المستند بناء نجاۃ الابد، حدائق بخشش، فوز مبین در رد حرکتِ زمین نسبتاً زیادہ اہم اور گراں قدر ہیں۔

میں اخیر میں امام احمد رضا قدس سرہ کی تصانیف کی اہمیت وافادیت کے تعلق سے پاکستان کے مشہور دانش ور اور بلند پایہ مفکر مولانا کوثر نیازی کا ایک بیان نذر قارئین کرتا ہوں جس سے تصنیفات رضویہ کے علمی، تحقیقی اور افادی پہلو کو سمجھنے میں کافی مدد ملے گی۔ وہ فرماتے ہیں:

> ''قرطاس وقلم سے میرا تعلق دو چار سال ہی کی بات نہیں، نصف صدی کی بات ہے۔ اس دوران وقت کے بڑے بڑے اہل علم وقلم، مشائخ وعلما کی صحبت میں بیٹھ کر استفادہ کرنے کا موقع ملا اور ان کے درس میں شریک رہا۔ اور اپنی بساط کے مطابق فیض حاصل کرتا رہا۔ زندگی میں، میں نے اتنی روٹیاں نہیں کھائی ہیں جتنی کثیر تعداد میں کتابیں پڑھی ہیں۔ میری اپنی ذاتی لائبریری میں دس ہزار سے زیادہ کتابیں ہیں وہ سب مطالعہ سے گزری ہیں۔ ان سب کے مطالعہ کے دوران امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتب نظر سے نہیں گزری تھیں۔ اور مجھے محسوس ہوتا تھا کہ علم کا خزانہ پالیا ہے

اور علم کا سمندر پار کرلیا ہے۔علم کی ہر جہت تک رسائی حاصل کر لی ہے۔مگر جب امام اہل سنت کی کتابیں مطالعہ کیں اوران کے دروازے پر دستک دی اور فیضیاب ہوا تو اپنے جہل کا احساس اور اعتراف ہوا۔یوں لگا کہ ابھی تو میں علم کے سمندر کے کنارے کھڑا صرف سیپیاں چن رہا تھا۔علم کا سمندر تو امام کی ذات ہے۔امام کی تصانیف کا جتنا مطالعہ کرتا ہوں عقل اتنی ہی حیران ہوتی چلی جاتی ہے اور یہ کہے بغیر نہیں رہا جاتا کہ امام احمد رضا،حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزوں میں سے ایک معجزہ ہے جسے اللہ نے اتنا وسیع علم دے کر دنیا میں بھیجا ہے کہ علم کی کوئی جہت ایسی نہیں کہ جس پر امام کو مکمل دسترس حاصل نہ ہو۔اور اس پر کوئی تصنیف نہ لکھی ہو۔یقیناً آپ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علوم کے صحیح جانشین تھے جس سے ایک عالم فیض یاب ہوا۔

فقہ حنفی میں ہندوستان میں دو کتابیں مستند ترین ہیں۔ان میں سے ایک ''فتاویٰ عالمگیریہ'' ہے جو دراصل چالیس علما کی مشترکہ خدمت ہے۔دوسرا ''فتاویٰ رضویہ'' ہے جس کی انفرادیت یہ ہے کہ جو کام چالیس علما نے مل کر انجام دیا وہ اس مرد مجاہد نے تنہا کر کے دکھا دیا۔اور یہ مجموعہ ''فتاویٰ رضویہ'' ''فتاویٰ عالمگیریہ'' سے زیادہ جامع ہے اور میں نے جو آپ کو امام ابوحنیفہ ثانی کہا ہے وہ صرف محبت یا عقیدت میں نہیں کہا بلکہ ''فتاویٰ رضویہ'' کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات کہہ رہا ہوں کہ آپ اس دور کے ابوحنیفہ ہیں۔آپ کے فتاویٰ میں مختلف علوم وفنون پر جو بحثیں کی گئی ہیں ان کو پڑھ کر بڑے بڑے علما کی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔کاش کہ اعلیٰ حضرت کی حیات اس دور کو میسر آجاتی تاکہ آج کل کے پیچیدہ مسائل حل ہو سکتے۔کیونکہ آپ کی تحقیق حتمی ہوتی،مزید کی گنجائش نہ ہوتی۔''٦٦؎

وفات :

امام احمد رضا قدس سرہٗ العزیز پوری زندگی قرآن وسنت کا پیغام عام کرتے رہے،خلقِ خدا کی ہدایت و رہنمائی کا سامان کرتے رہے،بدعات وخرافات اور کفر وضلالت کے علم برداروں کو اپنے تیشۂ قلم سے زخمی و بے جان کرتے رہے،بالآخر ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ مطابق ۲۸ / اکتوبر ۱۹۲۱ء دوپہر ۲ بج کر ۳۸ منٹ پر جمعہ کے دن آپ اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کا سنِ وصال آیتِ کریمہ ''وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّ اَكْوَابٍ'' سے برآمد ہوتا ہے۔اس آیت کریمہ کے اعداد بقاعدۂ ابجد ۱۳۴۰ نکلتے ہیں،اور اگر شروع سے ''وٗ'' حذف کر کے یہ آیت پڑھی جائے تو اس سے ۱۳۳۴ کے اعداد نکلتے ہیں۔۱۳۳۴ھ میں محدثِ سورتی حضرت علامہ وصی احمد علیہ الرحمۃ والرضوان کا وصال ہوا تھا۔

ملک العلما حضرت علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ کا بیان ہے کہ استاذی الکریم حضرت محدث سورتی علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد تعزیت کے لیے میں پیلی بھیت حاضر ہوا،اس کے بعد بریلی شریف،اعلیٰ حضرت کی قدم بوسی کے لیے بھی حاضری دی۔ایک دن اعلیٰ حضرت نے گفتگو کے دوران فرمایا کہ میں نے حضر محدث صاحب کی تاریخ وفات آیت کریمہ سے پائی،جس سے ان کا مرتبہ بھی معلوم ہوتا ہے اور پھر آپ نے یہ آیتِ کریمہ تلاوت فرمائی: ''يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّ اَكْوَابٍ'' اسی وقت میں نے آیت کریمہ کے اعداد جوڑے تو ''۱۳۳۴'' نکلے۔لیکن میرے دل میں ایک کھٹک تھی جس کو زبان پر لانے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔اعلیٰ حضرت نے اپنی روشن ضمیری اور فراستِ ایمانی سے اسے بھانپ لیا اور فرمایا: کیا کچھ کہنا چاہتے ہیں؟ اتنا اشارہ پا کر میں نے عرض کیا: آیتِ کریمہ ''وَيُطَافُ ---ہے۔

اس پر تبسم فرمایا اور کہا کہ پوری آیت اُس بندۂ خدا کی تاریخ ہوگی جس کا انتقال چھ سال بعد ۱۳۴۰ھ میں ہوگا۔ اس وقت میرا ذہن حضور کی طرف نہ گیا لیکن جب ۱۳۴۰ھ آپ کا وصال ہوا تو سمجھ میں آیا کہ اس دن اعلیٰ حضرت نے اپنی ہی طرف اشارہ فرمایا تھا، مگر میں سمجھ نہ سکا تھا۔

نبیرۂ محدث سورتی مولانا قاری احمد صاحب کا بیان ہے کہ وصال کے بعد جب اعلیٰ حضرت کو غسل دینے کے لیے بستر سے اٹھایا گیا تو سرہانے سے ایک کاغذ برآمد ہوا جس پر سورۂ دہر کی یہ آیت کریمہ لکھی ہوئی تھی ''وَ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ'' نیچے لکھا ہوا تھا اگر اس آیت کو واو سمیت پڑھا جائے تو میرے انتقال کی تاریخ نکلتی ہے، اور اگر بغیر واو کے پڑھیں تو حضرت مولانا شاہ وصی احمد سورتی کے انتقال کی تاریخ نکلتی ہے۔ ۶۷

وصال سے دو روز قبل چہارشنبہ کو بڑی شدت سے لرزہ ہوا، جناب حکیم حسین رضا خاں کو نبض دکھائی۔ انھیں نبض نہ ملی دریافت فرمایا: نبض کی کیا حالت ہے؟ انھوں نے گھبراہٹ اور پریشانی میں عرض کردیا: ضعف کے سبب نہیں ملتی۔ اس پر دریافت فرمایا: آج کون سا دن ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: چہارشنبہ ہے ارشاد فرمایا: جمعہ پرسوں، یہ فرما کر دیر تک ''حسبنا اللہ ونعم الوکیل'' پڑھتے رہے۔ حضرت ملک العلما فرماتے ہیں: میں اس وقت حاضر تھا۔ کہنے والے نے میرے دل میں فوراً کہہ دیا کہ امام اہل سنت جمعہ کو ہم میں رہنے والے نہیں۔

پنج شنبہ کی رات اہل بیت نے چاہا کہ جاگیں، شاید کوئی ضرورت ہو منع فرمایا۔ جب انھوں نے زیادہ اصرار کیا تو ارشاد فرمایا: انشاء اللہ یہ رات وہ نہیں ہے جو تمھارا خیال ہے، تم سب سو رہو، وصال کے روز ارشاد فرمایا: پہلے جمعہ میں کرسی پر جانا ہوا، آج چارپائی پر جانا ہوگا پھر فرمایا میری وجہ سے نمازِ جمعہ میں تاخیر نہ کرنا۔

چودھری عبدالحمید خاں، رئیس سہاور (مصنف کنز الآخرہ) جو اعلیٰ حضرت کے نہایت مخلص عقیدت کیش تھے۔ وصال سے کچھ پہلے ملنے کے لیے تشریف لائے۔ اور اعلیٰ حضرت سے عرض کیا کہ حکیم عابد علی خاں کوثر، سیتاپور کے ایک پرانے طبیب ہیں، صحیح العقیدہ سنی اور فقیر دوست ہیں۔ میرے خیال میں انھیں بلالیا جائے۔ اس پر اعلیٰ حضرت نے ارشاد فرمایا: انسان آخر وقت تک تدبیر نہیں چھوڑتا، اور یہ نہیں سمجھتا کہ اب تدبیر کا وقت نہیں رہا۔

جمعہ کے روز صبح ہی سے سفر آخرت کی تیاریاں ہوتی رہیں۔ جائداد کے متعلق وقف نامہ کی تکمیل فرمائی۔ جائداد کی چوتھائی آمدنی مصرفِ خیر میں رکھی۔ باقی اپنے ورثہ پر شرعی حصوں کے مطابق وقف علی الاولاد فرمادی۔ پھر وصال سے دو گھنٹہ ۱۵ منٹ پہلے وصیتیں لکھوائیں جو ''وصایا شریف'' کے نام سے ایک مستقل رسالہ کی شکل میں چھپ چکی ہیں۔ ۶۸

اور دوپہر ۲ ربج کر ۳۸ رمنٹ پر آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ ۶۹ نمازِ جنازہ میں خلائق کا زبردست ہجوم تھا۔ اس لیے عید گاہ کے وسیع میدان میں دوسرے دن ۲۶ رصفر کو نمازِ جمعہ ادا کی گئی۔ اور ۴ ربجے مسجد رضوی کے پہلو میں آپ کو آسودۂ خاک کیا گیا۔ ۷۰

اعلیٰ حضرت اور مفتی اعظم :

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ العزیز نے اپنے شہزادے مفتی اعظم علامہ محمد مصطفی رضا قادری نوری بریلوی کو وہ تربیت فرمائی کہ ان کے ظاہر کو بھی سنوارا اور باطن کو بھی خوب خوب نکھارا۔ دنیا نے دیکھا کہ مفتی اعظم اپنے زمانے کے ایسے رئیس الاتقیا بن کر افقِ

کائنات پر طلوع ہوئے کہ ارباب مشاہدہ کو آپ کے تقویٰ و پرہیزگاری، ولایت وروحانیت کا برملا اعتراف کرنا پڑا۔

متقی بن کر دکھائے اس زمانے میں کوئی
ایک میرے مفتی اعظم کا تقوی چھوڑ کر

آپ نے اپنے والد ماجد علیہ الرحمۃ والرضوان کی بارگاہ سے تقویٰ وطہارت، ولایت ومعرفت کے ساتھ ہی ساتھ علوم عقلیہ ونقلیہ میں وہ فیض پایا کہ ’’الولد سر لابیہ‘‘ (بیٹا اپنے باپ کا مظہر ہوتا ہے۔) کے جلوے آپ کی ذات بابرکات میں صاف دکھائی دینے لگے۔

مفتی اعظم کی نوجوانی کا زمانہ تھا۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے وقت کے تقاضے کے پیش نظر پورے ملک کے لیے ایک ’’دارالقضا شرعی‘‘ کا قیام فرمایا، چوں کہ قاضی کے لیے کافی تربیت، تفقہ اور تجربہ کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کے اعتبار سے حاضرین بارگاہ رضا میں سب سے فائق صدر الشریعہ علامہ محمد امجد علی رضوی اعظمی علیہ الرحمہ تھے اس لیے انھیں قاضی مقرر فرمایا اور حضرت مفتی اعظم اور حضرت برہان ملت مولانا مفتی برہان الحق جبل پوری علیہما الرحمۃ کو ان کی اعانت کے لیے ’’مفتی دارالقضا‘‘ کے منصب پر فائز فرمایا۔ اس دراالقضا میں اگرچہ حضرت مفتی اعظم ہند، حضرت صدرالشریعہ کے ماتحت تھے، مگر اہل علم خوب جانتے ہیں کہ یہ دارالقضا کوئی معمولی دارالقضا نہ تھا، پورے ہندوستان کا سب سے بڑا مرکزی دراالقضا تھا جسے سپریم کورٹ کہہ لیجیے، اور اس دارالقضا میں مفتی کی وہی حیثیت تھی جو کسی بنچ کے جج کی ہوتی ہے۔ ایک نوعمر نوجوان کو سپریم کورٹ کے بنچ کے ججوں میں شامل کرنا اتنا بڑا اعزاز ہے جو ہر کہنہ مشق، تجربہ کار کو بھی نصیب نہیں ہوتا۔ اس نوعمری میں سب سے بڑے اور مرکزی دارالقضا کا رکن بنانا ہی اس بات کی جانب اشارہ تھا کہ ایک دن آئے گا کہ یہ نوعمر پوری دنیا کے علمائے کرام میں وہ حیثیت حاصل کرلے گا کہ اس کی حیثیت عالمی سپریم کورٹ کے اعلیٰ جج کی ہوجائے گی اور دنیا نے اپنی چشم سر سے دیکھ لیا کہ حضرتِ مفتی اعظم اپنے زمانہ میں پوری دنیاے سنیت کے صرف قاضی القضاۃ ہی نہ تھے بل کہ روحانی شہنشاہ تھے۔

اس سے پہلے آپ کی زندگی کے اس ابتدائی دور پر نظر ڈالیے، آپ کی عمر صرف اٹھارہ برس کی تھی۔ ۱۹۱۰ء کا زمانہ تھا۔ آپ نے رضاعت کے متعلق پہلا فتویٰ لکھا۔ یہ فتویٰ مجدد اسلام اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی خدمت میں پیش ہوا۔ اعلیٰ حضرت نے اس میں کوئی ترمیم و اصلاح کیے بغیر ان الفاظ میں اس کی تصدیق فرمائی ’’**صَحَّ الجواب بعون الملک الوهاب**‘‘ اور خوش ہوکر انعام عطا فرمایا اور مہر بنوا کر عنایت فرمائی۔

غور کریں ایک اٹھارہ سال کا نوجوان پہلا فتویٰ لکھتا ہے اور تصحیح کے لیے اس دقیقہ بیں، نکتہ رس عبقری شخصیت کی بارگاہ میں پیش کرتا ہے جس کی تیز نگاہی کا یہ عالم ہے کہ کسی کلمہ میں ہزار معانی ہوتے تو وہ سب اوّل نظر میں احاطے میں آجاتے۔ اور جس کے بارے میں علماے حرمین شریفین نے فرمایا: کہ ’’اگر انھیں امام ابوحنیفہ دیکھ لیتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوجاتیں اور انھیں اپنے تلامذہ واصحاب میں داخل فرمالیتے۔‘‘ مگر اس نوعمر مفتی کے پہلے فتویٰ پر اسے بھی کہیں اصلاح وترمیم کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ نے اس نوعمری کے زمانے میں ہی اپنے اندر خاصی علمی وفکری پختگی پیدا کرلی تھی۔

آپ کی نوجوانی ہی کا زمانہ تھا کہ اعلیٰ حضرت اور علماے رام پور کے درمیان جمعہ کی اذانِ ثانی پر بحث چھڑ گئی۔ علماے رام پور معمولی علما نہیں تھے۔ یہ وہ اکابر ملت تھے جن کے علم وفضل کا رعب ودبدبہ پورے ہندوستان پر چھایا ہوا تھا۔ یہ شمس العلما مولانا عبدالحق بن علامہ فضلِ حق خیرآبادی جیسے اس بطلِ جلیل کے وارث تھے کہ جب بانی دیوبندیت قاسم نانوتوی، رام پور آئے تو ان کی ہیبت سے اپنے آپ کو ظاہر نہ کیا، سرائے میں قیام کیا اور اپنا نام تبدیل کر کے لکھوایا۔

بہرحال علماے رام پور نے پوری توانائیوں کے ساتھ اس مسئلہ پر بحث شروع کردی۔ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے ان کے افہام وتفہیم کے لیے اپنے اس نوجوان فرزند کو حکم دیا، حضرت مفتی اعظم نے ان کی علمی بحثوں اور فنی اشکالوں کے ایسے مدلل اور مسکت جوابات دیے کہ وہ دم بخود رہ گئے، ان پر وہ علمی گرفتیں فرمائیں کہ وہ انگشت بدنداں ہو گئے۔ جس کا جی چاہے اس وقت کے رسائل وقایۃ اہل السنۃ، نفی العار وغیرہ مطالعہ کر لے، اسے معلوم ہو جائے گا کہ مجدد اعظم کے وارث نے دنیا کو دکھا دیا کہ ع

"بزرگی بعقل ست، نہ بسال"

حضرت مفتی اعظم کے یہ ایرادات آج بھی ان کے ذمہ قرض ہیں۔ ۷۱؎

یہ سب آپ کے والدِ گرامی مجدد اعظم اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کی تربیت اور نگاہِ کیمیا اثر کا فیضان تھا جس نے آپ کے اندر ژرف نگاہی، دقیقہ بینی، نکتہ سنجی اور حقائق کی دریافت کا ملکہ پیدا فرما دیا تھا۔

بعض مواقع پر آپ نے اپنے والدِ گرامی کو کچھ مناسب علمی مشورے بھی دیے جنھیں مجدد اعظم علیہ الرحمہ نے قبول فرمایا اور اپنی تحریر میں ان کا ذکر بھی فرمایا۔ آپ "الکلمۃ الملھمہ" کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"بعونہ تعالیٰ فقیر نے ردِ فلسفہ جدیدہ میں ایک مبسوط کتاب مسمّی بنام تاریخی "فوزِ مبین در ردِ حرکت زمین" لکھی، جس میں ایک سو پانچ دلائل سے حرکتِ زمین باطل کی، اور جاذبیت و نافریت وغیرہا مزعومات فلسفۂ جدیدہ پر وہ روشن رد کیے جن کے مطالعہ سے ہر ذی نصاف پر بحمدہ تعالیٰ آفتاب سے زیادہ روشن ہو جائے کہ فلسفۂ جدیدہ کو اصلاً عقل سے مس نہیں۔ اس کی فصلِ سوم میں ایک تذئیل لکھی جس میں وہ دس دلائل ذکر کیے کہ فلسفۂ قدیمہ نے ردِ حرکت زمین پر دیے۔ ہم نے ان کا ابطال کیا کہ یہ دلائل باطل وزائل ہیں، ان میں سے تعلیل پنجم یہ تھی کہ فلک میں میل متدیر ہے تو زمین میں نہ ہوگا کہ طبیعت متضاد ہے۔ ہفتم یہ کہ زمین مبدأ میل مستقیم ہے تو مبدأ میل متدیر محال۔ ہشتم یہ تھی کہ زمین کا دورہ طبعاً وارادۃً نہ ہونا ظاہر، اور قسر کو دوام نہیں۔ نہم یہ کہ حرکت زمین ماننے والوں کے نزدیک یہ حرکت نامتناہی ہے تو قوت جسمانی سے اس کا صدور محال۔ دہم یہ کہ طبیعیات میں ثابت ہے کہ حرکت وضعیہ نہ ہوگی مگر ارادیہ۔ اور زمین ذاتِ ارادہ (ارادہ والی) نہیں۔ ان کے رد نے اصول فلسفۂ قدیمہ کے ازہاق و ابطال کا دروازہ کھولا۔ ہم نے تیس مقام ان کے رد میں لکھے۔ جن سے بعونہ تعالیٰ تمام فلسفۂ قدیمہ کی نسبت روشن ہو گیا کہ فلسفۂ جدیدہ کی طرح بازیچۂ اطفال سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ یہ تذئیل ان مقاماتِ جلیل کے سبب بہت طویل ہوگئی اور اس کی فصل چہارم دور جا پڑی۔ ولد اعز ابوالبرکات محی الدین جیلانی آل الرحمن معروف بہ مولوی مصطفیٰ رضا خان، سلمه الملک المنان و أبقاه، وإلى معالی کمالات الدین والدنیا رقاہ کی رائے ہوئی کہ ان مقامات کو ردِ فلسفۂ قدیمہ میں مستقل کتاب کیا جائے اگرچہ دم الاخوین یک جانہ ہو، یہ کتاب ردِ فلسفۂ جدیدہ میں رہے، دوسری ردِ فلسفۂ قدیمہ میں، اور مقاصدِ فوزِ مبین میں اجنبی سے فصل طویل نہ ہو۔ یہ رائے فقیر کو پسند آئی۔ اور وہ کتاب کامل النصاب بعون الملک الوہاب یہ ہے مسمّی بنام تاریخی "**الكلمة الملهمة فى الحكمة المحكمة لوهاء الفلسفة المشئمة**" ۷۲؎

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان نے ہوش سنبھالتے ہی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کی بارگاہِ قدس میں رہ کر فیوض و برکات حاصل کرنے شروع کر دیے، اور شریعت وطریقت کے باریک مسائل کی گتھیاں ان کے فیضِ صحبت سے سلجھانے لگے۔ وہ

خود الملفوظ کے مقدمہ میں اس حقیقت کا یوں برملا اعتراف کرتے نظر آتے ہیں:

''فقیر جب تک سنِ شعور کو نہ پہنچا تھا اور اچھے برے کی تمیز نہ تھی، بھلائی برائی کا ہوش نہ تھا اس وقت میں ایسے خیال ہونا کیا معنی؟ پھر جب سنِ شعور کو پہنچا تو اور زیادہ بے شعور ہوا۔ جوانی دیوانی مشہور ہے، مگر ''الصحبۃ مؤثرۃ'' صحبت بغیر رنگ لائے نہیں رہتی، اور پھر اچھوں کی صحبت اور وہ بھی کون، جنھیں سید العلما کہیں تو حق یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا، جنھیں تاج العرفا کہیں تو بجا، جنھیں مجدد وقت اور امام اولیا سے تعبیر کریں تو صحیح۔ جنھیں حرمین طیبین کے علماے کرام نے مدائح جلیلہ سے سراہا، **انه السيد الفرد الإمام**'' کہا، ان کے ہاتھ پر بیعت ہوئے، انھیں اپنا شیخ طریقت بنایا، ان سے سندیں لیں، اجازتیں لیں، انھیں اپنا استاد مانا، پھر ایسے کی صحبت کیسی بابرکت صحبت ہوگی؟ سچ تو یہ ہے کہ اس صحبت کی برکت نے انسان کر دیا، اس زمانے میں کہ آزادی کی تند ہوا چل رہی ہے کیا عجب تھا کہ میں غریب بھی اس بادِ صرصر کے تیز جھونکوں سے جہاں صدہا ''بئس المصير'' پہنچے وہیں جا رہتا، مگر اپنے مولا کے قربان جس کی نظر عنایت نے پکا مسلمان بنا دیا۔ والحمد للہ علی ذلک۔

اب نہ وہ ہے جو بے خود بنائے تھی، نہ وہ مدہوشی جو بے ہوش کیے تھی، نہ وہ جوانی کی امنگ، نہ کسی قسم کی کوئی ترنگ مولانا (جلال الدین رومی) معنوی علیہ الرحمہ نے کیا خوب فرمایا ہے ع صحبتِ صالح ترا صالح کند

مولانا کے اس فرمان کی مجھے آنکھوں دیکھی تصدیق ہوئی۔ اسی معنیٰ میں حضرت سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، اور کتنا اچھا فرمایا، میں بار بار ان کے اشعار پڑھتا ہوں اور حظ اٹھاتا ہوں، جب پڑھتا ہوں ایک نیا لطف پاتا ہوں۔ وہ فرماتے ہیں:

قطعہ

گلے خوشبوے در حمام روزے رسید از دستِ محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری کہ از بوے دلاویز تو مستم
بگفتا من گلے ناچیز بودم ولیکن مدتے با گل نشستم
جمالِ ہم نشیں در من اثر کرد وگر نہ من ہماں خاکم کہ ہستم (گلستانِ سعدی، ص ۶)

غرض میری جان ان پاک قدموں پر قربان، جب سے یہ قدم پکڑے، آنکھیں کھلیں، اچھے برے کی تمیز ہوئی، اپنا نفع وزیاں سوچھا، منہیات سے تا بہ مقدور احتراز کیا، اور اوامر کی بجا آوری میں مشغول ہوا اور اب اعلیٰ حضرت مدظلہ الاقدس کی بافیض صحبت میں زیادہ رہنا اختیار کیا، یہاں جو یہ دیکھا کہ شریعت وطریقت کے وہ باریک مسائل جن میں مدتوں غور وخوضِ کامل کے بعد بھی ہماری کیا بساط بڑے بڑے سر ٹیک کر رہ جائیں، فکر کرتے کرتے تھکیں اور ہرگز نہ سمجھیں اور صاف ''انا لا ادری'' کا دم بھریں، وہ یہاں ایک فقرے میں ایسے صاف فرما دیے جائیں کہ ہر شخص سمجھ لے گویا اشکال ہی نہ تھا اور وہ دقائق ونکات مذہب وملت جو ایک چیستاں اور معما ہوں، جن کا حل دشوار سے زیادہ دشوار ہو یہاں منٹوں میں حل فرما دیے جائیں۔''[۳۷]

جب حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ نے اپنے والد ومربی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے کچھ ملفوظات جمع فرمائے تو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس کا تاریخی نام ''الملفوظ'' رکھا اور ایک تاریخی قطعہ کہا جو درج ذیل ہے:

میرے ملفوظ کچھ کیے محفوظ مصطفی ، مصطفی کا ہو ملحوظ

نام تاریخی اس کا رکھتا ہوں زُبُر و بیِّنہ میں الملفوظ

۱۳۳۸ھ

۷۴ ے

ان اشعار میں ملفوظات کی تاریخِ جمع وترتیب بھی ہے، اظہارِ مسرت بھی ہے اور حضرت مفتی اعظم کے لیے دعا بھی۔

اعلیٰ حضرت، اپنے اس فرزندِ ارجمند سے کتنا خوش تھے کہ کبھی انھیں ''ولداعز'' کہتے ہیں، کہیں ان کے لیے دعا کرتے ہیں، کہیں اپنے قلبی مسرتوں کا اظہار فرماتے ہیں اور کہیں ان کی قرارِ واقعی حیثیت اجاگر فرماتے ہیں۔ الاستمداد میں جب آپ نے اپنے احباب و اصحاب اور تلامذہ واکابر اہلِ سنت کا ذکرِ جمیل فرمایا تو مفتی اعظم کا تذکرہ، برہان ملت علیہ الرحمۃ کے ساتھ کچھ اس طرح فرماتے ہیں:

آل الرحماں، برہان الحق شرق پہ برق گراتے یہ ہیں

☆☆☆

حواشی:

۱- تقدیم حیات اعلیٰ حضرت، ج ۱/ص ۸، مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی، ۱۴۲۴ھ/ ۲۰۰۳ء

۲- امام احمد رضا اور تصوف، ص ۹، مطبوعہ المجمع الاسلامی مبارک پور، ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء

۳- حیات اعلیٰ حضرت، جلد ا، ص ۱۳۳، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی

۴- تقدیم حیات اعلیٰ حضرت، جلد ا، ص ۱۰، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی

۵- حیات اعلیٰ حضرت، جلد ا ص ۲۷۲، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی

۶- تقدیم حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد ا، ص ۱۰، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی

۷- حیات اعلیٰ حضرت، جلد ا، ص ۸۲، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی

۸- حیات اعلیٰ حضرت، جلد ا، ص ۸۳-۸۵

۹- حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد ا، ص ۸۷-۸۸

۱۰- حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد ا، ص ۹۷

۱۱- الملفوظ، جلد ا، ص ۷۳، کتب خانہ سمنانی، میرٹھ

۱۲- فتاویٰ رضویہ، جلد ۱۲، ص ۱۳۰-۱۳۱

۱۳- حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد ا، ص ۹۴

۱۴- حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد ا، ص ۹۴

۱۵- حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد ا، ص ۱۰۲

۱۶- حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد ا، ص ۱۰۲-۱۰۵

۱۷- حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد ا، ص ۱۱۰-۱۱۳

۱۸- حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد ا، ص ۱۱۴

۱۹- حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد ا، ص ۱۱۴-۱۱۶

۲۰- حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد ا، ص ۱۱۷-۱۱۹، تلخیصاً

۲۱-حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد ا ص ۱۲۱-۱۲۲
۲۲-امام احمد رضا اور تصوف، علامہ محمد احمد مصباحی، ص ۹-۱۰، مطبوعہ المجمع الاسلامی، بار اول ۱۴۰۸/ ۱۹۸۸ء
۲۳-حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد ا ص ۱۲۴-۱۲۵، مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی
۲۴-حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد ا ص ۱۲۵-۱۲۶
۲۵-اعلیٰ حضرت کے والدین پیار میں آپ کو امّن میاں کہتے تھے۔ (حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد ا ص ۵۰۸، حاشیہ)
۲۶-حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد ا، ص ۳۲۳
۲۷-حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد ا ص ۳۲۳-۳۲۴
۲۸-حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد ا ص ۳۲۴-۳۲۵
۲۹-حیاتِ اعلیٰ حضرت (قدیم نسخہ)، جلد ا، ص ۱۳۴
۳۰-امام احمد رضا اور تصوف، ص ۱۱، مطبوعہ المجمع الاسلامی مبارک پور، ۱۴۰۸/ ۱۹۸۸ء
۳۱-تفصیل کے لیے دیکھیے، فتاویٰ رضویہ، جلد ا ص .... صفۃ الکتاب، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی
۳۲-فتاویٰ رضویہ، جلد ا ص............
۳۲،ا-امام احمد رضا اور ردِّ بدعات و منکرات، ص ۲۱۱، ۲۱۲، مطبوعہ المجمع الاسلامی، مبارک پور
۳۳-فتاویٰ رضویہ، جلد ۵، ص ۷۰، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی
۳۴-فتاویٰ رضویہ، ص ۲۶۵
۳۵-فتاویٰ رضویہ، جلد ۴-ص ۱۴۹
۳۶-حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد ا ص ۱۳۳-۱۳۴
۳۷-الملفوظ، جلد ۲ ص ۱۸-۲۰، ملخصاً، مطبوعہ قادری مشن، نز د نو محلہ مسجد، بریلی (یوپی)
۳۸-الملفوظ، جلد ص ۱۲-۱۳
۳۹-الملفوظ، جلد ۲، ص ۲۰-۲۱
۴۰-الملفوظ، ص ۳۸-۴۰
۴۱-حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد ا، ص ۲۳۷-۲۳۸
۴۲-حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد ا ص ۱۷۶-۱۷۸
۴۳-امام احمد رضا اور تصوف، از علامہ محمد احمد مصباحی، مبارک پور، ص ۱۴، مطبوعہ المجمع الاسلامی مبارک پور
۴۴-امام احمد رضا اور تصوف، ص ۴۲-۴۳، (ملخصاً)، بحوالہ خلاصۂ فوائد فتاویٰ، طبع چہارم، ۱۳۲۴ھ ص ۴۹-۵۰
۴۵-الملفوظ، حصہ چہارم، ص ۲۳-۲۴، قادری مشن نز د نو محلہ مسجد، بریلی
۴۶-حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد ا، ص ۱۷۰-۱۷۳
۴۷-حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد ا ص ۴۴۵
۴۸-حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد ا، ص ۴۱۴
۴۹-امام احمد رضا اور تصوف، از علامہ محمد احمد مصباحی مدظلہ العالی، ص ۵۱
۵۰-امام احمد رضا اور تصوف، ص ۵۶
۵۱-الملفوظ، جلد ۲، ص ۸۷، قادری مشن، نز د نو محلہ مسجد، بریلی
۵۲-امام احمد رضا اور تصوف، ص ۵۶، المجمع الاسلامی، مبارک پور

۵۳-الملفوظ، جلد ۳، ص ۳۸، قادری مشن، نز دنومحلہ مسجد، بریلی
۵۴-ایمان افروز وصایا، ص ۷، المجمع الاسلامی، مبارک پور
۵۵-الملفوظ، جلد ۲، ص ۹۷، (ملخصاً)
۵۶-امام احمد رضا اور تصوف، ۹۱،
۵۷-فتاویٰ رضویہ، بحوالہ امام احمد رضا اور تصوف، ص ۸۹
۵۸-الملفوظ، جلد ۳، ص ۷۰
۵۹-الملفوظ، جلد ۳، ص ۵۹-۶۰
۶۰-دیکھیے رسالہ ''الزمزمۃ القمریۃ فی الذب عن الخمریۃ''
۶۱-ترجمانِ اہلسنّت کراچی، نومبر ۱۹۷۵ء، ص ۲۸
۶۲-حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد ۲، ص ۷، مطبوعہ رضا اکیڈمی
۶۳-حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد ۲، ص ۷-۸
۶۴-حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد اول (قدیم)، ص ۱۳، مطبوعہ قادری بک ڈپو، بریلی
۶۵-حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد ۲، ص ۸، (مرتبہ مفتی مطیع الرحمن)، مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی
۶۶-امام احمد رضا ایک ہمہ جہت شخصیت، ص ۳۰-۳۱، مطبوعہ رضا اسلامک مشن، مدن پورہ، بنارس، یوپی
۶۷-حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد ۳، ص ۲۷۷-۲۷۸
۶۸-حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد ۳، ص ۲۸۷-۲۸۹
۶۹-حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد ۳، ص ۲۸۱
۷۰-حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد ۳، ص ۲۹۵
۷۱-مفتی اعظم اپنے فضل و کمال کے آئینے میں، از شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ، مشمولہ تاجدارِ اہلِ سنت، ص ۲۸-۲۹-۳۰، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی
۷۲-الکلمۃ الملہمہ ص ۵، ۶، مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی ۱۹۷۴ء
۷۳-الملفوظ، جلد ۱، ص ۳-۴-۵، مطبوعہ قادری مشن، نز دنومحلہ مسجد، بریلی شریف
۷۴-الملفوظ، جلد ۱، ص ۱۲۴

مآخذ و مراجع:

۱- حیاتِ اعلیٰ حضرت، از ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمۃ، ترتیب جدید: مفتی مطیع الرحمن مضطر مدظلہ، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی۔
۲- حیاتِ اعلیٰ حضرت، از ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمۃ، ترتیب قدیم، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی۔
۳- سوانح اعلیٰ حضرت، از مولانا بدر الدین احمد رضوی
۴- امام احمد رضا اور تصوف، از علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ، صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ، مطبوعہ المجمع الاسلامی، مبارک پور
۵- فتاویٰ رضویہ، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی
۶- الکلمۃ الملہمہ، مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی
۷- ایمان افروز وصایا، مطبوعہ المجمع الاسلامی، مبارک پور، اعظم گڑھ
۸- الزمزمۃ القمریۃ فی الذب عن الخمریۃ، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی
۹- الملفوظ، ترتیب مفتی اعظم علیہ الرحمۃ، مطبوعہ قادری مشن، نز دنومحلہ مسجد، بریلی شریف
۱۰- امام احمد رضا اور ردّ بدعات و منکرات، مولانا یٰسین اختر مصباحی مدظلہ، بانی دار القلم دہلی، مطبوعہ المجمع الاسلامی، مبارک پور
۱۱- ترجمان اہل سنت کراچی، نومبر ۱۹۷۵ء، ص ۲۸

۱۲- امام احمد رضا ایک ہمہ جہت شخصیت، مطبوعہ رضا اسلامک مشن، مدن پورہ، بنارس
۱۳- تاجدار اہل سنت، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی
۱۴- مفتی اعظم اپنے فضل و کمال کے آئینے میں، از شارح بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی

دوسرا باب

مفتی اعظم جس عظیم روحانی مرکز سے وابستہ ہیں وہ شہرۂ آفاق ہے، اسی در سے آپ کے والد گرامی امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا قادری بھی وابستہ ہیں، یعنی آپ کے والد گرامی آپ کے دادا پیر حضرت سید آل رسول مارہروی کے ہاتھوں میں اپنا ہاتھ دے کر عشق و عرفان کے قلزم ناپیدا کنار کے غواص بن گئے۔ مفتی اعظم کے شیخ طریقت حضرت سید ابو الحسین احمد نوری مارہروی، امام احمد رضا کے شیخ طریقت کے نبیرہ اور حضرت سید شاہ ظہور حسن صاحب کے لخت جگر ہیں، مفتی اعظم کے والد گرامی نے اپنے شیخ طریقت کے ساتھ ساتھ اپنے شہزادے کے شیخ طریقت کی شان اقدس میں شہرۂ آفاق قصیدہ لکھ کر لافانی سعادتوں کی سند حاصل کر لی، جس کا مطلع ہے۔ ع۔ برتر قیاس سے ہے مقام ابو الحسین، اس طرح دیکھا جائے تو مفتی اعظم اپنے والد گرامی سے بلا واسطہ مستفید ہیں اور اپنے والد گرامی کے شیخ طریقت سے بیک واسطہ مستفید و مستفیض ہیں۔ گویا مفتی اعظم پر اپنے والد گرامی کی طرف سے جو فیضان ہے، وہ بھی چشمۂ برکاتیت کا ایک چھینٹا اور قطرہ ہے۔ مفتی اعظم کو اگر سرکار ابو الحسین احمد نوری کی زندہ کرامت سے تعبیر کیا جائے تو بے جا نہ ہوگا، مفتی اعظم کی بیعت و اجازت کا واقعہ تاریخ کا ایک ناقابل فراموش واقعہ ہے۔ تفصیلات اندرونی صفحات پر ملاحظہ فرمائیں۔

اس باب کے مقالوں میں سرکار ابو الحسین احمد نوری، اور ان کے جد اعلیٰ حضرت سید شاہ آل رسول مارہروی کی سیرت و شخصیت کو جگہ دی گئی ہے، مقالہ نگاروں نے دونوں شخصیتوں کی جلوہ گاہوں سے تجلیات کو چن چن کر ہدیہ قارئین کیا ہے، البتہ خاص بیعت و اجازت کے واقعات چوں کہ متعدد مقالوں میں جا بہ جا مذکور ہیں، اس لیے ان مقالوں میں اس کی تفصیل موجود نہیں، البتہ مرتب اپنے نقطہ نظر سے اس گوشہ کو ہنوز تشنہ محسوس کرتا ہے، ممکن ہے اس عظیم سوانحی اشاعت کے

بعد کوئی صاحب ہمت ”مفتی اعظم بارگاہ ابو الحسین احمد نوری میں“ کے عنوان سے کوئی مستقل اور مفصل مقالہ قلم بند کرے تو شاید اس کا حق ادا ہو۔ مجھے امید ہے کہ اس تعارفی تمہید کے بعد آنے مقالے قارئین کی توجہ و دلچسپی میں اضافہ کا باعث ہوں گے۔

مقبول احمد سالک مصباحی

برتر قیاس سے ہے مقام ابوالحسین

حضرت نوری بریلوی کے شیخ طریقت سرکار نوری مارہروی

مولانا محمد ارشاد حسین مصباحی ساحل، شہسرامی
علی گڑھ، یوپی

مفتی اعظم، آل الرحمن، ابوالبرکات، محی الدین شاہ محمد مصطفی رضا قادری برکاتی نوری قدس سرہٗ [۱۳۱۰ھ - ۱۴۰۲ء] کی ذات بابرکات سرچشمۂ خیر وسعادت تھی۔ آپ کی ذات گرامی ابتدا سے ہی کرامت آثار تھی۔ یہ واقعہ تاریخ کی زینت ہے کہ جب حضرت مفتی اعظم نے ۲۲/ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ/ ۷/جولائی ۱۸۹۳ء بروز جمعہ صبح صادق کے وقت بریلی شریف کی مقدس سرزمین میں اپنی نورانی آنکھیں کھولیں تو آپ کے والد ماجد امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ اس وقت اپنے پیر خانے مارہرہ مطہرہ حاضر تھے۔ ۲۲/ذی الحجہ کی شب دیر تک سرکار نور، سراج العارفین سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہٗ کی خدمت اقدس میں باریاب رہے اور مختلف شرعی مسائل پر گفتگو ہوتی رہی۔ شب میں دونوں حضرات کو سرکار مفتی اعظم کی ولادت کی نوید سنائی گئی۔ پھر دونوں حضرات فجر کی نماز کے وقت روبرو ہوئے۔ سرکار نور مسجد برکاتی کے زینے پر تھے اور اعلیٰ حضرت مسجد برکاتی کا رخ کررہے تھے کہ سرکار نور نے اپنی مبارک زبان فیض ترجمان سے اعلیٰ حضرت کو بشارت دی۔ مولانا! مبارک ہو آپ کے گھر بچے کی ولادت ہوئی ہے۔ چھ مہینے کے بعد سرکار نور بریلی تشریف لائے۔ حضرت مفتی اعظم کو گود میں لے کر مرید کیا، پھر اپنا لعاب دہن انگشت شہادت سے نومولود کے دہن میں ڈال کر دیر تک دعاؤں سے نوازتے رہے اور خاندان برکات کے سارے تیرہ سلاسل کی اجازت و خلافت مرحمت فرمائی۔ آپ نے فرمایا: یہ بچہ مادرزاد ولی ہے۔ فیض کے دریا بہائے گا۔

سرکار نور کے چہیتے اس مادرزاد ولی اور فیروز بخت بچے نے واقعی فیض کے دریا بہادیے۔ خالق حقیقی نے ۹۱ سال کی عمر دراز عطا فرمائی۔ آپ کے دست حق پرست پر لاکھوں جویان بیعت مرید ہوئے، ہزاروں لوگ گناہوں سے تائب ہوئے، بہتیرے صرف

روے زیبا کی ایمانی طلعت دیکھ کر مشرف بہ اسلام ہوئے، ہزاروں تلامذہ نے درس لیا، سینکڑوں نے فتویٰ نویسی کے اسرار سیکھے، بے شمار اجازت وخلافت سے سرفراز ہوئے۔ آپ کے قلم فیض رقم نے ہزاروں فتاویٰ قلم بند کیے، لاکھوں تعویذ لکھے، بہت سی کتابیں تصنیف کیں، سینکڑوں اشعار رقم کیے۔ ہر قدم طاعت خدا اور اتباع سنت مصطفی سے عبارت، ہر سانس ذکر الٰہی سے سرشار، ہر جلوہ حسن ازل کی تجلیوں سے معمور، ہر دھڑکن یاد مصطفی کا آبشار۔ اسی لیے آپ کا ہر قدم درس ہدایت اور منارۂ نور تھا۔ شاعر کا استعارہ یہاں واقعیت کے لبادے میں ملبوس نظر آتا ہے ؎

ان کا سایہ اک تجلی، ان کا نقش پا چراغ
وہ جدھر گزرے، ادھر ہی روشنی ہوتی گئی

خداداد شوکت ایسی تھی کہ بڑے بڑے سرکش اور مغرور آپ کی بارگاہ میں خمیدہ سر نظر آتے ہیں۔ یہ خداداد حکمرانی صرف انسانوں تک محدود نہیں تھی بل کہ بہت ہی سرکش ناری مخلوق جنات بھی سواے طاعت کے کوئی چارہ کار نہ پاتے۔ مرشد ایسے کہ جس نے آپ کا دامن تھام لیا، وہ نجات پا گیا۔ وقت کا بڑے سے بڑا عفریت اور بدمذہبی کا سخت سیلاب بلا بھی وابستۂ سرکار کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔ آپ کے وابستگان پوری استقامت کے ساتھ دین متین مذہب مہذب اہل سنت و جماعت پر ڈٹے رہتے ہیں۔ حضرت مفتی اعظم کی یہ وہ کرامت ہے جس کا مشاہدہ اس ناچیز نے چشم سر سے کیا ہے، اس کی دسیوں مثالیں پیش کر سکتا ہے حالانکہ میں نے سرکار مفتی اعظم کی زیارت نہیں کی۔ محتاط اندازے کے مطابق اسّی لاکھ سے زاید آپ کے مریدین تھے اور آپ کے جنازۂ مبارکہ میں شرکت کرنے والے فرزندان توحید اور عاشقان ماہ نبوت کی تعداد ۵ ؍لاکھ سے زیادہ تھی۔ یہ ہیں ہمارے مفتی اعظم۔

ایسے حقانی مسترشد کے نورانی مرشد سیدنا سراج العارفین، سید السالکین سید شاہ ابوالحسن احمد نوری مارہروی ملقب بہ میاں صاحب قدس سرہ جن کے ذکر سے سرکار مفتی اعظم کی نورانی صبحیں اور جگمگاتی شامیں آباد رہا کرتی تھیں۔

سرکار مفتی اعظم تقریباً چودہ سال کے تھے کہ آپ کے مرشد گرامی سرکار نور [۱۳۲۴ھ] میں وصال فرما گئے، اس لیے سرکار مفتی اعظم کو مجالس مرشد کے بظاہر مختصر لمحات میسر آئے۔ سرکار نور کے وصال سے پہلے تو تصور نوری سے آپ کی صبح و شام آباد رہا کرتی تھیں لیکن وصال کے بعد وہ تصور مجسم سوز بن گیا۔ آہ و نالے اور اشکوں کی رم جھم میں لمحات حیات گزرتے۔ اضطراب تو قلب رضا کو بھی کم نہ تھا لیکن انھوں نے اس پر صبر مسنون کا حجاب ڈال رکھا تھا۔ اعلیٰ حضرت سے لخت جگر کی یہ بے قراری اور فراق مرشد میں دل گرفتگی دیکھی نہ جاتی۔ بالآخر آپ نے اپنی ایمانی توانائیوں سے روحانی فیوض و برکات کا سمندر قلب نوری بریلوی میں انڈیل دیا، تب جا کر دل مضطرب کو قرار کی دولت ہاتھ آئی۔ پھر تو سرکار مفتی اعظم رنگ نور میں نہا گئے اور دل سے دعا نکلی ؎

فقط نسبت کا جیسے ہوں، حقیقی نوری ہوجاؤں
مجھے جو دیکھے، کہہ اٹھے میاں! نوری میاں تم ہو

وصال مرشد کے بعد اٹھہتر سال سرکار مفتی اعظم حیات رہے۔ اخیر کے چند سالوں کو چھوڑ کر آپ اکثر و بیشتر مارہرہ مطہرہ حاضر ہوتے۔ حضرت امین ملت مدظلہ کے مطابق پہلے آپ سرکار نور کے مزار اقدس پر حاضر ہوتے اور گھنٹوں مراقب رہتے پھر حضور صاحب البرکات رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں حاضری دیتے۔ مفتی مطیع الرحمن مضطر رضوی مدظلہ کا بیان ہے کہ میں نے خواب میں اپنے مرشد سرکار مفتی اعظم کی زیارت کی۔ حضرت نے چند جملوں کے بعد فرمایا:

''لوگوں نے حضرت نوری میاں کو نہیں پہچانا۔ آپ کا مقام و مرتبہ حضور اچھے میاں کی طرح ہے۔''

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

''میں نے مارہرہ سے کوہ طور پر ایک آگ اٹھتے ہوئے دیکھی ہے۔ میں اس کے پاس جانا چاہتا ہوں، میں اس کی راہبری چاہتا ہوں۔ ہاں! مبارک ہیں وہ رہروان منزل جو اس کے پیچھے پیچھے چلیں اور راہ پائیں۔ کیسی بلند و بالا ہے وہ آگ جس کی چمک دمک تاریکیوں کو روشن کرتی ہے۔ ہاں! یہ چمک جو احمد نوری سے پھوٹ رہی ہے۔ کون احمد نوری؟ ہدایت کا نور، تقویٰ کا دریا، پاکیزگی کا ماہتاب۔ اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت، ان کی مدد فرمائے۔'' [اہل سنت کی آواز، مارہرہ مطہرہ، ۲۰۰۳ء پشت ورق]

معرفت الٰہ کے ایسے آفتاب درخشاں اور بدر کامل ہیں سرکار مفتی اعظم کے مرشد گرامی سرکار نور جن کے ذکر نور سے ہم اپنی بینائیوں کو روشن کریں گے۔

سید شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہٗ :

[ولادت ۱۲۵۵ھ وفات ۱۳۲۴ھ]

کمالات اسلاف کے عطر مجموعہ سراج العارفین سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہٗ حضرت سیدنا خاتم الاکابر شاہ آل رسول احمدی قدس سرہٗ کے نبیرہ اور حضرت سید شاہ ظہور حسن صاحب علیہ الرحمہ کے صاحبزادے تھے۔ آپ کی ولادت مبارکہ ۱۹؍شوال المکرم ۱۲۵۵ھ مطابق ۲۶؍دسمبر ۱۸۳۹ء بروز پنجشنبہ ہوئی۔ تاریخی نام مظہر علی اور لقب میاں صاحب تھا۔

والدہ ماجدہ سیدہ اکرام فاطمہ، حضرت سید شاہ دلدار حیدر کی صاحبزادی اور حضرت سید شاہ آل برکات ستھرے صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نواسی تھیں۔

آپ کی ذات کریم دفتر کمالات میں شروع ہی سے انتخاب تھی اسی لیے اکابرین کے مرکز توجہ رہے۔ گیارہ سال کی عمر شریف میں ریاضت و مجاہدہ کی سنگلاخ زمین آپ کی قوت عمل کا مرکز بنی اور بہت جلد آپ کی ہدف تک رسائی ہوگئی۔ حضرت خاتم الاکابر فرماتے ان کو عیش و آرام سے کیا کام؟ یہ کچھ اور ہیں اور انھیں کچھ اور ہونا ہے۔ جو ہر قابل نے وہ اثر قبول کیا کہ بالکل پیر و مرشد جد امجد حضرت خاتم الاکابر قدس سرہٗ کے رنگ میں رنگ گئے۔ ذات والا کی جامعیت باطن و ظاہر کا نقشہ حضرت نظمی مدظلہ کے قلم نے خوب کھینچا ہے۔ آپ لکھتے ہے:

''حضرت جلیل البرکات نور العارفین، سلالۃ الواصلین جدنا الامجد حضور پر نور مولانا مولوی سید شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا خاندان برکاتیہ مارہرویہ کے لیے رب تبارک وتعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت تھے۔ استغنا میں حضور صاحب البرکات سیدنا شاہ برکت اللہ قدس سرہٗ کا رنگ، تربیت و سلوک میں استاد المحققین سیدنا شاہ آل محمد قدس سرہٗ کی شان، معلومات و وسعت نظر میں حضرت اسد العارفین سیدنا شاہ حمزہ قدس سرہٗ کا انداز، تصرف و حکومت میں حضور شمس العارفین سیدنا شاہ ابوالفضل آل احمد اچھے میاں صاحب قدس سرہٗ کی یادگار، مہمان نوازی اور سخاوت میں حضور سیدنا شاہ آل برکات ستھرے میاں صاحب قدس سرہٗ کا نمونہ، ستر حال و اخفاے کمال و اتباع سنت و اجتناب بدعت میں حضور خاتم الاکابر سیدنا شاہ آل رسول قدس سرہٗ کے خلف الصدق، غرض ذات والا عجب مجموعۂ کمالات تھی۔ [مقدمۂ سراج العوارف، ص ۷]

سرکار نور والد ماجد کی جانب سے سید محمد عمر ابن سید محمد دعوۃ الصغریٰ کی شاخ میں آتے ہیں اور والدہ ماجدہ کی جانب سید محمد سالار ابن سید محمد دعوۃ الصغریٰ قدست اسرارہم کی نسل میں۔ حضرت احسن العلما قدس سرہٗ بھی سالاری شاخ میں شامل ہیں۔ سرکار نور کے دونوں شجرے حسب ذیل ہیں:

پدری شجرۂ نسب :

خاتم اکابرِ ہند سید ابوالحسین احمد نوری ابن سید ظہور حسن بڑکے ابن سید شاہ آل رسول ابن سید شاہ آل برکات ستھرے میاں صاحب ابن سید شاہ حمزہ ابن سید شاہ آل محمد ابن سید شاہ برکت اللہ ابن سید شاہ اویس بن سید شاہ عبدالجلیل ابن سید میر عبدالواحد بلگرامی ابن سید شاہ ابراہیم بن سید شاہ قطب الدین ابن سید شاہ ماہرو ابن سید شاہ بڈھ ابن سید شاہ کمال ابن سید شاہ قاسم ابن سید شاہ حسن ابن سید شاہ نصیر ابن سید شاہ حسین بن سید عمر ابن سید محمد صغریٰ جداعلیٰ قبائل سادات بل گرام ابن سید علی ابن سید حسین ابن سید ابوالفرح ثانی ابن سید شاہ ابوفراس ابن حضرت سید ابوالفرح واسطی جداعلیٰ جماعت سادات زیدیۂ بلگرام و بار ہا وغیرہما ابن حضرت سید داؤد ابن حضرت سید حسین ابن حضرت سید یحییٰ ابن حضرت سید زید سوم ابن حضرت سید عمر ابن حضرت سید زید دوم ابن حضرت سید علی عراقی، ابن حضرت سید حسین ابن حضرت سید علی ابن حضرت سید محمد ابن حضرت سید عیسیٰ معروف بہ موتم الاشبال ابن حضرت سید زید شہید رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ابن امام ہمام سید السادات زین العابدین المقلب بسجاد ابن سید الشہدا امام حسین ابن حضرت امیر المومنین مولیٰ مرتضیٰ علی زوج سیدۃ النساء فاطمہ زہراء بنت حضرت سید ال انبیا احمد مجتبیٰ محمد مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

مادری شجرہ :

خاتم اکابر ہند سید شاہ ابوالحسین احمد نوری ابن سیدی اکرام فاطمہ دختر سید شاہ دلدار حیدر ابن سید منتخب حسین ابن سید ناظم علی ابن سید حیات النبی تاتو میاں ابن سید حسین ابن سید ابوالقاسم ابن سید جان محمد ابن سید حاتم ابن سید بدارلدین عرف بدلے ابن سید ابراہیم ابن سید پیارے ابن سید حسن ابن سید محمود عرف مدھن ابن سید بڑے ابن سید جمال الدین ابن سید ابراہیم ابن سید ناصر ابن سید مسعود ابن سید سالار ابن سید محمد صغریٰ جداعلیٰ جماعت سادات واسطی بلگرام الی آخر سلسلہ۔

تعلیم وتربیت :

ابھی سرکار نور صرف ڈھائی برس کے تھے کہ آپ کی والدہ ماجدہ نے رحلت فرمائی۔ سرکارِ نور کی والدہ ماجدہ کی رحلت کے بعد آپ کی پرورش وتعلیم وتربیت کی تمام تر ذمہ داری آپ کی جدہ ماجدہ یعنی بڑی بی بی صاحب اہلیہ حضور خاتم اکابر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی اور اس طرح سرکار نور قدس سرہٗ نے اپنے جد کریم قدس سرہٗ کی آغوش عاطفت میں پرورش پائی اور کامل اکتالیس برس، بارگاہِ آلِ رسول کی صحبت و خدمت سے استفادہ فرمایا۔ سرکارِ نور قدس سرہٗ کی تعلیم وتربیت اور ان کے دادا اور مرشد، شاہِ آلِ رسول احمدی قدس سرہٗ کی اپنے لاڈلے پوتے کے اوپر توجہ خاص کو لے کر سرکارِ نور کے محبوب خلیفہ قاضی غلام شبیر بدایونی رقم طراز ہیں:

''ہمارے حضور میاں صاحب قدس سرہٗ الشریف تنہا وہ نورعین ہیں جن کی تربیت اور پرورش میں آپ کے دادا اور دادی میں باوجود کمالِ محبت اختلاف ہوجاتا۔ چھوٹی سی عمر میں آپ کی تربیت، ریاضت و مجاہدہ کی کثرت دیکھ کر آپ کی دادی صاحبہ فرماتیں ''کیا اس بچہ کو بھی اپنی طرح فقیر کردوگے؟'' حضور خاتم اکابر جواباً فرماتے، ہاں! فقیر کردوں گا! اور ایسا فقیر ہوگا کہ بڑے بڑے بادشاہ اور امرا، اس کے آگے سرجھکا دیں گے۔ حضرت بی بی صاحبہ تربیت شاہانہ کی کوشش فرماتیں اور حضور حضرت صاحب قدس سرہٗ تربیتِ عالمانہ و درویشانہ چاہتے تھے۔'' اور یہی وجہ ہے کہ حضرت میاں صاحب قدس سرہٗ کو اپنے دادا و مرشد شاہ آلِ رسول سے وہ قربِ خاص حاصل رہا جو خاندان برکاتیہ کے شاید ہی کسی فرزند کو رہا ہو، کہ اس ذات نوری کی شخصیت کی تکمیل اور تربیت کا تمام بار خود حضرت صاحب قدس سرہٗ نے اپنے سر لیا۔ کوئی لمحہ ایسا نہ گزرتا تھا جس میں وہ اپنے لختِ جگر کو اپنے پیش نظر نہ رکھتے ہوں۔ وقتِ عبادت ہو تو پیش نظر، درگاہِ معلیٰ میں حاضر ہو رہی ہے تو دادا کے ساتھ، آرام کر رہے ہیں تو دادا کے حضور، غرض کہ حضرت صاحب قدس سرہٗ نے اپنی حیات مبارکہ میں ہی اپنے لاڈلے پوتے کو تمام علوم ظاہری و باطنی کی تعلیم دے کر جملہ رموز و اسرارِ خاندانی سے سرفراز فرما کر اپنا اور اپنے اسلافِ کرام قدست اسرارہم کا سچا جانشین اور خانوادہ برکاتیہ کی تمام دنیوی اور روحانی نعمتوں کا وارث بنا دیا۔''

[اہل سنت کی آواز، مارہرہ مطہرہ، ۲۰۰۳ء، ص ۲۲-۲۳]

آپ نے کثیر شخصیات سے اکتساب فیض کیا۔ یہ بذات خود آپ کے تواضع کی دلیل ہے۔ مزید برآں یہ کہ آپ نے کسی سے کچھ بھی علمی باتیں دریافت کیں تو انھیں اپنے اساتذہ کی صف میں شمار کرتے اور ایک استاذ کی طرح ان کے ساتھ اکرامات کا سلوک فرماتے۔

ظاہری علوم میں ان حضرات سے استفادہ رہا:

(۱) حضرت میاں جی رحمت اللہ صاحب (۲) حضرت جمال روشن صاحب (۳) حضرت عبداللہ صاحب (۴) حضرت شیر باز خان مارہروی (۵) حضرت اشرف علی مارہروی (۶) حضرت امانت علی مارہروی (۷) حضرت امام بخش مارہروی (۸) حضرت سید اولاد علی مارہروی (۹) حضرت احمد علی خاں جلیسری (۱۰) حضرت مولانا محمد سعید عثمانی بدایونی متوفی ۱۲۷۷ھ (۱۱) حضرت الٰہی خیر مارہروی (۱۲) حضرت حافظ عبدالکریم پنجابی (۱۳) حضرت حافظ قاری محمد فیاض رامپوری (۱۴) حضرت مولانا فضل اللہ جالیسری متوفی ۱۲۸۳ھ) (۱۵) حضرت مولانا نور احمد عثمانی بدایونی متوفی ۱۳۰۱ھ (۱۶) حضرت مولانا مفتی حسن خاں عثمانی بریلوی (۱۷) حضرت حکیم محمد سعید بن حکیم امداد حسین مارہروی (۱۸) حضرت مولانا ہدایت علی بریلوی (۱۹) حضرت مولانا محمد تراب علی امروہوی (۲۰) حضرت مولانا محمد حسین شاہ ولایتی (۲۱) حضرت مولانا محمد حسین بخاری (۲۲) حضرت مولانا محمد عبدالقادر عثمانی بدایونی متوفی ۱۳۱۹ھ قدست اسرارہم [تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ، ص ۳۷۹]

باطنی علوم کی راہ میں آپ کے مربی اعظم حضور خاتم الاکابر سیدنا سید شاہ آل رسول احمدی قدس سرہٗ تھے۔ آپ کی ذات والا کے علاوہ اور جن گرامی حضرات سے اذکار و اوراد سلوک کی نسبتیں حاصل رہیں وہ یہ ہیں:

(۱) حضرت سید غلام محی الدین (۲) حضرت مفتی سید عین الحسن بلگرامی (۳) حضرت شاہ شمس الحق عرف تنکا شاہ (۴) حضرت مولانا احمد حسن مرادآبادی (۵) حضرت حافظ شاہ علی حسین مرادآبادی قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم [ایضاً ص ۳۸۰]

آپ کو روحانی فیوض اور اویسی اکتسابات بہت عظیم عظیم بارگاہوں سے حاصل تھے۔ آپ کو حضور پر نور نبی اکرم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت مقدسہ حاصل رہی۔ مصافحہ و معانقہ، بیعت اور اخذ فیض کی گرانمایہ دولتیں اس درجۂ قرب کے ساتھ حاصل فرمائیں کہ آغوش رحمت عالم میں جا بیٹھنے کا بھی شرف حاصل رہا۔ حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس کے علاوہ ان اعاظم کرام سے بھی انوار باطنی حاصل ہوئے۔

حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام، حضرت سیدنا سلیمان علیہ السلام، حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام، سیدنا حضرت امیر المؤمنین مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم، سیدنا حضرت سید الشہداء امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سیدنا غوث الثقلین، محبوب سبحانی، حضرت غوث اعظم الشیخ ابو محمد سید محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سیدنا سلطان الہند خواجۂ خواجگاں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سیدنا حضرت ذوالنون مصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سیدنا حضرت خواجہ عثمان ہارونی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اپنے خاندان کے تمام اکابرین حضرت سیدنا میر عبدالواحد بلگرامی قدس سرہٗ سے لے کر حضرت سیدنا خاتم الاکابر قدس سرہٗ کی زیارتوں سے بہرہ ور ہوئے اور اکتساب فیض کیا۔

جس ذات کریم نے ایسی ایسی عظیم بارگاہوں سے فیض حاصل کیا ہو اس کی عظمت جامعیت اور عبقریت کا کیا پوچھنا۔ یہ تو جہات عالیہ خود ہی کہتی ہیں کہ ذات والا اوروں میں انتخاب تھی۔ کوئی یونہی نہیں مرکز فیض بنتا ہے۔ عبقریت اور مرجعیت دونوں ساتھ ساتھ رہا کرتی ہیں۔ سو یہ دونوں آپ کے اوصاف سے بھی بغل گیر تھیں۔ اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود سرکار نور کی ذات کریمہ اپنے اوقات میں عجیب برکات رکھتی تھی۔ آپ کی علمی مصروفیات کی روداد حضرت نظمی دامت برکاتہم القدسیہ کے قلم سے اچھی لگتی ہے کہ آپ ہی حضرت نوریؔ کی گدی کے وارث و جانشین ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:

> دربار نوری کی وہ شان کہ فوائد جلیلہ دینیہ بیان ہو رہے ہیں اور ہر مسئلۂ شرعی کو اس اسلوب اور وضاحت سے ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ ہر عامی کے ذہن نشین ہو رہا ہے۔ بعض مسائل کی تحقیق میں سوالات روانہ فرما رہے ہیں کبھی خود بھی سفر فرما رہے ہیں، کتب تصوف و سلوک و عقائد کے مطالعے میں ہیں اور کبھی ان میں سے مختلف فوائد انتخاب فرما رہے ہیں۔

یہ تو آپ کی علمی مصروفیات تھیں دوسری طرف اوراد و اذکار بھی اس قدر تھے کہ حیرت ہوتی ہے۔ بقول حضرت نظمی مدظلہ:

> ''ورد روزانہ اس قدر تھا کہ اچھا تیز پڑھنے والا اس کو پورے دن اور پوری رات میں پورا کر سکتا تھا۔ یہ سب سرکار نور بہت تھوڑے وقت میں پڑھ لیتے۔ اللہ اکبر! حضور کے وقت میں کیسی وسعت و برکت تھی کہ نماز وظائف، اوراد و اشغال کے سوا خدام و سائلین کی پرسش حالات، خطوط کے جواب، مریضوں کی عیادت، نقوش و تعویذات کی تحریر، قیلولہ و آرام، تصنیف و ملاحظۂ کتب، اہل حقوق کی پاسداری، حضور خاتم الاکابر کے دربار کی حاضری۔ معاملات کا پیش کرنا اور ہدایات لینا وغیرہ اوقات روزانہ طے ہوتے تھے۔

سراپائے نور :

اس پیکر کرامت کے سراپا کا نقشہ کھینچتے ہوئے آپ کے خلیفہ و خادم خاص مولانا قاضی غلام شبر قادری برکاتی بدایونی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

''حضور کا قد میانہ تھا لیکن باوجود میانہ قد قامت ہونے کے مجمع میں حضرت ہی سب سے بلند نظر آتے، رنگ مبارک گندمی، سر شریف بڑا اور محلوق، پیشانی چوڑی، بھنویں باریک، آنکھیں بڑی اور روشن سپیدی اور سیاہی میں تیز سرخی کے ڈورے پڑے ہوئے۔ دندانِ مبارک نہایت ہی صاف، چمکدار، مضبوط غالباً وفات شریف تک کوئی دانت گرا نہ تھا۔ ریش مبارک نہ انبوہ نہ کم، پوری بھری ہوئی، سینہ مبارک کو ڈھکتی ہوئی، مونچھیں اس قدر قصر فرماتے گویا منڈی ہوئی ہیں، سینہ مبارک چوڑا، آخر عمر میں کمر مبارک خم ہوگئی تھی جو چلنے میں محسوس ہوتی تھی، پاؤں کی ایڑیاں چھوٹی نہایت خوبصورت رفتار۔ ہنسی صرف تبسم تک محدود تھی۔ بیشتر عمامہ رنگین، کرتا سفید نقش بندی، پاجامہ، ڈھیلا کلاہِ مبارک دوپلی گوشہ کھلے ہوئے، کبھی قادری قمیص اور عبا بھی زیب تن فرماتے۔ جاڑوں میں پوری آستینوں کی ناف سے نیچی مرزئی لباس تھا ایک چھوٹا سا سفید دوپٹہ جو بشکل لا گلے میں ہوتا۔ [تذکرہ نوری]

عقد مسنون :

سرکار نور قدس سرہٗ کا پہلا عقد مسنون دختر حضرت سید شاہ ظہور حسین عرف چھٹو میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ہوا۔ ان بی بی صاحبہ کا وصال ۱۷/ جمادی الاخریٰ ۱۲۸۶ء میں بمقام مارہرہ شریف ہوا۔

حضرت اقدس کا دوسرا عقد میرے جد امجد حضرت سید شاہ حسین حیدر حسینی میاں رحمۃ اللہ علیہ (حقیقی نواسہ حضور خاتم الاکابر قدس سرہٗ) کی حقیقی بہن یعنی دختر سید محمد حیدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ۱۲۸۷ھ میں ہوا۔ ان کے بطن سے ایک صاحبزادے سید محی الدین جیلانی ۱۲۸۸ء میں تولد ہوئے لیکن ان صاحبزادے کا وصال ۱ سال ۷ ماہ کی عمر میں بمقام مارہرہ شریف ہوا۔

حضور میاں صاحب کے جب کوئی اولادِ صلبی باقی نہ رہی تو آپ نے اپنا جانشین اپنے عم زاد بھائی کے صاحب زادے سید علی حسن عرف اقبال کو مقرر کیا لیکن ان صاحبزادے کا وصال بھی حضور میاں صاحب کے سامنے ہوگیا۔ تب حضرت نوری دادا نے بہت رقت کے ساتھ فرمایا۔ ؎

مٹے وہ نگیں کھُدے جس پر نام ہمارا

[اہل سنت کی آواز، ۲۰۰۳ء، ص ۵۷-۵۸]

بیعت وخلافت :

سرکار نور، سراج العارفین سید شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہٗ کو صرف بارہ سال کی عمر میں حضرت خاتم الاکابر قدس سرہٗ نے خلافت تفویض کی۔ حضرت سراج العوارف میں خود تحریر فرماتے ہیں:

''ربیع الاول شریف ۱۲۶۷ھ کی سترہویں رات کو مرشد اعلیٰ سیدنا آل احمد عرف اچھے میاں صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فاتحہ سے فارغ ہو کر میرے دادا اور مرشد سیدنا شاہ آل رسول احمدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھے ساتھ لے کر سجادہ کے مقام پر آئے، میری عمر اس وقت بارہ برس کی تھی۔ سجادہ شریف پر لا کر مجھے مسند طریقت پر چارزانو بیٹھنے کا حکم دیا،

چنانچہ میں بیٹھ گیا۔حضرت نے خود دوزانو بیٹھ کر ایک روپیہ بطور نذر پیش کیا اور فرمایا: مبارک ہو۔''

یہ انداز نوازش صرف اسی کے ساتھ ہوتا ہے جو مرید مراد اور گوہر تابدار ہوتا ہے۔حضرت خاتم الاکابر نے اس غیر معمولی طرز عمل سے یہ اعلان فرمادیا کہ سرکار نور آپ کے جانشین اور سجادہ غوثیہ برکاتیہ کے مسند نشیں ہے۔باضابطہ سجادگی کی رسم حضرت خاتم الاکابر سید شاہ آل رسول احمدی قدس سرہٗ کے عرس مبارک ذی الحجہ ۱۲۹۷ھ عمل میں آئی۔اس محفل میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ نے **رحمة اللّٰہ و برکاتہ علیکم اھل البیت انہ حمید مجید** [۱۲۹۷ھ] سے سجادہ نشینی کی تاریخ نکالی اور مشہور عالم قصیدہ ع

برتر قیاس سے ہے مقام ابوالحسین

عرض کیا۔اس محفل نور میں حضرت تاج الفحول محب رسول مولانا شاہ عبدالقادر قادری برکاتی بدایونی قدس سرہٗ بھی حاضر تھے۔

خلفاے کرام :

سرکار نور پہلے بزرگ ہیں جنھیں حضرت خاتم الاکابر نے تقاضاے حالات کے پیش نظر مارہرہ مطہرہ سے باہر قیام کی اجازت مرحمت فرمائی،اس لیے سرکار نور کا خورشید فیضان پورے متحدہ ہندوستان پر جلوہ گر ہوا اور کثیر خلق خدا نے آپ کی ذات بابرکات سے فیض روحانی حاصل کیے۔آپ تربیت کے بعد خلافت سے نوازتے تھے،اس کے باوجود آپ کے خلفاء کی تعداد خاصی ہے۔صاحب عرس قاسمی مجدد برکاتیت ابوالقاسم سید شاہ محمد اسماعیل حسن شاہ جی میاں،سید شاہ مہدی حسن برکاتی،تاج العلما سید شاہ اولاد رسول محمد میاں،سید شاہ حامد حسن،سید شاہ ظہور حیدر،سید شاہ ابن حسن،سید شاہ اسحاق حسن،سید شاہ ارتضا حسین پیر میاں،نواب سید احتشام الدین حسین،سید محمد ایوب حسن قدست اسرارہم رکار نور کے وہ خلفا ہیں جو خاندان برکات سے تعلق رکھتے ہیں۔

دیگر خلفاے کرام میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی،تاج الفحول مولانا عبدالقادر بدایونی،مولانا عطاء اللہ خاں رامپوری،مولانا قاضی مبشر الاسلام عباسی بدایونی،مولانا حکیم عبدالقادر شہید نوری بدایونی،مولانا غلام حسنین صدیقی بدایونی،مفتی اعظم آل رحمن ابوالبرکات محی الدین شاہ مصطفی رضا نوری،مولانا قاضی غلام قنبر بدایونی،مولانا قاضی غلام شبر بدایونی،مولانا محمد جعفر بدایونی،حاجی محمد علی نقوی بدایونی،مولوی عطا محمد صدیقی بدایونی،مولوی سکندر خان شاہ جہاں پوری،حافظ محمد سراج الدین بدایونی،مولوی مشتاق احمد سہارن پوری،مولوی محمد طاہر الدین صدیقی بدایونی میاں محمد رمضان پنجابی،حکیم سید مشتاق حسین حیدرآبادی،ملا محمد طفیل احمد ایٹوی،شاہ تلقین،شاہ امام علی،سید محمد ابراہیم شاہ جہان پوری،سید فخر عالم شاہ جہان پوری،مولانا محمد عمر دہلوی،مولانا حکیم سید محمد غوث بدایونی،ملا ولایتی،مولوی محمد عزیز بخش بدایونی،مولانا سید احمد حسین،مولوی محمد جمیل الدین عباسی بدایونی،شیخ کرامت حسین پالن پوری،سید عبدالعزیز،مولانا محمد عادل ناروی،نواب سید یحییٰ حسن،قاضی حسن شاہ پنجابی کے اسماے گرامی صاحبان تذکرہ نے نقل کیے ہیں۔

ان خلفاے کرام میں جو خصوصیت اعلیٰ حضرت اور مفتی اعظم کو آپ کی بارگاہ والا جاہ میں حاصل تھی وہ اپنی نظیر آپ تھی۔سرکار مفتی اعظم مرید مراد تھے جس کی جھلک آپ ملاحظہ کر چکے۔سرکار اعلیٰ حضرت کو چشم و چراغ خاندان برکات کا لقب آپ نے مرحمت فرمایا۔یہ وہ اعزاز ہے جس کی نظیر خلفاے خاندان برکات میں نہیں پیش کی جاسکتی۔سرکار نور والا نامے میں تحریر فرماتے ہیں:

''چشم و چراغ خاندان برکاتیہ مارہرہ مولانا احمد رضا خاں صاحب دام عمرہم و علمہم ۔از ابوالحسین بعد دعاے فقیر و مقبولیت محررہ القاب سطر بالا۔

واضح ہو کہ یہ خطاب حضرت صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ کو دیا تھا باوجودیکہ میں لائق اس کے نہ تھا، تحریر فرمایا کرتے تھے۔ چوں کہ اب میں بظاہر اسباب انواع انواع امراض میں ایسا مبتلا ہوں کہ مصداق اس مصرع کا ہوگیا ہوں ع اگر ماند شبے ماند شبِ دیگر نمی ماند

اور مولانا عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی اٹھ گئے اور جگہ خالی کر گئے تو اب سوائے آپ کے حامی کار اس خاندان عالی شان کا خلفا میں کوئی نہ رہا۔ لہٰذا میں نے یہ خطاب آپ کو بایمائے غیبی پہنچا دیا۔ بطوع و رغبت آپ کو قبول کرنا ہوگا اور میں نے بطیبِ خاطر بلا جبر و اکراہ بہ رغبت قلب یہ خطاب آپ کو ہبہ کیا اور بخش دیا۔ یہی خط اس کی سند میں باضابطہ رہے۔ فقط

ابوالحسین۔ ازمارہرہ

[اہل سنت کی آواز، ۲۰۰۳ء، ص ۱۷]

نورانی اخلاق :

سرکار نور کے اخلاق کریمانہ، شمائل نبوی کا پرتو تھے۔ عقیدے میں حد درجہ تصلب تھا۔ شریعت کی پوری پابندی تھی، قرآن و حدیث کے پورے عامل تھے۔ علوم نبوت کے ماہر تھے۔ ریاضت و مجاہدہ، سخاوت و کرم، مخلوق خدا کی حاجت روائی، خندہ روئی، اعتدال پسندی، نرم نرم اندازِ گفتگو، ہر ایک سنّی مسلمان بالخصوص اہل سلسلہ کی خیر خواہی، ان کے حق میں دست بدعا رہنا، غریبوں، مسکینوں سے انس، محرمات ہی نہیں مکروہات و لغویات سے بچنا، دوسروں کی عیب پوشی، بدمذہبوں سے دوری، فاسقوں سے وحشت، سرکار نور کے اخلاق نورانی کے چند گوشے ہیں۔

فنا فی الشیخ تھے، سرکار غوثیت مآب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ سے عشق تھا۔ ریاضت کا حال کیا تھا، اس کی سمت اشارہ ہو چکا ہے۔ یہاں سراج العوارف کا وہ اقتباس درج کرتا ہوں جس میں سرکار نور نے اخلاف اور وابستگان سلسلہ کی تربیت اور رہنمائی کے لیے اپنے کچھ معمولات درج کیے ہیں ورنہ اس بارگاہ میں تو کمالات کا اخفا حد درجہ مطلوب تھا۔ سرکار نور رقم طراز ہیں:

''اس فقیر کو صفائی قلب اور تزکیہ اور اسمائی اور صفاتی تجلیوں کے حاصل کرنے کے لیے بعض اسموں اور دعاؤں کی دعوت کا کافی اتفاق ہوا۔ میں نے بیس سال کی عمر میں تنہائی اختیار کی اور تیس سال تک اکثر خلوت ہی میں روزہ دار رہا۔ میں نے کبھی لمبی مدت کے لیے روزے نہیں چھوڑے اور اس دوران میں نے دو تین بار بل کہ اس سے زیادہ دعوت اسماء اور حسب ذیل دعائیں ورد رکھیں۔

۱- حزب البحر، ۲- سورۂ واقعہ، ۳- سورۂ مزمل، ۴- اسمائے اصحاب کہف، ۵- آیت اللہ لطیف بعبادہ، ۶- دعوت چہل اسما بطور خمسہ خاندان کی مختصر ترکیب کے مطابق، ۷- اسم بدوح سادہ، ۸- اسم بدوح باموکل، ۹- اسم انہ ولی الاجابۃ، ۱۰- اسم یا بدیع العجائب، ۱۱- اسم یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ، ۱۲- عمل شجرۂ زر، ۱۳- عمل دعائے حیدری

ان اسما اور دعاؤں کو میں سالہا سال بار بار عامل کی شرطوں کی ادائیگی اور زکات کے لیے معمول بنایا اور ان کی روحانیت اور تجلیات سے فیض پایا اور جلالی و جمالی غذاؤں اور مکروہات کو ترک کیا۔''

ان کثیر اوراد اور بے شمار الٰہی تجلیات کی برکتوں کی کچھ جھلکیاں روحانی مصروفات کے عنوان سے آگے ملاحظہ کریں۔

تصانیف :

سرکار نوری کی علمی، دعوتی اور عملیاتی مصروفیات کی جھلکیاں آپ نے ملاحظہ کیں لیکن ان کثیر در کثیر ہمہ جہت مصرفیات کے باوجود اچھی خاصی تصانیف آپ سے یادگار ہیں جب کہ آپ کو تصنیف وتالیف سے شغف نہ تھا۔ آپ نے چند رسائل تکسیر وعقائد، آداب مریدین، اوراد واذکار، اشغال واعمال اور فقہ میں تصنیف فرمائے۔ شعر بھی کہتے تھے اور خوب کہتے تھے تخلص اول سعید فرماتے تھے، بعد میں نوری کرلیا تھا۔ ایک مختصر دیوان بھی چھوڑا۔

محترمی ومخدومی حضرت سید آل رسول حسنین میاں نظمی برکاتی دامت برکاتہم القدسیہ حضرت نوری قدس سرہٗ کی تصانیف کا ایک اجمالی موضوعاتی خاکہ ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

تصنیف اور اس کی شہرت سے سرکار نوری میاں قدس سرہٗ کو خاص دلچسپی نہ تھی۔ بعض تحریرات بطور رسالہ بھی خدام کے التماس پر مرتب ہوئے۔

۱- **العسل المصفی فی عقائد ارباب سنة المصطفی (علیه التحیة والثنا)**: آسان اردو زبان میں عقائد اہل سنت کے بیان میں نہایت مختصر اور مفید، بچوں کی تعلیم کے لیے مناسب بل کہ ضروری رسالہ ہے۔ (یہ متعدد بار شائع ہوا۔ ۱۲ رضوی)

۲- **سوال و جواب**: یہ بھی اردو زبان میں مختصر مسئلۂ تفضیل کا فیصلہ ہے۔ آج تک حضرات تفضیلیہ سے اس کا جواب نہ بن پڑا۔

۳- **اشتہار نوری**: یہ ایک مفید تحریر ہے۔ جس وقت بعض علماے اہل سنت مکائد اہل ندوہ سے دھوکا کھا گئے ان کی ہدایت وتنبیہ کے لیے یہ اشتہار جاری ہوا۔

۴- **تحقیق التراویح**: یہ دفع فتنۂ بعض غیر مقلدین میں بیس رکعت تراویح کے اثبات میں تحریر فرمایا۔

۵- **دلیل الیقین من کلمات العارفین**: تفضیل کلی حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا اثبات حضرات تفضیلیہ کے شبہات کا ازالہ نہایت ضروری وضاحت سے فرمایا۔ لاجواب تھا لہٰذا لاجواب ہے۔

۶- **عقیدہ اهل سنت نسبت محاربین جمل و صفین و نهروان**: یہ رسالہ بزبان اردو ہے اور حسب الحکم حضور خاتم الاکابر تحریر فرمایا۔

۷- **لطائف طریقت کشف القلوب**: یہ رسالہ بیان کسب ابتدائی سلوک میں بزبان اردو ہے۔

۸- **النور والبهاء فی اسانید الحدیث وسلاسل الاولیاء**: اس رسالے میں سلاسل واسناد احادیث صحاح ومسلسل بالاولیۃ وحصن حصین ودلائل الخیرات، اسماء اربعینہ، مصافحات اربعہ، مشابکہ، مسلسل بالاضافۃ واسناد حرز یمانی وقرآن کریم وتسبیح وسلسلۂ عالیہ قادریہ قدیمہ وایہ، وکالپویہ جدیدہ ورزاقیہ ومنوریہ وچشتیہ وسہروردیہ ونقشبندیہ ومداریہ وعلیہ جو چند طریقوں سے پہنچے ہیں درج ہیں۔ بزبان عربی نہایت مفید رسالہ ہے۔

۹- **سراج العوارف فی الوصایا والمعارف**: یہ وہ پرنور تصنیف ہے کہ جو فوائد اس میں مندرج ہیں ان کا

مجموعہ کسی ایک جگہ نہیں ملے گا۔خانوادۂ برکاتیہ کے جملہ مریدین ومتوسلین کو اس کا دیکھنا، پڑھنا، پاس رکھنا نہایت فائدہ مند ہے۔

۱۰-الجفر: ایک مختصر رسالہ بزبان اردو ہے جس میں جفر کا ایک خاص قاعدہ مفصلاً مذکور ہے۔

۱۱-النجوم: ایک نہایت مختصر رسالۂ نجوم ہے۔وہ چیزیں جن کا جاننا ایک عامل اور جفّار کو ضروری ہے اس میں درج ہیں۔

۱۲-تخییل نوری: مجموعہ اشعار فارسی وعربی و اردو جو گاہ گاہ اتفاقیہ نظم فرمائے گئے۔تخلص سرکار نور پہلے سعیدؔ تھا پھر نوریؔ فرماتے تھے۔

ان کے علاوہ سرکار نور نے صلوٰۃ غوثیہ، صلوٰہ معینیہ، مجموعہ صلوٰۃ نقشبندیہ، صلوٰۃ صابریہ، صلوٰۃ ابی العلائیہ، صلوٰۃ مداریہ، صلوٰہ الاقربا، صلوٰۃ المرضیہ لفقراء المارہرویہ وغیرہ شجرے مرتب فرمائے۔آخری تصنیف حضور کی اسرار اکابر برکاتیہ ہے جو صدہا نکات واسرار پر مشتمل ہے۔مجموعہ ہائے اعمال واشغال کا تو کوئی شمار ہی نہیں۔[سراج العوارف، ص ۱۳ تا ۱۵]

تذکرۂ نوری کے حوالے سے حضرت کی تصنیف صلوٰۃ غوثیہ سے لے کر اخیر تک کی باقی کتابوں کے بارے میں تذکرۂ مشائخ قادریہ رضویہ میں یہ تفصیل درج ہے۔

۱۳-صلوٰہ غوثیہ: اس میں شجرۂ عالیہ قادریہ مع اسمائے حسنیٰ درج ہے۔

۱۴-صلوٰۃ معینیہ: شجرۂ چشتیہ اس میں بطور اوراد درج ہے۔

۱۵-مجموعہ: اس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، سیدنا حضرت علی وحضرات حسنین کریمین اور سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے ننانوے اسمائے عالیہ کا ذکر ہے۔

۱۶-صلوٰۃ نقشبندیہ: اس میں بھی حضرت خواجۂ نقشبند کے ننانوے صیغے اور اسما مذکور ہیں۔

۱۷-صلوٰہ صابریہ:

۱۸-صلوٰۃ ابی العلائیہ:

۱۹-صلوٰۃ مداریہ: اس میں اکثر اسماء ننانوے صیغے کے ساتھ درج ہیں۔

۲۰-صلوٰۃ المرضیہ لفقراء المارهرویہ: اس میں اکثر خاندانی خلفا کے اسمائے گرامی درج ہیں۔

۲۱-صلوٰۃ الاقرباء: اس میں بیشتر خاندانی بزرگوں کے اسمائے گرامی مذکور ہیں۔

۲۲-اسرار اکابر برکاتیہ: یہ آخری تصنیف ہے جس میں خاندانی اسرار و نکات مذکور ہیں۔

۲۳-مجموعہ ہائے اعمال و اشغال: اس کا شمار نہیں۔قریب چند مجموعہ ہر سال خود تحریر فرماتے جو چند حضرات کے پاس ہیں۔[تذکرۂ مشائخ قادریہ رضویہ، ص ۳۸۶-۳۸۷]

ناچیز نے آپ کی تصانیف سے صرف دو تصنیف دیکھی اور وہ ہیں ''سراج العوارف فی الوصایا والمعارف'' اور'' العسل المصفی فی عقائد ارباب سنۃ المصطفیٰ'' ان کے بالاستیعاب مطالعہ کے بعد اس کی اہمیت کا احساس ہوا۔سراج

العواف میں جس قدر جامع فوائد و نکات موجود ہیں اختصار کے ساتھ اس قدر کثیر فوائد و نکات میرے محدود مطالعہ میں تصوف کی کسی کتاب کے اندر نہ ملے۔انسان کی اسلامی زندگی کے لیے جو باتیں ضروری ہیں سرکار نور نے عجب حسن اختصار اور سلاست کے ساتھ جمع کر دیے ہیں۔سبع سنابل شریف کے انداز میں اس میں سات لمعے (روشنیاں) ہیں اور ہر لمعہ کے اندر''نور''کے عنوان سے کثیر فوائد درج ہیں جس کی مختصر تفصیل یہ ہے۔

۱- پہلا لمعہ : وصیتوں کے باب میں ہے جس میں گیارہ[۱۱] وصیتیں ذکر ہیں۔
۲- دوسرا لمعہ : اہل سنت کے عقیدوں کے بیان میں ہے جس میں اٹھائیس [۲۸] نور ہیں۔
۳- تیسرا لمعہ : تصوف کے سلسلے میں ہے جس میں سرسٹھ[۶۷] نور ہیں۔
۴- چوتھا لمعہ : سلوک کے بیان میں ہے جس میں باون[۵۲] نور ہیں۔
۵- پانچواں لمعہ : مسائل فقہیہ کے ذکر میں ہے جس میں انچاس[۴۹] نور ہیں۔
۶- چھٹا لمعہ : اخلاق اور نصائح کے بیان میں ہے جس میں تیئیس [۲۳] نور ہیں۔
۷- ساتواں لمعہ : بعض متفرق فوائد کے بیان میں جس میں سات[۷] نور ہیں۔

اصل کتاب فارسی زبان میں ہے جس پر سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں منظوم تقریظ ہے۔

عربی تقریظ کے چند اشعار یہ ہیں:

انا سیدی یا ابن عزغطارف ویا احمد النورنورالاعارف
کلامک نور بھاء السلاسل وشھدمصفی عن الزیع صارف
و تحقیق ترویح کشف القلوب دلیل الیقین سراج العوارف
ولاغر و ان جاء منک سراج فانک نور نادی المعارف
ارانا سراجک باللیل شمسا و شمس بلیل عجیب و طارف
فھل مثله فی تلید و طارف
و این فاین تراہ الطوارف

[بساتین الغفران،ص۱۹۵]

استاذ حازم محمد احمد عبدالرحیم المحفوظ مرتب بساتین الغفران جو جامعہ از ہر کے فاضل استاذ ہیں انھوں نے ڈاکٹر حامد علی خاں کے مقالہ کے حوالے سے فقط یہی چھ اشعار ذکر کیے ہیں۔حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ گیارہ عربی اشعار تقریظ میں کہے تھے جو سراج العوارف کے اس نسخہ میں مطبوع ہیں جو بدایوں پریس سے شائع ہوا تھا۔لیکن انھیں تلاش و جستجو کے باوجود یہ نسخہ دست یاب نہ ہو سکا۔

سراج العوارف کے دو اردو ترجمے ہوئے۔پہلا ترجمہ حضرت مولانا مفتی خلیل احمد خاں صاحب برکاتی مارہروی علیہ الرحمۃ نے کیا

اور دوسرا حضرت مخدوم گرامی جانشین حضرت احسن العلما قدس سرہٗ ڈاکٹر امین میاں صاحب مدظلہ العالی نے۔ جس کی زبان پہلے ترجمہ سے زیادہ سلیس اور رواں ہے۔ ہندوستان میں آج کل عام طور سے پہلا ہی ترجمہ دست یاب ہے جسے مکتبۂ جام نور دہلی نے ''شریعت و طریقت'' کے نام سے شائع کیا ہے۔ حضرت امین ملت کا ترجمہ عرصہ ہوا مکتبۂ استقامت کان پور سے شائع ہوا تھا۔ پاکستان میں اس کے متعدد ایڈیشن نکلے۔ فقیر کے پاس برکاتی پبلشرز کھارادر کراچی کا شائع کردہ ایڈیشن موجود ہے۔ المجمع المصباحی مبارک پور نے حال میں ایک خوب صورت جدید ایڈیشن شائع کیا ہے۔

سراج العوارف شریف میں سرکار نور قدس سرہٗ نے بہت مفید فوائد ونکات کی نشان دہی فرمائی ہے جو ایک مومنانہ زندگی کے لیے راہنما اصول کہے جاسکتے ہیں اور بہت سے کارآمد نصائح کریمہ بھی اس میں مذکور ہیں۔ تفصیلی معلومات کے لیے تو اصل کتاب کا مطالعہ ہی کفایت کرے گا۔ یہاں صرف چند نصائح طیبہ افادیت کے واسطے تحریر کیے جاتے ہیں۔

سرکار نور فرماتے ہیں:

> ''(۱) اپنا راز کسی سے نہ کہو (۲) عالم کے فعل کو نہ دیکھو بلکہ اس کے قول پر نظر کرو اس لیے کہ فعل صرف اپنے لیے ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ خلاف سنت بھی ہو اور قول دوسروں کے لیے ہوتا ہے۔ علمائے کرام کی دیانت داری سے اس کی توقع نہیں کہ ان کا قول خلاف سنت ہو۔ (۳) بروں اور نافرمانوں کو نصیحت کرو کہ شاید وہ توبہ کرلیں اور کسی سے ان کا عیب بیان نہ کرو کہ کہیں وہ ڈھیٹ نہ ہوجائے۔ (۴) اپنے سے کمزوروں پر رحم کرو تاکہ اپنے سے طاقت وروں کی طرف سے تم پر رحم ہو۔ (۵) کسی کو گالی نہ دو کہ وہ بھی تمھیں گالی دے۔ گالی گلوج سے دنیا میں بربادی اور آخرت میں گناہ ہے۔ (۶) جس نے پائجامہ کھڑے ہوکر پہنا اور عمامہ بیٹھ کر باندھا اس کو اللہ تعالیٰ ایسی مصیبت میں مبتلا فرمائے گا جو پھر ٹل نہیں سکتی۔ (۷) ادب سے رہو بے ادبی سے بچو۔ اولیا، اصفیا، اتقیا، علما، فضلا اور فقرا کے ادب وتعظیم میں کوشاں رہو۔ (۸) کسی سے منافقانہ میل جول نہ رکھو۔ منافقانہ دوستی سے کھلی دشمنی بہتر ہے۔ (۹) بزرگوں کی نصیحت سے غمگین نہ ہو اور چھوٹوں کو ادب سکھانے میں غفلت نہ برتو۔ (۱۰) کسی کی برائی کا چھپانا ثواب کا کام ہے اور خدا کے خاص بندوں کی عادت ہے۔
>
> [سراج العوارف، ص ۱۸۲ تا ۱۸۶ ملخصاً]

العسل المصفی فی عقائد ارباب سنۃ المصطفیٰ (۱۲۹۸ھ)

اٹھائیس صفحات کا یہ رسالۂ مبارکہ اہل سنت کے جملہ عقائد کو اختصار اور جامعیت کے ساتھ سمیٹے ہوئے ہے۔ سرکار نور قدس سرہٗ نے بڑی ہی سلیس اور آسان زبان میں اللہ تعالیٰ کی توحید وتنزیہ، اللہ تعالیٰ کی صفتیں، تقدیر الٰہی کا مسئلہ، اللہ تعالیٰ کی کتابیں، اللہ تعالیٰ کے فرشتے، اللہ تعالیٰ کے پیغمبر علیہم السلام، ہمارے نبی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، حضور کے آل واصحاب، صحابہ کی شکر رنجیاں، تفضیل کی تفضیل، ایمان وکفر وشرک وبدعت کی بحث، قیامت وآخرت کا ذکر، متفرق مسئلے جیسے ذیلی عناوین پر اتنے مختصر اوراق میں گفتگو فرمائی ہے جو اس کی جامعیت کی جامع شہادت ہے۔ زبان ایسی رواں ہے کہ سو سال سے زائد کا عرصہ گزرنے کے بعد بھی یہ احساس نہیں ہوتا کہ اس کے مفاہیم کو لسانی قدامت متاثر کررہی ہے۔

یہ رسالہ حضرت تاج العلما کے زیر اہتمام دارالاشاعت برکاتی مارہرہ مطہرہ سے شائع ہوا۔ پھر اس کے کثیر تعداد میں متعدد ایڈیشن

مختلف جگہوں سے شائع ہوئے۔ میرے سامنے ماسٹر عتیق احمد برکاتی کے زیر اہتمام کان پور سے شائع شدہ ایڈیشن ہے۔

حضرت سرکار نور قدس سرہٗ آغاز رسالہ میں سبب تالیف بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :

امابعد! خدا کی طرف شکوی کہ زمانہ وہ آیا کہ علم مدبر ہے اور جہل ظاہر سنن ضائع اور فتن شائع، سداد مخذول وفساد مقبول، اہل بدعت نے عوام میں طرح طرح جال پھیلایا ہے اور اس فرقۂ ناجیہ اہل سنت وجماعت نے حفظ عقائد سے یک دست ہاتھ اٹھایا ہے۔ بدمذہب اپنے اطفال کو زبان کھلتے ہی مشرب باطل کی تعلیم شروع کرتے ہیں اور اہل حق این وآں میں وقت گنوا کر تعلیم عقائد حصول علم پر موقوف رکھتے ہیں۔

پھر وہ کتنے ہیں جنھیں علم حاصل ہوتا ہے اور ہوا بھی تو بہت ذی علم حکمت فلسفہ کی آفت میں تحقیقات دینیہ کو جھگڑا تصور کرتے اور اس سے دامن بر چیدہ رہتے ہیں اور جو علم سے محروم رہے ان کا تو کہنا ہی کیا۔ لوح سادہ ہیں جو چاہے نقش جمائے۔ جیسی صحبت پائی ویسے ہی ہو گئے۔ تحقیق کا شوق نہیں کہ اپنے علما سے دریافت کریں۔

فقیر ملتجی الی المولی الغنی سید ابوالحسین احمد النوری ملقب بہ میاں صاحب قادری برکاتی مارہروی **اصلح اللّٰہ لہ الشاھد والغائب و زھدہ فی الدنیا و رغبہ فی الرغائب آمین**۔ بہ نظر خیر خواہی برادران دین چند سطر عقائد اہل سنت وجماعت میں بسلاست زبان و وضاحت بیان وشرح مسائل وطرح دلائل منصۂ تحریر پر جلوہ نما اور رسالہ کو بنام تاریخی العسل المصفیٰ فی عقائد ارباب سنۃ المصطفی مسمی کرتا ہے۔ [العسل المصفی، ص ۳-۴]

۱۲۹۸ھ میں میرٹھ سے اس کا جو ایڈیشن شائع ہوا تھا اس میں سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی منظوم عربی تقریظ بھی شامل تھی جسے بساتین الغفران میں نقل کیا گیا ہے۔ فقیر افادیت کے لیے اسے یہاں نقل کرتا ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔

یاصاحبی قِفا لما یعنینا ۔۔۔ واد شممنا منه نفحة سينا
آنست من مارهرة ناراًعلیٰ ۔۔۔ طور اشنا طورا به يهدينا
فعزمت ممشای هذا اننی ۔۔۔ مالم انلها لن اذوق هدؤنا
امضی علی سنتی ولا اصغی الی ۔۔۔ قول من الاغوال والمردينا
سيرا معی اولا فلست براجع ۔۔۔ انی لفی شان اراه يقينا
طوبیٰ لابناء السبيل اذا اهتدوا ۔۔۔ و مشوا لهذا النور من قادينا
اكرم بنا رضوء ها يجلو الدجیٰ ۔۔۔ من احمد النوری جاء مبينا
نورالهدی بحر التقیٰ بدرالنقیٰ ۔۔۔ اضحیٰ له حفظ الاله معينا
من آل من رضی البلافی كربلا ۔۔۔ من اهل خلق الحسين حسينا
يا قوم هذا الحق هذا المنتقیٰ ۔۔۔ هذا النجاة ان اتخذتم دينا
عسل مصفیٰ باليقين فلم يذر ۔۔۔ بذواقه ظنا ولا تخمينا
تعسا لمن اهویٰ الیٰ مهویٰ الهویٰ ۔۔۔ و رایٰ بدين السنة المفتونا
لم يات مشیٰ للصواب بديلا ۔۔۔ ما كان حق بالجدال قمينا

فعلیک یا هذا بجمع او قدوا مصباح دین اللّٰہ فی نادینا
لک اسوۃ فیهم فلذبجناحهم لا تتبع من غیرهم مجنونا
قال الرضا ارخ رسالة سیدی هذاهو الحق الصریح مبینا

[بساتین الغفران،ص ۱۶۰-۱۶۱]

ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب مدظلہ نے بھی ان اشعار کو اپنی تصنیف ''حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی'' میں ذکر کیا ہے۔ دیکھیے ص ۷۳ تا ۷۵، مطبوعہ سیالکوٹ اسلامی کتب خانہ۔

حضرت نوری میاں قدس سرہٗ کا شعری دیوان ''تخییل نوری'' شائع ہو چکا ہے لیکن فقیر کی نگاہ سے نہیں گزرا۔ البتہ اس کے کچھ اشعار مولانا شبنم کمالی صاحب کے مضمون ''حضرت نوری میاں کی نعتیہ شاعری'' میں دیکھنے کو ملے۔ چند منتخبہ اشعار نذر قارئین ہیں تاکہ وہ اس سے حضرت کی فکری ندرت، تخیل کی بلندی، جذبے کی حدت، ذوق کی لطافت یعنی شاعرانہ عظمت کا بھی اندازہ کر سکیں۔

پھول مہکے، رنگ چمکے داغہائے عشق کے بڑھ گئی جنت سے بھی کچھ اپنے مدفن کی بہار
جلوۂ حسن بتاں کیسا؟ کہاں کا رنگ گل چڑھ گئی اب تو نظر پر ان کے جوشن کی بہار
کس ادا کس بات میں کم ہیں مرے داغ جگر بلبلیں دیکھا کریں اے نوریؔ گلشن کی بہار

دل عشاق میں اے جان مکیں کیوں نہ ہوئے یہ بھی تو عرش ہے تم عرش نشیں کیوں نہ ہوئے

نام جب دیکھتے ہیں تیرا خطوں میں عاشق رشک کرتے ہیں کہ قرطاس ہمیں کیوں نہ ہوئے
غم فرقت کی بلاؤں میں پھنسا ہے نوریؔ حیف صد حیف کہ تم اس کے معیں کیوں نہ ہوئے

پھر کہا دل نے چلو کوہ و بیاباں کی طرف ہاتھ پھر بڑھنے لگے جیب و گریباں کی طرف

تو ہی کر انصاف دونوں کو ملا کر عندلیب جاؤں میں اس گلی میں یا گلستاں کی طرف
جس نگاہ لطف سے تم دیکھتے ہو سوئے غیر دیکھ لو میرے بھی احوال پریشاں کی طرف
مل گئے جب خاک میں تو پوچھنے والا ہے کون نوریؔ آتا ہے کوئی گور غریباں کی طرف

یہ حضرت کے وہ اشعار ہیں جس میں تغزل کی شان اپنے پورے جمالیاتی رنگ کے ساتھ موجود ہے۔ ورنہ سرکار نور نے بڑے سادہ کلام بھی کہے ہیں جس میں سادگی کے ساتھ بانکپن بھی ہے۔ ذرا یہ اشعار دیکھیے:

مرا محبوب، محبوب خدا ہے مرا پیارا محمد مصطفی ہے
وہی روح روانِ انبیا ہے وہی تاب و توانِ اولیا ہے
ثنا اس کی بشر سے کب ادا ہو کہ وہ محمود و محبوب خدا ہے
انھیں نعت لکھ نوریؔ ہمیشہ انھیں سے ابتدا و انتہا ہے [تخییل نوری]

تصرفات نور : سرکار نور کے روحانی تصرفات اور کشف و کرامات حیطۂ تحریر میں لائے جائیں تو دفتر کے دفتر لب ریز

ہو جائیں اور یہ کوئی مبالغہ جاتی استعارہ نہیں بل کہ اظہار واقعہ ہے۔ آپ رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا زندہ معجزہ ہیں اور چلتی پھرتی کرامت۔ خوب فرمایا اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے ؎

میلا لگا ہے، شانِ مسیحا کی دید ہے مردے جلا رہا ہے خرامِ ابوالحسین
ذرّہ کو مہر، قطرہ کو دریا کرے ابھی گر جوش زن ہو بخشش عامِ ابوالحسین

حضرت کے خادم خاص اور مرید وخلیفہ قاضی غلام شبر بنوری بدایونی علیہ الرحمہ نے تذکرۂ نوری میں چند تصرفات ذکر کیے ہیں۔ میں انھیں کے لفظوں میں چند منتخب تصرفات ذیل میں درج کرتا ہوں۔

☆ ''حضور پرنور قدس سرہٗ رونق افروز موضع بھنڈولی ضلع بلندشہر ہیں خدام کے مجموع میں یہ خادم بھی حاضر ہے، وقت بعد مغرب ہے، حضور سیف الرحمن قراءت فرمارہے ہیں، اس خادم کو خیال ہوا کہ کاش خدام دعا کو میں دیکھتا، فوراً حضرتِ اقدس نے ایک بار دستک دی دیوار جنوبی مکان کی اس ناچیز کی نظر سے غائب ہوگئی اور وہ سامان جو پشت مکان پر ایک رعایا کا تھا صاف نظر آنے لگا، تھوڑی دیر میں اس صحن میں اور وسعت ہوئی اور ایک بڑا میدان سرسبز و شاداب پیش نظر ہوگیا۔ اس میں ایک انبوہ کثیر نہایت شاندار لوگوں کا نظر آیا۔ اکثر ان میں ہاتھیوں اور گھوڑوں پر مسلح سوار تھے۔ نہایت عمدہ شاہانہ لباس اور بہت صیقل اسلحہ تھے لیکن یہ ساری جماعت برقعہ پوش تھی۔ خادم کو چہرہ کسی کا نظر نہیں آیا۔ تخمیناً دس منٹ تک خادم اس مجمع کو بغور دیکھتا رہا اور سخت متعجب تھا۔ اس اثنا میں حضور اقدس نے دوسری دستک دی وہ سامان نظر سے مخفی ہوگیا۔ وہی مکان اور وہی جلسہ قائم تھا۔ حاضرین میں سے کوئی خبردار نہ تھا۔ حضور اقدس قدس سرہٗ نے اس عاجز پر ایک نگاہ متبسمانہ ڈالی اور خاموش ہوگئے۔''

☆ ''حضور اقدس غریب خانہ پر رونق افروز ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ عمل شجرہ زر کی زکات دینی و دنیاوی دونوں کو مفید ہے۔ خادم نے عرض کیا۔ سنا ہے خدام عمل عامل کو ڈراتے ہیں اور اگر عامل ڈر گیا تو سخت پریشانیاں روبہ کار ہوتی ہیں اور اپنے ایک عزیز بھائی کا قصہ عرض کیا۔ ارشاد فرمایا۔ اکثر یہ خطرات دو صورتوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ اولاً صاحب اجازت کا حاکم عمل نہ ہونا یا عامل کا اس کی غیبت میں عمل شروع کرنا اور ترکیب عمل میں نقص و غلطی واقع ہوجانا۔ ثانیاً عمل کو محض بہ طلب مفاد دنیا پڑھنا جس سے خدام کو خیال تکلیف پیدا ہوجاتی ہے اور وہ موقع دیکھ کر عمل کو خراب کردیتے ہیں جو لوگ صرف دینی غرض سے پڑھتے ہیں ان کو بجائے خراب کرنے عمل کے مدد اصلاح دیتے ہیں اور انس کرتے ہیں۔ ہمارے خاندان میں کبھی یہ عمل بہ غرض حصول دنیا نہیں پڑھا جاتا۔ آج وقت قراءت عمل حاضر رہنا جس وقت حضور اقدس نے عمل شروع فرمایا یہ خادم دروازہ کمرہ پر حاضر رہا۔ عمل ختم فرماکر حضور نے دستک دی اور ایک جماعت نہایت شان وشوکت والی نہایت عمدہ لباس سے حضور کے روبرو حاضر ہوگئی۔ یہ فقیر بہ چشم خود دیکھ رہا ہے حضور اقدس قدس سرہٗ نے بہ خطاب جماعت فرمایا کہ آج آپ صاحبوں کو ایک خاص وجہ سے تکلیف دی گئی ہے۔ وہ یہ کہ ہم چالیس برس سے آپ صاحبوں سے ملاقات کررہے ہیں۔ کیا کبھی کوئی خدمت ذاتی ہم نے آپ صاحبوں سے چاہی ہے؟ سب نے دست بستہ نفی میں جواب دیا اور عرض کیا۔ ہم محکوم ہیں، جو حکم ہو فوراً تعمیل کی جائے۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ آج میں اپنے خادم کو جو دروازہ پر حاضر ہے اجازت خاص اس عمل کی دوں گا اور

آپ صاحبوں سے درخواست ہے کہ یہ شخص جب عمل شروع کرے آپ اس کی معاونت کریں اور فوراً آثار عمل کھل جائیں اگر احیاناً کوئی بے قاعدگی بھی ہوجائے ہماری خاطر سے درگزر کی جائے۔ سب نے نہایت خوشی سے تسلیم کیا۔ حضور نے اجازت رخصت دی اور وہ مجمع غائب ہوگیا۔ اب اس خادم کو طلب فرما کر ارشاد فرمایا کہ اب کیا عذر ہے اور وہ چراغ زریں اپنا پڑھا ہوا مرحمت فرمایا۔ الحمد للہ علی ذلک۔''

☆ ''مفتی مولوی محمد حسن خان صاحب عثمانی بریلوی جو موروثی خادم خانوادہ برکاتیہ اور حضور خاتم الاکابر قدس سرہٗ کے مرید باخلاص تھے۔ مارہرہ شریف حاضر ہوئے اور حضور اقدس سے عرض کیا کہ مفتی مولوی ابوالحسن صاحب مرحوم میرے والد ماجد کو حضور اقدس اچھے میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے چہل اسما کے کسی اسم کے موکل سے ایک مہرہ طلب فرما کر مرحمت فرمادیا تھا جس سے بہت سے مشکل کام بہ آسانی طے ہوگئے۔ وہ کسی بے احتیاطی کی وجہ سے گم ہوگیا، میں مفتی ابوالحسن صاحب مرحوم کا اور حضور حضرت اچھے میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین ہیں وہ مہرہ مجھے منگا دیجیے اور اس پر سخت اصرار کیا۔ حضور اقدس قدس سرہٗ نے اولاً عذر فرمایا کہ قیاس آپ کا ٹھیک نہیں۔ بھلا ہم کو حضرت جدی سید شاہ آل احمد صاحب قدس سرہٗ کی حکومت سے کیا نسبت ہے؟ لیکن مفتی صاحب نہ مانے اور حضور اقدس نے وقت قراءت چہل اسمائے خدام عمل سے دریافت فرمایا کہ مہرہ کون لایا تھا اور کیوں واپس لے لیا؟ حالات معلوم فرما کر مہرہ طلب فرمایا اور مفتی صاحب کو دے دیا۔ اس مہرہ کے عجب خواص تھے چہل اسما جو مخصوص خدام کو عنایت ہوتے تھے، ان میں یہ اسرار بھی درج ہوتے۔''

☆ ''ایک بار حضور اقدس قدس سرہٗ رونق افروز بقصبہ سوروں ضلع ایٹہ ہیں اور ایک معتقد کے مکان پر قیام ہے، صاحب خانہ کا بچہ جو صغیر سن اور ذہین وشوخ تھا اس موقع پر حاضر ہے۔ کچھ ذکرِ حکومت حضرات اکابر مارہرہ قدست اسرارہم آ گیا۔ اس بچہ نے گستاخانہ عرض کیا۔ حضور والا آدمی پر حکومت ممکن ہے کہ ذی عقل ہے لیکن حیوانات پر حکومت ممکن نہیں یہ مکان کی کھونٹیوں پر چڑیاں بیٹھی ہیں، اگر حضور کے بلانے پر آ جائیں تو ہم کو یقین ہو۔ حضرت نے مسکرا کر ارشاد فرمایا تمھارا دل ان چڑیوں کو پکڑنے کا ہوتا ہوگا۔ میاں یہ تو ہماری پروردہ ہیں۔ دیکھو ہم بلائیں گے فوراً آ جائیں گی۔ تم سے ڈرتی ہیں۔ پکڑ لوگے، مار ڈالوگے۔ یہ فرما کر دست شریف اس جانب کو جدھر چڑیاں بیٹھی تھیں دراز فرمادیا۔ چڑیا فوراً اڑ کر حضور کے دست شریف پر نہایت سکون واطمینان سے آ بیٹھی۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ اڑ جا، وہ لڑکا آتا ہے، پکڑ لے گا۔ اڑ گئی۔ دوبارہ بلایا پھر فوراً اور حکم پاتے ہی اڑ گئی۔''

☆ ''سرکارِ نور قدس سرہٗ کی حقیقی بھانجی حضرت شاہ جی میاں قدس سرہٗ کے عقد میں تھیں۔ ان کے یہاں ولادت ہونے والی تھی۔ وہ تکلیف سے پریشان تھیں۔ حضرت نوری دادا قدس سرہٗ تشریف لائے اور ''تحفۂ قلندری'' یعنی تسبیح غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک منکا نکال کر دادی صاحبہ کے گلے میں ڈال دیا اور فرمایا کہ پریشان کیوں ہوتی ہو۔ تمھاری جو اولاد پیدا ہوگی اس کے سبب دین کا بہت کام ہوگا اور وہ بیٹا مجھ جیسا ہوگا۔ یہ خوش خبری تھی سراج العرفا تاج العلما حضرت سید شاہ اولادِ رسول محمد میاں صاحب قدس سرہٗ کی پیدائش کی۔ بزرگ اہلِ خاندان بتاتے ہیں کہ حضرت محمد میاں صاحب قدس سرہٗ کی شکل وصورت حضرت نوری میاں صاحب قدس سرہٗ سے بے حد مشابہ تھی۔ علم دین اور استقامت فی الدین کے

لیے بھی حضرت محمد میاں صاحب قدس سرہٗ نے جو کام کیے وہ دنیاے سنیت سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ خاندانِ برکات میں شاید ہی کسی بزرگ نے ان سے زیادہ تصانیف یادگار چھوڑی ہوں۔ [اہل سنت کی آواز، ۲۰۰۳ء، ص ۹۶ تا ۹۸]

وصال پر ملال : سرکار نور نے نصف صدی سے زائد عرصے تک ایمان کا نور، عرفان کی رونق اور اخلاق کی جگمگاہٹ پھیلانے کے بعد وادی آخرت کا رخ فرمایا اور ۱۱ر رجب ۱۳۲۴ھ کو حیات ظاہری پر حیاتِ دائمی کا نقاب ڈال لیا۔ رحمہ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ۔ صاحب تذکرۂ نوری اخیر مرحلۂ حیات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سال رحلت میں نہایت ضعف و اشتداد مرض میں بدایوں رونق افروز ہوئے اور بہ کمالِ خادم نوازی حاضر مریدوں کو طلب فرما کر ان کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو داخل سلسلہ فرمایا اور صاف الفاظ میں خبر رحلت کا اظہار فرمایا۔ خدام کو ہر قسم کے نقوش و ادعیہ مرحمت فرما کر بدایوں سے مارہرہ کا قصد فرمایا۔ مارہرہ شریف میں کچھ روز قیام فرما کر سکندرراؤ کا قصد فرمایا۔ چند روز قیام ہوا تھا کہ مرض کا سخت دورہ ہوا اور حضور اقدس پر غشی طاری ہوگئی، صرف ہونٹوں کی حرکت معلوم ہوتی تھی جس سے پتہ چلتا کہ روح مبارک جسم میں ہے اور ذکر فرما رہے ہیں۔ پالکی سے مارہرہ مطہرہ پہنچے اور حویلی میں پہنچ کر بعد چند ساعت انتقال فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ۱۱ر رجب ۱۳۲۴ھ تھا کہ آفتاب کمالات غروب ہوگیا۔ درگاہ معلیٰ کے برآمدے جنوبی میں دفن ہوئے۔

سرکار نور کے وصال شریف کے وقت آپ کے پاس صرف چند پیسے تھے۔ لاکھوں مخلوق کی حاجت روائی کرنے والے اس شہنشاہ کے ورثہ میں چند وظائف کی کتب، ایک قلم دان، ایک لوٹا، ایک مصلیٰ، ایک بستر تھا۔ یہی ہے درویشی کی اعلیٰ ترین مثال۔''

کثیر مشائخ، علما اور دانشوران نے سرکار نور کی رحلت پر مرثیے لکھے اور تاریخیں کہیں۔ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے برادر اوسط استاذ زمن علامہ حسن رضا بریلوی قدس سرہٗ نے بڑے بلیغ فارسی کلام کہے اور تاریخیں نکالیں جو حسب ذیل ہیں ؎

مرشد ما، شیخ اقطاب زمانہ بوالحسین — نورآگیں نور افزا، نور رب نوری لقب
کاشف استار پنہاں، واقف اسرار غیب — منزل انوار سبحاں، مہبط افضال رب
آں کہ ہردم لطفِ فیضش، برغلاماں بے غرض — آں کہ پیہم فیض لطفش برگدایاں بے سبب
آں کہ مہرش کشت دین سنیاں را ابر جود — آں کہ قہرش زشت اہل زیغ را برق غضب
آں کہ کرد از نفحۂ مو عرصۂ جانہا تتار — آں کہ کرد از لمعۂ رو کشور دلہا حلب
جود اوحاجت رواے مستمنداں بے سوال — لطف اومشکل کشائے دردمنداں بے طلب
ملت بیضا منور کرد و جان تازہ داد — سطوت موسیٰ بدستش رحمتِ عیسیٰ بلب
نورچشم مصطفی چشم و چراغ مرتضیٰ — شمع ایوان ہدیٰ، مہر عجم، ماہ عرب
رفت زین دار فنا، و احسرتا واحسرتا — آں شہ والا حسب، عالی گہر، بالانسب
شد جہاں بے نور، بے نور و چناں بے نور شد — شب چوں بخت تیرہ بختان روز روشن ہم چوخب
اے حسنؔ گفتیم، صوری، معنوی تارخ نقل — بست و چار سیزدہ صد، دورۂ ماہ رجب

۱۳۲۴ھ

دیگر چوں بگلگشت خلد رفت زدہر
سیدی بوالحسین احمد نور
سن نقلش حسنؔ بگوش رسید
نور اللہ سرہٗ المستور

۱۳۲۴ھ

[اہل سنت کی آواز، ۲۰۰۳ء] ☆☆☆

مفتیِ اعظم کے دادا پیر

سید شاہ آلِ رسول مارہروی علیہ الرحمہ

از: مولانا اختر حسین فیضی مصباحی
استاذ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ

مفتیِ اعظم ہند علامہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی کے والد ماجد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی ۱۲۹۴ھ مطابق ۱۸۷۷ء میں اپنے والد ماجد مولانا شاہ محمد نقی علی خاں اور تاج الفحول مولانا شاہ عبد القادر بدایونی کے ہم راہ مارہرہ مطہرہ حاضر ہوئے اور حضرت سید شاہ آلِ رسول مارہروی علیہ الرحمہ کے دستِ مبارک پر سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت ہوئے اور اسی وقت خلافت واجازت سے نوازے گئے، اسی نسبت پر فخر کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں۔

مرا ز نسبت ملک است امید آں کہ بہ حشر ندا کنند بیا اے رضائے آلِ رسول

۲۲ ر ذوالحجہ ۱۳۱۰ھ کی فیروز بخت شب تھی، اعلیٰ حضرت اپنے پیر خانہ مارہرہ مطہرہ میں موجود تھے، رات میں خواب دیکھا کہ فرزند ارجمند کی ولادت ہوئی ہے، خواب ہی میں آپ نے آل الرحمٰن نام رکھا، اس وقت مارہرہ کی مسندِ سجادگی پر حضرت مخدوم شاہ ابوالحسین احمد نوری خلیفہ و جانشین سید آلِ رسول احمدی علیہ الرحمہ جلوہ بار تھے۔ آپ نے ابوالبرکات محی الدین جیلانی نام رکھا اور بعد میں مصطفیٰ رضا عرف قرار پایا۔ اہلِ علم اور عوام الناس کے درمیان ''مفتیِ اعظم ہند'' کے خطاب سے مشہور ہوئے۔ حضرت شاہ ابوالحسین نوری علیہ الرحمہ نے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ سے فرمایا: مولانا! جب میں بریلی آؤں گا تو اس بچے کو ضرور دیکھوں گا، وہ بہت ہی مبارک بچہ ہے۔ چنان چہ آپ ۲۵ ر جمادی الآخرہ ۱۳۱۱ھ میں چھ ماہ کے بعد بریلی تشریف لائے۔ خواہش کے مطابق بچہ کو دیکھا، اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کو مبارک باد دی اور فرمایا:

’’یہ بچہ دین کی بڑی خدمت کرے گا اور مخلوقِ خدا کو اس کی ذات سے بڑا فیض پہنچے گا۔ یہ بچہ ولی ہے، اس کی نگاہوں سے لاکھوں گمراہ انسان دینِ حق پر قائم ہوں گے، یہ فیض کا دریا بہائے گا۔‘‘

یہ فرماتے ہوئے حضرت نوری میاں قدس سرہ نے اپنی مبارک انگلیاں بلند اقبال بچے کے دہنِ مبارک میں ڈال کر مرید کیا اور اسی وقت تمام سلاسل کی اجازت وخلافت بھی عطا فرمائی۔ (تذکرۂ علمائے اہلِ سنت ص: ۲۲۳)

آپ کو اپنے والد ماجد امام احمد رضا قدس سرہ سے بھی اجازت وخلافت حاصل تھی، گویا دونوں طرف سے آپ کا سلسلۂ سلوک و معرفت حضرت سید شاہ آلِ رسول احمدی مارہروی علیہ الرحمہ سے ملتا ہے، اس طرح حضرت سید شاہ آلِ رسول مارہروی علیہ الرحمہ حضرت مفتیِ اعظم ہند کے دادا پیر ہوئے۔

اب ذیل میں حضرت مفتیِ اعظم ہند علیہ الرحمہ کے دادا پیر حضرت سید شاہ آلِ رسول احمدی مارہروی علیہ الرحمہ کا ذکرِ جمیل پیش ہے۔

تعارف:-

حضرت سید شاہ آلِ رسول مارہروی علیہ الرحمہ زیدی سادات کے فردِ فرید تھے، آپ کا سلسلۂ نسب حضرت زید بن امام زین العابدین بن امام حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے واسطے سے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔

حضرت زید بن امام زین العابدین (رضی اللہ عنہما) کے صاحب زادے عیسیٰ ان کے پوتے حضرت علی اور ان کے پوتے حضرت سید علی عراقی ترکِ وطن کر کے واسط تشریف لائے (جو کوفہ اور بصرہ کے درمیان واقع ہے) آپ کے پوتوں میں سے سید ابو الفرح واسطی اپنے چار صاحب زادوں سید ابوفراس جد سادات بلگرام و سید ابو الفضائل و سید داؤد و سید معز الدین کے ساتھ سلطان محمود غزنوی کے زمانہ میں واسط سے غزنی تشریف لائے اور چند روز قیام کے بعد فرزند اکبر سید معز الدین کے ساتھ پھر واسط کو مراجعت فرمائی۔ اور باقی تینوں صاحب زادوں نے ہندوستان کا قصد فرمایا۔ سید ابو الفراس نے جاجنیر، سید ابو الفضائل نے چھاترود اور سید داؤد نے تھن پور میں اقامت اختیار فرمائی۔ سید ابوفراس کے احفاد سے حضرت سید محمد صغریٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حسب ایمائے سلطان شمس الدین التمش بلگرام کے کافر اور سرکش راجہ ’’سری‘‘ کے ساتھ جہاد فرمایا۔ اور اس کے قتل کے بعد ۶۱۴ھ میں فتح پائی۔ سلطان نے اس فتح کی خوشی میں بلگرام اور اس کے توابع ولواحق آپ کی جاگیر میں دے دیے۔ حضرت نے اس کا نام سری نگر سے بدل کر بلگرام رکھا اور وہاں شعائر ومراسم اسلام کو رواج دیا اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ وہیں سکونت اختیار کر لی۔ اس زمانے سے حضرت میر سید عبد الواحد بلگرامی قدس سرہ تک بلگرام ہی میں بود و باش رہی۔ حضرت میر عبد الواحد قدس سرہ کے بڑے صاحب زادے حضرت سید شاہ عبد الجلیل قدس سرہ بہ عہد جہانگیری ۱۰۱۷ھ میں مارہرہ تشریف لائے۔ اس وقت سے اس وقت تک حضرت کی اولاد مارہرہ میں ہے۔

(تاریخ خاندان برکات، ص: ۵-۶، از: حضرت مولانا سید اولادِ رسول محمد میاں قادری برکاتی)

مارہرہ مطہرہ کی عالم گیر شہرت اور عرب وعجم میں دینی ودنیاوی عزت ووقعت کا سبب حضرت سلطان العاشقین سید شاہ برکت اللہ عشقی، تاج العارفین سید شاہ آل محمد چشتی، حضرت سلطان المحبوبین سید شاہ حمزہ چشتی، غوثِ وقت سید شاہ آل احمد اچھے میاں، حضرت خاتم الاکابر سید شاہ آل رسول احمدی مارہروی اور نور العارفین حضرت سید شاہ ابو الحسین احمد نوری علیہ الرحمۃ والرضوان کا قیام اور یہاں کی خاک پاک میں آسودگی ہے۔

ولادت : حضرت سید شاہ آلِ رسول مارہروی علیہ الرحمہ کی ولادت باسعادت (ماہِ رجب) ۱۲۰۹ھ میں مارہرہ شریف میں

ہوئی۔لقب خاتم الاکابر ہے۔

والد ماجد : والد ماجد کا اسمِ گرامی سید شاہ آل برکات ستھرے میاں ہے۔(رحمۃ اللہ علیہ)

تعلیم و تربیت:

آپ کی تعلیم و تربیت والدِ ماجد کی آغوشِ شفقت میں ہوئی اور انھیں کی نگرانی میں آپ نے نشوونما پائی۔آپ کی ابتدائی تعلیم حضرت عین الحق شاہ عبد المجید بدایونی،حضرت مولانا شاہ سلامت اللہ کشفی بدایونی قدس سرہما سے خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف میں ہوئی،اس کے بعد فرنگی محل کے علما مولانا انوار صاحب فرنگی محلی،مولانا عبد الواسع سیدن پوری اور مولانا نور الحق رزاقی لکھنوی عرف ملا نور سے کتبِ معقولات، علمِ کلام،فقہ و اصولِ فقہ کی تحصیل و تکمیل فرمائی۔۱۲۲۶ھ میں حضرت مخدوم شیخ العالم عبد الحق ردولوی متوفی ۸۷۰ھ کے عرس مبارک کے موقع پر مشاہیر علما و مشائخ کی موجودگی میں دستارِ فضیلت سے سرفراز کیا گیا اور اسی سال حضرت سید شاہ آل احمد اچھے میاں قدس سرہ کے ارشاد کے بموجب حضرت مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کے درسِ حدیث میں شریک ہوئے۔صحاح ستہ کا دورہ کرنے کے بعد سلاسل حدیث و طریقت کی سندیں مرحمت ہوئیں۔فنِ طب اپنے والدِ ماجد اور حکیم فرزند علی خاں موہانی سے علماً و عملاً حاصل کیا۔(تذکرۂ مشائخ قادریہ رضویہ،ص:۳۶۹،از مولانا عبد المجتبیٰ رضوی۔تاریخ خاندان برکات،ص:۳۸،از مولانا محمد میاں قادری برکاتی)

بیعت و خلافت :

بیعت آپ کو اپنے عم مکرم حضرت سید شاہ آل احمد قدس سرہ سے اور خلافت و اجازت اپنے عم مکرم اور والدِ معظم دونوں سے تھی اور سلسلۂ رزاقیہ کی اجازت اپنے استاد مولانا نور صاحب فرنگی محلی سے اور سلسلۂ علویہ منامیہ کی اپنے استاذ مولانا شاہ عبد العزیز (محدث) دہلوی سے حاصل فرمائی،اور حضرت شاہ صاحب دہلوی سے اور بہت احادیث و مصافحات وغیرہ کی اجازتیں لائے۔(تاریخ خاندان برکات،ص:۳۸)

راہِ سلوک:-

قربِ الٰہی اور وصلِ حق کے لیے ریاضت و مجاہدہ حضرت سید شاہ آلِ رسول احمدی علیہ الرحمہ کے آبا کا خاص ورثہ ہے۔حضرت کے سبھی اساتذہ علوم و فنون کے مہر و ماہ اور لعل و گہر تھے۔ان کے علوم نے ان کو شستگی اور عاجزی کی راہ پر لگایا۔ان کا علم راہِ حق میں کاشفِ حقائق بن گیا،ایک عرصہ تک فرنگی محلی اکابر کی خدمت اور ہم نشینی کا شرف حاصل رہا۔یہ حضرات خدا طلبی میں غرق تھے اور یہاں کا جو فرد تھا جو ہر فرد فرید تھا،حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کا علم و عرفان شہرہ آفاق تھا،فرنگی محل اور دہلی کے اکابر کی خدمتوں نے راہِ حق کی طلب میں اور استحکام بخشا،عام حالات میں دیکھا گیا ہے کہ دولت علم و عرفان کے حصول کے لیے اکابر روزگار کو شیخ کامل کی طلب و جستجو میں صعوبات سفر برداشت کرنی پڑیں۔لیکن حضرت خاتم الاکابر سید آلِ رسول مارہروی کی فیروز بختی تھی کہ یہ دولتِ گراں مایہ اور گنجِ مراد گھر میں تھا۔اور آپ کا قلبِ مبارک مرشدِ کامل کا مطلوب و مراد تھا۔حضرت وطن واپس تشریف لائے تو حضرت مرشد پاک نے ارشاد فرمایا:اب جلاے قلب اور تزکیہ و تصفیۂ باطن کے لیے طریقۂ آبائی پر مجاہدہ و ریاضت میں مشغول ہو جاؤ۔حضرت مرشد پاک اچھے میاں کی کریمانہ نظر اور حضرت والد ماجد کی شفقت و عنایت کے سایے میں سلوک کی مشق شروع ہوگئی۔برق رفتاری کے ساتھ منازلِ سلوک تکمیل کو پہنچے۔حضرت مرشد نے سلاسل خاندانی کی خلافت و اجازت تامہ،عامہ مطلقہ عطا فرما کر ہدایتِ خلق کا دربار لگانے کا حکم فرمایا۔’’برکات مارہرہ مطہرہ‘‘ کے مولف لکھتے ہیں کہ:

''آپ کے خلیفہ اجل آپ کے برادرزاد حضرت سیدنا سید شاہ آل رسول صاحب مارہروی قدس سرہ العزیز ہیں، جن کو حضرت نے اپنی حیات میں اپنا جانشین بنا دیا تھا۔سراج السالکین حضرت مولانا سید شاہ آل برکات ستھرے میاں قدس سرہ العزیز نے بھی اسرار خاندانی اور فیوض روحانی سے نوازا اور اپنا خلیفہ مطلق ومجازِ برحق قرار دیا تھا، حضرت خاتم الاکابر (سید شاہ آل رسول مارہروی) قدس سرہ کا ظرف چوں کہ بہت عالی واقع ہوا تھا، حضرت مرشد پاک کی حیات طیبہ میں شاذ ونادر بیعت لیتے تھے۔''

(حیات حضرت شاہ آل رسول احمدی مارہروی، ص:۸۸-۸۹، از مولانا محمود احمد رفاقتی)

مسند نشینی اور خانقاہ کا انتظام:-

۱۷/ربیع الاول ۱۲۳۵ھ میں مرشد برحق حضرت اچھے میاں قبلہ نے اس دارِ فانی سے دارِ بقا کی راہ لی۔تقریباً ۲۶/سال تک حضرت خاتم الاکابر آل رسول احمدی علیہ الرحمہ پیرومرشد کے فیوض وبرکات سے فیض یاب ہوئے۔پندرہ برسوں تک حضرت ستھرے میاں قبلہ والد حضرت شاہ آل احمدی نے سجادہ برکاتیہ کو رونق بخشی اور ۲۶/رمضان المبارک ۱۲۵۱ھ کو جوارِ رحمتِ الٰہی میں جا بسے۔حضرت ستھرے میاں علیہ الرحمہ نے اپنے تینوں صاحب زادوں (سید شاہ آلِ رسول، سید شاہ اولادرسول، سید شاہ غلام محی الدین، امیر عالم) کو ایک ہی وقت سجادہ برکاتیہ کا جانشین مقرر فرمایا اور تمام خانقاہی ودرگاہی امور وجائداد اور آثار وتبرکات کا مساوی مالک بنا دیا۔آپ نے یہ وصیت نامہ بڑے صاحب زادے جما میاں کی رحلت (۸/رمضان المبارک ۱۲۴۶ھ) کے بعد لکھا۔برکات مارہرہ کے مولف لکھتے ہیں:

''حضرت ستھرے میاں صاحب کے بروز چہلم حضرت شاہ آلِ رسول صاحب مسندِ خلافت برکاتیہ پر رونق افروز ہوئے اور حضرت اچھے میاں صاحب (عم مکرم) کے سلسلے کو جاری فرمایا اور ہزارہا افراد آپ کے دستِ حق پر داخلِ سلسلہ ہوئے۔''

اس موقع پر سب سے پہلی نذر حضرت افضل العبید شاہ عین الحق عبد المجید بدایونی قدس سرہ نے پیش کی اور وہ بہت سے افراد جن کو حضرت خاتم الاکابر ہی سے بیعت کی تمنا تھی، اس موقع پر ان کی برسوں کی تمنا پوری ہوئی۔

(تاریخ خاندان برکات، حیات حضرت شاہ آل رسول احمدی، ص:۹۰)

حضرت خاتم لاکابر قدس سرہ نے سجادہ برکاتی پر رونق افروز ہو کر خانقاہ داری کا جدید انتظام فرمایا۔بزرگوں کے اعراس طیبہ کے لیے کمیٹی مقرر فرمائی، طالبین وسالکین کے قیام وراحت رسانی کی غرض سے حجرے تعمیر کیے، درگاہ شریف کی مسجد مبارک میں امام وخطیب و موذن کا تقرر فرمایا حسابات کو باقاعدہ رکھنے کے لیے محاسب کا انتظام فرمایا، خانقاہ ودرگاہ شریف کی دیکھ ریکھ کے لیے خادم رکھے، سب کے باقاعدہ مشاہرے مقرر فرمائے۔مصلحتِ وقت کے لحاظ سے خانقاہ داری کے جدید انتظام کے وقت بہت کچھ تخفیف فرمائی۔عرسوں میں اور اس کے علاوہ دیگر دنوں میں سماع کی محافل ہوا کرتی تھیں، آپ نے ان محفلوں کو قطعی بند کرا دیا۔آپ کے مبارک دور میں عرسوں کی رونق علمائے کرام کے مواعظ، نعت ومنقبت، تلاوت کلام پاک، ختم دلائل الخیرات، قصیدۂ بردہ شریف اور حلقہ ہائے ذکر سے تھی۔مجلس وعظ ومیلاد شریف میں ہر عامی کو بیان ووعظ کی اجازت نہ تھی۔مستند اور متدین علمائے کرام ہی مسند وعظ پر بیٹھائے جاتے۔وعظ کا شرف ایک زمانہ میں حضرت مولانا شاہ سلامت اللہ کشفی محدث اور حضرت سیف اللہ المسلول شاہ معین الحق فضلِ رسول قدس سرہما کو حاصل تھا۔حضرت مولانا

شاہ محمد عادل محدث کان پوری، حضرت تاج الفحول مولانا شاہ محب رسول عبدالقادر بدایونی اوران کے ممتاز تلامذہ علمائے کرام کا خاص بیان ہوتا تھا۔ حضرت خاتم الاکابر خود بھی مجلسِ مبارک میں تشریف لاکر وعظ سماعت فرماتے۔ آخر زمانہ میں ان مبارک محفلوں کی نگرانی حضرت اقدس تاج الفحول کے سپرد فرمادی تھی۔ وہی اس کے نگران و منتظم تھے اوراس نعمت دولت وشرف سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی علیہ الرحمہ کو بھی حصہ حاصل ہوتا تھا۔

حضرت اقدس قدس سرہ کے عہد مبارک عہد سجادگی سے پہلے طالب وسالک وعالم، خانقاہ ارشاد پناہ میں طلب سلوک کے لیے حاضر ہوتے، خانوادۂ برکاتی کے صاحب زادگان گرامی ان سے تعلیم حاصل کر لیتے۔ خانقاہ برکاتی میں ایسا کوئی دور نہیں گزرا جب کہ تبحر عالم طلبِ سلوک کے لیے مقیم نہ رہے ہوں۔ بزرگانِ برکاتی بھی تدریس سے شغف رکھتے تھے۔ جب حضرت خاتم الاکابر کا عہد پاک آیا تو آپ نے خانقاہ معلیٰ میں باقاعدہ مدرسہ قائم فرمایا اور منتخب ومتدین علمائے کرام کی تقرریاں کیں، اور خاندان ومتوسلین اور باشندگا مارہرہ کو باضابطہ علمِ دین کی تحصیل کی رغبت دلائی۔ جن نام ور اور بلند پایہ مدرسین نے وہاں درس دیا، ان میں سے چند کے نام یہ ہیں: مولانا محمد سعید بدایونی شاگرد حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی، استاذ العلما مولانا نور احمد بدایونی شاگرد حضرت علامہ فضلِ حق خیر آبادی، مولانا فضل اللہ جالیسری شاگرد تاج الفحول حضرت مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی، مولانا تراب علی امروہوی، مولانا محمد شاہ ولایتی، مولانا محمد حسین بخاری کشمیری، میاں جی رحمت اللہ مارہروی، مولانا محب احمد بدایونی شاگرد تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی۔

(حیات حضرت شاہ آلِ رسول احمدی، ص: ۹۳ تا ۹۷)

علمِ دین کی اہمیت:-

حضرت سید شاہ ابوالحسین نوری علیہ الرحمۃ علم دین کی اہمیت اور برتری کے تعلق سے وصیت فرماتے ہیں:

> ''کتاب وسنت سے اپنی ضرورت بھر علمِ دین حاصل کرنے کی کوشش کریں، اوراس کام کو سارے کاموں پر مقدم رکھیں، اس کے بعد ہی طریقۂ باطنی میں قدم رکھیں، کیوں کہ جاہل صوفی اور بے علم عابد شیطان کا مسخرہ اور بالکل نکما اور ناقابلِ قبول ہے۔ اس کے علاوہ درجوں میں ترقی، عروج کی بلندی اور باریکیوں کی سمجھ جو عالم کو اس راہ میں حاصل ہوتی ہے، جاہل کے لیے اس میں کوئی حصہ نہیں، وہ تجلیاں اور گہری باتوں کی سمجھ جو علم رکھنے والے سالک کو آسانی سے حاصل ہوتی ہے، بے علم کا ان میں کیا حصہ، ہاں اگر اللہ تعالیٰ چاہے، ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے نوازے اور اونچے مرتبے پر پہنچائے اور علم والے سے بھی مرتبہ بڑھا دے، یہ ناممکن تو نہیں لیکن ایسا بہت کم ہوتا ہے۔''

حضرت نوری میاں علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ایک حکایت یاد آئی جس کا لکھنا فائدہ مند معلوم ہوتا ہے اپنے دادا اور مرشد حضرت سید شاہ آلِ رسول احمدی قدس سرہ العزیز کی زبان فیض ترجمان سے میں نے سنا:

> ''ایک دن حضرت مودود چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے شہر میں ایک درویش آئے، جن کی نسبت قوی تھی اور حال اچھا تھا، شہر والوں کا ایک بڑا گروہ ان کے کمالات کا معتقد ہوکر ان کی طرف رجوع ہوگیا۔ آخر شہر کے کچھ لوگوں نے حضرت مودود چشتی کے صاحب زادے کو ابھارا کہ یہ درویش ہمارے شہر میں

کیوں آیا اور ہمارے شہر کے لوگوں کو اپنے کمال پر کس لیے رجوع کرتا ہے، اب اسے اپنے شہر سے نکال دینا مناسب ہے۔ یہ مشورہ کر کے صاحب زادے کو آمادہ کیا اور اپنے ساتھ لے گئے۔ لیکن ان درویش کے کمال کی وجہ سے ان کو تکلیف دینے پر قادر نہ ہو سکے۔ صاحب زادے اس وقت کم سن تھے اور محض شہر والوں کے ابھارنے سے ان درویش کی مخالفت پر آمادہ ہوئے تھے۔ اس لیے ان درویش نے صاحب زادے کو اپنے پاس بلا کر ان پر مہربانیاں اور عنایتیں کیں اور نصیحت کی، بابا! پہلے علم حاصل کر و اس کے بعد فقیری کا دعویٰ کرنا۔ اس لیے کہ جاہل عبادت گزار شیطان کا چیلا ہوتا ہے۔ چوں کہ ایک زمانے کی رہنمائی صاحب زادے کی تقدیر میں لکھی تھی، اس لیے انھوں نے اس بزرگ کی نصیحت پر عمل کیا اور اونچے درجوں پر پہنچے۔''

(سراج العوارف، ص:۲۹-۳۰، از: نوری میاں۔ ترجمہ: سید محمد امین میاں سجادہ نشین خانقاہ مارہرہ)

مطالعۂ حدیث کا ذوق :

حضرت خاتم الاکابر سید شاہ آلِ رسول احمدی قدس سرہ کے آبائے کرام علم و معرفت اور عشق و اخلاص کے شمس و قمر تھے، کتب اسلامیہ کا مطالعہ اور تصنیف و تالیف ان کا خاص ذوق تھا۔ حضرت خاتم الاکابر بھی مطالعہ کا ذوق رکھتے تھے لیکن انداز کچھ جداگانہ تھا۔ آپ کے آبائے کرام عقائد و سلوک اور ملفوظات و مکتوبات کے مطالعہ کا ذوق رکھتے تھے اور آپ کتب حدیث کے مطالعہ کا شوق فرماتے، مطالعۂ کتب کے درمیان سادہ اوراق پر یا حاشیہ پر کچھ فوائد بھی قلم بند فرماتے لیکن تصنیف کی طرف توجہ نہیں تھی۔ اگر چہ آپ کے اکابر اور بزرگان خاندان برکاتی اصحاب تصنیف و تالیف تھے۔ مخصوص خدام جب عرض کرتے کہ حضور کچھ کتابیں بھی تصنیف فرما دیں تو جواب ہوتا:

''بزرگوں کا سرمایۂ علمی ہر فن میں موجود ہوتے ہوئے مزید لکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اسی پر عمل کیا جائے، بس وہی کافی ہے۔''

آپ کی صرف ایک تصنیف ''مصطلحات نقش بندیہ'' ہے، جسے آپ نے حضرت اچھے میاں قدس سرہ کے حکم پر لکھا تھا۔ ایک بیاض کا اور پتہ چلتا ہے جس میں آپ نے فوائد حدیث، اسرار اور تصوف و سلوک کے حقائق بیان فرمائے ہیں۔

فنِ حدیث میں آپ کا پایۂ علمی بہت بلند تھا، اخیر عمر تک درسِ حدیث کا سلسلہ جاری رہا، بخاری شریف مکمل حفظ تھی۔ حضرت نوری میاں قدس سرہ فرماتے ہیں کہ بعد نمازِ ظہر حدیث و تفسیر کی کتابوں کی تدریس ہمارے خاندان کے اکابر کا معمول رہا ہے۔

حضرت خاتم الاکابر کے اساتذہ، اکابر اور اہلِ خاندان سب اہلِ درس و تدریس تھے اور وعظ و نصیحت کے پیرایہ میں امتِ مسلمہ کی اصلاح فرماتے۔ ان بزرگوں کا آپ کی ذات پر مکمل اثر پڑا۔ (حیات حضرت شاہ آلِ رسول احمدی، ص:۱۱۷ تا ۱۱۹۔ خلاصہ)

اصلاحِ معاشرہ:-

حضرت سید شاہ ابوالحسین نوری علیہ الرحمہ بیان فرماتے ہیں کہ میرے دادا اور مرشد سید شاہ آلِ رسول احمدی علیہ الرحمہ ماہ محرم الحرام

میں شیعہ فرقے کی بدعتوں، تعزیہ داری اور مرثیہ خوانی کے ارتکاب سے منع کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ ایک روز میں نے اپنے مرشد حضور اچھے میاں رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے دلی میں اپنے استاذ محترم مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کو دیکھا ہے کہ ماہ محرم الحرام میں دس دن حضرات حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شہادت کا بیان فرماتے اور دسویں دن صبح سے زوال کے وقت تک شہادت کے فضائل بیان کرتے، کھانا تقسیم کیا کرتے تھے۔ حضور والا (حضور اچھے میاں رضی اللہ عنہ) نے سن کر ارشاد فرمایا کہ بہت اچھا اور بہتر کرتے تھے، لیکن اگر ان کی مجھ سے ملاقات ہوتی تو میں ان سے کہتا کہ خاص اس مہینے میں ایسا اہتمام مناسب نہیں ہے، بس مختصر سے کھانے پر فاتحہ کر کے کسی دوسرے مہینے میں ایسا اہتمام وعظ وغیرہ کیا کریں، اس لیے کہ اب اس طرح کی محفلیں منعقد کرنا رافضیوں کا طریقہ ہے اور اس ماہ میں زیادہ اہتمام کرنا رفض کا دروازہ کھولنا ہے۔ آنے والی نسل اپنے بزرگوں کے حالات سن کر گمان کر سکتی ہے کہ وہ شیعہ تھے جو تقیہ کیے ہوئے تھے۔

ہندوستان میں مسلمانوں کے دو فرقے ہیں۔ ایک سنی، دوسرا شیعہ اور ان میں کوئی بھی حضرات حسنین کریمین کی شہادت اور فضائل کا انکار نہیں کرتا، لہٰذا ان اطراف میں ان مواعظ کے اہتمام کی کوئی ضرورت نہیں ہے البتہ جہاں خارجیوں کا غلبہ ہو وہاں یہ اہتمام ضروری ہے اور خارجی یہاں نہیں ہیں۔ (یہاں تک حضور اچھے میاں کی تقریر ختم ہوگئی) تو میرے دادا حضرت (شاہ آلِ رسول) نے فرمایا کہ جس تاریخ سے یہ مسئلہ میں نے اپنے مرشد سے خود سنا، خود بھی اس قسم کے کاموں میں احتیاط برتی۔ (سراج العوارف، ص:۱۷۶-۱۷۷)

☆ قبر کی بدعات کے سلسلے میں حضرت نوری میاں علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں کہ قبر کچی رکھنا اور اونٹ کے کوہان کی شکل پر بنانا سنت ہے۔ قبر کی لمبائی میت کے قد کے برابر، چوڑائی نصف قد کے برابر اور گہرائی قدِ آدم کی مقدار رکھیں اور میت کو پیٹھ کے بل نہ لٹائیں بلکہ سیدھے پہلو پر لٹائیں اور اس کی پیٹھ پر مٹی کا پشتہ لگا دیں تاکہ ہر پہلو قبلہ رو رہے۔ یہ طریقہ مسنون ہے، جسے ہندوستانیوں نے بالکل ترک کر دیا ہے، مگر جسے اللہ چاہے۔ پھر وہ لوگ یہ کرتے ہیں کہ میت کا منہ تو قبلہ کی طرف کرتے ہیں اور سارا جسم پیٹھ کے بل لٹا دیتے ہیں۔ ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ افضل اور مسنون قبر تو وہ ہے جس کی چھت بھی زمین ہو صندوقی نہیں کہ جس کی چھت لکڑی یا پتھر کی ہوتی ہے اور پختہ اینٹ کی تو مکروہ ہے۔ ہمارے مرشد (شاہ آلِ رسول) کی بھی یہی وصیت تھی۔ لیکن لوگ رواج اور وقت کی مصلحت کی وجہ سے عمل نہیں کرتے۔ لاش کے بغیر قبر بنانا ممنوع اور اس کی زیارت کرنا حرام ہے۔ (سراج العوارف، ص:۱۷۶)

حاجت روائی:

آپ فرماتے ہیں کہ لکھنؤ میں (دورانِ تعلیم) اپنی قیام گاہ فرنگی محل جانے میں آغا میر کی ڈیوڑھی راستہ میں پڑتی تھی، اس محلے میں ایک غریب بوڑھی عورت نہایت نیک بخت تھی، اس کے دروازے پر بیٹھ کر اکثر دم لیتا تھا، وہ بے چاری مجھ کو سید ھا خیال کر کے میری خاطر کرتی تھی اور مجھے اس کے ساتھ محبت ہوگئی تھی، ایک دن اس بوڑھی نے مجھ سے کہا، بیٹا! اب تم یہاں کہاں آرام کرو گے، میں تو دو چار دن میں یہاں سے اٹھا دی جاؤں گی اور خدا جانے کہاں ٹھکانا ملے گا۔ آغا میر کا محل سرا تیار ہوتا چلا آتا ہے، یہ میرا جھونپڑا ابھی اس کے اندر داخل ہونا تجویز ہوا ہے۔ حضرت فرماتے تھے کہ اس نے ایسے پُر درد لہجے میں تقریر کی کہ میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تو خوشی سے اپنا مکان دینا چاہتی ہے یا نہیں؟ اس نے کہا، بچہ! میں خوشی سے تو اگر مجھے اونٹوں روپیہ دیا جائے تب بھی نہ دوں گی۔ میرے مورثوں کی نشانی ہے۔ اس زمانے میں دہلی کا سیتا بیگ لکھنؤ کا کوتوال تھا۔ وہ حضرت اچھے میاں قدس سرہ سے عقیدت و ارادت رکھتا

تھا، میں نے اس کو ایک پرچہ لکھ دیا اور بڑھیا سے کہا کہ میں فقیر اور فقیر زادہ ہوں۔ بڑے لوگوں سے ملنا ملانا پسند نہیں۔ آج تیری خاطر یہ رقعہ لکھ دیا ہے، اس کو کوتوال کے پاس پہنچادے۔ وہ میرے تاؤ کا معتقد ہے، امید ہے کہ وہ تیری حمایت ضرور کرے گا۔ اور میں طالب علم کس قابل ہوں سوائے اس کے کہ تیرے مکان کے بچاؤ کے لیے خدا کی جناب میں دعا کروں گا۔

سچ ہے گرتے کو تنکے کا سہارا بھی بہت ہوتا ہے، وہ بڑھیا اسی وقت دوڑی ہوئی کوتوال لکھنؤ کے پاس گئی اور حضرت کا رقعہ دیا۔ کوتوال اسی وقت حضرت کی خدمت میں دوڑا ہوا آیا اور حضرت کے قدموں پر گر پڑا اور کہنے لگا، حضور اگر میرے دم میں دم ہے تو بڑھیا کا مکان ہرگز ہرگز گرنے نہ دوں گا۔ یہ قصہ طویل ہے۔ مختصر یہ کہ حضرت کی دعا اور کوشش سے اس بے چاری بڑھیا کا مکان بچ گیا اور آغا میر کے محل سرا میں کجی ہوگئی۔ چنانچہ اب تک لکھنؤ میں آغا میر کی ڈیوڑھی پر وہ جگہ ''آلِ رسول کا کونا'' مشہور ہے۔ (برکاتِ مارہرہ، از: جناب مولوی طفیل احمد صاحب علیہ الرحمہ۔ منقول از حیات شاہ آلِ رسول احمدی مارہروی، ص: ۱۰۹-۱۱۰ تالیف: مولانا محمود احمد رفاقتی)

اخفاے حال:

سید شاہ آلِ رسول احمدی علیہ الرحمہ بڑے عالی ظرف اور فضل وکمال کے مالک تھے، کرامتوں کا صدور بھی ہوتا تھا۔ حتی الامکان چھپانے کی کوشش کرتے کہ اگر کسی نے آپ سے دیکھے ہوئے واقعے کی تصدیق چاہی تو آپ نے فرمایا: میاں تم کو شبہہ ہوا ہوگا، تم غلط فہمی میں مبتلا ہوگئے ہو۔ اگر کوئی خوش اعتقاد بضد ہوجاتا تو تصدیق کرنے سے پہلے وعدہ لے لیتے کہ اس کو میری حیات میں کسی پر ظاہر نہ کرے گا۔ اس طرح آپ اپنے فضل وکمال اور مقامِ رفیع کے اخفا کا سامان کر لیتے۔ حضرت نوری میاں علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

> ''ولی پر اپنا راز چھپانا ایسا ہی فرض ہے جیسا کہ نبی پر اپنی نبوت کا ظاہر کرنا۔ ولی کی ولایت مجبوراً ظاہر ہوجائے تو کوئی بات نہیں، مگر ارادتاً اسے ظاہر نہ کرے، وہ اپنے پیرو مرشد حضرت سید شاہ آلِ رسول کا ایک واقعہ نقل کرتے ہیں جس سے اس مسئلے پر روشنی پڑے گی۔ آپ کے ایک مرید مظفر علی بریلوی کہتے ہیں کہ میں ایک شب استنجا کے لیے اٹھا اور طہارت کے لیے پانی لینے اپنے حجرہ سے باہر آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ درگاہِ معلیٰ (درگاہِ برکاتیہ مارہرہ ضلع ایٹا) میں بزرگوں کا بڑا کثیر مجمع ہے، جیسے عرس کا دن ہو، اور حضرت صاحب البرکات کے پائیں دالان میں جواہرات کا جڑاؤ تخت بچھا ہے اور اس پر چاروں طرف اکابر اولیا بیٹھے ہیں، کچھ دیر بعد کیا دیکھتا ہوں کہ ہمارے حضرت پیرو مرشد (شاہ آلِ رسول) کو شاہانہ لباس فاخرہ پہنائے اور سر پر تاج رکھے دو بزرگ بغل میں ہاتھ ڈالے ہوئے لائے اور تخت پر بیٹھایا۔ تمام لوگ تعظیم کے لیے کھڑے ہوگئے اور حضرت کی پیشانی پر بوسہ دیا، میں (مظفر علی) یہ سب دیکھ کر حیرت زدہ ہوکر ایک اندرونی زینہ کے نیچے کھڑا ہوگیا، اس کے بعد تمام حضرات اندر چلے گئے اور غائب ہوگئے، پھر میں اپنے حجرہ میں آگیا۔ یہ ماجرا دیکھ کر مجھے ساری رات نیند نہیں آئی۔ صبح میں مسجد میں حاضر ہوا اور حضرت پیرو مرشد کے پیچھے نماز باجماعت ادا کی اور پھر یہ حال عرض کر کے اس مقام کی کیفیت دریافت کرنے لگا، پہلے تو فرمایا کہ تم نے خواب دیکھا ہوگا، اور خواب کی باتوں کا کیا اعتبار۔ جب میں نے اصرار کیا تو بادلِ ناخواستہ فرمایا، خاموش رہو اور اس بارے میں کوئی

بات نہ کہو، میں اسی وقت خاموش ہو گیا۔''

اللہ اللہ کیا پردہ داری تھی کہ کبھی اشاروں اور کنایوں میں بھی اندر کا تذکرہ نہیں کیا، حالاں کہ یہ مقام مقامِ قطبیت ہے اور حضور والا کو مارہرہ کی خدمت کی سپردگی تھی۔ اس روز سے وفات شریف تک آپ مارہرہ سے باہر نہیں گئے اور سیکڑوں کرامتیں آپ سے ظاہر ہوئیں۔ وصال کے بعد مظفر علی سے مجھے (نوری میاں) اس واقعے کی تصدیق ہوئی۔ (سراج العوارف، ص: ۱۰۰-۱۰۱)

نور مدائح حضور جلد اول میں حاجی محمد رضا خان کی روایت نقل ہے، وہ فرماتے ہیں:

''میں سفرِ حج و زیارت کے شرف سے مشرف ہونے سے پہلے کسی بزرگ کا مرید نہ ہوا تھا۔ حرمِ کعبہ پہنچ کر حج کے مناسک کی ادائیگی کے بعد خیال پیدا ہوا کہ خدا نے اپنے کرمِ بے حد سے اپنے گھر کا دیدار کرا دیا۔ سنگِ اسود سے حاصل کی ہوئی برکت کو باقی رکھنے کے لیے اسی ارضِ پاک کے کسی شیخ کا دامن پکڑ لینا چاہیے۔ اسی ارادہ و خیال سے وہاں کے بزرگ عالم و عارف مولانا شاہ محمد اسماعیل مکی کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا اور بیعت میں لینے کی درخواست کی۔ مولانا شاہ اسماعیل صاحب نے فرمایا:

''تم سید شاہ آلِ رسول مارہروی سے مرید کیوں نہ ہوئے، وہ اب تک حج کی ادائیگی میں میرے ساتھ تھے۔''

حاجی صاحب کہتے ہیں، میں واپس آیا اور بیعت کے ارادے سے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور مولانا کی بات دوہرائی، فرمایا، مولوی صاحب کو شبہہ ہوا ہوگا۔ دریافت کرلو، فقیر مارہرہ سے باہر نہیں گیا۔ حاجی صاحب نے اصرار سے عرض کیا، مولانا محمد اسماعیل مکی صاحب بڑے بزرگ اور حضور کو چاہنے والے ہیں اور صادق القول ہیں۔ حسبِ دستور جو اس قسم کی واردات پیش آنے پر فرمایا کرتے تھے، فرمایا: ''خیر تا حیات ہمارے راز کو کسی پر ظاہر نہ کرو تو مرید ہو جاؤ۔'' (حیات حضرت آلِ رسول احمدی، ص: ۱۰۴)

اس طرح بیشتر واقعات ہیں جنھیں آپ نے پوشیدہ رکھنے کی تلقین کی۔ اگر کوئی ظاہر کر دیتا تو ناراضگی کا اظہار فرماتے۔ متوسلین کو بھی کمالات و کرامات کے اخفا کی سخت تاکید کی تھی۔ اگر کبھی کسی سالک و کاسب سے اس کے خلاف ہوتا تو عتاب فرماتے۔

حضرت مولانا مفتی سید عین الحسن بلگرامی مسجد میں تشریف لائے اور جماعت میں حاضر ہو کر نیت توڑ دی اور سلام کے بعد فرمایا:

''مردِ خدا نماز میں بازار جانے اور سودا خریدنے کی ضرورت نہیں حضورِ قلب کے ساتھ نماز پڑھایا کریے، ہم نماز کی حالت میں بھی تمھارے ساتھ کہاں کہاں جائیں۔''

آپ نے حضرت مفتی صاحب کی بات سن کر سخت عتاب فرمایا اور ارشاد فرمایا:

''بہتر ہے کہ آپ نماز خود پڑھائیں ورنہ حافظ صاحب کے ساتھ ساتھ پھریں اور شریعت کا استہزا نہ کریں، آپ کو نماز میں خود حضور نہیں ورنہ دوسروں پر نظر ہرگز نہ جاتی۔

(حیات شاہ آلِ رسول مارہروی، ص: ۱۰۰-۱۰۱)

چند ملفوظات :

بزرگوں کے ارشادات وملفوظات چوں کہ تعلیم وتربیت اور ارشاد وہدایت کا بڑا اہم حصہ ہوتے ہیں، اس لیے ان کے متوسلین نے ان کے لکھنے اور جمع کرنے کا اہتمام کیا۔ چند ملفوظات نقل کیے جاتے ہیں، جو بڑی اہمیت کے حامل ہیں:

ولی کی پہچان:-

حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری علیہ الرحمہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک روز میں نے اپنے شیخ (شاہ آلِ رسول) رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ اولیا کی پہچان کیا ہے، تو آپ نے فرمایا:

''بندہ اپنی ذات اور صفات کو فراموش کر دے اور ذات وصفاتِ الٰہی میں کھو جائے اور صرف ذات و صفاتِ باریِ تعالیٰ ہی کو موجود سمجھنے لگے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی محبت اور ذوق وشوق اتنا بڑھ جائے کہ وہ اور سب سے بے تعلق ہو جائے تو وہ ولی ہوتا ہے، جب بندہ میں یہ تمام صفات پیدا ہو جائیں تبھی وہ ولی ہوگا ورنہ نہیں۔

بعض فقرا اپنے آپ کو شریعت کے خلاف رکھتے ہیں، مثلاً: داڑھی منڈوانا یا کتروانا، بھنگ یا شراب پینا، ریشمی کپڑے پہننا، فحش اور بے ہودہ باتیں زبان سے ادا کرنا اور بہت سی خلافِ شرع باتیں کرنا۔ اگر ایسے لوگوں کو نصیحت کی جائے تو کہتے ہیں ہم تو فرقۂ ملامتیہ میں سے ہیں۔تم خوب سمجھ لو کہ یہ بڑے گمراہ ہیں۔ یہ ملامتیوں کا طریقہ نہیں ہے۔ ملامتی تو وہ ہوتے ہیں جو شریعت کے مستحبات میں سے کسی مستحب کو بھی نہیں چھوڑتے، لیکن بارگاہِ الٰہی میں جو قرب انھیں حاصل ہے اسے مخلوق سے چھپاتے ہیں۔ وہ شریعت کے خلاف نہیں جاتے اور ملامتیہ کا دعویٰ کر کے سرکش نہیں بن جاتے۔ ایسے ملامتیہ تو باطل پرست ہوتے ہیں، حق پرستی سے ان کا کوئی واسطہ نہیں، ایسے لوگوں کی وضع اور طریقے سے دور رہنا چاہیے۔

یہاں مجھے ایک حکایت یاد آئی جس سے بات خوب واضح ہو جائے گی۔ پہلے زمانے میں شوہر اور بیوی تھے، شوہر ملامتی فرقے سے تعلق رکھتا تھا، یعنی اس راہ کی ریاضتیں اور مجاہدے ظاہر میں نہ کرتا بل کہ مخلوق سے پوشیدہ رکھتا۔ اس کی بیوی ہمیشہ غصہ کرتی کہ میں تجھے کبھی حق کی طرف متوجہ نہیں دیکھتی۔ وہ کہتا کہ کیا کروں؟ مخلوق میں ایک میں ہی برا ہوں، اللہ مجھے بخشے۔ ایک رات اس کی بیوی سوتے سے اٹھی تو کیا دیکھتی ہے کہ شوہر حق کی طرف متوجہ ہے اور ذکر میں ڈوبا ہوا ہے۔ وہ بہت خوش ہوئی اور صبح اپنے شوہر سے بولی کہ خدا کا شکر آج رات گتھی سلجھ گئی کہ تم اپنی ریاضت کو چھپاتے ہو۔ اس نے کہا، تجھے کیسے معلوم ہوا؟ بیوی نے جواب دیا کہ، پچھلی رات میں نے دیکھا کہ تم یادِ الٰہی میں مصروف تھے اور تمھیں کسی بات کی خبر نہ تھی۔ شوہر نے تین بار پوچھا، کیا تو سچ کہتی ہے، واقعی تو نے دیکھا؟ خدا

کی قسم میں نے تجھے دیکھا۔شوہر نے یہ سنا اور انتہائی شرمندگی سے اپنی جان خدا کو سونپ دی۔ ایسے لوگوں کو ملامتی کہنا درست ہے، بدمذہبوں اور خلافِ شرع چلنے والوں کو ملامتی کہنا بالکل غلط ہے۔‘
(سراج العوارف،ص:۹۸-۹۹)

حقیقت کی تبدیلی :

عرض نوری: بعض درویشوں کو بارہا حرام اور مردار کھاتے دیکھا گیا ہے۔کئی بار دیکھا گیا کہ انھوں نے مرے ہوئے جانور کے گوشت اور چربی کا استعمال کیا اور بظاہر وہ مجذوب و مجنون کی صورت بھی نہیں رکھتے، بل کہ کبھی کبھی تو دوسروں کو بھی اس میں سے کچھ دے دیتے ہیں، جب ہم نے دیکھا تو وہ حلوا نکلا، یہ راز کیا ہے؟

ارشادِ آلِ رسول: فرمایا، کن فیکون یہ باریِ تعالیٰ کی صفت ہے، جب بندہ فانی محض ہوکر اس صفت کا مظہر بن جاتا ہے تو اسے یہ قدرت حاصل ہوجاتی ہے کہ وہ چیزوں کی حقیقت بدل دے۔ اگر وہ مردے کو زندہ کہ دے تو وہ زندہ ہوجائے اور زندہ کو مردہ کہ دے تو وہ مردہ ہو جائے۔ اگر وہ مردار کے گوشت کو حلوا کہ دے تو وہ حلوا ہوجائے اور حلوا کو اگر فضلہ کہ دے تو فضلہ ہوجائے۔ وہ زہر ہلاہل کو تریاق اور تریاق کو زہرِ ہلاہل کردے۔ چنان چہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے زہر کھا لینے کا واقعہ مشہور ہے، تو جب اسے اس صفت سے حصہ مل گیا اور فضلہ کو حلوا سمجھ کر کھائے تو تعجب کی کیا بات ہے کہ وہ اس کی قوتِ کرامت سے حلوا ہو چکا ہے اور ظاہر ہے کہ جب ماہیت بدل جاتی ہے تو اس کا حکم بھی بدل جاتا ہے۔مثلاً انگوری شراب نجس العین اور حرام ہے، اگر وہ سرکہ ہوجائے تو اس کا کھانا حلال و درست ہے۔ یہی حال تمام چیزوں کا ہے اور اب اس میں کوئی خطرہ نہیں۔ میں نے عرض کیا کہ حضور اب میری دلی تسکین ہوگئی۔ (سراج العوارف،ص:۸۵-۸۶)

حقیقتِ روح :

عرض نوری: حضرت روح کیا ہے؟

ارشادِ آلِ رسول: فرمایا: روح صفتِ حیات باریِ تعالیٰ کا عکس ہے۔ جب باری تعالیٰ کی ذات اور صفات کا سمجھنا محال ہے تو روح کی حقیقت کیسے جان سکتے ہو کہ یہ تو اسی کا ظل اور عکس ہے۔(سراج العوارف،ص:۸۶)

فقرا اور ترکِ نماز:-

عرض نوری: اس کی کیا وجہ ہے جو بعض نمازی فقیر یکایک نماز چھوڑ دیتے ہیں، اور ان سے دریافت کیا جائے تو جواب میں آیتِ کریمہ پڑھ دیتے ہیں: **واعبد ربک حتی یاتیک الیقین**۔؟

ارشادِ آلِ رسول: فرمایا: یہ بات وہ اپنے کو چھپانے کے لیے کہتے ہیں، نماز ترک کرنے کے گناہ سے وہ بہت دور ہیں۔ **ظنو المؤمنین خیراً**۔ کبھی ان پر ایسی محویت طاری ہوتی ہے کہ انھیں اپنی بھی خبر نہیں رہتی۔کبھی جمالِ خداوندی کے دیدار سے ان کی حالت مدہوشوں جیسی ہوجاتی ہے۔کبھی ایسے انوکھے واقعات ان سے ظاہر ہوتے ہیں کہ وہ دریاے حیرت میں ڈوب جاتے ہیں، اور کبھی تجلیِ جلال کی زیادتی کی وجہ سے وہ نماز پڑھنے پر قادر نہیں ہوتے۔ ایک روز سیدی ابوبکر شبلی قدس سرہ بے تابانہ اپنے مرشد حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ کے گھر میں داخل ہوگئے اور آپ کے سرہانے جا کر کھڑے ہوگئے اور نعرہ مارتے ہوئے شعر پڑھنے شروع کردیے۔ آپ کی اہلیہ

رضی اللہ عنہا نے پردہ کرنا چاہا تو حضرت جنید نے فرمایا کہ کوئی ضرورت نہیں، شبلی اس وقت اس عالم میں نہیں ہے۔ حضرت شبلی کچھ دیر بعد بے خود ہو کر گر پڑے اور دیر تک اسی حالت میں رہے، یہاں تک کہ حضرت جنید بغدادی نے آپ کی طرف توجہ فرمائی اور آپ کو اس مقام سے لوٹا کر صحو و ہوشیاری کے مقام پر لائے۔ حضرت شبلی نے رونا شروع کر دیا۔ اس وقت حضرت جنید نے اپنی اہلیہ سے فرمایا کہ اب پردہ میں ہو جاؤ کہ یہ اس عالم میں لوٹ آئے ہیں۔ مختصر یہ کہ صوفیۂ کرام پر بہت سے واقعات، تجلیات اور حالات تغیرات گزرتے ہیں اور ایسی حالتوں میں احکام کا پورا کرنا ان پر معاف کر دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ اوپر لکھی حکایت سے معلوم ہوا کہ حضرت جنید نے اس وقت کسی پردے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ پھر ہو سکتا ہے کہ وہ خفیہ طور پر نماز ادا کرتے ہوں۔ لیکن اس صورت میں ترک جماعت لازم آتا ہے کہ تنہا نماز پڑھنے سے جماعت کی نماز ادا نہیں ہوتی۔ اور یہ بھی بہت برا ہے کہ سنتِ موکدہ کا بل کہ بعض فقہا کے نزدیک واجب کا چھوڑنا ہے لہذا پہلا سبب ہی زیادہ درست ہے، میں نے عرض کیا: یہ محویت اور حیرانی صرف نماز کے لیے ہے، باقی چیزوں میں نہیں۔ جیسے کھانا پینا وغیرہ؟ فرمایا کہ پاگلوں کو نہیں دیکھا ہے کہ وہ کیسے کھاتے اور پیتے ہیں، نماز کی عقل کھانے اور پینے کی عقل سے مختلف ہے۔ پاگل پر ان کے کھانے اور پینے کے باوجود شریعت کے احکام جاری نہیں ہوتے۔ ایسا ہی یہاں سمجھنا چاہیے اور خدا ہی بہتر جانتا ہے اور اس کی جانب واپس جانا ہے۔ بہر حال گمان نیک رکھنا چاہیے اعتراض کی ضرورت نہیں اور ہاں ہو سکتا ہے کہ وہ نماز مکہ معظّمہ میں ادا کرتے ہوں، اس لیے کہ انھیں ثواب کی خاطر زمین طے کرنے کی قوت حاصل ہوتی ہے اور وہ مسجدِ حرام میں جہاں نماز کی فضیلت کہ وہاں کی ایک رکعت دوسری جگہ کی ایک لاکھ رکعت کے برابر ہے، انھیں مل جاتی ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ نماز کے اوقات میں شروع سے آخر تک وہ یہیں موجود رہے، ایک لمحہ کے لیے بھی غیر حاضر نہیں رہے تو مکہ معظّمہ کا پہنچنا کیسے سمجھ میں آئے۔ تو میرا جواب یہ ہے کہ تمھیں کیا معلوم کہ وہ اپنے اصلی جسم وصورت کے ساتھ وہاں پہنچے اور جسمِ عکس ومثالی جو جسمِ اصلی کے مانند ہے یہاں رہے۔ جیسا کہ بہت بار اس میدان کے مردوں سے واقع ہوا۔ بہر حال حسنِ ظن میں بڑی گنجائش ہے۔ دیکھیے! کسے اس کی توفیق نصیب ہو اور بدگمانی کی بلا سے بچے، اللہ ہمیں نصیب فرمائے۔ آمیں۔ (سراج العوارف، ص:۸۶-۸۷)

عقد مسنون اور اولاد کرام:-

آپ کا عقد نثار فاطمہ دختر سید منتخب حسین بدلے زئی سید واڑہ بلگرام سے ہوا۔ اس عقد سے آپ کے دو صاحب زادے سید شاہ ظہور حسن و سید شاہ ظہور حسین اور تین صاحب زادیاں انصار فاطمہ، ظہور فاطمہ اور رحمت فاطمہ تھیں، انصار فاطمہ اور ظہور فاطمہ یکے بعد دیگرے سید حافظ صاحب آپ کے بھانجے کے عقد میں آئیں جو لاولد فوت ہوئیں۔ تیسری صاحب زادی رحمت فاطمہ سید محمد حیدر صاحب ابن سید دل دار حسین صاحب ابن سید منتخب حسین کو بیاہی گئیں۔ ان کا انتقال مکہ معظّمہ میں بہ مقامِ منیٰ آٹھویں ذی الحجہ بروز پنجشنبہ ۱۳۱۰ھ میں ہوا، یہ صاحب اولاد تھیں۔ ان کی اولاد مارہرہ میں ہے۔

سید شاہ ظہور حسن صاحب کی ولادت ۱۲۲۹ھ میں ہوئی ان کا عقدِ اول اکرام فاطمہ دختر سید دلدار حیدر بنت سید منتخب حسین صاحب سے ہوا۔ ایک صاحب زادہ سید شاہ ابو الحسین نوری اور ایک صاحب زادی کلثوم فاطمہ آپ کی یادگار ہیں۔ آپ کا وصال ۱۲۶۶ھ میں کاٹھیاواڑ میں ہوا اور وہیں مدفون ہیں۔

سید شاہ ابو الحسین نوری میاں ۱۲۵۵ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا عقدِ اول آپ کے چچا سید شاہ ظہور حسین کی صاحب زادی رقیہ بیگم

سے ہوااور دوسرا عقد چھوٹی پھوپھی کی لڑکی الطاف فاطمہ سے ہوا۔ مگر دونوں سے کوئی اولا د نہیں ہے۔
سید شاہ ظہور حسین چھٹومیاں آپ کی ولادت ۱۲۴۱ھ میں ہوئی، آپ کے دوعقد یکے بعد دیگرے حضرت سید شاہ اولادِ رسول قدس سرہ کی دو صاحب زادیوں اولا د فاطمہ اور خاتون فاطمہ سے ہوئے۔ زوجہ اولیٰ سے ایک صاحب زادہ سید شاہ ابوالحسن علی خرقانی الملقب بہ میر صاحب اور ایک صاحب زادی رقیہ بیگم پیدا ہوئیں جن کا عقد سید شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں سے ہوا۔
سید شاہ ظہور حسین کا وصال یک شنبہ ۱۷؍ربیع الاول ۱۳۱۳ھ میں مارہرہ میں ہوا۔

وصال:-

حضرت سید شاہ آلِ رسول احمدی مارہروی علیہ الرحمہ کا وصال ۱۸؍ذی الحجہ ۱۲۹۶ھ بروز چہارشنبہ مارہرہ میں ہوا۔ اور دالانِ شرقی گنبد درگاہ حضرت شاہ برکت اللہ قدس سرہ میں بالیں مرزا سید شاہ حمزہ قدس سرہ دفن ہوئے۔ سید شاہ محمد صادق صاحب قدس سرہ نے آیتِ کریمہ عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا سے سالِ وصال نکالا۔ (تاریخ خاندان برکات، تذکرہ سید شاہ آلِ رسول قدس سرہ)

تیسرا باب

اس باب کے لیے جو سرخی تلاش کی گئی ہے۔ وہ دراصل کسی بھی شخصیت کی سیرت کا مرکزی اور جوہری گوشہ ہوا کرتا ہے، اس کسوٹی پر کسی بھی شخصیت کو پرکھا اور تولا جاسکتا ہے، مفتی اعظم کی زندگی کا اس حیثیت سے مطالعہ کافی روح پرور اور انقلاب آفریں ہوگا، ان کی تہ دار، اور ہشت پہلو شخصیت اتنی باوزن اور ثقہ ہے کہ ظن وارتیاب کا وہاں گزر ہی نہیں ہوتا، ان کی زندگی کا کوئی گوشہ تاریکی میں نہیں ہے، یہاں سب کچھ اجالوں میں نظر آئے گا، کھوٹے کو کھرا اور ناقص کو کامل بنانے کی بالکل سعی نہیں کی گئی ہے۔ بل کہ حق یہ ہے کہ اتنی ضخیم اشاعت کے باوجود بھی محسوس ہوتا ہے کہ ابھی اس بحر زخار کے ساحل سے ہم آگے نہیں بڑھے، ان کی زندگی آئینہ کی طرح صاف وشفاف ہے، مشک وعنبر کی طرح بھینی بھینی اور مہکی مہکی ہے، سیرت رسول پاک کا عملی زندگی میں نظارہ کرنا ہو تو ان کی بارگاہ میں آئیے، جو کتابوں میں پڑھا، اسے آنکھوں سے دیکھ کر دل کے قرار کا سامان کیجیے۔ ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیلے ہوئے لاکھوں مریدین کے سینوں اور آنکھوں میں ان کے مقام رفیع کے نہ جانے کتنے تابناک گوشے اور جلوے محفوظ ہوں گے؟ کاش وہ سب صفحہ قرطاس پر آجاتے تو ہماری دعوت و عزیمت کی تاریخ میں ایک قابل قدر اضافہ ہوجاتا مگر شاید ہم پڑھنا تو سب کچھ چاہتے ہیں، لکھنا کچھ بھی نہیں چاہتے، جو لکھنا چاہتے ہیں ان کی وہاں تک رسائی نہیں۔
اس باب کے مقالہ نگاروں میں جن عظیم ترین شخصیتوں کا نام شامل ہے وہ ان کی شان بلند کے اظہار کی ضمانت ہے۔ وہ جس کی ذات کی عظمت مقام کے شاہد حضرت برہان الحق جبل پوری، علامہ سید محمد مدنی میاں کچھوچھوی، بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی، سید شاہ آل رسول حسنین میاں نظمی مارہروی، حضرت سید شاہ کمیل اشرف اشرفی الجیلانی، اور

مفتی محمد شریف الحق امجدی ہوں، اس کی ثقاہت و جاہت کے قصر عظیم کی بلندی کا کون اندازہ کر سکتا ہے، ان کے علاوہ دیگر مقالے بھی لائق توجہ ہیں ہر ایک نے اس گلشن سے ایک پھول چن لیے ہیں، ہر ذرہ پکار رہا ہے - ع یہاں سے پہلے یہاں سے پہلے - آپ آزاد ہیں کسی بھی مقالہ کو ہاتھ لگا سکتے، ہاں اگر لف و نشر مرتب کا خیال رہے تو شاید مطالعہ کا مزہ دو آتشہ ہو جائے، تو چلیے بسم اللہ۔

مقبول احمد سالک مصباحی

مفتی اعظم سے میری دیرینہ رفاقت
اور آپ کی بصیرت افروز شخصیت

برہان الملت حضرت علامہ مفتی محمد برہان الحق رضوی جبل پوری علیہ الرحمہ

حضور مفتی اعظم شاہزادۂ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خاں صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا کے وصال پر ملال اور دائمی داغ مفارقت نے دل بے قرار اور دماغ وطبیعت کے انتشار کو فقیر کے سارے حالات پر ایسا مسلط کر دیا ہے کہ جس وقت حضرتِ اقدس کا خیال آتا ہے آہ کے ساتھ آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں۔ **انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ اللّٰھم اجرنی فی مصیبتی واخلف لی خیراً منہ انا الی ربنا راغبون۔**

مشیت پروردگار اور رضائے الٰہی پر صبر ورضا کے ساتھ حضرت اقدس علیہ الرحمہ کے خادمِ آستان برہان پر جو اکرامات اور احسانات کا فیض جاری رہا ہے اور اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدد دین وملت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس غلام آستاں کو حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے برابر ہمیشہ فیوض وبرکات سے نوازا۔ اس کے چند مختصر حالات تسکین قلب کے لیے قلم بند کر رہا ہوں۔

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے مجھ فقیر کو ہمیشہ اپنا بھائی فرمایا۔ اس بنا پر کہ اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت امام اہل سنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس خادم کو اپنا روحانی بیٹا فرمایا۔ میں نے جو زمانہ بریلی شریف میں اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حضور تعلیم علوم دین اور اکتساب فیوض وبرکات ظاہری وباطنی وروحانی حاصل کرنے کے لیے گزارا اس زمانے میں حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ سے تعلق سگے بھائیوں جیسا رہا اور وہی نعمت وصال کے وقت تک قائم رہی۔ جس طرح اعلیٰ حضرت امام اہل سنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جبل پور کے متعلق اور حضرت والد ماجد عید الاسلام شاہ محمد عبد السلام علیہ الرحمہ کے بارے میں اور اس خادم کے لیے ایک والا نامہ میں تحریر فرمایا ؎

سپس بہرِ عبد السلام ایں سپاس — کہ از شکرِ خالق بود شکر ناس
وطن گرچہ آرام را درخورست — جبل پور مارا از وخوشترست

نہ از خود شد او فرحت افزا مقام — کہ از عید الاسلام عبدالسلام
تَوَ لّائے اصحاب آں محترم — برانگیخت از وطن خاطرم
سلامت بود شاہ عبدالسلام — بحقِ محمد علیہ السلام
الٰہی نگہدار برہانِ حق — بود دائما از وے اعلانِ حق
برائے تو ونسلِ تو دائما — بود از احد لطف از احمد رضا

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ اکثر فرماتے میرا ایک گھر بریلی شریف میں اور دوسرا گھر جبل پور میں ہے۔فقیر حالاں کہ اس آستانہ عالیہ رضویہ کا ادنیٰ ترین خادم ہے لیکن حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے ہمیشہ مجھے اپنے برابر رکھا اور اعلیٰ حضرت امام اہل سنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اپنے ایک طویل قصیدہ میں جہاں اپنے شاگردوں اور خلفا کا ذکر فرمایا ہے اس خادم کا حضرت مفتی اعظم کے ساتھ ذکر فرمایا ہے حضور مفتی اعظم کا اسم گرامی مشہور مصطفیٰ رضا خاں اور کنیت آل الرحمن ہے۔اعلیحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس قصیدے کے ایک شعر میں ہم دونوں کا ذکر فرمایا اور پھر شعر میں ہی نہیں بل کہ ایک ہی مصرعے میں ہمارے دونوں کے ناموں کو جمع فرمادیا جب کہ ہر شاگرد اور خلیفہ کا ذکر علاحدہ علاحدہ شعر میں جمع فرمایا ہے۔ہمارے متعلق جو شعر ارشاد فرمایا وہ یہ ہے ؎

آل الرحمن ، برہان الحق — شرق پہ برق گراتے یہ ہیں

تحریک خلافت اور قومی حکومت: جن دنوں ہندوستان میں تحریک خلافت اور ہندو مسلم اتحاد اور انگریزوں کی حکومت کے خاتمہ کی تحریک زوروں پر تھی۔رجب ۱۳۳۹ھ کا واقعہ ہے کہ خادم آستان بریلی شریف حاضر ہوا۔اس وقت یہ عام تحریک چل رہی تھی کہ ہندوستان میں قومی حکومت قائم ہوگی اور اس سلسلے میں ایک بہت بڑا اجلاس بریلی میں زیر صدارت ابوالکلام آزاد منعقد ہوا،اسی اجلاس میں اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شرکت کی دعوت دی گئی تھی مگر اعلیٰ حضرت نے اس جلسے میں شرکت نہیں فرمائی اور اس زمانے کی چلنے والی تحریکات میں جو خلاف شرع باتیں تھیں ان کے پیش نظر اس اجلاس میں ایک وفد کو ستّر سوالات کے ساتھ افہام وتفہیم کے لیے روانہ فرمایا۔جو بصورت اشتہار''اتمام حجت نامہ'' شائع ہو کر اراکین خلافت کمیٹی تک پہنچایا جاچکا تھا جو وفد اعلیٰ حضرت کی جانب سے مناظرہ کے لیے روانہ کیا گیا تھا۔اسی وفد کے ساتھ فقیر بھی جلسہ گاہ میں پہنچا۔ابوالکلام سے فقیر نے مناظرہ کے آخر میں جو سوالات کیے اس کے پاس سوائے لعنۃ اللہ علی قائلہ،لعنۃ اللہ علی قائلہ کہنے کے اور کچھ کہنے کو نہ تھا اس واقعہ کی پوری تفصیل''رودادِ مناظرہ'' اور''اکرام امام احمد رضا'' میں تحریر ہے۔

دارالقضائے شرعی کا قیام : اسی موقع پر اعلیٰ حضرت امام اہل سنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بعض عقیدت منداور ذی اثر صاحب رائے حضرات کے عرض کرنے پر بریلی شریف میں شرعی دارالقضا قائم کیا۔دارالقضا شرعی کے لیے قاضی شرع اور قاضی شرع کو شرعی احکام واعانت کے لیے مفتی کی ضرورت ہوتی ہے۔اس سلسلہ میں ایک دن صبح قریب نو بجے اعلیٰ حضرت مکان سے باہر تشریف لائے۔تخت پر ایک قالین بچھانے کا حکم فرمایا۔ہم سب حیرت زدہ تھے کہ حضور یہ اہتمام کس لیے فرمارہے ہیں۔پھر حضور امام اہل سنت ایک کرسی پر تشریف فرما ہوئے اور حضرت صدرالشریعہ مولانا امجد علی صاحب علیہ الرحمہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میں آج بریلی میں دارالقضا شرعی کے قیام کی بنیاد رکھتا ہوں اور انھیں اپنی طرف بلاکر ان کا داہنا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے کر قالین پر انھیں بٹھا کر فرمایا''میں آپ کو ہندوستان کے لیے قاضی شرع مقرر کرتا ہوں۔مسلمانوں کے درمیان اگر ایسے مسائل پیدا ہوں جن کا شرعی فیصلہ قاضی شرع ہی کر سکتا ہے وہ

قاضی شرع کا اختیار آپ کے ذمہ ہے۔ پھر دعا پڑھ کر کچھ کلمات فرمائے جن کا اقرار حضرت صدر الشریعہ نے کیا۔ اس کے بعد حضرت نے اس خادم برہان کو بلایا اور اپنے دست مبارک میں میرا داہنا ہاتھ لے کر اسی مسند پر حضرت صدر الشریعہ کے متصل بٹھا کر مجھ سے فرمایا میں نے تمھارے فتاویٰ دیکھے افتا کے لیے تمھارے دماغ کو بہت مستعد پایا ہے۔ میں تمھیں مسندِ افتا پر بٹھا کر دار القضا شرعی کے لیے مفتی مقرر کرتا ہوں۔ اس کے بعد حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کے ہاتھ کو اپنے دست مبارک میں لے کر میرے پہلو میں بٹھایا اور یہی کلمات جو مجھ سے فرمائے تھے ان سے فرما کر پھر ہم دونوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ دار القضا شرعی کے لیے قاضی شرع مولانا امجد علی کو اور آپ دونوں کو ان کی اعانت اور فتویٰ دینے کی اجازت دیتا ہوں۔ آج سے تم دونوں ہندوستان کے دار القضا شرعی مرکز بریلی میں مفتی شرع کی حیثیت سے مقرر کیے جاتے ہو۔ ہم دونوں سے کچھ کلمات ارشاد فرمائے اور ہم دونوں نے اس سعادتِ عظیم پر سرِ نیاز خم کر دیا اور اٹھ کر ہم نے اعلیٰ حضرت کی قدم بوسی کی اعلیٰ حضرت نے دست مبارک اٹھا کر بہت دیر تک دعا فرمائی۔

حضرت صدر الشریعہ نے دوسرے ہی دن قاضی شرع کی حیثیت سے پہلی نشست کی اور وراثت کے ایک معاملہ کا فیصلہ فرمایا اس کے بعد میں اعلیٰ حضرت سے اجازت لے کر رمضان شریف کے لیے جبل پور آ گیا۔ یہاں جبل پور پہنچنے پر کچھ ایسے حالات وموانع پیدا ہوئے کہ میں رمضان المبارک کے بعد پھر بریلی شریف حاضر نہ ہوسکا۔ ذیقعدہ کے درمیانی ایام میں میری دو بچیوں کی وفات ہوگئی اور میری اہلیہ سخت بیمار ہوگئیں جس کی اطلاع اعلیٰ حضرت کو تار کے ذریعہ کی گئی۔ اس وقت موسم گرما کی شدت کے باعث اعلیٰ حضرت بھوالی نینی تال میں تشریف فرما تھے وہاں سے حضرت والد ماجد کے نام والا نامہ جو تعزیت اور دعاؤں کا حامل تھا تشریف لایا۔ ساتھ ہی اعلیٰ حضرت نے اپنی سخت علالت کے سبب اس والا نامہ کو کئی نشستوں میں تحریر کرانے کا ذکر فرمایا ہے جس کی نقل ''اکرام امام احمد رضا'' میں شامل ہے۔

محرم شریف ۱۳۴۰ھ میں کچھ اطمینان ہوا ہی تھا کہ والد ماجد عید الاسلام شاہ محمد عبد السلام علیہ الرحمۃ کی طبیعت سخت علیل ہوگئی جس کے باعث پھر بریلی شریف حاضری کا موقع نہ مل سکا اور یکا یک بریلی شریف سے ۲۵ صفر المظفر کو حضور اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدد دین وملت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال ذو الجلال کا تار ملا۔ تار اس وقت پہنچا جب کہ میں بھی سخت بیمار اور غفلت کی حالت میں تھا، اس طرح دار القضا شرعی کی بس ایک ہی نشست کرنے کے بعد ہم کوئی اجلاس نہ کر سکے۔ نہ ہم تینوں ایک ساتھ کسی جلسے میں شریک ہو سکے۔

بریلی شریف میں میری پہلی حاضری: حضرت مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خاں صاحب علیہ الرحمہ کے ساتھ میں نے پورے چار سال بریلی شریف میں گزارے۔ جب میری پہلی بار بریلی شریف حاضری ہوئی، اس وقت میری عمر بیس سال تھی ویسے پہلی بار بمبئی میں مجھے اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت کا شرف حاصل ہو چکا تھا۔ اس وقت میری عمر تیرہ چودہ سال تھی۔ دوسری بار جب بریلی شریف میں نے حاضری دی اس وقت والد ماجد علیہ الرحمہ کے ہمراہ تھا اور میں اپنی تعلیم جبل پور ہی میں والد ماجد سے مکمل کر کے اعلیٰ حضرت سے اکتساب فیوض وبرکات روحانی اور فیضان علم سے مستفیض ہونے کے لیے حاضر ہوا تھا۔ اس وقت میں نے فارسی میں ایک سلام لکھا تھا جسے میں نے اپنے ہمراہ اس سفر میں جو مداح رسول منشی عبد الغفار صاحب تھے انھیں اعلیٰ حضرت کے حضور سنانے کے لیے دے دیا تھا کہ کسی موقع پر حضور میں اسے سنا دیں۔ بریلی شریف میں حاضری کے بعد جو پہلا جمعہ ملا اس میں نماز جمعہ سے فارغ ہو کر اعلیٰ حضرت دولت خانہ پر تشریف فرما ہوئے۔ منشی عبد الغفار صاحب نے اعلیٰ حضرت سے نعت شریف پیش کرنے کی اجازت چاہی اور اجازت ملنے پر انھوں نے میرا فارسی کا سلام خوش الحانی اور والہانہ انداز میں جس وقت پڑھا اس وقت حاضرین مجلس میں پچاس ساٹھ حضرات اور بھی موجود تھے اس سلام کے چند اشعار یہ ہیں ؎

حضور سید خیر الوریٰ سلام علیک   بارگاہ شفیع الوریٰ سلام علیک

روم بسوے تو بر ہر قدم کنم سجدہ نواے قلب شود سیدا سلام علیک
بجز درت نکشایم بہ ہیچ در دستم تو ئیست قبلۂ حاجات ما سلام علیک
عطاک عم علی کل ذرۃ فامطر علیٰ غیث عطا من عطا سلام علیک

ان اشعار کو سنتے وقت اعلیٰ حضرت پر اک کیف طاری تھا اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ ادھر سامعین ہر شعر کو بار بار پڑھوا رہے تھے۔ منشی صاحب نے جب یہ شعر پڑھا ؎

بہ احمدے کہ رضایش ہمہ رضاے خداست بگو ز من بصلاۃ اے صبا سلام علیک

اس شعر پر اعلیٰ حضرت نے چشم مبارک کھول کر والد ماجد کی طرف دیکھا اور خاموش رہے اس شعر کو محفل میں بار بار پڑھنے کی خواہش کا اظہار ہوتا رہا۔ جب منشی صاحب نے مقطع کا یہ شعر پڑھا ؎

رسی چو بر در احمد رضا بگو برہاں بصد ادب بشما مرشدا سلام علیک

مقطع کے اس شعر کو سن کر اعلیٰ حضرت نے والد ماجد سے فرمایا کیا یہ برہان میاں نے لکھا ہے۔ ماشاء اللہ یہ آپ کی اعلیٰ تعلیم و تربیت کا نتیجہ ہے۔ میں غور کر رہا تھا کہ مولانا جامی کی زمین میں یہ کس نے طبع آزمائی کی ہے۔ برہان میاں کہاں ہیں۔ میں دار الافتا سے باہر آ کر اعلیٰ حضرت کے حضور مؤدب دست بستہ کھڑا ہو گیا۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ صحابی رسول حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نعت پڑھنے کی اجازت چاہی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا منبر کی سیڑھی پر کھڑے ہو کر پڑھو حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑے والہانہ انداز میں نعت شریف پیش کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پسند آئی۔ حضور کے جسم مبارک پر اس وقت بردیمانی (یمنی چادر) تھی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قریب بلا کر وہ چادر انھیں اڑھادی۔ فقیر آپ کو کیا پیش کرے۔ اتنا فرما کر جس عمامہ کو زیب سر مبارک فرما کر اعلیٰ حضرت نے نماز جمعہ پڑھائی تھی اسے سر مبارک سے اتار کر خادم کے سر پر رکھ دیا گیا۔ یہ بارگاہِ رضویت سے میرے لیے پہلا انعام تھا جس سے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضری پر فقیر کو سرفراز فرمایا گیا۔ آج تک وہ عمامہ میرے پاس تبرکات میں محفوظ ہے۔ جسے میں عید میلاد مبارک اور عید غوثیہ کے موقع پر زیب سر کرتا ہوں۔

میں بریلی شریف میں پانچ ساڑھے پانچ ماہ رہتا پھر جبل پور آ جاتا۔ اس طرح میں نے چار سال حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے ساتھ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں گزارے اور علوم دینی ظاہری و باطنی اور فیوض روحانی کے ساتھ ساتھ برکات و سعادات مبارکہ سے مزین ہوا اور آج وہی فیوض و برکات و سعادات فقیر کے لیے عزت افزا اور خدمت دین متین سے شرف یابی کا سبب ہیں۔

میرا بریلی شریف میں یہ چار سال کا زمانہ حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے ساتھ اس طرح گزرا کہ اجنبی لوگ جو باہر سے آتے ہم دونوں کو حقیقی بھائی سمجھتے۔ ہم دونوں ہر وقت ساتھ کھانا کھاتے، ساتھ رہتے اور اٹھتے بیٹھتے، لکھتے پڑھتے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ہم کسی نماز میں ساتھ شامل ہوتے تو ہمیشہ حضور مفتی اعظم اس خادم کو امامت کے لیے بڑھاتے حالاں کہ فقیر ہمیشہ عذر کرتا۔

۱۳۳۶ھ میں اعلیٰ حضرت کو جبل پور تشریف لانے کی تکلیف دی گئی۔ حضرت مفتی اعظم بھی پہلی بار اعلیٰ حضرت کے ساتھ تشریف لائے اور اس کے بعد پھر متعدد بار اعلیٰ حضرت کی حیات طیبہ میں حضور مفتی اعظم جبل پور تشریف لائے۔ ایک بار شعبان میں حضور مفتی اعظم کی تشریف آوری ہوئی اور ۲۲ر رمضان المبارک کے بعد جبل پور سے بریلی شریف مراجعت فرمائی۔ یہ آستانہ عالیہ رضویہ کے غلام خادم آستان پر حضور مفتی اعظم کا کرم تھا جو روز افزوں بڑھتا ہی رہا اور اس طرح حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کی تشریف آوری اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس ارشادِ مبارک کی تصدیق تھی کہ جبل پور میرے وطن سے مجھے زیادہ محبوب ہے۔ وطن میں گرچہ آرام ملتا ہے مگر جبل پور

مجھے اس سے زیادہ خوشتر ہے۔ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ جبل پور کو اپنا دوسرا وطن فرماتے اور دوسرے لوگوں سے فرماتے۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال شریف کے بعد شوال ۱۳۴۰ھ میں جب والد ماجد علیہ الرحمہ نے حج و زیارت کا ارادہ فرمایا۔ اس وقت یہ فقیر دو دن کے لیے بریلی شریف حاضر ہوا۔ حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں صاحب علیہ الرحمہ اور مفتی اعظم مولانا مصطفی رضا خاں صاحب علیہ الرحمہ سے اس سفر خیر کے لیے دعاؤں کا طالب ہوا اور بحمدہٖ تبارک وتعالیٰ فریضۂ حج اور دربار اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری کا شرف حاصل کر کے جب ہم ربیع الاول شریف ۱۳۴۱ھ میں واپس آئے تو یہ فقیر ربیع الآخر میں بریلی شریف حاضر ہوا اور تبرکات کا تحفہ پیش کیا۔

اس کے بعد حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کافی عرصہ کے بعد حضرت والد ماجد عیدالاسلام شاہ محمد عبدالسلام علیہ الرحمہ کے چہلم میں جمادی الآخرہ ۱۳۷۲ھ میں جبل پور تشریف لائے۔ پھر تو ہر سال والد ماجد علیہ الرحمۃ کے عرس میں ۱۴/جمادی الاولیٰ سے ایک دو یوم قبل جبل پور تشریف فرما ہوتے اور کبھی کبھی مسلسل دو دو ماہ سے زائد قیام فرماتے۔ ایک بار جبل پور سے اجمیر شریف حضرت کے ہمرکاب میری بھی حاضری ہوئی۔ اجمیر شریف سے واپسی پر جے پور حاجی شیخ احمد حسین صاحب جوہری کی دعوت پر جانا ہوا۔

مسئلہ اذان ثانی: جے پور میں ہماری قیام گاہ کے بالکل سامنے مسجد تھی۔ جمعہ کے دن حضور مفتی اعظم سے نماز جمعہ پڑھانے کی درخواست کی گئی، حضور نے یہ خدمت خادم کو تفویض فرمائی۔ جب جمعہ کا وقت آیا۔ اذان ہوئی، ہم نے مسجد جانے کی تیاری کی مگر حضرت میرے ساتھ جانے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ میں نے حضور سے مسجد چلنے کے لیے عرض کی تو فرمایا ''یہاں کی مسجد کے لوگ بہت ضدی ہیں، اذان ثانی مسجد کے اندر ہی دیتے ہیں۔ مسئلہ بتانے اور سمجھانے کے بعد بھی باز نہیں آتے اور میں خلاف سنت فعل اپنے سامنے ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔ جب خطبہ شروع ہوجائے گا میں آجاؤں گا۔ میں نے عرض کی حضور تشریف تو لے چلیں آج اذان مسجد کے اندر نہ ہوگی، پھر فرمایا کہ میں بہت سمجھا چکا اور دیکھ چکا یہ لوگ ماننے والے نہیں۔ میری دعا ہے کہ خدا کرے کہ آج آپ کے سمجھانے اور مسئلہ کی وضاحت سے مان جائیں۔ خدا انھیں اس کی توفیق وہدایت عطا فرمائے۔ میں تنہا مسجد میں حاضر ہوا۔ اداے سنت کے بعد مجھ سے خطبے کے لیے کہا گیا۔ میں منبر پر بیٹھ گیا مؤذن نے بالکل منبر کے قریب کھڑے ہوکر اذان دینے کا ارادہ کیا۔ میں نے مؤذن کو روک کر حاضرین مسجد کو مطلع کر کے اذان سے متعلق شرعی حکم سنایا کہ اذان مسجد کے اندر دینا مکروہ تحریمی ہے۔ اذان کا مقصد اعلان عام ہے۔ خطیب کے سامنے منبر کے قریب کے اندر اذان دینے سے وہ مقصد حاصل نہیں ہوتا جو شریعت نے مقرر فرمایا ہے۔ اسی مقصد کے لیے اذان خطبہ بھی خارج مسجد دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ میں خلاف سنت کوئی کام نہ کروں گا کہ میں منبر پر رہوں اور اذان خطبہ میرے سامنے منبر کے قریب مسجد کے اندر دی جائے۔ میں خطبہ اور نماز جمعہ اسی وقت پڑھاؤں گا جب اذان خارج مسجد خطیب کے سامنے ہو۔ اور نماز کے بعد آپ تمام حضرات مسجد ہی میں موجود رہیں میں اس مسئلہ کو پوری وضاحت کے ساتھ آپ کو سمجھا دوں گا۔ مؤذن نے مسجد کے باہر منبر کے سامنے اذان خطبہ دی۔ جب مسجد کے باہر اذان خطبہ بھی ہوئی تو قیام گاہ میں حضرت کو معلوم ہوا کہ آج تو اذان مسجد کے باہر ہورہی ہے اس پر حضرت نے بڑے جذبہ مسرت کے اظہار کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ الحمدللہ آج تو اذان خارج مسجد ہورہی ہے۔ برہان میاں نے صحیح کہا تھا کہ آج اذان مسجد کے اندر نہ ہوگی اور حضور فوراً مسجد تشریف لے آئے۔ نماز جمعہ کے بعد فقیر نے مسئلہ اذان ثانی کو بہت واضح طور پر سمجھایا۔ ختم تقریر پر متولی صاحب نے اقرار کرلیا اور اعلان کیا۔ اب اذان خطبہ بھی ہمیشہ اس مسجد میں خارجِ مسجد ہی ہوا کرے گی اور اس امر کا ندامت کے ساتھ اعتراف کیا کہ حضور مفتی اعظم کی بات ہم لوگوں نے نہیں مانی جس کا ہمیں افسوس ہے اور اس کے لیے توبہ کی اور معافی چاہی۔ بحمدہٖ تبارک و

تعالیٰ حضور کی دعاؤں کی برکت سے آج بھی وہاں اذان خارج مسجد ہی ہورہی ہے۔نماز جمعہ سے واپسی پر قیام گاہ میں خادم کو اس کامیابی پر حضور نے بہت بہت دعاؤں سے سرفراز فرمایا۔میں نے عرض کیا کہ یہ سب حضور کی دعاؤں کی برکت کا ہی فیض ہے۔

مسلم پرسنل لا : شریمتی اندرا گاندھی کے سابقہ دورِ حکومت میں مسلم پرسنل لا میں ترمیم وتحریف اور تبدیلی کا بل پیش ہوا۔فقیر نے اس کے خلاف فوری طور پر احتجاجاً ایک مراسلہ حکومتِ ہند کو بھیجا جس میں مسلم پرسنل لا میں کسی بھی قسم کی کوئی تبدیلی ترمیم یا تحریف کو مسلمانوں کی جانب سے نا قابل قبول قرار دیا اور اس کے لیے قانونی شرعی پہلوؤں کو اس مراسلے میں تحریر کیا گیا۔اس کے بعد ہندوستان کے اربابِ فکر و دانش نے علمائے کرام کی زیر قیادت بمبئی میں ایک احتجاجی جلسہ کا اعلان کیا۔جس میں ملک کے ہر عقیدہ اور مکتب فکر کے علما کو دعوتِ شرکت دی گئی۔فقیر کے نام بھی دعوت نامہ آیا مگر فقیر نے اس مخلوط جلسے میں شرکت سے معذرت نامہ بھیج دیا۔

حضور مفتی اعظم انھی دنوں بالا گھاٹ تشریف لائے ہوئے تھے اور فقیر زادہ محمد محمود احمد حضور کی خدمت اقدس میں شرف زیارت و فیوض و برکات کے حصول کے لیے حاضر ہوا۔حضرت والا نے محمود میاں سے پرسنل لا اور اس کے اجتماع میں میری شرکت کے بارے میں دریافت کیا فقیر زادہ نے میری شرکت سے معذرت اور اس کے اسباب حضور کے سامنے عرض کیے اور اپنے طور پر جو کچھ بھی کارروائی کی جارہی تھی اس کا بھی تذکرہ کردیا۔حضور نے سارے معروضات سننے کے بعد ارشاد فرمایا کہ ”برہان میاں سے جا کر کہو کہ ہرگز ہرگز اس جلسے میں شرکت سے انکار نہ کریں۔اور چونکہ اس سلسلے میں سب سے پہلے انھیں کا احتجاج اور اقدام ہے اور احتجاج بھی ایک باقوت احتجاج ہے اس لیے انھیں اپنا کام جاری رکھنا اور اسے بڑھانا ہے۔مخلوط اجتماع اور غیروں کے زیر اہتمام وصدارت یہ جلسہ ہونے کے باعث انھوں نے جو معذرت کی اور شرکت سے احتراز فرمایا ہے اسے ترک فرمادیں اور ضرور ضرور ضرور شرکت فرمائیں۔“ ادھر بمبئی سے مدعوئین جلسہ برابر مراسلات وفون سے مجھ سے رابطہ قائم کیے ہوئے تھے کہ میں ضرور ضرور ہر حالت میں جلسے میں شرکت کروں۔جب فقیر زادہ محمود میاں صاحب نے بالا گھاٹ سے آکر مجھے حضرت کا پیغام وحکم سنایا تو میں نے حضرت اقدس کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ان کے اشارات و ہدایات پر شرکت کا ارادہ کرلیا۔

جلسے میں شرکت کے لیے میں بمبئی پہنچا مگر منتظمین جلسہ کا مہمان نہ ہوا اور اپنے ایک برادرِ طریقت خلیل احمد صاحب کے یہاں میں نے قیام کیا،جلسے میں بہت زبردست اجتماع تھا۔تقریباً دو لاکھ افراد کا مجمع تھا۔میرے پہنچنے سے پہلے جن مولویوں کی تقریریں ہوئیں،ان کے فوٹو بھی لیے گئے اور دوران تقریر تالیوں کی گڑگڑاہٹ اور گونج بھی اٹھتی رہی۔جب تقریر کے لیے فقیر کے نام کا اعلان ہوا اور فقیر مائک کے سامنے پہنچا فوٹو گرافر سامنے آئے۔میں نے نہایت بلند آواز سے زور اور سختی کے ساتھ منع کیا کہ یہ جلسہ ایک اسلامی جلسہ ہے۔مسلمانوں کا ہے۔فوٹو کھینچنا حرام ہے۔ہرگز ہرگز کوئی فوٹو نہ لیا جائے۔جب میں نے تقریر شروع کی اور اسلام کے قانون کی عظمت واہمیت کا ذکر کیا تو حسب معمول مجمع نے تالیاں بجائیں۔میں نے سختی کے ساتھ مسلمانوں کو اس سے باز رہنے کو کہا کہ یہ ایک اسلامی اجتماع ہے کوئی سیاسی جلسہ نہیں کہ آپ لوگ تالیاں بجارہے ہیں۔آپ لوگوں کو شرم آنی چاہیے اگر آپ کو کوئی بات پسند آتی ہے اور آپ کے جذبات کی صحیح ترجمانی ہوتی ہے تو آپ اس کی تائید میں نعرۂ تکبیر بلند کیجیے اور اس کا استقبال نعرہائے اسلامی سے کیجیے اس کے ساتھ ہی جلسے میں نعرۂ تکبیر اور نعرۂ رسالت کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔اسی تقریر میں،میں نے واضح کیا کہ مسلم پرسنل لا مسلمانوں کا قرآنی،شرعی،اسلامی قانون ہے جس میں ایک حرف کی نہ ترمیم ہوسکتی ہے،نہ ہی کسی قسم کی تحریف وتبدیلی ہی کی جاسکتی ہے۔قرآن عظیم کے حکم کے مطابق اس میں کسی قسم کی ترمیم تحریف یا تبدیلی کرنا تو درکنار اس قسم کا کوئی ارادہ کرنا اور اس کا اظہار کرنا ہی کفر ہے۔قرآن عظیم کا ارشاد ہے **وَمَنْ لَمْ یَحْکُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰئِکَ هُمُ الْکٰفِرُوْنَ۔** (سورۂ مائدہ ۵ / ۴۴) جو بھی اللہ کے حکم کو نہ مانے وہ کھلے کافروں میں سے ہے اور بھی قرآن کریم کا

ارشاد ہے۔ **ان الحکم الا للہ** (سورۂ /) اسلام کے لیے حکم دینا صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ اللہ ہی اسلام میں احکام کا مالک ہے۔ میں نے اس سلسلے میں جن نکات کو جلسے میں پیش کیا ان سے سبھی حاضرین جلسہ بہت متاثر ہوئے۔ اور پھر میں نے ساتھ ہی ساتھ حکومت کو بھی متنبہ کیا کہ مسلمان سر پر کفن باندھ کر حکومت کے ہر اس اقدام کا مقابلہ کرنے کو تیار ہیں اور ہر اس حکم کی دھجیاں اڑانے کو مستعد ہیں اور یہ طے کر چکے ہیں کہ وہ حکومت کے اس ارادہ کو کبھی بھی کامیاب نہ ہونے دیں گے کہ وہ مسلم پرسنل لا میں کسی قسم کی ترمیم وتحریف یا تبدیلی کی کوشش کرے اور حکومت چوں کہ سیکولر ہے اسے اپنی سیکولرٹی کے پیش نظر مسلمانوں کے مذہبی معاشرتی اور اخلاقی احکام میں دخل دینے سے احتراز کرنا چاہیے اور ملکی قانون کے تحت شخصی ومذہبی آزادی میں حکومت کو کسی قسم کی دخل اندازی کا کوئی اختیار نہیں ہے۔

حکومت کے پاس جو کچھ فضلہ خوار نام کے مسلمان ہیں اور جو اپنی مطلب برآری کے لیے پال رکھے گئے ہیں وہ صرف نام کے مسلمان ہیں، وہ احکامِ الٰہی میں کسی قسم کی ترمیم یا تنسیخ یا تحریف کا ارادہ کریں اور حکومت سے درخواست کریں تو وہ جب سرے سے مسلمان ہی نہیں بل کہ خارج از اسلام ہیں تو ان کی بات مسلمانوں کی بات نہ ہوگی اور انھیں مسلم پرسنل لا کے متعلق کچھ کہنے کا قانونی حق بھی نہیں ہے اور پھر مسلمانوں سے کہا کہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان سے مقاطعہ کریں ان سے سلام وکلام ترک کریں۔ بیمار پڑیں عیادت نہ کریں۔ مر جائیں تو ان کی نماز جنازہ نہ پڑھائیں۔

میں حکومت کو بھی اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ وزیر اعظم اندرا گاندھی نے اعلان کیا ہے کہ اگر مسلمان چاہیں گے تو مسلم پرسنل لا میں ان کے منشا کے مطابق تبدیلی کرنے کا قانون بنایا جا سکتا ہے۔ حکومت اور وزیر اعظم کو معلوم ہونا چاہیے کہ مسلمان کبھی بھی مسلم پرسنل لا میں کسی بھی قسم کی تبدیلی کو برداشت نہ کریں گے اور جو مسلمان نہیں انھیں مسلم پرسنل لا میں تبدیلی کا کوئی قانونی حق نہیں۔ حکومت ان کی باتوں میں ہرگز ہرگز توجہ نہ دے۔ تقریر کے فقرہ فقرہ پر نعرۂ تکبیر اور نعرہ رسالت جلسے میں بلند ہوتے رہے۔

جب میں اپنی تقریر ختم کر کے جلسہ گاہ سے قیام گاہ کی طرف جانے لگا تو مولوی قاری طیب صاحب اور مولوی عتیق صاحب نے مجھے جلسے میں بیٹھنے کو کہا میں نے کہا کہ مجھے آپ نے جس لیے بلایا تھا میں نے اپنا اظہار خیال کر دیا اور اپنا کام کر دیا۔ اب آپ اپنا جلسہ کرتے رہیے۔ قاری مولوی طیب صاحب نے بڑے پرخلوص جذبات میں کہا کہ جلسے میں آپ نے جن نکات کا ذکر کیا۔ ان نکات کی طرف ہمیں شان وگمان بھی نہ تھا۔ ہمارے فہم اس کے حصول سے قاصر رہے۔ ہم اس طرف توجہ بھی نہ کر سکے، آپ کی تشریف آوری اور شرکت سے ہمارا جلسہ نہایت کامیاب رہا۔ پھر مولوی فاخر صاحب الہ آبادی، مولوی عتیق صاحب اور قاری طیب صاحب نے مجھے جلسے میں بیٹھنے کے لیے کہا۔ میں نے پھر کہا کہ میں جو کہنے آیا تھا وہ کہہ چکا۔ کچھ سننے نہیں آیا تھا۔ اس لیے اب قیام گاہ پر جا رہا ہوں۔ داؤدی بوہرہ فرقے کے پیشوا ملا نجم الدین صاحب ومولوی عتیق صاحب کچھ دور تک میرے ساتھ آئے اور کہا کہ اگر آپ جلسے میں تشریف نہ لاتے اور شرکت نہ فرماتے تو جس طرح آپ کی شرکت سے اور تقریر سے ہمارا جلسہ کامیابی سے ہمکنار ہوا ہے ہرگز ہرگز نہ ہوتا۔

اس جلسے میں علمائے اہل سنت میں سے کسی نے بھی میرا ساتھ نہ دیا۔ جب کہ میں حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے ارشاد اور حکم کے مطابق ہی شریک جلسہ ہوا تھا۔ صبح جب جلسے کی کارروائی میری تقریر کے ساتھ اخبارات میں جلی حرفوں میں شائع ہوئی تو علمائے اہل سنت نے میرے لیے دعائیں کیں اور کامیابی پر مبارک باد دی۔ دوسرے دن کے جلسے میں چوں کہ حضرت ارشد القادری صاحب حج وزیارت کے لیے تشریف لے جا رہے تھے اور بمبئی میں ہی تھے۔ میں نے ان سے جلسے میں شرکت کرنے اور تقریر کرنے کے لیے کہا وہ فقیر کے ساتھ دوسرے دن جلسے میں تشریف لے گئے اور اپنی تقریر میں میرے بیان کی تائید وحمایت فرمائی۔ حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کو جب جلسے کی مکمل رپورٹ ملی تو انھوں نے میری کامیابی پر دعائیہ کلمات کے ساتھ مبارک باد تحریر فرما کر والا نامہ سے نوازا۔ جب میں بریلی شریف حاضر ہوا تو

حضور نے مسرت کا اظہار فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگر تم شریکِ جلسہ نہ ہوتے اور اظہارِ حق واعلان حق نہ کیا ہوتا تو بڑی کمی رہ جاتی۔ تم نے اس سلسلے میں میں جو احتجاجی کارروائی میں پہل کی تھی اس کی تائید میں یہ جلسہ بڑا کامیاب رہا۔ اور یہ جلسہ تمھاری شرکت سے تمھارا جلسہ ہوگیا۔ الحمد للہ علی احسانہ ونوالہ وافضالہ۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والد ماجد علیہ الرحمہ کے چہلم میں جمادی الآخرہ ۱۳۷۲ھ میں کافی عرصہ کے بعد جبل پور تشریف لائے پھر تو برابر ہر سال ''عرس رضوی عید الاسلامی'' کے موقعے پر عرس مبارک سے ایک دو یوم قبل تشریف لاتے اور کبھی کبھی عرس مبارک کے بعد دو دو ماہ قیام فرماتے۔ حضور مفتی اعظم کی آخری تشریف آوری دسمبر ۱۹۷۸ء میں ہوئی۔ حاجی محمد رمضان جبل پور سے حضور کو لینے کے لیے گئے۔ سخت علالت اور کمزوری کی حالت میں حاجی صاحب اوائل دسمبر میں حضور کو بہت آرام کے ساتھ جبل پور لے آئے۔ ساتھ میں حاجی محمد فاروق صاحب بنارسی خلیفہ حضور مفتی اعظم بھی تشریف لائے۔ جبل پور میں فقیر نے حضور کے مزاج مبارک دیکھ کر علاج شروع کیا۔ یہاں بفضلہ تبارک وتعالیٰ حضور بالکل تندرست ہوگئے۔ ۲۲ / جنوری ۱۹۷۹ء کو قریب دو ماہ قیام کے بعد حضور نے بذریعہ کار براہ بنارس بریلی شریف مراجعت فرمائی۔

اسی دورانِ قیام کے اختتام پر مسلمانان جبل پور نے حضور مفتی اعظم ہند کے جشن صحت کا ایک عظیم الشان جلسہ کیا اور فقیر کے لیے بھی اس جشنِ صحت میں صحت وتندرستی کے لیے رب قدیر کا شکر ادا کیا اور ہماری صحت وتندرستی کے لیے دعائیں کی گئیں۔ یہ جشن صحت جس میدان میں منایا گیا تمام لوگوں کی خواہش پر اس میدان کو یادگار کے طور پر رضا چوک کا نام دیا گیا۔ اس جلسے کے موقع پر جو ایک یادگار اور تاریخی جلسہ تھا میلوں دور و یہ کھڑے عقیدت مند مسلمانوں نے حضور کا نعرۂ تکبیر نعرۂ رسالت اور نعرۂ غوثیت اور حضور مفتی اعظم زندہ باد کے فلک شگاف نعرے سے استقبال کیا اور شہر کو دلھن کی طرح سجایا گیا اور اس موقع پر سارے شہر کو برقی قمقموں سے رات کو دن بنادیا گیا تھا۔ جب جلسہ گاہ میں حضور مفتی اعظم تشریف فرما ہوئے۔ فقیر بھی ہمراہ تھا جلسہ گاہ میں حضور کے تشریف فرمانے کے بعد بمبئی کے ایک شاعر جناب مرتضیٰ حسن صاحب نے جو رضوی تخلص فرماتے ہیں۔ ایک ''قصیدہ تہنیت'' جو دعائیہ کلمات پر مشتمل تھا پیش کیا جس کا مطلع تھا۔

یا الٰہی تیرے فضل کے سایے میں مفتی اعظم دین وملت رہے
میں رہوں نہ رہوں اس جہاں میں مگر میرا پیر طریقت سلامت رہے

شاعر نے اپنے جذبات بھرے والہانہ انداز میں مطلع کے شعر کو ابھی دو ہی بار پڑھا تھا اور جب تیسری بار اس شعر کی تکرار کی اور ابھی پہلا ہی مصرعہ پڑھا تھا اور مصرعہ ثانی جیسے ہی پڑھنے کا ارادہ کیا حضور مفتی اعظم جو تکیہ کا سہارا لیے بیٹھے تھے، اٹھ کر سیدھے بیٹھ گئے اور مطلع کے مصرعہ ثانی میں اس طرح اصلاح دی یا یوں کہیے کہ مصرعے کو تبدیل فرما کر مفہوم ہی کو بالکل بدل دیا۔ حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے مجھ فقیر کی طرف ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا ؎

میں رہوں نہ رہوں اس جہاں میں مگر میرا برہان ملت سلامت رہے

حضور نے یہ مصرعہ جس انداز سے تبدیل فرما کر جوش محبت اور خلوصِ قلب سے اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمایا دیکھنے اور سننے والے ہی اس کی لذت اور حقیقی تاثرات سے آشنا ہیں۔ جشنِ صحت کے تیسرے دن حضور اقدس یہاں سے بریلی شریف کے لیے تشریف لے گئے۔ بریلی شریف میں پہنچنے پر حضور کی طبیعت پھر ناساز ہوئی ضعف بڑھتا گیا اور پھر جبل پور تشریف نہ لاسکے اور بمشیت الٰہی ۱۴ / محرم الحرام ۱۴۰۲ھ کو داعی اجل کو لبیک فرماتے ہوئے ؎

''مصطفیٰ رضا محب معبود'' ہوگئے

۱۴۰۲ھ

اناللہ وانا الیہ راجعون۔اللھم اغفرلہ وارحمہ واسکِنہ فی جنت النعیم

رب العزت تبارک وتعالیٰ حضرت اقدس علیہ الرحمہ کے وسیلے سے ہم تمام خادمان مفتی اعظم کوثبات واستقامت کے ساتھ مجدددین وملت امام اہل سنت اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسلک مقدس پر قائم رکھے اورایمان پر ہمارا خاتمہ بالخیر فرمائے۔

واللہ المستعان علی ما تصفون وصلی اللہ تعالیٰ علی نور عرشہ و مظہر لطفہ سیدنا و مولینا محمد وآلہ و اصحابہ اجمعین۔آمین

ولی صورت ولی سیرت ہمارے مفتی اعظم

حضرت سید آل رسول حسنین میاں برکاتی نظمیؔ

سجادہ نشین، خانقاہ عالیہ قادریہ برکاتیہ، مارہرہ مطہرہ، یوپی

مارہرہ شریف کی خانقاہ برکاتیہ کی جامع مسجد جس کی پیشانی پر لکھا ہے ’’خانۂ عبادات آل احمد‘‘ مسجد کی پختہ سیڑھیوں سے اتر رہے ہیں قطب مارہرہ سید شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں صاحب قدس سرہٗ العزیز۔ہمراہ ہیں اپنے وقت کے مدار علم وفضیلت امام اہل سنّت مجدد دین وملت شاہ احمد رضا خان قادری برکاتی قدس سرہٗ۔مرشد اعلیٰ خاتم الاکابر شاہ آل رسول احمدی رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین کا ساتھ ہے۔اس لیے امام عشق ومحبت سراپا ادب بنے ہوئے ہیں۔تبھی سرکار نوری میاں صاحب فرماتے ہیں۔مولانا صاحب! مبارک ہو آپ کے یہاں فرزند تولد ہوا ہے۔ہم نے اس کا نام آل الرحمن مصطفی رضا رکھا ہے ہم اسے سلسلۂ قادریہ برکاتیہ میں اپنی بیعت میں لیتے ہیں اور ساری اجازتیں خلافتیں عطا کرتے ہیں۔انشاءاللہ المولی تعالیٰ بریلی آکر بیعت کی خاندانی رسم بھی ادا کریں گے۔یہ وہی دن وہی ساعت تھی جب بریلی کے مشہور ومعروف پٹھان گھرانے میں ایک بچہ پیدا ہوا تھا اور جس کی پیدائش کی نوید میلوں دور مارہرہ میں موجود پیر روشن ضمیر نے اس بچے کے باپ کو دے دی تھی۔عام قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی کے یہاں بچہ کی آمد آمد ہوتی ہے تو آدمی اپنے سارے کام چھوڑ کر گھر پر رہنے کو ترجیح دیتا ہے۔ملازمت پیشہ آدمی کام سے چھٹی لے لیتا ہے۔کاروباری آدمی تجارتی دورے ملتوی کردیتا ہے۔کوشش یہی ہوتی ہے کہ زیادہ وقت گھر پر ہی رہے۔نہ جانے کب زچگی وغیرہ کے سلسلے میں بھاگ دوڑ کرنی پڑے۔مگر یہ کیا معاملہ ہے۔احمد رضا خان کے گھر نیا مہمان آنے کو ہے اور وہ مارہرہ میں اپنے مرشدزادے کے مہمان بنے ہوئے ہیں۔بات یہ ہے کہ امام احمد رضا کے سارے معاملات مرشد کے آستانے سے وابستہ تھے۔آج بھی وہ اپنے مرشد کی خدمت میں اسی لیے حاضر تھے کہ اس در سے ایک ایسے فرزند کی خوشخبری لے کر جائیں جو بڑا ہو کر تاجدار اہل سنت، محافظ شریعت اور صاحب عشق ومحبت بنے۔

چھ ماہ بعد حضرت نوری میاں صاحب بریلی تشریف لے جاتے ہیں۔نومولود کو نہالچے پر سرکار کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔نوری

میاں صاحب بڑی شفقت سے گود میں لیتے ہیں۔ یہ کون ہے؟ یہ چشم و چراغ خاندان برکات کا لخت جگر ہے۔ جن مبارک ہاتھوں نے اس کے پیدا ہونے کی دعا مانگی تھی، آج وہی ہاتھ اس پر شفقت برسا رہے ہیں۔ نوری میاں صاحب کلمہ کی انگلی بچہ کے منہ میں ڈال دیتے ہیں۔ سبحان اللہ۔ شاید بچہ کو معلوم ہے کہ میرے والد کے قلم سے یہ شعر نکلا ہے ؎

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا　　　تو ہے عین نور تیرا سب گھرانا نور کا

یہ نوری گھرانے کے نوری فرد نوری میاں کی انگلی ہے۔ بچہ بڑے چاؤ سے انگلی چوس رہا ہے۔ نوری میاں بڑی شفقت سے مسکراتے ہوئے اپنے خاندان عالی کا نور بچے کے سینے میں انڈیل رہے ہیں۔ قطب مارہرہ کی دوررس نگاہوں نے دیکھ لیا ہے کہ یہ بچہ آگے چل کر ولایت کی منزلیں طے کرے گا۔ سچ ہے ؎

ولی را ولی می شناسد

نوری میاں کی ساری دعائیں اس بچے کے حق میں صحیح ثابت ہوئیں اور وہ بچہ آگے چل کر مفتی اعظم کے نام سے مشہور ہوا۔

حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کو میں نے پہلی بار اس وقت دیکھا تھا جب میں سات سال کا تھا۔ اور بمبئی کے ہاشمیہ اسکول میں ابتدائی جماعت میں تھا۔ کھڑک مسجد میں ابّا حضرت حضور سید العلما علیہ الرحمۃ کے ساتھ رہتا تھا۔ حضور مفتی اعظم کی پہلی ملاقات مجھے ہمیشہ یاد رہے گی۔ ہوا یوں کہ ایک دن میں ابّا حضرت کے حجرے میں بیٹھا ہوا اسکول کا ہوم ورک کر رہا تھا۔ اتنے میں شور اٹھا کہ مفتی اعظم تشریف لا رہے ہیں۔ ابّا حضرت اٹھ کر حجرے کی سیڑھیوں تک گئے اور حضور مفتی اعظم کا شایان شان استقبال کرتے ہوئے حجرے میں لے آئے۔ میں اپنے کام میں اتنا منہمک تھا کہ کسی طرف دھیان نہیں دیا۔ ابّا کو جلال آ گیا۔ مفتی اعظم کو اپنی مسند پر بٹھا کر ابا میرے قریب آئے اور ایک زوردار طمانچہ میرے رخسار پر مار کر بولے ناہنجار، بے ادب، معلوم نہیں کون آیا ہے؟ نہ سلام نہ کلام اٹھ قدم بوسی کر۔ طمانچہ اتنا زبردست تھا کہ میرا دماغ جھنجھنا گیا۔ میں فوراً اٹھا اور حضور مفتی اعظم کی قدم بوسی کو آگے بڑھا۔ مگر اس سے پہلے کہ میں ان کے قدموں پر گرتا وہ میرے پیروں پر گر پڑے۔ اللہ اکبر۔ میرا بدن سن ہو گیا کہیں ابا یہ نہ سمجھیں کہ میں نے جان بوجھ کر سرکار مفتی اعظم ہند کی قدمبوسی میں تاخیر کی ہے۔ ایک طمانچہ تو پہلے ہی پڑ چکا ہے دوسرا شاید اب پڑے تب پڑے۔ مگر اتنے میں اس مجسم شفیق ہستی نے مجھے اپنی گود میں سمیٹ لیا اور بڑی اپنائیت سے اپنے سینے سے لگا لیا۔ سبحان اللہ۔ وہ خوشبو جو اس مبارک بدن سے نکل رہی تھی آج بھی مجھے مہکا رہی ہے۔ ابّا نے حکم دیا اپنی کتابیں کاپیاں لے کر اندر جا کر کام کرو۔ مگر مفتی اعظم نے مجھے اپنی گود میں اور اندر سمیٹ لیا فرمایا تھوڑی دیر میرے پاس رہنے دیجیے۔ پھر مجھ سے فرمایا آپ کا نام کیا ہے؟ میں نے ابا کی طرف ڈرتے ڈرتے دیکھا ابّا بولے بتاؤ حضرت کیا پوچھ رہے ہیں؟ تب میں نے اپنی عادت کے مطابق اپنا تعارف کرایا۔ میرا نام سید آل رسول حسنین میاں قادری برکاتی نوری قاسمی مارہروی ہے۔ حضور مفتی اعظم میرے اس لمبے چوڑے تعارف پر مسکرا پڑے۔ ابا بھی مسند کے ایک کنارے بیٹھ چکے تھے۔ حجرہ کھچا کھچ بھر گیا تھا۔ میں چپ چاپ مفتی اعظم کی گود سے اترا اپنی کتابیں سمیٹ کر حجرے کے اندر جو راہداری تھی وہاں جا کر کام کرنے لگا۔

پھر تو حضور مفتی اعظم سے میری پہچان ہو گئی سرکار اکثر و بیشتر ابّا حضرت کے پاس آیا کرتے۔ اب ان کے استقبال و خیر مقدم کی ذمہ داری میں نے اپنے سر لے لی۔ سیڑھیوں سے حجرے تک حضور مفتی اعظم کا ہاتھ پکڑے رہنا میں اپنی عین سعادت سمجھتا تھا۔ کبھی کبھی حضور مفتی اعظم تنہا تشریف لاتے تھے۔ خدام مسجد کے دروازے تک چھوڑ جاتے تھے۔ اور وہاں سے میری ڈیوٹی شروع ہو جاتی تھی۔ حضور مفتی اعظم کو میں نے ابّا کے سامنے ہمیشہ دوزانو بیٹھے ہوئے دیکھا میں اکثر سوچا کرتا کہ جس شخص کا میرے ابّا اتنا ادب واحترام کرتے ہیں وہ

شخص ابّا کے سامنے اتنے ادب سے کیوں بیٹھا رہتا ہے۔ کھڑک مسجد کے ایک مؤذن تھے قاسم جان مرحوم میرے استاذ بھی تھے۔ ایک دن میں نے ان سے پوچھ ہی لیا بانگی صاحب! مفتی اعظم صاحب ابّا کے پاس آتے ہیں تو ابا بڑی عزت سے بٹھاتے ہیں ان کے ہاتھ بھی چومتے ہیں مگر مفتی اعظم جب تک حجرے میں رہتے ہیں دوزانو بڑے ادب کے ساتھ بیٹھے رہتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ قاسم جان مرحوم نے بتایا بات یہ ہے کہ سید میاں ان کا احترام اس لیے کرتے ہیں کہ وہ اپنی جماعت کے ایک بڑے عالم ایک بڑے مفتی ہیں اور اعلیٰ حضرت کے شہزادے ہیں اور مفتی اعظم جو اتنا ادب دکھاتے ہیں وہ اس لیے کہ جس گدی سے مفتی اعظم کو بیعت وخلافت حاصل ہے اس گدی کے وارث اور سجادہ نشین آپ کے ابا ہیں۔

اسی دوران سنّی جمعیۃ العلما کا قیام عمل میں آیا۔ اس جماعت کی بنیاد رکھنے میں جن لوگوں نے مرکزی کردار ادا کیا ان میں نمایاں نام محدث اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ، حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور میرے والد ماجد حضور سید العلما رحمۃ اللہ علیہ کے تھے۔ جماعت کے رجسٹریشن کا مسئلہ آیا تو اس کے تحریری دستور کی ترتیب کی بات چلی۔ اس وقت حضور محدث اعظم ہند اور مفتی اعظم دونوں ہی نے بالاتفاق یہ کام ابّا حضرت کے سپرد کیا۔ ان ہی دونوں حضرات نے جماعت کی صدارت کی ذمہ داری ابّا کے کاندھوں پر ڈالی۔ آل انڈیا سنّی جمعیۃ العلما کے صدر الصدور کی حیثیت سے ابّا کی ذمہ داریاں بڑھ گئیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جماعت کے قیام کے کچھ برسوں کے بعد ایک مرحلہ ایسا آیا جب ابّا جماعت کے کچھ عہدیداروں کی بدچلنی سے ناراض ہوگئے اور صدارت سے استعفا لکھ کر بریلی شریف بھیج دیا۔ حضور مفتی اعظم ہند کو جیسے ہی استعفا ملا ویسے ہی بمبئی روانہ ہوگئے۔ ان دنوں مسجد کھڑک میں واقع ابّا کے حجرے کی مرمت چل رہی تھی اور ابا مسجد کی دوسری منزل کے ایک کونے میں معتکف تھے۔ ایک شام حضور مفتی اعظم بہت تیز تیز سیڑھیاں چڑھتے ہوئے دوسری منزل پر پہنچے اور اس سے پہلے کہ ابّا تعظیم کے لیے اٹھیں مفتی اعظم نے اپنا عمامہ اتار کر ابّا کے قدموں پر رکھ دیا۔ میرے چھوٹے سے ذہن میں اس وقت کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ ماجرا کیا ہے؟ ابّا نے عمامہ اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لیا۔ حضور مفتی اعظم نے فرمایا سید میاں! سنّیت کی لاج آپ کے ہاتھ ہے۔ جماعت سے آپ علاحدہ ہوگئے تو شیرازہ بکھر جائے گا۔ دشمن پہلے ہی سے ہمارے اتحاد پر نظر جمائے ہوئے ہیں۔ انھیں ہم پر ہنسنے اور گل کھلانے کا موقع مل جائے گا۔ آپ کو اپنے نانا جان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا واسطہ اپنا استعفا واپس لے لیجیے۔ یہ کہہ کر مفتی اعظم نے ابّا کا استعفا نکال کر پیش کیا۔ میں نے ابّا کو دیکھا مفتی اعظم کا عمامہ اپنے سر پر رکھے روتے جا رہے تھے۔ ادھر مفتی اعظم کی بھی آنکھوں میں آنسو رواں تھے۔ میں نے ابّا کو روتے دیکھا تو خوب زور زور سے رونے لگا۔ ابّا کے خادم صوفی نظام الدین صاحب مجھے گود میں اٹھا کر نیچے صحن مسجد میں لے آئے۔ اس دن حضور مفتی اعظم تب ہی واپس گئے جب ابّا نے استعفا واپس لے لیا۔

مفتی اعظم ہند کس سن میں پیدا ہوئے۔ تعلیم کہاں حاصل کی۔ وصال کب ہوا۔ یہ ساری تحقیق سوانح نگاروں سے تعلق رکھتی ہے۔ ہمیں تو یہ دیکھنا ہے کہ رب تبارک وتعالیٰ نے انھیں اس عالم اجسام میں جینے کے جو لمحے عطا کیے تھے انھیں کس کام میں لائے۔ مفتی اعظم پر بہت کچھ بولا اور لکھا گیا ہے۔ مریدوں نے عقیدتوں میں ڈوب کر اپنے پیر کی ڈھیروں کرامتیں بیان کی ہیں جن میں مبالغہ اور غلو بھرا ہوا ہے۔ مفتی اعظم کی سب سے بڑی کرامت تھی ان کی استقامت۔ انھوں نے ایسے باپ کی گود میں پرورش پائی تھی جس نے باطل قوتوں کے آگے جھکنا نہیں سیکھا تھا۔ امام احمد رضا نے ایسے وقت میں جب دنیائے سنیت کے بڑے بڑے لوگ فتنوں کی آندھی میں تنکوں کی طرح اڑنے لگے تھے اپنے برکاتی مرشد کے کھونٹے کو اتنی مضبوطی سے پکڑ کر آندھیوں، طوفانوں کا مقابلہ کیا کہ وہ خود نہ جانے کتنے ڈوبنے والوں کا سہارا بن گئے۔ مفتی اعظم کو عقیدے کا یہ استحکام اپنے باپ سے ورثے میں ملا تھا۔ انھوں نے مارہرہ شریف کے نجیب الطرفین سیدزادوں

سے اپنا روحانی رشتہ جوڑا تھا۔ وہ ایسے پیر کے مرید تھے جس کے حسب اور نسب کو چیلنج کرنے کی نہ کل کسی کی جرأت تھی۔ نہ آج کسی میں ہمت۔ وہ ایک ایسے عالی خاندان سے شرف بیعت رکھتے تھے جس کے پاس مانگے کا اجالا نہ تھا بل کہ وہی شمع فروزاں اس خانوادے میں روشن چلی آ رہی تھی جو سیدنا مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مل کر سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روپ میں روشن کی تھی اور جو باپوں سے بیٹیوں کو اور ماؤوں سے بیٹوں کو پاک خون کی صورت میں منتقل ہو کر خانوادۂ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ تک پہنچی تھی۔ مفتی اعظم کو اس خاندانیت کی بھی برکت حاصل تھی۔

ہوئے نوری کے تو نوری بنے ہیں مفتی اعظم بریلی تجھ کو مارہرہ سے کیسی نوری نسبت ہے

نوری میاں صاحب علیہ الرحمہ سے اکتساب فیض کر کے مفتی اعظم اپنے پیر کا عکس بن گئے۔ پہلے فنا فی اللہ ہوئے پھر فنا فی الرسول پھر فنا فی الغوث اور آخر میں فنا فی الشیخ ہو گئے۔

ولی صورت ولی سیرت ہمارے مفتی اعظم کہ جن کو دیکھنے کے ساتھ ہی یادِ خدا آئے

ابّا حضرت علیہ الرحمہ کا وصال ۱۹۷۴ء میں ہوا۔ دنیائے سنیت کے لیے عموماً اور اقلیم برکاتیت کے لیے خصوصاً یہ ایک بڑا حادثہ تھا۔ مفتی اعظم قبلہ کو جب ابّا کے وصال کی خبر دی گئی تو جلال کے مارے غش آ گیا۔ خبر سنانے والے کو بہت ڈانٹا پھٹکارا۔ یہی فرماتے رہے کہ سید میاں کی رحلت ہو گئی ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حیات ہیں۔ مفتی اعظم کے ان جملوں میں کیسا رمز چھپا ہے۔

ابّا حضرت علیہ الرحمہ کے چہلم پر مارہرہ مطہرہ میں عالم سنّیت کے تمام مشاہیر جمع ہوئے۔ حافظِ ملت، مجاہدِ ملت، برہانِ ملت اور مفتی اعظم ہند کے نام ان میں سرفہرست ہیں۔ ابّا حضرت نے اپنے وصیت نامے اور خلافت نامہ میں تحریر فرمایا تھا کہ رسمِ سجادگی درگاہ شاہ برکت اللہ مارہرہ مطہرہ میں ادا کی جائے۔ اور میرے سر پر سجادگی کا عمامہ میرے عم محترم حضور احسن العلما سید شاہ مصطفی حیدر حسن میاں علیہ الرحمہ باندھیں۔ دنیا کو معلوم ہے کہ رسم سجادگی ایک خالص خاندانی تقریب ہوتی ہے جس میں خاندان کے بزرگ ہی شریک ہو سکتے ہیں مگر یہ میری خوش نصیبی ہی تھی کہ میری رسم سجادگی میں حضور مفتی اعظم کو خاندان کے بزرگوں کے ساتھ شریک کیا گیا۔ قبۂ شاہ برکت اللہ قدس سرہٗ میں حضور اچھے میاں رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف کے پاس رسم سجادگی ہوتی آئی ہے۔ اس دن مارہرہ شریف میں کافی بارش ہوئی تھی، سڑکیں نم ہو گئی تھیں مگر رسم سجادگی کے وقت بارش تھم گئی۔ مفتی اعظم قبلہ لوگوں کے گھیرے میں خانقاہ شریف کے برآمدے میں بیٹھے حسب معمول تعویذات لکھ رہے تھے۔ جب انھیں معلوم ہوا کہ میں سجادگی کی رسم کی ادائیگی کے لیے درگاہ معلیٰ میں حاضر ہو گیا ہوں تو سب کچھ چھوڑ چھاڑ پنجوں کے بل تیز تیز چلتے ہوئے درگاہ پہنچے۔ جس وقت مفتی اعظم درگاہ شریف میں داخل ہوئے ان کی سانس دھونکنی کی طرح چل رہی تھی۔ چچا میاں کو معلوم ہوا کہ مفتی اعظم تشریف لے آئے ہیں، فوراً قبہ کے اندر بلوا لیا۔ ہمارے ایک رشتے کے نانا نے اعتراض بھی کیا کہ اس رسم میں رشتہ داروں کے علاوہ کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔ اس پر حضور احسن العلما نے فرمایا ہمارے لیے امام احمد رضا کا شہزادہ رشتے دار سے کم نہیں ہے۔ ابّا حضرت کی وصیت تھی کہ عمامہ چچا میاں حضور احسن العلما باندھیں۔ انھوں نے وصیت کی تعمیل کرتے ہوئے میرے سر پر ایک پیچ دیا اور پھر مفتی اعظم کو آگے بلا کر عمامہ ان کے سپرد کر دیا کہ باقی عمامہ آپ باندھیں۔ مفتی اعظم قد میں چونکہ مجھ سے چھوٹے تھے اس لیے میں نے ان کی آسانی کے لیے تھوڑا سا نیچے جھکنا چاہا مگر انھوں نے یہ کہہ کر منع کر دیا کہ "مخدوم نہیں جھکا کرتے خادم کو سربلند کیا کرتے ہیں"۔ پھر مفتی اعظم قبلہ نے پنجوں کے بل کھڑے ہو کر پورا عمامہ میرے سر پر باندھا۔ اور جب میں بزرگوں کے ملبوسات پہن کر مسند سجادگی پر بٹھا دیا گیا تو سب سے پہلی نذر چاندی کا ایک کھرا روپیہ سب سے پہلے مفتی اعظم نے ہی مجھے پیش کیا۔ ولی کے ہاتھ کے اس روپے نے مجھے لکھ

پتی بنا دیا۔اس ایک روپے کی برکت آج بھی میرے ساتھ ہے۔فللّٰہ الحمد۔

رسم سجادگی کے بعد عم محترم حضور احسن العلما نے مجھے حکم دیا للاّ! مفتی اعظم کو گدی کے کمرے میں لے جاؤ اور کھانا کھلا دو۔ میں نے مفتی اعظم سے درخواست کی اور انھیں اس کمرے میں لے آیا جس کمرے میں ان کے والد ماجد امام احمد رضا میرے جد امجد حضور شاہ آل رسول (قدس سرہما) سے بیعت ہوئے تھے۔ وہ تخت جس پر بیٹھ کر خاتم الاکابر نے اعلیٰ حضرت کو بیعت کیا تھا میری ہی تحویل میں ہے اور وہ گدی بھی اب اسی فقیر برکاتی کے پاس ہے۔

حضور مفتی اعظم جیسے ہی حجرۂ سجادگی میں داخل ہوئے اسم ذات کا نعرہ لگایا اور تخت کے پائے سے لپٹ گئے۔ زار و قطار رونا شروع کر دیا۔ بڑی منت سماجت سے میں نے حضور مفتی اعظم کو وہاں سے الگ کیا اب وہ اس طور سے بیٹھے کہ قبلہ کو پشت اور تخت سجادگی کی طرف رخ تھا۔ گویا وہ اپنے مرشد گرامی کو تخت پر بیٹھے ہوئے ملاحظہ فرما رہے تھے۔ والدہ ماجدہ نے اپنے ہاتھوں سے مفتی اعظم کے لیے پرہیزی کھانا بنایا تھا۔ بہت تھوڑا کھایا۔ جب میں نے مزید اصرار کیا تو فرمایا اس حجرۂ مبارکہ میں آ کر میری ایسی شکم سیری ہوئی ہے کہ روح تک سیراب ہو گئی ہے۔

حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی نہایت صاف ستھری اور پاکیزہ تھی۔ انھوں نے عقائد کے معاملے میں کبھی کسی سے سمجھوتہ نہیں کیا۔ دولت کی چمک نے اچھے اچھوں کی آنکھیں خیرہ کر دیں مگر مفتی اعظم کے ایمان کی دولت ساری دنیوی تابانیوں پر بھاری رہی۔ انہوں نے جو کچھ کہا اور کیا وہ سب کچھ اعلائے کلمۃ الحق کے سلسلے میں تھا۔ پھر انھوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ان کا کوئی فتویٰ حکومت وقت کی پیشانی پر شکن ڈال دے گا اور بیسویں صدی کے نمرودان کے پیچھے پڑ جائیں گے۔ وہ اپنے سارے معاملات میں اللہ کے ہو گئے اور اللہ ان کا ہو گیا۔ خاندانی منصوبہ بندی کی جو آندھی اٹھی تھی، اس میں ہندوستان کی بہت سی خانقاہیں اپنی روایات کی نسبندی کرا بیٹھیں مگر مارہرہ مطہرہ کی خانقاہ سے فیض یافتہ مفتی اعظم کا قلم ذوالفقار حیدری کا جانشین بن کر صفحۂ قرطاس پر حرام حرام حرام لکھ گیا۔ پھر دنیا نے دیکھا کہ اللہ و رسول کی حدوں کو توڑنے والے صفحۂ ہستی سے مٹ گئے مگر مفتی اعظم آج بھی زندہ ہیں۔ اور ان کا فیض آج بھی جاری و ساری ہے۔

مفتی اعظم قبلہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی آخری عمر میں عالم محویت میں چلے گئے تھے۔ دورہ کرنا بند کر دیا تھا۔ اور بریلی شریف میں مقیم رہ کر مریدوں کی روحانیت کو تر و تازہ کر رہے تھے۔ انھیں دنوں عرس اعلیٰ حضرت میں لوگوں کے ازدحام کی وجہ سے منبر ٹوٹ گیا اور یہ مشہور ہو گیا کہ حضور مفتی اعظم زخمی ہو گئے ہیں اور حضرت کی دو پسلیاں ٹوٹ گئی ہیں۔ خانوادۂ برکاتیہ کے لیے یہ خبر تشویشناک تھی۔ عم محترم حضور احسن العلما نے مجھے حکم دیا کہ میں بریلی شریف حاضری دوں اور حضور مفتی اعظم ہند کی عیادت کروں۔ میں جس وقت بریلی شریف پہنچا تو دیکھا کہ آستانۂ اعلیٰ حضرت پر لوگوں کی بھیڑ ہے۔ لوگ کئی کئی روز سے وہاں ٹھہرے ہوئے ہیں مگر شرف باریابی حاصل نہیں ہے۔ میں چاہتا تھا کہ لوگوں کو میری آمد کی اطلاع نہ ہو اور میں مفتی اعظم ہند کی خدمت میں خاموشی سے پہنچ جاؤں۔ مگر ان کے خادم خاص اور اس وقت میرے بہت چہیتے خلیفہ مولوی عبد الہادی برکاتی نوری افریقی نے مجھے دیکھ لیا۔ بس پھر کیا تھا وہ مجسم میری آمد کا اعلان بن گئے۔ وہاں جو لوگ موجود تھے وہ مارہرہ مطہرہ کے تعلق سے مجھ پر ٹوٹ پڑے یہ بات میرے لیے پریشانی کا باعث بن گئی۔ حضور مفتی اعظم نے گھر کے اندر لیٹے ہوئے باہر کی حالت کو بھانپ لیا اور اندر سے خادموں کو بھیج کر مجھے اندر بلوا لیا۔ جس وقت میں اندر گیا حضور مفتی اعظم عمامہ سر پر باندھے پوری طرح لباس ولایت میں ملبوس چارپائی پر دراز تھے۔ میرے پہنچنے پر اٹھنا چاہا مگر میں نے سبقت کی اور انھیں اٹھنے سے روک لیا۔ میں نے دست بوسی کی تو الٹے حضور مفتی اعظم نے میرے ہاتھ چومے اتنے میں اندر سے خادمہ آ گئیں بولیں میاں!

آج صبح سے حضرت نے کچھ نہیں کھایا ہے اگر آپ کہیں گے تو شاید کھالیں میں نے بڑی بی سے کہا آپ کھانا لے آئیے کھلانا میرا کام ہے وہ جھٹ پٹ دو پھلکے اور پیالے میں شوربا لے آئیں۔ میں نے مفتی اعظم سے کہا حضرت اٹھیے اور میرے ہاتھ سے تھوڑا سا کھانا کھا لیجیے فرمایا اشتہا نہیں ہے۔ میں نے کہا صرف دو لقمے کھا لیجیے۔ فرمایا میں خود سے اٹھ نہیں پاؤں گا، میں نے کہا میں سہارا دے کر اٹھالوں گا، اتنا سن کر رو دیے فرمایا سہارا دینا تو آپ سرکاروں کا ہی خاصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ حشر کے دن مجھے آپ ہی کے سہارے اٹھائے۔ میں نے سیدھا ہاتھ پیٹھ کے نیچے ڈال کر دھیرے سے اٹھانا چاہا تو دونوں ہاتھ میری گردن کے گرد ڈال دیے۔ میں نے بھی موقع غنیمت جانا اپنا سینہ ان کے سینے سے لگا دیا اور اس طرح سینہ بسینہ انھیں اٹھا کر بٹھایا۔ پھر بھی انھوں نے اپنا ہاتھ میری گردن سے نہ ہٹایا۔ میں نے کہا اب آپ اطمینان سے بیٹھ جائیے تو میں کھانا کھلا دوں۔ فرمایا پہلے وعدہ فرمایئے کہ میدان محشر میں بھی مجھے اسی طرح سنبھالیں گے۔ اللہ اکبر۔ مجھے پسینہ آ گیا میں بندہ کمین بھلا اس قابل کہاں مفتی اعظم نے اس وقت تک اپنے ہاتھ الگ نہ کیے جب تک کہ میں نے کانپتے لہجے میں ہاں نہیں کر دی۔ پہلا لقمہ کھلایا تو فرمایا سید میاں کیسے ہیں؟ یہ وہ وقت تھا کہ ابّا حضرت کو وصال فرمائے ہوئے کئی برس گزر چکے تھے۔ میں نے عرض کیا ابّا اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اچھے ہیں مارہرہ شریف میں آرام فرما رہے ہیں۔ فرمایا ہمارا سلام عرض کر دیجیے گا۔ پھر اطمینان و سکون کے ساتھ وہ دونوں پھلکے تناول فرمائے۔ چلتے وقت ایک لفافہ میری نذر کیا جس میں گیارہ روپے تھے میں نے لفافہ لینے سے انکار کیا تو فرمایا غلام کی نذر قبول نہ کرنا آقا کی شان کے خلاف ہے۔ میں نے دوبارہ لٹاتے وقت ٹٹول کر دیکھا پورا بدن صحیح و سالم تھا۔ لٹانے کے بعد چادر اوڑھانے کے بہانے میں نے قدم بوسی بھی کی۔

کہاں تک لکھئے برادر عزیز مولوی رحمت اللہ صدیقی کی فرمائش پر اتنا کچھ لکھنے کے بعد بھی سوچتا ہوں ؎

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

☆☆☆

مفتی اعظم کا استقلال و استقامت

شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی میاں اشرفی الجیلانی
جانشین محدث اعظم ہند، کچھوچھہ شریف

قرآن کریم نے قیامت تک کے لیے دنیوی اوراخروی صلاح وفلاح کے لیے اطاعت رسول صلی اللہ علیہ سلم اور اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کوضروری ولازمی قرار دیا ہے۔اس اطاعت واتباع کے بغیر خوش بختی وفیروزمندی اورنجات وکامرانی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ظاہر ہے کہ اطاعت تعمیلِ احکام اور اتباع پیروی افعال کا نام ہے۔ بلفظ دیگر اطاعت کا تعلق اقوال سے ہوتا ہے اور اتباع کا افعال سے مثلاً میں نے کوئی حکم دیا،آپ نے اس کی تعمیل کی۔ یہ ہے اطاعت اور میں نے کوئی عمل کیا،آپ نے اس کی پیروی کی یہ ہے اتباع۔اور جب کہ تاقیامت خدائی قانون میں نجات ومغفرت کے لیے رسول کریم کی اطاعت واتباع لازم ہے تو ضروری ہوا کہ تاقیامت رسول کریم کے اقوال وافعال کی حفاظت کی جائے بحمدہ تعالیٰ رب کریم نے رسول کریم کے اقوال وافعال کی حفاظت کو اپنے ذمہ کرم میں رکھا ہے۔لہٰذا اب قیامت تک نہ تو رسول کریم کے اقوال کو مٹایا جاسکتا ہے اور نہ آپ کے افعال کو فنا کیا جاسکتا ہے۔اقوال کی حفاظت کے لیے ابتداءً بے شمار قوی الحافظہ اذہان کا انتخاب فرمایا گیا اور پھر اذہان کے ساتھ ساتھ لاتعداد دیانتداروں اور تقوی شعاروں کی تحریر کردہ کتابوں کے اوراق کو یہ امانت سپرد کردی گئی۔بل کہ قدرتِ کاملہ نے چاہا تو اغیار کے اذہان اور ان کی کتابوں کے اوراق کو بھی اقوال رسول کی حفاظت کا ذریعہ بنادیا ہے۔رہ گئے افعال تو اذہان نہ ان کا محل بن سکتے ہیں اور نہ انھیں اوراق کتاب میں پابند کیا جاسکتا ہے۔رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے افعال کی طرف رہنمائی کرنے کے لیے اوراق کتاب میں جو کچھ ملتا ہے وہ صرف راویوں کے اقوال ہیں نہ کہ رسول کریم کے

افعال۔افعال کا محل اوراق نہیں بل کہ کردار ہے۔

رب کریم نے نبی کریم کے افعال اور اعمال کی حفاظت ہر دور میں بے شمار نفوس قدسیہ والوں کے کرداروں میں فرمائی ہے۔خود نبی کریم کا صحابہ کرام کو نجوم ہدایت بتانا اور ان کی اقتدا پر ابھارنا، اپنی اہل بیت سے تمسک کو ضروری قرار دینا اور اپنی امت کے علما کو نجوم و ہدایت کے لیے کافی نہیں۔ وہاں صرف اقوال ملیں گے، اقوال کی عملی تشریح نہیں ملے گی۔لیکن وہ نفوس قدسیہ والے جن کی محفل میں بیٹھنے سے رسول کریم کی محفل میں بیٹھنے کا اجر ملے گا، جن سے مصافحہ کرنے سے نبی کریم سے مصافحہ کرنے کا ثواب حاصل ہو، جن کے پیچھے نماز پڑھنے والے کی یہ شان ہو گویا اس نے نبی کریم کی اقتدا کی، جن کا چہرہ دیکھیں تو نبی کریم کا چہرہ یاد آ جائے، **المختصر**! جن کا ہر فعل اور ہر عمل نبی کریم کے فعل و عمل کے سچی تصویر ہو۔ یہ وہ ہیں جو ہدایت کا کامل و مکمل ذریعہ ہیں۔ان کی زبان سے رسول کریم کے اقوال سنو اور ان کے کردار میں رسول کریم کے افعال دیکھو۔

ہر دور میں ان نورانی تصویروں کا وجود ضروری ہے تاکہ واضح ہوتا رہے کہ ہر دور میں خواہ وہ کتنا ہی پر آشوب کیوں نہ ہو، اسلام پر اس کے جملہ تعینات و تشخصات کے ساتھ عمل کیا جا سکتا ہے۔اب اگر کچھ لوگ عمل نہ کریں تو یہ خود ان کی غفلت و سرکشی ہے۔اس کی وجہ ہرگز یہ نہیں کہ اسلام اب ناقابل عمل ہو چکا ہے۔

اسی نورانی سلسلے کی ایک نورانی تصویر ہے وہ عظیم المرتبت ہستی جو دانشوران وقت اور فقیہان عہد کی محفلوں میں بھی حضور مفتی اعظم کے نام سے معروف و متعارف ہے۔جن کی زبان اقوال رسول کے موتی لٹاتی رہی اور جس کا کردار افعال رسول کی تجلیاں دکھاتا رہا۔

بخاری و مسلم کا سننے والا جس یقین و اذعان کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ ہم نے رسول کریم کے اقوال سے اسی یقین و اذعان کے ساتھ حضور مفتی اعظم کو دیکھنے والے کو یہ حق ہے کہ کہے ہم نے رسول کریم کی چلتی پھرتی سچی تصویر دیکھی۔

فرائض و واجبات و موکدات کو رہنے دیجیے جو ہستی مباحات و فطری خواہشات میں بھی رسول کریم کی اطاعت و اتباع سے سرمو متجاوز نہ ہو، وہ رسول کریم کی سچی تصویر اور افعال رسول کی حفاظت کا پیکر نور نہیں تو اور کیا ہے؟

۲-**وَاللّٰہُ یَعۡصِمُکَ مِنَ النَّاسِ**۔(سورۂ /) اے محبوب اللہ تمھیں لوگوں سے بچائے گا۔

آیت کریمہ کا عموم لفظ چاہتا ہے کہ ہر طرح کی حفاظت اس کے دائرۂ مفہوم میں آ جائے۔اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ہر نبی کی دو زندگی ہے ایک ظاہری جسمانی زندگی۔دوسری اس کی پیغمبرانہ زندگی۔ ہر نبی اپنی جسمانی زندگی کے لحاظ سے آج بھی زندہ ہے مگر آج کسی نبی کا پیغام اپنی اصلی شکل وصورت میں باقی نہیں رہ گیا۔اب اگر کسی نبی کے پیغام کا کوئی حصہ باقی بھی ہے تو وہ بھی ہمارے نبی کے پیغام کا جز بن کر۔مگر یہ ہمارے نبی کی خصوصیت ہے کہ رب کریم نے اگر ایک طرف آپ کو دشمنوں کے لیے جان لیوا حملوں سے محفوظ رکھا اور اس بات سے بے نیاز کر دیا کہ آپ اپنے ساتھ کوئی حفاظتی دستہ لے کر چلا کریں اور پھر عالم برزخ میں آپ کی حیات ظاہری کی حقیقت کو بھی باقی رکھا۔تو دوسری طرف قیامت تک کے لیے پیغام کی بھی حفاظت کو ذمۂ کرم میں لے لیا۔

المختصر نہ لوگ رسول کریم کی ذات کو نقصان پہنچا سکے نہ پیغام کو۔اور نہ قیامت تک پہنچا سکیں گے۔خدائے عز وجل دونوں کی حفاظت فرمانے والا ہے۔ہاں ہر دور کے لحاظ سے حفاظت کے ذرائع مختلف رہے ہیں۔جب منکرین زکوۃ نے دین میں ارتداد کا راستہ نکالنا چاہا تو خدا نے صدیق اکبر کے ذریعہ پیغام رسول کی حفاظت فرمائی۔قیصر و کسریٰ کی مغرور طاقتوں نے اسلام کو چیلنج کیا تو خدا نے اس کی حفاظت فرمائی، فاروق اعظم کے ذریعہ۔یوں ہی جب خوارج نے قرآنی آیات کے مفاہیم کو بدلنے کی شرمناک کوشش کی تو خدا نے پیغام

مصطفوی کی حفاظت فرمائی، مولائے کائنات کے ذریعہ۔ اسی طرح جب یزید نے سرکشی کا سر اٹھایا تو خدا نے اپنا دین بچایا، حسین ابن علی کے ذریعہ۔ ایسے ہی جب اعتزال کے فتنوں کا پانی سر سے اونچا ہونے پر آیا تو خدا نے اپنے نبی کے پیغام کی صحیح شکل وصورت کو بچایا، امام احمد بن حنبل کے ذریعہ۔ یونہی جب شہنشاہ اکبر نے دینِ الٰہی کے نام پر حقیقی دین الٰہی کی صورت بگاڑنی چاہی تو خدا نے اپنا دین بچایا، مجدد الف ثانی کے ذریعہ۔ اسی طرح جب وہابیت وقادیانیت نے اپنی فتنہ سامانیوں کا مظاہرہ کیا تو خدا نے اپنا دین بچایا، امام احمد رضا کے ذریعہ۔

یہ چند باتیں بطور مثال تحریر کی گئی ہیں۔ رب کریم نے ہر عہد میں دین کی حفاظت کے بے شمار ذرائع بنائے اور تا قیامت بناتا رہے گا۔ ابھی چند روز کی بات ہے ایمرجنسی کے دور میں ظالم وجابر حاکموں نے ظلم وجور کی حد کردی اور خاندانی منصوبہ بندی کے غیر اسلامی نظریے کو منوانے کے لیے وہ ستم ڈھائے گئے کہ الامان والحفیظ۔ اس جور وستم کا نتیجہ یہ ہوا کہ علما کی زبانیں گونگی ہوگئیں بل کہ ابن الوقت حکومت وقت کی حمایت پر اتر آئے۔ کرائے کے مفتی مسند افتا کی مٹی پلید کرنے لگے۔ ایسے خوف وہراس کے عالم میں خدا نے اپنا دین بچایا مفتی اعظم کے ذریعہ جنھوں نے اندیشہء سود وزیاں سے بے نیاز ہوکر حکومت وقت کے خلاف فتویٰ دیا۔ اور ''سائیکلو اسٹائل'' کرا کے ملک کے گوشے گوشے میں روانہ کیا۔ چونکہ دیگر جملہ ذرائع ابلاغ وترسیل پر گورنمنٹ کے آہنی پنجوں کا دباؤ تھا اس لیے ان کو اشاعت کا ذریعہ نہیں بنایا جاسکا۔

حضور مفتی اعظم کے جرأت مندانہ اقدام نے دین مصطفیٰ کو بچالیا۔ جس سے دنیا پر ظاہر ہوگیا کہ مصطفیٰ رضا خاں نام ہے دین محمدی کی حفاظت کے لیے خدائی انتخاب کا۔

۳- عرصہ ہوا کسی کتاب میں دیکھا تھا کہ کہیں امساک باراں کے سبب بہت زبردست قحط پڑا۔ لوگ نماز استسقا پڑھتے رہے اور اپنی محرومیوں پر آنسو بہاتے رہے۔ ایک روز سب نماز استسقا کے لیے جمع ہوئے تھے کہ ایک درویش کو آتے دیکھا لوگ اس سے دعا کے ملتجی ہوئے، اس نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور عرض کیا کہ ''اے اللہ میں تجھے اس امانت کا واسطہ دیتا ہوں جو میری نگاہوں میں ہے تو بارش فرمادے۔'' اتنا کہنا تھا کہ ابر چھا گئے اور جھوم جھوم کے برسے قحط دور ہوگیا۔ ہر طرف شادابی وسرسبزی چھا گئی۔ حاضرین میں سے ایک شخص اس درویش کے پیچھے لگ گیا یہاں تک کہ اس کی جھونپڑی تک پہونچ گیا اور اس سے سوال کیا کہ آخر وہ امانت کون سی ہے جو آپ کی آنکھوں میں ہے اور جس کے واسطے سے آپ نے دعا کی تو رب کریم نے قبول فرمائی۔ درویش نے کہا کہ میں نے ان آنکھوں سے بایزید بسطامی کو دیکھا ہے ان کی صورت خدا کی امانت ہے جسے میں نے نگاہوں میں محفوظ کررکھا ہے۔ اس حکایت کو سن کر مجھے بھی اپنی فیروز بختی پر ناز کرنے دیجیے کہ میرے حاسہ بصر میں بھی کچھ نورانی صورتیں ہیں۔ ان تصویروں میں حضور مفتی اعظم ہند کی تصویر کی تابنا کی آپ اپنی مثال ہے۔ حضور مفتی اعظم کو میں نے بہت قریب سے دیکھا۔ کئی کئی دن تک ہمرکابی کا شرف بھی حاصل رہا۔ غریبوں کی جھونپڑیوں میں دیکھا۔ رئیسوں کے ایوانوں میں دیکھا، مارہرہ شریف کی خانقاہ میں دیکھا۔ بریلی شریف کی دانش گاہ میں دیکھا۔ بریلی شریف میں ان کا مہمان رہا تو کچھوچھہ شریف میں میزبانی کا شرف بھی حاصل کیا۔

المختصر بار بار زیارت کی سعادت حاصل ہوتی رہی اور ذہن میں آپ کی نورانی صورت کا رنگ گہرا ہوتا رہا۔

حضور مفتی اعظم کو دیکھنے والو! خدائی امانت کے امین ہونے پر مجھ سے دلی مبارکباد لو۔ مگر خبردار، ہوشیار اس تصویر کی عظمت کو داغ نہ لگنے پائے۔ تم خوب جانتے ہو کہ حضور مفتی اعظم اس گھر میں داخل نہیں ہوتے تھے جس میں کسی جاندار کی تصویر ہو۔ لہٰذا تم پر لازم ہے

کہ اپنے دل و دماغ کو غیر شرعی تصوارت سے پاک وصاف رکھو تا کہ یہ تصویر ہمیشہ بہشت فکر ونظر بنی رہے۔ یہ امانت خداوندی غیر شرعی خیالات کے ساتھ کب تک رہ سکے گی۔ رفتہ رفتہ تمھیں اس سے محروم کر دیا جائے گا اور پھر کفِ افسوس ملنے کے سوا تمھارے پاس کوئی چارہ کار نہ ہوگا۔ غور تو کرو جس کمرے میں کعبہ و گنبد خضرا کی تصویریں آویزاں ہوں کیا یہ مناسب ہے کہ اس میں بتوں یا صنم کدوں کے نقشے لٹکائے جائیں؟

۴- **اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ۔**

اس آیت کریمہ میں صراط مستقیم پر چلنے کی دعا تعلیم فرمائی گئی ہے۔ نیز یہ واضح کیا گیا ہے کہ صراط مستقیم وہی راستہ ہے جس پر انعام والے چلتے ہیں۔ یہاں انعام سے وہ مخصوص انعام مراد ہے جس سے انبیاے کرام صدیقین، شہدا اور صالحین سرفراز فرمائے گئے۔ مجھ سے مت پوچھیے کہ حضور مفتی اعظم پر رب کریم کی مخصوص نوازشات کا عالم کیا تھا؟ جس کا باپ امام احمد رضا ہو وہ امام احمد رضا جسے عارفین، غوث اعظم کی روشن کرامت، رسول اعظم کا عظیم معجزہ اور قادر مطلق کی قدرتِ کاملہ کی بہترین نشانی قرار دیتے ہوں۔ جس کا بھائی حسن صورت و جمال سیرت اور کمال علم و فضل کا وہ پیکر نور ہو کہ دنیا اسے ''حجۃ الاسلام'' کہہ کر بھی شرمندہ رہی کہ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔ جس کا بھتیجہ آج تک مفسر اعظم ہند کے نام سے جانا جاتا ہو۔

جس کا پیر شیخ الشیوخ، نور الانوار، سید السادات آیت ربانی، سرِّ الٰہی، آسمانِ طریقت کا نیرِ اعظم اور شاہ برکات کے انوار و برکات کا امین ہو۔ یہ پیکرِ نور خود بھی نوری کہلایا اور حضور مفتی اعظم کو بھی نوری بنا گیا۔

ایک طرف رکھ دو ان انتسابات کی عظمتوں کو اور خود اس عظیم ممدوح کے کمال و جمال پر غور کرو علم و دانش کی وہ کون سی محفل ہے جس کا وہ تاجدار نہیں تھا؟ تقویٰ و طہارت، زہد و قناعت، شرافت و کرامت، مجاہدہ و ریاضت، اصابت و استقامت ذکاوت و فراست کی وہ کون سی شاہراہ ہے جہاں اس کے نقوش قدم نہیں ملتے؟

ہمارا ممدوح خَلقاً خُلقاً منطقاً اپنے باپ کی سچی تصویر تھا۔ **الولد سر لأبيه** کی ایسی بے داغ تفسیر آسانی سے دیکھنے کو نہیں ملتی۔ آج خوارق عادات کو معیار بنا کر لوگوں کے مقامات کے تعین کی وبا عام ہو چکی ہے۔ حالاں کہ چاہیے یہ تھا کہ ان لوگوں کے مقامات کے عرفان کے ذریعہ ان سے ظاہر ہونے والے خوارق عادات کے مقام کو متعین کیا جاتا۔ خرق عادت تو کسی کے ایمان کی بھی دلیل نہیں پھر اسے کسی کے متقی ہونے کی دلیل کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟ ہمارے ممدوح کی سب سے بڑی کرامت ہر حال میں شریعت پر اس کی استقامت ہے۔

وہ اسلام کا بطل جلیل اور استقامت کا ایسا جبل عظیم تھا کہ نازک سے نازک وقت میں بھی اس کے پیروں میں لغزش نہ آسکی۔

حضور مفتی اعظم کے ایک فتویٰ کی تصدیق فرماتے ہوئے ایک مرتبہ مخدوم الملت حضور محدث اعظم ہند نے صرف ایک جملہ تحریر فرمایا تھا اور وہ یہ ہے:

''**هذا حكم العالم المطاع وما علينا الا الاتباع**'' ''یہ ایک عالم مطاع کا حکم ہے اور ہمارے لیے اتباع کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔'' کلام کی عظمت متکلم کی عظمت سے پہچانی جاتی ہے اگر یہ کسی ایسے ویسے کا کلام ہوتا تو اس لائق نہ ہوتا کہ اس پر کسی کلام کی بنیاد رکھی جائے مگر یہ اس کا کلام ہے جو صرف یہی نہیں کہ سید المتکلمین۔ سند المحققین، سرآمد علما و صوفیا، سراج خانوادۂ اشرفیہ تھا بل کہ خود حضور مفتی اعظم ہند کی بے پناہ عقیدت و محبت اور لازوال نیاز مندیوں کا قبلہ و کعبہ تھا۔ میرا خیال ہے کہ آج تک حضور مفتی اعظم کا تعارف کراتے ہوئے جو کچھ لکھا گیا ہے اور آئندہ جو کچھ لکھا جائے گا ان سب کو اگر ایک پلڑے پر اور حضور محدث اعظم ہند کے قلم سے نکلے ہوئے اس فقرے کو

دوسرے پلڑے پر رکھ دیا جائے تو اس کا وزن زیادہ ہوگا۔

ہم اس عظیم فرد کے فضل وکمال کا کیا تعارف کرا سکیں گے۔ جسے حضور محدث اعظم ہند جیسی شخصیت کی زبان بھی ''عالم مطاع واجب الاتباع'' قرار دے۔

یہ دلیل ہے کہ حضور مفتی اعظم کی اتباع عین اتباع رسول تھی ورنہ اسے محدث اعظم ہند جیسا فقیہ ومحدث واجب قرار نہ دیتا۔ عشق رسول کے سمندر میں ڈوب کر زندگی بسر کرنے والے حضور مفتی اعظم کے لیے آل رسول فرزند بتول کی یہ عظیم شہادت کیا کچھ کم اہمیت رکھتی ہے؟ بریلی شریف کے افق سے اٹھنے والا یہ سحاب رحمت اٹھا اور اٹھتا ہی چلا گیا۔ بڑھا اور بڑھتا ہی چلا گیا۔ پھیلا اور پھیلتا ہی چلا گیا۔ برسا اور برستا ہی چلا گیا۔ دین دیانت اور علم ودانش کی کھیتیاں سرسبز وشاداب ہوگئیں۔ امام احمد رضا کی آواز مفتی اعظم کی شکل میں ہندو بیرون ہند کے لاتعداد شہروں اور بے شمار قریوں میں پہنچی۔

وہ کنواں نہ تھے کہ لوگ وہاں جا کر پیاس بجھاتے وہ بادل تھے ہر جگہ خود ہی جا کر برس آتے۔ اپنوں پر برسے غیروں پر برسے، پہاڑوں پر برسے، وادیوں پر برسے، صحراؤں پر برسے، شہروں پر برسے، ایوانوں پر برسے، جھونپڑیوں پر برسے، یہی وجہ ہے کہ جب وہ نگاہوں سے روپوش ہوئے تو دنیا چیخ پڑی۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق ۲۰ رلاکھ انسانوں کا جم غفیر ہر طرف سے اکٹھا ہو گیا۔

حضور مفتی اعظم کی آخری خواہش تھی کہ میری نماز جنازہ آل رسول فرزند غوث اعظم پڑھائے۔ رب کریم نے اپنے فضل وکرم سے پوری فرمادی۔ اور فرزند غوث الثقلین، سجادہ نشین آستانہ عالیہ، اشرفیہ سرکارکلاں مولانا سید مختار اشرف اشرفی الجیلانی دامت برکاتہم العالیہ کو کچھوچھہ شریف سے بریلی شریف پہنچادیا۔ جس خدا کی رضا میں حضور مفتی اعظم ہند نے اپنی ساری زندگی گزار دی وہ خدا حضور مفتی اعظم کی رضا کی تکمیل کو اپنے ذمہ کرم میں کیوں نہ رکھتا؟ **المختصر** جس پہلو اور جس گوشے سے دیکھا جائے اس اعتراف کے بغیر چارہ کار نہیں کہ حضور مفتی اعظم کی ذات قدسی صفات پر رب کریم کی بے حد نوازشیں تھیں۔ اس کا فضل خاص ہمیشہ ان پر سایہ فگن رہا۔ اور خدائے تعالیٰ نے انھیں مخصوص انعام والوں میں رکھا جن کا راستہ ہی سیدھا راستہ ہے۔

سیدھے راستے کی تلاش میں سرگرداں رہنے والو! آؤ صراط مستقیم کو حضور مفتی اعظم کی شکل وصورت میں دیکھ لو۔

قرآن کریم کے **اَلَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ** میں حضور مفتی اعظم کو داخل فرما کر رب کریم نے انھیں جو عظمت ورفعت بخشی ہے اس کا اظہار ناممکن ہے۔

حالت سفر میں قلم برداشتہ یہ چند سطریں تحریر کر دی ہیں کہ حضور قبلہ گاہی علیہ الرحمۃ والرضوان کی بارگاہ ناز میں سجود نیاز لٹانے والوں کی فہرست میں میرا بھی نام آجائے۔ اب آخر میں اس مصرع پر اپنی تضمین پیش کر کے بات ختم کر رہا ہوں جو مصرع حضور مفتی اعظم کے عرس چہلم کے موقع پر ہونے والے مشاعرہ کے لیے منتخب کیا گیا تھا ؎

نور احمد کا رخ پاک پہ ہالہ ہوگا
روز و شب مرقد نوری میں اجالا ہوگا

☆☆☆

حضور مفتی اعظم اور عظمتِ سادات کرام

علامہ سید کمیل اشرفی الجیلانی (مدظلہ العالی)
سجادہ نشین خانقاہ حضور مخدوم ثانی (رحمۃ اللہ علیہ)، درگاہ کچھوچھہ شریف

حضور مفتی اعظم کی خاک ساری وفروتنی :

حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت شان کے بیان کے لیے ایک دفتر درکار ہے۔ ان کے امتیازات وخصوصیات ذہن انسانی کو بہت بلندی تک پہنچا دیتے ہیں۔ وہ بلند پایہ عالمِ دین، فاضل، جلیل، دنیا بھر کے مانے ہوئے مفتی اعظم اور امام احمد رضا رضی اللہ عنہ کے فرزند بلند اقبال ہونے کے باوجود وہ نہایت منکسر المزاج، متواضع واقع ہوئے تھے۔ وہ اپنی تواضع اور فروتنی میں اتنی دور نکل جاتے تھے کہ اس کا تصور بھی عام انسانوں کے لیے بہت حیرت افزا ہوتا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میرے طالب علمی کا آخری دور تھا۔ میں رمضان المبارک کی تعطیل کلاں میں کچھوچھہ شریف آیا۔ پھر کچھ ایام گزار کر بمبئی آیا تو مجھے معلوم ہوا کہ مرحوم احمد میاں احمد مرچنٹ حضور مفتی اعظم کو اپنے مکان ''چٹائی بلڈنگ''، میں خصوصی دعوت دے کر لے گئے ہیں۔ وہاں میرے برادرِ خورد سید حسین اشرف موجود تھے۔ مغرب کا وقت ہوا تو نماز کے لیے صفیں قائم ہوگئیں۔ ظاہر ہے کہ سب لوگوں کو یہی اشتیاق تھا کہ آج ہم سب حضور مفتی اعظم کی اقتدا میں نماز ادا کریں گے۔ لوگ ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے کہ حضور مفتی اعظم کب مصلیٰ امامت پر تشریف لاتے ہیں اور سب کی تمناؤں کو پوری کرتے ہیں۔ لیکن

حیرت انگیز کلمات طیبات آپ کی زبانِ مبارک سے ادا ہوئے۔آپ نے ارشاد فرمایا کہ آج ہم سب سید حسین اشرف کی اقتدا میں نماز ادا کریں گے، ہمارا اشرفی شہزادہ موجود ہے، وہ نماز پڑھائے گا۔نمازیوں کے ازدحام میں کتنے عالم وفاضل رہے ہوں گے اور کتنے سن رسیدہ بزرگ اور کتنے دین دار اور پرہیز گار لوگ امامت کے لائق پائے جا رہے تھے، لیکن نظرِ انتخاب حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی جواں سال اشرفی شہزادہ پر پڑی، اس نے اگرچہ پیہم انکار کیا، تاہم وہ اصرار کے باعث حضور مفتی اعظم کے حکم پر نماز پڑھانے کے لیے راضی ہو گئے۔ یعنی سید اشرف میاں نے فریضۂ امامت ادا کیا۔حضور مفتی اعظم کے اس عمل وکردار نے نہ صرف یہ واضح کیا کہ آپ سادات کرام کا کتنا احترام کر رہے تھے، بل کہ اس سے یہ حقیقت بھی عیاں ہوئی کہ آپ خاک ساری اور فروتنی کے ایک پیکرِ مجسم تھے۔

حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کے ارادت مند اور سلسلۂ اشرفیہ سے وابستہ حضرات اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ خاندان رسالت کے ساتھ ان کی وارفتگی و نیازمندی کتنی گہری تھی، وہ ان کی عقیدت ومحبت کا جلوہ دیکھ کر محظوظ ہو رہے تھے۔سید حسین اشرف میاں کی امامت کی تفصیل مجھ کو سلسلۂ رضویہ کے ایک ارادت مند شخصیت حاجی اسمٰعیل جانی (ناظم اعلیٰ دارالعلوم امام احمد رضا رتنا گیری سے معلوم ہوئی، کیوں کہ اس وقت وہ اس مجمع میں موجود تھے، اور انھوں نے بھی سید حسین اشرف کی اقتدا میں نماز ادا کی تھی۔

علمی شخصیت سے بہت متاثر ہوا :

حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے کتنی مرتبہ میری ملاقات ہوئی ہے اور ان کی زیارت سے میں کتنی بار مشرف ہوا ہوں، اس کے بیان کے لیے مجھے اپنے عہد طالب علمی سے تاہنوز تقریباً پچاس سالہ زندگی پر غور وخوض کرنا پڑے گا۔میری پہلی ملاقات زمانۂ طالب علمی میں ہوئی تھی، جب دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور میں تعلیم حاصل کر رہا تھا۔اس وقت مجھے ایک جلسہ میں صید پور جانا ہوا، وہ جلسہ اپنی نوعیت کا ایک عظیم الشان اجلاس تھا۔حضور محدثِ اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ اور بہت سارے اکابر علمائے کرام جلوہ افروز تھے۔دوسرے دن جلسہ کے اختتام کے بعد میں صید پور کے ریلوے اسٹیشن پر آیا، تقریباً دس بجے دن کا وقت تھا۔ٹرین بنارس سے گورکھ پور جانے والی تھی، مجھے اس ٹرین سے اتر کر مبارک پور اپنے مدرسے میں پہنچنا تھا۔یہ اس وقت کی بات ہے جب ٹرین میں تھرڈ کلاس کے ڈبے لگتے تھے۔میں نے سکنڈ کلاس کا ٹکٹ لیا۔تھوڑی دیر انتظار کے بعد ٹرین آئی تو اس میں جا کر بیٹھ گیا۔ڈبے میں داخل ہو کر مسافروں پر ایک نگاہ ڈالی، میرے نگاہ کمپارٹ منٹ کی آخری سیٹ پر پڑی، دیکھا کہ ایک بزرگ عمامہ باندھے تشریف فرما ہیں، چہرہ روشن وتاب ناک تھا، اس سے ولایت کے آثار نظر آ رہے تھے پیشانی سے نورانی شعائیں جھلک رہی تھیں۔میں انتہائی محویت کے عالم میں اپنی سیٹ پر بیٹھا ہوا ٹکٹکی باندھ کر اس پاکیزہ ہستی کو دیکھ رہا تھا، تھوڑی دیر بعد میں گردن جھکا کر سوچنے لگا کہ یہ کون سی بزرگ شخصیت ہے؟ میں ابھی اس شش و پنج میں مبتلا تھا کہ کیا دیکھتا ہوں کہ وہ خود ہی میری طرف بڑی تمکنت ووقار کے ساتھ خراماں خراماں تشریف لا رہے ہیں۔میں نے ادباً کھڑے ہو کر سلام کیا، انھوں نے جواب دیا، میرے اندر یہ ہمت و جرأت نہیں تھی کہ میں دریافت کرتا کہ آپ کہاں سے آ رہے ہیں اور کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟ حضرت نے خود ہی مجھ سے دریافت کیا کہ صاحب زادے! آپ کہاں سے آ رہے ہیں اور کہاں جا رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ یہاں سے قریب صید پور جلسہ میں گیا تھا، اب میں اپنے مدرسہ اشرفیہ مبارک پور جا رہا ہوں۔حضرت نے پھر مجھ سے دریافت کیا کہ آپ کا کیا نام ہے؟ میں نے کہا لوگ مجھے سید کمیل اشرف کہتے ہیں، نام سننا تھا کہ میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر چوم لیا، از راہ محبت وعقیدت میں نے بھی

حضرت کے دستِ مبارک کا بوسہ لیا اور بے اختیار میری زبان سے نکلا کہ آپ کا اسم گرامی کیا ہے؟ حضرت مفتی اعظم نے مشفقانہ انداز میں فرمایا کہ میرا نام مصطفی رضا خان ہے۔میری زبان سے برجستہ نکلا کہ حضور آپ مفتی اعظم ہیں۔پھر میرے اوپر کرم فرمائی کے لیے میرے پاس ہی تشریف فرما ہوئے اور کچھوچھہ مقدسہ کے بارے میں اور خاندانِ اشرفیہ کے بزرگوں کے سلسلے میں بہت کچھ انھوں نے دریافت کیا۔ان کی خیرت و حالات مجھ سے پوچھتے رہے، میں اس عظیم شخصیت کی گفتگو سے بہت متاثر ہو رہا تھا، ان کا اندازِ بیان نہایت شگفتہ و شیریں تھا، ان کی بات بات سے شفقت و محبت ٹپک رہی تھی، میں نے ہمت و جرأت کر کے عرض کیا کہ حضرت والا آپ مبارک پور تشریف لے چلیں، اس وقت آپ کہاں جا رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ میں گھوسی جا رہا ہوں، دو دن کے بعد دار العلوم اشرفیہ مبارک پور آؤں گا، وہاں حافظِ ملت اور اساتذۂ کرام کو ہمارا سلام کہنا، گفتگو ہوتی رہی، یہاں تک کہ مئو اسٹیشن آ گیا، میں نے حضرت کی دست بوسی کی اور آپ نے کمالِ شفقت کے ساتھ سینہ سے چمٹا لیا اور دعائیں دیں، پھر جب میں مبارک پور پہنچا تو حضرت استاذ مکرم حضور حافظِ ملت کو اپنی روداد سفر سنائی اور یہ بھی بتایا کہ حضور مفتی اعظم دو دن کے بعد اشرفیہ مبارک پور تشریف لانے والے ہیں۔ہم سب بے چینی سے ان کی تشریف آوری کے منتظر رہے اور حضور حافظِ ملت بھی منتظر تھے۔وہ وقتِ سعید آیا کہ مبارک پور کی سرزمین پر حضور مفتی اعظم ہند کا قدوم میمنت لزوم ہوا، طلبہ و اساتذہ نے بڑی گرم جوشی کے ساتھ استقبال کیا، مدرسہ میں داخل ہونے کے بعد حضور حافظِ ملت کی درس گاہ میں تشریف فرما ہوئے۔چہرہ اتنا تابناک و روشن تھا کہ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ اندھیرے میں اجالا ہو گیا، حافظِ ملت رحمۃ اللہ علیہ سے آپ انتہائی محبت و اپنائیت کی گفتگو فرماتے رہے اور انھیں اپنی دعاؤں سے بھی سرفراز فرمایا۔اثنائے گفتگو حضور مفتی اعظم نے حضور حافظِ ملت سے فرمایا کہ آپ سید کمیل اشرف میاں کو بلوائیے، ٹرین میں ان سے میری ملاقات ہوئی تھی۔حضور حافظِ ملت عالمِ مسرت میں کھڑے ہوئے اور ایک طالب علم سے کہا، جلدی جاؤ اور سید کمیل اشرف میاں کو بلا کر لاؤ۔میں اس وقت حضرت مولانا سلیمان صاحب بھاگل پوری رحمۃ اللہ علیہ کی درس گاہ میں تھا، جب طالب علم نے مجھے اطلاع دی تو میں نہایت نیازمندی کے ساتھ حضرت حافظِ ملت علیہ الرحمہ کی درس گاہ میں حضور مفتی اعظم کی ملاقات کے لیے حاضر ہوا، میں بڑھ کر حضرت کا ہاتھ چومنا چاہتا تھا، لیکن علمائے کرام کی نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ میں حضور مفتی اعظم کا ہاتھ چوم رہا ہوں اور حضور مفتی اعظم میرا ہاتھ چوم رہے ہیں، اس موقع پر حضرت حاضرین کو یہ درس دے رہے تھے کہ میں سید کمیل میاں کا احترام نہیں کر رہا ہوں، بل کہ دراصل خاندانِ رسالت کا احترام کر رہا ہوں اور گویا وہ فرما رہے تھے کہ یہ میرے والد محترم حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کی عقیدت و محبت کی بھرپور عکاسی ہے۔

ناناجان کی مدح وستائش :

میں دوسرے دن ناشتہ کے بعد حضور مفتی اعظم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضور مجھے اجازت مرحمت فرمائیں، میں یہاں سے دہلی جا رہا ہوں، وہاں سے اجمیر شریف جاؤں گا، عرس میں شرکت کا ارادہ ہے۔حضرت نے مجھے اپنے قریب بیٹھا لیا۔کچھ دیر تک اکابرین کچھوچھہ شریف کی بابت مجھ سے باتیں کرتے رہے۔چوں کہ میرے پرنانا شبیہ غوث الاعظم سید المشائخ حضرت سید شاہ علی حسین صاحب الاشرفی الجیلانی علیہ الرحمہ (معروف بہ اشرفی میاں) سے حضرت کو والہانہ عقیدت و محبت تھی اس لیے حضرت نے خصوصیت سے میرے نانا جان شہنشاہِ خطابت، حضرت مولانا سید احمد اشرف رحمۃ اللہ علیہ کا دورانِ گفتگو تذکرہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ آپ کے نانا جان علیہ الرحمہ کی تقریر علمی نکات سے بھرپور ہوتی تھی اور اس میں روحانی فیض ہوتا تھا، سامعین عالمِ وجد میں آ جاتے تھے۔یہ واقعہ ہے کہ نانا کے اندازِ خطابت کا یہ

اثر ہوتا تھا کہ اربابِ دانش حیرت زدہ ہوکر دل کی گہرائیوں سے باادب ہوکر یہ کہہ دیتے تھے کہ حضور آپ نہیں بول رہے ہیں، بل کہ آپ کی زبانِ مبارک میں کوئی اور بول رہا ہے۔ وہ انتہائی خوب صورت وخوش پوش تھے اور جس وقت اپنے خاندانی لباس جبہ وعمامہ میں رونقِ اسٹیج ہوتے تھے تو سارا مجمع ان کو نگاہِ عقیدت سے ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا تھا اور لوگ مضطرب رہتے تھے کہ جلد سے جلد آپ کی خطابت کا آغاز ہو، آپ کا تبحرِ علمی اور چہرے کی چمک دمک سے معلوم ہوتا تھا کہ کوئی روحانی شہنشاہ اور اولادِ رسول جلوہ فگن ہے۔ آپ اپنے والد حضرت اشرفی میاں علیہ الرحمہ کی روحانیت اور وجاہت کے آئینہ تھے۔ اسی وجہ سے آپ کے والدِ محترم کے رخِ تاباں کو دیکھ کر امام احمد رضا خاں فاجل بریلوی رضی اللہ عنہ نے کمالِ محبت وعقیدت سے فرمایا کہ ؎

اشرفی اے رخت آئینۂ حسنِ خوباں
اے نظر کردۂ و پروردۂ سہ محبوباں

ان جملہ ہائے معترضہ سے حضرت مولانا سید احمد اشرف جیلانی یعنی میرے نانا جان علیہ الرحمۃ والرضوان کی عظیم شخصیت پر بھرپور روشنی پڑ رہی ہے، اس لیے یہ کچھ طویل ہوگئے ہیں،۔ میں یہ بیان کر رہا تھا کہ حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان اتنے متاثر تھے کہ نانا جان علیہ الرحمہ کے کمالِ علمی کو بیان فرماتے ہوئے مجھ کو یہ بتایا کہ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ ہر کس وناکس کی تقریر میں نہیں شریک ہوتے تھے، لیکن جب کبھی جب مولانا سید احمد اشرف علیہ الرحمہ کی تقریر ہوتی تھی تو عین تقریر کے وقت بڑے شوق وذوق کے ساتھ زینت اسٹیج ہوتے تھے۔ اور اسی دوران گفتگو حضرت نے ہم سے فرمایا کہ حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ کا دماغ ایک شہنشاہ کا شاہانہ دماغ ہے۔ بڑے سے بڑے پیچیدہ مسئلہ کو نہایت ہی خوب صورتی کے ساتھ حل فرماتے ہیں۔ اس موقع پر یہ بات بھی لائقِ توجہ ہے یا یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت مولانا سید احمد اشرف صاحب علیہ الرحمہ کی تقریر کا رنگ یہ ہوتا تھا کہ اکثر امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ عنہ کے اشعار کو پڑھتے تھے اور ان کی علمی باریکیوں کی طرف قرآن وحدیث کے دلائل سے روشنی ڈالتے تھے، جس کی وجہ سے آپ کی تقریر اتنی موثر ہوتی تھی کہ علمائے اسلام بالخصوص حضرت محدث بریلوی رضی اللہ عنہ سماعت فرما کر اس سے بے حد محظوظ ہوتے تھے اور صدائے آفرین و تحسین بلند فرماتے تھے ؎

تیری نسلِ پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عینِ نور تیرا سب گھرانہ نور کا

میں نے حضور مفتی اعظم سے پہلی ملاقات کا واقعہ قدرے تفصیل سے بیان کیا کیوں کہ اس ملاقات میں حضرت نے اپنی کرم فرمائی سے مجھ کو اپنا ایسا گرویدہ بنالیا تھا کہ ان کی ایک ایک ادا میرے نہاں خانۂ ذہن میں امتدادِ زمانہ کے باوجود اب تک موجود ہے۔ میں نہیں سوچ سکتا تھا کہ میرے اوپر اتنی کرم نوازی اور شفقت وعنایت ہوگی، لیکن مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ ٹرین کے سفر سے لے کر اشرفیہ میں تشریف آوری تک اپنی دعاؤں اور اپنے کلماتِ طیبات سے نوازتے رہے۔ اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ میں تو دار العلوم اشرفیہ کا ایک طالب علم تھا اور اس ادارے میں بڑے ذہین وفطین طلبہ زیرِ تعلیم تھے، مگر میرے اوپر جو کرم فرمائی ہوئی اس کا سبب محض یہ نہیں تھا کہ میں ایک نوعمر طالب علم ہوتے ہوئے زمانۂ طالب علمی سے اپنے زورِ خطابت کے ذریعہ لوگوں کو متاثر کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا، بل کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ ایک جلیل القدر عالمِ دین ہوتے ہوئے خاندانِ اشرفیہ سے اس کی سیادت کی بنا پر نہ صرف یہ کہ گہرا تعلق و ربط رکھتے تھے، بل کہ غایت درجہ عقیدت و نیازمندی ان کے قلب مبارک میں رچی بسی تھی۔ جب انھوں نے یہ دیکھا کہ میں اس خاندانِ اشرفیہ کا

ایک فرد ہوں اور میری عقیدت مندی کا اثر ان کے قلب مبارک پر ہوا تو فطری طور پر میرے اوپر حد سے زیادہ شفیق ومہربان ہوئے۔ یہ ان کی عظمت وبڑائی کی روشن دلیل ہے، ورنہ میں کہاں اور کہاں حضور مفتی اعظم، وہ دنیاے اسلام کے آفتاب تاباں تھے اور میں دار العلوم اشرفیہ کا ایک ادنیٰ طالب علم تھا۔ لیکن اس کے ساتھ مجھے یہ کہنے میں کوئی دریغ نہیں ہے کہ میں خاندانِ اشرفیہ کا ایک فرزند ہوں۔

اس تفصیلی واقعہ سے یہ بھی روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت وبڑائی کا راز اس میں مضمر تھا کہ وہ اپنے لوگوں کے ساتھ بہتر سے بہتر سلوک رکھنے کے روادار تھے، اس میں چھوٹے بڑے، بوڑھے، جوان کا کوئی امتیاز نہیں پایا جاتا تھا اور وہ مادرِ علمی دار العلوم اشرفیہ مبارک پور میں بغیر کسی دعوت کے اپنا محبوب ادارہ سمجھ کر اور اس ادارہ کی علمی کارکردگی، اس کے طلبہ واساتذہ کی محنت وجاں فشانی کو سن کر اس دار العلوم میں تشریف لائے اور اپنی مخصوص دعاؤں سے نوازا اور اپنے قدوم میمنت لزوم کی برکت سے اس کو شرف عطا کیا، کیوں کہ ان کو اس بات کا اذعان کامل تھا کہ یہ ہندوستان کا ایک ایسا عظیم ادارہ ہے جو دین وسنیت کی نمایاں خدمت انجام دے رہا ہے، جس ادارہ کے طالب علم اپنے وعظ وتقریر اور اپنے زورِ بیاں سے عوام وخواص کے قلوب کو مسخر کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، اس سے حضور مفتی اعظم متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے۔

الٹے بانس بریلی کو :

سطور بالا میں جس واقعہ کا بیان ہوا اور اس کے نکات کی طرف ناظرین کے ذہن کو متوجہ کیا گیا، وہ تاثیر سے بھرپور ہے، لیکن اس سے بڑھ کر میں ایک اور واقعہ بیان کرنا چاہتا ہوں جو صرف واقعہ ہی نہیں آئینۂ حقیقت ہے۔ یہ اس وقت کی بات ہے، جب میں دار العلوم اشرفیہ مبارک پور میں زیرِ تعلیم تھا، اس وقت میری خطابت کا ابتدائی دور تھا۔ ماہِ محرم الحرام میں ممبئی آیا، کئی سال سے آستانہ ماہم شریف پر عشرۂ محرم میں میری تقریر ہو رہی تھی، حضور والد محترم کا قیام قاضی محلہ ممبئی میں تھا۔ آپ کی طبیعت سخت ناساز تھی اور ایک رات السر کا درد پیٹ میں ایسا اٹھا کہ رات بھر سو نہ سکے اور اسی حالت میں آپ نے نمازِ تہجد ادا کی، پھر نمازِ فجر کے بعد اپنے وظائف میں مشغول ہو گئے، وظیفہ کے بعد ان کی طبیعت ہم کو کچھ پُرسکون معلوم ہوئی، جب دل کو کسی حد تک اطمینان حاصل ہوا تو میں مدن پورہ غازی ملت حضرت مولانا محبوب علی خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے کے لیے آیا اور یہیں یہ بات بھی ذہن نشیں کر لیں کہ اس سے ایک سال پہلے سفر حجاز میں خانوادۂ اشرفیہ کا ایک نورانی قافلہ حج بیت اللہ کی غرض سے کچھوچھہ مقدسہ سے روانہ ہوا اور اس قافلہ میں مریدین ومعتقدین بھی شامل تھے اور خصوصیت سے لائقِ ذکر جو مبارک ہستیاں تھیں، اس میں حضور محدث اعظم مع اپنی اہلیہ، یعنی میری خالہ مرحومہ کے ساتھ اور میرے ماموں حضور سرکارِ کلاں اپنی اہلیہ یعنی میری ممانی کے ساتھ اور خود میرے والد محترم والدہ محترمہ کے ساتھ اور سید امجد حسین مرحوم میرے عزیز خاص اور بچوں میں صبیح حسین، میرے چھوٹے بھائی سید حسین اشرف اور ہاشمی میاں بھی شامل تھے۔ اس نورانی قافلہ کو ممبئی پہنچانے کے لیے مجاہد دوراں مولانا سید مظفر حسین رحمۃ اللہ ممبئی تشریف لائے۔ لیکن یہاں ان کے ٹکٹ کا انتظام ہو گیا اور وہ بھی حج بیت اللہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب ممبئی بندرگاہ سے اسلامی ومحمدی جہاز روانہ ہوتے تھے۔ یہ قافلہ بحری جہاز محمدی سے ساحلِ جدہ کی طرف روانہ ہوا اور اس سفر میں حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے۔ اثنائے سفر حجاز میں حضور والدِ محترم مخدوم ثانی سے حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی بڑی قربت رہی اور اس قربت کا نتیجہ یہ رہا کہ جب میں مدن پورہ غازی ملت حضرت مولانا محبوب علی خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کے لیے آیا اور ان سے گفتگو کا سلسلہ کافی دراز رہا، پھر جب سلام کر کے مسجد سے باہر نکلا تو کچھ لوگوں نے یہ بتایا کہ حضور مفتی اعظم اپنے کسی مرید کے

یہاں تشریف فرما ہیں۔ایک شخص کی رہنمائی میں حضرت کی قیام گاہ تک پہنچا۔اس وقت آپ اپنے ارادت مندوں کے مجمع سے گھرے ہوئے تھے اور تعویذ لکھنے میں مشغول تھے۔میں نے نیاز مندانہ اور عقیدت مندانہ سلام عرض کیا،حضرت نے نگاہ اوپر اٹھائی ، مجھے دیکھا تو فوراً اپنے بازو میں بیٹھالیا۔تعویذ کے مکمل کرنے کے بعد سامنے بیٹھے ہوئے اپنے کسی ایک مرید کو لیا، پھر میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ آپ کے والدِ محترم کا مزاج شریف کیسا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ رات بھر پیٹ میں السر کا شدید درد تھا، بڑی بے چینی رہی، اسی اضطرابی کیفیت کے ساتھ رات گزری، نمازِ فجر کے بعد تھوڑا سا سکون حاصل ہوا، حضرت والد صاحب کو پُرسکون دیکھ کر میں مدن پورہ چلا آیا اور آپ کی تشریف آوری کی خبر مجھے یہاں ملی، آپ سے شرفِ ملاقات کے لیے حاضر ہو گیا، اتنا سننے کے بعد حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ پھر تعویذ لکھنے میں مشغول ہو گئے۔میرا ذہن اس بات کی طرف گیا کہ کسی مرید کے لیے تعویذ لکھ رہے ہیں۔قلم آہستہ آہستہ چل رہا تھا، کافی دیر کے بعد ایک تعویذ لکھ کر بڑی خوب صورتی کے ساتھ موڑا، پھر کھلا ہوا تین تعویذ اپنے ہاتھ میں لیا اور کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد مجھ سے مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ بریلی شریف میں ایک مثل مشہور ہے کہ ’’الٹے بانس بریلی کو‘‘۔

میں حیرت سے حضرت کا چہرہ دیکھ رہا تھا کہ اس جملے کا آخر کیا مطلب ہو سکتا ہے؟ حضرت کے چہرۂ مبارک پر مسکراہٹ تھی اور اس مسکراہٹ کے عالم میں فرمایا کہ سید کمیل میاں! مثل کا کیا مطلب سمجھے؟ میں نے عرض کیا کہ حضور ہی اس کی وضاحت فرمائیں۔اس پر آپ نے فرمایا کہ جب باہر سے بریلی میں بانس آتا ہے تو لوگ کہتے ہیں ’’الٹے بانس بریلی کو‘‘ یہ تو خود ہی بانس بریلی ہے، یہاں بانس کی کثرت ہے، یہ کیسے باہر سے آ گیا؟ یہ فرما کر اشارتاً ارشاد فرمایا کہ کچھوچھہ مقدسہ خود ہی روحانیت کا مرکز ہے، وہاں کے بزرگوں کے روحانی فیض کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا ہے، وہاں کی دعا و تعویذ سے لوگ مستفیض ہوتے رہتے ہیں۔ان حضرات میں سے آپ کے والدِ محترم بھی ہیں، آج ان کی علالت طبع کی بنا پر میں ان کو تعویذ دے رہا ہوں۔حالاں کہ خود ان کی روحانیت کا فیض ہمہ وقت جاری رہتا ہے، اس لیے میری طرف سے ان کو تعویذ دینے کی کوئی خاص ضرورت نہیں تھی۔تاہم جس طرح سے ضرورت کے تقاضے کے مطابق بریلی میں بانس کی کثرت ہوتے ہوئے کبھی بانس باہر سے آ جاتا ہے، اسی طرح میں آپ کے والد صاحب کے لیے تعویذ بھیج رہا ہوں۔پھر فرمایا، یہ تعویذ آپ کے والدِ محترم کے لیے لکھا ہے۔اس میں تین تعویذ پینے کا ہے اور ایک تعویذ گلے میں باندھنے کے لیے ہے، میرا سلام عرض کرنا اور یہ تعویذ دے دینا۔اب سمجھے ’’الٹے بانس بریلی کو‘‘!

جو کچھ حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میں نے بڑے ادب کے ساتھ حضور مخدوم ثانی کی بارگاہ میں عرض کیا اور ساتھ ہی تعویذ بھی پیش کیا اور جب حضور مفتی اعظم کے جملے کو دہرایا تو اس وقت حضرت مخدوم ثانی علیہ الرحمہ کے چہرے پر مسکراہٹ کے آثار تھے حضور مفتی اعظم کو دعائیں دیں اور بڑی دیر تک ان کا تذکرۂ جمیل کرتے رہے، پھر ارشاد فرمایا کہ اس تعویذ سے بوئے محبت آتی ہے، اس تعویذ کو حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے خلوص و محبت نے اور ہی زیادہ پُراثر بنا دیا ہے، میں حضرت مفتی صاحب کے ارشاد و حکم پر ضرور ضرور عمل کروں گا۔

لیکن کسی شخص کے ذہن میں یہ بات آ سکتی ہے کہ جب حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو اس مثل کے ذریعہ یہ ثابت کرنا تھا کہ جس طرح بانس بریلی میں نہیں جانا چاہیے، اسی طرح کچھوچھہ مقدسہ کے کسی بزرگ کے لیے تعویذ کی کیا ضرورت؟ لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ ایک طبیب جسمانی کبھی دوسرے طبیب جسمانی کی مدد کرتا ہے، ٹھیک اسی طرح ایک بزرگ ہستی دوسرے بزرگ کی اپنی دعا و تعویذ سے جسمانی

علاج میں مدد کرنے کے علاوہ اپنے خلوص ومحبت کا اظہار فرماتا ہے، جس سے باہمی خوش گوار روابط کا ثبوت ملتا ہے، اس لیے اس میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو کسی بزرگ ہستی کے خلاف شان ہو۔ البتہ حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے اس عمل سے یہ احساس ضرور اجاگر ہوا کہ حضرت مخدوم ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے لیے ان کے فرزند یعنی میرے توسط سے تعویذ کا ارسال کرنا (جب کہ وہ دعا وتعویذ میں خود ایک اعلیٰ مقام رکھتے تھے) ان کی کشادہ دلی اور خلوص ومحبت کا بین ثبوت ہے، بل کہ روشن دلیل ہے۔

مفتی اعظم کا زہد وتقویٰ

بحر العلوم حضرت علامہ مفتی عبد المنان اعظمی مصباحی
سابق شیخ الحدیث الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

انسانوں میں پائی جانے والی خوبیوں کی دو بنیادی قسمیں ہیں۔ (۱) ذاتی (۲) اضافی۔

آدمی کی اضافی خوبیوں سے ہماری مراد وہ بڑائیاں ہیں جو کسی فرد کو کسی دوسری بڑی چیز سے رشتہ اور علاقہ کی بنیاد پر حاصل ہوں۔ مثلاً زید بہت بڑا آدمی ہے اس لیے کہ ایک بہت بڑے آدمی کا لڑکا ہے۔ عمر ایک بہت اونچا انسان ہے اس لیے کہ وہ ایک عالی خاندان کا فرد ہے۔ بکر ایک گریٹ جنٹلمین ہے اس لیے کہ وہ ایک فیمس جگہ کا رہنے والا ہے۔

الغرض وہ ساری خوبیاں جو خود انسان میں نہ ہوں بل کہ کسی بڑی سوسائٹی کا فرد، یا بڑے مقام کا باشندہ ہونے یا بڑے آدمی کے رشتہ ناتہ کے ذریعہ آدمی کو بڑا بناتی ہوں، وہ ہمارے نزدیک اضافی خوبی ہے۔

ہر چند کہ یہ خوبی انسان کی اصلی خوبی نہیں شمار کی جاتی۔ چناں چہ شعرا نے اس کی مذمت کی، حضرت سعدی فرماتے ہیں

ہنر بنما اگر داری نہ جوہر گل از خارست وابراہیم از آزر

’’تم میں کوئی خوبی اور کمال ہو تو دکھاؤ، تم اپنے حسب ونسب کی بڑائی نہ شمار کراؤ۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ پھول کانٹوں کے ہجوم میں مسکراتا ہے۔ اور ابراہیم علیہ السلام آذر بت پرست کے گھر میں ہوئے۔‘‘

اور حدیث پاک میں اسی پر تنقید کی گئی۔

من ابطأبه عمله لم يسرع به نسبه ۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۳ کتاب العلم) ’’جس آدمی کو اس کا عمل سست کر دے اس کو اس کا

خاندان آگے نہیں بڑھا سکتا، بل کہ خود قرآن عظیم میں بھی بڑائی اور بزرگی کا معیار نسب کو نہیں قرار دیا گیا۔ بل کہ اصلی اور ذاتی خوبیوں کو ہی کرامت کا معیار قرار دیا گیا۔"

ارشاد ربانی ہے: **اِنَّا جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ**۔ (سورۂ حجرات ۴۹/ ۱۳)

ہم نے تم کو مختلف خاندانوں میں باہمی امتیاز کے لیے اور تعارف کی خاطر بانٹا۔ اللہ کے نزدیک سب سے بزرگ وہی جو سب سے زیادہ خدا سے ڈرے۔

مگر اضافی خوبی کی یہ ساری تنقید اسی صورت میں ہے کہ آدمی صرف اضافی خوبیوں پر ہی اترائے ذاتی خوبیاں اس کے پاس کچھ نہ ہوں۔ ورنہ ذاتی خوبیوں کے ساتھ مل کر یہ اضافی خوبی بھی حسن وزیبائش کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ ایک دفعہ صحابہ نے آپ سے عرض کیا۔

من اکرم الناس یارسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم۔۔۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بزرگ کون ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **فاکرم الناس یوسف نبی اللّٰہ بن نبی اللّٰہ ابن نبی اللّٰہ ابن خلیل اللّٰہ**۔

(بخاری شریف، حدیث۔ ۳۳۷۴، احادیث کتاب الانبیاء، دارالکتاب العربی، بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام سب سے بزرگ ہیں کہ خود نبی ان کے باپ نبی ان کے دادا نبی اور پردادا تو ابراہیم خلیل اللہ۔"

ایک دفعہ خود اپنا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: **ان اللّٰہ اصطفیٰ کنانۃ من ولد اسماعیل واصطفیٰ قریشا من کنانۃ و من قریش بنی ھاشم واصطفانی من بنی ھاشم**۔

(مشکواۃ المصابیح ص۔ ۵۱۱ باب فضائل سید المرسلین، الفصل الاول مجلس البرکات مبارک پور۔)

اللہ تعالیٰ نے اولاد اسماعیل میں سے قبیلہ بنوکنانہ کو منتخب فرمایا اور بنوکنانہ میں سے قریش کے خاندان کا انتخاب کیا اور قریش میں بنو ہاشم کو اعزاز بخشا اور ان میں مجھ کو نبی مصطفی اور حبیب رب السما بنایا۔"

یہ دونوں حدیثیں ببانگ دہل اعلان کررہی ہیں کہ نسبی فضیلت اور خاندانی وجاہت بھی، باعث مدح وستائش اور سبب فضل وشرف ہے۔

ایک اور حدیث میں تو آپ نے خود اپنی ذات سے نسبی اور سببی علاقہ رکھنے والوں کی ایک غیر معمولی خوبی کا ذکر کیا۔ چناں چہ ارشاد ہے۔ **کل نسب و سبب یقطع یوم القیامۃ الانسبی و صھری** (کنزالعمال، حدیث۔ ۳۱۹۱۵، بیت الافکار الدولیہ، الریاض)

"تمام رشتے اور ناتے قیامت کے دن منقطع ہوجائیں گے میرے رشتے اور ناتے کے علاوہ۔

اور اسی علاقے پر مباہات کرتے ہوئے حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا۔

و بنت محمد خدنی و عرسی مسوط لحمھا بدمی و لحمی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی میری ہم راز اور میری دلھن ہے میرا اور ان کا خون اور گوشت ایک دوسرے سے مخلوط ہوگیا ہے۔

الغرض انسان کی اضافی خوبی بھی قابل لحاظ خوبیوں میں سے ہے، جب کہ وہ ذاتی محاسن سے عاری نہ ہو۔ پھر ذاتی محاسن کی بھی دو قسمیں ہیں۔ (۱) وہبی (۲) کسبی

وہبی خوبیوں کے دائرے میں وہ محاسن آتے ہیں جن کے حصول میں خود انسان کی اپنی کدوکاوش اور جدوجہد کو اتنا دخل نہیں

ہو۔ جیسے رنگ و روغن کی خوشنمائی قد و قامت کی دلربائی، اعضا کی موزونیت اور شخصیت کی دل کشی اور کسبی خوبیوں کی تو ایک لمبی فہرست ہے جنھیں ذکر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں، ہر شخص انھیں جانتا پہچانتا ہے۔

اور یہ دونوں خوبیاں فی الحقیقت ایسی ہیں جو انسان کے فضل وشرف کا معیار ہیں اور جن کی بدولت ایک کم حیثیت آدمی بھی اوج ثریا تک بلند پروازی کرسکتا ہے۔ بل کہ شہرت کے اعلیٰ مدارج تک پہنچتا ہے۔ اس میں بھی آخر الذکر کو اول الذکر پر غیر معمولی فضیلت حاصل ہے۔

بریلی کے غیر مسلموں کی زبان میں بڑے مولانا صاحب اور پورے ہندوستان کے سنیوں کی زبان پر مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی انھیں غیر معمولی انسانوں میں سے ہیں جنھیں قدرت نے اصلی اور اضافی وہبی اور کسبی، سبھی قسم کی غیر معمولی خوبیوں سے بڑی فیاضی کے ساتھ نوازا تھا۔

اضافی خوبیاں : سب سے پہلے میں آپ کی اضافی خوبیوں کا ایک شمہ بیان کرتا ہوں۔ آپ کے والد ماجد مجدد مائۃ رابعہ عشر حضرت مولانا الشاہ احمد رضا خان صاحب قدس سرہ العزیز انسانی شکل وصورت میں آیۃ من آیات اللہ (اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی) تھے۔ انھوں نے اپنی زبان کی لافانی تسخیری قوت، اپنی تحریر کا بے مثال زور اور اس کی غیر معمولی تاثیر روح اور اپنے بیکراں علم کا خزانہ عامرہ استعمال کر کے، بل کہ اپنی ذات کی تمام توانائیاں نچوڑ کر اسلام کے رخ زیبا پر جمی ہوئی صدیوں کی گرد صاف کی، جس کے نتیجے میں اسلام کا حسن فطرت نئی آب وتاب کے ساتھ دنیا کے سامنے جلوہ گر ہوا اور اسی وجہ سے اہل حق نے آپ کو مجدد گردانا اور اہل زیغ نے بدعتی کہا، یہ ان کی نگاہوں کا قصور اور طرز ادا کی خرابی تھی ورنہ انھوں نے بھی وہی دیکھا جو ساری دنیا کے حق پرستوں کو نظر آیا اور جسے حدیث مبارک میں بیان کیا گیا۔

ان اللہ عزوجل یبعث لھذہ الامۃ علی راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا (ابوداؤد، مشکوۃ مع مرآۃ ص ۲۱٤)

ان اللہ تعالیٰ یبعث علی رأس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا

بے شک اللہ تعالیٰ ہر صدی میں ایک مجدد مبعوث فرماتا ہے، جو دین کو نئی آب وتاب دیتا ہے۔

آپ کے دادا حضرت مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وقت کے امام اور اہل دل صوفیوں کے سرخیل تھے۔ صاحب تصانیف کثیرہ اور حق پرست خوش عقیدہ مسلمانوں کے سالار کارواں تھے۔ مولوی رحمان علی صاحب اپنی کتاب تذکرہ علماے ہند میں فرماتے ہیں۔

> ''ذہن ثاقب ورائے صائب داشت، خداے تعالیٰ وے را بعقل معاد و معاش ممتاز اقران آفریدہ بود۔ علاوہ شجاعت جبلی بصفت سخاوت وتواضع واستغنا موصوف بود۔ وعمر گراں مایۂ خود باشاعت سنت وازالۂ بدعت بسر برد۔''
>
> ''آپ تیز ذہن اور درست رائے رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں معاد ومعاش کی دانش وری میں اپنے زمانہ والوں سے ممتاز بنایا تھا۔ ان میں فطری شجاعت کے ساتھ سخاوت، تواضع اور بے نیازی بھی تھی۔ اپنی پوری عمر سنت کی حمایت اور بدعت کی نکایت میں بسر کی۔''

آپ کے دادا رضا علی خاں رحمۃ اللہ علیہ عارف کامل اور خدا رسیدہ بزرگ تھے، سالکان راہ جذب اور رہ روان راہ سلوک دونوں ہی آپ کی عظمت وسیادت کے معترف تھے۔ چہرہ دیکھ کر نوشتہ تقدیر پڑھ لیتے اور حال کے آئینے میں مستقبل کی تصویر دیکھ لیتے۔ مجدد ماۃ رابع

عشر حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب کو ولادت کے بعد آپ کی گود میں رکھا گیا۔ دیکھ کر خوش ہوئے اور فرمایا، میرا یہ بیٹا بہت بڑا عالم دین ہوگا۔

الغرض جہاں تک آپ کے نسب کا سلسلہ تاریخ کی روشنی میں ہے۔ سلسلہ کا ہر فرد گل سر سبد اور ہار کی ہر لڑی واسطۃ القلادہ ہے لیکن اوپر پانچویں پشت میں حضرت محمد اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے کیوں کہ انھوں نے بھی دولت وثروت کو لات مار کر زہد وتقویٰ اختیار فرمایا۔ اور ایک حکمران خاندان آپ ہی کی ہمت اور اولوالعزمی سے علم وعرفان کی راہوں پر چل پڑا۔ خود یہ بھی سلطان شاہ محمد خان کے وزیر اور ان کے والد سعادت یار خان وزیر مالیات، اور دادا حضرت سعید اللہ خاں صاحب ملقب بہ شجاعت جنگ بہادر منصب شش ہزاری پر فائز تھے۔ اور یہی وہ بزرگ ہیں جو قندھار سے ہندوستان تشریف لائے۔ جن کی وجہ سے چودھویں صدی میں تجدید و احیاے دین کی دولت ہندوستان کے حصے میں آئی۔

پس آباواجداد کی شرافت وکرامت اگر کسی انسان کی عظمت میں چار چاند لگاتی ہو تو حضور مفتی اعظم کو یہ حق پہنچتا ہے کہ کہیں

اولئک آبائی فجئنی بمثلهم اذا جمعتنا یا جریر المجامع

یہ ہمارے آباے کرام ہیں۔ اے جریر اگر قوموں کی بھیڑ میں تمھیں کوئی ان کا مثل مل سکے تو لاؤ۔

وہی خوبیاں: اس عنوان کے تحت میں سخت الجھن میں ہوں کہ قارئین پر اپنا مافی الضمیر کس طرح ظاہر کروں۔ کیوں کہ قامت کی دلکشی، ناک نقشہ اور چہرہ مہرہ کی دلربائی، رنگ وروغن کے حسن، اعضا کی موزونیت، عادات واطوار کی لطافت اور شخصیت کی دل آویزی کے بارے میں، اگر کسی جوان العمر انسان کا ذکر کیا جائے تو بات قرین قیاس ہے۔ لیکن یہاں ایک ایسے شخص کا ذکر ہے جو عمر کی اسّی منزلیں طے کر چکا تھا۔ سارے بال سفید ہو گئے تھے۔ قامت کا وہ تناؤ جو جوانی کے ساتھ مخصوص ہے ختم ہو چکا تھا اور جسم کی کھال کہیں کہیں سکڑی معلوم ہوتی تھی ان سب کے باوجود حال یہ تھا کہ جس راستے سے گزر جائیں، دیکھنے والوں کی بھیڑ لگ جائے۔ جس محفل میں بیٹھ جائیں، لوگ ٹکٹکی باندھکر دیکھتے رہ جائیں۔ جس سے مصافحہ کر لیں وہ اسے اپنی سعادت تصور کرے۔

یہ ان دنوں کا ذکر ہے جب آپ بیمار چل رہے تھے۔ ضعف ونقاہت کی وجہ سے آپ نے باہر کا سفر اور گھر کا دربار عام دونوں ہی موقوف کر دیا تھا اور تھوڑی دیر کا بیٹھنا بھی آپ پر بار تھا۔ عرس رضوی کے موقع پر لوگ بڑی جدوجہد کے ساتھ حضرت کو سہارا دے کر تھوڑی دیر کے لیے مجلس قل میں لائے۔ اختتام قل کے بعد مصافحہ کے لیے جو انسانوں کا ریلا چلا ہے تو سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ بڑی مشکل سے لائن بنائی گئی۔ مگر جو آتا مصافحہ کے بعد دست بوسی اور دست بوسی کے بعد قدمبوسی، پھر قدم بوسی کے لیے جھکنے والے پر آپ کی ناگواری، اس کو ہاتھ سے روکنا اور استغفر اللہ استغفر اللہ پڑھنا۔ الغرض جو آتا ٹلنا نہیں چاہتا تھا۔ اور آپ کے قرب کی دولت کو نعمت ابدی تصور کرتا۔ لوگ اس درجہ خود غرض ہو گئے تھے کہ انھیں حضرت کی کمزوری اور تکلیف کا بھی مطلق خیال نہ رہ گیا تھا۔

میں نے حضرت کی غیر معمولی تکلیف کا خیال کر کے لوگوں کا ہاتھ پکڑ پکڑ کر زبردستی حضرت کے سامنے سے ہٹانا شروع کیا۔ آپ نے دو ایک دفعہ ہاتھ میری طرف اٹھایا۔ مگر میں نے مطلب نہیں سمجھا تو مولانا رحمانی میاں صاحب نے فرمایا۔ سختی سے لوگوں کو نہ ہٹایئے وہ بھی اپنے جذبہ شوق سے مجبور ہیں۔ میں نے دل میں سوچا سبحان اللہ یہ لوگ حصول برکت کی دھن میں اندھے ہو گئے ہیں اور اپنے اظہارِ شوق سے حضرت کو غیر معمولی تکلیف پہنچا رہے ہیں۔ یہ لوگ تو مارنے کے لائق ہیں۔ اور خود حضرت کا یہ حال ہے کہ ان کی دل شکنی نہ ہو اور ع

انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

پھر دل ان کے اتباع سنت کے وقار سے معمور ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے والوں کا بھی یہی بیان ہے کہ خود تکلیف اٹھا لیتے ہیں لیکن دوسروں کی دل شکنی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ایک صاحب آپ بیتی بیان فرماتے ہیں۔

ما رایت معلما قبله ولا بعده احسن معلما منه فواللّٰه ماکھرنی ولا ضربنی ولا شتمنی قال:ان ھٰذہ الصلاۃ لا یصلح فیھا شئی من کلام الناس انما ھو التسبیح والتکبیر وقراءۃ القرآن۔

(مسلم شریف۔حدیث۔۱۱۹۹ کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ،دار الکتاب العربی،بیروت)

’’ایک انجان اعرابی نے مسجد نبوی میں پیشاب کر ڈالا آپ نے نہ انھیں مارا نہ جھڑکا،نہ مسجد صاف کرنے کا انھیں حکم دیا بل کہ نرمی سے انھیں سمجھایا فرمایا۔مسجدیں اس کام کے لیے نہیں اور صفائی کا دوسرے کو حکم دیا۔

یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا گزارش یہ کرنی تھی،لوگوں کے اس جذبۂ شوق اور وارفتگی کے سبب آپ کی شخصیت کی دل کشی کے علاوہ اور کیا تھا؟

ہوسکتا ہے یہاں کسی کو خیال ہو۔مذکورہ بالا واقعہ میں جس رجوع عام اور اظہار شوق کا ذکر کیا گیا ہے اس کا سبب آپ کی شخصیت کی دلکشی نہیں،بل کہ روحانیت اور بزرگی ہے۔تو میں گزارش کروں گا کہ میں یہاں جس دل کشی کا ذکر کر رہا ہوں اس میں بزرگی میں کوئی مناسبت نہیں۔میں یہاں کسی جوان العمر شخصیت کی دل کشی کا ذکر بھی نہیں کر رہا ہوں۔میں تو ایک ایسی شخصیت کا ذکر کر رہا ہوں جس میں یہ دل آویزی،یہ جمال اور یہ دل کشی اس کی روحانیت اور بزرگی ہی نے پیدا کی ہے۔

ان الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَھُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا۔ (سورۂ مریم ۹۶/۱۹)

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کیے اللہ پاک مخلوق کے دل میں ان کی محبت پیدا فرماتا ہے۔

پھر بھی میں ایک ایسا واقعہ ذکر کر رہا ہوں جس میں مذکورہ بالا شبہہ کی بھی گنجائش نہیں۔

ایک دفعہ کلکتہ سے واپسی پر ہوڑہ اسٹیشن پر حضرت کا ساتھ ہو گیا۔کچھ لوگ پہنچانے کے لیے بھی آئے تھے۔گاڑی میں ابھی دیر تھی اور بنچیں ساری بھر گئی تھیں۔اس لیے زمین پر ہی حضرت کے لیے فرش بچھا دیا گیا۔بس پھر کیا تھا۔سینکڑوں مسلموں اور غیر مسلموں نے آپ کو گھیر لیا۔نہ کبھی کی دید نہ شنید،نہ تعارف مگر ہر انجان جاننے کی کوشش کر رہا ہے کہ کون بزرگ ہیں؟ کہاں کے رہنے والے ہیں؟ کہاں آئے تھے اور کہاں جائیں گے؟

میں کہوں گا عرس کی تقریب میں تو اس قبول عام کی وجہ عقیدتمندوں اور مریدوں کی معرفت تھی۔ہوڑہ اسٹیشن پر انجانوں میں اس قبول عام کا سبب آپ کی پرکشش شخصیت کے علاوہ اور کونسی چیز تھی۔سراپا پر نظر پڑ گئی اور جم کر رہ گئی،قدم رک گئے اور دل بے اختیار کھینچنے لگے۔

کسی نے خوب کہا ہے ؎

صداقت ہو تو دل سینے سے کھینچنے لگتے ہیں واعظ حقیقت خود کو منوالیتی ہے مانی نہیں جاتی

خود میری وارفتگی اور گرویدگی کا سبب حضرت کا کوئی غیر معمولی علمی کارنامہ یا ان کی عظیم بزرگی اور خدا رسیدگی نہیں ہے۔مجھے پہلے سے اتنا معلوم تھا کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے ہیں۔مگر جب دیکھا تو یہ ان کی شخصیت کی دل کشی ہی تھی جس نے مجھے اپنی طرف کھینچ لیا۔زندگی میں انھیں سینکڑوں بار دیکھا اور مختلف حالتوں میں دیکھا،مگر جب دیکھا جلال ووقار،حسن ودل کشی کا مرقع دیکھا اور جس حال میں دیکھا ان کی ہر ادا دل کو بھاتی رہی۔

''میں نے ان کو بیٹھ کر تعویذ لکھتے ہوئے دیکھا ہے اور بیشتر اوقات وہ تعویذ ہی لکھتے رہتے تھے۔ سر پر قیمتی بھاگل پوری عمامہ، جسم پر قیمتی چکن کا نہایت صاف کرتا، اس پر سنگھائی، پولسٹر یا قیمتی کپڑے کی رنگین صدری، گلے میں گلاب کے پھولوں کا خوش نما ہار، پیر میں علی گڑھی پجامہ، جو چھالٹی کا بھی ہوتا اور ٹیری کاٹ کا بھی، جتنا جسم کپڑے سے باہر ہوتا نہ چونے کی طرح سفید نہ گیہوں کی طرح سرخ بل کہ سفید گیہوں کی طرح دودھیا۔ اور چہرے پر ایک خاص قسم کی چمک (حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ کا بیان ہے کہ یہ چمک شب زندہ داروں اور تہجد گزاروں کی علامت ہے) بایاں زانو زمین پر رکھا ہوا اور دایاں کھڑا ہوا، اسی پر رکھ کر تعویذ لکھتے رہتے تھے۔ کاغذ پر تعویذ کے خانوں کی لکیر لوگ بائیں سے کھینچتے ہیں۔ آپ داہنے سے ہی بلا تکلف نہایت صاف سیدھی لکیریں بناتے تھے۔ کاغذ پھاڑنے کے لیے اس کو موڑنے اور نشان ڈالنے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ تعویذ مکمل ہو گیا تو دائیں ہاتھ کی انگشت شہادت کے اشارے سے اور بائیں ہاتھ سے کاغذ دبا کر، جہاں سے ضرورت ہو بقیہ کاغذ آہستہ آہستہ الگ کر لیا اور کاغذ کبھی بے قاعدہ یا غلط نہیں پھٹتا تھا۔

اب میں کیا عرض کروں؟ عمامہ شاندار نظر آتے یا بدوضع، عام طور پر لوگ عمامہ اہتمام سے ہی باندھتے ہیں مگر حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو میں نے کبھی بھی عمامہ اہتمام سے باندھتے نہیں دیکھا، باندھنے کی بجائے اس کو لپیٹنا کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ مگر زندگی میں کم لوگوں کو دیکھا جن کے سر پر عمامہ اتنا خوبصورت معلوم ہوتا ہو۔ معلوم ہوتا تھا کہ عمامہ کی وضع انھیں کے فرق اقدس کے لیے ہوئی ہے۔

یوں ہی علمائے کرام میں ایک سے ایک مرصع لباس پہننے والے ملے۔ ان کی بڑائی کی وجہ سے میں ان کے لباس پر خاموش رہا ہوں یہ اور بات ہے کہ لیکن دل میں ہمیشہ ناگواری ہی رہی اور سادہ پسندی کی وجہ سے اکثر و بیشتر علمائے کرام کا میں شاکی ہی رہا مگر اقرار کرتا ہوں کہ حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے لباس فاخرہ کو میں نے ہمیشہ مستثنیٰ قرار دیا اور دل نے ہر بار یہی فیصلہ دیا کہ جس کے جسم پر لباس ایسا پھبتا ہو اس کو بلاشبہ ہر عمر میں ایسا ہی لباس پہننے کا حق حاصل ہے۔ واللہ العظیم میں نے اتنا جامہ زیب انسان وہ بھی اتنا بوڑھا دیکھا ہی نہیں۔

مالا گلاب کی ہو یا گیندے کی مجھے کبھی نہیں بھائی، اگرچہ خود بھی پہنا اور لوگوں کو بھی پہنے ہوئے دیکھا مگر حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ ان کے گلے میں سرخ گلاب کی مالا ایسا زیب دیتی تھی کہ بار بار جی چاہا کہ ایک مالا خرید کر میں بھی گلے میں ڈال دوں۔ پھولوں کے ہجوم میں آپ کا چہرہ خود ایک پھول نظر آتا تھا۔

میں نے ان کو چلتے ہوئے بھی دیکھا ہے : مذکورہ لباس پر دبیز پولسٹر چکن کی ایک نیچے دامن، پوری آستین، بنگلے گلے کی عبا کا اضافہ ہو جاتا۔ دائیں ہاتھ میں عصا اور بائیں کو موڑ کر اس میں ایک رومال دابے ہوئے رہتے۔ دور سے معلوم ہوتا ایک خوبصورت گلدستہ ہولے ہولے حرکت کر رہا ہے اس آہستگی اور نرمی سے زمین پر قدم رکھتے تھے کہ معلوم ہوتا پھول برس رہے ہیں۔ میں نے بار بار سوچا سبحان اللہ! زمین پر نرم قدم رکھ کر اور سر جھکا کر چلنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ جب اس سنت رسول کی نقل اتنی دل کش ہے تو صاحب سنت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل رفتار کس درجہ حسین و دل ربا رہی ہوگی؟

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

میں نے آپ کو دستر خوان پر کھاتے بھی دیکھا ہے : جبل پور میں حضرت مولانا برہان الحق زید مجدہم کے یہاں آپ مہمان تھے۔ دستر خوان نہایت مکلف اور وسیع تھا۔ اس علاقہ میں کڑھی بڑے اہتمام سے پکتی ہے جو اتفاق سے حضور مفتی اعظم کو بھی مرغوب تھی۔ دستر خوان پر وہ بھی سامنے رکھی ہے، آپ ہاتھ سے اس کی پلیٹ ذرا اور کھسکا رہے ہیں، اور فرماتے ہیں مجھے زکام ہوا ہے، یہ نقصان کرے گی، اور لوگ منت و سماجت کر رہے ہیں، نہیں حضور یہ تو زکام کو مفید ہے۔ اس سے زکام بہہ کر صاف ہو جاتا ہے۔ الغرض کافی عرض و معروض کے

بعد آپ نے اس سے تھوڑا شوق فرمایا۔سرخ مرچوں اور لہسن کی چٹنی بھی آپ کو پسند تھی۔روٹی کا چھلکا شوربے میں ڈبو کر اس طرح منہ میں رکھتے کہ ہاتھ کم سے کم حصہ آلودہ ہوتا۔تین انگلیوں سے کھانے کا انداز مسنون ہے۔یہ حدیثوں میں پڑھا تھا۔لیکن حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ کر اس کی عملی مشق بھی فراہم ہوئی اور یہ معلوم ہوا کہ یہ ڈھنگ حسن ونفاست سے بھرپور اور آنکھوں کو بھی بھلا لگنے والا ہے۔

مختصر لقمہ منہ میں رکھ کر منہ بند کر کے دیر تک چلاتے رہتے۔ساتھ ہی سر کو بھی تھوڑی جنبش ہوتی رہتی۔مجھے ان کے اس طرح منہ چلانے کا انداز بھی بے حد بھلا لگتا اور ان کے ساتھ دسترخوان پر میں کام ودہن کی لذت کے ساتھ حسن نظارہ کا کیف بھی حاصل کرتا تھا۔

ایک دفعہ مئو اسٹیشن پر اپنے ساتھ کھانے پر بٹھالیا۔میں اپنی عادت کے موافق لمبے لمبے ہاتھ مارنے لگا۔اور حضرت اپنی عادت کے موافق تناول فرمانے لگے۔تھوڑی دیر میں مجھے احساس ہوا کہ میں حضرت کے ساتھ کھانے کے لائق نہیں اور حسن وادب کے ساتھ کھانے کا سلیقہ بھی ایک فن ہے۔

ایک دفعہ آپ ٹرین میں سفر فرمارہے تھے۔ڈبہ میں کسی غیر مسلم نے بائیں ہاتھ سے کھانا شروع کیا۔آپ نے فرمایا میاں کھانا دائیں ہاتھ سے کھاتے ہیں۔اس نے جواب میں کہا بابا میں مسلمان نہیں۔مطلب یہ کہ مسلمان ہوتا تو دائیں ہاتھ سے کھاتا کہ دائیں ہاتھ سے کھانا سنت ہے۔آپ نے فرمایا،ارے میاں مسلمان نہیں ہو تو انسان تو ہو۔سبحان اللہ کیا عمدہ ہدایت ہے کہ بائیں ہاتھ سے کھانا انسانیت کے بھی خلاف ہے۔

ایک دفعہ دعوت میں کھانے کے بعد کسی نے لائف بوائے صابن سے ہاتھ دھلانا شروع کیا۔فرمانے لگے سبحان اللہ! کھانا کتنا عمدہ کھلایا اور ہاتھ اتنے بدبودار صابن سے دھلایا۔کھانے کے بعد کوئی خوشبودار صابن ہونا چاہیے۔

آپ کے کھانے کی نشست بھی عموماً ایک زانو موڑ کر اور دوسرا کھڑا کر کے ہوتی میں نے آپ کو چار زانو بیٹھے کبھی نہیں دیکھا۔سفر میں چاہے کتنے روز گزر جائیں مشتبہ اور دوکان کے کھانے سے پرہیز کرتے۔حقہ مسلسل نوش کرتے مگر ہر کش نہایت خوش گوار اور باسلیقہ ہوتا۔

الغرض آپ کا کھانا بھی حسن ونفاست اور خوشنمائی کا ایک خوشگوار عمل ہوتا اور جب آپ دسترخوان سے اٹھتے تو معلوم ہوتا کہ آپ نے کھانا نہیں کھایا ہے دسترخوان کو نوازا ہے۔

میں نے آپ کو بستر پر آرام کرتے بھی دیکھا ہے : پیلی بھیت میں عرس حشمتی کے موقع پر بعد قل مولانا مرحوم کے آنگن میں ہی حضرت کے لیے بستر لگا۔میں نے دیکھا فی الوقت کوئی خادم نہیں ہے۔تو تھوڑی دیر میں نے ہی پاؤں دبایا۔آپ کے افعال متانت وآہستگی دیکھ کر یہ خیال ہوتا تھا کہ آپ کا جسم بے حد ملائم اور نرم ہوگا۔مصافحہ کے وقت ہاتھ کی نرمی سے بھی یہی اندازہ ہوتا تھا۔لیکن مجھے حیرت ہوئی کہ آپ کی پنڈلیاں اور رانیں کافی سخت محسوس ہوئیں۔دائیں کروٹ رخسار کے نیچے ہاتھ رکھ کر،اور پاؤں ذرا سمیٹ کر آرام کر رہے تھے۔سونے کے اس انداز کے بعد مجھے دوسرے تمام طریقوں پر تنقیدی نظر ڈالنی پڑی،اور اس کے مقابلے میں سب کو ہی رد کرنا پڑا۔پٹ سونے کی تو حدیث شریف میں ممانعت آئی ہے۔چت ہاتھ پاؤں پھیلا کر سونے میں مردے کا گمان ہوتا ہے۔حق یہ ہے کہ زندگی اور زندہ دلوں کا سونا وہی ہے جو سنت رسول ہے اور حضور مفتی اعظم جس پر کاربند تھے۔

آپ کی نماز کا منظر بھی دیکھنے کا ہوتا تھا : گھر سے آپ کے برآمد ہوتے ہی کئی آدمی آپ کے آگے پیچھے سے گھیر لیتے،اور مسجد کے دروازہ تک پہنچتے پہنچتے جو مشکل سے پچاس قدم کی دوری پر ہوگا،کسی کو دست بوسی کا شرف بخشتے۔کسی کو مصافحہ سے نوازتے اور کسی کے سلام کا جواب دیتے۔اتنے میں مسجد کے دروازے میں داخل ہو جاتے۔نہایت متانت وآہستگی سے **اللھم افتح لی**

ابواب رحمتک پڑھتے اور عمامہ اتار کر وضو کے لیے بیٹھ جاتے ۔ جو شخص عام انسانوں کے سامنے کبھی بھی سر کھول کر نہ آیا ہو جس کو لوگوں نے علی العموم ،تاج کرامت اور کلاہ عزت کے ساتھ دیکھا ہو اور جو مسجد میں ابھی ابھی اس شکوہ کے ساتھ داخل ہو۔ وہ اپنے رب کے حضور یوں ننگے سر ہو کر خادمانہ حاضر ہو، یہ دیکھ کر دوسروں میں بھی جذبہ عبودیت مچلنے لگتا تھا۔خادم ایک بڑے لوٹے میں نصف کے قریب پانی پاس ہی رکھ دیتا اور آپ اسی متوضاء پر تشریف فرما ہوتے جہاں وضو کے لیے پائپ لگے ہوتے ہیں۔پہلی بار جب میں نے یہ حالت دیکھی تو مجھے یہ طول عمل معلوم ہوا۔لیکن دریافت سے معلوم ہوا کہ نل سے وضو کرنے میں پانی زیادہ ضائع ہوتا ہے اس لیے حضرت نل سے وضو پسند نہیں کرتے کہ وضو میں پانی کا ضائع کرنا اسراف ہے۔ میں نے پوچھا پانی کیوں آدھا لوٹا رکھا گیا تو معلوم ہوا کہ لوٹا بھر دیا جائے تو حضرت کے ہاتھ سے اٹھ نہ سکے گا۔خیال ہوا کوئی دوسرا وضو کرادیتا، دوسرے لمحہ خیال آیا وضو خود ہی کرنا مستحب ہے۔

سارے اعضا سنت کے موافق مکمل طور پر دُھلتے۔ چہرہ دھلتے وقت البتہ دسیوں بار آنکھوں پر پانی کے چھینٹے دیتے چوں کہ کسی کے دل میں یہ خیال آسکتا تھا کہ کہاں تو پانی کے استعمال میں وہ احتیاط اور کہاں یہ کشادہ دستی، دفع شبہہ کے لیے خود ہی فرمادیتے۔ بار بار آنکھیں چپک جاتی ہیں یعنی آنکھ سے بطور مرض جو پانی نکلے ناقض وضو ہے۔ پورے وضو میں ادعیہ ماثورہ کی تلاوت پست آواز میں جاری رہتی۔

ارکان نماز کی ادائیگی میں تو معہود طریقہ ہی برتتے ،لیکن خشوع وخضوع کا یہ عالم تھا کہ پوری نماز میں میں آپ کے وجود پر عبودیت کی شان اور بندگی کا جمال طاری رہتا تھا۔ دیکھنے والا دور سے ہی فیصلہ کرلیتا تھا کہ ایک مومن قانت نے اپنے مولا کی رضا جوئی کے لیے اپنے وجود کو عجز ودر ماندگی اور عرض والتماس کے سانچے میں ڈھال لیا ہے۔**وقوموا الله قانتین**

آخری اوقات میں جب ضعف ونقاہت میں بے حد اضافہ ہو گیا تھا اور بیٹھے رہنے میں بھی تکلیف ہوتی تھی۔ یہ دیکھا گیا کہ مسجد میں جب تک بیٹھے ہیں مسلسل کراہ رہے ہیں۔اٹھتے ہیں تو سہارا دیا جاتا ہے۔ بیٹھتے ہیں تو سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔ چلتے ہیں تو لوگ دونوں طرف سے سنبھالے رہتے ہیں۔لیکن جیسے ہی تکبیر شروع ہوئی ایسی چستی کے ساتھ کھڑے ہوجاتے جیسے کوئی تکلیف ہی نہ ہو۔ پوری نماز قیام ورکوع کے ساتھ نہایت تندہی اور مستعدی کے ساتھ ادا کرتے اور اُف تک کی صدا لب تک نہ آتی۔ جیسے قیام وقعود اور رکوع وسجود کی مشقتیں خشیت الٰہی اور خوف ربانی میں تحلیل ہوگئی ہوں کہ ارشاد الٰہی ہے۔

وانہا لکبیرۃ الا علی الخاشعین۔ (سورۂ بقرہ ۲/ ۴۵) بے شک نماز سخت بوجھل اور گراں ہے مگر اللہ کے خوف سے ڈرنے والوں کے لیے۔

یا یوں کہیے کہ ساری کلفتیں راحت وآرام میں بدل گئیں کہ ارشاد نبوی ہے۔

قرۃ عینی فی الصلوٰۃ۔میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا چین نماز ہے۔

ہماری مذکورہ بالا تحریر کا مقصد یہ تھا کہ علم وفضل وتقویٰ وطہارت اور دیگر اخلاق فاضلہ سے قطع نظر خود آپ کی ذات بابرکات بھی اتنی پرکشش تھی کہ بے اختیار دل مائل ہونے لگتے ،آنکھیں فرط عقیدت سے جھکنے لگتیں اور روح کی دنیا مسخر ہونے لگتی۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی ذات مبارک پر تسخیر قلوب واطاعت اذہان اور محبوبیت عیون وابصار کی خلعت فاخرہ ڈال رکھی تھی۔اس سلسلے کی ایک اور خاص بات جس کو میں نے نوٹ کیا اور جو آپ میں اور شموگہ کے ایک بزرگ حضرت درویش بابا میں، میں نے مشترک دیکھی یہ تھی کہ اخیر عمر میں جب جسم گھل کر بالکل ہاڑ رہ گیا تھا۔ اس وقت بھی چہرہ پر گوشت اور نہایت بارونق تھا۔ چہرہ دیکھ کر کوئی یہ اندازہ ہی نہیں لگا سکتا تھا کہ اندر سے یہ اس درجہ دبلے ہوں گے۔ حضرت درویش کو تو میں بار بار دیکھ چکا تھا۔لیکن حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو اس طرح

دیکھنے کا زندگی میں صرف ایک بار موقع ملا۔ جب ایک دفعہ بغل بنوانے کے لیے لوگوں نے جسم سے کپڑا ہٹایا تو مجھے شدید احساس ہوا کہ چہرے اور جسم کے اس تفاوت کی خصوصیت حضرت میں بھی ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ تسخیر خلائق اور شخصیت کی دلکشی کا جوہر بھی روحانیت کی برکت اور قربت خدا اور سول کا ہی ثمرہ ہے۔

کسبی محاسن : حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے کسبی کمالات کے لیے تو ایک دفتر کی ضرورت ہے۔ کیوں کہ وہ ایک بہت بڑے عالم تھے۔ سواد اعظم اہل سنت و جماعت کے سب سے بڑے فقیہہ تھے۔ متعدد دینی کتابوں کے بالغ نظر مصنف تھے، اہل دل صوفی اور باکمال بزرگ تھے، بل کہ میرے نزدیک معمولات ذکر وفکر میں ان کی ایک مجتہدانہ شان تھی، وعظ وتقریر نہیں فرماتے تھے، لیکن لوگوں کی رشد وہدایت کے لیے ان کے چند جملے لمبی لمبی تقریروں پر بھاری تھے۔ داد و دہش اور بذل وعطا میں شاہانہ انداز تھا۔ مدتوں مدرسہ مظہر اسلام ان کے ذاتی صرفہ سے چلتا رہا۔ انھوں نے ہزاروں مقدمات کا منصفانہ فیصلہ فرمایا۔ مختصر یہ کہ آپ کی کسبی خصوصیات سے متعلق اسی طرح کے بیسیوں عنوان ہیں اور ہر عنوان قلم سے اپنے حق کا مطالبہ کر رہا ہے۔ مگر اس مختصر مضمون میں ان سب کی گنجائش کہاں۔ میں اس وقت صرف اتباع شرع ومتابعت سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں چند مثالیں پیش کر رہا ہوں۔

(۱) جمعہ کے دن مصلیوں کی گردن پھلانگ کر آگے جانے والوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک وعید ہے۔

من تخطی رقاب الناس یوم الجمعة اتخذ جسرا الی جهنم (مشکوٰۃ شریف، حدیث۔ ۱۳۹۲ دارالفکر، بیروت) ”جس نے جمعہ کے دن لوگوں کی گردنیں پھلانگیں، اس نے جہنم کی طرف پل بنایا۔

اس فرمان والاشان کے بموجب شریعت اسلامیہ کا یہ حکم ہے کہ جمعہ کے دن جامع مسجد میں مصلیوں کی گردن پھلانگ کر آگے جانا شرعاً ممنوع اور معصیت ہے۔ ہاں اگلی صف والوں نے جگہ چھوڑ رکھی ہو تو اسے پُر کرنے کے لیے آگے جایا جا سکتا ہے کہ صف پُر کیے بغیر پیچھے بیٹھ کر ان لوگوں نے اپنی حرمت خود ضائع کی۔

اس شرعی مسئلہ کو مدنظر رکھ کر مندرجہ ذیل واقعہ ملاحظہ فرمائیں:

۳۰، ۳۵ سال پہلے کی بات ہے کہ اشرفیہ کے سابق ناظم الحاج محمد عمر صاحب مرحوم کے خلف الصدق حضرت مولانا نثار احمد صاحب غالباً پہلی بار مبارک پور میں حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو لائے اور آپ کی یہ تشریف آوری بالکل نجی اور بغیر کسی سابقہ اطلاع کے صرف شخصی دعوت پر ہوئی، اس لیے عوام اہل سنت تو کیا، اشرفیہ کے لوگوں کو بھی اس کی پیشگی خبر نہ ہو سکی۔ دن جمعہ کا تھا، جمعہ کے وقت مولانا نثار احمد صاحب حضرت کو لے کر اس وقت پہنچے کہ مسجد بھر چکی تھی، موسم گرمی کے تھے اس لیے مصلیوں کی آخری صفیں دھوپ سے بچنے کے لیے بالکل مسجد سے ملی جلی مسجد کی پوربی دیوار کے سایہ میں بیٹھی ہوئی تھیں۔

حضرت کرتا پائجامہ اور غالباً زرد رنگ کی صدری اور دو پلی ٹوپی اوڑھے ہوئے تشریف لائے، گرمی سے بچنے کے لیے تولیہ سر پر ڈال رکھا تھا۔

آج سے لگ بھگ تیس پینتیس سال قبل اہل مبارک پور کے دل میں، علما و مشائخ کی جو قدر و منزلت تھی، ادھر حضرت کا پرنور چہرہ اور دلکش شخصیت پھر ساتھ میں مولانا نثار احمد لوگوں نے دیکھتے ہی اندازہ لگا لیا کہ کوئی بڑے عالم دین ہیں، اچھے بزرگ ہیں، اور ادھر ادھر کھسک کر آگے جانے کے لیے آپ کو راستہ دینے لگے کیوں کہ مسجد میں علما کے ساتھ ان کے احترام عقیدت کا یہی معمول تھا۔ لیکن حضور مفتی اعظم دھوپ میں ہی تولیہ بچھا کر سب سے پیچھے بیٹھ گئے اصرار کے باوجود آگے نہیں بڑھے۔ یہ سارا واقعہ ادھر بھی ہو رہا تھا جدھر میں تھا۔ نماز کے بعد میں نے معلوم کرنا چاہا یہ کون بزرگ تھے تو معلوم ہوا کہ مفتی اعظم ہند!

غالباً یہ میری پہلی زیارت تھی، دل نے فیصلہ کیا سبحان اللہ! مسئلہ ہم لوگ بھی پڑھتے ہیں لیکن صرف پڑھنے کے لیے اور یہ اللہ والے پڑھتے ہیں تو عمل کرنے کے لیے۔

آپ کے اس عمل میں اتباع شریعت کے ساتھ احیاے سنت بھی پائی جارہی ہے۔ کہ لوگ آج کل اس سے غافل ہیں، اور مسجد میں لوگوں کی گردنیں پھلانگنے میں کوئی خوف نہیں محسوس کرتے۔

(۲) گزشتہ صفحات میں ہم نے ایک حدیث نقل کی کہ مسجد امور دنیا کے لیے نہیں ہے۔ اسی حدیث کی روشنی میں حضرات علماے شرع نے مسجد میں کھانے پینے اور سونے، تجارت وغیرہ امور دنیا سے منع فرمایا صرف معتکف کو اجازت ہے، وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ مسجد آلودہ نہ ہو اور اسی لیے یہ مستحب ہے کہ آدمی مسجد میں جب بھی داخل ہو اعتکاف کی نیت کرے اور کچھ ذکرِ الٰہی میں مصروف رہے۔ اگر بہ ضرورت کچھ کھانا پڑے تو معتکف ہونے کی وجہ سے اس کی اباحت ہوگی۔

مسئلہ شرعی ذہن نشین کر لینے کے بعد حضرت کی احتیاط شرعی ملاحظہ ہو۔

ایک دفعہ بریلی حاضری ہوئی۔ اور رات میں قیام کا اتفاق پڑا۔ شہر کے کسی حصہ میں میلاد شریف کی تقریر تھی۔ حضرت کے ساتھ میں بھی شریک جلسہ ہوا جلسہ میلاد ایک مسجد میں تھا اور نہایت مختصر سامعین تھے۔

مجمع کم ہو یا زیادہ میرا بارہا کا یہ تجربہ ہے کہ جس جلسے میں حضور مفتی اعظم یا حضور حافظ ملت ہوں وہ جلسہ بے حد پر کیف ہو جاتا تھا۔ تقریر خوب جمتی تھی اور مقرر اور سامع دونوں ہی کافی محظوظ ہوتے تھے۔

چنان چہ اس جلسہ میں بھی روایت خوانی کے بعد میں نے تقریر شروع کی۔ مختصر تعداد کے باوجود جلسہ بے حد پر کیف اور کامیاب رہا اور آپ حسب معمول جلسہ میں آنکھیں بند کیے تشریف فرما رہے۔ کوئی خاص مقام آتا تو آنکھیں کھول کر مقرر کو دیکھ لیتے اور جب بہت تاثر ہوتا تو آنکھیں بھیگ جاتیں اور ڈبڈبائی نظروں سے دیر تک مقرر کو تکتے رہتے۔

ختم وعظ کے بعد صاحب مجلس نے حاضرین کی چائے سے تواضع کی حضرت نے چائے کی پیالی ہاتھ میں لے کر ارشاد فرمایا ہم نے مسجد میں داخل ہوتے وقت اعتکاف کی نیت کرلی تھی جس نے نہ کی ہو اب کرلے کہ مسجد میں غیر معتکف کو کھانا پینا منع ہے۔

بادی النظر میں یہ معمولی ادب ہے۔ لیکن غور سے دیکھا جائے تو جو شخص شریعت کے کسی ادنیٰ درجہ کے ادب پر بھی اس شدت کے ساتھ مواظبت فرمائے۔ دیگر احکام شرعیہ کی بجا آوری میں اس کا کیا حال ہوگا۔ ساتھ ہی اس واقعہ سے رفع شبہ اور ہدایت خلق کے اہتمام کا بھی پتہ چلتا ہے۔

(۳) حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے، جس سے مسلمانوں کی حقیقی شان اور ان کے داعی حق ہونے کے منصب کا اظہار ہوتا ہے۔

من رای منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ وان لم یستطع فبقلبہ وذٰلک اضعف الایمان۔

(کنز العمال، حدیث۔ ۵۵۲۴، بیت الافکار الدولیہ، الریاض)

تم میں سے جو کوئی برائی دیکھے تو اس کو اپنے ہاتھ سے بدل ڈالے، اگر ہاتھ سے بدلنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو زبان سے اس کی برائی بیان کرے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل میں اس کو برا سمجھے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔"

اور اسی امر کو قرآن عظیم نے اپنے انداز میں بیان کیا ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (سورۂ آل عمران ۹/ ۱۱۰)

''تم لوگ بہترین امت ہو جو انسانوں کے لیے بنائے گئے ہو تا کہ لوگوں کو نیکی کا حکم دو اور برائیوں سے روکو۔''

مگر اسلام میں جتنی اس کی تاکید ہے۔ عام لوگ اسی نسبت سے مداہنت اور زمانہ سازی میں بکثرت مبتلا ہیں۔ خاص خاص مردانِ حق اور خاصان خدا البتہ ہر زمانہ میں اس فرض منصبی پر مضبوطی سے قائم رہتے ہیں۔ حدیث مبارک میں ایسے ہی لوگوں کی مدح فرمائی گئی ہے۔

لا یزال طائفة من امتی علی الحق ظاھرین لا یضرھم من خالفھم حتیٰ یاتی امر اللّٰہ۔

(مسند امام احمد بن حنبل، حدیث۔ ۲۲۳۹۵، موسسۃ الرسالہ، بیروت)

''میری امت کا ایک طبقہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا اور اس باب میں اسے کسی کے لعنت و ملامت کی پرواہ نہ ہوگی۔

آئین جواں مرداں حق گوئی و بیباکی اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ اپنے اس وصف میں اپنے اہل زمانہ میں ممتاز مشار الیہ تھے چنانچہ ناممکن تھا کہ کوئی غلط بات حضرت کے سامنے ہو جائے اور حضرت اس کی اصلاح نہ فرمائیں۔

آپ کی مجلس میں تعویذ کے لیے مردوں اور عورتوں کی بھیڑ لگی رہتی تھی۔ لیکن کیا مجال کہ کسی عورت کا ہاتھ بھی بے پردہ ہو جائے جہاں کسی سے بداحتیاطی ہوئی، اور آپ کی ڈانٹ پڑی، لا الہ الا اللہ، استغفر اللہ، استغفر اللہ، اری اپنا ہاتھ ڈھانک، بے غیرت۔ مجھ بڈھے کو اپنا ننگا ہاتھ دکھانے آئی ہے۔ اور پوری مجلس پر سناٹا چھا گیا اور سب نے اپنے کپڑے درست کر لیے۔

ایک دفعہ دوا پٹوڈٹ اور بے پردہ مسلمان عورتیں ساری میں ملبوس کہیں دور سے تعویذ لینے کے لیے آئیں۔ آپ نے تعویذ لکھتے لکھتے نظر جو اٹھائی تو نگاہ ان پر پڑ گئی، فوراً رخ پھیر لیا، اور سر نیچا کیے ہوئے لگ بھگ پندرہ منٹ تک ان کی سرزنش کرتے رہے۔ انداز کچھ نرم اور بے حد تحسر آمیز تھا۔ گویا انھیں دلی تکلیف پہونچی ہو، جو کچھ فرمایا اس کا خلاصہ کچھ اس طرح تھا۔ نہ اللہ ورسول کے حکم کا خوف، نہ اپنے طرزِ معاشرت کی پرواہ، نہ انجام کا خیال۔ اتنی دور سے تنہا عورتیں چلی آئیں، ساتھ میں کوئی محرم نہیں۔ اس پر ظلم یہ کہ بے پردہ، مزید ستم یہ کہ لباس بھی مسلمانوں کا نہیں۔ ٹرینوں میں حادثات ہوتے رہتے ہیں۔ ان پر کوئی زیادتی ہو تو مسلمان کیسے ان کی حمایت کریں، کسی حادثہ میں مر جائیں تو یہ کیسے پتہ چلے کہ مسلمان ہیں۔ خیال فرمائیے کہ نہ مٹی نہ جنازہ یونہی پھونک دی جائیں گی۔ یہ سب وبال اللہ ورسول کے حکم کی خلاف ورزی کا۔ وہ عورتیں بے حد شرمسار اور جزبز ہوئیں، لیکن ان کے پاس پردے کا تو کوئی اہتمام تھا ہی نہیں کرتیں کیا؟

حضرات مقررین نے کبھی جوش بیان میں کبھی نقطۂ زبان سے اور کبھی لاعلمی اور جہالت سے (کہ آج کل تقریر کے لیے رسوخ علم ضروری نہیں رہ گیا ہے) دوران تقریر ایسے جملے صادر ہو جاتے ہیں جو شرعاً، عقلاً، یا زبان و بیان کے لحاظ سے قابل اعتراض ہوتے ہیں۔ اگر مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ اسٹیج پر ہیں تو کیا مجال ہے کہ کوئی مقرر ایسی بداحتیاطی کر کے گزر جائے، اور آپ امر بالمعروف نہ فرمائیں۔ کئی بڑے خطبا سے تو برسر منبر انھوں نے توبہ تک کرائی خود اپنی زندگی میں مجھے دو مرتبہ ایسی سرزنش سے پالا پڑا ہے۔ توبہ تک کی نوبت البتہ نہیں آئی۔

ضلع گیا کے جلسہ میں ایک بار آپ کے ساتھ شرکت کا اتفاق ہوا۔ رات میں تقریر کے دوران میں نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم میں لفظ نور استعمال فرمایا۔'' تقریر ختم ہوئی اور جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے ان کے فیض صحبت سے محفل بڑی پر کیف پرنور رہی۔ دوسرے دن ساتھ ہی گھوسی کے لیے واپسی ہوئی، راستہ میں بڑے خوش گوار ماحول میں باتیں ہوتی رہیں۔ اسی دوران آپ نے فرمایا ''رات آپ نے تقریر میں اللہ کے لیے عمل کا لفظ استعمال فرمایا۔ اگر کہیں قرآن وحدیث میں یہ لفظ ذات باری کے لیے آیا ہو، تب تو اس کا بولنا صحیح

ہوگا ورنہ نہیں۔امر کی تحقیق کر لیجیے گا۔'' آج پندرہ بیس سال ہوگئے اور میں اس سلسلہ میں غور کرتا رہتا ہوں مجھے تو کوئی ایسا محل استعمال نہ ملا۔

دوسری بار مغربی یوپی کے ہی کسی علاقہ میں تقریر کرتے ہوئے میں نے کہا ''بدنصیب مسلمان آج کل رات میں بارہ بجے تک سنیما دیکھتے ہیں اور دن میں بارہ بجے تک سوتے ہیں۔'' اک بیک بازو سے میری طرف پوری طرح مخاطب ہوکر کہا نہایت بلند آواز میں، بے حد بیزاری کے ساتھ گویا مجھ پر پھٹ پڑے۔'' مولانا! میں اس کو مان نہیں سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت بدنصیب ہو۔ آپ اس کو بدنصیب نہ کہئے کچھ اور کہہ لیجیے، حق یہ ہے کہ جس امت کے نگہبان رسول عربی ہوں وہ بدقسمت کیسے ہوسکتی ہے۔

چہ غم دیوار امت را کہ دار دچوں تو پشتیان چہ باک از موج بحر آن را کہ دارد چوں تو کشتیان

امت کی دیوار کو کیا غم جو تیرے جیسا سہارا رکھتی ہے اور طوفان نوح سے اس کو کیا خوف جو تیرے جیسا کھیون ہار رکھتی ہے۔

اور لسان و بیان کی اصلاح کا انداز بے حد دلچسپ اور پرلطف ہوتا تھا۔ایک دفعہ لوگوں نے آپ کے سامنے کہنا شروع کیا۔ طوفان (ایکسپریس) ایک بجے آرہا ہے۔ایک بجے طوفان آرہا ہے۔کئی بار اس جملے کو سن چکے تو فرمایا ''سبحان اللہ بولنے کا کیا انداز ہے۔ طوفان آرہا ہے، طوفان آرہا ہے میاں۔ کہنا ہی ہے تو یوں کہو۔ایک بجے بریلی اسٹیشن سے طوفان گزر جائے گا۔'' سبحان اللہ! بات وہی ہے لیکن پہلے جملے کا ظاہر بے حد بھیانک ہے اور دوسرے کا ظاہر و باطن یکساں خوش گوار، تھوڑے سے تصرف نے قبح کو حسن بنا ڈالا۔

فتاویٰ رضویہ جلد سوم شائع ہوئی تو آپ کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے ایک نسخہ لے کر حاضر خدمت ہوا۔خیال ہوا کہ اس کا پیش لفظ سنا دیا جائے پیش لفظ میں ایک جگہ حضور اعلیٰ حضرت کے غیر معمولی قوت حافظہ کے بارے میں تحریر تھا۔'' حافظہ اس بلا کا تھا'' پوری زندگی ہم نے اس جملے کو بار بار مقام مدح ہی تھا۔سن کر حضرت نے فرمایا ''واہ واہ! آپ نے حضرت کے حافظے کی تعریف فرمائی ہے، یا آپ کی تنقیص کی ہے۔آپ کا حافظہ بلا کا تھا، یہ بلا کون سی چیز ہے۔'' تب مجھے احساس ہوا حضرت والا زبان و بیان کا بھی کس درجہ لطیف ذوق رکھتے تھے اور اس کی باریکیوں پر کیسی مہارت تامہ حاصل تھی!

الغرض آپ کی بارگاہ میں شرعی لغزش ہو یا اخلاقی ولسانی سب پر پوری داروگیر ہوتی اور اعلان حق اور امر بالمعروف کا پورا پورا حق ادا کیا جاتا۔اس ضمن میں یہاں جس خاص واقعہ کا ذکر کر رہا ہوں، وہ بھی ایک غیر معمولی وقوعہ ہے۔

حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک سچے مسلمان کے حوصلہ ایمانی کے ساتھ یکا و تنہا میدان عمل میں اتر پڑے تھے اور نئی تعمیرات کے سنگ بنیاد کے موقع پر ایک آل انڈیا تعلیمی کانفرنس کا اعلان فرما چکے تھے۔

کانفرنس ہوئی اور بے مثال ہوئی۔اس میں از رہِ دین پروری حضور مفتی اعظم اور حضرت مولانا سید آل مصطفیٰ علیہ الرحمۃ بھی شریک ہوئے کچھ عقیدت مندوں نے اہل کچھوچھہ کے بائیکاٹ سے متاثر ہوکر اس خاندان کی دوسری شاخ (اہل بسکھاری) کے سجادہ نشیں معروف بہ بابو میاں کو شرکت کی دعوت دی تو وہ بھی شریک ہوئے۔

علمائے دیوبند کے خلاف علمائے عرب وعجم کے فتویٰ کفر سے ساری دنیا واقف ہے۔اور اعلیٰ حضرت اور ان کے خاندان کو اس سلسلہ میں حق کی حمایت اور سچ کی جنبہ داری میں جو تقدم حاصل ہے وہ کسی کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں۔اب صورت حال یہ ہے کہ بابو میاں جن کے اجداد پر دیوبندیوں کی حمایت کا الزام تھا۔اس جلسہ سنگ بنیاد میں شرکت کے موقع پر حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کے لیے دارالعلوم اشرفیہ کی نچلی منزل کے مغربی کمرہ میں آئے۔حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کو سلام کیا، مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا اور خود ہی تعارف کرایا ہوگا یا کسی نے بتایا ہوگا۔ یا پہلے سے ہی حضرت کو معلوم تھا۔ بہر حال حضرت نے نہ سلام کا جواب دیا نہ مصافحہ کیا۔بل کہ فرمایا۔صاحب

آپ کے خاندان کے لوگ علمائے دیوبند کے حامی رہے ہیں اور ان پر علمائے عرب وعجم کے کفر کے فتوے ہیں۔ اگر آپ بھی اس روش میں ان کے ہی ہمراہ ہیں تو میں آپ سے کیسے سلام وکلام کر سکتا ہوں جب کہ حدیث شریف میں ایسے لوگوں سے قطع تعلق کا حکم آیا ہے؟

بابو میاں نے کہا حضور میں کبرائے دیو بند کی تکفیر میں ساری دنیا کے اہل اسلام کا ساتھی ہوں، چنان چنان چہ اسی وقت انھوں نے اس مضمون کی اپنی دستخطی تحریر مفتی اعظم کے حضور میں پیش کی۔

اس وقت لوگوں نے ایک عجیب وغریب منظر دیکھا حضور مفتی اعظم نے بابو میاں سے فرمایا۔ صاحبزادے آپ ذرا کھڑے ہو جائیں۔ نہ تو بابو میاں یہ سمجھے کہ کیوں یہ حکم ہو رہا ہے، نہ مجلس میں بیٹھنے والے ہی۔ مگر جب حکم پا کر بابو میاں کھڑے ہوئے تو حضور مفتی اعظم نے ب آن شان وجلال، بہ آن عظمت وتقدس وبہ آن ریش سفید ورفعت پیری، ایک سبزہ آغاز نوجوان (بابومیاں) کا پیر دونوں ہاتھ سے پکڑ لیا۔ ڈبڈبائی آنکھیں ان کے چہرہ کی طرف اٹھا کر فرمایا۔ صاحبزادے ہم تو آپ کے غلام وخانہ زادے ہیں۔ ہمارے پاس جو کچھ ہے آپ کے ہی جد کریم کا دیا ہوا ہے۔ ہم نے شروع میں جو کیا آپ کے ہی جد کریم کے حکم کی بجا آوری اور انھیں کے دین کا پرچم بلند کرنے کے لیے کیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ ایک چاکر اپنے مالک کے پاؤں پکڑ کر اس سے معافی مانگ رہا ہے۔ اس وقت پورے مجمع پر رقت طاری تھی اور کھلی آنکھوں سے دنیا دیکھ رہی تھی کہ بلاشبہہ حق وہدایت، اطاعت شرع واتباع سنت انھیں بزرگوں کے دم قدم سے ہے۔

درود ہو میرے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جنھوں نے فرمایا **من رای منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ** جو برائی دیکھے اپنے ہاتھ سے اسے درست کرے اور سلام ہو حضور مفتی اعظم پر کہ آپ نے سرکار کے اس حکم پر پوری زندگی عمل کر کے شاہراہ حق قائم فرما دی۔

کیا کیا کہوں تجھے!

شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی (علیہ الرحمۃ)

سابق صدر مفتی دارالافتا، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

حضرت علامہ ارشد القادری صاحب نے ٹاٹا نگر سے آدمی بھیجا کہ میں ''رفاقت'' کا مفتی اعظم نمبر نکالنا چاہتا ہوں۔ اس لیے سب کام چھوڑ چھاڑ کر تم ضرور بالضرور کچھ لکھ دو۔ مگر قاصد اس وقت آیا کہ میں ایک دینی کام کے لیے مکن پور ضلع اٹاوہ کے لیے کمرے سے نکل چکا تھا۔ دو دن کے بعد واپس ہوا تو بھی قاصد سر پر سوار تھا۔ مگر اس کا میرے اوپر کوئی اثر نہ ہوا اور میں نے مصلحت انگیز خفگی کے ساتھ قاصد کو واپس کر دیا۔ بعد میں ہوش آیا کہ قاصد کو تو واپس کر دیا مگر علامہ سے بچ کر کہاں رہوں گا؟ سوچا کہ کچھ لکھوں؟ مگر جب بھی لکھنے کے لیے دماغ کو متوجہ کرتا اور حضرت مفتی اعظم کا تصور جمیل ذہن میں آتا تو نہ پھر دماغ میں سوچنے کی تاب رہتی نہ ہاتھ میں قلم پکڑنے کی۔ یا اللہ! یہ کیا ہو گیا، جس سے میری ہی نہیں، سارے اہل سنت کی زندگی تھی وہ ہم سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو گیا۔

جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت میں ملیں گے

کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

مگر کاش کہ قیامت قائم ہوجاتی تو پھر کاہے کو رونا تھا،جس ناکارے غلام کو اپنی آغوش میں پالا تھا،اسے قیامت میں اپنے سے دور رکھیں گ؟ یہ ان کی شانِ کریمی سے بعید ہے،مگر قیامت یہ ہے کہ ابھی قیامت ہی نہیں قائم ہوئی۔حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔بار بار اس کیفیت کے طاری ہونے کے بعد جب اعصاب عادی ہوگئے تو دماغ میں یہ ہلچل برپا ہوئی کہ کیا لکھوں کیا نہ لکھوں؟ جس جامع کامل ہستی کے فضائل کے ابواب کی فہرست بھی تیار کرنی مشکل ہے اس کے حالات سپرد قلم کرنے کے لیے کہاں سے الفاظ لاؤں جو سمندر کو کوزے میں بند کرسکیں۔

دامانِ نگہ تنگ و گلِ حسن تو بسیار　　گل چیں بہار تو زداماں گلہ دارد

اپنے احباب سے مشورہ کیا۔سب نے اپنے ذوق کے مطابق رہ نمائی کی۔اور بات اس کش مکش میں رہ گئی۔کل جی میں آیا کہ علامہ کو لکھ دوں،بس میری طرف سے یہ شعر شائع فرمادیں۔

کہہ لے گی سب کچھ ان کے ثناخواں کی خامشی　　چپ ہورہا ہے کہہ کے کہ کیا کیا کہوں تجھے

پھر احباب نے فہمائش کی۔نہیں،کچھ نہ کچھ لکھنا ضرور پڑے گا۔آخر کار یہ طے پایا کہ اس پہلو پر روشنی ڈالی جائے کہ حضرت مفتی اعظم،مفتی اعظم کیوں تھے؟ اس کا جواب بہت آسان دو جملوں میں ہی کافی تھا،جب وصال کی خبر پر تجہیز وتکفین میں شرکت کے لیے لاکھوں لاکھ افراد کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر بریلی شریف میں امنڈ آیا تو بریلی کے ہندوؤں نے اپنے الفاظ میں کہا:

''ہم لوگ جانتے تھے کہ بڑے مولوی صاحب صرف بریلی کے مولویوں میں سب سے بڑے تھے،اب معلوم ہوا کہ پورے ہندوستان کے مولویوں سے بڑے تھے۔

الفضل ما شهدت به الاعداء

مگر یہ اجمالی جواب ہے۔تھوڑی تفصیل ضروری ہے۔کہا جاتا ہے اس زمانہ میں مفتی وہی ہے جو کتب فقہ سے مسائل کے احکام نکال سکے،کتب فقہ میں جزئیات بکثرت مذکور ہیں۔کسی جزئیہ کو کتابوں سے نقل کردینا کوئی اہم کام نہیں،ایسے بزرگوں سے گزارش ہے کہ دارالافتا کا قلم دان سنبھالیں تو معلوم ہوگا کہ جسے آپ شیر مادر سمجھ رہے ہیں،یہ شیر مادر نہیں جوئے شیر لانے سے ہزاروں درجے سخت تر کام ہے۔پھر ہمیشہ وہی سوالات نہیں کیے جاتے،جن کے جوابات کتب فقہ میں مذکور ہیں۔اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ مفتی کے سامنے جدید وقائع و حوادث کے بارے میں سوالات آتے رہتے ہیں،جن کے بارے میں صراحۃً کتب فقہ میں کوئی حکم نہیں ملتا۔مفتی وہ ہے جو ان جدید وقائع وحواث کے بارے میں ان کے نظائر کو سامنے رکھ کر عبارات فقہ کی عبارۃ النص،دلالۃ النص،اشارۃ النص،اقتضاء النص ودیگر مدلولات سے حکم شرعی بیان کرے۔مفتی ناقل ہوتے ہوئے مستنبط بھی ہوتا ہے۔اور استنباط کتنا مشکل کام ہے،اسے وہی جانتا ہے جو یہ کام کرتا ہے۔

حضرت مفتی اعظم مفتی تھے اور مفتی اعظم تھے،یہ ہر شبہہ سے بالاتر ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے ان کو خود منصب افتا تفویض فرمایا تھا۔ہوا یہ کہ فتاویٰ رضویہ کی قلمی جلد بیٹھک میں رکھی رہتی تھی۔اعلیٰ حضرت کچھ مسائل وہاں حاضر رہنے والے علما کو لکھنے کے لیے دے دیتے،وہ لوگ فتاویٰ رضویہ سے دیکھ کر حکم نقل کردیتے۔ایک دن حضور مفتی اعظم جب بیٹھک میں تشریف لے گئے تو دیکھا،ایک صاحب فتاویٰ رضویہ دیکھ رہے ہیں،اور ایک کاغذ نیچے رکھا ہے،دریافت کرنے پر بتایا کہ ایک مسئلہ لکھنا ہے۔حضرت مفتی اعظم نے (ان کے ساتھ جو بے تکلفی تھی اس کے پیش نظر) ان سے فرمایا: یہ کیا کمال ہے کہ فتاویٰ رضویہ سے دیکھ کر نقل کردیا۔خود فقہ کی کتابوں سے اس کا حکم دیکھ کر لکھیے۔انھوں نے بھی اسی

انداز میں جواب دیا، تو لیجیے آپ ہی لکھیے۔ مفتی اعظم نے سوال لیا۔ یہ رضاعت کا کوئی پیچیدہ مسئلہ تھا۔ (خود حضرت نے یہ مسئلہ مجھے بتایا تھا مگر اس وقت یاد نہیں آتا) حضرت مفتی اعظم نے وہاں جو کتابیں تھیں، ان کو دیکھ کر اس کا حکم لکھا، تائید میں عبارتیں لکھیں اور لکھ کر اعلیٰ حضرت کی خدمت میں بھیجوا دیا۔ اعلیٰ حضرت نے خط پہچان لیا۔ دریافت فرمایا کس نے دیا ہے؟ لے جانے والے نے بتایا کہ چھوٹے میاں نے۔ (گھر میں لوگ آپ کو چھوٹے میاں ہی کہتے تھے) اعلیٰ حضرت نے طلب فرمایا۔ مفتی اعظم حاضر ہوئے دیکھا کہ اعلیٰ حضرت باغ باغ ہیں، پیشانی اقدس پر بشاشت سے کرنیں پھوٹ رہی ہیں۔ فرمایا: اس پر دستخط کرو۔ دستخط کروانے کے بعد اعلیٰ حضرت نے الجواب صحیح یا اس جیسا اور کوئی جملہ لکھ کر اپنا دستخط ثبت فرمایا، اور پانچ روپے انعام عطا فرمائے۔ فرمایا: تمھاری مہر بنوا دیتا ہوں۔ اب فتویٰ لکھا کرو۔ اپنا رجسٹر بنالو۔ اس میں نقل بھی کیا کرو۔ اعلیٰ حضرت نے اپنے دست مبارک سے مہر کا خاکہ تیار فرمایا اور کنیت اور لقب لکھا اور مہر کن کے حوالے کیا۔ جب مہر بن کے آ گئی تو بلا کر عطا فرمائی۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے بھی پہلا فتویٰ رضاعت ہی کا لکھا تھا اور ان کے آئینہ جمال وکمال حضرت مفتی اعظم نے بھی پہلا مسئلہ رضاعت ہی کا لکھا۔ خاص بات یہ ہے کہ اس پہلے فتویٰ پر اعلیٰ حضرت نے ایک لفظ گھٹایا نہ ایک لفظ بڑھایا، نہ کوئی اصلاح کی۔ پہلا فتویٰ ہی حضرت مفتی اعظم نے ایسا صحیح اور مکمل لکھا کہ کہیں اس میں انگلی رکھنے کی جگہ نہ تھی۔

آغاز کا جب یہ عالم ہے انجام کا عالم کیا ہوگا

اعلیٰ حضرت نے اپنی حیات طیبہ میں سیکڑوں مسائل لکھوائے۔ اعلیٰ حضرت کے وصال کے بعد آپ کے آستانہ پر آنے والے ہزار ہا ہزار مسائل لکھنے والے صرف دو تھے۔ ایک حضرت مفتی اعظم، دوسرے حضرت صدر الشریعہ۔ حضرت حجۃ الاسلام قدس سرہٗ اگرچہ حضرت مفتی اعظم کے استاد تھے اور خود زبردست مفتی تھے، مگر مسائل ان دونوں حضرات کے یہاں ارسال فرما دیتے۔ بہت کم ایسا اتفاق ہوتا کہ خود کوئی فتویٰ تحریر فرماتے، اور جب حضرت صدر الشریعہ اجمیر شریف چلے گئے تو تنہا مفتی اعظم آستانے پر آنے والے تمام مسائل کو لکھا کرتے۔ اس زمانے میں لوگ دین دار، آج کی بہ نسبت بہت زیادہ تھے۔ ہر معاملے میں حکم شرعی دریافت کرتے تھے اور دینی مدارس وہ بھی اہل سنت کے، بہت ہی کم تھے۔ آج بحمدہ تعالیٰ بہ کثرت ہیں اور تقریباً ہر مدرسے میں دار الافتا ہے۔ اب اندازہ لگائیں کہ حضرت مفتی اعظم کتنے مسائل لکھتے رہے ہوں گے؟ پھر فتویٰ کی شان وہ تھی، مفتی اعظم کا قلم ہے اور مضمون اعلیٰ حضرت کا۔ اس وقت ملک کے طول وعرض میں بہت سے مفتی تھے۔ کسی کے یہاں وہ جامعیت جو مفتی اعظم کے فتویٰ میں تھی، نہیں ملتی، اور نہ ملے گی۔ گیارہ سال تین ماہ خدمت میں حاضر رہا۔ اس مدت میں چوبیس ہزار مسائل لکھے ہیں، جن میں کم از کم دس ہزار وہ ہیں جن پر حضرت مفتی اعظم کی تصحیح وتصدیق ہے۔ عالم یہ ہوتا کہ دن بھر بل کہ بعد مغرب بھی دو دو گھنٹے تک حاجت مندوں کی بھیڑ رہتی۔ یہ حاجت مند خوش خبری لے کر نہیں آتے۔ سب اپنا اپنا دکھڑا سناتے، غم آگیں واقعات سننے کے بعد دل و دماغ کا کیا حال ہوتا ہے وہ سب کو معلوم ہے۔ اتنے طویل عرصے تک اس غم آفریں ماحول سے فارغ ہو کر بعد عشا پھر تشریف رکھتے اور میں اپنے لکھے ہوئے مسائل سناتا۔ میں گھسا پٹا نہیں، بہت سوچ سمجھ کر جانچ تول کر مسئلہ لکھتا مگر واہ رے مفتی اعظم! اگر کہیں ذرا بھی غلطی ہے، یا لوچ ہے، یا بے ربطی ہے، یا تعبیر غیر مناسب ہے، یا سوال کے مطابق جواب میں کمی بیشی ہے، یا کہیں سے کوئی غلط فہمی کا ذرا بھی اندیشہ ہے، فوراً اس پر تنبیہ فرما دیتے اور مناسب اصلاح۔ تنقید آسان ہے مگر اصلاح دشوار۔ جو لکھا گیا ہے وہ نہیں ہونا چاہیے، اس کو کوئی بھی ذہین نقاد کہہ سکتا ہے مگر اس کو بدل کر کیا لکھا جائے؟ یہ جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے۔ مگر ستر سالہ مفتی اعظم کا دماغ اور علم ایسا جوان تھا کہ تنقید کے بعد فوراً اصلاح فرما دیتے اور ایسی اصلاح کہ پھر قلم ٹوٹ کر رہ جاتا۔

کبھی ایسے جاں فزا تبسم کے ساتھ کہ قربان ہونے کا جذبہ حد اضطرار کو پہنچ جائے، کبھی ایسے جلال کے ساتھ کہ اعصاب جواب دے

جائیں، مگر اس جلال کو کون سا نام دیں جس کے بعد مخاطب کی جرأت رندانہ اور بڑھ جاتی۔ کیا کیجیے گا اگر جلال سے مرعوب ہو کر چپ رہتے تو اور جلال بڑھتا رہتا، یہاں تک کہ مخاطب کو عرض و معروض کرنا ہی پڑتا۔ یہ جلال وہ جلال تھا کہ جو اس کا مورد بنا کندن ہو گیا۔

یہ مجلس آدھی رات سے پہلے کبھی ختم نہ ہوتی۔ بارہا رات کے دو بج جاتے اور رمضان شریف میں سحری کا وقت تو روز ہو جاتا۔

بارہا ایسا ہوتا کہ حکم کی تائید میں کوئی عبارت نہ ملتی تو میں اپنی صواب دید سے حکم لکھ دیتا، کبھی دور دراز کی عبارت سے تائید لاتا، مگر مفتی اعظم ان کتابوں کی عبارتیں جو دارالافتا میں نہ تھیں، زبانی لکھوا دیتے۔ میں حیران رہ جاتا۔ یا اللہ کبھی کتاب کا مطالعہ کرتے نہیں، یہ عبارتیں زبانی کیسے یاد ہیں، پیچیدہ سے پیچیدہ، دقیق سے دقیق مسائل پر ایسی تقریر فرماتے کہ معلوم ہوتا کہ اس پر بڑی محنت سے تیاری کی ہے۔

سب جانتے ہیں کہ کلام بہت کم فرماتے تھے، مگر جب ضرورت ہوتی تو ایسی بحث فرماتے کہ اجلۂ علما، انگشت بدنداں رہ جاتے۔ کسی مسئلہ میں فقہا کے متضاد اقوال ہیں تو سب دماغ میں ہر وقت حاضر رہتے۔ سب کے دلائل، وجوہ ترجیح اور قول مختار مفتیٰ بہ پر تیقن اور ان سب اقوال پر اس کی وجہ ترجیح سب ازبر۔

باب نکاح میں ایک مسئلہ ایسا ہے، جس کی بہتر صورتیں ہیں اور کثیر الوقوع بھی ہیں۔ پہلی بار جب میں نے اس کو لکھا، سوال مبہم تھا، میں نے بیس شق قائم کر کے چار ورق فل اسکیپ کاغذ پر لکھا۔ جب سنانے بیٹھا تو فرمایا: یہ طول طویل شق در شق جواب کون سمجھ پائے گا؟ پھر اگر لوگ ناخدا ترس ہوئے تو جو شق اپنے مطلب کی ہوگی اس کے مطابق واقعہ بنالیں گے۔ آج یہاں ہندوستان میں یہ صورت رائج ہے، اسی کے مطابق حکم لکھ کر بھیج دیں۔ یہ قید لگا کر کہ آپ کے یہاں یہی صورت تھی تو یہ حکم ہے۔ یہ جواب فل اسکیپ کے آدھے سے بھی کم پر مع تائیدات آ گیا۔ اس واقعہ نے بتایا کہ کتب بینی سے علم حاصل کر لینا اور بات ہے اور فتویٰ لکھنا اور بات ہے۔

نو پید جدید مسائل پر ایسی مضبوط رائے قائم فرماتے کہ بڑے سے بڑا، ذہین سے ذہین عالم اس کی تغلیط کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔

لاؤڈ اسپیکر پر نماز صحیح ہے یا نہیں :

جمہور علمائے اہل سنت کا فتویٰ یہ ہے کہ لاؤڈ اسپیکر پر نماز صحیح نہیں۔ اور یہی حضرت کی بھی تحقیق ہے، کچھ لوگوں نے اس سے اختلاف کیا۔ عرس مقدس پر علما نے ایک مشترکہ مجلس رکھی، وہ لوگ حاضر ہوئے، گفتگو ہوئی، بقیہ علما خاموش تماشائی تھے، تین حضرات ایک طرف، حضرت نے تن تنہا ان لوگوں کے استدلال وشبہات کے ایسے جواب ارشاد فرمائے کہ حاضرین علما کو اطمینان ہو گیا اور وہ لوگ بالکل خاموش ہو گئے۔ اس گفتگو کے کچھ اقتباسات میں نے اپنے بعض فتاویٰ میں لکھے ہیں جو ''المیزان'' ممبئی، پھر پاسبان، الہ آباد کے کئی شماروں میں چھپ چکے ہیں۔

انجکشن لگوانے سے روزہ فاسد ہوتا ہے یا نہیں؟ کچھ علما اس کے قائل ہیں کہ مطلقاً ہر انجکشن سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔ کچھ علما اس کے قائل ہیں، روزہ فاسد نہیں ہوتا اور کوئی کراہت بھی نہیں۔ حضرت مفتی اعظم کی تحقیق یہ ہے کہ روزہ فاسد نہیں ہوتا مگر مکروہ ہے۔ یہ ایک متن ہے، اس کی شرح میرے متعدد فتاویٰ میں موجود ہے جن میں سے بعض ''المیزان'' وغیرہ میں چھپ چکے ہیں۔ انھیں دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ حضرت مفتی اعظم کا تفقہ کتنا بلند تھا، نظر کتنی نکتہ رس تھی، اور فیصلہ کتنا محکم؟

اب دارالافتا میں صرف فقہی واعتقادی سوالات ہی نہیں آتے۔اب تو حدیث، تفسیر، تاریخ، جغرافیہ، اسماے رجال، اصول فقہ، حتی کہ علم معانی و بیان و بدائع بل کہ صرف ونحو حتیٰ کہ فلسفے کے بھی مسائل آتے ہیں لیکن کوئی سوال، کسی باب کا ہو، حضرت مفتی اعظم کے یہاں کبھی سائل کو تشنگی نہ رہتی۔

کہنے کو صرف مفتی اعظم تھے، مگر حقیقت میں محدث اعظم بھی تھے۔مفسر اعظم بھی تھے، مورخ اعظم بھی تھے مختصر یہ کہ اعظم الاعاظم تھے، حق یہ ہے کہ علم وفضل کے آفتابِ عالم تاب تھے، جیسے آسمان میں صرف ایک آفتاب ہے، آسمان علم وعرفان، فضل وکمال، زہد وورع پر صرف ایک آفتاب تھا، جسے دنیا مفتی اعظم کہتی تھی۔ وہ ہدایت کے نیر اعظم تھے، اور ایسے نیر اعظم تھے کہ پوری دنیا پر بیک وقت ضوفشانی کرتے تھے۔ افسوس صد افسوس! یہ نیر اعظم غروب ہوگیا، صرف بریلی ہی نہیں، صرف ہندوستان ہی نہیں، ساری دنیا تاریک ہوگئی۔

گوری سووے سیج پر مکھ پر تانے کیس
چل خسرو گھر اپنے سانجھ بھئی چودیس

☆☆☆

مفتی اعظم سے ہم کو پیار ہے

ابو بلال مولانا الحاج محمد الیاس عطار قادری
امیرِ عالمی تحریک دعوت اسلامی (پاکستان)

عارف باللہ، مردِ حق آگاہ، کشورِ علم وعرفان کے شہنشاہ، محبوب حبیب الہ، شہزادۂ امام احمد رضا، تاجدارِ اہل سنّت، حضور مفتی اعظم حضرت علامہ مولانا محمد مصطفی رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن سے مجھے پیار ہے، اور وہ بھی آج سے نہیں، اس پر ایک زمانہ گزر گیا۔حضور مفتی اعظم علیہ رحمۃ الرحمن کی تعریف وتوصیف کے کلمات سنتے سنتے ذہن آپ کی شانِ ولایت نشان کا معترف ہوگیا۔ **اَنْتُمْ شُھَدَاءُ عَلَی النَّاسِ** (یعنی تم اللہ عزوجل کے گواہ ہو لوگوں پر) کے مصداق کسی شخص کی اچھائی کے لیے اتنا بھی کافی ہے کہ لوگ اس کو اچھا کہیں اور پھر بہت

سارے اچھے لوگ جس کا ذکر اچھائی کے ساتھ کریں، اس کی اچھائی کا تو پوچھنا ہی کیا! یوں الحمدللہ ؎

مفتی اعظم سے ہم کو پیار ہے　　انشاء اللہ اپنا بیڑا پار ہے

سرکارِ مفتی اعظم علیہ رحمۃ الرحمن سے مجھے اس سبب سے بھی پیار ہے کہ میرے پیر و مرشد میزبانِ مہمانِ سرورِ عالم، عاشقِ رسولِ اکرم، نائبِ غوثِ اعظم، سراپا لطف و کرم، شیخ العرب والعجم یعنی سیدی قطبِ مدینہ حضرت مولانا ضیاء الدین احمد مہاجر مدنی علیہ رحمۃ الغنی بھی آپ سے بے حد پیار کرتے تھے یوں الحمدللہ ؎

مفتی اعظم سے ہم کو پیار ہے　　انشاء اللہ اپنا بیڑا پار ہے

سرکارِ مفتی اعظم علیہ رحمۃ الرحمن سے مجھے کیوں نہ پیار ہو کہ آپ میرے دادا پیر میرے آقا اعلیٰ حضرت امام اہل سنت، ولی نعمت، عظیم البرکت، عظیم المرتبت، پروانۂ شمع رسالت، مجدد دین وملت، حامئ سنّت، ماحی بدعت، عالم شریعت، پیر طریقت، باعث خیر و برکت، حضرت علامہ مولانا الحاج الحافظ القاری الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن کے دل دار و دل بر، سرورِ قلب و جگر، راحتِ بصر اور نورِ نظر ہیں۔ طریقت کا محور عقیدت ہے اور جس کو جس سے عقیدت ہوتی ہے اس سے نسبت رکھنے والی ادنیٰ سے ادنیٰ چیز بھی اس کے لیے باعظمت ہو جاتی ہے جیسا کہ حضرتِ میر عبدالواحد بلگرامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں، ایک مرتبہ حضرت سلطان المشائخ محبوبِ الٰہی نظام الدین اولیاء علیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ اپنے احباب کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ ناگاہ کھڑے ہو گئے پھر بیٹھ گئے۔ حاضرینِ مجلس نے آپ سے دریافت کیا، حضور! کس بنا پر کھڑے ہوئے؟ فرمایا کہ ہمارے پیر و مرشد کی خانقاہ میں ایک کتّا رہتا تھا۔ آج اسی صورت کا ایک کتّا مجھے نظر آیا کہ اس گلی میں گزر رہا ہے میں اس کتّے کی تعظیم کی خاطر اٹھا تھا۔ (سبع سنابل شریف مترجم ص ۱۴۴)

جب مرشد سے عقیدت ہے تو اس کی گلی کے کتے سے بھی والہانہ محبت اور گلی کا کتا گویا اس کتے سے مشابہت رکھنے والا کتا بھی پیارا تو جب عقیدت مرشد طریقت کے گلی کے کتے کے ہم شکل کتے سے بھی محبت کی متقاضی ہے تو پھر مجھے اپنے دادا پیر اعلیٰ حضرت امامِ اہل سنّت، مجدد دین وملت کے لختِ جگر سرکارِ مفتی اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم سے کیوں پیار نہ ہو ؎

مفتی اعظم سے ہم کو پیار ہے　　انشاء اللہ اپنا بیڑا پار ہے

سرکار مفتی اعظم علیہ رحمۃ الرحمان سے یوں بھی پیار ہے کہ جب آپ کا ذکرِ خیر ہوتا ہے کہ تو ایک عالمِ باعمل کی تصویر پردۂ ذہن پر ابھر آتی ہے نیز آپ باکرامت بزرگ بھی تھے۔ سگِ مدینہ عفی عنہ نے آپ کے خلیفۂ مجاز حضرت مولانا قاری محمد مصلح الدین صدیقی القادری الرضوی علیہ رحمۃ الرحمن سے سنا کہ سرکار مفتی اعظم دورانِ سفر کسی مکان میں تشریف فرما ہو کر تعویذات تحریر فرما رہے تھے۔ دریں اثنا کفارِ اشرار کا ایک مسلح ٹولہ درپئے آزار ہوا، چند لمحات آپ اپنے کام میں منہمک ہی رہے۔ ازاں بعد جب سرِ انور اٹھا کر نظرِ جلال اثر فرمائی تو کفارِ ناہنجار پر لرزہ طاری ہو گیا اور معافیاں مانگتے ہوئے دفع ہو گئے۔ آپ ایسے باکرامت ولی تھے جبھی تو ؎

مفتی اعظم سے ہم کو پیار ہے　　انشاء اللہ اپنا بیڑا پار ہے

اللہ عزوجل میرے اس پیار کو دوام بخشے۔ مجھے اور میری پیاری مدنی تحریک، دعوتِ اسلامی سے وابستہ ہر اسلامی بھائی اور اسلامی بہن کا سرکار مفتی اعظم علیہ رحمۃ الرحمن کے صدقے، مسلکِ اعلیٰ حضرت پر اور اس مسلکِ حق، سوادِ اعظم، اہل سنت وجماعت کی خدمت پر استقامت بخشے، میری، میرے اہلِ خانہ کی اور امت مصطفی کی مغفرت فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

مفتی اعظم سے ہم کو پیار ہے　　انشاء اللہ اپنا بیڑا پار ہے

ذیل میں حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ والرضوان کے تقوی کی مثال میں ایک حکایت فیضان سنت سے نقل کی جاتی ہے۔جس نے سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کے تقویٰ اور جذبۂ تبلیغ ودعوت پر روشنی پڑتی ہے،ساتھ ہی حضرت مولانا محمد الیاس عطار قادری امیر تحریک دعوت اسلامی کی شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ سے گہری عقیدت ومحبت کا پتہ چلتا ہے،مولانا رقم طراز ہیں (از: عبدالمبین نعمانی قادری مصباحی رکن المجمع الاسلامی مبارک پور)

حضور مفتی اعظم شہزادۂ اعلیٰ حضرت مولانا مصطفی رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک جگہ مدعو تھے وہاں گھر میں آپ (رحمۃ اللہ علیہ) کے قریب ہی ایک ٹونٹی لگی ہوئی تھی جس سے پانی ٹپک رہا تھا آپ نے میزبان کو بلایا اور اس کو اسراف کے نقصانات سمجھاتے ہوے فرمایا کہ اس ٹونٹی کو فوراً درست کراؤ کیوں کہ جب تک یہ بہتی رہے گی تم کو گناہ ہوتا رہے گا،اس نے عرض کیا حضور! ابھی درست کر لیتے ہیں۔مگر کافی دیر تک اس نے درست نہ کیا،اس پر آپ (رحمۃ اللہ علیہ) نے اس کو بلا کر فرمایا ہم جاتے ہیں کیوں کہ آپ یہ ٹونٹی درست نہیں کرواتے،اور ہمیں اپنی آنکھوں کے سامنے اللہ عزوجل کی یہ نعمت ضائع ہوتے ہوئے دیکھنا گوارہ نہیں،،۔

میزبان بے حد نادم ہوا اور بڑی منتیں کر کے آپ کو راضی کیا،اور ٹونٹی بھی فوراً درست کرالی۔

میٹھے اسلامی بھائیو! دیکھا آپ نے ہمارے اکابر رحمہم اللہ کس قدر متقی اور پرہیزگار ہوتے ہیں اور ان کی سوچ بھی کس قدر اعلیٰ ہوتی ہے،ہم تو بدقسمتی سے فرنگی تہذیب کے ہاتھوں سے پامال ہو چکے ہیں،ہماری تو ایسی سوچ ہی کہاں؟ یقیناً مدنی سوچ ہونا یہ مقدر والوں کا ہی حصہ ہے۔ (بہ حوالہ فیضان سنت ص: ۸۴-۸۸۳،مکتبۃ المدینہ ممبئی)

مفتی اعظم کی کچھ یادیں کچھ باتیں

حضرت مولانا مفتی عبدالحلیم صاحب

سرپرست دعوت اسلامی ہند،ناگ پور،مہاراشٹر

۱۹۵۲ء سے ۱۹۶۰ء تک تقریباً آٹھ سالہ زندگی بریلی شریف میں گزری۔ چھ سالہ طالب علمی کی زندگی اور دوسالہ تدریسی زندگی۔ زمانۂ طالب علمی میں چالیس منٹ کا ایک گھنٹہ جو خالی رہتا تھا اگر سیدی سرکار مفتی اعظم بریلی شریف میں جلوہ فرما ہوتے تو اس گھنٹہ کو کتابوں کی تکرار میں نہیں بل کہ سرکار مفتی اعظم کی بارگاہ میں گزارا کرتا۔اس طرح طالب علمی کے زمانہ ہی سے مجھے سرکار مفتی اعظم کا قرب حاصل ہو گیا تھا۔ بعد فراغت کبھی کبھی خدمت کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔ میں نے حضور مفتی اعظم کی صبح دیکھی شام دیکھی،رات دیکھی،دن دیکھا سفر دیکھا،حضر دیکھا،خلوت دیکھی،جلوت دیکھی۔انھیں مختلف زاویے سے دیکھا اور بڑی گہرائی سے ان کی زندگی کا مطالعہ کرتا رہا مگر خدا گواہ ہے کبھی ان کا کوئی قدم خلاف سنت اٹھتے ہوئے نہیں دیکھا۔انسانی فطرت ہے جب کسی بڑی شخصیت سے آدمی متاثر ہوتا ہے،اس کا عقیدت مند ہو جاتا ہے تو جب تک دور رہتا ہے،عقیدت سلامت رہتی ہے اور جب قریب ہوتا ہے تو اس کی بشری کمزوریاں ظاہر ہونے لگتی

ہیں، نتیجۂ عقیدت میں کمی آجاتی ہے۔ مگر قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، ہندوستان میں دو شخصیتیں مجھے ایسی ملیں میں ان سے جتنا قریب ہوا میری عقیدت بڑھتی چلی گئی۔ ان میں ایک ذات سرکار مفتی اعظم کی ہے دوسری حضور مجاہد ملت کی ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ اس خاکدان گیتی پر نہ جانے کیسی کیسی شخصیتیں نمودار ہوئیں اور عدم کے پردے میں گم ہوگئیں۔ ان میں بعض تو وہ ہیں جن کا نام ونشان تک باقی نہ رہا اور بعض وہ ہیں جن کو دنیا سے گئے ہوئے صدیاں بیت گئیں مگر ان کا نام کل بھی روشن تھا اور آج بھی روشن ہے۔

انھیں نفوسِ قدسیہ میں تاجدارِ اہل سنت، شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور سیدی سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات گرامی ہے۔ جن خوش نصیبوں نے سرکار مفتی اعظم ہند کو ماتھے کی آنکھوں سے دیکھا ہے، انھیں برملا اعتراف واقرار ہے کہ حضور مفتی اعظم اپنی عبادت وریاضت، زہد وتقویٰ، علم وفضل، اوراخلاق وکردار میں اپنے معاصرین میں منفرد و بے مثال ہیں ان کی تقویٰ شعاری کو دیکھ کر عبدالرحیم رائے پوری جیسے متشدد تبلیغی کو بھی کہنا پڑا کہ مفتی اعظم جیسا متقی و پرہیزگار میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ آج مفتی اعظم ہم میں نہیں مگر ان کی یادیں ان کی باتیں آج بھی ہمارے لیے مشعلِ راہ ہیں۔

سرکار مفتی اعظم کی حیات مبارکہ پر متعدد کتابیں ضخیم جلدوں میں چھپ چکی ہیں جن کے مطالعہ سے آپ اپنے قلب وروح میں بالیدگی پیدا کرسکتے ہیں۔ میں تاجدار اہل سنت کی مبارک ومسعود زندگی کے چند گوشے معرض تحریر میں لا رہا ہوں جو ان کی محتاط زندگی اور تقویٰ و پرہیزگاری پر روشن دلیل ہیں۔

طالب علمی کے ابتدائی دور میں جب منظر اسلام بریلی میں طلبہ کی رہائش کے لیے مستقل کوئی انتظام نہیں تھا۔ طلبہ مزار شریف کے بالائی حصہ میں رہتے تھے تو ایک دن میرے ہم سبق مولانا سراج احمد پوکھریروی شہید (مرحوم) نعت پاک پڑھ رہے تھے۔ تاجدار اہل سنت رضا مسجد میں نماز کے لیے تشریف لائے۔ کسی نے حضرت سے کہہ دیا کہ لڑکے مزار شریف پر گانا گاتے ہیں۔ حضور والا نے کسی سے اپنی قیام گاہ پر فرمایا۔ بچوں سے کہیے وہ مزار شریف پر گانا نہ گایا کریں۔ جب اس شخص نے طلبہ کے سامنے حضرت کا پیغام پہنچایا تو مولانا سراج نے کہا ہم لوگ گانا نہیں اعلیٰ حضرت کی نعت پاک پڑھ رہے تھے۔ مولانا سراج کی خبر تاجدار اہل سنت تک پہنچائی گئی۔ حضرت نے سنتے ہی قلم روک دیا اور فرمایا ان (مولانا سراج) کو بلا لائیے میں خود حاضر ہوجاتا مگر میں مصروف ہوں۔ حکم پاکر مولانا سراج حاضر بارگاہ ہوئے۔ سلام ودست بوسی کی۔ حضرت نے ان کا ہاتھ پکڑے رکھا اور فرمایا مجھ سے غلطی ہوئی، میں نے نعت پاک کو گانا کہہ دیا۔ میں توبہ کرتا ہوں اور آپ سے معذرت چاہتا ہوں۔ یہ سننا تھا کہ مولانا سراج کانپ گئے اور حضرت کے قدموں میں سر ڈال دیا مگر واہ رے تقویٰ حضرت نے جب تک ان کی زبان سے معافی کے الفاظ سن نہیں لیے، ان کا ہاتھ نہیں چھوڑا۔

قارئین خیال فرمائیں اس میں حضرت کا کیا قصور؟ خبر دینے والے نے حضرت کو غلط خبر دی۔ آپ اسے سرکار مفتی اعظم کے تقویٰ کے سوا اور کیا کہیں گے۔

رضا مسجد بنگالی پنجہ ناگ پور میں دو صاحب داخل سلسلہ ہوئے۔ جن میں ایک کا نام بابو بھائی نیک تھا، دوسرے کا نام نہیں معلوم۔ وہ لوگ تبرک میں پیڑا لائے تھے۔ بیعت کے بعد حضرت نے ایک ایک پیڑا دم کرکے دونوں کو دیا اور فرمایا اسے کھالیجیے گا۔ ان دونوں نے وہیں کھانا شروع کردیا، پھر کیا تھا فرماتے ہیں۔ میں توبہ کرتا ہوں۔ میں نے کیوں کھانے کے لیے کہا؟ ناظرین غور فرمائیں، سرکار نے یہ تو نہیں کہا تھا۔ ابھی کھالیجیے۔ بل کہ فرمایا تھا کہ کھالیجیے گا یہ تھا سرکار مفتی اعظم کا تقویٰ۔

غالباً ۱۹۷۱ء یا ۱۹۷۲ء میں جب سیدی سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان حرمین شریفین سے واپس لوٹے تو جبل پور اور نواح جبل پور میں حضرت کے اعزاز میں استقبالیہ پروگرام ہوتے رہے۔ ان جلسوں میں حضرت کی سرپرستی میں حضور برہان ملت کی صدارت اور فقیر کی تقریریں ہوتیں۔

ایک شب جبل پور میں استقبالیہ پروگرام تھا۔ دونوں بزرگ اسٹیج پر رونق افروز تھے۔ میں صراط مستقیم مصنفہ مولوی اسمٰعیل دہلوی کا رد کررہا تھا۔ دوران تقریر میں نے کہا تم کہتے ہو نماز میں سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یاد سے نماز فاسد ہوجاتی ہے اور بیل اور گدھے کی یاد سے نماز ہوجاتی ہے۔ بتاؤ کیا یہ محبت کی بولی ہے؟ کس منھ سے تم اپنے آپ کو سرکار کے امتی ہونے کا دعویٰ کرتے ہو؟ اختتام تقریر کے بعد سرکار نے مجھے اشارے سے اپنے پاس بلایا اور فرمایا۔ اس نے یہ کہاں لکھا ہے کہ حضور کی یاد سے نماز فاسد ہوجاتی ہے؟ اس نے لکھا ہے کہ نماز میں حضور کا خیال لانا بیل اور گدھے کی یاد سے زیادہ برا ہے۔ میں نے باادب عرض کیا۔ حضور کیا حکم ہے؟ فرمایا، آئندہ خیال رکھیے۔ دشمن کی طرف بھی وہ بات منسوب نہیں کرنی چاہیے جو اس نے نہیں کہی ہے۔

قارئین کرام! انصاف کریں جو ذات گرامی اتنی بات بھی برداشت نہ کرسکے، وہ ذات بلا دلیل شرعی کسی کو کافر کیسے کہہ سکتی ہے؟

محلہ ذخیرہ بریلی شریف میں جلسہ ہورہا تھا۔ سیدی سرکار مفتی اعظم رونق افروز تھے۔ ایک شیخ الحدیث صاحب دوران تقریر **کھیعص** والی روایت بیان کررہے تھے جناب جبریل نے کہا ''ک'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **فَهِمْتُ** (میں نے سمجھ لیا) ''ہ'' فرمایا **فَهِمْتُ** (میں نے سمجھ لیا) ''ی'' فرمایا **فَهِمْتُ** (میں نے سمجھ لیا) ''ع'' **فَهِمْتُ** (میں نے سمجھ لیا) ''ص'' فرمایا **فَهِمْتُ** (میں نے سمجھ لیا) جناب جبریل (علیہ السلام) نے عرض کیا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ محبوب و محب کی بات ہے محب نے بھیجا محبوب نے سمجھ لیا۔ میں نے تو خاک نہیں سمجھا۔ انداز بیان کچھ ایسا تھا جو لوگوں کی دل چسپی کا سامان مہیا کررہا تھا۔ اس جملہ پر سب نے نعرہ لگایا سیدی سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے تقریر روکتے ہوئے فرمایا۔ مولانا! یہ روایت تو ہے کہ جناب جبرئیل امین علیہ السلام نے عرض کیا۔ حضور میں نے نہیں سمجھا۔ مگر خاک نہیں سمجھا۔ اس سے جناب جبریل علیہ السلام کی توہین ہوتی ہے۔ پھر فرمایا میں توبہ کرتا ہوں عوام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ آپ سب توبہ کریں۔ پھر فرمایا۔ مولانا آپ بھی توبہ کریں۔ چنان چہ حضرت کا حکم پاکر سب نے توبہ کی۔

اس واقعہ سے ذہن ملا سرکار مفتی اعظم ہند نے غلطی ہونے پر بڑی سے بڑی شخصیتوں کو بھی معاف نہیں کیا بل کہ علانیہ توبہ کروائی۔ یہ تھی حضرت کی شرعی ذمہ داری جس کے لیے وہ مامور تھے۔

علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ نے ایک مرتبہ مجھ سے بیان کیا کہ:

ایک صبح فجر کی نماز کے لیے حضور سیدی سرکار مفتی اعظم رضا مسجد بریلی شریف تشریف لائے، نماز کے بعد دیکھا بڑی تیزی سے گلیوں کی صفائی ہورہی ہے اور کئی پولس والے کھڑے ہیں۔ سیدی سرکار مفتی اعظم نے بڑی سادگی سے فرمایا یہ کیا ہے؟ کسی نے کہا حضور! صدر جمہوریہ ہند، فخر الدین علی احمد صاحب آپ کی ملاقات کے لیے آرہے ہیں، اسی لیے یہ سب صفائی ہورہی ہے۔ حضرت بالکل خاموش رہے۔ گھر تشریف لائے۔ ایک پیالی چائے پی۔ رکشا بلوایا اور گھر چھوڑ کر پرانے شہر چلے گئے۔ صدر جمہوریہ کو جب معلوم ہوگیا کہ حضرت گھر چھوڑ کر باہر چلے گئے، وہ ملنا نہیں چاہتے چوں کہ صدر جمہوریہ پڑھے لکھے تھے، انھیں تاریخ معلوم تھی بزرگوں کی پہچان ہی یہ ہے کہ وہ بادشاہوں سے ملنا پسند نہیں کرتے۔ چنان چہ صدر نے اس دن کا اپنا پروگرام ملتوی کردیا اور دوسرے دن بڑی خاموشی سے حاضر ہوگئے۔ جب حضرت لکھنے میں مصروف تھے اور کافی تعداد میں لوگ بیٹھے تھے۔ جن لوگوں نے صدر کو پہچان لیا، وہ اٹھنا چاہتے تھے کہ صدر نے انھیں اشارے سے منع

کر دیا اور خود کھڑے رہے۔ جب سرکار مفتی اعظم لکھ کر فارغ ہوئے اور سر اٹھایا تو صدر نے بڑے ادب سے سلام کیا اور مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ حضرت نے دریافت فرمایا، آپ کہاں سے تشریف لائے؟ جواب میں کہا میں فخر الدین علی احمد ہوں۔ حضور سے ملنے آ گیا ہوں۔ سرکار خاموش رہے۔ پھر کچھ لمحے کے بعد بیٹھنے کے لیے اشارہ کیا۔ وہ عام لوگوں کی صف میں خالی کرسی پر بیٹھ گئے اور حضرت کو دیکھتے رہے ۔حضرت اپنے کام میں مصروف رہے۔ کچھ دیر کے بعد کھڑے ہو کر اجازت چاہی اور مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ مصافحہ کرتے کرتے صدر نے کہا حضور کچھ نصیحت فرمائیں پھر کیا تھا۔ حضرت نے ہاتھ پکڑے پکڑے پر جلال الفاظ میں فرمایا۔ یہ جو نسبندی کے نام پر ہزاروں کا خون ہو رہا ہے، قیامت میں اللہ تعالیٰ آپ سے پوچھے گا، آپ اس کے لیے تیار رہیے۔ اسی سلسلہ میں اور بھی کچھ فرماتے رہے اور فخر الدین علی احمد کی آنکھوں سے آنسو جاری رہے۔ چلتے چلتے وہ اپنی آنکھوں کے بہتے ہوئے آنسوؤں کو پونچھتے پونچھتے باہر نکلے۔

یہ تھی سیدی سرکار مفتی اعظم کی حق گوئی و بے باکی جن کو وقت کے فرماں روا کی سطوت و ہیبت نے بھی مرعوب نہیں کیا اور سرکار مفتی اعظم نے اپنے بزرگوں کی روایت جاری رکھتے ہوئے وقت کے حکمراں کو ان کی غلطیوں پر تنبیہ فرمائی۔

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

ایک مرتبہ ہوڑہ بمبئی ایکسپریس (وایا ناگ پور) سے کلکتہ سے بمبئی تشریف لے جا رہے تھے۔ سلیپر کلاس میں ریزرویشن تھا۔ گرمی کا موسم اور کوچ بالکل کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ ناگ پور والوں نے فرسٹ کلاس میں ریزرویشن کروایا لیکن اگر حضرت سے کہا جاتا کہ فرسٹ کلاس میں تشریف لے چلیں تو اس کے لیے وہ راضی نہیں ہوتے۔ اس لیے میں نے عرض کیا حضور اس ڈبے میں بھیڑ بہت ہے، دوسرے ڈبّے میں تشریف لے چلیں۔ فرمایا میں کیسے جاؤں؟ یہ سامان والا (پنجابی سکھ) اپنا سامان میرے سپرد کر کے نیچے اترا ہے۔ میں نے عرض کیا حضور کو اگر اپنے غلام پر اعتماد ہے تو آپ تشریف لے جائیں۔ جب تک سامان والا نہیں آ جائے گا۔ میں اس کے سامان کی حفاظت کروں گا، تب راضی ہوئے۔

واقعہ مذکورہ میں ہمارے لیے کس قدر درس عبرت ہے! آپ کو شریعت اسلامیہ کی پاسداری کا اتنا پاس و لحاظ کہ ایک غیر مسلم کے سپرد کیے ہوئے سامان کو بھی چھوڑ کر جانا پسند نہیں فرماتے کیونکہ حدیث میں ہے **المؤمن اذا عهد وفیٰ** مومن جب کسی سے وعدہ کرے تو اسے پورا کرے۔ وعدہ خلافی غیر مسلم سے بھی جائز نہیں۔ کاش مسلمان اپنے اس بھولے ہوئے سبق کو یاد کر لے تو نہ جانے کتنے دلوں کو مسخر کر کے اسلام کی آغوش میں بٹھا سکتا ہے۔

حضور سیدی سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کبھی ناراض ہوتے تو اپنے نفس کے لیے نہیں بل کہ اللہ و رسول (عز و جل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور اصلاح معاشرہ کے لیے اور یہی مومن کامل کی شان ہے۔ الحب للہ والبغض للہ

ایک روز حسب معمول اپنی نشست گاہ میں تخت پر بیٹھے ہوئے کسی کے لیے تعویذ لکھ رہے تھے۔ جب اس سے فارغ ہوئے تو دوسرے حاجت مندوں سے ان کی حاجت دریافت فرمائی، انھیں میں ایک ساٹھ پینسٹھ سالہ بوڑھا بھی تھا۔ اس سے دریافت فرمایا۔ آپ کیسے تشریف لائے؟ بوڑھے نے کہا میاں میں پیلی بھیت سے آیا ہوں میرا داماد اپنے ماں باپ کے کہے میں ہے۔ میری لونڈیا کی بات نہیں مانتا۔ آپ ایسا تعویذ دیدو کہ میری لونڈیا کی بات مانے۔ بس سننا تھا کہ چہرۂ پاک کا تیور بدل گیا۔ اور پُر جلال الفاظ میں فرماتے ہیں۔ اچھا بیٹھو ابھی لکھ دیتا ہوں۔ پھر ذرا تیز آواز سے ابھی لکھ دیتا ہوں کہ اپنے ماں باپ کو جوتے مار کر نکال دے اور تمھاری لونڈیا کی جوتیاں اٹھائے۔ پھر فرمایا، معاذ اللہ! کیا زمانہ آ گیا ہے؟ استغفر اللہ لا حول و لا قوۃ الا باللہ، انا للہ و انا الیہ راجعون۔ نہ جانے کتنی بار لاحول

واستغفار واسترجاع فرمایا۔ کچھ لمحوں کے بعد جلال کم ہوا تو فرمایا، کیا نام ہے تمھاری لونڈیا کا؟ اس بڑھے کی شامت آئی تھی، کہنے لگا ادریس بیگم، اتنا سننا تھا کہ پھر ایک بار چہرہ کا تیور بدل گیا۔ فرمایا، ہوں! نام جو چن کے رکھا ہے۔

حضرت کے اس لفظ 'ہوں' پر مجھے ہنسی اتنی زور سے آ گئی کہ آواز حضرت کے گوش مبارک تک پہنچ گئی۔ حضرت کا جلال معاً دفع ہو گیا اور ہلکی مسکراہٹ لیتے ہوئے فرماتے ہیں۔ جانتے ہیں یہ نام کیوں پڑا؟ کسی کا نام رہا ہوگا بلقیس بیگم، دوسری بچی پیدا ہوئی اس کا نام رکھا ہوگا جرجیس بیگم۔ اب تیسری بچی پیدا ہوئی قافیہ بندی کا بھوت سوار ہے اور کچھ نہ ملا تو رکھ دیا ادریس بیگم۔ پھر فرماتے ہیں اگر یہی حال رہا تو کچھ دنوں کے بعد مردوں کو نام تلاش کرنا مشکل پڑ جائے گا۔

۱۹۷۴ء میں پہلی بار حرمین طیبین کی حاضری نصیب ہوئی، مدینہ منورہ میں مسجد نبوی شریف کا جب دروازہ بند ہوتا تب قطب مدینہ مولانا ضیاء الدین مہاجر مدنی کا دروازہ کھلتا اور روز محفل میلاد منعقد ہوتی۔ ایک شب کا پروگرام ٹیپ کر لیا گیا۔ پہلی بار یہ نعت پاک سنی گئی

حقیقت میں وہ لطفِ زندگی پایا نہیں کرتے جو یادِ مصطفیٰ سے دل کو بہلایا نہیں کرتے

اسی سال سرکار مفتی اعظم ناگ پور تشریف لائے اور حاجی عبدالستار صاحب جنتا گلاس والے کے یہاں قیام رہا۔ حاجی علی محمد صاحب نے حضرت کے سامنے ٹیپ چالو کر دیا حضرت نے نہ صرف نعت پاک سنی بل کہ چشمانِ مبارک سے آنسوؤں کی قطار لگ گئی۔

اسی دن عرس سلامی میں جبل پور جانا تھا۔ حضرت نے حاجی علی محمد سے کہا آپ بھی چلیں اور ٹیپ ریکارڈر ساتھ میں رکھ لیں راستے میں کئی بار حضرت نے یہ نعت شریف سنی۔ جبل پور پہنچ کر حضرت محمود میاں صاحب سے فرمایا کہ تھوڑا سا وقت اس نعت شریف کے لیے نکال لیں۔ چنانچہ حضرت محمود میاں نے اس وقت ٹائم نکالا جب علما و مشائخ اسٹیج پر بیٹھے تھے۔ سیدی سرکار مفتی اعظم بھی تشریف فرما تھے۔ علما کی نشست کچھ اوپر اور مقرر کی جگہ کچھ نیچے تھی اور وہیں مائیک فٹ تھا حاجی علی محمد صاحب نے ٹیپ ریکارڈر رکھ کر بٹن دبا دیا۔ نعت شریف شروع ہوگئی۔ سبھوں نے اپنے ماتھے کی آنکھوں سے دیکھا، حضرت فوراً نیچے اتر آئے۔ میں نے حضرت کا مزاج پڑھ لیا۔ فوراً ٹیپ ریکارڈ ہاتھ میں اٹھا لیا، تب حضرت اوپر تشریف لائے۔

غور فرمائیں۔ جب سیدی سرکار مفتی اعظم کے دل میں نعتِ مصطفیٰ کا اتنا احترام ہے تو ذاتِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کتنا احترام ہوگا؟ اس لیے میں کبھی کبھی کہتا ہوں جو رضائے مصطفیٰ ہوتا ہے، وہی مصطفیٰ رضا ہوتا ہے۔ بہ الفاظِ دیگر رضائے مصطفیٰ کا دوسرا نام مصطفیٰ رضا ہے۔

سیدی سرکار مفتی اعظم ہند نے ایک مرتبہ پوکھریرا جاتے ہوئے ایک شب پنڈول بزرگ میں قیام فرمایا۔ میرا لڑکا شعیب رضا ایام طفولیت میں سخت علیل تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ اس نے دم توڑ دیا۔ نور الحسن صاحب اس بچے کو اٹھا کر لائے اور سرکار کی آغوش کرم میں یہ کہتے ہوئے ڈال دیا کہ یہ مفتی عبدالحلیم کا بچہ ہے۔ حضرت نے اپنی آغوش میں لے کر کچھ پڑھ کر دم کر دیا۔ بچے نے فوراً آنکھیں کھول دیں۔ تمام گاؤں والوں نے اپنے ماتھے کی آنکھوں سے یہ منظر دیکھا اور بیک زبان کہنے لگے یہ سرکار مفتی اعظم کی کرامت ہے۔ تب سے میں بھی یہی کہتا ہوں کہ میرا لڑکا شعیب رضا سرکار مفتی اعظم ہند کی زندہ کرامت ہے۔

ایک دفعہ ناگ پور تشریف لائے۔ حاجی عبدالستار صاحب جنتا گلاس والے کے یہاں حضرت کی دعوت تھی۔ دسترخوان بچھا دسترخوان پر کچھ اور علمائے کرام اور مخصوص مہمان تھے۔ حاجی غلام یٰسین (جو اس وقت کم عمر تھے) نے چھوٹوں سے ہاتھ دھلانا شروع کیا۔ کچھ علما نے اسے خلاف ادب سمجھ کر ''شو شو'' شروع کر دیا۔ ان کا منشا یہ تھا کہ حضرت کا ہاتھ دھلائے مگر حاجی غلام یٰسین علی حالہ ہاتھ

دھلاتے رہے۔حضرت نے مسکرا کر فرمایا بچہ تربیت یافتہ ہے۔

کچھ لوگ عدم واقفیت کی بنا پر بزرگوں کے ہاتھ پہلے دھلانا شروع کر دیتے ہیں۔ایسا نہیں چاہیے بل کہ کھانے سے پہلے چھوٹوں کا ہاتھ دھلایا جائے اور بزرگوں کا بعد میں اور کھانے کے بعد بزرگوں سے شروع کرنا چاہیے۔چھوٹوں کا بعد میں تاکہ انھیں انتظار کی زحمت نہ اٹھانی پڑے۔

محترم الحاج سعید نوری صاحب رضا اکیڈمی ممبئی کے ایما پر چند واقعات سپرد قرطاس کر دیے گئے ورنہ ع

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

جن کی ہر بات قانون شریعت کی پابند،جن کی ہر ادا سنت و شریعت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہے،اس ذات کریم کو مجھ جیسا بے مایہ ضبط تحریر میں لائے یہ کب ممکن ہے؟

مولائے کریم بطفیل رؤف ورحیم علیہ التحیۃ والتسلیم حضور سیدی سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کے روحانی فیوض و برکات سے ہم سب کو مالا مال فرمائے۔آمین

☆☆☆

عالم باعمل سرکار مفتی اعظم

مفتی محمد اختصاص الدین اجملی نوری رضوی

ناظم اعلیٰ مرکزی مدرسہ اہل سنت اجمل العلوم،سنبھل،مراد آباد

زبدۃ العارفین،مرجع العلماء الکاملین،مرشد برحق،شہزادۂ اعلیٰ حضرت،سرکار مفتی اعظم ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات بابرکات محتاج تعارف نہیں۔آپ برصغیر کے اپنے زمانہ میں سب سے بڑے عالم باعمل اور متبع شریعت بزرگ تھے۔میں نے اپنی زندگی میں آپ کو صاحب تقویٰ پایا۔آپ کا عمل تنہا فتویٰ پر نہیں تھا بل کہ تقویٰ پر بھی تھا۔آپ کی پوری زندگی شریعت مطہرہ کے دائرہ میں گزری ہے۔آپ ولی کامل اور عالم باعمل تھے۔اور اپنے والد ماجد اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے سچے جانشین تھے۔ناچیز نے حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کی ۲۲ سال زیارت کی ہے۔آپ کی زندگی کو شریعت طاہرہ کے مطابق پایا۔آپ کے قول و فعل،حرکات و سکنات کو سنت رسول کے مطابق دیکھا۔آپ سے بیعت و ارادت و خلافت حاصل کرنے والے اپنے دور کے بڑے بڑے علما و فضلا و مفتیان کرام تھے۔آپ علمائے اہل سنت و جماعت میں سب سے افضل و اعلیٰ اور برتر و بالا تھے۔

خاکسار کو بھی حضرت والا سے بیعت و خلافت کا شرف حاصل ہے۔آپ نماز باجماعت کے سخت پابند تھے۔بریلی شریف کے زمانہ قیام میں ہر فرض نماز مسجد رضا میں جماعت سے ادا فرماتے تھے اور اکثر وضو بھی مسجد شریف کے وضو خانے میں کرتے تھے۔عوام و

خواص حضرت قبلہ کے وضو کے طریقہ کو دیکھ کر اپنی اصلاح کرتے تھے۔حضرت والا سنن و مستحبات کے بھی پابند تھے۔

سرکار مفتی اعظم صاحب کرامت بزرگ گزرے ہیں۔ایک مرتبہ عرس اعلیٰ حضرت بریلی شریف میں کثیر مجمع تھا۔حضرت والا معتقدین ومتوسلین کو پند ونصائح فرمارہے تھے۔آپ کی نشست گاہ میں برقی پنکھا چھت میں لگا ہوا تھا۔اچانک پنکھا چھت سے نیچے آنے لگا۔کمرہ میں بڑا ہجوم تھا۔حضرت قبلہ کی جب نظر پنکھے پر گئی تو زبان مبارک سے یہ کلمات صادر ہوئے۔''اللہ خیر کرے۔اللہ خیر کرے'' چھت سے جب پنکھا نیچے چلا تو چل رہا تھا۔لیکن جب زمین کے قریب آیا تو بالکل رکا ہوا تھا۔اور کسی کو بھی کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔یہ حضرت والا کی زندہ کرامت تھی کہ سب حاضرین کو بچالیا۔

حضرت قبلہ کی نماز میں بڑا خشوع وخضوع ہوتا تھا،دنیاومافیہا سے بالکل بے نیاز ہوجاتے تھے۔ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ سرکار مفتی اعظم علمائے کرام کے ہم راہ ممبئی تشریف لے جارہے تھے۔جب رتلام اسٹیشن پر ٹرین رکی تو حضرت قبلہ نے ارشاد فرمایا کہ اسٹیشن پر جماعت سے نماز پڑھی جائے گی۔سب حضرات نے وضو کیا اور اسٹیشن پر جماعت سے نماز ادا کی گئی۔حضرت قبلہ اوراد ووظائف میں مشغول ہوگئے۔نہ معلوم کیوں وقت سے پہلے ٹرین چلنے لگی۔علمائے کرام جلدی جلدی نماز سے فارغ ہوکر ٹرین میں بیٹھ گئے،حضرت قبلہ سے عرض کیا گیا کہ ٹرین چلنے لگی ہے۔حضور نے توجہ نہ فرمائی۔ٹرین پلیٹ فارم چھوڑ کر سگنل تک پہنچ کر رک گئی،اب ٹرین کی حالت یہ ہوگئی کہ ڈرائیور آگے بڑھاتا تو نہ چلتی اور پیچھے ہٹاتا تو چلنے لگتی۔کسی نے ڈرائیور سے کہا کہ ایک بزرگ نماز پڑھ رہے ہیں۔اور اللہ کی یاد میں مشغول ہیں،تم نے ان کو چھوڑ کر ٹرین چلادی ہے۔لہٰذا اب ٹرین کو واپس پلیٹ فارم پر لے جاؤ۔ٹرین واپس پلیٹ فارم پر آگئی۔حضرت قبلہ عبادت وریاضت میں مصروف تھے۔ڈرائیور اور ہجوم حضرت کے پاس جمع ہوگیا۔حضرت جب اوراد ووظائف سے فارغ ہوئے تو ارشاد فرمایا،کیا معاملہ ہے کہ تم سب میرے پاس کھڑے ہو؟ ڈرائیور نے حضرت قبلہ سے معذرت کی کہ حضور مجھ سے غلطی ہوگئی۔سرکار درگزر فرمادیں۔میں نے وقت سے پہلے ٹرین چلادی تھی۔حضرت قبلہ نے معذرت قبول کی اور ٹرین میں تشریف فرما ہوئے،اس کے بعد ٹرین چل پڑی،حضرت قبلہ کا یہ واقعہ ماہ رمضان المبارک میں بعد نماز فجر جامع مسجد کھڑک بمبئی میں حضرت احسن العلما سجادہ نشین مارہرہ مطہرہ نے اس خاکسار کو سنایا تھا اور حضرت قبلہ احسن العلما بھی حضرت کے ہمراہ اس ٹرین میں سفر فرمارہے تھے یہ بھی حضرت کی واضح کرامت ہے۔

سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان مال ودولت سے قطعاً رغبت نہیں رکھتے تھے۔۱۹۷۳ء میں مدرسہ اجمل العلوم کے جلسہ دستار فضیلت میں حضرت قبلہ بحیثیت سرپرست سنبھل تشریف لائے۔جلسہ کا انتظام وانصرام میرے ہی ہاتھ میں تھا۔جلسہ سے فراغت کے بعد علمائے کرام کی خدمت میں نذرانے پیش کیے گئے۔حضرت قبلہ کو بھی میں نے لفافہ پیش کیا۔حضرت نے فرمایا''مولانا یہ کیا ہے؟''میں نے عرض کیا۔حضور یہ زادِ راہ ہے۔ارشاد فرمایا کہ میں نے آپ کے والد ماجد حضرت اجمل العلما سے بھی کبھی جلسہ کا نذرانہ نہیں لیا اور نہ ہی مولانا یونس صاحب سے لیا۔اور میں کسی بھی دینی مدرسہ سے نذرانہ وکرایہ نہیں لیتا ہوں۔یہ مدارس خود امداد واعانت کے مستحق ہیں،یہ حضرت قبلہ کی انتہائی تقویٰ واحتیاط کی بات تھی۔

اس کے بعد حاجی غلام محمد خاں صاحب سابق ممبر پارلیمنٹ اپنے مکان واقع موضع محمد گنج حضرت قبلہ ودیگر علمائے کرام کو لے کر گئے۔رخصت کے وقت سب علمائے کرام کو حاجی صاحب نے نذرانے وکرایہ پیش کیے۔سب نے قبول کر لیے۔حضرت قبلہ کو بھی بطور نذرانہ حاجی صاحب نے ایک سو روپے کا نوٹ پیش کیا۔ارشاد فرمایا کہ حاجی صاحب مجھے نذرانہ وکرایہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔اللہ کا دیا

بہت کچھ ہے۔ حاجی صاحب نے جب زیادہ اصرار کیا تو فرمایا کہ پانچ روپے کا نوٹ دے دو، باقی رقم غربا و مساکین کو دے دو، ان کا فائدہ ہو جائے گا۔

اسی طرح ایک مرتبہ شہر امروہہ میں مدرسہ محمد یہ حنفیہ شاہی چبوترہ کے جلسہ دستار بندی میں حضرت قبلہ تشریف لے گئے، بعد اختتام جلسہ حضرت قبلہ کی خدمت میں نذرانہ پیش کیا گیا، ارشاد فرمایا۔ مجھ کو نذرانہ و کرایہ کی ضرورت نہیں ہے۔ بعد اصرار شدید صرف پانچ روپے لیے اور پچانوے روپے مدرسہ کو واپس کر دیے۔ ایسا متقی حضرت قبلہ کے سوا اس دور میں کون ہو سکتا ہے۔؟

حضرت قبلہ علم و عمل، تقویٰ و طہارت، امانت و دیانت میں اپنی مثال آپ تھے۔ ایک مرتبہ میں بریلی شریف حضور والا کی خدمت میں حاضر تھا۔ ایک صاحب نے حضرت قبلہ کو مسجد رضا کی تعمیر کے لیے روپے دیے۔ حضرت قبلہ نے اپنی جیب میں رکھ لیے تھے۔ جب ساجد علی خاں مرحوم جو حضرت قبلہ کے داماد تھے آئے تو حضرت نے فرمایا کہ ایک صاحب مسجد رضا کے لیے روپے دے گئے ہیں۔ جب حضرت نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا تو روپے نہ نکلے۔ سہواً روپے اس جیب میں رکھ لیے تھے جس میں اپنے اخراجات کی رقم رکھی جاتی تھی۔ حاضرین سے معلوم کیا کہ دینے والے نے کتنے کا نوٹ دیا ہے؟ عرض کیا گیا حضور ہمیں معلوم نہیں۔ فرمایا۔ زیادہ سے زیادہ سو روپے کا نوٹ ہوگا؟ جب جیب میں ہاتھ ڈالا تو کافی رقم جیب میں تھی، ارشاد فرمایا کہ ان ہی میں وہ نوٹ ہوگا۔ حضرت قبلہ نے تمام رقم جو جیب میں تھی مسجد رضا کے لیے دے دی کہ ان ہی میں وہ نوٹ ہوگا جو دینے والے نے دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت تقویٰ کی اعلیٰ منزل پر فائز تھے۔

حضرت قبلہ نے کبھی بھی کسی نابالغ بچے سے نذرانہ نہیں لیا ہے۔ ارشاد فرماتے تھے کہ نابالغ جب مالک نہیں بن سکتا تو کسی کو مالک بھی نہیں بنا سکتا ہے۔ اور نہ ہی حضرت قبلہ تعویذ کے بعد نذرانہ لیتے تھے۔ بل کہ اگر تعویذ کے بعد کسی نے نذرانہ دیا تو اظہار ناراضی فرماتے تھے اور تعویذ واپس لے لیتے تھے کہ میں تعویذ کی اجرت نہیں لیتا ہوں۔ یہ سب اس وجہ سے تھا کہ حضرت قبلہ علم و عمل کے پیکر تھے۔ حضرت قبلہ دوران سفر بھی غیر مسلم سے چائے دودھ کھانا نہیں خریدتے تھے۔ اگر ضرورت ہوتی تو صرف پھل خرید لیتے، یہ حضرت قبلہ کا تقویٰ پر عمل تھا۔

حضرت قبلہ نے زندگی بھر کسی ڈاکٹر سے علاج نہ کرایا اور نہ ہی رقیق دوا استعمال فرمائی کہ اس میں الکحل کا اثر ہوتا ہے۔ جو شراب کی ایک قسم ہے۔

حضرت قبلہ نے کبھی بھی تعویذات و تحریرات میں پین کی روشنائی استعمال نہ فرمائی کہ اس میں اسپرٹ ہوتا ہے۔ اس میں شراب کا اثر ہے۔

حضرت قبلہ کے مبارک ہاتھوں سے اس خاکسار کے سر پر دستار بندی ہوئی ہے۔ اس خاکسار کو یہ بھی شرف حاصل ہے کہ اس کے پیچھے حضرت قبلہ نے دو نمازیں ایک مغرب کی دوسری نماز جمعہ ادا فرمائی ہیں۔

حضرت قبلہ کو میں نے کبھی امامت کرتے نہیں دیکھا ہے، فرمایا کرتے تھے۔ اللہ میری نماز قبول فرمائے۔ دوسروں کی نماز کو کیوں اپنے ذمہ لوں؟ یہ بڑی احتیاط کی بات تھی۔

حضرت سرکار مفتی اعظم کی خداداد مقبولیت :

حضور قبلہ کو اپنی حیات میں بے پناہ مقبولیت حاصل تھی۔ عوام وخواص اپنے بے گانے سب آپ کی ذات بابرکات سے اچھی طرح واقف تھے آپ کی عبادت وریاضت، تقویٰ وطہارت، امانت ودیانت، عالم اسلام میں مشہور تھی۔ آپ کے مریدین، متوسلین، معتقدین، کی تعداد لاکھوں ہے۔ حضور قبلہ کو حیات سے زیادہ بعد وفات مقبولیت وشہرت حاصل ہوئی۔ حضرت قبلہ کے وصال کی خبر آل انڈیا ریڈیو، پاکستان ریڈیو، بنگلہ دیش ریڈیو، بی۔ بی۔ سی۔ لندن ریڈیو نے اپنی اپنی خبروں میں برابر نشر کی، حضرت کی نماز جنازہ میں تقریباً دس لاکھ کا مجمع تھا۔ الجمعیۃ مخالف اخبار نے بھی نماز جنازہ میں پانچ لاکھ کا مجمع لکھا ہے۔ حضرت قبلہ کے جنازہ میں ہزاروں علما، حفاظ، قرا، مفتیان کرام موجود تھے۔ علما ومشائخ کا بے پناہ ہجوم تھا۔ تیس اسلامی ممالک کے سفرا اپنے اپنے ملکوں کے نمائندہ بن کر جنازہ میں نئی دہلی سے آئے تھے۔ ممبران پارلیمنٹ، ممبران اسمبلی ووزرا حکام کی تعداد بے شمار تھی۔ غرضے کہ خلق خدا امڈ آئی تھی۔ انسانوں کا سیلاب تھا جو جنازہ میں شرکت کے لیے آیا تھا۔

سرکار مفتی اعظم کی نماز جنازہ اشرف المشائخ، شہزادۂ رسول، حضرت مولانا مفتی الحاج الشاہ سید محمد مختار اشرف صاحب قبلہ اشرفی جیلانی سجادہ نشین سرکار کلاں کچھوچھہ مقدسہ نے پڑھائی ہے۔ یہ خاکسار بھی اپنے مرشد کی نماز جنازہ میں تیسری صف میں موجود تھا۔

مولیٰ تبارک وتعالیٰ سرکار مفتی اعظم کے فیوض وبرکات کو تا قیامت جاری وساری رکھے آمین۔ یارب العالمین۔

☆☆☆

حضور مفتی اعظم ایک عظیم فقیہ ایک عظیم مجاہد

مولانا قمر الزماں خاں اعظمی مصباحی
جنرل سکریٹری ورلڈ اسلامک مشن، لندن، برطانیہ

ہندوستان کی سرزمین جو اپنے رقبے اور آبادی کے اعتبار سے دنیا کے درجنوں ممالک سے زیادہ وسیع وعریض ہے اور برصغیر کے نام سے متعارف ہونے کے باوجود نو دریافت براعظموں سے زیادہ آبادی کی حامل ہے۔ ہندوستان ان قدیم ترین ملکوں میں شامل ہے جن کی تاریخ ہزاروں سال پر مشتمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کثیر آبادی والے ملک میں داعیانِ اسلام اسلامی تاریخ کے ابتدائی دور میں جلوہ گر ہوئے۔ ان داعیانِ اسلام کی کوششوں سے پہلی اور دوسری صدی ہجری میں اسلام اس سرزمین پر ایک عظیم مذہب اور نظام حیات کی حیثیت سے متعارف ہو چکا تھا۔ اس دور میں داعیانِ اسلام اور مسلم تاجروں کے ہاتھوں پر لاکھوں افراد اسلام قبول کر چکے تھے۔ بت کدۂ ہند میں اسلام کے فروغ کے ساتھ ساتھ توحید اور اصنام پرستی کی کشمکش کا آغاز ہوا اور اسلام کی اشاعت کے ساتھ ساتھ ردعمل کے طور پر باطل قوتیں اپنے تمام تر وسائل کے ساتھ اس عظیم دین سے برسرِ پیکار ہو گئیں۔ ہزاروں باطل خداؤں، سیکڑوں تہذیبوں اور لاتعداد رسوم و رواج کی

حامل ہندو قوم کی ایک معتدبہ تعداد نے اسلام قبول کیا تو اکثریت نے اسلام دشمنی کی انتہا کر دی اور اہل حق کو ہر دور میں ظلم و ستم کا نشانہ بنایا گیا ۔مگر جام توحید پینے والے دیوانگانِ عشق نے ہر ستم گوارا کر لیا مگر دین حق سے انحراف گوارا نہ کیا۔

اس کی یہ خوبی عہدِ رسالت سے لے کر آج تک نمایاں ہے کہ جس نے ایک بار سچے دل سے اسلام قبول کر لیا وہ اس دینِ حق سے واپس باطل کی طرف لوٹنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

چنان چہ داعیانِ دین اور اولیاے کرام کے ایک طبقے نے اسلام کی دعوت دی اور غیر مسلموں کو اسلام میں داخل فرمایا تو دوسری طرف علماے ملت اسلامیہ اور مجدد دین امت نے دین پناہی کا فریضہ انجام دیا اور ہر دور میں اٹھنے والے فتنوں کا پوری قوت اور استقامت کے ساتھ مقابلہ کیا۔

کبھی اس ملک کے راجاؤں نے اپنے اپنے دور اقتدار میں مسلمانوں کو بت پرستی کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی اور کبھی ان کی متحدہ قوت نے موحدین کے خلاف ہر طرح کے ظلم و ستم کو روا رکھا۔ابتداءً مال و دولت کی لالچ دی گئی، اقتدار پیش کیا گیا مختلف علاقوں کی صوبہ داری کی تحریص و ترغیب دی گئی لیکن مسلمانوں نے جب مال و دولت اور دنیاوی اقتدار کو پاے حقارت سے ٹھکرا دیا تو پھر ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے گئے، ان کا معاشرتی بائیکاٹ کیا گیا۔مگر وہ اپنی کوششوں میں کامیاب نہ ہو سکے۔اس لیے کہ اللہ رب العزت نے اپنے دین کی اشاعت اور حفاظت کے لیے داعیانِ اسلام علما اور اولیا کو اس سرزمین پر بھیجا۔انھوں نے نہ صرف یہ کہ اپنی روحانی قوت سے باطل کو شکست دی بل کہ ان کے مذہبی ''فلسفہ و یدانت'' کا جواب بھی اسلام کے ''عملی تصوف'' سے دیا۔صوفیاے کرام کا تصوف ''خالص اسلامی تصوف'' تھا اور ''احسان'' کی اعلیٰ ترین شکل تھی۔

پنجاب کی سرزمین پر کفر کے شدید غلبے اور ظلم و ستم کے دور میں حضور داتا گنج بخش سیدنا مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے نَفس گرم اور روحانی تاثیر سے لاکھوں غیر مسلموں کو اسلام کے دائرے میں داخل فرمایا اور تصوف کی پہلی کتاب ''کشف المحجوب'' کی تالیف کے ذریعہ اس ملک میں تصوف کی راہ پر چلنے والوں کے لیے ایک نصاب عمل بھی ترتیب دیا۔کشف المحجوب اس محبوبِ حقیقی کے جلوؤں سے آشنائی اور اسی مستور ازل کی صفات کے مشاہدے کے لیے ایک اہم کتاب ہے۔

حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمہ کی روحانی عظمت کا یہ حال تھا کہ وصال کے بعد بھی ان کا مزار مقدس، طالبان حقیقت کو اپنی طرف متوجہ کرتا رہا، چنان چہ سلطان الہند خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ والرضوان مدینۃ الرسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور بغداد مقدس کے سفر سے واپسی کے بعد ہندوستان کے خطہ اجمیر میں قیام سے پہلے لاہور میں مزار داتا گنج بخش پر معتکف اور چلہ کش رہے اور چالیس روز تک کسب فیض کے بعد یہ اعتراف کرتے ہوئے عازم اجمیر ہوئے کہ

گنج بخش فیض عالم مظہرِ نورِ خدا ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہ نما

شہاب الدین غوری کی شکست کے بعد عطاے رسول خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ ہندوستان میں وارد ہوئے۔ان کا ورود مسعود ایک ایسے دور میں ہوا جب مسلمان شکست خوردہ ہو چکے تھے اور پورے ملک بالخصوص راجپوتانہ کی سرزمین ان کے لیے مقتل بن چکی تھی۔نفرتوں کا یہ عالم تھا کہ وہ کنوؤں سے پانی بھی نہ بھر سکتے تھے اور نہ ہی ان تالابوں میں غسل کر سکتے تھے جہاں غیر مسلم آباد تھے، ایسے نازک وقت میں حضور غریب نواز علیہ الرحمہ نے اپنی روحانی قوت سے باطل قوتوں کا مقابلہ کیا اور ان کی مساعی جمیلہ نیز ان کے روحانی تصرف سے نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کو راجاؤں کے ظلم و ستم سے نجات ملی بل کہ لاکھوں ہندو مسلمان ہوئے اور شہاب الدین غوری کو فتح و نصرت ملی۔

ہندوستان کی سرزمین چوں کہ پنڈتوں، جوگیوں، پروہتوں اور پجاریوں کی آماجگاہ تھی ان کا اپنا ایک فلسفۂ مذہب تھا جس کو ویدانت کے نام سے جانا جاتا ہے جس میں روحانی ارتقا کے مختلف اسالیب کی وضاحت کی گئی ہے، اس لیے خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ نے اس سرزمین پر اسلام کی اشاعت کے لیے کثرتِ عبادت، ریاضت، چلہ کشی، دنیا سے بے رغبتی وغیرہ کو شامل نصابِ دعوت فرمایا تا کہ داعیان اسلام روحانی اعتبار سے اس مقام بلند پر فائز ہوں جہاں دوسرے مذاہب کے لوگ نہ پہنچ سکیں۔ چناں چہ ان کا مقابلہ ہندو جوگیوں سے ہوا مگر خواجہ اپنے روحانی تصرفات کی بنا پر غالب رہے۔ اس طرح انھوں نے غیر مسلموں پر واضح فرمادیا کہ روحانیت کی اعلیٰ ترین منزلیں صرف اسلام اور عقیدۂ توحید کے ذریعہ طے کی جاسکتی ہیں۔

روحانی اعتبار سے اصنام پرستوں کو شکست فاش دینے کے بعد آپ نے خواب کے ذریعہ سلطان شہاب الدین سہروردی کو ہندوستان آنے کی دعوت دی۔ اس نے راجاؤں کی متحدہ فوج کو شکست فاش دی۔ بعد میں سیکڑوں سال تک مسلمانوں کا سیاسی غلبہ اور اقتدار انھیں کے فتوحات کا تسلسل تھا۔

خواجۂ خواجگان نے نہ صرف اپنے دور میں اسلام کی اشاعت کے لیے جدوجہد فرمائی بل کہ آپ کی خانقاہ تصوف کی ایک ایسی تربیت گاہ تھی جس سے بے شمار لوگ تربیت یافتہ ہوکر کشورِ ہند کے تمام علاقوں میں پھیل گئے اور انھیں کی روایات پر عمل کرتے ہوئے اشاعت اسلام کا عظیم کارنامہ انجام دیا۔

غریب نواز علیہ الرحمہ کی نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ مستقبل میں ایک طویل زمانے تک دہلی مسلم فرماں رواؤں کا دارالسلطنت رہے گا اور ایک مدت تک مسلم فرماں روا وہاں تخت نشین رہ کر پورے ملک میں حکمرانی کا فریضہ انجام دیں گے اس لیے سلاطین کی روحانی اور اخلاقی تربیت اور مسلمانوں کو دینِ حق پر استقامت بخشنے کے لیے آپ نے اپنے روحانی فرزند اور جانشین حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کو دہلی کا قطب الارشاد بنا کر متعین فرمادیا۔ انھوں نے اپنے دور کے حکمراں شمس الدین التمش کی دینی تربیت فرمائی۔

جب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے یہ ملاحظہ فرمایا کہ پنجاب کی سرزمین باب الہند ہے اور افغانستان نیز وسط ایشیا بالخصوص سمرقند و بخارا، ازبکستان، تاجکستان وغیرہ کے مسلم فاتحین اور صوفیہ اسی راستے سے ہندوستان میں وارد ہوتے ہیں تو انھوں نے خواجہ فرید الدین گنج شکر علیہ الرحمۃ والرضوان کو پورے پنجاب کا منصب خواجگی عطا فرما کر پاک پٹن شریف روانہ فرمایا اور خواجہ فرید الدین گنج شکر نے پورے پنجاب کو سیراب فرمایا۔ آج بھی خطہ پنجاب میں مشائخ چشت کی درجنوں خانقاہیں انھیں کی مرہونِ منت ہیں۔

اور جب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد دلی کا روحانی تخت خالی ہو گیا تو خواجہ فرید الدین گنج شکر علیہ الرحمہ نے حضرت نظام الدین اولیا علیہ الرحمہ کو وہاں متمکن فرمایا اور اس طرح دلی کی امانت دلی کو واپس فرمادی۔ خواجہ نظام الدین اولیا کے دور میں متعدد مسلم حکمراں دلی کے تاج وتخت پر قابض ہوئے۔ ان میں کچھ آپ کے معتقد تھے اور کچھ آپ کی شہرت سے حسد کرتے تھے جو معتقد تھے وہ بارگاہ نظام سے نوازے گئے اور جو حسد کرتے تھے اور ان کے قتل کے درپے تھے انھیں ؎

ہنوز دلی دور است

کا مشہور جملہ ارشاد فرما کر زندگی اور اقتدار دونوں سے محروم فرمادیا۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا نے اپنی خانقاہ میں روحانی تربیت دے کر درجنوں اولیاے کرام کو منصب دعوت وتبلیغ پر فائز فرمایا اور پھر ان اولیاے کرام نے دلی کو بائیس خواجگان کی سرزمین بنادیا۔ حضرت نظام الدین اولیا علیہ الرحمہ کی بارگاہ کے تربیت یافتہ اولیاے کرام نے صرف دہلی ہی نہیں بل کہ پورے ہندوستان کو

نوازا۔ ہندوستان میں جہاں جہاں کفر واسلام کی کشمکش تھی اور جو خطے اس دور میں سیاست میں نمایاں مقام رکھتے تھے، وہاں سلسلہ چشتیہ کے فیض یافتہ بزرگوں نے پہنچ کر اسلام کا پرچم بلند فرمایا اور لوگوں کو دائرہ اسلام میں داخل فرمایا۔ چنان چہ حضرت بندہ نواز گیسو دراز علیہ الرحمۃ کو دکن کی روحانی سلطنت سپرد کی گئی۔ حضرت علاء الحق پنڈوی علیہ الرحمہ کو بنگال کا روحانی اقتدار بخشا گیا اور اس طرح اس طویل وعریض ملک کے طول وعرض میں تبلیغ ودعوت کا ایک منظم نظام نافذ کیا گیا۔

جب تک مسلمانوں کا اقتدار رہا اور مسلم بادشاہوں میں جو لوگ دین دار اور خدا ترس تھے انھوں نے مسلمان علما اور صوفیہ کی اعانت کی اور ان کی تعلیم وتربیت سے فیض یاب رہے۔ وہ کامیاب وکامران رہے مگر چند مسلم سلاطین ایسے بھی تھے جنھوں نے اپنے اقتدار کو طول دینے کی غرض سے دین کو پس پشت ڈال دیا اور اس بات کی کوشش کی کہ ایک ایسا مذہب رائج کیا جائے جو ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کے لیے قابل قبول ہو یہ ان کی ایک سیاسی ضرورت تھی۔ چناں چہ مغل بادشاہ اکبر اعظم نے اپنے دور میں چند دین فروش دانشوروں کو جمع کر کے ایک نئے مذہب ''دینِ الٰہی'' کی بنیاد رکھی۔ اسلام اور ہندومت اور دیگر مذاہب کا ایک معجون مرکب تیار کیا اور خود کو اس نئے دین کا بانی قرار دیا اور بادشاہت کے زور سے اس نے باشندگانِ ہند کو اس نئے دھرم کی طرف مائل کرنا چاہا مگر اس دور کے علمائے حق نے اکبر کے اس باطل دھرم کی شدت سے مخالفت کی۔ اس دور میں علما کی گرفت مسلم عوام پر بہت مضبوط تھی اس لیے اکبر اپنے اس منصوبے میں کامیاب نہ ہوسکا البتہ اس کے کچھ اثرات جہاں گیر کے دور اقتدار تک باقی رہے۔ اس دور میں بہت سی دوسری بدعات کو رواج دیا گیا۔ بہت سی ہندوانہ رسموں اور تیوہاروں کو حکومت کی سرپرستی میں عام کیا گیا۔ بادشاہ کے لیے ''سجدۂ تعظیمی'' ضروری قرار دیا گیا۔ ایسے دور میں حضرت مجدد الف ثانی، شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمۃ نے دین الٰہی اور دیگر بدعات وخرافات کے استیصال کا عظیم کارنامہ انجام دیا۔

حضرت شیخ مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کے ذریعے سلسلہ نقشبندیہ کو بہت فروغ حاصل ہوا اور ہندوستان کے علاوہ افغانستان، ترکی نیز وسط ایشیا کی تمام مسلم ریاستوں میں یہ سلسلہ بیعت وارشاد پھیلا اور تاہنوز اس کے اثرات پائے جاتے ہیں۔

سلسلہ چشتیہ اور نقشبندیہ کے علاوہ سلسلۂ قادریہ کے علما اور مشائخ اور اولیا نے صرف ہندوستان ہی نہیں بل کہ پوری دنیا میں اشاعت اسلام کا فریضہ انجام دیا۔ سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ اور ان کے دامن سے وابستہ اولیائے کرام نے براعظم ایشیا، یوپ اور افریقہ کے تمام ملکوں میں اشاعت اور تجدید دین کا اہم ترین فریضہ انجام دیا۔

چنان چہ آج بھی پوری دنیا میں حضور غوث الاعظم کے دامن کرم سے وابستہ مشائخ کے سلسلے قادری، تیجانی، بداوی اور شاذلی کے نام سے متعارف ہیں اور آج پوری دنیا میں انھیں کی اکثریت ہے۔ ہندوستان میں مسلم حکومتوں کے زوال کے ساتھ ساتھ باطل قوتوں نے زور پکڑا اور اسلام کو بیخ سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے ہر چہار جانب سے حملے ہونے لگے تو علما اور مشائخ نے نکل کر خانقاہوں سے ادا کر ''رسم شبیری'' کا فریضہ انجام دیا اور برصغیر کے طول وعرض میں علمائے اہل سنت نے مداس اسلامیہ کا جال پھیلا دیا۔ افغانستان کی سرزمین سے لے کر بنگال کی سرزمین تک ہزاروں درس گاہیں قائم کی گئیں اور ان درس گاہوں کی علمی اور فکری سرپرستی اس دور کے اکابر علما نے فرمائی۔ چنان چہ ہندوستان میں علم حدیث کو متعارف کرانے والی شخصیتوں میں حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی علیہما الرحمہ کی سب سے زیادہ نمایاں ہیں۔ ان کے خانوادے نے علم کی اشاعت میں نمایاں کارنامے انجام دیے اور ان علما نے ایسے وقت میں ملت اسلامیہ کی متزلزل دیواروں کو سنبھالا جب ہندوستان میں مسلم اقتدار اپنی آخری سانس لے رہا تھا۔

حکومت مغلیہ کے زوال کے بعد مسلم ہندوستان کے طول وعرض پر انگریز قابض ہوگئے اور صرف ہندوستان ہی نہیں بل کہ پوری

دنیا کے بیشتر مسلم ممالک یورپین اقوام کے زیر نگیں آ گئے اور کالونیوں میں تبدیل ہو گئے اور پھر ۱۸۵۷ء کا وہ المیہ پیش آیا جس میں بیشتر علماے اہل سنت کو جہاد حق کی پاداشت میں سولیوں پر لٹکا یا گیا یا انڈمان اور دوسرے جزائر میں قید تنہائی کی حالت میں جام شہادت نوش فرمایا، ان مجاہدین آزادی میں حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمہ کی ذات سب سے نمایاں ہے۔ علماے اہل سنت کی شہادت یا ان کے ملک بدر ہونے کے بعد میدان، دشمنانِ اسلام کے ہاتھ آ گیا اور مسلمانوں کا دفاعی مورچہ کمزور پڑ گیا اور اسلام پر ہر طرف سے یلغار ہونے لگی۔

انگریزوں نے غیر مسلموں کو یہ تاثر دیا کہ ہم نے اس ملک کی اکثریت کو مسلم اقلیت کے اقتدار اور مسلم سلاطین کے مظالم سے نجات دلائی ہے اور اس جھوٹ کو ثابت کرنے کے لیے انھوں نے مسلم حکمرانوں پر مندر شکنی اور غیر مسلموں کو بزور شمشیر اسلام میں داخل کرنے کے الزامات عائد کیے۔ اس طرح یہاں کی ہندو اکثریت کو مسلم دشمنی پر ابھارا جس کے اثرات آج بھی بہت نمایاں ہیں۔ دوسری طرف مسلمانوں کے عقیدے اور تعلق باللہ والرسول کو کمزور کرنے کے لیے ایسی درس گاہیں قائم کی گئیں جن میں انگریزوں کے وفادار پیدا ہوں اور ان سے ایسی تحریریں لکھوائی گئیں جو ایک طرف نام نہاد مسلمانوں میں اہانتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے رجحانات کی حوصلہ افزائی کریں تو دوسری طرف مسلمانوں کی متحدہ قوت کو اختلاف و انفاق کا شکار بنا دیں تاکہ دوبارہ علماے حق جہادِ آزادی کا نعرہ لگا کر انگریزوں کو اس ملک سے نکلنے پر مجبور نہ کر سکیں۔ ایسے پُرفتن دور میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کو پیدا فرمایا جن کے تجدیدی کارناموں نے دشمنانِ اسلام کے ناپاک عزائم کو شکست دی، انھوں نے اسلام اور عظمت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع کے لیے چومکھی جنگ لڑی اور جہاد بالقلم کے ذریعہ باطل فتنوں کی سرکوبی کی اور کم وبیش ایک ہزار کتابیں تالیف فرما کر ملت اسلامیہ کے اہل علم اور ان کی لائبریریوں کے حوالے فرما دیا ان کتابوں میں دلائل کے وہ انبار لگا دیے جو صبح قیامت تک اٹھنے والے تمام فتنوں کا جواب بن سکیں۔ انھوں نے صرف کتابیں ہی نہیں لکھیں بل کہ حضور غوث الاعظم وخواجۂ خواجگان علیہما الرحمۃ والرضوان کی سنت طیبہ پر عمل کرتے ہوئے اپنے تلامذہ کی ایک عظیم جماعت تیار کی جس کا ہر فرد اس دور کے علوم وفنون متداولہ کے ہر علم وفن کا امام تھا۔ ان شخصیات میں امام العارفین رئیس الاتقیا مفتی اعظم حضرت مولانا مصطفی رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات سب سے نمایاں اور ممتاز ہے۔ وہ نہ صرف یہ کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے فرزند تھے بل کہ حقیقی طور پر ان کے علم، تقویٰ، ان کی غیرت دینی، جلالت شان اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مظہر کامل تھے۔ وہ ایک عظیم فقیہ، عظیم محدث، عظیم متکلم، عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم، ولی کامل اور عظیم مرشد طریقت تھے۔ امام اہل سنت امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ نے اپنے منصب ولایت کو اپنے تفقہ کی چادر میں پوشیدہ رکھا تھا ورنہ حقیقۃً وہ ایک مجدد وقت کے ساتھ ایک فنافی الرسول، صاحب جذب وشوق، ولی کامل تھے، انھوں نے اپنے واردات قلبی اور اپنے مشاہداتِ باطنی کو اپنے اشعار میں نمایاں فرمایا ہے۔ مثلاً

پیش نظر وہ نو بہار سجدے کو دل ہے بے قرار — روکیے سر کو روکیے ہاں یہی امتحان ہے

یا

اے شوق دل یہ سجدہ گران کو روا نہیں — اچھا وہ سجدہ کیجیے کہ سر کو خبر نہ ہو

لیکن امام اہل سنت کی شخصیت کا یہ پہلو حضور مفتی اعظم کی ذات میں بہت نمایاں نظر آتا ہے۔ حضور مفتی اعظم کے نزدیک توحید محض ایک لفظ نہیں جس کو صرف زبان سے ادا کیا جائے بل کہ ایک کیفیت ہے جو انسان کو جملہ موجودات اور ممکنات کے تعین سے بے گانہ کر دیتی چنان چہ جب وہ نماز پڑھنے کے لیے خدا کی بارگاہ میں کھڑے ہوتے تھے تو ایک خاص کیفیت ان پر طاری ہوتی تھی جس کا مشاہدہ ان

سیکڑوں حاضر باش افراد نے کیا ہے جنھوں نے انھیں نماز ادا فرماتے ہوئے دیکھا ہے۔ وضو اس طرح فرماتے کہ گویا وہ اپنے محبوب حقیقی کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے لیے طہارت کاملہ کے ذریعہ خود کو نکھار رہے ہوں۔ سنن و مستحبات اور تمام جزئیات کا کامل اہتمام فرماتے تھے۔ عمامہ شریف سر پر رکھتے اور عبا زیب تن فرماتے تو ایسا محسوس ہوتا کہ اس مسجود حقیقی کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے لیے خود کو آراستہ کر رہے ہیں۔ کہ کہیں کوئی بٹن کھلا نہ رہ جائے، کہیں کوئی آستین مڑی نہ رہ جائے اور کہیں گریباں چاک حاضری کا الزام نہ عائد ہو جائے، کہیں لاابالی پن اور کسل نہ نمایاں ہو اس لیے یہ سب ایمان اور محبت کے تقاضے کے خلاف ہے۔ نماز کی کیفیت کا یہ عالم تھا کہ محسوس ہوتا تھا کہ **کانک تراہ** کے کیف سرمدی میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

عجب چیز ہے لذتِ آشنائی دو عالم سے کرتی ہے بے گانہ دل کو

خادم نے شدید گرمی کے موسم میں جب وہ حالت نماز میں تھے پنکھا جھلنا شروع کر دیا تو سلام پھیرنے کے بعد سخت ناراض ہوئے کہ ایک بندۂ عاجز اپنے خدا کی بارگاہ میں حاضر تھا اور تم میری خدمت کر رہے تھے۔ کیا ایک غلام اپنے آقا کے حضور میں کسی خدمت گار کو لے کر حاضر ہو سکتا ہے؟

لوگ خدا کو شہید و بصیر مانتے ہیں مگر مفتی اعظم کی ذات پر خدا کے شہید و بصیر ہونے کا احساس اس قدر غالب تھا کہ وہ ایک لمحے کے لیے بھی اس کے حضور میں حاضری کے احساس سے غافل نہیں تھے۔ کسی نے سوال کیا کہ حضرت آج کے ماڈرن دور میں بعض مقامات پر سنت کے مطابق کھانا کھانے سے ایک عجیب سا احساس ہوتا ہے جواب عطا ہوتا ہے کہ تم کو لوگوں کا احساس ہے مگر یہ احساس نہیں کہ تم رزاق مطلق کا رزق کھا رہے ہو اور تم اس کے بندے ہو۔ کیا ایک بندہ اپنے آقا کے حضور میں کبر و نخوت کے انداز سے کھانا کھا سکتا ہے؟

کسی نے ضعف کی وجہ سے آپ کے ہاتھ میں لرزش محسوس کی اور وضو کے لیے لوٹے سے آپ کے ہاتھوں پر پانی ڈالنا چاہا تو منع فرما دیا اور فرمایا کہ وضو نماز کے اہتمام کا ایک حصہ ہے، یہ بھی عبادت ہے اور عبادت غیر مقصودہ میں بھی حتی الامکان کسی غیر سے مدد نہیں لینا چاہیے۔

سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمۃ سفر و حضر میں اوقاتِ مستحبہ میں نماز کی ادائیگی کا اہتمام خود بھی فرماتے اور رفقائے سفر نیز خدام حاضر باش کو بھی حکم دیتے تھے۔ حاضر باشوں میں اگر کسی کی نماز گھر پر بھی قضا ہوتی تو سرکار مفتی اعظم محسوس فرما لیتے اور بوقت ملاقات چہرہ اقدس پر ناگواری کے آثار نمایاں ہوتے اور خادم محسوس کر لیتے کہ نماز قضا ہوگئی ہے اس لیے حضرت ناراض ہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ جو شخص نماز کی پابندی کرتا ہے اسے خدائے پاک کی بارگاہ سے یہ توفیق ملتی ہے کہ اس کی نماز کبھی قضا نہ ہو۔ چنانچہ یہ دیکھا گیا ہے کہ سرکار مفتی اعظم اگر پلیٹ فارم پر نماز ادا فرما رہے ہیں اور ٹرین روانہ ہوگئی مگر آپ نماز میں اسی محویت کے عالم میں مصروف رہے لیکن ٹرین اسٹیشن کے حدود سے باہر نہیں نکل سکی بل کہ بعض تکنیکی خرابی کی وجہ سے روک دی گئی۔ آپ نے نماز کمالِ اطمینان و خشوع و خضوع کے ساتھ ادا فرمائی اور ٹرین پر بیٹھ گئے تو ٹرین روانہ ہوئی۔ وصال سے قبل کم و بیش دو سال تک صاحب فراش رہے اور کیفیت خاص سے دوچار رہے جو بہت سے اولیائے کرام کو وصال محبوب حقیقی سے پہلے حاصل ہوتی ہے، یہ مشاہدہ انوار الٰہی کی کیفیت ہے۔ اس حالت میں سالکانِ راہِ طریقت کو دنیا سے بے نیاز کر دیتی ہے، حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کا یہ حال تھا کہ لوگ آپ سے ملنے کے لیے آتے مگر آپ انھیں پہچانتے نہیں۔ مجھے کبھی کبھی ایک ہی فرد سے کئی کئی بار پوچھتے کہ آپ کب آئے ہیں؟ مگر قربان جائیے۔ جب نماز کا وقت داخل ہوتا تو مکمل شعور کے ساتھ بیدار ہو جاتے، پورے اہتمام سے وضو فرماتے اور انتہائی خشوع و خضوع کے ساتھ نماز ادا فرماتے

۔کچھ لوگ منتظر رہتے، آپ انھیں مرید فرماتے اور بستر پر دراز ہوتے تو پھر اسی عالم میں چلے جاتے۔

تقسیم ہند کے بعد حالات انتہائی ابتر ہو گئے تھے۔ پورے ملک میں قتل و غارت گری کا بازار گرم ہو گیا تھا، لوگ پاکستان کے وجود کا انتقام ہندوستان کے مسلمانوں سے لے رہے تھے، کچھ لوگوں نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ بھی پاکستان منتقل ہو جائیں تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہندوستان کے کروڑوں مسلمانوں کو بے یار و مددگار چھوڑ کر میں اپنی ذات کے لیے پاکستان کیسے جا سکتا ہوں؟ اور پھر یہاں مزار اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ بھی تو ہے۔

بعض خیر خواہوں نے مشورہ دیا کہ محلہ سوداگران میں صرف آپ کا خاندان مسلم ہے ورنہ پورا محلہ غیر مسلموں کا ہے۔ آپ چند روز نماز گھر میں ہی ادا فرمالیں۔ مبادا کہیں نقصان نہ پہونچ جائے؟ تو آپ نے ناراضی کا اظہار فرمایا کہ دنیا کا کوئی خوف مجھے اللہ کے گھر میں حاضری سے نہیں روک سکتا۔

ہندوستان میں ہوائی جہاز کے سفر کو اس لیے بہتر فرمایا کہ کم وقت میں منزل مقصود پر پہونچا دیتا ہے اور نماز قضا ہونے کا خوف نہیں رہتا۔

صرف نماز ہی نہیں بل کہ زندگی کے تمام شعبوں میں آپ عزیمتوں پر ہی عامل رہے، آپ نے رخصتوں سے کبھی فائدہ نہیں اٹھایا۔ دراصل آپ کا سفر حیات عزیمتوں کا سفر تھا، آپ اولوالعزم فقہا اور اولیا میں سے تھے، یہی وجہ ہے کہ آپ نے کبھی تقاضاے شریعت سے انحراف گوارہ نہ کیا۔

آج کا دور اباحیت پسندی اور تن آسانی کا دور ہے، لوگ حرام اشیا کو مباح قرار دینے کے لیے طرح طرح کے حیلے تراشتے ہیں لیکن حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کا مؤقف یہ تھا کہ تم اگر عزیمت کا راستہ اختیار کرو گے تو لوگ رخصت پر رک جائیں گے لیکن اگر تم نے رخصت کو اپنایا تو لوگ حرمت سے اجتناب نہ کر سکیں گے۔

حالات کا دباؤ کتنا شدید کیوں نہ ہو، آپ نے ہمیشہ اولیٰ پر عمل فرمایا اور فتویٰ بھی دیا، آپ کے معمولات اور فتاویٰ میں خلافِ اولیٰ پر عمل اور حکم نہیں ملتا اور ایسا کیوں نہ ہو؟ اولیاے کرام خلافِ اولیٰ کو بھی گناہ شمار کرتے تھے اور اس سے توبہ کرتے تھے۔ مسلم پرسنل لا کا مسئلہ ہو یا گاؤکشی کا، برتھ کنٹرول کا مسئلہ یا شاردا ایکٹ کا طوفان، آپ نے حالات کے دباؤ یا کسی نقصان کے خوف سے کوئی حکم صادر نہیں فرمایا بل کہ پرسکون حالات میں جن رعایتوں کو ملحوظ خاطر رکھا جا سکتا تھا، آپ نے اس کا بھی خیال نہیں فرمایا بل کہ پوری قوت اور ایمانی استقامت کے ساتھ حق کی حمایت میں فتویٰ صادر فرمایا جب کہ بہت سے لوگوں نے حالات کی خوفناکی کو سامنے رکھ کر جواز کا حکم دیا یا نظر ثانی کی دعوت دی۔ سرکار مفتی اعظم نے نہ صرف یہ کہ فتویٰ صادر فرمایا بل کہ ان فتاویٰ کی بھر پور اشاعت فرمائی اور مسلمانانِ ہند کو استقامت کی تلقین فرمائی۔

بہت مشہور قول ہے **الاستقامة فوق الكرامة** مگر مفتی اعظم صاحب استقامت اور صاحب کرامت دونوں تھے بل کہ ان کی کرامتیں بھی ان کی استقامت کے ذریعے ظہور پذیر ہوئیں۔

رجال الغیب اور جنات کے بارے میں اکثر علما فرماتے ہیں کہ آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے تھے۔ خود میرا اپنا مشاہدہ ہے غالباً ۱۹۵۸ء کی بات ہے کہ حضور مفتی اعظم میرے گاؤں خالص پور اعظم گڑھ میں جلوہ گر ہوئے۔ سعید خان صاحب کے چبوترے پر قدم رکھتے ہی السلام علیکم فرمایا اور فرمایا آپ کے مکان میں دو مہمان تو پہلے ہی سے موجود ہیں۔ اب اہل خانہ کو خیال آیا کہ بالائی منزل کے دروازے خود بخود کس طرح کھل جاتے تھے اور کبھی کبھی اوپر کے کمرے میں کسی کی موجودگی کا احساس کیوں ہوتا تھا۔ صاحب خانہ نے پوچھا کہ حضور

ان سے کوئی نقصان تو نہیں ہوگا؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ بہت اچھے لوگ ہیں۔ بس آپ بالائی منزل صاف ستھری رکھیں تا کہ انھیں ایذا نہ پہونچے۔ آپ کی بارگاہ میں حاضر ہونے والے اس بات کے شاہد ہیں کہ آپ انتہائی مہربان اور بہت کریم تھے۔ آپ کے دروازے پر ضرورت مند حاضر ہوتے تو آپ خود ان کی ضرورت پوری فرمادیتے اور کبھی کبھی خدام بارگاہ کو حکم دیتے کہ ان کی ضرورت پوری کردیں۔

خورد نوازی کا یہ عالم تھا کہ ہم جیسے کم مایہ لوگ بھی ان کے الطاف کریمانہ سے محروم نہ رہے۔ سفر و حضر میں اپنے خدام کا خاص خیال رکھتے اور وہ دسترخوان پر موجود نہ ہوتے تو میزبان کو حکم دیا جاتا کہ انھیں بھی بلایا جائے۔ رائے پور کے ایک اجلاس میں میری تقریر ہو چکی تھی کہ لوگ آقائے نعمت حضور مفتی اعظم کو اسٹیج پر لائے، آپ منتظمین اجلاس پر ناراض ہوئے کہ آپ لوگ مجھے پہلے کیوں نہ لائے؟ میں ان کی تقریر سننا چاہتا تھا۔

جبل پور میں حضور برہان الملة علیہ الرحمۃ والرضوان کی دعوت پر سرکار مفتی اعظم کی معیت میں حاضر ہوا۔ مجھے خطاب کا حکم دیا گیا، میں نے اس خیال سے اختصار سے کام لیا کہ اسٹیج پر دوسرے علما بھی جلوہ گر ہیں، کہیں میں ان کا وقت نہ لے لوں مگر حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ نے مجھے حکم دیا کہ میں دوبارہ تقریر کروں۔ ظاہر ہے یہ ساری نوازشات صرف میری حوصلہ افزائی کے لیے تھیں ورنہ من آنم کہ من دانم۔ بس ایک بات سرمایۂ افتخار ہے کہ

نسبت ذرہ بہ خورشید جہاں تابے است

خلاف شریعت بات پر سخت ناراض ہوتے لیکن اظہار ناراضی کے بعد لطف و کرم کی بارش بھی فرماتے اور سائل کو اس کی طلب سے سوا دیتے۔ حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کی مسیحا نفسی بے پناہ مشہور تھی۔ لوگ ان کی بارگاہ میں تعویذات کی غرض سے حاضر ہوتے اور شفایاب و کامران لوٹتے۔ ملک و بیرون ملک کے لاکھوں افراد اس بات کے گواہ ہیں۔ انھیں حضور مفتی اعظم کے تعویذات اور دعاؤں سے بے پناہ فائدہ پہنچا ہے۔ لاکھوں افراد حضور مفتی اعظم کے تعویذات کی برکتوں سے دین دار اور پابند صوم و صلوٰۃ ہو گئے۔ اس لیے کہ ہر طالب کو نماز کی پابندی اور شریعت مطہرہ پر عمل کی تلقین فرمایا کرتے تھے ان کے بیشتر تعویذات آیات قرآنیہ پر مشتمل ہوتی تھیں اور تعویذ لکھتے وقت ان آیات کی تلاوت بھی جاری رہتی تھی۔ اس طرح وہ مسلسل ذکر کی حالت میں رہتے ''دست در عمل و زبان در ذکر'' کی کیفیت ہمیشہ دیکھی جاسکتی تھی۔ لوگ ان کی بارگاہ میں تعویذ لینے کے لیے آتے اور عقیدہ و عمل کی زندگی سنوار کے جاتے تھے۔ ہزاروں افراد نے تعویذ کی برکتوں سے بدعقیدگی سے توبہ کی اور ہمیشہ کے لیے ان کے دامن عقیدت سے وابستہ ہو گئے۔

۱۹۷۶ء میں انگلینڈ سے پہلی بار وطن واپس ہوا اور آقائے نعمت مرشد گرامی کی بارگاہ میں حاضر ہوا اس وقت آپ مسجد میں تھے میں نے قدم بوس ہونا چاہا مگر انھوں نے گلے سے لگا لیا اور فرمایا بہت دنوں کے بعد آئے ہو۔ مسجد میں نماز کی ادائیگی کے بعد دولت کدے پر تشریف لائے۔ خلافت عطا فرمانے کے لیے آپ نے مطبوعہ اجازت نامہ طلب فرمایا۔ مجھ سے میرے والد محترم کا نام پوچھا۔ میں اس خیال سے گھبرایا ہوا تھا کہ خلافت کی عظیم ذمہ داری کس طرح نباہ سکوں گا؟ میں اس کا اہل نہیں ہوں، اس گھبراہٹ اور خوف کے عالم میں زبان سے نام کے بجائے والد مرحوم کی عرفیت ''ناتواں خاں'' نکل گئی۔ چہرۂ اقدس پر ناگواری کے آثار ظاہر ہوئے اور فرمایا ''بھلا یہ کیا نام ہوا'' میں نے عرض کیا حضور ان کا اصل نام عبد الحمید ہے۔ پھر آپ نے نہ صرف یہ کہ اجازت مرحمت فرمائی بل کہ آپ نے دست کرم سے سلاسل اربعہ قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ بھی تحریر فرمادیا۔ اس وقت در اقدس پر حضرت مولانا مفتی غلام محمد صاحب ناگ پوری اور ریحان ملت حضرت علامہ ریحان رضا صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہما موجود تھے۔

۱۹۷۲ء میں مولانا قاری حسین الدین صاحب جو غالباً گجرات کے رہنے والے تھے، عازمِ لندن ہوئے اور سرکار مفتی اعظم ہند کی بارگاہ میں بغرض سلام حاضر ہوئے۔ انھوں نے اپنے لندن جانے کا تذکرہ سرکار مفتی اعظم سے کیا۔ حضرت نے انھیں ایک تعویذ عطا فرمایا اور کہا کہ یہ فلاں صاحب کو بریڈفورڈ میں دے دیجیے گا، انھوں نے بذریعہ خط درخواست کی ہے۔ مولانا حسین الدین صاحب تعویذ لے کر بے پایاں مسرور ہوئے اور لوگوں سے کہنے لگے، اب مجھے لندن جانے سے کوئی قانون نہیں روک سکتا۔ اب میں سرکار مفتی اعظم کی امانت پہونچانے جا رہا ہوں۔ (خیال رہے کہ اس زمانے میں ویزا ن لندن ایر پورٹ پر ملتا تھا اور بعض وقت مسترد بھی ہو جاتا تھا۔) اور ہوا بھی یہی وہ ایر پورٹ پر اترے، ویزا آفیسر نے پوچھا کہ آپ کس لیے آئے ہیں؟ انھوں نے کہا تدریس کے لیے۔ کیا پڑھائیں گے؟ مولانا نے کہا قرآن شریف۔ اس نے کہا مجھے قرآن سنائیے۔ آپ نے ایر پورٹ پر سورۂ فاتحہ کی تلاوت کر دی اور اس نے ویزا دے دیا۔ شاید برطانیہ کی تاریخ میں یہ سب سے انوکھا اور مختصر انٹرویو تھا۔ قاری صاحب اس کا تذکرہ زندگی بھر لوگوں سے فخریہ کرتے رہے۔

اولیاے کرام کی کرامتیں حق ہیں۔ حضور مفتی اعظم بلاشبہ نہ صرف ایک ولی کامل تھے بل کہ ولی گر تھے۔ ان کی بارگاہ سے فیض یافتہ منصب ولایت پر فائز ہوتے تھے۔ اسی لیے ان کی ذات گرامی سے کرامتوں کا صدور بھی حق ہے مگر گذشتہ صدی میں ان سے زیادہ صاحب کرامت بزرگ کوئی اور نظر نہیں آتا۔ ان کی کرامتوں کے تذکرے کے لیے ہزاروں صفحات درکار ہیں۔ ان سے ملنے والا شاید ہی کوئی عقیدت کیش ہو جس کے سینے میں ان کی کوئی نہ کوئی کرامت محفوظ نہ ہو۔ مگر میرے نزدیک ان کی کرامتوں سے زیادہ اہم ان کے وہ عظیم اور تاریخ ساز کارنامے ہیں جنھوں نے اسلامیانِ ہند کے ایمان و عمل کی دنیا میں ایک انقلاب برپا کر دیا اور صبح قیامت تک امت مسلمہ اسی انقلاب کی برکتوں سے فیض یاب ہوتی رہے گی۔ مصائب اور مشکلات کے زمانے میں اٹھنے والے فتنوں کا مقابلہ آپ نے جس ہمت و استقلال اور جرأت و بشاشت کے ساتھ کیا، یہ آپ ہی کا حصہ تھا۔ آپ کے کردار و عمل اور جہاد فی سبیل اللہ سے ہزاروں مسلمانوں کو نئی زندگی ملی اور استقامت علی الدین کا حوصلہ ملا۔ بسا اوقات اولیاے کرام کے عقیدت کیش، کرامتوں کے ہجوم میں ان کی زندگی کے ان گوشوں کو فراموش کر دیتے ہیں جن کا تعلق جہد مسلسل، سعی پیہم اور جہاد فی سبیل اللہ سے ہوتا ہے۔ سرکار مفتی اعظم اس اعتبار سے ایک تاریخ ساز شخصیت کے حامل تھے کہ آپ نے اپنے دور میں جو کچھ کم ایک صدی پر مشتمل تھا، اٹھنے والے تمام فتنوں کا مقابلہ کیا اور پورے عزم و حوصلہ کے ساتھ ان گمراہیوں کا سد باب کیا جو مسلم معاشرے میں دراندازہو رہی تھیں۔ آپ نے اپنی تحریر و تقریر نیز حرکت و عمل سے الحاد و بے دینی کی کتنی ہی تحریکوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ہماری نسل نے ان کا بڑھاپا دیکھا ہے، مگر جن لوگوں نے ان کا عہدِ شباب دیکھا ہے وہ اس بات کے گواہ ہیں کہ وہ صرف ایک عالم ایک فقیہ، ایک ولی ایک زاہد شب زندہ دار ہی نہیں بل کہ ایک عظیم مجاہد بھی تھے۔

مسلمانوں کے دور اقتدار میں داعیانِ دین نے دین کو پھیلایا مگر حضور مفتی اعظم نے دین کو پھیلایا بھی اور دین پناہی کا فریضہ بھی انجام دیا۔ آپ نے اسلام کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت فرمائی۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ ''فقہا کے قلم کی سیاہی شہدا کے خون سے تولی جائے گی۔'' شہید مملکت اسلامیہ کی جغرافیائی سرحدوں کے لیے جان دیتا ہے اور فقیہ اسلام کی نظریاتی سرحدوں کو تحفظ فراہم کرتا ہے۔

ایک ایسے دور میں جب لوگ فرائض و واجبات کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ سرکار مفتی اعظم نے ان سنتوں کا احیا فرمایا جو نہ صرف یہ کہ لوگوں کی زندگی سے نکل چکی تھیں بل کہ ذہنوں سے بھی محو ہو گئی تھیں۔ آپ نے سیکڑوں سنتوں کو اپنے قول و عمل سے رواج عام دیا اور خود بھی تمسک بالسنۃ کا اہتمام فرماتے رہے۔ اور اپنے لاکھوں مریدوں کو بھی حکم دیتے رہے بلاشبہ آپ کو سیکڑوں شہدا کے ثواب سے نوازا

جائے گا۔اس لیے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ **من تمسک بسنتی عند فساد امتی فلہ اجر مائة شهيد۔**

(مشکوٰۃ شریف، ج۔ا حدیث۔۱۷۶، دارالفکر، بیروت)

جس نے فساد امت کے وقت میری سنت کو مضبوطی سے تھامے رکھا اس کو سو(۱۰۰) شہیدوں کا ثواب ملے گا۔

میں اوپر عرض کر چکا ہوں کہ سرکار مفتی اعظم کا دور مسلمانوں کی سیاسی اور مذہبی انحطاط اور زوال کا دور تھا، حکومتیں مٹ چکی تھیں ،انگریزوں نے پورے ملک پر قبضہ کر لیا تھا اور مسلمانوں کے عقیدہ و ایمان پر ہر چہار جانب سے حملے ہو رہے تھے، کہیں وہابیت کے باطل عقائد کے ذریعہ مسلمانوں کے دلوں سے عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دولت چھیننے کی کوشش کی جارہی تھی تا کہ قوم مسلم بے جان لاشے میں تبدیل ہو جائے ع

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا روح محمد اس کے بدن سے نکال دو

اور کہیں قادیانیت، رفض وخروج اور نیچریت اپنے عقائد باطلہ کی اشاعت میں مصروف تھیں۔ ایسے دور میں امام اہل سنت امام احمد رضا قادری علیہ الرحمۃ نے ان فتنوں کی سرکوبی کے لیے دلائل کی جو سرحدیں تعمیر فرمائی تھیں، سرکار مفتی اعظم نے زندگی کی آخری سانس تک ان کی حفاظت فرمائی۔

پیرانِ طریقت اور مشائخ کے ہجوم میں سرکار مفتی اعظم کی ذات اس اعتبار سے بہت ممتاز ہے کہ ان کے مریدین میں بیشتر علماے ملت اسلامیہ ہیں کہ عالم میزان علم وعمل پر پورا اترنے کے بعد ہی شیخ کسی کے ہاتھوں میں اپنا ہاتھ دیتا ہے۔ یہ مرشد برحق حضور مفتی اعظم کا روحانی تصرف تھا کہ جس نے بھی ان کے ہاتھوں میں ہاتھ دیا وہ حق کے راستے میں جہاد فی سبیل اللہ کا آئینہ دار بن گیا۔

بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں فتنۂ ارتداد (شدھی سنگھٹن) اپنی پوری قوت کے ساتھ تمام مادی وسائل سے مسلح ہو کر اسلام پر حملہ آور ہوا۔ ہندوؤں نے یہ پروپیگنڈا کرنا شروع کر دیا کہ ہندوستانی مسلمان اصلاً ہندو ہیں، مغلوں نے انھیں بزور شمشیر مسلمان کیا تھا، اب مغل ختم ہو چکے ہیں، اس لیے ان کو اپنے آبائی دین کی طرف لوٹ آنا چاہیے۔ آگرہ وغیرہ کے ہزاروں مسلمان ہندو بن گئے ۔انھوں نے معاذ اللہ داڑھیاں منڈا دیں اور سر پر چوٹیاں رکھنے لگے۔ اس فتنۂ ارتداد کو ہندوؤں کے پنڈت، سرمایہ دار اور راجاؤں کا ہر طرح سے تعاون حاصل تھا۔ ان کا ارادہ تھا کہ چند سالوں میں مسلمانان ہند ہندو بن جائیں گے اور اس طرح ان کے اکھنڈ بھارت اور رام راج کا دیرینہ خواب پورا ہو سکے گا۔ ہندو ساہوکاروں نے اپنی تجوریوں کے منہ کھول دیے اور غریب مسلمانوں کو دولت کی لالچ دے کر ہندو بنانے لگے اور جن علاقوں میں مسلمان ہندو بننے کے لیے تیار نہیں ہوئے، ان پر مظالم کے پہاڑ توڑے جانے لگے۔ در پردہ اس میں حکومت وقت بھی ملوث تھی جس کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ اس طرح سے ہندوؤں اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈال کر تحریکِ آزادی کا راستہ بھی روکا جا سکے گا اور مسلمانوں کی متحدہ قوت کو کمزور بھی کیا جا سکے گا۔

اسی زمانے میں متعدد پنڈتوں نے اسلام کے خلاف انتہائی دل آزار کتابیں لکھیں جس میں اسلام کے عقائد، قرآن عظیم اور پیغمبر اسلام کی سیرت طیبہ کا مذاق اڑایا گیا۔ سوامی شردھانند کی ''ستیارتھ پرکاش'' اور ایک اور گستاخ کی کتاب ''رنگیلا رسول'' اس دور کی پیداوار تھیں سب سے تکلیف دہ بات یہ ہے کہ علماے دیوبند اور ان کے ہم خیال مسلم سیاستدانوں نے اسی دور میں انگریزوں کے مقابلے میں ہندو مسلم اتحاد کی تحریک چلائی اور سوامی شردھانند جیسے گستاخ کو دلی کی جامع مسجد کے منبر پر بٹھا کر تقریریں کروائیں اور فتنہ ارتداد سے یکسر آنکھیں بند کر لیں۔

ہندو مصنفین نے اس دور میں دست یاب قرآن عظیم کے تراجم کو سامنے رکھ کر اس طرح کے عنوانات اپنی کتابوں میں قائم کیے۔
معاذ اللہ۔ مسلمانوں کا خدا مکار ہے۔
اور نیچے ''وَمَكَرُوْا وَ مَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ ۝ (آل عمران: ۵۴)
لکھ کر دیابنہ کے ترجمے پیش کر دیے جنھوں نے عربی مکر کا ترجمہ اردو میں بھی ''مکر'' ہی سے کیا تھا۔
''مسلمانوں کا خدا ٹھٹھا کرتا ہے۔'' اس سرخی کے نیچے اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ (البقرۃ: ۱۵) والی آیت لکھ کر استہزا کا وہ ترجمہ لکھا جو اس دور میں بعض تراجم میں موجود تھا۔ ایسے نازک ترین دور میں فتنہ ارتداد کے خلاف حضور مفتی اعظم نے سنت صدیقی پر عمل کرتے ہوئے ایک عظیم تحریک چلائی۔ جماعت رضائے مصطفی کے پلیٹ فارم پر اکابر علمائے اہل سنت کو جمع فرمایا، متاثرہ علاقوں کا دورہ فرمایا۔ پنڈتوں سے مناظرے کیے اور بعض بعض علاقوں میں کئی کئی ماہ خیمہ زن رہ کر ارتداد کے سیل رواں کو روکا، مرتد ہو جانے والے مسلمانوں کو دوبارہ دائرۂ اسلام میں داخل فرمایا۔ آپ کی جماعت کے ساتھ کچھ حجام بھی ہوتے تھے جو دوبارہ اسلام قبول کرنے والوں کے آثارِ ہندومت کو سروں سے غائب کر دیتے تھے۔

یوں تو جملہ علمائے اہل سنت حضور مفتی اعظم کے زیر قیادت اس جہادِ عظیم میں شامل تھے مگر اعلیٰ حضرت کے چند عظیم خلفا حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیر بیشۂ اہل سنت مولانا حشمت علی خان رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا قطب الدین برہمچاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مناظرانہ طرزِ استدلال سے حالات کا رخ بدل دیا۔ اس تحریک میں پنجاب کے ایک عظیم شیخ طریقت عاشق رسول حضرت علامہ پیر جماعت علی محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ نے بارہا سرکار مفتی اعظم کی دعوت پر اپنے رضا کاروں کے ساتھ جو ہمیشہ مسلح ہوتے تھے ان علاقوں کا دورہ فرمایا اور اپنی نظر کیمیا اثر سے ارتداد کے فتنے کو ختم فرمایا۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ مفتی اعظم کا عہد شباب تھا اور ان کی دعوت پر اور ان کی قیادت میں معمر علمانے اس جہاد عظیم میں شرکت فرمائی۔

اس دور میں دوسرے تراجم قرآن کے مقابلے میں اعلی حضرت علیہ الرحمۃ کے ترجمہ قرآن عظیم نے ایک اہم رول ادا کیا۔ فتنہ ارتداد کا استیصال حضور مفتی اعظم کی حیات مبارکہ کا ایک عظیم باب ہے۔

علمائے اہل سنت اور مشائخ عام طور پر یا تو خانقاہوں سے وابستہ رہے یا درسگاہوں سے۔ انھوں نے سیاست کو شجر ممنوعہ قرار دے کر ہمیشہ خود کو میدانِ سیاست سے دور رکھا جس کی وجہ سے انھیں مختلف ادوار میں شدید نقصانات برداشت کرنے پڑے لیکن سرکار مفتی اعظم نے بوقتِ ضرورت بعض سیاسی امور پر امت مسلمہ کو جمع فرمایا اور مرادآباد نیز بنارس کانفرنس میں سرحد سے لے کر بنگال تک تمام علمانے جمع ہو کر اپنے متفقہ فیصلوں سے حکومت وقت کو آگاہ کیا جس کے مثبت نتائج بھی برآمد ہوئے۔

انھوں نے برتھ کنٹرول اور مسلم پرسنل لا کے معاملے میں شریعت مطہرہ کا جو فیصلہ صادر فرمایا اس پر ملک کے ہزاروں علمانے تائید فرمائی اور ایک آواز ہو کر حکومت کے غیر اسلامی فیصلوں کا مقابلہ کیا۔

سرکار مفتی اعظم کی شخصیت جملہ علمائے اہل سنت اور جملہ سلاسل طریقت کے مشائخ کے لیے مرجع فتاویٰ اور عظیم قائد کی حیثیت رکھتی تھی ان کے ہر فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم کرنا علما و مشائخ ملت اسلامیہ کا معمول تھا وہ ایک عظیم ولی، عظیم قائد، عظیم مجاہد اور مرجع فتاویٰ تھے ان کی زندگی ہر دور کے مسلمانوں کے لیے مینارۂ نور کی حیثیت رکھتی ہے۔

☆☆☆☆☆

مفتی اعظم: متقی اعظم

مولانا الحاج قاری محمد امانت رسول صاحب رضوی
الجامعۃ الرضویہ مدینۃ الاسلام، ہدایت نگر، پیلی بھیت شریف

اللّٰہ رب محمد صلی علیہ وسلما وعلیٰ ذویہ والہ ابدا الدھور وکرما

قطب مدینہ اور حضور مفتی اعظم قبلہ :

آیئے قطب مدینہ، عارف باللہ، مکین طیبہ، اعلیٰ حضرت سرکار کے خلیفہ علامہ شیخ ضیاء الدین احمد مدنی قدس سرہٗ النورانی کی بارگاہ میں حاضری دیں۔ جب حضرتِ مدنی کی قدم بوسی کا شرف پہلی بار ۱۳۹۶ھ میں راقم الحروف کو حاصل ہوا والدِ محترم شمس الفیوض الحاج محمد ہدایت رسول صاحب کے ہم راہ حاضرِ خدمت ہوا۔ حضرت مدنی مدینۂ پاک میں مسجد نبوی کے سامنے اصطفا منزل کے قریب اپنے مکان جنت نشان میں جلوہ فرما تھے۔ شہزادۂ اعلیٰ حضرت، مرشد برحق حضور، مفتی اعظم قبلہ علیہ الرحمۃ نے بنام قطب مدینہ اپنے غلام محمد امانت رسول

رضوی کے متعلق جو والا نامہ تحریر فرمایا تھا، خادم نے وہ پیش کیا۔ حضرت مدنی اس گرامی نامہ کو لے کر کھڑے ہوگئے اور عجب وجدانی کیفیت ہوگئی۔ اس خط کو کبھی سر پر رکھتے تھے، کبھی آنکھوں سے لگاتے تھے اور بار بار فرماتے تھے۔ سبحان اللہ وبحمدہ مرحبا مرحبا۔ یہ خط تو میرے مفتی اعظم قبلہ کے دست مبارک کا لکھا ہوا ہے۔

بچپن میں بھی یکتائے زمانہ :

ایک مجلس میں حضرت مدنی نے فرمایا قاری صاحب آپ کے مرشد حضرت مفتی اعظم قبلہ کی ولادت ۱۳۱۰ھ میں ہوئی اور فقیر کی ولادت ۱۲۹۴ھ میں۔ فقیر کی عمر اس وقت سولہ برس کی تھی۔ ۱۳۱۳ھ میں پہلی بھیت حضور محدث سورتی قدس سرہ کے مدرسۃ الحدیث میں زیر تعلیم تھا۔ ہر جمعرات کو بریلی شریف حضور محدث سورتی کے ہم راہ اعلیٰ حضرت سرکار قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ حضرت مفتی اعظم اس وقت تین برس کے تھے۔ فقیر نے حضرت کو اپنی گود میں لیا ہے۔ فقیر مفتی اعظم کو جتنا جانتا ہے، دوسرا نہیں جانتا کہ فقیر نے ان کا بچپن دیکھا، جوانی دیکھی اور اب بڑھاپا بھی دیکھ رہا ہے۔ لوگ بڑھاپے میں عمل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، بڑھاپے میں عمل کی طرف متوجہ ہونا کوئی کمال کی بات نہیں۔ جوانی دیوانی مشہور ہے۔ جوانی میں منہیات شرعیہ سے محفوظ رہنا اور شریعت مصطفویہ پر عمل پیرا ہونا سب سے بڑا کمال ہے۔ ضیاء الدین احمد مدنی بڑے ناز کے ساتھ گنبد خضرا کے سامنے مدینۂ پاک میں یہ کہہ رہا ہے کہ فقیر نے اپنی آنکھوں سے دیکھا مفتی اعظم قبلہ بچپن ہی سے پیکر زہد وتقویٰ ہیں۔ اس وقت تو ان کی بزرگی کا کیا کوئی اندازہ لگا سکتا ہے۔ اعلیٰ حضرت سرکار خود ان پر فخر فرمایا کرتے تھے وہ ظاہر وباطن میں سراپا اعلیٰ حضرت ہیں۔ فقیر مدنی تو ان کو ثانی اعلیٰ حضرت کہتا ہے مفتی اعظم دنیائے اسلام کی بزرگ ترین ہستی ہیں۔

چراغ لے کر زمانے میں ڈھونڈو :

برادر زادہ اعلیٰ حضرت، استاد العلما علامہ حسنین رضا خاں صاحب نے راقم الحروف سے فرمایا قاری صاحب میں سچ کہتا ہوں حضور مفتی اعظم قطب الارشاد ہیں۔ میں ان کا چچیرا بھائی ہوں، ان کا ہم عمر گھر کا ایک فرد ہوں۔ قاری صاحب ان کا اور میرا بچپن ایک ساتھ گزرا، وہ بچپن میں بھی لہو ولعب اور کھیل کود سے دور ہی رہے۔ میں نے یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ گھر میں دیکھا، باہر دیکھا، قاری صاحب میرا یہ قول نوٹ کرلو ’’چراغ لے کر اگر دنیا میں ڈھونڈوگے تو واللہ مفتی اعظم جیسا شیخ نہیں پاؤگے‘‘۔ ؎

ڈھونڈتے ڈھونڈتے اس دہر میں تھک جاؤگے مفتی اعظم جیسا نہیں پاؤگے

یہ اس بزرگ ترین استاد المتکلمین ہستی کے ارشادات ہیں جو اعلیٰ حضرت سرکار کے حقیقی بھتیجے ہیں۔ اعلیٰ حضرت سرکار کے شاگرد وخلیفہ ہیں۔ اعلیٰ حضرت سرکار کے داماد ہیں۔ اعلیٰ حضرت سرکار کے منجھلے بھائی، استاد زمن علامہ حسن رضا صاحب کے صاحبزادے ہیں اور محدث بریلی علامہ تحسین رضا کے والد ماجد ہیں۔

حضور محدث اعظم ہند اور حضور مفتی اعظم :

فخرِ خاندان اشرفیہ حضور محدث اعظم ہند قدس سرہٗ شہزادۂ اعلیٰ حضرت، تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں ’’آج کی دنیا میں جس کا فتویٰ سے بڑھ کر تقویٰ ہے۔ ایک شخصیت مجدد مائۃ حاضرہ کے فرزند دل بند کا پیارا نام مصطفی رضا بے ساختہ زبان پر آتا ہے اور زبان بے شمار برکتیں لیتی ہے ؎

نور چشمِ اعلیٰ حضرت راحتِ دل خستہ جاں　　مفتی اعظم بنامِ مصطفی شاہِ زماں

دو بزرگوں کے تین حج :قدم قدم پر اعلیٰ حضرت کی یادیں تازہ ہوگئیں

قطب مدینہ، خلیفۂ اعلیٰ حضرت علامہ شیخ ضیاء الدین احمد مدنی نے راقم الحروف فقیر محمد امانت رسول رضوی سے مدینۂ پاک کی ایک مجلس میں فرمایا۔ قاری صاحب فقیر مدنی نے حج فرض کے بعد حج نفل اعلیٰ حضرت سرکار کے حکم پر ایک بار کیا۔ اس کے بعد مدینہ طیبہ سے باہر نہیں گیا۔ لیکن اعلیٰ حضرت سرکار مرشد برحق کے فرزند افقہ الفقہا مفتی اعظم علامہ شیخ مصطفی رضا صاحب حج و زیارت کو تشریف لائے۔ اب کیا کیا جائے تو فقیر مدنی نے یہ فیصلہ کیا کہ ان کے ساتھ حج کیا جائے لہٰذا فقیر نے حضرت کے ساتھ حج کیا ان کی اہلیہ محترمہ مخدومہ بھی ساتھ تھیں۔ حضرت نے اس بڑھاپے کے عالم میں بھی اور ان کی اہلیہ محترمہ نے بھی سنت کے مطابق پیدل ہی حج کیا۔ قاری صاحب حضرت کے ساتھ اس مبارک سفر میں قدم قدم پر اعلیٰ حضرت مرشد کی یادیں تازہ ہوگئیں۔ معلوم ہوتا تھا اعلیٰ حضرت ساتھ ہیں۔ مکہ معظّمہ، مدینہ طیبہ کے مفتیان عظام علمائے کرام، مشائخ وسادات کرام نے حضرت سے خلافتیں اجازتیں لیں اور داخل سلسلہ ہوئے۔

علما و مفتیانِ حرمین نے حضرت سے خلافتیں لیں :

حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ حج وزیارت کے لیے کئی مرتبہ حاضر ہوئے۔ اس وقت مکہ معظّمہ اور مدینہ طیبہ کے بڑے بڑے علما مفتیان کرام نے آپ کے سامنے زانوے ادب تہہ فرمائے اور شرف تلمذ پایا اور خلافتیں اجازتیں حاصل کیں۔ ان میں سے چند حضرات کے اسمائے گرامی جو مرشد برحق حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ نے فقیر محمد امانت رسول رضوی کو بتائے وہ پیش کیے جاتے ہیں (۱) مفتی حرم حضرت علامہ سید محمد مغربی مالکی مکی (۲) شیخ العلما حضرت علامہ سید امین قطبی مکی (۳) جلالۃ العلم حضرت علامہ مفتی سید محمد نور مکی (۴) استاد العلما حضر ت مولانا مفتی جعفر بن کثیر مکی (۵) حضرت علامہ مولانا شیخ عمر ہمدان مکی (۶) حضرت علامہ شیخ ابراہیم مدنی (۷) حضرت علامہ پیر عبد المالک (۸) حضرت علامہ مرزوقی اور شیخ الفضیلت علامہ شاہ فضل الرحمن صاحب شہزادہ حضور ضیاء الملت مدنی۔

داڑھی کے دھوون سے بخار غائب :

تلمیذ صدر الشریعہ حضرت علامہ قاری محبوب رضا صاحب پاکستانی نے فرمایا قاری صاحب قطب عالم حضور مفتی اعظم ہند و سندھ کی ۲۸ سال کی عمر ہوگی۔ حضرت کی داڑھی بالکل کالی تھی۔ ایک بڑی بی صاحبہ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئیں کہ حضور میرا پوتا بہت بیمار ہے۔ بخار بہت تیز ہے، حکیموں نے جواب دے دیا ہے، بے ہوشی طاری ہے، حضور آپ کا مرید ہے، اسے دیکھ لیجیے۔ بار بار غشی طاری ہو رہی ہے، حضور اکلوتا ہی لڑکا ہے۔ اعلی حضرت ایک فتویٰ تحریر فرما رہے تھے۔ دعا فرمادی اور فرمایا ایک جواب لکھ رہا ہوں۔ فرصت ملنے پر دیکھ لیا جائے گا۔ بڑی بی صاحبہ کو اعلیٰ حضرت کی یہ بات کچھ پسند نہ آئی اور ناراض سی ہو کر یہ کہتی ہوئی چل دیں کہ جب اپنا پیر ہی نہیں سنے گا تو خدا بھی کرم نہیں فرمائے گا۔ اعلیٰ حضرت نے خادم سے کہا کہ ان بڑی بی صاحبہ نقاب پوش کو جلد بلاؤ۔ خیر خادم نے جا کر کہا۔ اعلی حضرت بلا رہے ہیں۔ واپس آئیں تو اعلیٰ حضرت نے فرمایا مولانا مصطفی رضا کہاں ہیں؟ بلایا جائے۔ مصطفی میاں کی داڑھی میں یہ تاثیر ہے کہ ان کی داڑھی کا دھوون جس بخار زدہ کو پلادیا جائے کیسا ہی بخار ہو بفضلہ تعالیٰ شفا مل جاتی ہے۔ بخار اتر جاتا ہے۔ حضرت مفتی اعظم تشریف لائے، جوانی کا عالم تھا، حضرت کی داڑھی اس وقت بالکل کالی تھی، کوئی بال سفید نہیں ہوا تھا۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا مصطفی میاں جایئے وضو کیجیے اور داڑھی کا

دھووَن کسی برتن میں کر کے انھیں دے دیجیے۔ حضرت نے ایسا ہی کیا۔ بس بڑی بی صاحبہ خوش خوش وہ پانی لے کر گھر آئیں اور بچے کو پانی پلایا۔ بس پانی پیتے ہی بچے نے آنکھیں کھول دیں اور بخار اتر گیا۔ شام میں بڑی بی صاحبہ۔ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا حضرت یہ وہی بچہ ہے۔ جس کو حکیموں نے جواب دے دیا تھا پانی پلاتے ہی غشی اور بخار ختم ہوا۔ فوراً اس بچے نے آنکھ کھول دی اور بالکل ٹھیک ہوگیا ؎

شہ نوری میاں کی ہیں بشارت مفتی اعظم سراپا ہیں کرامت ہی کرامت مفتی اعظم
ضیاء الدین احمد قطبِ مدینہ نے کہا مجھ سے امانت ہیں سراپا اعلیٰ حضرت مفتی اعظم

حضور برہان ملت کی عقیدت :

حضور مفتی اعظم قدس سرہ کے وصال پر ملال کے بعد جب حضور برہان ملت، خلیفہ اعلیٰ حضرت جبل پوری علیہ الرحمہ بریلی شریف تشریف لائے تو راقم الحروف بھی بریلی شریف حاضر تھا۔ حضور مفتی اعظم کے دولت خانہ پر دارالافتا والی سہ دری بیٹھک میں جہاں حضرت تشریف فرما ہوتے تھے، وہاں حضرت برہان ملت جلوہ فرما ہیں۔ رقت طاری ہے، فرمانے لگے۔ قاری امانت رسول یوں تو میری پیدائش حضور مفتی اعظم قبلہ کی ولادت سے ۹ ماہ قبل ۲۱ ربیع الاول شریف ۱۳۱۰ھ پنج شنبہ کو ہوئی لیکن حضرت مجھ خادم سے مراتب میں بہت بڑے ہیں۔ حضرت کے وصال پُر ملال کی خبر سنتے ہی فقیر پر غشی طاری ہوگئی، طبیعت بگڑ گئی، جب کچھ فرق ہوا تو برجستہ یہ رباعی فقیر کی زبان پر جاری ہوگئی۔ نوٹ کر لیجیے۔

مفتی اعظم کا ظلِّ عاطفت آہ ہم خدام پر سے اٹھ گیا
اعلیٰ حضرت کی شبیہ پاک کا دل کے آئینے میں نقشہ رہ گیا

اس رباعی میں بھی اللہ اکبر حضرت برہان ملت نے اپنے کو حضرت مفتی اعظم کا خادم فرمایا۔ پھر فرمایا قاری صاحب حضرت کی کوئی منقبت سنایئے۔ راقم الحروف نے حسب الحکم حضرت برہان الملت کو اپنی لکھی ہوئی منقبت سنائی جس کا مطلع ہے

رضائے مصطفی آقائے نعمت مفتی اعظم مسلم پیشوائے اہل سنت مفتی اعظم

فقیہ العصر :

حضور پرنور، ماحی فسق وفجور، مرشد برحق عاشقِ موجود مطلق، تاجدار اہل سنن، فرزند اعلیٰ حضرت، آقائے نعمت، محمد آل الرحمن محی الدین جیلانی علامہ شیخ مصطفی رضا نوری مفتی اعظم کی ذات بابرکات بہ فیضان سید السادات، صاحب البرکات، علیہما الرحمۃ مجمع الکمالات جامع الصفات تھی کہ عوام الناس تو عوام الناس بڑے بڑے علما، عرفا، اولیا، اصفیا، اتقیا، فقہا آپ سے تعلق رکھتے اور آپ کی نسبت پر فخر فرماتے- عالم اسلام کے مشہور ومعروف مقتدر، جلیل القدر، نامور علمائے عصر، فقہائے دہر نے آپ کے علم وفضل زہد وتقویٰ عبادت وریاضت فقر وعرفان کشف وکرامت واستقامت کمالات ظاہری وباطنی کا اعتراف کیا۔

ترا فتویٰ ترا تقویٰ انوکھا ہے نرالا ہے ترے آگے جھکے دنیا کے قابل مفتی اعظم
ترے مرشد نے کی تعریف تیری یہ امانت پھر بیاں کیا کر سکے تیرے فضائل مفتی اعظم

☆☆☆

سرکار مفتی اعظم کے چند واقعات

مولانا چراغ عالم حامدی
شیخ الحدیث، مدرسہ اہل سنت اجمل العلوم، سنبھل، مراد آباد

فقیر غفرلہ القدیر کو حضرت فقیہ اعظم، سیدی وسندی، مولائی وملجائی، حامی سنت، ماحی بدعت، قامع کفر وضلالت مولانا الحاج مفتی حجۃ الاسلام محمد حامد رضا خاں نوری صاحب قدس سرہٗ العزیز سے بیعت کا شرف حاصل ہے اور آقائے نعمت سیدی وسندی، عمدۃ المحققین کاسر کفر و ضلالت، راس المفتیین مولانا الحاج مصطفی رضا خاں نوری مفتی اعظم صاحب قدس سرہٗ العزیز سے خلافت کا شرف حاصل ہے۔

حضرت مفتی اعظم رضی اللہ عنہ سے میں نے عرض کیا۔ حضرت میرے لیے حج بیت اللہ کی دعا فرما دیں۔ حضرت نے دعا فرمادی۔ حضرت کی دعا قبول ہوئی۔ ۱۴۰۳ھ میں حضرت کا وصال ہوگیا۔ میں نے ۱۴۰۳ھ میں حج بیت اللہ کی درخواست گزاری، پہلے ہی سال منظور ہوگئی۔ اس وقت لوگوں کو چار چار پانچ پانچ سال لگ جاتے تھے اور درخواست منظور نہ ہوتی تھی۔ بحری جہاز سے جانے کی درخواست گزاری تھی۔ میں ہاتھ میں بڑا رومال رکھنے کا عادی ہوں جیسا کہ بزرگوں کا معمول ہے۔ اپنے اساتذہ کو بھی دیکھا ہے۔ حضرت مفتی اعظم

رضی اللہ تعالیٰ عنہ سنبھل مدرسہ اہل سنت اجمل العلوم کے سالانہ جلسہ میں تشریف لائے۔ مریدین کا سلسلہ جاری تھا تعداد زیادہ تھی میں نے اپنا رومال حضرت کے دست مبارک میں دے دیا اور دوسری جانب مرید ہونے والوں کے ہاتھوں میں پکڑا دیا۔ تبرکاً میں نے اس رومال کو رکھ لیا اور استعمال ترک کر دیا تھا۔ جس وقت میں حج کو روانہ ہوا میں نے ۵ کلو چاول اس رومال میں باندھ دیے۔ سنبھل سے ۲۲ر اگست ۱۹۸۳ء کو روانہ ہوا تھا۔ ۱۷ر نومبر ۱۹۸۳ء کو سنبھل واپس آیا وہ رومال معہ چاول بکس میں رکھ دیا تھا، چار مٹھی چاول نکالا، پکایا، پتیلی سے باہر نکل جاتا تھا، تین مٹھی پکائے وہ بھی برتن سے باہر، پھر دو مٹھی چاول پکائے۔ یہ برکت تھی حضرت کے دست اقدس کی اور بکس سے باہر نکال کر رومال نہیں دیکھا کہ اب کتنے چاول باقی ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ یاد تھا، ان کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس کے جَو کسی برتن میں تھے، وہ اس میں سے نکال کر کھاتی رہیں۔ ایک مرتبہ باہر نکال کر دیکھنے لگیں، کتنے باقی رہے ہیں؟ اس کے بعد وہ جَو ختم ہو گئے۔ میرے چاول ایک وقت کی خوراک کے باقی تھے۔ جدہ میں ایک صاحب نے جو سنبھل کے رہنے والے تھے دعوت کر دی تھی، ان کا کھانا کھایا۔ وہ چاول اور دال و مصالحہ وغیرہ مسافر خانہ جدہ پر ہی چھوڑ دیے۔ ایک بار حضرت مفتی اعظم ہند رضی اللہ عنہ اور حضرت مولانا برہان الحق جبل پوری علیہ الرحمہ صدر الافاضل علامہ نعیم الدین مرادآبادی رحمہ اللہ تعالیٰ الباری کے مزار اقدس پر حاضری کے لیے مرادآباد تشریف لائے۔ حضرت اجمل العلما، مولانا الحاج مفتی محمد اجمل شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ کو دیکھنے کے لیے سنبھل آنے کا پروگرام ہوا۔ حضرت نے دعوت طعام کر دی تھی، بس اسٹینڈ سے لانے کا پروگرام حضرت اجمل العلما علیہ الرحمہ نے میرے سپرد کیا تھا۔ ان ایام میں جبل پور کے ایک بیڑی والے جو حضرت برہان میاں قبلہ کے مرید تھے، اپنی بیڑی کا اعلان کر رہے تھے، گاڑی ان کی ذاتی تھی، انھوں نے کہا کہ ہم حضرت کو اپنی گاڑی میں لائیں گے۔ جب حضرت بس سے سنبھل پہنچے اور بس سے جب باہر جب رونق افروز ہوئے تو پہلا مصافحہ حضرت سے میرا ہوا۔ مجھ سے فرمایا عرس میں نہیں آئے۔ عجلت میں میری زبان سے نکل گیا۔ اس سال نہیں آیا۔ فرمایا اس سے پہلے سال بھی نہیں آئے تھے۔ یہ تھی حضرت کی نگاہ بصیرت۔ دیکھ رہے ہیں کہ کون عرس میں آیا کون نہیں آیا؟ اور دو سال پہلے کی بھی خبر ہے۔ اس واقعہ کو میں نے اپنے استاذ گرامی قدر حضرت مولانا الحاج محمد مبین الدین صاحب امروہوی علیہ الرحمۃ والرضوان سے ذکر کیا، انھوں نے فرمایا۔ ۱۲ر ربیع الاول شریف کو حضرت اپنے دولت کدہ پر محفل میلاد منعقد فرماتے ہیں۔ اس میں شہر کے حضرات کو بھی دعوت دیتے ہیں اگر اس میں کچھ حضرات کسی مجبوری کی وجہ سے نہیں حاضر ہوتے ہیں۔ تو حضرت ہر ایک آنے والے کی طرف نظر رکھتے ہیں۔ کون نہیں آیا؟ دعوت شدہ لوگوں میں سے درمیان سال میں اگر کوئی شخص آیا ہے، اس سے شکایت فرماتے ہیں کہ اس سال محفل میلاد شریف میں نہیں آئے۔ مہمان نوازی کا یہ عالم تھا کہ کتنی بار میں نے دیکھا کہ مکان میں کوئی خادم اندر جانے والا بچہ نہیں ہے؟ خود کھانا لا رہے ہیں۔ کسی مہمان کو بغیر کھانا کھائے نہیں جانے دیتے تھے۔ مجھ کو معلوم ہوا تھا کہ حضرت علیل ہیں، عیادت کے لیے بریلی شریف حاضر ہوا، معلوم ہوا پرانے شہر قیام ہے، وہیں پہنچا، بعد نماز عصر ملاقات ہوئی، مکان پر جماعت ہوتی تھی۔ باہر سے آنے والے مسافروں کا ازدحام رہتا تھا حضرت علیل تھے اس کے باوجود جماعت میں شامل تھے۔ حضرت نے فرمایا کھانا کھا کر جانا۔ میں نے بہت کوشش کی کہ بغیر کھانا کھائے چلا آؤں مگر اجازت نہیں دی۔ وہی وقت گاڑی کا تھا، کھانا کھا کر اسٹیشن پہنچا، گاڑی لیٹ تھی۔

حضرت مفتی اعظم رضی اللہ عنہ کا جنازہ جب مکان سے باہر آیا، وہاں سے اسلامیہ کالج جہاں پر نماز ہوئی تھی کسی بھی مکان کی چھت پر کوئی عورت کھڑی نہیں دیکھی گئی کیوں کہ حضرت کی زندگی میں کوئی عورت بے پردہ حضرت کے سامنے نہیں آتی تھی۔ عورتوں نے اس بات کا بہت لحاظ کیا کہ اپنی چھتوں پر نہیں آئیں۔ عورتیں تعویذ کے لیے آیا کرتی تھیں۔ حضرت کے سامنے پردہ پڑا رہتا تھا اور عورت برقعہ میں ہوتی تھی۔

جنازہ کے ساتھ چلنے والے لوگوں کو میں نے بہت غور سے دیکھا کہ کوئی آدمی ننگے سر نہیں ہے۔ سٹی اسٹیشن روڈ پر جب جنازہ پہنچا اور پورب کو چلا ہے تو میں وہاں ایک چھت پر کھڑا ہو گیا اور مسلسل گذرنے والوں کو دیکھتا رہا۔ کثیر تعداد لوگوں کی گزر گئی مگر کوئی آدمی ننگے سر نظر نہیں آیا۔ حضرت کی حیات میں لوگ ننگے سر حضرت کی خدمت میں حاضر نہیں ہوتے تھے۔ لوگوں نے بعد حیات بھی اسی پر عمل کر کے دکھا دیا۔

حضرت قبلہ ایسے روشن دل، روشن ضمیر، زندہ دل اور کشف والے اللہ تعالیٰ کے ولی تھے جو پس از مرگ بھی تصرف فرماتے رہتے ہیں۔ مدرسہ اہل سنت اجمل العلوم سنبھل کے سالانہ اجلاس میں تشریف لائے۔ بیعت کا سلسلہ شروع ہوا، لوگ بیعت ہوئے۔ دو شخص پہلے کے مرید تھے۔ پانچ پانچ روپیہ ہر ایک نے نذر پیش کی، نہیں لیا۔ ان دونوں نے بہت اصرار کیا، حاضرین نے بھی کہا، قبول فرمایا کر ان دونوں حضرات کو واپس کر دیا۔ وہ دونوں حضرات بہت غریب تھے، ان کی مالی حالت ایسی نہیں تھی کہ وہ پانچ روپے کا نذرانہ پیش کرتے۔ ایک صاحب کو تو کل دس روپیہ ماہوار تنخواہ ملتی تھی اور دوسرے صاحب سیفی تھے ان کو کبھی کبھی کام بھی نہیں ملتا تھا۔ حضرت نے پہچان لیا کہ یہ محبت میں نذرانہ دے رہے ہیں، قبول کیا، واپس ان کو اپنی جانب سے مدد کے طور پر دے دیا۔ اس واقعہ کو میں نے حضرت الحاج قاضی مفتی عبدالرحیم صاحب سے ذکر کیا۔ قاضی صاحب نے فرمایا میں ایک بار حضرت قبلہ حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ہم راہ گجرات گیا تھا۔ حضرت نے تقریباً چار پانچ ہزار روپیہ لوگوں کو واپس فرمایا ہوگا۔ مریدین تو اپنی عقیدت محبت میں پیش کرتے ہیں حضرت اپنے کشف سے جان لیتے ہیں کہ یہ مرید اس حیثیت کا نہیں ہے۔ لہٰذا اس کو واپس کر دیا کرتے تھے۔ پہلے قبول کیا پھر اپنی جانب سے عطا فرمایا تا کہ اس کی دل جوئی بھی ہو جائے۔ نابالغ بچہ کے ہاتھ کبھی قبول نہیں فرمایا۔ بعض لوگ اپنے بچوں کو حضرت کی خدمت میں لاتے، ان سے نذر کراواتے، قبول نہ فرماتے۔ تعویذ پر تعویذ دینے کے بعد نذرانہ نہیں قبول کیا۔ حضرت مولانا آل حسن صاحب مرحوم نے ناگ پور کا واقعہ بتایا کہ حضرت مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ ناگ پور تشریف لائے۔ وہی ایام کچھی میمن حضرات کے بہی کھاتہ تبدیل ہونے کے تھے۔ ان لوگوں نے حضرت قبلہ کو اپنے اپنے یہاں آنے کی دعوت دی اور اپنے بہی کھاتوں پر تبرکاً کچھ تحریر کرایا۔ اس کے بعد نذرانہ پیش کیا۔ کسی کا نذرانہ قبول نہیں کیا۔ کئی ہزار روپے اس طرح سے حضرت نے قبول نہیں کیا۔ مدارس عربیہ کے جلسوں میں تشریف لے جاتے تھے۔ مہتمم حضرات نے نذرانہ پیش کیا، نہیں لیا۔ سنبھل میں سنبھل کے مدارس کا حال مجھے معلوم ہے۔ حضرت مولانا الحاج مفتی محمد اشفاق حسین صاحب قبلہ مفتی اعظم راجستھان کے دارالعلوم اسحاقیہ تک کا حال مجھے معلوم ہے۔ نیز زبانی بھی میں نے تحقیق کی، معلوم ہوا نذرانہ قبول نہیں کیا۔ اس واقعہ کو میں نے حضرت استاذی مولانا الحاج محمد مبین الدین صاحب امروہوی علیہ الرحمۃ والرضوان سے ذکر کیا۔ حاجی صاحب قبلہ نے فرمایا کہ حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار فرمایا تھا کہ مدارس کے مہتمم صاحبان زکوٰۃ، فطرہ، امداد کی رقم جو مدارس میں آتی ہے، احتیاط نہیں کرتے ہیں، سب رقم ایک جگہ جمع کر دیتے ہیں لہٰذا زکوٰۃ امداد کی رقم میں کوئی امتیاز نہیں رہتا۔

اختر حسین عرف چھوٹے مرحوم ساکن محلہ دیپا سرائے سنبھل کی کمر میں ایک بہت بڑی گانٹھ تھی، کافی بڑی تھی۔ ڈاکٹروں کی تشخیص تھی یہ کینسر ہے، اس کا آپریشن کے ماسوا کوئی علاج نہیں ہے۔ اختر حسین اس قدر کمزور ہو گئے تھے کہ آپریشن کرانے کی قوت باقی نہ رہی تھی۔ انھوں نے مجھ سے ذکر کیا کہ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کے پاس مجھے لے چلو۔ حضرت سے دعا کرا دو اور دم کرا دو۔ میں حضرت کی خدمت میں لے گیا اور حضرت سے عرض کیا حضور ان کی کمر میں یہ گانٹھ ہے اور ڈاکٹروں کی رائے میں کینسر ہے اور اس کا علاج آپریشن ہے۔ حضرت نے اس گانٹھ پر اپنا دست اقدس رکھ کر دعا فرمائی۔ حضرت کی دعا سے وہ گانٹھ بالکل صاف ہو گئی۔ اس گانٹھ کا کمر پر پتہ نشان نہ رہا۔ اس کے بعد اختر حسین مرحوم برسوں زندہ رہے۔ دوبارہ اس گانٹھ کا اثر نمودار نہ ہوا۔

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ والرضوان پانچوں وقت کی نماز رضا مسجد میں با جماعت ادا فرماتے تھے۔ اس کمزوری میں بھی فرض کھڑے ہو کر ہی ادا فرماتے تھے۔ یہ حالات فقیر کے اپنے سامنے گزرے اور اپنے ساتھ گزرے ہوئے بیان کیے۔ ہمیں مولیٰ تعالیٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل ہمارے ان ٹوٹے پھوٹے کلمات کو قبول فرمائے۔ آمین

☆☆☆

مفتی اعظم اور آپ کا تصلب فی الدین

مولانا سید محمد انور میاں چشتی
خانقاہ عالیہ چشتیہ صمدیہ، پھپھوند شریف، ضلع ایٹہ

اس خاکدان گیتی پر نہ جانے کتنے پاک باز بندوں نے جنم لیا اور اپنی زندگی کی مقررہ مدت گزار کر داعی اجل کو لبیک کہا اور **یٰاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً** (سورۂ فجر ۸۹ / ۲۸) کے جام سے شادکام ہو گئے۔

یہ پاک باز بندگان خدا جب تک دنیا میں بقید حیات رہے زمانہ ان کے علم وفضل، زہد وورع، تقویٰ وتقدس اور خشیت ربانی کا قائل رہا۔ مخلوق خدا ان کے فیوض وبرکات کے ساحل ناپیدا کنار سے اپنی تشنہ لبی کو سیراب کرتی رہی۔ اور جب یہ حضرات اہل اللہ اس دنیا سے تشریف لے گئے تو ان کے مزارات پُر انوار اور ان کی آرام گاہیں اہلِ محبت اور اصحاب مودت کا مرکز توجہ اور راہ سے بھٹکے ہوئے لوگوں کے لیے منارۂ نور وہدایت ثابت ہوئیں۔

یہی وہ حضرات ہیں جنھوں نے اپنی حیات مبارکہ کا ایک ایک لمحہ خدمتِ خلق، اشاعتِ مسلکِ حق، تبلیغ دین مبین، ترویج سنت رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم، احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے لیے وقف کر رکھا تھا۔

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کو میں نے صرف ایک بار دیکھا ہے۔ جب میں غالباً ۱۹۷۴ء میں اپنے نانا جان علیہ الرحمہ (یعنی امام النحو حضرت علامہ مولانا غلام جیلانی صاحب قبلہ المعروف بہ صدر صاحب میرٹھی) کے ہمراہ بریلی میں عرس رضوی میں گیا تھا یہ میری طالب علمی کا زمانہ تھا۔ اور میں مدرسہ اسلامی عربی میرٹھ میں نانا ہی کے پاس زیر تعلیم تھا۔

حضرت مفتی اعظم کے تعلق سے میں نے اپنے اساتذہ کرام، علماے اعلام، اور مشائخ ذوی الاحترام کی زبان سے نیز کتب و رسائل کے مطالعہ سے جو واقعات و حالات سنے اور پڑھے انھیں کو مدنظر رکھتے ہوئے میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ انھیں حق گو، حق پسند اور پاکباز نفوس قدسیہ میں تاجدار اہل سنت حضرت علامہ مولانا محمد مصطفی رضا خاں صاحب نوری المعروف بہ مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کی ذات والا صفات بھی تھی۔ آپ اپنے وقت کے متبحر عالم دین، متبع شریعت وسنت، ولی صفت، درویش خصلت صاحب علم وفضل، ماہر فقہ وافتا نیز بلند پایہ متقی و پرہیز گار تھے۔ دینی وشرعی مسائل اور تحقیق وتدقیق کے پیچیدہ مراحل میں علما وفضلا آپ ہی کی جانب رجوع فرماتے آپ کے فیصلے اور آپ کی زبان سے نکلی ہوئی بات کو حرف آخر مانتے۔ بلاشبہہ یہ مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کا بہت بڑا افضل وشرف تھا۔ آپ کے دور میں ایک سے بڑھ کر ایک صاحب علم وفضل اور حامل شریعت وطریقت رہے۔ مگر کسی نے بھی آپ سے اختلاف نہ کیا۔ مسائل دینیہ اور احکام شرعیہ میں بھی اصحاب فضل وکمال آپ کی طرف رجوع کرتے اور آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں جو فیصلہ صادر فرماتے اسے تسلیم کر لیتے۔

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کے اوصاف میں سے ایک خاص وصف یہ بھی تھا کہ آپ قدم قدم پر شریعت مصطفی اور سنت احمد مجتبیٰ علیہ التحیۃ والثنا کا اہتمام والتزام فرماتے۔ سفر ہو یا حضر، جلوت ہو یا خلوت غرض کہ زندگی کے ہر موڑ پر شریعت وسنت کا اہتمام والتزام فرماتے۔ ایسا کئی بار ہوا کہ نماز کی ادائیگی کے لیے آپ نے ٹرین چھوڑ دی۔ ضعف ونقاہت کے باوجود آپ نے نماز باجماعت ترک نہیں کی۔ کمزوری وناتوانی کے عالم میں بھی جماعت کا التزام آپ کے اوصاف مشہورہ میں سے ایک خاص وصف ہے۔

شارح بخاری حضرت مفتی شریف الحق صاحب امجدی نائب مفتی اعظم نے نماز کی پابندی سے متعلق اپنے ایک مضمون میں ایک واقعہ تحریر فرمایا ہے وہ لکھتے ہیں:

> ''حضرت دارالعلوم اسحاقیہ جودھپور کے سالانہ جلسے سے گھر واپس آ رہے تھے۔ جودھ پور کے احباب نے اوپر کی سیٹ پر حضرت کا بستر لگا دیا تھا۔ عشا پڑھ کر اس پر آرام سے سو گئے۔ سردی شباب پر تھی۔ جب گاڑی دہلی کے قریب گڑ گاؤں پہونچی تو میں نے اٹھایا۔ اٹھنے کے بعد استنجا خانہ تشریف لے گئے۔ مگر وہاں بہت لمبی قطار تھی وہ بھی عورتوں کی۔ حضرت بے چینی کے ساتھ استنجا خانہ خالی ہونے کا انتظار کرتے رہے۔ میں بستر باندھنے میں مشغول تھا۔ جب گاڑی دہلی کے پلیٹ فارم پر پہنچ گئی تب کہیں جا کر استنجا خانہ خالی ہوا اور حضرت تشریف لے گئے۔ جب حضرت استنجا سے فارغ ہو گئے تو مرادآباد جانے والی گاڑی جس پلیٹ فارم پر لگی تھی وہاں تشریف لے گئے۔ جب سامان گاڑی پر رکھا جا چکا تو فرمایا کپڑے نکال دیں۔ میں نے حکم کی تعمیل کی۔ کپڑے نکال کر حضرت کو دیے اور میں بکس بند کرنے میں مصروف رہا۔ بکس بند کر کے دیکھا تو حضرت کپڑے لے کر تیزی سے پلیٹ فارم کے پل کی طرف جا رہے تھے۔ میں متحیر ہو گیا یا اللہ حضرت کہاں جا رہے ہیں مگر میں کرتا بھی کیا، گاڑی میں سامان چھوڑ کر حضرت کے پیچھے جا نہیں سکتا تھا۔''
>
> چند سطروں بعد ---- ''تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد حضرت واپس ہوئے جاڑے سے کانپ رہے تھے قدم برابر نہیں پڑ رہے تھے میرا دل دھک دھک کرنے لگا۔ ڈبے سے باہر نکل کر اندر لایا۔ ڈبے میں چڑھانے کے لیے ہاتھ پکڑا

تو برف کی مانند سرد۔اب میرا حال زار اور بدتر ہو گیا۔فرمایا بستر کھو لیے میں نے بستر کھولا فوراً لیٹ گئے اور بڑی تیزی سے لحاف اوڑھ لیا۔اب میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا کہ حضرت کہاں تشریف لے گئے تھے؟ کانپتی ہوئی آواز میں فرمایا وہ خبیثات پائخانہ کے دروازے پر کھڑی تھیں۔مجھے استنجا کی شدید حاجت تھی۔کپڑے ناپاک ہو گئے۔سوچا کسی مسجد میں جا کر غسل کر کے کپڑے بدل لوں۔رکشہ کر کے مسجد میں گیا، وہاں نہانے کا بندوبست نہ تھا۔پھر دوسری مسجد میں گیا۔وہاں گرم پانی بھی تھا اور نہانے کا بندوبست بھی۔غسل کر کے کپڑے بدلے۔نماز پڑھی اور واپس آ گیا۔''

(تاجدار اہل سنت ص ۳۸-۳۹، ناشر رضا اکیڈمی)

یہ ہے نماز کی پابندی کا جذبہ اور یہ ہے اعتبار شرع مبین کا اہتمام والتزام کہ بڑھاپے کا عالم، شدت کی سردی، سفر کی صعوبت، غسل کی پریشانی، مگر کوئی بھی چیز نبی اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانے اور حکم باری تعالیٰ کی بجا آوری میں مانع نہ بن سکی۔

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کے جملہ اوصاف حمیدہ میں سے ایک اہم وصف ''تصلب فی الدین'' تھا جب کہ اس سلسلہ میں بعض مواقع پر اچھے اچھوں کی پگڑیاں اچھل جاتی ہیں۔قدم ڈگمگا جاتے ہیں۔بلند پایہ تقویٰ شعار اور بڑے بڑے صاحبان فضل وکمال بھی دینی تصلب کے منصب پر ثابت قدم نہ رہ سکے مگر اللہ رب العزت نے اپنے فضل وکرم سے جنھیں اس کی توفیق بخشی ان اکابر اہل اللہ نے بلا خوف لومۃ لائم حق گوئی اور حق پسندی کو اپنا طرہ امتیاز اور سرمایۂ افتخار بنایا۔اور جب کبھی دینی تصلب کے اظہار کا موقع آیا تو بلا کسی خوف وخطر کے اپنے اور بیگانے کی تمیز کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے برملا کلمۂ حق کا اظہار فرمایا۔جو حق تھا ڈنکے کی چوٹ پر کہہ دیا۔انہی حق گو اور حق پسند اصحاب فضل وکمال میں حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی ذات والا صفات بھی تھی۔آپ اس وصف میں بھی اپنے اکابر کی روایتوں کے امین اور اپنے اسلاف کے سچے پرتو ومظہر تھے۔اظہار حق میں اپنے اور بے گانے کی تمیز کو کبھی قریب نہ آنے دیا۔رشتے ٹوٹیں، اپنے چھوٹیں، سب کچھ گوارا مگر اظہار حق سے انحراف وروگردانی ہرگز گوارا نہیں۔حکومت وقت اور اس کے کارندوں نے اگر شریعت اسلامیہ میں مداخلت کرنے کی کوشش کی تو حکومت وقت اور اس کے حکام اور افسران کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے ان کے سامنے بھی برملا حق کا اظہار فرمادیا۔مصطفی جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت مطہرہ کا جو اٹل قانون تھا اسے ببانگ دہل سنا دیا۔ظاہری شان وشوکت، جاہ وحشمت، اور سطوت وجبروت سے کبھی مرعوب نہ ہوئے۔بارہا ایسا ہوا کہ وقت کے بڑے بڑے اور نامور خطبا سے آپ نے برسر منبر توبہ کرائی۔شرعی حدود سے متجاوز ہونے پر آپ کے پاس معافی کا یا رعایت کا کوئی خانہ نہیں تھا۔چنانچہ بحر العلوم حضرت مفتی عبد المنان صاحب اعظمی اپنے ایک مضمون میں ایک واقعہ تحریر فرماتے ہیں۔وہ لکھتے ہیں:

''الجامعۃ الاشرفیہ'' مبارک پور اعظم گڑھ کی زندگی کے بے حد ہنگامی ایام تھے خاندان اشرفیہ کی ایک شاخ (اہل کچھوچھہ) جو اب تک اس ادارے کے سرپرست اور حاکمان مطلق تھے خفا ہو کر علاحدہ ہو چکے تھے۔اور اپنی براءت کا اعلان بھی شائع کر چکے تھے اور پورے ہندوستان میں ادارے کے خلاف جگہ جگہ بدگمانیوں کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ادھر حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ ایک سچے مسلمان کے حوصلہ ایمانی کے ساتھ یکہ وتنہا میدان عمل میں اتر پڑے تھے اور نئی تعمیرات کے سنگ بنیاد کے موقع پر ایک آل انڈیا تعلیمی کانفرنس کا اعلان فرما چکے تھے۔

کانفرنس ہوئی اور بے مثال ہوئی۔اس میں از راہِ دین پروری حضور مفتی اعظم اور حضرت مولانا آل مصطفیٰ علیہ الرحمہ بھی شریک ہوئے۔کچھ عقیدت مندوں نے اہل کچھوچھہ کے بائیکاٹ سے متاثر ہو کر اس خاندان کی دوسری شاخ

(اہل بسکھاری) کے سجادہ نشین معروف بہ بابو میاں کو شرکت کی دعوت دی تو وہ بھی شریک ہوئے۔''

چند سطروں کے بعد۔۔۔۔۔ ''اب صورت حال یہ ہے کہ بابو میاں جن کے آباؤ اجداد دیو بندیوں کے حامی تھے اس جلسہ سنگ بنیاد کے موقع پر حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کے لیے دار العلوم اشرفیہ کی نچلی منزل کے مغربی کمرے میں آئے اور حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کو سلام کیا مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ خود ہی تعارف کرایا ہوگا یا کسی نے بتایا ہوگا۔ یا پہلے سے ہی حضرت کو معلوم تھا۔ بہر حال حضرت نے نہ سلام کا جواب دیا نہ مصافحہ کیا بل کہ فرمایا'' صاحب آپ کے خاندان کے لوگ علمائے دیو بند کے حامی رہے ہیں اور ان پر علمائے عرب وعجم کے کفر کے فتوے ہیں اگر آپ بھی اس روش میں ان ہی کے ہم راہ ہیں تو میں آپ سے سلام وکلام کیسے کر سکتا ہوں جب کہ حدیث شریف میں ایسے لوگوں سے قطع تعلق کا حکم آیا ہے۔''

بابو میاں نے کہا حضور میں کبرائے دیو بند کی تکفیر میں ساری دنیا کے اہل اسلام کا ساتھی ہوں۔ چنان چہ اسی وقت انھوں نے اس مضمون کی اپنی دستخطی تحریر مفتی اعظم کے حضور میں پیش کی۔ اس وقت لوگوں نے ایک عجیب وغریب منظر دیکھا۔ حضور مفتی اعظم نے بابو میاں سے فرمایا صاحبزادے آپ ذرا کھڑے ہو جائیں نہ تو بابو میاں یہ سمجھے کہ کیوں یہ حکم ہو رہا ہے؟ نہ مجلس میں بیٹھنے والے ہی۔ مگر جب حکم پاکر بابو میاں کھڑے ہوئے تو حضور مفتی اعظم ہند نے بہ آں شان وجلال وبہ آں عظمت وتقدس وبہ آں ریش سفید ورفعت پیری ایک سبزہ آغاز نوجوان (بابو میاں) کا پیر دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا ڈبڈبائی آنکھیں ان کے چہرہ کی طرف اٹھا کر فرمایا'' صاحبزادے ہم تو آپ کے غلام وخانہ زاد ہیں ہمارے پاس جو کچھ ہے آپ کے ہی جد کریم کا دیا ہوا ہے ہم نے شروع میں جو کیا آپ کے ہی جد کریم کے حکم کی بجا آوری اور انھیں کے دین کا پرچم بلند کرنے کے لیے تھا۔'' ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ ایک چاکر اپنے مالک کے پاؤں پکڑ کر اس سے معافی مانگ رہا ہے۔'' (تاجدار اہل سنت ص ۷۸-۷۹، ناشر رضا اکیڈمی ممبئی)

سبحان اللہ دینی حمیت و پاسداری اور تصلب فی الدین کی ایسی مثال قائم کی جس میں مسلمانوں کے لیے درس عبرت بھی ہے اور سامانِ بصیرت بھی۔ کاش اس دور کے حضرات بھی مفتی اعظم کی اس روش کو اپناتے۔

یاد کیجیے ایمر جنسی کا وہ بھیانک دور جب کہ ہندوستان کی پوری فضا مسموم اور پر سوز حالات سے دوچار تھی شہریوں کے بنیادی حقوق چھین لیے گئے تھے، حکومتِ وقت کے خلاف ایک لفظ بھی زبان سے نکالنا غداری اور بغاوت سمجھا جاتا تھا۔ حکومت کی جانب سے مسلمانوں کو نسبندی اور سلسلہ توالد وتناسل کو منقطع کرانے پر مجبور کیا جا رہا تھا بے چارے سیدھے سادے، بھولے بھالے مسلمان حکومت کے دام تزویر میں پھنس کر یا اس کے ظلم وستم سے مجبور ہو کر چار و ناچار، شاد و ناشاد فعل ممنوع پر راضی ہو جاتے۔

اس وقت کے علما و فضلا اور مفتیانِ ملت حکومت وقت کے جبر واستبداد کے سبب حق بولنے اور حق کا اظہار کرنے سے قاصر تھے۔ نہ جانے کتنے صاحبان جبہ و دستار حکومت وقت کے مزاج کی سختی و درشتی کو دیکھ کر اپنی قیام گاہوں اور دار الافتا کو چھوڑ کر روپوش ہو گئے تھے۔ ایمانی جرأت اور اسلامی غیرت کا سودا ہو رہا تھا حکومت کی کاسہ لیسی کرنے والے علمائے دیو بند تو حکومت کے ہاتھوں اپنے ضمیر کا بھی سودا کر بیٹھے تھے ایسے بھیانک اور پر خطر دور میں بھی حضرت مفتی اعظم نے حالات کی ناسازگاری، حکومت وقت کے جبر واستبداد اور پورے ملک کے عام رجحان سے مرعوب نہ ہو کر قانون شریعت کے مطابق ڈنکے کی چوٹ پر حق کا اعلان فرمایا۔ اور انجام کی پرواہ نہ کرتے ہوئے

نسبندی کی حرمت کا فتویٰ صادر فرمایا اور یہ ان کا ہی حق تھا کیوں کہ وہ مفتی اعظم تھے۔

آئین جواں مرداں حق گوئی و بیباکی　　اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

داد دیجیے مفتی اعظم کی جرأت ایمانی اور غیرت اسلامی کو، کیسی جرأت ایمانی تھی اور کیسا تصلب فی الدین تھا آپ کا؟ حکومت کی سختیاں آپ کے قدموں کو شریعت اسلامیہ کے خلاف متزلزل نہ کر سکیں۔ ظلم وستم، جبر واستبداد کی تیز و تند آندھیاں قوانین مصطفی کے خلاف آپ کے پائے ثبات میں لغزش پیدا نہ کر سکیں۔

آپ کے قلم حق رقم سے نسبندی کا فتویٰ صادر ہونا تھا کہ حکومت وقت کے خلاف لوگوں میں نفرت و بیزاری اور غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی۔ حکومت کے عزائم اور اس کے منصوبے خاک میں مل گئے۔

مفتی اعظم کے اس اعلان حق وصداقت اور اس جرأت وہمت پر شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد مدنی میاں صاحب اشرفی کچھوچھوی کے تاثرات یقینا کافی اہمیت کے حامل ہیں۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:

> ''ایمرجنسی کے دور میں ظالم وجابر حاکموں نے ظلم وجور کی حد کر دی اور خاندانی منصوبہ بندی کے غیر اسلامی نظریہ کو منوانے کے لیے وہ ستم ڈھائے گئے کہ الامان والحفیظ۔ اس جور وستم کا نتیجہ یہ ہوا کہ علما کی زبانیں گونگی ہو گئیں۔ بل کہ ابن الوقت حکومت کی حمایت میں اتر آئے۔ کرایے کے مفتی مسند افتا کی مٹی پلید کرنے لگے۔ ایسے خوف وہراس کے عالم میں خدا نے اپنا دین بچایا مفتی اعظم کے ذریعہ۔ جنھوں نے اندیشۂ سود وزیاں سے بے نیاز ہو کر حکومت وقت کے خلاف فتویٰ دیا۔ اور سائیکلو اسٹائل کرا کے ملک کے گوشہ گوشہ میں روانہ کیا۔ چوں کہ دیگر جملہ ذرائع ابلاغ وترسیل پر گورنمنٹ کے آہنی پنجوں کا دباؤ تھا اس لیے ان کو اشاعت کا ذریعہ نہیں بنایا جا سکا۔'' (تاجدار اہل سنت ص ۱۴۶۱، ناشر رضا اکیڈمی، ممبئی)

بلا شبہ ایسے پر خطر حالات اور نازک وقت میں حکومت وقت کے خلاف شریعت مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کے عین مطابق اس طرح دلیرانہ اور جرأت مندانہ اقدام اور حق وصداقت پر مبنی اعلان حضرت مفتی اعظم کا حق تھا۔ جسے آپ نے کر دکھایا اور یہ مصداق حدیث پاک **افضل الجهاد كلمة حق عند السلطان الجائر**۔ (کنز العمال حدیث۔ ۵۵۱۱، بیت الافکار الدولیہ، الریاض) یعنی ظالم وجابر حاکم کے سامنے کلمہ حق کہنا جہاد افضل ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے صدقہ میں ہم سب کو حق کہنے، حق سننے اور حق پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اسلامی غیرت وحمیت نیز دینی تصلب کے جذبۂ بیکراں سے ہم اہل سنت کو مالا مال فرمائے۔ (آمین)

☆☆☆

سرکار مفتی اعظم-مقبولیت اور اسباب

مولانا مفتی محمد شمشاد حسین رضوی
رضوی دارالافتا محلہ چودھری سرائے، بدایوں

سرکار مفتی اعظم کی ذات وشخصیت محتاج تعارف نہیں۔آپ ایک ''ماہِ تاباں'' اور ''مہر درخشاں'' تھے جو کل بھی روشن تھے اور آج بھی ضوفشاں ہیں۔جن لوگوں نے انھیں دیکھا، پرکھا انھوں نے اپنے لیے اجالوں کی سعادت سمیٹ لی اور جن کی آنکھیں ان کی دید سے محروم رہیں، وہ اب ان کے مزارِ پاک سے اکتساب نور کررہے ہیں۔کشمیر کی وادی سے بنگال کی کھاڑی تک میرے سرکار مفتی اعظم کی شہرت ومقبولیت ہے۔علم وفن والے، فکر ونظر والے، عشق ووفا والے، دانش وبینش والے، زہد ورع والے، شریعت اور طریقت والے سبھی آپ کے مدح خواں ہیں۔گویا میرے مفتی اعظم کو ''قبولیت عامہ'' حاصل ہے۔ ؎ زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو

اس ''قبولیت عامہ'' کے کچھ اسباب وعوامل بھی ہیں، ہم اپنے مضمون میں انھیں اسباب وعوامل سے بحث کریں گے تاکہ قارئین مفتی اعظم ہند کی ''عظیم شخصیت'' کو بخوبی سمجھ لیں۔

شخصیت کا تحلیلی مطالعہ :

سرکار مفتی اعظم کی شخصیت کا تجزیاتی مطالعہ کوئی آسان کام نہیں، اس کے لیے ماہرِفن ہونے کے ساتھ ساتھ تجربہ کار ہونا بھی ضروری ہے۔مجھ جیسے کم علموں سے یہ کب ممکن ہے؟ ہاں کچھ آثار وقرائن ایسے ضرور ہیں جو آپ کی شخصیت کی تفہیم میں معاون و مددگار ہوسکتے ہیں، انھیں آثاروقرائن سے آپ کی مقبولیت کا اندازہ بھی ہوجائے گا۔ چوں کہ ہم مادی ہیں اور مادی دنیا میں رہتے ہیں اور مادی آثار سے ہی کسی کی مقبولیت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔اسی لیے جب ہم سرکار مفتی اعظم کی ذات وشخصیت کی طرف التفات کرتے ہیں تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ آپ کی شخصیت میں علم وفن، عشق ووفا، خلوص للّٰہیت ، زہدوورع، فقہی بصیرت ، دینی قیادت، ایمانی جرأت اور حق گوئی و بے باکی کا جذبہ بے لوث کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، خطرات کے طوفان نے جب کبھی اعلان حق ، سچ بولنے اور سچ کردکھانے کی بات آتی تو آپ ازخود آگے بڑھ کر اس فریضہ کو انجام دیتے۔اس میں کبھی بھی آپ ''مصلحت بینی'' اور چشم پوشی سے کام نہیں لیتے۔بعض مواقع ایسے بھی آئے جہاں سورماؤں کے قدم پھسل گئے اور چاروں خانے چت ہوگئے۔مگر وہ مفتی اعظم کا عزم وحوصلہ تھا کہ آپ نے پرخار وادیوں کی آبلہ پائی کا کبھی شکوہ تک نہ کیا۔ یقینی طور پر اقبال کا یہ شعر آپ کی ذات اقدس پر راست آتا ہے......

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی
اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

نسبندی حرام، حرام اشد حرام ہے، انہی پرعزم حوصلوں اور فولادی قوتوں کا آئینہ دار ہے۔نسبندی کے پس منظر اور پیش منظر کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیجیے، تو آپ یہ محسوس کریں گے کہ یہ آواز کسی مرد مجاہد، عالم حق آگاہ اور عارف باللہ ہی کی ہوسکتی ہے؟ یہ جرأت رندانہ بھی، قبولیت عامہ کے اسباب میں سے ایک اہم اور عظیم سبب ہے۔

قبولیت عامہ کے اسباب :

سرکار مفتی اعظم کی ''قبولیت عامہ'' کے مختلف اسباب وعوامل ہیں۔ان میں اخلاق ومحبت، عشق ووفا، خلوص وایثار نیز چھوٹوں پر شفقت ومہربانی اور بڑوں کا ادب واحترام بھی ہے آپ اعلیٰ درجہ کے صاحب خلق اور ملنسار تھے۔ ہرکسی سے ملتے تھے اور دل چسپی کے ساتھ ان کی باتیں سماعت فرماتے ،لوگ اپنی دکھ بھری داستان بیان فرماتے اور محبت سے اس داستان کو سماعت فرماتے۔ ہندوستان میں بہت سے ایسے لوگ اب بھی موجود ہوں گے جو سرکار مفتی اعظم کے اخلاق ومحبت اور حسن سلوک کے گرویدہ ہوں گے۔ ذیل میں چند واقعات پیش کیے جارہے ہیں جن سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ سرکار تاجدار اہل سنت میں اخلاق اور حسن سلوک کا کس قدر جذبہ بلیغ تھا!

(۱) مہگاوان جو ایک چھوٹا سا گاؤں ہے اور ضلع بھاگل پور صوبہ بہار کے جنوب میں واقع ہے۔اسی گاؤں کے ایک عظیم فرزند حضرت علامہ مولانا محمد شرف الدین صاحب قبلہ عرف چھوٹے حضرت تھے جو علم وفن کے ساتھ ساتھ شعر وسخن میں بھی مہارت اور ملکہ رکھتے تھے۔ آپ بے باک اور جرأت مند تھے۔ مدرسہ خیر المدارس امرپور ضلع بھاگل پور میں مدرس تھے اور تازندگی اسی مدرسہ سے منسلک رہے۔ آپ بریلی کے ہی تربیت یافتہ اور اسیر مفتی اعظم تھے۔آپ بارہا دوران درس وتدریس سرکار مفتی اعظم کا تذکرہ جمیل کرتے اور اس ذکر حسن سے دہن وکام کو شادکام فرماتے۔میں اس وقت تعلیم کے ابتدائی دور سے گزر رہا تھا۔گلستاں، بوستاں اور دیگر کتابیں پڑھ رہا تھا۔اس وقت مجھے زیادہ فکر وشعور نہ تھا۔البتہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔علامہ موصوف جب سرکار مفتی اعظم کا تذکرہ فرماتے۔تو

جبین نیاز پر تابانی آجاتی، اور چہرے پر رعنائیاں بکھر جاتیں۔تاثر کی یہ شدید کیفیت بلا وجہ نہیں تھی بل کہ اس کے پسِ منظر حضور تاجدار اہل سنت کا وہ کردار وعمل اور اخلاق ومحبت، لطف وکرم تھا جو ان کے معاملات میں آیا اور جن سے علامہ موصوف نہال ہو گئے تھے۔

(۲) ایک مرتبہ صبح سویرے مجھے معلوم ہوا کہ تاجدار اہل سنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدنپورہ بنارس میں تشریف لائے ہوئے ہیں۔یہ اس وقت کی بات ہے جب میں جامعہ حمیدیہ رضویہ بنارس میں زیر تعلیم تھا چوں کہ میرے دل میں تاجدارِ اہل سنت کی زیارت کا شوق برسوں سے انگڑائی لے رہا تھا اور میری آنکھیں دید کو ترس رہی تھیں۔میں حضور شمس العلما کی خدمت عالیہ میں پہنچا اور عرض کیا......

حضور ! سرکار مفتی اعظم تشریف لائے ہوئے ہیں۔

آپ نے ارشاد فرمایا۔کہاں؟

میں نے عرض کیا۔ایاز محمود صاحب کے مکان پر آپ کا قیام ہے۔

حضرت نے چائے نوش فرمائی اور فوراً تیار ہو گئے۔حضرت کے ساتھ میں بھی بغرض زیارت چلا۔جیسے ہی رخِ زیبا پر نظر پڑی اس وقت میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔پھولوں کا بدن اور نور کا چہرہ تھا، جبین سعادت پر فیروز بختی کی رعنائیاں تھیں اور مقدس آنکھوں میں فکر کی گہرائیاں۔یقیناً یہ وہ مبارک اور پاکیزہ رخِ انور ہے جسے دیکھ کر خدا یاد آجاتا ہے۔ایسا کھلتا ہوا گلاب میری آنکھوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔حضرت علامہ شمس الدین صاحب بغیر کچھ عرض کیے پائتانے بیٹھ گئے اور رفتہ رفتہ پاؤں دبانے لگے۔ایسی محبوبانہ اظہار نیاز مندی کی ادا پر میں دنگ رہ گیا۔

حضور تاجدار اہل سنت نے فرمایا۔کون؟

حضرت قاضی صاحب قبلہ نے عرض کیا۔حضور میں شمس الدین ہوں۔

حضور تاجدار اہل سنت نے دوبارہ ارشاد فرمایا۔اچھا قاضی صاحب ہیں! آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟ یہ کہتے ہوئے آپ نے پاؤں سمیٹ لیے اور فرمایا۔استغفر اللہ استغفر اللہ

قارئین سے گزارش ہے اس منظر کو نگاہوں میں رکھیے اور بتایئے، آفتاب علم وفن اور ماہتاب فکر وشعور کا کسی پاکیزہ صفت شخصیت کے روبرو سر خمیدہ ہونا، کس قدر نادر ونایاب شخصیت کا پتہ دے رہا ہے؟ حضور تاجدار اہل سنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ناشتہ کیا تو ناشتہ کے بعد آپ نے پیالی آگے بڑھا دی۔حضرت قاضی صاحب نے نہایت سرعت کے ساتھ وہ پیالی اپنے ہاتھوں میں تھام لی، خود بھی اپنی مبارک انگلیوں سے پیالی چاٹی اور مجھے بھی چٹادی۔میں نے از خود محسوس کر لیا کہ حضرت قاضی صاحب قبلہ نے مجھے حضرت کی غلامی میں پیش کر دیا۔ٹھیک اس کے بعد میں حضرت تاجدار اہل سنت کے ہاتھوں میں ہاتھ رکھ کر داخل سلسلہ ہو گیا۔یہ کس قدر پر لطف اور پر مسرت ساعت تھی کہ اس کے تصور ہی سے ذہن کے گوشے نوری کرن میں نہا جاتے ہیں۔

(۳) جناب رئیس بھائی فریدی جو بدایوں کے سرگرم سماجی کارکن ہیں اور نگر پالیکا کے ممبر بھی رہ چکے ہیں۔حضرت مفتی اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مرید ہیں۔انھوں نے بیان کیا کہ مرید ہونے سے پہلے میں بہت زیادہ پریشان تھا۔جنات اور آسیبی خلل سے میرا جینا دوبھر ہو گیا تھا۔میں جہاں بیٹھتا وہ زمین گرم ہو جاتی اور جس چارپائی پر لیٹتا وہ ہلنے لگتی۔میں پریشان تھا میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں کیا کروں؟ مختلف جگہوں سے علاج ومعالجہ ہوا مگر کچھ بھی افاقہ نہ ہوا۔اسی دوران پاکستان سے میرے کچھ رشتہ دار آئے ہوئے تھے، وہ حضور تاجدار اہل

سنت سے ملنے کے لیے بریلی شریف حاضر ہوئے۔ میں بھی ان کے ساتھ حاضر ہوا۔ رضا مسجد میں حضرت سے ملاقات ہوئی۔ میں نے اپنی پریشانی بیان فرمائی اور کچھ لوگ مرید ہونے کے لیے بھی تیار کھڑے تھے۔ خادم خاص بابو میاں نے چادر پھیلا دی، مرید ہونے والوں نے چادر تھام لی۔ میں پس وپیش میں تھا، چادر پکڑوں یا نہیں؟ اتنے میں بابو میاں نے کہا۔ میاں اگر آپ کو مرید ہونا ہے تو چادر تھام لیجیے ورنہ دوسروں کو موقع دیجیے۔ میں نے اسی پس وپیش میں چادر تھام لی اور مرید ہو گیا۔ مگر اس بات سے میں مطمئن نہیں تھا کہ میں مرید ہو گیا۔ خیر میں بدایوں آ گیا۔ حضرت کی کیا نگاہِ کرم تھی کہ اس دن کے بعد سے اب تک پھر وہ پریشانی نہیں ہوئی اور رفتہ رفتہ میں روبصحت ہوتا چلا گیا۔ حالاں کہ یہ اضطراب اب بھی میرے دل میں تھا کہ مرید ہوا یا نہیں۔ ایک شب میں سو رہا تھا فیروز بختی نے دل کی دہلیز پر دستک دی، ایک سنہرا خواب میں نے دیکھا۔...... ایک خوبصورت، دل کش وسیع وعریض میدان ہے۔ تاحد نگاہ باغات ہیں۔ پھولوں کی کیاریاں ہیں اور بزرگ شخصیتیں دورویہ کھڑی ہیں۔ ان میں کون کون سے بزرگ ہیں، مجھے معلوم نہیں۔ البتہ صف کے ایک سرے پر میری نگاہ اٹھی، میں قریب گیا، میں نے دیکھا۔ سرکار مفتی اعظم کسی کے انتظار میں کھڑے ہیں۔ میں نے عرض کیا۔ حضور! کس کا انتظار ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا۔۔وہ دیکھو سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں۔ جیسے ہی میں نے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، زیارت سے مشرف ہوا اور پھر میری آنکھ کھل گئی۔ اس وقت فجر کی اذان ہو رہی تھی۔ اس کے بعد رئیس بھائی نے کہا۔ اس خواب کے بعد میرے دل کا اضطراب دور ہو گیا۔ اور ذہن کے تمام شکوک وشبہات دور ہو گئے اور میں پورے طور سے مطمئن ہو گیا کہ میں حضرت کی غلامی میں پورے طور پر آ گیا۔

حضرات میں سمجھتا ہوں، یہ صرف خواب ہی نہیں تھا بل کہ اس میں اس بات کا اشارہ بھی تھا کہ رئیس میاں کو کوئی اہم کام بھی انجام دینا ہے اور ایسا ہی ہوا۔ بدایوں میں مولوی خلیل احمد صاحب سے مناظرہ ہونا تھا مگر حالات کچھ ایسے بن گئے تھے کہ مناظرہ ہوتا ہوا نظر نہیں آ رہا تھا۔ رئیس میاں تیار ہوئے اور اپنی ذمہ داری پر مناظرہ طے کرا دیا۔ اس کے بعد جشن فتح منایا گیا اور بغیر کسی پروگرام کے حضور تاجدار اہل سنت بدایوں تشریف لائے اور رئیس میاں کے مکان پر قیام فرمایا۔ اس طرح مناظرہ کی تشکیل میں رئیس میاں نے ایک اہم رول ادا کیا۔ اس پورے واقعہ کا تجزیہ کریں۔ حضور تاجدار اہل سنت کی مقبولیت کے اسباب وعوامل واضح ہوتے نظر آ رہے ہیں۔ خلوص ومحبت، عشق ووفا اور ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے قلبی وابستگی قبولیت کے اسباب ہیں۔ آخر میں آپ کی شہرت وقبولیت کے کچھ اسباب ایسے بھی ہیں جو غیر مادی اور روحانی ہیں۔ ایک واقعہ خود میرے ساتھ ہوا جس سے میں ورطۂ حیرت میں پڑ گیا۔ وہ واقعہ یہ ہے۔

۱۹۸۱ء میں میں مدرسہ انوار العلوم معروف گنج گیا میں پڑھا رہا تھا۔ ایک دن صبح سویرے احاطۂ مدرسہ میں واقع ایک چھوٹی سی مسجد میں گیا۔ ابھی فجر کی اذان بھی نہیں ہوئی تھی۔ جیسے ہی میں مسجد کے اندر داخل ہوا میں نے از خود اپنے ماتھے کی آنکھوں سے مسجد کے صحن میں ایک بزرگ کو دیکھا جو سفید لباس میں ملبوس تھے۔ بالکل سفید ریش تھے۔ نورانی چہرہ تھا۔ انھوں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنی ہی داڑھی کی طرف اشارہ کیا اور پھر ایک ہاتھ سے آسمان کی طرف اشارہ کیا اور پھر وہ بزرگ نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔ اس سے میں خوفزدہ بھی ہوا اور پس وپیش کا شکار بھی۔ میں اس معما کی تہہ تک نہیں پہنچ پا رہا تھا۔ خیر فجر کی اذان ہوئی اور باجماعت نماز پڑھ کر قیام گاہ پر آ گیا۔ مگر میرے قلب ودماغ اسی واقعہ کی عقدہ کشائی میں الجھے رہے مجھے یہ معلوم نہیں کہ وہ بزرگ کون تھے؟ اور کیوں آئے تھے؟ اور ان اشاروں میں کیا اسرار ورموز تھے؟ ہاں آخر تقریباً ۸/ یا ۹ ربجے اطلاع ملی کہ حضور تاجدارِ اہلِ سنت کا وصال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بس اس خبر کے سنتے ہی یہ معما حل ہوا کہ وہ بزرگ حضور تاجدار اہلِ سنت کے وصال کی خبر دینے آئے تھے۔ مگر وہ بزرگ کون تھے؟ تادم تحریر معلوم نہیں، خبر سنتے ہی میں اور حضرت مولانا قاری محمد ابرار احمد صاحب ادروی جو اس وقت انوار العلوم میں مدرس تھے۔ بریلی شریف حاضر ہوئے

اور جنازہ مبارکہ میں شرکت کی، یہ میری پہلی حاضری تھی۔ اب سرکار مفتی اعظم کا کچھ ایسا کرم ہے کہ میں بریلی سے قریب اور بہت قریب ہوں۔ وہ بزرگ جو حضور تاجدار اہل سنت کے وصال کی خبر دینے صحن مسجد میں تشریف لائے تھے، کون ہو سکتے ہیں؟ تاہنوز معما ہے؟ جو نہ سمجھنے کا نہ سمجھانے کا! بہر حال اس سے مفتی اعظم کی عظیم شخصیت اور قبولیت عامہ ثابت ہوتی ہے اور یہ بھی بعید از قیاس نہیں کہ وہ بزرگ خود تاجدار اہل سنت ہوں۔

☆☆☆

نمونۂ اسلاف سرکار مفتیِ اعظمِ ہند

مولانا مفتی محمد عنایت احمد نعیمی
پرنسپل الجامعۃ الغوثیہ عربی کالج، اترولہ، بلرام پور

شہزادۂ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی شخصیت گونا گوں صفات کا مجموعہ تھی، علم وفضل، تقویٰ وطہارت، دینی وملی خدمات دین وسنت کی نشر واشاعت، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر آپ کی ایسی تابناک وروشن خوبیاں ہیں جو آب زر سے لکھنے کے لائق ہیں۔ مشاہیر اہلِ قلم نے اپنا اپنا حق ادا کرتے ہوئے آپ پر بہت کچھ لکھا ہے، اور آئندہ بھی صاحبانِ علم اپنے اس عظیم محسن کی بارگاہ میں خراجِ عقیدت پیش کرتے رہیں گے، مجھ جیسا کوتاہ قلم اتنی بڑی شخصیت کے فضائل وکمالات اور خیرات ومحاسن پر کتنا کچھ لکھ سکتا ہے؟ مگر چوں کہ محترم سعید نوری صاحب بانی رضا اکیڈمی کا اصرار ہے اور یہ کام بجائے خود حصولِ سعادت کا ذریعہ ہے لہٰذا انھیں ذمہ داران اہل قلم سے اقتباسات کر کے چند سطور حاضرِ خدمت ہیں۔

شہزادۂ اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں ادیبؔ بریلوی کا یہ شعر اگر نذر کر دیا جائے تو شاید ایک بحرِ بے کراں کو کوزہ میں بند کرنے کا کام ہوسکتا ہے۔ ؎

تیرے جلووں کو دیکھنے والے اپنی اپنی نگاہ تک پہنچے

فقیر نے ابتدائی فارسی کورس سے عالم تک مدرسہ انوار العلوم تلسی پور ضلع گونڈہ میں سب سے مشہور و معیاری مدرسہ تھا حاصل کیا بعدۂ استاذ محترم مناظر اعظم حضرت علامہ مولانا مفتی عتیق الرحمن خاں علیہ الرحمہ کی اجازت و ایما پر حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں حاضری کی سعادت حاصل کی۔ مدرسہ مظہر اسلام واقع مسجد بی بی جی صاحبہ میں حضرت کے زیر سایہ رہ کر (۱۹۶۰ء تا ۱۹۶۴ء) مسلسل چار سال آستانہ عالیہ رضویہ کی خاک بوسی میرے لیے سرمایۂ افتخار ہے۔ ان چار سالہ مشاہدات نے مجھے باور کرا دیا کہ سرکار مفتی اعظم اللہ تعالیٰ کی ایک عجیب نشانی تھے، ان کی نظر ایسی کیمیا اثر تھی کہ جس پر پڑی اسے چمکا دیا۔ بادِ بہاری کی طرح جہاں سے گزرے، جلتے جھلستے دلوں کو راحت و سکون کا مرہم دے دیا، آپ کے علم و فضل، تقویٰ و طہارت اور پاکیزگیِ نفس کا اعتراف اپنوں کے علاوہ غیروں کو بھی رہا ہے، مالک و مولیٰ نے آپ کو ایسی تسخیری قوت عطا فرمائی تھی کہ جس نے دیکھا آپ کا بندۂ بے دام بن گیا اور آپ کی غلامی پر ناز کرتا رہا۔

سرکار مفتی اعظم نور اللہ مرقدہٗ ایک تاریخ ساز شخصیت کا لقبی نام ہے، جس کے شرعی فیصلے، دینی فتاوے سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مجھے آپ کی صحبت زیادہ تو میسر نہ ہوئی مگر جتنی بھی ہوئی اس کی روشنی میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اعلیٰ حضرت مجدد اعظم نے اپنے اس نورِ نظر کو اس طرح بنایا اور سنوارا تھا کہ آپ کی پوری زندگی شریعت کا آئینہ دار بن گئی۔ آپ کا ایک ایک قدم شریعت حقہ کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا، سفر ہو یا حضر، جلوت ہو یا خلوت، تنہائی کا عالم یا عوامی ازدحام، خواص کی محفل ہو یا اہلِ دل کی کوئی انجمن، ہر جگہ ہر منزل پر مفتی اعظم رضی المولیٰ عنہ شمع محفل ہوتے اور سب کی نگاہوں کا مرکز بنے رہتے اور آخر ایسا کیوں نہ ہوتا کہ آپ خود اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی المولیٰ علیہ وسلم کے سچے محب اور عاشق زار تھے۔ اللہ اور اس کے رسول کا ذکر جمیل ہی آپ کی زندگی کا نصب العین رہا۔ حضرت نوریؔ کی آرزو یہی رہی کہ جس شراب معرفت و محبت سے میں سرشار و مست ہوں یہی مئے محبت و معرفت دنیا میں عام ہو جائے۔ فرماتے ہیں:

مرضِ عشق کا بیمار بھی کیا ہوتا ہے جتنی کرتا ہے دوا درد سوا ہوتا ہے

میں نے بھی شمع رسالت سے لگائی ہے لَو سب کی جھولی میں انھیں کا تو دیا ہوتا ہے

قرآن کریم نے اپنے جن نیک بندوں کی نشاندہی فرما کر تعریف فرمائی ہے حضرت نوری ان بندگانِ خاص میں نمایاں مقام پر نظر آتے ہیں۔ قرآن جنھیں مومن کامل، عبد صالح، متقی و پرہیزگار کے پیارے القاب سے نوازتا ہے۔ ان میں آپ ایک وصف، قدر مشترک کے طور پر محسوس کریں گے جسے ''خشیت ربانی'' کہا جاتا ہے۔ یہی وہ وصف ہے جو بندہ کو معروفات پر عمل، ممنوعات و منکرات سے اجتناب پر آمادہ کرتا ہے، یہی وہ جوہر عالی ہے کہ جس بندہ میں یہ جتنا زیادہ ہوگا اسی قدر وہ بندہ قرب خداوندی کا سزاوار و حق دار ہوگا۔ قرآنی فرمودات کی روشنی میں ایمان کے بعد یہی وہ خشیت محکم ہے جس پر سارے اعمال صالحہ کی بنیاد استوار ہوتی ہے۔

حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کی حیات مبارکہ کو جن خوش نصیبوں نے قریب سے دیکھا ہے ان کی بڑی مضبوط اور ٹھوس شہادت ہے کہ مفتی اعظم کا کوئی قول و فعل کتاب و سنت کے خلاف نہ تھا۔ آپ کی پوری حیات مبارکہ شریعت مطہرہ کی پاکیزہ آئینہ تھی گویا **اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗۤ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ**۔ (سورۂ انفال ۸ / ۳۴) کے آپ سچے اور صحیح مصداق تھے۔

راقم السطور کو اچھی طرح یاد ہے کہ آپ کا ایک تبلیغی دورہ ۱۹۷۰ء کے دہے میں ضلع بستی کے چند مشہور مقامات امرڈوبھا، بسڈیلہ اور ان سے ملحق جگہوں کے لیے ہوا تھا۔ یہ خادم اس وقت مشہور دینی درسگاہ دار العلوم تنویر الاسلام امرڈوبھا میں بہ حیثیت نائب صدر مدرس تدریس پر مامور تھا۔ دار العلوم کے اساتذہ میں چونکہ اکثر حضرات شہزادۂ اعلیٰ حضرت کے ہی دامن کرم سے وابستہ تھے۔ اس لیے سبھوں کی خواہش پر حضرت نے ایک شب کا قیمتی وقت اہل مدرسہ کو عطا فرمایا تھا اور رئیس قوم جناب سیٹھ محمد حسن مرحوم کے مکان پر مہمان ہوئے تھے۔ صبح کسی اور جگہ کے لیے روانگی کا پروگرام تھا۔ ناظم اعلیٰ محمد حسن مرحوم اپنے دیار کے رسم و رواج کے مطابق دھوتی اور کرتا استعمال کرتے تھے تہبند یا پاجامہ کا رواج تو تھا مگر خاص کر تجارت پیشہ مشرکین و ہنود کے ساتھ کاروباری نشست و برخاست کی وجہ سے ایسا کرتے رہے ہوں گے، خیر بہ وقت روانگی حضرت کی خدمت میں اپنی جیب خاص سے کچھ رقم نذر کرنا چاہا۔ حضرت نے خادم سے دریافت فرمایا یہ کون ہیں؟ میں نے عرض کیا۔ حضور یہ مدرسہ کے ناظم محمد حسن صاحب ہیں، حضرت نے فرمایا، میں مدرسوں سے نذرانہ نہیں لیتا۔ جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا محمد حسن صاحب دھوتی باندھے ہوئے تھے اور چہرہ پر داڑھی بھی نہیں تھی، میں نے محسوس کیا کہ نذرانہ لینے سے انکار کرنے پر وہ سخت مایوسی کا شکار ہو رہے ہیں۔ دوبارہ میں نے عرض کیا کہ ناظم اعلیٰ جو نذر پیش کر رہے ہیں وہ رقم مدرسہ کی نہیں ہے بل کہ ان کی اپنی ذاتی رقم ہے۔ تو بہ مشکل حضور نے قبول فرمایا اور ساتھ ہی مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ ''ان سے کہیے کہ اپنا چہرہ اور لباس اسلامی بنائیں، یہی میرے لیے بہترین نذرانہ ہے۔ سبحان اللہ۔ اس واقعہ میں ان حضرات کے لیے درس عبرت ہے جو اپنے کسی بھی معتقد کی نذر کو یہ سمجھ کر لے لیتے ہیں کہ ''مرید ہے چاہے جیسا ہو'' اور اپنے مریدین و معتقدین کی شرعی خامیوں پر نظر نہیں ڈالتے یا پھر دیدہ و دانستہ اغماض و چشم پوشی سے کام لیتے ہیں۔ اس اندیشہ سے کہ کہیں ہمارا یہ معتقد ناراض نہ ہو جائے، مگر حضرت مفتی اعظم نے ہمیشہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض منصبی پیش نظر رکھا اور اس فرض کی ادائیگی کی راہ میں کسی کی دولت یا اس کی شہرت یا کوئی دنیوی مفاد آڑے نہ بن سکا، اور آپ نے وہی کیا جو آپ کے خدا و رسول نے حکم دیا تھا، واضح رہے کہ آپ کا یہ برتاؤ صرف عامۃ المسلمین کے ساتھ ہی نہ تھا بل کہ خواص پر بھی گرفت کا یہی معاملہ تھا۔ علما و خطبا، جلسوں اور دینی مجمعوں میں حضرت کے روبرو وعظ و خطاب کرنے سے گھبراتے تھے اور کانپ کانپ جاتے تھے کیوں کہ یہ بات تقریباً ہر کس و ناکس کو معلوم تھی کہ حضرت کسی بھی خلاف شرع امر پر سکوت و خاموشی اختیار نہیں فرماتے اور علی الفور اصلاح ضروری سمجھتے ہیں۔

چنان چہ بحر العلوم حضرت مفتی عبد المنان صاحب قبلہ شیخ الحدیث مدرسہ شمس العلوم گھوسی تحریر فرماتے ہیں:

> ''حضرات مقررین سے کبھی جوش بیان میں، کبھی لکنت زبان سے، اور کبھی لاعلمی و جہالت سے (کہ آج کل تقریر کے لیے رسوخ علم ضروری نہیں رہ گیا ہے) دوران تقریر ایسے جملے صادر ہو جاتے ہیں جو شرعاً، عقلاً، اخلاقاً یا زبان و بیان کے لحاظ سے قابل اعتراض ہوتے ہیں۔ اگر مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ اسٹیج پر ہیں تو کیا مجال ہے کہ کوئی مقرر ایسی بد احتیاطی کر کے گذر جائے اور آپ امر بالمعروف نہ فرمائیں۔ کئی بڑے خطبا سے تو بر سر منبر انھوں نے توبہ تک کرائی۔
>
> خود اپنی زندگی میں دو مرتبہ ایسی سرزنش سے پالا پڑا ہے توبہ تک کی نوبت البتہ نہیں آئی۔
>
> جیسا کہ بحر العلوم نے بیان فرمایا ایک ایسے ہی واقعہ کا چشم دید اور عینی گواہ میں خود ہوں۔

۱۹۶۴ء میں راقم السطور کی دستار بندی و فراغت مظہر اسلام بریلی شریف سے ہوئی ہے جلسہ اور مدرسہ کے سرپرست کی حیثیت سے اس جلسۂ دستار میں حضرت کی بھی شرکت تھی۔ ناظم جلسہ نے افتتاحی تقریر کے لیے مظہر اسلام ہی کے ایک نئے مقرر کردہ مدرس کی تقریر کا اعلان کیا دوران تقریر مقرر نے حضرت سیدنا ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے وہ واقعات و حالات جو قبل از قبول ایمان ان سے صادر ہوئے تھے

بیان کرنا شروع کیا مگر بیان میں ادب والے الفاظ کی رعایت نہ تھی مثلاً ''تھے'' کی جگہ تھا، کرتے کی جگہ کرتا ایسے الفاظ جو عموماً چھوٹوں کے لیے بولے جاتے ہیں۔ ایسے الفاظ سن کر توبہ واستغفار کرتے رہے۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ پڑھتے رہے۔ جوں ہی ان کی تقریر ختم ہوئی حضرت نے گرجدار آواز میں فرمایا ''مولانا توبہ کیجیے'' ساتھ ہی وجہ توبہ بھی واضح فرمائی **الاسلام یھدم ماکان قبلہ** جس کا مطلب یہ کہ قبل از قبول اسلام جو بھی خلاف اسلام معاملات آپ سے صادر ہوئے ان کو بنیاد بنا کر حضرت کی شان میں کوئی بھی ایسا لفظ شرعاً استعمال کرنا جائز نہیں جس سے تحقیر شان ہو کیوں کہ بعد ایمان وہ صحابی رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بلند مرتبہ ومقام سے مشرف ومکرم ہو گئے لہٰذا دور کفر کے بھی اگر حالات وواقعات بہ ضرورت بیان کیے جائیں تو ادب ملحوظ خاطر رہنا چاہیے۔

افسوس کہ آج یہ چیز ہمارے درمیان باقی نہ رہی۔ حضرت کے نگاہوں سے اوجھل ہونے کے بعد ہی ہمارے مقرروں اور اسٹیجوں کا عجب حال ہو گیا۔ کتنے واعظین ومقررین دوران خطابت ایسے جملے یا باتیں پیش کرتے ہیں جن کی ضرب براہ راست اسلام کی بنیادی باتوں پر پڑتی ہے۔ اولاً تو کوئی ٹوکتا نہیں۔ الا ماشاءاللہ۔ اور اگر کسی بندۂ خدا نے احساس ذمہ داری کے تحت کسی ایسی خطا پر توجہ بھی دلائی تو بجائے ممنون ومشکور ہونے کے جنگ وجدال اور بحث ومباحثہ کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔

بہت سے ذمہ دار اور مستند علمائے کرام کے ذریعہ یہ معلوم ہوا کہ حضرت کی کرامتوں کا مشاہدہ اپنوں نے تو بار بار کیا ہے۔ مگر غیر مسلموں کے دلوں میں بھی آپ کی عظمت وبزرگی کے ذریعہ اسلام کی حقانیت کے جلوے آشکار ہوئے ہیں یہ الگ بات ہے کہ ہدایت ان کی قسمت میں نہ آئی۔

واقعہ: یہ ان دنوں کی بات ہے جب کہ آج کل کی طرح دیہاتوں میں پہنچنا اور وہاں سے شہروں میں پہنچنا آسان نہیں تھا۔ لوگ ریل اسٹیشنوں بس اسٹینڈوں تک بیل گاڑی یا پھر معززین پالکی کے ذریعہ پہنچائے جاتے تھے۔ مزدور اپنے کندھوں پر اٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچاتے تھے۔ حضرت کو خلیل آباد اسٹیشن پہنچ کر کوئی ٹرین پکڑنی تھی، ملنے جلنے والوں اور دست بوسی کے آرزومندوں کے ہجوم و ازدحام کے سبب ٹرین کی آمد میں بہت کم وقت بچ سکا۔ پالکی اٹھانے والے کہار سبھی غیر مسلم ڈبر یلے کھیتوں کی پگڈنڈیوں پر خودرو کانٹوں اور جھاڑیوں سے اپنے ننگے پیروں کو بچانے کے لیے آہستہ آہستہ چل رہے تھے۔ حضرت نے گھڑی پر نظر ڈالی ٹرین کے معینہ وقت میں لمحہ بہ لمحہ کمی ہوتی جا رہی تھی کہ حضرت نے کہاروں سے کہا تم لوگ سیدھے کیوں نہیں چلتے۔ کہار اپنی زبان میں بولے۔ مہاراج کھیتوں میں کانٹے بھرے ہیں ہم لوگ ننگے پیر ہیں'' ان کانٹوں میں سیدھے چلیں گے تو ہمارے پاؤں لہولہان ہو جائیں گے۔ حضرت نے فرمایا سیدھے چلو ہمیں تو کانٹے نظر نہیں آتے، حضرت کے حکم پر پالکی لے کر وہ کھیتوں میں سیدھے دوڑنے لگے۔ تھوڑی ہی دیر میں خلیل آباد اسٹیشن آ گیا کسی کہار کے پاؤں میں کوئی کانٹا نہ چبھا یہ غیر مسلم پالکی بردار عالم حیرت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ٹرین نہیں آئی تھی اب حضرت کی ٹرین اپنے وقت معین پر آئی۔ حضرت کو جہاں جانا تھا روانہ ہوئے مگر یہ کہار جس سے بھی ملتے اس سے یہی کہتے کہ ''یہ بہت بڑے گرو، بہت بڑے مہاتما ہیں۔'' واپسی میں ان کہاروں نے کہا لاؤ اب دیکھا جائے کہ ہمارے پیروں میں کانٹے چبھتے ہیں یا نہیں، مگر اب وہ بات کہاں پیر رکھتے ہی کانٹے اپنا کام دکھانے لگے۔ سچ کہا ہے کسی نے

کانٹے بھی میرے حکم پر چلتے ہیں دوستو   کرتا نہ دیکھیے میرا حلیہ نہ دیکھیے

بات آپ کی کرامتوں کی آئی تو ایک واقعہ یہ بھی ملاحظہ فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ''سیف زبان'' بنا دیا تھا جس کے حق میں جو کہہ دیا وہ پورا ہو گیا، اور آپ کی دعاؤں کے لیے اجابت بہر استقبال آیا کرتی تھی جو کھلی دلیل اور واضح نشانی تھی کہ آپ مقبول عنداللہ اور مستجاب

الدعوات تھے۔ ہمارے شہر اترولہ اوراس کے مضافات کی سرزمین کو بھی حضرت کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا ہے۔خوش نصیبی سے یہاں کے کافی لوگ حضرت کے نیاز مندوں، حلقہ بگوشوں میں داخل وشامل ہیں، یہیں اترولہ کے مضافات کے ایک صاحب جن کا نام محمد اسلام تھا بڑے کھرے سنّی تھے۔ انھوں نے الہ آباد سے ڈاکٹری پاس کیا تھا۔ جب انھوں نے پریکٹس کا آغاز کرنا چاہاتو اجازت اور دعا لینے کے لیے بریلی شریف اپنے پیرومرشد کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور مطب قائم کرنے کی اجازت طلب کی کہ حضور اجازت اور دعا سے نوازیں حضرت نے دریافت فرمایا آپ کا نام کیا ہے؟ انھوں نے بتایا ''محمد اسلام'' حضرت نے برجستہ فرمایا آپ کے مطب کا نام ''شفاے انام'' ہے۔ اللہ اکبر یہ نام اتنا بابرکت وبافیض ہوا کہ اترولہ کے سارے ایم۔بی۔ ایس ڈاکٹروں کا چراغ ان کے سامنے گل نظر آنے لگا۔ اس امر کا مشاہدہ خود راقم السطور نے کیا ہے کہ بڑے بڑے ڈاکٹر بیکار بیٹھے ہیں، کوئی مریض ان کی جانب رخ نہیں کرتا اور ڈاکٹر محمد اسلام کے یہاں مریضوں کی بھیڑ لگی ہے۔ یہ ہے جلوۂ شفاے انام ڈاکٹر محمد اسلام کا جو درحقیقت فیض ہے اس کامل درویش کا جو لوگوں کا مرکز نظر بنا رہا مفتی اعظم کی حیثیت سے مگراس کا وہ مرتبہ جسے قرب خداوندی اور عشق رسالت پناہی کا نام دیا جائے بہتوں کی نظر سے اوجھل رہا، سچ کہا اقبال نے

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کو عقیدت ہو تو دیکھ ان کو   ید بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

☆☆☆☆

اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی
چیئرمین اوکاڑوی اکادمی، پاکستان

نسبتوں کو شمار کیا اور مانا جاتا ہے مگر ہر شخص اور ہر شی کے لیے انھیں معیار نہیں سمجھا جاتا۔ کہتے ہیں لوگوں میں نسبت کا احترام جب ہی سوا ہوتا ہے کہ منتسب شخص میں بھی کوئی بات ہو اور سوا ہو۔ حقیقت کی نگاہ محض عقیدت کی عینک سے نہیں دیکھتی۔

اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ فضیلتِ علم فضیلتِ نسب سے کہیں زیادہ رتبہ رکھتی ہے اور یہ بھی طے ہے کہ فضیلت ومرتبت، علم وتقویٰ ہی سے وابستہ ہے۔ امیر المؤمنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بلاشبہہ بہت محترم ہستی ہیں لیکن ان کے فرزندان میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ہی کا نام نمایاں ہے اس کی وجہ ان میں علم وتقویٰ کی زیادہ پاس داری ہے۔ اور کتنے نام اس حوالے سے معروف ہیں۔ بیٹا بلاشبہہ اپنے باپ کا کچھ نقش وعکس لیے ہوتا ہے، اس کا بھید ہوتا ہے لیکن صرف نسبتِ فرزندی ہی سے ہر کسی کو مکرم ومحترم نہیں مانا جاتا۔ تاریخ گواہ ہے کہ وہی نام محبوب ومحترم ہوئے جو علم وعمل میں عمدگی کا وصف رکھتے تھے۔ امام غزالی وامام رازی کو ان کے خاندانی نسب نے عزیز جہاں نہیں بنایا۔

موجودہ عہد میں کسی نام کے ساتھ القاب کی فہرست سننے والا پڑھنے والا کسی قدر متاثر بھی ہوتا ہے تو وقتی طور پر ہی ہوتا ہے، اس کے برعکس کسی ہستی کو جان کرا سے دیا جانے والا کوئی ایک سچا لقب ایسا ثابت ہوتا ہے کہ ہر ذہن پر نقش ہو جاتا ہے اور ہر کسی کو متاثر کرتا ہے۔ اس ہستی کے لیے پھر القاب کی کسی فہرست کی چنداں ضرورت نہیں رہتی کہ وہ ایک لقب ہی اس ہستی کا بھرپور تعارف ہو جاتا ہے۔

''مفتیِ اعظم'' کوئی نیا لقب نہیں اور ایسا بھی نہیں کہ کسی ایک ہی کے لیے مخصوص ہو، لیکن یہ لقب پکارا جائے اور کسی ایک ہی ہستی کا واضح تاثر ابھرے، یہ خوبی اس لقب کے حوالے سے ہمارے ممدوح حضرت مفتی اعظم الحاج مولانا شاہ مصطفی رضا خاں نوری بریلوی قدس سرہٗ القوی کی ہے۔ ان سے نسبت کو افتخار اور ان سے عقیدت کو اعزاز سمجھا جاتا ہے۔ وہ بہت بڑے باپ کے بیٹے تھے اور خود بھی بڑے تھے۔ وہ کتنی بڑائی اور کیسی خوبیاں رکھتے تھے اسکا بیان کرنے والے بھی آج بڑے بڑے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ کچھ اَمر ہو جاتے ہیں۔ ذرا توجہ کیجیے، وہ کیسے ہوتے ہیں جن سے لمحے اَمر ہوتے ہیں اور زمان و مکان وقعت پاتے ہیں۔ کسی کی باتیں اور یادیں زندگی ہو جائیں، ایسی شخصیت اپنا خاص وقار اور اعتبار رکھتی ہے۔ سحر انگیزی، عہد سازی، فکر طرازی انھیں سے عبارت ہوتی ہے۔ حضرت مفتی اعظم کیا تھے اور کیا نہیں تھے! نحیف سا وجود تھا لیکن چٹانوں سے بڑھ کر ان میں استقامت تھی۔ روے تاباں ان کا ایسا کہ چند ثانیے دیکھیے اور برسوں انھیں سوچتے رہیے۔ ان کے انفاس کی مہک نے دہر کو معطر کیا۔ ان کے افکار کی دمک نے اذہان کو منور کیا۔ ان کے کردار کی تابندگی ملت کی زندگی ثابت ہوئی۔

برقی دور کی اس تیز رفتار زندگی میں پس منظر یعنی پیچھے مڑ کر دیکھنے کی گنجائش کہاں! مگر پیش منظر میں جو پہلوں کا کوئی نقش و عکس نہ ہوتا تو تابانیوں اور جولانیوں کے دیکھنے والے کو سامنے کی دکھائی دیتی چکا چوند بھی متاثر نہیں کرتی اور وہ پس منظر کی روشنی ہی میں محو و مگن رہنا پسند کرتا ہے۔ حضرت مفتی اعظم نور و نکہت سے عبارت تھے۔ ان کی یادوں کو وقت کی گرد نے دھندلایا نہیں کچھ اور اجاگر کیا ہے۔

محترم الحاج محمد سعیدی نوری قابل مبارک باد ہیں کہ انھوں نے ''نوری'' سلسلے سے اپنی وابستگی کا اظہار بھی کیا خوب کیا ہے۔

وہ ہستی کہ جس کی آمد کی نوید بھی حضرت نوری میاں ہی سے ملی، وہ ہستی جس کی زیست کا سفر بھی نوری رہا، وہ ہستی جس کا تذکرہ بھی نوری ہے جو خود حضور سیدنا ''مصطفیٰ'' (ﷺ) کی ''رضا'' کے لیے تھا اور اس کے وابستگان کا عنوان بھی ''جماعت رضائے مصطفیٰ'' تھا، ان کے ۲۵ سالہ عرس مبارک پر ان کی یادوں اور یادگاروں کے تذکار کا مجموعہ تیار کرنا یقیناً مبارک اور نوریوں کے لیے نوری کاوش ہے۔

حضرت مفتی اعظم ایک فرد نہیں ایک عہد تھے۔ وہ ایک شخص نہیں کروڑوں کے لیے مرکز تھے، عقیدت و محبت کا ایک مرکز۔ انھیں جتنا سوچا اور ان کے بارے میں جتنا سنا کاش کہ انھیں اتنا دیکھا بھی ہوتا۔۔۔۔۔

☆☆☆

حضور مفتی اعظم کی حق گوئی و بے باکی

مولانا محمد عارف اللہ مصباحی
استاذ مدرسہ عربیہ فیض العلوم، محمد آباد، گوہنہ، ضلع مئو

جب کسی انسان کے دل میں ایمان گھر کر جاتا ہے تو اس کے مظاہرے بھی انتہائی حیرت انگیز ہوتے ہیں۔ فرعون کے جادوگر جب ہموار اور وسیع و عریض میدان میں انسانوں کے جم غفیر کی موجودگی میں اپنے جادو کا کمال دکھانے اترے تھے تو انھیں پورا یقین تھا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ کر رہیں گے اور شاہی انعام واکرام کے سزاوار قرار دیے جائیں گے مگر جب ان کے جادو کے سانپوں اور اژدہوں کو عصائے کلیم نے دم زدن میں نگل لیا اور انھیں معجزہ اور جادو کا باہمی فرق معلوم ہو گیا تو وہی جادوگر توحیدِ خداوندی پر ایمانِ کامل کی دولتِ بے بہا سے سرفراز ہو کر بے ساختہ مالکِ حقیقی کے حضور سجدہ ریز ہو گئے، فرعون نے جب یہ نا قابلِ یقین منظر دیکھا تو انھیں نہایت بھیانک اور وحشیانہ انداز میں قتل کر ڈالنے کی دھمکی دی مگر کیا وہ اس کی دھمکی سے ذرہ برابر بھی خائف ہوئے؟

حضرت ابن طاؤس، خلیفہ ابو جعفر منصور کی طلبی پر اس کے دربار میں آئے تو دیکھا کہ وہ اپنے پورے حاکمانہ کروفر کے ساتھ فرش پر

بیٹھا ہوا ہے جب کہ سزائے قتل کے مستحق لوگوں کے لیے چمڑے کے فرش بچھے ہوئے ہیں اور جلا دان کی گردنیں اڑانے کے لیے ہاتھوں میں برہنہ تلواریں لیے پوری طرح مستعد کھڑے ہیں مگر کیا یہ لرزہ خیز منظر دیکھ کر ابن طاؤس کی ایمانی جرأت واستقامت میں کوئی تزلزل پیدا ہوا؟ اور کیا اس سے گفتگو کے دوران، ان کے کسی بھی جملے سے مرعوبیت کا کوئی اثر ظاہر ہوا؟ حالاں کہ حضرت مالک بن انس نے کئی بار محض اس خوف سے اپنے کپڑے سمیٹ لیے کہ کہیں ابن طاؤس کے خونِ ناحق کے دھبے میرے کپڑوں سے نہ لگ جائیں۔

حضور مفتی اعظم ہند علامہ مصطفی رضا خاں صاحب نوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی میرے نزدیک اسی سلسلۃ الذہب کی ایک خوبصورت کڑی ہیں جنھوں نے اپنی زندگی کے طویل سفر میں بہت سے نشیب وفراز دیکھے۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف دشمنانِ اسلام کی فتنہ سامانیاں اور ریشہ دوانیاں بھی دیکھیں، اسلامیانِ عالم کو عقیدۂ سلف سے بیزار کرنے اور انبیا واولیا کی بارگاہوں میں دریدہ دہنی اور گستاخی کرنے والے نام نہاد علما کی ایمان سوز تحریروں اور تحریکوں کا بھی مشاہدہ کیا، مسلمانوں کو اپنے دینی ذہن وفکر، وضع قطع اور اسلامی تہذیب وتشخص کو پسِ پشت ڈال کر پوری طرح مغربی رنگ وآہنگ اختیار کر لینے کی دعوت وترغیب دینے والے مغرب زدہ مسلم نما دہریوں کی الحاد آمیز تحریریں اور پیہم مساعی بھی دیکھیں۔ وقت کے ظالم و جابر حکمرانوں کے قرآن وسنت سے متصادم احکامات اور اقدامات بھی دیکھے مگر کیا ایسے ہوش رُبا اور حوصلہ شکن حالات میں قوتِ ایمانی، عزم محکم، عشق مصطفوی، مسلمانوں کے دین وایمان کے تحفظ اور ان کی فلاح وکامرانی کے بیکراں جذبات سے لب ریز حضور مفتی اعظم خاموش تماشائی بنے رہ سکتے تھے؟ نہیں! ہرگز نہیں! وہ اٹھے اور اسلام اور مسلمانوں کے دفاع کے لیے تمام طاغوتی قوتوں کے سامنے سینہ سپر ہوگئے اور زندگی کی آخری سانس تک ان سے نبرد آزما رہے۔ یہاں تک کہ فتح ونصرت نے ہر گام پر ان کے قدم چومے۔

وہ ۲۲رذی الحجہ ۱۳۰۹ھ مطابق ۷رجولائی ۱۸۹۳ء میں ایک معزز علمی خانوادے میں سریر آرائے بزم عالم ہوئے۔ ۱۳۲۸ھ میں انھوں نے تمام مروج علوم وفنون میں مہارت حاصل کر کے سندِ فراغ لی اور پوری زندگی دعوت وارشاد اور حق گوئی اور بے باکی کے میدان میں سرگرم عمل رہے۔

وہ خیر کے داعی تھے اور اس پر کاربند بھی۔ انھیں منکرات سے سخت نفرت تھی اور دوسروں کو بھی ان سے نفرت پر برانگیختہ کرتے۔ اس کے لیے انھوں نے حسب موقع اپنی زبان وقلم کی بھر پور توانائیاں صرف کر دیں۔ اگر وہ کسی منکر کا ازالہ اپنے ہاتھ سے کر سکتے تو ایسا کرنے سے بھی باز نہ آئے۔ انھوں نے کسی صاحبِ اقتدار کے کروفر یا کسی توانا کے زورِ بازو سے خوف زدہ ہو کر حق بات کے اظہار میں کسی لیت ولعل سے کام نہیں لیا۔ وہ حضور ختمی مرتبت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی عملی تصویر تھے **"من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذلک اضعف الایمان۔**

(مشکوٰۃ المصابیح۔ باب الامر بالمعروف، ص ۴۳۶ مجلس البرکات، مبارک پور)

تم میں کوئی شخص اگر کوئی ایسی بات دیکھے جو شرعاً ناپسندیدہ ہو تو اسے اپنے ہاتھ سے تبدیل کرے اور اگر وہ ایسا نہ کر سکے تو اپنی زبان سے اس کا ازالہ کرے اور اگر وہ یہ بھی نہ کر سکے تو اپنے دل سے ہی اسے بدل دے یعنی اپنے دل میں اسے ناپسند کرے اور معیوب جانے مگر ایسا شخص سب سے کمزور مومن ہے کیوں کہ اگر وہ اپنے ایمان میں مضبوط اور پختہ ہوتا تو صرف دل سے برا جاننے پر اکتفا نہ کرتا۔ (مشکوٰۃ المصابیح۔ باب الامر بالمعروف، ص ۴۳۶)

یوں تو حضرت والا مرتبت کی زبان وقلم سے نکلنے والی ہر صدا اور ہر تحریر حق گوئی اور بے باکی کی زندہ اور پایندہ مثال ہے مگر کچھ ایسی تحریریں اور واقعات بھی آپ کی حیاتِ مبارکہ سے وابستہ ہیں جو اپنی امتیازی خصوصیات کی وجہ سے علاحدہ ذکر کرنے کے قابل ہیں اور جن میں حق گوئی اور بے باکی کا پہلو پوری طرح نمایاں ہے اس لیے میں یہاں چند ایسے اہم واقعات ذکر کرتا ہوں جن سے آپ کے حسن تدبر دور اندیشی اور حق گوئی و بے باکی کا صحیح صحیح اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

شدھی تحریک :

۳۰/ ۳۱/دسمبر ۱۹۲۲ء کو مہاسبھا (آریہ سماج کی مجلس شوریٰ) کا ایک غیر معمولی اجلاس راجہ دھن راج ناہر سنگھ کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں شدھی یعنی غیر ہندو قوموں کو آریہ مذہب میں داخل کرنے کی قرارداد منظور کی گئی۔ اس قرارداد کے تحت ہندو اپدیشکوں (مبلغوں) کے ذریعہ اس تحریک کا آغاز کیا گیا۔ مسلم راجپوت سب سے زیادہ اس کے نشانے پر تھے۔

اس کے دائرۂ کار میں اتر پردیش، راجستھان، گجرات، پنجاب اور بہار کے وسیع وعریض علاقے شامل تھے اور اسے کامیابی سے ہم کنار کرنے کے لیے تمام ہندو راجاؤں اور سرمایہ داروں نے بھرپور مالی اور عملی تعاون پیش کیا۔

ہندو مبلغین نے شدھی تحریک کے لیے مندرجہ ذیل ہتھکنڈے استعمال کیے۔

۱) لوگوں کو نفسیاتی خوف میں مبتلا کرنا مثلاً یہ مشہور کرنا کہ گورنمنٹ اور راجا کا حکم ہے کہ سب لوگ آریہ دھرم اختیار کرلیں ورنہ ان پر جرمانے عاید کیے جائیں گے۔
۲) ہندو دھرم اپنانے کی طرف راغب کرنے کے لیے مال وزر کی پیش کش۔
۳) بصورت دیگر دباؤ اور تشدد کا استعمال۔
۴) ہندوؤں میں چھوا چھات عام ہونے کی وجہ سے کوئی ہندو نو وارد ہم مذہبوں کے ساتھ کھانے پینے کو تیار نہیں ہوتا اس کے نتیجے میں اس بات کا امکان زیادہ تھا کہ یہ نو وارد ہندو کبیدہ خاطر ہو کر دوبارہ اپنے سابقہ دین کی جانب پلٹ جائے، اس لیے تحریک کے ذمہ داروں نے فی مرتد ایک روپیہ دینے کی پیش کش کر کے اس رویہ کو ختم کرنے کی کوشش کی۔
۵) نسلی تعصب کو ہوا دینا۔
۶) اسلام کے بارے میں جھوٹے اور من گھڑت قصوں کی اشاعت۔
۷) حضرت اورنگ زیب عالمگیر کے خلاف غلط پروپیگنڈا کر کے ملکانہ راجپوتوں کو مشتعل کرنا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس تحریک کے برے عزائم سے اولِ روز سے ہی باخبر ہو چکے تھے اور اس کی کامیابی کی صورت میں مرتب ہونے والے نتائج ومضرات کا انھوں نے پوری طرح اندازہ کرلیا تھا یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اس سے مقابلہ کے لیے کمرِ ہمت کس لی اور کوئی تاخیر کیے بغیر ملک کے مختلف علاقوں کا دورہ کر کے ان اسباب وعلل کا بہ نظرِ غایر مطالعہ کیا جن سے ہمت پا کر آریہ سماج نے مسلم راجپوتوں کو فتنۂ ارتداد کا نشانہ بنانے کی کوشش کی۔ حضرت والا کے سروے کے مطابق وہ اہم عوامل مندرجہ ذیل ہیں۔

۱) راجپوت سیکڑوں برس پہلے دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے مگر دینی شعور و آگہی سے محروم ہونے کے باعث ان کے نام، طرزِ معاشرت اور تمدنی حالات مسلمانوں جیسے نہیں تھے۔

۲) ان میں نسلی تعصب کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اس لیے وہ عام مسلمانوں کے مقابلے اپنے ہم قوم ہندوؤں کو ترجیح دیتے۔
۳) اپنی نسل کو خالص رکھنے کے لیے شادی بیاہ کا رشتہ اپنی ہی نسل کے راجپوتوں میں کرتے۔
۴) راجپوتوں میں مفلسی اور بے روزگاری کی وبا عام تھی۔

آریہ سماج نے ان اسباب وعوامل میں سب سے زیادہ توجہ نسلی تعصب اور غربت وافلاس پر مرکوز کی کیوں کہ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ہر شخص کو اپنے آباواجداد سے یک گونہ لگاؤ ہوتا ہے اس لیے مسلم راجپوتوں کے دلوں میں تسلسل کے ساتھ یہ احساس زیادہ سے زیادہ راسخ کرنے کی کوشش کی گئی کہ ان کے اسلاف ہندو اور ہندو مذہب کے پیروکار تھے لہٰذا انھیں پھر اسی دھرم کو اختیار کر لینا چاہیے جس سے ان کے آباواجداد وابستہ رہے۔ دوسری جانب اسلامی عقائد اور اسلامی نظامِ حیات سے راجپوتوں کی ناواقفیت نے آریہ سماج کے مبلغین کے لیے شراب دو آتشہ کا کام کیا اور ان کے مشن کو آسان بنانے میں اہم رول ادا کیا۔

غربت کی ضرب بھی انسان کو کبھی کبھی ایسے فیصلے کرنے پر مجبور کر دیتی ہے جن کے لیے اس کا دل بالکل تیار نہیں ہوتا اس لیے اس نفسیاتی صورت حال کو مدنظر رکھتے ہوئے غریب ونادار راجپوتوں کو اپنے دامِ کفر وشرک میں پھنسانے کے لیے مال وزر کا لالچ بھی دیا گیا۔

حضرت مفتیِ اعظم ہند نے آریوں کے تمام طریقہ ہائے کار کے مقابلے اور مذکورہ بالا عوامل کے سد باب کے لیے مندرجہ ذیل اقدامات کیے۔

۱) مسلم راجپوتوں کے علاقوں میں دینی مدارس قائم کیے جن میں مفت دینی تعلیم کا انتظام کیا۔ مدرسین کی تنخواہوں اور طالبانِ علم نبوی کے لیے بے معاوضہ کتابوں کی فراہمی کا ذمہ جماعت رضائے مصطفی پر ڈالا۔
۲) تحریک صلاۃ چلائی جس کے بے حد خوشگوار اثرات مرتب ہوئے کیوں کہ معبودِ حقیقی کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہونے کا مزہ ہی کچھ اور ہوتا ہے اور جب جبینِ انسانیت ایک بار بھی صحیح معنوں میں لذت آشنائے سجدہ ہو جائے تو کیا مجال کہ شرک وکفر کی تیز وتند آندھی بھی اس کے ثبات واستقلال میں کوئی تزلزل پیدا کر سکے۔
۳) اجتماعات منعقد کر کے اسلام کے خلاف زہر افشانی اور دشنام طرازی کا معقول اور دندان شکن جواب دیا گیا۔
۴) اسلام کی صداقت وحقانیت کے اظہار واثبات کے لیے آریائی مبلغین کو مناظروں کے چیلنج دیے گئے مگر وہ اہلِ حق سے مناظرہ کی جرأت نہ کر پاتے جس سے مسلم راجپوتوں پر خوشگوار اثرات مرتب ہوتے۔
۵) نسلی عصبیت کے عفریت کا سر کچلنے اور اسلامی وحدت واخوت کی حسین ودل آویز لڑی میں مسلم راجپوتوں کو پرونے کے لیے ضرورت کے مطابق وفود روانہ کیے جنھوں نے اسلامی اخوت ومحبت کے پیغامِ جاں نواز سے لوگوں کو آگاہ کیا۔ انھوں نے بتایا کہ اسلام ایسا عظیم مذہب ہے جو رنگ نسل یا ملک وقوم کی بنیاد پر کسی تفریق کو برداشت نہیں کرتا۔ انھیں باور کرایا گیا کہ اسلام ہی وہ سب سے پہلا مذہب ہے جو نہ صرف مساواتِ انسانی کا حامی ومؤید ہے بل کہ اس کے پیروکاروں نے عملی طور پر قندیلِ مساوات روشن کر کے دوسری اقوام کو بھی نعرۂ مساوات بلند کرنے والی زبان عطا کی ہے۔

انھوں نے مسلم راجپوتوں کو آمادہ کیا کہ وہ حق وباطل کے درمیان خط امتیاز کھینچنے کے لیے دونوں مذاہب کا تقابلی مطالعہ کریں۔

۵) نادار اور مسلم راجپوتوں کو اسلامی وضع قطع کا پابند بنانے کے لیے مفت لباس فراہم کیا گیا۔

حضرت مفتی اعظم کے زیر قیادت تحفظ ایمان واسلام کی اس تحریک نے لاکھوں مسلمانوں کو مذہبِ حق پر مضبوطی سے قائم رہنے کا

حوصلہ بخشا اور ہندو مذہب میں داخل ہو جانے والے بے شمار لوگوں کو دوبارہ حظیرۂ اسلام میں لانے کا بے مثال کارنامہ انجام دیا۔ انھوں نے اوران کے سراپا عمل معاون علماے کرام نے اس راہ میں بے شمار سختیاں جھیلیں، طرح طرح کی دھمکیوں کا سامنا کیا، میلوں پیدل چلے، قدموں میں چھالے پڑے، مسلمانوں کو ارتداد کی لعنت سے بچانے کے لیے وہ آریوں کے جلسوں میں جا پہنچے اور ایسی مؤثر تدابیر اختیار کیں جن سے آریہ سماج کی ساری کوششوں پر پانی پھر گیا۔ انھوں نے کبھی بھی مخالفین اسلام کی تحریک کی وسعت و ہمہ گیری اور وسائل کی فراوانی سے مرعوب ہو کر اپنے حوصلے پست نہ کیے بل کہ پوری قوتِ ایمانی اور عزم محکم کے ساتھ اپنے دینی فریضہ کی انجام دہی میں پوری طرح سرگرم رہے۔ تا آں کہ فروری ۱۹۲۳ء سے جولائی ۱۹۲۳ء تک کی شبانہ روز انتھک مساعی کے نتیجہ میں انھوں نے اس فتنہ پر قابو پالیا۔

حضرت مفتی اعظم کی جدو جہد کا یہ صرف ایک رخ ہے۔ ان کی جدو جہد کا دوسرا رخ یہ ہے کہ انھوں نے فتنۂ ارتداد کا مکمل استیصال کرنے کے بعد ۳۰ر جولائی ۱۹۲۳ء میں اپنی تنظیموں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک حصہ کو جاہل اور ناواقف مسلمانوں کے دین و ایمان کے تحفظ کی ذمہ داری سونپی گئی جب کہ دوسرے حصہ کو یہ ذمہ داری تفویض کی گئی کہ وہ ہندوؤں کے درمیان مذہب اسلام کی تبلیغ کرے انھیں اسلام کے ابدی اصول وقوانین سے آگاہ کرے اور انھیں اس کے حیات افزا اور دنیا وآخرت میں کامیابی وسرخروئی کے ضامن عقائد و اعمال سے باخبر کرے۔ چناں چہ اس کے مخلص اور غازی صفت مبلغین کی مساعی جمیلہ کے نتیجہ میں بہار اور اڑیسہ میں ہندوؤں کی کثیر تعداد نے اسلام قبول کیا اور دوسرے خطوں میں بھی اسلام میں داخل ہونے والوں کی تعداد اچھی خاصی رہی۔

حج ٹیکس :

حضور مفتی اعظم جب دوسری بار حج وزیارت روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حرمین شریفین تشریف لے گئے تو اس وقت ظالم و جابر نجدی آمروں کا اقتدار قائم ہو چکا تھا، ارضِ قرآن پر بنامِ اسلام گم راہ کن عقائد ونظریات سرایت کرتے جا رہے تھے جن کے باطل و مردود ہونے پر اجماعِ امت قائم ہو چکا ہے۔ انھیں فاسد اعتقادات کو بنیاد بنا کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا ان کے کسی صحابی یا اللہ کے کسی اور محبوب بندے کی طرف منسوب مساجد کو انتہائی بے دردی اور شقاوت کے ساتھ مسمار کر دیا گیا، صحابہ کرام اور اولیاے عظام کے مقابر و مشاہد کو منہدم کر کے انھیں سطح زمین کے برابر کر دیا گیا، ابن تیمیہ، ابن قیم جوزی اور محمد بن عبدالوہاب نجدی کی قرآن وحدیث کی من مانی تشریحات کو ''اصل اسلام'' کی صورت میں پیش کیا گیا اور صریح آیات واحادیث سے ثابت شدہ یا ان سے مستنبط اجماعی عقائد کو غلط اور بے بنیاد قرار دے دیا گیا۔

یہاں یہ بات بھی سب کو معلوم ہے کہ نجدی حکومت خودسر اور خود رائے نجدی حکمرانوں کے ذریعہ کنٹرول کی جاتی ہے اس لیے اس کے مظاہر بھی وقتاً فوقتاً محسوس کیے جاتے ہیں۔ چناں چہ ''حج ٹیکس'' بھی انھیں مظاہر کے طویل سلسلے کی ایک کڑی تھی۔

یہ بھی ذہن نشین رہے کہ وہ تمام غیر آئینی اور غیر جمہوری حکومتیں جن کی باگ ڈور بے لگام حکمرانوں کے پنجۂ استبداد میں ہوتی ہے وہاں ان کے کسی بھی فرمان یا اقدام کی مخالفت کی سزا انتہائی بھیانک ہوا کرتی ہے۔ مگر چوں کہ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کسی بھی غیر شرعی اقدام کے خلاف آوازۂ حق بلند کرنا اپنی دینی ذمہ داری تصور فرماتے تھے اور نتائج کی پرواہ کیے بغیر پرچم حق وصداقت بلند رکھنے کے لیے رخصت کے بجاے عزیمت پر کار بند تھے اس لیے انھوں نے مکہ مکرمہ میں ہی ایک استفسار کے جواب میں اس ٹیکس کے خلاف ایک انتہائی جرأت مند فتویٰ جاری فرمایا جو کتابی شکل میں ''طرد الشیطان'' کے نام سے شائع ہوا۔ اس وقت تک خام تیل کی دریافت نہیں ہوئی تھی

اور حکومت کی اقتصادیات اور دوسرے سرکاری اخراجات کا زیادہ تر انحصار حجاج کرام سے حاصل ہونے والے زرِمبادلہ پر تھا اس لیے انھوں نے مستقبل کے ان خطرات کو بھانپتے ہوئے حج ٹیکس کی منسوخی کا اعلان کر دیا۔

نس بندی :

جن لوگوں نے سابق وزیر اعظم اندرا گاندھی کا دورِ حکومت دیکھا ہے وہ اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ ان کا دور ایک ''آمرانہ دور'' تھا جس میں کانگریس پارٹی کی ساری قوت کا ''نقطۂ ارتکاز'' صرف اور صرف ان کی ذات تھی اور انھوں نے یہ سب بلا شرکتِ غیرے اقتدار پر اپنی گرفت قائم رکھنے کے لیے ہی کیا تھا۔ وہ سیاسی مخالفتوں کو بے دردی سے کچل دینے کے لیے سخت سے سخت اقدام کرنے میں بھی کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتی تھی۔

چنانچہ ۱۹۷۵ء میں اس نے پورے ملک میں ہنگامی حالات کا اعلان کر دیا، تمام شہریوں کے بنیادی حقوق سلب کر لیے گئے، سیاسی رقیبوں کو قیدِ سلاسل میں جکڑ کر نذرِ زنداں کر دیا گیا اور میسا کے جابرانہ قانون کے تحت مقامی کورٹوں کو گرفتار شدہ افراد کے مقدمات کی سماعت کے اختیار سے محروم کر دیا گیا اور صرف ہائی کورٹوں کو اس کا مجاز کیا گیا کہ وہ ایک معینہ مدت گزر جانے کے بعد ان مقدمات کی شنوائی کر سکتی ہیں۔

مسز گاندھی نے اپنے آمرانہ طرزِ عمل کا اظہار اس طرح بھی کیا کہ دو سے زیادہ بچے پیدا کرنے پر سختی سے پابندی عائد کر دی اور ان لوگوں پر نس بندی کرانا ضروری قرار دے دیا جن کے دو یا زیادہ بچے ہوں۔ حکام اور سرکاری ملازمین پر اپنی نس بندیاں کرانے کے ساتھ نس بندی کے کیس دینا لازم کر دیا جس کے نتیجے میں مظالم اور ناانصافیوں کا وہ تاریک اور بھیانک دور شروع ہوا کہ جبینِ انسانیت عرق عرق ہو گئی، پولس لوگوں کو کسی جھوٹے الزام میں پکڑ کر ان کی جبری نس بندی کرا دیتی جس کا لازمی اثر یہ ہوا کہ سرِ شام بازاروں کی چہل پہل اور ان کی رونقیں ماند پڑ جاتیں، سڑکیں اور گلی کوچے سنسان ہو جاتے اور لوگ پولس کی بے جواز دست اندازی سے اس قدر خوفزدہ تھے کہ وہ اس کے سایے سے بھی سہم جاتے۔

ذرا چشمِ بصیرت و بصارت وا کر کے دیکھیں تو ایک طرف ایک مطلق العنان حکمراں اور ہر طرح کے وسائل سے لیس اور اس کے اشارۂ ابرو پر سخت ترین کارروائی کرنے کے منتظر اس کے حکام ہیں اور دوسری جانب اقتدار و اختیار سے یکسر محروم ایک ضعیف اور نحیف و نزار انسان ہے جس کی مبارک پیشانی نورِ ایمان سے منور اور جس کا دل عظمتِ اسلام کے جذبات سے معمور ہے اور جو ہر قیمت پر اسلام اور مسلمانوں کی سربلندی کے لیے ہمہ دم مضطرب رہتا ہے خواہ اس کے لیے حکومتی عتاب کا شکار ہو کر اسے جیل کی سلاخوں کے پیچھے ہی کیوں نہ ڈھکیل دیا جائے، وہ تمام خطرات اور نتائج کو نظر انداز کرتے ہوئے نس بندی جیسے غیر شرعی عمل کے خلاف سراپا احتجاج بن جاتا ہے اور ایسا صاف اور دوٹوک فتویٰ صادر کرتا ہے کہ اس کی جرأت و بے باکی پر حکومتِ وقت انگشت بدنداں رہ جاتی ہے۔ اعلیٰ حکام کے ذریعہ دباؤ ڈلوایا جاتا ہے کہ وہ اپنے حکومت مخالف رویہ سے باز آ جائے ورنہ اس کے خلاف سخت کارروائی عمل میں لائی جا سکتی ہے۔ مگر حق گوئی و بے باکی کا کوہِ ہمالہ اپنے جائز موقف پر پوری مضبوطی سے قائم رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے بے شمار عقیدت مندوں کی بے پناہ جذباتی عقیدتوں کی خبریں پا کر حکومتِ وقت بھی اس کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جاتی ہے اور اسے کسی قسم کا گزند پہنچانے کے ارادہ سے باز آ جاتی ہے۔

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ جہاں خود حق گو اور بے باک تھے وہیں دوسروں کو بھی حق گوئی اور بے باکی کی تلقین و ہدایت فرمایا

کرتے تھے۔ چنانچہ فتاویٰ مصطفویہ میں چند ایسے فتاویٰ موجود ہیں جو میرے اس دعوے کی تصدیق کے لیے کافی ہیں۔

ریاستِ رام پور کے شیعہ حکمراں کے شریعت مخالف اقدامات کے خلاف احتجاج کے لزوم یا عدم لزوم کے متعلق استفسار ہوا تو آپ نے اس غاصب وظالم حکمراں کے خلاف زبان وقلم سے جہاد کرنے کو لازم قرار دیا اور حسبِ قدرت واستطاعت اس کے خلافِ مذہبِ اہلِ سنّت، اقدامات واحکامات کے خاتمہ کے لیے ہر ممکن تدابیر اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی اور دلائل وبراہین سے ثابت فرمایا کہ اسلحے سے جہاد ممکن نہ ہونے کی صورت میں زبان وقلم سے صدائے احتجاج بلند کرنا ضروری ہے۔

(فتاویٰ مصطفویہ ص ۴۹۲ / ۴۹۸ شائع کردہ رضا اکیڈمی ممبئی میں تفصیلات دیکھی جاسکتی ہیں۔)

(اس مضمون کی تیاری میں ''حیاتِ مفتی اعظم از مرزا عبدالوحید بیگ مرحوم'' سے مدد لی گئی ہے۔)

☆☆☆☆☆

مفتی اعظم ایک ہمہ جہت شخصیت

مولانا بہاء المصطفیٰ قادری مصباحی
مدرس دارالعلوم منظر اسلام، بریلی شریف

صبح کا وقت ہے شہنشاہ علم شریعت وطریقت اپنے آراستہ دربار میں مسند رشد وہدایت پر جلوہ افروز ہے۔ معتقدین ومتوسلین قرینہ سے دست بستہ ایک نگاہ التفات کے منتظر ہیں اتنے میں ایک آنے والا خدمت میں سلام کے لیے حاضر ہوتا ہے۔ مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ دست بوسی ہورہی ہے۔ ارشاد ہوا کہاں سے آنا ہوا؟۔ عرض کیا کربلا سے حاضر ہوا ہوں۔ اتنا سننا تھا کہ زائر کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور فرمایا کب گئے تھے؟ کب آنا ہوا؟۔ عرض کی ابھی ابھی حاضر ہوا ہوں۔ میرا مکان محلہ باقر گنج میں کربلا (مصنوعی) کے پاس ہے۔ یہ سنتے ہی آپ نے لاحول پڑھا اور فرمایا کربلا شریف تو صرف عراق میں ہے۔ اس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ بعض مقامات کے اسما ایسے ہیں ان مقامات کے نام پر دوسری جگہ کا نام رکھنا درست نہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ متبرک ومقدس جگہ سے آنے والا بھی محترم ومقدس ہوجاتا ہے۔ اس شہنساہ کو دنیا تاجدار اہل سنت آبروے سنّیت، شہزادۂ اعلیٰ حضرت، سرکار مفتی اعظم کے نام سے جانتی پہچانتی ہے۔ جن

کے علم و فضل کا ابر کرم آج بھی دنیا پر ٹوٹ ٹوٹ کر برس رہا ہے۔

ایک روز کا واقعہ ہے۔ایک صاحب دل آئے اور نماز حضرت کے ساتھ رضا مسجد میں متعین امام کی اقتدا میں ادا کی بعد نماز جب حضرت اپنی مسند پر جلوہ افروز ہوئے تو وہ صاحبِ دل کہنے لگے حضور آپ کی مسجد کے امام بھی خوب ہیں نماز پڑھا رہے تھے کہ نماز کی حالت میں بازار میں گھوم رہے تھے۔اس پر حضرت نے مسکرا کر فرمایا آپ کیوں امام کے پیچھے پیچھے کبھی اس جوتے کی دکان کبھی اس جوتے کی دوکان کا چکر لگا رہے تھے۔امام صاحب سے دریافت کرنے پر انکشاف ہوا کہ مجھے جوتے لینے تھے نماز میں خیال آ گیا کہ کہاں سے اور کس کمپنی کا جوتا لینا چاہیے۔ماشاء اللہ حضرت کا کیسا کشف تھا کہ امام تو امام مقتدی کے احوال سے بھی آ گاہ ہو جاتے تھے۔

کشف کا تو یہ حال تھا کہ ۱۹۶۶ء میں گھوسی قادری منزل میں تشریف لائے۔مخدومہ والدہ ماجدہ اس وقت حرمین طیبین کی زیارت کے لیے برادر مکرم حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب کی ہم راہی میں گئی ہوئی تھیں۔گھر پر میں تھا اور بڑی ہمشیرہ، دوپہر کا کھانا ہمشیرہ نے تیار کیا اور دسترخوان پر چن دیا گیا۔حضرت نے خوب شوق سے مزے لے کر تناول فرمایا۔کھانے سے فراعت پر کھانے کی خوب تعریف کی اور فرمایا عائشہ بیٹی نے اپنی والدہ کی کمی محسوس نہیں ہونے دی۔کھانا خوب مزیدار بنایا ہے۔یہ سن کر میرے دل میں خیال آیا کہ جب اتنی تعریف ہو رہی ہے تو کچھ انعام بھی ملنا چاہیے میرے دل میں ابھی یہ خیال آیا ہی تھا کہ مسکرا کر میری طرف دیکھا اور صدری کی جیب سے پانچ روپے کا نوٹ نکال کر مجھے دیا کہ یہ عائشہ کو میری طرف سے مزیدار کھانا تیار کرنے کا انعام دے دو۔یہ دیکھ کر میں انگشت بدنداں رہ گیا کہ ہمارے حضرت کا کتنا قوی کشف ہے کہ دل کے خطرات پر بھی فوراً مطلع ہو جاتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث مبارکہ ہے جس سے مسلمانوں کی حقیقی شان اور ان کے داعی حق ہونے کا اظہار ہوتا ہے۔تم میں سے جو کوئی برائی دیکھے اس کو اپنے ہاتھ سے بدل ڈالے۔اگر ہاتھ سے بدلنے کی طاقت نہ ہو تو زبان سے اس کی برائی بیان کرے۔اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل میں اس کو برا سمجھے۔یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔

آپ امر بالمعروف اور حق گوئی میں کسی کی رو رعایت نہیں کرتے تھے۔آپ اس وصف میں اپنے اہل زمانہ میں ممتاز نظر آتے ہیں۔یہ ناممکن تھا کہ کوئی غلط کام آپ کے سامنے ہو جائے اور حضرت اس کی اصلاح نہ فرمائیں۔ایک بار ضلع گونڈہ کی کسی بستی میں جانا ہوا قیلولہ کے بعد نماز ظہر کے لیے مسجد میں تشریف لے گئے۔میں نے وضو کرایا اور جلدی سے اندرون مسجد جا کر چٹائی وغیرہ جھاڑنے لگا ایک تو گاؤں کی مسجد، اس پر مستزاد خزاں کا موسم۔حضرت نے اندر تشریف لاتے ہی لاحول، لا الہ الا اللہ، استغفر اللہ۔ہزار بار استغفر اللہ پڑھنا شروع کر دیا۔میں نے گھبرا کر حضرت کی طرف نظر کی حضرت نے فرمایا دیکھو مسجد کی دیوار پر کیا لکھا ہے۔دیکھا کلمہ شریف یوں لکھا ہوا تھا۔لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ۔اوّل نظر میں تو میں نہ سمجھ سکا مگر جو غور سے پڑھا تو عقدہ کھلا۔یہ تو صریح کفری معنی کو مستلزم ہے۔ہم راہ حافظ افتخار صاحب گونڈوی اور ایک دوسرے صاحب بھی تھے۔جب تک اس کے رسم الخط کی تصحیح نہ کرا لی اس وقت تک نماز ادا نہ کی۔

ایک بار باسنی ضلع ناگور (راجستھان) کسی معتقد رئیس کے لڑکے کی شادی میں شرکت کے لیے تشریف لے گئے۔جب مجلس نکاح میں تشریف لائے دولہا ٹائی باندھے بیٹھا ہوا تھا۔دیکھتے ہی جلال میں آ گئے اور اسی حالت میں ٹائی پکڑ کر جھنجھوڑنا شروع کر دیا۔اور فرماتے جاتے لاحول ولاقوۃ۔لا الہ الا اللہ یہ حرام ہے حرام جب تک ٹائی اتروا نہ لی اس وقت تک نکاح پڑھانے نہ دیا۔اس کا دولھا پر یہ اثر ہوا کہ اس نے اس کے بعد کبھی ٹائی نہ باندھی اور نیک و پرہیزگار بن گیا۔آپ اپنے دور میں اس حدیث کے مظہر اتم تھے۔تم میں سے جو کوئی بھی برائی دیکھے، اس کو اپنے ہاتھ سے بدل ڈالے۔الخ سچ ہے ؎

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی   اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

مبارک پور میں ۱۹۷۲ء میں اشرفیہ کی جانب سے ایک تعلیمی کانفرنس ہوئی تھی۔ بریلی شریف سے ہمراہ خدمت کے لیے میں گیا تھا۔ جس میں بسکھاری والے سید بابو میاں کا واقعہ پیش آیا تھا۔ اس کا چشم دید میں بھی گواہ ہوں۔ مبارک پور سے بلیا جانا ہوا جلسہ میں استاذی واستاذ العلما حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ بھی تشریف فرما تھے۔ درمیان تقریر حضور حافظ ملت نے فرمایا سیدی سرکار اعلیٰ حضرت نے فرمایا ہے۔ میرا یہ بچہ ولی ہے۔ ولی۔ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ نے قسم کھا کے فرمایا۔ اگر حضور مفتی اعظم مادر زاد ولی نہیں تھے تو مجدد اعظم اعلیٰ حضرت رضی اللہ تبارک و تعالیٰ عنہ کے فرمانے سے یقیناً ولایت کے مقام پر فائز ہو گئے۔ ع

تمھارے سے منہ سے جو نکلی وہ بات ہو کے رہی۔

مسائل میں علما وفقہا آپ ہی کی جنبش لب کے منتظر ہوتے۔ فقہ کا کون سا باب ہے جس میں آپ کو پورا درک اور علم حضوری نہ تھا۔ امام احمد رضا نے اپنے شہزادے کو پورے علم سے آراستہ کر کے باقاعدہ فتویٰ نویسی کی خصوصی تعلیم و تربیت دی اور امام احمد رضا قدس سرہٗ کو حوالہ کے لیے کسی عبارت کی ضرورت ہوتی تو وہ کتاب نکال کر حوالہ کی نشاندہی کرتے اور امام احمد رضاؔ کی خدمت میں حاضر رہتے۔ یہی وہ خدمات تھیں جس نے آپ کو امام احمد رضا قدس سرہٗ کا معتمد و جانشین بنایا۔ حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ نے ابتدائی عمر سے فتویٰ نویسی میں مشغول ہو کر پوری عمر اسی کام میں صرف کر دی۔ اللہ جل مجدہ نے آپ کو فقہ میں ایسا درک اور ملکہ عطا فرمایا تھا کہ پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل اول نظر ہی میں حل فرما دیتے جس پر آپ کے فتاویٰ شاہد عدل ہیں۔ مروجہ درس نظامی جو زمانہ طویل سے تمام مدارس میں رائج ہے جس کے پڑھنے کے بعد فضیلت کی دستار ملتی ہے، اس کے بارے میں سرکار اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔ یہ درس کہ ان بلاد میں رائج ہے، احمق اسے منتہائے علم سمجھتے ہیں۔ حاشا کہ وہ ابتدائی علم بھی نہیں اس سے استعداد آنا منظور ہے۔ رہا علم! ہیہات! ہیہات! ہنوز دلی دور ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ۱۲ ص ۳۰۸ رضا اکیڈمی) اس سے یہ سمجھ میں آیا کہ مفتی کے لیے درس نظامی کے جملہ علوم وفنون پر دسترس حاصل ہونا ضروری ہے۔ اس ضمن میں ہم حضور مفتی اعظم کو یکتائے روزگار پاتے ہیں آپ کے شاگردوں کی جماعت اس پر شاہد عدل ہے۔ درسیات میں ایسی ایسی موشگافیاں فرماتے کہ عقل دنگ رہ جاتی۔ شرح مأۃ عامل عبد الرسول جو فن نحو کی ابتدائی کتاب ہے جو مدرسوں میں پڑھائی جاتی ہے اس کے حاشیے میں عربی کا مقولہ ہے "**النّار فی الشتاء خیر من اللّٰہ و رسولہ**" جس کا ظاہری معنی یہ ہے۔ آگ جاڑے میں اللہ اور اس کے رسول سے بہتر ہے۔ ظاہر ہے یہ معنی کفر ہے۔ شرح مأۃ عامل کے مطابق "مِن" یہاں قسمیہ ہے۔ تو اب معنی یہ ہوئے اللہ اور اس کے رسول کی قسم آگ جاڑے میں بہتر ہے۔ مگر اس توجیہہ پر یہ اعتراض ہے کہ اللہ کی قسم کھانا تو جائز ہے مگر رسول کی قسم کھانا جائز نہیں۔ علما نے اپنے اپنے طور پر جوابات دیے مگر حضرت مفتی اعظم نے استفسار پر ایسا جواب دیا کہ جملہ کی صحیح توجیہ بھی ہوگئی اور تمام اعتراضات بھی اٹھ گئے۔ حضرت نے فرمایا اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ روزمرہ کے محاورے میں بولتے ہیں یہ بات منجانب اللہ ہے۔ اسی پر اس جملہ کو سمجھیے۔ حضرت کے ارشاد سے صاف ہو گیا کہ نہ قسمیہ ہے کہ وہ اشکال ہو نہ تفضیل کے لیے جیسا کہ ذہن کو دھوکا ہوتا ہے۔ بل کہ یہاں مِن ابتدائے غایت کے لیے ہے۔ اس عبارت کا مطلب اب یہ ہوا۔ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے آگ جاڑے میں بہتر ہے۔ جب جدھر نظر ہوئی اس فن کے جواہرات ونوادرات ظاہر ہوتے چلے گئے۔

محبوبیت : حدیث شریف میں ہے جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے محبت فرماتا ہے تو جبریل علیہ السلام سے فرماتا ہے اے جبریل میں فلاں بندہ سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو۔ پھر جبریل امین علیہ السلام آسمانی فرشتوں سے فرماتے ہیں اے فرشتو تم سب

بھی اس بندے سے محبت کرو۔ پھر تمام آسمان والوں کے دل میں اس بندے کی محبت ڈال دیتا ہے۔ پھر اس کی محبت زمین میں اتاری جاتی ہے۔ اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ پھر زمین والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ اس کی زمین وآسمان میں مقبولیت عام ہوجاتی ہے۔ میں نے ایسی مقبولیت جیسی حضور مفتی اعظم رضی اللہ عنہ کو تھی نہیں دیکھی۔ جہاں چلے گئے انسانوں کا ہجوم اکٹھا ہوگیا جب کہ پہلے سے نہ تو اعلان نہ تو اطلاع۔ بارہا کا تجربہ ہے کہ آپ رات کے کسی حصے میں باہر تشریف لے گئے۔ صبح آستانے پر سناٹا، رات میں تشریف لائے تو انسانوں کی بھیڑ، پروانوں کا ازدحام۔ یہ کون صور پھونک دیتا ہے کہ حضرت باہر چلے گئے یا حضرت باہر سے تشریف لے آئے۔

حاجت روائی : بندوں کی حاجت روائی آپ کا خاص وصف تھی۔ کئی کئی گھنٹے بیٹھ کر لوگوں کی حاجتوں کو سننا پھر اس کا مداوا کرنا، تعویذ کے پردے میں اپنی کرامت ومحبوبیت کو چھپانا۔ جن مریضوں کو ڈاکٹروں نے جواب دے دیا، لاعلاج مرض بتایا آپ نے تعویذ دے دیا۔ دم فرمادیا چندروز میں بھلا چنگا ہوگیا۔ اختر حسین نام کے ایک صاحب سنبھل سے آئے جن کی کمر میں ایک گانٹھ ہوگئی تھی۔ ڈاکٹروں نے کینسر تجویز کر کے آپریشن کرنا بتایا۔ اس غم میں چلنا پھرنا بند۔ بہت لاغر ہوگئے۔ کسی طرح بریلی شریف حاضر ہوئے۔ کیفیت بیان کی حضرت نے ہاتھ رکھ کر دم فرمایا۔ تعویذ دیا چندروز میں کینسر غائب۔ ایسے ایسے کام کے لیے تعویذ لینے آتے کہ سن کر ہنسی بھی آتی تھی مگر کیا مجال کہ حضرت کی پیشانی پر بل آئے۔ عصر کا وقت تنگ ہوگیا تھا، نماز کے لیے اٹھنے والے تھے بل کہ ایک پیر میں جوتا بھی پہن لیا تھا، اتنے میں ایک خاتون لسڑ پسڑ کرتی آئیں اور بلاتمہید فریاد کرنے لگیں۔ میاں میری لڑکی روتے روتے ہلکان ہوگئی اس کی مرغی غائب ہوگئی ہے، تعویذ دے دو۔ یہ سنتے ہی سب ہنسنے لگے۔ حضرت نے جلال میں فرمایا نماز کی دیر ہورہی ہے۔ میں نماز پڑھوں گا خاتون ڈر کر واپس دروازہ تک پہنچ گئیں۔ آواز دے کر بلایا۔ تعویذ دیا اور فرمایا لوگوں نے اب یہ نکال لیا ہے کہ میاں جس پر ناراض ہوجاتے ہیں اس کا کام یقینا ہوجاتا ہے۔

سنبھل کے ایک صاحب نے دریافت کیا تعویذ لکھنے میں کیا چال ضروری ہے۔ اگر نقش ہے۔ بغیر چال کے پر کریں تو فائدہ نہیں ہوگا؟ مسکرا کر فرمایا، فائدہ ونقصان پہنچانا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ شیخ الرئیس بوعلی سینا کے مطب کے قریب ایک عطار کی بھی دوکان تھی۔ وہ بھی مریضوں کو دوا دیا کرتا تھا۔ کسی نے شیخ سے دریافت کیا وہ عطار بھی مریضوں کو دوا دیتا ہے اور آپ بھی۔ اس کی دوا سے مریض اچھے ہوتے ہیں اور مرتے ہیں اور آپ کی دوا سے بھی اچھے ہوتے اور مرتے ہیں پھر اس میں اور آپ میں کیا فرق ہے؟ آپ ہی سے علاج کرانا کیا ضروری ہے؟ اس پر شیخ نے کہا عطار کی دوا سے مریض بے قاعدہ اچھا ہوتا ہے یا مرتا ہے اور میری دوا اور علاج سے باقاعدہ اچھا ہوتا ہے یا مرتا ہے۔

صدرالشریعہ : ابی الکریم حضور صدرالشریعہ رضی اللہ عنہ سے بہت الفت ومحبت رکھتے تھے یہاں تک کہ اگر کوئی دریافت کرتا کہ حضور آپ کے بھائی ہیں؟ فرماتے ہم چار بھائی ہیں۔ مزید پوچھنے پر فرماتے۔ چوتھے بھائی صدرالشریعہ ہیں۔ یہ مجھ سے کئی بار حضرت مولانا حسنین رضا علیہ الرحمہ نے فرمایا جو سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے چھوٹے بھائی حضرت حسن میاں علیہ الرحمہ کے صاحبزادے ہیں۔ حضرت جب پہلی بار ۱۹۴۵ء میں زیارت حرمین طیبین کے لیے جانے لگے تو صدرالشریعہ کو اس مضمون کا خط تحریر فرمایا۔ میں حرمین طیبین کی زیارت کو جارہا ہوں۔ آپ یہاں تشریف لا کر اپنے گھر کی دیکھ بھال کیجیے۔ اہل خانہ سے فرمادیا۔ صدرالشریعہ سیاہ وسفید کے مالک ہیں جو چاہیں وہ ہوگا۔ ان سے دریافت کر کے کام کیا جائے۔ جب تک حضرت واپس تشریف نہ لے آئے، صدرالشریعہ بریلی شریف مقیم رہے اور تمام امور آپ ہی کی نگرانی میں انجام پاتے۔ حضور صدرالشریعہ جب باہر سے بریلی شریف تشریف لاتے خود حضور مفتی اعظم رضی اللہ عنہ بہ نفس نفیس اسٹیشن تشریف لے جاتے اور جلوس کی شکل میں دولت کدہ پر لے آتے۔ پورے شہر میں دھوم مچ جاتی کہ صدرالشریعہ آرہے ہیں۔ اگر بریلی شریف میں حجۃ

الاسلام رضی اللہ عنہ بھی موجود ہوتے تو آپ بھی اسٹیشن جلوہ افروز ہوتے۔ ٹم ٹم میں سوار کراتے اور دونوں شہزادگان اپنے درمیان صدر الشریعہ کو بیٹھاتے۔ حضرت مولانا مبین الدین صاحب محدث امروہوی رحمۃ اللہ علیہ نے اکثر مجھ سے فرمایا کہ بریلی کے عوام کہا کرتے کہ اگر دونوں شہزادگان کو اکھٹا دیکھنا ہو تو اس وقت موقع ملتا جب صدر الشریعہ بریلی شریف تشریف لے آتے، ورنہ بہت کم ایک ساتھ اکٹھا ہونے کا موقعہ ملتا۔ حضور صدر الشریعہ بھی سیدنا اعلیٰ حضرت کے دونوں شہزادگان کا بہت ادب واحترام اور محبت والفت فرماتے۔ مگر افسوس واحسرتا کہ علم شریعت و طریقت کا یہ نیرّ اعظم ۱۴ر محرم الحرام ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۲ر نومبر ۱۹۸۱ء کو ہمیشہ کے لیے ہم سے روپوش ہو گیا۔

درود وسلام ہو نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جو مدینۃ العلم ہیں اور سلام ورحمت ہو حضور مفتی اعظم رضی اللہ عنہ پر جنھوں نے اس منبع علم سے خوشہ چینی فرمائی اور اس علم کی خوب نشر واشاعت فرما کر خود شریعت وطریقت کے گلِ سرسبد ہو گئے۔ خدا رحمت کند۔

☆☆☆☆☆

جامع شرع وطریقت مفتی اعظم کی ذات

مولانا محمد عالمگیر رضوی مصباحی
خادم تدریس وافتا دار العلوم اسحاقیہ جودھ پور، راجستھان

حضور مفتی اعظم ایک ایسی عبقری الشرق والغرب شخصیت کا نام ہے جنھوں نے اپنے عہد میں باطل پرست تحریکوں، تنظیموں اور جماعتوں کا انسداد فرما کر احقاقِ حق وابطالِ باطل کا عظیم فریضہ انجام دیا ہے۔ جن کا نفس نفس اخلاق وللہیت کے ساتھ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی انجام دہی میں گزرا اور آپ کا ہر ہر عمل خدمت دین اور ہدایت مسلمین کے بے کراں جذبے کا مظہر رہا۔ مفتی اعظم علم وعمل کا پیکر اور طہارت وتقویٰ کا سراپا تھے اور آپ سب کے لیے یہی پسند ومحبوب سمجھتے تھے کہ ہر عالم وعامی مسلمان دین مصطفوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پاکیزہ تعلیمات کو سمجھے اور سمجھ کر سچا اور باعمل مومن بن کر زندگی گزارے وہ ایمان وعقیدہ، اعمال واخلاق، اور حقوق ومعاملات، ہر ایک شعبے میں انحراف وکجروی اور بے اعتدالی کو سخت ناپسند فرماتے تھے اور اس پر فوراً ٹوکتے اور مخلصانہ اصلاح بھی فرماتے تھے۔ خواہ سامنے کوئی بھی ہو، اپنا ہو یا غیر، مسلم ہو غیر مسلم، ہم عقیدہ ہو یا بدعقیدہ، عالم ہو یا عامی، امیر ہو یا غریب، مرد ہو یا عورت۔

حضور مفتی اعظم کے لیل ونہار، شام وسحر، خدمتِ دینِ متین وخدمت خلق خدا میں صرف ہوتے تھے۔ مفتی اعظم ہر لمحہ امت مسلمہ کی صلاح وفلاح اور عروج وارتقا کے لیے کوشاں رہتے تھے جس مجلس اور جس بزم میں جلوہ افروز ہو جاتے تھے، میر کارواں نظر آتے تھے۔ میں تو صرف اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ مفتی اعظم مفتی اعظم ہی تھے۔ جیسا کہ ایک شاعر نے بجا فرمایا ہے۔

ہر ایک بزم کی زینت تھے مفتی اعظم نقیبِ دین وشریعت تھے مفتی اعظم

سراپا جانِ ولایت تھے مفتی اعظم　　　　نثار حق و صداقت تھے مفتی اعظم

اپنے ہم عصر اور ہم مرتبہ لوگوں کے درمیان حضور مفتی اعظم کی منکسر المزاجی، تواضع اور اعلیٰ ترین اخلاق کے ساتھ ساتھ فقیہانہ بالغ نظری سے، شریعت مطہرہ کے انتہائی باریک مسائل پر بے لاگ گرفت دیکھنے کے قابل ہوتی تھی جن حضرات نے مفتی اعظم کی صحبت پائی، آپ کے شب و روز کو ملاحظہ کیا وہ حضور مفتی اعظم کی جلالت علمی، فقہی بصیرت، خوفِ الٰہی، عشق رسول، تقویٰ و پرہیزگاری کے اعلیٰ ترین مقام کو خوب سمجھ سکتے ہیں۔

تفقہ فی الدین :

احکامِ شرعیہ کے علم کو حاصل کرنے کو تفقہ فی الدین کہتے ہیں جیسا کہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہوتا ہے۔ **فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ** (سورہ توبہ/ ۱۲۲) تو کیوں نہ ہو کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آکر اپنی قوم کو ڈر سنائیں۔ حدیث شریف میں ہے۔ ''**من یرد اللّٰہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین** (بخاری شریف، جلد اول ص ۱۶) اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے تفقہ فی الدین عطا فرماتا ہے۔ خداوند قدوس نے مفتی اعظم قبلہ قدس سرہٗ کو اس نعمتِ عظمیٰ سے بھرپور سرفراز فرمایا تھا جس کی زندہ و جاوید مثال ''فتاویٰ مصطفویہ'' اور آپ کی دیگر تصنیفات فقہیہ ہیں، جن سے مفتی اعظم کی علمی جلالت، تبحر علمی اور فقیہانہ بالغ نظری کا پورے طور پر اظہار ہوتا ہے جن کے مطالعہ کے بعد ہر شخص کا یہی فیصلہ ہوتا ہے کہ مفتی اعظم، اعلیٰ حضرت، الشاہ امام احمد رضا قادری برکاتی محدث بریلوی قدس سرہٗ العالی کے صحیح جانشین اور ان کے مظہر اتم واکمل تھے۔ مفتی اعظم اگرچہ دنیائے اسلام میں مفتی اعظم کے نام سے مشہور ہیں لیکن وہ صرف مفتی اعظم نہیں تھے بل کہ اپنے زمانہ کے مفتی اعظم اسلام تھے۔ اس لیے آپ کے افتا اور تفقہ فی الدین کی عظمت و جلالت صرف ہندوستان تک ہی محدود نہ تھی بل کہ عرب، عجم، افریقہ، اور انگلینڈ و امریکہ وغیرہ بہت سے باہری ملکوں میں بھی تسلیم کی جاتی تھی۔ فن افتا اور تفقہ فی الدین میں مفتی اعظم کا کیا مقام و مرتبہ تھا اسے نائب مفتی اعظم، شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی قدس سرہ السامی سے سنیے۔ تحریر فرماتے ہیں:

''میں گیارہ برس تین ماہ خدمت میں رہا اسی مدت میں ۲۴ ہزار مسائل لکھے جن میں کم از کم دس ہزار فتاویٰ وہ ہیں جن پر حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی تصدیق و تصحیح ہے۔ میں گھسا پٹا نہیں۔ بہت سوچ سمجھ کر جانچ تول کر مسئلہ لکھتا۔ مگر واہ رے مفتی اعظم! اگر ذرا بھی غلطی ہے یا لوچ ہے یا بے ربطی ہے۔ یا تعبیر غیر مناسب ہے۔ یا سوال کے ماحول کے مطابق جواب میں کمی بیشی ہے۔ یا کہیں سے کوئی غلط فہمی کا ذرا بھی اندیشہ ہے تو فوراً اس پر تنبیہ فرماتے اور مناسب اصلاح۔ تنقید آسان ہے مگر اصلاح دشوار۔ مگر ستر سالہ حضور مفتی اعظم کا دماغ اور علم ایسا جوان تھا کہ تنقید کے بعد فوراً اصلاح فرماتے اور ایسی اصلاح کہ پھر قلم ٹوٹ کر رہ جاتا۔ بارہا ایسا ہوتا کہ حکم کی تائید میں کوئی عبارت نہ ملتی تو میں اپنی صواب دید سے حکم لکھ دیتا کبھی دور دراز کی عبارت سے تائید لاتا مگر مفتی اعظم ان کتابوں کی عبارتیں جو دار الافتا میں نہ تھیں زبانی لکھوا دیتے میں حیران رہ جاتا۔ یا اللہ کبھی کتاب کا مطالعہ کرتے نہیں۔ یہ عبارتیں زبانی کیسے یاد ہیں۔''

مفتی اعظم کا تفقہ فی الدین صرف حاصل کردہ نہیں ہے بل کہ وہ ان کا ضمیر، ان کا خمیر، ان کی سرشت و فطرت اسی سانچے میں ڈھلی

ڈھلائی ہے۔حضور مفتی اعظم نے صرف پڑھا ہی نہیں تھا بل کہ ایسی فطرت عارفانہ پر پیدا کیے گئے تھے کہ ان کا ہر قول وفعل شرعی وفقہی قانون کا آئینہ دار ہوتا تھا۔خداے ذوالمنن نے مفتی اعظم کو کیسے کیسے اوصاف وکمالات،فضائل ومحاسن کا جامع بنایا تھا ان کا شمار کون کرسکتا ہے مگر ایک شاعر اسلام نے بہت خوب فرمایا ہے۔

اک محدث، اک معلم، اک مبصر اک فقیہ بحر علم باطنی تھے مفتی اعظم مرے
پاک باطن، پاک سیرت، پاک طینت پاک دل ہمہ تن پاکیزگی تھے مفتی اعظم مرے

اتباع شریعت اور مجاہدانہ زندگی :

حضور مفتی اعظم نے جس گھر میں آنکھ کھولی تھی وہ گھرانہ اپنے علمی، دینی، تبلیغی، تصنیفی کارناموں اور شریعت مطہرہ پر ثابت قدمی میں پہلے ہی سے مشہور ومعروف تھا۔آپ پر بھی اس ماحول کا کافی اثر پڑا۔آپ کی حیات مبارکہ میں مختلف موڑ آئے۔کبھی ''شدھی تحریک'' کا قلع قمع کرنے کے لیے ''جماعت رضائے مصطفی'' کی صدارت فرمائی اور باطل پرستوں سے پنجہ آزمائی کے لیے سر سے کفن باندھ کر میدان خار زار میں کود پڑے،لاکھوں انسانوں کو کلمہ پڑھایا اور بے شمار مسلمانوں کے ایمان کی حفاظت وصیانت فرمائی۔نس بندی کا طوفان بلاخیز بھی آپ کے آخری دور میں ظاہر ہوا اور بڑے بڑے ثابت قدم متزلزل ہوگئے۔لیکن آپ شریعت وطریقت کا پیکر اور استقامت فی الدین کا جبل عظیم بن کر حوادث زمانہ کا مقابلہ خندہ پیشانی کے ساتھ کرتا رہے اور کبھی کہیں بھی شریعت مطہرہ سے آپ کے قدم نہیں ڈگمگائے۔ہر وقت دین مصطفوی اور شریعت مصطفوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ثابت قدم رہ کر یہ ثابت کردیا کہ مجاہد کی زندگی اور ہوتی ہے اور دنیاوی لالچ میں پھنس کر زندگی گزارنے والوں کی زندگی اور ہوتی ہے۔دونوں کی زندگیوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔اتباع شریعت کا اس سے بڑا اور کیا ثبوت ہوگا کہ آپ نے کبھی غیر محرم عورت کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھا۔میرے نزدیک مفتی اعظم جہاں اپنے دور کے مفتی اعظم تھے وہیں پر متقی اعظم بھی تھے۔آپ سے بڑھ کر متقی وپرہیزگار میری آنکھ نے آج تک نہیں دیکھا۔یقینا حضور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی محدث بریلوی قدس سرہ السامی کے عکس اور پرتو کا نام مفتی اعظم ہے۔حضور مفتی اعظم نے ''الولد سر لابیہ'' کے عربی مقولہ کو عملی طور پر ثابت کردکھایا چنانچہ مسجد فتح پوری دہلی میں شہزادہ مخدوم سمناں حضور محدث اعظم ہند علامہ سید محمد اشرفی الجیلانی کچھوچھوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تشریف لائے،مسجد کے ایک حجرے میں قیام فرمایا۔لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔کچھ دیر بعد چائے پیش کی گئی۔(یہ چائے کسی غیر مسلم کے ہاتھ کی بنی ہوئی تھی) حاضرین میں سے ایک شخص نے عرض کیا حضور! بریلی شریف کے مفتی اعظم تو غیر مسلم کے ہاتھ کی بنی ہوئی چائے نوش نہیں فرماتے۔چائے کی پیالی آپ کے سامنے رکھی ہوئی تھی۔آپ نے اپنے مخصوص انداز میں جواب دیتے ہوئے فرمایا۔مفتی اعظم غیر مسلم کے ہاتھ کی بنی ہوئی چائے نہیں پیتے۔یہ ان کا تقویٰ ہے اور پھر چائے کی پیالی ہونٹ تک لے جاتے ہوئے ارشاد فرمایا اور یہ ان کا فتویٰ ہے۔بعدہٗ اطمینان وسکون کے ساتھ چائے نوش فرمائی۔اسی طرح کا ایک واقعہ مولانا مرغوب حسن قادری اعظمی بیان کرتے ہیں۔ایک سفر میں حضور محدث اعظم اور حضور مفتی اعظم بعد نماز عصر مسجد میں ہی بیٹھ گئے۔کسی نے وہیں پر آپ حضرات کی خدمت میں چائے پیش کی۔حضور محدث اعظم نے مسجد ہی میں بیٹھ کر چائے نوش فرمائی مگر حضور مفتی اعظم چائے کی پیالی لے کر مسجد کے باہر تشریف لے گئے اور چبوترہ پر بیٹھ کر چائے نوش فرمائی۔دیکھنے والوں نے دونوں عظیم ترین علمائے کرام کا عمل دیکھا اور کسی کے پوچھنے پر یا خود اپنی مومنانہ فراست سے حاضرین کے ذہنی تاثر کو بھانپ کر حضور محدث اعظم نے ارشاد فرمایا: میں جب بھی مسجد کے اندر داخل ہوتا ہوں تو اعتکاف کی نیت کرلیتا ہوں اور معتکف کے لیے مسجد کے اندر کھانے پینے میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔مفتی اعظم کی بھی یہی نیت اعتکاف تھی

مگر انھوں نے تقویٰ پر عمل کیا۔

ان دونوں واقعات کے اندر جہاں حضور مفتی اعظم کے تقویٰ کا اعلیٰ نمونہ ہمیں ملتا ہے وہیں سید الخطبا حضور محدث اعظم کی زبانِ مبارک سے آپ کے تقویٰ کی بلند پایہ شہادت بھی ملتی ہے۔ بارہا ایسا ہوا کہ نماز کے لیے ٹرین چھوڑ دی حتی کہ اخیر وقت میں وصال سے چند گھنٹے قبل بھی نماز کا خیال رکھا اور سردی کے موسم میں باقاعدہ وضو کرکے کھڑے ہوکر نماز مغرب ادا کی۔

مفتی اعظم دراصل علم وفضل پر فائز ہونے کے ساتھ ساتھ زہد وورع، حزم واتقاء کے بھی عظیم منصب پر فائز تھے۔ فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے تصویر کشی مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ کسی جرم کا ارتکاب کرکے کسی نفع کے حصول کے آپ ہرگز روادار نہیں تھے۔ تصویر نہیں کھنچوائی۔ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں عریضہ پیش کیا۔ حکومت ہند کو بھی آپ کے ارادہ ومنشا کا احترام کرنا پڑا۔ بغیر تصویر کھنچوائے پاسپورٹ بنا۔ حج کے لیے تشریف لے گئے۔ پوری زندگی اتباع احکامِ الٰہی کرتے رہے۔ اتباع سنت میں زندگی کا ہر لمحہ بسر ہوا۔ وہ اسلام کا بطل جلیل اور استقامت کا ایسا جبل عظیم تھا کہ نازک سے نازک وقت میں بھی اس کے پیروں میں لغزش نہ آ سکی۔ ہم اس عظیم فرد کے فضل و کمال، زہد وورع کا کیا تعارف کرا سکیں گے جسے حضور محدث اعظم ہند جیسی شخصیت کی زبان بھی ''عالم مطاع واجب الاتباع'' قرار دے۔

مفتی عالم تھی بے شک ذات والا آپ کی صدر بزم علم و حکمت مفتی اعظم کی ذات
زہد وتقویٰ کو بھی جس کی زندگی پر ناز تھا عامل دین و شریعت مفتی اعظم کی ذات
در کفِ جام شریعت در کفِ سندانِ عشق جامع شرع و طریقت مفتی اعظم کی ذات

دار العلوم اسحاقیہ سے مفتی اعظم کو محبت :

دار العلوم اسحاقیہ جودھ پور (راجستھان) کو آج جو عروج وارتقا حاصل ہے اس میں محدث اعظم، اور مفتی اعظم رحمہما اللہ تعالیٰ کی نیک دعائیں شامل حال ہیں۔ مخدومی ومطاعی، سیدی وسندی حضور مفتی اعظم راجستھان علامہ مفتی اشفاق حسین صاحب قبلہ نعیمی ارشاد فرماتے ہیں ''ایک مرتبہ یہ دونوں بزرگ جودھ پور میں تشریف لائے ہوئے تھے۔ میں نے عریضہ پیش کیا میں گھر جارہا ہوں۔ میں یہاں (جودھپور) نہیں رہوں گا تو اس وقت بیک زبان ان دونوں بزرگوں نے فرمایا ''مولانا محمد اشفاق تم یہیں رہو اسحاقیہ کا مستقبل بہت ہی روشن وتابناک ہے'' جیسے ہی ان حضرات نے اسحاقیہ اور میرے حق میں دعا کی میرے قدم وہیں پر جم گئے اور میں نہایت ہی چین وسکون، صبر وشکر کے ساتھ کام کرتا رہا دیکھتے ہی دیکھتے ان دونوں حضرات کی نیک دعاؤں کا ثمرہ اور نتیجہ سامنے آ گیا اور راجستھان بھر سے طالبانِ علوم نبویہ جوق درجوق یہاں آنے لگے اور تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور سیرت مصطفوی سے انھیں آراستہ وپیراستہ کیا جانے لگا۔ جشن دستارِ فضیلت کا روح پرور موقع بھی دیکھنے کو ملا۔

ایک مرتبہ حضور مفتی اعظم کو ''دعوت نامہ'' بریلی شریف بھیج نہ سکا۔ اس لیے کہ اس وقت ڈاک کا نظام بھی کچھ صحیح نہ تھا، مجبوری تھی۔ دل کو تکلیف بھی ہورہی تھی کہ حضور مفتی اعظم کیا سوچیں گے۔ اتنے میں ''دستار فضیلت'' کے ایام بھی قریب آ گئے اور سننے میں آیا کہ بریلی شریف سے کوئی مفتی صاحب آئے ہیں۔ میں ننگے پاؤں خدمت بابرکت میں حاضر ہوا۔ دیکھتے ہی دست بوسی وقدم بوسی کی اور عرض کیا حضور آپ؟ فرمایا تمھاری اور تمھارے دار العلوم کی محبت یہاں تک کھینچ لے آئی اور بس۔ پٹنہ گیا تھا وہاں دار العلوم کا پوسٹر دیکھا خوشی ہوئی اور خوشی اور محبت مجھے یہاں لے آئی۔

بعدہٗ مجھے بہت احساس ہوا میں نے عرض کی حضور معاف فرمائیے۔ ڈاک کا نظام صحیح نہ ہونے کی وجہ سے ’’خصوصی دعوت نامہ‘‘ حاضر نہ کر پایا۔ فرمایا مجھے آپ سے اور آپ کے ادارہ سے بے پناہ محبت ہے اور انشاء اللہ الرحمن یہ محبت اسی طرح قائم رہے گی۔

مجھے مفتی اعظم کے اس عمل نے بہت متاثر کیا۔ پھر میں نے بھول سے بھی کبھی ایسا نہیں کیا۔ سب سے پہلے مفتی اعظم کے پاس ’خصوصی دعوت نامہ‘ حاضر کرتا۔ پھر دوسروں کے پاس۔ اس وقت دار العلوم اسحاقیہ جودھ پور کو عروج وارتقا کی جو منازل حاصل ہیں وہ سب انھی بزرگ ہستیوں کی نیک اور پاکیزہ دعاؤں کا ثمرہ اور صدقہ ہے۔ اسی طرح ایک مرتبہ مخدومی ومطاعی سیدی وسندی حضور مفتی اعظم راجستھان علامہ مفتی محمد اشفاق حسین نعیمی صاحب قبلہ مدظلہ النورانی نے راقم السطور سے فرمایا دار العلوم اسحاقیہ کے عروج وارتقا میں مجاہد دوراں مولانا سید مظفر حسین کچھوچھوی علیہ الرحمۃ والرضوان کا بھی پورا تعاون رہا ہے۔ حضور مفتی اعظم نے اپنی ۹۱ سالہ حیاتِ مبارکہ میں جو خدمات دینیہ انجام دی ہیں میں تو اسے فضل خداوندی ہی کہتا ہوں کہ آپ نے اپنی عمر شریف میں کم وبیش پچاسی ہزار فتاوے صادر فرما کر خلق خدا کی بے پناہ خدمت کی ہے اور اسے راہ راست ہے۔ کتنے اذہان وقلوب کی کدورت کو صاف کر کے انھیں مصفیٰ کیا ہے، وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ علم وعمل، فضل وکمال، زہد وتقویٰ، خشیت ربانی، دیانت وثقاہت، ولایت وکرامت غرضے کہ جملہ محاسن دینیہ اور فضائل علمیہ کے مجموعہ کا نام ’’محمد مصطفی رضا خاں‘‘ تھا جس نے ساری دنیائے سنیت کو اپنے علم وفضل کے انوار وتجلیات سے روشن ومنور کیا۔ اللہ عزوجل ہمیں بھی حضور مفتی اعظم کے نقش قدم پر چلنے اور آپ کے اسوہ پر زندگی گزارنے کی توفیق رفیق بخشے اور خدمات دینیہ مزید سے مزید کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین ثم آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین علیہ وعلی آلہ افضل الصلوات واکمل التحیات۔

☆☆☆☆☆☆

حضور مفتی اعظم

ایک جامع الصفات شخصیت

مولانا مرغوب حسن قادری ادروی
استاذ مدرسہ بحر العلوم۔ شہر مئو

دل کو تھاما ان کا دامن تھام کے
ہاتھ اپنے دونوں نکلے کام کے

مرشد برحق، تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کو پردہ فرمائے ہوئے پچیس سال کا زمانہ گزر گیا مگر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ ہماری انجمن میں آج بھی رونق آرا ہیں۔ ہم انھیں محسوس تو کر رہے ہیں مگر نظر نہیں آتے۔ عالم تصور میں بریلی شریف .... ان کی چوکھٹ............ ان کی قیام گاہ............ دار الافتا اور دفتر پر نظر پڑتی ہے مگر اس احساس کے باوجود بھی وہ بہ ظاہر کہیں نظر نہ آنے والے ہیں مگر ان کو وجود کی خوشبو برابر محسوس ہو رہی ہے اور وہ ہمیں عالمِ تصور میں اپنی موجودگی کا احساس دلا رہے ہیں اور بھلا ہمارے ذہن ودماغ پر ان کا قبضہ وتصرف کیوں نہ ہو جوان کی نوری نوری صورت اب تک ہمارے ذہنوں میں بسی ہوئی ہے۔

سفید گندمی عمامہ، کشادہ پیشانی علم سے مزین گہری نگاہ جو اکثر نور فراست سے معمور معلوم ہوتی مگر کھلتی تو لوگوں کی سانس رک جاتی۔ ہمہ تن گوش بر آواز کہ کسی کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں۔ کس سے کیا فرما رہے ہیں: ع
میں سراپا منتظر ہوں آپ کی گفتار کا

پر رونق، پر وقار و پر جلال چہرہ: ع

لائیں کہاں سے ایسا کہ تجھ سا کہیں جسے

چلیں تو نسیم سحری کی یاد تازہ ہو جائے، بیٹھیں تو حاضرین پر سکوت طاری رہے، لب کھلیں تو علمی جواہرات کا اضافہ، متبسم ہوں تو در و دیوار مسکرا اٹھیں، انداز گفتگو پھولوں کی لڑی کی طرح۔ شفقت پہ آ جائیں تو محروم بھی عش عش کرتا رہ جائے، جلال ظاہر ہو تو سب پر ایک ہیبت و جلال کا عالم۔ کچھ ایسی ادائیں اور ایسی کیفیتیں ہیں جو تنہا انھیں کے ساتھ خاص ہیں، ان میں کوئی دوسرا ان کا مماثل نہیں نظر آتا۔ وہ کیا گئے کہ دل کی دنیا اجڑ گئی، نہ کوئی مونس، نہ کوئی ہمدم، نہ کوئی ایسا باوقار و بردبار، نہ کسی کا ایسا ادب و احترام!

کچھ بھولی بسری یادیں جو ذہن کے دریچوں سے نکل کر اس وقت صفحۂ قرطاس پر ابھر رہی ہیں حاضر خدمت ہیں۔

(۱) آپ کی ولایت و کرامت پر ہر ایک کا اتفاق ہے اور کیوں نہ ہو کہ ولادت سے پیشتر ہی آپ کے پیر و مرشد حضرت نوری میاں مارہروی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی پیش گوئی فرما دی تھی۔

ایک ولی کی سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ وہ ایسا پابندِ شرع ہو جسے دیکھ کر خدا یاد آئے، آپ اس کے مظہرِ اتم تھے۔ عزیمت و استقامت آپ کا طرۂ امتیاز رہا پیدائش سے لے کر وصال تک کوئی واقعہ ایسا نہیں نظر آتا جس پر انگلی اٹھائی جا سکے۔ حالاں کہ بہت سے اولیاء اللہ ایسے گزرے ہیں جن کا بچپن جن کی جوانی یا زندگی کے کچھ لمحات ایسے گزرے ہیں جب زندگی کا نقشہ کچھ اور تھا مگر عمر کے آخری ایام میں وہ ایسے بدل گئے کہ ان کی خوبیاں ان کے ان حالات پر غالب آ گئیں اور اولیاے کرام میں ان کا شمار ہوا۔ مگر حضور مفتی اعظم کی ذات گرامی اپنے سرکاران نعمت کے فیضان اور حضور والد گرامی کی تاثیر صحبت سے آئینہ کی طرح صاف و شفاف نظر آتی ہے۔ زندگی کے وہ ایام جو عام طور پر کھیل کود، لہو و لعب اور آزادی کا دور کہلاتا ہے اس میں بھی آپ بالکل محتاط نظر آتے ہیں چنان چہ آپ کے بچپن کا وہ واقعہ مشہور ہے کہ تعلیم کے دوران ہم سبق دوستوں میں یہ پروگرام طے ہوا کہ آئندہ جمعرات کو ہم لوگ شکار کرنے چلیں گے۔ جب جمعرات کا دن ہوا تو کسی نے کہہ دیا آج دوپہر میں کھانا کھا کر شکار کھیلنے کے لیے جانا ہے تو دولت سراے رضوی پر آ کر گوشہ نشین ہو گئے۔ کافی تاخیر ہوئی تو احباب نے آپ کے گھر کی کنڈی کھٹکھٹائی کہ وعدے کے مطابق چلیے تو آپ نے اندر ہی سے جواب دیا کہ کل تک شکار کرنے کی بات تھی۔ اب شکار کھیلنے کی بات ہے۔ شکار کرنا تو جائز ہے شکار کھیلنا جائز نہیں ہے لہٰذا میں نہیں جاؤں گا۔ انداز ہ لگائیے! ایام طالب علمی اور اس کم عمری میں جب یہ حال ہے تو آگے چل کر آپ کی رفعت شان کا کیا انداز رہا ہوگا ع

گود میں عالم شباب حال شباب کا نہ پوچھ۔

(۲) حزم و احتیاط:

حضرت کا دستور تھا کہ ہر سال صدر الشریعہ فقیہ اعظم ہند مولانا امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ کے عرس میں گھوسی تشریف لاتے تھے۔ واپسی کے وقت اکثر ادری بھی تشریف فرما ہوتے۔ قادری منزل کے بیرونی کمرے میں جس میں اکثر باہر کے آئے ہوئے علما و مشائخ تشریف رکھتے، وقت کے مطابق آپس میں کچھ تبادلہ خیال کرتے پھر اپنی مخصوص جگہوں پر آرام فرما ہوتے۔ ایک سال صبح تقریباً آٹھ بجے حضور مفتی اعظم تشریف فرما تھے، حاضرین نے نعت کا سلسلہ شروع کر دیا، کئی نعت کے بعد ایک صاحب نے جب اپنی نعت سنائی تو اس میں جملہ تھا

''جب اللہ نے چاہا'' تو آپ نے فوراً گرفت فرمائی اور فرمایا: ''جب اللہ نے چاہا'' نہیں بل کہ یہ کہا جائے کہ جب اللہ کو منظور رہا۔ چاہا اور ہے منظور ہونا اور ہے، اس کے بعد وہ صاحب خاموش ہو گئے۔ پھر مفتی مجیب الاسلام صاحب قبلہ نسیم اعظمی انھیں لے کر دوسری جگہ ناشتے کے لیے لے گئے۔

دسترخوان کا ادب یہ ہے کہ مہمان دسترخوان پر میزبان کی خواہش کے مطابق ماحضر تناول کرے اگر اس بیچ مہمان کا کوئی شناسا آجائے تو خود اس سے دسترخوان پر بیٹھنے کے لیے نہ کہے۔ مبادا میزبان کوئی کمی محسوس کرے۔ مسجد معماران بہار پور جس میں ہر سال پچیس صفر المظفر کو بعد نماز فجر قرآن خوانی ہوتی ہے، پھر دس گیارہ بجے تک عرس اعلیٰ حضرت کی تقریب ہوتی ہے۔ یہ پروگرام تیس چالیس سال سے ہوتا چلا آرہا ہے۔ راقم الحروف اس مسجد میں تقریباً ڈیڑھ سال امامت بھی کر چکا ہے۔ حضرت مفتی اعظم ہر سال اس قل میں تشریف لاتے تھے۔ قل کے وقت محلے کے حضرات اپنے اپنے گھروں میں مختلف انواع و اقسام کے کھانے۔ پھل اور کچھ چیزیں لا کر اکٹھا کر دیتے ہیں جس پر قل ہوتا ہے۔ اس کے بعد لوگوں میں وہ چیزیں تقسیم کر دی جاتی ہیں، کچھ تبرک کے طور پر اپنے اپنے گھروں کو لے جاتے ہیں۔ لوگوں کی خواہش کے مطابق حضرت بھی مسجد کے حجرے میں جا کر بعض چیزوں کو زبان پر رکھ لیا کرتے تھے۔ ایک سال لوگوں نے ساری چیزیں میری طرف بڑھا دیں تا کہ میں حضرت کی جانب بڑھاتے جاؤں اور حضرت اس میں سے کچھ لے کر تبرک بنا دیں۔ چمچہ حضرت کو دے کر ہر چیز کو دینا شروع کر دیا تو حضرت بگڑ گئے۔ فرمایا آپ سب میری طرف بڑھاتے جارہے ہیں۔ ان لوگوں نے آپ کو اجازت دی ہے؟ تو ناچیز نے عرض کیا کہ ہاں! حضرت یہ سب لوگ کھڑے ہیں۔ انھیں کے اشارے پر ناچیز اس طرح کر رہا ہے تو آپ نے دو تین پلیٹوں سے کھا لیا، پھر چمچہ بالکل صاف کر کے کہ ایک دانہ بھی لگا نہ رہے پلیٹ میں واپس کر دیا۔ آپ کی عادتِ کریمہ تھی کہ کھانے کے برتن کو سنت کے مطابق صاف کر دیا کرتے تھے۔ اس کے بعد پانی پی کر دعا کے لیے ہاتھ اٹھایا، پھر عازم بریلی شریف ہوئے۔

سلام و مصافحہ کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ جب کسی سے مصافحہ کیا جائے تو اس وقت تک ہاتھ نہ کھینچے جب تک کہ دوسرا شخص خود ہی ہاتھ نہ سمیٹ لے۔ ایک مرتبہ بعد نماز ظہر عید کے روز حضرت کی قدم بوسی کے لیے حاضر ہوا تو آپ نے معانقہ فرمایا پھر دیر تک اپنے دست پاک میں میرا ہاتھ لیے رہے، نہ انھوں نے کھینچا نہ راقم الحروف نے ہی ایسی ہمت کی، اسی حال میں دیر تک آپ ادری کے لوگوں کی خیریت پوچھتے رہے۔ مفتی مجیب الاسلام صاحب نسیم اعظمی کی خیریت دریافت فرمائی۔ ادری کے کچھ خاص خاص لوگوں کے بارے میں دریافت فرمایا۔ چہرہ پر تبسم کھیل رہا تھا، انتہائی مشفقانہ انداز میں فرمایا: اچھا تشریف رکھیں! سوئیں کھا کر جائیں گے! حکم دیا، گھر کے اندر سے خادم سوئیں لے کر آیا، اس کے بعد آپ اندر گھر میں تشریف لے گئے۔

ایک بار جامعہ فاروقیہ بنارس کے دوران تدریس بریلی شریف کچھ کام سے جانا ہوا، رات میں ملاقات ہوئی، کھانے کو پوچھا؟ پھر فرمایا، صبح ناشتہ کر کے جائیں گے۔ ایسا موقع ملتا کہاں ہے؟ صبح کچھ تاخیر سے تقریباً ۸ ؍ بجے حاضر خدمت ہوا، خادم کو حکم دیا، اندر سے انڈے اور بریڈ کا اہتمام تھا، اس ناشتے میں کیا مزہ آیا؟ کیسا ذائقہ پایا؟ اس کی لذت آج بھی نہیں بھول پا رہا ہوں بل کہ جب اس شفقت و محبت کو یاد کرتا ہوں تو رقت طاری ہو جاتی ہے، آنکھوں میں آنسو تیرنے لگتے ہیں۔ اب کوئی ہے جو چھوٹوں کو بھی اپنے الطاف خسروانہ سے اس طرح نوازے؟ یہ آپ کے رزق حلال کی برکت تھی۔

(۳) غربا پروری:

غربا پروری آپ کی خاندانی وراثت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی دروازے پر غریبوں کی دستک سنائی دیتی رہتی ہے۔ حضرت کے زمانے میں یہ منظر عام تھا۔ کسی گاؤں کسی بستی میں جاتے تو لوگوں کے حالات پوچھتے، کسی کو پریشان سنتے تو اپنے جیب خاص سے ان کو کچھ بھیجتے۔ حسب معمول ایک بار ادری تشریف لائے، ہمارے محلے میں ایک صاحب کئی سال سے بیمار چل رہے تھے اور تنگ دست بھی تھے۔ لوگوں نے بتایا کہ فلاں صاحب حاجی محمد یٰسین مرحوم کے لڑکے ہیں اور کئی سالوں سے ان کا یہ حال ہے تو آپ نے فوراً دعا کے لیے ہاتھ اٹھایا۔ پھر پچاس روپے جیب سے نکال کر مفتی مجیب الاسلام صاحب کو دیا کہ یہ ان کے علاج میں شامل کرلیا جائے جب کہ پچاس روپے آج سے چالیس سال پہلے بہت اہمیت رکھتے تھے۔

دو سال پیشتر بریلی شریف سے بذریعہ بس پیلی بھیت عرس حشمتی میں شرکت کے لیے ناچیز جارہا تھا کہ بس میں ہی دیرینہ کرم فرما مخلص مکرم جناب ڈاکٹر اسد امکھیڑ وی مل گئے، ایک ہی سیٹ پر ہم دونوں بیٹھ گئے۔ نواب گنج سے گزرنے کے بعد جب کہ حضرت کا تذکرہ چل رہا تھا، ایک گاؤں کا نام لے کر ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں سے قریب بیس کلومیٹر دور حضرت کا ایک مرید تھا۔ اس کی بچی کی شادی تھی، عقیدت میں اس نے حضرت کو بھی دعوت دے دی تھی، مقررہ تاریخ میں حضرت اس کے غربت کدہ پر پہنچ گئے مگر راستے کا حال یہ ہے کہ اتر کر تانگے سے جانا تھا، حضرت نے اس دھوپ کے موسم میں تانگے کا سفر کیا، پھر تانگے سے اتر کر دو کلومیٹر تک پیدل راستہ تھا مگر حضرت نے یہ سب کچھ برداشت کیا، آج تو حال یہ ہے کہ ماروتی کار لے کر لوگ حاضر ہوتے ہیں جب بھی بعض لوگوں کو موقع نہیں رہتا کہ اپنے وعدے ہی کا کچھ پاس ولحاظ کریں۔ حضرت پہنچ گئے پھر تقریب ختم ہونے کے بعد اسی طرح واپسی کی بھی صورت تھی۔ حضرت جب تانگے پر بیٹھنے لگے تو مرید نے اپنے وسعت کے مطابق کچھ پیش کرنا چاہا مگر حضرت نے قبول نہیں فرمایا بلکہ اپنی صدری سے کچھ رقم نکال کر اس مرید کو دیا کہ بچی کی شادی میں میری طرف سے خرچ کریں۔ اللہ اللہ یہ حال تھا ان بزرگوں کا ع:

جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے

اسی لیے تو حضرت حسن بریلوی نے فرمایا کہ ؎

کیوں اپنی گلی میں وہ روادار صدا ہو
جو نذر لیے راہ گدا ڈھونڈ رہا ہو

پھر ویسے ہی آپ بریلی شریف واپس ہو گئے۔ غور کیجیے اس خلوص پر کون ہے جو قربان نہ جائے؟ اب یہ بات کہاں لوگوں میں پائی جاتی ہے؟ اور کیوں نہ ہو کہ حضور مفتی اعظم منظور نظر غوث اعظم تھے۔ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا بھی اس طرح کا ایک واقعہ کتابوں میں ملتا ہے کہ آپ کو آپ کے ایک مرید نے دعوت دی تھی مگر دعوت کے بعد بھول گیا کہ نہ جانے حضرت بڑوں کی دعوت کے آگے میرے غریب خانہ پر آئیں گے یا نہیں مگر حضرت غوث اعظم وقت پر اس مرید کے گھر پہنچ گئے۔ مرید پریشان کہ کہاں سے کیا کیا انتظام کریں مگر غوث اعظم کا تصرف دیکھیے کہ ایک ہفتے تک اس کے یہاں رہ گئے مگر مرید کو کسی چیز کا انتظام نہیں کرنا پڑا۔ ایک ہفتہ گزار کر جب مرید سے اجازت مانگی تو وہی مرید جو ایک ہفتہ پہلے گھبرا گیا تھا عرض کرتا ہے حضور کچھ روز اور قدم رنجہ فرمایا جائے۔ مرید خوب سمجھ رہا تھا کہ حضرت اسی طرح رہے تو ہفتہ کیا مہینوں گزر سکتا ہے کسی چیز کی کوئی کمی نہیں ہوگی ؎

کہا تو نے کہ جو مانگو ملے گا

رضا تجھ سے ترا سائل ہے یا غوث

(۴) چندے کی اپیل:

حضرت مفتی اعظم کے پاس روحانی طور پر اتنا تھا کہ کبھی کسی سے کچھ مانگا نہیں بل کہ دوسروں کا دامن مراد خود بھر دیا کرتے تھے۔ ہاں ملک کے مختلف علاقوں میں جب کسی کانفرنس یا دینی ادروں کے اجلاس میں بہ حیثیت سرپرست تشریف لے جاتے تو ان لوگوں کی خواہش کے مطابق اپیل کے کچھ دعائیہ جملے لکھ دیا کرتے تھے تا کہ کسی کی دل شکنی نہ ہو۔ ۱۹۷۶ء میں مدرسہ معراج العلوم گھڑی ہوڑہ ضلع کے سنگ بنیاد کے موقع پر تشریف لے گئے دیگر کثیر علما کے ساتھ ساتھ استاذ گرامی حضور حافظ ملت اور بحر العلوم علامہ مفتی عبدالمنان صاحب قبلہ مبارک پوری بھی تشریف فرما تھے، اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے استاذ گرامی مفتی عبدالمنان صاحب نے فرمایا کہ یہ ایک مرد باصفا کی اپیل ہے اس لیے مجھے امید ہے کہ حضرت کے یہ چند جملے کافی ہوں گے۔

اسی طرح ۱۹۷۳ء میں جب کہ بریلی شریف سٹی اسٹیشن کے قریب ایک وسیع زمین خریدی گئی تھی تا کہ وسیع پیانے پر مظہر اسلام بی بی جی کی عمارت اور دارالاقامہ وغیرہ کی تعمیر ہو تو اس وقت بھی بنیاد ڈالتے وقت راقم الحروف نے حضرت کے ہاتھ میں اینٹ دی، بنیاد کے بعد آپ نے کھڑے ہو کر بہت دیر تک دعائیں کیں پھر مائک آپ کے سامنے کیا تو پہلی دفعہ دیکھا گیا کہ حضرت نے مائک کے ذریعہ قوم کو مخاطب فرمایا اور اپنی خواہش کا اظہار فرمایا کہ بریلی شریف میں مرکز کے شایان شان عمارت ہونے چاہیے۔ اسی طرح کے کچھ مواقع ایسے ہیں جہاں آپ نے قوم کو مخاطب فرمایا ورنہ خود اپنے ادارہ مدرسہ مظہر اسلام بریلی شریف کے لیے اپنی جانب سے کوئی اپیل نہیں شائع فرمائی۔

(۵) امر بالمعروف ونہی عن المنکر:

بریلی سیبا ہر پروگرام پر تشریف لے جاتے تو قطعاً اس بات کی پرواہ نہیں کرتے کہ میں کس کے یہاں ٹھہرا ہوں؟ صاحب خانہ دولت مند ہے یا غریب؟ اسے شریعت مطہرہ کا پابند دیکھتے تو خوش ہوتے ورنہ زجر و توبیخ فرماتے۔ اسے عمدہ پیرائے میں شریعت کا پابند بنانے کی کوشش کرتے۔ ایک دفعہ مدن پورہ بنارس میں حاجی ابن الدین صاحب (معروف بہ حاجی امریکہ) کے یہاں قیام فرماتے تھے۔ ہم لوگ دارالعلوم فاروقیہ بجرڈیہہ سے ملاقات کے لیے حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ حاجی صاحب کے صاحب زادے حاجی محمد نور کو نصیحت کررہے ہیں، بول رہے ہیں اور بار بار استغفر اللہ کا لفظ زبان پر جاری ہے۔ پتہ چلا کہ وہ داڑھی خشخشی رکھے ہوئے ہیں، اسی پر تنبیہ فرما رہے ہیں۔ عام پیر ہوتا تو ان کی دولت وثروت کی بنیاد پر شاید اس طرح کی غیر شرعی حرکت جو اس وقت مسلم معاشرہ میں جڑ پکڑ چکی ہے اور عام و خاص امیر وفقیر ہر کوئی اس میں مبتلا ہے، ٹوکنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا مگر حضرت کو اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ میں انھیں کے گھر پر ہوں اور انھیں کو پکڑ رہا ہوں۔

اسی طرح ایک بار پیلی بھیت شریف میں ایک جگہ حضرت کا قیام تھا۔ محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب عالم باعمل حضرت مولانا عبدالمبین صاحب نعمانی اور راقم الحروف ملاقات کے لیے پہنچے تو حضرت وہاں بھی ایک ''فیشن ایبل'' شخص کو نصیحت کر رہے ہیں اور بار بار ان کے گلے میں لٹکی ہوئی ٹائی کو جھنجھوڑ رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ یہ کتے کا کان ہے، کتے کا کان! ملاقات کے بعد واپس ہوئے تو علامہ صاحب نے فرمایا کہ یہ بات حضرت ہی کے یہاں ملتی ہے اگر ایسے ہی دوسرے مرشدین توجہ دیں تو کتنی خامیوں کا تدارک ہوسکتا ہے۔

کلکتہ میں جس وقت ضیاے اکرم تکیہ باڑہ میں تھا کچھ لوگوں نے بیان کیا کہ حضرت کو ایک دفعہ حاجی محمد علی تمبا کو فروش نے دعوت دی، چلتے وقت انھوں نے دعا کی درخواست کی۔ حاجی صاحب کا تکیہ کلام تھا ہر بات میں ''سالا''، ان کی زبان سے نکل گیا، حضرت سب کام ٹھیک سے ہو رہا ہے، یہی ''سالا'' قاعدے سے کام نہیں کرتا (اپنے نوکر کی جانب اشارہ کرتے ہوئے) اتنا سننا تھا کہ استغفر اللہ آپ نے کیا کہا؟ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ سرکار نے غلاموں کے ساتھ کس حسن سلوک کا حکم دیا ہے؟ حضرت انس صحابی رسول دس سال تک سرکار کی خدمت میں رہے مگر فرماتے ہیں کہ اس مدت میں مجھ سے کوئی کام بگڑ جاتا جب بھی سرکار ہمیں نہ فرماتے کہ یہ کام کیوں ایسے کیا اور کیوں نہیں اس طرح کیا؟ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو کچھ تم کھاؤ ان کو کھلاؤ۔ جو خود پہنو ان کو پہناؤ۔ یہاں تک کہ غلاموں کو آزاد کرنے کا طریقہ بتایا جب کوئی گناہ سرزد ہو تو غلاموں کو آزاد کر دو۔ آپ بولتے جا رہے ہیں اور حاجی صاحب سر جھکا کے سن رہے ہیں۔

ایک بار مبارک پور تشریف لائے، اتفاق سے اشرفیہ میں تعطیل تھی، حضرت نے فرمایا آج اسباق نہیں ہو رہے ہیں تو ناظم اعلیٰ قاری محمد یحییٰ صاحب علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ حضرت آج تعطیل ہے، دریافت فرمایا کہ کیسی؟ تو زبان سے نکل گیا ''جنم اشٹمی'' کی تو آپ کا رنگ بدل گیا فرمایا استغفر اللہ استغفر اللہ یہ دینی ادارہ اور اس قسم کی تعطیل!

۱۹۷۴ء قصبہ بیسل پور ضلع پیلی بھیت میں عیدگاہ کے اندر نماز جنازہ پڑھانے سے متعلق ایک اہم ہنگامہ پیش آیا۔ رمضان المبارک کا مہینہ، تھا مفتی وجیہ الدین صاحب علیہ الرحمہ کے خلاف کچھ سر پسندوں نے ہنگامہ برپا کر دیا تھا کہ اب ان کے پیچھے عید کی نماز نہیں پڑھی جائے گی، اس سلسلے میں مفتی صاحب کے متعلقین نے حضرت مفتی اعظم کو زحمت دی۔ آپ ۲۷ رمضان المبارک کو بیل پور تشریف لائے، ہر ایک سے گفت شنید کے بعد غازی کمال شاہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ کے آستانے پر سب کو اکٹھا کیا پھر آپ نے عام توبہ کا سلسلہ شروع کروایا پھر آپس میں لوگوں کو مصافحہ و معانقہ کے بعد تصفیہ فرمایا حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے آپ نے مفتی وجیہ الدین صاحب سے فرمایا کہ اب آپ پیلی بھیت شہر میں رہیں۔ چنان چہ آپ نے بیلسل پور چھوڑ دیا جب تک طاقت تھی صرف جمعہ کے لیے آتے رہے پھر آپ نے اپنے پیر و مرشد حضرت مولانا ضیاء الدین صاحب ضیائی رحمۃ اللہ علیہ جن کے آپ سجادہ نشین تھے، وہیں سکونت اختیار فرمائی اور بعد وصال انھیں کے آستانے میں مدفون ہوئے، ان سب میں حضور مفتی اعظم کی رہ نمائی شامل حال رہی۔

(۶) اذان ثانی و جمعہ:

بنارس ریوڑی تالاب میں مسجد اقصیٰ ہے جس میں اذان ثانی جمعہ اندرون مسجد خطیب کے سامنے ہوتی تھی، حسن اتفاق کہ حضرت جمعہ کے روز بنارس میں تشریف فرما تھے۔ چنان چہ فاروقیہ کے ذمہ داران نے فرمایا کہ حضرت مسجد اقصیٰ میں جمعہ کے لیے زحمت فرمانی ہے تو آپ نے فرمایا کہ میں اس مسجد میں جمعہ پڑھنے نہیں جاؤں گا اس لیے کہ مؤذن خطبہ کے وقت اندر اذان دیتا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ اب نہیں ہوگی، اصرار کر کے لوگ لے گئے۔ حضرت مسجد کے پاس ہی تھے جب مؤذن نے سابق معمول کے مطابق اذان شروع کی تو نقاہت کے باوجود بھی آپ تیزی بڑھے اور مؤذن کو پکڑ کر اسی حال میں پیچھے کی طرف لاتے لاتے منذنہ پر کھڑا کر دیا اور بلند آواز میں فرمایا، یہاں اذان دیجیے۔ کسی کو کیا مجال کہ دم مارے، ہر شخص مبہوت تھا۔ اس طرح حضرت نے ایک مردہ سنت کو زندہ فرما دیا جس کا ثواب حدیث کی روشنی میں سو شہیدوں کے برابر ہے۔

تعویذ لکھتے وقت کوئی بھی آتا تو جیسے آتا دیر سویر اسی کے مطابق اسے تعویز دیتے ایک شخص بہت جلد باز تھا مگر حضرت نے اسے

بھانپ لیا کہ قائل بہ تبلیغیت ہے چنان چہ تبلیغی جماعت سے متعلق اس کے عقیدوں کی مذمت بیان کرنی شروع کی اور حوالہ دیا: کیا معلوم نہیں ہے کہ اس کے بانی الیاس نے کہا ہے کہ مولوی مجبور لوگ سمجھتے ہیں کہ ہمارا مقصد نماز روزے کی تحریک ہے۔ میں نہیں کہتا ہوں کہ ایسا نہیں ہے، مجھے ایک نئی قوم پیدا کرنی ہے، میری خواہش ہے کہ مولوی اشرف علی صاحب نے جو کام کیا ہے اس کی تبلیغ واشاعت ہو، سو تعلیم تو انھیں کی ہوگی، طریقۂ کار میرا ہوگا۔ یہ سب سننے کے بعد وہ سمجھ گیا کہ یہ صاحب کشف معلوم ہوتے ہیں، فوراً اٹھا اور رفو چکر ہو گیا۔

کشف کا یہ حال رہا کہ اکثر ہونے والی باتوں کی جانب اشارہ مل جاتا مگر لوگ سمجھتے نہیں، بعد میں تصدیق ہو جاتی۔ مفتی مجیب الاسلام صاحب ادروی کا بیان ہے کہ حضرت شیر بیشۂ اہل سنت علیہ الرحمہ کے وصال کے روز میں حسب دستور حضرت ہی کے خدمت میں تھا۔ بار بار فرماتے رہے: دیکھیے آج مولوی حشمت علی کی کیا خبر آتی ہے؟ چنان چہ ایک بجے دن میں حضرت کے وصال کی خبر بریلی شریف میں حضرت کے پاس آ ہی گئی ۔کشف وکرامات کا سلسلہ بڑھتا رہا یہاں تک کہ اخیر وقت میں بہت سی باتیں ایسی صادر ہوئیں جن کا اظہار لوگوں نے اپنی تصنیف یا مضامین میں کیا ہے۔

ایک مرتبہ ادری سے شاہ گنج والی ٹرین پکڑنی تھی، ادری میں ہی ٹرین کا وقت ہو گیا تھا۔سوئے اتفاق کہ کسی سواری کا انتظام نہ ہو سکا مگر آپ نے پیدل ہی چلنا شروع کر دیا۔حاضرین نے بار بار کہا حضرت شام والی ٹرین سے تشریف لے جائیں، آج آرام فرمالیں۔ٹرین نہیں ملے گی مگر آپ خاموشی سے چلتے رہے یہاں تک کہ ٹرین آ گئی اور کھل بھی گئی مگر پلیٹ فارم سے ابھی باہر نہیں ہوئی تھی کہ رک گئی۔ ڈرائیور پریشان ہے، ادھر ادھر دیکھا تو اچانک حضور مفتی اعظم پر نگاہ پڑ گئی سمجھ گیا کہ اسی بابا کی وجہ سے ایسا ہوا ہے، فوراً اتر کر آیا، قدم بوسی کی، اس کے بعد ٹرین چلایا تو چلنے لگی۔لوگوں نے کھلی آنکھوں سے حضرت کی اس کرامت کا مشاہدہ کیا۔

(۷) مبالغہ آرائی سے گریز:

آپ کا جو بھی جملہ زبان سے نکلتا وہ جچا تُلا ہوتا، جب بھی کسی کے بارے میں سنتے کہ اس کا انتقال ہو گیا ہے تو فوراً دعاے مغفرت کے لیے ہاتھ اٹھ جاتا۔ اس طرح کے بہت سے خطوط بھی حضرت کی خدمت میں آتے۔ایک مرتبہ کسی کے تعزیتی خط کا جواب لکھنا تھا، مفتی مجیب الاسلام صاحب سے فرمایا کہ یہ جواب لکھ دیں، میں دستخط کر دیتا ہوں۔ چنان چہ مفتی صاحب نے جواب لکھا کہ ’’آپ کا خط ملا صاحب زادے کے انتقال کی خبر پڑھ کر بہت افسوس ہوا۔‘‘ حضرت نے جواب سننے کے بعد فوراً ٹوکا، بہت افسوس تو نہیں ہوا، ہاں افسوس ہوا۔

ایک مرتبہ پوچھا کیا ٹائم ہو رہا ہے، مفتی مجیب الاسلام صاحب نے فرمایا کہ بارہ بج رہے ہیں، ایک دو منٹ کے بعد حضرت کی گھڑی مل گئی دیکھا تو ابھی تین منٹ باقی تھے۔فرمایا ابھی تو تین منٹ باقی ہیں، آپ نے پانچ منٹ پہلے ہی بتا دیا کہ ۱۲؍ بج رہے ہیں۔

تصویر سے نفرت :

کسی کے گھر میں داخل ہوتے دیوار پر اگر نگاہ پڑ جاتی اور کوئی تصویر دیکھ لیتے تو فوراً زبان سے نکلتا استغفر اللہ! پھر اس کو اتروا لیتے۔ جب آپ کو اطمینان ہو جاتا تب بیٹھتے۔تصویر سے آپ بے حد نفرت فرماتے یہی وجہ ہے کہ حج بیت اللہ شریف کے لیے بھی آپ نے اپنے سفر کو ملتوی کیا یہاں تک کہ جب بغیر فوٹو کے منظوری آئی تو آپ نے یہ سعادت حاصل فرمائی۔ یہ دوسرے تیسرے حج نفل کی بات ہے

ورنہ پہلے حج فرض کے موقع پر یہ بات نہیں تھی، اس موقع پر آپ نے باتصویر ہی حج فرمایا تھا۔۱۹۷۶ء میں منظر اسلام کے مہتمم حضرت مولانا ریحان رضا خاں ریحانی میاں نے ماریشس اور افریقہ کا دوسرا دورہ فرمایا۔ جاتے وقت حضرت کی خدمت میں سلام و دعا کے لیے حاضر ہوئے ۔حضرت عصر کی نماز پڑھ کر رضا مسجد سے نیچے اتر رہے تھے، ہم لوگ موجود تھے، اجازت لینے کے بعد دعا کی درخواست کی۔ حضرت نے فرمایا جائیے اللہ سلامتی کے ساتھ لے جائے پھر سلامتی کے ساتھ لائے مگر میں ایسے سفر کو اچھا نہیں سمجھتا جس میں فوٹو والا پاسپورٹ بنے۔ پھر رحمانی میاں خاموشی کے ساتھ رخصت ہوگئے۔ ایسا حضرت کیوں نہ فرماتے کہ حدیث میں تصویر کھینچنے والوں پر اللہ کی لعنت کی وعید ہے۔ اس سلسلے میں آپ کے والد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا مؤقف بھی یہی تھا کہ تصویر کی جگہوں سے پرہیز کرتے یہاں تک کہ وصال کے وقت آپ نے ان کاغذی نوٹوں اور سکوں کو اپنے بستر سے بھی ہٹوا دیا جس پر جان دار کی تصاویر رہتی ہیں کہ وصال کا وقت فرشتوں کے نزول اور رحمت کا وقت ہوتا ہے نہ کہ زحمت و محنت کا۔

حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی یہی وہ خصوصیات تھیں جس سے آپ اپنے ہم عصروں میں ممتاز اور منفرد نظر آتے ہیں۔

(۸) ان کی محفل میں بیٹھنے والا:

وقت کے اجلۂ علمائے کرام و مشائخ عظام جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو عجز و نیاز کے ساتھ ساتھ خاموش اور ساکت نظر آتے جیسا کہ میں نے اپنی آنکھوں سے استاذی حضور حافظ ملت، حافظ عبدالرؤف بلیاوی، حضور مجاہد ملت حضرت شمس العلما اور حضرت صدر العلما وغیرہ کو دیکھا۔

شمس العلما مولانا قاضی شمس الدین صاحب جعفری جون پوری رحمۃ اللہ علیہ کا حال تو یہ تھا کہ وہ اپنے علم کے آگے کسی کو خاطر میں نہیں لاتے مگر بارہا آپ کو فرماتے سنا کہ مجھے کسی سے ڈر معلوم ہوتا ہے تو وہ حضور مفتی اعظم کی ذات گرامی ہے۔ یہی وہ در ہے جس کے علم وتفقہ اور علوے شان میں کسی کو مجال دم زدن نہیں ع

جس سمت آگئے ہیں سکے بٹھا دیئے ہیں۔

چنان چہ اس کا اندازہ میں نے اس وقت لگایا جب کہ حضور صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ کے عرس میں حضرت مفتی اعظم ظہر کے لیے وضو فرما رہے تھے۔ میں نے دیکھا کہ بایں جاہ و جلال حضور شمس العلما اپنے ہاتھ میں لوٹا لیے ہوئے پانی گرا رہے ہیں اور حضور مفتی اعظم وضو فرما رہے ہیں۔ ہر چند کہ بعض لوگوں نے چاہا کہ حضرت شمس العلما اس جگہ سے ہٹ جائیں اور ہم لوگ وضو میں مدد کر کے برکت حاصل کریں مگر شمس العلما انگلی کے اشاروں سے سب کو روک دیتے۔ شمس العلما کا اس طرح مؤدب رہنا کائی معمولی بات نہیں ہے۔ اور پھر حضور مفتی اعظم ہند فقہی مسائل کی باریکیوں اور ایک ایک جزئیات سے جس طرح آگاہ تھے اس کی روشنی میں آپ کو وضو کرانا حضور شمس العلما جیسے فقیہ کا ہی کام ہوسکتا تھا۔ عین ممکن ہے کہ کوئی عام تو کیا خاص مولانا بھی ہوتے اور پانی گرانے میں بد احتیاطی ہوجاتی تو فوراً ہی مفتی اعظم کی ڈانٹ پڑتی۔ شاید اس مصلحت کے تحت حضور شمس العلما خود دوسروں کو روکتے رہے۔ اور اس طرح کے نظائر بھی ملتے ہیں۔

حضور مفتی اعظم کے نعتیہ دیوان ''سامانِ بخشش'' میں لکھا ہے کہ اور پیروں کا حال یہ ہے کہ اگر ان کی خدمت میں جائیے تو نشست یا دو ایک روز میں عقیدت کا نشہ سرد پڑنے لگتا ہے مگر حضور مفتی اعظم کا حال یہ ہے کہ اگر ان کی محفل میں بیٹھنے والا چند نشست نہیں بل کہ مہینوں اور سالوں تک ساتھ رہے جب بھی سرد کے بجائے عقیدت میں اضافہ ہی ہوتا جائے گا۔ ع

کرشمہ دامن دل شد کہ جا ایں جا ست

بلاشبہہ حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان جامع الصفات والکمالات تھے۔ سیرت نبوی کے پیکر اور اخلاق محمدی کے جامع۔ تھے ان کی محفل میں بیٹھنے والا آدمی خوش نصیب ہوتا ہے، انھوں نے ہمیں ایمان وعمل کی پختگی کا درس دیا ہے اور خود اپنی ذات والاصفات کا ایسا نمونہ ہمارے سامنے پیش کیا کہ ان کا مداح ان کا کفش بردار اور ان کی دہلیز کا حاضر باش بار بار اپنی زبان سے یوں گنگناتا ہے۔

جس نے دامن مفتی اعظم کا پایا کہہ اٹھا
واہ رے میں واہ رے میں کیا مری تقدیر ہے

خدائے قدیر وجبار حضرت کے فیوض وبرکات کا ابرِ کرم صبح قیامت تک عالم سنیت ورضویت پر برساتا رہے۔ (آمین ثم آمین)

☆☆☆☆☆

چوتھا باب

جنھیں امام احمد رضا قادری برکاتی حنفی کے علمی جاہ و جلال اور فقاہت و ثقاہت کی عظمت و تمکنت سے واقفیت ہے ، انھیں شاید یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ جس شخصیت کی ایک نگاہ کیمیا اثر نے پتھروں کو تراش کر ہیرا بنا دیا ، مٹی کے ریزوں کو اٹھایا اور اسے صرف سونا نہیں کندن بنا دیا ، وہ جس کے دریوزہ گروں میں حضرت صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی ، محدث اعظم پاکستان علامہ سردار احمد لائل پوری، محقق اللغۃ العربیہ علامہ سید سلمان اشرف بہاری، ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری، صدر الافاضل علامہ سید نعیم الدین مراد آبادی جیسے نابغۂ روزگار ہوں ، ہاں جس کے خوشہ چینوں اور ہم نشینوں میں بل کہ مستفیدین و مسترشدین میں حرمین شریفین اور شام و عراق اور مصر و یمن کے جلیل القدر بل کہ مشاہیر علما ے عرب و حجاز ہوں یقینا ایسا رجل عظیم۔ جب خود اپنے ہی جگر کے خون، اپنی ہی آنکھوں کے نور اور دل کے سرور کو پالا پوسا ہوگا ، اس کی تعلیم و تربیت کی ہوگی، اس کو بنایا سنوارا ہوگا اور اس کو علم و فکر اور شعور و ادراک کے جب گُر سکھائے ہوں گے تو بھلا کیا کمی اٹھا رکھی ہوگی۔ اور بھلا کیا کچھ نہ سکھایا اور بتایا ہوگا۔

امام احمد رضا کا خانہ ”ایں خانہ ہمہ آفتاب است“ کا بلا مبالغہ مستحق و تمثال ہے ، جس فرد پر نظر ڈالی جائے وہ فرد و یگانہ نظر آتا ہے۔ تاہنوز یہ سلسلہ جاری ہے۔ خدا کرے قیامت تک اسی طرح یہ خانوادہ جماعت اہل سنت کی علی سرپرستی کرتا رہے ، دقت نظر، ژرف نگاہی، وسعت مطالعہ، استحضار و تدبر، قوت فیصلہ، اور حزم و احتیاط میں مفتی اعظم کی شخصیت ضرب المثل ہے ، بلاشبہہ مفتی اعظم کا تبحر علمی ایک سمندر ہے جسے ماپنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں، وہ فضل و کمال کے در شاہوار اور خطاب ”تاجدار اہل سنت“ کے سزاوار ہیں، آنے والے مقالوں میں علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی، مفتی شبیر حسن رضوی، مفتی محمد اعظم بریلوی، مفتی عبد الحق رضوی مصباحی، کے نام قابل ذکر ہیں جنھوں نے مفتی اعظم کے علمی مقام کو روشنی میں لانے کی ہر ممکن سعی کی ہے ، میرا خیال ہے کہ آپ بے قرار ہو رہے ہوں گے اور سوچ رہے ہوں گے کہ کب یہ تعارفی دیوار سامنے سے منہدم ہو اور ہم اس خوان علم و فضل کو دونوں ہاتھوں سے لوٹنا شروع کر دیں۔ تو لیجیے پردہ اٹھتا ہے۔

مقبول احمد سالک مصباحی

مفتی اعظم اپنے فضل وکمال کے آئینے میں

شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی (علیہ الرحمہ)
نائب مفتی اعظم وسابق صدر شعبۂ افتا الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

مفتی اعظم حضرت مولانا الشاہ مصطفیٰ رضا قادری بریلوی قدس سرہٗ پر بہت کچھ لکھا جاچکا ہے اور ابھی بہت کچھ لکھا جائے گا۔ بل کہ بہ تسلسل لکھا جاتا رہے گا لیکن میں یقین محکم کے ساتھ کہتا ہوں کہ جو کچھ لکھا گیا یا لکھا جائے گا وہ سب حضرت مفتی اعظم کے حقیقی تعارف کے لیے ناکافی ہے اور ناکافی رہے گا۔

مجھے بحمدہٖ تبارک وتعالیٰ یہ شرف حاصل ہے کہ میں مسلسل گیارہ سال بل کہ کچھ ماہ زاید حضرت مفتی اعظم کے دولت کدے پر قیام پذیر رہا۔ وہ بھی ان دنوں میں جو ایک انسان کی زندگی کے سب سے کامل ایام مانے جاتے ہیں یعنی اپنی عمر کے پینتیسویں سال سے لے کر چھیالیسویں سال تک اور اس طرح رہا کہ حضرت میں بھی ساتھ رہا اور ہندوستان کے طول وعرض کے سفر میں بھی ساتھ رہا۔ پور بندر سے لے کر بنگلہ دیش کی مغربی سرحد دیناجپور تک، کٹک اڑیسہ سے لے کر نجیب آباد تک تقریباً ہر بڑے شہر میں ہم راہ رہا۔

حضرت مفتی اعظم کی حیات طیبہ کے پانچ دور ہیں: ایک عہد طفلی، جو سن شعور تک پہنچنے تک ہے۔ دوسرا تحصیلِ علم اور فراغت، تیسرا مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کی حیاتِ طیبہ تک، چوتھا اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے وصال کے بعد سے لے کر سجادہ نشین ہونے تک، پانچواں عہد سجادہ نشینی سے اخیر عمر تک۔

یہ پانچوں دور اپنے اندر ایسی خصوصیات رکھتے ہیں جو حضرت مفتی اعظم کی اپنے اقران میں ایک امتیازی شان پر دلیل ہیں۔ ان سب پر تفصیلی روشنی ڈالنے کے لیے دفتر درکار ہے۔ میں انتہائی عدیم الفرصت انسان جامعہ اشرفیہ کے عظیم دارالافتا کی ذمہ داری کے ساتھ ساتھ اپنی بچی کھچی توانائی نزہۃ القاری شرح بخاری میں صرف کر رہا ہوں مجھے اتنا موقع کہاں کہ اس بحر ناپیدا کنار کو سر کرنے کی کوشش کروں۔

لیکن رضا اکیڈمی بمبئی کے باحوصلہ ارکان نے اس صد سالہ جشن مفتی اعظم میں مجھے شرکت کی دعوت دی تو مجھے شرم آئی کہ میں اپنے مربی اعظم کے جشن صد سالہ میں خالی ہاتھ حاضر ہوں۔ اس لیے یہ چند سطریں بطور سوغات حاضر ہیں ع

زچشم آستیں بردار وگوہر را تماشا کن

یہ ایک رسم ہوگئی ہے کہ جب بھی کوئی مشہور آدمی دنیا سے جاتا ہے تو اس کے نیاز مند، عقیدت کیش یہی لکھتے ہیں کہ وہ تمام کمالاتِ انسانی کا جامع تھا۔ اس لیے اگر میں بھی حضرت مفتی اعظم کے بارے میں یہی لکھوں تو یہ رسمی بات بھی کہی جاسکتی ہے۔ اس لیے اس ادعا کے بغیر میں حضرت مفتیٔ اعظم کی شخصیت سے متعلق چند حقائق قلم بند کر دیتا ہوں جس سے ہر ذی فہم و دیانت دار منصف فیصلہ کر لے گا کہ

حضرت مفتی اعظم کی ذات گرامی اپنے عہد مبارک میں بے مثال تھی ۔

لیس علی اللّٰہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

جلالتِ علم: مفتی ہونا آج کل بہت آسان سمجھا جانے لگا ہے۔مشہور ہے کہ بہارِ شریعت اور فتاویٰ رضویہ دیکھ کر ہر اردو داں فتویٰ لکھ سکتا ہے۔لیکن مفتی اور فقیہ ہونا کتنا مشکل ہے یہ وہی جانتے ہیں جو کسی ذمہ دار دارالافتا کی خدمت پر مامور ہیں۔

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ محدث ہونا علم کا پہلا زینہ ہے اور فقیہ ہونا اخیر منزل ہے اور یہ مضمون حدیث صحیح سے ماخوذ ہے ارشاد ہے۔

فرب حامل فقه غیر فقیه و رب حامل فقه الی من هو افقه منه (مشکوٰۃ شریف ص ۳۵، کتاب العلم، الفصل الثانی مجلس البرکات) ''بہت سے فقہ کے حامل فقیہ نہیں ہوتے اور بہت سے حاملِ فقہ اسے پہچاتے ہیں اس سے جو اس سے زیادہ فقیہ ہوتا ہے۔''

حضرت امام الائمہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ بہت مشہور و معروف ہے کہ ایک بار یہ مشہور مسلم الثبوت محدث حضرت سلیمان اعمش کے ہاں تشریف فرما تھے۔حضرت سلیمان اعمش سے کچھ مسائل دریافت کیے گئے۔انھوں نے حضرت امام اعظم سے فرمایا: آپ ان مسائل میں کیا کہتے ہیں؟ حضرت امام اعظم نے سب کے جوابات دیے۔انھوں نے پوچھا یہ کہاں سے کہتے ہو؟ فرمایا: انھیں احادیث سے جنھیں میں نے آپ ہی سے سنا ہے، اور ان سب احادیث کو مع سندوں کے پڑھ کر سنا دیا۔اس پر حضرت اعمش نے فرمایا: تمھیں یہ کافی ہے۔جو حدیثیں میں نے تم سے سو دن میں بیان کیں ان سب کو تم ایک ساعت میں بیان کر دیتے ہو۔میں نہیں جانتا تھا کہ تم ان احادیث پر عمل کرتے ہو۔اے فقہا! تم طبیب ہو اور ہم محدثین عطار اور تم نے تو دونوں کو حاصل کر لیا ہے۔

غور فرمایے حضرت سلیمان اعمش کو وہ حدیثیں یاد تھیں مگر ان سے جو مسائل حضرت امام اعظم نے اخذ فرمائے ان تک ان کی رسائی نہ ہوئی۔یہ جلوہ ہے **فرب حامل فقه غیر فقیه و رب حامل فقه الی من هو افقه منه** کا۔

یہی وجہ ہے کہ امام اجل حضرت سفیان ثوری نے حضرت امام اعظم سے فرمایا: ہر چیز کے بارے میں آپ پر وہ علوم منکشف ہوئے جن سے ہم غافل ہیں۔ان کی نظیر وہ حدیث ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **ان عبدا خیره اللّٰه بین ان یؤتیه من زهرة الدنیا ماشاء و بین ماعنده فاختار ماعنده** (مشکوٰۃ شریف، ص ۵۴۶، باب وفات النبی، الفصل الاول مجلس البرکات)

اللہ کے ایک بندے کو اختیار دے دیا ہے وہ چاہے تو دنیا کی تر و تازگی پسند کرے چاہے تو جو اللہ کے حضور ہے اسے اختیار لے۔ اس بندے نے اللہ کے حضور کو اختیار کر لیا ہے۔

یہ سن کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رونے لگے۔حاضرینِ صحابہ کو حیرت ہوئی کہ یہ کیوں رو رہے ہیں؟ مگر جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو صحابۂ کرام کو معلوم ہو گیا کہ یہ بندہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور **فاختار ماعنده** سے مراد وصال تھا۔اب صحابۂ کرام کو اعتراف کرنا پڑا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہم سب سے زیادہ علم والے تھے۔

آج کے مفتیانِ کرام اگرچہ مجتہد نہیں مگر آج بھی افتا نویسی کے لیے کتنے تیقظ، بیدار مغزی، ذہانت، فطانت، معاملہ فہمی اور تبحر علمی کی ضرورت ہے۔ان سب کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، اس کو صرف ایک واقعہ سے سمجھ لیجیے ۔ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا میں نے تیرا نکاح فسخ کیا۔ایک بہت بڑے شیخ الحدیث صاحب کے یہاں استفسار پیش کیا گیا، انھوں نے قلم برداشتہ لکھ دیا کہ اس سے ایک طلاق رجعی پڑ گئی۔وہیں سے یہ استفتا میرے پاس آیا۔میں نے جواب میں لکھا یہ طلاق کنائی کے کلمات میں سے ہے۔اگر شوہر نے بہ نیت طلاق کہا

ہے تو ایک طلاق بائن پڑ گئی ورنہ طلاق واقع نہ ہوئی۔ میں نے اپنی تائید میں عالمگیری کا جزئیہ بھی نقل کر دیا تھا۔

میرا یہ فتویٰ ان شیخ الحدیث صاحب کی خدمت میں پیش ہوا تو بہت گھبرائے۔ اتفاق سے وہ بریلی تشریف لائے تو مجھ سے مواخذہ فرمایا کہ تم نے کیسے لکھ دیا کہ یہ طلاق کنائی کا جملہ ہے۔ میں نے عرض کیا: بہارِ شریعت، رحیق الاحقاق فی کلمات الطلاق، عالمگیری میں لکھا ہے۔ انھوں نے فرمایا یہ تو صحیح ہے مگر یہ طلاق کنائی کا جملہ کیسے ہے جب کہ فسخ نکاح اور طلاق لازم وملزوم ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ طلاق اور فسخ لازم وملزوم نہیں۔ ایسی بہت سی صورتیں ہیں کہ بغیر طلاق کے بھی نکاح فسخ ہو جاتا ہے۔ جیسے ردّت اور مصاہرت سے۔

مجھے بتانا یہ ہے کہ فتویٰ دینا دینی خدمات میں سب سے اہم سب سے مشکل اور سب سے پیچیدہ کام ہے اور ایسا کام ہے جس کی کوئی نہایت نہیں۔ فقہائے کرام نے اگر چہ ہم پر احسان فرماتے ہوئے لاکھوں جزئیات کی تصریح فرمادی ہے مگر پھر بھی حوادث محدود نہیں۔ آئے دن سینکڑوں واقعات ایسے ہوتے رہتے ہیں کہ جن کے بارے میں کوئی جزئیہ کسی کتاب میں نہیں ملتا۔ یہی وہ وقت ہوتا ہے کہ ایک فقیہ اپنی بالغ نظری، نکتہ سنجی، دقیق بینی کی بدولت تائید ایزدی سے صحیح حکم اخذ کر لیتا ہے۔ مگر یہ کام کتنا مشکل ہے اسے بتایا نہیں جا سکتا ہے جس کے سر پڑتا ہے وہی جانتا ہے۔

جب آپ تفقہ کی حیثیت پر ایک نظر ڈال چکے تو آئیے میں آپ کو حضرت مفتی اعظم کی اس فن میں عبقریت کے جلوے دکھاؤں۔

حضرت مفتی اعظم نے پہلا فتویٰ ۱۹۱۰ء میں لکھا جب کہ عمر مبارک صرف اٹھارہ سال کی تھی۔ یہ فتویٰ مجدد اعظم، اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی خدمت میں پیش ہوا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے اس میں بغیر کسی ترمیم وتبدیل کے ان الفاظ میں اس کی تصحیح فرمائی۔ صح الجواب بعون الملک الوہاب۔ خوش ہو کر انعام عطا فرمایا اور مہر بنوا کر عنایت فرمائی۔

بظاہر اس میں کوئی اہمیت نظر نہیں آئی مگر مفتیوں سے پوچھیے تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ کتنی حیرت ناک بات ہے۔ فتویٰ نویسی میں سب سے پہلے یہ غور کرنا ہوتا ہے کہ سائل کیا پوچھنا چاہتا ہے؟ وہ کہاں الجھا ہوا ہے؟ اس نے مافی الضمیر کو کماحقہٗ ادا بھی کیا ہے یا نہیں؟ پھر ہمارے جواب پر اسے کیا شبہہ ہو سکتا ہے؟ وغیرہ وغیرہ

ان سب پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد مفتی جواب لکھتا ہے تو ان سب باتوں کو ذہن میں رکھ کر اپنے جچے تلے الفاظ، سلجھے ہوئے انداز بیان، جامع مانع کلمات میں جواب لکھتا ہے۔ زندگی میں پہلا فتویٰ لکھنے والا ان باتوں کی رعایت کر سکے گا یا کر سکتا ہے، بہت مشکل ہے۔ ذہین سے ذہین علما برسہا برس تک مشاق کرنے اور ماہرِ فن مفتی سے اصلاح لینے کے بعد اس پر قادر ہوتے ہیں کہ وہ ایک مکمل فتویٰ لکھیں۔ مگر جو بات دیگر ذہین فطین ذکی علما کو برسہا برس میں تنقید اصلاح اور ہدایت کے بعد حاصل ہوتی ہے وہ حضرت مفتی اعظم کو پہلے ہی دن حاصل تھی۔ یہ دلیل ہے کہ حضرت مفتی اعظم جیسے والدہ ماجدہ کے شکم پاک سے ولی بن کر آئے تھے، اسی طرح مفتی اعظم بھی بن کر آئے تھے۔ **السعید من سعد فی بطن امه**۔ تفقہ فی الدین آپ کی فطرت، جبلت، سرشت تھی۔

غور کریں ایک اٹھارہ سال کا نوعمر پہلا فتویٰ لکھتا ہے اور تصحیح کے لیے پیش کرتا ہے اس دقیق بین نکتہ اس کی بارگاہ میں جس کی تیز نگاہی کا عالم یہ تھا کہ اگر کسی کلمے میں ہزار معانی ہوتے تو وہ سب اول نظر میں احاطے میں آ جائے اور جس کے بارے میں علمائے حرمین نے یہ فرمایا ہو کہ اگر انھیں ابوحنیفہ دیکھ لیتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں اور انھیں اپنے تلامذہ میں داخل فرما لیتے۔ مگر اس نوعمر مفتی کے پہلے فتویٰ پر اسے بھی کہیں اصلاح کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بات یہ ہے کہ شیر کے بچوں کو کس نے شکار کرنا سکھایا۔ حضرت مفتی اعظم کی عمر مبارک کے یہی ایام تھے کہ علمائے رام پور سے مسئلہ اذان ثانی پر بحث چھڑ گئی، علما رام پور معمولی علما نہیں تھے۔ یہ وہ اکابر ملت تھے کہ جن کے علم و

فضل کا رعب پورے ہندوستان پر چھایا ہوا تھا۔

یہ شمس العلما مولانا عبدالحق ابن علامہ فضل حق خیرآبادی جیسے اس بطل جلیل کے وارث تھے کہ بانی دیوبندیت قاسم نانوتوی صاحب رام پور آئے تو ان کی ہیبت سے اپنے کو ظاہر نہ کرسکے، سرائے میں قیام کیا اور اپنا نام تبدیل کرکے لکھوایا۔

علمائے رام پور نے اس مسئلہ پر اپنی پوری توانائیوں کے ساتھ بحث شروع کردی۔ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے ان کے افہام وتفہیم کے لیے اپنے اس نوجوان فرزند کو حکم دیا اور حضرت مفتی اعظم نے ان حضرات کے ابحاث علمیہ کے ایسے مدلل، مسکت، فصیح جواب دیے کہ وہ دم بخود رہ گئے۔ ان پر وہ وہ گرفتیں کیں کہ وہ حضرات انگشت بدنداں رہ گئے۔ جس کا جی چاہے، اس وقت کے رسائل **وقایة اهل سنة نفی العار** وغیرہ کا مطالعہ کرلے۔ اسے معلوم ہوجائے گا کہ مجدد اعظم کے وارث نے دنیا کو دکھادیا، دنیا سے منوالیا کہ بزرگی بعقل ست نہ بہ سال۔

حضرت مفتی اعظم کے سینکڑوں ایرادات آج بھی قرض ہیں۔ انھیں ایام میں دیوبندیوں کے بقیۃ السلف، حکیم الامت، جناب تھانوی صاحب نے حفظ الایمان کی کفری عبارت کی رفوگری کے لیے بسط البنان لکھی جسے مطالعہ کے بعد حضرت مفتی اعظم نے اس کی رد میں وقعات السنان اور ادخال السنان تالیف فرمائی۔ جسے رجسٹری کرکے تھانہ بھون بھیجا مگر ان دونوں کے جواب سے نہ صرف تھانوی صاحب بل کہ ان کی پوری برادری عاجز ہے اور عاجز رہے گی۔

وقعات السنان، ادخال السنان کے زخموں کی تاب نہ لاکر بہ لباس باطنی تھانوی صاحب نے اپنے ایک نیازمند سے کچھ سوالات کرائے۔ ان کے جوابات کے لیے بھی حضرت مفتی اعظم میدان میں آئے۔ اور **الموت الاحمر** لکھ کر اکابر دیوبند کی تکفیر کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی اور حجتِ الٰہیہ ان پر تام فرمادی اور **من هلک هلک عن بینة و من حي حي عن بینة** کا جلوہ دنیا کو دکھادیا۔

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی حیات مبارکہ میں حضرت مفتی اعظم کے وہ کارنامے ہیں جنھیں دیکھ کر عالم تصور میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک شیر ہے جو تن تنہا پوری دنیا سے چوکھا لڑ رہا ہے۔ اور اپنے حملۂ جاں ستاں سے مخالفین کو نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن کا مزہ چکھا رہا ہے۔

پھر ایک وقت وہ آیا کہ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اس کی ضرورت محسوس فرمائی کہ پورے ملک کے لیے دارالقضا قائم کیا جائے۔ تو چوں کہ قاضی کے لیے کافی تربیت، تفقہ اور تجربہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور اس اعتبار سے حاضرینِ دربارِ رضوی میں سب سے زیادہ فائق حضرت صدرالشریعہ تھے اس لیے انھیں قاضی بنایا اور حضرت مفتی اعظم اور حضرت برہان ملت جبل پوری کو مفتی دارالقضا کے منصب پر فائز فرمایا۔

اس دارالقضا میں اگرچہ حضرت مفتی اعظم حضرت صدرالشریعہ کے ماتحت تھے۔ مگر غور کرلیجیے کہ دارالقضا کوئی معمولی دارالقضا نہ تھا پورے ہندوستان کا سب سے بڑا مرکزی دارالقضا تھا جسے سپریم کورٹ کہہ لیجیے اور اس دارالقضا میں مفتی کی حیثیت وہی تھی جو کسی بنچ کے چند ججوں کی ہوتی ہے۔ ایک نوعمر نوجوان کو سپریم کورٹ کی بنچ کے ججوں میں شامل کرنا اتنا بڑا اعزاز ہے کہ کہنہ مشقوں کو بھی شاید باید نصیب ہوتا ہے۔ اس نوعمری میں سب سے بڑے دارالقضا کا رکن بنانا ہی اس کی دلیل ہے کہ ایک دن آئے گا کہ یہ نوعمر پوری دنیا کے علما میں وہ حیثیت حاصل کرلے گا کہ اس کی حیثیت عالمی سپریم کے اعلیٰ جج کی ہوجائے گی اور دنیا نے اپنے چشمِ سر سے دیکھا کہ حضرت مفتی اعظم اپنے عہد میں پوری دنیائے سنّیت کے صرف قاضی القضاۃ ہی نہ تھے بل کہ روحانی شہنشاہ تھے ان کا جلوہ دنیا نے اس وقت دیکھا جب کہ حضرت

مفتی اعظم ۱۹۴۵ء مطابق ۱۳۶۴ھ میں حج وزیارت کے لیے حرمین طیبین حاضر ہوئے۔

نجدی فرعون ابن سعود نے حجاج پر حج وزیارت کا ٹیکس لگا دیا تھا۔ اس قارون صفت حریص کو نہ حلال کی پرواہ تھی نہ حرام کی، اس کو اپنی عیاشی کے لیے قارون کا خزانہ درکار تھا۔ مگر اس بے برگ وگیاہ ریگستان میں اسے کیا ملتا۔ تو اس حریص ننگ اسلام ومسلمین نے مجبور و بے کس حجاج پر یہ ظلم کیا کیا کہ ان حاجیوں پر ڈاکے ڈالنے کے لیے ٹیکس لگا دیا اور حیرت یہ تھی کہ کتاب وسنت پر عمل کے مدعی اور داعی بننے والے نجدی علما نے اس کے جواز کا فتویٰ دے دیا تھا۔

ابن سعود اور دوسرے نجدی حکمرانوں کے جبر وتشدد کا عالم یہ تھا۔ ایک مزاح پسند ناقد نے کہا ہے کہ نجدی مملکت میں اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جناب میں گستاخی کرنے والوں کے لیے جگہ ہے۔ مگر نجدی حکمرانوں پر صحیح تنقید کرنے والوں کو سزائے موت ہے۔ علمائے حرمین طیبین رخصت پر عمل کرتے ہوئے خاموش تھے۔

لیکن جب حضرت مفتی اعظم حرمین طیبین حاضر ہوئے تو اس ناخدا ترس خونخوار درندے کی قلم رو میں بیٹھ کر مکہ معظّمہ میں نجدی ٹیکس کے حرام وگناہ ہونے پر انتہائی مدلل مفصل عربی زبان میں فتویٰ لکھا جس کا نام: **القنابل الذریه علی او ثان النجدیه**'' جسے مطالعہ کر کے علمائے حرمین طیبین نے متفقہ طور پر فرمایا ''**ان هذا الا الهام**'' اور متفقہ طور پر حضرت مفتی اعظم کو امام وقت، شیخ الہند والحرم تسلیم فرمایا۔ بطور تبرک قرآن واحادیث وفقہ کے سلاسل کی اجازتیں لیں۔ اور اپنے آپ کو مفتی اعظم کے زمرہ تلامذہ میں داخل ہونے پر فخر فرمایا۔ اسی وجہ سے کہتا رہتا ہوں۔ اور شیخ، شیخ الہند ہیں اور ہمارے شیخ شیخ العرب والعجم ہیں۔

یہ جلوہ تھا اس اشارے کا جو والد مکرم مجدد اعظم نے نوعمری میں دار القضا کا رکن بنایا اور وقت آنے پر دنیا نے چشم سر سے دیکھا کہ اپنے عہد میں پوری دنیائے سنّیت کا امام بنا، سلطان بنا، سرتاج بنا۔

یہ باتیں تو وہ ہیں جو ثقہ رواۃ کے ذریعہ میں نے سنی ہیں۔ اب آیئے خود میری آنکھوں نے جو کچھ دیکھا ہے اسے آپ حضرات ملاحظہ فرمائیں۔

میں بریلی شریف حاضر ہوا اور حضرت مفتی اعظم نے اپنے دار الافتا کی خدمت سپرد فرمائی۔ ہوتا یہ کہ میں مسائل دن میں لکھ لیا کرتا بعد عشا حضرت کو سناتا۔ یہ معمول مسلسل گیارہ سال تک رہا۔ میں اس میدان میں نووارد نہیں تھا۔ فتویٰ نویسی کا اچھا خاصا تجربہ رکھتا تھا۔ میں نے زمانۂ طالب علمی سے فتویٰ نویسی شروع کر دی تھی۔ محدث اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد سردار احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے یہاں آئے ہوئے مسائل دیتے اور میں لکھا کرتا۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ سب سے پہلا فتویٰ میں نے بھی رضاعت ہی کا لکھا تھا۔ فراغت کے بعد جب میں اپنے گھر گھوسی مقیم تھا تو میری فیروز بختی تھی کہ حضرت صدر الشریعہ قدس سرہٗ ان دنوں ۶۶-۶۷ھ/ ۴۷-۴۸ء اپنے دولت کدے ہی پر تشریف رکھتے تھے۔ میں روزانہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتا اور حضرت کے یہاں آئے ہوئے مسائل لکھا کرتا۔ اگرچہ اس کی صورت یہ ہوتی کہ حضرت املا فرماتے۔ چوں کہ ان دنوں حضرت کی بینائی کمزور تھی اس لیے تائیدی عبارتیں میں ہی نکالا کرتا تھا، اس طرح فتویٰ لکھنے کی اچھی خاصی مشق ہو گئی تھی۔

میں بغور سوال پڑھ کر مسائل کی منشا سمجھ کر پوری دماغی توانائی صرف کر کے حاضر دماغی سے جوابات لکھتا تھا۔ میں اپنے اوپر جو وثوق اس وقت بھی رکھتا تھا، اس کی روشنی میں کہہ سکتا ہوں کہ اسوقت کے میرے لکھے ہوئے مسائل پر کوئی انگلی نہیں رکھ سکتا تھا۔

دوسری طرف مفتی اعظم کا حال یہ تھا کہ دن میں تعویذیں لکھنے میں مصروف رہتے تعویذ لینے کے لیے آنے والے کوئی خوش کن

فرحت بخش خبر نہیں سناتے بل کہ ہر تعویذ کا طلب گار اپنے دکھ، درد، تکلیف، مصیبت کی دردناک داستان سناتا تھا۔ مسلسل اذیت ناک خبریں سنتے سنتے مضبوط سے مضبوط انسان کا دل بیٹھ جاتا ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ دن بھر صبر آزما اعصاب کو مفلوج کرنے والے ماحول کی بدولت حضرت مفتی اعظم ایسے تھک جاتے کہ سوائے آرام وسکون کے کسی اور کام کی طرف توجہ نہ فرماتے۔

مگر ہوتا یہ کہ بلاناغہ بالتزام روزانہ بعد نماز عشا کھانا تناول فرمانے کے بعد اپنی بیٹھک پر تشریف لاتے اور اس طرح تشریف رکھتے گویا دن بھر آرام کیا ہے۔ بالکل تروتازہ چاق و چوبند حاضر دماغ۔ اب میں اپنے لکھے ہوئے مسائل سناتا حضرت مفتی اعظم کی حاضر دماغی، تیقظ قلبی کا علم اس وقت بھی وہ ہوتا کہ جگہ جگہ اصلاح فرماتے، عمدہ سے عمدہ تر کی طرف رہنمائی فرماتے اگر تائیدی عبارت میں کمی ہوتی تو دوسری زیادہ مناسب اور موزوں عبارت کی طرف رہنمائی فرماتے عبارت میں کوئی بھول چوک ہوتی تو فوراً تنبیہ فرماتے اور اسے صحیح کرتے۔ چند نمونے ملاحظہ فرمائیے۔

ایک دفعہ میں نے لکھا تھا۔ تو فیہا۔ فرمایا: فیہا کے ساتھ تو کا کیا جوڑ؟

ایک دفعہ میں نے حدیث رفاعہ لکھی تھی صحیح مگر میں نے پڑھ دیا۔ **لا حتی تذوقی عسیلتک** فرمایا: کیا پڑھا؟

ہمارے اعظم گڑھ کے عرف میں مُہر کو مؤنث استعمال کرتے ہیں اس وجہ سے میں نے مہر کے لیے تانیث کا صیغہ استعمال کر دیا فوراً تنبیہ فرمائی۔

ایک دفعہ یہ سوال آیا۔ ہند کی زید کے ساتھ نابالغی میں شادی ہوئی، بالغ ہونے کے بعد ہندہ زید کے ساتھ رہنے پر راضی نہیں۔ اس مسئلہ کی دس بارہ صورتیں ہیں۔ مثلاً نکاح کے وقت ہندہ کے باپ یا دادا زندہ تھے یا مر گئے تھے؟ موجود تھے تو یہ نکاح ان کی اجازت سے ہوا یا خود انھوں نے پڑھایا تھا یا نہیں؟ اگر زندہ تھے مگر کہیں دور تھے تو یہ غیبت منقطعہ تھی یا نہیں۔ کفو میں ہوا یا غیر کفو میں؟ مہر میں غبن فاحش تھا یا نہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔ میں نے بڑی محنت سے دن بھر صرف کر کے اس کی تمام شقوں کی تفصیل لکھی تھی اور بہت خوش تھا کہ آج حضرت مجھے داد ضرور دیں گے دعائے خیر سے نوازیں گے مگر جب سنانا شروع کیا تو فرمایا:

یہ جواب سائل کو کیا مفید ہوگا؟ یہ شق در شق، شق در شق طوفانی جواب کس کے پلّے پڑے گا؟ جواب میں اپنا مبلغ علم ظاہر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ عام طور پر نکاح کفو میں مہر مثل کے ساتھ ہوتا ہے اور نابالغ بچوں کا نکاح باپ دادا ہی کرتے ہیں اور اگر باپ دادا نہیں تو سائل اس کو سوال میں لکھا کرتے ہیں۔ اس لیے جواب میں صرف اتنا لکھیں کہ اگر یہ نکاح باپ دادا نے پڑھایا تھا یا ان کے اذن سے ہوا تھا۔ اور کفو میں مہر میں غبن فاحش کے بغیر ہوا تو صحیح نافذ ہے۔ الخ ـــــ۔ اور اگر واقعہ کی صورت کوئی دوسری ہو تو دوبارہ اس صورت کو تفصیل کے ساتھ لکھ کر بھیجیں۔ اس اصلاح کا حاصل ہے کہ سائل حکم شرعی اس لیے معلوم کرتا ہے کہ اس پر عمل کرے۔ پیچ در پیچ شق در شق جوابات سے وہ الجھ جائے گا اور صحیح حکم کو متعین نہ کر سکے گا۔ نیز خدا ناترس لوگ ان سب شقوں میں سے اپنے پسند کی شق اختیار کر لیں گے اگر چہ واقعہ کے مطابق نہ ہو، اس طرح وہ حرام میں مبتلا ہوں گے اور سہارا آپ کے فتویٰ کا لیں گے۔ اس لیے جواب اس پہلو پر دیا جائے جو ظاہر ہو اور قیود بڑھا کر دوسری شقوں کی نفی کر دی جائے اور پھر آخر میں ہدایت کر دی جائے۔ اس ہدایت سے حضرت نے رسم مفتی کے اس اہم قاعدے کی طرف رہنمائی فرمائی کہ مفتی کو اپنی طرف سے شقیں قائم کر کے جواب نہیں دینا چاہیے۔

میں نے بریلی شریف کے ایام قیام میں پچیس ہزار مسائل لکھے جن میں دس ہزار کے لگ بھگ وہ مسائل ہیں جن پر حضرت کی اصلاح ہے۔ کاش وہ سب محفوظ ہوتے تو ایک اہم خزانہ محفوظ ہوتا۔ پھر دنیا دیکھ لیتی کہ حضرت مفتی اعظم کا تبحر علمی، دقت نظر، نکتہ رسی کس حد

تک پہنچی ہوئی تھی۔

یہ مجلس عموماً دو تین گھنٹے کی ہوتی۔ کبھی چار گھنٹے کی بھی ہوجاتی تھی۔ میں تھک جاتا، اکتا جاتا مگر حضرت مفتی اعظم پر تکان یا اکتاہٹ کا کوئی اثر نہیں نظر آتا۔ دن بھر کا تھکا ہوا انسان، رات میں بھی اتنا حاضر دماغ ہو یہ انسانی قوی کے بس کی بات نہیں۔ یہ اس کی دلیل ہے کہ حضرت مفتی اعظم ان منتخب روزگار نفوس قدسیہ میں سے تھے جن کا علم بھی لدنی ہوتا ہے اور قوی بشری بھی لدنی اور دل و دماغ بھی لدنی ان کا سب کچھ لدنی ہوتا ہے۔ اسی مبارک محفل کا ایک حیرت ناک واقعہ یہ ہے کہ سخت سردیوں کے دن تھے۔ حضرت کے لیے انگیٹھی تھی جو کچھ دیر کے بعد ٹھنڈی ہونے لگی، حقے کی آگ بھی ختم ہونے پر آئی، اچانک فرمایا اگر کوئلہ اور ہوتا تو انگیٹھی ہی گرم ہوجاتی اور تمبا کو ابھی پورا جلا نہیں ہے، وہ بھی کام میں آجاتا۔ میں نے عرض کیا اندر خادمہ کو آواز دے کر کوئلہ مانگ لوں۔ فرمایا دن بھر کی تھکی ہاری بے چاری سو گئی ہوگی، جانے دیجیے۔

مظفر پور کے ایک شاہ صاحب کبھی کبھی آکر آستانہ عالیہ پر قیام کرتے، دو دو مہینے تک رہتے، بظاہر ان کا کوئی مقصد معلوم نہیں ہوتا میں نے ایک دوبار پوچھا بھی تو یہ کہا کہ صرف حضرت کی زیارت کے لیے آجاتا ہوں، جب تک حضرت باہر تشریف رکھتے وہ حضرت کی خدمت میں حاضر رہتے۔ مذکورہ بالا گفتگو کے بعد میں نے دیکھا کہ وہ شاہ صاحب بیرونی دروازے سے اندر آئے اور اپنے رومال میں کچھ لائے اس کا بھی دھیان نہ آیا کہ دروازہ اندر سے بند ہے یہ کیسے آگئے۔ انھوں نے حاضر ہوکر عرض کیا، حضرت یہ کوئلہ ہے اور انگیٹھی میں انڈیل دیا۔ اور کوئلے چلم میں ڈال دیے۔ انگیٹھی میں کچھ چنگاریاں رہ گئی تھیں۔ شاہ صاحب کوئلہ ڈال کر بیٹھ گئے۔ حضرت نے فرمایا کہ پنکھا یا دفتی ہوتی تو اسے ہوا کردی جاتی۔ میں اپنے کمرے میں پنکھا یا دفتی تلاش کرنے چلا گیا مگر نہ پنکھا ملا نہ دفتی ملی۔ مجھے آنے جانے میں بمشکل دو ڈھائی منٹ لگے ہوں گے واپس آکر دیکھا تو انگیٹھی اور چلم دونوں کے کوئلے دہک رہے ہیں۔ مجھے کچھ حیرت ہوئی مگر میں اپنے کام میں لگ گیا۔ بارہ بجے کے بعد حضرت اندر تشریف لے گئے اور ہم لوگ اپنے اپنے کمروں میں جا کر سو گئے۔ شاہ صاحب نماز و جماعت کے پابند تھے، ہمیشہ باجماعت نماز پڑھتے تھے مگر اس دن فجر کی نماز میں نہیں تھے۔ مجھے ایک خیال تو ہوا مگر پھر ذہن سے نکل گیا۔ ناشتے کے وقت ان کی تلاش ہوئی تو غائب اور کھانے میں بھی غائب۔ تحقیق کی تو سب نے بتایا کہ وہ آئے ہی نہیں ہیں۔ اب میرے دماغ میں کھلبلی مچی کہ یہ معاملہ کیا ہے۔ رات کو جب پھر مسائل سنانے بیٹھا تو پہلے حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ شاہ صاحب رات میں کوئلہ لے کر آئے پھر پتہ نہیں کہاں چلے گئے۔ فرمایا چلے گئے ہوں گے آپ اپنا کام کریں۔ میرا ظن غالب ہے کہ یہ حضرت شاہ صاحب کی صورت میں کوئی جن تھے۔ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ حضرت کے بکثرت مریدین جن بھی ہیں۔

اب آیئے چند واقعات سفر کے سنیے۔ حضرت مفتی اعظم کی عادت کریمہ تھی کہ ہر نماز مسجد میں حاضر ہوکر تازہ وضو سے باجماعت ادا فرماتے تھے۔ سفر کتنا ہی لمبا، کتنا ہی دشوار ہو، گاڑی میں کتنی ہی بھیڑ ہو، کبھی کوئی نماز قضا نہیں ہوئی۔ اور کوئی فرض یا سنت بیٹھ کر ادا نہ فرمائی۔ سلسلے میں کبھی بڑی دشواریاں پیش آئیں مگر کوئی پرواہ نہ کی۔

ایک بار حضرت اوجین سے جے پور جاتے ہوئے ناگدہ اسٹیشن پر بمبئی دہرہ دون ایکسپریس پر سوار ہوئے، سکنڈ کلاس کا ٹکٹ تھا، ڈبے میں پہنچے تو پورا ڈبہ فوجیوں سے بھرا پڑا تھا۔ فوجی کتنے بدتمیز اور عوام کے لیے ظالم ہوتے ہیں وہ سب جانتے ہیں، وہ وحشی سیٹوں پر ٹانگیں پھیلائے لیٹے تھے، بڑی مشکل سے بیٹھنے کی جگہ ملی۔ تھوڑی دیر بعد عصر کا وقت ہوگیا۔ پورا ڈبہ بھرا ہوا تھا۔ کہیں جگہ نہ تھی اور گاڑی اسٹیشنوں پر برائے نام رکتی۔ فرمایا: نماز پڑھوں گا۔ میں پریشان ہوگیا، چاروں طرف نظر دوڑائی ایک فوجی سکھ کا بہت بڑا ٹرنک پڑا تھا جس

پر بستر رکھا ہوا تھا میں نے اس سے کہا کہ ہمارے حضرت نماز پڑھیں گے اگر آپ مان جائیں تو اس ٹرنک پر سے بستر اتار دوں اور اس پر نماز پڑھ لیں۔ وہ مان گیا اور خود اسی نے بستر اٹھایا اور کھڑا رہا۔ گاڑی جب ایک اسٹیشن پر پہونچی تو حضرت کو اسی پر کھڑا کر دیا۔ حضرت نے اس طرح نماز ادا فرمائی۔ جب مغرب کا وقت ہوا تو ایک اسٹیشن پر مجھے بغیر بتائے ہوئے اتر پڑے۔ میں پیچھے پیچھے جانماز لے کر دوڑا۔ فرض کا سلام پھیرتے ہی گاڑی نے سیٹی دے دی، میں جلدی سے گاڑی کی طرف بڑھا اور حضرت نے سنت کی نیت باندھ لی اور گاڑی سیٹی پر سیٹی دیتی رہی، اس وقت میری پریشانیوں کا عالم کیا تھا وہ میں ہی جانتا ہوں۔ سامان گاڑی پر اور حضرت پلیٹ فارم پر۔ اگر گاڑی چلی جائے تو کیا کروں گا۔ اسی کشمکش میں نظر انجن کی طرف گئی تو دیکھا کہ ڈرائیور حضرت کی طرف دیکھ رہا ہے۔ اب کچھ اطمینان ہوا۔ بالآخر جب حضرت نماز سے فارغ ہو کر ڈبے میں تشریف لائے تو گاڑی چلی۔

اس قسم کے موقع پر قوی سے قوی تر اعصاب انسانی کے ہوش وحواس بے قابو ہو جاتے ہیں مگر مفتی اعظم پر کوئی اثر نہ پڑا اور باطمینانِ خاطر نماز میں مصروف رہے۔ یہ دلیل ہے کہ حضور مفتی اعظم کا معاملہ خدائے عزوجل سے اتنا قوی تھا کہ کوئی چیز بھی اس میں مخل نہ ہو سکتی تھی۔ حالاں کہ ایک تلخ تجربہ ہو چکا تھا۔

ایک بار کلکتہ جاتے ہوئے مغل سرائے میں بنارس کے کچھ عقل کل افراد کی حرکتوں کی بدولت عصر کی نماز پڑھتے پڑھتے گاڑی چھوٹ چکی اور بڑی دقتوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ مگر اس کے باوجود نماز کو اپنے اوقات میں پڑھنے سے کوئی چیز حارج نہیں ہو سکتی تھی۔

اسی سفر میں یہ قصہ درپیش ہوا کہ فوجی آپس میں مذہبی گفتگو کرنے لگے۔ ایک کم عمر فوجی نے باتوں باتوں میں حضرت سیدہ مریم عذرا رضی اللہ عنہا کی شان اقدس میں وہ بکواس کر دی جو یہودی اور قادیانی بکتے ہیں۔ سخت جلال بھرے انداز میں اس فوجی کو ڈانٹا کہ کیا بکتا ہے۔ یہ جھوٹ ہے، افترا ہے، وہ بھونچکا رہ گیا۔ کہنے لگا: میں نے محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) یا ان کی والدہ کے بارے میں تو کچھ کہا نہیں پھر آپ کیوں خفا ہو رہے ہیں؟ فرمایا ہم لوگ ہر پیغمبر کا ادب واحترام اسی طرح کرتے ہیں جیسے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ میں تو ڈرا تھا کہ یہ وحشی درندے ہیں کہیں بدتمیزی کا برتاؤ نہ کریں مگر ایک مردِ حق آگاہ کی ڈانٹ نے انھیں سہا دیا اور مرعوب ہو کر خاموش ہو گئے۔ یہی نہیں اٹھ کر بیٹھ گئے اور اس کے بعد حضرت کے ساتھ مؤدب رہنے لگے۔

نماز کی پابندی کے سلسلے میں ایک واقعہ دہلی میں پیش آیا تھا۔

حضرت دار العلوم اسحاقیہ جودھ پور کے سالانہ جلسے سے گھر واپس آ رہے تھے۔ جودھ پور کے احباب نے اوپر کی سیٹ پر حضرت کا بستر لگا دیا تھا۔ عشا پڑھ کر حضرت اس پر آرام سے سو گئے۔ سردی شباب پر تھی جب گاڑی دہلی کے قریب گوڑ گاؤں پہونچی تو میں نے اٹھایا۔ اٹھنے کے بعد استنجا خانہ تشریف لے گئے مگر وہاں بہت لمبی قطار تھی وہ بھی عورتوں کی۔ حضرت بے چینی کے ساتھ استنجا خانہ کے خالی ہونے کا انتظار کرتے رہے۔ میں بستر باندھنے میں مشغول تھا۔ جب گاڑی دہلی کے پلیٹ فارم پر پہونچ گئی تب کہیں جا کر استنجا خانہ خالی ہوا اور حضرت تشریف لے گئے۔ جب حضرت استنجا سے فارغ ہو گئے تو مراد آباد جانے والی گاڑی جس پلیٹ فارم پر لگی تھی وہاں تشریف لے گئے۔ جب سامان گاڑی میں رکھا جا چکا تو فرمایا کپڑے نکال دیں۔ میں نے حکم کی تعمیل کی۔ کپڑے نکال کر حضرت کو دیے اور میں بکس بند کرنے میں مصروف رہا۔ بکس بند کر کے دیکھا تو حضرت کپڑے لے کر بڑی تیزی سے پلیٹ فارم کے پل کی طرف جا رہے ہیں، میں متحیّر ہو گیا کہ یا اللہ حضرت کہاں جا رہے ہیں مگر کرتا کیا۔ گاڑی میں سامان چھوڑ کر حضرت کے پیچھے بھی نہیں جا سکتا تھا۔ بے چینی واضطراب کے عالم میں کسی طرح وضو کیا نماز پڑھی اور ریل کے ڈبے سے سر نکالے ہوئے، باہر جھانکتا رہا، نہ وقت کٹتا، نہ حضرت تشریف لاتے۔ تقریباً

ڈیڑھ گھنٹے کے بعد حضرت واپس ہوئے۔ جاڑے سے کانپ رہے تھے۔ قدم برابر نہیں پڑ رہے تھے۔ میرا دل دھک دھک کرنے لگا۔ ڈبے سے باہر نکل کر اندر لایا۔ ڈبے میں چڑھانے کے لیے ہاتھ پکڑا تو برف کے مانند سرد، اب میرا حال زار اور بدتر ہو گیا۔ فرمایا بستر کھولیے، میں نے بستر کھولا تو فوراً لیٹ گئے اور بڑی تیزی سے لحاف اوڑھ لیا۔ اب میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا کہ حضرت کہاں تشریف لے گئے تھے؟ کانپتی ہوئی آواز میں فرمایا: وہ خبیثات پائخانے کے دروازے پر کھڑی تھیں، مجھے استنجا کی شدید حاجت تھی، کپڑے ناپاک ہو گئے، سوچا کہ کسی مسجد میں جا کر غسل کر کے کپڑے بدل لوں۔ رکشہ کر کے ایک مسجد میں گیا وہاں نہانے کا بندوبست نہ تھا۔ تو پھر دوسری مسجد میں گیا، وہاں گرم پانی بھی تھا اور نہانے کا بندوبست بھی۔ غسل کر کے کپڑے بدلے، نماز پڑھی اور واپس آیا۔ رکشے پر ہوا لگنے سے جاڑا معلوم ہونے لگا۔ دہلی میں سردی بہت پڑتی ہے۔ یہ سنتے ہی قدموں پر گر گیا کہ انھیں اللہ والوں کے وجود باجود کے صدقے میں زمین و آسمان قائم ہیں۔ اب میں باہر نکلا کہ حضرت کو گرم گرم چائے پلاؤں۔ دشواری یہ تھی کہ حضرت کسی غیر مسلم کی چائے تک نہ پیتے تھے۔ میں خود اس کا خیال رکھتا تھا لیکن اس دن سوچا کہ اس وقت حضرت کو چائے کی اشد ضرورت ہے بغیر تحقیق کے قریبی اسٹال سے دو نے پیسے دے کر خوب گرم اور عمدہ چائے بنوا کر لایا۔ چائے نوش فرمائی تو ارشاد فرمایا: کہیں سے آگ مل جاتی تو چلم بھر لی جاتی۔ میں ناشتہ دان کے ڈبے میں چند کوئلے لے کر اسی چائے والے کی دوکان پر گیا، اسی کے چولھے سے کوئلہ دہکایا اور چلم بھر کر تیار کر دی۔ اب حکم ہوا کہ پانی گندہ ہو گیا ہے، بدل دیں۔ میں نے یہ بھی کیا اس کے بعد حضرت حقہ پینے میں مشغول ہو گئے۔ اب میں نے عرض کیا حضور پہلے ہی بتا دیا ہوتا کہ غسل کرنا ہے۔ ویٹنگ روم میں نہانے کا انتظام ہے، گرم پانی بھی رہتا ہے، اگر حضور نے پہلے ہی بتایا ہوتا تو اتنی تکلیف نہ اٹھانی پڑتی۔ کیا اس دور میں عزیمت پر اس حد تک عمل کرنے کی اور کوئی مثال پیش کی جا سکتی ہے؟

تعویذ نویسی: اخیر دور میں جن لوگوں نے حضرت مفتی اعظم کی زیارت کی انھوں نے تعویذ لکھتے ہی دیکھا ہے۔ ابتدا میں ہم لوگوں کو بھی اس پر تعجب ہوا اور حیرت بھی۔ اس شغل میں حضرت کو محنت بھی بہت کرنی پڑتی اور سارا وقت اسی میں صرف ہو جاتا۔ پھر خود بھی فرماتے، تعویذ والوں نے ناک میں دم کر رکھا ہے، کسی کام کا نہیں رکھا۔ آنے والے، جانے والوں سے بات چیت بھی نہیں کر سکتا۔ مہمانوں کے پاس بیٹھ بھی نہیں سکتا۔ کبھی تعویذ والے دیر میں بارہ بجے ایک بجے دن میں آتے تو فرماتے یہ کوئی وقت تعویذ لینے کا ہے۔ حاجت مند عرض کرتے کہ فلاں کام میں پھنسا تھا۔ عورتیں عرض کرتیں: چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، کھانا پکا کر انھیں کھلا کر آئی ہوں۔ اس پر ارشاد فرماتے: اور جس کے پاس آئی ہو وہ بھوت ہے یا فرشتہ کہ نہ کھاتا ہے، نہ پیتا ہے، نہ اسے آرام کی ضرورت ہے۔ کبھی بھیڑ زیادہ ہو جاتی، بچے شور مچاتے تو جلال میں فرماتے کہ پیر بھوڑا کا میلہ بنا رکھا ہے جب۔ دیکھو چلے آ رہے ہیں۔ چلے آ رہے ہیں۔ گرمیوں میں آٹھ بجے بیٹھک میں تشریف لاتے اور کبھی کبھی دو بج جاتے مگر جب تک تمام حاضرین کو اپنی عادت کے مطابق پورا تعویذ عنایت نہ فرما لیتے دوپہر کا کھانا تناول نہ فرماتے۔ خادمہ آ کر بار بار عرض کرتی، کھانا کھا لیں مگر جب تک تمام حاجت مندوں کو تعویذ نہ دے لیتے، کھانا تناول نہ فرماتے۔

پھر حال یہ تھا کہ تین تعویذ سے کم کسی کو عنایت نہیں فرماتے۔ ایک عمر بھر پہنے رہنے کا ایک بھوت پلید آسیب وغیرہ اتارنے کا۔ ایک خاص اس مرض کا۔ مقدمے والا آتا تو ایک ٹوپی کا، ایک گلے کا، ایک حاکم کے سامنے جائے تو چٹکی میں دبانے کا۔

کس میں ہمت تھی کہ اس میں دخل دیتا۔ لیکن ہوتا یہ کہ حضرت ہیں تو تعویذ والوں کا مجمع ہے ورنہ میدان صاف۔ رات میں حضرت کہیں باہر تشریف لے گئے تو صبح کو سناٹا۔ اور پھر رات میں واپس آ گئے تو پھر وہ مجمع۔ اس کو ہم حضار نے بار بار دیکھا۔ حیرت میں رہتے کہ کس نے حاجت مندوں سے کہہ دیا کہ حضرت باہر ہیں۔ اور رات میں آئے تو کس نے بتا دیا کہ آ گئے؟ اب ہم لوگوں کو یقین ہو گیا کہ یہ من

جانب اللہ ہے۔اس نکتے پر آ کر ہم لوگ بالکل خاموش ہو گئے۔خود ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ کچھ اللہ والے اپنی کرامتوں کو دوا اور تعویذ میں چھپاتے ہیں۔اس سلسلے میں سرکار سید حمزہ مارہروی قدس سرہٗ کا واقعہ بیان فرمایا کہ ایک مریض دعا کے لیے حاضر ہوا۔حضرت نے اسے ایک دوا کا نسخہ عنایت فرمایا۔مدت کا مریض ایک خوراک میں ٹھیک ہو گیا۔حضرت نے اپنی کرامت دوا میں چھپالی۔یہی حال حضرت مفتی اعظم کا تھا کہ وہ اپنی کرامتوں کو تعویذ کے پردے میں چھپائے ہوئے تھے جس کی دلیل یہی ہے کہ یہی تعویذات بہت سے لوگ لکھتے ہیں مگر فائدہ نہیں ہوتا۔

ایک دفعہ ہم سب نے ہمت کر کے عرض کیا کہ حضور والا پریس کے پیلے کاغذ پر اپنے دست مبارک سے تعویذ لکھ دیں اسے چھپوالیا جائے تو کچھ زحمت کم ہو جائے گی۔فرمایا کون میرے لیے روشنائی لائے گا، کاغذ لائے گا پھر مجھے فرصت کہاں کہ سب تعویذیں اس کاغذ پر لکھوں؟

کچھ دنوں کے بعد پیلی بھیت جناب حافظ عمران اپنی گیارہویں شریف کی مجلس کی دعوت کے لیے حاضر ہوئے۔میں نے ان سے عرض کیا کہ میرا یہ پروگرام ہے کہ پیلے کاغذ پر تعویذات حضرت سے لکھوا کر چھپوائے جائیں۔یہاں بریلی شریف میں موقع ملنا مشکل ہے۔آپ پیلی بھیت میں ایسا انتظام کریں کہ بھیڑ جمع نہ ہو۔حضرت کو تنہائی نصیب ہو جائے انھوں نے بڑی خوشی سے اس کو منظور کیا۔

پیلی بھیت جانے سے پہلے جناب اشہر کاتب صاحب سے کاغذ بنوایا اور روشنائی اور قلم لیا اور ساتھ میں سب کچھ لے کر پیلی بھیت گئے۔دوسرے دن ایک صاحب کے مکان میں حضرت کو ٹھہرایا گیا۔میں نے کاغذ روشنائی اور قلم پیش کیا اور عرض کیا کہ حضور آج یہاں تنہائی رہے گی۔کوئی نہیں آئے گا۔سب تعویذ اس پر تحریر فرمادیں تا کہ چھپوالیے جائیں۔فرمایا رکھ دیجیے۔صبح سے عصر کے وقت تک قیام رہا مگر کوئی تعویذ اس پر نہیں لکھا۔صاحب خانہ سے گزارش کر دی گئی تھی کہ آپ کسی تعویذ کا سوال نہ کریں۔انھوں نے اس کی ہامی بھر لی۔

مگر حضرت ان سے باتیں کرنے لگے اور ایسی دلچسپ اور طویل کہ دوپہر کے کھانے کا وقت آ گیا۔حضرت استنجا کے لیے تشریف لے گئے تو صاحب خانہ نے مجھ سے کہا: مجھے چند تعویذوں کی شدید ضرورت تھی مگر آپ کے منع کرنے پر میں نے کچھ نہیں کہا۔حضرت نے اس کاغذ پر بھی تعویذ نہیں لکھے۔اب آپ کیا کہتے ہیں؟ میں نے ان سے کہہ دیا کہ اب آپ جو ضرورت ہو عرض کریں۔میں اپنے مقصد میں ناکام رہا۔

پھر تعویذوں کی طلب صرف جاننے والے پہچاننے والے ہی نہ کرتے۔بسا اوقات اجنبی انسان بلا کسی تحریک کے تعویذ مانگ بیٹھتا۔ایک دفعہ پورنیہ سے واپسی پر حاجی پور اسٹیشن پر ایک ہندو اسی ڈبے میں سوار ہوا اس نے حضرت کو دیکھا تو دیکھتا رہ گیا۔بہت دیر تک دیکھتا رہا، پھر قدم چوما اور عرض کیا۔میرا بیٹا بیمار ہے، ایک تعویذ لکھ دیجیے۔فرمایا چلتی ٹرین میں کیسے لکھوں؟ چلو سون پور میں لکھ دوں گا۔پھر سون پور اسٹیشن پر گاڑی رکی تو اسے تعویذ لکھ کر دیا۔

تعویذات کے اثرات عجیب عجیب طرح سے مرتب ہوتے جو سمجھ سے باہر تھے۔ایک دن ایک بس کنڈیکٹر آیا۔حضرت باہر تشریف لے گئے تھے۔اس نے مجھ سے کہا میں معطل ہو گیا ہوں۔دوبارہ بحالی کے لیے حضرت سے تعویذ لے گیا تھا اور آج فیصلے کی تاریخ ہے اور رات میں ایک خواب دیکھا ہے۔اس کی تعبیر حضرت سے پوچھنے آیا تھا۔اب حضرت نہیں تو آپ ہی تعبیر بتا دیجیے۔بغیر کسی وقفے کے اس نے کہنا شروع کیا۔کہ میں نے خواب دیکھا کہ ایک اجلاس ہے جس کے حاکم حضرت مفتی اعظم ہیں۔پیش کار مقدمات کی مسلیں پیش کرتا جاتا ہے۔حضرت سب پر حکم لکھتے جاتے ہیں۔پیش کار نے جب میری مسل پیش کی تو حضرت نے مسکرا کر میری طرف دیکھا اور حکم لکھے بغیر مسل رکھ دی۔اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔اس نے مجھ سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ اس خواب کی تعبیر کیا ہے۔

حضرت نہیں آپ ہی بتائیے۔ میرا اپنا یہ حال ہے کہ تعبیر بتانا تو دور کی بات ہے خواب سننے ہی سے وحشت ہوتی ہے۔ میں نے معذرت کردی کہ میں تعبیر نہیں جانتا۔ اس نے کہا: میرے ذہن میں ایک تعبیر یہ آئی ہے کہ آج اس کورٹ سے میری سزا ہوگی۔ مگر اپیل میں بے داغ باعزت بری ہو جاؤں گا۔

اس نے بعد مغرب آکر بتایا کہ ہوا یہی کہ حاکم نے سزا کردی ہے۔ میں ضمانت پر ہوں۔ مگر مجھے یقین ہے کہ اپیل میں باعزت بے داغ بری ہوں گا۔ یہ کنڈکٹر برابر آتا جاتا تھا۔ دو سال کے بعد اپیل کا فیصلہ ہوا اور وہ باعزت بے داغ بری بھی ہوا۔ ملازمت بھی بحال رہی اور تعطل کے ایام کے مشاہرہ کا بھی اس کا حق ملا۔

اسی طرح اندور میں گونڈل کے حضرات کی ایک دوکان تھی جو تقسیم ہند سے پہلے خوب چلتی تھی۔ تقسیم ہند کے بعد جب تعصب کا دور دورہ ہوا تو دوکان بالکل بند ہوگئی حتی کہ مال خراب ہونے لگا۔ سامان پر پھپھوند جم گئی۔ گھبرا کر مالک دوکان نے بیچنے کا تہیہ کرلیا اور گاہکوں سے بات چیت بھی شروع کردی تھی۔ اسی اثنا میں حضرت مفتی اعظم اندور تشریف لے گئے۔ وہ ملاقات کے لیے حاضر ہوئے۔ حضرت نے خیریت دریافت کی تو انھوں نے سارا ماجرا عرض کردیا۔ ان کی سرگزشت سن کر کچھ خاموش رہے پھر فرمایا: دوکان آپ ہرگز نہ بیچیں میں کل آپ کی دوکان میں چلوں گا۔ حسبِ ارشاد ان کی دوکان پر تشریف لے گئے۔ وہاں نماز پڑھی، کچھ وظیفہ پڑھا، پانی پر دم کرکے پوری دوکان میں چھڑکوایا اور ایک بہت خوبصورت کئی تعویذوں کا مجموعہ تعویذ دوکان میں لگانے کے لیے دیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ کچھ دنوں کے بعد ان کی دوکان پہلے کی طرح چلنے لگی۔ یہ سب تفصیلات مالکِ دوکان نے خود مجھ سے بلا واسطہ بیان کی ہیں۔ تعویذوں کے فوائد کے واقعات جمع کیے جائیں تو صرف ان سے دفتر تیار ہو جائے گا۔

میں نے یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے سنا ہے۔ ان سب پر غور کرتا رہا۔ بالآخر اس نتیجہ پر پہنچا کہ حضور مفتی اعظم من جانب اللہ اس کے مامور ہیں۔ اس میں متعدد فوائد ہیں۔ اول اب عوام میں خود غرضی بڑھ گئی ہے۔ علم وفضل زہد وورع کی طرف رغبت معدوم ہے۔ ہاں جس سے کام نکلتا ہے اس کے لوگ گرویدہ ہو جاتے ہیں اور عوام کے دین وایمان کی صیانت اسی میں ہے کہ وہ کسی دینی پیشوا سے متعلق رہیں۔ اس لیے تعویذوں کا سلسلہ ضروری تھا۔ ثانیاً خدمت خلق بہت اہم عبادت ہے۔ حدیث میں فرمایا: **خیر الناس من ینفع الناس** ۔ (کنز العمال حدیث۔ ۴۳۰۶۵، بیت الافکار الدولیہ، الریاض) سب سے اچھا وہ ہے جو لوگوں کو نفع پہنچائے۔ ایک اور حدیث یاد پڑتی ہے کہ فرمایا: اللہ عزوجل کسی بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتا ہے تو لوگوں کی حوائج کا اسے مرجع بنا دیتا ہے۔ جن جن کی مرادیں پوری ہوں گی وہ سب زندگی بھر دعاے خیر کرتے رہیں گے اور مسلمانوں کی دعاے خیر بہت عظیم نعمت ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **انتم شهداء الله فی الارض** تم لوگ زمین میں اللہ کے گواہ ہو۔ مشہور ہے زبانِ خلق کو نقارہ خدا سمجھو۔ ثالثاً حضرت مفتی اعظم کے تمام تعویذات اسماے الٰہیہ قرآنیہ کلماتِ دعائیہ پر مشتمل ہوتے، اس طرح تعویذ لکھنے میں ذکرِ الٰہی بھی ہوتا رہتا ہے۔ اس لیے کہ **القلم احدی اللسانین** تعویذ نویسی حقیقت میں ذکرِ الٰہی ہوا کرتا تھا۔

ایک مغالطے کا ازالہ: حضرت مفتی اعظم تہجد، اشراق، چاشت، اوابین وغیرہ نفل نمازوں کے عادی نہ تھے۔ نہ گھر ادا فرماتے نہ مریدوں کے گھر۔ کبھی تسبیح نہیں رکھتے اور تسبیح پر وظائف نہ پڑھتے۔ صرف فرائض واجبات، سنن پر اکتفا فرماتے اور ہر نماز کے بعد مختصر وظیفہ انگلیوں پر پڑھتے جب کہ آج کل بزرگی کا معیار نوافل کی زیادہ سے زیادہ ادائیگی اور ہر وقت ہاتھ میں تسبیح لے کر ہلاتے رہنا ہے بل کہ گلے میں بھی دو ایک پہنے رہنا ہے۔

اسی سلسلے کا ایک واقعہ یہ ہے کہ مغربی دیناج پور اسلام پور کے علاقے میں ایک شخص نے حضرت کو مدعو کیا اور بہت اہتمام کیا۔ جب حضرت آرام کے لیے لیٹے تو وہ شخص رات بھر جاگتا رہا۔ حضرت نے وہاں بھی تہجد نہیں پڑھا۔ اذانِ فجر کے بعد جب میں نے حسبِ دستور حاضر ہوکر جگایا تو اٹھے اور اپنی عادت کے مطابق اسفار کے بعد باجماعت نمازِ فجر پڑھی۔ ناشتے کے بعد ہم لوگ وہاں سے رخصت ہوگئے۔ سننے میں آیا کہ اس نے یہ کہنا شروع کیا کہ بہت مشہور تھا کہ بہت بڑے بزرگ ہیں۔ میں نے تو ان میں بزرگی کی کوئی بات نہ دیکھی انھوں نے تہجد تک نہیں پڑھا۔ وہ عتاب کا شکار ہوا۔ اس کے گھر میں آگ لگ گئی، سارا گھر اور سامان، مال ومتاع جل گیا۔ ہزاروں کے نوٹ گھر میں تھے جل کر راکھ ہوگئے۔ صرف بدن کے کپڑے بچے۔ اس تباہی سے وہ نیم پاگل ہوگیا۔ اطراف کے علما نے اسے تنبیہ کی کہ تو نے ایک عارف کامل کی شان میں گستاخی کی ہے، اسی کی سزا ہے۔ اب اسے ہوش آیا مگر کیا کرتا؟ دل ہی دل میں توبہ کی، عاجزی وزاری کی۔ اتفاق کہ سال بھر کے بعد پھر حضرت مفتی اعظم اس اطراف میں تشریف لے گئے تو اس نے حاضر ہوکر معافی مانگی اور حضرت کو پھر اپنے گھر لے گیا۔ اور مرید ہوا۔ اب وہ ایک خوشحال فرد ہے، اس قسم کے اور بھی واقعات ہوئے ہیں۔

اس سلسلے میں ایک اہم نکتہ قارئین ذہن نشین کرلیں۔ نوافل، تہجد، اشراق وغیرہ پڑھنے والے اور ہر وقت تسبیح ہاتھ میں لے کر وظیفہ کرنے والے کو اکثر خود بھی یہ خبط سوار ہوجاتا ہے کہ ہم اللہ کے ولی ہیں اور دیکھنے والے بھی بہت جلد یقین کرلیتے ہیں کہ یہ تہجد گزار اشراق کا پابند، ہر وقت اللہ اللہ کرنے والا، پہنچا ہوا ولی ہے۔

لیکن جو لوگ حضرت مفتی اعظم کی طرح فرائض واجبات، سنن، مستحبات کے ہر معاملے میں پابند اور نواہی سے بالکلیہ محترز رہتے ہیں اور غیر محسوس طریقے پر یاد الٰہی میں مصروف رہتے ہیں، وہ خود بھی عجب کے شکار ہوکر اس فریب میں گرفتار نہیں ہوتے کہ ہم اللہ کے ولی ہیں اور دوسروں کو بھی دھوکا نہیں ہوتا۔

اور وصول الی اللہ میں سب سے بڑا حجاب عجب، ریا، تکبر نفس ہے۔ عوام کا فریب سم قاتل ہے۔ اسی لیے ہمارے مشائخ قادریہ نے اس دوسرے طریقے کو اپنایا کیوں کہ اسی میں سلامتی اور منزل تک رسائی یقینی ہے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں تہجد واشراق ذکر واذکار کو اہمیت نہیں دیتا یا ان کے فضائل کا منکر ہوں۔ میں وصول الی اللہ کے دو طریقوں میں سے افضل احسن اسلم طریقے کی بات کر رہا ہوں۔

اس کو یوں حل کیجیے میں تمام یارانِ نکتہ داں سے سوال کرتا ہوں کہ حضرت مفتی اعظم نے جو طریقہ اپنایا کہ فراض وواجبات سنن مستحبات پر ہر معاملے میں پابندی، محرمات بل کہ مکروہات سے بالکلیہ اجتناب اور اپنا پورا وقت مخلوق کی حاجت روائی اور ذکرِ الٰہی اور فتویٰ نویسی اور مفتیوں کی اصلاح وتربیت اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں زندگی بسر فرمائی۔ یہ افضل ہے یا فرائض وواجبات وسنن میں تساہلی، محرمات ومکروہات کے ارتکاب میں لاابالی پن مگر تہجد اشراق ذکر اذکار میں مصروفیت اور خود کو ولی سمجھنا اور دوسرے کو ولی سمجھانا افضل ہے؟ اس کا فیصلہ قارئین پر ہے۔

روحانیت: اس سلسلے میں عوام وخواص میں بہت سے واقعات مشہور ومعروف ہیں جن کے اعادے کی ضرورت نہیں۔ میں صرف دو واقعے تحریر کر رہا ہوں جواب تک سپرد قلم نہیں ہوئے ہیں۔

ایک سال بریلی شریف کے ایک حاجی صاحب حج سے واپس آئے تو لوگوں سے دریافت کیا کہ حضرت مفتی اعظم کب حج کے لیے گئے تھے اور واپس ہوئے یا نہیں؟ لوگوں نے انھیں بتایا کہ حضرت مفتی اعظم امسال حج کے لیے نہیں گئے تھے۔ انھوں نے عیدگاہ میں

عیدالاضحیٰ کی نماز پڑھائی ہے، میں نے خود پڑھی۔ سب حاضرین نے متفق اللفظ ہوکر یہی بتایا۔ انھوں نے حیرت سے کہا: آپ لوگ کیسی باتیں کررہے ہیں۔ میں نے ان کو طواف کرتے دیکھا ہے۔ مسجد حرام میں، منیٰ میں، عرفات میں ان سے ملاقات کی ہے۔ مدینہ منورہ، مسجد نبوی میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ مواجہہ اقدس میں سلام عرض کرتے ہوئے دیکھا ہے، یہ سن کر سارے حاضرین دم بخود رہ گئے۔ لیکن سب نے پھر یہی کہا کہ تمھیں دھوکا ہوا ہوگا۔ حضرت تو امسال دولت کدہ ہی پر رہے حج کے لیے نہیں گئے تھے مگر انھوں نے پھر بتاکید کہا دھوکا کیسا؟ میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ میں نے ان سے وہاں ملاقات کی ہے۔ ان کی دست بوسی کی۔ بات چیت کی اور بلاکسی شبہ کے مسجد نبوی اور مواجہہ اقدس میں دیکھا ہے۔ اس کا عام چرچا ہوا۔ سب نے ان حاجی صاحب کو یہی بتایا کہ تم جو کہتے ہو سچ ہے مگر حضرت امسال حج کے لیے نہیں گئے تھے۔ حاجی صاحب نے خود یہ واقعہ مجھ سے بیان کیا اور بھی بہت سے لوگوں سے بیان کیا۔

یہ حاجی صاحب جب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت نے انھیں بہت پیار سے دیکھا، جاں نوازانداز میں مسکرائے اور حسب عادت ان کے قدم اور آنکھوں کو بوسے دیے۔ حاجی صاحب دم بخود بیٹھے، ٹکٹکی باندھے، حضرت کو دیکھتے رہے۔ کچھ دیر کے بعد حضرت ان سے مخاطب ہوئے اور حرمین طیبین کے حالات پوچھتے رہے اور ایک بار بڑے محبت آمیز لہجے میں فرمایا: حاجی صاحب ہر بات بیان کرنے کی نہیں ہوتی اس کا خیال رکھیے گا۔ اسی سے متاثر ہوکر یہ حاجی صاحب مرید ہوگئے۔

پہلے عرس رضوی کی ساری تقریبات درگاہ رضوی کی چھت پر ادا ہوتی تھیں جس سے اترنے کے لیے صرف ایک زینہ تھا۔ قل کے وقت بے پناہ اژدحام ہوتا تھا۔ قل ختم ہونے کے کم ازکم ایک گھنٹے بعد حضرت مفتی اعظم اوپر سے اتر پاتے تھے مگر ایک سال کے قل کے پندرہ منٹ بعد ہم بہت سے لوگوں نے دیکھا کہ حضرت نیچے تشریف لے آئے اور کاشانۂ مبارک میں تشریف لے گئے۔ میں مسجد رضوی کے دروازے پر کھڑا تھا کہ ایک صاحب نے پوچھا کہ حضرت اوپر سے تشریف لے آئے، میں نے انھیں بتایا کہ جی ہاں دولت خانے میں تشریف لے گئے ہیں۔ وہ حضرت کی بیٹھک میں تشریف لے گئے۔ مگر بیٹھک میں حضرت تشریف فرما نہ تھے۔ انھوں نے کچھ دیر انتظار کیا مگر حضرت اندر سے تشریف نہیں لائے، پھر میرے پاس آئے کہ حضرت کہاں ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ اندر کسی ضرورت سے تشریف رکھتے ہوں گے۔ ہم یہ باتیں کرہی رہے تھے کہ یہ دیکھا گیا کہ حضرت درگاہ شریف کی چھت سے نیچے تشریف لائے۔ انھوں نے مجھے گھور کر دیکھا۔ انھوں نے مجھے جھوٹا سمجھا ہوگا تو حضرت کے ساتھ بیٹھک میں چلے گئے۔ اور میں سوچتا رہ گیا کہ یہ معاملہ کیا ہے؟ بہت دیر تک میں سکتے میں کھڑا رہا۔ پھر وہ لوگ جنھوں نے پہلی بار اترتے دیکھا تھا میرے پاس آئے اور کہنے لگے: ہم لوگوں کا دماغ پھٹ جائے گا۔ یہ معاملہ کیا ہے؟ میں نے ان کو سمجھانے کے لیے کہا کہ یہ سرکار غوث اعظم کا کرم ہے کہ اپنی کرامت اپنے نائب کو عطا فرمائی۔

جوناگڑھ کاٹھیاواڑ کے حاجی محمد ابراہیم مارفانی مرحوم نے بتایا کہ مجھے کسی سے مرید ہونے کا شوق زمانے سے تھا۔ پیر کی تلاش میں رہتا۔ جس پیر کی کاٹھیاواڑ میں آمد کی خبر سنتا ان کی خدمت میں حاضر ہوتا مگر کسی سے دل نہ بھرتا۔ ایک دفعہ سوتے وقت یہ شوق والہانہ انداز میں بیدار ہوا۔ اور مجھ پر رقت طاری ہوگئی۔ روتے روتے میں نے عرض کیا کہ الٰہی مجھے کوئی پیر کامل عطا فرما۔ اسی حالت میں سوگیا۔ خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ صورت انسان دوسرے بزرگ کو دکھا کر فرماتے ہیں کہ تیرے پیر یہ ہیں۔ اچھی طرح دیکھ لے۔ حاجی ابراہیم نے بتایا کہ اس تنبیہ پر میں نے بہت غور سے ان بزرگ کو دیکھا اور ان کے حلیۂ جمال کا ہر نقش دل پر کالحجر کرلیا۔ پھر آنکھ کھل گئی۔ وہ کہتے ہیں کہ اب میں اس سوچ میں پڑ گیا کہ یہ بزرگ کون ہیں؟ کہاں کے باشندے ہیں؟ کیا نام ہے؟ کچھ پتہ نہیں۔ ڈھونڈوں تو کیسے ڈھونڈوں؟ کہاں ڈھونڈوں؟ اب میرا شوق دیوانگی کی حد تک پہونچ گیا اور پورے کاٹھیاواڑ سے مضبوط رابطہ قائم کرلیا کہ جو بھی پیر آئے مجھے خبر کرنا۔

پیرآتے رہے جاتے رہے مگر میرا پیر کوئی نہ نظر آیا۔ اجمیر مقدس حاضر ہوا وہاں بھی پوچھ پوچھ کر ہر حاضر ہونے والے پیر کو دیکھا مگر میرا قبلۂ مقصود کوئی نہ تھا۔

بال آخر یہ خبر ملی کہ حضرت مفتی اعظم دھوراجی فلاں تاریخ کو آرہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے دل میں یہ شائبہ بھی نہ تھا کہ یہی وہ بزرگ ہوں گے۔ مفتی اور پیر یہ اس وقت میری سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ لیکن چوں کہ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا معتقد تھا اس لیے اس ناطے کہ چلو ان کے وارث ان کے فرزند کی زیارت کرلوں۔ میں دھوراجی گیا۔ جب حضرت کے روئے زیبا پر نظر پڑی تو سکتہ طاری ہوگیا۔ خواب میں جسے میرا پیر بتایا گیا تھا وہ مفتی اعظم کی شکل میں میرے سامنے جلوہ گر تھا۔ کچھ حیرت واستعجاب، فرحت وانبساط کی ملی جلی کیفیت میں دم بخود کھڑا مرآۃ جمال غوث اعظم کو تکتا رہا۔ جب قویٰ قابو میں آئے تو قریب پہنچ کر قدموں میں گر پڑا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اپنے دست مبارک سے میرے سر کو پکڑ کر قدموں سے ہٹاتے رہے، فرماتے رہے، یہ کیا کر رہے ہو؟ یہ کیا کر رہے ہو؟

جب آنسو کے ساتھ طوفانِ شوق تھما تو پہلی درخواست یہی پیش کی کہ مجھے مرید فرمالیں جو بلا تاخیر قبول ہوئی۔ اس سفر میں علاقہ کاٹھیاواڑ میں حضرت مفتی اعظم کے پہلے مرید حاجی ابراہیم مارفانی مرحوم تھے۔

قابل تنقید روایات: غلو وافراط میں بہہ کر حضرت مفتی اعظم کے حالات میں بعض غلط بل کہ قابل اعتراض روایات بھی لوگوں نے لکھ دی ہیں جو کسی وقت مخالفین کی نظر میں آسکتی ہیں اور ہمیں رسوائی ہوسکتی ہے۔ اس لیے ان کی نشاندہی کرنی ضروری ہے۔

اول: تاریخ ولادت بعض سوانح نگاروں نے ۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۰ھ لکھا ہے یہ صحیح نہیں ہے خود حضرت مفتی اعظم نے اپنی تاریخ ولادت ۲۲/ ذوالحجہ ۱۳۱۰ھ بتائی ہے۔ خود حضرت مفتی اعظم سے یہ سننے والے آج بھی اتنے موجود ہیں کہ ان سب کو غلط بیان نہیں کہا جا سکتا۔ ایک شہرت یہ ہے کہ مفتی اعظم کا تاریخی نام محمد ہے اس طرح کہ سالِ ولادت ۱۸۹۲ء ہے اور یہ حذف صدی ۹۲ کا عدد آتا ہے۔ مگر قواعد اس کی تائید نہیں کرتے۔ سنہ ہجری وعیسوی میں تطابق کے جتنے قاعدے ہیں کسی قاعدے سے تطابق نہیں ہوتا۔ ہر قاعدے سے سال عیسوی ۱۸۹۳ء آتا ہے۔ نہ معلوم کیسے اسے شہرت ہوگئی۔ بہر حال ۱۸۹۲ء درست نہیں اس کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ:

الملفوظ میں اعلیٰ حضرت کا یہ ارشاد تو مذکور ہے کہ میرے بڑے بیٹے حامد رضا کا تاریخی نام محمد ہے ان کا سال ولادت ۱۲۹۲ھ ہے۔ مقام اس کا مقتضی تھا کہ اگر واقعۃً حضرت مفتی اعظم کا نام نامی محمد بھی تاریخی ہوتا تو اس کا تذکرہ بھی ضرور فرماتے خصوصاً جب کہ وہی جامع ملفوظات ہیں۔

ثانی: اس طرح کسی نے یہ اڑادیا کہ حضرت کی ولادت کے موقع پر حضرت مولانا رحم الٰہی صاحب منگلوری مرحوم نے یہ شعر تاریخِ ولادت پر مشتمل اعلیٰ حضرت کی خدمت میں عرض کیا۔

''طبیبِ دینِ احمد مجدد ابن مجدد اعظم''

اس روایت کو ہمارے ذمہ دار وغیر ذمہ دار سبھی افراد نے بلا تحقیق بیان کرنا شروع کردیا، کسی نے یہ بھی تکلیف نہیں کی کہ اس کے اعداد ہی جوڑ لیتے۔ قارئین کو حیرت ہوگی کہ اس کے اعداد ۱۳۰۶ ہیں۔ یہ روایت کسی مخالف نے گڑھی ہے۔ اس میں ایک طرف حضرت مفتی اعظم کے استاد جناب مولانا رحم الٰہی صاحب پر زد پڑتی ہے تو دوسری طرف خود اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی شخصیت مجروح ہوتی ہے۔ اسے کسی نے نہیں سوچا۔ بس اندھا دھند نقل کرنا شروع کردیا۔ ۱۳۱۰ھ تک کسی نے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کو مجدد نہیں کہا تھا۔ (چہ جائے کہ مجدد اعظم)

ثالث: اس طرح عام طور پر یہ مشہور کر دیا کہ حضرت مفتی اعظم نے پہلا حج اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے ساتھ ۱۳۲۴ھ میں کیا ہے، یہ بھی صحیح نہیں۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے ہم راہ اس حج میں خلف اکبر حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ حضرت مفتی اعظم نے پہلا حج ۱۹۴۵ء میں دوسرا ۱۹۴۸ء میں اور تیسرا ۱۹۷۱ء میں فوٹو کی قید کے بعد بلا فوٹو کیا ہے۔

رابع: صحیح یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے مرکزی دار القضا کا قاضی صرف حضرت صدر الشریعہ قدس سرہٗ کو بنایا۔ حضرت مفتی اعظم اور برہان ملت کو ان کا معین اور مفتی بنایا تھا جیسا استقامت کے مفتی اعظم نمبر میں خود حضرت برہان ملت کا تفصیلی بیان مذکور ہے مگر کچھ لوگوں نے حضرت مفتی اعظم کو قاضی لکھ دیا اور تقریروں میں بیان کرنا شروع کر دیا۔

خامس: حضرت مفتی اعظم کی بعض تصانیف کے دو دو نام ہیں۔ مثلاً الموت الاحمر کا دوسرا نام ''ہشتاد بید و بند بر مکاری دیو بند'' بھی ہے۔ کثرتِ تصانیف دکھانے کے شوق میں اسے دو کتابیں شمار کر دیا۔ اب ہم کس کا منہ پکڑیں جو یہ کہہ دے کہ حضرت مفتی اعظم کے سوانح نگار اتنے جاہل ہیں کہ انھیں یہ بھی نہیں معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی کتاب کے دو نام ہیں یا دو کتابیں۔

سادس: کسی نے فتاویٰ رضویہ جلد دوم کی ترتیب بھی حضرت مفتی اعظم کی طرف منسوب کر دی جب کہ یہ کام حضرت صدر الشریعہ قدس سرہٗ کا ہے۔ حضرت صدر الشریعہ نے خود مجھ سے بیان فرمایا:

> ''جب میں اجمیر شریف جانے لگا تو کچھ کاغذ مطبع اہل سنت میں موجود تھا میں نے جلدی جلدی فتاویٰ رضویہ جلد دوم کو مرتب کیا اور چھپوا دیا۔ عجلت میں نہ فہرست بنا سکا اور نہ فوائد لکھ سکا۔ ٹائٹل رہ گیا جسے حضرت جیلانی میاں نے چھپوا کر اس کے ساتھ لگا دیا۔''

ان لوگوں پر حیرت ہے فتاویٰ رضویہ جلد دوم کی ترتیب سے کہیں اہم و اعظم فتاویٰ رضویہ کتاب النکاح کی ترتیب اور اس کی فہرست اور اس کے فوائد ہیں۔ پھر کتابت وطباعت اتنی شاندار، دیدہ زیب، خوشنما اور عمدہ کہ آج کی فوٹو آفسیٹ کی طباعت بھی ہیچ ہے۔ کاغذ اعلیٰ چکنا ولایتی۔ میں بلا مبالغہ کہتا ہوں کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی کوئی تصنیف اتنی عمدہ اس وقت تک نہیں چھپی تھی۔ تصحیح ایسی کہ اب تک مجھے اس میں کوئی غلطی نہیں ملی۔ اسے کوئی ذکر بھی نہیں کرتا یہ کتنی قابلِ افسوس بات ہے۔

فتنۂ ارتداد: ۱۹۲۰ء بل کہ ایک دو سال پہلے سے ہندوستان سخت سیاسی کشمکش میں مبتلا تھا۔ کانگریس ہندو اور مسلمانوں کی متحدہ قوت سے انگریزوں پر ضربیں لگا رہی تھی۔ خلافت کمیٹی کے کانگریس میں انضمام کے بعد کانگریس ناقابل تسخیر قوت بن چکی تھی۔ مسلمان اپنے انجام سے بے خبر کانگریس کے دیوانہ وار شریک تھے اور مسلم لیڈران تو لیڈران علما نے آنکھ بند کر کے کانگریسی رہنماؤں کی تقلید جامد کر لی تھی حتیٰ کہ ایک عالم نے کانگریسی رہنما کے بارے میں یہ تک فرما دیا:

عمرے کہ ب آیات واحادیث رفتی و نثار بت پرستی کردی
گذشت

کسی مسلمان کو اپنے انجام کی خبر نہ تھی۔ کسی نے یہ سوچنے سمجھنے کی زحمت تک نہ کی کہ کانگریس کا مقصد کیا ہے؟ حتیٰ کہ دیو بند کے صدر مدرس مولوی محمود حسن نے بھی کانگریس کے استھان پر اپنے تقدس کی بھینٹ چڑھا دی۔

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ سے رہا نہ گیا اور سچے نائب رسول اور وقت کے مجدد ہونے کی حیثیت سے مسلمانوں کو کانگریس سے بچانے کی انتھک کوششیں کیں جن کی دلیل اس وقت کے رسائل اور اشتہارات اور اجلاس شاہد ہیں۔ واشگاف الفاظ میں مسلمانوں کو بتایا کہ

کانگریس کا مقصد تمھیں ہندوؤں کا غلام بنانا ہے۔اس وقت کے رسائل اور اشتہارات پڑھیے، آپ کو واضح غیر مبہم الفاظ میں ان سب خطروں کی نشاندہی ملے گی جو آج مسلمانوں کے مقدر بن چکے ہیں، جو مسلسل چالیس سال سے پولس ایکشن کے ذریعے مسلمانوں کے قتل عام، اموال کی لوٹ کھسوٹ اور شہری حقوق سے مسلسل محرومی کی شکل میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔

میرٹھ، ملیانہ، بھاگل پور، کرنیل گنج، نجیب آباد، بنارس وغیرہ میں جو پولس ایکشن ہوا ان سب کی آگاہی پہلے ہی دے چکے تھے۔مسلم لیگ نے تو مطالبۂ پاکستان بہت بعد میں کیا۔اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے برسوں پہلے اس کا اشارہ کردیا اور اس کے مضر اثرات بیان فرمادیے، اس سلسلے میں حضرت مفتی اعظم والد ماجد کے دوش بدوش رہے۔اس سلسلے کی مفتی اعظم کی تصنیفات طرق الہدیٰ والارشاد وغیرہ کا مطالعہ کریں تو آپ لوگوں کو سب کچھ معلوم ہوجائے گا۔

نام نہاد مسلمان اتنے اندھے بہرے ہو چکے تھے کہ ایک انتہائی بد باطن کانگریسی لیڈر کو جامع مسجد کے منبر پر بٹھایا اور اس سے بھاشن دلوایا۔انگریز کانگریس کے اس زور وشور سے گھبرا اٹھا تھا۔ایک بہانے سے اسی لیڈر کو گرفتار کیا اور جیل میں لے جاکر شیشے میں اتارا اور پھر رہا کردیا۔اس نے جیل سے نکل کر مسلمانوں کو ہندو بنانے کی تحریک شدھی سنگھٹن کی تحریک چلائی۔ہندو پونجی پتیوں نے اپنی تجوریوں کے منہ کھول دیے۔وہ بڑے ساز وسامان کے ساتھ مسلمانوں کو ہندو بنانے کے لیے نکلا۔عمدہ سے عمدہ باجے، اچھے سے اچھے گانے والی خوبصورت پری پیکر لڑکیوں کے جھنڈ کے ساتھ گھومنے پھرنے لگا۔

اس وقت کی مسلمانوں کی ساری تنظیمیں خاموش تھیں۔تمام خانقاہوں پر جمود طاری تھا۔سارے مسلمانوں کے مقتدا بننے والے چپ سادھے تھے۔مگر مجدد اعظم کے وارث علم وفضل حضرت مفتی اعظم سے رہا نہ گیا۔تن بہ تقدیر یکّا وتنہا چند اپنے رفقا کو لے کر اس طوفان کا مقابلہ کرنے کے لیے نکل پڑے۔چوں کہ اس فتنے کا زور نواحِ آگرہ میں بہت تھا اس لیے آگرہ کو مرکز بنا کر دیہاتوں کا پیادہ دورہ شروع کردیا۔جب اطلاع ملتی کہ وہ لیڈر فلاں جگہ گیا ہے، وہیں پہنچ جاتے۔جگہ جگہ اس کا پیچھا کرتے اور ساتھ ہی ساتھ بطور حفظ ماتقدم ان دیہاتوں میں بھی تشریف لے جاتے جہاں ابھی اس کا گزر نہیں ہوا تھا۔ایک دو دن نہیں برسہا برس اس میں مصروف رہے۔گرمی ہو یا جاڑا ہو برسات ہو کسی کی پرواہ نہیں کی۔ناز ونعمت میں پلا ہوا ایک رئیس شہزادہ جو کبھی چند قدم پیدل نہ چلا ہو،میلوں پیدل چل رہا ہے۔جاڑوں کی برفیلی ہوائیں، گرمیوں کے لُو کے جھکڑ سب کچھ سہتا ہے۔بے پڑھے لکھے، سیدھے سادے مسلمانوں کے ایمان کی حفاظت کے لیے جہد مسلسل میں مصروف ہے۔پھولوں کی سیج پر سونے والا شہزادہ زمین کے فرش پر سو رہا ہے۔نہ کھانے کی پرواہ، نہ آرام کا خیال، دھن ہے تو یہ ہے کہ جس طرح ہو مسلمانوں کے ایمان کو بچایا جائے۔کیا راہِ خدا میں اس قسم کے جہاد مسلسل کی اس دور میں اور کوئی مثال پیش کی جاسکتی ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ حضرت مفتی اعظم کا اس ہولناک فتنۂ ارتداد کے مقابلے کا کارنامہ تاریخِ اسلام کا وہ زریں باب ہے جو ہمیشہ درخشاں رہے گا۔افسوس یہ ہے کہ اس کی تفاصیل آج مل نہیں سکتیں ورنہ دنیا انگشت بدنداں رہ جاتی۔

صرف ایک واقعہ سن لیں، اطلاع ملی کہ آگرہ سے بیس میل کے فاصلہ پر فلاں گاؤں میں اس فتنہ پرور کا پاؤں جم گیا ہے اور وہاں کے مسلمان کچھ لالچ اور کچھ خوف کی وجہ سے مرتد ہونے کے لیے آمادہ ہو رہے ہیں۔اطلاع ملتے ہی حضرت شیر بیشۂ اہل سنت مولانا حشمت علی خاں رحمۃ اللہ علیہ اور ایک اور رفیق کو لے کر آگرہ سے چلے۔جہاں تک ریل تھی، ریل سے گئے اسٹیشن سے پانچ میل دور وہ گاؤں تھا اور کوئی سواری نہیں تھی۔یہ لوگ تیزی سے پیدل وہاں پہنچے۔جاکر دیکھا کہ ایک مجمع اکٹھا ہے، آگ جل رہی ہے، گانا دھوم سے ہو رہا ہے، متعدد حلوائی کڑھائیوں میں پوریاں چھان رہے ہیں اور کئی نائی استرہ قینچی لیے بیٹھے ہیں۔ایک تخت پر وہ فتنہ پرداز بیٹھا ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ مجمع ان سب مسلمانوں کا ہے جو مرتد ہونے پر راضی ہیں اور انھیں ہندو بنانے کے لیے یہ جشن ہو رہا ہے۔

یہ لوگ کسی خطرے کی پرواہ کیے بغیر مجمع کو چیرتے پھاڑتے اس فتنہ پرور کے پاس پہنچے۔ اس سے کہا کہ آؤ مناظرہ کرلو۔ اس نے صاف انکار کردیا اور کہا کہ یہ لوگ ہندو ہونے پر راضی ہیں، اب مناظرے کی ضرورت نہیں۔ اس پر حضرت شیر بیشۂ اہل سنت نے مجمع کے سامنے اسلام کی حقانیت اور بت پرستی کی تردید میں تقریر کی مگر مجمع پر کوئی اثر نہ ہوا۔

حضرت مفتی اعظم کی غیرت ملی جوش پر آگئی۔ شیر بیشۂ اہل سنت سے فرمایا: کہ مجمع والوں سے کہیے کہ یہ پنڈت مناظرے پر آمادہ نہیں۔ تم لوگ ہماری بات نہیں مانتے تو تم سب لوگ اس پنڈت سے کہو کہ میرے ساتھ اپنی اس جلائی ہوئی آگ میں کود دے۔ جو آگ سے زندہ بچ کر نکل آئے تم لوگ اس کا دین قبول کرلو۔ حضرت شیر بیشۂ اہل سنت نے پوری گھن گرج کے ساتھ حضرت مفتی اعظم کے اس ارشاد کو ان دیہاتیوں تک پہنچادیا۔ اس کے بعد ایک جوش و سرمستی کے ساتھ حضرت مفتی اعظم ہند بڑھ کر اس لیڈر کے تخت پر چڑھ گئے اس کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: چل ہم دونوں اس آگ میں کود یں۔ ہیبتِ حق سے وہ تھر تھر کانپنے لگا اور مبہوت دم بخود رہ گیا۔

حضرت مفتی اعظم نے جوش میں آکر اسے گھسیٹنا شروع کیا مگر وہ بہت موٹا تھا۔ ٹس سے مس نہ ہوا۔ کچھ دیر تک یہی ہوتا رہا۔ گانے والے گانا بھول گئے۔ حلوائیوں نے پوریاں چھاننی چھوڑ دیں۔ سارا مجمع ساکت و جامد دیکھتا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس مجمع میں جو مکھیا وغیرہ قسم کے تھے، تخت کے قریب آئے اور کہا: مولوی جی اسے چھوڑ دو۔ اب ہماری سمجھ میں آگیا کہ تمھارا مذہب حق ہے اور اس کا دھرم باطل۔ ورنہ یہ آگ میں جانے سے نہ ڈرتا۔ اس کے بعد حضرت مفتی اعظم کے ہاتھوں پر سب نے توبہ کی، کلمہ پڑھا اور سچے پکے مسلمان ہو گئے۔ حضرت شیر بیشۂ سنت نے وہیں اپنے انداز میں خطبہ پڑھا، نعت پڑھی اور تقریر فرمائی۔ اب مجھے کہنے دیجیے۔

اولئک آبائی فجئنی بمثلھم اذا جمعتنا یا جریرالمجامع
بس رہے تھے یہیں سلجوقی بھی تورانی بھی اہل چین چین میں ایران میں ایرانی بھی
پر ترے نام پہ تلوار اٹھائی کس نے بات جو بگڑی ہوئی تھی وہ بنائی کس نے

قبول فی الخلق

قبول فی الخلق اللہ عزوجل کا ایک عظیم عطیہ ہے جو وہ اپنے محبوبان بارگاہ کو عطا فرماتا ہے۔ ارشاد ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَھُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا (سورۂ مریم، آیت ۹۶) جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے رحمن ان کے لیے لوگوں کے دلوں میں محبت پیدا فرمادے گا۔

اس کے علاوہ ارشاد ہے۔

لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ۔ (سورۂ یونس ۱۰/ ۶۴) ''ان کے لیے دنیا کی زندگی اور آخرت میں بشریٰ ہے۔''

حضرت امام رازی نے فرمایا کہ بشریٰ سے مراد قبول فی الخلق ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ قبول فی الخلق اولیاے کرام ہی کے ساتھ خاص نہیں۔ بہت سے عوام بل کہ فساق بل کہ کفار و مشرکین تک کو حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ محبوبانِ بارگاہ کو جو قبول عام عطا ہوتا ہے اس میں اور فساق و فجّار کے قبول عام میں کوئی ما بہ الامتیاز خط فاصل ہو۔

اہل معرفت نے فرمایا کہ قبول فی الخلق کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ عوام سے شروع ہو اور عوام ہی تک محدود رہے۔ یا عوام کے بعد

کچھ خواص میں بھی پیدا ہو جائے۔ یہ مقبولیت عند اللہ مقبول ہونے کی قطعی دلیل نہیں۔ یہی وہ مقبولیت ہے جو عوام کالانعام فساق فجار کفار کو بھی حاصل ہوتی ہے۔

دوسری وہ خواص سے شروع ہو اور پھر ان کے ذریعہ عوام تک پہنچے۔ یہ یقیناً حتماً اللہ عزوجل کی بارگاہ قدس میں مقبول ہونے کی دلیل ہے۔ اس کی تائید حدیث صحیح سے بھی ہوتی ہے۔ ارشاد ہے: اللہ عزوجل جب کسی بندے سے محبت فرماتا ہے تو اس سے حضرت جبریل کو آگاہ فرماتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ تم بھی اس بندے سے محبت کرو۔ پھر تمام آسمان والوں کے دل میں اس بندے کی محبت ڈال دیتا ہے۔ پھر حکم دیتا ہے زمین والوں میں ندا کر دو۔ یہ میرا محبوب بندہ ہے، سب اس سے محبت کریں۔ اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ پھر زمین والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔

ظاہر ہے باشندگان ملأ اعلیٰ اور حضرت جبریل خواص ہی ہیں، علاوہ ازیں حضرت جبریل ملک مقرب ہیں۔ اس لیے ان کی ندا جس سے مراد القافی القلب ہے اور جبریل امین کا یہ القا خواص ہی کے قلوب میں ہوگا۔ مفتی اعظم کے قبول فی الخلق کے دو منظر میں نے دیکھے

ایک ۱۳۸۱ھ سے پہلے کا دوسرا اس کے بعد کا۔ یہ خادم شوال ۱۳۵۶ھ میں خدمت اقدس میں خود حضرت کے ارشاد پر آستانۂ عالیہ پر دارالعلوم مظہر اسلام کی تدریسی خدمت کے لیے حاضر ہوا۔ اس وقت حضرت کی مقبولیت صرف خواص تک محدود تھی۔ عوام میں وہ ہر دلعزیزی نہ تھی جو اس کے چند سالوں کے بعد پیدا ہوئی اور دن بدن بڑھتی چلی گئی۔ رہ گئے خواص تو بلا استثنا تمام خواص حضرت مفتی اعظم کے مقتدائے انام ہونے کے دل سے معترف تھے۔ خواص کا ایک ایک فرد حضرت مفتی اعظم کو وقت کا سب سے بڑا عالم، سب سے بڑا مفتی، سب سے بڑا فقیہ، سب سے بڑا وارث نبی، سب سے بڑا عارف، سب سے بڑا حق آگاہ، سب سے بڑا ولی مانتا تھا۔

مگر اس کے باوجود عوام کا رابطہ بہت کم تھا اسی لیے سفر برائے نام تھے اور سفر میں بھی عوام کا رجوع برائے نام تھا۔ آپ لوگوں کو حیرت ہوگی کہ اس سال صرف ایک سفر فرمایا۔

بھروچ گجرات میں جماعت رضائے مصطفیٰ کی ایک بہت اہم تاریخی کانفرنس تھی جس میں شرکت کے لیے تشریف لے گئے اور پھر وہاں سے جبل پور عرس سلامی میں شرکت کے لیے گئے اس وقت تک مریدین کی گنتی کی جائے تو افسوسناک حد تک کم ہوگی۔

لیکن ۱۳۸۱ھ کے بعد خواص کے ساتھ ساتھ عوام کا رجوع عام ایسا بڑھا کہ عقل دنگ رہ گئی۔ معلوم یہ ہوتا کہ حضرت مفتی اعظم ایک شمع ہیں جس پر نثار ہونے کے لیے پوری دنیائے سنّیت پروانہ وار ٹوٹی پڑتی ہے۔ جس کا نظارہ پوری دنیا نے بارہا کیا ہے کہ حضرت مفتی اعظم ''محبوبیت عظمیٰ'' کے اس عظیم منصب پر مسند نشین ہیں جن کی محبت وعقیدت ہر سنّی کے دل کی دھڑکن بن چکی ہے۔

☆☆☆☆☆

مفتی اعظم اور علوم عقلیہ

مولانا مفتی شبیر حسن رضوی مصباحی
استاذ الجامعۃ الاسلامیہ، روناہی، فیض آباد

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کا فقہ وفتاویٰ میں کتنا بلند مقام ہے، اربابِ علم ودانش پر مخفی نہیں۔ دنیا انھیں مفتی اعظم کے نام وتشخص سے جانتی پہچانتی ہے اور جس طرح سے وہ فقہ وفتاویٰ میں مہارت کاملہ رکھتے تھے کہ وہ اپنے زمانے میں بے مثل فقیہ ومفتی اعظم تھے۔ فقہی جزئیات ادلہ کے ساتھ نوک زبان رہتی تھیں۔ اسی طرح علم حدیث میں بھی آپ کا پایہ بہت بلند تھا کیوں کہ یہ بات مسلم ہے کہ علم حدیث میں مہارت تامہ فقہ وفتاویٰ پر کامل عبور رکھنے کے بعد حاصل ہوتی ہے اور فقہ وفتاویٰ میں مہارت تامہ جملہ علوم عقلیہ میں دسترس ومہارت سے حاصل ہوتی ہے۔ تو گویا حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان جملہ مروجہ شرعی وعقلی علوم وفنون میں دسترس تام ومہارت کاملہ رکھتے تھے۔

کسی علم وفن میں دسترس کا ہونا اور بات ہے اور اس سے شغل واشتغال رکھنا دوسری بات ہے۔ امام الکل فی الکل امام احمد رضا قدس سرہٗ جملہ علوم عقلیہ ونقلیہ کے امام تھے لیکن جو انھیں علوم نقلیہ، فقہ وفتاویٰ سے شغل واشتغال تھا وہ دیگر علوم سے نہیں تھا۔ پھر بھی بہت سے علوم عقلیہ میں کتابیں ارقام فرمائی ہیں۔ ان کتب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑے بڑے روٴسائے فن امام موصوف کے سامنے ہیچ نظر آتے ہیں۔

الولد سر لابیہ۔ مفتی اعظم جملہ علوم وفنون میں دسترس ومہارت تامہ وکاملہ رکھتے تھے۔ یہ محض عقیدت ہی نہیں ہے بل کہ حقیقت کا اظہار وبیان ہے۔ فقیر کی نگاہ سے کوئی مستقل کتاب معقولات میں حضرت موصوف کی نہیں گزری لیکن ان کی بعض تصانیف کے مطالعہ سے اذعان ویقین ہوجاتا ہے کہ حضرت موصوف گرامی کو علوم عقلیہ میں دسترس تام وقدرت عام حاصل تھی۔ حضرت کی تصانیف منیفہ وقعات السنان، ادخال السنان، الموت الاحمر وغیرہ کے مطالعہ سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ حضرت علوم عقلیہ کے امام اور ان کے ماہر کامل تھے۔ ایسے ایسے ایرادات اور ایسی گرفتیں فرمائی ہیں کہ تھانوی صاحب کو بے زبان کردیا ہے۔ ان پر اور ان کے حواریوں پر ایسا جمود وتعطل طاری ہوا کہ آج تک لاجواب رہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ تا قیامت لاجواب رہیں گے۔ اربابِ تحقیق مذکورہ کتب کا مطالعہ کریں تو میرے بیان کی تصدیق ضرور کریں گے۔ الموت الاحمر حضرت موصوف گرامی کی کتاب مستطاب کفر لزومی والتزامی کے بیان میں ہے۔ اور کفر لزومی والتزامی وکفر فقہی وکلامی میں فرق وتفاوت ہے۔ صاحب تقویۃ الایمان کے کفریات سب کفر لزومی وفقہی ہیں اور صاحب براہین قاطعہ وصاحب تحذیر الناس وصاحب حفظ الایمان وغیرہ کے کفریات التزامی وکلامی ہیں۔ اور لزومی وفقہی پر حضرات فقہائے کرام تکفیر کرتے ہیں اور حضرات متکلمین عظام تکفیر نہیں کرتے اور امام احمد رضا قدس سرہٗ نے صاحب تقویۃ الایمان کے

کفریات بوجوہ کثیرہ ثابت کرنے کے بعد بھی تکفیر قطعی نہیں فرمائی ہے اور فقہا کے نزدیک کافر بتایا ہے اور صاحب براہین قاطعہ وتحذیر الناس وغیرہما کی تکفیر قطعی فرمائی ہے۔

اور امام احمد رضا قدس سرہٗ نے کتاب لاجواب ومستطاب ''المعتمد المستند'' شریف میں ارشاد فرمایا کہ نبوت کا محض امکان ذاتی ماننے پر کافر نہ کہیں گے۔ ہاں خاتم النبیین دو ہونا محال بالذات ہے یعنی جس کے سبب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مثل محال بالذات ہے۔اس پر اغیار کو شبہ واعتراض تھا کہ اس مسئلہ پر دیوبندیوں کی کیوں تکفیر کی گئی؟ انھیں دو مسئلوں سے متعلق شیخ الاسلام والمسلمین سیدنا مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان نے ۱۳۳۷ھ میں ''الموت الاحمر'' تصنیف فرمائی جس کا پورا تاریخی نام ''الموت الاحمر علی کل انحس اکفر'' ہے اور تاریخی لقب ''ہشاد بید وبند بر مکاری دیوبند'' ہے اسی کتاب مستطاب میں علوم عقلیہ میں جولانیت دکھاتے ہوئے اغیار کے شکوک وشبہات واہیہ کا ازہاق وابطال فرمایا ہے۔ اور ایسا دقیق کلام فرمایا ہے کہ علوم عقلیہ میں بڑے بڑے شغل واشغال رکھنے والے ماہرین دنگ رہ جاتے ہیں۔ صاحب تحذیر وتھانوی معنوی کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں یہ تو بدیہی ہے کہ اس تقدیر پر کہ بعد زمانہ نبوی علی صاحبہ الصلاۃ والسلام بھی کوئی نبی پیدا ہو، ختم زمانی باطل ہو جائے گا۔ کہ وہ تو یہی تھا کہ آپ سب میں آخری نبی ہیں (تحذیر الناس صفحہ ۲) اور جب حضور کے بعد اور نبی پیدا ہو تو سب میں آخری نبی کب رہیں گے۔ کہ ان سے آخر اور ہوا۔ غرض اس سے ختم زمانی کا انتفا بدیہی اور اس کے انتفا سے نانوتوی صاحب کا ساختہ ختم ذاتی بھی ختم کہ اسے ختم زمانی لازم تھا۔ تحذیر الناس صفحہ ۹ ختم نبوت بمعنی معروض کو تاخر زمانی لازم ہے اور لازم کے انتفا سے ملزوم کا انتفا لازم تو نہ ختم زمانی رہا نہ ذاتی بچا۔ سب فنا اور خاتمیت بجا اس میں کچھ خلل نہ آیا یہ کیسا شدید کفر ہے اور کتنی ڈھٹائی کے ساتھ دیوبندی تعصب وعناد کے مارے ہوئے ہیں؟

تھانوی صاحب آپ تو اب طالب تحقیق ہیں۔ ضرور اس پر غور کریں گے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل ان کے بدگویوں کی حمایت نہ لیں گے۔ سادساً یہاں آپ اپنی سمجھ قاصر رہنے پر اللہ کو گواہ کر رہے ہیں۔ اس شدید قسم کی حاجت نہ تھی۔ اکابر دیوبند تو اسے سمجھے نہیں۔ آپ کیا سمجھتے؟ اب سمجھیے اور بہ لباس باطن نہ سمجھ سکیں تو تھانوی صاحب ظاہری بن کر سمجھیے۔ تعدد امکان، امکان تعدد نہیں۔ جیسے اجتماع امکانات، امکان اجتماع نہیں۔ حصول فردیت ہر تشخص سے ممکن اور تعدد محال بالذات ممکن کے وجود وعدم دونوں ہر وقت ممکن اور اجتماع محال بالذات ہر تضاد میں دونوں ضدیں ہمیشہ ممکن کہ ممکن کبھی محال نہیں ہو سکتا ورنہ انقلاب مواد لازم آئے گا اور اجتماع محال، جو وقت لیجیے اس میں رات ودن دونوں ممکن اور دونوں ہوں یہ محال ہے۔ اس کی نظیر شرعیات میں حل للازواج ہے۔ عورت ہر نامحرم کے لیے حلال اور اجتماع شرعاً محال تو اس امکان ذاتی سے امکان تعدد خاتم سمجھنا کیسا باطل خیال۔ اتنی نافہمی کے بعد اس کی کیا شکایت کہ سب اس عالم سے ایک ہی وقت میں تشریف لے جائیں تو سب خاتم ہوں گے —— ایک بھی نہ ہوگا کہ خاتم کا معنی باقرار تحذیر الناس صفحہ ۲ یہ ہے کہ سب میں آخری نبی، جب دس بیس ایک ساتھ ہوئے تو سب میں آخر ایک بھی نہ ہوا۔ اور حضرت موصوف گرامی علیہ الرحمۃ والرضوان تعدد امکان، امکان تعدد پر تحشیہ فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں جس چیز میں تعدد محال ہے اور علی سبیل البدلیت دو یا سو کا احتمال ہے وہاں تعدد امکان ہوا یعنی متعدد احتمالات ممکن ہیں مگر امکان تعدد نا ممکن، کہ مفروض یہ ہے کہ اس شی میں تعدد محال ہے۔

یہ ہیں چند سطور جو کتاب مستطاب الموت الاحمر سے ہدیۂ ناظرین کر دی گئی ہیں اور اسی قسم کے مباحث جلیلہ پر پوری کتاب مشتمل ہے۔ اس عبارت رشیقہ بدیعہ کے دیکھنے کے بعد ہر ذی علم پر روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گا کہ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ

والرضوان کو کس قدر علوم عقلیہ میں دسترس وقدرت حاصل تھی۔

یہ ایسے مباحث دقیقہ ہیں کہ عصر حاضر میں ان کی شرح وتفسیر کی ضرورت ہے۔اس فقیر نے اپنے استاذ گرامی حضرت بحر العلوم جامع علوم عقلیہ ونقلیہ مفتی عبد المنان صاحب قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ کی خدمت بابرکت میں ضلع بستی کے ایک جلسہ میں عرض کی کہ کتاب مستطاب الموت الاحمر کی مذکورہ عبارت تعددِ امکان، امکان تعدد کو سمجھا دیا جائے اوراس کی تشریح فرمادی جائے تو حضرت استاذ محترم دام ظلہ العالی نے افہام وتفہیم فرمایا اور فرمایا کہ ارے بھائی حضرت تو لکھ کر چلے گئے اوراس زمانے میں مذکورہ کتاب کی شرح کی ضرورت ہے۔خدا کرے کہ کوئی اللہ تعالیٰ کا مخصوص بندہ تیار ہوجائے اور حضرت کی عبارات غامضہ کی شرح وتشریح وتفسیر کردے۔آمین۔

اور کیوں نہ ایسا ہوتا کہ ہمارے شیخ طریقت، شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان جملہ علوم وفنون و جملہ علوم عقلیہ ونقلیہ کے جامع ہوں۔حضرت بابرکت کی شخصیت ان نفوس قدسیہ سے تھی کہ جن نفوس قدسیہ کے بارے میں ارشاد نبوی ہے''**اذا احب اللّٰہ عبدا علمه من غیر تعلم**'' یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اپنا محبوب بنالیتا ہے تو اسے بے پڑھے اور بغیر تعلم کے علم عطا فرمادیتا ہے اوراس کا قلب ایسا متجلی وروشن ہوجاتا ہے کہ اس پر بہ کرم علام الغیوب علوم وفنون عیاں ہوتے چلے جاتے ہیں۔حدیث پاک میں کسی علم کی کوئی تخصیص نہیں فرمائی گئی ہے خواہ وہ علوم عقلیہ ہوں یا نقلیہ ہوں۔مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کو جملہ علوم خواہ علوم عقلیہ ہوں یا نقلیہ، حاصل تھے اور جملہ علوم وفنون میں دسترس تام وقدرت عام رکھتے تھے اور ظاہری اعتبار سے انھوں نے ۱۸؍سال کی عمر مبارک میں تقریباً چالیس علوم وفنون حاصل کرکے سند فراغت حاصل فرمائی اور فراغت کے بعد جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف ہی میں مسند درس وتدریس کو زینت بخشی اور تقریباً تیس سال تک علوم ومعارف کے موتی لٹائے اور آپ نے جملہ علوم وفنون اپنے والد ماجد امام الکل فی الکل سیدنا احمد رضا قدس سرہٗ العزیز اور اپنے برادر کبیر حجۃ الاسلام سیدنا شاہ حضرت علامہ محمد حامد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان اور استاذ الاساتذہ حضرت علامہ شاہ رحم الٰہی منگلوری اور شیخ العلما حضرت علامہ شاہ سید بشیر احمد علی گڑھی اور شمس العلما علامہ ظہور الحسین فاروقی رام پوری سے حاصل فرمائے۔حضرت موصوف گرامی کے اساتذۂ کرام کی مذکورہ فہرست سے بھی روشن وعیاں ہے کہ وہ جملہ علوم وفنون کے عالم وماہر وکامل تھے۔اوران کی تصانیف منیفہ ان کی مہارت کاملہ پر شاہد عدل ہیں۔

☆☆☆☆☆

حضور مفتی اعظم اور اذانِ خطبہ

مولانا مفتی عبدالحق رضوی مصباحی
استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

مفتی اعظم ،شہزادۂ اعلیٰ حضرت ،تاجدار اہل سنت ،مولانا شاہ مصطفی رضا خاں ،قادری نوری قدس سرہٗ العزیز کی ذات گرامی ان نفوس قدسیہ میں سے ہے جن کی علمی شوکت وجلالت ،عظمت و بزرگی ،تقویٰ وطہارت کا اعتراف اپنے تو اپنے بیگانے بھی کرتے ہیں اور آپ کے فضائل وکمالات ،علم وتقویٰ کا ڈنکا سارے عالم میں بج رہا ہے۔

الحمدللہ میری زندگی کے انتہائی مبارک ومسعود وہ ایام تھے کہ اس حقیر کو اپنے مرشد گرامی شہزادۂ اعلیٰ حضرت کی معیت میں کامل دس شب وروز رہنے کا اتفاق ہوا۔اور بہت قریب سے آپ کے معمولات دیکھنے اور ارشادات سننے کا موقع ملا۔ بلاشبہہ آپ کی پوری زندگی شریعت وسنت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی۔

میں نے اپنی زندگی میں جن چند بزرگوں کی زیارت کی اور ان کے ساتھ زندگی کے کچھ قیمتی لمحات گزارے ہیں اور جن کی ولایت و بزرگی کی قسم کھائی جاسکتی ہے اس مبارک جماعت اولیا کے سرخیل وسردار ،سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان تھے۔

اپنے دور کے علما ومشائخ میں بلاشبہہ آپ کی ذات ملجاے خواص وعوام اور مرجع اصاغر واکابر تھی۔

بخاری ومسلم میں صاحب اسرار حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ، سے مروی ہے کہ ہم لوگ امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے پاس تھے۔حضرت عمر نے مجھ سے اور مجلس میں موجود دیگر صحابۂ کرام سے پوچھا کہ ’’فتنے‘‘ کے تعلق سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کس کو یاد ہے؟ تو حضرت حذیفہ نے عرض کیا مجھے زیادہ یاد ہے؟ اس کے بعد کچھ فتنوں کا آپ نے تذکرہ کیا۔ حضرت عمر نے فرمایا: فتنوں سے ہماری مراد وہ فتنے نہیں جو آپ بیان فرمارہے ہیں بل کہ میری مراد وہ فتنے ہیں’’**التی تموج کموج البحر**‘‘یعنی جو سمندر کی طرح موجیں ماریں گے تو حضرت حذیفہ نے عرض کیا کہ آپ کو کیا ضرورت ہے کہ ان فتنوں کے بارے میں سوال کی زحمت فرمائیں؟ آپ کے اور ان فتنوں کے درمیان دروازہ بند ہے۔ فاروق اعظم نے پوچھا دروازہ توڑا جائے گا یا کھولا جائے گا ؟ تو حضرت حذیفہ نے کہا نہیں بل کہ توڑا جائے گا۔تو اس پر فاروق اعظم نے کہا کہ تب تو فتنوں کا دروازہ کبھی بند نہ ہوسکے گا۔

حضرت مسروق نے حذیفہ بن یمان سے دروازے کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا وہ دروازہ عمر بن خطاب ہیں۔

تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے والوں پر روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ امیر المومنین فاروق اعظم عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کی ذات والا صفات اسلام اور مسلمانوں کی نصرت وحمایت اور حفاظت وصیانت کے لیے ایک عظیم سپر اور چٹان تھی اور دورِ فاروقی اسلام اور مسلمانوں کی شوکت وعروج کا انتہائی روشن وزریں دور تھا جس کی اقوام وملل کی تاریخ میں شاید ہی کوئی مثال مل سکے۔لیکن فاروق اعظم کی شہادت کے بعد سے بتدریج فتنوں کا جو دروازہ کھلا ہے وہ آج تک بند نہ ہوسکا۔

جن حضرات کے سامنے سواد اعظم اہل سنت و جماعت کے ماضی قریب کے تقریباً نصف صدی کے حالات ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ سرکار مفتی اعظم، تاجدار اہل سنت کی ذات گرامی بلا شبہ جماعت اہل سنت کے لیے ایسی بافیض اور بابرکت ذات تھی کہ آپ کی حیات تک جماعتی تمام فتنوں کا دروازہ بند تھا۔ آپ کے دور کے اصاغر ہوں یا اکابر، عوام ہوں یا خواص کسی کے اندر یہ جرأت نہیں تھی کہ علم بغاوت بلند کر سکے، جس سے جماعت میں افتراق وانتشار ہو اور اپنے لوگ مختلف گروپوں میں بٹ جائیں۔

اہم سے اہم فقہی، دینی، ملی مسائل میں آپ کا ارشاد سند کا درجہ رکھتا تھا اور آپ کا حکم حرف آخر ہوتا تھا۔

یقیناً حضور مفتی اعظم نور اللہ مرقدہٗ کی ذات، جماعت اہل سنت کی شیرازہ بندی اور فتنوں سے تحفظ فراہم کرنے میں فاروق اعظم عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پرتو اور عکس جمیل تھی اور ماضی قریب کے علما اور مشائخ میں تاجدار اہل سنّت کا مبارک لقب آپ ہی کے فرقِ اقدس پر زیب دیتا ہے اور آپ کی ذات بابرکت کے سوا دوسرے لوگوں کے لیے اس مبارک لقب کا استعمال، لفظ کا بے جا استعمال اور زیادتی محسوس ہوتی ہے۔

ناشر سنّیت، محب رضویت الحاج محمد سعید نوری صاحب زید مجدہم کے ممنون ہیں کہ انھوں نے مرشد برحق، تاجدار اہل سنت پر مضمون لکھنے کی دعوت دے کر احسان فرمایا حالاں کہ ہم غلاموں پر تو ویسے ہی لازم وضروری تھا کہ سرکار مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ایک ایک حلیہ جمال اور آپ کے فضل وکمال کو جہاں تک ہو سکے، امت مسلمہ کے سامنے پیش کریں تاکہ مسلمانوں کی ہدایت ورہنمائی کا کام انجام پا سکے اور قوم مسلم بارگاہِ سرکار مفتی اعظم سے مسلسل اکتساب فیض کرتی رہے۔

احیاے سنت اور خانوادۂ اعلیٰ حضرت :

اذان خطبہ کا صحیح محل ومقام کیا ہے: اعلیٰ حضرت، مجدد اعظم امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ عنہ سے اس کا استفتا ہوا۔ آپ نے اپنی تحقیق کے موافق جواب دیا۔ یہ اذان مسجد میں مکروہ اور سنت کے خلاف ہے۔ بہت سے دیگر مسائل کی طرح اس مسئلے میں بھی علماے دیوبند نے اعلیٰ حضرت کے خلاف کیا، علماے اہل سنت میں بھی متعدد لوگوں نے آپ کی مخالفت کی۔ خاص طور سے علما بدایوں اور علماے رام پور سے اذان خطبہ کے معاملے میں شدید ٹکراؤ رہا۔ علماے بدایوں نے اذان خطبہ کے مسئلے کو اپنی عزت ووقار کا مسئلہ بنا لیا۔ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ العزیز کا موقف اس قدر مدلل اور مستحکم تھا کہ آپ کے دلائل کے سامنے مخالفین کے شبہات کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ اس سے زچ ہو کر مخالفین خاص طور سے علماے بدایوں نے آپ کو تکلیف پہونچانے میں حتی المقدور کوئی کمی نہیں اٹھا رکھی۔ جہاں تک میری معلومات ہے، اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کی پوری زندگی میں جتنی تکلیف علماے بدایوں نے پہونچانے کی کوشش کی ہے اتنی تکلیف شاید کسی نے بھی نہ پہونچائی ہو۔ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ العزیز کا جب پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا تو آپ نے دشمنوں اور حاسدوں کے شر سے محفوظ رہنے کے لیے سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں استغاثہ پیش کیا۔ آپ عرض کرتے ہیں:

عدو بد دین مذہب والے حاسد　　تو ہی تنہا کا زور دل ہے یا غوث
حسد سے ان کے سینے پاک کر دے　　کہ بدتر دق سے بھی یہ سل ہے یا غوث
غذاے دق یہی خوں استخواں گوشت　　یہ آتش دین کی آکل ہے یا غوث
دیا مجھ کو انھیں محروم چھوڑا　　مرا کیا جرم حق فاصل ہے یا غوث

عطائیں مقتدر غفار کی ہیں　　　عبث بندوں کے دل میں غل ہے یا غوث

دونوں طرف سے متعدد رسائل اور کتابوں کا تبادلہ ہوا، انھیں رسائل میں اذان اللہ، وقایۃ اہل السنۃ، حق نما فیصلہ، سلامت اللہ لاہل السنۃ، ازاحۃ العار، تعبیر خواب، سد الفرار وغیرہا رسائل شائع ہوئے جن میں تھانوی صاحب بشمول علماے رام پور پر ڈیڑھ ہزار اور علماے بدایوں پر ساڑھے تین سو کے قریب ایرادات و اعتراضات ہیں۔ اس علمی و قلمی جہاد میں اعلیٰ حضرت کے دونوں شہزادے حضرت حجۃ الاسلام اور سرکار مفتی اعظم رحمہما اللہ تعالیٰ آپ کے شریک کار رہے اور اس مسئلے کو ان حضرات نے اس قدر مدلل اور مبرہن فرما دیا ہے کہ جس میں نہ تو موافق کے لیے زیادتی کی گنجائش ہے اور نہ مخالف کے لیے مجال دم زدن۔ جس کا جی چاہے اس موضوع پر ان مطبوعہ رسائل و کتب کا مطالعہ کر کے اس بات کی تصدیق حاصل کر سکتا ہے۔

فیصلہ کن نکات :

اذان خطبہ کہاں ہونی چاہیے اور اس کا صحیح محل کیا ہے؟ اس کے تصفیے کے لیے مندرجہ ذیل نکات بنیادی حیثیت رکھتے ہیں جو شخص بھی اس مسئلہ کو کماحقہٗ سمجھنا چاہے، اسے ٹھنڈے دل سے ان پر غور کرنا چاہیے اور ہمیں امید ہے کہ جو بھی عصبیت اور عناد سے خالی ہو کر غور کرے گا حق اس پر واضح ہو جائے گا اور وہ یقینا ہمارے موقف کی تائید و توثیق کرے گا۔ درج ذیل نکات اعلیٰ حضرت اور سرکار مفتی اعظم اور دیگر علماے اہل سنت کی کتابوں سے ماخوذ ہیں۔

اوّل : حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاے راشدین کے زمانے میں یہ اذان مسجد کے باہر دروازہ پر ہوتی تھی جب حضرت عثمان غنی کے زمانے میں لوگوں کی کثرت ہوئی تو انھوں نے ایک اذان کا اضافہ مقام زوراء پر فرمایا۔ پہلی اذان کے اضافے کے بعد بھی اذان خطبہ دروازۂ مسجد پر باہر ہوتی رہی۔ حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ اسے گھسیٹ کر منبر کے سامنے نہیں لائے۔ وہیں رہنے دیا۔

حدیث شریف میں ہے۔ **کان یوذن بین یدی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعة علی باب المسجد و ابی بکر و عمر۔ رواہ ابوداؤد عن السائب بن یزید رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه و امام الائمة ابن خزیمة فی صحیحه۔** (ابوداؤد شریف، ج۔۱/ ۱۵۵، باب نداء یوم الجمعہ)

جمعہ کے دن جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف رکھتے تو حضور کے سامنے مسجد کے دروازے پر اذان ہوتی تھی، یوں ہی حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں ہوتی رہی۔

ثانی : فقہانے فرمایا ہے :

لا یؤذن فی المسجد۔ مسجد کے اندر اذان نہ دی جائے۔ (خلاصہ، خزانہ، خانیہ، البحر الرائق، فتح القدیر، ہندیہ، شرح نقایہ)

الاذان انما یکون علی المئذنة أو خارج المسجد والاقامة فی داخله۔ اذان صرف مئذنہ پر یا مسجد کے باہر ہو اور اقامت مسجد کے اندر (غنیۃ المستملی ص ۲۷۷)

لکراهة الاذان فی داخله۔ کیوں کہ مسجد میں اذان مکروہ ہے۔ (فتح القدیر ثانی ص ۲۹)

یکرہ أن یوذن فی المسجد۔ مسجد میں اذان مکروہ ہے۔ (نظم امام زندویسی، قہستانی، طحطاوی علی المراقی ص ۱۹۷)

ان ارشادات میں نہ اذان پنج گانہ کی تخصیص ہے اور نہ اذان خطبہ کا استثنا اس لیے یہ اپنے اطلاق اور عموم کی وجہ سے اذان خطبہ کو

بھی شامل ہے۔لہٰذا پنج گانہ اذانوں کی طرح اذان خطبہ بھی مسجد کے اندر دینا ممنوع اور مکروہ ہے۔

ہر طالب حق مخالفین کی پوری کتاب پڑھ جائے۔مخالفین کہیں ان نصوص میں تخصیص یا اذان خطبہ کے استثنا پر ایک بھی کسی فقیہ کا قول پیش نہیں کر سکے۔اور نہ قیامت تک پیش کر سکتے ہیں۔

ثالث : یہ تو مخالفین کو بھی تسلیم ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے عہد مبارک میں اور خود حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اوائل عہد میں یہ اذان مسجد کے باہر دروازے پر ہوتی تھی اور حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ نے کوفے میں یہ اذان مسجد کے باہر مسجد کے دروازے پر دلوائی۔

اور کہیں کسی ضعیف سے ضعیف روایت میں نہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی ایک دو بار بھی یہ اذان مسجد کے اندر دلوائی ہو۔اگر اس اذان کا مسجد کے اندر دلوانا جائز ہوتا تو کبھی ایک دو بار ہی سہی بیان جواز کے لیے یہ اذان مسجد کے اندر دلواتے۔

اہل علم پر روز روشن کی طرح یہ بات عیاں ہے کہ اذان خطبہ بیرون مسجد دینے کی سنت مردہ ہو چکی تھی۔اللہ عزوجل نے اپنے حبیب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس سنت کو زندہ کرنے کی توفیق مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ العزیز اور آپ کے دونوں شہزادوں کو مرحمت فرمائی اور حسب فرمان مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔**من تمسک بسنتی عند فساد امتی فله اجر مائة شهيد۔**

(مشکوٰۃ شریف،ص ٣٠، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ،مجلس البرکات،مبارک پور)

جو شخص میری امت کے فساد کے وقت ہماری سنت اختیار کرے گا اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔لہٰذا مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ اور آپ کے دونوں صاحبزادگان اس بشارت کے مستحق ہوئے۔اور احیاے سنت کرنے والوں کو کیوں سو شہیدوں کا اجر و ثواب نہ ملے۔شہید تو ایک مرتبہ تکلیف اٹھا کر دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔اور احیاے سنت و نکایت بدعت کرنے والا تو مسلسل طعن و تشنیع کے نیزوں سے زخمی ہوتا رہتا ہے۔نہ صرف زندگی میں بل کہ بعد موت بھی۔اس لیے احیاے سنت کرنے والوں کے لیے سو شہیدوں کا ثواب عین تقاضاے عدل و حکمت ہے۔**ذالک فضل اللہ یوتیه من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم**

رابع : سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلی اذان کا اضافہ کیا اور اسے زوراء پر دلایا یہ تو ثابت ہے مگر اذان خطبہ وہاں سے ہٹائی جہاں عہد رسالت اور حضرات شیخین کریمین کے زمانہ سے ہوتی آئی تھی؟ اس بارے میں کوئی ضعیف سے ضعیف روایت نہیں اور نہ کوئی صاحب قیامت تک پیش کر سکتے ہیں اور اصل ''ابقاء ما کان علی ما کان'' ہے۔اس لیے ماننا پڑے گا کہ انھوں نے اذان خطبہ اسی جگہ رہنے دی جہاں عہد رسالت اور حضرات شیخین کریمین کے زمانے سے ہوتی آئی تھی اور اس پر نص زرقانی علی المواہب کی درج ذیل عبارت ہے۔

لما کان عثمان امر بالاذان قبله علی الزوراء ثم نقله هشام الی المسجد ای امر بفعله فيه و جعل الآخر الذی بعد جلوس الخطيب علی المنبر بين يديه بمعنی انه ابقاه بالمکان الذی يفعل فيه فلم يغيره بخلاف ماکان بالزوراء فحوله الی المسجد علی المنار۔ (امام محمد بن عبدالباقی الزرقانی، ج ٧، ص ٤٢٥ مصر)

جب حضرت عثمان غنی خلیفہ ہوئے اذان خطبہ سے پہلے ایک اذان بازار میں زوراء پر دلوائی۔پھر اس پہلی اذان کو ہشام نے مسجد کی طرف منتقل کر دیا۔یعنی اس کے مسجد میں ہونے کا حکم دیا۔اور دوسری جو خطیب کے منبر پر بیٹھنے کے وقت ہوتی تھی، وہ خطیب کے مواجہہ میں رکھی یعنی جہاں ہوا کرتی تھی وہیں باقی رکھی۔اس اذان ثانی میں ہشام نے کوئی تبدیلی نہیں کی بخلاف بازار والی اذان اول کے کہ اسے مسجد کی طرف منارے پر لے آیا۔

اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''**علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین۔**''

(الترغیب والترہیب للمنذری، حدیث ۵۸،دارابن حزم، بیروت)

میری اور میرے خلفاے راشدین کی پیروی اور اتباع تم پر لازم ہے۔ اسی سے مخالفین کا یہ خیال اور نکتہ آفرینی باطل ہوگئی'' کہ اذان اعلام غائبین کے لیے ہے جو پہلی اذان سے حاصل ہو چکا۔ دوسری اذان حاضرین کے چپ کرنے کے لیے ہے۔ ان حضرات کو اس کا بھی خیال نہ رہا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عمل اور خلفاے راشدین اور صحابہ کرام کے اجتماعی عمل کے مقابلے میں نکتہ آفرینی کر کے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و جملہ صحابہ کے عمل اور فقہا کے ارشاد کو رد کر رہے ہیں اور یہ بھی ہوش نہ رہا کہ یہ اذان ہے اور ہر اذان غائبین کے اعلام کے لیے ہے آج تک کسی فقیہ نے یہ نہ لکھا کہ یہ حاضرین کے انصات کے لیے ہے اس لیے کہ پھر یہ اذان ہی نہ رہے گی۔

خامس: پہلے یہ بات ذہن میں اچھی طرح بیٹھا لیجیے کہ اذان خطبہ اعلام صلاۃ کے لیے ہے جیسا کہ علامہ علاء الدین حصکفی نے درمختار میں اور علامہ محمد ابن عابدین شامی نے ردالمحتار میں فرمایا۔ **ولم یقل بدخول الوقت لیعم الفائتة و بین یدی الخطیب** (جلد اول ص ۲۵۶ علی ہامش ردالمحتار)

(اذان اعلام مخصوص ہے) دخول وقت کی قید نہیں لگائی تاکہ فائتہ اور اذان خطبہ کو عام ہو جائے اس کے تحت ردالمحتار میں ہے **ای اعلام بالصلوٰۃ ای لیعم الاذان اذان الفائتة و الاذان بین یدی الخطیب** (ایضاً) اذان نماز کا اعلام ہے۔ (دخول وقت کی قید نہیں لگائی) تاکہ فائتہ اور خطبے کی اذان کو بھی عام ہو جائے۔ جب فقہاے کرام نے اذان کی تعریف اعلام کے ساتھ کی ہے اور تعریف کا ہر جز معرف کا رکن ہوتا ہے تو ثابت ہوا کہ اعلام اذان کا رکن ہے۔

اور اگر اذان میں اعلام نہ ہو تو وہ اذان ہی نہیں۔ اس کی تائید ردالمحتار کی اس عبارت سے ہوتی ہے۔ **ای لا یسمی اذاناً شرعا لعدم الاعلام اصلاً۔** (جلد اول ص ۲۵۶)

اس کا اذان نام نہیں رکھا جائے گا کیوں کہ اس میں بالکل اعلام نہیں۔ لہٰذا اذان خطبہ کو اعلام غائبین کے لیے نہ ماننا صرف اعلام حاضرین کے لیے جاننا ہٹ دھرمی اور تغییر سنت ہے۔ اوپر معلوم چکا ہے کہ عہد رسالت سے اول عہد عثمانی غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک یہی ایک اذان تھی تو یقیناً اعلام غائبین ہی کے لیے تھی۔ ایک اذان مزید اعلام کے لیے اضافہ ہوئی۔ اس نے اذان خطبہ کا مقصود نہ بدل دیا اور مسجد میں اذان دینے سے اعلام غائبین نہ ہوگا اور جو شی اپنے مقصود سے خالی ہو جائے باطل ہو جاتی ہے۔ مسجد کے اندر کی اذان اذان ہی نہیں۔ امام محمد بن الحاج نے مدخل میں **نہی عن الاذان فی المسجد** کی خاص ایک فصل قائم کی ہے۔ فرماتے ہیں:

فصل: فی النهی عن الاذان فی المسجد و قد تقدم ان للاذان ثلثة مواضع المنار و علی سطح المسجد و علی بابه و اذا کان ذلک کذلک فیمنع من الاذان فی جوف المسجد بوجوه۔ احدها انه لم یکن من فعل من مضی الثانی ان الاذان انما هو نداء للناس لیاتوا الی المسجد و من کان فیه فلا فائدة لندائه لان ذلک تحصیل حاصل و من کان فی بیته فانه لا یسمع من المسجد غالباً و اذا کان الاذان فی المسجد علی هذه الصفة فلا فائدة له و مالیس فیه فائدة یمنع۔ الثالث ان الاذان فی المسجد فیه تشویش علی من هو فیه یتنقل او یفعل غیر ذلک من العبادات التی بنی المسجد لاجلها و ماکان بهذه المثابة فیمنع لقوله علیه الصلاة و السلام لا ضرر و لا ضرار۔ اه مختصرا۔ (ج۔۲ ص ۲۴۶، مکتبہ دارالتراث، القاہرہ)

''اندرون مسجد اذان سے ممانعت کے بیان میں یہ فصل ہے۔اور ماقبل میں گزر چکا کہ اذان کے لیے تین جگہیں ہیں۔(۱) مینار (۲) سطح مسجد (۳) دروازۂ مسجد۔اور جب معاملہ ایسا ہے تو اندرون مسجد اذان دینا چند وجوہ سے ممنوع ہوگا۔پہلی وجہ یہ ہے کہ اندرون مسجد اذان دینی اسلاف میں سے کسی کا فعل نہیں ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اذان لوگوں کو نماز کے واسطے مسجد کی طرف پکارنے اور بلانے کے لیے ہے اور جو لوگ مسجد کے اندر پہلے سے موجود ہیں تو ان کو پکارنے میں کوئی فائدہ نہیں بل کہ وہ تحصیل حاصل ہے اور جو لوگ اپنے گھر میں ہیں وہ عموماً اندرون مسجد ہونے والی اذان کو سن ہی نہ پائیں گے اور جب اذان اندرون مسجد اس طور پر ہے تو اس اذان سے کوئی فائدہ نہیں اور جس چیز میں کوئی فائدہ نہ ہو وہ ممنوع ہوگی۔تیسری وجہ یہ ہے کہ اندون مسجد اذان دینے سے ان لوگوں کو۔تشویش میں مبتلا کرنا ہے جو مسجد میں نفل وغیرہ پڑھ رہے ہیں یا ایسے کاموں میں مشغول ہیں جن مقاصد کے لیے مسجد کی تعمیر کی گئی ہے اور جس چیز کی یہ شان ہو اس کو روک دیا جائے گا اس لیے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ ضرر دوسرے کو دو اور نہ دوسرا تمھیں ضرر پہنچائے۔

سادس: مخالفین کے سارے استدلال کی بنیاد اس مغالطہ عامۃ الورود پر ہے کہ اذان خطبہ اعلام غائبین کے لیے نہیں۔صرف اعلام حاضرین کے لیے ہے، اس لیے کہ پہلی اذان سے اعلام غائبین کا مقصد پورا ہو گیا تو اب اذان خطبہ صرف اعلام حاضرین کے لیے ہی رہی۔اگر چہ بنظر دقیق یہ بھی ہمیں مضر نہیں اس لیے کہ دنیا کی دو چار مساجد کے علاوہ کسی بھی مسجد کے اس خارجی حصے میں اذان دی جائے جو مسجد کے متصل ہو تو آواز پوری مسجد میں پہونچ جائے گی اور سب حاضرین کو اعلام ہو جائے گا۔اور جب خطبہ کی اذان جو خارج مسجد اعلام غائبین کے لیے ہوتی ہے، اعلام حاضرین کے منافی نہیں ہے تو اس اذان کو **لا یوذن فی المسجد۔یکرہ ان یوذن فی المسجد** کے اطلاق وعموم سے خارج ہونے کی دلیل بتانا۔سفاہت اور مکابرہ نہیں تو اور کیا ہے؟

اذان خطبہ اعلام غائبین کے لیے ہے، اس پر ہمارے علمائے کرام نے متعدد وجوہ سے استدلال کیا ہے۔

(۱) مقصد اذان فقہا کی تصریحات کے مطابق اعلام غائبین ہے اور جب مطلق اذان کا مقصد اعلام غائبین ہے اور اذان خطبہ بھی اذان ہے تو اس کا مقصد بھی اعلام غائبین ہوگا کیوں کہ جو حکم مطلق کے لیے ہے وہی اس کے ہر ہر فرد کے لیے ثابت ہونا ضروری ہے مگر یہ کہ کچھ افراد کا استثنا اسی درجے کی دلیل سے ہو جس درجے کی دلیل سے مطلق کا حکم ثابت ہے، مطلق اذان اعلام غائبین کے لیے ہے۔اس پر فقہاء کا اجماع ہے اور اذان خطبہ کا استثنا کسی فقیہ نے کہیں نہیں کیا ہے۔مخالفین اپنی تمام تر کوشش کے باوجود کسی فقیہ کا کوئی قول نہیں دکھا سکے۔لہٰذا ماننا پڑے گا کہ اذان خطبہ اعلام غائبین کے لیے ہے۔

۲-اذان خطبہ اعلام غائبین کے لیے ہے۔اس پر روشن دلیل البحر الرائق کی درج ذیل عبارت ہے۔

تکرارہ مشروع کما فی اذان الجمعة لانہ لاعلام الغائبین فتکرارہ مشروع لاحتمال سماع بعض دون بعض۔(البحر الرائق جلد اول، ص ۲۷۸) اذان کی تکرار مشروع ہے جیسا کہ اذان جمعہ میں ہے اس لیے کہ یہ اعلام غائبین کے لیے ہے تو اس کی تکرار مشروع ہے کیوں کہ یہ احتمال ہے کہ پہلی اذان کچھ لوگوں نے نہ سنی ہو۔

اس عبارت سے ثابت ہوا کہ اذان خطبہ بھی اعلام غائبین کے لیے ہے اس لیے کہ اعلام غائبین تکرار کے مشروع ہونے کی علت ہے۔اور انتفائے علت انتفائے معلول کو مستلزم ہے تو اگر اذان خطبہ اعلام غائبین کے لیے نہ ہو تو لازم کہ سرے سے مشروع ہی نہ ہونا جائز و ممنوع ہو۔

۳-اذان خطبہ اعلام غائبین کے لیے ہے اس پر دلیل تنویر الابصار اور درمختار کی یہ عبارت ہے۔

ھو شرعا اعلام مخصوص للصلوٰۃ ولم یقل بدخول الوقت لیعم الفائتۃ و بین یدی الخطیب۔ (درمختار، ج۔۱ ص ۲۵۲) اذان شریعت میں اعلام مخصوص ہے یعنی نماز کے لیے، یہ نہیں کہا دخول وقت کے لیے تاکہ فائتہ اور خطیب کے سامنے والی اذان کو بھی عام ہوجائے۔

اعلام کا متعلق محذوف ہے یعنی یہ مذکور نہیں کہ کس کے اعلام کے لیے ہے۔ مگر دین سے ادنیٰ واقفیت رکھنے والا جانتا ہے کہ غائبین کے اعلام کے لیے ہے اور یہ تعریف مطلق اذان کی ہے۔ علامہ حصکفی نے اس میں اذان خطبہ کو بھی داخل مانا تو ثابت کہ اذان خطبہ بھی اعلام غائبین کے لیے ہے۔

۴-اذان خطبہ بھی اعلام غائبین کے لیے ہے اس کی دلیل ہدایہ۔ بدائع صنائع کی یہ عبارت ہے۔

واذن المؤذنون بین یدی المنبر (ہدایہ اولین ص ۱۵۱، بدائع صنائع، ج-۱ ص ۲۷۰) اور چند موذن منبر کے سامنے اذان دیں۔

ردالمحتار میں علامہ شامی نے اسے بدعت حسنہ کہا۔ عنایہ کفایہ میں اس کا فائدہ یہ بتایا۔

لتبلیغ اصواتھم الی اطراف المصر الجامع۔ (برحاشیہ فتح القدیر، ج۔ ۲ ص ۳۹) چند موذن اس لیے اذان دیں تاکہ ان کی آوازیں شہر کے تمام اطراف میں پہونچ جائیں۔

اگر اذان خطبہ اعلام غائبین کے لیے نہ ہو تو شہر کے اطراف میں آواز پہونچانے کی کیا حاجت؟

۵-اذان خطبہ اعلام غائبین کے لیے ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ جمعہ کے دن اذان جمعہ ہوتے ہی جمعہ کے لیے سعی واجب ہے یعنی خرید وفروخت سب دینوی کام چھوڑ کر نماز جمعہ کے لیے چل دینا۔ ارشاد ربانی ہے۔

اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَ ذَرُوا الْبَیْعَ (سورۂ جمعہ ۶۲ / ۹) جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف تیزی سے چلو اور خرید وفروخت چھوڑ دو۔

علما کا اس میں اختلاف ہے۔ اس خصوص میں اذان اوّل کا اعتبار کیا جائے یا اذان ثانی کا؟ دونوں قول ہیں۔ امام الفقہا والمحدثین امام ابوجعفر طحاوی، امام شیخ الاسلام، امام ملک العلما ابوسعود کا شانی کا مختار یہ ہے کہ اذان خطبہ کا اعتبار ہے۔ امام سرخسی اور جمہور فقہا کا مختار یہ ہے کہ اذان اول کا اعتبار ہے۔ فریق اول کی دلیل یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور شیخین حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کے عہد مبارک میں صرف اذان خطبہ تھی اس لیے۔ ارشاد باری ''**اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ**'' سے اس کا مراد ہونا متعین ہے۔

فریق ثانی کی دلیل یہ ہے کہ اگر اذانِ اول ہوتے ہی لوگ جمعہ کے لیے نہ چلیں تو ان کی سنتیں فوت ہوجائیں گی اور خطبہ بھی کچھ حصہ بل کہ خطرہ ہے کہ کل خطبہ بل کہ نماز بھی نہ ملے۔ اس دلیل کی بنیاد لوگوں کے ساتھ رفق وسہولت پر ہے۔

فریق اول کی بات دلیل کی رو سے بہت باقوت ہے اس لیے کہ جب عہد رسالت میں صرف اذان خطبہ ہی تھی تو ارشاد ربانی ''**اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ**'' سے اس کا مراد ہونا متیقن ہوگیا اور جب عہد نبوی میں قرآن مجید کے کسی کلمہ کی مراد متعین ہوجائے تو اسی کو مراد لینا ضروری ہوتا ہے۔

رہ گیا ہمارے جمہور ائمہ احناف کا قول ثانی کو اختیار کرنا عوام کی آسانی اور ان کے ساتھ رفق کی وجہ سے ہے۔

اس استدلال کا ماحصل یہ ہے کہ جو لوگ وجوب سعی میں اذان خطبہ کو معتبر مانتے ہیں ان کے نزدیک بلا کسی تردد کے اذان خطبہ اعلام غائبین کے لیے ہے ورنہ وجوب سعی میں اس کا اعتبار لغو ہوگا۔ رہ گئے جمہور فقہا جو اذان اول کو معتبر مانتے ہیں ان کے نزدیک بھی یہ اذان اعلام غائبین کے لیے ہے۔ اس لیے کہ اگر ان کے نزدیک یہ اذان اعلام غائبین کے لیے نہ ہوتی تو قول مخالف کی تزئیف میں یہ فرماتے کہ وجوب سعی میں اذان خطبہ کا کیسے اعتبار ہوگا؟ وہ تو مسجد کے منبر کے متصل خطیب کے سر پر ہوتی ہے۔ یہ اعلام حاضرین کے لیے ہے، یہ اعلام غائبین کے لیے ہے ہی نہیں کہ مسجد سے غائب لوگ اسے سن کر مسجد میں آئیں۔ اپنے مذہب مختار کی ترجیح میں فرمایا تو یہ فرمایا۔

اگر اذان خطبہ کا اعتبار ہوگا تو سنتیں چھوٹ جائیں گی اور بسا اوقات خطبہ بلکہ جمعہ بھی فوت ہو جائے گا۔ اس طرح دونوں قول پر اذان خطبہ کا اعلام غائبین کے لیے ہونا ثابت۔ اور جب بہ دلائل شرعیہ ثابت ہو گیا کہ اذان خطبہ بھی اعلام غائبین کے لیے ہے اور کسی بھی اذان کا مسجد کے اندر دینا مکروہ و ممنوع۔ تو یہیں سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ ہمارے فقہائے کرام کے ارشاد "**لا یوذن فی المسجد**" مسجد میں اذان نہ دی جائے "**یکرہ ان یوذن فی المسجد**" مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے۔ "**لکراھۃ الاذان فی المسجد**" اندرون مسجد اذان کے مکروہ ہونے کے باعث۔ یہ ارشادات اذان خطبہ کو بھی ضرور عام اور پنج گانہ اذانوں کی طرح اذان خطبہ بھی اندرون مسجد دینا بلا شبہہ مکروہ و ممنوع۔

سابع: مخالفین اس پر بہت زور دیتے ہیں کہ اذان خطبہ کا مسجد کے اندر ہونا وہ بھی منبر کے متصل خطیب کے سر پر متوارث ہے۔ اس پر گزارش یہ ہے کہ توارث وہی حجت ہے جو عہد صحابہ اور مجتہدین سے الی یومنا ہٰذا ہو۔

ردالمحتار خاص باب الجمعہ میں فرمایا:

لا عبرۃ بالعرف الحادث اذا خالف النص التعارف انما یصلح دلیلا علی الحل اذا کان عاما من عھد الصحابۃ والمجتھدین کما صرحوا بہ۔ (ج۔ ۳ ص ۳۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

عرف حادث کا اعتبار نہیں جب نص کے مخالف ہو۔ رواج اسی وقت جواز کی دلیل ہے جب زمانہ صحابہ و مجتہدین سے عام طور پر چلا آیا ہو جیسا کہ علما نے تصریح فرمائی ہے۔

مسجد کے اندر اذان خطبہ دینے کا رواج نہ عہد رسالت میں تھا نہ عہد صحابہ میں نہ عہد تابعین میں اور آج بھی پوری دنیا کے مسلمانوں میں اس کا رواج نہیں۔

ابوداؤد شریف کی حدیث جو حضرت سائب بن یزید سے مروی ہے جس کو شروع مقالہ میں نقل کر چکا ہوں، اس سے ثابت کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم کے زمانے میں یہ اذان مسجد کے باہر مسجد کے دروازے پر ہوتی تھی اور بعد میں بھی یہ اذان وہیں ہوتی رہی۔ حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے پہلی اذان زورا پر دلوائی مگر یہ اذان وہیں رہنے دی، جہاں پہلے سے ہوتی تھی۔

ابوداؤد شریف کی حدیث کے آخری کلمات یہ ہیں۔ **فثبت الامر علی ذلک**۔ (باب النداء یوم الجمعہ، حدیث۔ ۱۰۸۳ ص ۱۹۳ دار احیاء التراث الاسلامی، بیروت) لہٰذا اس سے ثابت کہ زورا پر اذان اول کے اضافے کے باوجود یہ اذان خطبہ دروازہ مسجد پر ہوتی رہی اور جب یہ ثابت ہوا کہ اذان خطبہ مسجد کے دروازے پر ہوتی تھی تو جب تک اسی درجہ کی دلیل سے یہ ثابت نہ ہو کہ دروازے سے ہٹا کر منبر کے متصل اس کو کر دیا گیا، یہی ثابت رہے گا کہ یہ اذان اپنی جگہ رہی۔ اصل کے خلاف دلیل ضروری ہے۔

اور بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اذان خطبہ کی جوجگہ اور مقصد (یعنی اعلام غائبین) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخین کریمین سے ثابت اور مستمر ہو اس کو تبدیل کرنے کی جرأت حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کریں؟ ایک خلیفہ راشد کے سر اتنا بڑا الزام واتہام سخت جرأت و بے باکی ہے۔ اس لیے ماننا پڑے گا کہ زوراء پر اذان کے اضافے کے بعد بھی یہ اذان وہیں رہی جہاں عہد رسالت سے ہوتی آئی تھی۔ مسجد حرام شریف میں یہ اذان آج بھی کنارۂ مطاف پر ہوتی ہے اور مسجد حرام پہلے مطاف ہی تک تھی۔

اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس اذان کا محاذاۃ امام میں بھی ہونا ضروری نہیں بل کہ یہ بھی دوسری اذانوں کی طرح وہیں دی جائے جہاں سے پڑوسیوں کو زیادہ سنائی دے مثلاً منارے پر اسی کے مطابق بلاد مغرب میں یہ اذان مناروں پر ہوتی ہے۔ (تفصیل کتب مالکیہ میں مذکور ہے)

اس سے ثابت کہ پوری دنیا کے مسلمانوں کا یہ عمل نہیں کہ یہ اذان منبر کے متصل دی جائے اس لیے توارث کو اس کی دلیل بنانا باطل۔

حاصل کلام یہ ہے کہ صحابہ اور تابعین کا اجماع رہا کہ یہ اذان مسجد کے باہر ہونی چاہیے۔ اب اگر بفرض محال آپ یہ ثابت بھی کردیں کہ اس کے بعد اس پر اجماع ہوگیا کہ یہ اذان منبر کے متصل ہو تو پھر اس کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟

اعلیٰ حضرت اور احیاے سنت :

اس بحث کے اختتام پر ختام المسک کے طور پر مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ العزیز کی ایک عبارت ہدیۂ قارئین ہے۔

''اب ہم ایک حدیث صحیح ذکر کریں جس سے اس بین یدیہ کے معنی بھی آفتاب کی طرح روشن ہوجائیں اور اس ادعاے توارث کا حال بھی کھل جائے۔ سنن ابی داؤد شریف میں بسند حسن مروی ہے **حدثنا النفیلی ثنا محمد بن سلمة عن محمد بن اسحاق عن الزہری عن السائب بن یزید رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال کان یؤذن بین یدی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعة علی باب المسجد و ابی بکر و عمر۔** (ج۔ا ص ۱۵۵، باب النداء یوم الجمعہ) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب روز جمعہ منبر پر تشریف فرما ہوتے تو حضور کے روبرو اذان مسجد کے دروازہ پر دی جاتی اور یونہی ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانے میں۔ اس حدیث جلیل نے واضح کردیا کہ اس ''روبروے امام پیش منبر'' کے کیا معنی ہیں؟ اور یہ کہ زمانۂ رسالت و خلفاے راشدین سے کیا متوارث ہے؟ ہاں یہ کہیے کہ اب ہندوستان میں یہ اذان متصل منبر کہنی شائع ہورہی ہے مگر نص حدیث سے جدا، تصریحاتِ فقہ کے خلاف، کسی بات کا ہندیوں میں رواج ہوجانا کوئی حجت نہیں۔ ہندیوں میں ایک یہی کیا اور وقت کی اذانیں بھی بہت لوگ مسجد میں دے لیتے ہیں، حالاں کہ وہاں تو ان تصریحات ائمہ کے مقابل ''بین یدی'' وغیرہ کا بھی دھوکا نہیں۔ پھر ایسوں کا فعل کیا حجت ہوسکتا ہے؟

الحمدللہ یہاں اس سنت کریمہ کا احیا رب عزوجل نے اس فقیر کے ہاتھ پر کیا، میرے یہاں مؤذنوں کو مسجد میں اذان دینے سے ممانعت ہے۔ جمعہ کی اذان ثانی بحمداللہ تعالیٰ منبر کے سامنے دروازۂ مسجد پر ہوتی ہے جس طرح زمانۂ اقدس حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و خلفاے راشدین رضی اللہ عنہم میں ہوا کرتی تھی۔ **ذلک فضل اللّٰہ یوتیه من یشاء واللّٰہ ذو الفضل العظیم والحمدلله رب العالمین۔** (اوفی اللمعۃ فی اذان یوم الجمعۃ ص ۷)

حدیث ابوداؤد اور مفتی اعظم کی نکتہ آفرینی :

ماقبل میں گزر چکا کہ اذان خطبہ کے تعلق سے جو شدید قلمی جنگ رہی ۔ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ العزیز کی حیثیت اگر سالار جنگ کی رہی تو آپ کے دونوں شہزادے میمنہ اور میسرہ کے سنبھالنے والے سردار کی تھی ۔ اذان خطبہ کے موضوع پر سرکار مفتی اعظم کے متعدد رسائل اور فتاوے ہیں ۔ اختصار کی وجہ سے آپ کی کتاب ''نفی العارمن معایب المولوی عبدالغفار'' (ص ۶۱) سے ایک اقتباس ہدیۂ قارئین کررہا ہوں ۔

''**ثالثاً** ۔ اصل بات ہے کہ ائمہ نے بین یدیہ اور علی باب المسجد دونوں حدیث ابن اسحاق ہی سے لیے کہ اوروں کی احادیث میں نہ یہ ہے نہ وہ، لیکن علی باب المسجد کا مقصود صرف اس قدر تھا کہ کنارہ پر بیرون مسجد ہو اور یہ حکم سب اذانوں کے لیے عام تھا ۔ کچھ تخصیص اذانِ جمعہ کی نہ تھی لہٰذا اسے ائمہ نے باب الاذان میں ذکر فرمایا کہ لا یوذن فی المسجد تا کہ تمام اذانوں کو شامل رہے ۔ خاص باب جمعہ میں اس کے ذکر کی وجہ نہ تھی کہ یہ حکم اذان جمعہ سے خاص نہ تھا ۔ رہا بین یدیہ وہ اس اذان جمعہ کا خاص حکم تھا اور کسی اذان کے لیے نہ تھا ۔ لہٰذا ائمہ نے صرف اسے خاص باب الجمعہ میں ذکر فرمایا ۔ ناواقف نادان لوگ کہ باب الجمعہ میں صرف ایک دیکھتے ، دوسرا نہیں پاتے ، اپنی جہالت یا کم فہمی سے یہ سمجھتے ہیں کہ علما نے ان دونوں قیود سے بین یدیہ اختیار فرمائی اور علی باب المسجد ترک کی حالاں کہ دونوں اپنی اپنی جگہ مذکور ہیں ۔ جاہل کہتے ہیں خاص اذان جمعہ کے لیے لایؤ ذن فی المسجد دکھاؤ اور نہیں جانتے کہ یہ حکم خاص اس کا نہیں ، عام اذانوں کا ہے تو عام ہی کے باب میں عموماً مذکور ہوگا نہ کہ ایک ایک خاص کا نام لے کر کہ ظہر کی اذان مسجد میں نہ ہو عصر کی نہ ہو جمعہ کی نہ ہو ۔ اسے وہی طلب کرے گا جو محض نافہم ہے یا نرا ہٹ دھرم ۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ ۔ مسلمان اس تقریر کو یاد رکھیں کہ بہت سی جہالتوں کی بیخ کن ہے وللہ الحمد ۔

مفتی اعظم کا ایک اہم فتویٰ :

حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں ناسک مہاراشٹر سے ایک استفتا آیا ۔ جس میں اذان خطبہ کا صحیح محل اور مقام پوچھا گیا تھا ۔ نیز سائل نے یہ بھی دریافت کیا تھا کہ ''اذانِ خطبہ خارج از محل صلوٰۃ دینا احناف کے نزدیک سنت ہے ، ترک سنت سے اذان مکروہ تحریمی ہوجاتی ہے ۔ ترک سنت پر اصرار اور خلاف سنت فعل کو عین سنت سمجھنے والوں کے حق میں کیا وعید آئی ہے؟'' اس کے جواب میں ایک مفصل فتویٰ سرکار مفتی اعظم نے تحریر فرمایا ۔ جس کے سطر سطر سے الولد سر لابیہ کی جھلک دکھائی دے رہی ہے ۔ اس فتوے کی تلخیص ہدیۂ قارئین ہے :

''الجواب : (۱) بسم اللہ الرحمن الرحیم ، ۱ ۔ **اللھم انی اعوذبک من ترک السنن وانتھاکھا** ۔ اذان خطبہ ہی وہ اذان ہے جو عہد کریم نبی رؤف رحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم میں پیش خطیب خارج مسجد دی جاتی تھی ۔ اور زمانہ خلافت شیخین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں بھی ایک ہی اذان اسی طرح دی جاتی رہی جب زمانہ حضرت ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں مدینہ طیبہ کی آبادی زائد ہوگئی تو حضرت نے ایک اذان ، اذانِ خطبہ سے قبل مقام زوراء میں اور اضافہ فرمائی اور اذان خطبہ بدستور خارج مسجد رکھا ۔ ہشام کے زمانہ میں وہ زورا والی اذان بھی مسجد کی طرف منتقل ہو آئی اسی لیے ہمارے تمام علمائے کرام ائمہ فخام قاطبۃً اپنی تصنیفات عالیات میں برابر کھلی تصریحات فرماتے آئے کہ خارج مسجد

اذان مسنون ہے۔ مسجد بمعنی موضع صلاۃ میں اذان مکروہ ہے، داخل مسجد اذان نہ دی جائے۔ علامہ ابراہیم غنیۃ میں فرماتے ہیں **الاذان انما یکون فی المئذنۃ او خارج المسجد والاقامۃ فی داخلہ۔** (ص ۳۷۷ فصل فی السنن، سہیل اکیڈمی، لاہور) علامہ طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح میں قہستانی اور وہ نظم سے ناقل **یکرہ ان یؤذن فی المسجد۔** (ص ۱۱۷، باب الاذان، مصطفی البابی، مصر) اسی میں فتح القدیر سے ہے **فان لم یکن ثمۃ مکان مرتفع للاذان یؤذن فی فناء المسجد** قہستانی میں ہے۔ **لا یؤذن فی المسجد فانہ مکروہ اھ** عامۂ کتب میں ہے **لا یؤذن فی المسجد** نیز **یکرہ الاذان فی المسجد** فتح القدیر میں امام ابن الہمام فرماتے ہیں۔ **قولہ والمکان فی مسئلتنا مختلف یقید کون المعهود اختلاف مکانهما وکذلک شرعاً والاقامۃ فی المسجد ولا بداما الاذان فعلی المئذنۃ فان لم یکن ففی فناء المسجد وقالوا لا یؤذن فی المسجد** امام اتقانی **غایۃ البیان** (ص ۲۵۰، کتاب الصلاۃ، دار الکتب العلمیہ، بیروت) اور امام محقق علی الاطلاق ابن الہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا فتح القدیر میں خاص باب الجمعہ میں فرماتے ہیں۔ **هو (ای الاذان) ذکر اللّٰہ فی المسجد ای فی حدودہ لکراهۃ الاذان فی داخلہ اھ۔** (ج۔۲ ص ۵۶ مرکز اہل سنت برکات رضا، پور بندر)

فقہائے کرام کے باب الاذان میں یہ ارشادات کہ **یکرہ الاذان فی المسجد** اور **لا یؤذن فی المسجد** ہر سمجھ والے کے نزدیک عام ہیں کہ ہر ایک اذان کو شامل ہیں مگر بعض ہٹ دھرم زبردستی یہاں یہ کہتے ہیں کہ یہ اذان پنج گانہ کے لیے ہے۔ اذان خطبہ اس سے مستثنیٰ ہے مگر ان دونوں جلیل اماموں نے خاص باب الجمعہ میں یہ فرما کر ان معاندوں کی دہن دوزی فرما دی اور اس ہٹ دھرمی کی پوری خبر گیری رسائل اہل حق میں کافی طور پر کی گئی جس کے اعادہ کی یہاں حاجت نہیں ہے۔ مسجد میں اذان یقیناً مکروہ خلاف سنت ہے، مدخل امام محمد بن الحاج میں **نهی عن الاذان فی المسجد** کی خاص ایک فصل قائم فرماتے ہیں **فصل فی النهی عن الاذان فی المسجد وقد تقدم ان للاذان ثلثۃ مواضع المنار وعلی سطح المسجد و علی بابہ واذا کان ذلک کذلک فیمنع من الاذان فی جوف المسجد بوجوہ احدها انہ لم یکن من فعل من مضی الثانی ان الاذان انما هو نداء للناس لیاتوا الی المسجد و من کان فیہ فلا فائدۃ لندائہ لان ذلک تحصیل حاصل ومن کان فی بیتہ فانہ لا یسمع من المسجد غالباً و اذا کان الاذان فی المسجد علی هٰذہ الصفۃ فلا فائدۃ لہ وما لیس فیہ فائدۃ یمنع الثالث ان الاذان فی المسجد فیہ تشویش علی من هو فیہ یتنفل او یفعل غیر ذلک من العبادات التی بنی المسجد لاجلها وما کان بهذہ المثابۃ فیمنع لقولہ علیہ الصلاۃ والسلام لا ضرر ولا ضرار اھ مختصرا۔** (ج۔۲ ص ۲۴۶، مکتبہ دار التراث، القاہرہ)

اذان اعلام غائبین کے لیے ہے۔ اذان خطبہ اعلام غائبین کے لیے نہ ماننا اعلام حاضرین کے لیے جاننا نری ہٹ دھرمی اور تغییر سنت ہے۔ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ عہد رسالت سے اول عہد عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک یہی ایک اذان تھی تو یقیناً اعلام غائبین کے لیے ہی تھی۔ ایک اذان مزید اعلام کے لیے اضافہ ہوئی۔ اس نے اس اذان خطبہ کا مقصود نہ بدل دیا۔ مسجد میں اذان سے اعلام غائبین نہ ہوگا۔ اور شی اپنے مقصود سے خالی باطل ہو جاتی ہے۔ مسجد کے

اندر کی اذان اذان ہی نہیں ابھی مدخل امام ابن الحاج سے گذرا **اذا کان الاذان فی المسجد علی هذه الصفة فلا فائدة له و مالیس فیه فائدة یمنع**۔ نیز علما فرماتے ہیں **اذا خلی الشئی عن المقصود بطل** جو لوگ مسجد کے اندر اذان دلواتے ہیں۔ وہ یہی نہیں کہ خلاف سنت اور مکروہ کام کرتے ہیں بل کہ اذان ہی کو باطل کردیتے ہیں جو لوگ ترک سنت کرتے ہیں یقینا معاتب ہیں۔ اس وعید سے ڈریں **من ترک سنتی لم ینل شفاعتی** (جو میری سنت کو ترک کرے گا وہ میری شفاعت سے محروم ہوگا) ان کا یہ عذر مسموع نہ ہوگا کہ ہم خارج مسجد اذان کو سنت نہیں جانتے۔ داخل مسجد اذان کو سنت مانتے ہیں خصوصاً اس صورت میں کہ حدیث فقہ کے ارشادات سے انھیں بتا بھی دیا گیا، جہل عذر نہیں بل کہ وہ خود دوسرا وبال ہے اور جہالت کرنا اور شدید الزام جس نے حمایت سنت کی ہوا سے سو شہید کے اجر کا حدیث مژدہ دیتی ہے۔ **من تمسک بسنتی عند فساد امتی فله اجر مائة شهید رواه البیهقی فی الزهد عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عهنما**۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۰ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

(جو میری امت کے بگاڑ کے وقت میری سنت پر قائم رہا اس کے لیے سو شہیدوں کا اجر ہے، اس حدیث کو امام بیہقی نے کتاب الزھد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے)

خارج مسجد اذان ہونا حدیث سے ثابت داخل مسجد اذان کی کراہت وممانعت فقہاے کرام کے ارشادات سے واضح برخلاف حدیث وفقہ یہ کہنا کہ اذان خطبہ مسجد کے اندر منبر کے قریب ہاتھ دو ہاتھ کے فاصلہ سے دی جانا ہی سنت ہے۔ کیسا کھلا عناد اور سخت ہٹ دھرمی اور شدید جہالت ہے؟ اللہ عزوجل محفوظ رکھے۔ کیا اس کے قائل میں دم ہے کہ وہ کسی ایک ہی معتبر معتمد عالم سے اپنے کسی ایک دعویٰ کی تائید پیش کر سکے؟ الی آخرہ۔

(۱) مسجد کے اندر اذان مسجد کی بے ادبی اور بدعت ہے۔ بدعت کو سنت سمجھنا اور سنت کو بدعت سخت وبال عظیم ہے اور سنت کو مٹانا اور اس کے معارض فعل کرنا سنت سیئہ ہے۔ اور حدیث میں فرمایا...... **من سن سنة سیئة عمل بها من بعده کان علیه وزرها و وزر من عمل بها لا ینقص ذٰلک من اوزارهم شیئا**۔

(مسند امام احمد بن حنبل ج۔۳۱، حدیث۔۱۹۲۰۰، موسسۃ الرسالہ، بیروت)

اور ایسے شخص کو جو سنت مٹانے کے درپے ہوا سے حدیث میں **من ترک سنتی لم ینل شفاعتی** سے ڈرنا چاہیے۔ اوپر معلوم ہو چکا کہ جہل عذر نہیں۔ حدیث میں ہے **من جادل فی خصومة بغیر علم لم یزل فی سخط الله حتی ینزع** (اتحاف السادۃ المتقین، ج۔۷ ص ۴۷۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

تیسیر میں اس حدیث کے نیچے فرمایا **من جادل فی خصومة ای استعمل التعصب والمراء حتی ینزع ای ترک ذلک و یتوب منه توبه صحیحة**۔ حدیث میں ہے **فمن کانت فطرته الی سنتی فقد اهتدی ومن کانت فطرته الی غیر ذلک فقد هلک رواه الطبرانی فی معجم الکبیر و ابن حبان والحاکم باسناد هم کما فی الحدیقة الندیة شرح الطریقة** المحمدیۃ۔ (مسند امام احمد بن حنبل ج ۔۱۱، حدیث ۶۴۷۷، موسسۃ الرسالہ، بیروت) اور حدیث میں ہے **ما من امة ابتدعت بعد نبیها فی دینها الا اضاعت مثلها من السنة روی الطبرانی باسناده عن عفیف بن الحارث رضی الله تعالیٰ عنه**

اور حدیث میں ہے قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان اللہ حجب التوبہ عن کل صاحب بدعۃ حتی یدع بدعتہ رواہ الطبرانی باسنادہ عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حدیث میں ہے ابی اللہ تعالیٰ ان یقبل عمل صاحب بدعۃ حتی یدع بدعتہ رواہ ابن ماجۃ باسنادہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ (ص ۱۹، حدیث ۔ ۵۰، باب اجتناب البدع والجدل، داراحیاء التراث الاسلامی، بیروت) واللہ تعالیٰ اعلم۔

★☆☆☆☆

مفتی اعظم ایک ہمہ جہت شخصیت

صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری
ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی، پاکستان

ولادت:

مفتی اعظم، مولانا محمد مصطفی رضا خاں نوری علیہ الرحمۃ برعظیم جنوبی ایشیا کی نامورعبقری شخصیت، امام احمد رضا خاں حنفی قادری محدث بریلوی علیہ الرحمۃ کے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔ آپ ۲۲؍ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ/ ۷؍جولائی ۱۸۹۳ء کو بریلی (یوپی، انڈیا) میں پیدا ہوئے۔

تعلیم وتربیت:

آپ نے اپنے والد ماجد کے دارالعلوم منظرِ اسلام (قائم کردہ ۱۳۲۲ھ/ ۱۹۰۴ء بریلی) میں تعلیم وتربیت حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں والدِ ماجد امام احمد رضا خاں محدث بریلوی، برادرِ بزرگ مولانا حامد رضا خاں، مولانا رحم الٰہی منگلور، مولانا سید بشیر احمد علی گڑھی اور علامہ ظہور الحسین فاروقی نقشبندی رحمہم اللہ معروف ہیں۔ آپ نے تمام علوم عقلیہ ونقلیہ سے ۱۸؍سال کی عمر میں فراغت حاصل کی۔ علوم نقلیہ وعقلیہ میں مہارت رکھنے کے اعتبار سے آپ اپنے والدِ ماجد شیخ الاسلام امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے مظہر تھے۔ آپ کے سوانح نگاروں نے ۲۵ سے زیادہ علوم پر آپ کی دسترس ثابت کی ہے۔

فتویٰ نویسی میں مہارت:

یوں تو آپ کا خانوادہ گذشتہ ایک صدی سے ہر طرح کے علوم وفنون کا گہوارہ رہا ہے۔ لیکن تفقہ فی الدین اس خانوادہ کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ اس کا کمال امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ کے مجموعہ فتاویٰ، فتاویٰ رضویہ کی جدید ۳۰؍ضخیم جلدوں میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے جس کو بجاطور پر فقہ حنفی کا انسائیکلو پیڈیا قرار دیا گیا ہے۔ آج اس خانوادہ کی چھٹی پشت میں مولانا مفتی اختر رضا خاں الازہری مسندِ افتاء بریلی پر رونق افروز ہیں۔ اور عوام وخواص کے مرجع ہیں۔ اس طرح یہ علمی خانوادہ اس حدیث کا آئینہ دار ہے۔ **من یرد اللّٰہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین۔** (بخاری شریف ج۔۱ص ۱۶)

مولانا مصطفی رضا خاں نوری علیہ الرحمہ کی ذہانت وفطانت اور استحضار علمی کا یہ حال تھا کہ اصل کتب مطالعہ کیے بغیر بھی فتویٰ تحریر فرماتے تھے اور اس میں تحریر کردہ تمام جوابات اور حوالے مرجع کے عین مطابق ہوتے۔ فتویٰ وتقویٰ کا ایسا امتزاج آپ کے دور میں کسی اور شخصیت میں کم دیکھا گیا۔ ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء تا ۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۱ء تقریباً ستر سال کی طویل مدت تک آپ نے مسندِ افتا کو رونق بخشی۔ آپ کی ذات مرجع عوام وخواص رہی۔ آپ کی اصابتِ رائے اور فکری گہرائی کی مثال آپ کے دور میں ملنی مشکل ہے۔ مختلف مسائل پر

آپ کے فتاویٰ ہزاروں کی تعداد میں ہیں۔ابھی تک صرف ۳؍جلدیں زیورِ طبع سے آراستہ ہوسکی ہیں۔ان کے مطالعہ سے آپ کی عبقریت، تبحرِ علمی کا کچھ اندازہ ہوتا ہے۔آج کل اکناف عالم میں دہشت گردی اور شدت پسندی کا دور دورہ ہے،بعض دہشت گرد اور شدت پسند دیوبندیوں اور نجدیوں کی حرکات کی وجہ سے اسلام دشمن قوتیں عالمِ اسلام کو بدنام کرنے اور اسلام کو دہشت گرد مذہب قرار دینے کی کوشش میں قرآنِ مجید فرقانِ حمید پر اعتراضات کررہی ہیں اور اس کے وحی الٰہی ہونے سے منکر ہیں،بل کہ صیہونی اور عیسائی سازش کے تحت ایک جھوٹا قرآن ''فرقان الحق'' کے نام سے گڑھا گیا ہے۔حضور مفتی اعظم سے آج سے کئی سال قبل قرآن شریف کی حقانیت اور اس کے آسمانی ہونے پر دلائل کے لیے ایک سوال ہوا تھا،آپ نے اس کا جو جواب مرحمت فرمایا تھا۔اس مختصر مگر جامع جواب سے آپ کی شانِ فقاہت آشکارا ہوتی ہے۔آپ نے ثابت کیا کہ قرآن خداے تعالیٰ کا کلام ہونے میں کسی کے کہنے کا محتاج نہیں کہ دنیا کے معتبر لوگ کہیں کہ کلامِ خدا ہے تو اس کا کلامِ خدا ہونا ثابت ہو،وہ آپ اپنی دلیل ہے،ملاحظہ ہو فتاویٰ مصطفویہ۔

آپ کے تفقہ فی الدین اور علم و فضل میں بلند مقام کا ایک دوسرا ثبوت بہت سے علماے حرمین شریفین مثلاً علامہ سید علوی مالکی، علامہ سید محمد امین مکی رحمہا اللہ کا آپ سے سند و اجازتِ حدیث و فقہ حاصل کرنا ہے۔

درس و تدریس :

تعلیم سے فراغت کے بعد کچھ دنوں تک دارالعلوم منظر اسلام بریلی میں درس و تدریس میں مشغول رہے۔پھر دارالافتا کی ذمہ داریوں کے باعث مخصوص طلبہ تک سلسلۂ درس و تدریس محدود ہوگیا۔بعدۂ آپ نے ''مظہر اسلام'' کے نام سے بریلی میں ایک اور دارالعلوم کی بنیاد رکھی،کارِ افتا اور دیگر دینی، تصنیفی اور ملی خدمات و مصروفیات کی بنا پر آپ نے درس و تدریس کی خدمات اپنے نائبین کے سپرد کیں۔آپ علما و اساتذہ کی بہت عزت و توقیر کرتے اور طلبہ سے بہت شفقت و محبت فرماتے اور نادار طلبہ کو خفیہ طور پر خرچ کی رقم دیتے۔ساداتِ کرام سے خصوصی اعزاز و اکرام سے پیش آتے۔آپ کے پاس ہند کے علاوہ افریقہ، ماریشش ،سری لنکا، ملیشیا، بنگلہ دیش اور پاکستان سے سیکڑوں کی تعداد میں استفتا آتے تھے اور آپ ان کے جواب لکھتے لکھاتے تھے۔

تصنیفات و حواشی :

مفتی اعظم نے اپنی گوناگوں دینی،علمی اور ملّی مصروفیات کے باوجود تصنیفات و تالیفات کا ایک گرانقدر ذخیرہ چھوڑا ہے جو آپ کے محققانہ مزاج،علمی گہرائی و گیرائی،استحضارِ علمی،وسعتِ مطالعہ اور فقہی بصیرت و ژرف نگاہی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔آپ کے اسلوبِ تحقیق و تحریر میں آپ کے والدِ ماجد امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی جھلک نمایاں ہے۔آپ کے سوانح نگاروں نے ۳۵ سے زائد تصانیف،تالیفات حواشی کی فہرست مرتب کی ہے۔

بیعت و ارشاد :

حضرت مفتی اعظم نے درس و تدریس،تالیف و تصنیف کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی اصلاح و فلاح اور ردِّ بدعات و منکرات کے لیے وعظ و نصیحت اور بیعت و ارشاد کا سلسلہ بھی جاری رکھا اور ہزاروں طالبانِ علم معرفت کی سیرابی اور لاکھوں گم گشتگانِ راہ کی ہدایت کا موجب بنے۔آپ کو سید المشائخ حضرت شاہ سید ابوالحسین نوری مارہروی علیہ الرحمۃ نے سلسلۂ قادریہ برکاتیہ میں داخلِ سلسلہ کیا اور تمام سلاسلِ اربعہ کی اجازت و خلافت عطا فرمائی۔اس کے علاوہ آپ کو امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے بھی ان ۲۵ سلاسلِ اولیاء و

اسنادِ قرآن و حدیث کی اجازت فرمائیں جو ''النور والبہاء'' میں درج ہیں، نیز ان تمام سلاسل واسنادِ رضویہ کی اجازات عطا فرمائیں۔ جو ''الاجازات المتینہ'' اور فتاویٰ رضویہ میں درج ہیں۔

آپ کے مریدوں میں عرب وعجم کے بڑے بڑے علما وصلحا ومشائخ ،شعرا وادبا، مفکرین، قائدین، اسکالرز و دانشور حضرات شامل ہیں۔ آپ کی ذات سے برصغیر پاک و ہند، بنگلہ دیش میں سلسلۂ عالیہ قادریہ رضویہ کو سب سے زیادہ فروغ حاصل ہوا۔

ذوقِ شعروادب :

مفتی اعظم مولانا مصطفی رضا خاں نوریؔ علیہ الرحمۃ بلند ذوقِ شعروادب کے حامل تھے اور یہ ملکہ آپ کو اپنے والدِ ماجد سے وراثت میں ملا تھا۔ آپ کا شمار اپنے وقت کے استاذ شعرا میں ہوتا ہے۔ آپ نوریؔ تخلص فرماتے تھے۔ آپ نے شاعری کو عشقِ مجازی کے بجائے عشقِ حقیقی کا ذریعۂ اظہار بنایا اور اس کے تمام موضوعات و اصناف مثلاً حمد، نعت، منقبت، غزل، قطعات، رباعیات پر قلم اٹھایا۔ اس اعتبار سے آپ کی شاعری آفاقی، اصلاحی اور پیغاماتی ہے اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے بے پناہ عشق کا مظہر ہے۔ آپ کے اشعار میں آپ کے والد ماجد رضاؔ بریلوی کی طرح دل نشینی، دل آویزی، نغمگی، برجستگی اور تغزل کا رنگ ہے۔ آپ نے اپنی نعتوں میں مضامین و الفاظ، استعارات و تلمیحات کے استعمال میں خاص احتیاط برتی ہے اور متقدمین علما و صوفیہ شعرا کی روایت پر نظر رکھی ہے۔ آج کل نعت کی محفلوں میں اکثر نعت خواں آپ کا کلام خوش الحانی سے پڑھتے ہیں۔ برصغیر ہند و پاک کے نعتیہ مشاعروں میں آپ کے بعض نعتیہ مصرعوں کو بطورِ مصرعہ طرح بھی استعمال کیا گیا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

وہ حسیں کیا جو فتنے اٹھا کر چلے　　ہاں حسیں تم ہو فتنے مٹا کر چلے
شب کو شبنم کی مانند رویا کئے　　صورتِ گل وہ ہم کو ہنسا کر چلے

جو ساقی کوثر کے چہرے سے نقاب اٹھے　　ہر دل بنے مے خانہ، ہر آنکھ ہو پیمانہ
مستِ مئے الفت ہے، مدہوشِ محبت ہے　　فرزانہ ہے دیوانہ، دیوانہ ہے فرزانہ

مرضِ عشق کا بیمار بھی کیا ہوتا ہے　　جتنی کرتا ہے دوا اور سوا ہوتا ہے

داغِ دل میں جو مزا پایا ہے نوریؔ تم نے　　ایسا دنیا کی کسی شی میں مزا ہوتا ہے

پیام لے کے جو آئی صبا مدینے سے　　مریضِ عشق کی لائی دوا مدینے سے

سنو تو غور سے آئی صدا مدینے سے　　قریں ہے رحمت وفضلِ خدا مدینے سے
ترے نصیب کا نوریؔ ملے گا تجھ کو بھی　　لے آئے حصہ یہ شاہ و گدا مدینے سے

آپ نے اپنے مرشدِ طریقت حضرت ابوالحسین نوری قدس سرہ العزیز کے نامِ نامی کی نسبت سے اپنا تخلص نوریؔ رکھا۔ آپ کی شاعری کے زیر و بم میں جہاں رضاؔ بریلوی کی طرح قرآن و حدیث، فقہ و تفسیر اور تصوف کی چاشنی پنہاں ہے وہیں حسنؔ بریلوی کی طرح آپ کے کلام میں معنی آفرینی کے ساتھ شکوہِ الفاظ، بیساختگی، برجستگی، بندشوں کی چستی اور زبان کی سادگی بھی نظر آتی ہے۔ آپ کی شاعری کی چند خوبیاں درج ذیل ہیں:

۱-سادہ پن اور بے ساختگی : دہلی کا ایک مصرعہ ہے: ع کون کہتا ہے آنکھیں چرا کر چلے

آپ نے اس مصرع پر جونعت کہی ہے وہ زبان و بیان، سادگی، بندشوں کی چستی اور محاکات (پیکر تراشی) کا بہترین نمونہ ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

کون کہتا ہے آنکھیں چرا کر چلے — کب کسی سے نگاہیں بچا کر چلے
وہ حسیں کیا جو فتنے اٹھا کر چلے — ہاں حسیں تم ہو فتنے مٹا کر چلے
بد سے بد کو لیا جس نے آغوش میں — کب کسی سے وہ دامن بچا کر چلے
مرتے دم سر درِ پاک پر رکھ دیا — اس ادا سے قضا ہم ادا کر چلے

۳۴/اشعار پر مشتمل اس نعت کے ہر شعر کی خوبیوں کو اگر بیان کیا جائے تو ایک دفتر چاہیے۔

۲-زبانوں پر عبور : آپ کو عربی، فارسی اور ہندی بھاشا پر بھی عبور حاصل تھا۔ چنانچہ آپ کے کلام میں ہندی الفاظ اور محاوروں کا جا بجا استعمال ملتا ہے۔ مثال ملاحظہ ہو:

آہ دہائی رحمت والے — تم پر لاکھوں سلام، تم پر لاکھوں سلام
کھیون ہارے کھیون ہارے — بیّاں پکڑے مورے پیارے
قوت والے ہمت والے — تم پر لاکھوں سلام، تم پر لاکھوں سلام
موت کا اب نہیں کھٹکا — زندگی شبھ گھڑی سے پائی ہے

۳-ایک ہی لفظ کو مختلف معنوں میں استعمال کرنا آپ کی شاعری کی ایک اور اہم خصوصیت ہے ملاحظہ ہو:

کوئی دم کہ مہماں ہیں آجاؤ اس دم — کہ سینے میں اٹکا ہے دم غوثِ اعظم
دمِ نزع آؤ کہ دم آئے دم میں — کرو ہم پہ یٰسین دم غوثِ اعظم

۴-آپ کی نعتیہ شاعری میں بے حد آسان اور پرشکوہ الفاظ کے ساتھ نادر لہجہ کی مثالیں بھی ملتی ہیں، مثلاً اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد میں یہ نادر لب ولہجہ ملاحظہ ہو:

اللہ واحد و یکتا ہے — ایک خدا بس تنہا ہے
کوئی نہ اس کا ہمتا ہے — ایک ہی سب کی سنتا ہے
لا الہ الا اللہ — امنّا برسول اللہ
ایک نہ ہوتا گر اللہ — کیسے ہوتے ارض و سما
ہوتا نہ اک محتاج اِک کا — کس لیے یہ اس سے ملتا
سوتا پیتا کھاتا نہیں — اس کا رشتہ ناتا نہیں
اس کے پتا ماتا نہیں — اس کے جورو جاتا نہیں
لا الہ الا اللہ — امنّا برسول اللہ

۵-آپ کے نعتیہ کلام میں رنگِ تغزل بھی جگہ جگہ نمایاں ہے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

وہ گلستاں ہے جہاں آپ ہوں اے جانِ جہاں
آپ صحرا میں اگر آئیں تو گلستاں ہوگا

دل گیا اچھا ہوا، اس کا نہیں غم، غم یہ ہے
لے گیا پہلو سے جو، وہ دلربا ملتا نہیں

۶-نوری بریلوی علیہ الرحمۃ کے کلام میں اگر پیکر تراشی (محاکات) کا جائزہ لیا جائے تو اس کے حسین امتزاج کی منہ بولتی تصاویر جگہ جگہ نظر آئیں گی:

بصری پیکر:	ان کو دیکھا تو گیا بھول میں غم کی صورت	یاد بھی اب تو نہیں رنج و الم کی صورت
لمسی پیکر:	فق ہو چہرہ مہر و مہ کا ایسے منہ کے سامنے	جس کو قسمت سے ملے بوسہ تری پیزار کا
مذوقی پیکر:	آبلوں کے سب کٹورے آہ خالی ہوگئے	منہ ابھی تر بھی نہ ہونے پایا تھا ہر خار کا
مشامی پیکر:	عنبرستان ہے محشر کا وہ میداں سارا	کھول دے ساقی اگر حوض کنارے گیسو
سماعی پیکر:	پڑھوں وہ مطلع نوری ثنائے مہرِ انور کا	ہو جس سے قلب روشن جیسے مطلع مہرِ محشر کا
بے مثل پیکر:	محالِ عقل ہے تیرا مماثل اے مرے سرور	تو ہّم کر نہیں سکتا ہے عاقل تیرے ہمسر کا
نوری پیکر:	مٹے ظلمت جہاں کی نور کا تڑکا ہو عالم میں	نقابِ روئے انور اے مرے خورشید اب سرکا
جمالیاتی پیکر:	بسا ہوا ہے کوئی گل عذار آنکھوں میں	کھلا ہے چار طرف لالہ زار آنکھوں میں
آتشیں پیکر:	مرقدِ نوری پہ روشن ہے یہ لعلِ شب چراغ	یا چمکتا ہے ستارا آپ کی پیزار کا
لونی پیکر:	تیرے باغِ حسن کی رونق کا کیا عالم کہوں	آفتاب اک زرد پتّا ہے ترے گلزار کا

اس تمام گفتگو میں حضرت مفتی اعظم نوری بریلوی علیہ الرحمۃ کے کلام کا صرف ایک سرسری جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ آپ کے مجموعۂ کلام ''سامانِ بخشش'' (۱۳۵۴ھ) کا اگر تجزیاتی جائزہ لیا جائے تو اس میں شعر کی وہ جملہ تاثیرات محسوس کی جاسکتی ہیں جو ایک قادرالکلام استاذالشعرا کے کلام میں پائی جاتی ہیں۔ بلاشبہہ آپ نے اپنی شاعری میں صرف عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے والہانہ جذبہ کو حرزِ جاں رکھا اور تمام زندگی مدحِ مصطفوی کے نغمے سناتے رہے۔ ان کی نعتیہ شاعری کے محرکات، داخلی اور خارجی دونوں ہیں مگر داخلیت آپ کی شاعری میں اس قدر غالب ہے کہ آئینۂ روح کو صیقل کرتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ ایک محقق، ادیب اور ناقدِ شعر و ادب نے آپ کی شاعری پر بڑا جامع تبصرہ کیا ہے: ''واضح ہو کہ حضرتِ نوری بریلوی نے صنفِ سخن کا یہ دلکش تحفہ ہمیں ان لمحات میں عطا فرمایا ہے جو ان کی دینی، علمی، تبلیغی، اصلاحی اور روحانی وتجدیدی مشاغل سے بچ جایا کرتے تھے۔ اگر وہ اپنی زندگی کے جملہ اوقات محض اس فن کی غوّاصی میں بسر کرتے تو خدا تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ سخن سنجی و سخن دانی کے کس ذروۂ کمال پر ہوتے۔''

سیاسی وملّی خدمات:

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کی سیاسی بصیرت وتدبر اپنے والد ماجد کی تعلیم کا نتیجہ تھی۔ وہ ایک صاحب فکر، صائب الرائے اور صاحبِ بصیرت مدبر تھے۔ ان کی سیاسی بصیرت کی گہرائی وگیرائی کا اندازہ لگانے کے لیے ان کی دو کتابوں کا مطالعہ کافی ہوگا۔ (١) طرق الہدیٰ والارشاد (٢) مقدمہ دوام العیش۔ آپ سنّت کی نصرت واشاعت، بدعت کی بیخ کنی اور احقاقِ حق وابطالِ باطل میں حکومتِ وقت کے جبر واستبداد اور اعلانِ سزا وعقوبت سے بے نیاز، بلاطمع اور بلاخوفِ لومۃ لائم محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت واطاعت کی خاطر ہمیشہ سینہ سپر رہے۔ آپ نے ملت اسلامیہ کے اتحاد وبقا وتحفظ کی خاطر دامے، درمے، قدمے، سخنے ہر لحاظ سے خدمات انجام دیں۔

تحریکِ ہجرت، تحریک خلافت، تحریک شدھی (فتنۂ ارتداد ١٩٢٣ء)، فتنۂ بدمذہبیت، روسی تحریکِ اشتراکیت، حرم شریف پر اس وقت کے قابض حکمرانوں کی حج ٹیکس کی جبری وصولی کا معاملہ، وجوب حج اور التوائے حج کا مسئلہ، فتنۂ شہادتِ مسجدِ شہید گنج، لاہور، فتنۂ نسبندی وغیرہ کے خلاف عملی طور سے آپ نے جدوجہد کی اور مسلمانانِ ہندکو ان کے برے اثرات سے بچانے کی بھر پور کوشش فرمائی۔ فتنۂ ارتداد (١٩٢٣ء) کے زمانے میں آپ نے ۵/لاکھ غیر مسلموں مرتد مسلمانوں کو اپنی انتھک تبلیغ، حکمتِ عملی، محنت اور محبت وشفقت سے حلقہ بگوشِ اسلام کیا۔ آپ کے اس عظیم کارنامے کی بناء پر فتنۂ ارتداد کا انسداد کرنے والے علما میں آپ کا اسم گرامی سرِ فہرست ہے۔ آپ کا شمار تحریکِ پاکستان کے ہراول دستے میں ہوتا ہے۔ آپ نے تحریکِ آزادیٔ ہند اور فلاح وصلاح مسلمین کے سلسلے میں قائم انجمن، جماعتیں، مثلاً: انجمنِ اظہار الاسلام، جماعت انصار الاسلام، جماعت رضائے مصطفی، آل انڈیا سنّی کانفرنس وغیرہ میں فعال تعمیری اور تحریکی کردار ادا کیا اور تحریک پاکستان کو مؤثر وکامیاب اور متحرک وفعال بنانے میں نہ صرف سرگرداں رہے بل کہ اس کے لیے عظیم قربانیاں پیش کیں۔ قیامِ پاکستان سے قبل آل انڈیا سنّی کانفرنس منعقدہ بنارس (٢٧ تا ٣٠/اپریل ١٩٤٦ء) میں پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کے سلسلے میں جو متعدد کمیٹیاں بنی تھیں، ان میں سے درج ذیل کمیٹیوں کے سربراہی آپ کے سپرد کی گئی:

تعلیم۔ دارالقضاۃ عائلی قوانین جمعیتِ آئین ساز

اسفار : حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ تعالیٰ، رسولِ اکرم ومکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر سفر فرماتے، اس لیے آپ کا ہر سفر، سفرِ دعوۃ وارشاد ہوتا۔ آپ نے برصغیر پاک وہند کے اکثر صوبوں کا تبلیغی دورہ کیا۔ قیامِ پاکستان کے بعد آپ نے تصویر کی پابندی کی وجہ سے یہاں کا سفر نہیں کیا۔ ہندوستان میں آپ نے مدھیہ پردیش، بہار، بنگال، آسام، پنجاب، آندھرا پردیش، مہاراشٹر، گجرات، کرناٹک، یوپی، ہماچل پردیش، مدراس وغیرہ کے اکثر شہروں اور قصبوں کا تبلیغی دورہ کیا۔ آپ کے دستِ حق پرست پر لاکھوں غیر مسلم مشرف بہ اسلام ہوئے اور ہزاروں بدعقیدہ دولتِ ایمان سے مالا مال ہوئے، نیز ایک کروڑ سے زیادہ مسلمان آپ کے دستِ کرامت پر بیعت اور سلسلہ عالیہ قادریہ رضویہ برکاتیہ میں داخل ہوکر پیرِ پیراں، میرِ میراں، سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روحانی فیض سے مستفیض ہوئے۔

سفر حرمین شریفین :

آپ نے تین بار حج بیت اللہ اور زیارت روضۂ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حرمین شریفین کی حاضری دی، بارِ اول ١٣٦٥ھ/ ١٩٤٥ء، بارِ دوم ١٣٦٧ھ/ ١٩٤٨ء اور بارِ سوم ١٣٩١ھ/ ١٩٧١ء میں۔ آپ تصویر کشی سے سخت پرہیز فرماتے تھے۔ لہٰذا حج کے پاسپورٹ

کے لیے بھی آپ نے تصویر نہ کھنچوائی۔ حرمین شریفین کے سفر میں وہاں کے معروف علما ومشائخ نے آپ سے استفادہ کیا اور مختلف علوم میں سندیں حاصل کیں۔

کرامات : آپ کی کرامات بے شمار ہیں، لیکن آپ کی سب سے بڑی کرامت آپ کا تقویٰ اور سفر وحضر ہر حال میں باندازِ عزیمت سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر پابندی سے عمل پیرا ہونا تھا۔ آپ اسوۂ حسنہ کا پیکر اور قرآنی فرمان ''**وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُم**'' (سورۂ /) کا مظہر تھے۔

بقول علامہ اقبال آپ کی سب سے بڑی کرامت یہ تھی ؎

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی آن نئی شان
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان
جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
انسانوں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

وصال : آپ ۱۴؍محرم الحرام ۱۴۰۲ / ۱۲؍نومبر ۱۹۸۱ء رات ایک بج کر چالیس منٹ پر کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ **انا للہ و انا الیہ راجعون**۔ وصال کے وقت آپ کی عمر ۹۱ سال تھی۔ آپ کے وصال کی خبر دنیا کے تمام مشہور ریڈیو اسٹیشنز سے نشر کی گئی۔ آپ کا جنازہ اسلامیہ کالج بریلی کے میدان میں پڑھایا گیا۔ نمازِ جنازہ حضرت مولانا سید مختار اشرف علیہ الرحمۃ سجادہ نشین کچھوچھہ شریف نے پڑھائی۔ آپ کے جنازے میں ہندوستان کی مرکزی وصوبائی حکومتوں کے نمائندوں کے علاوہ اعلیٰ سول افسران، اور تمام اسلامی ملکوں کے سفیروں اور میڈیا واخبارات کے نمائندوں نے شرکت کی۔ لاکھوں افراد نے آپ کے جنازے میں شرکت کی۔ اخباری رپورٹ کے مطابق دنیا کے کسی مذہبی رہنما کے جلوسِ جنازہ میں اتنی بڑی تعداد میں کسی مذہب وملت کے افراد نے آج تک شرکت نہیں کی۔ آپ کو اپنے والد ماجد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں محدث بریلوی قدس سرہٗ کے بائیں پہلو میں ابدی آرام کے لیے لٹایا گیا جہاں ہر سال لاکھوں عقیدتمند، مشائخ کرام، علمائے عظام اور دانشورانِ ملت زیارت کے لیے حاضر ہوتے ہیں اور فیوض وبرکات سے مستفیض ہوتے ہیں۔

آپ کے قائم مقام اور جانشین حضرت علامہ مفتی اختر رضا خاں الازہری حفظہ اللہ الباری نے ایک طویل عربی منقبت لکھی جس کے آخری شعر میں تاریخِ وصال درج ہے۔

سئلون اختر رحلة سیدی
فقلت عظیم الشان لیتنا الدار

۱۴۰۲ھ

علامہ مولانا سید محمد قائم رضوی قتیلؔ داناپوری علیہ الرحمۃ نے فارسی میں ایک منقبتی نظم لکھی جس کے آخری شعر سے تاریخ ہجری وعیسوی استنباط ہوتی ہے۔

من ہم قتیلؔ آہ! ازیں حادثہ کشم
ہاتف بگفت سال چو پر سید مش کہ چیست

ہجریست سال ''سوئے بہشتِ بزرگ قصر'' (۱۴۰۲ھ)
'' پرواز کرد مفتی اعظم '' بہ عیسوی ست (۱۹۸۱ء)

کتابیات

۱- مفتی اعظم اوران کے خلفاء (جلد اول) مصنف: محمد شہاب الدین رضوی بہرائچی، ناشر: رضا اکیڈمی، ممبئی
۲- تذکرہ مشائخ قادریہ، مؤلف: مولانا عبدالمجتبیٰ رضوی، ناشر: اکیڈمی مشائخ قادریہ رضویہ، بخشی مسجد، آندھرا پل، بنارس۔
۳- یادگارِ رضا، سالنامہ، ۱۴۲٦ھ/ ۲۰۰۵ء
۴- مفتی اعظم مصنف: سید محمد ریاست علی قادری، ناشر: ادارہ اہل سنت، اخوند مسجد، کھارادر، کراچی
۵- حیاتِ مفتی اعظم کی ایک جھلک۔ مرتب: الحاج صوفی اقبال احمد نوری، ناشر: ادارہ ماہنامہ اعلیٰ حضرت، رضا نگر، بریلی
٦- رہبرِ اعظم، مرتب: ڈاکٹر شرافت اللہ، ناشر: مشتاق حسین فرینڈس بک کارنر، اسلامیہ مارکیٹ، بریلی
۷- تجلیاتِ مفتی اعظم۔ مصنف: محمد قمر الحسن قمر بستوی، رضا اکیڈمی، ممبئی
۸- سہ ماہی، دامنِ مصطفی، مئی ۱۹۹۰ء تا اکتوبر ۱۹۹۰ء بریلی۔
۹- ماہنامہ یٰسین مفتی اعظم نمبر، جنوری، فروری ۱۹۹۲ء، کنگھی محال، کانپور، انڈیا

☆☆☆☆☆

مفتی اعظم کے افاداتِ علمیہ

مولانا فروغ احمد اعظمی مصباحی
استاذ دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی، ضلع بستی، یوپی

مفتی اعظم حضرت علامہ شاہ مصطفی رضا خاں نوری بریلوی قدس سرہ العزیز ۱۳۱۰ھ/ ۱۸۹۳ء-۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء ابن اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قدس سرہ العزیز ایک ایسی عبقری شخصیت کا نام ہے جنھوں نے اپنے دور میں رشد وہدایت تبلیغ ودعوت اور اصلاحِ امت کا فریضہ کچھ اس طرح انجام دیا، کہ اس سے قرونِ اولیٰ کے ان مردانِ حق، خاصانِ خدا، اولیاے کرام اور مصلحین ومبلغین اسلام کی یاد تازہ ہوجاتی ہے، جن کا نفس نفس اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی انجام دہی میں گزرا اور ان کا ہر ہر عمل خدمتِ دین اور ہدایت مسلمین کے جذبے کا مظہر رہا، مفتی اعظم علم وعمل کا پیکر اور طہارت وتقویٰ کا سراپا تھے اور وہ سب کے لیے یہی پسند بھی کرتے تھے کہ ہر عالم وعامی مسلمان دین کی تعلیمات سمجھے اور سمجھ کر سچا اور باعمل مومن بن کر زندگی گزارے، وہ ایمان وعقیدہ اعمال واخلاق اور حقوق و معاملات ہر ایک شعبے میں انحراف وکج روی اور بے اعتدالی کو سخت ناپسند فرماتے تھے اور اس پر فوراً ٹوکتے، اور مخلصانہ اصلاح فرماتے، خواہ سامنے کوئی بھی ہو اپنا ہو یا غیر، مسلم ہو یا غیر مسلم، ہم عقیدہ ہو یا بدعقیدہ، عالم ہو یا عامی، صاحبِ ثروت ہو یا غریب، مرد ہو یا عورت۔

مفتی اعظم تقریر وخطابت کے عادی نہ تھے مگر اپنے رسوخِ علم اور مرتبہ فضل وکمال کی وجہ سے مرجعِ عوام ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے بڑے علما فضلاے عصر بھی آپ کی طرف رجوع فرماتے تھے اور اپنے دور میں سند اور اتھارٹی سمجھے جانے والے یہ معاصر علما وفقہا، حدیث، فقہ، اصول، منطق، فلسفہ، نحو، صرف اور معانی وبیان وغیرہ علوم وفنون ہر طرح کے علمی وفنی اشکالات اور فقہی مشکلات ان کے سامنے پیش کرتے تھے اور مفتی اعظم انھیں چٹکی میں حل فرما دیتے اور اپنے افادات واصلاحات سے نواز کر مطمئن فرماتے۔ کسی کو کوئی خلافِ شرع کام کرتے یا کہتے پاتے تو از خود تنبیہ فرماتے۔ دورانِ تقریر وشعر خوانی شرعی چوک، غلطی اور بے احتیاطی پر بروقت گرفت فرماتے، وہ زبان و بیان کا بھی خاص خیال فرماتے اور حسبِ ضرورت اصلاح فرماتے۔

ان کا سایہ اک تجلی ان کا نقشِ پا چراغ وہ جدھر گزرے ادھر ہی روشنی ہوتی گئی

مفتی اعظم کے علمی افادات سے استفادہ کرنے والوں میں درالافتا کے ممتاز مسند نشین، درسگاہ کے باکمال ومشہور ترین اساتذہ و

مدرسین، خانقاہ کے مرشدین، اسٹیج کے خطباو مقررین اور اعلیٰ درجے کے دانشوران ومفکرین شامل ہیں۔

آپ کے افادات جہاں آپ کے فتاویٰ اور دیگر درجنوں تصنفات میں بکھرے ہوئے ہیں، وہیں آپ کے افادات دارالافتا، درسگاہ، نجی محفلوں اور سیرت کے جلسوں میں سامنے آئے جن کا بڑا حصہ اب تک قیدِ تحریر میں نہیں آسکا ہے، مفتی اعظم کے فیض یافتگان میں سے بیشتر حضرات ابھی باحیات ہیں، انھیں چاہیے کہ بلا تاخیر توجہ دے کر ان افادات کو ضبط تحریر میں لائیں ورنہ یہ عظیم علمی سرمایہ ضائع ہوجائے گا۔

مفتی اعظم کے دو نامور خلفاء اور میدانِ افتا و تدریس کی مایۂ ناز بالغ نظر شخصیات، استاذی خالِ معظم، نائب مفتی اعظم، شارح بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ امجدی دامت برکاتہم القدسیہ اور استاذی بحر العلوم علامہ مفتی عبد المنان صاحب قبلہ اعظمی مدظلہ العالی اور بعض دیگر حضرات نے کچھ افادات کا ذکر کیا ہے، ہم ان بزرگوں کے حوالے سے ان افادات کا ذکر کررہے ہیں۔

علوم خمسہ :

مفتی محمد اعظم صاحب ٹانڈوی شیخ الحدیث دار العلوم مظہر اسلام، بریلی شریف ومفتی رضوی دارالافتا فرماتے ہیں:

ایک بار جب کہ میں رضوی دارالافتا میں بیٹھا مشکوٰۃ شریف کا مطالعہ کررہا تھا کیوں کہ مجھے یہ کتاب پڑھانے کے لیے دی گئی تھی، حدیث جبریل میں جہاں قیامت کے علم کو پانچ ان علوم میں سے بتایا گیا ہے جنھیں بے بتائے سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا، میں اس حدیث کو کئی بار پڑھا چکا تھا اور طلبہ کو سمجھا چکا تھا لیکن مجھے خود سمجھانے کے باوجود حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ سے اس حدیث کو سمجھنے کا شوق ہوا۔ میں نے حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے دریافت کیا کہ حضور اس حدیث میں مخلوق کے لیے پانچ علوم کے ذاتی نہ ہونے کی تخصیص ہے تو پانچ ہی کی تخصیص کیوں کی گئی ہے حالاں کہ مخلوق کو کسی چیز کا علم ذاتی نہیں؟

حضرت مفتی اعظم نے ارشاد فرمایا آپ نے کہا ہے کہ علوم خمسہ کی تخصیص کی گئی، یہاں تخصیص کہاں ہے؟ میں متنبہ ہوا اور سمجھ گیا کہ حضرت نے مجھے اس بات پر تنبیہ کی کہ آپ کو تخصیص نہیں کہنا چاہیے تھا کہ تخصیص علم معانی و بیان میں خاص صورت میں ہوتی ہے، خاص کلمات کے ذریعہ مثلاً نفی اور استثنا کے ذریعہ، کلمہ انما کے ذریعہ اور تقدیم وغیرہ کے ذریعہ۔ اور یہاں ایسی کوئی صورت نہیں۔ مجھے یہاں تخصیص نہیں بولنا چاہیے تھا، اس کے بعد فوراً حضرت مفتی اعظم نے فرمایا یہ کہیے علوم خمسہ کی تخصیص بالذکر کی گئی۔ اس تنبیہ سے میں نے حضرت مفتی اعظم کے مبلغ علم کی بلندی اور تعمق نظر وفکر کو خوب سمجھ لیا اور میں نے انداز لگالیا کہ حضور مفتی اعظم کا درس نظامی پر گہرا مطالعہ ہے اگر چہ مفتی اعظم کہلاتے ہیں مگر مدرس اعظم بھی ہیں۔ پھر حضرت نے وہ بتایا جو میں جاننا چاہتا تھا حضرت مفتی اعظم نے فرمایا۔

بے شک عالم کے کسی ذرے کا بھی علم مخلوق کو بے عطاے الٰہی حاصل نہیں کہ علم ذاتی خاص ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ، حدیث شریف کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ پانچ چیزوں کا علم ذاتی مخلوق کو نہیں اور ان پانچ کے سوا معاذ اللہ علم ذاتی مخلوق کو ہے، اصل میں پانچ کی تخصیص ذکر کے ساتھ اس لیے کی گئی کہ اس زمانے میں کاہن، قائف (قیافہ شناس) اور ساحر وغیرہ ان پانچ چیزوں کے علم کا دعویٰ کیا کرتے تھے اور وہ گمراہ تھے۔ اس قابل نہیں تھے کہ اللہ عزوجل انھیں ان چیزوں کا علم عطا فرمائے، جب انھیں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہی نہیں اور وہ ان علوم کے جاننے کے مدعی تھے تو ان کے دعوے سے نکلتا تھا کہ انھیں ان چیزوں کا علم ذاتی ہے تو قرآن وحدیث میں ان کا رد کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے بے بتائے جو یہ دعویٰ کررہے ہیں وہ غلط اور باطل ہے ان علوم کو بھی وہی جانتے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ بتائے اور یہ کاہن وغیرہ نہیں جانتے۔ یہ ہے وجہ تخصیص بالذکر کی۔

یہ ایک حدیث خاص حضرت نے مجھے سمجھائی اور پتہ نہیں کتنی بار فتاوے سناتے اور دکھاتے وقت تفسیر وحدیث اور فقہ وغیرہ کی کتابوں کے مطالب سمجھائے اور بتائے۔ (مقدمہ مفتی اعظم اوران کے خلفا،ص ۴۶-۴۷)

مقاماتِ اِنَّ مکسورہ : جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی کے استاذ مولانا عبدالخالق رضوی کا بیان ہے :

۱۹۷۳ء میں ایک روز بعد نماز عشا میں، مولانا بلال احمد رضوی اور مولانا محمد ہاشم یوسفی رضوی دارالافتا میں حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کی خدمت میں تبرکاً بخاری شریف پڑھنے کے لیے حاضر ہوئے، حضرت مفتی اعظم نے بخاری شریف کی حدیث ''**اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَاتِ**'' مالِ شفقت کے ساتھ پڑھائی۔ عبارت پڑھتے وقت حضرت کا رعب علمی کچھ اس طرح غالب آیا کہ زبان سے **اِنَّمَا** کی بجائے **اَنَّمَا** نکل گیا۔ حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ نے ارشاد فرمایا **اَنَّمَا** نہیں **اِنَّمَا** ہے۔

اِنَّ متعدد مقامات پر آتا ہے۔

۱- القول مصدر سے جتنے اعمال مشتق ہوں ان کے بعد، جیسے **قَالَ اِنَّهٗ یَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ**۔ (سورۂ بقرہ ۲/ ۶۸)

۲- اسم موصول کے بعد جیسے **جَاءَ الرَّجُلُ الَّذِیْ اِنَّهٗ قَائِمٌ**۔

۳- ابتدا کلام میں جیسے **اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ**۔ (سورۂ بقرہ ۵/ ۱۷۳)

۴- جس کی خبر میں لام تاکید ہو جیسے **اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ**۔ (سورۂ بقرہ ۲/ ۲۵۲)

۵- جوابات قسم میں جیسے **وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ**۔ (سورۂ عصر ۱/ ۱۰۳)

(مقدمہ مفتی اعظم اوران کے خلفا،ص ۴۸-۴۹)

مقولہ عرب میں مِن کا مطلب :

شارح بخاری حضرت علامہ مفتی شریف الحق امجدی، مفتی اعظم کی ایک علمی مجلس کا حال یوں بیان فرماتے ہیں:

شرح مأۃ عامل عبدالرسول کے حاشیے میں عربی کا ایک مقولہ ہے: ''**اَلنَّارُ فِی الشِّتَاءِ خَیْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ**'' جس کا ظاہری ترجمہ یہ ہے کہ جاڑے میں آگ اللہ اور رسول سے بہتر ہے۔ اور ظاہر ہے یہ معنیٰ کفری ہے۔

حاشیہ شرح مأۃ عامل کے مطابق مِن یہاں پر قسمیہ ہے۔ تو اب معنیٰ یہ ہوں گے کہ اللہ وسول کی قسم آگ جاڑے میں بہتر ہے۔ مگر اس توجیہ پر بھی یہ اشکال ہے کہ اللہ کی قسم کھانا تو جائز ہے۔ مگر رسول کی قسم کھانا جائز نہیں۔ علما کے درمیان اس مسئلہ میں مذاکرہ ہوا۔ سب نے اپنے اپنے طر پر جوابات دیئے۔ پھر آخر میں حضرت مفتی اعظم رضی اللہ عنہ سے استفسار کیا گیا۔ حضرت نے ایسا جواب دیا جس سے اس جملہ کی صحیح توجیہ بھی ہوگئی اور اشکال بھی اٹھ گیا۔ حضرت نے فرمایا کہ اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ آپ لوگ روزمرہ کے محاورے میں بولتے ہیں۔ یہ بات منجانب اللہ ہے۔ اسی طور پر اس جملہ کو سمجھیے۔

حضرت کے ارشاد سے صاف ہوگیا کہ ''مِن'' یہاں قسمیہ نہیں ہے کہ وہ اشکال ہو۔ جو گزرا۔ نہ تفضیل کے لیے جیسا کہ اس جملے سے ذہن کو دھوکا ہوتا ہے۔ بل کہ مِن یہاں ابتدائے غایت کے لیے ہے اور مطلب یہ ہے:

''اللہ ورسول کی جانب سے آگ جاڑے میں بہتر ہے۔'' (مقدمہ مفتی اعظم اوران کے خلفا، جلد ا،ص ۶۸-۶۹)

شارح بخاری حضرت علامہ مفتی شریف الحق صاحب امجدی دامت برکاتہم العالیہ صدر شعبۂ افتا الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے ممتاز خلیفہ اور کثیر الاستفادہ تلمیذ ہیں، جنھیں گیارہ سال سے زائد رضوی دارالافتا میں مفتی اعظم کے زیر نگرانی فتویٰ

نویسی اور علمی استفادہ کرنے کا شرف حاصل ہے، وہ مفتی اعظم کے افادات کے چند نمونے بیان فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

توفہما : ایک دفعہ میں نے لکھا تھا ''توفہما'' فرمایا ''فہما'' کے ساتھ ''تو'' کا کیا جوڑ؟ (انوار مفتی اعظم ص ۲۵۸،) عربی کا ''ف'' خود ہی ''تو'' کا معنیٰ رکھتا ہے۔

ظاہر ہے کہ لفظ ''تو'' لفظ ''فہما'' کے حرف ''فاء'' ہی کا ترجمہ ہے۔ اگر فاء کے ساتھ ''تو'' بھی جوڑ اجائے، تو یہ ایسے ہی ہوا جیسے آب زمزم کا پانی۔

مہر کی تانیث : حضرت مفتی صاحب قبلہ آگے بیان فرماتے ہیں: ہمارے اعظم گڑھ کے عرف میں ''مُہر'' کو (منکوحہ کا مہر) مونث استعمال کرتے ہیں، اس وجہ سے میں نے مہر کے لیے تانیث کا صیغہ استعمال کر دیا، فوراً تنبیہ فرمائی۔ (انوار مفتی اعظم، ص ۲۵۸)

بحر العلوم حضرت علامہ مفتی عبدالمنان صاحب قبلہ اعظمی دامت برکاتہم العالیہ خلیفہ مفتی اعظم ایک اچھے مدرس و مفتی ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے وقت کے مقبول اور کامیاب خطیب بھی ہیں، تقریری جلسوں میں بارہا اسٹیج پر حضرت مفتی اعظم کی موجودگی میں حضرت مفتی صاحب کو تقریر کرنے کا اتفاق ہوا ہے، اور ساتھ میں سفر بھی کیا ہے، نیز بریلی شریف اور مبارک پور میں فیض صحبت بھی اٹھایا ہے، بحر العلوم نے اپنی یادداشت سے مفتی اعظم کے کچھ افادات کا ذکر کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ عمل کا استعمال :

لفظ ''عمل'' کا استعمال اللہ تعالیٰ کے لیے شرع میں کہیں بھی وارد نہیں۔ قرآن میں لفظ ''فعل'' یا اس کے مشتقات آئے ہیں جیسے سورۂ بروج میں ''**فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ**'' اور سورۂ حج میں ''**اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ**'' وغیرہ۔

''گیا'' کے ایک جلسے میں حضرت بحر العلوم کی زبان سے اللہ تعالیٰ کے لیے ''عمل'' کا لفظ استعمال ہو گیا تو مفتی اعظم نے بحر العلوم سے فرمایا: ''رات آپ نے تقریر میں اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ ''عمل'' کا استعمال فرمایا، اگر کہیں قرآن و حدیث میں یہ لفظ ذات باری کے لیے آیا ہو، تب تو اس کا بولنا صحیح ہوگا، ورنہ نہیں، اس امر کی تحقیق کر لیجیے گا''

بحر العلوم لکھتے ہیں: آج پندرہ بیس سال ہو گئے اور میں اس سلسلے میں غور کرتا رہتا ہوں مجھے تو کوئی ایسا محل استعمال نہ ملا۔

(مفتی اعظم نمبر ماہنامہ حجاز جدید، دہلی ستمبر اکتوبر ۹۰ء، ص ۳۲)

مسلمان بدنصیب نہیں ہوتا : بحر العلوم لکھتے ہیں: مغربی یوپی کے کسی علاقے میں تقریر کرتے ہوئے میں نے کہا: بدنصیب مسلمان آج کل رات میں بارہ بجے تک سنیما دیکھتے ہیں اور دن میں دس بجے تک سوتے ہیں، یک بیک (مفتی اعظم نے) بازو سے میری طرف پوری طرح مخاطب ہو کر کہا، نہایت بلند آواز میں بے حد بیزاری کے ساتھ، گویا مجھ پر پھٹ پڑے:

''مولانا! میں اس کو مان نہیں سکتا کہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت بدنصیب ہو، آپ اس کو بدنصیب نہ کہیے، کچھ اور کہہ لیجیے'' حق یہ ہے کہ جس امت کے نگہبان رسول عربی ہوں وہ بدقسمت کیسے ہو سکتی ہے۔'' (مفتی اعظم نمبر ماہنامہ حجاز جدید، دہلی ستمبر اکتوبر ۹۰ء، ص ۳۲)

طوفان گزر جائے گا : بحر العلوم ہی کا بیان ہے:

اور (مفتی اعظم کا) زبان و بیان کی اصلاح کا انداز تو بے حد دلچسپ اور پر لطف ہوتا تھا، ایک دفعہ لوگوں نے آپ کے سامنے کہنا شروع کیا: طوفان (ایکسپریس) ایک بجے آرہا ہے، ایک بجے طوفان آرہا ہے'' کئی بار اس جملے کو سن چکے تو فرمایا: ''سبحان اللہ بولنے کا کیا

انداز ہے ''طوفان آرہا ہے، طوفان آرہا ہے'' میاں! کہنا ہی ہے تو یوں کہو'' ایک بجے بریلی اسٹیشن سے طوفان گزر جائے گا۔''

بحر العلوم دونوں جملوں ''طوفان آرہا ہے'' اور ''طوفان گزر جائے گا'' کے فرق پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''سبحان اللہ بات وہی ہے لیکن پہلے جملے کا ظاہر بے حد بھیانک ہے اور دوسرے کا ظاہر و باطن یکساں خوشگوار، تھوڑے سے تصرف نے قبح کو حسن بنا ڈالا۔''

(مفتی اعظم نمبر ماہنامہ حجاز جدید، دہلی ستمبر اکتوبر ۹۰ء، ص ۳۲)

بلا کا حافظہ : مفتی اعظم زبان و بیان کی لطافت کا خیال رکھنے کے ساتھ ساتھ بزرگوں کی شان میں حد درجہ محتاط بھی تھے، وہ یہ بھی نہیں پسند فرماتے تھے کہ کوئی ایسا جملہ بھی استعمال کیا جائے، جس میں ظاہر ہی کے اعتبار سے سہی کوئی نقص یا بے ادبی کا ادنی سا شائبہ تک موہوم ہوتا ہو، اگر چہ اس جملے کا استعمال مقام مدح وستائش میں عام اور رائج ہو، مثلاً ''بلا کا حافظہ''

حضرت بحر العلوم اس سلسلے کا ایک واقعہ اس طرح ذکر کرتے ہیں: فتاویٰ رضویہ جلد سوم شائع ہوئی تو آپ (مفتی اعظم) کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے ایک نسخہ حاضر خدمت ہوا، خیال ہوا کہ اس کا پیش لفظ سنا دیا جائے، پیش لفظ میں ایک جگہ حضور اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کی غیر معمولی قوتِ حافظہ کے بارے میں تحریر تھا ''حافظہ اس بلا کا تھا''

بحر العلوم آگے فرماتے ہیں: پوری زندگی ہم نے اس جملے کو بار بار مقام مدح میں سنا اور پڑھا اور یہاں بھی موقع استعمال موقعِ مدح ہی تھا، سن کر حضرت نے فرمایا:

''واہ واہ! آپ نے حضرت کے حافظے کی تعریف فرمائی ہے یا تنقیص کی ہے، آپ کا حافظہ بلا کا تھا، یہ بلا کون سی چیز ہے''

حضرت بحر العلوم اس اصلاح وتنبیہ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، وہ اپنا تاثر بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

تب مجھے احساس ہوا، حضرت (مفتی اعظم) زبان و بیان کا بھی کس درجہ لطیف ذوق رکھتے تھے اور اس کی باریکیوں پر کیسی مہارت تامہ حاصل تھی، الغرض آپ کی بارگاہ میں شرعی لغزش ہو یا اخلاقی ولسانی سب پر پوری دار و گیر ہوتی اور اعلانِ حق اور امر بالمعروف کا پورا پورا حق ادا کیا جاتا۔ (مفتی اعظم ماہنامہ حجاز جدید، دہلی، ص ۳۲، ستمبر اکتوبر ۱۸۹۱ء)

فاسق کے پیچھے نماز صحیح مگر مکروہ تحریمی ہے :

ایک بنارسی مولوی صاحب نے سوال کیا کہ حدیث پاک میں ہے کہ ہر فاسق و فاجر کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے۔ **صَلُّوا خَلْفَ کُلِّ بَرٍّ وَّ فَاجِرٍ** (حدیث) تو جب حدیث پاک سے ثابت ہے، تو نماز واجب الاعادہ کیوں؟ اور دوسرے یہ کہ جس مکروہ تحریمی سے اعادہ واجب ہوتا ہے، وہ کون مکروہ تحریمی ہے، خارج نماز یا داخل نماز؟

حضرت مفتی اعظم، اس الجھن کے ازالے کے لیے حدیث کے مفہوم اور اس فقہی مسئلے کی وضاحت کرتے ہوئے افادۃً یوں رقم طراز ہیں:

''جواز بمعنی صحت بھی ہوتا ہے اور بمعنی حل بھی، فاسق ومبتدع جس کی بدعت حد کفر تک نہ پہونچی ہو، اس کے پیچھے نماز جائز ہوتی ہے، یعنی صحیح ہو جاتی ہے، مگر مکروہ تحریمی ہوتی ہے، فرض گردن سے اتر جاتا ہے اور ناجائز ہے، یعنی ان کے پیچھے پڑھنا انھیں امام بنانا، رد المختار میں فرمایا **جاز ای مع کراھۃ التحریم**، وہ حدیث جس کا مولوی صاحب نے ذکر کیا ہے **صلوا خلف کل بر و فاجر**، علامہ سید عبد الرؤف مناوی قدس سرہ تیسیر شرح جامع صغیر میں اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: **صلوا جوازا خلف کل بر و فاجر ای فاسق فان الصلوٰہ خلفہ صحیحۃ لکنھا مکروھۃ** (مفتی اعظم آگے فرماتے ہیں) نماز جب کسی مکروہ تحریمی کے ساتھ ادا ہو، تو

واجب الاعادہ ہوتی ہے، **کل صلوٰۃ ادیت مع کراھۃ التحریم تجب اعادتھا**۔ جب بحالتِ نماز ایک گناہ کا ارتکاب کیا تو نماز اس کی ایک ناجائز امر پر مشتمل ہوئی، کراہت کے لیے اشتمال کافی ہے، وہ مکروہ خارج ہو یا داخل

(فتاویٰ مصطفویہ، جلد ۲، ص ۴۵ ۔ اشاعت جدید، رضا اکیڈمی، ممبئی)

☆☆☆☆☆

حضور مفتی اعظمِ ہند اور مسئلۂ تثویب

مولانا مفتی محمد شمشاد حسین رضوی

رضوی دار الافتا محلہ چودھری سرائے، بدایوں

عارف باللہ، عالم حق آگاہ، حضور تاجدارِ اہل سنت حضرت سیدنا شاہ محمد مصطفی رضا خاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے پناہ خوبیوں اور ان گنت کمالات کے حامل تھے۔ آپ کی ذات ستودہ صفات میں وہ تمام امتیازات اور خصوصیات جمع تھیں جو ہم عصر علمائے کرام میں کسی کو ممتاز کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ مفتی اعظم، کے منصب بلند پر فائز تھے۔ آپ کے زمانۂ اقدس میں جس قدر علمائے کرام اور فضلائے عظام تھے، سب نے آپ کی ذات پر اعتماد اور مکمل طور پر بھروسہ کیا۔ حضرت علامہ قاضی شمس الدین صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ مصنف ’’قانونِ شریعت‘‘ سے کون واقف نہیں؟ آپ کی شخصیت علمی بصیرت اور وسعت معلومات کے حوالے سے محتاجِ تعارف نہیں۔ آپ ایک دانشور اور مفکر و محقق تھے ہر کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ مگر جب کبھی آپ سرکار مفتی اعظم کا تذکرۂ جمیل فرماتے تو جبین سعادت پر نیازمندی کے آثار نمودار ہو جاتے تھے اور رخِ زیبا پر ایسی تابانی کھل اٹھتی تھی کہ دیکھنے والی نگاہیں تاڑ لیتی تھیں کہ یہ تاب و توانائی کسی سچی عقیدت اور اعتراف حقیقت کا ثمرہ و نتیجہ ہے، میرے سامنے حضرت نے بارہا یہ فرمایا......

’’میں سرکار مفتی اعظم کی ذات بابرکت پر اس قدر اعتماد رکھتا ہوں کہ ان کے فتاویٰ اور ان کی مؤید تحریرات پر آنکھیں بند کر کے تصدیق کر دیتا ہوں اور دستخط بھی۔

یہ سچ ہے کہ ’’سرکار مفتی اعظم‘‘ کو وراثت میں جہاں اور کمالات ملے تھے ان میں تفقہ فی الدین اور حکمت بالغہ بھی تھی۔ فتویٰ نویسی تو آپ کے خاندان کی روایت اور طرۂ امتیاز رہی ہے۔ آپ کے فتاویٰ میں دلائل و براہین کے ایسے آفتاب و ماہتاب تیرتے نظر آتے ہیں کہ دیکھنے والوں کی نگاہیں خیرہ ہو جاتی ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ آپ کے فتاویٰ شبِ دیجور میں تابندہ ستاروں کی مانند چمک رہے ہیں اور فکری شبستانوں میں چاندنی بکھیر رہے ہیں۔

القول العجیب ایک عظیم تصنیف :

القول العجیب فی جواز التثویب سرکار مفتی اعظم کے کل ۵ فتووں کا مجموعہ ہے جو صرف ۲۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب

پہلے مکتبہ المصطفی رام پور سے چھپی۔ پھر رضا اکیڈمی، بمبئی سے شائع ہوئی۔ یہ کتاب مختصر سہی مگر معنویت اور جامعیت کے اعتبار سے بہت زیادہ عظیم ہے۔ یہ ایک خاموش سمندر ہے جو گہرائی کا پتہ دے رہا ہے۔ کتابت، طباعت اور سرِ ورق کی خوبصورتی و رعنائی مضامین کی عظمت کی نشاندہی کر رہی ہے۔ ہندوستان کی بہت سی مسجدوں میں صلاۃ کہی جاتی ہے۔ یعنی اذان کے کچھ دیر بعد، جماعت سے کچھ دیر پہلے لوگوں کو مزید ہوشیار کرنے اور شرکت جماعت کے لیے غفلت سے بیدار کرنے کی خاطر بہ آواز بلند کہا جاتا ہے: الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ، الصلاۃ والسلام علیک یا حبیب اللہ اور اسی طرح کے کلمات۔ اسی کو تثویب کہتے ہیں۔ اس میں کوئی ایسا لفظ نہیں جو خلافت شریعت ہو، مگر افسوس اس بات پر ہے کہ یاران نکتہ چیں نے صاف ستھرے اور پاکیزہ الفاظ پر بھی اپنے اعتراضات جوڑ دیے کہ یہ بریلویت ہے، بدعت سیئہ ہے، ناجائز ہے اور اس سے اذان کی اہمیت کم ہو رہی ہے۔ اس کرب و اضطراب کا اندازہ ان استفتوں سے ہوتا ہے جو مختلف مقامات سے حضور مفتی اعظم کی بارگاہ میں بھیجے گئے۔ انھیں استفتوں اور فتووں کا ایک تجزیاتی مطالعہ پیش کرنا ہے تاکہ ہمارے قارئین کو اندازہ ہو سکے کہ سرکار مفتی اعظم علم و شعور اور فکر و نظر کی کس بلندی پر فائز تھے؟ یہ استفتے مختلف مقامات سے مختلف تاریخوں میں بھیجے گئے تھے......

(۱) پہلا استفتا ۲۸ر ذی الحجہ ۱۳۴۲ھ محلہ اعظم نگر شہر بریلی سے آیا تھا۔

(۲) دوسرا استفتا ۱۶ر شوال المکرم ۱۳۴۳ میں آیا تھا۔

(۳) ۱۷ر شوال المکرم ۱۳۴۳ھ محلہ جسولی سے آیا تھا اور سائل جناب عبدالحمید صاحب تھے۔

(۴) ۱۸ر ذی القعدہ ۱۳۴۳ھ محلہ کٹکوئیاں پرانا شہر بریلی سے آیا تھا اور اس کے سائل جناب منشی عبدالعزیز تھے۔

(۵) ۱۵ر ربیع الاول ۱۳۴۴ھ محلہ شاہ دانا بریلی سے آیا تھا اور اس کے سائل عبدالواحد صاحب تھے۔

ان استفتاؤں سے مندرجہ ذیل سوالات اخذ کیے گئے ہیں۔

(۱) صلاۃ کہنا کیسا ہے؟

(۲) کیا صلاۃ بدعت سیئہ ہے؟

(۳) احادیث سے صلاۃ کا ثبوت دیا جائے۔

(۴) اس حدیث کا کیا جواب ہے جس میں صلاۃ کو بدعت سیئہ کہا گیا ہے؟

(۵) اگر فتنہ کا قوی اندیشہ ہو تو صلاۃ کا ترک اولی ہے یا نہیں؟

قارئین انھیں سوالوں کو ذہن میں محفوظ کر لیں پھر ان کے تناظر میں فتاویٰ پر غور کریں مگر ان فتاویٰ کے مطالعہ سے قبل، صلاۃ کا تعارف، طریقۂ کار اور پسِ منظر کا مطالعہ کرتے چلیں تاکہ فتووں کے مطالعہ اور تجزیہ میں آسانی پیدا ہو۔

صلاۃ کا تعارف، طریقۂ کار اور پسِ منظر :

اذان کے بعد اور اقامت سے پہلے دوبارہ اعلان کو فقہ کی اصطلاح میں تثویب کا نام دیا گیا ہے اور اسی کو ہندوستانی عرف میں ’’صلاۃ‘‘ کہا جاتا ہے۔ کن الفاظ کے ساتھ صلاۃ کہی جائے اس کے لیے کچھ مخصوص الفاظ موضوع نہیں بل کہ یہ عرف و رواج پر مبنی ہے۔ البتہ اب تک مندرجہ ذیل الفاظ طیبہ کے ساتھ صلاۃ کہی جاتی رہی ہے......

(۱) الصلوٰۃ خیر من النوم (۲) قد قامت الصلوٰۃ (۳) حی علی الصلوۃ حی علی الفلاح

(۴) قوموا للصلوٰۃ (۵) الصلوٰۃ الصلوٰۃ یا مصلین (۶) الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللّٰہ

تثویب بذات خود انسانی فطرت کے عین مطابق ہے، کیوں کہ معلن کو جب عام طور پر یہ احساس ہوجاتا ہے کہ مدعو حضرات کسی اور کام میں مصروف ہیں یا وہ لاپرواہ ہوگئے ہیں یا کسی اور وجہ سے سستی یا غفلت ان میں در آئی ہے تو انھیں بطور تنبیہ دوبارہ بلایا جاتا ہے اور آواز لگائی جاتی ہے۔ اور اس قسم کے مکرر بلاوے سماجی و معاشرتی تقاضوں کے پیش نظر کوئی عجیب اور قابل اعتراض نہیں۔ مشاہدات و تجربات اس بات پر شاہد ہیں کہ عام طور پر اذان کے سنتے ہی مسجدوں میں آنا اور نماز کے لیے تیار ہونا نادر ہے۔ خواہ اس کے اسباب کچھ بھی ہوں۔ ایسی صورت میں اگر نمازیوں کو بلانے کے لیے دوبارہ اعلان کیا جائے یا لوگوں کو تنبیہ کی جائے تو اس پر اعتراض کرنے یا ناک بھوں چڑھانے کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔ اس لیے ضرورت ہے کہ مسئلہ تثویب کو انسانی فطرت، سماجی اور معاشرتی تقاضوں کے تناظر میں دیکھا جائے کہ آیا تثویب کی ضرورت وافادیت ہے یا نہیں؟ سرکار مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اس مضمون کو اس طرح ارشاد فرمایا: پڑھیے اور کمالِ علم وفن کا اندازہ لگایئے۔۔۔

> ''جب لوگوں میں ایسی غفلت طاری ہوگئی کہ انھیں اعلان بعد اعلان اور دوبارہ تنبیہ کی حاجت ہوئی، اذان سن کر نماز کے لیے تیار ہوجانا اور مسجد میں اذان کے ساتھ آجانا بہت نادر ہوگیا تو متاخرین علماے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے تثویب کو جائز و مستحسن قرار دیا۔ القول العجیب فی جواز التثویب: ۱۵)

نادر کی یہ صورت متاخرین علماے کرام کے زمانۂ اقدس میں تھی لیکن آج کے دور میں یہ نادر کتنا زیادہ ہوگیا ہے، اس کا احساس شاید ہر ذی شعور کو ہے۔ اس کے باوجود مسئلہ تثویب پر اعتراض یقینا حیرت انگیز ہے اور معنی خیز بھی؟ مذکورہ بالا محولہ عبارت سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ سرکار مفتی اعظم کے فتاویٰ میں صرف علمی نکات اور فکری دقائق ہی نہیں پائے جاتے ہیں بل کہ سماجی، معاشرتی اور انسانی فطرت کی صحیح تصویر کشی بھی پائی جاتی ہے۔ یہ وہ خوبی وکمال ہے جو کسی تحریر کو سائنٹیفک قرار دیتا ہے اور روحِ عصر کی جھلک کو پیش کرتا ہے۔ اب ذرا ان سوالوں کی طرف توجہ مرکوز کرتے ہیں جو استفتا کی تحریروں سے اخذ کیے گئے ہیں مثلاً۔۔۔۔

(۱) صلاۃ کہنا کیسا ہے؟

یہ وہ سوال ہے جس کا جواب اب تک کی تحریروں سے ضمناً واضح ہو چکا ہے۔ اب مزید اس کی توضیح کی ضرورت نہیں، مگر چوں کہ یہ فتویٰ کی زبان ہے جس میں جواب صراحۃً دیا جاتا ہے۔ سرکار مفتی اعظم نے بھی اس سوال کا جواب دیا ہے۔ مگر ایسا جواب دیا جس میں فقہ کی ۲۹ ر معتبر کتابوں کے حوالے موجود ہیں۔ جس سے جواب نہ صرف تشفی بخش ہے بل کہ دندان شکن اور فیصلہ کن بھی۔ آپ فرماتے ہیں۔۔۔

تثویب ضرور جائز ومندوب ومستحسن ہے ص: ۱۴

اسی طرح **کفایہ و بنایہ شرح ھدایہ و مختصر وقایہ ونھایہ و نقایہ و شرح النقابہ و فتاویٰ سراجیہ و فتح باب العنایہ و غنیہ شرح منیہ و فتاویٰ عالمگیری و فتاویٰ حجۃ و مدارج النبوت و شرح سفر السعادۃ و مرقاۃ شرح مشکوٰۃ و اشعۃ اللمعات و طحطاوی و نور الایضاح و مراقی الفلاح و فتاویٰ امام فقیہ النفس فتاویٰ قاضی خان و جامع الرموز و کنز الدقائق و تبیین الحقائق و بحر**

الرائق و ملتقی الابحر و مجمع الانهر وغیر ہا میں ہے۔ ہمارے شہر میں تثویب ان الفاظ طیبہ سے جاری ہے۔
الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ ص:۱۶

ذرا غور فرمائیں۔تثویب کے تعلق سے محولہ کتابوں کی یہ کثرت اور مسائل و جزئیات پر یہ استحضار اس بات کی نشاندہی کر رہا ہے کہ وسعت علم اور تعمق فکر کا ایک ایسا سیلِ رواں ہے جو رکنے کا نام نہیں لیتا بل کہ بہتا ہی چلا جا رہا ہے۔امام احمد رضا بریلوی کا یہ فیضان ہے جو آپ کی شخصیت اور ذات اقدس سے جاری ہے اور متلاشیان حق وصداقت کے لیے سنگ میل ثابت ہو رہا ہے۔

(۲) کیا صلاۃ بدعت سیئہ ہے؟

یہ سوال ایسا معنی خیز ہے جو معترضین کی ذہنیت اور تعصب و تنگ نظری کا پتہ دے رہا ہے۔ذرا سوچئے ہر نئی چیز کو بدعت سیئہ کہہ دینا کیا انصاف و دیانت اور راست فکری سے میل کھاتا ہے؟ ہرگز نہیں۔معترض اس بات کو کیوں نہیں سمجھتا کہ کسی شی کا بدعت ہونا اور چیز ہے اور بدعت سیئہ ہونا دوسری چیز ہے اور مستحب و مستحسن ہونا ایک الگ معاملہ ہے۔تثویب ایک امر مستحسن ہے جس پر دلائل پیش کیے جا چکے ہیں۔اب ذرا انداز جواب اور طرز تردید ملاحظہ ہو۔آپ فرماتے ہیں......

> کسی امر کے جواز واستحسان کے لیے یہ کیا ضرور ہے کہ وہ زمانۂ اقدس سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم یا کم از کم تابعین کے زمانہ میں پایا جاتا ہو؟ کیا مدارس جس ہیئت سے آج کل رائج ہیں بایں ہیئت قرون ثلاثہ میں سے کسی قرن میں رائج تھے؟ یا تینوں پاک عہدوں میں سے کسی عہد میں کوئی ایک مدرسہ بھی اس ہیئت میں تھا؟
> (القول العجیب فی جواز التثویب، ص۱۵)

سرکار مفتی اعظم کی یہ عبارت ایسی ہے جو مخالفین کے دل و دماغ پر چوٹ کرتی ہے اور ان کی دکھتی ہوئی رگ پر انگلی رکھتی ہے مخالفین لاکھ جتن کریں مگر اس کاری ضرب سے جان بر نہیں ہو سکتے۔سچ ہے ؎

وہ رضا کے نیزے کی مار ہے کہ عدو کے سینے میں غار ہے
کسے چارہ جوئی کا وار ہے کہ یہ وار وار سے پار ہے

(۳) صلاۃ احادیث کے تناظر میں :

اگر تحقیقی تناظر میں آپ دیکھیں تو تثویب یعنی صلاۃ ہر دور میں کسی نہ کسی نوعیت میں ضرور کہی جاتی رہی ہے مطلقاً تثویب کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔حضرت علامہ مفتی سید شاہد علی صاحب رضوی نے ''القول العجیب فی جواز التثویب'' کے ابتدائیہ میں اس تعلق سے اچھی بحث کی ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

(۱) مثلاً زمانہ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے :

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ وقت فجر اذان کے بعد حجرہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہوتے اور عرض کرتے **الصلوٰۃ خیر من النوم** ، یہ سن کر آپ نے ارشاد فرمایا ......**ما احسن هذ ایا بلال اجعله فی اذانک**۔(کنزالعمال حدیث۔۲۰۹۰۷،بیت الافکار الدولیہ،الریاض) کیا ہی اچھا ہے یہ۔اے بلال! تم اس کو اپنی اذان میں شامل کرلو۔(القول العجیب فی جواز التثویب، ص۴-۵)

تثویب کے یہ الفاظ اذان میں شامل کر لیے گئے اور اب تک شامل ہیں۔ اگرچہ یہ تثویب داخلی ہے یعنی اذان میں شامل ہے۔ اب رہی بات تثویب کے ان الفاظ کی جو اذان میں شامل نہیں تو اس کا ثبوت یہ ہے کہ۔ **الصلوٰۃ خیر من النوم** کو اذان میں شامل کر لینے کے بعد بھی حضرت بلال دروازہ اقدس پر حاضر ہوتے اور ان الفاظ میں تثویب فرماتے، الصلوٰۃ الصلوٰۃ۔

ان بلالا کان یحضر باب الحجرۃ النبویۃ بعد الاذان و یقول الصلوٰۃ، الصلوٰۃ، بے شک حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کاشانۂ نبوت کے دروازہ پر حاضر ہوتے اور کہتے۔ الصلوٰۃ۔ الصلوٰۃ۔

(۲) صحابہ کرام کے زمانہ کے حوالہ سے:

یہ تثویب صرف زمانۂ اقدس سے مخصوص نہ تھی بل کہ صحابہ کرام کے زمانہ میں بھی کہی جاتی تھی اور اس کے لیے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقرر تھے۔ جیسا کہ علامہ سید شاہد علی رضوی، حاشیہ کنز الدقائق کے حوالہ سے لکھتے ہیں......

ان عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ نصب زید بن ثابت لاعلامہ باوقات الصلوٰۃ و حضور الجماعۃ، بے شک سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیدنا زید بن ثابت کو نمازوں کے اوقات اور جماعت میں حاضر ہونے کی اطلاع دینے کے لیے مقرر کیا تھا۔

زمانۂ اقدس وصحابہ وتابعین کے بعد بھی تثویب جاری رہی اور ۱۴ سو سال گزر جانے کے باوجود مکہ معظّمہ اور مدینہ طیبہ میں تثویب جاری رہی جیسا کہ حضرت علامہ سید اسماعیل بن خلیل حنفی محافظ کتب حرم محترم کے ایک فتویٰ سے واضح ہوتا ہے......

ان تاریخی شواہد کے باوجود اگر کوئی تثویب کو بدعت سیئہ کا نام دے تو اس کے عقل وشعور پر ماتم ہی کیا جا سکتا ہے۔ سرکار مفتی اعظم نے انھیں تاریخی شواہد اور بلاد اسلامیہ کے معمولات اور علماے متاخرین کے اظہار پسندیدگی کو یوں مختصر مگر جامع انداز میں بطور دلیل پیش فرما دیا کہ

مارآہ المسلمون حسنا فھو عند اللّٰہ حسن ۔ (موطأ امام محمد ص ۱۴۴، رضا اکیڈمی، ممبئی) کہ جس امر کو مسلمان حسن جانیں وہ عند اللہ بھی حسن ہے۔

یہ ایک ایسی دلیل ہے جو بہت سے شکوک وشبہات کا ازالہ کرتی ہے اور تثویب کو بھی حسن قرار دیتی ہے۔ یہی جامعیت اور دلیل کی معنویت حضور مفتی اعظم کے فتاویٰ کا کہاں ہے اور امتیازی شناخت بھی۔ جو ہر فتویٰ میں بطور علامت پائی جاتی ہے۔

(۴) اس حدیث کا کیا جواب ہے جس میں تثویب کو بدعت کہا گیا:

سائل نے اپنے استفتا میں سنن ابوداؤد کے حوالہ سے یہ حدیث نقل کی......

عن مجاھد قال کنت مع ابن عمر ثوب رجل فی الظھر و العصر قال اخرج بنا فان ھذہ بدعۃ۔ (ابو داؤد شریف ج۔۱ ص ۷۹ دار الاشاعت، کلکتہ) حضرت مجاہد سے روایت ہے میں ابن عمر کے ساتھ تھا کہ ایک شخص نے ظہر اور عصر میں تثویب کہی۔ انھوں نے کہا میرے پاس سے نکل جاؤ بے شک یہ بدعت ہے۔

اولاً اس میں لفظ ''بدعت'' ہے بدعت سیئہ نہیں۔

ثانیاً سرکار مفتی اعظم ارشاد فرماتے ہیں......

> بالفرض اگر تسلیم کر لیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس تثویب کو ''بدعت سیئہ'' فرمایا تو اس وقت چوں کہ حاجت نہ تھی اس لیے وہ بے ضرورت کام تھا اور لوگوں کو خواہ مخواہ اس کا عادی بنا دینا اور ایسے لوگوں کو جو غافل نہیں

ہیں۔اذان کے بعد سے اس وقت تک ان کا غافل کر دینا اس کا انجام تھا۔(القول العجیب فی جواز التثویب ص ۱۸)

سرکار مفتی اعظم کی عبارت محولہ میں لفظ ''بالفرض اگر'' اس بات کو واضح کررہا ہے کہ حضرت ابن عمر نے اسے بدعت سیئہ نہیں فرمایا۔تثویب کی ضرورت نہ ہونے کے سبب تثویب سے منع فرمایا۔اس سے مخالفین کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا ہے اور نہ ہمیں کوئی نقصان۔

(۵) اگر خوف فتنہ ہو تو صلاۃ کا ترک اولی ہے یا نہیں؟

سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمۃ نے اس سوال کا جواب بھی بہت ہی مختصر انداز میں دیا ہے۔آپ فرماتے ہیں......

> جو لوگ صلاۃ کہنے سے روکتے ہیں، مسجد میں جھگڑتے اور اس لیے جماعت چھوڑتے ہیں، تفریق جماعت کرتے ہیں، اس سب کا وبال ان کی گردنوں پر ہے۔ صلاۃ کہنے والوں پر الزام نہیں۔ان سب پر توبہ لازم ہے۔(القول العجیب فی جواز التثویب، ص ۲۲)

اس عبارت سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ صلاۃ کا ترک اولیٰ نہیں ہے۔اب اگر کوئی لڑتا یا جھگڑتا ہے۔اس کا وبال ان پر ہے، وہ سزا پائیں گے، نہ کہ صلاۃ کہنے والے۔

یہ تھا مسئلہ تثویب کا ایک تجزیاتی مطالعہ جو سرکار مفتی اعظم کے فتاویٰ کے حوالہ سے پیش کیا گیا۔حضرت والا کے مبارک فتاویٰ میں یہ خصوصیات بھی پائی جاتی ہیں:

(۱) جواب سوال کے عین مطابق ہونا۔

(۲) ادلۂ کثیرہ کا پایا جانا۔

(۳) حوالہ جات کی بہتات۔

(۴) جواب کا مختصر مگر جامع ہونا۔

(۵) متوازن اور موزوں الفاظ کا پایا جانا۔

(۶) اسلوب میں متانت و شائستگی اور تناسب کا ہونا۔

یہ وہ خصوصیات و امتیازات ہیں جو سرکار مفتی اعظم کی شخصیت اور علمیت کو آفاقی بناتی ہیں۔انھیں خوبیوں کے سبب آپ کو صرف مفتی نہیں بل کہ ''مفتی اعظم'' علی الاطلاق کیا گیا، یہاں تک کہ یہ لقب آپ کے لیے علَم (شخصی نام) کے درجے میں آ گیا۔

☆☆☆

مفتی اعظم کی تنقیحی بصیرت

ڈاکٹر سراج احمد قادری
ایم۔اے۔، پی۔ایچ۔ڈی۔(اردو ترجمان، ڈی آئی جی آفس، بستی)

"۱۹۹۲ء میں میں نے ایک مضمون قلم بند کیا تھا جس کا عنوان تھا "اصلاح معاشرہ میں امام احمد رضا کی سعی" جو ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی، پاکستان کے سالنامہ مجلہ "معارف رضا" میں اشاعت پذیر ہوا تھا جو کافی مقبول بھی ہوا تھا۔ اس کی مقبولیت ہی کی بنا پر جناب حضرت قاری محمد احمد صاحب بقائی مہتمم مدرسہ ضیاء القرآن شاہی مسجد بڑا چاند گنج لکھنؤ نے اس کو کتابی صورت میں شائع کر کے ملک و بیرون ملک تقسیم کیا تھا۔"

میں نے اپنے اس مضمون میں حضرت سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں اور ان کے اقوال سے ایسی غیر مشروع روایتوں اور واقعات کو یکجا کیا تھا جو اپنی ساخت کے اعتبار سے اسلامی اور شرعی معلوم ہوتے ہیں مگر نفس الامر میں وہ ہفوات کا درجہ رکھتے ہیں۔ اور پھر ان واقعات اور کہانیوں کی حقیقت حضرت علامہ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تنقیحی بصیرت کی روشنی میں واضح کیا تھا کہ عند الشرع ان کی حقیقت کیا ہے؟

چوں کہ اسلامی ادب یا شرعی امور میں من گھڑت واقعات، کہانیوں اور روایتوں کا اختلاط آج کوئی نئی بات نہیں ہے بل کہ یہ فتنہ ایک زمانۂ دراز سے چلا آرہا ہے اور اس سلسلے میں اپنے زمانہ کے ہر ہر جید عالم دین نے اپنی سی کوشش کر کے تنقیحاتی تحریک کو ارتقائی فروغ عطا کیا ہے چنانچہ حضرت شیخ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شہرۂ آفاق تصنیف "تحفہ اثنا عشریہ" کو ایسی گڑھی ہوئی حدیثوں، روایتوں اور کہانیوں کی تنقیحات کا بیش قیمت مرجع قرار دیا جا سکتا ہے۔ تنقیح و تدقیق کے موضوع پر کام کرنے کے طریقے اس کی صورت حال مختلف ہو سکتی ہے۔ میں نے اپنے سابقہ مضمون کے تناظر میں پیر و مرشد حضور مفتیٔ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی یکتائے روزگار تصنیف "فتاویٰ مصطفویہ" سے ایسی غیر مشروع روایتوں کو چھانٹ نکالا ہے جو عند الشرع لغو و مہمل کا درجہ رکھتی ہیں۔ چنانچہ حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے جب درج ذیل روایت کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے کتنا وقیع اور بصیرت افروز جواب مرحمت فرمایا ملاحظہ ہو:

از ترسائی علاقہ کاٹھیاواڑ، مرسلہ مسلمانانِ اہل سنت بہ توسط حضرت مولانا مولوی محمود جان صاحب جام جودھپوری ۔۲۶؍ ذوالقعدہ ۱۳۴۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں:

زید اکثر اوقات نماز میں اپنے وعظ میں یہ قصہ بیان کرتا ہے کہ ایک بار سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے مبارک ورم کر گئے تھے۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک پتھر کو آگ پر گرم کرکے ورم کو اس پتھر سے سینکتے تھے۔پتھر نے بارگاہِ رب العزت جل وعلا میں عرض کی کہ الٰہی تیرا رسول مجھے اپنے فائدہ کے لیے آگ پر بار بار گرم کرتا ہے جس سے مجھے تکلیف ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی میں تیرا بدلہ لوں گا۔ چنانچہ فرشتوں نے اللہ عزوجل کے حکم سے اس پتھر کو جبل احد کی طرف پھینک دیا۔جنگ احد کے دن اسی پتھر کو حبشی نے لے کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف پھینکا جن سے حضور کا دندان مبارک شہید ہو گیا اس سے حضور علیہ السلام کی توہین ہوتی ہے یا نہیں؟ ایسے بے علم شخص کو ہمیشہ کے لیے امام رکھنا باوجود اس کے کہ قوم آسودہ حال ہے۔وہ بہتر سے بہتر دوسرا امام رکھ سکتی ہے مگر پھر بھی زید کو امامت سے علاحدہ نہیں کیا جاتا۔آیا ان لوگوں پر مواخذہ شرعی ہے یا نہیں؟ اور ایسے شخص سے وعظ کہلانا کہ جس سے گمراہی پھیل رہی ہے جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب: یہ قصہ بھی نرا من گھڑت ہے کہیں یہ روایت نہیں۔نہ ہرگز کسی طرح معقول۔اللہ اکبر ہر کافر پتھر سے یہ اور ہزار ہا طرح اور نفع لے سکے مگر اللہ کا حبیب ومحبوب اگر اسے اپنی عنایت سے نوازے تو وہ الٹا شاکی ہو اور اللہ عزوجل اپنے محبوب کے لیے پتھر سے کام لینے کو ناروا ٹھہرائے۔بدلہ کسی ظلم کا لیا جاتا ہے تو معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پتھر پر ظلم کرنے والے ٹھہرے۔والعیاذ باللہ۔کیسا دریدہ دہن ہے۔جلد بتائے کہ اس نے یہ قصہ کہاں سے اور کس معتمد ومعتبر کتاب سے اخذ کیا ہے؟ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔وہ ہرگز ثبوت نہ پیش کر سکے گا۔وہ مفتری علی الرسول ہے، سخت جھوٹا کذاب جری و بے باک ہے۔اس حدیث کا مصداق ہے **مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّداً فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔** (بخاری شریف، حدیث۔۱۱۰ دار الکتاب العربی، بیروت)

(فتاویٰ مصطفویہ جلد دوم، مکتبہ رضا، ۳۱۹، گھیر شیخ مٹھو بریلی، ص ۹-۱۰-ص ۱۴۶ جدید اشاعت، رضا اکیڈمی ممبئی)

یونہی جب درج ذیل کتابوں کے بارے میں آپ سے پوچھا گیا کہ علمائے دین مفتیان شرع متین بیچ اس مسئلہ کے کیا فرماتے ہیں؟ ''شہادت نامہ، جنگ نامہ، نور نامہ، داستان امیر حمزہ پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: شہادت نامہ جس میں تمام تر صحیح روایات ہوں اس کا پڑھنا اچھا ہے، جیسے آئینہ قیامت اور جو غلط و باطل روایات پر مشتمل ہو اس کا پڑھنا سخت برا اور ناجائز ہے۔جنگ نامہ، نور نامہ دیکھا نہیں وہ اگر غلط روایات افتراءات پر مشتمل ہو تو ان کا حکم یہی ہے کہ ان کا پڑھنا جائز نہیں۔داستانِ امیر حمزہ از سرتاپا کذب و بہتان افترا و طوفان محض دروغ بے فروغ ہے اور اتنا ہی نہیں چوں کہ اس کا مصنف رافضی تھا اس میں جابجا صحابۂ کرام پر تبرا کیا ہے اس کا پڑھنا حرام حرام حرام ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم

(فتاویٰ مصطفویہ، جلد سوم، مکتبہ رضا گھیر شیخ مٹھو، بریلی ص ۲۴۰ ص ۵۲۶ جدید اشاعت، رضا اکیڈمی ممبئی)

اور جب آپ سے جعدہ بنت اشعث کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا اس نے حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زہر دیا تھا یا نہیں؟ نیز ''سوانح کربلا'' مصنفہ حضرت علامہ سید نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کی درج ذیل عبارت کی توضیح کس طرح ہو سکتی ہے۔تو حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے جعدہ کی زہر خورانی اور سوانح کربلا کے مصنف کی عبارت کی توضیح جو اپنی خداداد تنقیحی بصیرت کی روشنی میں

مرحمت فرمائی وہ لائق صد تحسین ہے جسے پڑھ کر دل و دماغ روشن ہوجاتے ہیں اور عش عش کے کلمات زبان سے بے ساختہ نکل پڑتے ہیں۔ ملاحظہ ہوسوانح کربلا کی عبارت:

''مورخین نے زہرخورانی کی نسبت جعدہ بنت اشعث ابن قیس کی طرف کی ہے اور اس کو حضرت امام کی زوجہ بتایا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ زہرخورانی باغوائے یزید ہوئی اور یزید نے اس سے نکاح کا وعدہ کیا تھا اس طمع میں آکر اس نے حضرت امام کو زہر دیا لیکن اس روایت کی کوئی سند صحیح دست یاب نہیں ہوئی اور بغیر کسی سند صحیح کے کسی مسلمان پر قتل کا الزام اور ایسے عظیم الشان شخص کے قتل کا الزام کس طرح جائز ہوسکتا ہے۔ قطع نظر اس بات کے کہ روایت کے لیے کوئی سند نہیں ہے اور مورخین نے بغیر کسی معتبر ذریعہ یا معتبر حوالے کے لکھ دیا ہے۔

(سوانح کربلا، علامہ سید نعیم الدین مرادآبادی رضوی کتاب گھر بھیونڈی، ص ۶۴)

اب ملاحظہ فرمائیں فتاویٰ مصطفویہ سے وہ پورا اقتباس:

مسئلہ: از بمبئی کھوکھا بازار مکان نمبر ۲۴، دوسرا مالا، پوٹ نمبر ۳، جناب حافظ سید نورالحق صاحب قاسمی برکاتی قادری، ۲۹ رمحرم الحرام ۱۹۵۳ء

حضور والا دامت برکاتہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ایک استفتا حاضر کرتا ہوں اس کی وجہ سے یہاں سخت بے چینی ہے۔

کیا فرماتے ہیں علماے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قاتلہ آپ کی زوجہ جعدہ ہے کیا اس کا ثبوت ہے؟ یہاں علما کی جماعت میں دو گروہ ہوگئے ہیں۔

ایک وہ جس کے چند افراد کہتے ہیں کہ جعدہ کا زہر دینا ثابت نہیں اس لیے خواہ مخواہ الزام نہیں لگا سکتے اور ثبوت میں سوانح کربلا پیش کرتے ہیں جس میں لکھا ہے کہ یہ روایت غیر معتبر ہے اور اس کی بنا پر امام کے قتل کا الزام جعدہ کے سر نہیں لگا سکتے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ خارجی گروہ کا اس سے بڑھ کر کیا تبرّا ہوگا امام کی (قرین) کے ذمہ الزام لگا کر خود گالی دیں اور سنّیوں سے دلوائیں۔ ملخصاً

دوسرا گروہ جس میں بمبئی کے تمام مولوی خواہ شہادت نامہ پڑھنے والے ہوں یا فاضل سب کہتے ہیں کہ بلا شک جعدہ۔ اور ثبوت میں وہی مورخین کی روایات۔ جب کہا گیا کہ قتل مومن بالعمد کا الزام بغیر ثبوت کسی پر لگانا کب درست ہے تو جواب دیا کہ پھر تو معلوم ہوا کہ امام کو زہر دیا ہی نہیں گیا ہے۔ آپ کی شہادت ہی نہیں ہوئی ورنہ قاتل کا نام بتاؤ غرضیکہ ایسی ہی باتیں ہورہی ہیں۔ ارشاد فرمائیں کہ جعدہ نے زہر دیا ہے یا نہیں۔ شرعاً جعدہ کو قاتلۂ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہہ سکتے ہیں یا نہیں۔ (بینوا بالکتاب توجروا یوم الحساب)

الجواب: عزیز محترم۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ میں مکان پر موجود نہ تھا واپسی کے بعد اب جواب حاضر کرتا ہوں۔ تکلیف انتظار ہوئی۔ جعدہ کی طرف قتل امام عالی مقام کی نسبت کو علماے اعلام ائمہ کرام نے مقرر رکھا ہے تو وہ محض بے سروپا حکایت نہیں کہ کسی مورخ نے یونہی اپنے ظن وتخمین سے اختراع کی ہو اور قیاسی ڈھکوسلوں سے گڑھ لی ہو اور پھر عوام میں مشہور ہوئی ہو کہ اگر ایسا ہوتا تو علما وائمہ ہرگز اسے مقبول نہ ٹھہراتے، مقرر نہ رکھتے۔ اپنی تصانیف میں خود جعدہ کی جانب نسبت نہ کرتے بل کہ وہ یقیناً اسی زمانہ سے مشہور ومستفیض خبر کی حیثیت سے منقول ہوئی اس لیے علما وائمہ نے اس کا اعتبار فرمایا۔

امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ سے استفسار کہ کس نے آپ کو زہر دیا اس کے کچھ منافی نہیں شہرت و استفاضہ کے لیے کچھ وقت درکار ہوتا ہے اسی وقت شہرت ہوجانا ضرور نہیں خصوصاً ایسا معاملہ جس کے اخفا کی شدید کوشش کی جائے، ہوسکتا

ہے کہ اس وقت تک حضرت امام حسین کو اس کی اطلاع نہ ہو پھر ہوئی ہو یا یہ کہ حضرت کو اطلاع ہوگئی ہو مگر مزید اطمینان کے لیے دریافت فرماتے ہوں یا یہ کہ یہ استفسار محض دریافت منشا کے لیے ہو کہ حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس میں کیا منشا ہے۔ معاملہ سخت نازک تھا ادھر برادر محترم کی جان ادھر جعدہ زوجۂ امام تھی، اگر قصاصاً قتل کی جائے تو اپنے برادر محترم اور خود اپنی اور گھر بھر کی عزت۔ ممکن کہ قاتل معلوم ہوتے ہوئے بھی حضرت کا منشا اس نازک مسئلہ میں دریافت کرنا ہو۔ اس لیے یہ ذکر یوں چھیڑا کہ استفسار فرمایا کہ آپ کو کس نے زہر دیا۔ حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جواب پر اگر نظر کی جائے تو اس سے ظاہر ہے کہ حضرت کے خیال مبارک میں زہر دینے والا ہے اور حضرت کسی مصلحت سے اس سے بدلہ لیے جانے پر رضا مند نہیں ہیں ایک روایت میں ہے کہ حضرت نے جواب میں فرمایا **:اللّٰہ اشد نقمة ان کان الذی اظن والا فلا یقتل بی واللّٰہ بریٔ**۔ دوسری روایت میں ہے کہ فرمایا **یا اخی قد حضرت وفاتی ودنا فراقی لک وانی لاحق بربی واجد کبدی تقطع وانی لعارف من این دهیت فانا اخاصمه الی اللّٰہ تعالیٰ فبحقی علیک لا تکلمت فی ذلک بشیٔ واقسم علیک باللہ ان لا تریقفی امری مجة دم**۔ نیز ایک روایت میں ہے: **یا اخی سقیت السم ثلاث مرات لم اسقه مثل هذه المرة فقال من سقاک قال ماسوالک عن هذا ترید ان تقاتلهم اکل امرهم الی اللّٰہ** (صواعق محرقہ، ص ۱۴۱، مطبوعہ استنبول)

پہلی روایت سے ظاہر ہے کہ حضرت کو کسی کی طرف گمان ہے لہٰذا محض گمان پر نہیں فرمانا چاہتے کہ فلاں نے زہر دیا۔ فرماتے ہیں اگر وہ ہے جسے میں گمان کرتا ہوں تو اللہ عزوجل اس سے بڑا انتقام لینے والا ہے اور اگر وہ نہیں تو میرے خوں بہا میں بری کیوں قتل ہو مگر دوسری اور تیسری روایت سے ظاہر ہے کہ حضرت کو معلوم ہے کہ قاتل کون ہے؟ زہر کس نے دیا ہے؟ زہر بھی ایک بار نہیں تین بار دیا گیا ہے۔ کہاں تک زہر دینے والا ایسی صورت میں پوشیدہ رہ سکتا؟ فرماتے ہیں برادرم میں اس آفت کے پرکالے کو بے شک خوب پہچانتا ہوں۔ میں اس سے اللہ کے حضور مخاصمہ کروں گا۔ تمھیں میرے حق کی قسم۔ اس بارے میں کوئی کلمہ زبان سے نہ نکالنا اور میں تمھیں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ میرے معاملہ میں کوئی قطعۂ خون نہ بہانا۔ ان دونوں روایتوں میں توفیق کی صورت ایک ہی ہے وہ یہ ہے کہ ہر روایت کو ایک ایک وقت پر محمول کیا جائے کہ جس وقت تک یقین نہ تھا محض گمان تھا وہ فرمایا اور جب یقین ہوگیا تو یہ فرمایا کہ میں خوب پہچانتا ہوں۔ حضرت کا قسمیں دے دے کر انتقام سے روکنا بل کہ اس بارے میں کوئی کلمہ زبان سے نکالنے کو قسم دے کر منع فرمانا جو کچھ کہہ رہا ہے، ظاہر ہے۔ حضرت جانتے ہیں کہ برادر خورد کے علم میں بھی قاتل ہے یہ سوال محض دریافت منشا کے لیے ہے یا یہ کہ یہ بات چھپی رہنے والی نہیں۔ اگر برادر خورد کو اس وقت اس کا علم نہیں تو اب ہوا اور اب ہوا لہٰذا قسمیں دے کر ارادۂ انتقام سے روکا۔ اگر جعدہ قاتلہ نہ ہوتی تو قسمیں دینے کی حاجت نہ ہوتی۔ اتنا بلیغ اہتمام منع نہ فرمایا جاتا اگر کوئی اور قاتل ہوتا جو اہلبیت سے نہ ہوتا اور حضرت اس سے دنیا میں انتقام نہ چاہتے تو بس اتنا فرماتے کہ **اللّٰہ اشد نقمة اکل امرہ الی اللّٰہ**۔ یہ قسمیں نہ دی جاتیں۔ یہ قسم دے کر اس معاملہ میں کوئی کلمہ زبان سے نکالنے ہی کو منع نہ فرماتے جو علما جعدہ کی جانب قتل امام کی نسبت سے راضی نہ ہوں نہ ہوں، نہ نسبت کنندہ علما کو ان پر کسی طعن کا موقع ہے نہ انھیں ان پر جو جعدہ کی جانب نسبت نہیں کرتے اور وہ اپنے زعم میں اسے احتیاط جانتے ہیں کہ قتل وہ بھی قتل امام حسن جرم اشد واعظم ہے اور بے قطع کسی مسلم کی جانب ایسے جرم کی نسبت جائز نہیں اور جو نسبت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں یہ صحیح ہے مگر شہرت اور علما وائمہ کا قبول ایسی چیز نہیں جو نظر انداز کی جاسکے۔ وہ ائمہ بھی جانتے تھے کہ بے قطع کسی جرم کی نسبت کسی مسلم کی جانب نہیں کی جاسکتی تھی۔ انہوں نے اس نسبت کو قبول کیا، برقرار رکھا، خود اپنی تصانیف میں۔ یہ جرم جعدہ سے منسوب کیا۔ ہمارے لیے وہ قدوہ ہیں۔ آج تیرہ سو برس بعد ہم اس کی تحقیقات

نہیں کررہے ہیں کہ کوئی قطعی بات معلوم ہو جب تو نسبت کرنا جائز جانیں ورنہ حرام۔ یوں تو یزید ہی کی طرف امام کے قتل کرانے اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر مظالم وقتل وغارت کی نسبت نہ کریں۔ ابن زیاد بدنہاد اور شمر مردود اور نحسن ابن سعد اور ان کے ہم راہیان کوئی الزام نہ رکھا جاسکے۔ سب کو یہی کہہ دیا جائے کہ خارجیوں کا یہ پروپیگنڈا ہے انھوں نے خود قتل کیا اور بادشاہ اور اس کے حکام وعمال سے منسوب کردیا۔ یا کوروافض نے دھوکے دے کر بلایا اور قتل وغارت کیا اور ان لوگوں سے منسوب کردیا۔ سوانح کربلا میں جو یہ لکھا کہ یہ روایت غیر معتبر ہے اپنا عندیہ لکھا اور یہ لکھا کہ اس کی بنا پر امام کے قتل کا الزام جعدہ کے سر نہیں لگا سکتے یہ بھی اپنا عندیہ ہے اور وہ اسی میں احتیاط سمجھے۔ رہا یہ کلمہ کہ خارجی گروہ کا اس سے بڑھ کر کیا تبرا ہوگا الخ۔ بہت گراں ہے۔ ہمارے ائمہ وعلما یہی فرماتے آئے اپنی تصانیف میں اسی کو ذکر فرمایا۔ یہ خارجیوں کا تبرا ہو تو ان علما پر (ان کے) عدم اعتنا وقلت تدبر کا الزام ہوگا ہی۔ ہمارے سامنے خارجیوں کی کوئی تصنیف نہیں۔ ہمارے پیش نظر تو ائمہ وعلماے اہل سنت کی تصانیف ہیں جن میں جعدہ ہی کی طرف اسے منسوب کیا گیا اور اس طرح کہ اسی روایت پر اقتصار کیا ہے۔ کوئی دوسرا قول لکھا ہی نہیں (صواعق محرقہ ص ۱۴۰ مطبوعہ استنبول) علامہ ابن حجر ہیتمی دیکھیے، وہ لکھتے ہیں:

کان سبب موته ان زوجته جعدة بنت الاشعث بن قیس الکندی دس الیها یزید ان تسمه و یتزوجها و بذل لها مائة الف درهم ففعلت فمرض اربعین یوما فلما مات بعثت الی یزید تسأله الوفاء بما وعدها فقال لها انا لم نرضک للحسن افنرضاک لانفسنا۔ تاریخ الخلفا، امام جلال الدین سیوطی میں ہے **توفی الحسن رضی الله تعالیٰ عنه بالمدینه سموماسمته زوجته جعدة بنت الاشعث بن قیس دس الیها یزید بن معاویة ان تسمه فیتزوجها ففعلت فلما مات الحسن بعثت الی یزید تسأله الوفاء بما وعدها فقال انا لم نرضک للحسن افنرضاک لانفسنا۔**

سر الشہادتین جناب شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی میں ہے **سبب موته ان زوجته جعدة بنت الاشعث بن قیس سمته باغواء یزید بن معاویة و کان یزید ضمن لها ان یتزوجها ففعلت فمرض الحسن رضی الله تعالیٰ عنه اربعین یوما ثم مات۔ فبعثت جعدة الی یزید تسأله الوفاء بما وعدها فقال انا لم نکن نرضاک للحسن افنرضاک لانفسنا۔**

انھوں نے تو اس کے بعد یہاں تک لکھا **فصارت ممن خسر الدنیا و الآخرة ذلک هو الخسران المبین۔** آئینہ قیامت تصنیف حضرت عمی جناب استاذ زمن مولانا حسن رضا خاں صاحب حسنؔ رحمۃ اللہ علیہ میں بھی یہی لکھا ہے۔ یہ کتاب اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی دیکھی اور مجالس میں کتنی ہی بار سنی ہوئی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

(فتاویٰ مصطفویہ، جلد سوم، ص ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، مکتبہ رضا، بریلی۔ ص ۴۶۰۔ جدید اشاعت رضا اکیڈمی ممبئی)

☆☆☆☆☆

مفتی اعظم کی شانِ عبقریت

مولانا محمد حسن علی رضوی
میلسی، پاکستان

حضور پرنور سرکار اعلیٰ حضرت، امام اہل سنت قدس سرہٗ اور پھر سیدنا سرکار حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کی زیارت کا شرف حاصل کرنے والے جانتے ہیں کہ آپ ہم شکل وشبیہ اعلیٰ حضرت ہیں اور نور العارفین، عین الذاکرین سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں قبلہ قدس سرہٗ کی روحانی برکات کے مصدر ومنبع ہیں اسی لیے کہا گیا ہے ؎

رضا کی ہیں یہ جیتی جاگتی تصویر پہچانو
یہ سونے پر سہاگا فضل نوری سے ہیں نورانی

اور یہ کہ

نوری سرکار کی نوری تنویر ہیں، شاہِ احمد رضا کی وہ تصویر ہیں
سنیوں کی وہ بیدار تقدیر ہیں، ہر گھڑی ہم کو ان کی ضرورت رہے

سرکار مفتی اعظم کی زیارت سے سیدنا اعلیٰ حضرت کے دیدار کی حسرت پوری ہوتی تھی۔ دونوں سرکاروں کی زیارت کرنے والوں اور دونوں تاجداروں کا سراپا لکھنے والوں نے یوں بھی عرض کیا ہے ؎

سراپا لکھ دیا ہم نے جہاں تک ہوسکا یارو
زیادہ چاہو دیکھو مصطفی کی شکل نورانی

نہ دیکھے چین پڑتا ہے نہ بے دیکھے قرار آئے
نظر آئیں تو روتا ہوں جو چھپ جائیں پریشانی

بلاشک وشبہ سرکار سیدنا مفتی اعظم قبلہ قدس سرہٗ حضور پُرنور اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات گرامی کے عکس اور آئینہ تھے ان کی ذات میں سرکار اعلیٰ حضرت کے فیوض وبرکات اور انوار وتجلیات علوم ومعارف کی جلوہ گری تھی کیوں کہ ؎

عکس ذات اعلیٰ حضرت مفتی اعظم تو ہیں
ان کو دیکھو حجۃ الاسلام گر پردے میں ہے
ان میں بھی صورت رضا کی صاف آتی ہے نظر
یہ تو پردے میں نہیں ہیں وہ اگر پردے میں ہے

حضرت علیہ الرحمۃ کی روحانیت اور فقہی بصیرت کا ڈنکا چار دانگ عالم میں بج رہا ہے، ان کی شان عبقریت و برتری و بے مثالی کا جلوہ شرق و غرب میں نظر آتا ہے جسے صف اول کے اکابر و مشاہیر اہل علم و فضل و کمال نے گردنیں جھکا کر تسلیم کیا۔ زیر نظر تحریر میں اس کا ایک اجمالی خاکہ آگے پیش کیا جا رہا ہے۔ استاذ الشعراء علامہ ضیاء القادری بدایونی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے ؎

امام اہل سنت صدر ملت مفتی اعظم
عرب سے تا عجم شہرہ ہے جن کی افضلیت کا
وہ ابن حضرت احمد رضا خاں مصطفی ذی شاں
امام و صدر ہے اس دور میں جو اہل سنت کا

آج کے دور میں عموماً یہ دیکھا جا رہا ہے کہ مریدین اپنے پیران عظام و مشائخ طریقت کو اور تلامذہ اپنے اساتذہ کو بڑھا چڑھا کر پیش کر رہے ہیں اور مختلف النوع القابات و خطابات دے رہے ہیں لیکن ہمارے حضور آقائے اکرم سرکار مفتی اعظم قدس سرہٗ کی شخصیت مقدسہ ایسی نہیں جن کو مریدوں شاگردوں نے بڑھایا چڑھایا ہو بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ کے اکابرین و معاصرین آپ کی شخصیت کی عظمت اور جلالت شان کا اقرار و اعتراف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

نور العارفین سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں :

حضور سیدنا مفتی اعظم قبلہ قدس سرہٗ کی ولادت باسعادت پر سیدنا مجدد اعظم سرکار اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ سے کہا ''مولانا بریلی میں آپ کے گھر ایک صاحبزادے کی ولادت ہوئی ہے۔ مجھے خواب میں بتایا گیا کہ اس کا نام آل الرحمن رکھا جائے۔ پھر فرمایا جب میں بریلی آؤں گا تو اس صاحبزادے کو ضرور دیکھوں گا۔۔۔۔ وہ بڑا ہی فیروز بخت اور مبارک بچہ ہے۔۔۔۔ مولانا صاحب آپ اس بچے کے ولی ہیں اگر اجازت دیں تو میں نومولود کو داخل سلسلہ کرلوں؟ سیدنا امام احمد رضا نے عرض کیا وہ غلام زادہ ہے ضرور داخل سلسلہ فرمالیا جائے۔ ۔۔۔۔ سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہٗ جب چھ ماہ بعد بریلی شریف تشریف لائے تو حضور سیدنا مفتی اعظم قدس سرہٗ کو اپنی مبارک گود میں لے کر پیشانی چوم کر فرمایا مولانا! یہ صاحبزادہ تو مادر زاد ولی ہے برکتوں کے اعتبار سے ابوالبرکات اور مرتبہ فنائیت میں محی الدین جیلانی۔ حضور سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری قبلہ قدس سرہٗ نے بیعت کرتے وقت ارشاد فرمایا یہ بچہ دین و ملت کی بڑی خدمت کرے گا، مخلوق خدا کو اس کی ذات سے بڑا فائدہ ہوگا، بہت فیض پہنچے گا، یہ بچہ ولی ہے۔۔۔۔ یہ فیض کا دریا بہائے گا۔ تاجدار مسند مارہرہ مطہرہ مقدسہ سیدنا ابوالحسین احمد نوری رضی اللہ عنہ صاحبزادے مصطفی رضا کو اعلیٰ حضرت امام اہل سنت کی گود میں دیتے ہوئے ارشاد فرمایا مبارک ہو آپ کو یہ ......قرآنی آیت ''وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ'' (سورہ طٰہٰ، ۲۰/۲۹) کی تفسیر مقبول ہوکر آپ کی گود میں آگئی ہے۔

امام مجدد دین وملت :

امام اہل سنّت مجدد دین وملت کےتو آپ نامور فرزند دل ہم شکل وجانشین تھے۔جب حضور سیدنا مفتی اعظم علیہ الرحمۃ الرضوان کی ولادت باسعادت کے بعد جب بریلی شریف مراجعت فرمائی تو اپنے فرزند دل بند لخت جگر نور بصر کو گود میں لے کر سینہ سے لگایا آپ کی پیشانی کو چوما اور فرمایا ’’خوش آمدید اے ولی کامل‘‘ (سبحان اللہ)

سیدنا مجدد اعظم، سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دارالافتا بریلی شریف کی روز افزوں عالمی شہرت ومقبولیت کے پیش نظر دارالافتا کا ایک بے مثال نظم جدید فرمایا اور اس کا نام رضوی دارالافتا رکھ کر فقیہ افہم، قطب عالم حضور سیدنا مفتی اعظم قدس سرہ العزیز کو اس کا مہتمم ومنصرم اعلیٰ متعین فرمایا۔ اس سے سرکار سیدنا مفتی اعظم رضی اللہ عنہ کی شان واستعداد فقاہت پر حضور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے اعتماد کا پتہ چلتا ہے۔

حضور سیدنا مفتی اعظم قبلہ قدس سرہٗ کی پرورش یوں تو علمی وروحانی خانوادہ اور مجدد اعظم اعلیٰ حضرت جیسے شیخ الفقہا وسلطان الفقہا کے آغوشِ رحمت وتربیت میں ہوئی مگر آپ نے باقاعدہ فتویٰ نویسی کا آغاز غالباً ۱۸ سال کی عمر شریف میں ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء میں فرمایا اور حضور سیدنا سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان نے بھی اپنے عظیم المرتبت والد گرامی کی طرح پہلا فتویٰ مسئلہ رضاعت پر ارقام فرمایا جو صحیح اور شان فقاہت کا آئینہ دار تھا۔ سرکار اعلی حضرت نے ملاحظہ فرمایا۔ فرحت ومسرت کے ساتھ فرمایا۔ اس پر اپنے دستخط کرو اور پھر خود بدولت سرکار اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہٗ نے صح الجواب بعون اللہ العزیز الوہاب لکھ کر اپنی گراں قدر تصدیق سے مزین فرمایا اور پانچ روپیہ نقد انعام عطا فرمایا جو آج کل پانچ سو کے برابر بنتے ہیں اور ارشاد ہوا۔ مصطفی میاں تمھاری مہر بنوا کر دیتا ہوں۔ اب فتویٰ لکھا کرو۔ اپنا ایک رجسٹر بنالو اس میں نقل کیا کرو۔ سرکار اعلیٰ حضرت نے خود مہر کی عبارت اور نقشہ تحریر فرمایا جو یہ ہے ’’ابوالبرکات محی الدین جیلانی آل الرحمن محمد عرف مصطفی‘‘ مولانا حافظ یقین الدین علیہ الرحمۃ کے بھائی صاحب سے مہر بنوا کر عطا کی۔ اس میں سیدنا مجدد اعظم علیہ الرحمۃ کے سیدنا مفتی اعظم علیہ الرحمۃ پر اعتماد کا پتہ چلتا ہے

حضور سیدنا مفتی اعظم علیہ الرحمۃ الرضوان کی عظمت اور جلالت شان کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ بحر علم وتحقیق، تاجدار مسند تدریس حضور محدث اعظم پاکستان علامہ ابوالفضل محمد سردار احمد قدس سرہٗ العزیز بایں علم وفضل حضور سیدنا مفتی اعظم قبلہ قدس سرہٗ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ حضرت ممدوح مکرم اصول وفروعات میں مجدد اعظم سرکار اعلیٰ حضرت کے جانشین اور سچے نائب تھے۔ ایک بار غالباً ۱۹۵۸ء میں فقیر کے استفتا سیدنا مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کا ایک فتویٰ ’’علیہ السلام کے اطلاق‘‘ کے متعلق فقیر کے نام آیا تھا۔ جواب بھی موجود ومحفوظ ہے۔ فقیر نے صبح نماز فجر کے بعد حضور سیدنا محدث اعظم پاکستان مولانا علامہ محمد سردار احمد صاحب قبلہ کو دکھایا، آپ نے سیدنا مفتی اعظم کی تحریر شریف پہچان کر فوراً ’’فقیر مصطفی رضا قادری غفرلہ‘‘ دستخط مبارک کو چوم لیا، آنکھوں سے لگایا۔ ایک بار فقیر نے عرض کیا حضور آپ سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کو پاکستان بلائیں۔ حضرت سیدی محدث اعظم کے چہرہ پاک کی جو حالت اس وقت تھی، ناقابل بیان ہے۔ ایک خاص کیفیت کے ساتھ فرمایا۔ وہ شہزادۂ اعلیٰ حضرت ہیں، وہ مفتی اعظم ہیں، وہ فوٹو کھنچوا کر تصویر بنوا کر کب تشریف لاتے ہیں؟

پاکستان میں ایک بار غالباً ۶۱-۱۹۶۰ء میں اہل سنت کے مشہور وممتاز محبوب رسالہ رضائے مصطفی چوک دارالسلام گوجرانوالہ میں پاسبانِ مسلک اعلیٰ حضرت، فاضل محقق حضرت علامہ ابوداؤد مولانا مفتی محمد صادق صاحب قادری رضوی مدظلہ کا ایک فتویٰ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سیدنا جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی افضلیت پر چھپا تھا جس میں منکر افضلیت کی تکفیر کی گئی تھی۔ یہاں کے چند علما نے اس سے اختلاف کیا۔ نائب محدث اعظم پاکستان علامہ ابوداؤد مولانا مفتی محمد صادق صاحب قادری رضوی نے

مفتی اعظم پاکستان علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری رضوی خلیفہ اعلیٰ حضرت و نائب اعلیٰ حضرت محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد صاحب، مفسر قرآن شیخ الحدیث علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری امجدی علامہ غلام علی اوکاڑوی، علامہ سید محمود احمد رضوی، فقیہ العصر مفتی محمد اعجاز ولی الرضوی وغیرہ علما اور مسلم مفتیان کرام سے تائید حاصل کر لی۔ مگر دوسری طرف کے چند حضرات نے پھر بھی اختلاف کیا۔ یہاں حضرت علامہ مولانا پیرزادہ حافظ سید مراتب علی شاہ صاحب فاضل جامعہ رضویہ لائل پور تلمیذ خاص محدث اعظم پاکستان بریلی شریف حاضر ہوئے اور اس پر فیصلہ کن شرعی فتویٰ حاصل کیا۔ سیدنا حضور مفتی اعظم قبلہ کا قافلہ دار الخیر اجمیر شریف جا رہا تھا، حضور مفتی اعظم قبلہ علیہ الرحمۃ مولانا سید مراتب علی شاہ صاحب کو بھی اپنے ہم راہ اجمیر شریف لے گئے۔ پر رضوی منزل میں موجود اکابر علمائے اہل سنت مفتیان شریعت حضور سیدنا برہان ملت جبل پوری، فاضل جلیل علامہ حسنین رضا خاں صاحب علیہ الرحمۃ، مجاہد ملت مولانا شاہ محمد حبیب الرحمن الہ آبادی دھام نگری علیہ الرحمۃ اور بہت سے علمائے کرام نے حضرت علامہ ابوداؤد مولانا مفتی محمد صادق صاحب کے فتویٰ کی تائید و تصدیق فرمائی۔ جب علامہ حافظ سید مراتب علی شاہ صاحب یہ فتویٰ لے کر جامعہ رضویہ مظہر اسلام لائل پور (فیصل آباد) واپس آئے۔ حضور سیدی محدث اعظم کو پیش کیا تو حضرت محدث اعظم پاکستان نے سرکار سیدنا مفتی اعظم قبلہ کے فتویٰ اور دستخط مبارک کو چوم لیا آنکھوں سے لگایا اور فرمایا مولانا محمد صادق صاحب کی عید ہو گئی۔

ان واقعات سے معلوم ہوا کہ حضور سیدنا محدث اعظم پاکستان قدس سرہٗ کی مبارک نظر میں سیدنا مفتی اعظم کی شخصیت اور آپ کے فتویٰ مبارکہ کی کیا قدر تھی۔ اس سے ملتا جلتا ایک اور واقعہ ہے۔ ایک بار بریلی شریف سے سیدنا محدث اعظم پاکستان کے نام سرکار سیدنا مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کا ایک بڑا ہی روح پرور مکتوب آیا تھا جس میں محدث اعظم پاکستان علیہ الرحمۃ کو بہت بہت دعائیں دی تھیں تو دیکھا گیا کہ حضور مفتی اعظم قبلہ کا یہ مکتوب گرامی اپنے دار المطالعہ میں تنہا بیٹھ کر بڑے کیف و سرور اور ایک خاص روحانی کیفیت سے پڑھ رہے ہیں۔ کبھی اس مکتوب کو اپنا عمامہ اٹھا کر سر پر رکھتے ہیں، کبھی کرتا کا دامن اٹھا کر سینہ سے لگاتے ہیں، کبھی چوم کر آنکھوں سے لگاتے ہیں اور زار و قطار رو رہے ہیں، چشمانِ مبارک سے آنسوؤں کا آبشار پھوٹ پڑا ہے۔

ڈرتے ڈرتے عرض کیا، حضور یہ کیا ہے؟ بڑے ہی والہانہ انداز میں فرمایا۔ یہ میرے حضور مفتی اعظم قبلہ کا مکتوب گرامی ہے۔ یہ شہزادۂ اعلیٰ حضرت کا ملفوف سامی ہے۔ سیدی سندی حضور محدث اعظم پاکستان علامہ ابوالفضل محمد سردار احمد صاحب قدس سرہٗ کے نام شفقت و محبت سے بھرپور آتے رہتے تھے۔ حضور سیدنا مفتی اعظم کس قدر غنیمت جانتے تھے، اس کا اندازہ درج ذیل چند اہم خطوط سے ہوتا ہے۔ کیا حسین اور دل ربا انداز تخاطب ہے۔

۷۸۶

ولدی الاعز مولانا الاوحد الاسد الاسعد الارشد سعادت مآب مولوی محمد سردار احمد صاحب۔۔۔۔۔

السلام علیکم

مولانا برہان الحق عبدالباقی جبل پوری سے آپ کی خیریت دریافت کی تھی۔ انھوں نے کہا تھا، کمزور ہو گئے ہیں اور بال سفید ہو گئے ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ آپ کو قوت بخشے اور آپ کے فیض سے اہل سنت کو بہت بہت دیر تک، عرصہ دراز دراز تک مستفید رکھے۔ لائل پور جو کبھی وہابیوں کا گڑھ سنا گیا تھا، بڑی مسرت ہوئی وہ لائل پور بفضلہٖ تعالیٰ آپ کے دم قدم کی برکت سے سنّیوں کا گویا مرکز بن چکا ہے۔ میں پہلے بھی سنتا رہا تھا مگر جناب حوالدار (محمد حسین صاحب) کے

بیان سے اس کی تفصیلی تصدیق ہوئی خدا آپ کو بہتر سے بہتر جزا عطا فرمائے۔ آمین۔

فقیر مصطفی رضا قادری غفرلہ ۹؍رجب ۷۶ ۱۳ھ

ایک اور مکتوب میں سیدنا مفتی اعظم حضور محدث اعظم پاکستان علیہ الرحمۃ کو تحریر فرماتے ہیں:

.................السلام علیکم۔ آپ کے خط سے علالت کا حال پھر مولانا عبدالقادر صاحب (احمد آبادی) سے معلوم ہوا کہ آپ ضعیف ہوگئے ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ آپ کو صحت وقوت عطا فرمائے اور عرصہ دراز تک مدت مدید تک آپ کو بصحت وقوت ہزاراں ہزار خدمات دین کی انجام دہی کے لیے زندہ وسلامت باکرامت رکھے۔ آپ کے فیوض سے مسلمانوں کو مالا مال فرمائے۔ آپ کے زیر اہتمام وسرپرستی مدرسہ (جامعہ رضویہ) مظہر اسلام (لائل پور) کو بیش از بیش ترقیاں بخشے۔ آپ کے اس سرچشمۂ فیوض وعلوم وعمل صالح سے مسلمانوں کو مستفیض فرماتا رہے۔ آمین اپنی خیر وعافیت اور اپنے متعلقین اور احباب کی خیر وعافیت سے مطلع فرماتے رہا کیجیے۔

والسلام والدعا فقیر مصطفی رضا قادری غفرلہٗ۔ ۲۴؍ذی قعدہ ۷۲ ۱۳ھ/ ۱۹۵۲ء

ایک اور تیسرے مکتوب گرامی میں سرکار سیدنا مفتی اعظم قبلہ رقم طراز ہیں:

السلام علیکم

آپ کے مدرسہ اور خدمات دینی کا حال ہر آنے والے سے معلوم ہوتا رہا، ماشاء اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ مولی تعالیٰ آپ کے فیض کو اور زیادہ سے زیادہ کرے اور دارین کی نعمتوں برکتوں سے آپ کو مالا مال کرے اور بہت بہت ترقیاں ہر قسم کی دینی دنیوی نصیب فرمائے۔ آپ کی خدمات دینی کو شرف قبول بخشے اور بیش از بیش توفیق خیر دے اور آپ کو اس فقیر گناہ گار عصیاں کار کے لیے سرمایہ نجات بنائے۔ آپ کی دینی خدمات سن سن کر دل باغ باغ ہے۔

والسلام۔ فقیر مصطفی رضا قادری غفرلہٗ۔ ۱۶؍شوال ۷۴ ۱۳ھ

سیدنا سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے یہ وہ روح پرور سراپا شفقت وعنایات مکتوبات عالیہ ہیں جنھیں پڑھ کر حضور محدث اعظم روتے آنکھوں اور سینہ مبارکہ سے لگا کر چومتے تھے اور ہردم بریلی شریف کی یاد میں گم رہتے تھے۔

مفتی اعظم قطب مدینہ کی نظر میں:

فقیر راقم الحروف (محمد حسن علی الرضوی میلسی) کو حاضری سرکار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ کے مبارک ایام میں قطب مدینہ شیخ العرب والعجم مولانا ضیاء الدین قادری رضوی مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح عمری حیات طیبہ کی تصحیح کرنے اور تقدیم لکھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ حضرت قطب مدینہ ایک نامور مستند عالم دین زبردست محدث وفقیہہ تھے۔ بایں جلالت شان جب کبھی فتویٰ کی ضرورت ہوتی تو اپنے خدام واحباب کو فرماتے۔ شاہزادے میاں حضرت مفتی اعظم کو بریلی شریف لکھیے۔ حضرت مفتی اعظم دامت برکاتہم سے فتویٰ منگوایئے۔ ایک بار ایک محفل میلاد میں سیدی حضور مفتی اعظم اور حضور قطب مدینہ دونوں رونق افروز تھے۔ کسی نے حضور قطب مدینہ مولانا ضیاء الدین علیہ الرحمۃ سے بیعت ہونے کی درخواست کی تو سخت کبیدہ خاطر ہوئے فرمایا ''شہنشاہ (مفتی اعظم) کے ہوتے ہوئے مجھ سے

طالب ہوتے ہو۔اس شخص کو سرکار سیدنا مفتی اعظم علیہ الرحمۃ سے بیعت کرایا۔

حضور قطب مدینہ، مدینہ طیبہ، بارگاہِ اقدس سے باہر تشریف نہ لے جاتے تھے کہ کب کہاں مدینہ طیبہ سے باہر انتقال ہوجائے۔ حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کی حاضری حرمین طیبین کے موقع پر آپ کے استقبال کے لیے جدہ شریف تشریف لائے یہ ہمارے حضور مفتی اعظم قبلہ کا خصوص ہے، اس سے اندازہ فرمائیے، قطب مدینہ کی نظر میں سرکار مفتی اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کیا مقام اور کیا عظمت ہے؟

جب حضور سیدی سندی محدث اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ دار العلوم مظہر اسلام بریلی شریف میں صدر المدرسین و شیخ الحدیث تھے، ان کے ایثار و خلوص سے متاثر ہوکر حضور مفتی اعظم نے طلبہ و مدرسین کے سارے اخراجات اپنے ذمہ لے لیے تھے، اس سلسلہ میں ہزاروں کے مقروض بھی ہوگئے تھے۔ آپ کی دو دکانیں بھی رہن ہوگئی تھیں۔ حضور صدر الشریعہ قدس سرہٗ اپنے صاحب ثروت کاٹھیاواڑی میمن سیٹھ صاحبان کے ہم راہ عرس رضوی کے موقع پر آستانہ عالیہ رضویہ بریلی شریف حاضر ہوئے اور حضرت سیدنا مفتی اعظم کی قیادت میں سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار پُر انوار پر حاضری دی۔ میمن سیٹھ صاحبان ہم راہ تھے۔ حضور صدر الشریعہ نے اپنے مرید سیٹھ صاحبان سے فرمایا۔ ''حضرت مفتی اعظم صاحب'' کو نذر پیش کریں۔ سب لوگوں نے نذرانے پیش کیے اور حضرت مفتی اعظم بارِ قرض سے سبکدوش ہوئے۔

برصغیر کے اکابر علما و سیدنا حجۃ الاسلام :

۲۵ رصفر المظفر ۱۳۴۷ھ/ اگست ۱۹۲۸ء آستانہ عالیہ رضویہ بریلی شریف کا عظیم اجتماع جس میں لنکا، بہار، بنگال، پنجاب، بمبئی، گجرات، کاٹھیاواڑ، گونڈل، مدراس، یو پی، سی پی راجپوتانہ، سندھ سرحد کے جلیل القدر علما اکابر عمائدین شامل تھے۔ اس اجلاس میں حضرت علامہ مولانا مفتی الشاہ مصطفی رضا خاں قدس سرہٗ کو مفتی اعظم صدر العلما کہا اور لکھا گیا بل کہ شہزادۂ اکبر سرکار اعلیٰ حضرت حجۃ الاسلام جمال الاولیا مولانا شاہ محمد حامد رضا خان صاحب قبلہ قدس سرہٗ العزیز کے حکم سے اجلاس میں جو تجاویز پاس ہوئیں تجویز نمبر ۳ میں حضور مصطفی میاں نوری قدس سرہٗ کو صدر العلما اور مفتی اعظم لکھا گیا۔ [اخبار دبدبہ سکندری، رام پور، شمارہ ۹، جلد ۶۶، صفحہ ۶، مجریہ ۲۰ راگست ۱۹۲۸ء]

حضور سیدنا حجۃ الاسلام مولانا شاہ محمد حامد رضا خان صاحب قبلہ قدس سرہٗ خود زبردست فقیہہ و محدث بلند پایہ مفتی تھے اور حضور سیدنا مفتی اعظم قبلہ کے استاد محترم بھی تھے مگر اپنی دیگر دینی مذہبی و روحانی مصروفیات کے سبب آنے والے سوالات و استفتا اپنے برادر اصغر حضور مفتی اعظم قبلہ قدس سرہٗ کے پاس جواب کے لیے بھیجتے تھے۔ متعدد کتابوں میں اس کے شواہد موجود ہیں۔

سرکار اعلیٰ حضرت و صدر الافاضل :

یہاں یہ بات یاد رکھنا بھی اہم ضروری ہے کہ مرادآباد، بدایوں، اجمیر شریف کی سنّی کانفرنسوں کے پوسٹروں اشتہاروں میں بھی آپ کو مفتی اعظم لکھا جاتا تھا اور جامعہ نعیمیہ مرادآباد کے سالانہ جلسوں کے پوسٹروں میں اور آل انڈیا سنّی کانفرنس بنارس کے پوسٹروں میں بھی آپ کو مفتی اعظم لکھا جاتا رہا ہے۔ حضرت صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین مرادابادی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۴۶ء میں آل انڈیا سنّی کانفرنس بنارس میں شرکت کا جو دعوت نامہ امام اہل سنّت حضرت قبلہ محدث اعظم پاکستان علامہ ابوالفضل محمد سردار احمد قدس سرہٗ کو ارسال فرمایا تھا اس میں خاص صدر الافاضل کے اپنے دست مبارک سے حضرت مولانا شاہ علامہ مصطفی رضا خاں صاحب قدس سرہٗ کو مفتی اعظم لکھا ہے۔ (کتاب محدث اعظم پاکستان و کتاب مفتی اعظم اور ان کے خلفاء)

خلیفہ اعلیٰ حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا ابوالبرکات سید احمد قادری رضوی رحمۃ اللہ علیہ کے زیر اہتمام دار العلوم حزب الاحناف لاہور کے پوسٹروں میں اور علامہ ابوالبرکات سید احمد علیہ الرحمۃ کی زیر سرپرستی چھپنے والے پندرہ روزہ رضوان لاہور میں آپ کو مفتی اعظم لکھا جاتا رہا ہے۔ بل کہ ایک بار حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری رضوی شیخ الحدیث دار العلوم حزب الاحناف لاہور علیہ الرحمۃ نے حضرت قبلہ مفتی اعظم علیہ الرحمۃ سے ضلع جہلم میں دیوبندیوں وہابیوں سے مناظرہ کے لیے محدث اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ کو طلب کیا اور حضور محدث اعظم کو جو دعوت نامہ ارسال کیا اس میں مفتی اعظم مفتی ہندوستان تحریر کیا تھا۔

حضرت علامہ ابوالبرکات علیہ الرحمۃ مسلک اعلیٰ حضرت پر سختی سے کاربند تھے۔ جب لائل پور (فیصل آباد) میں جامعہ قادریہ رضویہ قائم کیا گیا تو مدرسہ کے افتتاحی جلسہ میں علامہ ابوالبرکات سید احمد قبلہ قدس سرہٗ بھی تشریف لائے تھے۔ اس موقع پر مولانا سید زاہد علی شاہ رضوی پیلی بھیتی نے دعوت کی تھی۔ واپسی پر تانگہ میں فقیر راقم الحروف اور سید ابوالبرکات صاحب سوار تھے۔ بار بار بڑے عقیدت بھرے والہانہ انداز میں سرکار مفتی اعظم قدس سرہٗ کا تذکرہ فرما رہے تھے۔ فرماتے اب حضرت مصطفی میاں کی زیارت کیسے کریں۔ پاسپورٹ پر فوٹو کی پابندی لازمی ہے۔ اب مفتی اعظم کی زیارت کیسے کریں۔ فقیر نے کہا گورنر امیر محمد خاں آپ کے عقیدت مند ہیں۔ بغیر فوٹو پاسپورٹ بنوائیں، فرمایا یہ دو حکومتوں کا معاملہ ہے۔

حضرت علامہ مولانا قاری سید محمد خلیل الکاظمی محدث امروہوی رحمۃ اللہ علیہ اہل سنت کے ممتاز عالم دین تھے ان کے مختلف مسائل پر کافی خطوط اور فتاویٰ راقم الحروف کے پاس محفوظ ہیں۔ خاص بات یہ ہے کہ اکثر خطوط اور فتاویٰ میں لکھا ہے کہ بریلی شریف حضرت مفتی اعظم دامت برکاتہم کی خدمت میں استفسار کر کے تصحیح فرمالیں یعنی حضرت محدث امرہوی علیہ الرحمۃ بھی سرکار مفتی اعظم کو مفتی اعظم مانتے تھے اور ان کے فتویٰ کو حرف آخر سمجھتے تھے۔ خانقاہ عالیہ رضویہ آستانہ عالیہ اعلیٰ حضرت کا اتنا ادب واحترام کہ امروہہ سے ٹرین پر سوار ہوکر بریلی شریف اسٹیشن پر اترتے اور اپنی پٹلیا ہاتھ میں لے کر آستانہ اعلیٰ حضرت تک پیدل چل کر حاضر ہوتے۔ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

امام المتکلمین محدث اعظم مولانا علامہ ابوالمحامد سید محمد اشرفی جیلانی محدث اعظم کچھوچھوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمت اور جلالت شان سے کون واقف نہیں۔ حضرت ممدوح بھی مسلک اعلیٰ حضرت کے گہرے رضوی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ سیدنا سرکار مفتی اعظم کی شخصیت مقدسہ کی عظمت اور مفتی اعظم کی فقہی بصیرت اور شان افتا کا اظہار اس سے ہوتا ہے کہ لاؤڈ اسپیکر پر نماز کے مفسد و ناجائز ہونے پر حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کے فتویٰ مبارکہ پر بدیں الفاظ تائید و تصدیق فرماتے ہیں۔ **ھذا حکم العالم المطاع وما علینا الا الاتباع** یہ ایک ایسے عالم کا فتویٰ ہے جن کے حکم کی اطاعت کی جاتی ہے۔ ہماری ذمہ داری یہی ہے کہ ہم اس کی پیروی کریں ماہنامہ ''سنّی''، لکھنؤ میں کل ہند جماعت رضائے مصطفی کے زیر اہتمام کانفرنس کی روداد شائع ہوئی تھی محدث اعظم کچھوچھوی قدس سرہٗ العزیز نے اپنے خطبہ صدارت میں ارشاد فرمایا ''یہ مجھ سے ناانصافی اور مجھ پر زیادتی ہے کہ صدارت کے لیے میرا نام تجویز کیا گیا عین ممکن تھا کہ میں منتظمین کانفرنس کے اس اقدام پر واک آؤٹ کر جاتا مگر کیا کروں اس عظیم وجلیل شخصیت نے مجھے کل ہند جماعت رضائے مصطفی کا صدر بنایا ہوا ہے جن کا علم سے بڑھ کر عمل، فتویٰ سے بڑھ کر تقویٰ ہے .... بے ساختہ زبان سے نکل جاتا ہے مصطفی رضا اور زبان ہزاروں برکتیں لینے لگتی۔'' ملخصاً

فقیر ۱۴۰۱ھ ربیع الآخر میں آخری زیارت و ملاقات سے مشرف ہوا۔ ۱۴؍ محرم ۱۴۰۲ھ/ ۱۲؍ نومبر ۱۹۸۱ء کو یہ آفتاب عالم

تاب غروب ہوا۔

ع زمین ہند میں تھی آخری صورت یہ نورانی

☆☆☆☆☆

مفتی اعظم اورفن تجوید

مولانا محمد افروز قادری چریاکوٹی
پچھّم محلہ، چریاکوٹ، ضلع مئو

مفتی اعظم کون ہیں کیا ہیں؟ اس تجسس کی تیرگی دور کرنے کے لیے اس ''نمبر'' میں ایمان ویقین کے سینکڑوں سورج بیک وقت جگمگا رہے ہیں۔ جن کی انوار پاشیوں میں مفتی اعظم کی ذات وشخصیت کوب آسانی جانا پہچانا جاسکتا ہے اور آپ کی عظمتوں کا ادراک کیا جاسکتا ہے۔

تجوید کیا ہے؟ اس کا جواب مفتی اعظم کے پدر بزرگوار سے طلب کرتے ہیں۔ امام احمد رضا محدث بریلوی ارشاد فرماتے ہیں:

''اس قدر تجوید جس کے باعث حرف کو حرف سے امتیاز اور تلبیس سے احتراز حاصل ہو واجبات عینیہ و اہم مہمات دینیہ سے ہے۔ آدمی پر تصحیح مخارج میں سعی تام اور حرف میں اس کے مخرج سے ٹھیک ادا کرنے کا قصد واہتمام لازم کہ قرآن مطابق ما انزل اللہ تعالیٰ پڑھے نہ کہ معاذ اللہ مداہنت و بے پروائی کہ آج کے عوام بل کہ یہاں کثیر بل کہ اکثر خواص نے اپنا شعار کرلیا۔'' (فتاویٰ رضویہ جدید۔ ج ٦ ص ٢٦٢)

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

''الثغ کی نماز جبھی توصحیح ہے کہ وہ تصحیح حروف میں کوشش کیے جائے یہ بھی بے تعلیم صحیح ناممکن، یہی تعلیم تجوید ہے تو اس کی فرضیت قطعاً ثابت۔ اگر صحیح کو نہ سیکھے یا سیکھے اور اس کے ادا کرنے کی کوشش نہ کرے تو نماز ضرور باطل ہوگی۔ تو علم و عمل دونوں فرض ہوئے۔'' (فتاویٰ رضویہ جلد ٦، ص ٣٤٠، گجرات)

تیسری جگہ تجوید کی شرعی حیثیت اجاگر کرتے ہوئے اور اس کے علم کی غیر معمولی اہمیت بتاتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''تجوید بنص قطعی قرآن واخبار متواترہ سید الانس والجان علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلوٰۃ والسلام واجماع تام صحابہ وتابعین وسائر ائمہ کرام علیہم الرحمۃ والرضوان المستد ام حق وواجب وعلم دین شرع الٰہی ہے۔ (فتاویٰ رضویہ: جلد ٦، ص ٣٢٢)

علامہ طاش کبریٰ زادہ کی تحقیق کے مطابق علم تجوید وقراءت جملہ علوم وفنون میں مرکزی حیثیت اور امتیازی اولیت کا حامل ہے۔

کیوں کہ یہ قرآن کریم سے بلاواسطہ متعلق ہے چنانچہ تلاش وتتبع نے یہ واضح کردیا ہے کہ اس علم سے مسلمانوں کی وابستگی ہر دور میں بڑی گہری رہی ہے اور اس علم پر تدوین کتب کا سلسلہ کچھ دوسری صدی کے اوائل ہی سے شروع ہو چکا تھا۔ایک جہاں دیدہ قلم اس سلسلہ میں گہر فشانی کرتا ہے:

قرآن کریم کے معانی ومطالب کا تو کہنا ہی کیا ہے۔اس امت نے کتاب الٰہی کے الفاظ وحروف اور اس کی حرکات وسکنات کو ٹھیک ٹھیک زبان سے ادا کرنے کی غرض سے ایسے ایسے علوم وفنون کی بنیاد ڈالی ہے جس کی نظیر دنیا کے کسی مذہب اور زبان میں نہیں ملتی۔ایک علم تجوید وقراءت کو ہی لے لیجیے تو اس فن کی تفصیلات اور اس کی باریکیوں کی تشریح کے لیے اتنی کتابیں لکھی گئی ہیں کہ ان سے ایک مستقل کتب خانہ تیار ہوسکتا ہے۔(علوم القرآن،ص ۱۸)

یقیناً اسلام کی ابتدائی صدیوں میں اس علم پر کام کی جو پیش رفت تھی اگر وہ بعد کی صدیوں میں بھی باقی رہتی اور متاخرین،متقدمین کی صرف گرد راہ ہی سمیٹتے رہتے تو کچھ بعید نہ تھا کہ لائبریریوں کی بھوک مٹ جاتی، ان کی تشنگی بجھ جاتی اور اس علم پر کتابوں کی کثرت لائبریریوں کا شکوہ رفع کردیتی۔پھر بھی تفسیر وحدیث وفقہ کو چھوڑ کر اور علوم کی نسبت اس علم پر زیادہ کام ہوا ہے۔چودھویں صدی سے کچھ قبل جس قدر یہ علم ناقدریوں کا شکار رہا چودھویں اور پندرہویں صدی میں اس پر اتنا ہی جنگی پیمانہ پر کام ہوا۔جس سے گزشتہ صدیوں کی بے اعتنائیوں کا ایک خاص حد تک تدارک ہوا ہے۔

چودھویں صدی میں امام احمد رضا محدث بریلوی نے علم کے جملہ میدانوں میں طبع آزمائی کرنے کے ساتھ اس علم پر بھی بطور خاص فقیہانہ انداز میں جو گفتگو کی ہے ویسا رنگ وآہنگ کہیں اور دیکھنے میں نہ آیا۔باپ کے چھوڑے ہوئے مشن کے فروغ وتکمیل کے لیے حضور مفتی اعظم اپنے خداداد علم وحکمت،حکیمانہ فکر وبصیرت،فقیہانہ صلاحیت ولیاقت اور اپنی بہت کچھ نجی خصوصیات کے ساتھ آگے بڑھے اور اپنے متنوع،گوناگوں اور معرکۃ الآرا کارناموں کے پس منظر میں مقولہ مشہور "**الولد سر لأبيه**" کو سچ کردکھایا۔

حضور مفتی اعظم علم وعمل میں والد گرامی وقار امام احمد رضا کی وراثتوں کے امین تھے۔شفقت پدری اور فیضان مرشد سے آپ کو حصہ وافر عطا ہوا تھا۔الجامعۃ الاشرفیہ کے بارہویں فقہی سیمینار کے موقع پر مجھے مفتی نظام الدین صاحب قبلہ کا وہ جملہ بار بار یاد آرہا ہے کہ حضور مفتی اعظم کا علم وعمل دونوں ہمارے لیے حجت ہے کیوں کہ تقویٰ وطہارت اور اتباع شریعت کے سلسلہ میں آپ کا مقام بہت بلند ہے۔

قرآن اور صاحب قرآن سے گہرا لگاؤ ہونے کے باعث علم تجوید وقراءت سے آپ کا تعلق بھی بہت گہرا تھا۔یہی وجہ ہے کہ کسی کا خلاف تجوید قرآن پڑھنا آپ کو برہم کردیتا اور آپ اس کی اصلاح میں کوئی کسر روا نہ رکھتے تھے۔اس پر مستزاد یہ کہ اس باب میں آپ سے جو استفتا ہوئے ان کے جوابات بھی آپ نے نہایت بسط وتفصیل اور بھرپور توضیح وتنقیح کے ساتھ رقم فرمائے ہیں۔آپ کے مجموعہ فتاویٰ ''فتاویٰ مصطفویہ'' کے اندر تجوید وقراءت کی جلوہ طرازیاں جگہ جگہ موجود ہیں۔اس فن پر آپ کے مبلغ علم کا اندازہ یوں بھی ہوسکتا ہے کہ آپ نے صرف حرف صاد کی تحقیق وتنقیح میں علم وحکمت کے اتنے آفتاب اجال دیے ہیں کہ ان سے اکتساب رنگ ونور کرلینے کے بعد ناممکن ہے کہ قبول حق کی صلاحیتوں سے مالا مال دل اطمینان تمام حاصل نہ کرلیں۔ورنہ پھر توفیق الٰہی سے محروم دلوں کو دلائل کی ہزار جلوہ سامانیاں بھی رام نہیں کرسکتیں۔

حضور مفتی اعظم کی نظر میں اس علم کے مقام ومرتبہ کا تعین ذیل کے اس قیمتی فتویٰ سے کیا جاسکتا ہے۔

آپ کی بارگاہ میں سوال ہوا کہ زید بکر کے پاس قراءت سیکھنے جایا کرتا تھا۔ اچانک راستہ میں ایک روز خالد ملا اور پوچھ بیٹھا۔ یہ بتاؤ تم روزانہ کہاں جایا کرتے ہو؟ زید نے کہا: قراءت سیکھنے۔ خالد نے کہا: قراءت سیکھنا جھگڑا ہے اس کو چھوڑ دو اور سادہ طور سے قرآن پڑھتے رہو۔ پس خالد کے اس کہنے پر شریعت کیا کہتی ہے؟

جواباً آپ نے تحریر فرمایا:

اتنی قراءت سیکھنا جس سے آدمی قرآن عظیم صحیح پڑھے فرض ہے۔ جس نے اس سے منع کیا، اس نے فرض سے روکا اور ایک فرض کو جھگڑا بتایا اس پر توبہ فرض ہے۔ اسے تجدید ایمان وتجدید نکاح وغیرہ بھی چاہیے۔ بہت بدکلمہ اس کی زبان سے نکلا۔ والعیاذ باللہ (فتاویٰ مصطفویہ، ص ۴۸، مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی) کوزہ میں دریا سمونے اور ذرہ میں صحرا پرونے کی کہاوت اب تک آپ صرف سنتے رہے ہوں گے، عملی شکل میں اگر اسے دیکھنے کی خواہش ہو تو حضرت کا مذکورہ فتویٰ ملاحظہ کرلیں۔ سچ پوچھیے تو ''**خیر الکلام ماقل و دل**'' کے مصداق ایسے ہی نپے تلے جملے ہوتے ہیں جن میں صرف مغز ہی مغز ہو پوست نام کو بھی نہیں۔

ایک مقام پر ترتیل کے رکن دوم ''مسلم وقف'' کے بعض رموز کے احکام پر فقہی انداز میں بڑی خوبصورت بحث کی ہے۔

سائل عرض کرتا ہے:

زید نے رکعت ثانی میں **اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیْماً حَکِیْماً** (سورۂ نساء ۴/۱۱) پر وقف کیا اور رکوع کرلیا اور اس آیت کے بعد ایک آیت پوری چھوڑ دی جو یہ ہے: **یُدْخِلُ مَن یَّشَاءُ فِیْ رَحْمَتِہٖ وَالظّٰلِمِیْنَ اَعَدَّلَھُمْ عَذَاباً اَلِیْماً**۔ (سورۂ انسان ۷۶/۳۱) ایک شخص یہ کہتا ہے کہ **یدخل** کی **یا** میں تشدید ہے لہٰذا ملانا ضروری تھا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ **حکیماً** پر وقف کیسا ہے؟ اور اس شخص کا کہنا کہ ملانا ضروری تھا، صحیح ہے یا غلط؟

جواب میں ارشاد فرماتے ہیں:

''حکیماً پر وقف کرسکتا ہے۔ آیت آگے کی یاد نہ تھی تب تو کوئی بات نہیں ہاں یاد تھی اور چھوڑ دی یہ برا کیا۔ وصل ضروری نہیں۔ وہ غلط کہتا ہے، یہاں وصل بہتر ہے وقف سے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ کی مزید تنقیح کرتے ہوئے آگے فرماتے ہیں:

''یہاں حکیماً کے بعد یہ تین علامتیں قرآن عظیم میں مکتوب ہیں: ۔ق، صلی، لا۔ ق خود علامت قیل علیہ الوقف اور صلی مخفف الوصل اولی (کا) اور لا اشارۂ عدم وقف تو نہ ٹھہرنا اور ملانا بہتر ہے نہ یہ کہ لازم وضروری واللہ تعالیٰ اعلم۔

(فتاویٰ مصطفویہ، ص ۲۱۰-۲۱۱ ممبئی)

عزیز قرا! یقین جانیے جب تک تجوید وقراءت کی باریکیاں ذہن نشین نہ ہوں اور پورے طور پر اس کے جزئیات پر درک نہ ہو، اس قسم کے گراں مایہ فتویٰ معرض وجود میں نہیں آسکتے۔ یہ فتویٰ جہاں مفتی اعظم کے علم تجوید وقراءت سے گہرے لگاؤ کا ترجمان ہے وہیں اس دور کے مفتیان کرام کے حلقوں میں صدائے مخلصانہ بھی لگا رہا ہے کہ اس پرخار وادی کے ہر مسافر کو چاہیے کہ اس فن سے متعلق وہ کم از کم اتنی معلومات ضرور رکھے کہ اس علم پر کیے گئے استفتوں سے متعلق از خود احکام شرع واضح کرسکے۔

حرف ضاد کے تلفظ کی تحلیل: ضاد تمام حرفوں میں سب سے مشکل حرف مانا گیا ہے اس کی ادا شوار بطور خاص اہل عجم پر بہت دشوار ہے کیوں کہ یہ ان کی زبان کا حرف نہیں بایں ہمہ اس حرف کی ادائیگی کے سلسلہ میں بھانت بھانت کی بولیاں بولی گئی ہیں اور

گونا گوں تحقیق کے باب وا ہوئے ہیں۔اس حرف کی عظمت کے حوالے سے مجدد اسلام امام احمد رضا محدث بریلوی فرماتے ہیں:

''ضادؔ'' کو اللہ تعالیٰ نے تنہا پیدا کیا ہے، کسی حرف کو اس کا ساتھی نہ بنایا۔اسی سے سیبویہ نے کہا اور خوب کہا: اگر ضاد میں اطباق نہ ہو تو وہ سین ہو جائے، اگر ظا میں نہ ہو تو ذال بن جائے، اگر طا میں نہ ہو تو وہ بن جائے اور ضاد کلام ہی سے خارج ہو جائے۔کیوں کہ اس کے متبادل کوئی حرف ہی نہیں۔(فتاویٰ رضویہ، جلد ۶ ص ۲۹۸، گجرات)

حرف ضاد کی تحقیق اور تلفظ ضاد کی تنقیح کے سلسلہ میں اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے دو بہت ہی گراں قدر رسالے تالیف فرمائے ہیں:

نعم الزاد لروم الضاد، اور الجام الصاد عن سنن الضاد۔

مفتی اعظم کے زمانہ میں اس حرف کے تلفظ کی بابت استفسار ہوا تو آپ نے اس سلسلہ میں بہت ہی تحقیقی اور معلوماتی فتویٰ صادر فرمایا۔سوال و جواب ذیل میں نقل ہے:

''ایک شخص نماز میں **ولا الضالین** کے بجائے **ولا الظالین** ظ کی آواز سے پڑھتا ہے لہٰذا ایسے پڑھنے سے نماز ہوگی یا نہیں۔وہ کہتا ہے کہ میں **ولا الظالین** کو ظ کی آواز سے پڑھوں گا بہت اصرار کرنے پر اس نے ایک جمعہ کو **ولا الضالین** کو صحیح پڑھا تو اس نے کہا کہ نہ میری نماز ہوئی اور نہ مقتدیوں کی۔''

الجواب: جب تک وہ توبہ نہ کرے اور ض کو ض نہ پڑھے اس وقت تک اس کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے۔جو شخص ض کو ض پڑھ سکتا ہے اور عمداً ظ پڑھتا ہے، اس کی نماز نماز نہیں۔اس کے پیچھے نماز پڑھنا نماز کھونا ہے۔یہ اور بات ہے کہ بعض جگہ اگر ض کی جگہ ظ نکل گئی یا کوئی شخص ہزار ض کو ض کے مخرج سے نکالنے کی کوشش کرتا ہو مگر وہ ناکام رہتا ہے تو یہاں دال نہ پڑھے اگر ظ پڑھے گا نماز ہو جائے گی کوشش ض کو صحیح نکالنے کی کرتا رہے مگر اس صورت میں اوروں کی نماز اس کے پیچھے نہ ہوگی۔ہاں اگر بے قصد ض کی جگہ ضالین میں ظ نکل جائے گی تو اس کی اور وہ امام ہو تو اوروں کی بھی ہو جائے گی۔جو شخص ض کو ض پڑھ ہی نہ سکے یا جو پڑھ سکے مگر عمداً ض نہ پڑھے، بجائے ض کے ظ وغیرہ پڑھے تو اس کے پیچھے نماز نہ ہوگی اور عمداً ایسا پڑھنے والا اشد گنہ گار مستحق نار، مستوجب غضب جبار ہے۔علما نے اسے کفر فرمایا۔یہ شخص اس سے بھی بدتر ہے کہ ض پڑھنے کو کہا کہ نہ میری نماز ہوئی نہ مقتدیوں کی۔ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔یہ شخص جب تک توبہ نہ کرے، تجدید اسلام اور بی بی رکھتا ہو تو اس سے بھی تجدید نکاح جب تک نہ کرے، اس کے پیچھے نماز ہرگز نہ پڑھی جائے یوں ہی جب تک کہ ض کو ض نہ پڑھے جب تک تائب نہ ہو، اس سے میل جول سلام کلام اور ربط ضبط بھی موقوف کر دیا جائے۔جتنی نمازیں اس کے پیچھے پڑھی ہیں۔سب کا اعادہ لازم۔وہ شخص جو ض کو ظ کی آواز ہی سے پڑھنے پر مصر ہے اور صحیح ضالین پڑھنے کو مفسد نماز جانتا ہے ہرگز لائق امام نہیں۔جب تک توبہ نہ کرے، اس کے ساتھ نشست و برخاست یک لخت ترک کر دی جائے۔(فتاویٰ مصطفویہ، ص ۲۰۶، رضا اکیڈمی ممبئی)

ایک دوسرے فتویٰ میں فرماتے ہیں:

''جو شخص ض کو بہ مشقت بھی اپنے مخرج سے نہ نکال سکے وہ اس کو اس کے مخرج سے نکالنے کی کوشش کرتا رہے یہ اس پر فرض ہے وہ معذور نہ ٹھہرایا جائے گا۔اگر اس نے کوشش چھوڑی تو ملزم ہوگا اور اگر ض کی بجائے جان کر کوئی دوسرا حرف پڑھے گا نماز نہ ہوگی ہاں وہ کوشش کر کے بھی صحیح صحیح ض نہ پڑھے اور اس کی زبان سے بجائے ض کے اگر ظ ادا ہو تو

اس صورت میں نماز ہو جائے گی مگر اس کے پیچھے نماز نہ ہوگی، جب تک وہ صحیح نہیں پڑھے گا۔ یوں ہی وہ شخص کو ض اور ظ میں فرق سے واقف نہیں اسے تمیز نہیں، وہ اگر بجائے ض، ضالین میں ظ پڑھ دے تو اس کی نماز ہو جائے گی۔ یوں ہی اگر کسی کی زبان سے بجائے ضالین ظالین نکل گیا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور اگر ایسے لوگ بجائے ض وضالین میں پڑھ جائیں تو نماز نہ ہوگی۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ ہر جگہ ایسے لوگ اگر ض کو ظ پڑھ جائیں تو نماز ہو جائے گی اور کچھ اور پڑھ جائیں گے تو نہ ہوگی بل کہ مغضوب کو اگر مغظوب یا مغذوب پڑھا جائے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ یوں ہی اضطرتم کو اگر اظطرتم یا اذطرتم پڑھ دیا جائے گا نماز فاسد ہو جائے گی۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ یہ جو جاہل وہابیوں نے جاہلوں کو بہکایا ہے کہ ض کو ظ پڑھے یہ محض ان کی تضلیل ہے۔ ظا دتو کوئی حرف ہی نہیں وہ ہی ض کو ظ پڑھنا بتایا اور ظ پڑھنے سے بعض صورتوں میں نماز فاسد ہو جائے گی اور عمداً ض کو ظ یا کسی حرف سے بدل کر پڑھنا، اس سے نماز تو نماز ایمان ہی جاتا رہے گا کہ یہ تحریف اور قصداً تحریف ہے۔ (ایضاً ص ۲۰۸)

مذکورہ بالا دونوں فتاویٰ ایک طرف فقہ کی باریکیاں اٹھائے ہوئے ہیں تو دوسری طرف تجوید کی عظمت سنبھالے ہوئے ہیں۔ بلاشبہہ مفتی اعظم اپنے دور کے مجود اعظم تھے۔ اس حوالے سے آپ کی خدمات بہت ہیں مگر عجلت کے باعث اسے کسی اور مناسب موقع پر اٹھا رکھتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ حضور مفتی اعظم کے افکار گوناگوں کی ترویج وتوسیع کے ساتھ ساتھ تجوید کے فروغ وعروج میں بھی بھرپور دلچسپی لی جائے۔ جس کی صورت یہ کہ ابتدا ہی سے بچوں کو قاعدہ، پارۂ عم اور دوسرے سبھی پارے صحیح بخاری تک تجدید کے ساتھ پڑھائے جائیں، اس مقصد کی تکمیل کے لیے قرا کو تیار ہونا چاہیے اور ناظرہ پڑھانے میں کسر شان محسوس نہ کرنی چاہیے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو نوّے فی صد مسلم آبادی غلط خواں ہی رہ جائے گی، اس لیے کہ سو بچوں میں پچاس کے قریب وہ ہوتے ہیں جو پرائمری کے بعد کسی صنعت یا کاروبار سے متعلق ہو جاتے ہیں اور چالیس یا زیادہ اسکول، کالج کا رخ کرتے ہیں، دس اگر عربی درس گاہوں میں آ گئے اور تجوید درست کر لی بل کہ ماہر فن قاری بھی بن گئے تو نوّے فی صد تو نادرست ہی رہ گئے۔ اس پر مدارس کے ارکان و منتظمین اور بچوں کے والدین کو بھی توجہ دینے کی ضرورت ہے، وہ عموماً کسی کم تنخواہ والے غلط خواں کو ناظرہ کا مدرس بناتے ہیں کس کے نتیجے میں بچوں کا قرآن صحیح نہیں ہو پاتا۔ اچھے قاری کو مدرس بنائیں اور قاری بھی اپنی ذمہ داری پوری نبھائے تو حالات میں انقلاب برپا ہو سکتا ہے اور فرمان الٰہی پر عمل کا خوش گوار منظر نگاہوں کے سامنے آ سکتا ہے۔ واللہ الھادی الی سواء السبیل، وھو الموفق لکل خیر۔

☆☆☆☆☆

پانچواں باب

مفتی اعظم رضوی برکتوں اور برکاتی نوازشوں کے مجمع البحرین تھے ۔جوان کے دامن کے کرم سے وابستہ ہوئے وہ مرج البحرین یلتقیان کی تفسیر بن گئے ، جو بھاگے یا بدکے وہ ''ملح اجاج'' کی تمثیل بن گئے ، باب روحانیت میں مفتی اعظم کا مقام انتہائی بلند ہے ، وہ اس دور اخیر میں سلف صالحین اور قدمائے صوفیہ کے سچے جانشین تھے ، ولایت مومن کے لیے بارگاہ رب العزت جل شانہ کا پہلا انعام ہے ۔بندہ رب سے راضی ہو جائے اور وہ اس سے راضی ہو جائے تو معراج بندگی ہے ، آقائے کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم اپنی شان عبدیت پر فخر فرمایا کرتے تھے ۔مفتی اعظم کو بارگاہ رب العزت جل جلالہ میں مدنی تاجدار صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا سے قبول تام حاصل تھا کیوں نہ ہو جوان کے والد گرامی دربار غوثیت مآب زادہ اللہ تعالی عظمۃً وکرامۃً کے محبوبوں اور مقبولوں میں سے ایک تھے ۔وہ دربار غوثیت کا ایک بے باک سپاہی تھے جس کی قسمت کی سگان بغداد بھی قسم کھایا کرتے تھے ۔وہ رہتے تو بظاہر ہند میں تھے مگر پہرہ ''دربار بغداد شاد وآباد'' کا دیا کرتے تھے ۔

شہنشاہ بغداد نے اس مرشد حقانی کو اپنی توجہات و تصرفات کا مورد بنادیا تھا ، آج کے دور میں کسے فرصت کہ وہ چپ و راست نظر بھی ڈالے مگر وہ جس ویرانے میں بھی گزر جاتا تھا ، ویرانہ لہلہاتا ہوا گلشن بن جاتا تھا ۔آج ہسپتالوں میں درد کے ماروں کا ازدحام بدانجام ہے ، سنا ہے کہ وہ جس آبادی سے گزر جاتا ، حکیموں کی حکمت سرد پڑ جاتی ، طبیبوں کے مطب پر تالے لگ جاتے ، شہروں کے شفاخانے ویران ہو جاتے ہیں ، شب دیجور ہو کہ مہر نیم روز ہر گاہ اس کے در پر دکھیاروں اور لاچاروں کی بھیڑ نظر آتی ، وہ خود اندر کسکتا تڑپتا ، تھکان سے چور ہتا ، مگر ہونٹوں پر ایک جاں فزا تبسم کیا آئی ، غریبوں کا بھلا ہو گیا ، زخم بھر گئے ، دل تازہ ہو گیا ، مفتی اعظم ایک باکرامت ولی تھے ، سیکڑوں نہیں ہزاروں ان کی ولایت و تصرف کے گواہ ہیں ، ان کا رنگ رنگ قادریت تھا ، علمی جاہ و جلال روحانی فضل و کمال پر غالب تھا ۔دیکھنے والوں نے دیکھا کہ وہ صرف تعویذ لکھتے رہے ، مگر ایک بوریا نشیں لاکھوں غم کے ماروں کا بھلا کر گیا ، کچھ تو ہے جو آج خلق خدا اس کے نام پر مرتی اور فدا ہوتی ہے ، اس باب میں سید محمد اکبر چشتی پھپھوند شریف اور علامہ مفتی محمد اشفاق اور مفتی اشرف رضا قادری جیسے اہم بزرگوں کے تاثرات و خیالات شامل ہیں ۔مرتب کی نظر میں یہ گوشہ ابھی تشنہ ہی نہیں بلکہ ناقص ہے ،نقاش نقش ثانی بہتر کشد ز اول ، کے مصداق اگر قارئین میں تعاون کیا اور اہل قلم نے ہمت بندھائی تو اس خلش کا بھی علاج جلد یا بدیر کر دیا جائے گا ۔سر دست تو بس اسی قدر اکتفا کرنا ہوگا ۔

مقبول احمد سالک مصباحی

مفتی اعظم کے خانقاہی روابط

مولانا سید محمد اکبر چشتی
خادم آستانہ عالیہ چشتیہ صمدیہ مصباحیہ، پھپھوند شریف، ضلع ایٹہ

۱۳۷۶ھ میں حضور قبلہ، عالم صدر مجلس علماے اہل سنت حافظ بخاری، خواجہ بے کس نواز سید شاہ عبدالصمد مودودی چشتی قدس سرہٗ النورانی کے عرس کے موقع پر میری دستار بندی تھی جس میں اس زمانہ کے بڑے بڑے علماے کرام تشریف لائے تھے۔ حضرت مفتی اعظم بھی پہلی بار جلسہ دستار بندی میں پھپھوند شریف تشریف لائے ہوئے تھے جب مجھے پہلی مرتبہ ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔

عرس شریف اور اس سے متعلق میرے ذمہ کافی خدمات تھیں اس لیے ان کی مجلس میں زیادہ نشست نہ ہوسکی لیکن آپ کی پاکیزہ روش سے یہ ضرور محسوس ہوا کہ آپ نہایت بااخلاق اور تقویٰ شعار ہیں نیز آپ کے فتاویٰ کا مطالعہ کرنے سے یہ احساس ہوا کہ آپ یقینا علوم وفنون اور تحقیق وتدقیق میں اپنے والد گرامی اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے صحیح جانشین اور وارث وامین ہیں۔ جلسہ دستار بندی کے بعد دوسرے روز جب حضرت مفتی اعظم روانگی کے لیے تیار ہوئے میں نے آپ کو نذر پیش کی تو آپ نے فرمایا کہ یہ نذر تو، میں نے لے لی۔ اب آپ میری طرف سے قبول فرمالیں۔ میں نے بہت کوشش کی لیکن آپ نے نذر نہیں لی۔

حضرت مفتی اعظم سے میری دوسری ملاقات اس وقت ہوئی جب میں اپنے برادرِ طریقت اشفاق حسین صاحب قیصری کی دعوت پر بریلی گیا۔ بریلی کے سفر پر روانہ ہونے سے قبل میں اپنے مرشد برحق قدس سرہٗ کی بارگاہ میں قدم بوسی کے لیے حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ بریلی جارہے ہو تو مفتی اعظم سے بھی ملاقات کرلینا۔ جب حضرت مفتی اعظم کی ملاقات کی غرض سے ان کے دولت خانہ پر حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ آپ کے پاس مریدین، معتقدین اور حاجت مندوں کا مجمع لگا ہوا ہے اور آپ حاجت مندوں کو تعویذات وغیرہ مرحمت فرما رہے ہیں۔ میں بھی بعد سلام ومصافحہ کے ایک طرف بیٹھ گیا۔ آپ نے دریافت فرمایا۔ آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟ میں نے بتایا کہ پھپھوند شریف سے۔ فرمایا کہ پھپھوند شریف تو میں حاضر ہوچکا ہوں۔ میرے برادر طریقت قیصری صاحب جو میرے ہم راہ تھے انھوں نے عرض کیا کہ آپ ہی کی دستار بندی میں حضرت تشریف لے گئے تھے۔ اس وقت آپ نے میرے مرشد کامل حضور خواجہ بندہ نواز محبوب رب ذوالمنن سید شاہ مصباح الحسن چشتی علیہ الرحمۃ والرضوان کی خیریت معلوم کی کہ حضرت کا مزاج کیسا ہے؟ میں نے بتایا کہ گھٹنوں میں تکلیف ہے جس کی وجہ سے حضرت اس وقت چلنے پھرنے سے معذور ہیں۔ پھر دریافت فرمایا کہ علاج کس کا ہورہا ہے؟ میں نے بتایا کہ ایک ڈاکٹر صاحب جو میرے برادر طریقت بھی ہیں ان کے زیر علاج ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ کچھ لوگ چار سو بیس ہوتے ہیں اور ڈاکٹر آٹھ سو چالیس ہوتے ہیں۔ پھر ایک کتاب آپ نے اٹھائی اور اس کو ملاحظہ کرنے کے بعد مجھے دی اور کہا کہ اس کتاب سے یہ نسخہ نقل کرلیجیے

اور حضرت کو یہی نسخہ استعمال کرائیے۔ میں نے نسخہ نقل کرنے کے بعد کتاب واپس کی (جو قلمی تھی) تو آپ نے فرمایا اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے عرس میں تشریف لائیے۔ اعلیٰ حضرت کے عرس میں مولانا حکیم برہان الحق صاحب تشریف لائیں گے۔ ان کو ساتھ لے کر کچھوچھہ شریف چلیں گے اور ان سے حضرت کا علاج کرائیں گے۔

جب میں نے واپسی کی اجازت چاہی تو فرمایا کھانا تیار ہے۔ کھانا کھا کر تشریف لے جائیں۔ میں نے عرض کیا کہ اس وقت میری دعوت ہے فرمایا رات میں۔ میں نے کہا رات میں بھی دعوت ہے۔ فرمایا کل؟ میں نے کہا کل میری واپسی ہے۔ دریافت فرمایا۔ آپ کا قیام کہاں ہے؟ میں نے بتایا کہ پرانے شہر قیصری صاحب کے مکان پر۔ جب واپسی کے لیے چلا تو فرمایا کہ حضرت مولانا مصباح الحسن صاحب کی خدمت میں میرا سلام پیش کیجیے گا۔

میں اپنے مرشد گرامی کی علالت کی وجہ سے عرس رضوی میں نہ جاسکا لیکن حضرت مفتی اعظم کا اخلاص ومحبت کہ عرس رضوی کے بعد حضرت مولانا حکیم برہان الحق صاحب رضوی کو ساتھ لے کر بہ نفس نفیس تشریف لائے۔ حضرت کی عیادت فرمائی اور علاج کے لیے حضرت مولانا حکیم برہان الحق صاحب سے نسخہ بھی تجویز کروایا۔ میرے حضرت نے اس نسخہ کو استعمال بھی فرمایا۔

کچھ دیر بعد میرے حضرت اور مفتی اعظم گفتگو فرماتے رہے۔ میرے برادر طریقت ڈاکٹر عین النعیم خاں صاحب چشتی مصباحی بھی حضرت کی خدمت میں حاضر تھے جو نہایت متقی، پرہیز گار اور متبع شریعت تھے اور حضرت مولانا سید شاہ آلِ مصطفی مارہروی کے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ساتھیوں میں تھے۔ میرے حضرت نے مفتی اعظم قدس سرہٗ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہی میرے ڈاکٹر ہیں تو آپ نے کئی بار ڈاکٹر صاحب کو بہ غور ملاحظہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ انھیں کون ڈاکٹر کہے گا۔ حضرت نے نہایت خوش طبعی کے ساتھ فرمایا کہ میں ایسے ہی ڈاکٹر کا علاج کراتا ہوں۔

حضرت مفتی اعظم کے اعلیٰ اخلاق اور پاکیزہ کردار سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کے تمام سنّی آستانوں اور سنّی خانقاہوں کے سجادگان کا حسب مراتب لحاظ و پاس رکھا کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اہل سنّت میں اتحاد بھی تھا اور سنّیت میں استحکام بھی۔ آپ کی بہت بڑی خوبی یہ تھی کہ آپ ہر اس فتنہ کا سدّ باب کر دیا کرتے تھے جس سے اہل سنّت میں دراڑ پڑنے کا ذرا سا بھی خدشہ ہوتا۔

افسوس صد ہزار افسوس کہ اب خلوص ومحبت سے پُر روابط، علما و مشائخ کے مابین محبت ومودت، مدارس اور خانقاہوں کے درمیان ہم آہنگی، اہل سنت کے مابین اتحاد واتفاق یہ سب کالعدم ہو چکا ہے۔ جس کے مضر اثرات، خوفناک نتائج اور تباہ کن ثمرات آج ہمارے سامنے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صدقہ میں اپنے فضل وکرم سے ہم سب کو اپنے نیک بندوں کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور اہل سنّت کو اتفاق واتحاد کی دولت سے مالا مال فرمائے۔ آمین

☆☆☆☆☆

مفتی اعظم سرچشمۂ ولایت وہدایت

مولانا مفتی محمد اشفاق حسین نعیمی دام ظلہ
ناظم اعلیٰ دار العلوم اسحاقیہ، جودھ پور، مفتی اعظم راجستھان

تاجدار اہل سنت فرزند نامدار سیدنا اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان، جماعت اہل سنت کے وہ آفتاب علم وفن ہیں جن کی علمی اور ملی خدمات زریں حروف میں لکھی جائیں گی۔ سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ جو اپنے وقت میں دائرۃ المعارف تھے آپ کے تجدیدی کارنامے، ملت اسلامیہ انشاء اللہ تا قیامت یاد رکھے گی۔ آپ کی مخصوص تربیت اور حضرت حجۃ الاسلام علامہ شاہ حامد رضا علیہ الرحمہ کی خصوصی نظر التفات اور حضرت علامہ شاہ سید ابوالحسین احمد نوری میاں علیہ الرحمہ کی خصوصی توجہ نے مفتی اعظم علیہ الرحمہ کو نہ فقط ''مفتی اعظم''، بل کہ اپنے دور کا مفتی اعظم عالمِ اسلام بنا دیا۔ دنیاے اسلام کے نازک اور الجھے ہوئے شرعی ودینی مسائل بریلی شریف کے دار الافتا میں مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کی زبانی حل ہوتے تھے۔

فقہی جزئیات وکلیات پر رب العزت نے آپ کو وہ عقابی نظر اور عمیق فکر عنایت فرمائی تھا کہ باریک سے باریک تر اور دقیق سے دقیق تر فقہی مسئلہ کو فوراً حل فرمانا آپ کا طرہ امتیاز تھا۔ مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی حیات تابندہ رب کی بے پناہ عنایاتِ مخصوصہ اور نوازشاتِ کریمانہ کا ایک حسین مرقع تھی۔ امام غزالی کا تفکر، امام رازی کا تبحر اور امام ربانی کی عزیمت کے آپ حسین پیکر تھے۔ تمام علوم متداولہ اور فنونِ مروجہ پر کامل مہارت۔ مستزاد براں سرکار اعلیٰ حضرت سیدی امام احمد رضا خاں علیہ الرحمہ کی عبقری شخصیت کی خصوصی تربیت وتوجہ نے آپ کو ممتاز مقام پر فائز فرما دیا تھا۔

۱۸ ر سال کی نوعمری میں ایک انتہائی پر پیچ رضاعت کے مسئلہ کو دلائل وبراہین سے مزین فرما کر حل فرمانا آپ کی فقہی عبقری شخصیت کا نشانِ امتیاز ہے۔ پھر اسی روز امام اہل سنت علوم وفنون کے بحر ذخّار سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا مسرور ہو کر آپ کو مسندِ افتا پر متمکن فرمانا اور اپنے آخری دورِ حیات میں دار القضا کا رکن رکین نامزد فرمانا آپ کی فقہی بصیرت کو خراجِ تائید وتوثیق پیش کرنے کے مترادف ہے۔

آپ کا علوم و معارف پر محیط ''فتاویٰ مصطفویہ'' آپ کے تبحر علمی اور فقہی اعلیٰ بصیرت کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ یہ کتاب مستطاب نہ فقط آپ کے علمی وفقہی شہ پاروں کا مجموعہ ہے بل کہ فقہی دنیا میں ایک نسخۂ حلّ مشکلات کا درجہ رکھتی ہے۔ آپ کی ذات ستودہ صفات علم وفکر شعور وآگاہی، تبلیغ وارشاد، طہارت وتقویٰ، زہد واتقا، ہر پہلو سے اپنے عظیم المرتبت والد گرامی سیدی اعلیٰ حضرت کا پرتو نظر آتی ہے نیز **الولد سر الابیہ** کا تابندہ عکس بھی۔

آپ کی تصنیف وتالیف کے تعلق سے خدماتِ دینیہ ہوں یا رشد وہدایت، تبلیغ وارشاد کے تعلق سے مبلغانہ کارگزاریاں ہوں آپ ہر جہت سے امام اہل سنت مجدد دین وملت سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے سچے جانشین ثابت ہوئے ہیں۔ آپ کا ضرب المثل تقویٰ، شریعت طاہرہ کی مکمل پاسداری، فقیہانہ حلاوت آمیز گفتگو، فصاحت و بلاغت آمیز گوہر افشانی، عبادت و ریاضت کا مؤمنانہ جذبہ بے مثالی فرزندان توحید بالخصوص نائبین رسول کے لیے مشعلِ راہ ہے۔

۱۹۲۴ء کے لگ بھگ شدّھی تحریک کا طوفان بداماں شور آندھی بن کر فضائے ہند پر مسلط ہوا۔ اس شعلہ بداماں اور شر آمیز تحریک نے ہندوستان کی وسیع فضا کو چند دنوں میں مکدّر ومتعفن کر دیا۔ ہر سو اس سیاہ آندھی کے کارکن ارتداد کی شمشیر وسنان سے لیس ہو کر پھیل گئے۔ یوپی۔ راجستھان۔ گجرات۔ اڑیسہ۔ بنگال تک اس کے شرارے ایمان کے متوالوں کے آشیانے جلانے لگے۔ خاص کر آگرہ اور اس کے اطراف کا منطقہ زیادہ متاثر ہوا۔ اطراف اجمیر۔ میواڑ۔ بڑودہ بھی اس آندھی کی زد میں آگئے۔ حضور سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ کے تربیت یافتہ علمائے ربانیین کا نورانی قافلہ اس تحریک شدّھی کے دفاع میں کمر بستہ ہو کر میدان عمل میں اتر پڑا۔ مرکز کی کمان حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ اور حضرت حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خان علیہ الرحمہ اور سرکار صدرالافاضل علامہ سید نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ نے سنبھالی۔ بڑی مدبّرانہ حکمت عملی کے ساتھ دفاعی مورچہ قائم کیا گیا۔ حضرت علامہ عبدالعلیم میرٹھی اور علامہ قطب الدین برہمچاری اور سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمہ میدانِ عمل میں سرگرم عمل ہو گئے۔ اس قافلہ غازیاں کے سرخیل حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ تھے، اور آگرہ اور اس کے اطراف میں اس سیاہ آندھی کا اثر زیادہ تھا۔ اسی منطقہ کو ان نفوس قدسیہ نے اپنی جد وجہد عمل اور تبلیغ وارشاد کا محور بنا دیا۔ مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی مدبرانہ قیادت اور عالمانہ حکمتِ عملی نے سیکڑوں افراد کے ایمان وایقان کی دولت کا تحفظ فرمایا اور صدہا گم کردۂ راہ افراد کو راہ مستقیم پر متمکن فرمایا۔ بڑی مدبرانہ حکمتِ عملی کو روبہ عمل لا کر اس ارتدادی طوفان کا قلع قمع فرمایا۔ میلوں تک پیدل سفر فرما کر چھوٹے چھوٹے قصبات میں تشریف لے جا کر بے پناہ سفر کی صعوبتیں برداشت فرما کر فرزندانِ توحید میں ایمان ویقین کی روح پھونکی اور ہزار ہا گم کردہ راہ افراد کو راہِ مستقیم پر گامزن فرمایا۔ اس قافلۂ کفن بردوشِ غازیانِ محبت کے میر کارواں حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ تھے۔

اس کے علاوہ دینی مکاتب ومدارس اور علمی معاہد کا قیام بھی آپ کی پرخلوص مساعی کا تابندہ پہلو ہے۔ سیکڑوں علم وفن کے مراکز آپ کی نگاہِ ولایت مآب کا تصدق ہیں جو ملک کے طول وعرض میں علوم ومعارف کے چشمہ ہائے شیریں بن کر تشنگانِ علوم دینیہ کو سیرابی بخش رہے ہیں۔

دارالعلوم اسحاقیہ جودھپور بھی آپ کی ولایت مآب نظر کرم کا ثمرہ ہے۔ ۱۹۵۶ء یا ۱۹۵۷ء کے شروع میں حضور مفتی اعظم اور حضور محدث اعظم علیہما الرحمہ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک موقع پر جودھپور جلوہ بار ہوئے۔ تقسیم ملک کے المیہ نے نہ معلوم کتنے خانوادوں کو منقسم فرما دیا تھا۔ اس بلائے ناگہانی سے متاثر ہو کر کئی ایک ذی ثروت اور ذی علم افراد انتقال مکانی کے شکار ہوئے۔

صاحب ثروت اور باہوش طبقہ ترک وطن کر کے سرحد کے اس پار خیمہ زن ہوگیا۔ غیر مرئی مصائب و آلام نے ہر قبیلہ اور قبیلہ کے ہر باشعور فرد کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ جودھپور بھی اس امتحان غیر متوقع کا شکار رہا۔ مدرسہ اسحاقیہ کے ارباب حل وعقد بھی مایوس ہو گئے۔ ان حالات میں میں بھی ناامید ہو گیا اور ان دونوں ولایت مآب شخصیات کی بابرکت بارگاہ میں عرض کیا کہ حضرت اب مجھے اجازت دیجیے تا کہ رختِ سفر باندھ کر وطن چلا جاؤں کیوں کہ اس ادارے کے حالات انتقال مکانی کے باعث انتہائی ناگفتہ بہ ہو چکے ہیں۔ اس عریضہ پر سرکار محدث اعظم اور حضور مفتی اعظم علیہما الرحمہ نے بہ یک زبانِ ولایت مآب حکم صادر فرمایا ''مولانا! آپ ہرگز نہ جائیے۔ انشاء اللہ المولیٰ اس ادارے کا مستقبل بہت روشن ہے۔'' ہر دو حضرات کی ولایت مآب نظریں مستقبل کے جھروکوں سے اس ادارے کا روشن مستقبل ملاحظہ فرما رہی تھیں۔ دونوں نیرین کاملین نے نورانی ہاتھ اٹھا کر ادارہ کی ترقی اور استحکام کی دعا فرمائی۔ آج دارالعلوم اسحاقیہ جس فیروزمندی کی اعلیٰ منزل پر گامزن ہے۔ یہ سب کچھ انھیں نفوس قدسیہ کی خصوصی توجہات اور دعاؤں کا ثمرہ ہے۔ فالحمدللہ المنان الحنان۔

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کئی بار جودھ پور جلوہ بار ہوئے ہیں اور اپنی مخصوص دعاؤں سے ادارہ کو اور اس فقیر کو نوازتے رہے۔ حضرت کو مجھ سے اور اس ادارہ سے خصوصی تعلقِ خاطر تھا۔ جب بھی عریضۂ دعوت پیش کیا، شرف قبولیت سے نوازا گیا۔ آپ کی ذات سراپا کرامت نہ فقط میرے لیے یا میرے ادارے کے لیے بل کہ پوری ملت بیضا کے لیے سرچشمۂ ہدایت وولایت تھی۔ رب العزت اپنے حبیب پاک کے صدقے میں آپ کا روحانی فیض تا قیامت جاری وساری رکھے۔ آمین۔

مضت الدهور وما اتين بمثله
ولقد اتیٰ فعجزن عن نظرائه

☆☆☆☆☆

مفتی اعظم کے ظاہر و باطن کی یکسانیت

ڈاکٹر محمد محب الحق قادری
گوشۂ برکات، برکات نگر، گھوسی، مئو

الحمد لولیہ والصلوٰۃ والسلام علی نبیہ و آلہ و اصحابہ و اولیاء امتہ اجمعین۔

اے رضاؔ یہ احمد نوری کا فیض نور ہے

چشم و چراغ خاندان برکات ''امام احمد رضا رضی اللہ عنہ'' مارہرہ مطہرہ کے تاجدار ولایت حضور شاہ آل رسول احمدی قدس سرہ العزیز سے تاج وری حاصل کرنے کے بعد، اب اپنے آنے والے نورِ نظر کی ولادت وولایت باسعادت کی بشارت اور اس کے لیے تاج وری و کشور کشائی کی خوش خبری سننے کے لیے شہنشاہِ ولایت قطب مارہرہ مطہرہ حضور سید شاہ ابوالحسین احمد نوری رضی اللہ عنہ کے پیچھے پیچھے جامع برکات کی سیڑھیوں سے اتر رہے ہیں۔ صبح کا سہانا وقت ہے، صبح مارہرہ میں نور کا باڑا بٹ رہا ہے۔ صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارہ نور کا۔ اسی وقت بریلی شریف میں آفتاب ولایت کا ظہور ہو رہا ہے۔ ملکوتی آواز۔ مولانا صاحب۔ مبارک ہو۔ آپ کے یہاں فرزند تولد ہوا ہے۔ ہم نے اس کا نام آل الرحمن مصطفی رضا رکھا ہے۔ انشاء اللہ بریلی آکر میں اسے دیکھوں گا، لیجیے، سب کچھ عطا ہو گیا۔ اب کیا چاہیے؟ چاہنے والے کی منشا کو بھانپ لیا گیا تھا، کہ کیوں پیچھے پیچھے چل رہا ہے۔ بادشاہ کے پیچھے گدا۔ میں گدا تو بادشاہ بھر دے پیالہ نور کا۔ بھر دیا گیا پیالہ۔ اب جاؤ سنبھالو۔ پیالہ چھلکنے نہ پائے۔ ہم آئیں گے، آداب مئے نوشی سکھانے کے لیے۔ دنیا کی ریت ہے، پیاسا کنویں کے پاس جاتا ہے۔ یہاں بات ہی کچھ اور ہے، سمندر پیاسے کے پاس جا رہا ہے۔ چھ ماہ پورے ہو گئے۔ شہنشاہ ولایت حضور نوری میاں بریلی شریف باغ رضا کے پھول کو معطر کرنے تشریف لائے۔ نورانی کلی کو نوری گود میں ڈال دیا

گیا ؎

گود میں عالم شباب، حالِ دل کچھ نہ پوچھ
گلبن باغ نور کی اور ہی کچھ اٹھان ہے

پھر کیا تھا۔ بچے نے چہک کر دیکھا، آنکھیں دو چار ہوئیں ؎

آباد اسے فرما ویراں ہے دل نوری جلوے ترے بس جائیں آباد ہو ویرانہ

نورولایت نے دیکھ لیا۔ منشا سمجھ لیا۔ حضور نوری میاں نے انگلی لاڈلے کے منہ میں ڈال دی۔ ؎

ندیاں پنجاب رحمت کی ہیں جاری واہ واہ

سبحان اللہ، سبحان اللہ، وہ رحمت کی ندیاں جو مدینے سے جاری ہوئی تھیں وہ اب بھی جاری ہیں ۔اگر سوکھ جائیں گی تو اسلامی کیاریوں کی آبیاری کیسے ہوگی، ملاحظہ کیجیے۔نورانی منظر یہاں سیراب کیا رجاہا ہے۔جام نور سے،نور کی دھار کیسے بہتی ہے؟ ہم سیاہ کار کوتاہ بینوں کو بس اتنا نظر آیا کہ آل الرحمن مصطفی رضا حضرت شاہ ابوالحسین نوری کی انگلیاں چوس رہے ہیں۔ بظاہر تو رسم بیعت وارادت سے سرفراز کیا جارہا ہے۔ یہ تو ہم دنیاوالوں کو دکھانے کے لیے۔مگر اس وقت حضور قطب ولایت نے کیا کیا پلادیا؟ پینے والا اور پلانے والا ہی جانے :

ع: پینے والوں کو ہی پینے کا مزہ آتا ہے

ایسے پاکیزہ صفات نورٌ علی نور کی حیات مبارکہ کیسی پاکیزہ ہوگی؟ اس کا ظاہر و باطن کتنا ارفع واعلیٰ ہوگا؟ اس کو اس چھوٹے سے مضمون میں قلم بند نہیں کیا جاسکتا۔ مظہر اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم کی حیات مبارکہ کا ہر باب انتہائی درخشندہ وتابندہ اور آپ کا ظاہر و باطن ''**من یطع اللّٰہ و رسولہ**'' کا مظہر اتم و پیکر مجسم تھا۔ اس کے گواہ تو لاکھوں اپنے اور غیر سبھی مل جائیں گے کہ حضور کے ظاہر و باطن میں یکسانیت تھی، اس کے منکر تو شاید و باید ہی مل پائیں۔

حضور مفتی اعظم کی زیارت اوران سے بیعت :

ابا حضور قدس سرہٗ نے آبائی قدیم سفالہ پوش خستہ مکان کی اپنی کمائی سے اتنی مرمت کرادی تھی کہ وہ کسی قدر رہائش کے لائق ہوگیا تھا۔ایک غریب جب جھونپڑی بنالیتا ہے تو اس کی خواہش ہوتی ہے کہ اس میں کسی برگزیدہ ہستی کا قدم مبارک پڑ جائے تو یہ جھونپڑی نور کا محل بن جائے۔اسی درمیان مقتدائے اہل سنت حضور مفتی اعظم قدس سرہ عرس امجدی میں گھوسی تشریف لائے تھے۔قادری منزل میں قیام تھا۔ابا حضور نے موقع غنیمت جانا، حضرت کو دعوت دی کہ حضور غریب خانہ کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے سرفراز فرمائیں۔ابا حضور نے اپنی حیثیت اور حضور کی پسند کے مطابق اذوقہ تیار کررکھا تھا۔صرف اتنا یاد ہے کہ فیرنی بھی بنی تھی، اسی موقع پر ذرہ ناچیز اور امی مرحومہ کو حضور نے بیعت سے سرفراز فرمایا۔۱۱رذی قعدہ ۱۳۷۷ھ میں شرفِ بیعت سے مشرف ہوا۔

اس عمر میں بیعت وارادت کی کیا اہمیت مگر میں اس وقت اتنا خوش تھا کہ جیسے میری زندگی کی معراج ہوگئی۔اپنے ساتھیوں کو دوڑ دوڑ کر خوشخبری سناتا ''میں حضور مفتی اعظم سے مرید ہوگیا'' مارے خوشی کے پھولے نہیں سمارہا تھا۔اس وقت زبان مبارک سے جو کلمات طیبات سنے تھے وہ یہ تھے۔ یااللہ یارحمن یارحیم۔دل مارا کن مستقیم بحق ایاک نعبد وایاک نستعین۔الٰہی میں تمام گناہوں سے توبہ کرتا ہوں میری توبہ قبول فرما...... گناہ ہر برائی سے بچتا رہوں گا، بدمذہبوں کی صحبت خاص طور سے وہابیوں، دیوبندیوں، رافضیوں سے بچتا رہوں گا۔الٰہی مجھے ان کے شر سے محفوظ فرما۔میں نے اپنا ہاتھ

پیران پیر دستگیر، غوث الاعظم سیدنا شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دیا، الٰہی مجھے ان کے غلاموں میں قبول فرما۔

وہی کلمات طیبات کی شیرینی وحلاوت، روحانیت وجاذبیت، جو دل ودماغ کو مجلّا ومصفا کردے، اخیر تک باقی رہی۔ تاحیات آپ نے جو مریدین سے عہد لیا تھا اس پر خود بھی قائم رہے اور اپنے متوسلین، معتقدین، مریدین کو قائم رہنے کی تاکید فرماتے رہے۔ میں نے اپنے بچپن میں رخ زیبا میں جو تازگی، تابانی ودرخشندگی وتابندگی دیکھی تھی وہ اخیر تک قائم رہی۔ بس اخیر عمر میں ضعف ونقاہت ہوگئی تھی۔ بڑھاپے میں عام لوگوں کے چہرہ کا رنگ وروغن بدل جاتا ہے مگر پیر ومرشد کے چہرہ انور کی جلوہ گری اپنے پورے آب وتاب کے ساتھ باقی رہی۔

تصویر کے خلاف اظہارِ برہمی :

میں ۱۹۶۷ء میں مدرسہ اشرفیہ مالیگاؤں میں زیر تعلیم تھا۔ استاذ محترم مولانا عزیز الحسن صاحب کے ہم راہ ناگ پور میں چند ایام قیام کرکے وطن واپس ہوا۔ وہیں معلوم ہوا کہ حضور مفتی اعظم ناگ پور میں تشریف لائے ہیں۔ حضرت مولانا مجیب اشرف صاحب کے ہمراہ شرف زیارت کے لیے حضرت کی قیام گاہ پہنچا۔ زیارت وقدم بوسی ہوئی۔ حضرت بہت خوش ہوئے، پوچھا کب اور کیسے آئے؟ اسی وقت ایک سیٹھ صاحب کے یہاں حضرت کو جانا تھا۔ گاڑی میں بیٹھے تو اپنے بغل میں بٹھایا پوچھتے رہے کیا پڑھتے ہو؟ میں ان دنوں فارسی گلستاں، بوستاں پڑھتا تھا، اسی کا امتحان لیا کچھ بتایا کچھ بھول گیا۔ اس کے بعد نصیحت کی اور ابا حضور کی مسلسل تعریف کرتے رہے۔ اسی درمیان سیٹھ صاحب کا مکان آ گیا۔ تھوڑی دیر میں پرتکلف دسترخوان پر بیٹھا دیا گیا۔ حضرت نے پہلے دونوں ہاتھ گٹوں تک اچھی طرح دھوئے۔ خیال ہوا کہ حضرت کا دست مبارک اتنا صاف وشفاف اسے دھونے کی کیا ضرورت؟ اب سمجھ میں آ رہا ہے کہ یہی سنت ہے اور بزرگوں کا کام سنت وشریعت کے مطابق ہوتا ہے۔ مجھے یاد نہیں کہ اس وقت دسترخوان پر کون کون حضرات تھے؟ بس اتنا یاد ہے کہ مولانا مفتی غلام محمد خاں صاحب علیہ الرحمہ، حضرت مولانا مجیب اشرف صاحب ودیگر علما وخواص تھے۔ کوئی صاحب حضرت کے پلیٹ میں کھانا ڈال رہے تھے۔ حضرت نے فرمایا تھوڑا شوربا دیجیے۔ ایک چھوٹی سی بوٹی۔ دال اور چٹنی اور ایک سادی روٹی لی۔ دسترخوان پر انواع واقسام کے کھانے رکھے گئے تھے۔ دوسرے حضرات نے حسب خواہش کھانا لیا۔ کھانا شروع ہوا۔ کھانے سے پہلے حضرت نے آہستہ آہستہ کوئی دعا پڑھی اور بسم اللہ پڑھ کر شروع فرمایا چھوٹا چھوٹا لقمہ، تین انگلیوں سے تھوڑا منہ کھول کر اندر لیتے اور منہ بند کرکے آہستہ آہستہ خوب چبا کر کھاتے اور ساتھ ہی یہ بھی فرماتے فلاں صاحب یہ کھائیے، وہ کھائیے، یہ لیجیے وہ لیجیے گویا خود کھانے نہیں بل کہ دوسروں کو کھلانے بیٹھے ہوں۔ میں نے اس وقت بہت غور سے دیکھا حضرت نے ایک یا دو چپاتی اور تھوڑا چاول بہت دیر تک کھایا۔ دوسرے ہم نشین حق دسترخوان اور حق شکم ادا کرتے رہے۔ دیر تک کھانے کا دو فائدہ ہے ایک تو خوب اچھی طرح غذا باریک ہوکر جلد ہضم ہوجاتی ہے اور دوسرے لوگ بھی شکم سیر ہوکر کھا لیتے ہیں۔ اور یہی سنت بھی ہے۔

تھوڑی دیر آرام کے بعد سیٹھ صاحب کی فیکٹری میں دعاے خیر وبرکت کے لیے تشریف لے گئے۔ ہم لوگ ساتھ ساتھ تھے۔ سیٹھ صاحب اپنی مرصع ومزین آفس میں حضرت کو لے گئے۔ حضرت کی نظر دیوار پر آویزاں سیٹھ صاحب کی تصویر پر پہونچ گئی۔ **توبہ توبہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ استغفراللہ** کہتے ہوئے آفس سے باہر نکل آئے۔ جلال میں فرمایا۔ لوگ دعا کرانے لاتے ہیں اور حرام چیز آفس میں لگاتے ہیں۔ کیسے برکت ہوگی؟ **توبہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ استغفراللہ** کیسے برکت ہوگی؟ کیسے برکت آئے گی؟ یہ کہتے ہوئے فیکٹری سے باہر ہونے لگے۔ سب پر سکتہ طاری ہوگیا۔ ماحول میں زلزلہ آ گیا۔ مولانا مجیب اشرف صاحب پسینہ پسینہ! اب کیا

ہوگا؟ بہت منت سماجت ہوئی۔معافی تلافی ہوئی۔گزارش کی گئی! حضور باہر ہی سے دعا فرمادیں۔حضرت نے باہر ہی سے کھڑے کھڑے دعا فرمائی۔دوسرے آفس میں لے جایا گیا۔وہاں کی تصویر کپڑے سے ڈھک دی گئی تھی۔حضرت نے آفس میں بیٹھ کر دعا فرمائی۔نصیحت کی اور مسئلہ بھی بتایا۔شریعت وطریقت پر ایسی استقامت وعزیمت میں نے کسی اور شخصیت میں نہیں دیکھی۔بڑے سے بڑا سیٹھ ہو، اس کی پرواہ نہیں کی۔مصلحت تو یہ تھی کہ اتنے بڑے سیٹھ جی کے یہاں پر تکلف دعوت کھائی۔تصویر دیکھا تھا، آنکھ بند کرکے دعا کر دیتے، سیٹھ صاحب بھی خوش اور ہم بھی خوش رہتے۔مگر اس کو گوارا نہیں فرمایا۔

مریدین ومعتقدین، علما وصلحا کو شریعت وطریقت پر عمل پیرا ہونے کی تاکید فرماتے۔اکثر دیکھا گیا جو لوگ حضرت سے مصافحہ و دست بوسی وقدم بوسی کرتے اگر ہاتھ میں چاندی کی ایک انگوٹھی ہے تو ٹھیک ورنہ اس سے زائد یا دیگر دھات کی ہے تو فوراً ہاتھ پکڑ لیتے۔توبہ توبہ حرام ہے، حرام ہے۔اس کو فوراً مسئلہ بتاتے اور اس کو اس پر عمل کرنے کی تاکید فرماتے۔ایک بار مسجد میں بعد نمازِ عصر ایک صاحب مصافحہ کے لیے آگے بڑھے۔ان کے گلے کا بٹن کھلا ہوا دیکھا تو فرمایا کپڑا اتنا قیمتی اور گلا کھلا ہوا۔نماز مکروہ ہوگی۔گلا بند کرکے نماز پڑھیے۔

کسی جلسہ کے اسٹیج پر رونق افروز ہوتے تو اس وقت اچھے اچھے علما بھی تقریر کرنے سے کانپتے تھے۔کہ کوئی بات خلاف شرع نکل گئی تو اسی وقت ڈانٹ سننی پڑے گی۔مجمع عام میں بے عزتی ہوگی۔حضور مفتی اعظم اکابر علما میں اس حیثیت سے ممتاز تھے کہ خلاف شرع کوئی بات برداشت نہیں فرماتے۔خلوت ہو یا جلوت فوراً اعلانِ حق فرماتے۔

احترام نبوت ورسالت مآب (صلی اللہ علیہ وسلم):

جامعہ انوار القرآن میں زیر تعلیم تھا ۱۹۶۸ء تا ۱۹۷۳ء میں۔ان ایام میں بارہا حضور مفتی اعظم بلرام پور میں تشریف لائے۔ابا حضور کی گزارش پر جامعہ میں بھی تشریف لائے۔گرمی کا مہینہ تھا، جامعہ کی عمارت سے متصل ابراہیم مسجد کی دوکانوں کی چھت پر حضرت کے بیٹھنے کے لیے فرش ومسند بچھا دیا گیا۔حضرت طلبہ کو مرید کرنے کے بعد نصیحت وموعظت سے نواز رہے تھے۔اسی بیچ ایک نیپالی طالب علم نے خواہش ظاہر کی کہ حضور اجازت دیں تو نیپالی زبان میں نعت شریف پیش کروں۔حضرت نے مسکراتے ہوئے فرمایا۔سنائیے۔وہ طالب علم کنارے بیٹھا تھا، وہیں نعت شریف سنانے کے لیے کھڑا ہوگیا۔حضرت نے اپنی مسند چھوڑ دی اور فرمایا۔وہاں سے نعت سنائیں گے؟ آپ یہاں آئیے۔ان کو اپنی جگہ کھڑا کیا اور خود کنارے باادب دوزانو بیٹھ گئے اور فرمایا سنائیے۔بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں ادب کی ایسی مثال کبھی نہیں دیکھی۔سبھی اساتذہ وطلبہ محو حیرت۔طالب علم نے نعت پڑھنا شروع کیا۔وہاں اس طالب علم کے علاوہ نیپالی زبان کوئی نہیں جانتا تھا مگر اس نے بڑے والہانہ انداز میں نعت شریف پیش کی کہ حضرت جھوم جھوم کر سبحان اللہ، ماشاء اللہ، کی داد وتحسین دیتے رہے۔جس کا اثر یہ ہوا کہ ہم لوگوں کو نہ سمجھ میں آتے ہوئے بھی کیف وسرور تھا۔مجھے خیال آرہا ہے کہ حضرت نے اس طالب علم کو کچھ انعام بھی دیا تھا۔کچھ دیر تک محفل نعت پاک چلتی رہی اور حضرت یونہی باادب دوزانو بیٹھے رہے۔

دوران تعلیم مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۱۹۷۴ء تا ۱۹۸۰ء بریلی شریف قریب ہونے کی وجہ سے عرس رضوی میں قافلہ کے ساتھ تقریباً ہر سال حاضری کا شرف ملتا۔ڈاکٹر بیت اللہ صاحب اور ڈاکٹر احسان اللہ صاحب، استاذ محترم حکیم خلیل صاحب اور مولانا سید ظہیر الدین صاحب زیدی رحمۃ اللہ علیہما بھی ساتھ میں رہتے۔قل کی تقریبات خانقاہ شریف کے اوپر چھت پر ہوتیں۔ایک سال منتظمین نے صحنِ خانقاہ کے ریلنگ پر بلیاں باندھ کر پٹرے بچھا کر اسٹیج بنا دیا تھا۔اسٹیج پر مجمع کثیر تھا۔حضرت بیچ میں تشریف فرما تھے، اسٹیج ٹوٹ کر تقریباً ۱۵ر فٹ

نیچے گر گیا۔ پوزیشن یہ تھی کہ سارے علما اور ملبہ حضرت کے اوپر پڑے بلیاں بھی حضرت کے اوپر۔ ہم لوگوں نے یہی سمجھا کہ حضرت سلامت نہیں ہوں گے سب لوگوں کی سانس رک گئی، ہم لوگ چھت پر تھے، اوپر سے دوڑ کر نیچے پہونچے۔ سب سے پہلے ابا حضور سے ملاقات ہوئی، ان کی خیریت پوچھی گئی۔ پھر آگے بڑھے کہ حضور مفتی اعظم کس حال میں ہیں؟ جلدی جلدی ملبے کو ہٹایا گیا تو ایک صاحب نے بتایا کہ حضرت اس میں نہیں خانقاہ شریف کے حجرے میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ ہم لوگوں کی خوشی اور تعجب کی انتہا نہ رہی، کہ اتنی جلدی حضرت اس ملبے سے کیسے نکلے؟ اور کیسے وہاں پہنچ کر نماز پڑھنے لگے؟ اس لیے کہ ان دنوں حضرت علیل چل رہے تھے۔ اور حضرت کو بہ مشکل قیام گاہ سے سہارا دے کر اسٹیج پر لایا گیا تھا۔ ایسی صورت میں ملبے سے نکلنا اور خود سے اس مجمع سے نکل کر نماز پڑھنا یہ حضرت کی روحانی قوت کی کارفرمائی اور کھلی کرامت تھی۔ بہت سے لوگ آہ وفغاں کر رہے تھے لیکن حضرت نماز پڑھنے میں مشغول رہے۔ جب کہ ایسے سنہرے موقع پر کوئی ڈھونگی پیر ہوتا تو جھوٹی چوٹ کا بہانہ بنا کر آہ وفغاں کر کے مریدین ومتوسلین سے علاج ومعالجہ کے بہانے نذرانے پر نذرانے وصول کرتا۔ لیکن حضرت نے ایسا نہیں کیا۔ یہ تعلق مع اللہ اور صبر واستقامت کی اعلیٰ مثال ہے اور ہم مریدین ومتوسلین کے لیے عبرت ونصیحت ہے کہ بڑی سے بڑی مصیبت کی گھڑی میں آہ وفغاں کے بجائے ایسا ہی کریں۔ حضرت کی خدمت میں رہنے کا موقع ملا۔ حضرت کی زبان مبارک سے بارہا کلمات طیبات سنے گئے۔ یا اللہ یا رحمن یا رحیم۔ دل مارا کن مستقیم۔ بحق ایاک نعبد وایاک نستعین۔ یہ کلمات طیبات مرید کرتے وقت اور اس کے علاوہ اوقات میں بھی پڑھتے۔ یہ اس کی برکت تھی کہ اتنے بڑے حادثہ کے بعد بھی حضرت ثابت قدم رہے۔

جب حضرت نماز پڑھ چکے تو پوچھا گیا کہ حضور مزاج کیسے ہیں؟ فرمایا ٹھیک ہوں جیسے کوئی غیر معمولی بات ہوئی نہ ہو۔ حضرت کو سہارا دے کر کھڑا کیا گیا اور قیام گاہ پر لے آئے۔ بستر پر لٹا دیا گیا، پوچھا گیا، حضور کہیں کوئی تکلیف چوٹ؟ فرمایا کچھ نہیں۔ جب خدمت گار ہاتھ پیر دبانے لگے تو بتایا کہ پسلیوں میں کچھ تکلیف ہے۔ ڈاکٹر نے چیک کر کے بتایا کہ دو پسلیاں ٹوٹی ہوئی ہیں۔ ایسی حالت میں کوئی دوسرا ہوتا تو درد کے مارے چیختا اور کراہتا لیکن حضرت آرام سے اس طرح لیٹے تھے جیسے کوئی تکلیف ہی نہ ہو۔

عمر کے آخری ایام میں اکثر حضرت کے اوپر بےخودی کا عالم طاری رہتا لیکن جب نماز کا وقت ہوتا تو حضرت بیدار ہوتے اور تازہ وضو کے بعد کھڑے ہو کر نماز پڑھتے۔ وضو بنانے میں جو احتیاط اور جو طریقہ خشوع وخضوع میں نے حضرت کا دیکھا وہ کسی بزرگ میں نہیں پایا۔ حضرت خود سے وضو فرماتے۔ اور کبھی بھی اس کی اجازت نہیں دی کہ کوئی دوسرا پانی گرائے تو حضرت وضو کریں۔ بعد نماز عشا حضرت کا معمول تھا کہ اندر آرام فرماتے اور نعت خواں حضرات آجاتے نعت شریف کی محفل شروع ہو جاتی۔ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کی نعتیں پڑھی جاتیں۔ حضرت سماعت فرماتے اور داد دیتے۔ سبحان اللہ، ماشاء اللہ زبان مبارک سے جاری رہتا۔ اس وقت چہرہ مبارک سے بشاشت کی کیفیت ظاہر ہوتی اور چہرہ کی درخشندگی وتابندگی دیکھنے کے لائق رہتی۔ یہ محفل گیارہ بارہ بجے تک چلتی۔ اس محفل کا کیف وسرور میں ابھی تک بھول نہیں سکا۔ اس محفل میں نور وعرفان کی بارش ہوتی اور ہم سب لوگ کیف ومستی میں ڈوب جاتے، خاص بات یہ تھی کہ اس کیف ومستی میں کبھی حضرت بےخود ہو جاتے۔ اس حالت میں اگر نعت خواں حضرات سے کسی قسم کی غلطی ہو جاتی تو حضرت فوراً ٹوک دیتے اور اصلاح فرماتے جب کہ اس وقت بےخودی کا یہ عالم تھا کہ روز ملنے والا ابھی ملتا تو حضرت پوچھتے۔ کون صاحب ہیں؟ بتانے پر پہچانتے اور خیریت پوچھتے۔ احباب ومتعلقین کی خیریت پوچھتے۔ افسوس کہ طالب علمی کا دور تھا، ہم اس نورانی محفل میں زیادہ دنوں تک شریک نہیں ہو سکے۔ بڑی حسرت کے ساتھ واپس ہوتے۔ بڑے خوش نصیب وہ لوگ ہیں جن کو وہ مبارک صحبتیں اور ساعتیں بار بار نصیب ہوئیں۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں جب بھی ان دنوں حضرت کی قدم بوسی کے لیے حاضر ہوا تو تین شخصیتیں ضرور موجود ملیں۔ایک حضرت کے خادم خاص بابو میاں جو اسی نام سے پکارے جاتے تھے۔ایک بہت ہی پھرتیلے تیز و طرار پتلے دبلے منکسر المزاج نوجوان ''سعید نوری'' جو اس وقت سعید بھائی یا سعید کہہ کر پکارے جاتے تھے۔تیسرے غالباً مولوی عبد الہادی افریقی صاحب تھے۔پہلے دولت خانہ پر حاضری کے بعد بابو میاں کا مزاج دیکھتے کہ کیسا ہے؟ بات یہ تھی کہ معتقدین و متوسلین کا وقت بے وقت آنا جانا لگا رہتا۔اس پر یہ اصرار رہتا کہ حضرت سے ملاقات کروادیں اور بابو میاں کو حضرت کے آرام اور نماز وغیرہ کے معمولات میں خلل نہ پڑے،اس کا بھی لحاظ رہتا۔اس لیے وہ ہر شخص کو جواب دیتے دیتے چڑ چڑے سے ہو گئے تھے۔مگر تھے بہت مخلص۔پہلے ہم لوگ پہنچ کر ان کی خیریت پوچھتے۔بڑے پرجلال انداز میں کہتے۔یہاں خیریت ہے؟ ہم لوگوں کو ان کے غصہ پر ہنسی آجاتی تو کہتے کیا کروں۔لوگوں نے ناک میں دم کر دکھا ہے۔چین سے نہیں رہنے دیتے۔مگر ہم لوگوں کی غرض رہتی اس لیے پہلے ان کی بپتا سنتے کچھ فرضی ہمدردی دکھاتے۔ان کی تعریف کرتے۔اتنے میں بابو بھائی خوش ہو جاتے۔پھر وہ ہم لوگوں کی خیریت پوچھتے۔اب ہم لوگ سمجھ جاتے کہ اب ہم لوگوں کا کام بحسن و خوبی ہو جائے گا۔بہر حال وہ موقع نکال کر حضرت کی زیارت کرواتے۔اور خود ہی لے جا کر ہم لوگوں کا تعارف کرواتے۔حضرت بہت خوش ہوتے،دعاؤں سے نوازتے۔اس درمیان خدمت میں سبقت کرنے والا اور ہمہ وقت حاضر رہنے والا جن کو پایا وہ سعید نوری صاحب تھے۔بابو بھائی ان کی موجودگی میں آرام کر لیتے۔مگر ہمہ وقت خدمت کے لیے چاق و چوبند۔اشارۂ ابرو پر خدمت کے لیے حاضر ہو جاتے۔انھوں نے اس وقت خدمت کی جب حضور مفتی اعظم کی ولایت کا آفتاب بام عروج پر تھا۔یہی وجہ ہے کہ سعید نوری صاحب کو یہ مرتبہ اعلیٰ میسر ہوا۔بڑا سے بڑا کام۔مسلک اہل سنت کے لیے کر ڈالتے ہیں۔لوگ انگشت بدنداں ہیں۔آج بر اعظم ایشیا میں اگر مسلک اہل سنت اور خاص طور سے رضویات پر جو کام ہوا وہ مرکزی مجلس رضا لاہور کے بعد سعید نوری بانی رضا اکیڈمی نے کیا۔پورے ممبئی نہیں بل کہ پورے ہند و پاک میں اعلیٰحضرت،مفتی اعظم،مسلک اعلیٰ حضرت کے لیے جن علما و مفکرین نے خدمات انجام دیں تو ان کو اعزاز و اکرام کے جتنے بہتر طریقے ہو سکتے ہیں،ان سے نوازتے ہیں۔جس کی اعلیٰ مثال۔حضرت شارح بخاری قدس سرہٗ کو چاندی سے تولنا بھی ہے۔جو کام پہلے بادشاہانِ وقت نے کیا اس کام کو درویش و قلندرِ مفتی اعظم نے کر دکھایا۔ان کا مسلک و مشرب ہے ؎

کام وہ لے لیجیے تم کو جو راضی کرے ٹھیک ہو نام رضاؔ تم پہ کروڑوں درود

شب و روز اسی کام کی فکر میں سرگرداں رہتے،اسی خلوص اور نیک نیتی کا نتیجہ ہے ان کے احباب و ارکان رضا اکیڈمی کو ایسے ہی کام میں دل کا قرار ہے۔سعید نوری صاحب کو حضرت کی خدمت میں جتنا چاق و چوبند پایا اور جو تیزی اور سرعت اس وقت دیکھی تھی وہ خصوصیات و صفات آج بھی ان کے اندر بدرجہ اتم موجود ہیں۔یہ ان کے اوپر ان کے پیر و مرشد کا خصوصی فیضان ہے۔

جب تک بکے نہ تھے تو کوئی پوچھتا نہ تھا تم نے خرید کر مجھے انمول کر دیا

یہی وجہ ہے کہ اپنی جماعت میں بین الاقوامی شخصیت کے مالک ہیں۔خلیفۂ مفتی اعظم تو بہت ہیں۔خلافت کا لیبل اپنے مفاد اور اپنی شخصیت کو نمایاں کرنے کے لیے لگاتے ہیں۔مگر اسیرِ مفتی اعظم صرف الحاج سعید نوری صاحب ہیں۔

وہ اپنی جماعت میں رضویات پر منفرد کام اور کارناموں کی وجہ سے ممتاز ہیں۔ہمہ وقت اور ہر آن اس فکر میں سرگرداں کہ میرے سرکاروں کا بول بالا کیسے ہو؟ ہر سال،ہر آن،نئی طرز،نئی فکر و آہنگ کے ساتھ ؎

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے دست و بازو کا

بات چل رہی تھی حضور مفتی اعظم کے اخلاق و کردار کے ظاہر و باطن میں یکسانیت کی۔ اور چل پڑی ان کے عشاق اور دیوانوں کے کردار کی۔ یہ اس لیے کہ آقا کے ساتھ غلاموں کا، مخدوم کے ساتھ خادموں کا ذکر آ ہی جاتا ہے حضور مفتی اعظم کی زندگی ان کا ظاہر و باطن ایسا تھا کہ جس نے ان کو جتنا قریب سے دیکھا وہ انھیں کا گرویدہ ہو کر رہ گیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیبِ پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے ہم سب فقیروں، اسیروں کو مرشد برحق مقتدائے اہل سنت حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ العزیز کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے اور مسلک اعلیٰ حضرت کا بول بالا فرمائے۔ رضا اکیڈمی اور اس کے معاونین وارکان کو ترقی عطا فرمائے اور ان کی خدمات کو قبول فرمائے بالخصوص اسیر مفتی اعظم الحاج سعید نوری صاحب کو عمر خضری اور اوج سکندری عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

☆☆☆☆☆

فنِ تعویذ نویسی حضور مفتی اعظم کا روحانی عطیہ

مفتی محمد اشرف رضا صدیقی قادری نوری
قاضی شریعت ادارۂ شرعیہ مہاراشٹر ممبئی واستاذ دار العلوم حنفیہ رضویہ ممبئی

تعویذ نویسی ایک لطیف فن اور روحانی مشغلہ ہے۔ یہ دعوت الی اللہ، اشاعت سنیت، مامورات کی ترغیب، منہیات سے ترہیب، خدمت خلق اور اصلاح معاشرہ کا بہترین ذریعہ ہے۔ اسی لیے بزرگان دین نے اس طرف اپنی خصوصی توجہات مبذول فرمائیں۔ اور ہر ضرورت کے لیے قرآن حکیم وارشادات مصطفی علیہ التحیۃ والثنا اور اسماے طیبات سے نسخہ شفا، نقوش وعملیات کی شکل مرتب فرمایا اور اس فن میں ملکہ ومہارت کے لیے علوم دینیہ واحکام شرعیہ کی واقفیت کے ساتھ اس فن کے کامل استاذ کی نگرانی میں ریاضت شاقہ کی کلفتیں اٹھائیں، کنج خمولی میں رہ کر ذکر وعملیات کے ذریعہ تقرب الٰہی کے منازل طے کیے جس کی برکت سے خلق خدا میں من جانب اللہ ان کی نیک نامی کی شہرت ہوگئی، لوگوں کے دل ان کے طرف مائل ہونے لگے۔ اور ان کے گرد حاجت مندوں اور لاچاروں کی بھیڑ اور بیمار دلوں کا میلہ لگ گیا۔

اس پر آشوب دور میں ہر طرف لادینیت و بد مذہبیت اور فسق فجور کا بازار گرم ہے، اس سے مسلم معاشرہ بھی متأثر ہے۔ کچھ مسلمان کہلانے والے اسلامی شعائر سے بے زار اور کفار فجار کی بد عادات واطوار کے خوگر، جسمانی وروحانی امراض سے دوچار، باہمی حقوق وفرایض کی معلومات سے نابلد اور ایک دوسرے کے درپئے آزار ہیں۔ باپ بیٹے میں عداوت، بھائی بھائی میں جنگ، میاں بیوی میں

نفرت ایک پڑوسی دوسرے کا دشمن، باہمی صلہ رحمی کا فقدان کسی کو کسی کے حقوق کا کچھ خیال نہیں، برائیوں اور نفرت میں ملوث ہونے کے سبب مہلک وجان لیوا بیماریوں کا دور دورہ ہے۔ یوں تو بیماریاں وبرائیاں ہر دور میں رہی ہیں اور ان کا علاج بھی ہوتا رہا ہے مگر فی الحال زیادہ دباؤ ہے اور اس کے ازالہ کی ہر ممکن کوشش جاری ہے۔ نت نئی سائنسی تحقیقات امراض کا قلع قمع کرنے میں لگی ہوئی ہیں مگر پھر بھی سکون عام نہیں ہے اور سکون ملے کیسے؟ یہاں تو لوگوں کے دل بگڑ گئے ہیں اور یہ امر مسلّم ہے کہ دل کے بگڑ جانے سے جسم کا پورا نظام بگڑ جاتا ہے۔

معالج تو ظاہر کو دیکھ کر دوا تجویز کرتا ہے، دل کے حال کی اسے کیا خبر؟ اس لیے مریض دوا کے استعمال کے بعد بھی بدحال و پریشان نظر آتا ہے۔ ہاں اگر کوئی مریض اہل دل کے پاس پہنچ جاتا ہے تو وہ اپنے نور باطن سے دل کی اصلاح وعلاج کر کے مریض کے ظاہر و باطن کو صالح وصحت مند بنا دیتا ہے۔ سیدی مرشدی عارف باللہ سیدنا حضور مفتی اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کی ذات ہدایت سے عبارت تھی۔ آپ ہادی کی فطرت پر پیدا کیے گئے تھے۔ اپنے والد مکرم امام اہل سنت، مجدد اعظم سیدنا امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز کی دعا (اے مالک بے نیاز! یا رب کریم! مجھے ایسی اولاد عطا فرما جو عرصہ دراز تک تیرے دین اور تیرے بندوں کی خدمت کرے) اور اپنے مرشد کریم کے کشف باطن ''یہ بچہ دین وملت کی بڑی خدمت کریگا اور مخلوق خدا کو اس کی ذات سے بہت فیض پہنچے گا۔ یہ بچہ ولی ہے اس کی نگاہوں سے لاکھوں گم راہ انسان دین حق پر قائم ہوں گے، یہ فیض کا دریا بہائے گا'' کی تفسیر وتصویر تھے۔ آپ کی تعلیم وتربیت بھی مخصوص طریقہ پر ہوئی تھی۔ علوم شریعت وطریقت میں مہارت وملکہ کے ساتھ اس کے اسرار وجزئیات سے بخوبی واقف وآشنا تھے۔ اوائل عمر میں ہی عبادت و ریاضیت کے اعلی مدارج طے فرما لیے تھے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ والرضوان کی خدمت فیض صحبت میں رہ کر قوم وملت کی ہر ضرورت کو محسوس کرتے رہے اور امام اہل سنت اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالی عنہ نے جس طرح دینی، شرعی، سماجی، سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی ضرورتوں کا حل ارشاد اور راہ متعین فرماتے تھے، آپ اس کو اپنے ذہن میں محفوظ رکھتے تھے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد فتویٰ نویسی کی ذمہ داریاں بہت حد تک آپ پر بھی آگئیں باوجودے کہ آپ کے برادر اکبر حضرت حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خان قادری ہی مرجع فتاویٰ رہے مگر منظر اسلام کا اہتمام اور دیگر قومی وملی ضروریات اور مسائل میں آپ اس قدر الجھتے گئے کہ کار فتویٰ کے لیے وقت نکالنا دشوار ہو گیا چنان چہ حضرت حجۃ الاسلام نے فتویٰ نویسی کی بیشتر ذمہ داریاں مفتی اعظم کو ہی تفویض فرما دیں۔ اس کے بعد آپ انتہائی حزم واحتیاط اور دقت نظر کے ساتھ فتاویٰ وفرامین صادر اور قرآن وسنت واجماع امت کی روشنی میں اپنی صالح قیادت کے ذریعہ قوم مسلم کی رہ نمائی فرمانے لگے۔ لیکن آنے جانے والوں اور استفتا کے ذریعہ جب آپ کو محسوس ہوا کہ قوم مسلم کی اصلاح وہدایت صرف فتاویٰ ہی کے ذریعہ نہیں کی جاسکتی ہے بل کہ اس کی روح پیاسی اور دل بیمار ہے، اسے کسی شیخ کامل اور طبیب روحانی کی بھی ضرورت ہے چنان چہ آپ نے اس طرف بھی توجہ فرمائی۔

آپ کے مسترشدین ومریدین کی تعداد لاکھوں میں ہے، ہزاروں علما وفقہا نے آپ کے دست حق پر بیعت کی۔ آپ نے انھیں خلافت واجازت سے مشرف فرمایا۔ آپ جدھر تشریف لے گئے عوام کی بھیڑ لگ گئی، بلا اطلاع ہزاروں کا مجمع اکٹھا ہو گیا۔ قصبہ وقریہ کے لوگ جوق درجوق آپ کے گرد جمع ہو گئے اور آپ کے ہاتھ پر توبہ وبیعت کیا، آپ انھیں معاصی سے احتراز واجتناب اور اوامر کو ان کے وقتوں پر ادا کرنے کی تاکید وہدایت فرماتے تھے۔ اور دارین میں ان کے فلاح کے لیے دعائیں فرماتے تھے۔ آپ کی بارگاہ میں ہر طرح کا فریادی آتا تھا، بتوفیق اللہ تعالی سب کو بامراد واپس فرماتے تھے، کوئی خالی ہاتھ نہیں گیا۔ آپ کی زندگی خدمت خلق اور سامان ہدایت کی فراہمی کے لیے وقف تھی۔ دیکھنے والے شاہد ہیں کہ آپ نے اپنا آرام وسکون، کھانا پینا اور راحت وآسائش کو خدمت خلق پر قربان کر کے ان کی ضرورتوں کو پورا فرماتے تھے، خود تکلیفیں برداشت کر لیتے مگر کسی کو رنجیدہ وکبیدہ خاطر نہیں ہونے دیتے تھے۔ آپ کی اہم خصوصیت

یہ رہی کہ کبھی کسی سے کسی خدمت یا تعویذ و دعا کا کوئی معاوضہ نہیں مانگا۔ اگر کوئی نذر پیش بھی کرتا تو اگر اسے ضرورت مند محسوس فرماتے تو اسے ہی لوٹا دیا کرتے تھے۔ آپ کی دعا و تعویذ میں شافی مطلق عز وجل نے ایک خاص اثر ودیعت فرمایا تھا۔ جس کے لیے جو فرمایا وہی ظاہر ہوا، جس مقصد کے لیے لکھ کر دیا اس کا اثر دیکھنے میں ضرور آیا۔

عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ حاجت مند جب کسی بزرگ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی پریشانی کا تذکرہ کرتا ہے تو اس کے مطابق اس کو ایک تعویذ دے دی جاتی ہے مگر حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ والرضوان کی ذات اس باب میں منفرد تھی۔ تعویذ دینے میں بھی آپ کی سخاوت و کرامت کا اظہار ہوتا تھا۔ آپ کی نگاہ ولایت سے حاجت مند کی کوئی خامی و پریشانی مخفی نہیں رہتی تھی۔ حسب حال ہر پریشانی کی الگ الگ تعویذ عطا فرتے تھے اور اگر اس میں کوئی شرعی نقص و کمی پاتے تو ایسی مؤثر تنبیہ اور دل میں لگنے والی نصیحت و ہدایت فرماتے کہ وہ شخص فوراً تائب ہو جاتا تھا اور وہاں سے اس کی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہو جاتا تھا۔

تعویذ نویسی کے لیے علم الاعداد، آیات و اسما کے برکات و خصوصیات اور نقوش کی چال اور بروج اور سیاروں کی رفتار و تاثیر کا علم ضروری ہے۔ حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ والرضوان کو ان سب میں کمال تھا بل کہ اس فن میں امام کی حیثیت حاصل تھی۔ سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۲۵ ہزار طریقوں سے نقش پر کر لیتے تھے۔ آپ اس فن میں اپنے والد مکرم سرکار اعلیٰ حضرت و مرشد کریم، عارف حق، قطب دوراں، سید شاہ ابوالحسین احمد نوری قدست اسرارہما العزیزہ کے شاگرد رشید اور مظہر اتم تھے۔ بعض نقوش و عملیات خود آپ کے وضع کردہ ہیں جس کے فوائد و برکات بیشمار ہیں جس کا نقش بنانے اور پر کرنے میں بڑے بڑے ماہر و عامل کا زہرہ پانی پانی ہو جاتا ہے۔ ان ہی نقوش میں سے ایک ''تحفہ نوری'' بھی ہے جس کے فوائد و برکات بے شمار ہیں۔ تقسیم ہند کے وقت برصغیر میں افراتفری مچی ہوئی تھی، بڑے بڑوں کے قدم اکھڑ گئے تھے، ہر کوئی خوف زدہ تھا، مملکت خداداد ہی میں اپنے لئے عافیت و سکون سمجھتا تھا، مسلمان کڑوروں کی جائیداد و املاک کوڑی کے بھاؤ بنیوں کے حوالے کر رہے تھے، مسجد و خانقاہ کی حفاظت و بقا کی عام لوگوں کو پرواہ نہ تھی، ہر کسی کو اپنی جان، اولاد، مال و متاع کی فکر تھی۔ حضور سرکار مفتی اعظم نے سب کو ڈھارس و تسلی دی، ثبات قدمی و جواں مردی کی تلقین کی، بھیڑوں کی طرح بھاگنے کی بجائے شیروں کی طرح اپنی جگہ قائم رہنے کا حوصلہ بخشا، ''حرز نوری'' جو کہ ''عمل بے نظیر'' کے نام سے مشہور ہے، بزرگوں اور مشائخ کے معمولات کا اہم جز ہے، اسے ترتیب دے کر ہزاروں کی تعداد میں شائع کروا کر عام کیا، اس کی برکتوں سے عاملین کی جان و مال اور عزت و آبرو بفضلہٖ تعالیٰ محفوظ رہیں۔ اس وقت سے لے کر آج تک لاکھوں کی تعداد میں وہ چھپ رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کے بندے فائدہ پا رہے ہیں۔

جن لوگوں نے سیدی مرشدی حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کو تعویذ لکھتے ہوئے دیکھا یا ان کے تعویذ سے فیض پایا، ان میں سے چند کے تاثرات پیش کر رہا ہوں جس سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ آپ کے فیض کا دریا کس قدر تلاطم خیز تھا؟

شہزادۂ خاندان برکات، مخدومنا الکریم، حضرت ڈاکٹر سید محمد امین میاں قادری مارہروی فرماتے ہیں: ۱۹۷۳ء میں مجھے ایک ایسا مرض لاحق ہوا جس کا علاج بڑے بڑے ڈاکٹر نہیں کر سکے۔ والد ماجد نے فرمایا کہ حضرت مفتی اعظم سے نقش منگاؤ۔ چنان چہ یہی کیا اور اللہ کے فضل سے شفا کلی حاصل ہو گئی''۔ (ماہنامہ استقامت ص ۱۳۸ بابت ماہ مئی ۱۹۸۳ء)

جانشین حضور مفتی اعظم علامہ الشاہ مفتی اختر رضا خان صاحب قبلہ ازہری مدظلہ النورانی تحریر فرماتے ہیں: حضرت کے نقوش و تعویذ ات کی برکتیں بے شمار ہیں ایک بار میرے بچے کو سخت بخار آیا گھر والے گھبرا اٹھے، میں نے حضرت سے تعویذ لیا، بخار بہت جلد اتر گیا۔
(ماہنامہ استقامت ص ۱۹۳ مئی ۱۹۸۳ء)

نبیرۂ اعلیٰ حضرت حضرت مولانا مفتی ریحان رضا خان رحمانی میاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: حضرت بعد نماز فجر کچھ دیر آرام

فرماتے اور ناشتے سے فارغ ہوکر اپنی نشت گاہ میں تشریف لاتے، آپ کی تشریف آوری سے پہلے ہی حاجت مندوں کا میلہ لگ جاتا تھا جس میں ہر قوم اور ہر طبقے کے لوگ آتے تھے۔ آپ ہر ایک سے اس کا مدعا پوچھتے اور اس کی حاجت براری کرتے۔ کتنے لوگ تھے جن کی حاجتیں پوری ہوتیں تو وہ نذرانہ لے کر حاضر ہوتے لیکن آپ یہ کہ کران کا نذرانہ واپس فرما دیتے کہ یہاں دعا فروخت نہیں کی جاتی۔ تعویذ کا سودا نہیں کیا جاتا ہے۔ مفتی اعظم کی تعویذ نویسی بھی ذکر الٰہی کا ایک طریقہ تھا۔ وہ خدا کا خاص بندہ اپنے خدا کا ذکر بھی کرتا جاتا اور ذکر الٰہی کی برکت سے خدا کے بندوں کی حاجت روائی بھی فرماتا۔ اور یہی تعویذ ذکر الٰہی کے ساتھ ساتھ تبلیغ حق اور اصلاح احوال کا بھی ایک مؤثر ذریعہ تھا۔ چنان چہ آپ حاجت مندوں میں کوئی شرعی خامی دیکھتے تو فوراً اسے شرعی مسئلہ بتاتے۔ مسلک و دین حق پر استقامت، رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت۔ بدعقیدگی سے اجتناب، نماز کی پابندی، شریعت کی پاس داری، وضع قطع اور عادات واطوار میں بندہ مومن کا امتیاز، آپ کے خاص موضوع تھے۔ کسی کے سر پر ٹوپی نہیں ہوتی تو اسے پہننے کی تلقین فرماتے۔ کسی کے ہاتھ میں سونے یا پیتل کی انگوٹھی ہوتی تو اسے اتروا دیتے اور مسئلہ بتاتے کہ سونا پہننا مردوں کو جائز نہیں ہے۔ عورتوں کو پردہ کا سخت حکم فرماتے، کبھی نرمی سے سمجھاتے کبھی ناراض ہوتے تو ڈانٹتے۔ مفتی اعظم کی ذات میں جلال و جمال کا ایک حسین امتزاج تھا، جس پر جلال فرماتے اسے محبت سے نوازتے۔ یہی وجہ ہے کہ جسے ڈانٹتے وہ کبیدہ خاطر ہونے کی بجائے خوش ہوتا تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ اب میرا کام ہوگیا اور دیکھنے میں بھی آیا کہ جس پر ناراض ہوتے اس کا کام ضرور ہوا۔

(استقامت ص ۱۱۹۔ ۱۹۸۳ء)

صحبتے با اولیا

مفتی محمد ایوب نعیمی
صدر مدرس، جامعہ نعیمیہ، مراد آباد

یک زمانہ صحبتے با اولیا　　بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

چمنستان ملت کے مہکتے پھولوں سے ایک پھول جس سے عالم کی روحیں معطر ہوتی رہیں اور جس کے حسن صورت اور جمال سیرت سے آنکھیں ٹھنڈی رہیں، اہل ذوق کے کردار سنورتے رہے اور جس کے فتویٰ وتقویٰ سے لاکھوں کی زندگی مرجع خلائق بنی، وہ ہیں شہزادۂ اعلیٰ حضرت، عارف باللہ، واصل الی اللہ مولانا الحاج الشاہ محمد مصطفیٰ رضا خان صاحب مفتی اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما جن کو آج سے تقریباً پچپن سال پہلے دیکھنے کے بعد قلب نے ولایت کی شہادت دی اور شرف ارادت سے مستفیض ہوا۔ بارہا صحبت و خدمت کی سعادت حاصل رہی انھیں کبھی بھی تقویٰ کے دامن سے علاحدہ نہیں پایا۔ باطنی تصرف کا اس سے اندازہ لگایا جائے کہ ایک بار خواب میں دیکھا کہ جامعہ کے صحن میں تشریف فرما ہیں۔ طلبہ پروانہ وار چاروں طرف سے گھیرے ہوئے خدمات میں مصروف ہیں اور میں موجود نہیں۔ یہ میری تدریسی خدمات کا ابتدائی زمانہ تھا۔ میں جب حاضر ہوا تو استعجاب کی انتہا نہ رہی کہ بغیر پروگرام کی خبر کیے حضرت تشریف فرما ہیں۔ حاضر ہوکر دست

بوسی کی۔فرمایا کہاں تھے۔میں بہت دیر سے انتظار کر رہا ہوں۔میں نے پروگرام کی لاعلمی ظاہر کی اور قریب میں دوزانو ہو کر بیٹھ گیا۔ حضرت نے مجھ پر دم فرمایا۔اس کے بعد کی کیفیت میں بیان نہیں کر سکتا کہ وہ لفظوں کی بندش سے باہر ہے۔بعض طلبہ نے عرض کیا کہ میں ان سے انسلاک کا ارادہ رکھتا ہوں مگر ان کے پاس خلافت نہیں ہے۔حضرت نے فرمایا، خلافت یہ ہے۔آنکھ کھل گئی غالباً صبح یا دوسرے دن بارگاہ قدس میں حاضری دی تو خلافت نامہ تیار تھا۔فرمایا لو میں نے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔اور خلافت نامہ کو سینہ سے لگایا۔یہ ہے فراست ایمانی اور ذوق روحانی جو اللہ عزوجل اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عشاق کو عطا فرماتا ہے۔**نسئال اللّٰہ حظه و ذوقه** اللہ تعالیٰ ہمیں انھیں کے نقوش قدم کو مشعل راہ بنانے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔تقویٰ کے ہزاروں واقعات دنیا کی نگاہوں نے دیکھا۔میں ایک واقعہ نقل کرتا ہوں۔جامعہ نعیمیہ کا جشن سالانہ منایا جا رہا تھا۔حضرت مدعو تھے۔میرے خیال میں تقریباً ہر سال جشن دستار بندی میں شرکت فرما کر احباب کو مستفیض فرماتے رہے۔اس سال کار سے تشریف لائے۔راستے میں دیر ہوئی۔نیاز مندوں کی بھیڑ لگ گئی، ان کے دل شاداں ہوئے۔کچھ دیر بعد میں نے عرض کیا کیا کھانا حاضر کروں؟ فرمایا گھر میں جو تیار ہو لے آؤ، تکلف ہرگز نہ کرنا۔میں نے حسب ارشاد گھر میں جو چیز بنی ہوئی تھی، حاضر کی۔حضرت نے شوق سے تناول فرمایا۔یہ انتہائی احتیاط تھی کہ مدرسہ کی چیز استعمال نہ فرمائی۔اسی طرح ایک واقعہ اور دیکھا یہ میرا طالب علمی کا زمانہ تھا۔طلبہ جامعہ اپنی انجمن اصلاح البیان کا ہر سال سالانہ جلسہ کرتے اور اکابر اہل سنت کو دعوت دیتے۔حضرت دعوت پر تشریف لائے اور شرکت فرما کر انھیں دعائیں دیں۔واپسی میں ٹرین سے سفر کرنا تھا، کافی لوگ آئے اور میں حضرت کی خدمت میں ساتھ رکشا پر رہا، حضرت نے ٹکٹ کے پیسے دیے اور مزید انجمن کے لیے عنایت فرمائے۔میں پیش کرتا رہا مگر حضرت نے قبول نہ فرمایا۔یہ ہیں تقویٰ کے انمول موتی جو صفحۂ عالم پر بکھرے ہوئے ہیں۔مولیٰ تعالیٰ ہمیں اور تمام اہل سنت کو ان نفوس قدسیہ کی محبت پر قائم رکھے آمین۔سادات کرام کا احترام قلب مبارک میں بطور توارث ایسا ملا تھا جو نگاہوں سے پڑھا جاتا کہ دیکھتے ہی نم ہو جاتیں۔بار ہا یہ منظر دیکھنے کو ملا کہ مخدوم المشائخ حضرت مولانا الشاہ السید محمد مختار اشرف صاحب سرکار کلاں زیب سجادہ آستانہ عالیہ اشرفیہ کچھوچھہ مقدسہ جنھوں نے فقیر کو سلسلۂ چشتیہ اشرفیہ کی خلافت سے سرفراز فرمایا۔اور زبدۃ التحقیق حضرت مولانا الشاہ السید محمد صاحب محدث اعظم رضی اللہ عنہ جب کسی بزم میں تشریف لاتے اور حضور مفتی اعظم رضی اللہ عنہ ان کو دیکھتے تو والہانہ احترام میں کھڑے ہونے کی کوشش فرماتے اور یہ دونوں نفوس قدسیہ ان کو مثل رکوع کے ہاتھوں سے واپس فرما دیتے اور جب حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ تشریف لاتے اور یہ دونوں حضرات پہلے سے تشریف فرماتے ہوتے تو جونہی کھڑے ہونے کی تیاری فرماتے بل کہ کچھ اٹھ جاتے تو حضرت اسی وقت تیزی سے بیٹھ جاتے۔تاکہ ان بزرگوں کو قیام کی زحمت نہ گوارا کرنی پڑے اتحاد کی یہ پاکیزہ مثال بار ہا دیکھنے کو ملتی۔اسی طرح دوسرے سلسلوں کے بزرگوں کا احترام فرماتے۔غیبت سے انتہائی نفرت تھی۔ایک بار میں نے سفر کے دوران کچھ کلمہ کسی دوسرے کے بارے میں کہنا چاہا۔برجستہ فرمایا چھوڑ یے ان باتوں کو ہم وہ کریں جس سے اللہ عزوجل اور اس کے رسول علیہ الصلاۃ والسلام راضی ہوں۔مولیٰ تعالیٰ ہمیں انھی نفوس قدسیہ کے نقوش کو اپنانے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ہم اہل سنت ایک ہیں ان کے درمیان جتنے بھی سلسلے ہیں سب بحر رسالت علی صاحبہا الصلاۃ والتحیۃ سے ملنے والی نہریں ہیں۔وہاں پہنچ کر سب فنا ہو جاتی ہیں۔ہم سب مل کر مسلک کا کام کریں جیسا کہ ہمارے بزرگوں نے کیا۔مولیٰ عزوجل ہمیں اس پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔حسبنا اللہ ونعم الوکیل وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

☆☆☆☆☆

کرامتِ حضور مفتی اعظم کی منہ بولتی تصویر

مفتی عبدالغفار ثاقبؔ
مفتی مدرسہ حمیدیہ، قلعہ گھاٹ، دربھنگہ (بہار)

توبہ۔توبہ! میں بھی کیسا ضدی، شکی، برگشتہ ذہن تھا۔!! آج میں خود سے سوال کرتا ہوں کہ آخر یہ میری سہ رنگی پالیسی اور نیرنگئ خیال مجھ کو کہاں لے جانا چاہتی تھی؟ جواب تو باوزن اور نہایت ہی حسین و پروقار ہے کہ جب کوئی متلاشی منزل، ذہنی خلجان وفکری ہیجان لیے تراہے پر تنہا تذبذب کا شکار نشانِ منزل ڈھونڈ رہا ہو۔ تو اس کا تجزیہ آرائی سے کام لینا کوئی جرم نہیں!!

۱۹۶۹ء کا موسمِ گرما ہے۔ حصول تعلیم کا خوشگوار ماحول ہے۔ وطن سے دور۔ بہت دور تربیت گاہِ ذہن وفکر، دانش کدۂ علم وفن، مادر علمی دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور کی پرہجوم چھت ہے۔ فضا نارمل، خوشگوار ہے۔ چاندنی چٹک رہی ہے۔ ستارے دمک رہے ہیں۔ بادِ بہاری کے خواب آور جھونکے اپنی آغوشِ راحت بخش میں بھینچنے لگے ہیں۔ نیم خوابی کا خمار، مدہوش نگاہوں کو کبھی پلکوں کے چلمن میں بند کر رہا ہے تو کبھی پلکوں کا دوپٹہ کھینچ کر آسمان کے تارے گننے پر اکسا رہا ہے۔ جس کو آنکھ مچولی سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے!!!

اسی کشاکش میں تھا کہ پرانی خلش جو عرصہ دراز سے ٹیس بن کر بساطِ ذہن وفکر پر چھ رہی تھی کہ یک بیک چاند کی حسین وادی میں پھر وہی تین متبرک و باوقار شبیہیں مساویانہ طریقے پر دعوتِ فکر دینے لگی ہیں جن میں کسی ایک بافیض ہستی کے دامنِ کرم میں اپنی قسمت کو باندھ کر ان کی غلامی کا پٹہ گردن میں ڈال کر بختِ خوابیدہ کو معراج کرانا تھا۔ ابھی نظرِ انتخاب کسی ایک مرکز پر ٹھہرنے بھی نہیں پائی تھی کہ وادی خیابان میں پہونچ کر تراہے پر کسی رہنما کا انتظار کرنے لگا۔ جن کے نقشِ قدم سے پھوٹتے آبشار میں قسمت کو غسالہ کراتا اور منزلِ

مقصود تک پہونچ جاتا!!

خواب اگر چہ خواب ہے مگر خواب میں خواب۔ خواب تو نہیں ہے۔ جب ہی تو ان سارے موہوم خیالات سے دوچار کسی ایک راہ یقین کا تعین کر لینا چاہتا تھا کہ اچانک ایک چھریرہ بدن، سادہ لباس، پاکیزہ صورت، چمکتا دمکتا چہرہ، تقویٰ وطہارت کا پیکر جن کی پیشانی سے علم وحکمت کی نوری کرن پھوٹ رہی ہے۔ متانت وسنجیدگی پائے استقامت کے بوسے لے رہی ہے۔ علمی جاہ وجلال نے چہرے کو رعب دار بنا دیا ہے۔ تزکیۂ قلب نے رخِ شفق زار پر نوری غازہ کر کے پیکرِ اخلاق ومحبت کا شاہکار بنا دیا ہے۔ زہد وورع نے نہاں خانۂ دل کو بقعۂ نور بنا کر کشف وکرامات کا آئینہ دار بنا دیا ہے۔ جبھی تو خواب کے نشیب وفراز پر اطلاع رکھنے والا۔ تشنہ لبی کا مداوا بن کر بہ مصداق ”کنواں پیاسے کے پاس“ دستگیری فرمانے کے لیے نہایت ہی پروقار انداز میں قریب آیا ہے۔

کیا یہی شاہزادۂ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت ہیں؟ کیا یہی طبیب مریضِ عشق ومحبت ہیں۔ کیا یہی لاکھوں علما وصلحا کے مرجعِ عقیدت مفتی اعظم ہیں؟؟؟ جی ہاں! یہی وہ مفتی عالم، منبع جود وسخا، وارث خیر الوریٰ، نائب بدر الدجیٰ، ناصرِ دین وملت، ماحی کفر وضلالت، شاہکار ولایت حضور مصطفی رضا خاں (علیہ الرحمۃ والرضوان) ہیں۔ مگر اب تک میں نے اس حلیہ کا پیکرِ جمال دیکھا نہیں ہے۔

اب چاند کی چاندنی پھیکی پڑتی جا رہی ہے۔ نسیم سحری نے ایسا گدگدانا شروع کر دیا ہے کہ شب دیجور کی سیاہ چادروں میں پورا قصبہ سمٹتا چلا جا رہا ہے۔ کسی کو کیا خبر کہ خواب کی حسین وادی میں اس سہ راہے پر نو واردِ محسن نادیدہ نے میری کلائی تھامے ہوئے عقل کو چھوتا۔ ذہن کو چبھتا سوال کر دیا ہے۔ ”کیا تم کو میرے حسب ونسب پر شک ہے“؟ میں تو شرم سے زمین میں گڑا جا رہا تھا۔ کاٹو تو جسم میں خون نہیں، جواب دینا تو دور کی بات ہے چہرہ پر یک نظر دیکھنا بھی غیرتِ جرأت کے خلاف تصور کر رہا تھا۔ یک بیک اذان کی صدائے بازگشت سے خواب کے سارے تانے بانے ٹوٹ کر بکھر گئے۔

صبحِ نو بہار نے گیسو کھولے۔ انسانی دنیا کی نقل وحرکت تیز ہونے لگی۔ میں خواب کے پیچ وخم پر غور وفکر کرنے لگا کہ کسی معبّر سے اس کی عقدہ کشائی کرانا چاہیے۔ مگر کیوں؟ جب میں خود ہی بڑا ابقراط ونقاد ہوں۔ خواب کوئی حقیقت تو نہیں۔ ذہنی خلل بھی تو ہو سکتا ہے۔ اس لیے خواب کا کوئی اعتبار نہیں۔ بات آئی گئی سر سے گزر گئی۔

بڑی تیزی میں وقت آمدن، رفتن کی گردان دہراتا آگے بڑھ رہا تھا۔ سالانہ چھٹی کا الارم بج چکا ہے۔ کل اشرفیہ کا مین گیٹ مقفل ہونے والا ہے۔ آج مہمانانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اسپیشل مہمان نوازی ہو رہی ہے۔ ہر مصباحی گھر کی خوشی اور غم جدائی کے ملے جلے ماحول میں ایک دوسرے کو ے بسلامت روی وباز آئی۔ کی دعاؤں کے ساتھ رخصت کر رہے ہیں۔ میں نہ جانے کیوں اشک بار اشرفیہ کے در ودیوار کو آخری سلام کہتا ہوا گھر لوٹ آیا۔

میرا آخری سال ہے۔ اپنی آبادی میں پہلی فصلِ بہار ہوں۔ خویش واقربا، دوست واحباب نے ضد کر دیا ہے۔ مرکز اہل سنت بریلی شریف سے دستار بندی لوں۔ اس لیے کہ دار العلوم اشرفیہ خواص کے درمیان اعلیٰ تعلیمی معیار کی وجہ سے اپنی مثال آپ ہونے کے باوجود ابھی عوام میں غیر متعارف ہے۔

آپ مانیں یا نہ مانیں میں تو مان گیا کہ یہ مخزنِ علم وحکمت، کانِ کرامت، شہزادہ اعلیٰ حضرت مفتی اعظم (علیہ الرحمہ) کا تصرفِ خاص تھا ورنہ مجھ جیسے ضدی طبیعت کے انسان کو مبارک پور جانے سے کون روک سکتا تھا۔ آخر دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف سے ۱۹۷۱ء میں دستارِ فضیلت کے ساتھ وطن مالوف لوٹ آیا۔ مگر اے میری نخوتِ فکر! برا ہو تیری ضد وکورچشمی کا کہ سمندر کے کنارے رہ کر بھی تیری تشنہ

لبی کا مداوا نہ ہو سکا۔ جبھی تو دانش مند حضرات ایسے حرماں نصیب لوگوں کو پرلے درجہ کا بے وقوف مانتے ہیں۔

بھلا ہو! محب مخلص حضرت مولانا عین الحق صاحب شاہدؔ نوریؔ ملنکوی کا جنھوں نے بہکا کرتو نہیں۔ پھسلا کر بریلی شریف دوبارہ چلنے پر ضرور مجبور کر دیا۔ بل کہ لے کر پہونچ گئے۔ بارگاہ اعلیٰ حضرت کی حاضری گاہے گاہے ہونے لگی۔ پہلی ہی فرصت میں حسبِ منشاء مقصد برآری کا استغاثہ بتوسل امام اہل سنت بارگاہِ رب العزت میں پیش کر چکا ہوں۔ حسب معمول سابق آج فرحت وانبساط میں ڈوبا ہوا بارگاہِ اعلیٰ حضرت میں سلاموں کے نذرانے لٹا کر واپس دفتر کراس کر رہا ہوں کہ اچانک حضرت مولانا سہیل احمد صاحب نوری کی حوصلہ افزا، خوش آئند صدائے پرکشش فضاؤں میں ترنگ بھرتی ہوئی سمع خراش ہوئی۔ میں پلٹ کر دفتر میں آ گیا۔

جی فرمایئے! میں نے کہا!! جناب! کل جمعرات ہے!! آپ قصبہ دھونرہ ٹانڈہ (ضلع بریلی) تشریف لے جائیں تاکہ پرسوں جمعہ میں آپ کا خطاب ہو سکے۔ مولانا موصوف نے فرمایا۔ ریحانِ ملت حضور رحمانی میاں قبلہ (علیہ الرحمۃ) مہتمم اعلیٰ دارالعلوم منظر اسلام کا آپ کے نام فرمانِ عالیشان ہے۔ مجھ کو کیا معلوم کہ دھونرہ ٹانڈہ پر نجدی نظریۂ فکر کے حامل غیر مقلدین وہابیوں نجدیوں کا غلبہ ہے۔ جانشین حضور مفسر اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کے حکم کی تعمیل میری ترقی کا زینہ بھی تو تھی۔ فوراً وہاں پہنچ کر۔ کوئی خوف واحساسِ کمتری نہیں۔ کیوں کہ وہاں میں تنہا تھوڑے ہی نہ گیا تھا۔ میرے ساتھ ''منشی رحمت کا قلم دان، بہ شکلِ فیضانِ اعلیٰ حضرت پہنچ کر میری دستگیری کر رہا تھا۔

ہماہمی کا ماحول ہے۔ مٹھی بھر خوش عقیدہ مسلمانوں میں عیدوں کا سماں ہے۔ وہابیت کا رنگ پھیکا پڑتا رہا۔ رضویت کا رنگ نکھرتا گیا۔ لوگ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا۔ مدرسہ رحیمیہ کی مردہ رگوں میں سنیت کی روح پھونک کر عصائے رضویت کے سہارے چلنے کے لائق بنا دیا ہے۔ اب تو بڑی تیزی میں ترقی کے منازل طے کرنے لگا ہے جس کی صدارت کا بارگراں میرے ناتواں کاندھے پر ہے۔ مگر میں کوئی ایسی یادگار بھی چھوڑنا چاہتا تھا جس میں خود حوصلہ مند زندگی ہو۔ جس کے لیے عزیز القدر حضرت مولانا تطہیر احمد صاحب دھونروی کا انتخاب زیادہ خوش آئند رہا۔

ادھر اہل محبت کا اب زور وشور سے اصرار بڑھ رہا ہے کہ عرسِ اعلیٰ حضرت کا موسم پرفیض نہایت ہی آن و بان، شان وشوکت کے ساتھ قریب آ رہا ہے۔ چل کر ہم سب کو نور دیدۂ مجدد اعظم (حضرت) بڑے مولوی صاحب (حضور مفتی اعظم) کے دستِ حق پرست پر بیعت کرا دو۔

میں سوچ رہا ہوں۔ اپنی ضد وہٹ دھرمی پر خون کے آنسو بہا رہا ہوں کہ میں بھی کیسا ضدی ہوں کہ ابھی تک مثلث کے تین تکون سے نکل نہیں پایا ہوں جب کہ دارالعلوم اشرفیہ کی چھت پر دیکھے ہوئے موہوم خواب کی مکمل تعبیر وتصویر نظروں کے سامنے ہے۔ آزاد غلام کی حیثیت سے بار بار دیکھنے، پرکھنے، فیض اٹھانے کا سنہرا موقع دستیاب ہے۔ بل کہ خود آقائے نعمت، دریائے رحمت نے اپنے حسنِ اخلاق و مشفقانہ کردار کے ذریعہ زلفِ گرہ گیر کا ایسا اسیر بنا لیا ہے کہ اکثر دست بوسی کے بہانے ڈھونڈ کر قدموں میں نذرانۂ عقیدت پیش کر لیتا ہوں۔ مگر عاشقانِ مفتی اعظم کو کیسے بتایا جائے کہ تم کو بیعت کی حکمت وبرکت بتانے والا۔ دستِ مفتی اعظم پر بیعت کی ترغیب دلانے والا خود ہی اس سعادت سے محروم ہے۔ اگر لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ میں اب تک بیعت نہیں ہوا ہوں تو ان لوگوں پر کیسا غلط اثر مرتب ہو گا انھی گتھیوں کو سلجھاتا ہوا خواب کی آغوش میں بھینچ لیا گیا ہوں۔

حجرہ کے باہر صحن میں کھلے آسمان کے نیچے چارپائی پر لیٹا ہوا ٹھنڈی ہواؤں کا لطف لے رہا ہوں۔ ساری آبادی محوِ خواب ہے۔ کسی کو کیا خبر کہ اس کے امام کی روحِ سیلانی مرکز اہلِ سنن، مسکن امامِ زمن، محلہ سوداگران بریلی شریف کی 'رضا مسجد' میں اپنے پیکرِ مجسم کو وضو کرا کر

عام نمازوں کی طرح ایک کنارے میں کھڑی حضرت امامِ صاحب کی آمد کا انتظار کر رہی ہے۔ آخر امام صاحب اپنی خانقاہ شریف سے چل کر نہایت ہی پروقار انداز میں جلوہ گر ہوگئے۔ عصر کی نماز ادا فرمانے کے بعد دعا سے پہلے میری قسمت کا ستارا چمکا ہے۔ آفتاب ولایت، ماہتاب رشد وہدایت نے اپنے قربِ خاص میں بلایا ہے۔ تاجدار علم وفضل حضور مفتی اعظم (علیہ الرحمۃ) نے اپنا دستِ فیض تھوڑی دیر کے لیے سر پر رکھ دیا ہے۔ پھر ہاتھ میں ہاتھ لے کر بیعت کرایا اور دعاؤں کے بعد مصلیان دست بوسی کر کے بازار میں پھیلنے لگے اور میں آنکھیں ملتا ہوا چارپائی پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اپنے بخت آور مقدر کے بالاخانے میں بیٹھ کر خوشیوں کے آنسو بہانے لگا اور اس دوبارہ خواب دیکھنے کو وارننگ کے طور پر قبول کر لینے کا فیصلہ کر لیا۔ کیوں کہ مزید ضد کرنا ہلاکت وتباہی کا سبب بھی بن سکتا تھا۔ اس لیے کہ یقین دہانی کے باب میں اس زندہ کرامت سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہوسکتی تھی؟

اب میں باضابطہ ایک خوبصورت ترکیب کے ساتھ بیعت ہونے کا مصمم ارادہ کر چکا ہوں۔ لوگوں کو عرسِ اعلیٰ حضرت کے حسین موقع پر بیعت کرا کر دو دن بعد آنے کے وعدے کے ساتھ واپس کر چکا ہوں۔ اپنی کمزوری چھپانے اور لوگوں کی نظرِ تنقید سے بچنے کے لیے یہی ایک بہترین صورت تھی جس میں کامیابی بھی مل گئی ہے۔

آج محلہ ملک پور میں ایک عاشقِ صادق کی جانب سے نہایت ہی تزک واحتشام کے ساتھ مرشدی حضور مفتی اعظم (رحمۃ اللہ علیہ) کا یوم ولادت منایا جا رہا ہے۔ علما، صلحا، طلبہ، عاشقین ومریدین اور پروانوں کا دیوانہ وار سیلاب امنڈ آیا ہے۔ محفل برقی قمقموں سے جگمگا رہی ہے۔ پورا مجمع گوش برآواز باادب وباقرینہ ''واہ''، ''سبحان اللہ'' ''ماشاء اللہ'' کے شائستہ نعروں کے ساتھ دادِ تحسین پیش کر رہا ہے۔ ادھر پوری محفل شیخ کے تصور میں مگن مستی میں جھوم رہی ہے۔ ادھر بالکل ہی سامنے اسٹیج کی بائیں جانب پانچ چھ میٹر کی دوری پر میر مجلس پروانوں کے درمیان فیض کا دریا بہا رہے ہیں۔ میں اور شاہد صاحب ایک ساتھ بیٹھے اسٹیج کی زینت اور ذاکرین کے طمطراق کا بغور مشاہدہ کر رہے ہیں کہ یک بیک اناؤنسر نے بڑے ہی طنطنے کے ساتھ میرے نام تقریر کا اعلان کر دیا۔ میں یک دم سٹپٹا کر رہ گیا۔ اس وقت ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ رگوں کا خون برف کی طرح جم رہا ہے۔ آج کا ماحول ہوتا تو بلاخوف وخطر پیشہ ورانہ ٹیپ کھول دیتا۔ کبھی ادبِ مقفٰی، مسجع کا ایسا جام چھلکا تا کہ بے ادب سامع بھی نعرہ لگانے پر مجبور ہو جاتا۔ ''لاحول'' پڑھنے کی جگہ جو دل میں......آتا کہلوا لیتا۔ کبھی منطق کی ٹانگ توڑتا تو کبھی فلسفہ کی چمڑی ادھیڑتا۔ کس کے منہ میں زبان کہ مجھ جیسے شہرہ آفاق ادیب وشہنشاہِ خطابت کو کہہ دیتا کہ تمھاری منطق نے تمھارا ستیاناس کر دیا ہے اور تمھارے نام کے ساتھ سیدھی سادی قوم بیچاری بغیر توبہ کیے ہوئے گھر لوٹ آئی ہے۔ وہ تو ۳۵/سال پہلے کا ویسے ہی محتاط وبےلوث زمانہ تھا۔ اس پر طرّہ حضور سیدی وسندی، ماوائی ومولائی مرشدی حضور مفتی اعظم کی موجودگی میں تقریر کرنا لوہے کا چنا چبانے کے مصداق تھا۔ جب بڑے بڑے منجھے منجھائے مقرر وفقیہ کے قدم کانپتے تھے تو مجھ جیسے بے بضاعت ومعمولی قسم کے مولوی کی کیا پوزیشن رہی ہوگی؟ اور وہ ضابطہ یاد نہیں ہوتا کہ ''ہار سے پہلے ہار تسلیم کرنا ڈبل ہار ہے'' تو مجھ کو انکار کرنے سے کون روک سکتا تھا؟

بہرحال! بادل نخواستہ ہی سہی!! اس فیصلے کے ساتھ کہ باریکی میں نہ جا کر سیاسی وسماجی گفتگو کیوں نہ کر دوں کہ کسی طرح کی گرفت سے بالاتر ہو کر عزت بچالی جائے۔ اب اسٹیج پر مائک کے سامنے کھڑا خطبہ کے بعد دل جمعی کی خاطر حضرت جامیؔ علیہ الرحمہ کے چند اشعار

ے

نسیما جانبِ بطحا گزر کن، کا سہارا لے رہا ہوں۔ حالاتِ حاضرہ کے پیشِ نظر اپنے حزبِ مخالف کی ریشہ دوانیوں کے پس منظر میں علما

طلبا ہی کو ٹارگیٹ بنا کر گفتگو کا آغاز کر چکا ہوں۔ بارگاہِ شیخ میں حاضر باش کسی مردِ حق شناس کا حوصلہ افزا جملہ پردۂ سماعت سے ٹکرایا ''بہت اچھی گفتگو ہو رہی ہے'' پھر کیا تھا ''ڈوبتے کو تنکے کا سہارا'' ہمت جوان ہوئی، حوصلہ بلند ہوا۔ کمالِ جرأت و بے باکی کے ساتھ پون گھنٹہ کی تقریر پر صلوٰۃ وسلام کا نذرانہ عقیدت بارگاہِ خیر الانام میں پیش کیا گیا۔ پھر بعد میں بعد فاتحہ خوانی بارگاہِ مرشد میں تمناؤں کی سوغات لے کر حاضر ہو گیا۔ اپنی زندہ کرامت دیکھ کر آقائے نعمت نے بے ساختہ مسکرا دیا۔ دستِ فیض رساں کو سر پر رکھ کر نہال کر دیا۔ مرشد برحق کو مائل بہ کرم دیکھ کر غلام نے عرض کر دیا۔ حضور! خادم اب تک مرید نہیں ہوا ہے۔؟ کہ فوراً معمولی فرق کے ساتھ خواب کا منظر سامنے آ گیا اور تعبیر کے زلفِ پر پیچ کی گرہیں کھلنے لگیں۔ دوسری جانب میرا جذبۂ صادق مستی میں یوں گنگنانے لگا تو نے خرید کر مجھے انمول کر دیا

بولیے! شہنشاہِ کشورِ ولایت کا یہ تصرفِ خاص اور زندہ کرامت ہے یا نہیں؟

☆☆☆☆☆

حضور مفتی اعظم کا روحانی تصرف

مولانا ڈاکٹر محمد اعجاز انجم لطیفی

مدرس جامعہ رضویہ منظر اسلام، بریلی شریف

تاجدارِ اہل سنت، فقیہ مسلک وملت، حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کی غیر متنازعہ شخصیت کوئی محتاجِ تعارف نہیں۔ بل کہ اگر یہ کہا جائے تو میرے خیال سے بے جا نہ ہوگا کہ ان کے تعارف کے لیے قلم کو جنبش دینا آفتاب کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ کیوں کہ آج ہندو بیرونِ ہند تمام بلاد وامصار میں آئے دن ان کے نام کی محفل منعقد ہوتی ہے۔ اخبار و جرائد اور رسائل اس بات کے شاہد ہیں۔ اسی پر بس نہیں بل کہ حضور مفتی اعظم کے نام سے کافی تعداد میں مکاتیب و مدارس بھی قائم ہو چکے ہیں۔ جوان کے نام کو چار دانگ عالم میں روشن کر رہے ہیں۔ اب تو ان کا نام ارادت مند وعقیدت مند حضرات کے دلوں پر ایسا نقش ہو چکا ہے کہ جسے دنیا کی کوئی طاقت مٹا نہیں سکتی۔ میں نے ان کو غیر متنازعہ شخصیت سے تعبیر کیا ہے۔ ممکن ہے کہ کسی کے ذہن ودماغ میں سوال پیدا ہو کہ حضور مفتی اعظم کی شخصیت کس طرح سے غیر متنازعہ ہے؟ اس کا پیشگی جواب یہ ہے کہ جب تک حضور مفتی اعظم باحیات رہے اس وقت تک کسی قسم کا کوئی شرعی، ملی اختلاف پیدا نہیں ہوا۔ اور نہ ہی کوئی مشربی چشمک وچپقلش پیدا ہوئی۔ مختلف حلقہ ہائے فکر کے لوگوں نے آپس میں شیر شکر کی مثال قائم رکھی۔ اہل سنت و جماعت کے تمام طبقوں نے انھیں اپنا پیشوا اور مقتدا ہی جانا اور مانا۔ حضور مفتی اعظم نے بھی ہمیشہ اپنی بزرگی و برتری کو قائم رکھا۔ آپ نے کبھی بھی کوئی ایسا مختلف فیہ مسئلہ عوام کے سامنے پیش نہیں کیا کہ جس سے ملت اہل سنت میں انتشار پیدا ہوا۔ آپ نے ہمیشہ احتیاط سے کام لیا۔ یہ کمال احتیاط ہی کا نتیجہ تھا کہ آپ کی شخصیت غیر متنازعہ بنی رہی۔ کمال احتیاط کی جھلک دیکھنی ہے تو مندرجہ ذیل تحریر ملاحظہ فرمائیں،

''سوال- کیا حضرات انبیاے کرام وملائکہ عظام علیہم السلام کے سوا کسی اور کے لیے علیہ السلام کا اطلاق درست ہے۔ جیسے بعض

لوگ حضور سید الشہدا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے علیہ السلام استعمال کرتے ہیں۔ نیز اس مسئلہ میں سیدنا اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحقیقات کیا ہیں؟

سائل: محمد علی حسن قادری رضوی میلسی ملتان

الجواب: علیہ السلام تحیت رسول وانبیا، ملائکہ کرام علیہما الصلوٰۃ والسلام کے لیے خاص ہے۔ غیر ملائکہ وانبیا کے لیے بولنا، لکھنا نہ چاہیے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ اس سے منع فرماتے رہے۔ نیز یہ روافض میں زیادہ مستعمل ہے۔ کہ وہ مولا علی کرم اللہ وجہہ اور ائمہ اطہار کو (سوائے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام) اور انبیا سے افضل جانتے ہیں۔ لہٰذا بے دغدغہ علیہم السلام بولتے لکھتے چلے آتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ بعض عوام سنیوں میں بھی یہ لفظ امام حسن وامام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاک ناموں کے ساتھ بولنا لکھنا انھیں کی دیکھا دیکھی ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

پھر بعض علما کی کتب میں بھی اب ملتا ہے۔ مثلاً حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی۔ تو ہوسکتا ہے کہ وہ کاتب کی کارروائی ہو۔ مگر مجھے یاد ہوتا ہے کہ حضرت شیخ محقق دہلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا کے کلام میں غیر انبیا کے لیے ایسی تحریر ہے اگر ایسا ہے تو حضرت شیخ محقق کے خیال مبارک سے یہ اتر گیا ہوگا کہ یہ تحیت ملائکہ وانبیا علیہم السلام سے خاص ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فقیر مصطفی رضا خاں غفرلہ (ماہنامہ نوری کرن، بریلی، مارچ ۱۹۶۰ء)

مذکورہ بالا استفتا اور فتویٰ پڑھنے کے بعد حضور مفتی اعظم کی کمال احتیاط کا اندازہ قارئین لگا سکتے ہیں کہ آپ نے کس معتدل ومتوازن انداز میں ایک مقتدر عالم دین کے تسامح کی نشان دہی فرمائی۔ اور خود ہی اس کی صفائی بیان کرتے ہوئے ایسی تاویل کردی جس سے دوسروں کے لیے چوں وچراں کی گنجائش ہی نہیں رہی۔ اس کے برخلاف اگر آج کا مفتی ہوتا تو نہ جانے کیا کیا لکھتا اور کیسے کیسے گولے داغتا؟ الامان والحفیظ۔ حضور مفتی اعظم کی ذات بابرکات میں یہ خاص بات تھی کہ وہ بڑوں کی عزت کیا کرتے تھے اور چھوٹوں پر شفقت فرمایا کرتے تھے۔ علما کی بے حد قدر کیا کرتے تھے۔ مہمان نوازی ان کا طرۂ امتیاز تھا۔ انھیں باتوں سے وہ سب کی نظر میں محبوب ومقبول تھے۔

مسائل شرعیہ کے احکام بتانے میں مفتی اعظم کا مرتبہ اور ان کی عرفی حیثیت سمجھنے کے لیے حضرت شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی میاں جانشین محدث اعظم ہند کچھوچھہ شریف کی یہ عبارت بھی قابل تعریف اور لائق صد ستائش ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں۔

''وہ اسلام کا بطل جلیل اور استقامت کا جبل عظیم تھا کہ نازک سے نازک وقت میں بھی اس کے پیروں میں لغزش نہ آسکی۔ حضور مفتی اعظم کے ایک فتوے کی تصدیق فرماتے ہوئے ایک مرتبہ مخدوم الملت حضور محدث اعظم ہند نے صرف ایک جملہ تحریر فرمایا تھا اور وہ یہ ہے ''**هذا حكم العالم المطاع وما علينا الا الاتباع**'' یہ ایک عالم مطاع کا حکم ہے اور ہمارے لیے اتباع کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں۔ کلام کی عظمت متکلم کی عظمت سے پہچانی جاتی ہے۔ اگر یہ کسی ایسے ویسے کا کلام ہوتا تو اس لائق نہ ہوتا کہ اس پر کسی کلام کی بنیاد رکھی جائے مگر یہ اس کا کلام ہے جو صرف یہی نہیں کہ سید المتکلمین، سند المحققین، سرآمد علما وصوفیا، سراج خانوادۂ اشرفیہ تھا بلکہ خود حضور مفتی اعظم کی بے پناہ عقیدت ومحبت اور لازوال نیاز مندیوں کا قبلہ وکعبہ تھا۔'' (استقامت، مفتی اعظم نمبر ص ۱۳۱)

اس جملے کی مزید وضاحت اور تشریح کرتے ہوئے حضرت مدنی میاں قبلہ اسی مضمون میں رقم طراز ہیں۔

''میرا خیال ہے کہ آج تک حضور مفتی اعظم کا تعارف کراتے ہوئے جو کچھ لکھا گیا ہے اور آئندہ جو کچھ لکھا جائے گا ان سب کو اگر ایک پلڑے میں اور حضور محدث اعظم ہند کے قلم سے نکلے ہوئے اس فقرے کو دوسرے پلڑے پر رکھ دیا جائے تو اس کا وزن زیادہ ہوگا۔ ہم اس عظیم فرد کے فضل وکمال کا کیا تعارف کرا سکیں گے جسے حضور محدث اعظم ہند جیسی شخصیت کی زبان بھی ''عالم مطاع واجب الاتباع''

قرار دے۔(استقامت،مفتی اعظم نمبر،ص ۱۳۲-۱۳۱)

حضور مفتی اعظم کے کمال و جمال پر غور کرنے سے یہ بات پائے ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ علم و دانش کی وہ کون سی ایسی محفل ہے کہ جس کے وہ تاجدار نہیں رہے؟ تقویٰ وطہارت، زہد وقناعت، شرافت وکرامت، مجاہدہ وریاضت، اصابت واستقامت، ذکاوت وفراست کی وہ کونسی شاہراہ ہے کہ جہاں ان کے نقوشِ قدم نہیں ملتے۔حضور مفتی اعظم ہر انجمن کی شمع اور ہر محفل کی شان تھے۔

اسی ذات باکمال سے مجھے بیعت وارادت کا شرف حاصل ہے۔ویسے تو میں بیعت ہونے کے واقعہ کو اپنی غیر مطبوعہ خودنوشت سوانحی خاکہ میں اجمالاً تحریر کر چکا ہوں۔لیکن یہاں قدرے تفصیل سے پیش کر رہا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ قارئین کے لیے یہ واقعہ باعث مسرت وعقیدت افزا ثابت ہوگا۔

۱۹۸۱ء کی بات ہے جب میں مدرسہ عربیہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ میں زیر تعلیم تھا۔ رمضان شریف کی تعطیل ہونے والی تھی میرے ہم سبق ساتھی اور احباب گھر جانے کی تیاری میں مصروف تھے۔میں نے دل میں ٹھان لیا تھا کہ امسال مجھے گھر نہیں جانا ہے ۔مدرسے میں رہنے کے لیے وہاں کے ایک مقامی مدرس جو پرائمری کلاس کو پڑھایا کرتے تھے،ان سے بات چیت کر لی تھی۔تعطیل کلاں ہوگئی۔احباب حد درجہ اصرار کر کے گھر چلے گئے لیکن میں اپنے ارادے پر قائم رہا۔میرے علاوہ دو تین لڑکے اور بھی رک گئے تھے۔شعبان المعظم کی غالباً ۲۶؍تاریخ تھی۔صبح سویرے اسی مدرس نے کسی بات پر مجھے کوئی ایسی بات کہہ دی کہ جس سے طبیعت مضمحل ہوگئی۔وہاں پر ایک پل بھی ٹھہرنا بار خاطر ہونے لگا۔ذہن بہت پریشان تھا کیوں کہ ہاتھ خالی تھا، جاتا تو کہاں جاتا۔مگر اسے حسن اتفاق کہیے کہ کچھ دیر بعد استاذ گرامی حضرت مولانا محمد احمد مصباحی صاحب سابق صدر المدرسین مدرسہ عربیہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ اور مولانا نصر اللہ صاحب رضوی دونوں صاحبان مدرسے میں اچانک تشریف لائے۔سلام ومصافحہ کے بعد پرنسپل صاحب کے کمرے میں میں بیٹھ گیا۔میرا چہرہ اترا ہوا دیکھ کر حضرت مولانا نصر اللہ صاحب نے پوچھا کہ کیوں اداس نظر آ رہے ہو۔میں نے کوئی شکوہ وشکایت نہیں کی۔بل کہ خود بہ خود میری زبان سے نکلا کہ میں بریلی شریف جانا چاہتا ہوں اور میرے پاس سرِ دست روپیہ نہیں ہے ۔یہ سنتے ہی انھوں نے ڈیڑھ سو روپے اپنی جیب سے نکال کر مجھے دیے۔

آناً فاناً تیاری ہوگئی، اسی شام کو میں بریلی شریف روانہ ہوگیا۔اس سے قبل میں کبھی بریلی شریف نہیں پہنچا تھا اور نہ ہی اکیلا اتنا لمبا سفر کیا تھا۔سفر کی صعوبت اور تن تنہا ہونے کی وجہ سے خوف وہراس تھا اس لیے ذہن متردد تھا۔لیکن اعلی حضرت قدس سرہ کا نام لے کر ٹرین پر سوار ہوگیا۔محمد آباد سے شاہ گنج پہنچا۔شاہ گنج میں بریلی کی طرف جانے والی ٹرین کا انتظار کرنے لگا۔اسی اثنا میں زوردار بارش ہونے لگی۔بارش کے دوران ٹرین پلیٹ فارم پر آ کر رکی۔بارش میں کپڑے وغیرہ بھیگ گئے۔جیسے تیسے کر کے ٹرین پر سوار ہوا۔ ٹرین کا ڈبہ کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔کھڑے ہونے کی جگہ نہیں مل رہی تھی۔اچانک ایک عمر دراز شخص نے اوپر کی سیٹ سے آواز دی کہ مولوی صاحب میرے پاس آ جائیے۔کیوں کہ مجھے آگے والے اسٹیشن پر اترنا ہے۔جلدی سے میں اس کے پاس پہنچا اور آرام سے بیٹھ گیا۔ پھر راستے میں کہیں کوئی پریشانی نہیں ہوئی۔دوسرے دن تقریباً ڈھائی بجے بریلی جنکشن پہنچا۔اتفاق سے یہاں بھی بارش ہو رہی تھی لیکن ہلکی پھلکی۔اس وقت بریلی شریف میں میرا کوئی شناسا نہیں تھا۔البتہ میرے خاندانی رشتے کے ماموں مولانا امام اختر نوری صاحب رہا کرتے تھے جو اس وقت الجامعۃ النظامیہ فیض العلوم ملک پور ہاٹ کٹیہار بہار میں صدر المدرسین کے عہدے پر فائز ہیں۔ان سے خط وکتابت تھی۔خط کے پتے پر میں بذریعہ رکشا جنکشن سے روانہ ہوا۔حسن اتفاق کہیے کہ وہ راستے ہی میں مل گئے، ان

کے ساتھ ان کی مسجد محلہ بہاری پور پہنچا۔ اضطرابی کیفیت دور ہوگئی اور سکون و اطمینان حاصل ہوا۔

دوسرے دن ان کے ساتھ مزار اعلیٰ حضرت پر فاتحہ خوانی کے لیے حاضر ہوا۔ اس دن کے بعد سے روزانہ صبح وشام مزار پر حاضری دیا کرتا تھا۔ کبھی کبھی رضا مسجد میں حضور مفتی اعظم سے ملاقات ہو جاتی تھی۔ سلام و دست بوسی کر لیا کرتا تھا۔ اس وقت ان سے کوئی خاص عقیدت و محبت نہیں تھی۔ عام بزرگوں کی طرح انھیں بھی تصور کرتا تھا۔ ایک دن میرے ماموں نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تم مرید ہوئے ہو؟ میں نے کہا کہ اب تک میں کسی سے مرید نہیں ہوا ہوں البتہ میرے والد اور گھر والے کچھوچھہ شریف کے پیر سے مرید ہو گئے ہیں۔ میرا ارادہ بھی کسی سید زادے سے مرید ہونے کا ہے۔ یہ جملہ میں نے ان سے اس لیے کہا تھا کہ سادات کی فضیلت، عظمت، کمالات بچپن سے میں سن رہا تھا۔ کتابوں میں پڑھ بھی چکا تھا۔ مختصر یہ ہے کہ میرا ارادہ حضور مفتی اعظم سے مرید ہونے کا قطعاً نہیں تھا۔ انھوں نے رغبت دلانے کی کوشش کی۔ اور حضور مفتی اعظم کی ولایت، بزرگی اور کمالات کا تذکرہ کر کے مجھے رضا مند کرنا چاہا۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ اس وقت ایسا تقویٰ شعار، شریعت کا پابند پیر تمھیں کہیں نہیں ملے گا۔ لیکن اس کے باوجود میرا ارادہ نہیں بدلا۔ البتہ عقیدت و محبت میں اضافہ ہو گیا۔ اس کے بعد انھوں نے مرید ہونے کے لیے اصرار کرنا چھوڑ دیا۔ دو تین ہفتے گزر گئے ذہن میں بیعت و ارادت کا کوئی خیال ہی نہیں تھا۔ موسم گرمی کا تھا اور دن رمضان کا تھا۔ ایک دن دوپہر کو نیند سے بیدار ہوا غسل کیا ظہر کی نماز جماعت سے ادا کی اس کے بعد تلاوت کرنے لگا سورج ڈھلنے کی وجہ سے تپش کچھ کم ہو گئی تھی، بادسموم کے جھونکے سرد ہو چکے تھے۔ آنکھوں میں پھر نیند کا خمار آنے لگا۔ تلاوت کرتے کرتے وہیں لیٹ گیا۔ پھر میں نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔ جب میری آنکھ کھلی تو طبیعت میں ایک عجیب و غریب کیفیت طاری ہو گئی اس وقت میں محلہ احمد علی تالاب کی مسجد میں کسی کے عوض امامت کا فریضہ انجام دے رہا تھا۔ اچانک دل از خود وارفتہ ہوا اور حضور مفتی اعظم کی بارگاہ کی طرف کھنچنے لگا۔ دل میں بے قراری اور بے چینی پیدا ہو گئی اور یہ بات گھر کر گئی کہ چلو جلدی چلو حضور مفتی اعظم سے مرید ہو جاؤ، اس عجیب و غریب کیفیت سے میں بذات خود پریشان تھا کہ یہ تبدیلی میرے اندر کیوں پیدا ہوئی؟ بے قراری اور بے چینی کی وجہ سے میں اسی وقت اپنے ماموں کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے کہا کہ بلا تاخیر میرے ساتھ سوداگران چلیے اور مجھے حضور مفتی اعظم سے مرید کرا دیجیے۔ میرے اس جملے پر حیرت و استعجاب سے وہ میرا منہ تکنے لگے اور کہنے لگے کہ میں نے تمھیں کئی بار مرید ہونے کا شوق دلایا اور اصرار کیا لیکن تم راضی نہیں ہوئے۔ آج اچانک تمھارا ارادہ کیسے بدل گیا؟ میں نے ان سے کہا کہ مجھے خود اس کا پتہ نہیں کہ اچانک دل میں بے خودی کیسے پیدا ہو گئی۔ اب تو حال یہ ہے کہ میرا دل ان کی طرف کھنچا جا رہا ہے۔ بہرکیف وہ مجھے لے کر اپنی مسجد سے روانہ ہوئے۔ رضا مسجد میں عصر کی جماعت ہونے والی تھی۔ جماعت میں ہم دونوں شریک ہو گئے۔ بعد نماز عصر میرے ماموں نے حضور مفتی اعظم سے عرض کی کہ حضور ان کو (محمد اعجاز انجم لطیفی) اپنے دامن کرم سے وابستہ کر لیجیے۔ حضور مفتی اعظم نے اسی وقت مسجد ہی میں مجھے اپنا مرید اور گرویدہ بنا لیا۔ اور سلسلہ بیعت و ارادت میں داخل کر لیا۔ ورنہ میرا ارادہ تو کچھ اور ہی تھا۔ حضور مفتی اعظم کی نگاہ ولایت کا انتخاب میں اس ''انتخاب'' کے صدقے قربان جاؤں کہ انھوں نے باطنی تصرف سے مجھے صرف مرید ہی نہیں کیا بل کہ میرے مستقبل کو تابناک کرنے کے لیے ترقی درجات کی دعا دے کر اپنے در کے جاروب کشوں میں اسی دن میرا نام بھی درج کر لیا۔ اسی دعا کی بدولت مرکز اہل سنت جامعہ رضویہ منظر اسلام کا مدرس میں اپنے آپ کو تصور کرتا ہوں۔ اور آج جو کچھ بھی ہوں اور جس حیثیت سے بھی میں مذہب و ملت کی خدمت کا فریضہ انجام دے رہا ہوں۔ یہ اسی فیضان نظر اور دعا کا اثر ہے۔

بیعت ہونے کے بعد جب تک بریلی شریف میں رہا۔ برابر پیر ومرشد سے ملاقات ودست بوسی کا شرف حاصل رہا۔عید الفطر کے بعد میں واپس مدرسہ عربیہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ پہنچ گیا۔تعلیم کا سلسلہ جاری ہوگیا۔کچھ دنوں بعد والد صاحب کا گھر سے خط آیا کہ تمھارا بہار بورڈ والا درجہ مولوی کا امتحان ہونے والا ہے۔تاریخ متعین ہوگئی ہے لہٰذا تم فوراً گھر چلے آؤ۔ میں گھر جانے کی تیاری کرنے لگا عین اسی رات جس میں حضور مفتی اعظم نے عقیدت مندوں، ارادت مندوں کو داغ مفارقت دے کر داعی اجل کو لبیک کہا تھا۔ میں نے مطالعہ درس کے بعد سونے سے قبل پیر ومرشد سے بذریعہ خط نصف الملاقات کا شرف حاصل کرنا چاہا۔اپنے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں پیر ومرشد کو یاد کیا۔اور ہونے والے امتحان میں کامیابی کے لیے دعا کی درخواست کی۔اپنا مدعا تحریر کرنے کے بعد سوچا کہ کل خط روانہ کردوں گا۔ یہ سوچ کر میں نیند کی آغوش میں پہنچ گیا،صبح خط لیٹر بکس میں ڈالنے سے قبل ہی یہ اندوہناک خبر ملی کہ آج رات حضور مفتی اعظم کا وصال ہوگیا ہے۔ یہ خبر میرے لیے سوہان روح ثابت ہوئی۔ایک تو ان کے پردہ فرمانے کا غم، دوسرا یہ کہ میں نے پہلی بار نصف الملاقات کا شرف حاصل کرنا چاہا تھا تو اس میں بھی ناکام رہا۔ان دونوں باتوں سے مجھے بے حد ملال ہوا۔طبیعت میں آیا کہ خط پھاڑ دوں لیکن پھر سوچا کہ اس وقت میں ان کی چوکھٹ پر حاضر نہیں ہوسکتا کم سے کم میری تحریر تو حاضری کی سعادت حاصل کرلے۔اس ارادے سے خط لیٹر بکس میں ڈال دیا۔اور پھر میں گھر کے لیے روانہ ہوگیا۔اتفاق کی بات اس سال امتحان کا سینٹر اسلامیہ ہائی اسکول کٹیہار منتخب ہوا۔وہاں دیہات کی بہ نسبت زیادہ سختی تھی۔آئے دن کوئی نہ کوئی بورڈ کا آدمی ٹپک پڑتا تھا۔طرفہ تماشا یہ ہوا کہ میری سیٹ کے آگے ایک لڑکا نقل کرنے میں پکڑا گیا، اس کا امتحان رد کردیا گیا اور اسے امتحان گاہ سے باہر کردیا گیا۔ ۔حالات وواقعات کو دیکھ کر اور اپنے جوابات کو سوچ کر مجھے یقین نہیں تھا کہ میں اس امتحان میں کامیاب ہوجاؤں گا۔لیکن واہ رے مفتی اعظم کا تصرف کہ جب نتیجہ برآمد ہوا تو میں سکنڈ ڈویژن سے پاس تھا۔ یہ تمام باتیں میری نظروں میں ہمیشہ اس طرح سے گردش کرتی رہتی ہیں کہ جیسے یہ آج ہی کا واقعہ ہو۔میں اپنی بیعت وارادت اور امتحان میں کامیابی کو حضور مفتی اعظم کے تصرف وکرامت سے تعبیر کررہا ہوں۔کیوں کہ یہ بات سو فیصد درست اور سچ ہے کہ ؎

نگاہ ولی میں وہ تاثیر دیکھی
بدلتے ہزاروں کی تقدیر دیکھی

☆☆☆☆☆

حضور مفتی اعظم کے گستاخوں کا لرزہ خیز انجام

مولانا امان الرب رضوی
استاذ جامعہ امیر العلوم مینائیہ، گونڈہ

حدیث شریف ہے ''مَنْ عَادَی لِیْ وَلِیّاً فَقَد اٰذنتُه بِالْحَرْبِ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۹۷، باب التقرب الیہ، الفصل الاول مجلس البرکات، مبارک پور) جو کوئی میرے ولی سے دشمنی رکھے میں اس کو اعلانِ جنگ دیتا ہوں۔

ولی کا معنی۔ مددگار، دوست، محبوب، مالک ومتولی کے ہیں (مختار الصحاح وغیرہ) اصطلاح شرع میں فرائض واجبات سنن حتی کہ مستحبات کے عامل اور محرمات شرعیہ حتی کہ مکروہات سے بچنے والے کو کہتے ہیں (نبراس) ہر قسم کے اولیا کے دشمنوں سے خدائے تعالیٰ کا اعلان جنگ ہے۔جس کا نتیجہ جان وایمان کی تباہی اور دنیا وآخرت میں بھیانک ذلت ورسوائی ہے۔العیاذ باللہ تعالیٰ

اولیاء اللہ۔ انعامات الٰہیہ سے بہرہ ور ہوتے ہیں، ان کی خدمت ورضا جوئی میں خاص تاثیر ہوتی ہے۔ اپنوں پر ان کے کرم کا اندازہ کون لگائے، کفار ومشرکین یہود ونصاریٰ بھی اس دنیا میں ان کے فیض سے محروم نہیں ہوتے، ان کے قلب ونظر کے نشیب وفراز سے تقدیر کی کایا پلٹ ہوجاتی ہے، وہ مستجاب الدعوات ہوتے ہیں۔

الحاصل حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گستاخوں کا حکم یہ ہے کہ وہ کافر ومرتد ہیں، ان کے اگلے اعمال اور اگر توبہ نہ کی تو پچھلے اعمال بھی اکارت وغارت ہوجاتے ہیں، وہ ابدی جہنم کے مصداق ہوجاتے ہیں اور اگر اس کی گستاخی کی پاداش میں زبان نبوت سے کوئی کلمہ اس کے خلاف صادر ہوا تو وہ تیر قضا ثابت ہوا۔ چنان چہ عتبہ بن ابولہب کے تعلق سے فرمایا ''**اللھم سلط علیہ کلباً من کلابک** (بخاری شریف) اے خدا اس پر اپنے کتوں میں سے کوئی کتا مسلط کردے، بال آخر اس لعین کو کوئی حیلہ کام نہیں آیا، جنگل کے

ایک خوفناک درندہ نے اس کو چیر پھاڑ کر صفحہ ہستی سے مٹا ڈالا۔حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گستاخوں کے مہیب انجام کتب سیر و تواریخ میں پڑھیے۔

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ بالیقین اللہ تعالیٰ کے اولیا ہیں بل کہ جو ولی صحابی نہیں ہیں وہ ان کے گرد راہ کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔آپ کے گستاخوں کا حکم یہ ہے کہ وہ بالاتفاق اہل سنت و جماعت سے خارج ہیں۔گمراہ گمراہ گر ہیں۔فقہاے کرام کے نزدیک کافر ہیں۔ان کے دشمنوں کا حال بے حد عبرت انگیز ،لرزہ خیز ہے۔ایک شخص حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو گالیاں دیتا تھا،ان پر تبرا کرتا تھا۔جب مرنے کا وقت آیا تو لوگوں نے کلمہ طیبہ کی تلقین کی تو کہا کہ یہ دو شخص کھڑے ہیں۔مجھے کلمہ نہیں پڑھنے دیتے۔کہتے ہیں کہ تو شیخین کو گالیاں دیتا تھا اب چاہتا ہے کہ ایمان پر اٹھے،ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔(ملخصاً ملفوظ شریف، اعلیٰ حضرت) اسی طرح شواہد النبوۃ و دیگر کتب سیر میں امام حسین سبط رسول رضی اللہ تعالیٰ عنہ، و دیگر اہل بیت کے گستاخوں کا انجام پڑھیے تو رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ خداے قدیر ہر مومن کو اس بلائے عظیم سے محفوظ ومصون فرمائے۔

ائمہ کرام اور جو ان کے بعد کے اولیا ہیں ان کے ذاتی گستاخ کا حکم یہ ہے کہ وہ فی الحال کافر نہیں ہوتا مگر اس کے ایمان جانے کا خدشہ بڑھ جاتا ہے۔کم از کم اس پر آفات سماوی وارضی ضرور نازل ہوتی ہیں۔اور وہ کس مپرسی کے عالم میں مبتلا ہو کر مرتا جاتا ہے۔اہل ایمان اس کا نام لیتے گھبراتے ہیں۔اس طرح نسلیں یہ نہیں جان پاتیں کہ اس نام کا بھی کوئی شخص اس دنیا میں پیدا ہوا تھا۔دور کیوں جایئے؟ پورے چودہ صدی پر آفتاب نصف النہار کی طرح اپنے فیوض و برکات برسانے والے عظیم وجلیل، نابغۂ روزگار ہستی، آفتاب شریعت، ماہتاب طریقت، تاجدار اہل سنت ،مرجع علماے عرب وعجم،مرکز دائرہ تحقیق،جنید وقت،سرکار زماں،روشن ضمیر،آل الرحمن مصطفی رضا خاں مفتی اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحقیقات عالیہ علمیہ کے اختلاف میں حد سے گزرنے والوں پر ایسی خدا کی مار پڑی کہ ان کے ہوش باختہ ہوگئے۔گمنامی کی ایسی کھائی میں گرے کہ کوئی نکال نہ سکا،لگتا ہے کہ میر میراں، پیر پیراں سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیکڑوں سال پہلے اسی نائب صادق کو مخاطب کر کے فرمایا ہو؟

مریدی لا تخف واش فانی عزوم قاتل عند القتال

اے مرید تو کسی چغل خور کا خوف مت کر بے شک میں جنگ کے وقت سختی سے قتال کرنے والا ہوں۔

اب آیئے مفتی اعظم کے گستاخوں کا انجام دیکھتے ہیں۔بنارس کے ایک بہت بڑے مولوی صاحب تھے،خطابت میں خاص ملکہ رکھتے تھے،معراج کے موضوع پر تین تین گھنٹے بے تکان بولا کرتے تھے۔ایک مرتبہ ان کی ایک فاش غلطی پر مفتی اعظم نے تنبیہ فرمائی تو بجائے سر تسلیم خم کرنے اور ممنون ومشکور ہونے کے الٹے مفتی اعظم کے عناد میں جل بھن اٹھے۔تھوڑے دنوں کے بعد چند ورقی کتابچہ نکالا جس کا نام ''مفتی اعظم کی نماز جنازہ'' رکھا،ان کا آخری حال بڑا دردناک اور عبرت ناک ہوا۔مولوی صاحب پر فالج کا زبردست حملہ ہوا جس سے سارے اعضا معطل ہو چکے تھے،صرف آنکھیں اپنے محور میں بے بسی و بے کسی کا رونا رو ہی تھیں۔سچ ہے ؎

جلال مومن سے خدا بچائے نگاہیں بدلیں کہ انقلاب آیا

نوٹ :حضرت مولانا مفتی سید افضل حسین مونگیری علیہ الرحمۃ نے مسئلہ لاؤڈ اسپیکر پر ابتداءً اختلاف کیا مگر حد سے نہیں بڑھے۔ پھر بھی پیر کی عدم اتباع کا الزام ان پر عائد ہوتا ہے۔مگر خیر کہیے کہ انھوں نے اپنے مرشد گرامی حضور مفتی اعظم سے معافی مانگ لی تھی۔ حضرت مرشدی نے یہ فرما کر معاف کر دیا کہ جو کچھ آپ نے کیا وہ معاف۔جو کر رہے ہیں وہ معاف جو کریں گے وہ معاف (بہ روایت مفتی محمد اسلم صاحب قبلہ رضوی مظفر پوری) راوی معظم اس موقع پر بہ نفس نفیس موجود تھے۔خدا کے فضل سے وہ اب بھی حیات سے ہیں۔جو چاہے دریافت کرسکتا ہے۔ان کا پتہ یہ ہے۔مقصود پور، پوسٹ اورائی،ضلع مظفر پور، بہار۔

بہرکیف حضور مفتی اعظم اللہ تعالیٰ اوراس کے محبوب اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہیتے محبوب ومقرب تھے۔ پیدائشی ولی تھے۔ مظہر علوم امام احمد رضا تھے۔ آپ کی سطوت علم کے آگے بڑے بڑوں کے پتے پانی ہوتے تھے۔ ہندوستان میں تنہا نشان تقویٰ تھے۔ درجۂ ولایت میں درجہ سالکین پر فائز تھے بل کہ ان سبھوں کے امام ومرشد تھے۔ آپ کی تعلیمات وفتاوے پر چلنا جینا مرنا وسیلہ نجات و باعث ترقی درجات ہیں۔ آپ کی ذات سے بے نمکی واحسان فراموشی نیز آپ کی علمی تحقیقات وشخصی صولت سے بے نیازی باعث گمنامی وخسران دنیاوآخرت ہے۔ حضور مفتی اعظم کے تعلق سے یہ حقیقتیں محض قلمی نگارش نہیں ہیں بل کہ مشاہداتی وتجرباتی ہیں۔ حضور مفتی اعظم آج بھی اپنی قبرانور میں حیات برزخی کے ساتھ متصرف ہیں۔

فنا کے بعد بھی باقی ہے شان رہبری تیری
خدا کی رحمتیں ہو اے امیر کارواں تجھ پر

☆☆☆☆☆

مفتیِ اعظم کی کرامت وروحانیت

مولانا ساجد علی مصباحی
استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

ہوئی بچپن میں ہی ظاہر ولایت مفتیِ اعظم — تھے تم چھ ماہ کے پائی خلافت مفتیِ اعظم
شہِ نوری میاں کی ہو بشارت مفتیِ اعظم — سراپا ہو کرامت ہی کرامت مفتیِ اعظم

واقفِ اسرارِ شریعت، آشنائے رموزِ طریقت، تاجدارِ کشورِ ولایت، صاحبِ کشف وکرامت، علم وعمل کے حسین سنگم، خلوص وللّٰہیت کے پرنور پیکر، زہد وتقویٰ کے بدرِ منیر اور سرکارِ دو جہاں علیہ التحیۃ والثنا کے سچے عاشق ووفادار، ابوالبرکات، محی الدین جیلانی، آل الرحمٰن، محمد مصطفیٰ رضا (۱۳۱۰ھ-۱۴۰۲ھ) قدس سرہٗ کو مفتیِ اعظم اور ایک ولیِ کامل کی حیثیت سے آج دنیا جانتی اور پہچانتی ہے، نیز ہر ذی شعور، علم دوست اور حق شناس انسان ان کی دینی، ملی، سیاسی، سماجی، اور روحانی خدمات کا اعتراف کرتا ہے ؎

متاعِ زندگی جس نے لٹا دی جانِ رحمت پر
خدا کی رحمتوں کے پھول برسیں ان کی تربت پر

حضور مفتیِ اعظم قدس سرہٗ کی پرنور صورت، حقانیت وصداقت کی ایک ایسی روشن کتاب تھی جسے پڑھ لینے کے بعد دلوں کے

دروازے خود بخود کھل جاتے تھے۔ وہ علم وعرفان کا ایک ناپیدا کنار سمندر تھے جس کی خاموشی سے اس کی گہرائی کا پتہ چلتا تھا۔ وہ اسلام و سنت کا ایک مہکتا ہوا گلشن تھے، جدھر سے گزر گئے، فضا معطر ہوگئی۔ وہ کفر ونفاق کی سیاہ راتوں کے لیے ارشاد وہدایت کا سپیدۂ سحر تھے۔ دلوں کے آفاق پر جب وہ طلوع ہوئے تو فکر واعتقاد کی تاریک وادیوں میں صبحِ قیامت کا اجالا پھیل گیا۔ جسے چھو دیا شفا مل گئی۔ دعا دی تو مقدر سنور گیا۔ جہاں قدم رکھا، بہار آ گئی۔ جس جگہ بیٹھ گئے میلہ لگ گیا۔ ادھر نگاہِ التفات اٹھی، ادھر مشکلات کی گرہ کھلی۔ ادھر مسکرا کر دیکھا ادھر کامرانیوں کا ڈنکا بجا۔ ایک شاعر نے بڑے پتے کی بات کہی ہے ؎

عشقِ محبوبِ خدا میں مست تھے، سرشار تھے — واقفِ اسرار تھے، رمز آشنائے یار تھے
علم وفضل وآگہی کے واقعی سردار تھے — کون جانے وقت کے اخیار تھے، ابرار تھے

آپ کی ذاتِ ستودہ ہمہ گیر جاہ وجلال کی حامل اور نوع بنوع اوصافِ فضل وکمال کی مالک تھی، لیکن سردست ہم آپ کی کرامت و روحانیت ہی سے متعلق چند سطریں نذرِ قارئین کرنا چاہتے ہیں، تاکہ اربابِ علم ودانش کے ساتھ ساتھ وہ ظاہر بیں حضرات بھی آپ کے عمل و استقامت اور تصلب فی الدین کو اپنے لیے مشعلِ راہ بنائیں، جو خوارق عادات امور کی دید وشنید سے ہی کسی مردِ خدا کی ولایت وبزرگی کے معترف اور اس سے اکتسابِ فیض کے قائل ہوتے ہیں اگر چہ حقیقت میں خوارق عادات امور کا صدور ولایت کی دلیل نہیں ہے، کیوں کہ خرقِ عادت فعل کبھی بد دین وگمراہ شخص سے بھی ظہور پذیر ہوجاتا ہے۔ چنان چہ علمائے کرام فرماتے ہیں: خلافِ عادت ظاہر ہونے والی چیزوں کی آٹھ صورتیں ہیں۔

(۱) **ارہاص** : وہ خلافِ عادت چیز جو کسی نبی سے قبلِ بعثت ظاہر ہو، جیسے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت طیبہ کے وقت رونما ہونے والے خلافِ عادت امور، مثلاً نوشیرواں کے محل میں زبردست زلزلہ آنا، اور چودہ کنگروں کا گر جانا، ہزار برس سے مسلسل جلنے والے آتش کدۂ فارس کا دفعتاً سرد پڑ جانا، بحیرۂ ساوہ کا خشک ہوجانا وغیرہ۔

(۲) **معجزہ** : وہ خلافِ عادت چیز جو کسی نبی کے ہاتھوں بعدِ بعثت ظہور میں آئے جیسے درختوں کا سجدہ کرتے ہوئے سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوجانا، مقامِ صہبا میں ایک انگلی کے اشارے سے ڈوبے ہوئے سورج کا پلٹ آنا۔

(۳) **کرامت** : وہ خلافِ عادت چیز جو کسی ولی سے رونما ہو۔

(۴) **معونت** : وہ خلافِ عادت چیز جو کسی عام مومن صالح سے ظہور میں آئے۔

(۵) **استدراج** : وہ خلافِ عادت چیز جو کسی کافر یا مومن فاسق سے ظاہر ہو۔

(۶) **سحر** : وہ خلافِ عادت چیز جو کسی کافر یا فاسق سے رونما ہو اور اس میں تعلیم وتعلم اور سیکھنے سکھانے کا عمل دخل ہو۔

(۷) **ابتلا** : وہ خلافِ عادت کام جو کسی کافر کے ہاتھوں رونما ہو اور اس میں سیکھنے سکھانے کا دخل نہ ہو اور وہ اس کے مقصد کے مطابق ہو، جیسے دجالِ اکبر سے عالمِ وجود میں آنے والے امور وافعال۔

(۸) **اہانت** : وہ خلافِ عادت کام جو کسی کافر کے ہاتھوں بلا تعلیم وتعلم ظاہر ہو اور اس کے مقصد کے خلاف ہو، جیسے مسیلمہ کذاب سے رونما ہونے والا خلافِ عادت واقعہ، کہ اس نے ایک بھینگے کی آنکھ صحیح ہونے کی دعا کی تو اس کی دوسری آنکھ بھی بھینگی ہو گئی۔

(کشفِ بردہ شرح قصیدۂ بردہ، ص:۳۰۱، از: مولانا نفیس احمد مصباحی، مبارک پور)

اس تفصیل سے بخوبی عیاں ہوگیا کہ کرامت اسی خلافِ عادت امر کو کہا جائے گا جو رب تبارک وتعالیٰ کے کسی ولی سے رونما ہو۔ اور اللہ کا ولی وہ برگزیدہ شخص ہوتا ہے جو اللہ جل شانہٗ کی ذات وصفات کا عارف اور اس کی اطاعت وبندگی کا پابند ہوتا ہے، گناہِ کبیرہ کے ارتکاب اور صغیرہ پر اصرار سے بچتا ہے بل کہ مباح لذت وشہوت کی چیزوں میں مستغرق ہونے سے بھی کنارہ کش رہتا ہے۔ چنان چہ علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: **الولی هو العارف بالله تعالیٰ وصفاته حسب مایمکن، المواظب علی الطاعات، المجتنب عن المعاصی، المعرض عن الانهماک فی اللذات والشهوات۔** (شرح عقائد ص: ۱۴۴ مجلسِ برکات، جامعہ اشرفیہ مبارک پور)

ولی کی مذکورہ تعریف کی روشنی میں حضور مفتیِ اعظم قدس سرہٗ کی شخصیت کا جائزہ لیجیے تو بے ساختہ ان کی ولایت کی شہادت دیتے نظر آئیں گے۔ استاذ العلما، ابوالفیض حضور حافظِ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان (بانیٔ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور) فرماتے ہیں:

''اپنے شہر میں کسی کو عزت اور مقبولیت نہیں ملتی، لیکن حضور مفتیِ اعظم کو اپنے شہر میں جو عزت ومقبولیت حاصل ہے، اس کی مثال کہیں نہیں ملتی اور ان کی کرامت، ولایت کی یہ کھلی دلیل ہے۔ جس کو زندہ ولی دیکھنا ہو وہ حضور مفتیِ اعظم کو دیکھ لے۔''

(مفتیِ اعظم کی استقامت وکرامت: ۳۷، جام نور دہلی، از مفتی عابد حسین مصباحی، جمشید پور)

سید المشائخ حضور سید شاہ ابوالحسین نوری علیہ الرحمہ نے آپ کے عہدِ شیر خواری میں آپ کے والدِ ماجد اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ سے ارشاد فرمایا تھا:

''مولانا! یہ تو مادر زاد ولی ہے۔ برکتوں کے اعتبار سے ابوالبرکات اور مرتبۂ فنائیت میں محی الدین جیلانی ہے۔ یہ بچہ دین وملت کی بڑی خدمت کرے گا اور مخلوق خدا کو اس کی ذات سے بہت فیض پہنچے گا۔ یہ بچہ ولی ہے، اس کی نگاہوں سے لاکھوں گم راہ انسان دینِ حق پر قائم ہوں گے، یہ فیض کا دریا بہائے گا۔'' (ایضاً، ص:۴۱)

قطبِ مدینہ حضرت ضیاء الدین احمد مدنی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں:

''ضیاء الدین احمد نے اپنی آنکھوں سے دیکھا واللہ العظیم مفتیِ اعظم بچپن ہی سے پیکرِ علم وعمل ہیں، جامعِ زہد وتقویٰ ہیں، اس وقت ان کے علم وفضل، زہد وتقویٰ، بزرگی وپرہیزگاری، فکر وعرفان کا کوئی کیا اندازہ لگا سکتا ہے۔ فقیر ضیاء الدین مدنی عمر میں تو مفتیِ اعظم سے بڑا ضرور ہے لیکن مراتب میں مفتیِ اعظم فقیر سے بہت بڑے ہیں۔'' (ایضاً، ص:۴۵-۴۶)

خاصانِ خدا کے ان ارشادات سے یہ حقیقت آفتاب نیم روز کی طرح روشن ہوگئی کہ حضور مفتیِ اعظم قدس سرہٗ کی ذات بابرکات سے جو خوارق عادات امور رونما ہوئے ہیں انھیں لاریب کرامتوں کا نام دیا جائے گا۔

آیئے اب انھیں ایمان افروز، عبرت آموز کرامتوں سے اپنے اعمال وافکار کو تازگی بخشیں جن کی دل کش خوشبوؤں سے خدا معلوم کتنے پریشان حال قلوب واذہان کو چین وسکون اور گم گشتگانِ راہ کو نشانِ منزلِ مقصود مل گیا۔

(۱) جاؤ پھانسی نہیں ہوگی:-

تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم قدس سرہ کی بارگاہ عالیہ میں سرزمیں احمد آباد پر ایک مظلومہ اپنے ننھے ننھے بچوں کی انگلی پکڑے حاضر ہوئی اور اشکوں کی برسات برسانے لگی۔ قدرے سکون کے بعد اس نے کہا: حضور! بے قصور شوہر کو پھانسی کی سزا ہوگئی ہے۔ آقائے نعمت کی آنکھیں بھی اشک بار ہوگئیں اور اپنے معمول کے مطابق تعویز دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: جاؤ پھانسی نہیں ہوگی ؎

نطق کو سو ناز ہے تیرے لبِ اعجاز پر محوِ حیرت ہے ثریا رفعتِ پرواز پر

وہ دل دکھی عورت فوراً جیل کی جانب دوڑی اور اپنے شوہر کے گلے میں تعویذ ڈال دیا اور اپنے سرتاج کو ان الفاظ سے تسلی دیتی رہی کہ بریلی کے بہت بڑے بزرگ نے فرمایا ہے کہ جاؤ پھانسی نہیں ہوگی۔ وقتِ مقررہ پر جلاد آیا اور پھانسی کے روم میں لے گیا۔ ساتھ میں دیگر حکام کے علاوہ جج بھی تھا۔ گلے میں پھندا ڈال دیا گیا اور جب بٹن دبایا تو بجلی فیل ہو چکی تھی۔ جج نے کہا کہ وقت ختم ہو گیا، میں مقدمہ کی سماعت پھر کروں گا، ملزم موت کے تختے سے اتر کر کٹہرے میں آیا اور اپنی بے قصوری کا اظہار کرتا رہا۔ جج کی چشمِ تصور نے اسی پیکر کرم آقا کو دیکھا جس نے فرمایا تھا کہ ’’جاؤ پھانسی نہیں ہوگی‘‘ اور رہائی کا پروانہ دے دیا۔

(مفتیِ اعظم کی استقامت وکرامت، ص: ۱۹۹-۲۰۰، جامِ نور دہلی)

(۲) جاں بلب بچہ مسکرا پڑا:-

حضور مفتیِ اعظم قدس سرہٗ کی یہ کرامت محدث امروہہ حضرت علامہ مبین الدین علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے ایک مبسوط مقالے میں یوں تحریر فرماتے ہیں: شاید آپ کو یاد ہوگا جبل پور کا وہ تاریخی واقعہ کہ جب آپ اپنے مرید کے بے حد اصرار پر جبل پور کے علاقوں میں اپنے چند خادموں کے ساتھ تشریف لے جا رہے تھے۔ راستہ بڑا پرخطر اور پر پیچ ہے، جگہ جگہ سواری رکتی اور چل پڑتی ، گھوڑا انتہائی پریشان، تانگے میں بیٹھنے والے حضرات اور بھی پریشان، لیکن آپ ایسے ضعف ونقاہت میں بھی تانگے میں اور لوگوں کے ساتھ جلوہ افروز ہیں۔ لوگوں کو اپنی تکلیف کے ساتھ ساتھ آپ کا زیادہ خیال آرہا ہے، جگہ جگہ تانگے میں جھٹکے محسوس ہو رہے ہیں، لوگ اچھل اچھل جاتے ہیں، تانگہ اپنی رفتار پر آگے بڑھتا جا رہا ہے، چلتے چلتے ایک گاؤں سے گزرتا ہے کہ سڑک پر ایک بچہ کھیلتا کودتا اچانک تانگے کے نیچے آجاتا ہے، تانگے کا پہیہ اس بچے کے سینے اور پیٹ کے درمیان سے اتر جاتا ہے، لوگوں میں غم وغصہ کی ایک لہر دوڑ جاتی ہے، چاروں طرف ہو کا عالم ہے، پوری سڑک پر سناٹا چھا گیا، ہر انسان اپنی اپنی جگہ پریشان، ہر طرف بے چینی ہی بے چینی نظر آرہی ہے، ہر دل اداس ہی اداس دکھائی دے رہا ہے۔ سڑک کی پوری دنیا ماتم کدہ بنی ہوئی ہے، باپ دھاڑیں مار مار کر رو رہا ہے، ماں بچے کی حالت دیکھ کر پچھاڑیں کھا رہی ہے۔ کسی کو سکون وچین نہیں، مگر ہو ہی کیا سکتا تھا۔ اسی مجمع میں اللہ کا ایک ولیِ کامل، رسولِ عربی کا سچا عاشق، غوث الوریٰ کا صحیح جانشین، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضلِ بریلوی کا لختِ جگر اور نورِ بصر ہے، جن کے چہرۂ انور پر عزم واستقلال کی ایک چٹان ہے، تحمل وبردباری کا ایک دریا ہے، جو انتہائی سکون واطمینان کی موجیں مار رہا ہے، وہ اس وقت دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ آپ کے لب گل فشاں ہوئے اور آپ نے خادم سے فرمایا: اس بچے کو اٹھا کر لاؤ۔ کسی کی ہمت نہ ہوئی، چوں کہ بظاہر اس کے جسم میں جان نہیں تھی، دنیا ظاہر پر نظر رکھتی ہے مگر اللہ کے خاص بندے ظاہر وباطن پر یکساں نظر رکھتے ہیں، وہ حقیقت سے آشنا ہوتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ یہ قضائے حقیقی نہیں بل کہ قضائے معلق ہے، بقول عارفِ رومی: ع: لوحِ محفوظ است

پیشِ اولیا۔حضور مفتیِ اعظم کے مکرر ارشاد فرمانے پر ایک خادم آگے بڑھا اور اس نے بچے کو حضرت کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے خدمت میں حاضر کردیا۔ وہ بچہ جو بظاہر دم توڑتا ہوا نظر آرہا تھا، زندگی کی آخری سسکیاں لے رہا تھا، جو اپنی عمر کی سانس پوری کر کے دنیا کو خیر باد کہنا چاہتا تھا حضرت کے ہاتھوں میں ہے۔لوگوں کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی ہیں، ایسے پُر پیچ ماحول میں، ایسے غم زدہ وقت میں ایک مقدس ذات مفتیِ اعظم کی تھی، جن کے چہرے پر ملکوتی حسن تھا، جن کے لبوں پر خاموش مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔آپ نے اس بچے کے سینے اور پیٹ کے درمیان اپنا دستِ شفا پھیرا، پھر کیا تھا کہ اچانک وہ مسکرا پڑا، چہرے پر طمانیت اور آنکھوں میں زندگی کی مسکراہٹ رقص کرنے لگی، جیسے اس کے زخموں کو مرہم دے دیا گیا ہو، جیسے نکلی ہوئی روح دوبارہ واپس آگئی ہو، جیسے مرجھائے ہوئے درخت پر ہریالی دوڑ گئی ہو۔ چند ہی لمحوں میں اضطراب کی ساری تلخی سکون کی مٹھاس میں بدل گئی۔ وہ بچہ جو ابھی ابھی زندگی کی آخری سانس لے رہا تھا، دنیا نے اپنے ماتھے کی آنکھوں سے یہ منظر ملاحظہ کیا کہ حضور مفتیِ اعظم کے دستِ شفقت ومحبت سے مس ہوتے ہی وہ بچہ اچھل پڑا اور فوراً اپنے گھر کی طرف دوڑا۔لوگ اسے بلاتے رہ گئے اور بچہ یہ پیغام دیتا ہوا گھر چلا گیا کہ ؎

بدل دیتے ہیں تقدیریں محمد کے غلام اکثر مدینے کے گدا ہوتے ہیں دنیا کے امام اکثر

جب لوگوں نے حضرت کی یہ زبردست کرامت اپنی نظروں سے دیکھی تو یکے بعد دیگرے سبھی لوگ حضرت کے حلقہ بگوش ہوتے گئے۔

(ایضاً ص: ۲۵۳، بحوالہ مقالاتِ نعیمی)

(۳) ایک ہی وقت میں مختلف جگہ جلوہ فرما:

تاجدارِ اہلِ سنت، حضور مفتیِ اعظم چوں کہ نائبِ غوثِ اعظم ہیں اس لیے قدرت نے اس قدرت نما غوث کے صدقے آپ کو اس صفت کا مظہر بنادیا کہ آپ بیک وقت کئی جگہ موجود ہوں۔چنان چہ شارحِ بخاری حضرت مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں:

”ایک سال بریلی شریف کے ایک حاجی صاحب حج سے واپس آئے تو لوگوں سے دریافت کیا کہ حضرت مفتیِ اعظم کب حج کے لیے گئے تھے اور واپس ہوئے یا نہیں؟ لوگوں نے انھیں بتایا کہ حضرت مفتی اعظم امسال حج کے لیے نہیں گئے تھے، انھوں نے عیدگاہ میں عید الاضحیٰ کی نماز پڑھائی ہے، ہم نے خود پڑھی۔سب حاضرین نے متفق اللفظ ہو کر یہی بتایا۔انھوں نے حیرت سے کہا: آپ لوگ کیسی باتیں کررہے ہیں، میں نے ان کو طواف کرتے دیکھا ہے۔مسجدِ حرام میں، منیٰ میں، عرفات میں ان سے ملاقات کی ہے۔مدینہ منورہ مسجدِ نبوی میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، مواجہۂ اقدس میں سلام عرض کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ یہ سن کر سارے حاضرین دم بخود رہ گئے۔ لیکن سب نے پھر یہی کہا کہ تمھیں دھوکا ہوا ہوگا، حضرت تو امسال دولت کدہ ہی پر رہے ہیں، حج کے لیے نہیں گئے تھے، مگر پھر انھوں نے بتاکید کہا کہ دھوکا کیسا؟ میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ میں نے ان سے وہاں ملاقات کی ہے، ان کی دست بوسی کی، بات چیت کی اور بلا کسی شبہہ کے مسجدِ نبوی اور مواجہۂ اقدس میں دیکھا ہے۔اس کا عام چرچا ہوا، سب نے ان حاجی صاحب کو یہی بتایا کہ تم جو کہتے ہو سچ ہے مگر حضرت امسال حج کے لیے نہیں گئے تھے۔حاجی صاحب نے خود یہ واقعہ مجھ سے بیان کیا، اور بھی بہت سے لوگوں سے بیان کیا۔ یہ حاجی صاحب جب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

حضرت نے انھیں بہت پیار سے دیکھا، جاں نواز انداز میں مسکرائے اور حسبِ عادت ان کے قدم اور آنکھوں کو بوسے دیے۔ حاجی صاحب دم بخود بیٹھے ٹکٹکی باندھے حضرت کو دیکھتے رہے۔ کچھ دیر کے بعد حضرت ان سے مخاطب ہوئے اور حرمین طیبین کے حالات پوچھتے رہے، اور ایک بار بڑے محبت آمیز لہجے میں فرمایا: حاجی صاحب! ہر بات بیان کرنے کی نہیں ہوتی، اس کا خیال رکھیے گا۔ اسی سے متاثر ہوکر یہ حاجی صاحب مرید ہوئے۔'' (انوارِ مفتیِ اعظم، ص:۲۷۱-۲۷۲، رضا اکیڈمی)

(۴) دل کے خطرات سے آشنائی :

حضرت مولانا قاری غلام محی الدین خاں صاحب خطیب ہلدوانی حضور مفتیِ اعظم قدس سرہ کے کشف وکرامت کا اظہار کرتے ہوئے اپنا ایک واقعہ اس طرح بیان فرماتے ہیں: ایک مرتبہ (میں) ہلدوانی سے بریلی شریف حاضر ہوا اور دل میں سوچا کہ خاندان شیریہ کا میں ایک فرد ہوں، جدامجد حضور شاہ جی محمد شیر خاں صاحب قطب پیلی بھیت علیہ الرحمہ کے سلسلۂ شیریہ مجددیہ نقش بندیہ کی خلافتیں مجھے حاصل ہیں امام احمد رضا قادری کی بارگاہ سے میں نے علمِ دینِ متین حاصل کیا، کاش یہاں کی خلافت بھی مجھے حاصل ہوتی۔ جب حضور مفتیِ اعظم کی خدمتِ بابرکت میں حاضر ہوا تو حضرت نے برجستہ فرمایا: قاری صاحب! آپ کیا سوچ رہے ہیں، آپ کو سب کچھ حاصل ہے، فقیر بھی آپ کو سلسلۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ نوریہ کی اجازت وخلافت پیش کرتا ہے۔ حضرت کے اس کشف سے میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ پھر تحریری خلافت نامہ بھی حضرت مفتیِ اعظم نے مجھے عطا فرمایا (سالنامہ تجلیات رضا، اپریل ۲۰۰۵ء، ص:۱۰۸)

(۵) مفتیِ اعظم کا کشف :

مفتی عابد حسین مصباحی، نوری اپنی کتاب ''مفتیِ اعظم کی استقامت وکرامت'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ محب محترم مولانا قاری فضلِ حق صاحب مصباحی نے آج سے چند ماہ قبل راقم سے بتایا کہ میری شروع سے عادت ہے کہ کسی بزرگ کو تسلیم کرنے میں جلدی نہیں کرتا۔ حضور مفتیِ اعظم کے بارے میں بھی میرا یہ وہم تھا کہ شاید وہ بڑے باپ کے بیٹے ہیں اس لیے لوگ ان کی اتنی قدروعزت کرتے ہیں لیکن اس وقت ان کی ولایت وبزرگی کا سکہ میرے دل میں بیٹھ گیا جب ان کی خدمت کرنے کا موقع نصیب ہوا۔

اشرفیہ مبارک پور میں میرا طالب علمی کا زمانہ تھا، حضور مفتیِ اعظم کچھوچھہ مقدسہ تشریف لے گئے، میں بھی پہنچا۔ اژدحام کثیر تھا، تل رکھنے کی جگہ نہیں تھی۔ بھیڑ چھٹنے کے بعد اس کمرے میں داخل ہوا جس میں آپ آرام فرما تھے۔ چند طالب علم اور بھی تھے جو آپ کی خدمت میں مشغول تھے۔ میں بھی خدمت کرنے لگا۔ کچھ دیر کے بعد میرے دل میں یہ خطرہ گزرا کہ ان لوگوں کے سبب میں بھی شرما حضوری میں خوب پھنسا، نیند ستا رہی ہے، اجازت ملتی تو جاکر سوجاتا۔ (کہتے ہیں) یہ خیال آنا تھا کہ حضور مفتیِ اعظم نے فرمایا: مولوی صاحب! بس کیجیے، جاکر سوجایئے، آپ کو نیند آرہی ہے۔ اتنا سننا تھا کہ میں سہم گیا کہ بیکار دل میں یہ وہم لایا، کاش میں ایسا نہ سوچتا اور حال یہ ہوا کہ کاٹو تو خون نہیں۔ ناچار پھر خدمت کرنے لگا۔ حضرت نے دوبارہ وہی جملہ فرمایا۔

اس کے بعد تو میرے دل میں حضرت کی محبت وعقیدت اور راسخ ہوگئی حتی کہ ایک مرتبہ ایک جلسے کی دعوت دے کر یہاں جمشید پور بذریعہ کار لایا اور دستِ حق پرست پر بیعت ہوگیا۔ دل نے فیصلہ کیا کہ اصحاب عقل وخرد کا یہ ہنگامۂ شوق اور عقیدت ومحبت کا طوفان یوں ہی

نہیں ہے بل کہ جس کی طرف قلوب انسانی جھکتے چلے جارہے ہیں وہ اپنے اندر بہت کمال رکھتا ہے اور کشف کا تاجدار ہے ؎

دل کو تھاما ان کا دامن تھام کے میرے دونوں ہاتھ نکلے کام کے

(مفتیِ اعظم کی استقامت وکرامت، ص:۱۷۴)

(۶) کشف کی دوسری مثال :

حضرت علامہ قاضی عبدالرحیم صاحب مفتی مرکزی دارالافتا بریلی شریف آپ کی ولایت وروشن ضمیری کے سلسلے میں آپ بیتی واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں:

''ناگ پور کے ایک سفر میں خدمت کفش برداری کا شرف حاصل ہوا۔ پروگرام کی کثرت اور خدمتِ دین میں انہماک کے سبب بہت کم وقت ملتا تھا۔ اس سبب میں اپنے معمولات کو روزانہ پورا نہ کر پاتا تھا اور معمولات میں ناغہ ہو جاتا تھا جس کے سبب طبیعت کو تکدر رہتا تھا۔ غالباً تلی گاؤں سے آروی کے لیے بذریعہ کار روانگی ہوئی، جمعہ کی نماز آروی میں پڑھنے کا پروگرام ہوا۔ حضرت قبلہ (مفتیِ اعظم) کے پاس ہی بیٹھا ہوا اپنے دل میں خیال کر رہا تھا کہ حضرت قبلہ کے ہم راہ یہ اچھا سفر ہوا کہ تمام معمولات چھوٹ گئے اور ناغہ ہو گیا۔ فوراً حضرت قبلہ میری جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا: پان دیجیے۔ میں نے پان ڈبیہ سے نکال کر پیش کیا۔ فرمایا: اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے مجھے تو ایک ہی وظیفہ بتایا تھا اور فرمایا تھا: جب کچھ نہ پڑھ سکو تو اس کو پڑھ لیا کرو۔ میں یہی کرتا ہوں۔ میں فوراً سمجھ گیا کہ حضرت قبلہ کو میرے قلب پر اطلاع ہوگئی اور اسی خیال کا جواب ارشاد فرمارہے ہیں۔ اس دن سے میں اور زیادہ باادب ومحتاط رہنے لگا۔ اس واقعہ کے بعد مجھے کلی طور پر اطمینانِ خاطر ہو گیا کیوں کہ میں دعا کو روزانہ پڑھ لیا کرتا تھا۔ (غالباً وہ وظیفہ یہ ہے: **فَسُبۡحَانَ اللّٰهِ حِيۡنَ تُمۡسُوۡنَ وَحِيۡنَ تُصۡبِحُوۡنَ وَلَهُ الۡحَمۡدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَعَشِيًّا وَّحِيۡنَ تُظۡهِرُوۡنَ يُخۡرِجُ الۡحَيَّ مِنَ الۡمَيِّتِ وَ يُخۡرِجُ الۡمَيِّتَ مِنَ الۡحَيِّ وَ يُحۡيِي الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا وَ كَذٰلِكَ تُخۡرَجُوۡنَ۔**''

(ایضاص:۱۷۵)

(۷) کشف کی تیسری مثال:-

بقیۃ السلف، تاجدارِ اہلِ سنت علامہ اختر رضا (ازہری میاں) قبلہ دامت برکاتہم العالیہ ارشاد فرماتے ہیں: آخری عمر میں حضرت کا کشف بہت بڑھ گیا تھا اور میں نے سفر میں بھی اکثر حضرت کے کشف کا مشاہدہ کیا ہے۔ اپنے ہی ساتھ گزرا ہوا ایک کشف کا واقعہ بیان کر رہا ہوں:

دارالعلوم امجدیہ ناگپور کے سنگ بنیاد کے موقع پر چندہ ہو رہا تھا، میں نے اپنا روپیہ اپنے بکس میں رکھ دیا تھا، اب سوچا، اس وقت روپئے ہوتے تو میں بھی اس میں کچھ حصہ لیتا۔ ابھی یہ خیال دل میں آیا ہی تھا کہ حضرت نے اپنی جیب سے دوسو روپئے نکال کر دیے اور فرمایا: یہ اختر میاں کی طرف سے ہے۔ میں فوراً سمجھ گیا کہ حضرت کو بذریعۂ کشف میرا خیال معلوم ہو گیا۔ (ایضاً ص:۱۷۶)

(۸) گردن جھکائی اور غائب کا حال بتادیا :

غالباً ۷۴-۱۳۷۵ھ کے عرسِ رضوی کا موقع تھا۔ایک صاحب بہیڑی سے مفتیِ اعظم قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے ان سے ارشادفرمایا کہ فلاں صاحب نہیں آئے۔ان صاحب نے جواب دیا کہ حضور اس سال وہ کسی الجھن میں مبتلا ہیں، حاضر نہیں ہوسکیں گے معذرت عرض کی ہے۔حضورمفتیِ اعظم نے سکوت اختیار کرلیا، چندمنٹ بعد حضرت نے فرمایا: وہ حضرت بریلی کے بس اڈے پر آگئے ہیں۔اور تھوڑی دیر بعد لوگوں نے دیکھا کہ واقعی وہ حاضر ہوئے اور دست بوسی کی۔ (ایضاً ص:۱۷۶)

(۹) پس مرگ ہاتھوں کی حرکت :

ابوفراز صاحب اپنے ''کتابچہ سفرِ آخرت'' (یعنی حضور مفتیِ اعظم علیہ الرحمۃ الرضوان کے وصال سے تدفین تک کا آنکھوں دیکھا حال) میں بیان فرماتے ہیں کہ: ''مجھے افروز صاحب نے بتایا ہے، جب حضرت کو غسل دیا جارہا تھا، سہواً پردے کی چادر جسمِ مبارک سے ذرا سی ہٹ رہی تھی۔حضرت کے ہاتھوں کو جنبش ہوئی اور انگلیوں سے چادر کا کونا پکڑ لیا تاکہ جسمِ اطہر کی سترنمائی نہ ہو۔اس کے مشاہدین کافی تعداد میں ابھی موجود ہیں۔ (سفرِ آخرت،ص:۲۴)

تاجدارِ اہلِ سنت کی روحانیت :

تاجدارِ اہلِ سنت حضور مفتیِ اعظم قدس سرہٗ کو وفورِ علم وحسنِ عمل کے ساتھ ساتھ چہرے کی وجاہت ودلکشی اور رعنائی قدرت کی طرف سے ایسی ملی تھی جس کی زیارت کے بعد خدا یاد آجاتا تھا۔قلوب کھنچے جاتے تھے، اصحابِ دل دیکھنے کو ٹوٹ پڑتے تھے، زبان پکار اٹھتی تھی: یہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہوسکتا۔یہ وہ خوبیاں ہیں جو بجائے خود کرامت اور خاصانِ خدا کا خاصہ ہیں اور جو روحانیت وبزرگی کے حصول کے بعد ہی جلوہ ریز ہوتی ہیں۔آپ کی روحانیت ودلکشی کا ذکرِ جمیل کرتے ہوئے بحرالعلوم مفتی عبدالمنان صاحب قبلہ اعظمی اپنے مقالہ ''مفتیِ اعظم کا تقویٰ اور متشرع زندگی'' میں رقم طراز ہیں:

> ''میں یہاں کسی جوان العمر شخصیت کی دل کشی کا ذکر نہیں کررہا ہوں۔میں تو ایک ایسی شخصیت کا ذکر کر رہا ہوں جس میں یہ دل آویزی، یہ جمال اور یہ دلکشی اس کی روحانیت وبزرگی نے پیدا کی تھی......یہ ان کی شخصیت کی دلکشی ہی تھی جس نے مجھے اپنی طرف کھینچ لیا۔زندگی میں انھیں سیکڑوں بار دیکھا اور مختلف حالتوں میں دیکھا۔مگر جب دیکھا، جمال، وقار، حسن اور دلکشی کا مرقع دیکھا۔اور جس حال میں دیکھا ان کی ہرادا دل کو بھاتی رہی......قامت کی دل کشی، ناک ونقشہ اور چہرہ مہرہ کی دلربائی، رنگ وروغن کے حسن، اعضا کی موزونیت، عادات واطوار کی لطافت اور شخصیت کی دل آویزی کے بارے میں اگر کسی جوان العمر انسان کا ذکر کیا جائے تو بات قرینِ قیاس ہے۔لیکن یہاں ایک ایسے شخص کا ذکر ہے جو عمر کی اسّی منزلیں طے کرچکا تھا، سارے بال سفید ہوگئے تھے، قامت کا وہ تناؤ جو جوانی کے ساتھ مخصوص ہے، ختم ہوچکا تھا اور جسم کی کھال کہیں کہیں سے سکڑی معلوم ہوتی تھی۔ان سب کے باوجود حال یہ تھا کہ جس راستے سے گزر جائیں دیکھنے والوں کی بھیڑ لگ جائے، جس محفل میں بیٹھ جائیں لوگ ٹکٹکی

باندھ کر دیکھتے رہ جائیں، جس سے مصافحہ کرلیں وہ اپنی سعادت تصور کرے۔''

ایک دفعہ کلکتہ سے واپسی میں ہوڑہ اسٹیشن پر حضرت کا ساتھ ہوگیا۔ کچھ لوگ پہنچانے کے لیے بھی آئے تھے۔ گاڑی میں ابھی دیر تھی اور بنچیں ساری بھر گئی تھیں، اس لیے زمین پر ہی حضرت کے لیے فرش بچھا دیا گیا، پھر کیا تھا، سیکڑوں مسلموں اور غیر مسلموں نے حضرت کو گھیر لیا نہ کبھی کی دید نہ شنید، نہ تعارف، مگر ہر انجان، جاننے کی کوشش کر رہا ہے کہ کون بزرگ ہیں؟ کہاں کے رہنے والے ہیں؟ کہاں آئے ہیں اور کہاں جائیں گے؟ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

صداقت ہو تو دل سینوں سے کھنچنے لگتے ہیں واعظ حقیقت خود کو منوا لیتی ہے مانی نہیں جاتی۔

(تجلیاتِ رضا، تاجدارِ اہلِ سنت، ملخصاً)

صورت دیکھ کر غیر مسلم کا اسلام قبول کرنا:

ایک مرتبہ آپ ناگ پور جلسہ میں شرکت کے لیے تشریف لے گئے۔ آپ کا شہرہ سن کر دور دور سے لوگ آپ کی زیارت کو آئے، بعض غیر مسلم بھی پہنچے۔ جلسہ اپنے وقت پر شروع ہوا اور حضور مفتیِ اعظم جلسہ گاہ میں آکر بیٹھ گئے۔ معلوم نہیں ایک غیر مسلم کو مفتیِ اعظم کے اندر کون سی چیز نظر آئی، آپ کے جمالِ جہاں آرا، چہرۂ پُرانوار پر نظر پڑی اور پڑی کی پڑی رہ گئی، دل کی دنیا بدل گئی۔ اب تو ایک خدا رسیدہ کی صورت دیکھ کر اسلام کی طرف اس کا دل کھنچا جا رہا تھا۔ ولیِ کامل کے چہرہ کی دل کشی اور روحانیت کے پرتوِ جمیل میں ایسا کھویا کہ محو ہو کر رہ گیا۔ دل نے بے ساختگی میں کہا: یہ چہرہ کسی جھوٹے کا نہیں ہوسکتا، اور زبان نے قابو پایا تو صرف اتنا نکل سکا: ''بھائی یہ چہرہ بڑا خوبصورت لگتا ہے۔'' اور جیسے ہی جلسہ ختم ہوا، آپ کے قدموں میں گرا اور کلمہ پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہوگیا۔ حضرت نے خود اس خوش بخت کا نام غلام محی الدین رکھ دیا ؎

تیری صورت دیکھ کر مجھ کو خدا یاد آ گیا اس سے ظاہر ہے تری شانِ ولایت السلام

(مفتیِ اعظم کی استقامت وکرامت، ص:۱۶۷)

جدارِ اہلِ سنت حضور مفتیِ اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کی جانب لوگوں کا میلان، دلوں کی کشش، اور دنیائے سنیت کا ان پر پروانہ وار نثار ہونا عنداللہ وعندالرسول (جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے محبوب ومقرب ہونے کی روشن دلیل ہے۔ رب تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا۔ (سورہ مریم، آیت:۹۶)

اس آیتِ کریمہ کے تحت صدر الافاضل حضرت مولانا نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ تفسیر ''خزائن العرفان'' میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''بخاری ومسلم کی حدیث ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو محبوب کرتا ہے تو جبرئیل سے فرماتا ہے کہ فلاں میرا محبوب ہے، جبرئیل (علیہ السلام) اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر حضرت جبریل آسمانوں میں ندا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں کو محبوب رکھتا ہے، سب اس کو محبوب رکھیں تو آسمان والے اس کو محبوب رکھتے ہیں۔ پھر زمین میں اس کی مقبولیت عام کر دی جاتی ہے۔''

بلاشبہ یہ رفعت وعظمت اور مقبولیت وروحانیت فضلِ ربانی اور انعامِ خداوندی ہے جو بعض ہی حضرات کو میسر ہوتا ہے ؎

یہ رتبۂ بلند ملا، جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار ورسن کہاں

ذلک فضل اللہ یو تیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم

★★★★★

چھٹا باب

یہ باب دراصل مفتی اعظم کی زندگی کا سب سے نمایاں اور تابناک گوشہ ہے ، اور یہ عین فطرت کے مطابق ہے کیوں کہ آپ کے والدگرامی امام اہل سنت بھی اس وصف خاص کے لیے مشہور زمانہ رہے ۔ اسی طرح ان کے والدگرامی علامہ نقی علی خاں بھی علماے دہر میں فن فتوی نویسی میں طاق رہے اور پھر ان کے والدگرامی حضرت رضا علی خاں بھی فقہ و فتاوی میں ضرب المثل رہے ، گویا کسی خاندانی طبیب حاذق کی طرح فقہ و فتاوی بھی آپ کے یہاں خاندانی اور موروثی چلا آرہا ہے ، فقہ ، یا فقاہت کے تفصیلی مباحث اس باب کے اندرونی مقالات میں ملاحظہ کیجیے ۔ اس ابتدائیہ میں تو صرف یہ ذہن میں رہے کہ تفقہ فی الدین رب قدیر کا عظیم ترین اور شاہ کار عطیہ ہے ، رب قدیر جن بندوں کو اپنے بندوں کی راہ نمائی کے لیے منتخب فرماتا ہے ، ان کو یہ جوہر و دیعت فرماتا ہے ، اب نبوت و رسالت کا دروازہ بند ہوچکا ہے ۔ ساری شرائع منسوخ ہوچکی ہیں ۔ اب صرف ”سکۂ محمدی“ کا چلن ہے ، یہ سکہ عرصہ قیامت تک بُھنتا رہے گا ۔ مگر خدشہ یہ تھا کہ کہیں بہروپئے کھوٹے سکے بھی ان کھرے سکوں میں نہ ملا دیں اس لیے سکہ تو وہی رہا مگر اسے پرکھنے کے لیے کسوٹی کی ضرورت تھی ، قدرت نے فقہ کو اس کی کسوٹی قرار دیا ، اور فقہا کو اس کا جوہری ، جب جب چور اچکے چور دروازوں سے دین محمد میں نقب لگانے کی سعی مذموم کرتے ہیں وقت کا فقیہ قلم لے کر اٹھتا ہے اور قزاقوں کے چہروں سے عیاریوں کا نقاب نوچ کر ، حق کو واشگاف کر دیتا ہے ۔ مفتی اعظم کو اللہ تعالیٰ نے جوہر فقاہت سے مالا مال فرمایا تھا ، ایک فقیہ کے لیے جن علوم کی ضرورت ہے آپ پوری طرح اس سے مسلح تھے ، انتہائی نازک ترین وقت میں آپ نے جو جرأت مندانہ اور دانش مندانہ فیصلے لیے ہیں ، آنے والے وقت نے اس کی صحت پر مہر تصدیق ضرورت ثبت کی ۔ ایک زندہ نظر فقیہ صرف آج ہی کو دیکھ کر فیصلے نہیں سناتا بل کہ اس کی نظر نوشتۂ دیوار پر بھی ہوتی ہے ، جو فتنے لفظوں کے جھروکوں سے سو سال بعد بھی ابل کر تباہی پھیلا سکتے ہیں ، فقیہ اسلام اس پر روز اول ہی قدغن لگا دیتا ہے ،

اگلے مقالات میں مفتی اعظم کی فقاہت کے جو تذکرے اور تبصرے آپ کے حوالے کیے جارہے ہیں، اس میں جابہ جا یہ باتیں نظر آئیں گی، مفتی اعظم کی فقاہت اپنے دور میں مسلم الثبوت تھی، شرعی اور فقہی اصول کی روشنی میں کسی بھی فقیہ یا مفتی کی راے سے اختلاف کیا جاسکتا ہے، تاہم مفتی اعظم کا پایہ فقاہت اتنا بلند تھا کہ اس میں نقص یا خطا کا امکان دور دور تک نظر نہ آتا تھا اسی لیے آپ کے تمام معاصر فقہا نے آپ کے فقہی فیصلوں اور فتاوی کو احترام کی نظر سے دیکھا۔ فقیہ اسلام ماضی کی جزئیات سے آنے نسلوں کی زندگی کا سامان تلاش کرتا ہے، وہ اندھیروں میں روشنی کا مینار ہوتا ہے، مایوسیوں میں امید کی کرن ہوتا ہے، مفتی اعظم کی ذات اپنے دور میں اجالوں کا ایک شہر تھی، جس سے زمانہ نے اقتباس کیا، اس باب میں صدر العلما علامہ محمد احمد مصباحی، مفتی مطیع الرحمن مضطر پورنوی، علامہ شمس الہدی مصباحی، اور مفتی صدر الوریٰ قادری جیسے اہل نظر کے مقالے کافی اہمیت کے حامل ہیں ان کے مطالعے سے قارئین کو ایک نئی روشنی حاصل ہوگی۔

مقبول احمد سالک مصباحی

مفتی اعظم کے ایک فتوے کا تقابلی مطالعہ

صدر العلما علامہ محمد احمد مصباحی اعظمی

صدر مجلس شرعی وصدر المدرسین الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

کسی شخصیت کے علمی فضل وکمال سے آشنائی کے لیے دو ہی طریقے زیادہ کارگر اور معتبر ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ خود اس کی علمی گفتگو سنی جائے اور مختلف موضوعات پر اس سے کلام کرکے اس کی وسعت نظر، استحضار اور علمی گہرائی کا اندازہ کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ اگر اس کے رشحاتِ قلم ہوں اور متعدد موضوعات پر اس کے مضامین وکتب دست یاب ہوں تو انھیں پڑھ کر اس کے علمی منصب ومقام کا تعین کیا جائے۔ ماضی کی شخصیات کے بارے میں یہی دوسرا طریقہ زیادہ استعمال ہوتا ہے، اور باوثوق سمجھا جاتا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ زبانی فضل وکمال کا جو اجمالی تعارف وتذکرہ ہوتا ہے اس سے کسی محقق کی پوری تسکین نہیں ہوتی۔ خصوصاً اگر بیان کرنے والے افراد کا علم وکمال اور ثقاہت وتقویٰ اس کے نزدیک زیادہ قوی نہ ہو تو اس کے لیے اعتماد اور مشکل ہو جاتا ہے۔

ہم نے مفتی اعظم کی علمی مجلسیں تو بالکل نہ پائیں یا بہت ہی کم پائیں۔ اس لیے ہمارے لیے ان کی تصانیف اور ان کے رشحاتِ قلم ہی مشعل راہ کا کام کرسکتے ہیں، اور بحمدہٖ تعالیٰ جب ہم ان کا مطالعہ کرتے ہیں تو نہ صرف فقہ وفتویٰ بل کہ تفسیر وحدیث، عقائد وکلام، عربیت و بلاغت، حسنِ انشا وکمال تفہیم، حالات زمانہ سے آشنائی اور حکمت وتدبیر جیسے بہت سے محاسن مفتی اعظم کی ذات میں یک جا نظر آتے ہیں۔ اس اجمال کی تفصیل یا اس دعوے کی تصدیق کے لیے میں کچھ شواہد پیش کررہا ہوں، تاکہ عام قارئین بھی مفتی اعظم کی جلالت شان سے کسی قدر روشناس ہوسکیں۔

فتوے کا کام کوئی نئی چیز نہیں، مفتی اعظم کے زمانے میں اور اس عصر سے پہلے اور بعد میں بھی یہ کام برابر ہوتا رہا ہے اور آج بھی

جاری ہے مگر جب فتاویٰ کا تقابلی مطالعہ کیا جائے اور ہر مفتی کے خاص کمال کو گہری نظر سے دیکھنے کی کوشش کریں تو ہر ایک کا جوہر نمایاں ہوتا ہے اور جوان میں ممتاز ہے اس کی امتیازی حیثیت عیاں ہوتی ہے۔

حسنِ اتفاق سے مجھے ایک سوال ایسا ملا جس کا جواب مفتی اعظم کے ساتھ ان کے معاصر متعدد اربابِ فتویٰ نے رقم کیا ہے۔ان جوابات میں جو فرق میں نے محسوس کیا وہ بیان کرنے میں اگر کامیاب ہوگیا تو کسی حد تک مفتی اعظم کے افتا کا کمال واضح ہو سکے گا۔

قصہ یہ ہے کہ تحریک خلافت کے دوران مسٹر ظفر بی اے کی ایک نظم بعنوان ''نالۂ خلافت'' کئی بار شائع ہوئی۔ پھر ۷ رجون ۱۹۲۵ء کے اخبار ''زمیں دار'' میں وہی نظم ''فیصلۂ کفر واسلام'' کے عنوان سے دوبارہ چھپی۔اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کے خلیفہ وشاگرد مولانا سید احمد ابوالبرکات قادری رضوی قدس سرہٗ (۱۳۱۲ھ - ۱۳۹۸ھ) نے اس نظم کے تین اشعار سے متعلق مفتیانِ کرام سے استفتا کیا۔اوران کے جوابات شائع کیے۔(بعض حضرات سے سوالات میں اس سے قبل کے بھی دو شعر ارسال کیے گئے تھے)اشعار یہ ہیں ؎

یہ سچ ہے کہ اس پہ خدا کا چلا نہیں قابو مگر ہم اس بت کافر کو رام کرلیں گے
بجائے کعبہ خدا آج کل ہے لندن میں وہیں پہونچ کے ہم اس سے کلام کرلیں گے
جو مولوی نہ ملے گا تو مالوی ہی سہی خدا خدا نہ سہی رام رام کرلیں گے

ذوق ایمانی رکھنے والا ہر شخص ان اشعار کو سن کر ہی متنفر و بیزار ہو جائے گا۔اور پکار اٹھے گا کہ یہ کسی ایمانی فکر و ذہن کی پیداوار نہیں ہے۔اور شاعر حریم اسلام سے قدم باہر نکال چکا ہے۔مگر جب ایک مفتی سے اس کے متعلق سوال ہوگا تو وہ محض اپنے ذوق کے حوالہ سے جواب نہیں دے سکتا، بل کہ عقل واستدلال کی کسوٹی پر پرکھ کر اور شرعی اصول پر ہر شعر کو جانچ کر واشگاف انداز میں دلائل و وجوہ کے ساتھ واضح کر کے اسے جواب دینا پڑے گا۔اب آیئے دیکھیں کہ مفتیان کرام نے کیا جوابات تحریر فرمائے۔

(۱) مفتی مدرسہ ارشاد العلوم رام پور، مولانا ارشاد حسین مجددی نے ان تین اشعار اور ان سے قبل کے دو اشعار دیکھ کر جو حکم تحریر فرمایا ہے وہ ان کے الفاظ میں یہ ہے:

''صورتِ مسئولہ میں تیسرے شعر کا پہلا مصرعہ، اور چوتھا شعر، اور پانچویں شعر کا آخری مصرع لزوم کفر میں صریح ہے۔اس وجہ سے کہ تیسرے شعر کے پہلے مصرعہ میں قائل خدائے تعالیٰ کے عاجز ہونے کی تصریح کرتا ہے۔**وھل ھذا الا کفر صریح**

اور چوتھے شعر کو بالفرض اگر تعریض پر محمول کیا جائے تب بھی ایسی تعریضیں کہ جن سے حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی شان کی تنقیص مترشح ہو، اور اس کی تنزیہ وتقدیس کے خلاف ہوں قطعاً کفر ہیں۔خدا خدا نہ ہوا بل کہ ان یا وہ گو۔**اَلشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ** (سورۂ شعراء ۲۶ / ۲۲۴) کے تعریضات اور تمسخر کا آلہ ہوگیا کہ کبھی کسی اکفر سے خدا کو تعبیر کر دیا، اور کبھی مشرک سے،**كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ**۔(سورۂ کہف ۱۸ / ۵) کجا حق سبحانہ وتعالیٰ، وحدہٗ لاشریک لہ، معبود برحق اور کجا رام وچھمن کہ جو دو شخص اہل ہنود کے معبود باطل، جن کو وہ نعوذ باللہ خدا مانتے اور جانتے ہیں۔

مؤخر الذکر تین شعروں کے بعض الفاظ صریح کفر ہیں۔اور شرعاً حکم کفر اس پہ ہوتا ہے جس پر صراحۃً قائل کا لفظ دلالت کرے اگرچہ قائل نے قصد کفر نہ کیا ہو۔''

مذکورہ اشعار کے حکم میں کل اتنی ہی بات ہے جو اس فتویٰ میں لکھی گئی ہے۔اور قائل پر حکم کی صراحت قید تحریر میں نہ آئی۔ ہاں ابتدائی تمہید اور بعد کی عبارتیں ایک ساتھ ملانے کے بعد یہی متعین ہوتا ہے کہ صاحب فتویٰ کے نزدیک ان اشعار کے قائل کی تکفیر ہی ہوگی۔ وجہ کفر میں صرف ایک بات واضح طور پر بیان کی گئی کہ پہلے مصرعہ میں قائل نے خدا کے عاجز ہونے کی تصریح کی ہے۔اس کے باوجود یہ فرمایا ہے کہ ''لزوم کفر'' میں صریح ہے۔اور بطور ابہام یہ لکھا ہے کہ تین شعروں کے بعض الفاظ صریح کفر ہیں۔ جب کہ ان الفاظ کی صراحت اور وجہ کفر کی وضاحت کے لیے قاری کی جستجو اور دریافت کو سخت تشنگی محسوس ہوتی ہے۔

(۲) دوسرا فتویٰ پاکستان کے مشہور عالم مولانا عبدالکریم درس مفتی کراچی کا ملاحظہ ہو۔ان کے پاس مذکورہ تین اشعار اور اس سے قبل کے دو اشعار ارسال ہوئے تھے۔وہ تحریر فرماتے ہیں۔

''نیچے کے تینوں شعر متوازی بکفر ومحتوی ارتداد ہیں۔ان تینوں شعروں میں کوئی لفظ ایسا نہیں جس کا حقیقی معنی مہجور یا متعذر یعنی ایسا متروک الاستعمال ہو جس میں تاویل کی گنجائش ہو۔ تیسرے شعر کے جملہ ''یہ سچ ہے'' سے شائبہ تک بھی دور ہو گیا۔اور نعوذ باللہ من سوء ذاک الاعتقاد، خالق کا اپنی مخلوق پر قابو نہ چلنے کی تحقیق اور تاکید ہوگئی اور آیہ کریمہ **وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ** (سورۂ ہود ۱۱/ ۴) سے صاف صاف انکار ہو چکا۔ **وهذا کفر صریح۔**

اور دوسرے مصرعہ میں ذاتِ خداوندی پر اپنی ندّیت ثابت کی ہے۔خاک بدہنِ قائلش ۔

چوتھے شعر کے پہلے مصرع سے اس موجود حقیقی کا کعبہ سے خلو، اور لندن کو اس لامکان ذات کا مکان اور مقام قرار دینا کفر نہیں تو اور کیا ہے؟

اور دوسرا مصرعہ پہلے مصرع کا مؤید، یعنی ''وہیں پہنچ کر ہم اس سے کلام کرلیں گے۔'' اور ''کلام کرلیں گے'' سے کلیم اللہ بننا سب سفسطہ اور الحاد ہے۔

پانچویں شعر میں آیہ کریم **وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ** (سورۂ فاطر ۳۵/ ۱۹) کا انکار ہے۔ مولوی اور مالوی یعنی مومن اور کافر عارف اور اجنبی یعنی غیر عارف، دونوں مسٹر ظفر کے سامنے برابر ہیں۔ مالوی- مولوی تو مولوی ایک فاسق مسلم کے برابر بھی نہیں ہوسکتا۔ان شعروں کا قائل کافر اور مرتد ہے۔ **اِلَّا اَنْ يَرْجِعَ وَيَتُوْبَ**''

اس فتویٰ میں وجوہ کفر کو وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) یہ کہنا کہ مخلوق پر خالق کا قابو نہ چلا (۲) اپنے کو ذاتِ الٰہی کا مساوی و مقابل ٹھہرانا (۳) ذات لامکان کے لیے مکان قرار دینا (۴) کلیم اللہ بننے کا دعویٰ اور خیال (۵) مومن اور غیر مومن کو یکساں قرار دینا اور دونوں میں فرق نہ جاننا

ساتھ ہی قائل کا حکم آخر میں واضح کر دیا گیا ہے۔اس لحاظ سے یہ فتویٰ پہلے فتوے سے زیادہ وقیع اور تشفی بخش ہے۔ بیان میں اجمال اور عربی الفاظ کے، کثرت سے استعمال کی شکایت کی جاسکتی ہے۔وہ غالباً اس وجہ سے ہے کہ مستفتی خود ہی زبردست عالم ہیں۔ بہر حال بحیثیت مجموعی پہلے فتوے سے یہ بدرجہا واضح وجامع ہے۔

(۳) تیسرا فتویٰ مولانا محمد ابراہیم قادری مدرس اول دارالعلوم شمس العلوم بدایوں کا ملاحظہ ہو وہ لکھتے ہیں:

''فقہائے کرام علیہم الرحمہ نے فرمایا کہ جو شخص خدائے تعالیٰ کو معاذ اللہ ایسے وصفوں سے متصف کرے کہ اس

کے لائق نہ ہوں، یا خدائے تعالیٰ کو جاہل، عاجز ٹھہرائے، یا اس کے نام کے ساتھ تمسخر کرے اور اختیاراً ایسے قول کہے (وہ تعریضاً نقلاً نہ ہوں) اگر چہ کہنے والا اسے کفر نہ جانے، اور اس کا اعتقاد نہ رکھے۔ وہ شرعاً ایسے قول کی بنا پر کافر ہو جاتا ہے۔''

اس بیان کی مؤید عبارتیں نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''جو شخص نثراً نظماً یہ کہے کہ خدا کا اس بت کافر پر قابو نہ چلا مگر میں اس کو مطیع کرلوں گا یا خدا، خدا کی جگہ رام رام باتباع فلاں کافر کرلوں گا تو یہ کلمات صریحاً کفر کے ہیں۔ جس میں تاویل کی گنجائش نہیں۔ اگر چہ کہنے والا اعتقاد نہ رکھے۔

اس فتویٰ کی تمہید میں چند وجوہ کفر ذکر کرنے کے بعد ان کے قائل کا حکم بیان کیا اور اس کی تائید میں کتب فقہ کی عبارتیں پیش کردیں۔ آخر میں شعر سے متعلق کفر کی دو وجہیں تحریر کیں۔ ایک خدا کو عاجز اور اپنے کو قادر بتانا۔ دوسری خدا کی جگہ بہ اتباع کافر رام رام کرنا، ان سب کو کفریہ کلمات بتایا۔ اور قائلِ خاص کا حال غالباً تمہید فتویٰ کی روشنی میں فہم ناظرین پر چھوڑا۔

بہر حال اس میں دو وجہیں بہت صراحت کے ساتھ بیان کیں۔ اور قائل کا حکم بھی کسی قدر ظاہر کردیا۔ اگر چہ بہ الفاظ خویش صراحت نہ کی۔ اس لحاظ سے یہ فتویٰ پہلے فتوے سے بہتر اور دوسرے فتوے سے کم تر ہے۔

(۴) چوتھا فتویٰ امام احمد رضا قدس سرہٗ کے سچے اور جاں نثار حامی، ہمارے مخدوم گرامی حضرت مولانا سید اولاد رسول محمد میاں قادری برکاتی سجادہ نشین سرکار مارہرہ شریف رحمہ اللہ تعالیٰ ورحمنا بہ کا ہے۔ ان کی ابتدا واشگاف اور واضح وغیر مبہم ہے۔ اور جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس میں کسی شہرت گیر اخبار کے ایڈیٹر کے ادنیٰ سے ادنیٰ پاس ولحاظ سے بہت دور ہو کر دین وایمان اور حقیقت و حقانیت کی پاسداری کا جذبہ بہت عیاں ہے۔ جو اس خاندان والا شان کی ہر دور میں نمایاں روایت رہی ہے اور بفضلہٖ تعالیٰ آج بھی جاری ہے۔ رقم طراز ہیں:

''شعر ۲ یقیناً قطعاً کفر خالص ہے۔ اس میں نہایت صاف واضح الفاظ میں خدا کو عاجز کہا۔ اور عاجز بھی کیسا کہ جس ''بت کافر'' پر بقول اس شاعر کافر کے خود یہ قادر ہے۔ خدا کا اس پر کچھ بس نہیں چلا۔ اور یہ خدا کی طرف عجز کی نسبت، اور وہ بھی ایسی، یقیناً قطعاً اجماعاً کفر خالص ہے۔

اس کے بعد تائیدی عبارتیں نقل کی ہیں۔ پھر فرماتے ہیں:

''یہ شعر اپنے اس معنی کفری میں نہایت واضح وصاف، متعین، نا قابل تاویل وتوجیہ ہے۔ جس میں کسی ایسی تاویل کی جو اسے کفر سے نکال سکے اصلاً گنجائش نہیں۔ نہ ایسے کفر صریح میں ادعائے تاویل مقبول وصحیح۔''

پھر شفاء ونسیم الریاض کی عبارتیں پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''اس شاعر کے خسار وبوار کے لیے اس کا یہی ایک ملعون شعر کیا کم تھا کہ اس نے آگے اور کفر بکا۔ اور شعر ۴ کے پہلے مصرعہ میں مشرک کو اپنا رہبر ورہنما، ہادی وپیشوا بنانے کی اپنی مشرک پرستی کو ایک تعلیق موہوم کی بے معنی آڑ کے ساتھ ظاہر کرنے کے بعد دوسرے مصرعہ میں صاف صاف کہہ دیا کہ ع خدا خدا نہ سہی رام رام کرلیں گے۔

اس مشرک پرستی پر تو ردِّ کامل علمائے اہل سنت کے رسائل میں ہے۔ یہاں کہنا یہ ہے کہ اس دوسرے مصرع میں کلمۂ اسلام خدا خدا کو ایک کلمۂ کفر رام رام سے مساوی ماننا اور اس کلمۂ اسلام کو چھوڑ کر اس کلمۂ ملعونہ، یعنی رام رام کو اختیار کرنا ہے۔ اور یہ دونوں یقیناً کفر ہیں۔

کفر و اسلام کے مساوی جاننے کا کفر ہونا تو بدیہی ہے۔ اور رام کے معنی ہیں ''رما ہوا، سمایا ہوا'' اور خدا کو کسی چیز میں رما ہوا جاننا یقینا کفر ہے۔ (پھر عبارت اعلام ابن حجر و حوالۂ شفا)

اور کفر اس وقت کرے یا آئندہ اس کے کرنے کا ارادہ کرے بہر حال اسی وقت کافر ہوجائے گا۔'' (بعدہ عبارتِ ہندیہ عن الخلاصہ)

اس فتوے میں شاعر کا حکم بھی واضح ہے اور وجوہ کفر بھی تحقیقی طور پر صاف صاف بیان کی گئی ہیں۔ الفاظ بھی سلیس، اکثر عام فہم زوردار اور واضح وغیر مبہم استعمال کیے گئے ہیں۔

غور فرمائیں درج ذیل وجوہ کفر کو کس عمدہ طریقہ پر ثابت فرمایا ہے۔

۱) خدا کی طرف عجز کی نسبت، بل کہ صراحۃً عاجز کہنا، وہ بھی اس حد تک کہ جس پر خود یہ شاعر قادر ہے وہ اس سے عاجز ہے۔

۲) مشرک کو اپنا ہادی و پیشوا بنانا۔ جس کی تفصیل رسائل علمائے اہل سنت کے حوالہ کی۔

۳) کلمۂ اسلام کو کلمۂ کفر کے مساوی ماننا۔

۴) کلمۂ اسلام چھوڑ کر کلمۂ کفر اختیار کرنا۔

۵) خدا کو کسی چیز میں رما ہوا سمجھنا۔

یہ پانچ وجہیں اس فتوے سے عیاں ہیں۔ اور جیسا کہ راقم نے اخذ کیا۔ مولانا عبد الکریم درسؔ علیہ الرحمہ کے فتوے سے بھی پانچ وجہیں دریافت ہوتی ہیں پہلی وجہ تو وہی ہے جو ہر فتوے میں بیان کی گئی ہے۔ باقی چار وجہیں الگ ہیں۔

۲) اپنے کو ذات الٰہی کا مساوی و مقابل ٹھہرانا۔ ۳) ذات لامکاں کے لیے مکان قرار دینا۔

۴) کلیم اللہ بننے کا دعویٰ ۵) مومن و غیر مومن کو یکساں قرار دینا۔

اگرچہ یہ وجہیں مولانا سید اولاد رسول محمد میاں برکاتی علیہ الرحمہ کے طرز تحقیق اور انداز بیان کے ساتھ بہت واضح طور پر نہیں لکھی گئیں۔ مگر ان کے کلام سے یہ وجہیں آسانی سے اخذ کی جا سکتی ہیں۔ تاہم تعداد وجوہ برابر ہے۔ اور فتوائے مارہرہ کی زبان و بیان کا کمال، اظہار حق میں صراحت و جسارت کا جلال، شعر کے فہم و تفہیم کے ساتھ بعض الفاظ کی تحقیق اور وجوہ کفر پر کتبِ علما کی تائید کا حسن و جمال اپنی جگہ عیاں ہے۔

(۵) اب آیئے امام احمد رضا قدس سرہٗ کے فرزند جلیل مفتی اعظم مولانا شاہ مصطفیٰ رضا قدس سرہٗ کے فتوے پر نظر ڈالیں جنھوں نے فتوے کے گھر میں آنکھیں کھولیں۔ فقہ و کلام کی باریکیوں کے حل میں طالب علمی کا زمانہ بسر کیا اور یہ عہد ابھی سر بھی نہ ہوا تھا کہ افتا کا آغاز کر دیا۔ اور والد گرامی کی اجازتِ افتا اور عطا کردہ مہر سے سرفراز ہوئے۔ دراصل اسی فتوے کے لیے سابقہ چار فتوے بھی مکمل پاس ادب کے ساتھ نقل کیے گئے۔ تقابلی مطالعہ کا کام ہی کچھ ایسا پیچیدہ ہے کہ بہت سے قابل قدر اور اپنی اپنی جگہ عظیم و جلیل رشحاتِ قلم پر نگاہ نقد گزارتے ہوئے ہر ایک کے درجہ و مقام کو متعین کرنا فرائض میں داخل ہو جاتا ہے۔ مگر انشاء اللہ المولی الرؤف الکریم ہم کسی حال میں اکابر کے ادب و احترام کا دامن ایک لمحہ کے لیے بھی ہاتھ سے نہ چھوٹنے دیں گے۔ **وَھُوَ الموفق و خیر معین۔**

اس فتوے پر بیس جلیل القدر علما کی تصدیقات بھی ہیں، جن میں درج ذیل ہستیاں خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

(۱) صدر الشریعہ ابو العلا مولانا محمد امجد علی اعظمی (۲) صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین مرادآبادی (۳) شیر بیشۂ اہل سنت مولانا

حشمت علی خاں قادری لکھنوی (۴) مولانا سید غلام قطب الدین سہسوانی سہیلِ ہند (۵) مولانا مفتی محمد غلام جان قادری ہزاروی (۶) مولانا معوان حسین احمدی مجددی (۷) مولانا محمد اسماعیل محمود آبادی (۸) مولانا حسنین رضا قادری بریلوی (۹) مولانا محمد مختار صدیقی میرٹھی (۱۰) مولانا تقدس علی رضوی بریلوی، علیہم الرحمہ

مستفتی کی حیثیت سے نائب ناظم حزب الاحناف لاہور، جناب محمد الدین کلاتھ مرچنٹ کا نام ہے اور صرف تین اشعار مذکورۃ الصدر سے متعلق سوال کیا گیا ہے کہ کفریات کا تعلق انھیں تین سے ہے۔ صورتِ سوال یہ ہے:

''آیا یہ اشعار شرعاً درست ہیں یا خلاف شرع ہیں۔ درصورت ثانی شاعر کا کیا حکم ہے؟ ہمارے دیار کے علمائے کرام فرماتے ہیں کہ ان اشعار کا مفہوم کفر والحاد ہے۔ اور قائل پر تجدید اسلام اور تجدید نکاح لازم اور جس طرح ان اشعار کی اشاعت عام ہوئی اسی طرح توبہ نامہ کی اشاعت بھی واجب ہے۔

بعض شعرا کا خیال ہے کہ ان اشعار کا مفہوم کفر نہیں، پس جناب کی خدمت میں گزارش ہے کہ اشعار ذیل کے مفاہیم پر غور فرما کر جو حکم شرع شریف ہو اسے دلائل فقہیہ سے مزین بہ مواہیر فرما کر پتہ ذیل پر حتی الوسع جلد واپس فرمائیں۔''

خاص ان اشعار سے متعلق جواب سات صفحات پر مشتمل ہے اور درمیان میں علمائے دین کے خلاف عوامی غوغا آرائیوں اور نئی روشنی، نئی تہذیب کے بے جا تجدد پسند اور فرقہ نیچریہ کے اضلال و اغوا اور کید و افترا کا رد ہے۔

چوں کہ فتویٰ بہت تفصیلی ہے اس لیے یہاں اس کی تلخیص اور تقابلی مطالعہ کے طور پر ضروری تحلیل سے کام لیا جا رہا ہے۔

ابتداءً چند مثالوں کے ساتھ واضح کرتے ہوئے یہ رقم فرمایا ہے کہ:

''اے عزیز! یہ کیا پوچھتا ہے کہ یہ اشعار درست ہیں یا خلاف شرع؟ ----- ارے برادر دینی یہ پوچھ کہ کیسے اخبث و اشنع کفریات ہیں، جن میں شائبہ بھی ایمان کا نہیں، اور جو ان کے کفر ہونے اور ان کے قائل و قابل کے کافر ہونے میں شک کرے اس کا کیا حکم ہے؟ بل کہ درحقیقت تو بات پوچھنے کی یہ بھی نہیں کہ ہر مسلمان جانتا ہے کہ یہ قطعاً کفر ہیں، یقینا کفر ہیں۔ فالعیاذ باللہ تعالیٰ

بے شک ان اشعار کا قائل و قابل کافر، اور جو اس کے کفر و مستحق عذاب ہونے میں ادنیٰ شک کرے وہ بھی اسی کا ساتھی۔''

ان الفاظ سے قول اور قائل اور ان کے حامی و موافق سبھی کا حکم پہلی نظر میں ہی واضح ہو جاتا ہے۔ تفصیل اور دلائل کا نمبر اس کے بعد آتا ہے۔ یہ وہ طرز افتا ہے جو امام احمد رضا کے فتاویٰ میں عام طور سے ملتا ہے۔ **والولد سر لابیہ**

ساتھ ہی ان سطور کے تیور سے عیاں ہوتا ہے کہ باری تعالیٰ کی بارگاہ منزہ و مقدس میں جسارت و بے لگامی اور گستاخی و بدکلامی کس قدر شنیع و قبیح ہے۔ جس کے بعد انسان کی ذاتی شان و شوکت اور وجاہت و شہرت شریعت مقدسہ کی عدالت عالیہ اور علمائے ربانیین کی بارگاہ حق پسند میں ذرا بھی پاس و لحاظ کے قابل نہیں رہ جاتی جیسے دنیاوی کچہریوں میں قتلِ ناحق کا یقینی مجرم، یا کسی شاہی حکومت میں پاک و صاف بادشاہ پر غلط بہتان و افترا کرنے والا باغی یا خلاف تہذیب گالیاں دینے والا بے باک، یا ایسے کسی سلطان کا قاتل پوری حکومت میں کسی کے نزدیک قابل رحم و لائق حمایت نہیں قرار پاتا اور ہر شخص اس کے خون سے زمین کا چہرہ رنگین کر دینا سراسر عدل و انصاف تصور کرتا

ہے۔ یہی حال ان افراد کا ہوتا ہے جو خدا کی تنزیہ و تقدیس اور اس کی اطاعت و وفاداری کا قلادہ گردن میں ڈال لینے کے بعد اس پاک و بے عیب ذات بلند کی شان اقدس میں یاوہ گوئی یا اس کے باجبروت قانونِ عام کی کھلی ہوئی خلاف ورزی و بغاوت اور اس کی حکومت میں رہ کر اس سے بے وفائی پر اتر آتے ہیں۔ یقیناً یہ کوئی زیادتی یا ناانصافی نہیں۔

نئی روشنی کے بے جا تجدد پسندوں کو شاتمانِ خدا و رسول کی یہ حیثیت شاید آفتاب کی روشنی میں بھی نظر نہیں آتی، یا دماغوں کی صائب روشنی سے عاری ہو چکے ہیں۔ اس لیے مذکورہ بالا قسم کے دنیاوی فیصلوں کو تو حق و انصاف سمجھتے ہیں مگر اس سے زیادہ برے جرم پر شرعی فیصلوں کو طعن و تشنیع سے یاد کرنا، اپنے ذہن و دماغ کا کمال اور اپنی زبان و قلم کا ہنر سمجھتے ہیں۔ جب کہ یہ سراسر ناانصافی، بددماغی اور بدزبانی ہے، خدا عقل سلیم سے نوازے اور حق کو حق، ناحق کو ناحق دکھائے۔

اب آیئے یہ دیکھا جائے کہ فتوے کی ابتدائی سطور کی تفصیل اور ان کی دلیل میں کیا لکھا گیا ہے؟

ابتدائی سطور چند باتوں پر مشتمل ہیں۔ (۱) قول کا حکم (۲) قائل کا حکم (۳) اس قول کو ماننے والے اور قبول کرنے والے کا حکم (۴) قائل و قابل کے کفر میں شک لانے والے کا حکم۔ اس لیے تفصیل اور دلیل میں بھی ان سب سے بحث ناگزیر ہے۔ دیگر فتاویٰ سے اس فتوی کا ایک امتیازی پہلو یہ بھی ہے کہ یہ صرف قول و قائل ہی نہیں بل کہ ذکر شدہ چاروں امور کا احاطہ کرتا ہے۔ ملاحظہ ہو تحریر فرماتے ہیں:

''شعر اول کے دونوں مصرعے کفر خالص ہیں۔ (۱) پہلے میں صاف تصریح کی کہ اس بت پر خدا کا قابو نہ چلا۔

(الف) یہ اللہ عزوجل کی کھلی توہین اور اس کی قدرت عظیمہ، کاملہ، کریمہ **اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ** کا رد و انکار ہے کہ ایک شی ایسی بھی ہے جس پر خدا کو قدرت نہیں اور اس پر اس کا قابو نہیں اور وہ اس سے عاجز رہا۔

(ب) یہ سرے سے الوہیت کا انکار ہوا کہ جو عاجز ہو خدا ہی نہیں ہو سکتا۔ تو مصرعۂ خبیثہ لعینہ کے قائل نے الوہیت ہی کا حقیقۃً انکار و ابطال کیا۔ تو بے شک وہ، اور جو اسے قبول کرے وہ، ہر مسلمان کے نزدیک کافر ہوا۔ اور جو ایسے کو کافر نہ جانے یا اس کے کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر کہ پہلے نے کفر کو کفر نہ جانا۔ الوہیت ہی کا انکار اگر کفر نہ ہوا تو اور کیا کفر ہوگا۔ ایمان کو ایمان جیسا جاننا ضرور ہے۔ یوں ہی کفر کو کفر جاننا، جو کفر کو کفر نہ جانے گا وہ ایمان کو کیا جانے گا کہ **تعرف الاشیاء باضدادھا** (چیزیں اپنی ضدوں سے پہچانی جاتی ہیں) اندھا روشنی کی قدر کیا جانے گا۔ اور دوسرے نے شک کیا۔ اور کفر کے کفر ہونے کی تصدیق ضروری ہے تو شک اور ایمان جمع نہیں ہو سکتے کہ تصدیق ہی کا نام ایمان ہے اور وہ بہ حالت شک ناممکن۔

(۲) اور دوسرے مصرعہ میں برملا اپنے آپ کو خدا سے زائد قدرت والا بتایا تو اس کا مرتبہ گھٹایا اور اپنا رتبہ اس سے بڑھایا۔ ہر مسلمان جانتا ہے کہ یہ کتنا خبیث تر کفر ملعون ہوا۔

اس دوسرے مصرع میں اپنی الوہیت کا اثبات کیا، پہلے مصرعہ میں خدا کی الوہیت سے اسی لیے انکار کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ مطلب یہ ہوا کہ لوگ جسے خدا کہتے ہیں اور اس کی قدرت بہت عظیم مانتے ہیں اور اسے ہر شی پر قادر جانتے ہیں۔ ہم سچ کہتے ہیں کہ ایک چیز ایسی ہے کہ اس سے وہ عاجز رہا۔ وہ اسے اپنی قدرت سے دباتا رہا۔ مگر اس کا اس پر قابو نہ چلا تو وہ خدا نہ ہوا کہ خدا عاجز نہیں ہوتا۔

اور ہم اس چیز کو بھی رام کر لیں گے، جس پر لوگوں کے خدا کا قابو نہ چل سکا، اور جس سے وہ عاجز رہا، کسی طرح اسے

رام نہ کر سکا۔ تو ہم ہر شی پر قادر ہوئے، تو ہم خدا ہوئے نہ کہ وہ عاجز جسے لوگوں نے خدا بنا لیا۔ والعیاذ باللہ سبحانہ وتعالیٰ۔

کیا کوئی مسلمان اس کے کفر وملعون ہونے میں ادنیٰ شک لائے گا۔ بے شک ہر مسلمان کہے گا لا ریب یہ کفر ہے اور اس کا قائل وقابل کافر۔

(۳) یوں ہی اس کا وہ دوسرا شعر

بجائے کعبہ خدا آج کل ہے لندن میں   وہیں پہنچ کے ہم اس سے کلام کر لیں گے

کفر خالص ہے۔ (ا) مسلمانوں کا دین مقدس اسلام، اللہ کو جسم وجسمانیات سے پاک بتاتا ہے۔

(الف) مکان جسم ہی کے لیے مخصوص ہے تو اللہ تعالیٰ مکان سے پاک ہے وہ مجسم نہیں۔ (ب) مکان مخلوق ہے وہ خالق ہے۔ (ج) مکان حادث ہے وہ قدیم ہے۔ (د) مکان جسم کو محیط ہوتا ہے اور اللہ اس سے پاک ہے کہ کوئی شی اس کا احاطہ کرے وہ اپنے علم وقدرت سے ہر شی کو محیط ہے۔ **وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْط۔**

اور شاعر لندن کو خدا کا مکان بتاتا ہے۔ تو خدا کو مجسم جانتا ہے اور لندن کو اسے محیط مانتا ہے جب تو کہتا ہے کہ خدا آج کل کعبے میں نہیں، لندن میں ہے۔ بے شک وہ اہلِ اسلام کے نزدیک کافر ہے۔ اللہ ورسول کے نزدیک کافر ہے۔

باوجودیکہ مسلمان کعبۂ معظّمہ کو، بل کہ ہر مسجد کو، اس لیے کہ وہ خالصاً اللہ ہی کی ملک ہیں۔ بیت اللہ کہتے ہیں، مگر جو کعبہ معظّمہ کو اللہ کا مکان اور اللہ تبارک وتعالیٰ کو اس کا مکین مانے ان کے نزدیک کافر ہے۔ یوں ہی اللہ عز وجل زمان سے بھی پاک ہے کہ زمانہ بھی حادث ومخلوق ہے۔

(۲) اور یوں بھی کہ اس نے کعبۂ معظّمہ سے لندن کو بڑھایا۔ کعبۂ مقدس کی توہین کی۔ مگر جو ربِّ کعبہ کی ایسی شدید توہین وتنقیص کر چکا ہو ایسے سے اس کی کیا شکایت۔ **مَا عَلٰى مِثْلِهٖ يُعَدُّ الْخَطَا۔** (ایسے کی خطا کی کیا گنتی؟ کیا شمار؟)

(۴) یوں ہی اس کا تیسرا شعر کھلا الحاد وزندقہ ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ (الف) مولوی ومالوی اس کے نزدیک برابر ہیں۔ (ب) خدا اور رام ایک ہیں (ج) کفر واسلام میں کچھ فرق نہیں (د) اس کے نزدیک خدا خدا نہ کیا رام رام کر لیا بات ایک ہی ہے۔ حاصل وہی ہے۔ حالاں کہ ہرگز خدا رام نہیں اور ہرگز رام خدا نہیں۔ (ہ) مشرکین کا مذہب نامہذب ہے کہ خدا ہر چیز میں رما ہوا، سرایت وحلول کیے ہوئے ہے۔ خدا کو اپنے اسی عقیدۂ خبیثہ کی بنا پر رام کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ''رمنے'' اور حلول کرنے سے پاک ہے تو خدا کو رام کہنا کفر ہوا۔ اور خدا خدا کرنا عبادت اور کفر کو عبادت جاننا کفر۔ اور نہ سہی فرض کیجیے کہ وہ رام کے یہ معنی بھی نہ سمجھتا ہو جب بھی ہمارا خدا وہ نہیں، جو ہنود بے بہود کا مذموم خدا ہے جسے مشرکین نے خدا سمجھ لیا ہے۔ (و) اور مشرکین میں اتنا جذب ہو جانے کو تو دیکھو کہ خدا خدا نہ سہی رام رام کر لیں گے کہ مسلمان اور ان کے پیشواوں کو چھوڑنے کے کے ساتھ ساتھ ان کے معبود برحق کا ترک اور مشرکین میں گھلنے کے لیے ان کے معبود باطل کا اختیار ہے اور یہ ترک اور اختیار دونوں کفر ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ کیسا اخبث کلمہ ہے۔

جو مولوی نہ ملے گا تو مالوی ہی سی   خدا خدا نہ سہی رام رام کر لیں گے

کہ مولوی نہ ملے گا تو وہ بدنصیب مولوی کے خدا کو ہی چھوڑ دے گا اور مشرکین کے طاغوت مالوی کو اختیار کرے گا اور مالوی کے خدا کو پوجنے لگے گا۔

اس قائل اور ان شعرا پر جنھوں نے کہا ہے کہ ان اشعار کے مفاہیم کفر نہیں، توبہ وتجدید ایمان فرض، اور ہر فرض سے بڑھ کر فرض ہے۔ نئے سرے سے مسلمان ہوں اور اپنی اپنی بیویوں سے جب کہ وہ راضی ہوں، از سر نو نکاح کریں۔ اور اگر کہیں بیعت ہوں تو تجدید بیعت بھی لازم۔ یوں ہی اگر حج کر چکے ہوں تو پھر حج کرنا بھی ضروری ہے کہ کفر سے اعمال حبط ہو جاتے ہیں۔ تو پہلا حج مثل اور اعمال کے حبط ہو گیا اب دوسرا حج یوں فرض کہ حج کی فرضیت کا وقت عمر ہے۔ لہٰذا اب پھر حج ضروری وواجب، توبہ کریں اور بہانے نہ بنائیں کہ وہ کافر ہو چکے اپنے ایمان کے بعد۔ واللہ الموفق۔ (ملخصاً)

اس فتویٰ میں وجوہ کفر کا جس ژرف نگاہی اور دقت نظر سے جائزہ لیا گیا ہے، وہ ناظرین پر عیاں ہے۔ ساتھ ہی ہر وجہ کی دلیل بھی بیان کر دی گئی ہے۔ اور قائل کا حال بھی منکشف کر دیا گیا ہے۔ وجوہ کفر پر نظر ڈالیں تو درج ذیل امور سامنے آئیں گے۔

(۱) خدا کی قدرت کاملہ کا انکار اور اس کی عاجزی کا اقرار (۲) اس سے دراصل خدا کی الوہیت اور اس کے خدا ہونے ہی کا انکار ہوا (۳) اپنی قدرت کو خدا کی قدرت سے زائد بتانا (۴) یہ دراصل اپنی الوہیت کا اثبات ہوا، اسی لیے پہلے خدا کی الوہیت سے انکار کیا (۵) خدا کے لیے مکان ماننا (۶) مکان جسم کے لیے ہوتا ہے تو خدا کو جسمانی جاننا (۷) یہ ماننا کہ لندن اسے محیط ہے۔ (۸) لندن کو کعبۂ معظمہ سے بڑھانا اور کعبہ کی توہین کرنا (۹) مولوی ومالوی، مومن وغیر مومن میں فرق نہ ماننا (۱۰) خدا اور رام کو ایک سمجھنا (۱۱) کفر واسلام میں فرق نہ جاننا (۱۲) کلمۂ اسلام خدا خدا اور کلمۂ کفر رام رام کو یکساں قرار دینا (۱۳) خدا کے لیے کسی چیز میں سرایت وحلول کے اعتقاد پر مشتمل لفظ اختیار کرنا (۱۴) اہلِ اسلام اور ان کے معبود برحق کا ترک (۱۵) اہل باطل اور ان کے معبود باطل کو اختیار کرنا۔

ان اشعار میں جو قوی، صاف، صریح اور ناقابل تاویل وجہیں التزاماً اور لزوماً موجود تھیں انھیں کو فتوے میں واضح طور پر پیش کر کے ان کے احکام بیان کر دیے گئے ہیں، اور جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کی صداقت وقوت سے انکار کی گنجائش نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ خود فتوے کے الفاظ پیش کر دینے اور ان کی خصوصیات کی جانب اجمالی اشارہ، اور مختصر وضاحت کر دینے کے بعد دیگر فتاویٰ سے اس فتوے کا امتیاز اور مفتی اعظم کی دقتِ نظر، جودتِ قلم، حسن تفہیم، کمال تنقیح، زور بیان، شوکت کلام اور سطوتِ فتویٰ عیاں کرنے کے لیے مزید تبصرے اور بسط و تفصیل کی حاجت باقی نہ رہی۔

اس فتوے کے آخر میں حسبِ طلب سائل نصوص فقہیہ بھی پیش کر دیے گئے ہیں اور ایک حدیث کے ساتھ یہ حکم بھی مرقوم ہے کہ اعلان جرم کی طرح اعلان توبہ بھی ضرور ہے۔ یہ گمان نہ کریں اور اب اس گھمنڈ میں نہ رہیں کہ کلمۂ کفر ایک بار زبان یا قلم سے نکل گیا اس کے بعد ہزار بار کلمہ پڑھا ہے اب تک کیا وہ کفر باقی رہ گیا؟ اس پر مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کی یہ عبارت بھی پیش کی ہے۔

”ان اتی بکلمة الشهادة علی وجه العادة لم ینفعه مالم یرجع عما قاله لانه بالاتیان بکلمة الشهادة لا یرتفع الکفر“ (ج۔ ۲ ص ۳۲۵ کتاب السیر والجهاد، باب المرتد، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

اگر بطور عادت اس نے کلمۂ طیبہ پڑھ لیا تو یہ اس کے لیے فائدہ مند نہیں ہوگا، جب تک کہ توبہ نہ کرے، کیوں کہ بغیر توبہ صرف کلمہ پڑھ لینے سے کفر ختم نہیں ہوتا۔

یہ مبارک فتویٰ انجمن حزب الاحناف لاہور سے پہلی بار ۱۳۴۴ھ میں شائع ہوا۔ دوسری بار رضا دار الاشاعت، رچھا ضلع بریلی

شریف سے ۱۴۱۰ھ میں شائع ہوا۔ سرورق پر ایک عرفی نام ہے ''**سیف الجبار علی کفر زمیندار**'' دوسرا ہجری تاریخ پر مشتمل ''**القسورة علی ادّوار الحمر الکفرة**'' (۱۳۴۳ھ) تیسرا عیسوی تاریخ پر مشتمل ''**ظفر علی رمة من کفر**'' (۱۹۲۵ء)

درمیان رسالہ ان لوگوں کی خبر گیری بھی ہے جو ایسے شخص کو دائرہ اسلام میں شمار کرتے ہیں، جو کلمۂ اسلام کا مدعی ہے خواہ اس کے ساتھ وہ نبوت کا دعویٰ کرے، مدعی نبوت کی حمایت کرے، اسے نبی یا امام و پیشوا مانے، خدا کے لیے کذب ممکن بل کہ واقع مانے۔ علم رسول کو حیوانات و بہائم کے علم سے ناپاک تشبیہ دے۔ کلمہ میں نام رسول کی جگہ اپنے پیر اشرف علی کا نام لے۔ جنت و نار جن و ملائکہ کے وجود اور نماز و روزہ وغیرہ فرائض کا منکر ہو۔ ختم نبوت کے قطعی اجماعی معنی کو نہ مانے۔ دوسرا نبی آنا جائز یا واقع مانے اور ایسے ہی بڑے سے بڑے ایک یا چند کفر کا مرتکب ہو مگر ان کے نزدیک کلمہ پڑھ لینے کے بعد جس قدر کفریات کرتا اور بکتا رہے ایمان و اسلام رخصت نہیں ہوتا۔ آدمی سچا پکا مسلمان برقرار رہتا ہے۔

ہاں جو ایسے سخت شنیع کفریات کے مرتکب کو کافر کہے وہ ان کے نزدیک مجرم ہے اس کی ہر طرح تذلیل وتحقیر ان کے یہاں داخل تہذیب و شرافت ہے۔ اس کے خلاف صفحات کے صفحات رنگین کرنا عظیم خدمت ہے۔ ان کے خیال میں کفر کرنا، کفر بکنا کفر لکھنا کچھ عیب نہیں کافر کہنا عیب ہے۔

ان خیالاتِ فاسدہ کے رد میں رقم طراز ہیں:

> ''قرآن وحدیث ہمیں بتاتے ہیں کہ زمانۂ اقدس میں ایسے لوگ تھے جو کلمہ اسلام پڑھتے تھے اور نہ صرف کلمۂ اسلام ہی پڑھتے تھے بل کہ دربارِ رسالت میں حاضر ہو کر شہادتیں ادا کرتے تھے کہ ضرور ضرور بے شک وشبہہ یقینی حضور اللہ کے رسول ہیں۔ حضور کی خدمت میں حاضر رہتے۔ حضور کے پیچھے نمازیں پڑھتے۔ حضور کے ساتھ جہاد کرتے تھے، مگر اس کے باوجود انھیں اللہ ورسول نے جھوٹا فریبی، کذاب، منافق فرمایا۔ اور ان کے اس کلمۂ طیبہ پڑھنے اور بڑی بڑی تاکیدات کے ساتھ شہادتِ رسالت دینے اور نمازیں ادا کرنے اور جہاد میں شریک ہو کر اپنی جانیں دینے اور کفار کی جانیں لینے پر نظر نہ فرمائی۔ سب کو ہباءً منثوراً فرمادیا۔'' (انتہی بتلخیص یسیر)

اس کے بعد آیات واحادیث پیش کر کے اسے واضح فرمایا۔ حاشیہ کے چند صفحات پر قتل مرتد کا حکم، اور اس کے خلاف غوغا آرائیوں کا دلکش و دلنشین اور مستحکم وقوی جواب بھی رقم فرمایا ہے۔ اور یہ ثابت فرمایا ہے کہ علما جو کچھ بیان کرتے ہیں اپنی طرف سے نہیں، قرآن و حدیث سے بیان کرتے ہیں بل کہ قرآن نے ان باغیانِ بارگاہ صمدیت اور گستاخانِ دربار رسالت کو جس تذلیل و تحقیر کے ساتھ اور جیسے القابِ حقارت کے ساتھ یاد کیا ہے علما ان کے لیے وہ سب استعمال بھی نہ کر سکے۔ اگر اسی طرح وہ بھی انھیں یاد کرتے تو نہ معلوم کیسا کچھ جامہ سے نکلتے۔ آپے سے باہر آتے، اس پر قرآنی آیات لکھ کر وہ القاب مذمت عیاں کر دیے ہیں جو ان منکرین کے لیے وارد ہوئے۔ اس کے بعد فرمایا:

> ''بحمد اللہ تعالیٰ کلام اپنے منتہی کو پہونچا اور ظاہر و باہر ہوا کہ یہ علما کو بے تہذیب و بے ادب بتانے والے خود سخت بے تہذیب اور نہایت بے ادب ہیں۔''

آخر میں چند آیات وحدیث پیش کر کے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ ان باغیوں اور گستاخوں کے ساتھ اہل ایمان کو کیسا سلوک کرنے کی ہدایت و تعلیم دی گئی ہے؟ اور بہ نظرِ اختصار چند ہی پر اکتفا کیا ہے۔

الغرض عہد و ماحول کو سامنے رکھتے ہوئے اس مسئلہ کے تمام متعلقات بھی بیان کر دیے ہیں۔ اور متعدد فتنوں اور غوغا آرائیوں کی جڑ کاٹ کر رکھ دی ہے۔ اہل عقل وخرد اگر عدل وانصاف کے ساتھ اس رسالہ کا مطالعہ کریں تو ان کے دلوں میں ایمان واسلام کی اہمیت بارگاہِ خدا اور رسول کی عظمت، کفر وارتداد کی شناعت وقباحت اللہ ورسول کے قطعی احکام کی خلاف ورزی وبغاوت کرنے والوں کی خرابی وحقارت اور شانِ خدا اور رسول میں بے ادبی وجسارت کی رذالت اچھی طرح جاگزیں ہو سکتی ہے اور جاہلانہ وظالمانہ مکر وفریب اور فتنہ وفساد سے نجات بہت آسان ہو سکتی ہے۔

اس رسالہ کے مطالعہ سے مفتی اعظم علم وافتا کے کچھ اور گوشے بھی ملے، جو ان کے کچھ اور فتاویٰ میں بھی دیکھے۔ انشاء اللہ المولی تعالیٰ ان سب پر تفصیلی گفتگو ایک مستقل مضمون میں ہوگی۔ فی الحال میں سمجھتا ہوں کہ جو موضوع میں نے اختیار کیا اور جو عنوان منتخب کیا، اس سے مکمل طور پر نہیں تو بڑے حد تک سبک دوش ہو چکا ہوں۔ **وَماتوفیقی الا بالله علیه توکلت والیه اُنیب۔**

☆☆☆☆☆

حضور مفتی اعظم

بحرِ فقاہت کے دُرِ شاہ وار

محقق عصر حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی
صدر شعبۂ افتا و ناظم مجلس شرعی الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

فقیہ فقید المثال اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے آئینۂ جمال وکمال، مسند الوقت، حضور سیدی ومرشدی مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خدا رسیدہ بزرگ، بلند پایہ فقیہ اور بہت ہی عظیم مفتی تھے۔ آپ نے خلق خدا کی رشد وہدایت اور تبلیغ دین کے لیے اپنے لیل ونہار وقف کر دیے تھے، پھر بھی کچھ وقت فارغ کر کے گاہے بہ گاہے فتاویٰ بھی تحریر فرماتے، یہ بھی وقت کا ایک عظیم المیہ ہے کہ آپ کے بہت سے فتاویٰ محفوظ بھی نہ رہے، تاہم جو کچھ محفوظ ہے، اس سے بھی آپ کی فقہی عظمت کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

اس بے مایہ نے بڑی عجلت میں آپ کے مجموعۂ فتاویٰ کی فہرست اور چند فتاویٰ کا سرسری اور بعض کا بہ نظر غائر مطالعہ کیا تو محسوس ہوا کہ آپ کی ذات بابرکات میں خدائے سبّوح وقدوس نے وہ تمام خوبیاں جمع فرما دی ہیں جو ایک کامل فقیہ اور ماہر مفتی میں ہوا کرتی ہیں۔ یعنی وسعت مطالعہ، جزئیات کا استحضار، دلائل کی قوت وضعف میں امتیاز، شواہد کا احاطہ، متعارض جزئیات میں تطبیق، ترجیح کی قدرت، استخراج کا ملکہ، حالات زمانہ کی رعایت، اہل زمانہ کے حالات سے آگاہی، سائل کی عقل وفہم کے لحاظ سے گفتگو، جامع اور بہتر تعبیر، سائل کے خلجان کا ادراک اور اس کا شافی حل۔ مختصر یہ کہ علمائے اعلام نے فقہا کے جو سات طبقات بیان فرمائے ہیں ان میں سے آپ دوسرے اور تیسرے طبقے کے فقہائے ممیزین ومرجحین کے زمرے سے نظر آتے ہیں۔

وقت ہوتا تو ہم ان سب پر انشاء اللہ تعالیٰ سیر حاصل بحث کرتے، تاہم صرف حصولِ سعادت کے لیے آپ کے چند فتاوے کا انتخاب اپنے تاثرات کے ساتھ پیش کرتے ہیں جن سے آپ کے بحر فقاہت کی دل کش موجوں کا ایک سرسری نظارہ کیا جا سکتا ہے۔

جزئیات کا استحضار، دلائل کی قوت وضعف میں امتیاز اور تطبیق وترجیح کی قدرت:

آپ کے مجموعۂ فتاویٰ کا پہلا فتویٰ بحر الرائق کی ایک عبارت سے پیدا کی جانے والی غلط فہمی کو دور کرنے کے تعلق سے ہے جو بارہ صفحات پر مشتمل ہے۔ ہم اپنی بات کو واضح کرنے کے لیے اس فتوے کے چند ضروری گوشوں کو نمایاں کرتے ہیں۔

آپ سے سوال ہوا۔

”زید کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیب نہیں جانتے تھے اور دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ بحر الرائق جلد: ۳، ص: ۹۴ میں ہے:

و فی الخانية و الخلاصة: لو تزوج بشهادة الله ورسوله لا ينعقد لاعتقاده ان النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم يعلم الغيب۔ (فتاویٰ مصطفویہ، ص: ۱، کتاب الایمان)

(ترجمہ: فتاویٰ خانیہ اور خلاصہ میں ہے کہ اگر کسی نے اللہ اور اس کے رسول کو شاہد بنا کر نکاح کیا تو نکاح نہ ہوگا کیوں کہ وہ یہ عقیدہ رکھتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں۔

اور ایسا ہی بزازیہ میں ہے، جواب شافی بادلیل مرحمت فرمائیں۔

اس کے جواب میں آپ نے جو کچھ فرمایا، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

☆ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علمِ غیب سے مطلقاً انکار کفر مبین ہے۔

☆ یہ حق ہے کہ صورت مذکورہ میں نکاح نہ ہوگا، مگر اس کی توجیہ صحیح نہیں، ضعیف ہے، مرجوح ہے،، مؤول ہے، ظاہر پر ہرگز محمول نہیں۔

(۱) مسئلہ صحیح ہے:

یہ مسئلہ اپنی جگہ صحیح ہے کہ اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بنانے کی صورت میں نکاح نہ ہوگا، اس کو حضرت مفتی اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑے تشفی بخش انداز میں سمجھایا ہے، فرماتے ہیں:

”مسئلہ تو صرف اتنا تھا کہ اگر کوئی شخص شہادت خدا اور رسول سے نکاح کرے تو یہ نکاح منعقد نہ ہوگا کہ ”شرطِ انعقادِ نکاح“ گواہوں کا حاضر رہنا ہے۔ حدیث میں ہے: **”لانکاح الا بشهود“** مسلمان کے نکاح میں دو مردوں یا ایک مرد دو عورتوں کا حضور شرط ہے، جو عاقل و بالغ ہوں اور یہ سمجھیں کہ نکاح ہو رہا ہے۔

وہ کون سا نکاح ہے جو خدا سے غائب ہے، اگر محض خدا کی شہادت سے نکاح کرتا، یا فرشتوں۔ مثلاً کراماً کاتبین ۔ کی شہادت سے کرتا جب بھی باطل ہوتا کہ شرطِ صحتِ نکاح نہ پائی گئی۔“ (فتاویٰ مصطفویہ، ص: ۶-۷)

ان چند جملوں میں حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ انکشاف فرمایا ہے کہ صورت مذکورہ میں نکاح نہ ہونے کی وجہ اگر یہ ہو کہ رسول گرامی وقار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو غیب کا علم نہیں ہے تو اللہ عزوجل کی شہادت سے نکاح ہونا چاہیے تھا، کیوں کہ وہ یقیناً **عالم الغيب والشهادة** ہے، حالاں کہ اس کو شاہد بنانے سے نکاح نہیں ہوتا۔ یوں ہی کراماً کاتبین وغیرہ فرشتوں کی شہادت سے بھی نکاح ہو جانا چاہیے

تھا، کیوں کہ وہ انسان کے ساتھ رہتے ہیں اور اس کے اقوال و افعال، وحرکات وسکنات کا بخوبی علم بھی رکھتے ہیں، حالاں کہ ان کو شاہد بنانے سے بھی نکاح نہیں ہوتا، اس لیے ثابت ہوا کہ نکاح نہ ہونے کی بنیاد عدم علم پر نہیں، بل کہ کسی اور چیز پر ہے، اور وہ ہے ''محسوس شکل میں گواہوں کا مجلس نکاح میں حاضر ہونا''۔ اس شرط کی حکمت وہابی سمجھیں یا نہ سمجھیں لیکن الحمدللہ ہم اہل حق خوب سمجھتے ہیں کہ شریعت طاہرہ نے یہ شرط لگا کر ایک بہت بڑے فتنے وفساد کا دروازہ بند فرما دیا ہے، ورنہ لڑکے لڑکی، مرد عورت بالکل آزاد ہوتے، جب چاہتے یہ کہ کرنا جائز طور پر ساتھ ہو جاتے کہ ہم نے خدائے پاک، یا کراماً کاتبین کی شہادت سے باہم نکاح کر لیا ہے، پھر جب چاہتے طلاق کا دعویٰ کر کے الگ ہو جاتے۔ پھر کیا ہوتا؟ دنیا سے امان اٹھ جاتا اور نسب کا تقدس محفوظ نہ رہ جاتا۔ اس حکمت بالغہ اور مصلحت مہمہ کی بنیاد پر شریعت نے ''حضور شہود'' کی شرط لگائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت سے نکاح کو غیر منعقد قرار دیا۔ وہابیوں نے موقع غنیمت جانا اور عوام کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اسے تنقیصِ علمِ رسالت کی دلیل بنا دیا، مگر ہزار بار رحمتیں نازل ہوں حضور سیدی مفتی اعظم پر کہ صرف چند جملوں میں آپ نے اس مسئلے کی ایسی نقاب کشائی فرمائی کہ وہابیہ کی پھیلائی ہوئی غلط فہمی کی بنیاد ہی مسمار ہو گئی۔

ماہر مفتی کی ایک امتیازی شان یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے جواب میں خاص اس اشتباہ کو حل کرنے پر خصوصی توجہ دیتا ہے جو سائل اور عوام الناس کے لیے خلجان کا باعث ہوتا ہے، اس لیے اُسے سوال کے مضمرات میں سائل کی دکھتی رگ کو تلاش بھی کرنا ہوتا ہے اور ساتھ ہی اس کی عقل وفہم کے اندازے سے آسان یا دقیق مختصر یا مطول ایسا جواب بھی دینا ہوتا ہے جو صحیح ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے لیے تشفی بخش بھی ہو، یا سائل معاند ہے تو مسکت ہو اور فتوے کو اپنے یا پرائے کے لیے بے جا استعمال نہ کر سکے، اس لیے ہم لوگ اپنے فتاویٰ میں اس کا التزام کرتے ہیں مثلاً اگر اس طرح کا سوال آتا ہے کہ:

''شیعہ مذہب کے امام کے پیچھے سنی کی نماز ہوگی یا نہیں؟''

تو جواب اس طرح لکھا جاتا ہے کہ:

''دیوبندی، وہابی، قادیانی، رافضی وغیرہ بدمذہبوں میں سے کسی بھی بدمذہب کے پیچھے سنی کی نماز نہ ہوگی۔''

تاکہ کوئی ''دیوبندی'' فتوے کا سہارا لے کر سنی شیعہ کو یا ''وہابی سنی'' اور دیوبندی کو لڑا نہ سکے اور خود کنارے کھڑا ہو کر تماشا دیکھے۔
فتاویٰ مصطفویہ میں ایسے فتاویٰ کے بہت سے شواہد ہیں، انھیں میں سے زیر بحث یہ فتویٰ بھی ہے کہ حضرت نے چند جملوں میں جو بات ارشاد فرمائی ہے وہ سائل کی دکھتی رگ کا شافی علاج بھی ہے اور اگر وہ معاند وہابی ہو تو خاموش کن جواب بھی۔ اور بہر حال مسئلے کے اصل خدوخال کو واضح کر کے عوام اہل سنت کو کسی غلط فہمی کا شکار ہونے سے بچا لیا ہے۔

مسئلے کی توجیہ صحیح نہیں :

رسول گرامی وقار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شہادت پر نکاح نہ ہونے کی یہ توجیہ صحیح نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شاہد بنانے والا، آپ کو غیب داں ماننے کی وجہ سے کافر ہو گیا اور کافر کا نکاح مسلم کے ساتھ نہیں ہوتا۔

(الف) پہلی وجہ تو وہی ہے جو گزر چکی کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غیب دانی کا اعتقاد اگر قائل کے نزدیک کفر ہے تو اللہ عزوجل کی غیب دانی کا اعتقاد تو کفر نہیں، وہ تو یقینا قائل کے نزدیک بھی **عالم الغیب و الشهادة** ہے تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ عزوجل کی شہادت میں نکاح منعقد ہو جائے، حالاں کہ کوئی اس کا قائل نہیں۔ یوں ہی کراماً کاتبین کی شہادت میں بھی نکاح کا انعقاد تسلیم کر لینا

چاہیے کیوں کہ وہ حضرات ضرور طرفین کے ایجاب وقبول کو سنتے جانتے ہیں بل کہ نوٹ بھی فرماتے ہیں اور یہ اعتقاد بھی قائل کے نزدیک کفر نہیں تاہم ان کی شہادت پر کوئی بھی نکاح کے منعقد ہونے کا قائل نہیں۔

(ب) دوسری وجہ یہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ عزوجل کی عطا سے غیب داں نبی ہیں۔ یہ قرآن حکیم کی کثیر آیات اور بے شمار احادیث نبویہ سے ثابت ہے، یہی فقہائے کرام، ائمۂ اعلام اور جملہ اہل حق، اہل اسلام کا عقیدہ ہے۔ قدیم زمانے میں ایک گم راہ فرقہ معتزلہ اس کا مخالف رہا ہے مگر ان کی مخالفت اہل حق کے اجماع اور کتاب وسنت کے واضح نصوص کے مقابل قطعی بے اثر ہے حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس مطلب نفیس کی وضاحت کے لیے بڑے اختصار کے ساتھ صرف دس آیات قرآنیہ اور دس احادیث نبویہ سے استناد کیا ہے، جن سے روز روشن کی طرح حضور سید الانبیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا غیب داں ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اس کے بعد ارقام فرماتے ہیں:

''صحابہ واہل بیت حضرات اور عرفا و علماے دین کی تصریحات سے آفتاب سے زیادہ روشن کہ انبیا و اولیا علوم غیب پر مطلع ہیں۔''
(فتاویٰ مصطفویہ، ص:۹)

پھر جمع النہایہ، فتوحات وہبیہ، صاوی حاشیہ جلالین، تفسیر نیشاپوری، مدارج النبوۃ، درۃ الغواص، الجواہر والدرر، فتوحات مکیہ، الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ، مثنوی مولوی معنوی، تفسیر روح البیان اور نسیم الریاض سے سرکار علیہ التحیۃ والثنا کی غیب دانی کے ثبوت کے تعلق سے صریح عبارات نقل فرمائی ہیں، جن سے یہ امر بہ خوبی عیاں ہو کر سامنے آجاتا ہے کہ حضور دانائے غیوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غیب دانی کا اعتقاد ایمان کی سلامتی کے لیے ضروری ہے اور مطلقا آپ کے علم غیب کا انکار کفر ہے کیوں کہ یہ قرآن حکیم کے نصوص قطعیہ کا انکار و تکذیب ہوگا، پھر یہ کیوں کر ممکن ہے کہ معاذ اللہ آپ کی غیب دانی کا اعتقاد کفر ہو جائے اور اس کی وجہ سے نکاح باطل قرار پائے۔

یہی وجہ ہے کہ حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فتوے کے آغاز میں ہی یہ واضح فرمادیا کہ:

''زید بے قید کا **حضور عالم ماکان ومایکون صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم** کے علم غیب سے مطلق انکار کفر مبین ہے کہ یہ قرآن عظیم کی آیات باہرہ کثیرہ سے انکار ہے''

(فتاویٰ مصطفویہ، ص:۱)

پھر آیات واحادیث اور ارشادات علما سے دلائل وشواہد کا ایک تسلسل قائم فرمادیا۔

(ج) صاحب بحر الرائق نے وہ مسئلہ فتاویٰ قاضی خاں کے حوالہ سے نقل کیا ہے حالاں کہ امام قاضی خاں رحمۃ اللہ علیہ نے خود کفر کا حکم نہیں دیا ہے اس لیے صاحب بحر سے یہاں خانیہ کی ترجمانی میں بہ تقاضاے بشریت لغزش ہوئی۔ حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی نقاب کشائی ان الفاظ میں فرمائی:

اما فقیہ النفس قاضی خاں رضی اللہ عنہ نے اپنے فتاویٰ (جلد اول، ص:۳۲۴) میں فرمایا:

''رَجُلٌ تَزَوَّجَ امْرَأَةً بِشَهَادَةِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ كَانَ بَاطِلاً لِقَوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ'': ''لَا نِكَاحَ اِلَّا بِشُهُوْدٍ''......... وَبَعْضُهُمْ جَعَلُوْا ذٰلِكَ كُفْراً ,لِاَنَّهٗ يَعْتَقِدُ اَنَّ الرَّسُوْلَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْلَمُ الْغَيْبَ'':

(ترجمہ: کسی شخص نے اللہ اور اس کے رسول کی شہادت سے نکاح کیا تو وہ نکاح باطل ہوگا، اس لیے کہ

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: ''گواہ حاضر نہ ہوں تو نکاح نہ ہوگا'' ....اور بعض نے اسے کفر قرار دیا کہ نکاح کرنے والا رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب کا اعتقاد رکھتا ہے۔)

امام فقیہ النفس نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ کفر ہے، بل کہ یہ فرما کر کہ بعض نے اسے کفر ٹھہرادیا، اس کے ضعف کا اِشعار فرمادیا۔'' (فتاویٰ مصطفویہ، ص:۷)

اس عبارت سے صاف عیاں ہے کہ امام قاضی خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نکاح نہ ہونے کی وجہ ''عدمِ حضورِ شہود'' بتائی ہے جو بلا شبہ ایک بے غبار استدلال ہے۔

ہاں بعض نے علم غیب رسول کے اعتقاد کو کفر قرار دے کر نکاح کو باطل مانا مگر وہ بعض مجھول ہیں ممکن ہے وہ بعض معتزلی ہوں جن کا عقیدہ ظاہر کتاب وسنت کے خلاف ہے، اس لیے یہ توجیہ صحیح نہیں قرار دی جاسکتی۔ نہ اس کا انتساب امام قاضی خاں کی طرف کیا جاسکتا ہے۔

ممکن ہے کسی کے دل میں یہ خلجان واقع ہو کر پھر امام قاضی خاں رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تردید کیوں نہیں فرمائی تو اس کا جواب یہ ہے کہ بعض الناس کے اس کلام کی یہ تاویل ہوسکتی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے بغیر اللہ عزوجل کی عطا کے علم غیب کا اعتقاد کفر ہے جسے علم غیب ذاتی کہا جاتا ہے، اس لیے اس کی تردید سے گریز کیا مگر چوں کہ یہ توجیہ واقع میں دوسرے مسائل سے منقوض ہے اس لیے ''**بعضهم جعلوا**'' فرما کر اس کے ضعیف ہونے کا اشارہ فرمادیا۔ حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

''اس میں بعض مجاہیل نے یہ اضافہ کیا کہ۔ وہ مسلمان شخص کافر ہوجائے گا''۔ کیوں کہ وہ معتقد علم غیب رسول ہوا، ظاہر تو یہ ہے کہ یہ بعض مجاہیل معتزلی ہوگا، اس نے اپنے مذہب کا پیوند اس میں جوڑ دیا۔

''پھر بہ تاویل ''علم ذاتی''، بعض حنفیہ نے بھی اپنی تصانیف میں نقل کرلیا مگر اس کی مرجوحیت کو ظاہر کرتے ہوئے، کہ علم ذاتی ہی نہیں ہوتا، دوسری قسم علم عطائی بھی ہے۔ لہٰذا جب یہ احتمال ہے تو (رسول کے لیے علم غیب کا عقیدہ رکھنے والوں کو) کافر نہیں کہہ سکتے، اس احتمال کے ہوتے ہوئے تکفیر صحیح نہیں ہوسکتی''۔ (فتاویٰ مصطفویہ، ص:۷)

اس بحث کا حاصل یہ ہوا کہ:

☆ بحر میں امام قاضی خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف تکفیر کی جو نسبت کی گئی ہے وہ صحیح نہیں، یہاں صاحب بحر سے لغزش ہوئی ہے۔ اور امام قاضی خاں نے قول بعض کی تردید سے سکوت اس لیے اختیار فرمایا کہ اس میں تاویل کی گنجائش تھی۔

☆ نکاح نہ ہونے کے تعلق سے بعض کی یہ توجیہ ضعیف ہے اس کا اشارہ امام قاضی خاں کے کلام میں موجود ہے۔

☆ علم غیب رسول کا عقیدہ رکھنے والوں کو کافر قرار دینا درست نہیں ہے کیوں کہ مسلمان اپنے رسول کے لیے علم غیب عطائی کا عقیدہ رکھتا ہے، نہ کہ علم غیب ذاتی کا، اس لیے یہاں اس کا عین امکان ہے کہ نکاح کرنے والے کی نیت علم غیب عطائی ہو۔

(د) زید نے بحر کی عبارت پیش کر کے یہ بھی کہا ہے کہ:

''اور ایسا ہی بزازیہ میں ہے''(فتاویٰ مصطفویہ، ص:۱)

جس سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ فتاویٰ بزازیہ میں بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے علم غیب کے عقیدے کو کفر قرار دیا گیا حالاں

کہ ایسا نہیں اس لیے حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس فریب کو بے نقاب کرنے کے لیے فتاویٰ بزازیہ کی اصل عبارت ہی نقل فرما دی تا کہ ہر انصاف پسند خود فیصلہ کر لے کہ یہ بات بے بنیاد ہے۔

آپ رقم طراز ہیں:

''فتاویٰ امام حافظ الدین محمد بن شہاب المعروف بہ ابن بزاز کردری میں فرمایا''۔ ''**تزوجها بشهادة الله تعالیٰ ورسوله عليه الصلاة والسلام لا ينعقد۔ ويخاف عليه الكفر، لانه يوهم انه عليه الصلاة والسلام يعلم الغيب، وعنده مفاتيح الغيب''الاٰية۔ وما اعلم الله تعالیٰ لخيار عباده بالوحي والالهام، لم يبق بعد الاعلام غيباً** (ترجمہ: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شاہد بنا کر نکاح کیا تو نکاح منعقد نہ ہوگا۔ اور اس پر کفر کا اندیشہ ہے اس لیے کہ وہ اس بات کا ایہام پیدا کر رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیب کا علم (ذاتی) رکھتے ہیں حالاں کہ قرآن حکیم میں ہے ''غیب کی کنجیاں اللہ ہی کے پاس ہیں''

ہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندوں کو غیب کا علم ''وحی'' اور ''الہام'' کے ذریعہ عطا فرمایا ہے مگر اس کے عطا فرمانے کے بعد وہ (''**مفاتيح الغيب**) کا غیب مخصوص نہیں رہ جاتا ''**يخاف عليه الكفر**'' (یعنی اندیشۂ کفر کے لفظ) نے صاف کر دیا کہ مراد امام بزاز کی ''علم ذاتی'' ہے کہ اگر ''عطائی'' ماننا بھی کفر ہوتا تو ''یخاف'' (یا اندیشہ) نہ فرماتے۔

اور ''**ما اعلم الله تعالیٰ بالوحي والالهام لخيار عباده**'' (یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندوں کو وحی اور الہام کے ذریعہ علم غیب عطا فرمایا ہے) کہ کر خیار عباد کے لیے من جانب اللہ وحی اور الہام سے علم ہونے کو تسلیم نہ کرتے۔

''**لم يبق غيبًا**'' میں غیب سے امام کی مراد غیب ذاتی ہے۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ بعد اعلام وہ غیب باقی نہ رہا جو خدا کے ساتھ خاص ہے۔'' (فتاویٰ مصطفویہ، ص: ۷-۸)

حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اس اقتباس سے درج ذیل امور کا افادہ فرمایا ہے:

☆ صاحب فتاویٰ بزازیہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم غیب کے اعتقاد کو کفر نہیں قرار دیا ہے، بل کہ اللہ تعالیٰ کی عطا سے آپ کے لیے اور دوسرے خیار عباد کے لیے علمِ غیب کا اعتراف کیا ہے۔

☆ ہاں یہ فرمایا ہے کہ نکاح کرنے والے کے کلام سے حضور کے لیے ''علمِ غیب ذاتی'' کا ایہام ہوتا ہے، اس لیے اندیشۂ کفر ہے۔

کہاں ایہام اور کہاں اعتقاد، دونوں میں کھلا ہوا فرق ہے۔ یوں ہی کفر اور اندیشۂ کفر میں بھی واضح فرق ہے، جسے ہر صاحبِ عقل سمجھتا اور مانتا ہے، پھر ایہام کو اعتقاد اور اندیشۂ کفر کو کفر قرار دینا کھلی ہوئی خیانت اور بد دیانتی ہے، جو کسی وہابی سے ہی متصور ہو سکتی ہے۔

یہاں یہ امر واضح رہے کہ نکاح کا گواہ اللہ اور رسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کوئی جاہل ہی بنا سکتا ہے اور جاہل کو علمِ ذاتی و عطائی کا فرق معلوم نہیں ہوتا، اس لیے اس کے کلام سے علم ذاتی کا ایہام ہو سکتا ہے لہذا اسے ایسے قول سے اجتناب کا حکم دیا جائے گا، مگر اس

کی جہالت کی بنیاد پر اس کو کافر قرار دینا زیادتی ہے۔

☆ صاحب فتاویٰ بزازیہ نے اللہ عز وجل اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شاہد بنا کر نکاح کرنے پر دو احکام صادر فرمائے ہیں:

(۱) **لا ینعقد**۔ نکاح نہ ہوگا۔

(۲) **ویخاف علیه الکفر**۔ اور نکاح کرنے والے پر اندیشۂ کفر ہے۔

اس عبارت میں غور فرمالیجیے، وہ یہ نہیں فرما رہے ہیں کہ نکاح نہ ہونے کی وجہ اندیشۂ کفر ہے، بل کہ "**یخاف علیه الکفر**" فرما کر الگ سے ایک حکم جاری کر رہے ہیں، پھر کفر کا اندیشہ یا ایہام نکاح نہ ہونے کی وجہ بھی نہیں بن سکتا۔ اس لیے امام ابن بزاز کردری کی طرف تکفیر کی وہ نسبت غلط ہے اور عقیدۂ علمِ غیبِ رسول کو نکاح نہ ہونے کی وجہ بنانا قطعاً مرجوح ہے۔

(ہ) درمختار میں ہے:

تزوج بشهادة اللّٰه ورسوله لم یجز، بل قیل: یکفّر۔

(اللہ اور رسول کو گواہ بنا کر نکاح کیا تو نکاح نہ ہوگا، بل کہ کہا گیا کہ تکفیر کی جائے گی۔ اس "**قیل**" نے ضعف و مرجوحیت تکفیر کا اشعار فرمایا۔

(فتاویٰ مصطفویہ، ص:۸)

اس عبارت کو نقل فرما کر حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ ذہن دیا ہے کہ صاحب درمختار نے بعض الناس کے اس قول کو "**قیل**" سے نقل کیا ہے، جو اس کے ضعیف ہونے کی دلیل ہے، پھر انھوں نے بھی اسے نکاح نہ ہونے کی دلیل کے طور پر نہیں ذکر کیا، جس سے صاف عیاں ہے کہ اسے دلیل بنانا صحیح نہیں۔

اس کے بعد حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ملتقط، فتاویٰ حجّہ، فتاویٰ تتارخانیہ، ردالمحتار حاشیہ درمختار اور سل الحسام الھندی سے اس مضمون کی عبارتیں نقل فرمائی ہیں کہ اللہ عز وجل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کا علم عطا فرمایا ہے، اس لیے نکاح میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گواہ بنانے کی تکفیر نہ کی جائے گی۔ (ملاحظہ ہو، فتاویٰ مصطفویہ: ص:۸)

پھر یہ افادہ فرمایا کہ ہدایہ، تجنیس، اور ہندیہ میں تو اس قول کو بالکل ہی ترک فرما دیا، یعنی اسے قابلِ ذکر نہ سمجھا، جس سے نہ صرف اس کے ضعف، بل کہ بطلان کا بھی اشارہ ملتا ہے۔ (ملاحظہ ہو فتاویٰ مصطفویہ، ص:۸)

(و) اخیر میں حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے اس بات پر نص صریح فرما کر حجت تمام فرمائی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بنا کر نکاح کرنے والا کافر نہ ہوگا، یہی صحیح ہے جو شک و شبہہ سے بالاتر ہے، چناں چہ فرماتے ہیں:

مضمرات، خزانۃ الروایات اور معدن الحقائق میں ہے:

"**والصحیح انه لا یکفر، لأن الأنبیاء علیهم الصلاة والسلام یعلمون الغیب وتعرض علیهم الأشیاء، فلا یکون کفراً**۔ اور صحیح یہ ہے کہ (بے شک) بہ تحقیق وہ شخص کافر نہ ہوگا اس لیے کہ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام غیب جانتے ہیں اور ان پر اشیا پیش کی جاتی ہیں تو ان کے لیے علمِ غیب کا

اعتقاد کفر نہ ہوگا۔'' (فتاوی مصطفویہ، ص:۹)

جب یہ امر شک وشبہہ سے بالاتر ہے کہ سرکار علیہ الصلوۃ والسلام کو غیب داں ماننے والا کافر نہیں، یہی صحیح ہے تو اس کے خلاف حکم جاری کرنا غیر صحیح ہوا۔

خلاصۂ مباحث :

ان تمام مباحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ:

(۱) کسی شخص نے اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے نکاح کا گواہ بنا کر نکاح کیا تو نکاح نہ ہوگا کیوں کہ نکاح کے لیے یہ شرط ہے کہ گواہ مجلسِ نکاح میں محسوس شکل میں حاضر ہو اور یہاں یہ شرط مفقود ہے۔

(۲) بعض مجہول اہل علم نے نکاح نہ ہونے کی وجہ یہ بتائی کہ رسول کو گواہ بنانے والا ان کو غیب داں ماننے کی وجہ سے کافر ہو گیا اور کافر کا نکاح کسی بھی مسلمان کے ساتھ باطل ہے۔

(۳) مگر کثیر آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ وارشادات فقہا وتصریحات علما وعرفا سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا غیب داں ہونا ثابت ہے، اس لیے ''عقیدۂ علم غیب رسول'' کو مطلقاً کفر قرار دینا باطل ہے۔

(۴) لیکن چوں کہ ہمارے کچھ فقہا نے اسے نقل فرما کر اس کی تردید نہ فرمائی اس لیے اس قول کی یہ تاویل کی جائے گی کہ یہ حکم علم غیب ذاتی پر محمول ہے تا کہ ایک صاحب عقل کے کلام کو ممکن حد تک لغو ہونے سے بچایا جا سکے۔

(۵) لیکن یہ بھی امر واقعہ ہے کہ کوئی بھی مسلمان اپنے رسول کے لیے علمِ غیب ذاتی کا عقیدہ نہیں رکھتا، بل کہ خدائے قدیر کی عطا سے ہی آپ کو غیب داں مانتا ہے، اس لیے صحیح یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نکاح کا گواہ بنانے والا کافر نہیں اور اس کا عقیدۂ علمِ غیب کتاب وسنت کے مطابق ہے۔

(۶) صاحب فتاویٰ بزازیہ کے مطابق زیادہ سے زیادہ نکاح کرنے والے کے قول مذکور سے علم غیب ذاتی کا ایہام ہوتا ہے، اس لیے اس پر ایہام کا حکم جاری ہوگا، نہ کہ اعتقاد کا، مگر یہ ایہام بھی کسی بڑے جاہل سے ہی متصور ہو سکتا ہے۔

(۷) اور بہر حال ''عقیدۂ علمِ غیبِ رسول'' کو نکاح نہ ہونے کی وجہ بتانا ضعیف ومرجوح ہے ورنہ لازم آئے گا کہ اللہ عزوجل اور فرشتوں کی شہادت میں نکاح منعقد ہو جائے، حالاں کہ ایسا نہیں ہے۔

(۸) صاحب بحر سے بہ تقاضائے بشری امام فقیہ النفس قاضی خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کلام کی ترجمانی میں لغزش واقع ہوئی ہے، اس لیے اسے حجت نہیں قرار دیا جا سکتا۔

یہ ہے حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے زیر بحث فتوے کے چند ضروری گوشوں کی وضاحت، جس سے آپ کے وسعت مطالعہ ،مسئلے کے دلائل وشواہد اور فقہی جزئیات پر کثرت اطلاع، کامل استحضار، دلائل اور جزئیات کی قوت وضعف پر گہری نظر اور ان کے مابین حسن امتیاز، متعارض جزئیات میں تطبیق اور ترجیح کی قدرت کا اذعان حاصل ہوتا ہے، آج کے دور میں کسی مسئلے کی دلیل کا علم، فقہ کا ادنیٰ درجہ ہے اور مختلف جزئیات میں قوی وضعیف اور راجح ومرجوح میں امتیاز کی قدرت اس سے اونچا درجہ ہے۔ اور اگر کسی مسئلے کے مثبت، منفی، موافق مخالف تمام دلائل کی معرفت بھی حاصل ہو، ساتھ ہی اس امر کا ادراک بھی کہ ان دلائل کے انبوہ میں فلاں دلیل کو ترجیح حاصل ہے،

کیوں کہ وہ نقض واشکال سے پاک ہے، تو فقہ کا وہ اونچا سے اونچا درجہ ہے جس کا آج کے زمانہ میں تصور کیا جا سکتا ہے، ایسے فقیہ کو صاحب ترجیح کہا جاتا ہے۔ اس تفصیل کو ذہن میں رکھ کر حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس فتوے کا مطالعہ فرمائیے تو بجا طور پر یہ احساس اجاگر ہوگا کہ آپ فقہائے ممیزین کے طبقے سے بھی ہیں اور اس سے ایک درجہ اوپر منصب ترجیح پر بھی فائز ہیں۔ حضرت صدر الشریعہ بدر الطریقہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بعد ایسا کوئی فقیہ نظر نہیں آتا جو تنہا ان تمام خوبیوں کا جامع ہو، اس لیے آپ ان کے بعد ''مفتی اعظم علی الاطلاق'' ہوئے اور حضرت صدر الشریعہ کے زمانے میں بہت سے اکابر فقہا اور علما کی طرف نسبت کرتے ہوئے آپ ''مفتی اعظم'' تھے، جیسا کہ حضرت شارح بخاری نائب مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے درج ذیل اقتباس سے ظاہر ہے:

> ''یہ عجیب اتفاق ہے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے پہلا فتویٰ رضاعت ہی کا لکھا تھا اور ان کے آئینۂ جمال وکمال مفتی اعظم نے بھی پہلا مسئلہ رضاعت ہی کا لکھا۔ اور خاص بات یہ ہے کہ اس پہلے فتویٰ پر اعلیٰ حضرت نے نہ ایک لفظ گھٹایا اور نہ ایک لفظ بڑھایا، کوئی اصلاح نہ کی۔ پہلا فتویٰ ہی حضرت مفتی اعظم نے ایسا صحیح اور مکمل لکھا کہ اس میں کہیں انگلی رکھنے کی جگہ نہ تھی۔ اور حضرت مفتی اعظم قدس سرہ رضوی دار الافتا میں اس موقع پر پہنچے تھے جب کہ اس سے پہلے ملک العلما حضرت علامہ مفتی ظفر الدین بہاری اور حضرت علامہ مفتی سید عبد الرشید عظیم آبادی رضاعت کے اس مسئلہ پر تبادلۂ خیالات کر چکے تھے اور بات کچھ الجھنے پر ملک العلما فتاویٰ رضویہ سے روشنی حاصل کر رہے تھے۔ اس وقت حضرت مفتی اعظم کسی کتاب کی مدد کے بغیر فتویٰ لکھ کر رضوی دار الافتا کے مفتیان کرام پر سبقت لے گئے۔'' (مفتی اعظم اور ان کے خلفا، ص: ۸۲)

حالاتِ زمانہ کی رعایت :

فقہی مسائل میں بارہا ایسا ہوتا ہے کہ حالات زمانہ کے بدلنے کی وجہ سے احکام بھی بدل جاتے ہیں، اس لیے ایک بالغ نظر فقیہ و ماہر مفتی اس بات پر بھی گہری نظر رکھتا ہے کہ اس کے سامنے جو مسئلہ پیش کیا گیا ہے وہ انھیں مسائل سے ہے یا نہیں، اور اگر انھیں مسائل سے ہے تو کیا ایسے حالات پیدا ہو چکے ہیں جن کی بنا پر احکام میں تبدیلی ضروری ہوتی ہے؟ ان دونوں امور کا فیصلہ نہایت اہم ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہر مفتی اس پر قدرت نہیں رکھتا، اور یہی وجہ ہے کہ ایک مفتی کے لیے حالات زمانہ سے باخبر رہنا بہت ہی ضروری قرار دیا جاتا ہے، حتیٰ کہ فقہا فرماتے ہیں: ''**من لم یعرف أهل زمانه فهو جاهل**'' جو اپنے اہلِ زمانہ سے ناآشنا ہو وہ جاہل ہے۔ اس کو ایک مثال کی روشنی میں آپ یوں سمجھ سکتے ہیں: ایک عالمِ دین نے گورکھ پور اور مبارک پور کے ایک مخصوص اجتماع میں فتاویٰ رضویہ جلد سوم کے حوالے سے یہ مسئلہ بیان کر دیا کہ پینٹ شرٹ پہن کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور ایسی نماز دوہرانی واجب ہے، اس کے باعث لوگوں میں بے پناہ بے چینی بڑھ گئی، کیوں کہ روزانہ ہزار ہا لوگ پینٹ شرٹ میں ملبوس ہو کر نمازیں ادا کرتے ہیں اور ان کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ ہر وقت اپنا یہ لباس اتار کر علما وصوفیہ کا لباس زیب تن کر کے نماز ادا کرنے کا التزام کریں۔

مولانا نے حوالہ صحیح دیا تھا، مگر موجودہ حالات کے لحاظ سے مسئلہ صحیح نہ بتایا، کیوں کہ جس زمانہ میں وہ فتویٰ لکھا گیا تھا اس وقت کے حالات یہ تھے کہ یہاں کی ہر قوم عام طور سے پینٹ، شرٹ سے نفرت کرتی تھی، اور یہ لباس انگریزوں کا شعار خاص تھا، مگر آج حالات اتنے

زیادہ بدل چکے ہیں کہ ہر قوم اس لباس کو اختیار کر چکی ہے۔ مسلمان بھی عام طور پر پہنتے ہیں، بل کہ بہت سے مقامات پر یہ علما وصلحا کا بھی لباس ہو چکا ہے۔ کھلی ہوئی بات ہے کہ جب شعار بدل گیا تو اب حکم بھی بدل جائے گا۔ خود مجدد اعظم اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے فتاویٰ رضویہ جلد دہم نصف اول میں شعار کے بدلنے سے حکم کے بدلنے کا فتویٰ دیا ہے اور اسلاف سے اس کی شہادت بھی پیش فرمائی ہے۔ علاوہ ازیں فتاویٰ رضویہ میں بہت سے احکام میں حالات زمانہ کے بدلنے سے احکام کے بدل جانے کا فتویٰ دیا گیا ہے۔ فتاویٰ مصطفویہ میں بھی اس کے متعدد نظائر پائے جاتے ہیں۔ ہم یہاں بہ طور نمونہ صرف دو نظیریں پیش کرتے ہیں:

(الف) جوان ساس اور بہو کے احکام میں تبدیلی :

ساس اور بہو محرمات سے ہیں یعنی ان خواتین سے ہیں جن سے داماد اور خسر کا نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہے۔ ساس کی حیثیت داماد کے حق میں ماں کی ہوتی ہے اور بہو کی حیثیت خسر کے حق میں بیٹی کی ہوتی ہے لیکن لوگوں میں خدا ناترسی عام ہونے کی وجہ سے اب ان کے کچھ احکام بدل گئے ہیں۔ حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ سے سوال ہوا کہ ساس یعنی بیوی کی ماں کا ہاتھ تعظیماً چومنا جائز ہے نہیں؟

تو اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ ہرگز نہ چاہیے جب کہ یہ اور وہ دونوں جوان ہوں یا دونوں میں سے ایک جوان ہو اور خوف فتنہ ہو، چومنا تو چومنا اس صورت میں تو ہاتھ میں ہاتھ بھی نہ لینا چاہیے۔ شہوت ہی سے ہاتھ میں ہاتھ لینا ناجائز نہیں، بے شہوت بھی ناجائز ہے جب کہ شہوت سے امن نہ ہو۔

شہوت اس وقت نہیں اس وقت خالص تعظیم وتحیت ہی کے لیے بوسہ لیا، یا پاک محبت ہی سے ہاتھ میں لیا مگر ہاتھ میں ہاتھ آنے سے شہوت سے مامون نہیں تو چومنا کیسا؟ محض مصافحہ ہی جائز نہ ہوگا۔

محرمات نسبیہ سے خلوت جائز ہے اور رضاعیہ صہریہ سے ناجائز جب کہ وہ جوان ہو :

اس زمانۂ فساد میں جب کہ جوان وحسین خصوصاً بیوہ ساس اور رضاعی ماں بہنوں کو میرے نزدیک مس کرنا نظر سے غلیظ تر ہے، مکروہ تر ہونا اور ہمارے قاعدہ مذہب یعنی سد باب فتنہ کا اس سے غیر آبی ہونا ظاہر۔ "وکم من احکام تختلف باختلاف الزمان" جیسے دوسرے کی باندی کے نامحرم کے ساتھ سفر وخلوت کو اس زمانہ میں بوجہ غلبۂ اہل فساد علامہ حصکفی نے علامہ ابن الکمال سے نقل فرمایا کہ یہ ناجائز ہے اور یہی مفتی بہ ہے شامی میں ہے:

"لم یذکر محمد الخلوۃ والمسافرۃ بأماء الغیر، وقد اختلف المشائخ فی الحل وعدمہ وھما قولان مصححان اقول: لکن ھذا فی زمانھم لما سیذکرہ الشارح عن ابن کمال انہ لاتسافر الأمۃ بلامحرم فی زماننا لعلبۃ أھل الفساد وبہ یفتی فتأمل اھ"۔ (تلخیص فتاویٰ مصطفویہ، ص: ۵۲۵ تا ۵۳۰)

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے اپنے اس فتویٰ کو درمختار، ردالمحتار، عنایہ مجتبیٰ کشف الحقائق، حدیقہ ندیہ، قنیہ، استحسان القاضی الصدر الشہید، اشباہ، شرح اشباہ کی فقہی عبارتوں سے مزین بھی کیا ہے جنھیں ہم نے اختصار کے پیش نظر نقل نہیں کیا ہے۔

(ب) جرمانہ کا حکم :

ابتداے اسلام میں مجرم سے جرمانہ لینا جائز تھا بعد میں یہ اجازت منسوخ ہوگئی اور منسوخ پر عمل کرنا ناجائز وگناہ ہے۔لیکن حضرت سیدی مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان نے لوگوں میں بے پناہ جرأت و بے باکی بڑھ جانے کی وجہ سے بعض صورتوں میں مجرم سے جرمانہ لینے کی اجازت دی ہے۔جیسا کہ آپ کے جاری کردہ درج ذیل فتوے سے بخوبی عیاں ہے۔

تعزیر بالمال ناجائز ہے۔جرمانہ کرنا نہ چاہیے۔مگر فتاویٰ خلاصہ میں فرمایا:

"سمعت من ثقة ان التعزيز با خذ المال ان رای القاضی او الوالی جاز و من جملة ذلک رجل لايحضر الجماعة يجوز تعزيره باخذالمال"۔

فتاویٰ خلاصہ کے اس ارشاد سے ایسے شخص پر جرمانہ کی اجازت والی وقاضی کے لیے معلوم ہوئی اگر وہ اس میں مصلحت پائیں جو جماعت میں حاضر نہیں ہوتا۔تو جو نماز ہی نہیں پڑھتے ان پر بدرجہ اولیٰ۔مگر یہ اخذ انزجار تک ہوگا کہ اس طرح سے اس کی اصلاح ہوجائے تو بعد اصلاح واپس کردیں اور اگر واپس کرنے سے پھر اس شخص کی وہی حالت ہوجانے کا صحیح اندازہ ہو تو کسی نیک کام میں اس کی طرف سے لگا دیں، یہاں قاضی کہاں۔یہاں اعلم علماے بلد سنی صحیح العقیدہ غیر فاسق قائم مقام والی ہے۔اس کی اجازت سے یہ تعزیر کی جاسکتی ہے۔جس کی اصلاح ہوجائے اور واپس کرنے پر پھر اس کے بگڑ جانے کا اندیشہ نہ ہو تو بعد اصلاح اسے اس کی رقم واپس دے دی جائے اور جس کے بگڑنے اور تعزیر کی ہیبت ہی جانے کا اندیشہ ہو اس کی رقم کسی نیک کام میں صرف کردی جائے۔اگر اس سے اجازت لے لی جائے تو اچھا ہے اور اگر وہ اجازت نہ دے تو بھی اس کی طرف سے کسی نیک کام میں لگادی جائے کہ اسے ثواب پہنچے۔

(۳) غیر منصوص مسائل کے احکام کا استخراج :

جب کوئی مسئلہ نو پیدا ہوا اور اس کا حکم شرعاً منصوص نہ ہو تو اس کے بارے میں امت کی صحیح شرعی رہ نمائی ایک ماہر فقیہ کرسکتا ہے۔اس خصوص میں جب ہم حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے فتاویٰ کا جائزہ لیتے ہیں تو ان کا مقام صف علما میں بلند نظر آتا ہے، آپ سے یہ سوال دریافت کیا گیا کہ نماز جنازہ کی امامت پر اجرت لینا جائز ہے کہ نہیں؟ تو آپ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ امامت نماز جنازہ پر اجرت لینا دینا ناجائز ہے۔الفاظ یہ ہیں:

طاعت پر اجرت ٹھہرانا حرام ہے۔یہی اصل مذہب ہے متاخرین نے بہ خوف ضیاع بعض طاعات کا استثنا فرمایا وہ وہی ہیں جن میں ضرورت ظاہرہ ہے۔پھر خاص طاعت پر ہی عقد کرنا تو برا ہی ہے۔کسی کے نزدیک بھی نہ چاہئے امامت صلاۃ جنازہ ان طاعات میں نہیں ہوگی۔جن کا متاخرین کرام نے استثنا کیا کہ اس میں جماعت شرط و واجب نہیں۔ایک کے ادا کر لینے سے نماز ادا ہوجائے گی اور کوئی واجب ترک نہ ہوگا۔

خلاصہ میں فرمایا:

ان كان الامام على طهارة والقوم على غير طهارة صحت صلوة الامام ولاتعاد الصلوة عليه فی التجريد هٰذا دليل على ان الجماعة ليست بشر لصلاة الجنازة

بزازیہ میں فرمایا۔حلیہ میں ہے: **الجماعة فيها ليست بشرط حتى لو صلى الامام بجماعة فيها وكان على طهارة دونهم لا تعاد لان حق الميت تأدى بصلوٰة الامام وبالعكس**

تعاد لان صلوته غير جائزة فكذا صلوتهم لانها بناء على صلاته۔

ہندیہ میں ہے:

الصلاة على الجنازة تأدى باداء الامام وحده لان الجماعة ليست بشرط الصلوة على الجنازة كذا في النهاية۔

(ان فقہی عبارات کا حاصل یہ ہے کہ نمازِ جنازہ کے لیے جماعت شرط نہیں ہے، کوئی شخص تنہا ادا کرلے تو بھی فرض کفایہ ادا ہوجائے گا) نیز فرماتے ہیں:

''یہاں تک کہ عورت اگرچہ جاریہ ہو، امامت کرے، جب بھی نماز کا اعادہ نہ ہوگا، مردوں کی نماز اس کے پیچھے نہ ہوگی مگر اس کی اپنی ہوجائے گی اور وہ ادائے فرض کو کفایت کرے گی۔''

اس کے بعد حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے برہان، انتباہ، شرح اشباہ، درمختار، ردالمحتار، بحر، بدائع اور فتاویٰ عزیزیہ، ہدایہ، فتاویٰ بزازیہ، وغیرہ کی عبارتوں سے اپنے موقف کو اچھی طرح ثابت فرمادیا، پھر اخیر میں فرمایا:

''یہاں امامت صلاۃ جنازہ پہ ہو، ہی اجرت ٹھہرا رہا ہے اور اجرت بھی کیا، نکاح خوانی کے حقوق، تو یہ ناجائز در ناجائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(فتاویٰ مصطفویہ، ص: ۱۹۷-۱۹۸-۱۹۹)

فقہاے متاخرین نے بوجہ ضرورت شرعیہ امامت پر اجارے کی اجازت دی ہے، اس سے بہ ظاہر یہ متبادر ہوتا ہے کہ نمازِ جنازہ پڑھانا بھی امامت ہے، اس لیے یہاں بھی اجارہ جائز ہونا چاہیے۔ لیکن حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے اس فتوے میں جب یہ صراحت ہو گئی کہ امامت نماز جنازہ پر اجارہ ناجائز ہے تو وجہ فرق واضح ہو کر یہ سامنے آگیا کہ نماز جمعہ و عیدین کے لیے امام ماذون ضروری ہے، اس کے بغیر یہ نمازیں ادا ہی نہیں کی جاسکتیں اور نماز پنج گانہ کی ادائیگی اگرچہ بغیر امام و جماعت کے تنہا تنہا بھی ممکن ہے مگر جماعت ان نمازوں کی بھی واجب ہے اور جماعت کے ساتھ نماز کی ادائیگی بغیر امام کے نہیں ہوسکتی اس لیے ان تمام نمازوں میں شرعاً امام کی ضرورت ہے۔ لہٰذا اس امامت کے لیے اجارہ جائز ہوا۔ لیکن اس کے برخلاف نمازِ جنازہ کے لیے امامت شرط نہیں جیسا کہ فتاویٰ مصطفویہ میں نقل کیے گئے جزئیات سے بہ خوبی ثابت ہوتا ہے اس لیے یہاں امام کی ضرورت نہیں پائی جاتی اور جب ضرورت نہیں تو اس پر اجارہ کی اجازت بھی نہ ہوگی۔

یہ مسئلہ بجائے خود بہت اہم ہے اور صراحت کے ساتھ اس کا حکم کتب فقہ میں مذکور نہیں ہے مگر یہ دقت نظر ہے حضور سیدی مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کہ آپ نے **الجماعة ليست بشرط لصلوة الجنازة** سے اس کا استخراج فرمایا۔ ایسے جزیے سے اس مسئلہ کا استخراج وہی فقیہ اعظم کرسکتا ہے جس کے ساتھ اللہ تبارک و تعالیٰ نے بھلائی کا ارادہ فرمایا ہو۔ **من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين۔**

بارگاہِ رسالت کا ادب واحترام:

آپ کے فتاویٰ میں بارگاہِ رسالت کا ادب واحترام بے پناہ پایا جاتا ہے۔ سچ یہ ہے کہ آپ کی حیات مبارکہ اس شعر کی مصداق تھی ؎

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر

نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

سراج العارفین حضرت علامہ مولانا غلام آسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ انھوں نے اپنے نام کے شروع میں برکت کے لیے لفظ محمد شامل کرلیا تھا۔اس پر سیدی حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تنبیہ فرمائی کہ یہاں اسمِ رسالت نہیں ہونا چاہیے۔علامہ فرماتے ہیں کہ میں نے فوراً عرض کیا کہ حضور پھر ''محمد عبدالحئی'' کا کیا حکم ہوگا۔اس کے جواب میں حضرت نے فرمایا، کجا عبدالحی وکجا غلام آسی؟ علامہ فرماتے ہیں، یہ جواب سن کر میں حیرت زدہ رہ گیا اور حضرت کے تفقہ فی الدین کی عظمت دل میں خوب خوب رچ بس گئی۔

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے اپنے ارشاد سے یہ رہنمائی فرمائی ہے کہ جس نام کے شروع میں لفظ محمد لایا جائے، اگر اس نام کا اطلاق لفظ ''محمد'' پر درست ہو تو وہاں لفظ ''محمد'' لانا درست ہوگا، اور اگر نام کا اطلاق لفظ ''محمد'' پر درست نہ ہو تو وہاں لفظ ''محمد'' شروع میں لانا درست نہ ہوگا۔حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم عبدالحی ہیں لہذا محمد عبدالحی کہنا درست ہے، لیکن غلام آسی نہیں ہیں، اس لیے محمد غلام آسی کہنا نامناسب ہے۔

جس شخصیت نے اپنے فتاویٰ میں بارگاہِ رسالت کے ادب کے تعلق سے ایسی باریک بینی اور دقت نظر کا التزام کیا ہو وہ یقینا رضائے مصطفی ہوگی اور بجا طور پر بارگاہِ رسالت سے اس انعام کی مستحق ہوگی کہ خلق خدا اسے مفتی اعظم کے نام سے یاد کرے۔

☆☆☆☆☆

مفتی اعظم۔مفتی اعظم کیوں؟

مولانا مفتی مطیع الرحمن رضوی مضطرؔ پورنوی

شعبۂ افتا جامعہ حضرت بلال، بنگلور، کرناٹک

لفظ افتا مصدر ہے جس کے لغوی معنی ''رائے اور جواب دینا'' ہیں اس معنی کے اعتبار سے قرآن کریم میں ملکۂ بلقیس کا یہ قول نقل ہوا ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِیْ فِیْٓ اَمْرِیْ (سورہ نمل، آیت ۳۲) اے سردارو! میرے اس معاملہ میں مجھے رائے دو۔

''مفتی'' اس کا اسم فاعل ہے تو لغت کے اعتبار سے اس کا معنی ہوا۔ ''رائے اور جواب دینے والا'' اصطلاح میں افتا کے معنی ''شرعی فیصلہ اور حکم بتانا'' علامہ ابن عابدین شامی (ردالمحتار ج۔ ۴ ص ۳۳۶، داراحیاء التراث العربی، بیروت پر) لکھتے ہیں:

الافتاء افادة الحکم الشرعی فتویٰ دینے کا مطلب حکم شرعی سے آگاہ کرنا ہے۔

امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں

انما الافتاء ان تعتمد علی شئ و تبین لسائلک ان ھذا حکم الشرع فیما سئلت (فتاویٰ رضویہ، جلد ۱، صفحہ ۳۸۲) فتوی دینے کے معنی پورے اعتماد کے ساتھ سائل کو اس کے سوال کا حکم شرعی بتانا ہے۔

افتاء کی اہمیت وعظمت کا اندازہ اسی سے لگایا جا سکتا ہے کہ خداوند قدوس نے قرآن میں اس کی اسناد خود اپنی طرف فرمائی ہے۔

وَیَسْتَفْتُوْنَکَ فِی النِّسَآءِ ط قُلِ اللّٰہُ یُفْتِیْکُمْ فِیْھِنَّ (سورہ نساء، آیت ۱۲۷) اورتم سے عورتوں کے بارے میں فتویٰ پوچھتے ہیں تم فرمادو کہ اللہ تمھیں ان کا فتویٰ دیتا ہے۔

اس اعتبار سے یہ کہنا بجا ہوگا کہ قرآن کریم خدائے تعالیٰ کے فتاویٰ کا ایک کامل مجموعہ بھی ہے۔ پھر رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چوں کہ خدا کے خلیفۂ مطلق اور مظہر اتم ہیں اس لیے اس نے اپنی اس صفت سے بھی آپ کو نوازا اور منصب افتا پر سرفراز فرمایا۔ قرہبی

مقامات کے صحابۂ کرام اپنے تمام درپیش مسائل لے کر آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے اور آپ انھیں شرعی احکام سے مطلع فرماتے جس کا سلسلہ وصال کے وقت تک جاری رہا۔اس لیے یہ بات پورے یقین واعتماد کے ساتھ کہی جائے گی کہ احادیث پاک کے خزانے جہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اقوال وافعال اور تقریر واثبات کے مظہر ہیں، وہیں آپ کے فتاویٰ کے حسین ترین مجموعے بھی ہیں۔وہ مقامات جہاں کے لوگ اپنی ہر ضرورت پر آپ کی بارگاہ میں حاضر نہیں ہو سکتے تھے ان مقامات کے لیے آپ نے اپنی نیابت میں بعض اجلۂ صحابہ کو بھی یہ ذمہ داری دے رکھی تھی۔اور وہ حضرات قرآن وحدیث کے مطابق عامۃ الناس کو فتاویٰ دیتے اور جب کسی نئی پیش آمدہ صورت کا حکم انھیں قرآن وحدیث کے ذخائر میں نہ ملتا تو اجتہاد سے کام لیتے اور امثال ونظائر کو سامنے رکھ کر انھیں احکام شرعیہ سے آگاہ کرتے۔ان خوش نصیبوں میں حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نمایاں حیثیت کے حامل ہیں۔

(اصول الشاشی مع احسن الحواشی، ص ۸۳)

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد یہ منصب عظیم پورے طور پر صحابہ کرام کو تفویض ہو گیا۔کم وبیش ایک لاکھ صحابہ میں سے متعدد حضرات ایسے تھے جو بجا طور پر اس منصب پر فائز ہوئے اور باحسن وجوہ اس فریضہ کو انجام دیا۔صحابۂ کرام میں وہ نفوس قدسیہ جنھوں نے یہ فریضہ انجام دیا ان کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی مرتضیٰ، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت عبد اللہ بن عباس، حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم وارضاہم عنا۔(نور الانوار، ص ۱۸۳)

پھر صحابہ کرام کے بعد تابعین کا دور آیا تو اس منصب رفیع پر وہ فائز ہوئے اور اپنے فتاویٰ سے امت مسلمہ کی رہنمائی فرمائی۔اس دور کے فتاویٰ دینے والے بزرگوں میں سرفہرست حضرت علقمہ بن قیس، حضرت ابراہیم بن زید، حضرت حماد بن مسلم، حضرت نعمان بن ثابت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں۔(رد المحتار، جلد ا، ص ۴۹)

افتا یا فتاویٰ نویسی کا آغاز فن کی صورت میں امام اعظم ابو حنیفہ نے ہی کیا اور انھوں نے ہی اس کے قواعد وقوانین مقرر فرمائے۔علامہ ابن عابدین لکھتے ہیں:

امام الائمۃ سراج الامۃ ابو حنیفہ النعمان فانہ اول من دون الفقہ و رتبہ ابوابا وکتبا علی نحو ماعلیہ الیوم و تبعہ مالک فی مؤطا و من کان قبلہ انما کانوا یعتمدون علی حفظھا (شامی جلد ا، ص ۵۰)

امام الائمہ سراج الامہ امام ابو حنیفہ نے سب سے پہلے تدوین فقہ کا کام کیا اور الگ الگ نوع کے مسائل کے لیے الگ الگ کتاب اور باب متعین کیے آج تک یہی طریقہ دنیا میں مروج ہے۔امام مالک نے مؤطا میں امام اعظم ہی کا اتباع کیا ہے آپ سے پہلے کے لوگ یادداشت ہی پر اعتماد کرتے تھے۔

تابعین کے بعد تبع تابعین کا زمانہ آیا تو یہ ذمہ داری ان کے سر آئی اور انھوں نے یہ فریضہ انجام دیا۔اس زمانہ کے فتاویٰ دینے والوں میں یہ حضرات خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔امام مالک، امام احمد بن حنبل، امام شافعی، امام ابو یوسف، امام محمد علیہم الرحمۃ

والرضوان۔

فن افتا کے اصول وضوابط امام یوسف ہی نے مرتب فرمائے ہیں اور امام محمد نے اسے بام عروج تک پہنچایا ہے۔علامہ شامی لکھتے ہیں:

دقق النظر فی قواعد الامام واصوله واجتهد فی زیادة استنباط الفروع منها والاحکام تلمیذ الامام الاعظم ابویوسف یعقوب بن ابراهیم قاضی القضاة فانه کما رواه الخطیب فی تاریخه اول من وضع الکتب فی اصول الفقه علی مذهب ابی حنیفة و زاد فی استنباط الفروع وتنقیحها و تهذیبها وتحریرها بحیث لم یحتج الی شئ آخر الامام محمد بن الحسن الشیبانی تلمیذ ابی حنیفة وابی یوسف (شامی جلد ۱،ص ۵۰)

امام اعظم کے اصول وقواعد میں تدقیق اوران قواعد واصول سے مسائل واحکام کے استنباط کوفروغ آپ کے شاگرد قاضی القضاۃ ابویوسف یعقوب بن ابراہیم نے دیا ہے۔خطیب نے اپنی تاریخ میں روایت کی ہے کہ امام اعظم کے اصول فقہ پرسب سے پہلے آپ ہی نے کتابیں لکھیں پھر آپ حضرات کے شاگرد محرر مذہب امام محمد بن حسن شیبانی نے اسے تنقیح وتہذیب کرکے اس طرح بام عروج پر پہنچایا کہ اس کے بعد کسی اضافہ کی حاجت نہ رہی۔

صحابہ کرام کے زمانہ سے لے کر تبع تابعین کے عہد تک افتا کے عظیم منصب پر فائز رہنے والی ان خوش نصیب ہستیوں کا جائزہ لیجیے تو اپنی اپنی جگہ ہر ذات اجتہاد کی روشنی سے معمور اور علم وفضل کا آفتاب وماہتاب نظر آئے گی۔

اس لیے تمام علما کا اتفاق ہے کہ جس شخص کے اندر اللہ تعالیٰ نے اجتہاد کی قوت ودیعت نہیں فرمائی ہے وہ حقیقی معنوں میں مفتی نہیں ہے۔علامہ شامی فرماتے ہیں: **ان المفتی حقیقة هو المجتهد فاما غیر المجتهد ممن یحفظ اقوال المجتهد فلیس بمفتٍ۔** (ردالمحتار ج۔۱ص ۱۵۵ داراحیاء التراث العربی، بیروت)

مجتہد ہی حقیقی معنی میں مفتی ہے غیر مجتہد کا فریضہ قول مجتہد کونقل کرنا ہے۔

اور اجتہاد کی صفت گوکہ نبوت کی طرح محض وہبی نہیں ہے جس میں بندے کی جد وجہد اور کسب وریاض کوکوئی دخل نہیں ہوتا ہے۔ پھر بھی دوسری بہت سی صفتوں کی طرح محض کسبی نہیں کہ خدائے تعالیٰ کی خصوصی عطا کے بغیر جد وجہد اور کسب وریاض سے حاصل ہوجائے۔ بل کہ کسبی اور وہبی کے درمیان ایک برزخ ہے جو جد وجہد اور کسب وریاض کے ساتھ ساتھ خدائے وہاب کی عنایت اور خصوصی عطا سے حاصل ہوتی ہے۔رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

من یرد الله به خیرا یفقهه فی الدین۔ (مشکوٰۃ شریف،حدیث۔۲۰۰ دارالکتب العلمیہ ،بیروت)

اللہ تعالیٰ جسے خیر سے نوازنا چاہتا ہے اسے اجتہاد کی صفت سے سرفراز فرمادیتا ہے۔

علامہ نووی لکھتے ہیں: **حکی بعض الاصحاب منا انه لم یوجد بعد عصر الشافعی مجتهد مستقل۔** (شرح المہذب،ص ۷)

ہمارے بعض اصحاب نے فرمایا ہے کہ دور شافعی کے بعد مفتی مستقل پیدا نہیں ہوئے۔

گویا امام شافعی ہی (ان اصحاب کے بقول) مفتیان مطلق کے خاتم اوران کی آخری کڑی ہیں آپ کے بعد مفتی مطلق کے منصب

پر نہ کوئی فائز ہوا ہے اور نہ امام مہدی کی تشریف آوری تک بہ ظاہر کوئی فائز ہو سکے گا۔

مگر چوں کہ اسلام خدا کا آخری دین اور قیامت تک باقی رہنے والا مذہب ہے پھر ایجادات و اختراعات کا سلسلہ بھی روز افزوں ہے جس کے نتیجہ میں نئے نئے مسائل کا پیدا ہوتے رہنا لازمی ہے تو ضروری ہے کہ ان نئے پیش آنے والے مسائل کے سلسلہ میں مسلمانوں کو احکام شرعی سے مطلع کرنے کے لیے مفتیانِ کرام کا ''سلسلۃ النور'' بھی ہر زمانے میں قائم رہے۔ اس لیے خداوند قدوس نے مفتیان منتسبین کو ان کے مراتب کے لحاظ سے ایک گونہ اجتہادی صلاحیتوں سے نوازا اور افتا کے کوہ گراں کا باران کے سروں پر رکھا۔ رسول کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لا یزال طائفۃ من امتی ظاھرین علی الحق حتی تأتی الساعۃ (ردالمحتار جلد ا،ص ۷۸)

قیامت آنے تک میری امت کی ایک جماعت حق پر قابو یافتہ رہے گی۔ اس کا ایک معنی یہ بھی لیا گیا ہے کہ ایک جماعت ہمیشہ قوت اجتہاد سے متصف رہے گی۔

ان مفتیان منتسبین کا فریضہ یہ ہے کہ مفتیان مطلق کی راہ سے الگ نہ ہوں انھیں کے اصول وضوابط کی روشنی میں اجتہاد سے کام لیں اور نئے مسائل میں امت مسلمہ کی رہ نمائی فرمائیں۔ علامہ شامی لکھتے ہیں: **التحقیق ان المفتی فی الوقائع لا بدلہ من ضرب اجتہاد و معرفۃ باحوال الناس۔** (شامی جلد ۳،ص ۳۹۸)

نئے مسائل کے جواب کے لیے ضروری ہے کہ مفتی ایک گونہ اجتہاد سے متصف اور احوال الناس سے باخبر ہو۔

امام نووی نے قوت اجتہاد میں فرق کے لحاظ سے مفتیان منتسبین کو چار گروہ میں تقسیم فرمایا ہے۔

ا-اصحاب التخریج ،(۲) مجتہدین فی المسائل (۳) اصحاب الترجیح (۴)اصحاب تمییز (شرح المہذب ص۶ تا ۸)

علامہ شمس الدین بن کمال پاشا نے ایک پانچواں طبقہ ناقلین عن المجتہدین کا بھی اضافہ فرمایا ہے۔ (شامی جلد ا،ص ۷۷)

اب ان مفتیان منتسبین کے اپنے اپنے طبقوں میں جن کے اندر اجتہاد کی قوت سب سے زیادہ ہوگی وہ اس طبقہ میں مفتی اعظم قرار پائیں گے مثلاً مجتہدین فی المسائل میں سے جن کے اندر اجتہاد فی المسائل کی قوت سب سے زیادہ ہوگی وہ مجتہدین فی المسائل میں مفتی اعظم ہوں گے۔ اصحاب تخریج میں سے جن کے اندر اجتہاد فی التخریج کی قوت سب سے زیادہ ہوگی وہ اصحاب تخریج میں مفتی اعظم ہوں گے۔ علیٰ ہذا القیاس۔ ناقلین میں سے جن کے اندر اجتہاد فی النقل کی قوت سب سے زیادہ ہوگی وہ ناقلین میں مفتی اعظم ہوں گے اور قوتِ اجتہاد کی کمی و زیادتی کا اندازہ خارجی اور داخلی دونوں طرح کی شہادتوں سے لگایا جائے گا۔

خارجی شہادت سے میری مراد اس طبقہ یا عہد کے مفتیانِ کرام کے پیہم اعترافات سے ہے۔ اسی طرح داخلی شہادت سے مراد نئے پیش آمدہ مسائل کے حل اور اس باب میں مفتیان کرام کے فتاویٰ کا تقابلی جائزہ سے ہے۔

قوتِ اجتہاد کی شدت وضعف کے جس پیمانہ کی نشاندہی میں نے کی ہے اسے معیار قرار دے کر امام احمد رضا کے جانشین حضور مفتی اعظم کی ذات کو دیکھیے تو آپ کو یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہ ہوگا کہ افتائے عظیم کی حسین قبا صرف آپ کے ہی جسم انور پر پھبتی ہے۔ اس لیے اس عہد میں اس منصب کا مستحق آپ کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔

محب گرامی مولانا سید شاہد علی صاحب نے جانشین مفتی اعظم علامہ ازہری سے، انھوں نے نمونۂ سلف علامہ مبین الدین امروہوی سے، انھوں نے صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی کے حوالہ سے فرمایا ہے: ہمارے ممدوح کو مفتی اعظم کا یہ لقب امام احمد رضا

کے دور میں ہی مل گیا۔سید اعجاز حسین بریلوی مرحوم نے بلا سند ماہنامہ اعلیٰ حضرت ربیع الاول ۱۳۸۵ھ جولائی ۱۹۶۵ء میں تحریر فرمایا کہ یہ لقب خود امام احمد رضا نے ہی عطا فرمایا۔

کاش یہ حضرات اس دور کی کوئی تحریری شہادت بھی پیش کر دیتے تو بات تشنۂ ثبوت نہیں رہ جاتی۔آپ اس سے صرف نظر کر کے بھی امام احمد رضا کے بعد دنیاے اسلام کے اصحاب فتاویٰ کی فہرست کا مختصر جائزہ لیجیے تو دیکھیں گے کہ

۱ - مکہ مکرمہ میں	مفتی سید امین قطبی، مفتی سید عباس علوی
۲ - مدینہ منورہ میں	مفتی ضیاء الدین مہاجر مدنی
۳ - بغداد شریف میں	مفتی سید عبد المعبود جیلانی
۴ - مارہرہ مطہرہ میں	مفتی سید اولاد رسول محمد میاں برکاتی
۵ - بریلی شریف میں	حجۃ الاسلام مفتی حامد رضا خان، مفتی حسنین رضا خان
۶ - جبل پور میں	عید الاسلام مفتی عبد السلام، برہان الملت مفتی برہان الحق
۷ - علی پور میں	مفتی جماعت علی شاہ محدث علی پوری
۸ - الور میں	مفتی سید دیدار علی، مفتی سید ابو البرکات
۹ - علی گڑھ میں	مفتی سید سلیمان اشرف بہاری
۱۰ - گورکھپور میں	مفتی سید شاہد علی سبز پوش
۱۱ - اعظم گڑھ میں	صدر الشریعہ مفتی امجد علی
۱۲ - مراد آباد میں	صدر الافاضل مفتی سید نعیم الدین
۱۳ - کچھوچھہ مقدسہ میں	مفتی سید محمد محدث اعظم ہند
۱۴ - پورنیہ میں	مفتی سکندر علی رشیدی
۱۵ - پھپھوند شریف میں	مفتی سید مصباح الحسن چشتی
۱۶ - پٹنہ میں	ملک العلما مفتی ظفر الدین بہاری
۱۷ - سیالکوٹ میں	مفتی فتح علی
۱۸ - ہزارہ میں	مفتی عالم جان، مفتی عمر الدین
۱۹ - حیدر آباد میں	مفتی عبد القدیر بدایونی
۲۰ - میرٹھ میں	مفتی مختار احمد، مفتی عبد العلیم صدیقی
۲۱ - لکھنؤ میں	مفتی عبد الاحد
۲۲ - اجمیر معلیٰ میں	مفتی امتیاز احمد
۲۳ - دہلی میں	مفتی مظہر اللہ
۲۴ - بھاول پور میں	مفتی سراج احمد خان

۲۵ - پیلی بھیت میں	مفتی ضیاء الدین، شیر بیشۂ اہل سنت مفتی حشمت علی
۲۶ - آگرہ میں	مفتی عبدالحفیظ
۲۷ - فرنگی محل میں	مفتی صبغۃ اللہ
۲۸ - ملتان میں	مفتی نظام الدین
۲۹ - کراچی میں	مفتی عبدالکریم
۳۰ - سندھ میں	مفتی محمد حسین بلوچستانی
۳۱ - بدایوں میں	مفتی عبدالحامد بدایونی
۳۲ - سہسوان میں	مفتی سید غلام قطب الدین برہمچاری
۳۳ - سیتاپور میں	مفتی محمد اسماعیل محمود آبادی وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم

کیسے کیسے صاحبان فضل وکمال اور اہل علم وافتا موجود تھے مگر سب نے بالاتفاق کسی کی قوت اجتہاد اور فقاہت نفس کا اعتراف کیا ہے اور کسی کو مفتی اعظم کہا، لکھا، چھاپا ہے تو وہ صرف ہمارے ممدوح مولانا مصطفی رضا کی ذات ہے۔

امام احمد رضا کے ساتویں عرس منعقدہ ۲۵؍صفر ۱۳۴۷ھ کے عظیم الشان اجلاس میں حجۃ الاسلام سمیت غیر منقسم ہندوستان کے بڑے بڑے مفتیان کرام اور علمائے عظام موجود تھے۔اس اجلاس میں آپ کو مفتی اعظم کہا گیا اور حضرت حجۃ الاسلام کے حکم سے منظور شدہ تجویزوں میں سے ایک تجویز میں آپ کے لیے مفتی اعظم کا لفظ آیا ہے۔(دبدبۂ سکندری، رام پور، شمارہ ۹، جلد ۶۶، ص ۲۰۶، اگست ۱۹۲۸ء)

آل انڈیا سنّی کانفرنس منعقدہ ۲۷ تا ۳۰؍اپریل ۱۹۴۶ء مقام بنارس کے تاریخ ساز اجلاس جس میں پانچ سو مشائخ عظام سات ہزار مفتیان کرام اور علمائے فخام شریک تھے اس میں آپ کو بار بار مفتی اعظم کے لقب سے یاد کیا گیا اور اس کی مختلف تجویزوں میں مفتی اعظم لکھا گیا ہے۔(المیزان اپریل ۱۹۸۷ء، ص ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۴)

تاجدار اشرفیت حضرت مفتی سید محمد محدث اعظم ہند نے اپنے خطبۂ صدارت ''ارشادات دین پرور'' میں فرمایا ہے۔''میرا خیال ہے سنّی جمعیۃ العلما کیا چیز ہے؟ سطور بالا میں اس سوال کا جواب مفصل آچکا ہے۔کاش اس سوال کا جواب حضرت مفتی اعظم سنیوں کا آقا، سنیوں کا مرکزی آسرا کا قلم دیتا۔'' (المیزان اپریل ۱۹۸۷ء، ص ۱۴۱)

یہ حضور مفتی اعظم کے مفتی اعظم ہونے سے متعلق خارجی شہادتیں تھیں اب آیئے اور داخلی شہادتیں ملاحظہ فرمایئے۔

۱۸؍سال کی عمر ہے عنفوان شباب کا زمانہ کسی کام سے دارالافتا پہنچے تو دیکھا ملک العلما مولانا ظفر الدین بہاری رضاعت کے ایک استفتا کے جواب کے لیے فتاویٰ رضویہ کی طرف مراجعت کر رہے ہیں۔بے ساختہ زبان پر آ گیا۔فتاویٰ رضویہ دیکھ کر جواب لکھتے ہیں؟ ملک العلما نے فرمایا ''آپ بغیر فتاویٰ رضویہ دیکھے لکھ دیں تو جانیں؟ یہ سن کر فقاہت نفس موجزن ہو جاتی ہے۔فتاویٰ رضویہ دیکھنا تو دور کی بات ہے کسی بھی فتاویٰ کو دیکھے بغیر جواب لکھ دیا۔اصلاح کے لیے امام احمد رضا کی بارگاہ میں پیش ہوا۔وہ امام احمد رضا جن کے متعلق علمائے عرب کا فیصلہ ہے۔

واللّٰہ اقول والحق اقول لو رآھا ابو حنیفۃ النعمان لاقرت عینہ ولجعل مؤلفھامن جملۃ الاصحاب۔(الاجازات المتینۃ لعلماء بکۃ والمدینۃ ص ۲۲ رضا اکیڈمی ممبئی) (ترجمہ) آپ امام اعظم کے زمانہ میں ہوتے تو

امام اعظم بالیقین آپ کو اپنے اصحاب میں داخل فرمالیتے۔

امام احمد رضا اس میں اصلاح کی گنجائش نہیں پاتے۔ **صح الجواب بعون اللہ العزیز الوھاب** لکھ کر تصدیق فرماتے ہیں اور خوش ہوکر پانچ روپے انعام دیتے ہیں پھر ابوالبرکات محی الدین جیلانی محمد عرف مصطفیٰ رضا کی مہر بنوا کر عطا فرماتے ہیں۔

(تذکرہ علمائے اہل سنت ص ۲۲۳)

امام احمد رضا کے بعد اجتہاد کے متقاضی جن نئے مسائل سے امت مسلمہ دوچار ہوئی اس میں انجکشن سے روزہ ٹوٹنے نہ ٹوٹنے۔ راکٹ کے ذریعہ چاند پر پہنچ سکنے نہ پہنچ سکنے۔ حج فرض کے لیے فوٹو کھنچوانے کا جواز عدم جواز اور لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر اقتدا کی صحت وعدم صحت کے مسئلے خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔

اس لیے ہم اس مقالہ میں وقت کی قلت کا لحاظ رکھتے ہوئے بہت ہی اختصار کے ساتھ ترتیب وار انھیں چند مسائل میں حضور مفتی اعظم کی قوت اجتہاد اور فقاہت نفس کا جائزہ لینے اور دوسرے مفتیانِ کرام کے فتاویٰ سے آپ کے فتاویٰ کے تقابل پر اقتصار کریں گے۔

انجکشن سے روزہ ٹوٹنے نہ ٹوٹنے کا مسئلہ جب پہلی بار مفتیان کرام کے سامنے آیا تو بیشتر حضرات متردد رہے۔ کچھ حضرات نے یہ فتویٰ دیا کہ ''روزہ کی حالت میں انجکشن لگوانے سے روزہ فاسد ہوجائے گا کیوں کہ انجکشن کی سیال دوائیں معدہ میں بھی پہنچتی ہیں اور خارج سے کسی چیز کا معدہ میں پہنچنا مفسد روزہ ہے۔'' اور کچھ حضرات نے یہ فتویٰ صادر فرمایا کہ ''گوشت میں انجکشن لگوانے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ ہاں رگ میں لگوایا جائے تو فاسد ہوجائے گا کیوں کہ دوائیں گوشت سے معدہ میں نہیں پہنچتی ہیں اور رگ سے پہنچ جاتی ہیں۔'' لیکن مفتی اعظم نے ارشاد فرمایا ''انجکشن گوشت میں لگوایا جائے خواہ رگ میں کسی بھی صورت میں اس کی دوائیں معدہ تک منفذ کے ذریعہ نہیں پہنچتی ہیں بل کہ مسامات کے ذریعہ پہنچتی ہیں، اس لیے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ جیسے ٹھنڈے پانی سے غسل کرنے میں اس کی تری مسامات کے ذریعہ بسا اوقات معدہ تک پہنچ جاتی ہے اور روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے۔ آنکھوں میں دوا ڈالنے سرمہ لگانے سے اس کا ذائقہ حلق میں محسوس اور رنگت تھوک میں دکھائی دے تو روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے۔''

حضور مفتی اعظم نے اس فتویٰ میں جہاں فقہ کے اس ضابطۂ کلیہ ''خارج سے کوئی چیز غیر منفذ کے ذریعہ معدہ تک پہنچے تو روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے۔'' سے استدلال فرمایا ہے۔ اور ٹھنڈے پانی سے غسل کرنے، آنکھوں میں دوا ڈالنے، سرمہ لگانے جیسے امثال ونظائر سے کام لیا ہے، وہیں اس بات کی طرف بھی واضح اشارہ فرمادیا ہے کہ شریعت مطہرہ کا کوئی حکم کسی طبی تحقیق پر مبنی ہو تو اس سے صرف نظر کرکے فتویٰ صادر کردینا غلطی کا باعث بن جاتا ہے۔ فساد روزہ کا حکم دینے والے مفتیان کرام نے اگر یہ تحقیق کرلی ہوتی کہ گوشت یا رگ سے معدہ تک منفذ نہیں ہے تو فتویٰ دینے میں ان سے یہ غلطی نہیں ہوتی۔ بہر حال اس فتویٰ سے آپ کی مجتہدانہ صلاحیتوں کا کافی سراغ ملتا ہے۔

جب چاند کی دھرتی پر پہلا قدم رکھنے کے لیے روس وامریکہ ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی جدوجہد کررہے تھے تو چاند کو خدائی درجہ دینے اور اس کی عبادت وبندگی کرنے والوں کے ساتھ ساتھ بعض مفتیان کرام بھی اسے روس وامریکہ کا جنون اور بکواس کہہ رہے تھے۔ ان کا استدلال یہ تھا کہ ''چاند آسمان کے اندر ہے اور آسمان تک کسی غیر مسلم کا پہنچنا محال شرعی ہے، اس لیے روس یا امریکہ کے چاند پر پہنچنے میں کامیاب ہوجانے کا خیال اسلامی اصول کے خلاف ہے۔''

بیشتر علمائے کرام گومگو کی کیفیت سے دوچار خاموش تھے لیکن مفتی اعظم نے فرمایا ''جب چاند کی طرف نگاہ اٹھائی جاتی ہے تو وہ آسمان کے نیچے دکھائی دیتا ہے۔ صحابی رسول رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تفسیر کے مطابق بھی سورج، چاند

اور ستارے سبھی آسمان میں مسخر ہیں۔ جیسا کہ تفسیر مدارک میں ''کُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَسْبَحُوْنَ'' (سورۂ انبیا ۲۱/ ۳۳) کی تفسیر میں ہے۔ **عن عباس ان المراد بالفلک السماء والجمھور علی ان الفلک موج مکفوف تحت السماء تجری فیه الشمس والقمروالنجوم** (ص ۷۱۵، پارہ۔۱۶، دارالمعرفہ، بیروت) یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا موقف یہ ہے کہ فلک سے مراد آسمان ہی ہے جب کہ جمہور کے مسلک کے مطابق سورج، چانداور ستارے سب زمین وآسمان کے درمیان ایک موج مکفوف میں تیر رہے ہیں۔ الغرض مسلک جمہور کی روشنی میں مشاہدہ اورروایات دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ چاندآسمان کے نیچے ہےاور جب آسمان کے نیچے ہےتو چاند پر پہنچنے سے آسمان پر پہنچنا کہاں لازم آتا ہے کہ چاند پر پہنچنا محال شرعی ہوجائے۔ ہمارے نزدیک انسان کا چاند تک پہنچنا ممکن ہے۔اور اگر کسی مشینی ذریعہ سے انسان چاند تک پہنچ جائےتو اس سے اسلام کا کوئی اصول مجروح نہیں ہوگا۔''

حضور مفتی اعظم کے اس فتویٰ سے جہاں آپ کی مجتہدانہ صلاحیت کا نشان ملتا ہے، وہیں تفاسیر پر گہری نظر اور اسلامی اصولوں سے پوری واقفیت کا بھی اندازہ لگتا ہے جو اجتہاد کے لوازم ہیں۔

حضور مفتی اعظم کے اس فتویٰ سے نئے مسائل کو حل کرنے کے سلسلہ میں عالم اسلام کے بڑے بڑے مفتیان کرام پر آپ کا علمی تفوق اور قوت اجتہاد میں برتری روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

ہندوستانی حکومت نے شروع شروع میں حج کے لیے بھی پاسپورٹ پر فوٹو لازمی قرار دیا تو تمام مفتیان کرام اس خصوص میں فوٹو کھنچوانے کے جواز وعدم جواز سے متعلق شش وپنج میں مبتلا ہوگئے۔ بعض حضرات نے جواز کا فتویٰ دیا اور لکھا ''حج فرض کی ادائیگی ضروری ہے جو فوٹو کھنچوائے بغیر نہیں ہوسکتی اور فوٹو کھنچوانا شرعاً ممنوع ومحظور ہے۔ تو **الضرورات تبیح المحظورات** کے تحت ناجائز وگناہ نہیں رہنا چاہیے مباح ہوجانا چاہیے۔ نیز حج فرض ہوجانے کے بعد ادائیگی میں تاخیر کرنا از روے شرع بلیۃ (آزمائش) ہے اور فوٹو کھنچوانا بھی بلیہ مگر حج کی ادائیگی میں تاخیر کے بلیہ سے فوٹو کھنچوانے کا بلیہ اَہْوَن (زیادہ ہلکی) ہے۔ کیوں کہ حج کی ادائیگی میں تاخیر گناہ وفسق ہے اس لیے **من ابتلی ببلیتین وھما متساویتان یاخذ بایتھما شاء وان اختلفتا یختار اھونھما لان مباشرۃ الحرام لاتجوز الا للضرورۃ ولاضرورۃ فی حق الزیادۃ** (الاشباہ والنظائر ج۔ا ص ۲۶۱ القاعدۃ الخامسہ: الضرر یزال، کراچی) کے تحت فوٹو کھنچوا کر ادائیگی حج کی اجازت ہونی چاہیے۔ جیسے کسی کا کسی پر کوئی حق ہو اور وہ جھوٹ بولے بغیر حاصل نہ ہوسکتا ہوتو شریعت نے اسے احیائے حق کے لیے جھوٹ بولنے کی رخصت دی ہے۔ باوجودیکہ عام حالات میں جھوٹ بولنا گناہ ہے۔ اسی طرح فوٹو کھنچوانا بھی اگرچہ گناہ ہے مگر چوں کہ حج فرض اس کے بغیر ادا نہیں ہوسکتا ہے تو اسقاط فرض کے لیے فوٹو کھنچوانے کی بھی رخصت ہونی چاہئے۔ ہاں حج نفل کے لیے فوٹو کھنچوانا جائز نہیں ہوگا۔'' لیکن حضور مفتی اعظمنے فرمایا: حج کے لیے امن طریق بالاتفاق شرط ہے۔ ایک روایت کے مطابق نفس وجوب کی شرط اور دوسری اصح اور راجح روایات کے مطابق وجوب ادا کی شرط۔ ردالمحتار میں ہے۔ **وقد منا عن اللباب انه من شروط وجوب الاداء فی شرحه انه الاصح ورجحه فی الفتح وروی عن الامام انه شرط وجوب** (ردالمحتار ج۔۳ ص ۴۶۲، کتاب الحج، دارالکتب العلمیہ، بیروت) اور امن مطلق ہے جو حسی وشرعی دونوں کو شامل ہے تو جس طرح امن حسی نہ ہو یعنی راہ میں لوٹ مار سے جان ضائع ہونے کا ظن غالب ہو تو پہلی روایت کے مطابق حج ہی فرض نہیں اور دوسری اصح اور راجح روایت کے مطابق حج فرض ہے مگر ادا کرنا فرض نہیں۔ اس میں تاخیر جائز ہے۔ اسی طرح امن شرعی نہ ہو یعنی ارتکاب حرمت کرنا پڑے۔ جیسے عورت کو شوہر یا محرم کی ہمراہی نصیب نہ ہو یا عورت عدت کی حالت میں ہو تو ایک روایت کے مطابق حج ہی فرض نہیں اور دوسری اصح اور راجح روایت کے مطابق حج فرض ہے مگر ادا کرنا

فرض نہیں۔اس میں تاخیر جائز بل کہ واجب ہے۔فوٹو کھنچوانے میں بھی ارتکاب حرمت ہے تو ایسی صورت میں بھی امن شرعی مفقود ہوا۔لہٰذا پہلی روایت کے مطابق سرے سے حج ہی فرض نہیں ہوگا اور دوسری اصح اور راجح روایت کے مطابق حج فرض ہوگا مگر ابھی ادا کرنا فرض نہ ہوگا۔اس میں تاخیر جائز بل کہ واجب ہوگی۔پہلی روایت کے مطابق حج فرض ہی نہیں تو فوٹو کھنچوا کر حرام کا مرتکب ہونا غیر فرض کے لیے ہے جس کے معصیت ہونے میں شبہہ نہیں۔دوسری اصح اور راجح روایت کے مطابق حج اگرچہ فرض ہے مگر ابھی ادا کرنا فرض نہیں۔تو اب بھی درحقیقت غیر فرض ہی کے لیے فوٹو کھنچوانا ہوگا۔اس لیے اس صورت میں بھی گناہ سے مفر نہیں۔''

پھر یہ مسئلہ اور اس طرح کے تمام مسائل کو حل کرنے کے لیے یہ قاعدہ کلیہ بیان فرمایا ''جب امتثال مامور بہ ارتکاب حرام کو مستلزم ہو تو مامور بہ کو مؤخر کرنا واجب ہو جاتا ہے اور حرام سے پرہیز کرنا لازم رہتا ہے کہ پرہیز ہی راجح ہے۔یہاں تک کہ امتثال مامور بہ کے لیے اگر ارتکاب حرام کرے گا تو فاسق ہو جائے گا۔'' اور اس کی تائید میں غنیۃ شرح منیہ اور اس کے علاوہ دوسری کئی کتابوں سے یہ نظیر پیش کی ''موضع ستر میں قدر درہم سے زیادہ نجاست لگی ہو تو اس کا دھونا فرض ہے۔اور دوسرے کے سامنے ستر کھولنا حرام ہے۔اب اگر دوسرے کے سامنے ستر کھولے بغیر دھونے کی کوئی صورت نہ ہو تو ستر کھولنا جائز نہیں۔''

غنیۃ شرح منیہ (کتاب الطہارت: کیفیۃ الاستنجاء بالماء) میں ہے:

لا یجوز الکشف عند احد اصلاً لانہ حرام یعذر بہ فی غسل طھارۃ النجاسۃ اذا لم یمکنہ ازالتھا من غیر کشف۔ و قال البزازی و من لم یحدث منہ ترکہ و لو علی شط نھر لان النھی راجح عل الامر حتی یستوعب النھی الازمان و لم یقتض الامر التکرار۔ و قال قاضی خان قالوا من کشف العورۃ للاستنجاء یصیر فاسقا الخ۔

(ص ۱۶، کتاب الطہارۃ، باب الوضوو الغسل، نول کشور لکھنؤ ۱۸۷۸ء)

اس مقام تک حضور مفتی اعظم نے اپنے مدعا کو مدلل طور پر ثابت کیا ہے اور ضمناً اس فتویٰ میں پیش کی گئی دلیلوں کے جواب کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے۔مگر اب اس کے بعد بالقصد اس فتویٰ کی دلیلوں کو رد کرنے کی طرف متوجہ ہوئے۔فرماتے ہیں:

۱- ہم ثابت کر آئے ہیں کہ فوٹو کھنچوانے کی شرط پر ایک روایت کے مطابق سرے سے حج ہی فرض نہیں ہوگا اور دوسری اصح اور راجح روایت کے مطابق حج اگرچہ فرض ہے مگر ابھی ادا کرنا فرض نہیں۔تو ضرورت ہی متحقق نہیں ہوئی۔ اسلیے ''**الضرورات تبیح المحظورات**'' سے استدلال صحیح نہیں۔

۲- جب یہ ثابت ہو چکا کہ ابھی ادا کرنا بہر حال فرض نہیں تو تاخیر میں سرے سے گناہ ہی نہیں اور جب گناہ ہی نہیں تو **بلیتین** (دونوں آزمائشیں) کا تحقق کہاں ہوا ہے؟ بلیہ تو صرف فوٹو کھنچوانا ہوا۔اور بالفرض ادائیگی بھی فرض ہو تو بھی تاخیر گناہ کبیرہ نہیں بل کہ اس کے صغیرہ ہونے میں بھی اختلاف ہے۔درمختار میں ہے **علی الفور فی العام الاول عند الثانی فیفسق و ترد شھادتہ بتاخیرہ ای سِنِین لان تاخیرہٗ صغیرۃ و بارتکابہ مرۃ لا یفسق الا بالاصرار۔** شامی میں ہے **۔فیکون التاخیر مکروھاً تحریماً لا حراماً لان الحرمۃ لا تثبت الا بقطعی۔**(ج۔۳ص ۴۵۴ کتاب الحج، دار الکتب العلمیہ، بیروت) اور فوٹو کھنچوانا حرام ہے تو تاخیر ہی **اھون بلیتین** (دو آزمائشوں میں زیادہ ہلکی) ہوگی نہ کہ فوٹو کھنچوانا۔

۳-حق العبد اور حق اللہ دونوں کی روایت متعذر ہونے کی صورت میں حق العبد کی رعایت کو ترجیح حاصل ہے۔لہٰذا جب احیاے حق جھوٹ پر موقوف ہو تو جھوٹ نہ بولنے میں حق العبد فوت ہوگا۔اور جھوٹ بولنے میں حق اللہ فوت ہوگا اور ایسی کوئی صورت نہیں کہ دونوں حقوق کی رعایت ہو سکے لہٰذا حق العبد کی رعایت کو مقدم رکھ کر جھوٹ بولنے کی رخصت دی جائے گی۔صورت متنازعہ میں حج نہ کرنے سے حق اللہ فوت ہوگا اور فوٹو کھنچوانے سے بھی حق اللہ فوت ہوگا۔اور حق اللہ میں نہی کی رعایت امر پر ترجیح رکھتی ہے۔لہٰذا یہ قیاس قیاس مع الفارق ہے۔بل کہ صورت متنازعہ میں جب واجب الادا نہیں تو حج کو مؤخر کرنے سے حق اللہ فوت ہی نہیں ہوگا۔البتہ قریب مرگ اپنی طرف سے حج کے لیے وصیت نہ کرے تو حق اللہ فوت ہوگا۔الخ

نہ معلوم کن مصلحتوں کی بنا پر جناب کلیم اشرف صاحب سنبھلی نے اپنے مضمون ''مفتی اعظم کی انفرادی حیثیت'' میں تحریر فرمایا ہے'' جب وقت کی ایک اہم ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے مفتی اجمل شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے صرف حج فرض کے لیے فوٹو کے جواز کا یہ فتویٰ دیا تو قربان جایئے حضور مفتی اعظم کی شان انفرادیت پر کہ آپ نے نہ ہی اس کی تائید فرمائی نہ ہی مخالفت فرمائی۔ردنہ کرنا اس لیے تھا کہ فتویٰ درست تھا اور تائید نہ کرنا اس لیے تھا کہ یہ آپ کا تقویٰ تھا۔'' (ماہنامہ اعلیٰ حضرت، ستمبر اکتوبر، نومبر، ۱۹۹۰ء، ص ۲۵۱)

اگر کلیم صاحب کو حضور مفتی اعظم کے اس فتویٰ کی اطلاع نہیں تھی تو علم و تحقیق کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اس موضوع سے کنارہ کش رہ کر اپنا دامن بچا جاتے یا پھر کسی وجہ سے لکھنا ہی ضروری تھا تو اس باب سے متعلق حضور مفتی اعظم کے موقف سے اپنی ناواقفیت کا صاف صاف اظہار فرما دیتے۔

بہر کیف حضور مفتی اعظم نے اپنے اس فتویٰ میں اجتہادی بصیرت اور سیاسی صداقت کی ایسی رنگ آمیزی فرمائی ہے کہ ایک طرف تو دلائل و شواہد کی روشنی میں حج فرض کے لیے بھی فوٹو کھنچوانے کی حرمت واضح کر کے یہ ثابت فرمایا ہے کہ ''فی الحال حج کی ادائیگی واجب نہیں۔'' اور دوسری طرف ''حج میں تاخیر کی جائے گی۔'' ''قریب مرگ اپنی طرف سے حج کی وصیت نہ کرے تو حق اللہ فوت ہوگا'' فرما کر یہ اشارہ بھی دے دیا کہ اس سے چھٹکارے کی بھی کوئی صورت نہیں ہے اس لیے ''چلو چھٹی ہوگئی'' سمجھ کر اطمینان سے بیٹھ جانا نہیں چاہیے بل کہ حتی الوسع اس شرط کو ختم کرانے کی جدوجہد کرنی چاہیے۔

کاش! اس وقت مسلمان بالخصوص علما و مشائخ حضور مفتی اعظم کے فتویٰ کی نزاکتوں کو سمجھتے اور فوٹو کے جواز کے لیے ان کمزور شبہات کا سہارا ڈھونڈنے کی بجائے کچھ دنوں کے لیے اجتماعی طور پر حج سے رک جاتے اور علمی و عقلی انداز میں حکومت کو سمجھاتے تو کوئی وجہ نہیں کہ حکومت سنجیدہ نہیں ہوتی۔اور کم سے کم حج فرض کے لیے اس شرط کو ختم ہی نہیں کر دیتی۔کیا حضور مفتی اعظم اور آپ کے اہل خانہ و خدام کو حکومت نے نفل کے لیے بھی اس شرط سے مستثنیٰ نہیں کر دیا؟ بل کہ حافظ ملت مولانا عبدالعزیز محدث مبارک پوری کے لیے بھی حکومت نے یہ شرط ختم کر دی۔(حافظ ملت کے افکار اور کارنامے، ص ۹۸، ۱۳۶)

اس طرح کے موقع پر حج سے اجتماعی طور پر رک جانا عوام کے لیے بھلے ہی اچنبھے کی بات ہوتی مگر علما تو واقف تھے کہ تاریخ میں ایسے بہت سے مواقع آئے ہیں جب مفتیان کرام نے حالات کی نزاکتوں کا احساس کر کے اجتماعی طور پر حج سے رکے رہنے کا فتویٰ دیا ہے۔شامی نے ۶۳۶ھ سے متعلق علامہ اسکاف کا یہ قول نقل کیا ہے۔

لا اقول انه فرض فی زماننا (شامی جلد ۲، ص ۲۶۳) ہم اس زمانہ میں حج کی فرضیت کا فتویٰ نہیں

دیتے۔ انھوں نے ہی علامہ ثلجی کا بھی قول نقل کیا ہے۔ **لیس علی اهل خراسان منذ کذا کذا سنة حج۔** (شامی جلد ۲، ص ۲۶۳) اتنے برسوں سے اہل خراسان پر حج فرض نہیں ہے۔

جب پہلے پہل لاؤڈاسپیکر کی آواز پر اقتدا کا مسئلہ درپیش ہوا تو علمائے کرام مختلف الخیال ہو گئے۔ بعض علما نے اسے حقیقۃً وحکماً ہر طرح عین آواز سمجھ کر اقتدا کو درست قرار دیا۔ بیشتر حضرات نے اسے صدائے بازگشت سمجھا لیکن اقتدا کے مسئلہ میں وہ بھی مختلف ہو گئے۔ معدودے چند نے اقتدا کو درست بتایا اور زیادہ حضرات نے باطل قرار دیا۔

مگر قربان جائیے حضور مفتی اعظم کی شان اجتہاد پر کہ آپ نے حکم کے اعتبار سے موخر الذکر علما کی تصدیق فرماتے ہوئے بھی استدلال میں ان کا ساتھ نہیں دیا۔ یہی وجہ ہے کہ جب بعض عظیم المرتبت مفتیان کرام نے اس سلسلے میں کئی صفحات پر مشتمل مبسوط فتویٰ لکھا جس میں انھوں نے اپنے طور پر یہ ثابت کیا کہ لاؤڈاسپیکر سے مسموع آواز صدائے بازگشت ہے اس لیے اس پر اقتدا فاسد ہوگی۔ اور اس فتویٰ پر آپ سے تصدیق چاہی تو آپ نے ان لفظوں میں تصدیق فرمائی۔ ''**الحکم کذلک** ہاں یہی حکم ہے فی الواقع نماز نہیں ہوگی۔''

اور جب ایک نوآموز مفتی مولانا محمد طاہر پورنوی نے بہت ہی مختصر فتویٰ لکھ کر تصدیق چاہی جس میں انھوں نے دلائل سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف حکم یعنی فساد اقتدا کو بتایا تھا تو آپ نے ان لفظوں میں تصدیق فرمائی۔ ''**الجواب صحیح**۔ یہ جواب صحیح ہے۔''

دونوں تصدیقوں کی تہوں میں معانی ونکات کے کتنے لعل و گہر پنہاں ہیں اہل علم خصوصاً مفتیان کرام سمجھ سکتے ہیں۔ بات یہ تھی کہ مفتی اعظم لاؤڈاسپیکر سے سنی جانے والی آواز کو حکماً وحقیقۃً ہر اعتبار سے متکلم کی آواز کا غیر قرار دیتے تھے۔ ان کا ارشاد ہے ''لاؤڈاسپیکر کی آواز امام کی آواز نہیں۔ مماثل آواز امام ہے اور مقتدی نماز میں غیر کی اقتدا کرے یہ مفسد ہے۔'' (التفصیل الانور صفحہ ۲۴)

آپ کے اس ارشاد کی تصدیق تاجدار اشرفیت مولانا سید محمد محدث اعظم نے ان لفظوں سے کی ہے۔

هذا حکم العالم المطاع وما علینا الا الاتباع یہ عالم مطاع کا حکم ہے جس کا اتباع ہم پر لازم ہے۔ (ایضاً صفحہ ۲۶)

اور ان لفظوں سے اس مفتی کے فتویٰ کی تصدیق کی جاتی ہے جس مفتی کو تصدیق کرنے والا صاحب درمختار علامہ علاء الدین حصفکی اور صاحب ردالمحتار علامہ ابن عابدین شامی کے بقول مفتیان منتسبین کے مذکورہ بالا طبقوں میں سے تیسرے طبقے یعنی اصحاب تمیز اور محشی ردالمحتار علامہ رافعی کے بقول دوسرے طبقے یعنی اصحاب ترجیح میں شمار کرتا ہو۔ شرح العقود صفحہ ۶۶ میں مذکور ہے۔

> **''فقد تحرر مما ذکرنا ان قول الامام واصحابه لا یحل لاحد ان یفتی بقولنا حتی یعلم من این قلنا محمول علی فتوی المجتهدین بطریق الاستنباط والتخریج کما علمت من کلام التحریر وشرح البدیع والظاهر اشتراک الطبقة الثالثة والرابعة والخامسة فی ذلک وان من عداهم یکتفی بالنقل و ان علینا اتباع ما نقلوه لنا عنهم من استنباطهم الغیر المنصوصة من المتقدمین و من ترجیحاتهم''**

میرے مذکورہ بالا امور کی وضاحت سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ امام اعظم اور آپ کے اصحاب کے ارشاد کے مطابق جب تک یہ معلوم نہ کرلیا جائے کہ اس مسئلہ کی دلیل کیا ہے؟ اس وقت تک اس مسئلہ میں فتویٰ دینا درست نہیں ہے۔ مراد یہ ہے کہ مسئلہ کی دلیل سے واقفیت حاصل کیے بغیر اصحاب تمیز سے اوپر طبقہ والوں کے لیے جائز نہیں ہے کہ اس سے استنباط وتخریج کریں۔ ہاں اصحاب تمیز کے لیے یہ حکم ہے کیوں کہ ان کا کام محض نقل کرنا ہے اور ہم پر واجب ہے کہ یہ حضرات مجتہدین فی المسائل یا اصحاب التخریج یا اصحاب الترجیح کے مطابق استنباط

کریں یا ترجیح دادہ مسئلوں کو نقل کریں۔ ہم ان کا اتباع کریں۔ درمختار (ج ۱ص ۱۸۰ مقدمۃ الشامی، بیروت) میں ہے

وامانحن فعلینااتباع مارجحوہ وماصححوہ (ان کے ترجیح دادہ اور تصحیح کردہ مسائل میں ہم پر ان کا اتباع واجب ہے

۔ردالمحتار (ج ۱ص ۱۸۰ مقدمۃ الشامی، دارالکتب العلمیہ، بیروت) میں ہے

قولہ وامانحن یعنی اھل الطبقۃ السابعۃ (ہم پر یعنی ناقلین عن المجتہد پر ان کا اتباع واجب ہے۔)

تقریرات رافعی (ج ۱۳ص ۱۵ مشمولہ ردالمحتار دارالکتب العلمیہ، بیروت) میں ہے

قولہ یعنی اھل الطبقۃ السابعۃ یظھر ان المراد اھل الطبقۃ السادسۃ ایضاً فانہ لیس شانھم الترجیح بل التمییز بین القوی والاقوی۔

الغرض تاجدار اشرفیت حضرت محدث اعظم ہند نے حضور مفتی اعظم کا مقام رفیع اصحاب ترجیح یا کم از اصحاب تمیز کا مقام بتایا۔اور لطف یہ کہ واحد کا صیغہ وَمَاعَلَیَّ کی بجائے جمع کا صیغہ وَمَاعَلَینَا کہہ کر اس بات کی بھی نشاندہی فرمادی کہ حضور مفتی اعظم کی اجتہادی شان صرف محدث اعظم ہند کے بالمقابل نہیں بل کہ تمام مفتیانِ عصر کے بالمقابل ہے۔صحیح کہا ہے ان کے جانشین علامہ مدنی میاں صاحب مدظلہ نے ’میرا خیال ہے کہ آج تک حضور مفتی اعظم کا تعارف کراتے ہوئے جو کچھ لکھا گیا ہے اور آئندہ جو کچھ لکھا جائے گا ان سب کو اگر ایک پلڑے پر اور حضور محدث اعظم ہند کے قلم سے نکلے ہوئے اس فقرے کو دوسرے پلڑے پر رکھ دیا جائے تو اس کا وزن زیادہ ہوگا۔ہم اس عظیم فرد کے فضل وکمال کا کیا تعارف کراسکیں جسے حضور محدث اعظم ہند جیسی شخصیت کی زبان بھی عالم مطاع اور واجب الاتباع قرار دے۔‘‘ (مفتی اعظم نمبر استقامت کان پور، ۱۹۸۳ء، صفحہ ۱۳۱)

میں سمجھتا ہوں کہ ان داخلی اور خارجی شہادتوں سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوچکی کہ حضور مفتی اعظم صحیح معنوں میں مفتی اعظم امام احمد رضا کے سچے جانشین اور **الولد سر لابیہ** کے کامل مصداق تھے۔

اس مقام پر یہ وضاحت بھی لطف سے خالی نہیں ہوگی کہ لاؤڈ اسپیکر سے سنی جانے والی آواز متکلم کی آواز کا عین ہے یا صدائے بازگشت یا غیر ومماثل۔اس کا براہ راست تعلق علم فقہ سے نہیں بل کہ خالصۃً جدید سائنس کی تبدیلی توانائی کا نظریہ اور لاؤڈ اسپیکر کے اصول کی ایجاد سے ہے۔

آئن اسٹائن کے نظریہ کے مطابق ایک انرجی کو دوسری انرجی میں بدلا جاتا ہے۔ساؤنڈ ایک الگ انرجی ہے اور الیکٹری سٹی ایک الگ انرجی اسی طرح میگنٹ بھی ایک الگ انرجی ہے۔بولنے والا جب اپنی زبان وگلو کو حرکت دیتا ہے تو اس سے ساؤنڈ انرجی پیدا ہوتی ہے اور وہ ساؤنڈ انرجی مائک کے پردہ سے ٹکراتی ہے تو مشینی آلات اسے برقی توانائی میں تبدیل کردیتے ہیں اور پھر جب وہ برقی توانائی ہارن کے پردہ تک پہنچتی ہے تو میگنٹ انرجی میں بدل جاتی ہے اور میگنٹ انرجی پھر ساؤنڈ انرجی میں تبدیل ہوکر ہواؤں میں پھیلتی ہے اور ہمیں سنائی دیتی ہے۔دوسرے لفظوں میں یوں سمجھیے کہ لاؤڈ اسپیکر کے اندر تین بنیادی چیزیں ہوتی ہیں۔(۱) ایمپلی فائر (۲) مائیکروفون (۳) اسپیکر۔

ایمپلی فائر مائیکروفون سے اسپیکر تک برقی کرنٹ کی ترسیل کا کام کرتا ہے۔مائیکروفون میں ایک خفیف سی جھلی لگی ہوتی ہے جس کی دوسری جانب کاربن لگا ہوتا ہے۔اسپیکر کے اندر بھی ایک خفیف سی جھلی لگی ہوتی ہے۔جب انسان بات کرتا ہے تو اس کی زبان وگلو کی تحریک سے منہ میں بھری ہوئی ہوا کے اندر ایک خاص شکل پیدا ہوجاتی ہے جس کو آواز کہتے ہیں۔آواز ہوا کے دوش پر مائیکروفون کے اندر کی جھلی تک پہنچ کر اس سے ٹکراتی ہے۔مائیکروفون کی خفیف سی جھلی کو جب آواز کی حامل ہوا کا دھکا لگتا ہے تو وہ حسب تحریک جنبش کرتی ہے اور اس

کے کاربن والی سطح برقی تار سے ملتی ہے اور جدا ہوتی رہتی ہے جس سے برقی کرنٹ کی روانی میں اسی تحریک کی مناسبت سے فرق آجاتا ہے اور اسی فرق کے ساتھ اسپیکر کی جھلی کے قریب میگنٹ بنتا ہے جس سے جھلی سکڑنے اور پھیلنے لگتی ہے اور جھلی کے اس سکڑنے اور پھیلنے سے اس کی متصل ہوا کو منہ کے اندر کی ہوا کی طرح دھکا لگتا ہے جس سے اس ہوا میں بھی ایسی شکل و ہیئت بن جاتی ہے جیسی شکل و ہیئت منہ کے اندر کی ہوا میں بنی تھی۔اور پھر ہواؤں کے دوش پر منتقل ہوتی ہوئی وہ شکل و ہیئت ہمارے کانوں تک پہنچتی ہے اور ہمیں بالکل اسی طرح کی آواز سنائی دیتی ہے۔جس کی پوری تفصیل اس ناچیز نے اس موضوع پر اپنی کتاب ''قول فیصل'' میں سائنس کی مختلف کتابوں اور لاؤڈ اسپیکر کے اصول ایجاد کے ماہرین کے حوالوں کے ساتھ بیان کردی ہے۔اہل ذوق وہاں ملاحظہ فرماسکتے ہیں۔

یہاں سوال یہ ہے کہ حضور مفتی اعظم نے آئن اسٹائن کا نظریہ کب پڑھا تھا؟ اور لاؤڈ اسپیکر کے اصول ایجاد سے متعلق یہ معلومات کن سے فراہم کی تھیں؟ نیز ان پر اعتماد کے ظاہری اسباب کیا تھے؟ ظاہر یہ ہے کہ انھوں نے ماہرین سے دریافت کرتے پھر اپنے مشاہدہ و تجربہ سے اس راز کو سمجھنے کے بعد حکم شرعی بیان کیا۔

اور اگر حضور مفتی اعظم نے آئن اسٹائن کا نظریہ نہیں پڑھا تھا۔لاؤڈ اسپیکر کے اصول ایجاد سے متعلق معلومات کسی سے فراہم نہیں کی تھی اور ان پر اعتماد کا کوئی ظاہری سبب بھی نہیں تھا تو پورے اعتماد کے ساتھ یہ بات کہی جائے گی کہ اللہ تعالیٰ نے حضور مفتی اعظم کے نفس کے اندر فقاہت ودیعت کردی تھی۔قدرت نے ان کو مقصد شرع کے ادراک کی ایک ایسی قوت عطا فرمائی تھی جس کی وجہ سے وہ الفاظ کے ذریعہ معانی تک پہنچنے کی کوشش نہیں کرتے تھے بل کہ ان کے دل پر معانی کا القا ہوتا تھا جس کی تفسیر کے لیے وہ الفاظ کو استعمال میں لاتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ ۱۹۴۵ء مطابق ۱۳۶۴ھ کو حج وزیارت کے لیے دوبارہ حرمین طیبین گئے اور نجدی حکومت کے عائد کردہ حج ٹیکس کے خلاف عربی زبان میں انتہائی مدلل ومبسوط فتویٰ ''القنابل الذریہ علی الاوثان النجدیہ'' وہاں صادر فرمایا تو علماے حرمین طیبین نے مطالعہ کے بعد بیک زبان ہوکر کہا: **ان هذا الا الهام** (یہ فتویٰ کسبی نہیں الہامی ہے۔) (مفتی اعظم اپنے فضل وکمال کے آئینے میں، ص ۸)

الغرض حضور مفتی اعظم کو خداے وہاب نے اس عظیم منصب پر فائز کیا تھا جس کے متعلق علامہ عبدالوہاب شعرانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

> **فلا يصير بعد التلقين يجهل شيئا من احكام الشريعة المطهرة فيستغنى عن سوال الناس و عن النظر فى كتابهم** ۔اس منصب پر فائز رہنے والے فتویٰ دینے میں رسمی علوم اور ظاہری کتابوں کے مرہون منت نہیں ہوتے ہیں وہ غیر رسمی علوم اور غیر مرئی کتابوں کی روشنی میں فتویٰ دیتے ہیں ہاں رسمی علوم اور ظاہری کتابوں سے بھی اس کی تصدیق ہوجاتی ہے۔

اس کی تائید نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی سے بھی ہوتی ہے جسے امام احمد نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابی ثعلبہ الخُشَنی سے روایت کیا ہے۔

البر ما سكنت اليه النفس و اطمئن اليه القلب والاثم مالم تسكن اليه النفس ولم يطمئن اليه القلب ۔
(حدیث۔۱۷۸۹۴، مسند امام احمد بن حنبل، بیت الافکار الدولیہ الریاض،) جس پر نفس مسلم کو قرار ملے اور دل کو اطمینان ملے وہ نیکی ہے اور جس پر نفس مسلم کو قرار نہ ملے اور دل کو اطمینان نصیب نہ ہو وہ گناہ ہے۔

اخیر میں یہ کہتے ہوئے رخصت ہو رہا ہوں کہ یہ میں نے اپنی بساط کے مطابق بیعت و ارشاد، دعا وتعویذ، عبادت و بندگی اور تقویٰ و پرہیزگاری کے مقدس حجابوں میں مستور امام احمد رضا کے سچے جانشین حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کے رنگ اجتہاد کی صرف ایک

جھلک آپ کو دکھانے کی کوشش کی ہے۔اوراس میں بھی ؎ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا
اہل علم اس طرف توجہ فرمائیں تو دنیا اس آفتاب عالم تاب کی ضیاباریوں سے بقدر ظرف روشناس ہوسکتی ہے۔

☆☆☆☆☆

حضور مفتی اعظم اوران کی فقاہت

مفتی محمد مطیع الرحمن مظفر پوری
بانی ومہتمم جامعۃ الخضرا،مرون،مظفر پور، بہار

سیدی ومرشدی حضور مفتی اعظم، حضرت علامہ الحاج الشاہ ابوالبرکات،محی الدین جیلانی آل الرحمن محمد عرف مصطفی رضا خان قادری قدس سرہ خلف اصغر مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ، چودہویں صدی ہجری کے مفتی اعظم اور جلیل القدر فقیہ ہیں۔
آپ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقلد اور فقہ حنفی کے متبحر عالم دین تھے۔آپ کی سند فقہ کا سلسلہ امام اعظم تک تیس واسطوں اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک تینتیس (۳۳) اور کان فقاہت حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک پینتیس (۳۵) واسطوں سے پہنچتا ہے۔

آغاز افتا:

آپ کی عمر عزیز کو ابھی صرف اٹھارہ سال ہوئے تھے کہ ۱۳۲۸ھ میں درسیات سے فارغ التحصیل ہوگئے۔فراغت کے بعد ایک دن کسی ضرورت سے دارالافتا میں تشریف لائے، مسند افتا پر اعلیٰ حضرت کے ارشد تلامذہ اور آپ کی طرف سے خدمت افتا پر مامور، ملک العلما حضرت علامہ ظفر الدین بہاری جواب لکھنے کے لیے فتاویٰ رضویہ کی طرف مراجعت فرمارہے تھے۔یہ دیکھ کر آپ نے عجباً فرمایا: کیا فتاویٰ رضویہ دیکھ کر جواب لکھتے ہیں؟'' اس پر فاضل بہاری نے کہا ''اچھا تم بغیر دیکھے لکھ دو تو جانوں۔'' اس کے بعد حضرت نے قلم برداشتہ جواب ارقام فرمادیا اور بالکل صحیح کہ ایک لفظ بھی کم وبیش کرنے کی ضرورت نہ پڑی، یہ رضاعت کا مسئلہ تھا قربان جایئے آپ کی خداداد فقاہت پر کہ اس سے پہلے نہ ہی آپ نے کوئی فتویٰ لکھا تھا نہ ہی اس ارادے سے تشریف لائے اس کے باوجود بغیر تیاری کے لاجواب، جواب تحریر فرمایا ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

تصدیق کے لیے جواب اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جناب میں پیش ہوا۔اعلیٰ حضرت نے جواب کی صحت اور حضرت کی فقاہت دیکھ کر مسرت کا اظہار فرمایا۔دل کی گہرائیوں سے دعائیں دیں۔اور بلا تامل ''صح الجواب بعون اللہ العزیز الوہاب'' لکھ کر دستخط

شریف ارقام فرمائے۔اس طرح قدرت نے تفقہ فی الدین کی جو امانت حضرت کے سینے میں ودیعت فرمائی تھی اس کا اظہار فرما کر مجدد اعظم نے سند اجازت مرحمت کرادی۔ چنانچہ خود اعلیٰ حضرت نے ''ابوالبرکات محی الدین جیلانی آلِ الرحمن محمد عرف مصطفی رضا'' کنیت، لقب، نام ،سب کے مجموعے کی مہر بنوا کر بطور انعام وسند اجازت عطا فرمائی۔حسن اتفاق دیکھیے کہ اعلیٰ حضرت نے بھی پہلا فتویٰ رضاعت ہی کا لکھا اور مفتی اعظم نے بھی پہلا فتویٰ رضاعت ہی کا لکھا۔ سچ ہے'' **الولد سر لابیه** '' اور ایسا لکھا کہ کسی ترمیم کی گنجائش نہ چھوڑی۔ ۱۳۲۸ھ تا ۱۳۴۰ھ بارہ سال امام احمد رضا قدس سرہٗ کی تربیت میں ہزاروں فتوے لکھے اور اعلیٰ حضرت کے لیے ان کی مطلوبہ کتب میں عبارات کی نشان دہی کی۔ چوں کہ حافظہ زبردست اور طبیعت اخاذ تھی۔ پھر رب کا ارادۂ خیر شامل حال تھا اس لیے کم سے کم وقت میں فقہ وفتویٰ نویسی اور اس کے متعلقہ علوم وامور میں کامل عبور حاصل ہوگیا۔

فقہی مصروفیات :

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے بعد وصال ۱۳۴۰ھ سے ۱۴۰۲ھ تک تقریباً باسٹھ (۶۲) سال مسند افتا کی زینت رہے اس مدت میں ملک وبیرون ملک سے آئے ہوئے ان گنت مسائل کو جس فقیہانہ صلاحیت کے ساتھ حل فرمایا ہے وہ اپنی نظیر آپ ہے۔ آپ نے اپنی بانوے سالہ ظاہری زندگی کے چوہتر سال میں ہزاروں فتاویٰ تحریر کیے۔ فتاویٰ کی اس کثرت کے باوجود آپ کو اپنے کسی جواب سے رجوع کی نوبت نہ آئی۔ آپ کی زیر نگرانی کئی مفتیانِ کرام جو خدمت افتا پر مامور تھے ان کے جوابات کی بھی تصویب وتصحیح فرماتے۔ فقیہ العصر حضرت علامہ مفتی شریف الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق صدر مفتی دارالافتا جامعہ اشرفیہ، مبارک پور لکھتے ہیں:

> ''میں گیارہ سال تین ماہ خدمت میں حاضر رہا۔اس مدت میں چوبیس ہزار مسائل لکھے ہیں جن میں کم از کم دس ہزار وہ ہیں جن پر حضرت مفتی اعظم کی تصحیح وتصدیق ہے۔''

آپ نے افتا کو ذریعہ معاش نہیں بنایا بل کہ یہ خدمت لوجہ اللہ انجام دی۔ خود کوئی معاوضہ نہیں لیا کرتے مگر دارالافتا میں کام کرنے والے مفتیانِ کرام کا وظیفہ جاری کرادیا۔

۱۳۲۸ھ تا ۱۳۴۹ھ مطابق ۱۹۶۵ء تقریباً سترہ سال کے فتاوے جمع ہی نہ ہوئے ۱۳۴۹ھ تا ۱۳۵۹ھ اس کے بعد اندراج کا سلسلہ رہا۔ مگر تقسیم بین الورثہ اور کتب خانہ کی منتقلی کے نتیجے میں کل رجسٹر دست یاب نہیں ہیں فروری ۱۹۹۲ء تک آپ کے فتاویٰ کی صرف دو جلدیں طبع ہوئیں۔ اسی سال تیسری جلد کے لیے راقم الحروف کو ۱۳۵۰ھ و ۱۳۵۱ھ کے فتاویٰ کا ایک رجسٹر ملا جو نہایت خستہ وبوسیدہ حالت میں تھا جس میں نقل شدہ اکثر وبیشتر فتاوے خود حضرت اقدس کے ہی صادر کردہ ہیں۔

پہلی دونوں اور اس تیسری جلد کی بھی اشاعت محترمی الحاج انجینیر قربان علی صاحب حامدی رضوی بیسل پوری کی مخلصانہ محنت ولگن اور حضور مفتی اعظم قدس سرہ اور آپ کے خانوادے سے والہانہ وابستگی کا ثمرہ ہیں۔ البتہ جلد سوم کی ترتیب وتبویب اور تحشیہ وحوالہ جات کی تخریج نیز فہرست سازی اور اصل سے مقابلہ وتصحیح کتابت وغیرہ کی خدمات خالصۃً لوجہ اللہ فقیر نے انجام دیں جس کا اظہار انجینیر صاحب نے عرض حال کے تحت فرمایا ہے۔ عرض حال کی حیثیت ایک تاریخ وسند کی ہوتی ہے مگر افسوس کہ بعد کے ناشروں نے اپنی اشاعتوں میں اسے شامل نہیں رکھا۔

فقہی تبحر :

آپ کو علم فقہ پر کمال کا تبحر حاصل تھا۔ اہل زمانہ کی شناخت رکھتے تھے اور سائل کی لیاقت کو مدنظر رکھ کر فتوے دیتے تھے، اسی وجہ سے بعض فتاوے نہایت مدلل و مفصل اور بعض مختصر اور بعض درمیانی قسم کے ہیں۔ سائل عالم ہے تو اولاً نفس حکم تحریر فرماتے پھر استدلال میں قرآنی آیات پھر احادیث اور بعد میں اقوال فقہا و ائمہ دین سے مزین فرماتے۔ جواب واضح وصاف وصریح اور شرعی اصطلاح کی تصریح کے ساتھ ہوتا۔ اور اگر سائل سادہ لوح یا عامی ہوتا تو مختصر الفاظ میں عام فہم زبان استعمال فرماتے مگر اختصار کے باوجود حکم نہایت نفیس اور مسئلہ کی نزاکت پر مبنی نیز ضروری قیود شرعیہ لیے ہوئے ہوتا۔ مختلف فیہ مسائل میں فقہا کے اقوال اوران کے مابین اختلافات کا تفصیلی جائزہ اور جانبین کے دلائل کا موازنہ فرماتے پھر راجح وارجح اور مرجوح کی تعیین کرتے اور قول ارجح پر فتویٰ دے کر اس کی تائید میں قرآن وسنت، اجماع امت و قیاس شرعی سے دلیل لاتے اور ظاہر کرتے کہ مختار للفتویٰ ہونے کی وجہ یہ ہے۔ ذیل میں فتاویٰ مصطفویہ جلد اول کے پہلے فتویٰ کی تلخیص اوراس کا اقتباس ملاحظہ فرمائیں جس سے آپ کو مذکورہ امور کا بخوبی اندازہ لگ سکتا ہے۔

فقہی جائزہ :

مسئلہ یہ ہے: زید کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیب نہیں جانتے تھے اور اپنے قول کی تائید میں۔ بحر الرائق کی یہ عبارت پیش کرتا ہے **وفی الخانیة والخلاصة لو تزوج بشهادة الله و رسوله لا ینعقد و یکفر لاعتقاده ان النبی صلی الله علیه وسلم یعلم الغیب الخ** (ج۔۳ ص ۱۵۵، کتاب النکاح، دار الکتب العلمیہ، بیروت) اور ایسا ہی بزازیہ میں ہے۔

اس کے جواب میں حضور مفتی اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زید بے قید پر حکم کفر لگایا پھر نو آیات قرآنیہ، گیارہ احادیث کریمہ اور بائیس اقوال فقہائے دین، ائمہ مجتہدین اور ارشادات مشائخ سے علم غیب عطائی کا اثبات فرمایا۔ ضمناً یہ بھی ثابت کیا کہ علم غیب عطائی کا انکار وہابیہ مرتدین اوران کے پیرو منافقین کا شعار ہے۔ اس بارے میں ان کے اکابر کی عبارتیں بھی نقل فرمائیں اور وہیں ان پر ان کا حکم بھی ظاہر فرمادیا، پھر صاحب بحر وغیرہ کی عبارت مذکورہ کا تنقیدی جائزہ لے کر اسے مرجوح و متروک اور ناقابل استدلال بتاتے ہوئے دلائل کے انبار لگادیے اور بوجوہ کثیرہ لائق تاویل و قابل تفسیر بتایا، پھر قول راجح اور مختار للفتویٰ کی تعیین فرمائی اوراس کی توثیق میں فقہائے دین کی کثیر عبارتیں نقل فرمائیں اور دونوں قول کے درمیان فرق کو واضح کردیا۔ نیز نص صریح کے مقابل ساقط و متروک اور مرجوح قول سے استدلال جس کا بطلان سب کے نزدیک مسلم ہے اور بطلان پر مخالفین کا مسلم ضابطہ حوالہ میں پیش کردیا کہ شرائط تعارض سے تساوی فی الحقوق ہونا ہے جو قول دوسرے قول سے تعارض رکھتا ہے اس کے لیے قوت میں برابر ہونا ضروری ہے اور جب تساوی نہیں تو متعارض بھی نہیں بل کہ مرجوح ہے جس میں مناسب تاویل کی جائے گی، چنان چہ اس مسلمہ کے تحت آپ نے بحر وغیرہ کے اس قول کی مناسب تاویل فرما کر قائل و ناقل دونوں کو شرعی گرفت سے یکسر بچا رکھا، چنان چہ خود فرماتے ہیں۔

''لازم تھا کہ بحر وغیرہ علما کی ایسی عبارت میں یہ سمجھتا کہ ان کا مراد، علمِ ذاتی ہے، نہ کہ اس عبارت کو قرآن و حدیث کے رد کے لیے دوڑا۔''

چوں کہ زید کی متعین کردہ مراد سے قرآن وحدیث کا رد لازم آتا ہے لہٰذا اس پر متنبہ فرمانے کے بعد اس کی اس مراد سے اظہار نفرت اور استعاذہ یوں فرمایا۔ ''والعیاذ باللہ تعالیٰ''

پھر اس عبارت کی تاویل اوراس سے پہلے ایک مفید تمہید یوں تحریر فرمائی۔

''اصل یہ ہے کہ غیر خدا کے لیے مطلقاً انکار غیب، یہ عقیدہ باطلہ بعض معتزلہ ہے اور یہ وہابیوں ہی کا اب سے پہلا

نام ہے، اس سے پہلا نام اس طائفۂ باطلہ کا خارجی تھا جیسے اب ''دیوبندی وہابی'' اپنے آپ کو حنفی کہتے ہیں اور ''نجدی وہابی'' اپنے آپ کو حنبلی بتاتے ہیں۔ دیوبندی فقہ حنفی میں کتابیں لکھتے اوراس میں اپنے مذہب کی رعایت کرتے ہوئے مسائل ٹھونستے ہیں۔ یونہی معتزلی اپنے آپ کو حنفی کہا کرتے اور فقہ حنفی میں تصنیف کیا کرتے تھے اور اس میں اپنے مذاہب اعتزال کی رعایت کرتے ہوئے بعض مسائل ٹھونس دیا کرتے تھے۔''

غور کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے مفتی اعظم کو فہم وفراست، شعوروآگہی اور تفقہ فی الدین کا کتنا وافر حصہ دیا تھا کہ ایک مسئلہ کے ضمن میں کتنے مخفی سوالات کا حل فرمادیا اور اسلام کی دیوار میں چولا بدل کر شب خون مارنے والوں کی کیسی نشان دہی فرمائی۔ ساتھ ہی اہل سنت کی کتابوں میں مخالفین کے الحاقات پر کس طرح متنبہ فرمایا۔

موقع کی مناسبت سے یہ بتانا خالی از فائدہ نہ ہوگا کہ نام نہاد بہشتی زیور کتاب کا یہ مسئلہ جو دراصل مسلا ہے کہ انگلی میں اگر نجاست لگ جائے تو انگلی چاٹ لینے سے پاک ہوجائے گی۔ ملاحظہ ہو کتاب مذکور سے صفحہ ۱۱ کی یہ عبارت:

''ہاتھ میں کوئی نجس چیز لگی تھی اس کو کسی نے زبان سے تین دفعہ چاٹ لیا تو بھی پاک ہوجائے گا۔ مگر چاٹنا منع ہے۔''

یہ ہوئی فقہ حنفی میں دیوبندی تصنیف کی مثال، اس کی خبر اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے یوں لی ہے۔

''انگلی کی نجاست چاٹ کر پاک کرنا کسی سخت گندی ناپاک روح کا کام ہے اوراسے جائز جاننا شریعت پر افتراء واتہام اور تحلیل حرام اور قاطع اسلام ہے اور یہ کہنا محض جھوٹ ہے کہ منھ بھی پاک رہے گا۔ نجاست چاٹنے سے قطعاً ناپاک ہوجائے گا۔ اگرچہ بار بار وہ نجس ناپاک تھوک یہاں تک نگلنے سے کہ اثر نجاست کا منہ سے دھل کر سب پیٹ میں چلا جائے گا پاک ہوجائے گا مگر اس چاٹنے، نگلنے کو وہی جائز رکھے گا جو نجس کھانے والا ہے، الخبیث للخبیثین الخ

فقہ حنفی کے نام پر فتاویٰ رشیدیہ اور دیوبندیوں کی دوسری کتابوں میں بھی ایسے مسائل کی کمی نہیں جو انھوں نے اپنے مذہب کی اشاعت ورعایت کرتے ہوئے ٹھونسے ہیں۔ بہرحال تمہید مذکور کے بعد اب عبارت مذکورہ فی السوال کی مناسب تاویل یوں فرماتے ہیں:

''انھیں مسائل (الحاقیہ) سے یہ مسئلہ بھی ہے۔ بعض نے اسے اخذ کیا، اوران کے ساتھ حسن ظن یہی ہوسکتا ہے کہ انھوں نے اس سے علم ذاتی مراد لیا۔ پھر ان حضرات صاحب بحر، وغیرہ نے بھی یہی سمجھتے ہوئے اپنی تصانیف میں نقل کیا۔''

یہ ہے فقاہت! دیکھا آپ نے؟ بحر وغیرہ میں منقولہ عبارت کی کتنی عمدہ ومناسب تاویل فرمائی۔ اس تاویل اور احتیاط فی الحکم کا فائدہ یہ ہوا کہ قائلین وناقلین حکم مذکور سے مستثنیٰ ہوگئے۔ اور یہ اس لیے کہ قول محتمل ہے اور قول محتمل اور لائق تاویل ہے البتہ قائل ہی اپنی مراد متعین کردے تو تاویل نہ ہوگی۔ اب نقل کے اندر ممکنہ صورت کا ذکر یوں فرماتے ہیں۔

''اور یہ بھی ہوتا ہے کہ بعض جامع اقوال، ہر گونہ اقوال نقل کرتا ہے۔ مثلاً مجمع الانہر، میں لکھا ہے کہ **لو شتم حیوانا ماکول اللحم بکلمة الجماع یکفر**۔ مجمع الانہر میرے پاس اس وقت کتاب نہیں اور میسر بھی نہیں آسکتی یا دداشت سے عبارت لکھی ہے ممکن ہے عبارت میں کچھ فرق ہو) پھر اس سے اوروں نے نقل کیا اور ایسا ہوتا ہے تو بعض کا نقل کردہ قول جب کہ اس میں مطلقاً انکار علم غیب مراد ہو جو معتزلہ کے عقیدۂ باطلہ کے موافق ہے یا اس کا اپنا سہی جب کہ وہ حنفی ہو، معتزلی نہ ہو، اس نے ذاتی مراد لیا ہو، اسے دیکھنا اور اسے عطائی پر ڈھالنا اور اکابر علما وجہابذۂ ائمہ نے اس

قول کے ضعف و مرجوحیت کا جو اشعار فرمایا، اسے دیکھ کر، اَن دیکھا کر لینا کس درجہ حیاداری ہے؟۔''

قوسین کی عبارت سے مجمع الانہر کی عبارت منقولہ میں بھی اپنی عادت کے مطابق محتاط رویہ اختیار فرمایا اور ''بعض کی نقل کردہ'' سے اس کی مرجوحیت کی طرف اشارہ کیا، ساتھ ہی یہ تصریح کردی کہ اس میں مطلق علم غیب کا انکار مراد ہو تو معتزلہ کے موافق ہے جس سے اہل سنت کو کوئی سروکار نہیں اور اگر اس کا اپنا قول ہے اور وہ حنفی ہے معتزلی نہیں ہو تو اس سے ذاتی کی نفی مراد ہے۔ اسے عطائی پر ڈھالنا صحیح نہیں، پھر بحر کی عبارت کا محل وقوع بتاتے ہوئے وضاحت فرماتے ہیں۔

''مسئلہ تو صرف اتنا تھا کہ اگر کوئی شخص شہادتِ خدا رسول سے نکاح کرے تو یہ نکاح منعقد نہ ہوگا کہ شرط انعقادِ نکاح گواہوں کا رہنا ہے۔ حدیث میں ہے ''**لا نکاح الا بشھود**'' مسلمان کے نکاح میں دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کا حضور شرط ہے جو عاقل بالغ ہوں اور یہ سمجھیں کہ نکاح ہو رہا ہے، وہ کون سا نکاح ہے جو خدا سے غائب ہو؟ اگر محض خدا کی شہادت سے نکاح کرتا، یا فرشتوں مثلاً کراماً کاتبین کی شہادت سے کرتا، جب بھی باطل ہوتا کہ شرطِ صحت نکاح نہ پائی گئی۔ اس میں بعض مجاہیل نے اتنا اور اضافہ کیا کہ وہ مسلمان شخص کافر ہو جائے گا کیوں کہ وہ معتقدِ علمِ غیب برائے رسول ہوا۔ ظاہر تو یہ ہے کہ یہ بعض مجاہیل معتزلی ہوگا، اس نے اپنے مذہب کا پیوند اس میں جوڑ دیا، پھر یہ بتاویل علم ذاتی بعض حنفیہ نے بھی اپنی تصانیف میں نقل کر لیا۔ مگر اس کی مرجوحیت کو ظاہر کرتے ہوئے کہ علم، ذاتی ہی نہیں ہوتا۔ دوسری قسم عطائی بھی ہے تو جب یہ احتمال ہے تو کافر نہیں کہہ سکتے۔ اس احتمال کے ہوتے ہوئے تکفیر صحیح نہیں۔''

یہاں تک اس مسئلہ کی نوعیت کو بیان فرمایا جس میں بحر کی وہ عبارت آئی تھی اور اس مسئلہ کا صحیح حکم بتایا، پھر باوجود احتمال علم غیب عطائی حکم تکفیر کو غلط قرار دیا اور یہ بتایا کہ اس عبارت کا اصل مسئلہ سے کوئی جوڑ نہیں ہے محض بے محل ٹھونس دی گئی جیسا کہ تحریر بالا سے ظاہر ہے۔

بخوف طوالت اس فتوے کے بعض گوشے چھوڑے جاتے ہیں۔ صاحب ذوق ''فتاویٰ مصطفویہ'' کا غائرانہ مطالعہ کریں تو انھیں بخوبی اندازہ لگ جائے گا کہ حضور مفتی اعظم کے فتاوے، سوالات کی نوعیت کے اعتبار سے ضروری مشمولات، کلیات و جزئیات، انوکھے تمسکات اور فقہی نکتہ آفرینیوں میں امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔ تفقہ فی الدین کی ایک اور جھلک ملاحظہ فرمائیں جو فتاوی مصطفویہ کی دوسری جلد کے پہلے ہی فتوے میں نظر آئے گی۔ پہلے سوال ملاحظہ ہو۔

بہار شریعت کے ایک مسئلہ پر اعتراض :

کیا فرماتے علمائے دین اس مسئلہ میں کہ صاحب بہارِ شریعت نے تحریر فرمایا ہے کہ اگر حوض دہ در دہ سے چھوٹا ہے اور کسی شخص نے اس حوض میں بلا دھوئے ہوئے ہاتھ وغیرہ ڈال دیا تو اس پانی سے وضو، درست نہیں ہوگا۔ مگر زید کہتا ہے کہ مسئلہ مذکورہ بالا صاحب بہار شریعت نے غلط تحریر فرمایا ہے اور فتاویٰ قاضی خاں جلد اول وغیرہ سے عبارت مندرجہ ذیل صاحب موصوف کے خلاف اور اپنے دعویٰ کے اثبات میں پیش کرتا ہے۔ (۱) فتاویٰ قاضی خاں بھامش عالمگیریہ ص ۱۵ **المحدث والجنب اذا ادخل یدہ فی الاناء للاغتراف ولیس علیھا نجاسۃ لا یفسد الماء و کذا اذا وقع الکوز فی الجب فادخل یدہ فی الجب الی المرفق لاخراج الکوز لا یصیر الماء مستعملاً الخ**

''

صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کی فقاہت :

بہارشریعت کسی معمولی عالم کی نہیں بل کہ صدرالشریعہ حضرت علامہ مفتی، شاہ امجد علی صاحب علیہ الرحمہ کی ہے، جن کی فقاہت پر خود اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی شہادت موجود ہے۔فرماتے ہیں

''آپ (حضرت مولانا شاہ سید احمد اشرف صاحب کچھوچھوی علیہ الرحمہ) یہاں کے موجودین میں تفقہ جس کا نام ہے وہ مولوی امجد علی صاحب میں زیادہ پائیے گا، اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ استفتا سنایا کرتے ہیں اور جو میں جواب دیتا ہوں، لکھتے ہیں، طبیعت اخّاذ ہے، طرز سے واقفیت ہو چلی ہے۔'' (الملفوظ)

چوں کہ زیر نظر مضمون کا موضوع حضرت صدرالشریعہ قدس سرہٗ کی فقاہت نہیں لہٰذا مزید کچھ کہے بغیر نفس مسئلہ کی طرف عود کریں۔ یہ مسئلہ بہارِ شریعت جلد دوم ص ۴۸ پر دہ (۱۰) دردہ (۱۰) کے پانی سے متعلق ہے۔ دہ (۱۰) دردہ (۱۰)، اس حوض کو کہتے ہیں جو دس ہاتھ لمبا دس ہاتھ چوڑا اور دل اتنا ہو کہ اتنی مساحت میں زمین کہیں سے کھلی نہ ہو، اور تحقیق یہ ہے کہ لپ میں پانی لیں تو زمین نہ کھلے، کماحققہ سیدنا المفتی الاعظم قدس سرہٗ فی فتاواہ المبارکہ، اس سے کم ہو تو اس کا پانی، آب قلیل تھوڑا یعنی شریعت کی مقرر کردہ مقدار سے کم پانی کہلاتا ہے۔ اتنے پانی میں اعضاے وضو میں سے کوئی عضو بلا دھلا پڑ جانے سے پانی مستعمل ہو جاتا ہے، اس سے وضو وغسل نہیں ہوسکتا۔ مگر بقولِ سائل، زید نے بہار شریعت کے اس مسئلہ کو غلط بتاتے ہوئے فتاویٰ قاضی خاں، کی مذکورہ فی السوال عبارت اپنی تائید میں پیش کی۔ سوال مذکور کا جواب باصواب حضور ''مفتی اعظم'' نے یہ دیا۔

مسئلۂ بہار شریعت کی تشریح وتصدیق :

''زید غلط کہتا ہے، بہار شریعت میں مسئلہ صحیح لکھا ہے، فتاویٰ قاضی خاں کی عبارت، بہار شریعت کے مخالف نہیں، بہار شریعت کا مطلب یہ ہے کہ بے ضرورت، دہ در دہ'' سے کم گھرے ہوئے پانی میں ہاتھ ڈال دے گا تو مستعمل ہو جائے گا، اور فتاویٰ قاضی خاں، کا مطلب یہ ہے کہ اگر ضرورت سے ڈالے گا تو مستعمل نہ ہوگا، یہ دونوں صحیح ہیں۔

بہ ظاہر یہ ایک سوال کا ایک جواب ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اس میں سائل کا جواب اور معترض (زید) کا جواب اور اس کے دعویٰ کا بطلان اور بہار شریعت کے مسئلہ کی تصدیق اور خانیہ سے نقل کردہ عبارت کی توضیح اور بہار شریعت اور خانیہ کی عبارت میں توفیق وتطبیق اور معترض کی ہی پیش کردہ عبارت سے اپنے حکم کی تائید وتوثیق، زبان وادب اور موقع استعمال سے واقفیت ساری ہی چیزیں موجود ہیں۔ دونوں کتابوں کے مسئلہ کی مطابقت پر دلیل دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

''اخراجِ کوز (برتن جو کنویں میں گر گیا اسے نکالنا) تو ضرورت ہی ہے۔ اغتراف، (چلو سے پانی لینا) بھی عاقل ضرورت ہی سے کرتا ہے کہ پانی نکالنے کا کوئی ظرف موجود نہیں، للاغتراف، خود ضرورت بتا رہا ہے اغترف، نہیں فرمایا۔۔۔تو خانیہ کے ان دونوں مسئلوں میں ضرورت ہے اور بے شک ضرورت کے وقت محض ہاتھ ڈالنے سے حکم استعمال نہ ہوگا۔''

اورضرورت کی تقدیر بلا دلیل نہیں بل کہ مسئلہ اعتراف میں خاص لفظ ضرورۃ کا استعمال عالمگیریہ، بل کہ خود خانیہ سے دکھایا۔ اسی طرف اشارہ فرماتے ہوئے، خانیہ کی عبارت نقل کرنے سے پہلے لکھتے ہیں۔

''اگر زید اس عبارت کے آگے یہ لفظ بھی دیکھ لیتا تو مسئلہ سمجھ جاتا اور بہار شریعت کے مسئلہ کو غلط بتانے کی جرأت نہ کرتا۔''

اقول: اگر زید نے بہار شریعت میں بھی کچھ آگے یہ مسئلہ دیکھ لیا ہوتا تو بہار شریعت کا مسئلہ صاف ہوجاتا، مسئلہ مذکورہ کے آگے اسی سے متصل ص ۴۹، جلد ۲ پر ہے۔

''اگر بہ ضرورت ہاتھ پانی میں ڈالا جیسے پانی بڑے برتن میں ہے کہ اسے جھکا نہیں سکتا، نہ کوئی چھوٹا برتن ہے کہ اس سے نکالے تو ایسی صورت میں بقدر ضرورت ہاتھ پانی میں ڈال کر اس سے پانی نکالے۔''

مسحِ سر کا اولیٰ طریقہ :

مسحِ سر کے مشہور و معروف طریقہ سے بالکل جداگانہ ایک اور فقہی انکشاف ملاحظہ ہو۔ اس سے جہاں حضرت مفتی اعظم کی فقاہت کا اندازہ ہوتا ہے وہیں غالباً آپ کے لیے بھی ایک نئی تحقیق اور دینی معلومات کے ذخیرہ میں اضافہ ہوگا۔ مسح سے متعلق ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''اگر مسح، اس طرح کرے گا کہ تین تین انگلیاں اور ہتھیلیاں مقدم راس (سر) سے اس طرح گردن کی جانب لے جائے گا کہ سر کی دونوں جانب بھی پوری پوری ہتھیلیوں کے نیچے آتی جائیں گی تو اس صورت میں یونہی پورے سر کا مسح ہوگیا، پیچھے سے آگے لانا بے کار ہے اور اولیٰ یہی ہے۔'' فتاویٰ مصطفویہ، جلد ۲ ص ۶)

یہ مسئلہ ایسا ہے کہ عوام تو عوام بہت سے علما بھی اس سے واقف نہیں، مگر مفتی اعظم، نہ صرف یہ کہ اس کے عالم بل کہ اس پر عامل بھی تھے۔ چنانچہ مذکورہ طریقہ پر مسح کرتے ہوئے دیکھ کر حضرت مفتی محمد اعظم صاحب صدر المدرسین مظہر اسلام، رقم طراز ہیں:

''میں نے اس طرح پورے سر کا مسح فقہ کی کسی کتاب میں ابھی تک نہیں دیکھا تھا اور نہ کسی کو کرتے دیکھا تھا۔''

(مفتی اعظم نمبر، دامنِ مصطفی)

یہ مسئلہ فتاویٰ رضویہ، جلد ۱ ص ۲۵۸ میں موجود ہے اور اس کا جزئیہ ردالمحتار جلد ۱ ص ۸۲ میں مسطور ہے۔ **والاظهر ان يضع كفيه واصابعه على مقدم راسه ويمدهما الى القفا على وجه يستوعب جميع الرأس ثم يمسح اذنيه باصبعيه اه۔''**

اصلاح فتاوے :

حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ اپنی بے پناہ دینی مصروفیات اور تبلیغی اسفار کی کثرت کے باوجود اپنے زیر تربیت متعدد مفتیان کرام کے لکھے ہوئے دقیق سے دقیق مسائل کی مطلوبہ کتب ضروریہ کی مراجعت کے بغیر قلم برداشتہ ایسی صلاح فرماتے کہ مفتیانِ کرام حیران و ششدر رہ جاتے۔ حضرت علامہ مفتی شریف الحق امجدی لکھتے ہیں:

''تنقید آسان ہے مگر اصلاح دشوار، جو لکھا گیا ہے وہ نہیں ہونا چاہیے، اس کو کوئی بھی ذہین نقاد کہہ سکتا ہے۔ مگر اس کو بدل کر کیا لکھا جائے؟ یہ جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے۔ مگر ستر سالہ مفتی اعظم کا دماغ اور علم ایسا جوان تھا کہ تنقید

کے بعد فوراً اصلاح فرمادیتے اور ایسی اصلاح کہ پھر قلم ٹوٹ کر رہ جاتا۔'' (مفتی اعظم اوران کے خلفاء)

مرزا عبدالوحید بیگ بریلوی لکھتے ہیں:

''بعض جوابات میں اتنی ترمیم فرمادیتے کہ پورا جواب ہی آپ کے زورِ قلم کا نتیجہ ہوتا۔ مفتی صاحبان آپ کے قلم برداشتہ جوابات کو صاف کرتے اور سائل کو ارسال کردیتے، گوکہ یہ جوابات حضور مفتی اعظم کے تحریر کردہ ہوتے مگر ان میں مفتی صاحبان کے ہی نام لکھے جاتے۔'' (حیات مفتی اعظم)

بات سو فیصد صحیح ہے، مجھ راقم الحروف کے پاس بھی جلد سوم کی ترتیب کے وقت ایک رجسٹر ۱۳۹۱ھ سے پہلے کا مقابلہ کے لیے آیا تھا اس پر رجسٹر نمبر ۵۴ مرقوم ہے اس کے مسئلہ ۲۴۸ / ۵۴ پر ماتحت مفتی صاحب کا قلم زد جواب موجود ہے اور حضرت کا ارقام فرمایا جواب مع دستخط بھی، البتہ جواب حضرت کا ہی تحریر کردہ ارسال کیا گیا ہے کیوں کہ مفتی صاحب کا پورے کا پورا جواب رد کردیا گیا ہے، بہ خوف طوالت اسے یہاں ترک کیا جاتا ہے۔

تعلیم فتاویٰ :

یہیں پہ تعلیم فتاوے کی بھی ایک جھلک دیکھتے چلیں جسے حضرت مولانا مفتی محمد اعظم صاحب زید مجدہ اپنی کہانی اپنی زبانی یوں بیان فرماتے ہیں:

''ایک بار حضور مفتی اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں ایک سوال کا جواب اصلاح کے لیے لے گیا۔ جماعت اسلامی کو چندہ دینے کے بارے میں سوال کیا گیا تھا کہ جماعت اسلامی کو چندہ دینا یا اس کا ممبر بننا جائز ہے یا نہیں؟ جواب میں، میں نے لکھا'' جماعت اسلامی'' کو چندہ دینا اور اس کا ممبر بننا، ناجائز و گناہ ہے۔ دیکھنے میں جواب صحیح تھا، میں نے سمجھا حضرت جواب سن کر فوراً تصدیق فرمائیں گے۔ حضرت نے فرمایا'' اول تو آپ نے مودودی کی جماعت کو 'جماعت اسلامی' لکھ دیا، یہ غلط ہوا۔ دوسرے پھر آپ لکھ رہے ہیں کہ 'جماعت اسلامی' کو چندہ دینا، ناجائز ہے۔ جب جماعت اسلامی کو چندہ دینا ناجائز ہے تو کیا غیر اسلامی جماعت کو چندہ دیا جائے گا؟ آپ اس طرح لکھیے کہ مودودی جماعت یا بدمذہبوں کی کسی جماعت کو چندہ دینا یا اس کا ممبر بننا ناجائز ہے۔''

عام بول چال میں اصلاح :

یہ تو تعلیم فتاویٰ کی ایک جھلک تھی، عام بول چال میں، سفر وحضر، صحت وعلالت، خلوت وجلوت، ہر جگہ ہر وقت بلا رو و رعایت اور بلا تاخیر برجستہ اصلاح فرمانے کی ہزاروں مثالوں میں سے نمونہ کے طور پر ع مشتے نمونہ از خروارے، ملاحظہ فرمائیں۔ اسم بامسمیٰ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد صالح صاحب مدرس دارالعلوم منظر اسلام، بیان کرتے ہیں:

''میں ایک بار بعد مغرب، مسئلہ کا جواب لکھ کر تصحیح کے لیے خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا، حضور! مسلہ (لام سے پہلے بغیر ہمزہ کے) کا جواب ملاحظہ فرمائیں۔ غلط تلفظ کی حضرت نے برجستہ یوں اصلاح فرمائی، ارشاد فرمایا! کس نے مسلا؟ میں سمجھ گیا اور فوراً عرض کیا! حضور۔ مسئلہ (ہمزہ کے ساتھ) جواب سن کر تبسم فرمایا۔ یہ تھا حضرت کی اصلاح کا پیارا انداز۔''

مولیٰ تعالیٰ حضرت کے فیوض روحانی سے ہمیں اور قارئین سب کو مالا مال فرمائے۔ آمین

☆☆☆☆☆

حضور مفتی اعظم کا علمی وفقہی استحضار

مولانا محمد مجیب اشرف رضوی
بانی ومہتمم الجامعۃ الرضویہ دارالعلوم امجدیہ، ناگ پور

حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے دور میں شیخ العلما اور سند الفقہا کے منصب اعلیٰ پر فائز تھے، آپ کی علمی اور فقہی تحقیق کو اس دور کے تمام اکابر واصاغر علما بلاتر دد تسلیم کرتے، جب کسی مسئلہ پر علما کے درمیان اختلاف رائے ہوتا تو رفع اختلاف کے لیے حضور سیدی مفتی اعظم قدس سرہٗ کی رائے صائب ہی فریقین کو قابل قبول ہوتی، آپ کی علمی تحقیقی جلالت وصلابت کے سبھی معترف بھی تھے، اور اس کو تسلیم بھی کرتے تھے۔

ایک بار حضور سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کا تحریر کیا ہوا فتویٰ تصدیق کے لیے علما کی خدمت میں پہنچا جس کی سب نے تصدیق کی، کسی نے ’’الجواب صحیح‘‘ لکھ کر اپنے دستخط کیے، تو کسی نے ’’من اجاب فقد اصاب‘‘ لکھ کر تصدیق کی، تو کسی نے ’’صح الجواب بلا ارتیاب‘‘ تحریر کیا۔ غرض تمام علماے کرام نے اپنے اپنے طور پر اس اہم فتوے کی تصدیق کی، مگر جب حضور محدث کچھوچھوی حضرت العلام سید محمد اشرفی جیلانی قدس سرہٗ کی خدمت میں، حضور سیدی سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کا یہی فتویٰ بغرض تصدیق پیش کیا گیا تو آپ نے اس کو پڑھ کر خوشی کا اظہار فرمایا اور بڑے ہی جان دار، شان دار، پرمعنی جملے لکھ کر تصدیق فرمائی، آپ کے تصدیقی الفاظ یہ ہیں ’’**ھذا حکم العالم المطاع وماعلینا الا الاتباع**‘‘ یعنی اس فتوے میں جو حکم بیان کیا گیا ہے وہ ایسے عالم کا ہے جس کی اطاعت کی جاتی ہے، اور ہم پر اس کی اتباع لازم ہے۔

ایسا کیوں؟ میرے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور سیدی، مرشدی سرکار مفتی اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا اپنے والد گرامی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ ورضوی المولیٰ تعالیٰ عنہ کی طرح جب کسی مسئلہ کا تحریری یا زبانی جواب دیتے تو صرف نفس مسئلہ بتا دینے پر اکتفانہ فرماتے، بل کہ دلیل مسئلہ بھی ارشاد فرماتے، تاکہ سائل کو پورے طور پر اطمینان حاصل ہو جائے۔

۱۹۵۳ء سے لے کر ۱۹۵۷ء تک فقیر قادری محمد مجیب اشرف رضوی دارالعلوم مظہر اسلام بی بی جی بریلی شریف زیر تعلیم رہا، اس وقت مرکزی رضوی دارالافتا محلہ سوداگران میں استاذ گرامی، شارح بخاری، فقیہ العصر حضرت العلام مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صدارت افتا کے منصب پر فائز تھے، جب تک میں بریلی شریف میں زیر تعلیم رہا، میرا روزانہ کا معمول یہ تھا کہ عصر کی نماز پڑھ کر سرکار مفتی اعظم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو جاتا، اور حضرت استاذ گرامی مفتی صاحب قبلہ کے دن بھر کے لکھے ہوئے فتووں کو عصر و

مغرب کے درمیان حضور سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کو سناتا، پھر حضرت قبلہ گاہی کی تصدیق وتصویب کے بعد ان فتووں کو رجسٹر میں نقل کر کے ڈاک کے حوالہ کر دیتا تھا۔

اس روزانہ کی حاضری میں اکثر یہ دیکھنے میں آیا کہ جب بھی کسی صاحب نے زبانی مسئلہ دریافت کرنے کے لیے حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا سوال پیش کیا تو آپ نے اس کا تسلی بخش جواب مرحمت فرمایا اور ساتھ ہی فقہ کی کتابوں کی بعینہ وہ عبارتیں بھی ارشاد فرمائیں جن کا تعلق اس مسئلہ سے ہوتا، اس تعلق سے واقعات جو میں نے محفوظ کر لیے تھے پیش کر رہا ہوں، جن سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ سیدی سرکار حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کا علمی اور فقہی مقام کیا تھا، اور آپ کا علمی اور فقہی استحضار بھی معلوم ہو جائے گا۔

حالت حیض میں درود شریف وغیرہ پڑھنا کیسا ہے؟: ایک دن میں حسب معمول نماز عصر کے بعد فتاوے سنانے کے لیے حضرت والا کی خدمت میں تھا، پرانے شہر بریلی شریف کے رہنے والے ایک صاحب حاضر خدمت ہوئے، انھوں نے حضرت والا سے ایک مسئلہ دریافت کرتے ہوئے اپنا سوال عرض کیا۔

سوال: حضور! ہمارے یہاں ایک صاحب نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ عورت حیض کی حالت میں درود شریف، ذکر واذکار اور دعائیں وغیرہ پڑھ سکتی ہے۔ اور ایسی کتابوں کو چھو بھی سکتی ہے جن میں درود شریف اور وظیفے وغیرہ لکھے ہوئے ہیں۔ تو کیا یہ مسئلہ جو انھوں نے بیان کیا ہے درست ہے؟

جواب: حضرت قبلہ نے فرمایا، پڑھ سکتی ہے۔ اور ان کتابوں کو چھو بھی سکتی ہے جن میں قرآنی آیات کے سوا صرف درود شریف اور وظیفے وغیرہ لکھے ہوتے ہیں، درمختار کے باب الحیض (ص ۴۸۸، دارالکتب العلمیہ بیروت) میں ہے: **لا بأس للحائض و الجنب بقراءة الادعية و مسها و حملها** (یعنی حیض والی عورت اور جنب جس پر غسل واجب ہے، ان دونوں کے لیے دعاؤں کے پڑھنے، چھونے اور اٹھانے میں کوئی حرج نہیں ہے) پھر فرمایا کہ ایسی کتابوں کو نہ چھونا بہتر ہے جن میں درود شریف وغیرہ تحریر ہوں۔

زخم کی نہ بہنے والی رطوبت کا حکم: میں ایک روز خدمت بابرکت میں حاضر تھا، ایک صاحب حضرت والا کی زیارت کے لیے کہیں باہر سے بریلی شریف در دولت پر حاضر ہوئے تھے، ان کے داہنے گھٹنے میں بہت پرانا زخم تھا، زخم میں ہمیشہ رطوبت کی نمی رہا کرتی تھی، جو کپڑے کو لگ جایا کرتی تھی، آدمی وضع قطع اور شکل وصورت سے دین دار لگتے تھے ان کو اس زخم کی وجہ سے بڑی پریشانی تھی، اس لیے انھوں نے حضرت والا سے مسئلہ دریافت کیا۔

سوال: حضور! میرے گھٹنے میں بہت پرانا زخم ہے جو علاج کے بعد بھی اچھا نہیں ہو رہا ہے، دعا فرمائیں کہ اچھا ہو جائے، حضور مجھے سب سے بڑی پریشانی یہ ہے کہ زخم کے اندر ہمیشہ نمی رہتی ہے، جب کپڑا اس سے چھو جاتا ہے تو کپڑے میں زخم کی رطوبت لگ جاتی ہے، بار بار ایسا ہونے سے کپڑا داغ دار ہو جاتا ہے، تو کیا اس سے کپڑا ناپاک ہو جاتا ہے، اور وضو اس رطوبت سے ٹوٹ جاتا ہے یا باقی رہتا ہے۔

جواب: حضرت والا نے سائل کا سوال سن کر پہلے دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو شفائے کلی عطا فرمائے، پر مسئلہ کا جواب ارشاد فرمایا ''رطوبت اگر صرف نمی کی حد تک ہے، بہہ کر باہر آنے کی اس میں قوت نہیں تو نہ اس سے وضو ٹوٹے گا نہ کپڑے پر لگنے سے کپڑا ناپاک ہوگا، چاہے کم مقدار میں ہو یا زیادہ، شامی (ج۔ا ص ۲۴۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت) میں ہے'' **لان القميص لو تردد على الجرح فابتل، فلا ينجس مالم يكن كذلك، لانه ليس بحدث اى وان فحش** (یعنی اس لیے کہ اگر قمیص زخم پر بار بار لگے اور زخم کی تری سے کپڑا تر ہو جائے تو کپڑا ناپاک نہ ہوگا جب کہ وہ رطوبت بہنے والی رطوبت کی طرح نہ ہو، اس لیے کہ ایسی نمی حدث (وضو توڑنے والی)

نہیں اگر چہ کپڑے پر بہت زیادہ لگ جائے۔

مذکورہ بالا دونوں مسئلے اگر کسی عالم سے پوچھے جاتے تو نفس مسئلہ بتا کر بات ختم کردی جاتی، جس سے عالم دین کی شرعی ذمہ داری پوری ہو جاتی، مگر حضور سیدی سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمۃ نے صرف سائل کو مسئلہ کا جواب ہی نہیں دیا بل کہ اس کتاب کا نام بھی ارشاد فرمایا جس میں یہ جزئیہ موجود تھا، اور کتاب کی اصل عبارت بھی پڑھ سنادی تاکہ سائل پوری طرح مطمئن ہو جائے، دل میں کسی قسم کی خلش باقی نہ رہے، یہ ہے کہ آپ کا علمی استحضار، جس کا اظہار اکثر و بیشتر آپ کی گفتگو میں ہوتا رہتا تھا، میں نے بارہا دیکھا کہ فتویٰ لکھتے ہوئے بلا تکلف کتاب دیکھے بغیر جزئیات مع عبارات نقل فرماتے جاتے تھے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ پوری کتاب از بر ہے۔ ”**ذلک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء**“ سچ ہے ”**الولد سر لابیہ**“۔

اہل قبلہ کی تکفیر کا مسئلہ: ایک روز ایک صاحب حضور سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، جو دیکھنے میں بظاہر مولوی لگتے تھے، اور ان کی بات چیت سے ایسا محسوس ہوا کہ متصلب سنّی نہیں ہیں، عقیدے کے اعتبار سے مذبذب ہیں، حضرت والا سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمۃ مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد باہر کی بیٹھک میں تشریف فرما تھے، آنے والے صاحب ایک طرف کرسی پر خاموش بیٹھے تھے، کچھ دیر کے بعد حضرت قبلہ نے حسب عادت دریافت فرمایا ”آپ نے کیسے تکلیف کی؟“ انھوں نے عرض کی ایک بات پوچھنے کی غرض سے حاضر ہوا ہوں، اگر آپ اجازت دیں تو عرض کروں۔ حضرت والا نے فرمایا: کیا پوچھنا ہے؟ پوچھیے، اجازت پا کر ان صاحب نے اپنا سوال پیش کیا۔

سوال : رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اہل قبلہ کی تکفیر سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے اور ہمارے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی کہنا ہے کہ ”ہم اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کرتے۔“ اگر یہ صحیح ہے تو علما اہل سنت مولانا اشرف علی صاحب اور مولانا قاسم صاحب نانوتوی وغیرہ علما دیوبند کی تکفیر کیوں کرتے ہیں، یہ لوگ بھی تو اہل قبلہ ہیں؟

جواب : سوال سن کر حضرت والا کی ایمانی غیرت کو جوش آ گیا، آپ نے پر جلال انداز میں ارشاد فرمایا، جو شخص مطلقاً یہ کہتا ہے کہ اہل قبلہ کی تکفیر خواہ کیسا ہی کفر صریح وقبیح بک جائے جائز نہیں، وہ جھوٹا، جاہل، بے باک اور شریعت پر افترا کرنے والا ہے۔ شامی جلد چہارم کا صفحہ دوسوستہتر (۲۷۷) کھول کر دیکھو صاف صاف یہ لکھا ہوا ہے **لا خلاف فی کفر المخالف فی ضروریات الاسلام وان کان اھل القبلۃ المواظب طول العمر علی الطاعات**، کچھ سمجھے علامہ شامی علیہ الرحمۃ کیا فرما رہے ہیں؟ سنو! وہ یہ فرما رہے ہیں کہ ضروریات اسلام کے منکر کے کفر میں علمائے اسلام میں سے کسی عالم کا اختلاف نہیں ہے اگر چہ منکر اہل قبلہ ہو، جس کی پوری زندگی شریعت کی پابندی کرتے گزری ہو۔

اسی میں ہے **لا خلاف فیہ کفر المخالف فی ضرویات الاسلام من حدوث العالم وحشر الاجساد و نفی العلم بالجزئیات وان کان من اھل القبلۃ المواظب طول عمرہ علی الطاعات کمافی شرح العزیز۔**

(ج۔ا ص ۳۰۰ باب الامامۃ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

کیا علامہ شامی علیہ الرحمۃ اور دنیا کے تمام علمائے اسلام کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک اور سیدنا امام اعظم علیہ الرحمۃ کا قول مقبول معلوم نہیں تھا؟ کہ ان حضرات نے بے سوچے سمجھے اہل قبلہ منکر ضروریات دین کی تکفیر کر دینے کو صرف جائز ہی نہیں بل کہ واجب قرار دیا اور فرما گئے ”**من شک فی کفرہ و عذابہ فقد کفر**“ (منکر ضروریات دین کے کفر اور اس کے عذاب میں جو شک

کرے وہ بھی کافر ہے۔(خواہ اہل قبلہ سے ہو یا غیر سے)

کیا مدینہ منورہ کے رہنے والے منافقین جنھوں نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست پاک پر اپنا ہاتھ رکھ کر توحید ورسالت کا اقرار کیا تھا، اور بہانگ دہل کہتے پھرتے تھے کہ ہم مسلمان ہیں وہ اہل قبلہ میں سے نہیں تھے، کلمہ، نماز اور روزے وغیرہ جملہ اسلامی کام کرتے تھے، باجود اس کے اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں ان پر حکم کفر لگایا، دیکھو قرآن ارشاد فرماتا ہے **قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ** (سورۂ توبہ ۹/ ۶۶) ترجمہ: اے منافقو! بلاشبہہ تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے۔اور خود حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان پر کفر کا حکم عائد فرمایا، ان کو مسجد نبوی شریف سے جمعہ کے دن مسجد سے نکال باہر کیا۔حضور نے کیا مسلمانوں کو مسجد سے نکالا؟ ہرگز نہیں، بتاؤ! کیا اللہ ورسول جل مجدہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان کا اہل قبلہ ہونا معلوم نہ تھا، معاذ اللہ، معاذ اللہ، استغفر اللہ، یاد رکھو جو کفر بکے گا اس پر کفر سوار ہو جائے گا، اہل قبلہ ہونا اس کو کفر کی بلا سے ہرگز نہ بچا سکے گا۔اگر ایسا نہ ہو تو شریعت سے امان اٹھ جائے، قبیح سے قبیح کفر بکتا جائے اور سچا پکا مسلمان بن کر گھومتا رہے، کیا اسی کا نام اسلام ہے؟ انا للہ وانا الیہ راجعون

اللہ ورسول نے کفر واسلام کو خوب سے خوب تر واضح فرمادیا ہے، تاکہ تلبیس ابلیس کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔اسی لیے فرمادیا ہے **قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ** (سورۂ بقرہ، ۲/ ۲۵۶) ترجمہ: خوب اچھی طرح جدا ہو چکی ہے ہدایت کی راہ گمراہی سے۔ارشاد ربانی نے واضح کردیا کہ اسلام وکفر دونوں شخص واحد میں بیک وقت جمع نہیں ہو سکتے، اسلام آئے گا تو کفر رفو چکر ہو جائے گا اور کفر گھسے گا تو اسلام رخصت ہو جائے گا، دونوں میں تباین کی نسبت ہے۔(یعنی دونوں بیک وقت ایک محل میں جمع نہیں ہو سکتے۔دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں جیسے دن اور رات دونوں ایک ساتھ نہیں پائے جاسکتے، جہاں دن ہے وہاں رات نہیں، جہاں رات ہے وہاں دن نہیں) اور علماے ربانیین کو ان میں فرق وامتیاز کی پوری پوری صلاحیت عطا فرمائی گئی ہے۔وہ ہرگز کفر کو اسلام اور اسلام کو کفر نہیں کہہ سکتے۔

علماے کرام کی کتابیں اٹھا کر دیکھو معلوم ہو جائے گا کہ ضروریات دین کے منکر کی تکفیر بھی ضروریات دین سے ہے اور اس پر اہل اسلام کا اجماع ہے، کسی کو اس میں اختلاف نہیں ہے، علما کی تصریحات اور ان کے واضح ارشادات سنو! کہیں ارشاد ہوا ''**اجماع الامة علی تکفیر من خالف الدین المعلوم بالضرورة** '' یعنی جس بات کا ضروریات دین سے ہونا معلوم ہے، اس کے منکر کی تکفیر پر پوری امت کا اجماع اور اتفاق ہے) کہیں فرمایا **لا نزاع فی اکفار منکر شئی من ضروریات الدین، وان کان من اهل القبلة** (یعنی جس بات کا ماننا ضروریات دین سے ہے، اس کے منکر کے کافر کہنے میں کسی کا اختلاف نہیں وہ منکر اگرچہ اہل قبلہ سے ہو) کہیں علما نے یوں تصریح فرمائی، ''**خرق الاجماع القطعی الذی صار من الضروریات کفر** (ایسا قطعی اجماع جو ضروریات دین سے ہے اس کا نہ ماننا کفر ہے)

شامی میں ہے **وقد شرح فی التحریر فی باب الاجماع بان منکر حکم الاجماع القطعی یکفر عند الحنفیة وطائفة۔** (ج۔۲ ص ۴۰۴ باب الوتر والنوافل دار الکتب العلمیہ، بیروت)

کیا قرآن وحدیث اور علما اسلام کی ظاہر و باہر تصریحات سے اندھے ہو کر سب سے الگ اپنی ڈفلی بجا بجا کر اپنا راگ الگ الاپوگے؟ استغفر اللہ

میں نے جو کچھ کہا ہے اس سے ظاہر ہو گیا کہ ضروریات دین کے منکر کی تکفیر کرنی اطلاع شرعی یقینی کے بعد واجب ہے، اگر نہ کرے گا خود کافر ہو جائے گا، اسی لیے تو فرمایا گیا ہے **من شک فی عذابه وکفره فقد کفر** (ج۔٦ ص۔۳۷۰ ردالمحتار باب المرتد، دار الکتب

العلمیہ، بیروت) یعنی ضروریات دین کے منکر کی تکفیر اوراس کے عذاب میں شک کرنے والا بھی کافر ہے۔ مولوی قاسم اور مولوی اشرف علی وغیرہما کی تکفیر ضروریات دین کے انکار کی وجہ سے کی گئی ہے۔

مولوی قاسم نے اپنی کتاب تحذیر الناس میں حضور خاتم الانبیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کا انکار کیا ہے، بل کہ اس عقیدے کو محض عوام کا خیال بتایا ہے، جب کہ حضور خاتم النبیین کا آخری نبی ہونا ایسا عقیدہ ہے جو بالاتفاق ضروریات دین سے ہے، چنان چہ فتاویٰ یتیمۃ الدہر، فتاویٰ عالم گیری اور الاشباہ والنظائر میں ہے **اذا لم یعرف ان محمدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آخر الانبیاء فلیس بمسلم لانہ من الضروریات** (الاشباہ والنظائر ج۔۲ ص ۹۱ کتاب السیر، باب الردۃ، کراچی) یعنی جب کوئی شخص حضرت اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آخری نبی نہ جانے وہ مسلمان ہی نہیں ہے، کیوں کہ آپ کو آخری نبی ماننا ضروریاتِ دین سے ہے۔ اسی طرح مولوی اشرف علی نے اپنی کتاب حفظ الایمان میں اور مولوی خلیل احمد و مولوی رشید احمد وغیرہم نے براہین قاطعہ میں ایسی ایسی باتیں لکھی ہیں جو ضروریات دین کے صریحاً خلاف ہیں۔ اس لیے ان پر حکم کفر قطعی اور جزمی ہے۔ اہل قبلہ ہونا اور پوری زندگی عبادت و ریاضت میں گزار دینا ان کو حکم کفر سے نہیں بچا سکے گا۔ عزازیل (شیطان) وہ بیت المعمور (فرشتوں کے قبلہ) کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا تھا وہ بھی اہلِ قبلہ میں سے تھا۔ عالم و فاضل، عابد و زاہد تھا جب ضروریات دین کے انکار کرنے کی وجہ سے کفر سے نہ بچ سکا تو ایرے غیرے کی کیا حقیقت ہے؟ مزید تحقیق اور تسلی کے لیے میری کتاب الموت الاحمر کا مطالعہ نافع ہوگا، اور ان شاء اللہ تبارک و تعالیٰ سارے شکوک و شبہات دور ہو جائیں گے۔

سبحان اللہ، ماشاء اللہ، حضرت کا کیا علمی استحضار تھا، جواب اتنا مدلل دیا کہ سائل بالکل مطمئن ہو گیا، مزید کچھ کہنے کی گنجائش باقی نہ رہی۔ حضرت والا جب وہابیہ کی تکفیر کے مسئلہ پر گفتگو فرما رہے تھے، اس وقت روانی گفتار کے ساتھ چہرہ انور پر علمی جلالت کے آثار، گستاخانِ رسول سے نفرت کا اظہار اور آپ کا پورا وجود محبت رسول سے سرشار نظر آ رہا تھا۔

اس وقت حضرت والا جب کتابوں کے حوالے مع اصل عبارت ارشاد فرما رہے تھے تو ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ کتاب سامنے ہے اور دیکھ کر پڑھتے جا رہے ہیں، آج کی گفتگو میں بڑی شگفتگی اور روانی تھی، کہیں رکاوٹ اور تکلف کا احساس نہیں ہوتا تھا، جب کہ آپ گفتگو رک رک کر فرمانے کے عادی تھے، اس کو کرامت سے تعبیر کیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

جب یہ گفتگو ہو رہی تھی تو وہاں چند حضرات اور بھی موجود تھے، حضرت والا کی گفتگو سن کر سبھی لوگ محظوظ ہوئے۔ دورانِ گفتگو مذکورہ حوالوں کے علاوہ حضرت والا نے اور کئی کتابوں کے نام لیے اور ان کتابوں کی طویل عبارتیں بھی پڑھیں، مگر مجھے یاد نہ رہ سکیں، کاش کہ وہ تمام گفتگو ضبطِ تحریر میں آ جاتی تو ایک قیمتی علمی سرمایہ ہوتا، اپنی کوتاہی کا مجھے افسوس ہے۔

☆☆☆☆☆

مسئلۂ دوام مسجدیت اور سرکار مفتی اعظم

مولانا شمس الہدیٰ خان رضوی مصباحی
استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

میں دار العلوم تدریس الاسلام بسڈیلہ بستی میں زیر تعلیم تھا غالباً ۱۹۷۸ء کا سال تھا جب فرد یگانہ، قطب زمانہ، آقائے نعمت، سراپا رحمت و برکت، ابوالبرکات حضور مفتی اعظم رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ شہر گورکھ پور میں الحاج کتاب اللہ صاحب مرحوم ومغفور کے یہاں جلوہ بار ہوئے۔ گورکھ پور میں عید کا سا سماں تھا محسوس ہو رہا تھا، کہ چشمۂ فیضانِ کرم پھوٹ پڑا ہے اور پیاسے جوق در جوق کھنچے چلے آ رہے ہیں۔ پورا شہر عشاقان دید کی بھیڑ سے ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ انھیں میں ایک میں بھی تھا۔ چہرہ زیبا پر نظر پڑتے ہی دم بخود ہو گیا، علما وطلبہ کیساتھ میں بھی شرف بیعت سے ہم کنار ہوا اور دامن مصطفی رضا کو والہانہ عقیدت ومحبت سے تھام لیا۔ میری خوش بختی کہ علما کے ازدحام کے باوجود حجرہ اقدس میں حاضری نصیب ہوئی اور ریشم جیسے نرم گداز پائے مبارک دبانے کا موقع بھی میسر آیا۔ دعا کی درخواست کی۔ مجمع علما میں فرمایا ''خدا تعالیٰ آپ کو عالم کامل بافیض بنائے'' علما اور مشائخ نگاہ حیرت سے دیکھنے لگے۔ آج جو کچھ خدمات دینیہ مجھ سے ہو رہی ہیں، میرے پیرو مرشد کی زبان فیض ترجمان سے نکلی ہوئی دعاے کیمیا اثر کا صدقہ ہے۔ سیدی ومرشدی آقائی ومولائی حضور مفتی اعظم در حقیقت مفتی اعظم تھے۔ مسائل قدیمہ ہوں یا جدیدہ، جس پر قلم اٹھایا تو تحقیقات جلیلہ وجمیلہ کا عطر مجموعہ خیر الکلام ماقل ودل کے سانچے میں اتار دیا۔ صرف اٹھارہ برس کی عمر شریف میں پہلا فتویٰ مسئلۂ رضاعت کا بغیر کسی کتاب کی مدد کے تحریر فرمایا۔ جس پر اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے بلا کسی لفظ کے گھٹائے بڑھائے، مہر تصدیق ثبت فرمائی، اظہار مسرت فرمایا، انعام سے نوازا۔ فتویٰ لکھنے کی عام اجازت دی اور آپ کے نام کی مہر بنوا کر عطا فرمائی۔ انجکشن سے روزہ ٹوٹنے نہ ٹوٹنے کا مسئلہ ہو یا لاؤڈ اسپیکر پر اقتدا کا مسئلہ ہو، دار الحرب میں سود کا مسئلہ ہو خواہ نسبندی کا مسئلہ، جہاں بڑے بڑے قدم ڈگمگا گئے تھے، وہاں سرکار مفتی اعظم کی شان تھی۔

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

آپ کی تصانیف وحواشی تقریباً چالیس ہیں جو تحقیقات انیقہ اور تدقیقات رشیقہ کی شاہ کار ہیں۔ دوام مسجدیت کا مسئلہ ایک اہم مسئلہ ہے جس سے بابری مسجد وغیرہ میں تبدیلی زمین، نقل مسجد وغیرہ کے گوشے کا بالکلیہ قلع قمع ہو جاتا ہے۔ اور بڑے بڑے سیاسی سوداگر حیران وششدر نظر آتے ہیں۔

جو زمین مسجد کے لیے وقف ہو گئی تو بعد تمام مسجدیت اس کے بالمقابل تحت الثریٰ سے عرش اعظم تک مسجد ہی ہے۔ درمختار میں ہے۔:''**انه مسجد الی عنان السماء**'' ردالمحتار میں ہے'' **وکذا الی تحت الثری البیری عن الاستیعابی** وہ جگہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مسجد ہے۔ صرف عبادت الٰہی اور ذکر خدا ہی کے لیے ہے اس کی مسجدیت کبھی کسی وقت قیامت تک باطل نہیں ہو سکتی۔ وہ خاص ملک الٰہی

ہے جسے نہ کوئی بیچ سکتا ہے اور نہ بدل سکتا ہے یہاں تک کہ اگر کوئی اس میں پودا لگائے تو بھی اس میں اس کی ملک نہیں ہوسکتی۔ **اسعاف فی احکام الاوقاف** میں ہے۔''**لو غرس فی المسجد تکون للمسجد لانه لا یغرس فیه لیکون ملکا**''بل کہ اگر وہ ویران ہو جائے تب بھی کسی کی ملک نہیں ہوسکتی اور نہ کسی حال میں اس کی بیع درست ہے۔ **اذا تعطل المسجد بتفرق الناس عن البلد او خرابها بخراب المسجد فلا یعود مملوکا و لا یجوز بیعه بحال اذا اخرب المسجد لا یجوز بیعه و لا بیع شی منه و لا نقله الی موضع آخر و لا نقل شئی منه، هذا هو المنقول عن الاصحاب۔**

(اعلام الساجد باحکام المساجد ص ۳۴۵)

فتاویٰ عالمگیریہ جلد ۲، ص ۴۵۸ ''**اذا خرب المسجد و استغنی اهله و صار بحیث لا یصلی فیه هو مسجد ابدا و هو الاصح کذا فی خزانة المفتین**'' ہدایہ اور جوہرہ ج ۲ میں ہے''**المسجد مما یتابد**'' امام ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فتح القدیر میں کچھ تفصیل سے اس مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے کہ مسجد خاص خدا کی ملک ہے۔ کسی اور کا اس میں کوئی حق نہیں۔ خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے **و ان المسجد لله** فرمانِ خداوندی سے صاف عیاں ہے کہ ہر چیز اسی کی ہے لہٰذا اس اضافت کا فائدہ اختصاص ہے کہ غیر خدا کا کوئی حق مسجد سے متعلق نہیں۔ **خالص لله سبحانه لیس لا حد فیه حق قال الله تعالیٰ و ان المساجد لله مع العلم بان کل شئی له فکان منه هذه الاضافة اختصاصه به و هو بانقطاع حق کل من سواه عنه۔** (فتح القدیر جلد ۵، ص ۴۴۴)

سرکار مفتی اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس مسئلہ پر متعدد رخ سے سیر حاصل کلام فرمایا ہے جو تقریباً پینتیس ۳۵ صفحات پر مشتمل ہے اور مسئلہ کے متعدد گوشوں کو منقح فرمایا ہے۔ صاحب بصیرت فقیہ جسے پڑھ کر جھوم اٹھتا ہے اور دادِ تحسین دیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں'' مسجد کی مسجدیت کسی وقت کے لیے باطل نہیں ہوسکتی جو زمین مسجد ہوگئی۔ **بجمیع اجزاءہ ابداً** مسجد رہے گی۔ ردالمحتار میں فرمایا''**المسجد لا یخرج عن المسجدیة ابداً۔**'' (فتاویٰ مصطفویہ ص ۲۳۶)

ہبلی سے سوال آیا کہ ایک مسجد بہت پرانی ہے، نئے سرے سے بنوانے کی تجویز پر شہید کی گئی، اب چند لوگوں کی رائے ہے کہ ایک درجہ مسجد کا پیچھے یعنی پچھم کی طرف چھوڑ دیا جائے حجرہ، حوض یا غسل خانہ وغیرہ بنانے کے خیال سے اور پورب کی طرف ہٹ کر مسجد بنائی جائے آیا اصل مسجد کی جگہ جماعت خانہ کی چھوڑ کر مسجد بنا سکتے ہیں الی آخرہ آپ نے ارشاد فرمایا جو جگہ مسجد بہ معنی موضع صلوٰۃ وقف ہوچکی اسے کسی دوسرے کام میں لانا حرام اشد حرام ہے وہ ابداً نماز و ذکر خدا ہی کے لیے ہے۔ وہاں حجرہ یا حوض یا غسل خانہ بنانا، خانۂ خدا کی توہین اور اس کی ویرانی ہے۔ جو لوگ اس پہ اڑے ہیں، وہ بیت اللہ کی توہین کرنے کرانے پر اڑے ہیں۔ انھیں ہر ممکن مگر جائز طور پر اس شنیع کام سے روکا جائے۔ ہر مسلمان پر انھیں اس خبیث حرکت سے باز رکھنے کی سعی فرض ہے۔ مسجد تو مسجد کسی وقف کو بھی اس کی ہیئت سے بدلنا جائز نہیں۔ شرط واقف کا اتباع مثل اتباع نص شارع واجب ہے۔ کتب معتمدہ و معتبرہ میں تصریح ہے ''**شرط الواقف کشرط الشارع فی وجوب الاتباع و العمل**، نیز تصریح ہے **لا یجوز تغییر الوقف عن هیئته فلا یجعل الدکان خانا**.......... مسجد میں دنیا کی باتیں کرنا جائز نہیں۔ یہاں تک کہ اگر کوئی اپنی گمی چیز وہاں دریافت کرے تو اس سے بجائے بتانے کے یہ کہا جائے۔ **لا ردها الله علیک** خدا تیری گمی چیز تجھے نہ ملائے۔ مسجدیں اس لیے نہیں بنیں۔ اگر خود واقف بعد تمام مسجدیت ایسا کرنا چاہتا، ہرگز نہ کرسکتا۔ متولی ہوتا تو اس کی تولیت توڑ دی جاتی.......... (فتاویٰ مصطفویہ ص ۲۴۰)

لاہور کی مسجد شہید گنج کو سکھوں نے پنجاب گورنمنٹ کی حفاظت میں گرا دیا ہے تو کیا اس زمین کو مسجد کا حکم حاصل ہے یا نہیں؟ حضور

مفتی اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس موقع پر دوام مسجدیت کے مسئلہ کو ایسا واضح فرمایا کہ بہت سے شکوک وشبہات تارعنکبوت کی طرح ہوا میں اڑ جاتے ہیں۔رقم طراز ہیں:

لاہور کی مسجد شہید گنج ہو یا کہیں کی کوئی مسجد جو مسجد ہے وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مسجد ہے، اس کی مسجدیت کبھی کسی وقت نہیں جا سکتی، مسجد کے شہید کر دینے سے اس کی مسجدیت باطل نہیں ہو سکتی، سکھوں نے شہید کی ہو یا کسی نے، وہ مسجد جسے شہید ہونے سے پہلے مسجد تھی، یوں ہی اب بھی مسجد ہے اور قیامت تک مسجد رہے گی۔عیاذ باللہ کافروں کے قبضے میں مسجد آ جانے سے کسی کے نزدیک اس کی مسجدیت نہیں جاتی، کعبہ برسہا برس قبضۂ کفار میں رہا جس کے گرداگرد مشرکوں نے تین سو ساٹھ بت رکھے۔ہر دن ایک نئے بت کی پوجا کرتے۔اس قبضہ سے کعبہ غیر کعبہ نہیں ہو گیا۔وہاں بتوں کے نصب کرنے اور پوجا ہونے سے قبلہ بت خانہ نہیں بن گیا۔وہ جیسا خالص للہ تعالیٰ برائے قربت و طاعت الٰہی پہلے تھا یوں ہی جب رہا۔یوں اب ہے۔یوں ہی ابدالآباد تک رہے گا۔اس طرح مسجد کا وہ بقعۂ طاہرہ جو خالصاً للہ تعالیٰ برائے طاعت وقربت وقف کیا گیا وہ جب مسلمان کے قبضہ میں تھا جیسا جب تھا۔ویسا ہی سکھوں کے قبضہ میں چلے جانے کے بعد رہا۔ویسا ہی مسجد کی عمارت شہید ہو جانے کے بعد اب ہے۔اصل مسجد تو وہ موضع صلوٰۃ ہے، عمارت ہو یا نہ ہو جو جگہ مسجد ہو گئی، مسجد ہی رہے گی۔

(فتاویٰ مصطفویہ، ص ۴۴۴)

مسجد میں نہ میراث جاری ہوتی ہے نہ ہی ایک مسجد کی ملکیت دوسری مسجد میں منتقل کی جاسکتی ہے۔سرکار مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ فتاویٰ شامی کے حوالے سے فرماتے ہیں: ''**ان الفتویٰ علی ان المسجد لا یعود میراثاً و لا یجوز نقله و نقل ماه إلی مسجد آخر**'' اسی میں ہے ''**علمت ان المفتی به قول أبی یوسف أنه لا یجوز نقله و نقل ماله إلی مسجد آخر کما مر عن الحاوی** بحوالہ فتاویٰ ہندیہ فرماتے ہیں: **والفتویٰ علی قول ابی یوسف أنه لا یعود الی ملک مالک ابداً۔**''

جامع مسجد جے پور کے بدلے میں راجہ ایک لاکھ کی خطیر رقم دے کر دوسری مسجد بنوانا چاہتا ہے۔اس سلسلے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ جو مسجد ہو چکی تا قیام قیامت وہ مسجد رہے گی۔مسجد بیچ ڈالنے، بدل لینے کی چیز نہیں ممکن نہیں کہ دنیا کے مسلمانوں کے بیچنے بدل لینے سے وہ مسجد مسجد ہونے سے نکل سکے۔ایک لاکھ نہیں اگر راجہ اپنی ساری ریاست دے اور مسجد نہیں مسجد میں سے ایک گز بھر زمین لے ہرگز مسلمانوں کو اس کا اختیار نہیں۔ (فتاویٰ مصطفویہ ص ۲۶۸)

حدود مسجد میں دکان، مکان کچھ بنانا جائز نہیں اسعاف میں فرمایا: **لو اراد قیم المسجد ان یبنی حوانیت فی حدود المسجد و فنائه قال الفقیه ابو اللیث لا یجوز له ان یجعل شیئاً من المسجد سکنا و مستغلاً** مبسوط امام سرخسی پھر عالمگیری میں ہے ''**قیم یرید ان یبنی حوانیت فی فناء المسجد لا یجوز له ذلک لانه یسقط حرمة المسجد لان فناء المسجد له حکم المسجد۔** (ایضاً ص ۲۳۴۔۲۳۷)

مسجد کے دروازے کا ایک حصہ سڑک کے لیے دینے کی بابت سوال ہوا تو ارشاد فرمایا۔ہرگز نہیں۔ہرگز نہیں۔ہرگز نہیں۔کسی وقف کی ہیئت کا بدلنے کا کسی کو اختیار نہیں ''**لا یجوز تغییر الوقف عن هیأته**'' عامہ کتب معتبرہ میں موجود ہے بعض متون کی اس عبارت سے کوئی دھوکا نہ کھائے مثلاً تنویر الابصار (ج۔۶ ص ۵۷۔۵۷۴، کتاب الوقف، بیروت) میں فرمایا ''**جعل شی من الطریق مسجد اجاز کعکسه**'' اس کا یہ مطلب نہیں کہ مسجدیت باطل کر کے گزر گاہ بنا دی جائے بل کہ یہ مطلب ہے کہ مسجد کے کسی جز کو بحالہ رکھ کر وقت حاجت فقط ممر انسان غیر محدث بہ حدث اکبر ٹھہرا دیا جائے۔درمختار (ج۔۶ ص ۵۷۵ کتاب الوقف، بیروت) میں فرمایا ''**کعکسه ای**

کجواز عکسه وهو ما اذا جعل فی المسجد ممر لتعارف اهل الامصار فی الجوامع و جاز لکل احدان یمر فیه حتی الکافر الا الجنب والحائض پھر یہ جواز بھی مختلف فیہ ہے اور وہ بھی بہرحال نہیں بل کہ وقت ضرورت وعندالحاجۃ ردالمحتار (ج۔۶ ص ۵۷۵، بیروت) میں فرمایا، خلاف **کما یاتی تحریره و هذا عند الاحتیاج کما قیده فی الفتح** ’’ردالمحتار میں تتارخانیہ اس میں فتاویٰ کا عدم جواز نقل کیا ہے اور اسی کو تتارخانیہ میں صحیح فرمایا۔ (ایضاً ص ۲۳۵)

حتی کہ مسجد کی دیوار کو اپنے استعمال میں لانا حرام ہے۔(ایضاً ص ۲۳۲) مزید فرماتے ہیں بعد تمام مسجدیت دیوار مسجد کو کسی کام میں نہیں لاسکتے اگرچہ مسجد کے مصالح کے لیے جو اوقاف ہوں، ان میں نہ ان کے آثار پر کوئی دیوار اٹھاسکیں اور نہ اس پر کڑیاں رکھ سکیں۔ (ایضاً ص ۲۳۴) دیوار مسجد ہے اس میں سوراخ کر کے حجرہ کی کڑیاں رکھنا جائز نہیں (ایضاً ص ۲۳۴) اس طرح کے سیکڑوں مسائل شرعیہ کو محقق و مبرہن فرمایا ہے کہ نہ موافق کے لیے تشنہ تحقیق اور نہ مخالف کو مجال دم زدن۔ ہر ایک نقد و نظر کے بعد یہ کہنے پر مجبور ہے کہ واقعی مفتی اعظم کا لفظ آپ ہی کو زیب دیتا ہے اور بھلا ایسا کیوں نہ ہو کہ اباً عن جد جہاں کا رافتا ایسے وسیع پیمانے پر انجام پا تا رہا ہو کہ باپ دادا پر دادا سب مراجع علما و فقہا رہے ہوں تو کیا **الولد سر لابیه** کے تحت سرکار مفتی اعظم اپنے والد گرامی کے جمال و کمال میں مظہر اتم نہ ہوں گے؟ حضور مفتی اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جلالت علمی اور رفعت فقہی کا لوہا اپنے تو اپنے غیروں نے بھی مانا ہے۔ سچ ہے ’’**الفضل ماشهدت به الاعداء**‘‘ خدا تعالیٰ سیدی الکریم ومرشدی العظیم کے فیوض و برکات سے ہمیں صبح قیامت تک سرشار فرمائے۔

آمین بجاه سیدنا النبی الکریم علیه افضل الصلوٰة واکمل التسلیم۔

☆☆☆☆☆

مفتی اعظم اور تصویر کشی

مولانا مفتی محمد معراج القادری مصباحی
نائب مفتی، الجامعۃ الاشرفیہ

شریعتِ طاہرہ کی نظر میں تصویر کشی کی حرمت کا حکم نہایت واضح اور صریح ہے۔ مختلف احادیثِ کریمہ میں عدم جواز کی شہادتیں موجود ہیں۔ بخاری و مسلم کے حوالے سے یہ حدیث پاک اہلِ علم سے مخفی نہیں کہ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **اھل الصور یعذبون یوم القیمة یقال لھم احیوا ما خلقتم**۔ ان تصویر والوں کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا کہ جو تم نے بنایا اس میں جان ڈالو۔ یہ اور اسی قسم کی دیگر احادیث کریمہ سے استدلال واستنباط اور استخراج کر کے اربابِ شرع واصحابِ فقہ وافتا نے تصویر کی حرمت کا فیصلہ صادر فرمایا۔ حضرت ملا علی قاری مرقاۃ میں فرماتے ہیں: **قال اصحابنا وغیرھم من العلماء تصویر صورة الحیوان حرام شدید التحریم وھو من الکبائر لانه یتوعد علیه بھذا الوعید الشدید المذکور فی الاحادیث**۔

ہمارے مذہبِ احناف و دیگر علمانے ارشاد فرمایا ہے کہ جاندار کی تصویر بنانا سخت حرام اور گناہِ کبیرہ سے ہے، کیوں کہ اس پر شدید وعیدیں وارد ہیں جو احادیث میں مذکور ہیں۔ جان دار کی تصویر کھینچنا اور کھنچوانا سخت حرام وگناہ اور قابلِ مواخذہ جرم ہے۔ شریعت مطہرہ کی نظر میں تصویر کشی کی شدید حرمت وقباحت اور لعنت و مذمت وارد ہے۔ اور بین الاقوامی قانون کے پیشِ نظر بیرون ممالک سفر کے لیے باتصویر پاس پورٹ لازم وضروری ہے، خواہ وہ سفر تجارت وملازمت اور سیر وسیاحت کے لیے ہو یا حجِ فرض ونفل اور عمرہ وغیرہا کی سعادتوں سے سرفرازی اور ادائیگیِ فرض وواجب کے لیے اس آئین وقانون کے لازم ہونے سے اسلامی احکام واصول متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ فریضۂ حج کے تعلق سے: **من استطاع الیه سبیلا** کی آئینی شرط کی راہ میں مذکورہ قانون رکاوٹ۔ عصرِ حاضر میں اگرچہ جمہور علمائے اہلِ سنت کے معمولات سے بالاتفاق حج فرض کی ادائیگی کے لیے تصویر کشی کی بلا کراہت اجازت ملتی ہے۔ لیکن حضور مفتیِ اعظم کے عہد میں یہ مسئلہ نہایت حساس و پیچیدہ صورت حال سے دوچار ہو گیا تھا۔ بعض علمائے اہل سنت نے اگرچہ حج کی ادائیگی کے لیے فوٹو کھنچوانے کی اجازت دے دی تھی تاہم جمہور علمائے کرام اور فقہائے ذوی الاحترام اپنے اسی موقف پر قائم رہے کہ حج فرض کے لیے بھی تصویر کشی کی اجازت نہیں کہ حدیث پاک میں تصویر کشی کی حرمت کا حکم واضح الفاظ میں موجود ہے۔ حج مذہبِ اسلام کا ایک عظیم رکن ہے، بوقت قدرت و استطاعت ہر مسلمان پر فرض ہے۔ ادائیگی حج کی تمام شرطیں متحقق الوجود ہوں اور جملہ موانع مرتفع تو حج فرض ہو جائے گا مگر اس فرض کی ادائیگی کے لیے پاس پورٹ لازم اور لابدی امر ہے کہ بین الاقوامی قانون کے پیشِ نظر بیرون ممالک سفر کے لیے باتصویر پاس پورٹ کا ہونا آئینی اور ضروری قرار دے دیا گیا ہے۔ لہٰذا اب یہاں ایک اشکال ضرور اضطراب پیدا کرے گا کہ جب حج کی تمام شرطیں متحقق ہوں اور

دوسرے تمام موانع مرتفع ہو جائیں تو کیا شریعت طاہرہ کی نظر میں تصویر کشی کو عذر اور مانع قرار دیا جا سکتا ہے، اور کیا ادائیگی حج میں تاخیر کرنے والا قابلِ مواخذہ و مستحقِ عقاب قرار پائے گا یا نہیں؟ ظاہر ہے اگر تصویر کشی عذر شرعی ہے اور ادائیگی حج کے لیے مانع تو تاخیر کرنے والا کیوں مجرم نہ گردانا جائے گا بل کہ یہ کہا جائے گا کہ ابھی تمام موانع کا ارتفاع نہ ہوا اور اگر تصویر کشی عذر مانع نہیں تو بلاشبہہ تاخیر بعد فرضیت جائز نہیں۔ حضور مفتیِ اعظم کا کوئی ایسا فتویٰ جس میں ادائیگی حج کے لیے تصویر کشی کو عذر اور مانع قرار دیا گیا ہو، میری نظر سے نہ گزرا نہ ہی اس کی صراحت ملی کہ آپ نے تصویر کشی کو مانع قرار نہ دیا ہو۔ البتہ فتاویٰ اجملیہ میں مفتی اجمل صاحب علیہ الرحمہ نے اتنا ضرور تحریر فرمایا ''پھر جب حضرت مفتی اعظم صاحب قبلہ کو ابھی تک اس میں کلام ہے تو اجماع ہوا بھی نہیں''۔ زیادہ تر لوگوں سے یہی سنا گیا کہ حضور مفتیِ اعظم حج فرض کے لیے بھی تصویر کشی کو ناجائز ہی سمجھتے رہے، حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کا بھی یہی موقف رہا اور آپ فرمایا کرتے تھے کہ ''میں سفرِ حج اور حاضری بارگاہِ رسالت کے لیے بے قرار ہوں، تصویر کھنچوانے کو ناجائز سمجھتا ہوں۔ اگر بغیر تصویر کے مجھے اجازت مل گئی تو میں ضرور جاؤں گا۔ اور میری یہ دیرینہ آرزو ہے اور مجھے پوری امید ہے کہ میری آرزو ضرور پوری ہوگی۔ اگرچہ بادی النظر میں میرا اس طرح جانا امرِ محال معلوم ہوتا ہے، ہمیں محال ہے لیکن انھیں محال نہیں۔ اگر میری آرزو اور لگن سچی ہے تو ایک نہ ایک دن مدینے والے سرکار میرے لیے کوئی سبیل پیدا کر کے مجھے ضرور بلوا لیں گے۔'' اور دنیا نے دیکھ لیا کہ اس عاشق صادق کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوا، آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے کرم فرمایا اور بغیر فوٹو کے حج و زیارت کی سعادتوں سے سرفراز کیے گئے۔ تڑپ جب سچی ہو تو وہ ضرور رنگ لاتی ہے ؎

دکھا دے یا الٰہی وہ مدینہ کیسی بستی ہے		جہاں پر رات دن مولیٰ تری رحمت برستی ہے
وہ دن خدا کرے کہ مدینہ کو جائیں ہم		خاکِ درِ رسول کا سرمہ لگائیں ہم

ایک مقام پر یوں ارشاد فرماتے ہیں: ''کہ جب آزادی تھی تو میں اس قابل نہ تھا اور جب استطاعت ہوئی تو فوٹو لازم کر دیا گیا۔ اگرچہ علمائے کرام اور مفتیان عظام نے فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے فوٹو کے جواز کا فتویٰ دے دیا تھا لیکن میری سمجھ میں فتویٰ نہیں آیا تھا اس لیے میں بلا فوٹو کے حاضری کا طالب تھا۔'' اس دور میں جن بعض علما نے تصویر کشی کی اجازت دی تھی وہ صرف حج فرض کے لیے تھی۔ مجوزین میں خصوصیت کے ساتھ حضرت مفتی اجمل صاحب سنبھلی اور آپ کے بعض اتباع قابلِ ذکر ہیں۔ فتاویٰ اجملیہ میں مذکورہ چند دلائل کا خلاصہ یہ ہے۔ دورانِ سفرِ حج اگر ظلم ظالم، یا دفعِ شر و حصولِ امن کے لیے رشوت دینی پڑے یا چنگی، ٹیکس بہ جبر لیا جاتا ہو اور محض اسقاطِ فرض یا دفعِ مضرت کے لیے رشوت دینے پر مضطر ہو تو اس عازمِ حج پر رشوت دینے سے کوئی محظور شرعی لازم نہ آئے گا۔ گناہ لینے والے پر ہوگا۔ امور مذکورہ بالا کو ادائیگی فرض حج کے لیے نہ عذر قرار دیا جائے گا اور نہ ہی منافی امن تسلیم کیا جائے گا۔

درمختار میں ہے:

وهل مایؤخذ فی الطریق من المکس والخفارة عذر قولان والمعتمد لا کما فی القنیه والمجتبیٰ۔

ردالمحتار میں ہے:

واعترضه ابن کمال باشا فی شرحه علی الهدایه بان ما ذکر فی القضا لیس علی اطلاقه بل فیما اذا کان بالالتزام منه فبالا عطاء ایضا یاثم وما نحن فیه من هذا

القبیل اه و اقره فی النهر و اجاب السید ابو سعود بانه هنا مضطر لاسقاط الفرض عن نفسه۔ قلت ویؤیده مایاتی عن القنیه والمجتبیٰ فان المکس والخفارة رشوة ونقل عن البحران الرشوة فی مثل هذا جائزة الخ۔

ایسا شخص جس پر حسبِ قدرت واستطاعت حج فرض ہوا، اس نے ادائیگی حج فرض کی جتنی لازمی شرطیں اور ارکان تھے، ان سب پر بہ حسن وخوبی عمل کیا لیکن اس نے ادائیگی حج کے مصارف مالِ حرام سے ادا کیے تو حکم شرعی یہی ہے کہ اس کا حج صحیح ودرست اور فرض ذمہ سے ساقط ہو گیا۔ یہ اور بات ہے کہ وہ حج کے ثواب کا حق دار نہ ہوا کہ یہ تو قبولیت حج پر موقوف ہے اور قبولیتِ حج مالِ حلال اور اخلاص پر موقوف ہے۔ مثلاً کسی نے بہ طور ریا نماز پڑھی، حالتِ روزہ میں غیبت کی تو اگرچہ اس کے لیے استحقاق ثواب نہ ہوا تاہم اس کی نماز اور روزہ شرعاً صحیح ودرست ہے کہ صحت فرائض کے لیے شرائط وارکان کا تحقق لابدی امر ہے جو بندے کی طرف سے پا لیا گیا۔ ردالمحتار میں ہے:

”ویجتهد فی تحصیل نفقه حلال فانه لا یقبل بالنفقة الحرام کما ورد فی الحدیث مع انه یسقط الفریضة معها ولا تنافی بین سقوطه وعدم قبوله فلا یثاب لعدم القبول ولا یعاقب عقاب تارک الحج ای لان عدم الترک یبتنی علی الصحة وهی الاتیان بالشرائط والارکان والقبول المترتب علیه الثواب یبتنی علی اشیاء کحل المال والاخلاص کمالو صلی مرائیا او صام واغتاب فان الفعل صحیح لکنه بلا ثواب۔“

عورت پر فریضۂ حج کی جو قدرت واستطاعت اور شرائط وارکان لازم ہیں ان کا تحقق اور موانع کا ارتفاع ہو جائے اور محرم ساتھ ہو، شوہر اسے ادائیگی حج کی اجازت نہ دے تو عورت بغیر اذن شوہر کے محرم کے ساتھ سفر حج کے لیے جا سکتی ہے۔ ادائیگی فرض کے لیے اذن شوہر عذر اور مانع قرار نہیں دیا جا سکتا۔ فتاویٰ قاضی خاں میں ہے:

وعند وجود المحرم کان علیها ان تخرج فی حجة الاسلام وان لم یاذن زوجها وفی النافلة الا تخرج بغیر اذن الزوج۔

درمختار میں ہے:

ولیس لزوجها منعها عن حجة الاسلام۔

ردالمحتار میں ہے:

ای اذا کان معها محرم والا فله منعها کما یمنعها عن غیر حجة الاسلام۔

عبارت محولہ کا حاصل یہ نکلا کہ شریعت طاہرہ کی نظر میں فرضیت حج کی وہ عظمت واہمیت ہے کہ فریضۂ حج کی تمام شرطوں کا تحقق ہو جائے اور جملہ موانع کا ارتفاع تو اذن شوہر بھی ضروری نہیں ادائیگی فریضۂ حج کے لیے عدم اذن زوج مانع نہیں حتیٰ کہ مال حرام سے ادائیگی پر حج ادا، اور ذمہ سے فرض ساقط۔ اسی طرح دوران سفر ظلم ظالم، دفع شر، اور حصولِ امن کے لیے رشوت دینا، چنگی اور ٹیکس ادا کرنا بھی عذر ومانع اور منافی امن نہیں بل کہ ان امور مذکورہ کی بنیاد پر فریضۂ حج کا التوا بھی جائز نہیں تو حج فرض کی ادائیگی کے لیے فوٹو کھنچوانا اگرچہ قابلِ مواخذہ جرم اور گناہ ہے، تاہم بغیر دلیل شرعی کے اسے حج فرض کی ادائیگی کے لیے عذر اور مانع قرار نہیں دیا جا سکتا تو اسے ترکِ حج کے سبب

مستحق عذاب وعقاب کیوں نہیں گردانا جا سکتا۔ نیز بعد فرضیت حج، تاخیر حج کے سبب گناہ وفسق کیوں نہ لازم ہوگا کہ جب موانع حج مرتفع اور شرائط حج مجتمع اور اس کے لیے تصویر کشی عذر مانع نہیں تو جس وقت قدرت واستطاعت متحقق ہوئی، اسی سال حج فرض ہو گیا، جس میں سال آئندہ تک کی بھی تاخیر مستلزم گناہ اور قابلِ مواخذہ ہے۔ یہی امام اعظم اور امام ابو یوسف کا اصح ومختار قول ہے جیسا کہ در مختار رد المحتار اور در المنتقی شرح الملتقی میں صراحت موجود ہے۔ لباب المناسک اور اس کی شرح المنسک المتقسط فی المسلک المتوسط میں ہے:

(واذا وجدت الشروط) ای شروط وجوب الحج ادائه وجب (فالوجوب علی الفور) ای محمول علیه فی القول الاصح عندنا و هو اختیار ابی یوسف واصح الروایتین عن ابی حنیفة کما نص علیه قاضی خان وصاحب الکافی و به قال مالک فی المشهور واحمد فی الاظهر والمازنی فی الشافعیة۔ (المنسک، ص: ۴۴)

جواز تصویر کشی کے تعلق سے اس اصل کلی کا بھی سہارا لیا گیا کہ جب انسان دو بلاؤں میں مبتلا ہو تو اس میں جو آسان وسہل ہو اسے اختیار کرے۔ **اذا ابتلی ببلیتین فلیختر اهو نهما**۔ مسئلہ دائرہ میں تصویر کشی حرام اور بعد فرضیت ترک حج بھی حرام، لیکن دونوں میں ترک فرض حج کی حرمت اشد بلا اور اہم تر۔ لہذا ترک فرض کے عذاب سے بچنے کے لیے تصویر کشی کی حرمت جو کم تر وایسر ہے، اسے اختیار کرے تاکہ ترک فرض حج کی حرمت جو عظیم تر ہے، اس سے اجتناب ہو جائے۔

حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان تقسیم ہند و پاک سے قبل حج وزیارت حرمین شریفین کی سعادتوں سے دو مرتبہ سرفراز ہو چکے تھے اور اس وقت تک بیرون ممالک کے سفر کے لیے پاس پورٹ لازم نہ تھا۔ لیکن جب تیسری مرتبہ ۱۹۷۱ء میں عازم حرمین شریفین ہوئے تو بین الاقوامی قوانین کے مطابق باتصویر پاس پورٹ لازم کر دیا گیا۔ اب ظاہر ہے حضور مفتی اعظم اپنے حج فرض کی ادائیگی سے پہلے ہی سبک دوش ہو چکے تھے جب پاس پورٹ لازم نہ تھا اور جب تیسری مرتبہ ارادہ فرمایا تو یہ حج، حج نفل تھا اور یہ وہ زمانہ تھا کہ پاس پورٹ لازم ہو چکا تھا۔ آپ کے عہد کے جن بعض علما نے تصویر کشی کی اجازت دی تھی وہ حج فرض کی ادائیگی کے لیے تھی اور حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کا اس سلسلے میں کیا موقف تھا، مجھے اس کی صراحت نہ ملی اور سینہ بہ سینہ جس روایت کا علم ہوا، وہ یہ کہ آپ حج فرض کے لیے بھی عدمِ جواز ہی کے قائل تھے۔ بعد میں توقف کی بھی روایتیں بیان کی گئی ہیں لیکن یہ تیسرا حج تو حج نفل ہی تھا اور پاس پورٹ لازم ہو چکا تھا۔ حضور مفتی اعظم جیسی مسلم الثبوت شخصیت سے یہ نہایت مستبعد تھا کہ آپ حج نفل کے لیے تصویر کھنچواتے مگر مولا عزوجل کے جو مقبول ومحبوب بندے ہوتے ہیں ان کے لیے پروردگار عالم غیب سے ایسا انتظام فرما دیتا ہے کہ لوگوں کی نگاہیں متحیر ہو جاتی ہیں اور پھر جسے آقائے دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے در مقدس کی حاضری کا پروانہ مل جائے، بلاوا آ جائے تو دنیا کی کون سی طاقت ہے جو رکاوٹ پیدا کر سکے۔ لہذا آپ کو اس شان سے زیارت حرمین طیبین کی سرفرازی نصیب ہوئی کہ اسپیشل طور پر آپ کو بین الاقوامی قانون کے خلاف بغیر پاس پورٹ اس دیار قدس کی حاضری حاصل ہوئی۔ **ذلک فضل الله یو تیه من یشاء**۔

★★★★★

حضور مفتی اعظم کی فقہی بصیرت

صرف ایک فتویٰ کی روشنی میں

مولانا مفتی صدر الوری قادری مصباحی بستوی
استاذ الجامعہ الاشرفیہ، مبارک پور

فتویٰ نویسی نہایت ہی اہم اور مشکل ترین فن ہے۔ یہ ہر کس و نا کس کا کام نہیں بل کہ اس کے لیے ذکاوت و فطانت، وسعت مطالعہ، جزئیات کا استحضار، قوت اخذ، دقیقہ سنجی، نکتہ فہمی، حالات زمانہ سے آگاہی، مشق و ممارست ضروری ہے۔ آئے دن نت نئے مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں جن کی صراحت کتب مذہب میں نہیں ملتی، اور عام فرزندان توحید کے دلوں میں حلت و حرمت کے تعلق سے بے چینی رہتی ہے اور کتابوں میں باضابطہ وضاحت نہ ہونے کی وجہ سے مفتیانِ دین کے سامنے بھی کوئی کم دشواری نہیں رہتی۔ ایسے ماحول میں اصل مسئلے کی تنقیح اور حکم شرع کی دریافت کر کے امت مسلمہ کی رہ نمائی کرنا کتنا سنگین امر ہے؟ اس کی پیچیدگی کا احساس اسی کو ہوگا جس نے بجا طور پر اس خاردار وادی میں قدم رکھ کر اس کی مشکلات کا سامنا کیا ہو۔

عام طور پر لوگوں کے دلوں میں یہ تصور بسا ہوا ہے کہ جس نے درس نظامی کی تکمیل کر لی وہ اب اس قابل ہو گیا کہ مسند افتا کو سنبھالے۔ قوم کے مسائل حل کرے اور حسب تقاضائے شریعت فتویٰ صادر کرے۔ اور بہت سارے فارغ التحصیل حضرات اس تصور کو عملی جامہ پہنا کر جرأت کے ساتھ برجستہ فتویٰ دینا شروع بھی کر دیتے ہیں۔

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ محض درس نظامی کی تکمیل سے فقہ و افتا کا علم حاصل نہیں ہوتا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ العزیز فرماتے ہیں:

''آج کل درسی کتابیں پڑھنے پڑھانے سے آدمی فقہ کے دروازہ میں داخل نہیں ہوتا۔''

(فتاویٰ رضویہ، جلد ۴ ص ۵۶۵)

ایک اور مقام میں ارشاد فرماتے ہیں:

''علم الفتویٰ پڑھنے سے حاصل نہیں ہوتا جب تک مدتہا کسی طبیب حاذق کا مطب نہ کیا ہو۔''

(فتاویٰ رضویہ ج ۹، ص ۱۳۱، ۲۳، نصف الاول، کتاب الحظر والاباحہ، رضا اکیڈمی)

ہاں اگر کسی پر اللہ تعالیٰ کا فضل خاص ہو جائے خداداد اس کے پاس ایسی بصیرت ہو کہ جزئیات فقہ کی روشنی میں مسائل شرعیہ کا استخراج کر سکے تو وہ طبیب حاذق کے مطب میں طبابت سے مستغنی ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ تفقہ کے لیے بنیادی طور پر یہ بھی ضروری ہے کہ آدمی کے دل میں تقویٰ طہارت، استقامت فی الدین کا ایسا جذبہ

کارفرما ہو کہ فسق وفجور، معاصی کے ارتکاب سے دور رہا کرتا ہو۔ کیوں کہ علم دین، رحمت الٰہیہ کا وہ فیض اور اللہ رب العزت کا وہ نور ہے جس کا نزول اسی بندے کے دل پر ہوتا ہے جس نے اپنے کو شریعت کے سانچے میں ڈھال لیا ہو، اس کا ظاہر وباطن یکساں ہو، اصول شریعت کا ایسا پابند ہو کہ خلافِ شرع کوئی بات سننا گوارا نہ کرتا ہو، اس کے نزدیک شرعی امور میں مصلحت نام کی کوئی چیز نہ ہو، دینی حمیت وغیرت ایسی ہو کہ الحب فی اللہ والبغض فی اللہ کا مظہر ہو۔

ورنہ آدمی اگر معصیتوں میں ڈوبا ہو تو وہ جتنا بھی ذہین وفطین ہو، کتنی ہی کتابوں کی ورق گردانی کر ڈالے۔ لاکھ اپنے اندر صلاحیت پیدا کر لے پھر بھی وہ نور علم سے محروم رہتا ہے۔ مشہور حنفی فقیہ صاحب بحر الرائق علامہ زین الدین بن نجیم حنفی مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ان أولی ما یستنزل به فیض الرحمة الالهیة فی تحقیق الواقعات الشرعیه طاعة اللّٰه عزوجل و التمسک بحبل التقوی قال اللّٰه تعالیٰ واتقوا اللّٰه ویعلمکم اللّٰه و من اعتمد علی رأیه و ذهنه فی استخراج دقائق الفقه وکنوزه وهوی فی المعاصی حقیق بانزال الخذلان علیه فقد اعتمد علی مالا یعتمد علیه ومن لم یجعل اللّٰه له نورا فما له من نور (البحر الرائق ج۔٦ص ٤٤٢ ابتداء کتاب القضاء، دارالکتب العلمیہ، بیروت) واقعاتِ شرعیہ کی تحقیق میں رحمت الٰہیہ کا فیض نازل ہونے کا سب سے بڑا ذریعہ اللہ عزوجل کی طاعت وفرماں برداری اور تقویٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اللہ تمھیں علم سے نوازے گا اور جو فقہ اور اس کے خزانوں کی باریکیاں نکالنے میں اپنی رائے اور اپنے ذہن پر اعتماد کرے اور حال یہ ہو کہ وہ معاصی میں ڈوبا ہو تو وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اس پر محرومی نازل ہو اور جسے اللہ نور نہ دے اس کے لیے کہیں نور نہیں۔

شہزادۂ اعلیٰ حضرت تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم علامہ شاہ مصطفی رضا قدس سرہ العزیز بھی اللہ تعالیٰ کے انھیں صالح بندوں میں سے تھے جن کی فطرت میں استقامت فی الشرع، تصلب فی الدین، تقویٰ، طہارت، دینی حمیت وغیرت جیسے اعلیٰ اوصاف شامل تھے۔

حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان صغرسنی ہی سے اللہ رب العزت نے وہ صلاحیت اور وہ بصیرت عطا فرمائی تھی کہ فراغت کے سال ہی صرف اٹھارہ برس کی عمر میں بغیر کسی کتاب کی مدد کے رضاعت سے متعلق پہلا فتویٰ تحریر فرمایا۔ پھر اس فتویٰ کو مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کی بارگاہ میں از راہِ اصلاح پیش کیا۔ تو اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے بغیر کسی ترمیم وتبدیل کے ان الفاظ میں اس کی تصدیق فرمائی۔

"صح الجواب بعون الملک الوهاب"

اور اس فتویٰ کو دیکھ کر اتنا خوش ہوئے کہ انعام عطا فرمایا اور فتویٰ نویسی کی عام اجازت مرحمت فرمائی اور مہر بنوا کر عنایت فرمائی جس پر یہ عبارت مرقوم تھی۔ "ابوالبرکات محی الدین جیلانی آل الرحمن محمد عرف مصطفی رضا"

ایک عام آدمی کو بظاہر اس واقعہ کی اہمیت کا احساس نہ ہوگا مگر درحقیقت یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے۔ مسئلہ رضاعت جو بالعموم اپنے اندر بڑی پیچیدگی لیے ہوتا ہے، پھر سائل کیا دریافت کرنا چاہتا ہے؟ سوال کا منشا کیا ہے؟ مافی الضمیر کو اس نے ادا کیا ہے یا طریقہ تعبیر میں کچھ خلل ہے؟ اس کا جواب کس طرح دیا جائے کہ اس پر کوئی شبہہ وارد نہ ہو اور سائل کو تشفی بھی ہو جائے، جواب میں کوئی غیر ضروری بات نہ ہو جس سے کوئی ناجائز فائدہ اٹھا سکے، سوال میں جس امر کا ذکر کیا گیا ہے، اس کے علاوہ بھی کسی توضیح مبہم کی ضرورت ہے یا نہیں، وغیرہ وغیرہ۔ ایک مفتی کو ان تمام پہلوؤں پر بہرحال نگاہ رکھنی ہوتی ہے۔ جس کے لیے وسعت مطالعہ، علمی استحضار، دقت نظر، اصابت فکر کے ساتھ ایک

طویل عرصے تک مشق وممارست درکار ہے۔ مگر حضور مفتی اعظم قدس سرہ کی شان ہی نرالی ہے نہایت مشکل مسئلے پر فراغت کے معاً بعد پہلا فتویٰ تحریر فرمایا، اور بغیر کسی حذف واضافے اور تغییر وتبدیل کے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے تصدیق فرمائی جن کی دقیقہ بینی اور نقد وجرح کے سامنے بڑے بڑے عقلاے روزگار حیرت سے انگشت بدنداں رہ جاتے۔ جن کے فتاویٰ کو دیکھ کر علماے حرمین شریفین آپ کے تبحر علمی، دقت نظر، وسعت فکر کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوگئے اور قسم کھا کر ان الفاظ میں برملا آپ کی رفعت شان کا اعلان کیا۔

والله أقول والحق أقول انه لو رأها ابو حنيفة النعمان لأقرت عينه ولجعل مؤلفها من جملة الأصحاب۔

(اجازات المتینہ لعلماء بکۃ والمدینہ ص ۲۲، رضا اکیڈمی ممبئی) بخدا میں کہتا ہوں اور حق ہی بولتا ہوں کہ اگر ان فتاویٰ کو امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیکھتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور ان کے مؤلف کو اپنے اصحاب میں شامل کر لیتے۔

ایسی نقاد وہمہ جہت شخصیت نے بھی اس میں کسی ترمیم کی ضرورت محسوس نہ کی، یقیناً یہ بچپن ہی میں حضور مفتی اعظم کی فقہی بصیرت کی روشن دلیل ہے۔

اب ذرا کسی فتویٰ کو سامنے رکھ کر حضور مفتی اعظم کی فقہی بصیرت کا اندازہ لگایا جائے تاکہ ہر شخص کے سامنے آپ کا مقام تفقہ بالکل عیاں ہو جائے۔ اس کے لیے ایک فتویٰ کے کچھ اقتباسات نذر قارئین کیے جاتے ہیں۔ جواب سے پہلے سوال پر نظر ڈال لی جائے۔ سوال یہ ہے۔

مسئلہ : زید کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیب کو نہیں جانتے تھے اور دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ بحر الرائق جلد ۳، ص ۹۴ مطبوعہ مصر میں ہے **وفی الخانية والخلاصة لو تزوج بشهادة الله و رسوله لا ينعقد و يكفر لاعتقاده أن النبى صلى الله عليه وسلم يعلم الغيب** اور ایسا ہی بزازیہ میں ہے۔ جواب شافی بالدلیل مرحمت فرمائے جاویں۔ فقط بینوا توجروا۔

یہ سوال بظاہر مختصر سا ہے مگر اپنے اختصار کے دامن میں کئی ایک توجہ طلب امور سمیٹے ہوئے ہے جو کچھ اس طرح ہیں:

۱- زید جو دانائے غیوب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غیب دانی کا مطلقاً انکار کرتا ہے شرعاً اس پر کیا حکم عائد ہوتا ہے۔

۲- نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بہ عطاے الٰہی علوم غیبیہ حاصل تھے اس پر کیا دلیل ہے؟ قرآن وحدیث یا اقوال سلف سے اس کا ثبوت کیا ہے؟

۳- فقہی اعتبار سے بحر الرائق کی عبارت کی کیا حیثیت ہے فقہاے احناف کے نزدیک وہ قول صحیح اور معتمد ہے یا وہ قول مرجوح وغیر مقبول ہے اور قول صحیح اس کے برخلاف ہے؟

۴- بہرصورت عبارت بحر کی کوئی توجیہ وتاویل ہو سکتی ہے یا نہیں؟

حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس سوال کا ایسا شافی اور مدلل جواب رقم فرمایا جو ان تمام گوشوں کو نہ صرف محیط بل کہ ہر ایک پر ایسی سیر حاصل گفتگو فرمائی ہے۔ اس موقع سے پورا جواب نقل کرنے سے بات بڑی لمبی ہو جائے گی۔ البتہ ہر گوشہ سے متعلق جواب کا ایک ایک اقتباس ضرور نقل کیا جائے گا۔

پہلا گوشہ : سوال کے پہلے گوشے پر حکم شرع واضح کرتے ہوئے ان الفاظ میں روشنی ڈالتے ہیں۔

”زید بے قید پر از مکر وکید بدترین وہابی لعین ہے اس کا حضور پرنور شافع یوم النشور ایمان جان، جان ایمان، عالم ماکان وما یکون، سرور عالم وعالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب سے مطلقاً انکار کفر مبین ہے قرآن عظیم کی آیات باہرہ کثیرہ سے انکار ہے۔“ (فتاویٰ مصطفویہ ص ۱)

پھر وافر مقدار میں آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ کو ذکر فرمایا جن سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے علم غیب علم ما کان و ما یکون کا اثبات ہوتا ہے۔ پھر زید مذکور کے بارے میں بلاخوف لومۃ لائم یہ اعلان کرتے ہیں۔

''اے لعین تو ان ملعون منافقوں کی طرح قرآنی فتوے سے کافر ہے جنھوں نے بکا تھا کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ فلاں کا ناقہ فلاں وادی میں ہے اور انھیں غیب کی کیا خبر وہ غیب کیا جانیں اور پھر منکر ہو گئے اور جھوٹے بہانے بنانے لگے جس پر قرآن عظیم کا وہ قہری فتویٰ نازل ہوا اور جتا دیا گیا وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُوْلَنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَ نَلْعَبُ قُلْ أَبِاللّٰهِ وَ آيٰتِهٖ وَ رَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ۔ (سورۂ توبہ ۹/ ۶۶۔ ۶۵)

منافقوں نے بھی یہی بکا تھا کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیب نہیں جانتے، وہ غیب کیا جانیں انھیں غیب کی کیا خبر اسی پر تو قرآن عظیم نے فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ اور قرآن اور رسول کے ساتھ ٹھٹھا کرتے ہو۔ اسی پر تو واحد قہار نے ان کے جھوٹے حیلے بہانوں کو کہ ہم تو یوں ہی ہنس بول رہے تھے، فرمایا کہ جھوٹے بہانے نہ بناؤ بے شک تم کافر ہو چکے بعد (اظہار) ایمان کے۔ آمنا باللہ الرحمن والرسول والقرآن۔ ہم مسلمان آیات قرآن واحادیث نبی ذیشان پر ایمان رکھنے والے باتباع قرآن اس وہابی بے ایمان کے کفر پر حکم کرتے ہیں جس نے کہا رسول غیب کو نہیں جانتے تھے اور جس نے لکھا یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ کو علم غیب تھا صریح شرک ہے (فتاویٰ رشیدیہ حصہ ۲، ص ۱۰) اور بکا کہ دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں (براہین قاطعہ ص ۵۱) اور بک دیا کوئی شخص کسی سے کہے کہ فلاں درخت میں کتنے پتے ہیں تو اس کے جواب میں یہ نہ کہے کہ اللہ ورسول ہی جانے کیوں کہ غیب کی بات اللہ ہی جانتا ہے رسول کو کیا خبر (تقویۃ الایمان ص ۶۶) اور لکھا کسی انبیا اولیا یا امام یا شہیدوں کی جناب میں ہرگز یہ عقیدہ نہ رکھے کہ وہ غیب کی بات جانتے ہیں بل کہ حضرت پیغمبر صاحب کی جناب میں بھی یہ عقیدہ نہ رکھے (تقویۃ الایمان ص ۳۰) اور لکھا جو کہتے ہیں کہ علم غیب بہ جمیع اشیا کو ذاتی نہیں بل کہ اللہ کا عطا کیا ہوا ہے سو محض باطل اور خرافات سے ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ جلد ۳، ص ۳۶) اور لکھ دیا جو کچھ اللہ اپنے بندوں سے معاملہ کرے گا خواہ دنیا میں خواہ قبر میں اس کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں نہ نبی کو نہ ولی کو نہ اپنا حال نہ دوسرے کا (تقویۃ الایمان ص ۳۱) اور لکھا اللہ کا سا علم اور کے لیے ثابت کرنا سو اس عقیدہ سے آدمی البتہ مشرک ہو جاتا ہے خواہ یہ عقیدہ انبیا اولیا سے رکھے خواہ پیر وشہید سے خواہ امام و امام زادے سے خواہ بھوت و پری سے پھر خواہ یوں سمجھے کہ یہ بات ان کو اپنی ذات سے ہے، خواہ اللہ کے دینے سے۔ غرض اس عقیدہ سے ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے۔ (تقویۃ الایمان ص ۱۰) اس میں ہر چہار ائمہ مذاہب پر افترا کرتے ہوئے بکا۔ اس میں ہر چہار ائمہ مذاہب وجملہ علما متفق ہیں کہ انبیا علیہم السلام غیب پر مطلع نہیں۔ (مسئلہ علم غیب، ص ۲)

اللہ اللہ! اللہ عزوجل اپنے حبیب ومحبوب طالب ومطلوب دانائے غیوب کو علم غیب عطا فرمائے اور اپنی کتاب مجید میں اس عطا کا اعلان فرما دے اور جو ملعون یہ بکے ''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) غیب کیا جانیں'' اس کے کفر کا وہ قہری فتویٰ دے۔ حضور علیہ الصلاۃ والسلام بار بار برسر مجالس خطبات میں اپنے رب کی اس عظیم نعمت کا اظہار فرمائیں اور طاعنین کا رد علی رؤس الاشہاد ارشاد فرمائیں۔ حدیث میں ہے **قام علی المنبر فحمد اللّٰہ واثنی علیہ ثم قال ما بال أقوام طعنوا فی علمی لا تسئلونی عن شئی فیما بینکم و بین الساعۃ الا نبأتکم بہ** (تفسیر خازن سورۂ آل عمران، زیر آیت ۔ ۱۷۹ ص ۳۲۴ دار الکتب العلمیہ، بیروت) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام من ربہ الودود والغفور نے منبر اقدس پر قیام فرمایا اللہ عزوجل کی حمد وثنا بیان فرمائی۔ پھر فرمایا کیا حال ہے ان اقوام کا جو میرے علم شریف میں طعن کرتی ہیں۔ تم مجھ سے نہ پوچھو گے کسی شی کو جو تمھارے اور قیامت کے درمیان ہے مگر یہ کہ میں تمھیں اس سے خبر دار فرما دوں گا۔ مگر وہابی مردود، منافق مطرود کی طرح یہی بکے جائے کہ انھیں غیب کی کیا خبر وہ علم غیب کیا جانیں۔ رسول غیب نہیں جانتے تھے **قاتلھم اللّٰہ انی یؤفکون**''۔

(فتاویٰ مصطفویہ ص ۴)

اس اقتباس سے جہاں زید مذکور کا شرعاً حکم واضح ہوتا ہے وہیں در بارہ علم غیب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تعلق سے وہابیوں کا کیا عقیدہ ہے اس کی بھی قلعی کھل جاتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ جواب کی سطر سطر سے اشداء علی الکفار کی تصویر بھی ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

دوسرا گوشہ :

سوال کا دوسرا گوشہ یہ تھا کہ وہ کون سی آیات واحادیث ہیں جن سے بعطاے الٰہی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے علم غیب کا ثبوت ہوتا ہے اس پر روشنی ڈالتے ہوئے حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان رقم طراز ہیں:

''قرآن عظیم کا ارشاد کریم ہے **تِلْکَ مِنْ اَنْبَاۗءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَاۤ اِلَیْکَ**۔ (سورۂ ہود آیت۔ ۴۹) یہ غیب کی خبریں ہیں کہ ہم تمھاری طرف وحی فرماتے ہیں۔ اور **وَمَا هُوَ عَلَى الْغَیْبِ بِضَنِیْنٍ**۔ (سورۂ تکویر آیت۔ ۲۴) یہ نبی غیب بتانے پر بخیل نہیں۔ **وَمَا کَانَ اللّٰهُ لِیُطْلِعَکُمْ عَلَى الْغَیْبِ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ یَّشَآءُ**۔ (سورۂ آل عمران آیت۔ ۱۷۹) اللہ اس لیے نہیں کہ اے عامۃ الناس خود تمھیں غیب پر مطلع فرمادے اور لیکن اللہ (اس کے لیے) چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے اور **لَا یُظْهِرُ عَلٰى غَیْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ**۔ (سورۂ جن آیت۔ ۲۷۔ ۲۶) خدا کسی کو غیب پر مسلط نہیں فرماتا مگر رسول مرتضیٰ کو۔ اور **وَعَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ وَکَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا**۔ (سورۂ نساء آیت۔ ۱۱۳) خدا نے سکھا دیا تمھیں جو کچھ تم نہیں جانتے تھے۔ (غیب و شہادت سے) اور اللہ کا تم پر فضل عظیم ہے۔ اور **نَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْکِتَابَ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ**۔ (سورۂ نحل آیت۔ ۸۹) ہم نے یہ کتاب تم پر اتاری ہر شی کے روشن تر بیان کو اور **وَهُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ**۔ (سورۂ حدید آیت۔ ۳) وہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہر شی کے علیم ہیں۔ اور **یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ** (سورۂ بقرہ آیت ۔ ۱۵۵) نبی صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہیں **مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ** کو۔ اور **عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ**۔ (سورۂ علق آیت۔ ۵) اللہ نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سکھا دیا جو وہ نہ جانتے تھے۔

حدیث میں ہے **ان اللّٰه قد رفع لی الدنیا فانا انظر الیها والی ما هو کائن فیها الی یوم القیامة کانما انظر الی کفی هذه**۔ (کنز العمال، حدیث۔ ۳۱۸۱۰، بیت الافکار الدولیہ، الریاض) بے شک اللہ عزوجل نے میرے لیے دنیا اٹھائی (میرے پیش نظر فرمادی) تو میں اسے اور جو کچھ اس میں روز قیامت تک ہونے والا ہے سب کو ایسا دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی اس کف دست مقدس کو۔ اور حدیث میں ہے **أخبرنا عن بدء الخلق حتی دخل أهل الجنة منازلهم و أهل النار منازلهم**۔ (بخاری شریف حدیث۔ ۳۱۹۲ ص ۶۵۰، کتاب بدء الخلق، دار الکتاب العربی، بیروت) ہمیں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابتدائے آفرینش سے جنتیوں کے اور جہنمیوں کے اپنے اپنے منازل میں داخل ہونے تک کی خبر دی۔ اور حدیث میں ہے **ان اللّٰه زوی لی الارض فرایت مشارقها و مغاربها**۔ (مسلم شریف حدیث۔ ۷۲۵۸ کتاب الفتن، باب ہلاک ہذہ الامۃ، دار الکتاب العربی، بیروت) تحقیق اللہ عزوجل نے میرے لیے دنیا کو سمیٹ دیا تو میں نے اس کے مشارق اور مغارب کو ملاحظہ فرما لیا۔ اور حدیث میں ہے **تجلی لی کل شئی و عرفت** (مشکوۃ شریف ص ۲۳۶ باب المساجد، دار الفکر، بیروت) ہر چیز مجھ پر روشن ہوئی اور

میں نے پہچان لی ۔ اور حدیث میں ہے **علمت ما فی السموات والارض** ۔(مشکوٰۃ شریف ص ۲۳۰ باب المساجد، دار الفکر، بیروت) میں نے جان لیا جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے۔ اور حدیث میں ہے **قطرت فی حلقی قطرۃ فعلمت ماکان ومایکون** ۔ میرے حلق میں ایک قطرہ ٹپکایا گیا تو میں نے جان لیا ما کان وما یکون کو(جو کچھ ہو گیا اور جو کچھ ہونے والا ہے سب کو) اور حدیث میں ہے **ما من شئی لم اره الا وقد رایته فی مقامی هذا حتی الجنة والنار** ۔ (فتح الباری ج۔۱۳ ص ۲۵۱ کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ باب الاقتداء، بیروت)اور حدیث میں ہے ۔ **تجلی لی ما بین السماء والارض** ۔ اور حدیث میں ہے **علمت ما بین المشرق والمغرب** اور حدیث میں ہے ۔ **اخبرنا بماکان وبماهو کائن فاعلمنا احفظنا** ۔(مسلم شریف ج۔ ۲ ص ۳۹۰) فتاویٰ مصطفویہ ص ۲۔

ان آیات کریمہ واحادیث نبویہ سے روز روشن کی طرح یہ امر عیاں ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ جل وعلا نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یقیناً وافر وکثیر علوم غیبیہ عطا فرمائے اور انھیں علوم کثیرہ کا ایک مختصر سا حصہ علم ما کان وما یکون ہے ۔ لہٰذا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے مطلقاً علم غیب کا انکار بلاشبہہ کفر ہوگا کہ یہ ایک امر ضروری دینی کا انکار ہے۔

تیسرا گوشہ :

اب رہا سوال کا تیسرا گوشہ یعنی سوال میں ذکر کردہ بحر الرائق کی عبارت جو دانائے غیوب عالم ما کان وما یکون نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے منکرین علم غیب کی بڑی مضبوط دلیل ہے، جس پر وہ بزازیہ کا بھی حوالہ پیش کرتے ہیں، فقہا کے نزدیک اس عبارت کی کیا حیثیت ہے اس پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اصل یہ ہے کہ غیر خدا کے لیے مطلقاً انکار غیب یہ عقیدہ باطلہ بعض معتزلہ ہے، معتزلی اپنے آپ کو حنفی کہا کرتے اور فقہ حنفی میں تصنیف کیا کرتے اور اس میں اپنے مذہب اعتزال کی رعایت کرتے ہوئے بعض مسائل ٹھونس دیا کرتے تھے انھیں مسائل سے یہ مسئلہ بھی ہے بعض نے اسے اخذ کیا اور ان کے ساتھ حسن ظن یہی ہوسکتا ہے کہ انھوں نے اس سے علم ذاتی مراد لیا۔ پھر ان حضرات صاحب بحر وغیرہ نے بھی یہی سمجھتے ہوئے اپنی تصانیف میں نقل کیا۔ اور یہ بھی ہوتا ہے کہ بعض جامع اقوال ہر گونہ اقوال نقل کرتا ہے مثلاً مجمع الانہر میں لکھا کہ **لو شتم حیوانا ماکول اللحم بکلمة الجماع یکفر** ۔ پھر اس سے اوروں نے نقل کیا۔ اور ایسا ہوتا ہے۔ تو بعض کا نقل کردہ قول جب کہ اس میں مطلقاً انکار علم غیب مراد ہو جو معتزلہ کے عقیدہ باطلہ کے موافق ہے، یا اس کا اپنا سہی جب کہ وہ حنفی ہو معتزلی نہ ہو اس نے ذاتی مراد لیا ہو اسے دیکھنا اور اسے عطائی پر ڈھالنا اور اکابر علما جہابذۂ ائمہ نے اس قول کے ضعف ومرجوحیت کا جو اشعار فرمایا اسے دیکھ کر ان دیکھا کر لینا کس درجہ حیاداری ہے؟ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ نیز اس سے بھی وہابی کا نظر چرانا بل کہ بعض خبثائے وہابیہ کا اس اشعار ذاتی کو بھی مطلقاً انکار کی سند ٹھہرانا کس قدر ڈھٹائی ہے! والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

نوٹ: تلاش بسیار کے بعد بھی مجمع الانہر کی مذکورہ عبارت نہ مل سکی البتہ اسی میں دوسری جگہ ہے **ولو سب طعاماً بکلمة الجماع یکفر ولو شتم حیواناً من الماکولات او الماء فعند الامام یکفر وعندهما لا** اھ۔(ج۔۲ ص ۳۳۶ کتاب السیر والجہاد باب المرتد فصل الفاظ الکفر، دار احیاء التراث العربی، بیروت)از: راقم

مسئلہ تو صرف اتنا تھا کہ اگر کوئی شخص شہادت خدا ورسول سے نکاح کرے تو یہ منعقد نہ ہوگا کہ شرط انعقاد نکاح گواہوں کا رہنا ہے

حدیث میں ہے **لا نکاح الا بشھود** ۔مسلمان کے نکاح میں دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کا حضور شرط ہے جو عاقل بالغ ہوں اور یہ سمجھیں کہ نکاح ہو رہا ہے ۔وہ کون سا نکاح ہے جو خدا سے غائب ہوا گر محض خدا کی شہادت سے نکاح کرتا یا فرشتوں مثلاً کراماً کاتبین کی شہادت سے کرتا جب بھی باطل ہوتا کہ شرط صحت نکاح نہ پائی گئی ۔اس میں بعض مجاہیل نے اتنا اور اضافہ کیا کہ وہ مسلمان شخص کافر ہو جائے گا کیوں کہ وہ معتقد علم غیب برائے رسول ہوا۔ظاہر تو یہ ہے کہ یہ بعض مجاہیل معتزلی ہوگا۔اس نے اپنے مذہب کا پیوند اس میں جوڑ دیا۔پھر یہ بتاویل علم ذاتی بعض حنفیہ نے بھی اپنی تصانیف میں نقل کر لیا مگر اس کی مرجوحیت کو ظاہر کرتے ہوئے کہ علم ذاتی ہی نہیں ہوتا، دوسری قسم عطائی بھی ہے تو جب یہ احتمال ہے تو کافر نہیں کہہ سکتے ۔اس احتمال کے ہوتے ہوئے تکفیر صحیح نہیں ۔امام فقیہ النفس قاضی خاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ وادخلہ فی الجنان نے اپنے فتاویٰ میں فرمایا:

رجل تزوج امراة بشهادة الله و رسوله كان باطلا لقوله صلى الله عليه وسلم لا نكاح الا بشهود و كل نكاح يكون بشهادة الله و بعضهم جعلو اذلك كفرا لانه يعتقد ان الرسول صلى الله عليه وسلم يعلم الغيب ۔(ص ۱۵۵ کتاب النکاح، فصل فی شرائط النکاح، نول کشور، لکھنؤ) امام فقیہ النفس نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ کفر ہے بل کہ یہ فرما کر کہ بعض نے اسے کفر ٹھہرا دیا، اس کے ضعف کا اشعار فرما دیا۔فتاویٰ خلاصہ میں یہ مسئلہ دو جگہ لکھا جلد اول کتاب النکاح میں تو تجرید سے اتنا لکھا **لو تزوج بشهادة الله ورسوله لا ينعقد وهل يكفر عرف فى الفاظ الكفر:** اور جلد ۲ کتاب الفاظ الکفر میں تحریر فرمایا **رجل تزوج ولم يحضر شاهد فقال** خدا را و رسول خدا را گواہ کردم **يكفر فى الفتاوىٰ لانه يعتقد ان الرسول والملك عالم بالغيب** بخلاف قولہ فرشتہ دست راست را و فرشتہ دست چپ را گواہ کردم **حيث لا يكفر لانهما يعلمان** ۔"(ج۔۴ ص ۳۸۵ کتاب الفاظ الکفر، الفصل الثانی، مکتبہ حبیبیہ، کوئٹہ)

نوٹ: جلد اول کی عبارت تلاش بسیار کے بعد بھی نہ مل سکی البتہ کتاب النکاح، الفصل السادس فی الشہود میں یہ ہے۔**تزوج امرأةً بشهادة الله ورسوله لا ينعقد وهل يكفر؟ عرف فى الفاظ الكفر** ج۔۲ ص ۱۵ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ۔از: راقم

فتاویٰ امام حافظ الدین محمد بن محمد بن شہاب المعروف بابن بزاز کردری میں فرمایا **تزوجها بشهادة الله تعالىٰ جل جلاله و رسوله عليه الصلاة والسلام لا ينعقد و يخاف عليه الكفر لانه يوهم انه عليه الصلاة والسلام يعلم الغيب و عنده مفاتيح الغيب۔ الآية وما اعلم الله تعالىٰ لخيار عباده بالوحى اوالالهام الحق لم يبق بعد الاعلام غيباً فخرج عن الحصرين المستفادين من تقديم المسند و الحصر بالا**---(ج۔۴ ص ۱۱۹ کتاب النکاح، الفصل السادس فی الشہود، فتاویٰ بزازیہ علیٰ ہامش الھندیہ) نے صاف کر دیا کہ مراد امام بزازی علم ذاتی ہے کہ اگر عطائی ماننا بھی کفر ہوتا تو "یخاف" نہ فرماتے اور "**ما اعلم الله تعالىٰ بالوحى والالهام لخيار عباده**" کہہ کر خیار عباد کے لیے من جانب اللہ وحی والہام سے علم ہونے کو تسلیم نہ کرتے۔

"**لم يبق غيبا**" پر وہابیہ بہت بغلیں بجاتے ہیں اور قول بزازی دکھا دکھا کر مسلمانوں کو اکثر فریب میں ڈالا کرتے ہیں مگر ہماری تقریر بالا سے روشن ہو گیا کہ "**لم يبق غيبا**" خود اسی طرف مشیر ہے کہ یہاں مراد اعلام غیب سے غیب ذاتی ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ وہ غیب بعد اعلام باقی نہ رہا جو خدا کے ساتھ خاص ہے، علماے اہل فہم کی فہم پر اعتماد کرتے ہوئے ایسی قیود ضرور یہ اکثر ترک فرما دیا کرتے ہیں جنھیں شراح محشین ذکر کرتے ہیں **لم يبق غيباً اى مختصاً بالله تعالىٰ** ۔درمختار میں ہے **تزوج بشهادة الله و رسوله لم يجز بل قيل يكفر** ۔(ج۔۴ ص ۹۹ کتاب النکاح، قبیل فصل المحرمات دار الکتب العلمیہ، بیروت) اس قیل نے ضعف و مرجوحیت تکفیر کا اشعار

فرمادیا۔

علامہ شامی قدس سرہ السامی نے اس قول پر ردالمحتار جلد ۲ میں تحریر فرمایا ”**قال فی التتارخانیه و فی الحجة ذکر فی الملتقط انه لا یکفر لان الاشیاء تعرض علی روح النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم و ان الرسل یعرفون بعض الغیب قال تعالیٰ فلا یظهر علی غیبه احدا الا من ارتضی من رسول** ۔(ج۔۴ ص ۹۹ کتاب النکاح قبیل فصل المحرمات دارالکتب العلمیہ ، بیروت) یعنی تاتارخانیہ اور حجۃ میں فرمایا کہ ملتقط میں ذکر کیا کہ وہ کافر نہ ہوگا اس لیے کہ اشیاء روح نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر پیش کی جاتی ہیں اور بیشک رسل علیہم السلام بعض غیب کی معرفت رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ۔(سورۂ جن آیت۔۲۷۔۲۶) پھر ”قلت“ لکھ کر مقطع کا بند یہ فرمایا جس نے وہابیہ کو بالکل ہی ذبح کر دیا۔ ان کی رگ گردن یکسر قطع فرمادی ”**بل ذکروا فی کتب العقائد ان من جملة کرامات الاولیاء الاطلاع علی بعض المغیبات وردوا علی المعتزلة المستدلین بهذه الآیة علی نفیها بان المراد الاظهار بلا واسطة والمراد من الرسول الملک، لا یظهر علی غیبه بلا واسطة الا الملک اما النبی و الاولیا فیظهر هم علیه بواسطة الملک او غیره و قد بسطنا الکلام علی هذه المسئلة فی رسالتنا المسماة سل الحسام الهندی لنصرة سیدنا خالد النقشبندی فراجعها فان فیها فوائد نفیسة**۔(ج۔٤ ص ۹۹ کتاب النکاح قبیل فصل المحرمات دارالکتب العلمیہ ، بیروت) یعنی میں کہتا ہوں بل کہ بعض علما نے کتب عقائد میں ذکر فرمایا کہ اولیا کو کرامات سے بعض مغیبات پر اطلاع ہے اور ان ائمہ نے معتزلیوں کا رد فرمایا جو اس آیت سے نفی غیب پر دلیل لاتے تھے کہ مرادِ آیت اظہار بلا واسطہ ہے اور مراد رسول سے ملک ہے یعنی نہیں مسلط فرماتا اپنے غیب پر کسی کو بلا واسطہ مگر ملک کو لیکن نبی اور اولیا تو غیب پر انھیں بواسطہ ملک یا کسی اور واسطہ سے مسلط فرماتا ہے اور بے شک ہم نے اس مسئلہ پر کلام مبسوط کیا ہے اپنے رسالہ ”سل الحسام الہندی لنصرۃ سیدنا خالد النقشبندی“ میں تو اس کی طرف مراجعت کر و اسے دیکھو کہ اس میں فوائد نفیسہ ہیں۔

امام برہان الدین مرغینانی نے تجنیس والمزید اور علمائے کرام اصحاب فتاویٰ عالمگیری نے فتاویٰ ہندیہ (ج۔۱ ص ۲۶۸ کتاب النکاح، الباب الاول) میں اس قول کے ضعف یا بطلان کی طرف اس کے ترک سے اشارہ فرمایا کہ مسئلہ صرف اتنا ہی لکھا **من تزوج امراة بشهادة اللّٰہ ورسوله لا یجوز النکاح**۔ وہ ٹکڑا **لاعتقاده ان النبی علیه الصلوٰة والسلام یعلم الغیب** چھوڑ ہی دیا ”**قیل**“ لگا کر بھی نہ لکھا مضمرات وخزانۃ الروایات اور معدن الحقائق میں ہے **والصحیح انه لا یکفر لان الانبیاء علیهم الصلاة والسلام یعلمون الغیب و تعرض علیهم الاشیاء فلا یکون کفرا**۔ اور صحیح یہ ہے کہ بتحقیق وہ شخص کافر نہ ہوگا اس لیے کہ انبیا علیہم السلام غیب جانتے ہیں اور ان پر اشیا پیش کی جاتی ہیں تو (ان کے علم غیب کا اعتقاد) کفر نہ ہوگا۔“ (فتاویٰ مصطفویہ ص ۶، ۷، ۸، ۹ مختصراً)

یہ سوال کے تیسرے گوشے پر گفتگو کا ایک مختصر سا حصہ تھا جس سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ بحرالرائق میں درج شدہ قول فقہائے احناف کے نزدیک مرجوح اور ضعیف ہے، صحیح و معتمد یہ ہے کہ بہ عطائے الٰہی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے علم غیب کا عقیدہ رکھنا کفر نہیں بل کہ عین مطابق قرآن و حدیث ہے۔ کثیر آیات واحادیث اس بات پر شاہد ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب عطا فرمایا ما کان وما یکون سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بلاشبہہ واقف ہیں، اور اصل یہ ہے کہ غیر خدا کے لیے علم غیب کا

عقیدہ رکھنے پر حکم کفر لگانا یہ معتزلہ کا مذہب ہے جسے انھوں نے فقہ حنفی میں کتابیں تصنیف کرکے گھسا دیا اور فقہاے احناف نے اس میں علم ذاتی کی تاویل کرکے اسے نقل کردیا اور حقیقت یہ ہے کہ عقیدہ علم غیب سے اس مسئلہ کا کوئی تعلق ہی نہیں کیوں کہ صورت مسئلہ صرف اتنی تھی کہ اس صورت میں نکاح منعقد نہ ہوگا کہ شرط انعقاد نکاح مجلس نکاح میں گواہوں کا موجود رہنا ہے یعنی دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کا حاضر ہونا شرط ہے جو عاقل ہوں بالغ ہوں اور یہ سمجھیں کہ نکاح ہو رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سارے فقہا نے صرف **لایجوز النکاح** (نکاح صحیح نہ ہوگا) پر اکتفا کیا اور **لاعتقاده أن النبی علیه الصلوٰة والسلام یعلم الغیب** کا ذکر ہی نہیں کیا، بل کہ بعض فقہا نے واضح الفاظ میں اس کا رد کرکے یہ بھی صراحت فرمادی کہ صحیح یہ ہے کہ اس کی تکفیر نہ ہوگی اس لیے کہ انبیاے کرام غیب جانتے ہیں۔

چوتھا گوشہ :

اور یہیں سے سوال کے چوتھے گوشے پر بھی روشنی پڑ گئی کہ بحر الرائق کی عبارت میں غیر خدا کے لیے علم غیب کا عقیدہ رکھنے پر حکم کفر اس صورت میں ہوگا جب کوئی علم ذاتی مانے ورنہ علم عطائی ماننے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے بل کہ یہ تو عقیدہ اسلامیہ ہے۔ اس کو مزید واضح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

''اوپر کی عبارت نے روز روشن سے زیادہ واضح وآشکار کردیا کہ علم عطائی کا اثبات کفر نہیں وہ تو عقیدہ اسلامیہ ہے۔ **ذکر الحنفیه تصریحا بالتکفیر الخ** میں علم ذاتی ہی کے اثبات پر تکفیر ہے۔ علم عطائی تو **اعلمهم الله تعالیٰ** کہہ کر مصنف نے خود مانا۔ تو کیا آگے خود اپنی تکفیر کا ذکر کیا۔ وہابی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہمارے پیشواؤں کے کلام میں بھی علم ذاتی کے اثبات پر حکم کفر وشرک ہے کہ وہابیہ کے پیشواؤں کی عبارتیں جو اوپر گزریں ان میں صاف تصریح ہے کہ علم ذاتی مانے یا عطائی ہر طرح شرک ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

کیا معاذ اللہ یہ اکابر علما اور دین کے ائمہ قدیم وحدیث خود اپنے اوپر اپنی عبارتوں میں حکم کفر کر رہے ہیں؟ صحابہ واہل بیت اطہار اور عرفا وعلماے دین کی تصریحات سے آفتاب سے زیادہ روشن کہ انبیا واولیا علوم غیب پر مطلع ہیں۔ جمع النہایہ میں علامہ شنوانی فرماتے ہیں۔

'' **وقد ورد ان الله تعالیٰ لم یخرج النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم حتی اطلعه علی کل شئی۔** '' فتوحات وہبیہ شرح اربعین نوویہ میں ہے'' **الحق کما قال جمع أن الله سبحٰنه و تعالی لم یقبض نبینا صلی الله تعالیٰ علیه و سلم حتی اطلعه علی کل ما ابهمه عنه الا امر بکتم بعض والاعلام ببعض۔** ''

علامہ صاوی حاشیہ جلالین زیر آیت کریمہ **یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ لَایُجَلِّیْهَا لِوَقْتِهَا اِلَّاهُوَ ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاتَاْتِیْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً یَسْئَلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِیٌّ عَنْهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ وَلَوْكُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّ بَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ۔** (سورۂ اعراف آیت ۱۸۷-۱۸۸) تحریر فرماتے ہیں **قوله: کانک حفی عنها عن بمعنی الباء والمعنی کانک عالم بها و متیقن لها قوله تاکید أی لما قبله لبیان انها من الامر المکتوم الذی استاثر الله بعلمه فلم یطلع علیه احدا الا من ارتضاه من الرسل، والذی یجب الایمان به ان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم لم ینتقل من الدنیا حتی اعلمه الله بجمیع المغیبات التی تحصل فی الدنیا والآخرة فهو یعلمها کما هی عین یقین لما ورد 'رفعت لی الدنیا فانا انظر فیها کما انظر الی کفی هذه'' و ورد انه اطلع علی الجنة وما فیها والنار وما فیها و غیر ذلک مما**

تواترت به الاخبار ولکن امر بکتمان البعض۔ قوله: "ولو کنت اعلم الغیب" ان قلت ان هذا یشکل علی ما تقدم لنا انه اطلع علی جمیع مغیبات الدنیا والآخرة۔ والجواب انه قال ذلک تواضعا أو ان علمه بالمغیب کلا علم من حیث انه لا قدرة له علی تغییر ماقدر الله وقوعه فیکون المعنی حینئذ لو کان لی علم حقیقی بان اقدر علی ما ارید و قوعه لاستکثرت الخ۔ (حاشیہ صاوی، ج۔۲ ص ۷۳۳، دار الفکر، بیروت)

حضرت سیدی شیخ محقق عبد الحق قدس سرہٗ مدارج شریف میں فرماتے ہیں:

ہر چہ در دنیا ست از زمان آدم تا اوان نفخۂ اولی بروے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منکشف ساختند تا ہمہ احوال او را از ازل تا آخر معلوم گردید یاران خود را نیز از بعضے ازاں احوال خبر داد۔" (ص ۱۳۹ باب پنجم، مطبع مظہر العجائب۔ ۱۲۷۱ھ)

نیز (ایضاً ص ۳ پر) فرماتے ہیں رحمہ اللہ تعالیٰ : **وهو بکل شئی علیم** ووی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دانا ست بہمہ چیز از شیونات و احکام الٰہی و احکام صفات حق و اسما و افعال و آثار و بجمیع علوم ظاہر و باطن و اول و آخر احاطہ نمودند و مصداق فوق کل ذی علم علیم شدہ **علیه من الصلوات افضلها ومن التحیات اتمها و اکملها۔** (فتاویٰ مصطفویہ، ص ۹، ۱۰، ۱۱)

حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کا یہ ایک بڑا تفصیلی فتویٰ تھا جس کے متعدد اقتباسات یہاں پیش کیے گئے، اس فتویٰ سے جہاں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے علم غیب کا اثبات اور وہابیہ دیابنہ کے عقیدے کا ابطال ہوتا ہے وہیں حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کی فقہی بصیرت، وسعتِ نظر، دقتِ فکر، تصلب فی الدین بھی سطر سطر سے نمایاں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

☆☆☆☆☆

حضرت مفتی اعظم کا طرزِ افتا

مولانا محمد یامین رضوی مرادآبادی
استاذ جامعہ حمیدیہ رضویہ، مدن پورہ، بنارس

مفتی اعظم کی ہستی وہ کامل ہستی ہے کہ جس کا سرسری جائزہ لیتے وقت مندرجہ ذیل خوبیاں بین طور پر نظر آتی ہیں۔

امامت وفقاہت، دینی بصیرت اور فتویٰ نویسی کی بے مثل مہارت، حق گوئی کی ایمانی جرأت، ملّی خدمات کے لیے اسلامی جوش وحرارت، دینی حمیت و اسلامی غیرت، اللہ ورسول کی وفاداری و اطاعت شعاری، تقویٰ و پرہیزگاری، شب بیداری وعبادت گزاری، امانت و دینداری، ہر ہر قدم پر شریعت کی پاس داری وغیرہ اوصاف جمیلہ آپ کی ذات ستودہ صفات میں نظر آتے ہیں۔

ایسی صورت میں آپ سے متعلق کچھ لکھنے سے پہلے فکر وخیال سراپا حیرت بن کر یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

رہِ محبت میں ، ہم نے سوچا جھکائیں سر کو کہاں سے پہلے
ہر ایک ذرّہ پکار اٹھا یہاں سے پہلے یہاں سے پہلے

بایں ہمہ شہزادۂ اعلیٰ حضرت کی خوبیوں میں سب سے نمایاں اور مشہور خوبی آپ کی دینی فہم وبصیرت اور افتا وفقاہت ہے، اس خوبی میں ربِ کریم نے آپ کو وہ امتیاز وتخصص بخشا کہ عالم اسلام کے اہل علم وتحقیق اور اربابِ فکر ونظر نے آپ کو مفتیٔ اعظم مانا۔ حضور کو مفتی اعظم ماننا محض بر بنائے عقیدت نہیں بل کہ مبنی بر حقیقت ہے۔

فتویٰ دینے والے علما دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ جو کسی خاص صورت میں مستند علما وفقہا کے وہ اقوال نقل کر دیتے ہیں جو ان کے سامنے پیش آنے والی صورتِ مسئولہ کے جواز وعدم جواز کی شرعی حیثیت کو واضح کر دیتے ہیں، اس طرح کے مفتی کو یہ محنت کرنی ہوتی ہے کہ معتمد مفتیانِ دین کے فتووں کو تلاش کر کے اپنے سامنے پیش ہونے والی صورت کا جواب کسی متدین عالم کے فتوے سے نقل کر دے۔ اس طرح کی فتویٰ نویسی میں مفتی کو اپنے پیش رو فقہائے اسلام، مفتیانِ کرام کی لکھی ہوئی کتابوں، فقہی دستاویزوں کو تلاش کرنے کی زحمت اٹھانی پڑتی ہے۔ اگر کسی مسئلے میں علما کے مختلف قول بھی ہوں تو مفتی کو زیادہ سے زیادہ یہ تحقیق کرنی ہوتی ہے کہ کون سا قول راجح اور مفتیٰ بہ ہے۔

دوسری قسم میں وہ مفتی حضرات آتے ہیں جن کے سامنے وہ حوادث وجزئیات دریافت طلب ہوتے ہیں جو متقدمین فقہا کے عہد میں پیش نہیں آئے تھے، جن کا کتب فقہ میں دور دور تک پتہ نہیں ہوتا، اسلاف کے علمی ذخائر، فقہی دفاتر ان کے تذکرے سے یکسر خالی ہوتے ہیں۔ افتا کے لیے یہی وہ دشوار منزل ہوتی ہے جس پر پہنچ کر وہ مفتی حضرات جن کے افتا کی بنیاد نقلِ اقوال پر ہوتی ہے۔ سپر انداز ہو جاتے ہیں۔ ایسے جدید مسائل کا حل وہی علما کر پاتے ہیں جن کو پیش گاہِ الٰہی سے تفقہ فی الدین کی نعمت عطا ہوتی ہے، جن میں یہ استعداد وصلاحیت ہوتی ہے کہ اصول وضوابط کی روشنی میں فقہی مآخذ سے مسائل کا اخذ واستنباط کر سکیں، حوادث وجزئیات کو مسلمہ

کلیات کے ضمن میں لاسکیں۔ایسی خداداد قوت قدسیہ رکھنے والے حضرات ہی دراصل مفتی کہے جانے کے مستحق ہیں۔تاج افتا انھیں کے سر کو زیب دیتا ہے۔یہی وہ خوش بخت علمائے دین ہیں جن کے لیے ولی نعمت خداوندکریم کا ارشاد ہے ''**وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْراً كَثِيْراً**''(سورۂ بقرہ ۲/۲۶۹) جسے حکمت ملی اسے بہت بھلائی ملی۔یعنی جس کو احکام شرعیہ کا علم ملا اس کو بہت کچھ ملا۔یہی لوگ حضور ہادی دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وہ مایۂ ناز نائب ہیں جن کے بارے میں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا **من یرد اللّٰہ به خیرا یفقهه فی الدین** (بخاری شریف جلد ۱،ص ۱۶) اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے اسے دین کا فقیہ''عالم'' بنادیتا ہے۔

اس ارشاد الٰہی اور حدیث نبوی کی روشنی میں حضور امام اہل سنت اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ فرماتے ہیں: جو فقہ میں زیادہ ہے وہی بڑا عالم دین ہے اگرچہ دوسرا حدیث وتفسیر میں زیادہ اشتغال رکھتا ہو۔

فقہ کا معنی :

عام فقہانے فقہ کا مفہوم بتایا ہے۔**العلم بالاحکام الشرعیة العملیة عن ادلتها التفصیلیة** (البحر الرائق ص ۱۶۔۱۵ لابن نجیم المصری الحنفی ،دارالکتب العلمیہ ،بیروت) شریعت کے احکام کو ان کی تفصیلی دلیلوں کے ساتھ جاننا۔مسلم الثبوت میں فقہ کی تعریف یوں کی گئی ہے۔**الفقه حکمة شرعیة فرعیة** (ص ۶ مقدمہ مسلم، بیان حد اصول الفقہ مکتبہ تھانوی، دیوبند) فقہ اس حکمت شرعی کا نام ہے جس کا تعلق صرف احکام سے ہے۔اسی لیے فقیہ وہ عالم دین ہوتا ہے جو شریعت کے احکام عملیہ کو مع دلائل تفصیلیہ کے معلوم کرتا ہے ان کی تحقیق وتفتیش کرتا ہے۔

آفتاب رشد وہدایت، مخدوم الفقہا، قطب عالم، حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کو فقہی بصیرت، بالغ نظری، دوربینی، معاملہ فہمی کی جو نعمت ربّ قدیر نے عطا فرمائی تھی اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے اہل علم وتحقیق بخوبی جانتے ہیں کہ مفتی اعظم پر فقیہ کی تعریف مذکور صدفی صد صادق آتی ہے۔

فقیہ کا ایک معنی اور بھی ہے جو ایک متدین اور جید عالم دین کی علماً اور عملاً پوری پوری ترجمانی کرتا ہے۔فقیہ کا یہ مفہوم حجۃ الاسلام سیدنا امام غزالی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف ''احیاء العلوم'' میں بتایا ہے۔اور جس کا ذکر قائد ملت رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ نے مقدمہ عجائب الفقہ میں فرمایا ہے ایک فقیہ کے اوصاف کے سلسلے میں امام غزالی کے ارشادات کا خلاصہ یہ ہے۔

فقیہ وہ ہے جو دنیا سے دل نہ لگائے اور آخرت کی طرف ہمیشہ راغب رہے۔دین میں کامل بصیرت رکھتا ہو۔طاعات پر مداومت اپنی عادت بنالے، کسی حال میں مسلمانوں کی حق تلفی برداشت نہ کرے، مسلمانوں کا اجتماعی مفاد ہر وقت اس کے پیش نظر ہو، مال کی طمع نہ رکھے، آفاتِ نفسانی کی باریکیوں کو پہچانتا ہو، عمل کو فاسد کرنے والی چیزوں سے بھی باخبر ہو، راہِ آخرت کی گھاٹیوں سے واقف ہو، دنیا کو حقیر سمجھنے کے ساتھ ساتھ اس پر قابو پانے کی قوت بھی اپنے اندر رکھتا ہو، سفر وحضر اور جلوت وخلوت میں ہر وقت دل پر خوفِ الٰہی کا غلبہ ہو۔ (احیاء العلوم جلد ۱)

فقیہ کا یہ وہ جامع معنی ہے جس کے آئینے میں تاجدار اہل سنت کی ذات والاصفات کی نورانی تصویر صاف نظر آتی ہے۔حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ نے ایک فقیہ کے جو اوصاف گنائے ہیں وہ قطب عالم حضور مفتی اعظم میں موجود تھے بل کہ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ آپ اپنے دور میں ان خوبیوں کے لحاظ سے ایک انفرادی شان رکھتے تھے۔

افتا :

عربی لغت میں افتا کا معنی ''جواب دینا ہے'' اس معنی کے لحاظ سے قرآن کریم میں شاہِ مصر کا یہ قول منقول ہے ''**یٰاَیُّھَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِیْ فِیْ رُءْیَایَ اِنْ کُنْتُمْ لِلرُّءْیَا تَعْبُرُوْنَ**'' (سورۂ یوسف ۱۲ / ۴۳) اے درباریو! میرے خواب کا جواب دو اگر تم خواب کی تعبیر جانتے ہو۔ اور اصطلاح میں ''افتا'' کا معنی ہے کسی مسئلے کا حکم شرعی بتانا، چنان چہ حضرت علامہ ابن عابد بن شامی رحمۃ اللہ علیہ ردالمحتا دجلد چہارم میں فرماتے ہیں: **الافتاء فانه افادة الحکم الشرعی**۔ (ص ۳۳۶) صاحب کتاب التعریفات علامہ جرجانی لکھتے ہیں: **الافتاء بیان حکم المسئلة**۔ (ص ۳۴ مکتبہ فقیہ الامۃ، دیوبند) یعنی کسی مسئلے کا حکم بیان کرنا۔

افتا کے لیے تفقہ فی الدین لازم ہے جس شخص میں یہ وصف نہ ہو وہ کبھی کارِ افتا انجام نہیں دے سکتا، اگر ایسا آدمی فتویٰ دے گا تو قدم قدم پر ٹھوکریں کھائے گا، خود گم راہی کے سمندر میں ڈوبے گا اور دوسروں کو بھی لے ڈوبے گا۔ اور جس میں جو ہر فقاہت جتنا زیادہ ہوگا اتنا ہی اس کا فتویٰ صحیح و معتبر ہوگا۔ بفضلہٖ تعالیٰ مفتی اعظم قبلہ میں فقاہت اپنی پوری جلوہ سامانیوں کے ساتھ موجود تھی جس کا اندازہ فتاویٰ مصطفویہ اور آپ کی دوسری تحریری کاوشوں سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ ہر فتویٰ، اصولِ فتویٰ اور اصول فقہ کی پوری رعایت کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

جس طرح معتمد فقہاے اسلام فتویٰ دیتے وقت۔ پہلے کتاب اللہ پھر سنۃ رسول اللہ، کو اس کے بعد اجماعِ امت اور قیاس مجتہد کو ملحوظ رکھتے تھے، تاجدار اہل سنت کا طرزِ افتا بھی اسی نہج مستقیم پر تھا۔ جب آپ کسی مسئلے کا جواب ارشاد فرماتے تو پہلے آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے استدلال فرماتے، بعدہٗ اقوالِ فقہا اپنے دعوے کی تائید و توثیق میں لاتے، نیز اصول فقہیہ اور قوانین کلیہ سے اپنے جواب کو مزین فرماتے۔ آپ صرف اجمالاً حکم مسئلہ بیان کر دینے پر اکتفا نہ کرتے بل کہ مسئلے کو کامل شرح و بسط کے ساتھ واضح کرتے اور صورتِ مسئولہ کی شرعی پوزیشن پورے مالہ وماعلیہ کے ساتھ روشن کر دیتے تھے۔ اگر مستفتی اپنے استفتا میں کسی معاند سیاہ دل کا اعتراض بھی لکھ دیتا تو جواب دیتے وقت آپ کے دریاے علم وتحقیق میں ایسی موجیں اٹھتیں جو معترض کے اعتراض و شبہہ کو خس وخاشاک کی طرح بہالے جاتیں۔ جس کو اس کا مشاہدہ کرنا ہو وہ آپ کے مجموعۂ فتاویٰ ''فتاویٰ مصطفویہ'' کا مطالعہ کرے۔ اس مجموعۂ فتاویٰ کا ہر جواب لاجواب ہے۔ ہر فتویٰ شاہ کارِ علم وتحقیق ہے۔ ہر مسئلے میں ایسی تحقیق پیش کی گئی ہے جو حضور مفتی اعظم کی بیدار مغزی، بالغ نظری اور معاملہ فہمی کی منہ بولتی تصویر ہے۔ اگر فرصت نہ ہو تو مجموعۂ مبارکہ کا سب سے پہلا جواب ہی پڑھ کر دیکھ لیں۔ یہ پہلا جواب شہزادۂ اعلیٰ حضرت تاجدارِ اہل سنت کی ذہانت و فطانت، حکمت و اصابت، علمی و تحقیقی وجاہت کا بانگ دہل اعلان کر رہا ہے۔ اس فتوے میں پیش کی گئی عربی عبارتوں اور حوالوں کا ایک سیل رواں ہے جو جلدی تھمنے اور رکنے کا نام ہی نہیں لیتا۔ حدیث وقرآن کی نصوص اور فقہ و اصول کے حوالوں کی روانی وفراوانی دیکھ کر ذہن محوِ حیرت ہو کر یہ سوچتا ہے۔ کیا حضور مفتی اعظم قرآن وحدیث کے دینی مآخذ وذخائر کے حافظ ہیں؟ جواب کی عبارت اور اس کے جملوں میں جابجا ترکیبوں کی جدت ہے، معانی کی ندرت ہے، فصاحت و بلاغت ہے، فقرے اور جملے مقفّٰی اور ہم وزن ہیں۔ پڑھتے ہوئے قلب و دماغ کو روحانی کیف و سرور ملتا ہے۔

قارئین کرام کے شوق مطالعہ کو بیدار کرنے کی غرض سے جواب کی کچھ ابتدائی سطور نقل کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

سائل نے اپنے سوال میں یہ لکھا تھا کہ زید کہتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیب نہیں جانتے'' حضرت نے اس کے جواب میں فرمایا:

''زید بے قید پر از مکر وکید بدترین وہابی لعین ہے۔ اس کا حضور پرنور شافع یوم النشور ایمانِ جان، جانِ ایمان، عالم مایکون وماکان، سرور عالم وعالمیان صلی اللہ علیہ وسلم کے غیب سے مطلقاً انکار کفر مبین ہے۔ قرآن عظیم کی آیات

باہرہ کثیرہ سے انکار ہے۔''

مذکورہ جملوں کے بعد مفتی اعظم قدس سرہٗ نے آیتوں، حدیثوں اور اقوال علما وصوفیہ سے علم غیب مصطفی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بھرپور ثبوت دیا ہے اور زید کے قول کا زبردست ردوابطال کیا ہے۔

محترم قارئین۔ آپ کو ہر فتوے میں یہی زورِ بیان اور طرزِ استدلال نظر آئے گا۔ تاجدارِ اہل سنت فتوے کی عبارت میں جو جملے استعمال کرتے نہایت جانچے اور تولے ہوئے ہوتے۔ فقروں میں نظم وضبط کی رعایت کرتے، جملوں میں ہم آہنگی و ربط کا خیال فرماتے، جس لفظ سے غیر مناسب معنی کا وہم وشبہہ پیدا ہونے کا امکان ہوتا اس سے پرہیز فرماتے، بھلے ہی وہ لفظ اپنے محل استعمال میں فٹ ہوتا ہو،

جو حزم واحتیاط افتا میں ملحوظ خاطر ہوتی وہی تعلیم افتا واصلاحِ فتویٰ میں برتی جاتی۔

رضوی دارالافتا کے قدیم اور ماہر فن مفتی، شیخ الحدیث دارالعلوم مظہر اسلام بریلی شریف، حضرت العلام مفتی محمد اعظم صاحب قبلہ کا مندرجہ ذیل بیان سرکارِ مفتی اعظم کے طرزِ تعلیم افتا پر پوری پوری روشنی ڈال رہا ہے۔ مفتی موصوف کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ فتویٰ کی تحریر میں ایسا لفظ لانے سے پرہیز فرماتے تھے کہ جس سے کسی معنی مذموم کا ایہام ہو یا اس سے کسی گرفت کا شائبہ پیدا ہوتا ہو۔

رضوی دارالافتا کے صدر مفتی فرماتے ہیں:

> ''ایک بار حضور مفتی اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں ایک سوال کا جواب اصلاح کے لیے لے گیا۔ جماعت اسلامی کے چندہ دینے کے بارے میں سوال کیا گیا تھا کہ جماعتِ اسلامی کو چندہ دینا یا اس کا ممبر بننا جائز ہے یا نہیں؟ جواب میں۔ میں نے لکھا تھا جماعتِ اسلامی کو چندہ دیناا وراس کا ممبر بننا ناجائز وگناہ ہے۔ دیکھنے میں جواب صحیح تھا میں نے سمجھا حضرت سن کر فوراً تصدیق فرمادیں گے، حضرت نے فرمایا اول تو آپ نے مودودی کی جماعت کو جماعتِ اسلامی لکھ دیا یہ غلط ہوا دوسرے پھر آپ لکھ رہے ہیں کہ جماعتِ اسلامی کو چندہ دینا ناجائز ہے جب جماعت اسلامی کو چندہ دینا ناجائز ہے تو کیا غیر جماعتِ اسلامی کو چندہ دیا جائے گا؟ آپ اس طرح لکھیے کہ مودودی جماعت یا بدمذہبوں کی کسی جماعت کو چندہ دینا یا اس کا ممبر بننا ناجائز ہے۔ محمد اعظم۔ (دامن مصطفی کا مفتی اعظم نمبر ص ۱۵۱)

حضرت مفتی اعظم صاحب قبلہ کے بیان سے ظاہر ہو گیا کہ حضور تاجدار اہل سنت افتا میں ایسے لفظ سے پرہیز فرماتے جو کسی مذموم معنی کا محتمل ہو اور اپنے ظاہر کے لحاظ سے گرفت میں آنے والا ہو۔

شہزادۂ اعلیٰ حضرت کے طرزِ افتا میں ایک چیز جو منفرد ہے وہ یہ ہے کہ آپ اپنے فتوے میں زبان وبیان کی خوبی کا بطورِ خاص اہتمام فرماتے چنان چہ آپ کا ہر فتویٰ، ہر جواب فصاحت وبلاغت، حسن بیان، نظم وترتیب میں لاجواب ہے۔ فتاویٰ مصطفویہ شریف کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ عام مفتیوں کے برعکس مفتی اعظم قدس سرہٗ افتا میں عالمانہ فقیہانہ قید وبند کے ساتھ ساتھ حسنِ بیان، خوبی زبان کا خاصا لحاظ کرتے۔ ذیل کا جواب پڑھ کر حضرت کی ادبی ولسانی فن کاری کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

سائل نے سوال کیا ہے کہ بکر کہتا ہے قرآن آسمانی کتاب نہیں، خدا کا فرمان نہیں۔ کیا دلیلیں پیش کرنی چاہیے کہ جس سے اس کو تسکین ہو۔

الجواب: آفتاب آمد دلیلِ آفتاب۔ قرآن خود اپنی دلیل آپ ہے کہ وہ اللہ عزوجل کی کتاب ہے۔ اس زمانے میں جب فصاحت و بلاغت کا بازار گرم تھا، زبانِ عربی کی ترقی کا عہدِ شباب تھا، فصحا و بلغا کا دور دورہ تھا، بچہ بچہ فصیح و بلیغ ماں باپ کی گود میں پلتا، زبان کھلتے ہی فصیح و بلیغ ہوتا، لڑکیاں قصائد برجستہ کہا کرتی تھیں۔ شعرا اپنے قصیدے لکھ لکھ کر کعبۂ معظمہ کے دروازے پر لٹکایا کرتے اور پھر ان کے جواب ہوا کرتے۔ قرآن عظیم سیدتنا آمنہ صلی اللہ تعالیٰ علی ابنہا ثم علیہا وسلم کے یتیم فرزند ارجمند پر جس کے سرِ مبارک پر برائے تربیت و تعلیم باپ دادا نہ تھے، جن کی عمر شریف اوائل ایام حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے یہاں بادیہ میں بسر ہوئی، جنھوں نے کسی انسان سے کسی کتاب کا کوئی حرف نہ پڑھا، نازل ہوا جس نے تحدی فرمائی ”وَاِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ رَيۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰى عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ وَادۡعُوۡا شُهَدَآءَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ۔ الی قولہ اُعِدَّتۡ لِلۡكٰفِرِيۡنَ“ (سورۂ بقرہ ۲/ ۲۳) اور اللہ عزوجل کے سوا جنھیں تم نے معبود بنا لیا ہے انھیں بھی مدد کے لیے پکار لو اگر تم سچے ہو۔ پھر اگر تم ایسا نہ کر سکو اور ہرگز ایسا نہ کر سکو گے تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آگ اور پتھر ہیں جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ کہیں فرمایا۔ اَجۡمِعُوۡٓا اَمۡرَكُمۡ وَشُرَكَآءَكُمۡ (سورۂ یونس ۱۰/ ۷۱) سب کے سب جمع ہو جاؤ اپنے شرکا کو بھی جمع کر لو۔

اتنا فرمانے کے بعد قرآن شریف کے بے مثل و بے مثال ہونے پر ایک دوسرا اچھوتا اور نرالا اندازِ استدلال اختیار کرتے ہوئے فرمایا:

قرآن تو کلام اللہ، صفۃ من صفات اللہ ہے کوئی اس کا مثل کیوں کر لا سکے جو شی بھی اللہ عزوجل کے یہاں سے ہو محال ہے کہ تمام عوالم مل کر بھی اس کا مثل بنا سکیں۔ پانی کا قطرہ قطرہ، مٹی کا ذرہ ذرہ، ہوا کا ہر ہر حصہ آگ کی ہر ہر چنگاری نور کا ہر ہر لمعہ غرض کہ عوالم کی ہر ہر شی اس پر گواہ ہے نہ اصل کی مثل کوئی لا سکتا ہے نہ فرع کی مثل کوئی بنا سکتا ہے۔

اصل و فرع، روح و جسم کا مثل کیا معنی کوئی محض صورت کا مثل بھی نہیں بنا سکتا۔ وہ رنگ و روپ نہیں لا سکتا، ایسی جو چیز عالم میں نظر آتی ہے یا محسوس ہوتی ہے جس کا مثل عوالم میں کسی سے ممکن نہ ہو عقل و شعور رکھنے والا بل کہ پاگل بھی اسے اللہ عزوجل کی محض قدرت سے جانتا اور سچے دل سے اسے اللہ عزوجل کا مخلوق مانتا ہے تو قرآنِ عظیم جو اس خالق جل مجدہٗ کی صفت ہے جس کی کسی مخلوق کا مثل تمام عالموں میں کسی سے ممکن نہ ہو تو اس کی صفت کا مثل کوئی کیوں کر کس طرح لا سکے۔ (فتاویٰ مصطفویہ، ص ۱۹-۲۰)

قارئین کرام۔ آپ نے دیکھا؟ کہ قرآن کریم کے کتابِ الٰہی اور حق ہونے پر کیسا مضبوط اور مبسوط بیان ہے۔ اردو کیسی شستہ شائستہ اور رواں دواں ہے، جواب کی آخری سطریں جو ندرتِ استدلال پر مشتمل ہیں بار بار پڑھنے کے لائق ہیں۔

عطائے ربِ قدیر سے حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کے پاس وہ فقہی شعور تھا، آپ کے پاس وہ فکر صائب تھی اور ایسا ذہن ثاقب تھا کہ جس مسئلے کو حل کرنے میں آپ کے دور کے بڑے بڑے مفتیانِ کرام قاصر رہتے آپ اس مسئلے کو دلائل کی روشنی میں بہ آسانی حل فرما دیا کرتے تھے۔ آپ کی ذات حل مسائل کے اعتبار سے اس شعر کا پورا پورا مصداق تھی

قدم فتوے کی دنیا میں جہاں بھی ڈگمگائے
ہمارے مفتی اعظم وہاں پر کام آئے

☆☆☆☆☆

مفتی اعظم اور فتاویٰ مصطفویہ

مولانا ولی محمد رضوی

مبلغ سنّی تبلیغی جماعت، باسنی، ناگور، راجستھان

رسولِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ **من یرد اللّٰہ به خیرا یفقهه فی الدین وانما انا قاسم ویعطی اللّٰہ عزوجل۔** (مسند امام احمد بن حنبل حدیث۔ ۱۹۴۷، موسسۃ الرسالہ، بیروت) اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔ رسول کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانِ گرامی جوامع الکلم کی ایک جھلک ہے، اس کی تشریحات کے لیے کتب علما بھری ہوئی ہیں۔

فرمان گرامی ہے۔ **فقیه اشد علی الشیطن من الف عابد** (ترمذی شریف حدیث۔ ۲۶۸۱ داراحیاء التراث العربی، بیروت) یہ ہادی دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ذی شان بھی اپنی مثال آپ اور علما وفقہا کی فضیلت پر دال ہے کہ ایک فقیہ ہزار عابدوں سے زیادہ شیطان پر مصیبت بن جاتا ہے۔

کسی آیت وحدیث کے ترجمہ کو پڑھ لینا الگ چیز ہے اور اس کی گہرائی میں جا کر سمندر سے موتی نکالنا دوسری چیز ہے۔ اس قیمتی گوہر تک رسائی فقہ کی جلوہ نمائی اور جلوہ آرائی ہے۔

رسم فتویٰ کا دور بڑا قدیم ہے اور یہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے مبارک زمانہ سے ہے۔ اکابر صحابہ تو فتویٰ دیا ہی کرتے تھے۔ سیدہ طیبہ طاہرہ بی بی عائشہ صدیقہ ام المومنین رضی اللہ عنہا بھی فتویٰ دیتی اور صحابہ کرام کے مسائل عمیق حل فرمایا کرتی تھیں۔ (کرامات صحابہ) کیوں کہ فتویٰ دینا علمی گتھیوں کو سلجھانا ہر ایک کے بس کی بات نہیں بل کہ اللہ عزوجل اپنے کرم خاص اور رسول برحق سید الخلق صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے ایک خاص نورانی چمک عطا فرماتا ہے جس کی روشنی سے مالا مال ہی اس نعمت و دولت سے سرفراز ہوتا ہے۔

فقہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ پر آج بہت سے قدیم وجدید فتاویٰ ہیں جو علم وعرفان کا خزانہ ہیں۔ امام اعظم کے لائق شاگرد حضرت امام محمد کی کتابیں علمی دنیا میں اونچا مقام رکھتی ہیں۔ آپ کی چند کتب دیکھنے کے بعد ایک غیر مسلم نے اسلام قبول کر لیا اور دل وزبان سے کلمہ شہادت **اشهد ان لا اله الا اللّٰہ و اشهد ان محمد اعبده و رسوله** پکار اٹھا۔ اصل واقعہ ’’حاشیۂ طحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الایضاح‘‘ میں مبسوط امام محمد رحمہ اللہ کے ذکر میں کچھ اس طرح ہے: **اسلم حکیم من کفار اهل الکتاب بسبب مطالعته و قال هذا کتاب محمدکم الاصغر فکیف کتاب محمدکم الاکبر** (ص ۱۰ حاشیہ علی مراقی الفلاح، مصطفی البابی، مصر) اہل کتاب سے ایک دانش ور نے امام محمد علیہ الرحمۃ والرضوان کی مشہور زمانہ کتاب مبسوط کے مطالعہ سے اتنا متاثر ہوا کہ مسلمان ہو گیا اور بول اٹھا کہ اے مسلمانو! تمھارے چھوٹے محمد یعنی امام محمد کی یہ شان ہے تو تمھارے بڑے محمد یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا شان ہوگی؟

یہ علم فقہ اور فتاویٰ کی زریں تاریخ ہے جس سے تاریخ اسلام جگمگا رہی ہے۔ اس سے امت کو بڑا فیض ملا ہے اور انشاء اللہ اسی طرح ملتا رہے گا۔

ہر دور اور ہر قرن میں فتاویٰ قوم مسلم کی ضرورت رہے ہیں۔ علم فقہ فقہائے کرام علیہم الرحمۃ نے مرتب کیا اور اس کی ضرورت واہمیت کے پیش نظر دین دار، دین پرور سلاطین اسلام نے بھی اس طرف توجہ دی اور ماہر فقہائے اسلام سے عظیم فتاویٰ مرتب کرا کے قوم مسلم کی اس دینی وعلمی ضرورت کی تکمیل کر کے تاریخ میں نام زندہ کر گئے اور علم کی دنیا میں زندہ وتابندہ ہو گئے۔ ان نامور حضرات میں سے اہم کام حضرت سلطان اورنگ زیب عالمگیر علیہ الرحمۃ والرضوان نے کیا کہ انھوں نے فتاویٰ عالمگیری تیار کرائی جو آٹھ سال کی مدت میں پایۂ تکمیل کو پہونچی اور جس پر اس زمانے میں دو لاکھ روپے صرف ہوئے۔ دہلی کے نامور علما وفقہا کے علاوہ اطراف سے کثیر علما کو بلایا گیا۔ (فقیہ اسلام، ص ۶۲)

تاریخ ہند میں کئی اہم فتاویٰ شائع ہوئے بڑے بڑے ماہر علما وفقہا نے قوم مسلم کو علم وعرفان کے خزانے دیے۔ اہل علم حضرات پر یہ روشن ہے کہ تاریخ ہند کا وہ دور جو ۱۳ ویں صدی کا آخری اور چودھویں صدی کا ابتدائی دور ہے، اس دور میں اس اہم کام کو انجام دینے والی ذات کا نام مجدد اعظم امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ عنہ ہے۔ آپ کے پاس ایک ایک اوقت میں چار چار سو اور کبھی پانچ پانچ سو استفتے آ جاتے اور آپ ان سب کے علمی اور تسلی بخش جوابات دیتے۔ ان سائلوں میں بڑے بڑے علما وفقہا، دانشور اور وکلا وغیرہ بھی شریک تھے جو اپنی علمی پیاس بجھاتے اور وہ جواب اس بارگاہ سے پاتے کہ جس سے آنکھوں میں نور اور دلوں میں سرور پیدا ہو جاتا۔ خود امام موصوف فرماتے ہیں۔

''یہاں فتویٰ پر بحمدہ تعالیٰ کوئی فیس نہیں لی جاتی بفضلہ تعالیٰ تمام ہندوستان و دیگر ممالک مثلاً چین، افریقہ، امریکہ اور خود عرب شریف وعراق سے استفتے آتے ہیں اور ایک ایک وقت میں چار چار سو۔ بحمدہ تعالیٰ حضرت جد امجد قدس سرہٗ العزیز کے وقت سے اس ۱۳۳۷ھ تک اس دروازے سے فتوے جاری ہوئے۔ اکانوے برس اور خود اس فقیر غفرلہٗ کے قلم سے فتوے نکلے ہوئے بعونہ تعالیٰ ۵۱ برس ہونے آئے ہیں یعنی اس صفر کی ۱۴ تاریخ کو پچاس برس چھ مہینے۔ اس نوکم سو برس میں کتنے ہزار فتوے لکھے گئے۔ بارہ مجلد تو صرف اس فقیر کے فتاویٰ کے ہیں بحمدہ تعالیٰ کبھی یہاں ایک پیسہ نہ لیا گیا اور نہ لیا جائے گا۔ بعونہ تعالیٰ ولہ الحمد معلوم نہیں کون لوگ ایسے پست فطرت و پست ہمت ہیں جنھوں نے یہ صیغہ کسب کا اختیار کر رکھا ہے۔ جس کے باعث دور دور کے ناواقف مسلمان کئی بار پوچھ چکے ہیں کہ فیس کیا ہوگی؟ بھائیو! وَمَآ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ‌ۚ اِنۡ اَجۡرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ۔ (سورۂ شعراء ۲۶/۱۰۹) میں تم سے اس پر کوئی اجر نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو سارے جہاں کے پروردگار پر ہے اگر وہ چاہے۔ (فتاویٰ رضویہ شریف جلد ۳، ص ۲۳۰)

جب اہل سنت کے فتاویٰ کی شان شوکت، رفعت وعظمت بیان ہوئی تو ایک نظر امام احمد رضا کے فتاویٰ کی عظمت پر بھی ڈال لیں۔ کہ ان کے فتاویٰ کو علمائے عرب وعجم نے سراہا اور اپنے دعائیہ کلمات اور تاثرات سے نوازا۔

اسی طرح اگر ہم اپنے زمانہ کے سب سے بڑے مفتی حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے فتاویٰ پر غور وفکر کریں تو بآسانی معلوم ہو جائے گا کہ آپ کے فتاویٰ پر زمانے کے لائق وفائق مفتیان حضرات نے الجواب صحیح پر ہی اکتفا نہیں کیا بل کہ آپ کی فقہی بصیرت پر مدحیہ کلمات بھی تحریر فرمائے جس سے آپ کے فتاویٰ کی انفرادی وامتیازی شان معلوم ہوتی ہے۔ مقتدر شخصیات میں سے چند کے اسمائے گرامی درج کیے جاتے ہیں جن کے تصدیقی دستخط آپ کے فتاویٰ پر موجود ہیں۔

(۱) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری (۲) صدر الا فاضل علامہ سید نعیم الدین مراد آبادی (۳) حضور صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی (۴) حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خاں (۵) علامہ حشمت علی خاں عرف شیر بیشۂ اہل سنت (۶) مفتی محمد عمر نعیمی (۷) علامہ سید اولاد رسول صاحب (۸) حضور برہان ملت جبل پوری (۹) علامہ سردار احمد لائل پوری (۱۰) مفتی تقدس علی خان بریلوی (۱۱) مفتی مختار احمد میرٹھی (۱۲) مفتی عبد الغنی لاہوری (۱۳) مفتی محمد حسین بلوچستان (۱۴) مولانا مفتی محمد شریف صاحب کوٹلوی (۱۵) مولانا احسان علی (۱۶) علامہ حسنین رضا (۱۷) مفتی محمد شریف الحق امجدی

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے بعض عقیدت مند اور ذی اثر حضرات کی عرض پر بریلی شریف میں دار القضا قائم کیا۔ دار القضا شرعی کے لیے قاضی شرع اور قاضی شرع کو شرعی احکام واعانت کے لیے مفتی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں ایک دن صبح تقریباً نو بجے اعلیٰ حضرت مکان سے باہر تشریف لائے اور تخت پر ایک قالین بچھانے کا حکم فرمایا۔ ہم سب حیرت زدہ تھے کہ حضور یہ اہتمام کس لیے فرما رہے ہیں۔ پھر حضور امام اہل سنت ایک کرسی پر تشریف فرما ہوئے اور حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی صاحب علیہ الرحمہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آج بریلی شریف میں دار القضا شرعی کے قیام کی بنیاد رکھتا ہوں اور انھیں اپنی طرف بلا کر ان کا داہنا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے کر قالین پر انھیں بٹھا کر فرمایا ''میں آپ کو ہندوستان کے لیے قاضی شرع مقرر کرتا ہوں۔ مسلمانوں کے درمیان اگر ایسے کوئی مسائل پیدا ہوں جن کا شرعی فیصلہ قاضی شرع ہی کر سکتا ہے، وہ قاضی شرع کا اختیار آپ کے ذمہ ہے۔ پھر دعا پڑھ کر کچھ کلمات فرمائے جن کا اقرار حضرت صدر الشریعہ قبلہ علیہ الرحمہ نے کیا اس کے بعد حضور نے اس خادم برہان کو بلایا اور اپنے دستِ مبارک میں میرا داہنا ہاتھ لے کر اسی مسند پر صدر الشریعہ کے متصل بٹھا کر مجھ سے فرمایا۔ میں نے تمھارے فتوے دیکھے۔ افتا کے لیے تمھارے دماغ کو بہت مستعد پایا ہے۔ میں تمھیں مسند افتا پر بٹھا کر دار القضا شرعی کے لیے مفتی مقرر کرتا ہوں۔ اس کے بعد حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کو اپنے دست مبارک میں لے کر میرے پہلو میں بٹھایا اور یہی کلمات جو مجھ سے فرمائے تھے، ان سے فرما کر ہم دونوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ دار القضا شرعی کے لیے قاضی شرع مولانا امجد علی کو اور آپ دونوں کو ان کی اعانت اور فتویٰ دینے کی اجازت دیتا ہوں۔ آج سے تم دونوں ہندوستان کے دار القضا شرعی مرکز بریلی شریف میں مفتی شرع کی حیثیت سے مقرر کیے جاتے ہو۔ ہم دونوں سے کچھ کلمات ارشاد فرمائے اور ہم دونوں نے اس سعادت عظیم پر سر نیاز خم کر دیا اور اٹھ کر ہم نے حضرت کی قدم بوسی کی۔ اعلیٰ حضرت نے دست مبارک اٹھا کر بہت دیر تک دعا فرمائی۔

(از حضور برہان الحق برہان ملت خلیفۂ اعلیٰ حضرت مفتی اعظم مدھیہ پردیش، استقامت کا مفتی اعظم نمبر، ص ۲۴)

اس روایت سے اچھی طرح ظاہر ہو گیا کہ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت کو حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی فتویٰ نویسی پر مکمل اعتماد تھا اس لیے ان کو ہندوستان کے دار القضا شرعی کا مفتی اپنی موجودگی میں بنا کر سب کو بتا دیا کہ آپ ہندوستانی دار القضا شرعی کے مفتی ہیں۔ الحمد للہ، ماشاء اللہ، سبحان اللہ۔

جوں جوں آپ کے فتاوے عوام وخواص تک پہنچتے رہے، ہر ایک پر آپ کی فتاویٰ نویسی کی شان نمایاں ہوتی رہی آپ کی فقہی بصیرت اور قابلیت کا لوہا ایک عالم تسلیم کرتا ہے، اس کے شواہد ودلائل عن قریب آ رہے ہیں۔

حضور پاسبانِ ملت خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

''میرے خیال میں انسانی عادت وکردار اور اس کے اوصاف ومحاسن کی دو قسمیں ہیں۔ بعض اوصاف ومحاسن تو وہ ہوتے ہیں کہ انسان اپنی فطرت پر دباؤ ڈال کر اسے اختیار کرتا ہے گویا وہ اس کا فطری رجحان وکردار نہیں ہوتا بل کہ وہ

غیر داخلی و خارجی اثر و قبول کا نتیجہ ہوتا ہے۔ بعض وہ لوگ ہوتے ہیں کہ عبادت کے محاسن انھیں سمجھائے جاتے ہیں تب کہیں وہ سر بہ سجود ہوتے ہیں لیکن اسی انسانی آبادی میں کتنے ایسے بھی خدا ترس بندے ہیں ان سے کہا نہیں جاتا۔ خود ان کی فطرت انھیں گدگداتی اور ابھارتی ہے اور دن کے اجالے میں سجدہ ریز ہوتے ہیں اور رات کی تاریکیوں میں جذبۂ خشیت الٰہی سے اللہ اللہ کرتے ہیں۔ آہ و بکا کرتے ہیں۔ رات کی رات یادِ الٰہی میں گزار دیتے ہیں۔ وہ اپنے کو اس طرح بھول جاتے ہیں نہ جسم پر تکان محسوس کرتے ہیں نہ بدن پر اضمحلال، ساری رات آنکھوں میں کاٹ دینے کے باوجود کیف و لذت ہی محسوس کرتے ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ بسا اوقات خارجی دباؤ و اثرات کو زیادہ قبول کرنے کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ اب یہی اس کی فطرت ثانیہ بن جاتی ہے جیسے ہم اور آپ علی العموم استعمال کرتے ہیں اپنی روزمرہ کی زبان میں بولتے ہیں کہ ارے صاحب۔ یہ تو ان کی فطرت ثانیہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک تو وہ فطرت ہے کہ جس پر وہ پیدا کیا گیا ہے اور ایک وہ جسے اس نے اپنا لیا ہے۔ مثلاً ایک شخص منطق و فلسفہ پڑھتا ہے، اس کے اصول و ضوابط کو یاد کرتا ہے، متعینہ نصاب کے ورق ورق اور سطر سطر پر اس کی نگاہ ہوتی ہے۔ کہیں اسے معقولی و فلسفی کہا جاتا ہے مگر ایک وہ بھی تو ہے جس نے منطق و فلسفہ کے اصول متعین کیے، اس کی اصطلاحات وضع کیں، قانون بنائے اور قوانین کو مثال کے سہارے سمجھایا۔ معلوم ہوا کہ اول الذکر پڑھ کر سیکھ کر معقولی ہوا مگر ثانی الذکر سیکھ کر معقولی نہیں ہوا بل کہ قدرت نے اسے اسی فطرت پر پیدا کیا ہے کہ وہ اپنی زیرکی و دانائی سے فلسفہ کے اصول مرتب کرے۔

بس کچھ ایسی ہی مثال سیدی الکریم سرکار مفتی اعظم رضی المولیٰ عنہ کی ہے کہ ان کے معاصر علما نے فقہ کو پڑھا، اسے حاصل کیا، کلیات و جزئیات کو یاد کیا، قیاس کے طریقے سیکھے، جرح و تعدیل، راجح و مرجوح، سالم و اسلم وغیرہ کے احکام دریافت کیے، تب کہیں انھیں مفتی و فقیہ کہا گیا لیکن سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمہ کا تفقہ فی الدین صرف حاصل کردہ نہیں ہے بل کہ ان کا ضمیر ان کا خمیر، ان کی سرشت و فطرت اسی سانچے میں ڈھلی ڈھلائی ہے، وہ اسی فطرت پر پیدا کیے گئے۔

بلاشبہہ سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمہ کا علم فقہ، عطیہ الٰہی و فیضان ربانی ہے جس کو سید عالم روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: **من یرد اللّٰہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین**۔ (مشکوٰۃ شریف حدیث۔ ۲۰۰ دار الفکر، بیروت) یہی وجہ ہے کہ علما و معاصر کسی ایک مسئلہ کے ثبوت میں دلائل کے انبار لگا دیتے مگر مفتی اعظم کا ایک انکار ان کے سیکڑوں دلائل پر بھاری بھر کم ہوتا اس لیے کہ علما مسائل کو صرف دلائل کی عینک سے دیکھ رہے ہیں لیکن انکار کرنے والا مفتی فنی دلائل کے علاوہ خود ضمیر کی آواز بھی رکھتا ہے اور اس کا ادراک و وجدان بھی۔ جو ان دلائل پر پہاڑ سے زیادہ وزنی ہوتا ہے کیوں کہ وہ اسی فطرت پر پیدا کیا گیا ہے۔

(استقامت، کان پور، ۱۹۸۳ء ص ۴۶)

فتاویٰ مصطفویہ علم کے اس کوہ گراں کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے جس کی بارگاہ سے خوشہ چینی کرنے والے اپنے زمانے کے بڑے مفتی تھے۔ ان کی تربیت میں رہنے والے نامور مفتی و فقیہ کہلائے، ان سب کے کارنامے بحمدہ تعالیٰ فی سبیل اللہ تھے۔ نہ جانے کتنے ہیرے جماعت اہل سنت کو عطا فرمائے آپ کا ملت اسلامیہ پر احسان عظیم رہتی دنیا تک آپ کے لیے صدقۂ جاریہ ہے۔

آج جو بھی مشہور زمانہ مفتیانِ اسلام کہے جاتے ہیں مثلاً تاج الشریعہ سیدی علامہ مفتی الشاہ محمد اختر رضا خاں صاحب قادری، علامہ قاضی مفتی محمد عبدالرحیم صاحب نوری صدر مفتی مرکزی دار الافتا بریلی شریف، مفتی مجیب اشرف صاحب، مفتی نظام الدین صاحب، وغیرہ اور جو ماضی قریب میں ہم سے رخصت ہوئے ان میں شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی صاحب، مفتی غلام محمد صاحب ناگ پوری یہ سب آپ کے فیض یافتہ ہیں۔

شارح بخاری نائب مفتی اعظم رقم طراز ہیں کہ:

''میں گیارہ برس تین ماہ خدمت میں رہا اس درمیان ۲۴ ہزار مسائل لکھے جن میں کم از کم دس ہزار فتاویٰ وہ ہیں جن پر حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی تصدیق وتصحیح ہے۔ میں گھسا پٹا نہیں بہت سوچ سمجھ کر جانچ تول کر مسئلہ لکھتا۔ مگر واہ رے مفتی اعظم! اگر ذرا بھی غلطی ہے یا لوچ ہے یا بے ربطی ہے یا تعبیر غیر مناسب ہے یا سوال کے ماحول کے مطابق جواب میں کمی بیشی ہے یا کہیں سے کوئی غلط فہمی کا ذرا بھی اندیشہ ہے تو فوراً اس پر تنبیہ فرماتے اور مناسب اصلاح۔ تنقید آسان ہے مگر اصلاح دشوار۔ مگر ستر سالہ حضور مفتی اعظم کا دماغ اور علم ایسا جوان تھا کہ تنقید کے بعد فوراً اصلاح فرماتے اور ایسی اصلاح کہ پھر قلم ٹوٹ کر رہ جاتا۔ بارہا ایسا ہوتا کہ حکم کی تائید میں کوئی عبارت نہ ملتی تو میں اپنی صواب دید سے حکم لکھ دیتا کبھی دور دراز کی عبارت سے تائید لاتا مگر مفتی اعظم ان کتابوں کی عبارتیں جو دار الافتا میں نہ تھیں زبانی لکھوا دیتے میں حیران رہ جاتا۔ یا اللہ کبھی کتاب کا مطالعہ کرتے نہیں یہ عبارتیں زبانی کیسے یاد ہیں۔''

(مقدمہ فتاویٰ مصطفویہ، ص

۲۹)

ان ساری شہادتوں سے بخوبی واضح ہوجاتا ہے کہ آپ مفتی اعظم عالم اور امام الفقہا وغیرہ القاب کے قابل ولائق تھے یہ خطابات آپ کو زیبا بھی ہیں۔ آج ہند و پاک میں بڑے بڑے مفتی صاحبان یا تو آپ کے شاگرد ہیں یا شاگردوں کے شاگرد ہیں۔ جب تک دار الافتا موجود ہیں آپ کا فیضان جاری وساری رہے گا۔

ہمارے واسطے وجہ سعادت امور تاجدار اہل سنت
خدارا براں بندہ بخشائش ست کہ خلق از وجود در آسائش ست

بعض لوگ شہر اور خاندان سے پہچانے جاتے ہیں مگر مفتی اعظم کے وجود سے شہر اور ملک پہچانا جاتا ہے آپ کی ذات نے ملک اور خاندان کی عزت میں چاند لگا دیے ہیں۔ ایسی ہستیاں صدیوں بعد جلوہ گر ہوتی ہیں۔

یوں تو سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کے ہر فتوے میں علم واستدلال کے چشمے ابل رہے ہیں، گل کھل رہے ہیں۔ آپ کا کوئی فتویٰ خواہ وہ مختصر ہو یا مفصل اس میں جامعیت ہے اور قول فیصل کا رنگ اس میں بطور اتم نظر آتا ہے۔ مگر بعض فتاویٰ سے اس قدر علمیت پھوٹ رہی ہے کہ دلائل وبراہین کی موجیں پورے جوش میں ہیں اور وہ رسالہ کی شکل اختیار کر چکے ہیں۔ اس قسم کے فتاویٰ نے اہل علم کو بھی آپ کی شخصیت سے بہت متاثر کیا ہے۔ ان میں سے ایک رسالہ مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے جو فتاویٰ مصطفویہ کے ضمیمہ میں شامل ہے اور رضا اکیڈمی ممبئی نے بڑے خوبصورت انداز میں اسے شائع کیا ہے۔

کفری اشعار پر اہم فتویٰ: جواب کا انداز ملاحظہ کیجیے : ''اے عزیز یہ کیا پوچھتا ہے کہ یہ اشعار کفر ہیں یا خلاف شرع۔

ارے برادر دینی یہ پوچھ کہ کیسے اخبث و اشنع کفریات ہیں جن میں شائبہ بھی ایمان کا نہیں۔ اور جو............ ان کے کفر ہونے اور ان کے قائل و قابل کے کافر ہونے میں شک کرے اس کا کیا حکم ہے؟ بل کہ درحقیقت بات تو پوچھنے کی یہ بھی نہیں کہ ہر مسلمان جانتا ہے کہ یہ قطعاً کفر ہیں۔ یقیناً کفر ہیں۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ...... ان کا قائل و قابل کافر اور جو اس کے کفر اور مستحق عذاب ہونے میں ادنیٰ شک کرے وہ بھی اس کا ساتھی۔ شفا و درمختار وغیرہما معتمدات میں ہے **من شک فی کفرہ و عذابہ فقد کفر۔** (درمختار مع ردالمحتار، جلد ۳، ص ۱۳۱، مطبوعہ کوئٹہ)

بعض جدت پسند دین و ایمان سے بے گانہ لوگ کفری کلمات و افعال پر علما اہل سنت جو حکم شرعی قرآن و سنت کے............ سے جاری کرتے ہیں جو ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ امت کی رہنمائی نہ کریں تو کل قیامت میں ان کی گرفت............ الزام تراشی کرتے ہیں ان کے خلاف نفرت پھیلاتے ہیں۔ ان کی ذات پر بے جا اعتراضات کرتے ہیں تا کہ اس...... قرآن اور رسول پاک علیہ السلام کے خلاف بکواس رکنے والوں کو کھلی چھوٹ مل جائے اور وہ معاذ اللہ دین............ و رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات کو بازیچۂ اطفال بنا دیں۔

مگر کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ کیے بغیر حق گو، حق نگر حق پرست علما نے حق کا ڈنکا ہر دور میں بجایا اور حق کا اجالا ہر طرف پھیلایا ہے اور ان گنت گستاخوں، بے ادبوں، سرکشوں...... کے منہ میں پتھر دے کر ان کی پوری پوری دہن دوزی سرکوبی کی ہے اور کبھی کسی کی پرواہ نہیں کی وہ رب کی رضا کے طالب اور رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کے طلب گار رہیں۔

انھیں کی افترا بازی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمہ والرضوان فرماتے ہیں

''ہاں تکفیر کرنے والے ان کے نزدیک خطا کار ہیں، قصوروار ہیں، مجرم ہیں، گنہ گار ہیں۔ ان کے خیال میں کفر کرنا، کفر بکنا، کچھ عیب نہیں ہے۔ کافر کہنا عیب ہے، جب تو کفر لکھنے والوں کے طرف دار ہیں اور تکفیر کرنے والوں سے برسرپیکار ہیں، کوئی کہتا ہے کہ صاحب ان کے یہاں تو کفر کی مشین ہے جس میں رات دن کفر کے فتوے ڈھلتے ہیں۔

اس کے بعد دلائل قاہرہ سے آپ نے کفری اشعاری کا حکم واضح فرمایا ہے۔ حق کو بالکل عیاں فرما دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب بھی کسی بدبخت شقی نے شان الوہیت یا شان رسالت میں گستاخی کی تو حقانی کوڑے سے اہل حق نے سرکشوں کی کمر توڑی ہے اور کیوں نہ ہو کہ ملت میں ایسے سرکشوں کے وجود سے فساد پیدا ہوتا ہے اور یہ افراد ضرر کا سبب ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے فاسد نظریات و افکار سے ہمیں محفوظ فرمائے اور خیر خواہ و بدخواہ میں امتیاز پیدا کرنے کی فکر و نظر عطا فرمائے۔ آمین

آگے سرکار مفتی اعظم فرماتے ہیں : ''تکفیر کی مشین کا غم پیکار، وہ تو جبھی تک جاری رہے گا جب تک کفر کی مشین جاری ہے۔ آج تم سب توبہ کرلو۔ اپنی اپنی کفر کی مشین توڑ ڈالو۔ علمائے کرام پھر تکفیر کی مشین نہ چلائیں گے۔ تمھارا دل نہ ہلائیں گے۔ یہ مکار عیار بھولے بھالے سیدھے سادے مسلمانوں کو یوں چھلتے اور فریب دیتے ہیں کہ اب یہ آج کل کے علما ایسے ہی ہوتے ہیں جو بات بات پر لوگوں کو کافر کہتے ہیں کفر کا باڑا بانٹتے ہیں۔ (ص ۶۰۵)

اس پر جو آیات لکھی ہیں ان میں سے یہ حصہ آیت بھی ہے: **لَاتَعْتَذِرُوْاقَدْكَفَرْتُمْ بَعْدَاِيْمَانِكُمْ۔** (سورۂ توبہ ۹/۶۶) بہانے

بناؤ بے شک تم کافر ہو چکے اپنے ایمان کے بعد۔

یہ اور دیگر آیات صبح قیامت تک کے لیے دستور کا درجہ رکھتی ہیں کہ اس دور کے نام کا کلمہ پڑھنے والوں نے عذر کیا تو ان کا بہانہ نہ سنا گیا۔ خدائی حکم آسمانی فرمان سے وہ کافر قرار دیے گئے۔ اب قیامت تک ایسے لوگوں کو جو کفر کرکے دل سے تائب نہ ہوں کافر کہنا انھیں کافر سے یاد کرنا خدائی سنت ہے۔ اور جو واقعی دل سے ایمان لایا انہوں نے حکم شرع کے حضور گردن خم کی ہے اور جو ایمان کی حقیقت سے واقف نہ ہوئے نہ ہونے کی کوشش کی وہ اپنا انجام دیکھ لیں۔

الغرض یہ فتویٰ مبارکہ واقعی بہت اہم ہے جس سے آپ نے اہل ایمان کے ایمان وعقیدے کی حفاظت کی نیز گستاخ دین ورسول کی صورت دن کے اجالے میں دکھادی ہے ؎

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

اور بقول اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

کلک رضا ہے خنجر خونخوار برق بار
اعدا سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں

حضور مفتی اعظم کی مبارک زندگی میں ایسے ایسے مثالی کارنامے کثرت سے ملتے ہیں جن کی وجہ سے آج عالم اسلام کے کروڑوں انسانوں یعنی اہل سنت کے وفاداروں کے دل میں آپ کی عقیدت واحترام کی شمع فروزاں ہے۔ مولیٰ تعالیٰ آپ کا فیض تمام اہل سنت وجماعت پر تادیر قائم ودائم رکھے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

☆☆☆☆☆

مفتی اعظم اور فتاویٰ مصطفویہ

مولانا مفتی شفیق احمد شریفی
پرنسپل دارالعلوم غریب نواز، الہ آباد

فقیہ اعظم عالم، مسند الوقت ولی ابن ولی، شیخ الاسلام والمسلمین، مرشدنا الکریم حضور مفتی اعظم مولانا شاہ محمد مصطفی رضا قادری نوری قدس سرہٗ العزیز کسی تعارف کے محتاج نہیں، آپ ایک طرف متبحر عالم معتبر و مستند فقیہ، ممتاز متکلم، مختلف علوم وفنون کے ماہر اور شعر وادب کے مزاج آشنا تھے تو دوسری طرف ریاضت وعبادت، مکاشفہ ومجاہدہ، تقویٰ و پرہیزگاری، زہد وورع اور اسرار باطنی کے بھی محرم تھے۔ ہر میدان میں ان کے خلوص وللہیت کی جلوہ گری نمایاں طور پر دکھائی دیتی ہے وہ اک ایسی شمع تھے جس کے گرد لاکھوں پروانے اکتساب نور کی خاطر اپنی زندگی کو داؤں پر چڑھا دیا کرتے ہیں۔

چھ ماہ کی عمر مبارک میں ہی مرشد کامل حضور سید المشائخ علامہ شاہ ابوالحسین نوری برکاتی مارہروی علیہ الرحمۃ بریلی شریف تشریف لائے تو اپنی آغوش مبارک میں لے کر دعاؤں سے نوازا اور منہ میں انگلی ڈال کر اپنا مرید فرما کر جمیع سلاسل کی خلافت سے سرفراز فرمایا۔

(ماہنامہ استقامت مفتی اعظم نمبر مئی ۱۹۸۳ء، ص ۱۱۱)

بیعت کرتے وقت مرشد کامل نے فرمایا! یہ بچہ دین وملت کی بڑی خدمت کرے گا اور مخلوق خدا کو اس کی ذات سے بہت فیض پہونچے گا یہ بچہ ولی ہے اس کی نگاہوں سے لاکھوں گمراہ انسان دین حق پر قائم ہوں گے۔ یہ فیض کا دریا بہائے گا

(رفاقت پٹنہ، ۱۵/دسمبر ۱۹۸۱ء، ص ۱۳)

مجدد اعظم، محدث بریلوی سیدنا امام احمد رضا نے بھی اپنے خلف اصغر کو جمیع اوراد واشغال، اوفاق واعمال اور جمیع سلاسل طریقت و شریعت میں مجاز وماذون بنایا۔

فتویٰ نویسی : حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ نے جس ماحول میں پرورش پائی وہ علم وفضل میں یکتائے روزگار تھا۔ عالم اسلام کی مایہ ناز عبقری شخصیت امام احمد رضا محدث بریلوی کا آپ کی تعلیم وتربیت فرمانا ہی عظمت مقام کی روشن دلیل ہے۔ تاہم مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کے خمیر وضمیر اور فطرت وسرشت میں تفقہ فی الدین کا ملکہ ودیعت کیا گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اٹھارہ برس کی عمر میں ۱۳۲۸ھ اور ۱۹۱۰ء میں آپ نے قلم برداشتہ پہلا فتویٰ تحریر فرمایا۔ اس کا واقعہ یوں ہے کہ دارالافتا بریلی میں امام احمد رضا قدس سرہٗ کی زیر نگرانی ملک العلما مولانا ظفر الدین بہاری اور مولانا سید عبدالرشید کام کرتے تھے۔ ایک روز اتفاقاً حضرت مفتی اعظم وہاں تشریف لائے دیکھا کہ مولانا ظفر الدین کسی مسئلہ کی وضاحت کے لیے فتاویٰ رضویہ قلمی المباری سے نکال رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا مولانا کیا آپ فتاویٰ رضویہ دیکھ کر جواب لکھتے ہیں۔ اس پر ملک العلمانے فرمایا اچھا آپ بغیر دیکھے جواب لکھ دیں تو جانیں! مفتی اعظم نے قلم برداشتہ استفتا کا جواب تحریر فرمایا۔ یہ رضاعت کا

مسئلہ تھا۔فتویٰ اصلاح کے لیے امام احمد رضا کی خدمت میں پیش ہوا۔آپ نے صحت جواب پر مسرت واطمینان کا اظہار فرمایا اور ''**صح الجواب بعون الملک الوھاب**'' لکھ کر دستخط ثبت فرمایا ہی نہیں بل کہ بطور انعام ''ابوالبرکات محی الدین جیلانی آل الرحمن محمد عرف مصطفی رضا'' کی مہر بنوا کر عطا کی۔آپ نے اپنے والد ماجد امام احمد رضا قدس سرہٗ کی حیات ظاہری میں ۱۳۲۸ھ سے ۱۳۴۰ھ تک فتاوی لکھے۔ والد ماجد کے وصال کے بعد ۱۳۹۵ھ تک مسلسل فتوی نویسی فرمائی۔بعد ازاں بوجہ ضعف وعلالت فتوی نویسی کا کام نہ ہو سکا۔تاہم مفتیان دین کی علمی مشکلات کو زبانی حل فرماتے رہے۔اس طرح ستر برس کے طویل عرصے تک بلا معاوضہ فتویٰ نویسی فرمائی۔آپ کے پاس برصغیر ہندو پاک اور بنگلہ دیش کے علاوہ ممالک افریقہ،امریکا،لنکا،ملیشیا،شرق اوسط اور یورپ تک کے علما فتویٰ کے لیے رجوع فرماتے تھے۔
(محدث اعظم پاکستان،جلد ا،ص ۶۹)

مفتی اعظم کے تعلق سے شارح بخاری کے تاثرات :

شارح بخاری استاذنا الکریم علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

''حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بذات خود علم کے بحر ذخار تھے اور اپنے عہد میں تمام علما سے اعلم، افقہ و اورع تھے۔میں نے گیارہ سال تک حضرت کی خدمت کی ہے۔سفر وحضر، جلوت وخلوت میں حاضر رہا ہوں۔ہزاروں مسائل حضرت کو سنائے ہیں اور حضرت مفتی اعظم کا فیض وکرم ہے کہ میں آج اس جگہ بیٹھا ہوں۔اس لیے جو کچھ کہہ رہا ہوں انتہائی وثوق اور اپنے تجربہ کی روشنی میں کہہ رہا ہوں جو شخص یہ کہے اور وہ بھی آج کہ میں مفتی اعظم سے افضل ہوں وہ جھوٹا کذاب ہے۔(رجسٹر فتاوی شریفہ ص ۱۳۵،نمبر ۱۷۵۳،بحوالہ معارف شارح بخاری)

مفتی اعظم اور فتاویٰ مصطفویہ :

آپ علوم وفنون کے بحر زخار تھے۔تفسیر، حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، منطق، فلسفہ، معانی، بیان، بدیع، نحو صرف وغیرہ علوم مروجہ کے علاوہ بہت سے غیر مروجہ علوم مثلاً علم توقیت، تکسیر، جفر وغیرہ پر بھی آپ کو دسترس تھی۔اس کے شواہد آپ کی تصنیفات و تالیفات ہیں۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے پناہ قلمی قوت سے نوازا تھا۔آپ کی تحریروں اور فتاویٰ میں آپ کے والد ماجد مجدد اعظم امام احمد رضا قدس سرہٗ کے اسلوب کی جھلک اور ژرف نگاہی نظر آتی ہے۔تحقیق کا کمال بھی نظر آتا ہے اور تدقیق کا جمال بھی۔فقہی جزئیات پر عبور کا جلوہ بھی نظر آتا ہے اور علامہ شامی کے تفقہ کا انداز بھی۔امام غزالی کی نکتہ سنجی،امام رازی کی دقت نظر،امام سیوطی کے وسعت مطالعہ کی جلوہ گری بھی ہوتی ہے آپ نے اپنی گوناگوں مصروفیات اور ہمہ جہت مشاغل کے باوجود مختلف موضوعات پر تصنیفات وتالیفات کا ایک گرانقدر ذخیرہ چھوڑا۔بعض کے اسمایہ ہیں:

(۱) فتاویٰ مصطفویہ کامل ۳ جلدیں (۲) وقعات السنان (۳) ادخال السنان (۴) الموت الاحمر، ہشتاد بید و بند بر مکاری دیوبند (۵) الملفوظ کامل (۶) الطاری الداری لہفوات عبد الباری (۷) القول العجیب فی جواز التثویب (۸) سامان بخشش (۹) تنویر الحجہ بالتواء الحجۃ (۱۰) طرق الہدی والارشاد (۱۱) وقایۃ اہل السنۃ وغیرہ

فتاویٰ مصطفویہ : ارشاد وتبلیغ کے اگر آپ روحانی قائد تھے تو شریعت کے احکام واضح فرمانے میں بے بدل فقیہ، بے نظیر مفتی اور یہ وصف اتنا غالب کہ مشائخ عصر وعلماے زمانہ نے ''مفتی اعظم'' کے لقب سے ملقب فرمایا اور اس کو شہرت دوام حاصل ہے۔آپ علم و

حکمت اور فقاہت وبصیرت کے مظہر اتم تھے۔ بآں جلالت شان آپ کے فتاویٰ آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ واقوال صحابہ وتابعین وائمہ مجتہدین سے مبرہن ومدلل ہوتے تھے۔ جا بجا فقہ کی کتب معتبرہ ومستندہ کی تصریحات سے مسائل شرعیہ محقق ومنقح ہوتے تھے۔ سائل ومستفتی کے معیار اور اس کے انداز بیان وتحریر کے مطابق ہر فتویٰ اور ہر جواب میں بالغ نظری کے جلوے نظر آتے ہیں۔ فتاویٰ دیتے وقت مصالح شریعت کو مدنظر رکھتے ہیں کہیں محاکمہ فرماتے ہیں۔ کہیں احادیث واقوال میں توفیق وتطبیق دیتے ہیں۔ کہیں کسی سوال مقدر کا جواب دیتے ہیں۔ کہیں ہدایت وتنبیہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ب آں محاسن وکمالات ہر ہر سطر اور ہر ہر تحریر میں رسم الافتا والمفتی کے طرق وآداب کی مکمل رعایت ہوتی ہے۔ آپ کی ذات عوام وخواص سب کے لیے مرجع تھی ایسا عظیم مفتی فقیہ ہونا جو سب کو مسلم ہو آسان نہیں۔

فقاہت کا معنی بیان کرتے ہوئے امام اہل سنت فرماتے ہیں۔ فقہ یہ نہیں کہ کسی جزئیہ کے متعلق کتاب سے عبارت نکال کر اس کا لفظی ترجمہ سمجھ لیا جائے۔ یوں تو ہر اعرابی ہر بدوی فقیہ ہوتا کہ ان کی مادری زبان عربی ہے۔ بل کہ فقہ بعد ملاحظۂ اصول مقررہ وضوابط محررہ ووجوہ تکلم وطرق تفاہم وتنقیح مناط ولحاظ انضباط ومواضع یسر واحتیاط وتجنب تفریط وافراط وفرق روایات ظاہرہ ونادرہ وتمیز درایات غامضہ وظاہرہ ومنطوق ومفہوم، صریح ومحتمل وقول بعض وجمہور ومرسل ومعلل ووزن الفاظ مفتین وسبر مراتب ناقلین وعرف عام وخاص وعادات بلاد واشخاص وحال زمان ومکان واحوال رعایا وسلطان وحفظ مصالح دین ودفع مفاسد مفسدین وعلوم وجوہ تجریح واسباب ترجیح ومناہج توفیق ومدارک تطبیق ومسالک تخصیص ومناسک تقلید ومشارع قیود وشواعر مقصود وجمع کلام ونقد مرام وفہم مراد کا نام ہے۔

(ماہنامہ اشرفیہ صدر الشریعہ نمبر بحوالہ ص ۱۴، ابانۃ التواری فی مصالحۃ عبد الباری)

ہم جب اس کی روشنی میں فتاویٰ مصطفویہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو مفتی اعظم قدس سرہٗ کا قلم ان امور میں اکمل واتم نظر آتا ہے۔

روش اعتدال : جوگیان ڈاکخانہ ایجنٹ نگر مسلمانان قصبہ مذکورہ نے ۱۱؍ جمادی الثانی ۱۳۵۲ھ میں ایک سوال بھیجا کہ خاندان مداریہ کے سلسلے جاری ہیں یا سوخت ہیں۔ آپ نے جواب میں تحریر فرمایا:

> بے کار سوال کیے جاتے ہیں۔ نماز روزہ ضروری مسائل تو پوچھے نہیں جاتے۔ یہ بیکار باتیں دریافت کی جاتی ہیں اور پھر ایک بار نہیں۔ واللہ اعلم کتنی بار یہ سوال آیا ہے۔ لوگ برابر اس سلسلہ میں بیعت کرتے، مرید ہوتے ہیں۔ انھیں یہ ثابت نہیں کہ یہ سلسلہ سوخت ہو چکا ہے جن بزرگوں کو اس کی اطلاع ہے انھوں نے ایسا تحریر فرمایا ہے۔ اس میں اِس درجہ جاہلوں کو پڑنا کہ ایک دوسرے کا دشمن ہو جائے۔ تکفیر وتفسیق تک نوبت پہونچ جائے۔ ہرگز جائز نہیں۔ جو مداری سلسلہ میں ہوتے ہیں ان سے تعرض نہ کریں۔ کہ اس بے کار بحث کا نتیجہ سوا فساد اور کچھ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم'' (فتاویٰ مصطفویہ، ص ۴۵۲)

آپ اس جواب کو بغور پڑھیں کہ کس طرح آپ سنیوں کو افتراق وانتشار سے بچنے کی تلقین فرما رہے ہیں اور اسباب افتراق سے کس طرح بیزاری کا اظہار فرماتے نظر آتے ہیں۔ اور اہل سنت کو اتحاد واتفاق کا درس دیتے نظر آتے ہیں۔

مسئلۂ قوالی : قوالی مع مزامیر سننا جائز ہے یا ناجائز یہ مسئلہ بھی مختلف فیہ ہے۔ بعض خانقاہوں میں اس پر سختی سے عمل ہوتا ہے اور نہ صرف جواز بل کہ اس کے استحسان کا بھی حکم دیتے ہیں۔ عام طور پر عدم جواز کے قائلین ان کو فاسق کہتے ہیں مگر سیدی سرکار مفتی اعظم نے پہلے تو اس مسئلہ دائرہ کے شرعی حکم پر روشنی ڈالی۔ پھر فرماتے ہیں'' قوالی مع مزامیر ہمارے نزدیک ضرور حرام وناجائز وگناہ ہے اور سجدۂ تعظیمی بھی ایسا ہی ان دونوں مسئلوں میں بعض صاحبوں نے اختلاف کیا ہے، اگر چہ وہ لائق التفات نہیں مگر اس نے ان مبتلاؤں کو حکم فسق

سے بچا دیا ہے جو ان مخالفین کے قول پر اعتماد کرتے اور جائز سمجھ کر مرتکب ہوتے ہیں۔ اگر چہ شرعاً ان پر اب بھی دہرا الزام ہے ایک ارتکاب جرم کا دوسرا اسے جائز سمجھنے خلاف قول صحیح جمہور چلنے کا واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ مصطفویہ، ص ۴۵۶)

آپ ملاحظہ کریں۔ اگر آج علما و مشائخ عوام وخواص کا طرز عمل اس فتوے کی روشنی میں ہو تو اہل سنت میں کس قدر وداد و محبت اور اتفاق واتحاد پیدا ہوگا۔

فتاویٰ رضویہ کی تشریح وتوضیح کا کام بھی فتاویٰ مصطفویہ نے کیا :

امام اہل سنت نے فتاویٰ رضویہ جلد سوم میں دیہات میں نماز جمعہ قائم کرنے کو ناجائز فرمایا ہے اور دلائل وبراہین سے ثابت فرمایا کہ ظاہر الروایت اور مفتی بہ قول ہے مگر یہ بھی لکھا ہے کہ اگر لوگ پڑھنے آتے ہوں تو انھیں منع نہ کیا جائے یہی فقیر کا طرز عمل ہے۔ کہ وہ لوگ جس طرح بھی خدا کا نام لے لیں، غنیمت ہے حضور مفتی اعظم سے مسئلہ دائرہ کے تعلق سے سوال ہوا جس کا آپ نے تفصیلی جواب عنایت فرمایا آپ فرماتے ہیں:

الجواب: اشتہار میں جو احکام اعلیٰ حضرت کے فتاوے سے چھاپے ہیں وہ بر بنائے مذہب حنفی ہیں۔ دوسرے فتوے میں جو تحریر ہے، وہ بھی اس اشتہار میں ہے۔ وہ بھی اعلیٰ حضرت کا ارشاد ہے۔ جہاں عوام پڑھنے آتے ہیں وہاں انھیں اس سے روکنے میں فتنے کا اندیشہ ہو تو نہ روکا جائے۔ صرف ظہر کے فرض پڑھنے کی تاکید کی جائے اور اگر ایسے لوگ سمجھ دار ہوں کہ وہ مذہب کا حکم سمجھ کر گردن رکھ دیں اور کسی قسم کا فتنہ نہ ہو تو انھیں وہاں اقامت جمعہ سے روکا جائے کہ جہاں فرض نہیں وہاں پڑھنا خلاف مذہب ہے جو فرض نہیں اسے فرض سمجھنا، خلاف مذہب ہے۔ جو فرض ہے ظہر اس کا ترک اور جہاں ظہر فرض ہے، وہاں جمعہ سے اس کا ذمہ سے اتر جانا سمجھنا، خلاف مذہب ہے۔ ذکر تو ہے مگر مذہب حنفی کے خلاف اس کی اقامت ہے۔ اس کی اقامت سے وہاں فرض ظہر کی اضاعت ہے۔ تو ذکر ہونا اور بعض ائمہ کے طور پر صحیح ہونا اور بات ہے اور اس کا اس جگہ جہاں ظہر فرض ہے، بے جا نہ ہونا اور بات ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ سے وہ فتاوے سب بحمدہ بجا و درست ہیں، اس لیے تصدیق کی گئی۔ دوسرا فتویٰ اعلیٰ حضرت کے ان فتاویٰ سے ہرگز معارض نہیں۔ دوسرے فتویٰ میں جو یہ تحریر ہے کہ جہاں ہمارے مذہب میں جمعہ نہیں اور عوم پڑھتے ہوں تو ان لوگوں کو منع نہ کیا جائے الخ وہ بھی اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا ارشاد ہے۔ وہ اوپر کے احکام کے معارض نہیں۔ جہاں فتنہ عوام کا اندیشہ صحیح ہو، وہاں منع نہ کیا جائے۔ فرض ظہر بھی پڑھنے کی تاکید کی جائے۔ دیہات میں جمعہ پڑھنا مذہب حنفی میں ہرگز جائز نہیں۔ مگر عوام پڑھتے ہیں اور منع کرنے سے باز نہ آئیں گے۔ فتنہ برپا کریں گے تو ان کو اتنا ہی کہنا ہوگا کہ بھائیو ظہر کے چار رکعت بھی پڑھو کہ تم پر ظہر ہی فرض ہے۔ جمعہ پڑھنے سے تمھارے ذمہ وہ ظہر ساقط نہ ہوئی۔ وہ فرض ظہر بھی جماعت ہی سے پڑھنے کو کہا جائے کہ بے عذر ترک جماعت گناہ ہے۔ (فتاویٰ مصطفویہ، ص ۲۳۱)

آپ نے امام اہل سنت کے دونوں ارشادات وفتاوے میں کتنی عمدہ تطبیق پیش فرمائی کہ تمام شبہات بھی زائل ہو گئے۔ فللہ الحمد۔

تداوی بالحرام : حدیث شریف میں ہے حرام میں شفا نہیں۔ اس کے اصل مذہب یہی ہے کہ حرام اشیا مثلاً خنزیر کی ہڈی یا چربی یا شراب یا مادۂ خر کا دودھ یا کتے کے لعاب کے مرہم کا استعمال بطور دوا بھی ناجائز ہے مگر حضور مفتی اعظم نے اس اصل مذہب کو بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا کہ'' ہاں اگر طبیب حاذق مسلم غیر فاسق کہے کہ اس کے مرض کی اب یہی دوا ہے۔ یہی پچھلا علاج ہے تو اس وقت اس کے حق میں وہ حرام نہ ہوگا یعنی بقدر ضرورت اور اس وقت اس سے شفا کی امید بھی ہوگی۔ پھر آپ نے مزید دلائل سے اس حکم کو منقح فرمایا۔ دیکھیے فتاویٰ مصطفویہ ص ۵۱۱۔

☆☆☆☆☆

حضور مفتی اعظم اور فتاویٰ مصطفویہ

مولانا مفتی آل مصطفی مصباحی
خادم تدریس و افتا، جامعہ امجدیہ رضویہ، گھوسی

تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم علامہ شاہ محمد مصطفی رضا قادری برکاتی علیہ الرحمۃ والرضوان کو آج بھی خواص وعوام مفتی اعظم کے لقب سے ہی یاد کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسا عظیم لقب ہے جس کے مصداق کی تلاش آسان ہے اور نہ ہی اس پر اتفاق سہل ہے۔ پھر یہ اس دور و عصر کی بات ہے جب کہ بزم شریعت و طریقت کی رونق بننے والے اجلہ علماے کرام و مفتیانِ عظام موجود تھے۔ مگر متفقہ طور پر علامہ محمد مصطفی رضا قادری علیہ الرحمہ کو ''مفتی اعظم'' کے لقب سے ملقب کیا جانا غیر معمولی بات ہے۔ اس سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ ''مفتی اعظم''، مسلم الثبوت مفتی تھے۔ جن کی علمی جلالت اور فقہی مہارت کا اعتراف ان کے معاصر جید علما نے کیا ہے۔ اور ان کے ''عالم مطاع'' ہونے کی صراحت فرمائی ہے۔ جس سے یہ بات بھی بخوبی ظاہر ہوتی ہے کہ علما و فقہا کی نظر میں آپ کو جو وقار و عظمت حاصل تھی، اس میں آپ کی نسبی خوبیوں سے زیادہ کسبی خوبیوں کا دخل ہے۔ کیوں کہ آپ بلاشبہہ آپ ایک عظیم علمی و فکری گھرانے کے فرد تھے۔ مجدد اعظم امام احمد رضا کے ولد اعز تھے۔ لیکن نظر علما میں فقہ و افتا کے حوالے سے غیر معمولی عظمت آپ کی علمی جلالت اور فقہی مہارت کا بحسن و خوبی پتہ دیتی ہے۔ آپ ایسے خاندان کے روشن چراغ تھے، جس خاندان نے ڈیڑھ سو سال سے زائد فقہ و فتاویٰ کی خدمت انجام دی ہیں۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے جد امجد علامہ مفتی رضا علی خاں بریلوی (متوفی ۱۲۸۲ھ) اور والد گرامی علامہ نقی علی خاں علیہما الرحمۃ (متوفی ۱۲۹۷ھ) اپنے دور کے عظیم مفتیوں میں شمار ہوتے تھے۔ اور جب اعلیٰ حضرت کا دور آیا۔ تو انھوں نے فقہ و افتا میں ایسی عظمت شان پیدا کی کہ علماے عرب و عجم کی گردنیں ان کی فقہی بلندیوں کے سامنے جھک گئیں۔ ایک عربی عالم و فقیہ نے تو یہاں تک کہا ہیواللّٰہ **اقول والحق اقول لو رآها ابو حنيفة النعمان لاقرت عينه ولجعل مؤلفها من جملة الاصحاب۔** (الاجازات المتینۃ لعلماء بکۃ والمدینۃ ص ۲۲ رضا اکیڈمی، ممبئی) (ترجمہ) آپ امام اعظم کے زمانہ میں ہوتے تو امام اعظم بالیقین آپ کو اپنے اصحاب میں داخل فرمالیتے۔

اسی بارگاہ علم و تفقہ کے پروردہ مرجع علما و سند فقہا مفتی اعظم شاہ مصطفی رضا قادری علیہ الرحمۃ تھے۔ آپ نے عالم شباب ہی میں افتا نویسی میں وہ مہارت و رسوخ و تبحر حاصل کرلیا تھا، جو عمر طویل کی کارگزاریوں کی آخری منزل کہی جاتی ہیں۔ جب کہ علوم و فنون میں ''علم الفتویٰ'' سب سے مشکل فن ہے۔ یہ بتانا کہ یہ حکم شرع ہے آسان نہیں۔

علامہ ابن عابدین شامی تحریر فرماتے ہیں ''**الافتاء افادة الحكم الشرعی** (ردالمحتار ج۔ ۴ ص ۳۳۶)

علامہ جرجانی اپنی کتاب التعریفات میں رقم طراز ہیں **الافتاء بيان حكم المسئلة۔** (ص ۳۴ مکتبہ فقیہ الامۃ دیوبند) ''افتا'' حکم شرعی بتانے کا نام ہے۔ اور جو بے علم فتویٰ دے اس پر حدیث شریف میں فرشتوں کی لعنت کا ذکر ہے۔ فرمایا گیا۔ **من أفتى بغير علم**

لعنته ملائكة السموات والارض (کنز العمال، حدیث ۲۹۰۱۸ بیت الافکار الدولیہ، الریاض) ''جو بے علم فتویٰ دے، اس پر آسمانوں اور زمین کے فرشتوں کی لعنت ہوتی ہے۔

بعض لوگ درسی کتابیں پڑھ پڑھا کر اپنے کو ''مفتی'' کے منصب کا حامل سمجھتے ہیں۔ یہ خیال غلط ہے۔ امام احمد رضا فرماتے ہیں: ' آج کل درسی کتابیں پڑھنے سے، پڑھانے سے، آدمی فقہ کے دروازے میں بھی داخل نہیں ہوتا۔' (فتاویٰ رضویہ چہارم ص ۵۶۵) کچھ لوگ فقہی کتابوں کا مطالعہ کر کے اپنے کو ''مفتی'' کہلانے لگتے ہیں۔ یہ بھی غلط ہے۔ اور اگر گہرائی سے جائزہ لیں تو آج غلط فتاوے صادر کرنے کی بنیادی وجہ یہی ہے۔ فقہ وافتا کے لیے مفتی ماہر کی بارگاہ میں مدتوں مشق وتمرین کی ضرورت ہے۔ امام احمد رضا فرماتے ہیں: ''علم الفتویٰ پڑھنے سے نہیں آتا، جب تک مدتہا طبیب حاذق کا مطب نہ کیا ہو۔'' (فتاویٰ رضویہ نہم ص ۲۳۱)

مفتی اعظم نے اپنے زمانے کے سب سے بڑے طبیب حاذق امام الفقہا والمفتین اپنے والد گرامی قدس سرہٗ سے افتا کا فن سیکھا۔ اور کمال و درک حاصل کیا، یہی وجہ ہے کہ جب سب سے پہلا فتویٰ ''مسئلہ رضاعت'' پر آپ نے تحریر فرمایا تو آپ کے والد گرامی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے نہ ایک لفظ کاٹا نہ حذف واضافہ کیا۔ بل کہ جوں کا توں باقی رکھا۔ شارح بخاری علامہ مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ، حضور مفتی اعظم سے بہت قریب رہنے والوں میں تھے۔ ان کا بیان ہے: ''حضرت مفتی اعظم نے پہلا فتویٰ ۱۹۱۰ء میں لکھا، جب کہ عمر مبارک صرف اٹھارہ سال کی تھی۔ یہ فتویٰ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی خدمت میں پیش ہوا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے اس میں بغیر کسی ترمیم وتبدیل کے ان الفاظ میں اس کی تصحیح فرمائی ''صح الجواب بعون الملک الوہاب'' خوش ہو کر انعام عطا فرمایا، اور مہر بنوا کر عنایت فرمائی'' (تاجدار اہل سنت ص ۲۸، رضا اکیڈمی ممبئی)

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے جب صدر الشریعہ مفتی امجد علی قادری علیہ الرحمہ کو پورے ملک کا قاضی بنایا، تو دار القضا کے مفتی کی حیثیت سے مفتی اعظم و برہان ملت مفتی برہان الحق جبل پوری علیہما الرحمۃ کو منتخب فرمایا۔ (تاجدار اہل سنت، ص ۲۰ بروایت برہان ملت)

اب آیئے ذیل میں فقہ وافتا میں حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے رسوخ وتبحر کے چند شواہد عنوان کے مطابق ان کے مجموعہ فتاویٰ ''فتاویٰ مصطفویہ'' سے ہم نقل کرتے ہیں، تا کہ میرے مذکورہ دعوے پر دلائل وشواہد کی مہریں ثبت ہو جائیں۔

منکر علم غیب کا حکم :

استفتا کا اصل مقصد ''حکم شرعی'' معلوم کرنا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فتویٰ میں پہلے حکم شرعی بیان کیا جاتا ہے۔ پھر دلائل اور رد و ابطال کا مرحلہ آتا ہے۔ حضور مفتی اعظم نے اصول افتا کو مدنظر رکھتے ہوئے حضور اقدس عالم ما کان وما یکون صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب کا مطلقاً انکار کرنے والے پر حکم شرعی کا بیان ان الفاظ میں فرمایا:

> ''زید بے قید پر از مکر وکید بدترین وہابی لعین ہے، اس کا حضور پرنور شافع یوم النشور ایمانِ جان، جانِ ایمان، عالم ما کان وما یکون سرور عالم وعالمیان صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب سے مطلق انکار کفر مبین ہے۔ قرآن عظیم کی آیات باہرہ کثیرہ سے انکار ہے۔'' (فتاویٰ مصطفویہ، جلد اول ص ۱)

آپ نے قرآن عظیم کی آٹھ آیتیں ذکر فرمائیں، جن میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کا علم عطا فرمانے کا ذکر ہے، اور زید منکر کے عقیدے سے جن آیتوں کا انکار لازم آتا ہے، پھر فتویٰ میں بخاری شریف، مسلم شریف، مشکوٰۃ شریف، اور زرقانی علی المواہب وغیرہ سے دس حدیثیں نقل کی گئی ہیں، جن سے واضح طور پر رسول علیہ السلام کے لیے علم غیب کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ بیان حکم میں محکوم علیہ معین ومتشخص کو قرار نہیں دیا گیا ہے۔ بل کہ ''زید بے قید'' کو اس کی ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ حکم میں ''لعین'' کا لفظ بھی ہے اور ''لعن شخص'' جائز نہیں۔ جب تک کہ متعلقہ شخص کا کفر پر مرنا قطعیت سے معلوم نہ ہو۔

فتویٰ میں مذکور قرآنی آیات واحادیث کا خلاصہ بڑے دل نشیں انداز میں بیان فرمایا گیا ہے۔ فرماتے ہیں:

اللہ عزوجل بار بار ارشاد فرمائے ہم نے رسول کو غیب کی خبریں دیں۔ ہم نے رسول مجتبیٰ کو غیب پر مطلع فرمایا۔ رسول مرتضیٰ کو غیب پر مسلط کر دیا اور رسول کو سکھا دیا جو کچھ وہ نہ جانتے تھے۔ اور ان پر اللہ کا فضل عظیم ہے۔ ہم نے رسول پر وہ کتاب اتاری جو ہر شی کا روشن بیان ہے۔ ہمارا رسول ہر شی کا علیم ہے۔ ہمارا رسول مابین ایدیہم (ابتدائے آفرینش) اور ماخلفہم (روز آخر تک) جانتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بارہا اعلان فرمائیں۔ میں اپنی کف دست مبارک کی طرح دنیا و مافیہا تا روز قیامت سب کو دیکھ رہا ہوں۔ میں جو کچھ آسمانوں زمینوں میں ہے سب کو جانتا ہوں۔ میں ہر شی کو پہچانتا ہوں۔ ہر شی مجھ پر روشن ہوگئی ہے۔ کوئی چیز جو میری دیکھی نہ تھی وہ ایسی باقی نہ رہی جو میں نے اس مقام میں دیکھ نہ لی۔ جو کچھ مشرق ومغرب میں ہے سب کو میں نے جان لیا۔ مگر بے ایمان وہابی نہ رسول کے فرمانے پر یقین لاتا ہے نہ خدا کے ارشاد پر ایمان۔ وہ کافر دونوں سے کفر کرتا ہے اور بکے جاتا ہے کہ رسول غیب کو نہیں جانتے تھے اور بے ایمانی اور دھوکے اور فریب سے ان نصوص کو اپنی برہان بناتا ہے جن میں علم ذاتی مراد ہے۔'' (فتاویٰ مصطفویہ، جلد اول ص ۲ تا ۳)

منکر علم غیب پر جس عالمانہ وفقیہانہ انداز میں حضور مفتی اعظم گرجے اور برسے ہیں۔ اور مذکورہ حکم شرعی کو منافقین پر دیے گئے قرآنی فتویٰ کفر سے جس طریقے پر انھوں نے ملایا ہے۔ وہ بڑا چشم کشا ہے۔ فرماتے ہیں:

''اس سے کہو کہ بے ایمان عبارت میں ''الغیب'' سے مراد علم ذاتی ہے۔ اور یہ تیری سمجھ میں نہیں آتا۔ تو اسے بھی مطلقاً علم غیب کا انکار سمجھتا ہے۔ تو، تو بحر پر ایمان رکھتا ہے مگر رسول کے فرمان اور اللہ عزوجل کے قرآن کا منکر ہے۔ اللہ و رسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد وفرمان کے آگے بحر کی عبارت پیش کرنا اس کے بھروسہ رسول کے علم سے مطلقاً انکار کرنا یہ تیرے ہی جیسے بے حیا بے ایمان کا ملعون کام ہے۔ اے لعین تو ان ملعون منافقوں کی طرح قرآنی فتوے سے کافر ہے جنھوں نے بکا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں فلاں کا ناقہ فلاں وادی میں ہے اور انھیں غیب کی کیا خبر؟ وہ غیب کیا جانیں اور پھر منکر ہوگئے اور جھوٹے بہانے بنانے لگے جس پر قرآن عظیم کا وہ قہری فتویٰ نازل ہوا اور جتا دیا گیا۔ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَ نَلْعَبُ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَ اٰيٰتِهٖ وَ رَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ۔ (سورۂ توبہ ۹/ ۶۵)

منافقوں نے بھی تو یہی بکا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم غیب نہیں جانتے۔ وہ غیب کیا جانیں انھیں غیب کی کیا خبر؟ اسی پر تو قرآن عظیم نے فرمایا کہ تم اللہ اور رسول کے ساتھ ٹھٹھا کرتے ہو۔ اسی پر تو واحد قہار نے ان کے جھوٹے حیلے بہانوں کو کہ ہم تو یونہیں ہنس بول رہے تھے۔ فرمایا کہ جھوٹے بہانے نہ بناؤ بے شک تم کافر ہو چکے بعد (اظہار) ایمان کے۔''

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب کے تعلق سے دیوبندیوں، وہابیوں کا عقیدہ تقویۃ الایمان، فتاویٰ رشیدیہ، براہین

قاطعہ اور مسئلہ علم غیب وغیرہ سے مکمل حوالوں کی روشنی میں واشگاف فرما کر منکرین کا ردوابطال اس انداز میں فرماتے ہیں کہ اگر منکر متعنت نہ ہو تو امید ہے کہ پڑھ کر توبہ کی راہ اپنائے۔ مفتی اعظم رقم طراز ہیں:

''اللہ اللہ، اللہ عزوجل اپنے حبیب ومحبوب، طالب ومطلوب، دانائے غیوب کو علم غیب عطا فرمائے، اور اپنی کتاب مجید میں اس عطا کا اعلان فرمادے اور جو ملعون یہ بکے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) غیب کیا جانیں اس کے کفر کا وہ قہری فتویٰ دے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بار بار برملا مجالس خطبات میں اپنے رب کی اس عظیم نعمت کا اظہار فرمائیں اور طاعنین کا رد علی رؤس الاشہاد ارشاد فرمائیں۔ حدیث میں ہے **قام علی المنبر فحمد اللّٰہ و اثنی علیه ثم قال ما بال اقوام طعنوا فی علمی لا تسئلونی من شیئ فیما بینکم و بین الساعة الا نبأتکم به۔** (تفسیر خازن، سورۂ آل عمران، ص ۳۲۴ زیر آیت ۱۷۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام من ربہ العزیز الودود الغفور نے منبر مقدس پر قیام فرمایا۔ اللہ عزوجل کی حمد وثنا بیان فرمائی، فرمایا: کیا حال ہے ان اقوام کا جو میرے علم شریف میں طعن کرتی ہیں؟ تم مجھ سے نہ پوچھو گے کسی شی کو جو تمھارے اور قیامت کے درمیان ہے مگر یہ کہ میں تمھیں اس سے خبردار فرمادوں گا۔ مگر وہابی مردود، منافق مطرود کی طرح یہی بکے جائے کہ انھیں غیب کی کیا خبر؟ وہ علم غیب کیا جانیں؟ رسول غیب نہیں جانتے تھے۔ **قاتلهم اللّٰہ انّٰی یوفکون**''

(فتاویٰ مصطفویہ، جلد اول، ص

(۴

استفتا میں بحر الرائق کی جو عبارت انکار علم غیب کے لیے پیش کی گئی ہے۔ اس کا جواب تو اولاً خود دیوبندیوں کے پیشوا مولوی اشرف علی تھانوی کی کتاب بسط البنان میں مذکور ضابطے کی روشنی میں دیا گیا ہے کہ تعارض کے لیے متعارضین کا قوت میں مساوی و برابر ہونا لازمی ہے اور راجح کے بالمقابل مرجوح ساقط ومتروک ہوتا ہے۔ اور مرجوح میں تاویل کرنا مناسب اور تقاضائے ادب کے مطابق ہے۔ یہی اصول عبارت بحر الرائق۔ **لو تزوج بشهادة اللّٰہ و رسوله** الخ میں دیابنہ کیوں نہیں اپناتے۔ حضور مفتی اعظم کا رد بلیغ ان ہی کے الفاظ میں ملاحظہ ہو:

''جب طائفہ کے استاد جی کو بھی یہ مسلم ہے کہ ایسی جگہ تاویل مناسب کرنی چاہیے تو لازم تھا کہ بحر وغیرہ علما کی ایسی عبارت میں یہ سمجھتا کہ ان کی مراد علم ذاتی ہے نہ کہ اس عبارت کو قرآن وحدیث کے رد کے لیے لے دوڑا۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ کیا یہ علمائے دین کے ائمہ جن کی وسعت نظر ہم جیسوں کے حسابوں سے بے انتہا، جس کی حد تک ہمارا مرغ وہم پرواز نہ کر سکے، تو یہ کیا کوئی سلیم الحواس ادنیٰ عالم بھی ان آیات واحادیث پر جس کی نظر ہو وہ مطلقاً انکار علم غیب برائے انبیا کر سکے گا۔ لا الہ لا اللہ آمنا برسول اللہ۔ کیا کسی ادنیٰ سے ادنیٰ عقل والے کو یہ وہم ہو سکتا ہے کہ یہ اکابر ان آیات واحادیث پر نظر رکھتے تھے اور یہ اعتقاد بھی رکھتے تھے کہ انبیائے کرام کو اللہ تعالیٰ نے غیب کی خبریں تو دیں انھیں غیوب پر مطلع تو فرمایا وہ ایسے امور سے واقف تو تھے جن کا بداہت عقل اقتضا نہ کرے جو کسی طرح حواس سے معلوم نہ ہو سکیں جن تک مرغ عقل کتنا ہی اڑے ہرگز نہ پہونچ سکے، جو بے اعلام الٰہی معلوم نہ ہو سکیں مگر اسے علم غیب کہنا جائز نہ رکھتے تھے۔ اسے علم غیب اعتقاد کرنے کو کفر ٹھہراتے تھے باوجودیکہ اللہ عزوجل نے اسے غیب ہی فرمایا۔''

حضور مفتی اعظم نے اسی پر اکتفا نہیں فرمایا بل کہ دیو بندی وہابی کے عقیدہ کو معتزلیوں کے عقیدۂ انکار علم غیب سے ملا کر بتایا کہ جس طرح معتزلہ حنفی ہونے کے مدعی تھے۔اسی طرح دیو بندی وہابی۔ بحرالرائق والی عبارت کسی معتزلی نے ٹھونس دی ہوگی اور بعد میں بھی یہ نقل در نقل چلتا رہا اور بطور حسن ظن اس عبارت کی نقل میں علم غیب ذاتی کی نفی والی تاویل بنیاد قرار دی جائے گی۔ پھر اقوال ائمہ وعلماو مفسرین سے مسئلہ علم غیب کو ایسا مبرہن فرمایا ہے کہ اہل سنت کی آنکھیں روشن ہوجائیں، دل خوشی سے جھوم اٹھیں۔اور اہل علم یہ کہنے میں تامل نہ کریں کہ

لیس علی اللّٰہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

نماز کے بعد انحراف کا مسئلہ : صحیح ودرست فتویٰ دینے کے لیے غیر معمولی بصیرت اور نصوص واقوال ائمہ وفقہا کا گہری نظر سے مطالعہ وجائزہ ضروری ہے۔نماز پوری ہونے کے بعد امام کے قبلہ رو سے انحراف کے تعلق سے ایک غلط فتویٰ کا رد بلیغ فرماتے ہوئے حضور مفتی اعظم رقم طراز ہیں:

''نماز کے بعد انحراف چاہیے ،خواہ جنوباً کرے خواہ شمالاً، اور اگر شمالاً یا جنوباً انحراف کا موقع نہ ہو تو قبلہ کو پشت کرے، اور نمازیوں کی طرف منہ کرے، حالت صلاۃ میں تو بوجہ استقبال قبلہ نمازیوں کی طرف پشت بہ مجبوری تھی۔اب جب کہ نماز سے فارغ ہو چکے تو نمازیوں کی طرف پشت نہ ہونی چاہیے ۔لہٰذا انحراف کرے، اور ہر بات میں تیامن مستحب ہے۔تو شمالاً انحراف احب ہے۔اور جائز جنوباً وشرقاً بھی ہے۔خود حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بعد انصراف انحراف احادیث میں موجود، اور عن یمینہ وعن یسارہ بھی۔اور حضور کی تیامن کے ساتھ محبت اور اس کا اعتاد کسے معلوم نہیں۔اور اس سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہ لوگ انحراف عن یمین ہی کو حق اور اس کے سوا کو ناجائز نہ جاننے لگیں قولاً وفعلاً تنبیہ بھی فرمائی۔۔۔۔۔

تو وہ جس نے دکھن کی جانب اور پورب کی طرف ہی وقت دعا منہ کرنے کو حق جانا اور کو ناجائز بل کہ گم راہی کہا، وہ اپنا حکم خود کہے، اس نے غلط و باطل فتویٰ دیا یا نہیں؟ اللہ اکبر، بوجہ محبت تیامن واعتیا دتیامن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تنبیہ کے لیے انحراف عن یسارہ بھی فرمائیں اور انحراف عن یمینہ ہی کو حق جاننے اور انحراف عن یسارہ کو ناجائز ماننے سے نہی ارشاد بھی فرمائیں اور یہ حضور کے محبوب انصراف عن یمینہ ہی کو نہ صرف ناجائز بل کہ گم راہی بتائے تمام بزرگوں کو گم راہ ٹھہرائے اب بتایئے کہ وہ بہ حکم حدیث **من افتی بغیر علم لعنتہ ملائکۃ السموات والارض**۔(کنزالعمال ،حدیث ۲۹۰۱۸ بیت الافکار الدولیہ، الریاض)ملعون ملائکہ آسمان وزمین ہوا یا نہیں؟ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک سارے بزرگوں کو گمراہ ٹھہرایا یا نہیں؟

لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔اس پر توبہ لازم اگر توبہ نہ کرے تو اس کے پیچھے نماز سے سخت احتراز لازم وہ توبہ کے ساتھ تجدید ایمان وتجدید نکاح بھی کرے۔واللہ الموفق وھو تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔(فتاویٰ مصطفویہ، جلد اول ص ۱۷۳)

وقف مشاع کا مسئلہ :

زمین مشاع قابل تقسیم کا وقف صحیح ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں متقدمین فقہا اور متاخرین فقہا کے مابین اختلاف ہے۔فقہائے

متقدمین وقف مشاع محتمل تقسیم کو جائز وصحیح نہیں مانتے۔متقدمین کے مسلک کے سہارے کچھ لوگوں نے ایک معاملے میں وقف مشاع کو باطل ٹھہرانے کی سعی کی۔حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ سے استفتا ہوا آپ نے ایسے لوگوں کا رد کرتے ہوئے دلائل اور حوالوں کی روشنی میں واضح فرمایا کہ متاخرین کے نزدیک ''وقف مشاع'' درست ہے اور یہی قول مفتی بہ ومختار ہے۔لہٰذا وقف مشاع کو باطل ٹھہرانے کی راہ نکالنا غلط ہے۔آپ فرماتے ہیں:

''صحت وقف مشاع محتمل القسمہ مختلف فیہ ہے۔ہر دو جانب فتویٰ ہے۔امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی صحت کے قائل ہیں۔امام محمد عدم صحت کے۔مشائخ بخارا کا ماخوذ قول امام محمد ہے اور سراجیہ میں اس پر فتویٰ بتایا ہے۔مگر متاخرین قول امام ابو یوسف اختیار کرتے ہیں۔اور جواز کا فتویٰ دیتے ہیں۔۔۔۔۔۔اب کہ مختار قول امام ابو یوسف ہے مشاع محتمل قسمت کا وقف جائز ہے۔یہی ماننا ہوگا الخ۔ (فتاویٰ مصطفویہ،ص ۴۰۴)

محض تحفظ اسلام ومطالبۂ حقوق مسلمین والی مشترکہ انجمن میں شرکت کا مسئلہ :

جہاں کفار ومشرکین حکمراں ہوں اور غیر مسلموں کی جانب سے جان ومال عزت وآبرو وغیرہ کا خطرہ ہو۔غیر مسلم مسلمانوں کے حقوق کو مختلف طریقوں سے پامال کر رہے ہوں، اگر ایسی جگہ مذہبی امور سے قطع نظر محض تحفظِ اسلام وصیانت حقوق مسلمین کے لیے ایک ایسی انجمن ہو جس میں ہر فرقے کے لوگ ہوں تو اس میں کسی سنی صحیح العقیدہ وراسخ الاعتقاد کی شرکت شرعاً کیسی ہے؟ اس طرح کا سوال آج کل عموماً کیا جاتا ہے۔کچھ اسی قسم کا ایک استفتا گجرات سے کسی صاحب نے حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کے پاس بھیجا تھا۔آپ نے مختصر مگر جامع جواب رقم فرمایا استفتا وجواب دونوں ذیل میں نقل کیے جا رہے ہیں:

مسئلہ: ریاست بڑودہ کے اندر مسلمانان بڑودہ راج کانفرنس نامی ایک انجمن واسطے حقوق طلبی وتحفظ اسلام قائم کی ہوئی ہے۔یہ انجمن ہیچ کوئی مذہبی امور کے دخل کرنے کے واسطے نہیں ہے، صرف یہاں کے ہنود راجہ وہنود رعایا کے سامنے مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کا کام کرنے والی ہے، اس لیے اس میں بلا قید ہر فرقے کے کلمہ گو شامل ہو سکتے ہیں۔کیا اس انجمن میں سنی حنفی مسلمانوں کو شریک ہونا جائز ہے؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب: اس کانفرنس میں شرکت برائے تحفظ حقوق اہل سنت بمقابلۂ فرق باطلہ وتحفظ حقوق اسلام بمقابلۂ اعداء اسلام ضروری ہے۔فرق باطلہ کے ساتھ وہ مجالست ناجائز وحرام ہے جو بربنائے محبت وموالات ہو۔نیز وہ جو بے ضرورت وحاجت ومصلحت شرعیہ ہو، نہ وہ جو برائے تبلیغ ورد ہو۔واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ مصطفویہ،ص ۴۵۸)

قول امام ابو یوسف پر عمل سے آدمی حنفیت سے خارج ہو جاتا ہے یا نہیں؟ :

ایک اصولی استفتا حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ سے کیا گیا کہ وقائع وحوادث تو بہت ہیں۔اگر کسی مسئلے میں امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نہ ملے یا اختلافی مسائل میں امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کے قول پر عمل کرے تو کیا اس کی وجہ سے وہ حنفیت سے خارج ہو جائے گا؟ حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ نے ٹھوس دلیلوں کے ذریعہ بیان فرمایا کہ وہ حنفیت سے خارج نہ ہوگا۔امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کا مقلد رہے گا۔آپ رقم فرماتے ہیں:

''قول امام ابو یوسف یا قول امام محمد یا ان کے سوا امام زفر وغیرہ تلامذہ حضور امام الائمہ کاشف الغمہ امام اعظم

رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر عمل سے حنفی، یوسفی یا زفری وغیرہ نہ ہوجائے گا کہ مذہب نہیں مگر امام اعظم کا ان کے اقوال امام اعظم ہی کے اقوال ہیں۔ جو جس سے مروی ہوا اس کی طرف منسوب ہوا، جس مسئلہ میں امام کا کوئی قول نہیں ملتا امام ابو یوسف مضطرب ہوتے اور حیران رہتے خود ان سے یہ منقول ہوا:

ہر وہ امر جس میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی قول مروی نہ ہوا قیامت تک مضطرب ہی رہے گا۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے حکایت ہوا کہ وہ بعض مسائل میں مضطرب وحیران و پریشان ہوتے اور فرمایا کرتے ہر وہ مسئلہ جس میں ہمارے شیخ کا کوئی قول نہیں ہمارا اس میں یہی حال ہے۔ ایسی جگہ کبھی یہ امام ابو یوسف یا امام کے اصحاب سے کوئی صاحب جو فرمائیں وہ بھی امام ہی کا ارشاد ہے کہ یہ جو کچھ فرماتے ہیں آخر انھیں اصول وقواعد سے جن پر امام اعظم کے مذہب کی بنا ہے۔ یہ حادثہ اگر امام اعظم کے عہد میں حدوث پاتا امام کے حضور پیش ہوتا انھیں اصول سے امام کا بھی ہر ارشاد ہوتا قول دو طرح کا ہوتا ہے۔ صوری وضروری، صوری وہ جو مقول منقول ہو، ضروری وہ جس کا قائل نصاً قائل نہیں لیکن ضمناً ضرور قائل ہے۔'' (فتاویٰ مصطفویہ، ص ۴۷۰)

ایمرجنسی دور میں نسبندی کی حرمت کا بے لاگ فتویٰ :

ایمرجنسی دور کے یادگار فتویٰ کو مقررین نے بے تکے انداز میں بیان کرکے اس کی معنوی خوبیوں پر پردے ڈال دیے ہیں۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ حق گوئی وبے باکی کے علاوہ اس فتویٰ کی معنوی حیثیت بہت اہم ہے۔ قصہ یہ ہے کہ ۷۷-۱۹۷۶ء میں ایمرجنسی نافذ ہوئی اس دور میں حکومت نے نسبندی کا جبری قانون نافذ کیا۔ لوگ سخت اضطراب، بے چینی، بے یقینی، خوف اور گھٹن محسوس کررہے تھے۔ کانگریسی مفتیوں کے فتویٰ جواز کی وجہ سے حکومت نے نسبندی کے عمل میں مزید شدت پیدا کردی تھی۔ ایسے حوصلہ شکن ماحول میں ایک درویش صفت مفتی نے بے لاگ فتویٰ دے کر حکم شرعی سے لوگوں کو آگاہ کیا۔ اور بہ چند وجوہ اسے حرام قرار دے کر حکومت کے عزم و استقلال میں زلزلہ پیدا کردیا۔ فتویٰ میں حضور مفتی اعظم نے نسبندی کے حرام ہونے کی جو وجہیں تحریر کی ہیں۔ وہ بہت اہم ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت علیہ الرحمۃ کی نظر کتنی دقیق تھی۔ آپ نے نس بندی کے حرام ہونے پر جو وجہیں ذکر فرمائی ہیں۔ میں یہاں صرف انھیں پر اکتفا کرتا ہوں۔

(۱) نسبندی میں اللہ کی پیدا کی ہوئی چیز کو بدلنا ہے۔ جو قرآن وحدیث کی نص سے ناجائز وحرام ہے۔

(۲) اس میں بے وجہ شرعی ایک نس اور عضو کاٹا جاتا ہے۔

(۳) نسبندی میں بے ضرورت شرعی دوسرے کے سامنے ستر وہ بھی غلیظ ستر کھولا جاتا ہے۔

(۴) ستر وغلیظ ستر کو اس میں چھوا جاتا ہے۔

(۵) قاطع توالد ہونے کی وجہ سے معنیٰ خصا (خصّی ہونا) میں ہے۔ اور یہ نص قرآن وحدیث سے حرام ہے

(۶) کثرت اولاد کو مفلسی کا باعث سمجھنا بھی وجہ منع ہے۔ (فتاویٰ مصطفویہ، ص ۵۳۱)

درجہ بالا وجوہ سے نس بندی کے حرام ہونے کا فتویٰ صادر ہوا۔ وہ بھی ایسے وقت میں جب فتویٰ دینا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ سچ کہا ہے کسی نے ؎

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

مفتی اعظم کی طرف بعض فتوے کا غلط انتساب :

کچھ لوگوں نے جوش عقیدت میں بعض بے بنیاد فتوے کا انتساب حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کی طرف کر دیا ہے۔اس سلسلے میں اسٹیج کے مقررین نے زیادہ چرب زبانی دکھائی ہے اوراس پر غور وفکر نہیں کیا ہے کہ منسوب فتوے کی تہہ سے کیسی کیسی بوالعجبیاں ظاہر ہوتی ہیں۔ ۲۷/ ۲۸/ تاریخ کو چاند کی رویت کا مسئلہ بھی انھیں منسوب فتاویٰ میں سے ایک ہے۔ چند سال قبل راقم الحروف نے ''تذکرہ مشائخ قادریہ'' کے مصنف اور بعض دیگر علما کو اس فتویٰ سے متعلق خط تحریر کیا تھا کہ اس فتویٰ کا اصل ماخذ کیا ہے؟ میرا یہ مطالبہ آج بھی باقی ہے۔ مجھے کہیں سے کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔ بہر حال اس تعلق سے خواجۂ علم وفن علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب مدظلہ العالی اور فقیر راقم الحروف نے بہت تفصیل سے مقالے تحریر کیے ہیں۔ جو''ماہنامہ اشرفیہ'' اور''ماہنامہ کنزالایمان'' میں طبع ہوئے ہیں اور ہیئت وشریعت کی روشنی میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ۲۷/ ۲۸/ تاریخوں میں چاند اور سورج کے درمیان اتنی دوری نہیں ہوتی کہ چاند قابل رویت ہو سکے۔ بلفظ دیگر ان تاریخوں میں چاند کا دیکھنا ناممکن ہے۔

اسی طرح بعض مقالے میں ایسا فتویٰ حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کی طرف صراحۃ منسوب دیکھا گیا جو فتویٰ یعنی فتوے کے الفاظ مفتی اعظم کے نہیں، بل کہ مفتی افضل حسین علیہ الرحمۃ یا کسی دوسرے عالم ومفتی کے ہیں۔ ہاں مفتی اعظم کی ان فتاویٰ پر تصدیق موجود ہے۔

ظاہر ہے کہ فتویٰ کی تصدیق کا مطلب حکم پر مہر تصدیق ثبت کرنا ہے۔ نہ کہ الفاظِ فتویٰ واسلوبِ فتویٰ کو بعینہ الفاظ واسلوبِ مصدق بتانا۔ ہر مفتی کا اپنا اپنا اسلوب بیان ہوتا ہے۔ حضور مفتی اعظم کا اسلوب بیان نرالا تھا، ان کے فتاویٰ میں امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے اسلوب نگارش کی بھرپور جھلک موجود ہے۔ اس لیے ایسے انتساب سے بھی گریز کیا جانا چاہیے۔

اس بات کا اعتراف ہے کہ زیر نظر عنوان کے لیے جو وقت درکار تھا وہ مجھے مل نہ سکا۔ مصروفیات کی بنیاد پر اطمینان سے لکھنا نصیب نہ ہوا۔ ورنہ اس بطل جلیل کے افتا میں مہارت کے ایسے مزید شواہد پیش کرتا کہ آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں اور آنے والی نسل کے لیے فن افتا میں مشق وتمرین کے لیے نسخہ کیمیا اثر ثابت ہوتا۔ پھر بھی جو کچھ نقل کیا گیا ہے، اس سے بہت کچھ اخذ کیا جا سکتا ہے۔ مولیٰ تعالیٰ حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کے فیضانِ کرم وسحاب فقہ سے ہم پر بھی بارش برسائے۔ آمین

☆☆☆☆☆

انتخاب از فتاویٰ مصطفویہ

فتویٰ کسے کہتے ہیں؟ فتاویٰ نویسی کی تعریف کیا ہے؟ اس کے اصول و آداب کیا ہے؟ اسے تفصیل کے ساتھ آپ چھٹویں باب میں پڑھ چکے ہیں۔ مگر یہ گوشہ آپ کی نظر سے اوجھل نہیں رہنا چاہیے کہ کوئی ضروری نہیں کہ ہر فقیہ مفتی بھی ہو۔ ہاں ہر مفتی کے لیے فقیہ کا ہونا ضرور ضروری ہے، آسان لفظوں میں یوں کہہ لیں کہ فقہ وفقاہت فہم شعور کی طاقت کا نام ہے، جبکہ فتویٰ نویسی قوت فیصلہ کے استحکام کا نام ہے، ایک شخص بے مثال علم وادراک کا حامل ہے مگر وقت پر اپنے علم سے فائدہ اٹھا کر صحیح فیصلے نہیں سنا سکتا، فتویٰ ثمر ہے، فقاہت شجر ہیں، شجر کس قدر تناور اور بار آور ہوگا، پھل اسی قدر شریں اور پختہ ہوتا۔ مفتی اعظم اپنے والد گرامی امام اہل سنت کے نقش قدم پر چلتے ہوئے جو فتاوے لکھے ہیں، آپ کے قوت فیصلہ اور ادراک و اشتحضار کا بین ثبوت ہیں۔ پیچیدہ سے پیچیدہ مسئلہ پیش کیا گیا۔ علما سر دھن رہے ہیں اور مفتی اعظم کی بارگاہ میں آیا، چٹکیوں میں حل کر دیا، آپ کے پہلے فتویٰ لکھنے کا واقع مشہور خلائق ہے، تاجدار اہل سنت، کرامت غوث اعظم، شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور سیدی سرکار مفتی اعظم شاہ محمد مصطفی رضا خاں قادری، نوری، برکاتی، رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قلم حقیقت رقم نے پچاس سال تک مسلسل علم وعرفان اور فقہ وفتاویٰ کے وہ گوہر آبدار لٹائے جو ان کی شان فقہاہت، تبحر علمی اور شان عظیم کی بھر پور عکاسی کرتے ہیں۔ الحاج محمد سعید نوری صاحب نے اپنے وسعت مطالعہ اور ذوق نظر کا ثبوت پیش کرتے ہوئے، فتاوی مصطفویہ سے منتخب فتاوی کا ایک خوبصورت گلدستہ پیش کیا ہے، یہ مشتے نمونہ از خروارے ہے، مفتی اعظم کے قلم ہزاروں فتاوی نکلے ہیں، افسوس کی ہماری موروثی کم سوادی کی وجہ سے ایک بڑا قیمتی ذخیرہ ضائع ہوگیا، لیکن جو کچھ بھی باقی رہ گیا ہے وہ ہماری نگاہ بصیرت کا سرمہ بننے کے لائق ہے، اس مجموعہ فتاوی کو معروف وجلیل القدر مفتی حضرت علامہ جلال الدین احمد امجدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مرتب فرمایا ہے، تاہم ابھی اس کی ترتیب جدید کی ضرورت ہے، جس کا احساس تخریج عبارات کے دوران بار بار ہوا۔

معلوم ہوا ہے کہ علامہ مفتی مطیع الرحمان مضطر پورنوی اس کام کو پایہ تکمیل تک پہونچا چکے ہیں، خدا کرے کہ وہ جلد منظر عام پر آئے تاکہ فتاوی مصطفویہ زیادہ زیادہ مفید ثابت ہوسکے۔ البتہ اس باب میں بعض مقالہ نگاروں نے فتاوی مصطفویہ کا موازنہ براہ راست فتاوی رضویہ سے کرنے کی کوشش ہے، بلکہ بعض مقامات اس کے ہم پلہ ثابت کرنے کی سعی کی ہے۔ جو بعض اعتبار سے خود فتاوی رضویہ کی شہرت ومقبولیت کے لیے ضرر رسا ہے۔ اگر صاحب نظر دونوں کا تقابلی مطالعہ کرے تو دونوں کے درمیان واضح فرق محسوس کرے گا فتاوی مصطفویہ فتاوی رضویہ کا چربہ یا اس کی نقل در نقل نہیں جیسا کہ بعض تحریروں سے مترشح ہوتا ہے، فتاوی مصطفویہ کا اپنا اسلوب و انداز ہے اس کے اندر بعض خصوصیات وہ جو فتاوی رضویہ میں نہیں اور وہ ہے اس کا اختصار اور سہل انداز بیان۔ فتاوی رضویہ سے استفادہ علوام کے انتہائی مشکل ہے جبکہ فتاوی مصطفویہ اکثر

مقامات میں ایسا نہیں ہم داد دیتے ہیں اور شکریہ ادا کرتے ہیں کرامت مفتی اعظم الحاج محمد سعید نوری کا جنھوں نے حسن و ذوق اور جذب دروں کا مکمل اظہار اس انتخاب میں کیا لیجیے۔ ذیل میں شامل فتاوی کی ایک فہرست ملاحظہ کرتے چلیں۔

فتاوائے حضور مفتی اعظم

انتخاب از فتاویٰ مصطفویہ

اسیر مفتی اعظم الحاج محمد سعید نوری

بانی وصدر رضا اکیڈمی، ممبئی

پہلا فتویٰ۔	عقیدۂ علم غیب اور البحر الرائق کی ایک عبارت کی وضاحت۔	از ص۔۱ تا ص۔۱۳
دوسرا فتویٰ۔	رمضان میں فرض عشا بہ جماعت اور وتر کی جماعت کا مسئلہ۔	از ص۔۴۸ تا ص۔۱۵۶
تیسرا فتویٰ۔	مسلم وحربی کافر کے درمیان قرض پر منفعت سود نہیں۔	از ص۔۴۱۰ تا ص۔۴۱۴
چوتھا فتویٰ۔	ترک موالات سے متعلق بصیرت افروز فتویٰ۔	از ص۔۱۲۵ تا ص۔۱۳۲
پانچواں فتویٰ۔	بہار شریعت اور فتاویٰ قاضی خان کے ایک مسئلہ میں تطبیق۔	از ص۔۱۳۶ تا ص۔۱۳۷
چھٹواں فتویٰ۔	نسبندی کی حرمت سے متعلق تاریخی فتویٰ۔	از ص۔۵۳۰ تا ص۔۵۳۱
ساتواں فتویٰ۔	اذان قبر سے متعلق اعتراض کا مدلل جواب۔	از ص۔۲۷۲ تا ص۔۲۶۷
اٹھواں فتویٰ۔	فتویٰ ہمیشہ قول امام اعظم پر ہی ہوتا ہے۔	از ص ۔۴۶۹ تا ص ۔۴۷۳

ماخوذ از فتاویٰ مصطفویہ، مرتبہ: فقیہ ملت علامہ مفتی محمد جلال الدین امجدی علیہ الرحمہ۔
بانی دار العلوم اہل سنت امجدیہ ارشد العلوم۔ ومرکز تربیت افتا، اوجھا گنج، بستی
مطبوعہ: رضا اکیڈمی ۲۶/ کامبیکر اسٹریٹ، ممبئی۔ ۳

عقیدۂ علم غیب :

مسئلہ : زید کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیب کو نہیں جانتے تھے اور دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ بحر الرائق جلد ۳، ص ۹۴ مطبوعہ میں ہے: **وفی الخانیة والخلاصة لو تزوج بشهادة الله وهورسوله لا ينعقد ويكفر لاعتقاده ان النبی صلی الله عليه وسلم يعلم الغيب** اھ اور ایسا ہی بزازیہ میں ہے۔ جواب شافی بالدلیل مرحمت فرمائے جاویں۔ فقط بینوا توجروا۔

الجواب : زید بے قید پُر از مکر وکید بدترین وہابی لعین ہے، اس کا حضور پُر نور، شافع یوم النشور، ایمان جان، جان ایمان، عالم ما

یکون و ما کان سرور عالم و عالمیاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب سے مطلقاً انکار کفر مبین ہے۔ قرآن عظیم کی آیات باہرہ کثیرہ سے انکار ہے۔ قرآن عظیم کا ارشاد کریم ہے۔ تِلْکَ مِنْ اَنْبَاۗءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَاۤ اِلَیْکَ۔ (سورۂ ہود آیت ۔ ۴۹) یہ غیب کی خبریں ہیں کہ ہم تمھاری طرف وحی فرماتے ہیں اور وَمَا هُوَ عَلَی الْغَیْبِ بِضَنِیْنٍ۔ (سورۂ تکویر آیت ۔ ۲۴) یہ نبی غیب کی باتیں بتانے پر بخیل نہیں۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَیْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ یَّشَآءُ۔ (سورۂ آل عمران آیت ۔ ۱۷۹) اللہ اس لیے نہیں کہ اے عامۃ الناس خود تمھیں غیب پر مطلع فرما دے اور لیکن اللہ (اس کے لیے) چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے اور لَا یُظْهِرُ عَلٰى غَیْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ۔ (سورۂ جن آیت ۔ ۲۶) خدا کسی کو غیب پر مسلط نہیں فرماتا مگر رسول مرتضیٰ کو۔ اور عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكَ عَظِیْمًا۔ (سورۂ نساء آیت ۔ ۱۱۳) خدا نے سکھا دیا تمھیں جو کچھ تم نہیں جانتے تھے (غیب وشہادت سے) اور اللہ کا تم پر فضل عظیم ہے اور وَنَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ تِبْیَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ (سورۂ نحل آیت ۔ ۸۹) ہم نے یہ کتاب تم پر اتاری ہر شی کے روشن تر بیان کو اور وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ۔ (سورۂ حدید آیت ۔ ۳) وہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہر شی کے علیم ہیں اور یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ۔ (سورۂ بقرہ آیت ۔ ۲۵۵) نبی صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہیں ما بین ایدیہم و ما خلفھم کو۔ اور عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ اللہ نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سکھا دیا جو وہ نہ جانتے تھے۔ وغیرہا آیات شریفہ اس لعین کا یہ ملعون انکار احادیث شریفہ کثیرہ بشیرہ شہیرہ کا انکار ہے۔

حدیث میں ہے **ان اللّٰه قد رفع لی الدنیا فانا انظر الیها والی ما هو کائن فیها الی یوم القیامة کانما انظر الی کفی هذه۔** بے شک اللہ عزوجل نے میرے لیے دنیا اٹھائی (میرے پیش نظر فرمادی) تو میں اسے اور جو کچھ اس میں روز قیامت تک ہونے والا ہے سب کو ایسا دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی اس کف دست مقدس کو اور حدیث میں ہے **اخبرنا عن بدء الخلق حتی دخل اهل الجنة منازلهم و اهل النار منازلهم** (بخاری، مشکوٰۃ، ص ۵۰۶) ہمیں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابتدائے آفرینش سے جنتیوں کے اور جہنمیوں کے اپنے اپنے منازل میں داخل ہونے تک کی خبر دی۔ اور حدیث میں ہے۔ **ان اللّٰه زوی لی الارض فرأیت مشارقها و مغاربها** (مشکوٰۃ، ص ۵۱۲) تحقیق اللہ عزوجل نے میرے لیے دنیا کو سمیٹ دیا تو میں نے اس کے مشارق اور مغارب کو ملاحظہ فرمالیا ۔ اور حدیث میں ہے **تجلی لی کل شئی و عرفت** (مشکوٰۃ ص ۷۲) ہر چیز مجھ پر روشن ہوئی اور میں نے پہچان لی۔ اور حدیث میں ہے **علمت ما فی السموٰات والارض** (مشکوٰۃ ص ۷۰) میں نے جان لیا جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے۔ اور حدیث میں ہے **قطرت فی حلقی قطرة فعلمت ما کان وما یکون۔** میرے حلق میں ایک قطرہ ٹپکایا گیا تو میں نے جان لیا ما کان وما یکون کو (جو کچھ ہو گیا اور جو کچھ ہونے والا ہے سب کو) اور حدیث میں ہے۔ **ما من شئی کنت لم اره الا وقد رایته فی مقامی هذا حتی الجنة والنار۔** اور حدیث میں ہے۔ **تجلی لی ما بین السماء والارض** اور حدیث میں ہے۔ **علمت ما بین المشرق والمغرب** اور حدیث میں ہے۔ **اخبرنا بما کان و بما هو کائن فاعلمنا احفظنا۔** (مسلم جلد ۲، ص ۳۹۰)

اللہ عزوجل بار بار ارشاد فرمائے ہم نے رسول کو غیب کی خبریں دیں۔ ہم نے رسول مجتبیٰ کو غیب پر مطلع فرمایا۔ رسول مرتضیٰ کو غیب پر مسلط کر دیا اور رسول کو سکھا دیا جو کچھ وہ نہ جانتے تھے۔ اور ان پر اللہ کا فضل عظیم ہے۔ ہم نے رسول پر وہ کتاب اتاری جو ہر شی کا روشن بیان ہے۔ ہمارا رسول ہر شی کا علیم ہے۔ ہمارا رسول ما بین ایدیہم (ابتدائے آفرینش سے) اور ما خلفھم (روز آخر تک) جانتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہم وسلم بارہا اعلان سے فرمائیں۔ میں اپنی کف دست مبارک کی طرح دنیا و ما فیہا تا روز قیامت سب کو دیکھ رہا ہوں۔ میں جو کچھ

آسمانوں زمینوں میں ہے سب کو جانتا ہوں۔ میں ہر شی کو پہچانتا ہوں ہر شی مجھ پر روشن ہوگئی ہے۔کوئی چیز جو میری دیکھی نہ تھی وہ ایسی باقی نہ رہی جو میں نے اس مقام میں دیکھ نہ لی۔ جو کچھ مشرق و مغرب میں ہے سب کو میں نے جان لیا۔مگر بے ایمان وہابی نہ رسول کے فرمانے پر یقین لاتا ہے نہ خدا کے ارشاد پر ایمان۔ وہ کافر دونوں سے کفر کرتا ہے اور بکے جاتا ہے کہ رسول غیب کو نہیں جانتے تھے۔اور بے ایمانی اور دھوکے اور فریب سے ان نصوص کو اپنی برہان بناتا ہے جن میں علم ذاتی مراد ہے۔اس سے کہو کہ بے ایمان عبارت میں ''الغیب'' سے مراد علم ذاتی ہے۔اور یہ تیری سمجھ میں نہیں آتا تو اسے بھی مطلقاً علم غیب کا انکار سمجھتا ہے۔تو تو بحر پر ایمان رکھتا ہے مگر رسول کے فرمان اور اللہ عزوجل کے قرآن کا منکر ہے۔اللہ و رسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد و فرمان کے آگے بحر کی عبارت پیش کرنا اس کے بھروسہ رسول کے علم سے مطلقاً انکار کرنا یہ تیرے ہی جیسے بے حیا بے ایمان کا ملعون کام ہے۔اے لعین تو ان ملعون منافقوں کی طرح قرآنی فتوے سے کافر ہے جنھوں نے بکا تھا کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں فلاں کا ناقہ فلاں وادی میں ہے اور انھیں غیب کی کیا خبر؟ وہ غیب کیا جانے؟ اور پھر منکر ہو گئے اور جھوٹے بہانے بتانے لگے جس پر قرآن عظیم کا وہ قہری فتویٰ نازل ہوا اور جتا دیا گیا۔ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَ نَلْعَبُ ؕ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَ اٰیٰتِهٖ وَ رَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ ۔(سورہ توبہ آیت ۶۵)

منافقوں نے بھی تو یہی بکا تھا کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیب نہیں جانتے۔وہ غیب کیا جانیں؟ انھیں غیب کی کیا خبر؟ اسی پر تو قرآن عظیم نے فرمایا کہ تم اللہ اور قرآن اور رسول کے ساتھ ٹھٹھا کرتے ہو۔اسی پر تو واحد قہار نے ان کے جھوٹے حیلے بہانوں کو کہ ہم تو یونہی ہنس بول رہے تھے۔فرمایا کہ جھوٹے بہانے نہ بناؤ۔ بے شک تم کافر ہو چکے بعد (اظہار) ایمان کے۔ أمنا بالله الرحمن و رسوله و القرآن۔ ہم مسلمان آیات قرآن و احادیث نبی ذی شان پر ایمان رکھنے والے باتباع قرآن اس وہابی بے ایمان کے کفر پر حکم کرتے ہیں۔جس نے کہا رسول غیب کو نہیں جانتے تھے۔اور جس نے لکھا یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ کو علم غیب تھا صریح شرک ہے۔(فتاویٰ رشیدیہ حصہ ۲،ص ۱۰) اور بکا کہ دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں (براہین قاطعہ ص ۵۱) اور بک دیا کوئی شخص کسی سے کہے کہ فلاں درخت میں کتنے پتّے ہیں تو اس کے جواب میں یہ نہ کہے کہ اللہ و رسول ہی جانے کیوں کہ غیب کی بات اللہ ہی جانتا ہے رسول کو کیا خبر (تقویۃ الایمان ص ۶۶) اور لکھا کسی انبیا اولیا یا امام یا شہیدوں کی جناب میں ہرگز یہ عقیدہ نہ رکھے کہ وہ غیب کی بات جانتے ہیں بل کہ حضرت پیغمبر صاحب کی جناب میں بھی یہ عقیدہ نہ رکھے (تقویۃ الایمان ص ۳۰) اور لکھا جو کہتے ہیں کہ علم غیب بجمیع اشیاء آنحضرت کو ذاتی نہیں بل کہ اللہ کا عطا کیا ہوا ہے۔سو محض باطل اور خرافات سے ہے۔(فتاویٰ رشیدیہ جلد ۳،ص ۳۶) اور لکھ دیا جو کچھ اللہ اپنے بندوں سے معاملہ کرے گا خواہ دنیا میں خواہ قبر میں اس کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں نہ نبی کو نہ ولی کو نہ اپنا حال نہ دوسرے کا (تقویۃ الایمان ص ۳۱) اور لکھا اللہ کا سا علم اور ثابت کرنا سو اس عقیدہ سے آدمی البتہ مشرک ہو جاتا ہے۔خواہ یہ عقیدہ انبیا اولیا سے رکھے،خواہ پیر و شہید سے،خواہ امام و امام زادے،سے خواہ بھوت و پری سے۔ پھر خواہ یوں سمجھے کہ یہ بات ان کو اپنی ذات سے خواہ اللہ کے دینے سے غرض اس عقیدہ سے ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے۔(تقویۃ الایمان ص ۱۰) اور ہر چہار ائمہ مذاہب اور جملہ علما پر افترا کرتے ہوئے بکا۔اس میں ہر چہار ائمہ مذاہب و جملہ علما متفق ہیں کہ انبیاء علیہم السلام غیب پر مطلع نہیں۔(مسئلہ علم غیب ص ۲) غیب کی بات اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا نہ فرشتہ نہ آدمی نہ جن (تقویۃ الایمان)

اللہ،اللہ۔اللہ عزوجل اپنے حبیب و محبوب،طالب و مطلوب،دانائے غیوب کو علم غیب عطا فرمائے،اور اپنی کتاب مجید میں اس عطا کا اعلان فرمادے اور جو ملعون یہ بکے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) غیب کیا جانیں؟ اس کے کفر کا وہ قہری فتویٰ دے،حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بار بار برسر مجالس خطبات میں اپنے رب کے اس عظیم نعمت کا اظہار فرمائیں اور طاعنین کا رد علی رؤس الاشہاد ارشاد فرمائیں۔حدیث

میں ہے **قام علی المنبر فحمد اللّٰہ و اثنیٰ علیہ ثم قال ما بال اقوام طعنوا فی علمی لا تسئلونی عن شیئ فیما بینکم و بین الساعۃ الا نبأتکم بہ** ۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام من ربہ العزیز الودود والغفور نے منبر مقدس پر قیام فرمایا۔اللہ عزوجل کی حمد وثنا بیان فرمائی پھر فرمایا کیا حال ہے ان اقوام کا جو میرے علم شریف میں طعن کرتی ہیں؟ تم مجھ سے نہ پوچھوگے کسی شی کو جو تمھارے اور قیامت کے درمیان ہے مگر یہ کہ میں تمھیں اس سے خبردار فرمادوں گا۔مگر وہابی مردود، منافق مطرود کی طرح یہی بکے جائے کہ انھیں غیب کی کیا خبر؟ وہ علم غیب کیا جانیں؟ رسول غیب نہیں جانتے تھے ۔۔۔**قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ** (سورہ توبہ آیت ۳۰)

آیات واحادیث جن سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے علم غیب کا ثبوت ہے اور بھی ہیں مگر وہابیہ کے دس انکار کے مقابل دس دس آیات واحادیث پر بس کریں۔مشہور ہے **الغریق یتشبث بالحشیش** ڈوبتا سوار پکڑتا ہے۔بے ایمان وہابی جب بحر کفر میں غوطے کھانے لگا اور قعر کفر میں ڈوبا تو بچاؤ کے لیے بحر الرائق کی اس عبارت کو پکڑا۔اس مرجوح قول سے سہارا لیا جس کا غیر صحیح ہونا بالکل واضح اور آشکار اور وہابیہ دیوبندیہ کا گرومان چکا کہ ''شرائط تعارض سے تساوی فی القوۃ ہے پس جواب میں اتنا کافی ہے کہ راجح کے سامنے ساقط و متروک ہے اور ادب یہ ہے کہ مرجوح میں تاویل مناسب کی جائے۔(بسط البنان) اس مرجوح قول میں مناسب تاویل نہ کرنے والا اسے اپنی سند بنانے والا بے ادب گستاخ ہے۔ساقط ومتروک ومرجوح کو قرآن وحدیث کے نصوص کے رد کے لیے پکڑنے والا ہے اور اپنے ساتھ کفر کے گڑھے میں صاحب بحر کو بھی ڈوبا دینے والا ہے اور طائفہ کے گروگھنٹال کی معقول بات کو بھی رد کردینے والا ہے۔

جب طائفہ کے استاد جی کو بھی یہ مسلم ہے کہ ایسی جگہ تاویل مناسب کرنی چاہیے تولازم تھا کہ بحر وغیرہ علما کی ایسی عبارت میں یہ سمجھتا کہ ان کی مراد علم ذاتی ہے نہ کہ اس عبارت کو قرآن وحدیث کے رد کے لیے لے دوڑا۔**والعیاذ باللہ تعالیٰ**۔کیا یہ علماے دین کے ائمہ جن کی وسعت نظر ہم جیسوں کے حسابوں سے بے انتہا۔جس کی حد تک ہمارا مرغ وہم بھی پرواز نہ کرسکے تو یہ کیا کوئی سلیم الحواس ادنیٰ عالم بھی ان آیات واحادیث پر جس کی نظر ہو وہ مطلقاً انکار علم غیب برائے انبیا کرسکے گا۔**لا الٰہ الا اللّٰہ اٰمنا برسول اللّٰہ**۔کیا کسی ادنیٰ سے ادنیٰ عقل والے کو یہ وہم ہوسکتا ہے کہ یہ اکابران آیات واحادیث پر نظر نہ رکھتے تھے اور یہ اعتقاد بھی رکھتے تھے کہ انبیاے کرام کو اللہ تعالیٰ نے غیب کی خبریں تو دیں، انھیں غیوب پر مطلع تو فرمایا، وہ ایسے امور سے واقف تو تھے، جن کا بداہت عقل اقتضا نہ کرے، جو کسی طرح حواس سے معلوم نہ ہوسکیں، جس تک مرغ عقل کتنا ہی اڑے ہرگز نہ پہنچ سکے، جو بے اعلام الٰہی معلوم نہ ہوسکیں مگر اسے علم غیب کہنا جائز نہ رکھتے تھے۔اسے علم غیب اعتقاد کرنے کو کفر ٹھہراتے تھے باوجودیکہ اللہ عزوجل نے اسے غیب ہی فرمایا۔

اور عقلاً بھی یہ ظاہر ہے کہ وہ امور غیب جن کا علم خدا نے بخشا غائب سے حاضر نہ ہوگئے۔علم بخشنا نہ کہ غائب کو حاضر اور جو ہوچکا اور جو ابھی تک نہ ہوا، اسے زمانہ حال میں موجود کردیا۔ما کان وما یکون کو معلوم ومشہود فرمادیا نہ کہ خارج میں حاضر وموجود۔اور ہر کس وناکس کے لیے مشہود۔تو علم غیب عطا فرمانے سے غیب غیب ہی رہا شہادت نہ ہوگیا۔اور اپنے حبیب عالم کے لیے معلوم فرمادینے اور اپنے محبوب شاہد کے لیے مشہود کردینے سے غیب شہادت ہوگیا، غیب باقی نہ رہا۔یہ کہا جائے تو کیا معاذ اللہ یہ جہلا یہ بھی کہیں گے کہ خدا کو بھی غیب نہیں کہ وہاں تو سب شہادت ہی ہے، اس سے کوئی شی غائب نہیں۔شہادت وہ ہے جو حواس سے معلوم ہوسکے۔وہ موجود کہ ہر ایک کے لیے مشہود ہوسکے۔یہ بھی بہ عطاے الٰہی ہے اوروں کے لیے۔ایک ذرہ شہادت کا علم بے عطا بھی دوسرے کو ناممکن۔جس طرح علم غیب کے ساتھ اللہ تعالیٰ منفرد ہے یونہی علم شہادت کے ساتھ جس طرح علم غیب اس کی صفت ہے یونہی علم شہادت۔قال تعالیٰ **عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ** (سورہ رعد آیت ۹) اور غیب وہ ہے جو بے اعلام الٰہی معلوم نہ ہوسکے جس تک حواس وعقل کی رسائی کسی طرح بے تعلیم الٰہی نہ ہوسکے جو ذاتی طور پر

خدا ہی کو ہے اور اس کی عطا سے اس کے محبوبوں کو ہوتا ہے ہر اک کو نہیں ہوتا۔

مختصر یہ کہ شہادت وہ جو ہر اک کے لیے عقل وحواس سے ظاہر فرما دیا ہے اور غیب جو اس کے ساتھ خاص ہے۔ اپنے محبوبوں کو اس سے جتنا جتنا چاہا بخشا ہے اور ان کو نہیں دیا ہے حواس سے معلوم کر لینے پر قادر نہیں کیا ہے۔ اصل یہ ہے کہ غیر خدا کے لیے مطلقاً انکار غیب یہ عقیدہ باطلہ بعض معتزلہ ہے اور یہ وہابیوں ہی کا اب سے پہلا نام ہے۔ اس سے پہلا نام اس طائفہ باطلہ کا خارجی تھا۔ جیسے اب دیوبندی وہابی اپنے آپ کو حنفی کہتے ہیں اور نجدی وہابی اپنے آپ کو حنبلی بتاتے ہیں۔ دیوبندی فقہ حنفی میں کتابیں لکھتے اور اس میں اپنے مذہب کی رعایت کرتے ہوئے مسائل ٹھونسے ہیں۔ یوہی معتزلی اپنے آپ کو حنفی کہا کرتے اور فقہ حنفی میں تصنیف کیا کرتے اور اس میں اپنے مذہب اعتزال کی رعایت کرتے ہوئے بعض مسائل ٹھونس دیا کرتے تھے۔ انھیں مسائل سے یہ مسئلہ بھی ہے بعض نے اسے اخذ کیا اور ان کے ساتھ حسن ظن یہی ہوسکتا ہے کہ انھوں نے اس سے علم ذاتی مراد لیا۔ پھر ان حضرات صاحب بحر وغیرہ نے بھی یہی سمجھتے ہوئے اپنی تصانیف میں نقل کیا۔ اور یہ بھی ہوتا ہے کہ بعض جامع اقوال ہر گونہ اقوال نقل کرتا ہے مثلاً مجمع الانہر میں لکھا کہ **لو شتم حيوانا ماكول اللحم بكلمة الجماع يكفر** (مجمع الانہر میرے پاس اس وقت نہیں اور میسر بھی نہیں آسکتی یاد پر یہ عبارت لکھی ہے ممکن ہے کہ عبارت میں کچھ فرق ہو) پھر اس سے اوروں نے نقل کیا اور ایسا ہوتا ہے تو بعض کا نقل کردہ قول جب کہ اس میں مطلقاً انکار علم غیب مراد ہو جو معتزلہ کے عقیدہ باطلہ کے موافق ہے یا اس کا اپنا سہی جب کہ وہ حنفی ہو معتزلی نہ ہو، اس نے ذاتی مراد لیا ہو۔ اسے دیکھنا اور اسے عطائی پر ڈھالنا اور اکابر علما جہابذۂ ائمہ کا اس قول کے ضعف ومرجوحیت کا جو اشعار فرمایا اسے دیکھ کر ان دیکھا کر لینا کس درجہ حیاداری ہے؟ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ نیز اس سے بھی وہابی کا نظر چرانا بل کہ بعض خبثائے وہابیہ کا اس اشعار ذاتی کو بھی مطلقاً انکار کی سند ٹھہرانا کس قدر ڈھٹائی ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

مسئلہ تو صرف اتنا تھا کہ اگر کوئی شخص شہادت خدا اور سول سے نکاح کرے تو یہ نکاح منعقد نہ ہوگا کہ شرط انعقاد نکاح گواہوں کا رہنا ہے حدیث میں ہے۔ **لا نكاح الا بشهود**۔ (جامع ترمذی اول، ص ۲۶۰) مسلمان کے نکاح میں دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کا حضور شرط ہے جو عاقل بالغ ہوں اور یہ سمجھیں کہ نکاح ہورہا ہے، وہ کون سا نکاح ہے جو خدا سے غائب ہو؟ اگر محض خدا سے شہادت سے نکاح کرتا یا فرشتوں مثلاً کراماً کاتبین کی شہادت سے کرتا جب بھی باطل ہوتا کہ شرط صحت نکاح نہ پائی گئی۔ اس میں بعض مجاہیل نے اتنا اور اضافہ کیا کہ وہ مسلمان شخص کافر ہوجائے گا کیوں کہ وہ معتقد علم غیب برائے رسول ہوا۔ ظاہر تو یہ ہے کہ یہ بعض مجاہیل معتزلی ہوگا۔ اس نے اپنے مذہب کا پیوند اس میں جوڑ دیا۔ پھر یہ بہ تاویل علم ذاتی بعض حنفیہ نے بھی اپنی تصانیف میں نقل کر لیا مگر اس کی مرجوحیت کو ظاہر کرتے ہوئے کہ علم ذاتی ہی نہیں ہوتا۔ دوسری قسم علم عطائی بھی ہے تو جب یہ احتمال ہے تو کافر نہیں کہہ سکتے اس احتمال کے ہوتے ہوئے تکفیر صحیح نہیں۔ امام فقیہ النفس قاضی خان رضی اللہ تعالیٰ عنہ وادخلہ فی الجنان نے اپنے فتاویٰ (فتاویٰ قاضی خان) میں فرمایا **رجل تزوج امرأة بشهادة الله ورسوله كان باطلا لقوله صلى الله عليه وسلم لا نكاح الا بشهود و كل نكاح يكون بشهادة الله بعضهم جعلوا ذلك كفرا لانه يعتقد ان الرسول صلى الله عليه وسلم يعلم الغيب**۔ (ص ۱۵۵ کتاب النکاح فصل فی شرائط النکاح، نول کشور لکھنؤ) امام فقیہ النفس نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ کفر ہے بل کہ یہ فرما کر کہ بعض نے اسے کفر ٹھہرادیا اس کے ضعف کا اشعار فرما دیا۔ فتاویٰ خلاصہ میں یہ مسئلہ دو جگہ لکھا جلد اول کتاب النکاح (ج۔ ۲ ص ۱۵ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ) میں تو تجرید سے اتنا لکھا **لو تزوج بشهادة الله ورسوله لا ينعقد و هل يكفر عرف فى الفاظ الكفر**۔ اور جلد ۲ (ج۔ ۴ ص ۳۸۵ مکتبہ حبیبیہ، کوئٹہ) کتاب الفاظ الکفر میں تحریر فرمایا **رجل تزوج ولم**

یحضر شاھد فقال۔ خدا اور رسول خدا را گواہ کردم۔ **یکفر فی الفتاویٰ لانه یعتقد ان الرسول و الملک عالم بالغیب** بخلاف قوله ۔فرشتہ دست راست راوفرشتہ دست چپ را گواہ کردم **حیث لا یکفر لانهما یعلمان۔**

[اس عبارت میں اگر چہ اشارۂ ضعف ومرجوحیت نہیں مگر جب اور علما کے کلام سے یہ ثابت ہے نیز اس طائفہ وہابیہ کے گرونے ملک الموت بل کہ ابلیس کے لیے بھی علم غیب مانا ہے اور نصوص سے ثابت لکھا ہے تو قطعاً ظاہر کہ اس عبارت میں بھی علم ذاتی ہی مراد ہے۔ یہ تکفیر بر بنائے علم ذاتی ہے نہ کہ علم عطائی ماننے پر۔ ہم نے یہ عبارت مطبوعہ نسخہ سے نقل کی ہے ممکن ہے کہ قدیم نسخہ کی عبارت میں ضعف ومرجوحیت کی طرف اشارہ کے الفاظ بھی ہوں جو اس طبع کرنے والے نے نکال دیے ہوں۔ اس طبع کرنے والے نے چند جگہ الحاق کیا ہے جو نسخۂ قدیمہ قلمیہ میں نہیں اور جو عقلاً نقلاً محض باطل ہے۔ ۱۲ منہ]

فتاویٰ امام حافظ الدین محمد بن محمد بن شہاب المعروف ابن بزاز کردری میں فرمایا۔ **تزوجها بشهادة الله تعالیٰ جل جلاله و رسوله علیه الصلاة والسلام لا ینعقد و یخاف علیه الکفر لانه یوهم انه علیه الصلوٰة والسلام یعلم الغیب وعنده مفاتیح الغیب الآیة وما اعلم الله تعالیٰ لخیار عباده بالوحی اوالالهامن الحق لم یبق بعد الاعلام غیبا فخرج عن الحصرین المستفادین من تقدیم المسند والحصر بالا۔** (الفتاویٰ البزازیہ علی الھندیہ، ج۔ ۴ ص ۱۱۹، کوئٹہ) نے صاف کردیا کہ مراد امام بزازی علم ذاتی ہے کہ اگر عطائی ماننا بھی کفر ہوتا تو **یخاف** نہ فرماتے اور **ما اعلم الله تعالیٰ بالوحی والالهام لخیار عباده** کہہ کر خیار عباد کے لیے من جانب اللہ وحی والہام سے علم ہونے کو تسلیم نہ کرتے۔ **لم یبق غیباً** پر وہابیہ بہت بغلیں بجاتے ہیں اور قول بزازیہ دکھادکھا کر مسلمانوں کو اکثر فریب میں ڈالا کرتے ہیں۔ مگر ہماری تقریر بالا سے روشن ہوگیا کہ **لم یبق غیباً** خود اسی طرف مشیر ہے کہ یہاں مرادِ امام غیب سے غیب ذاتی ہے۔ ان کا مطلع یہ ہے کہ وہ غیب بعد اعلام باقی نہ رہا جو خدا کے ساتھ خاص ہے۔ علماے اہل فہم کی فہم پر اعتماد کرتے ہوئے ایسی قیود ضروریہ اکثر ترک فرمادیا کرتے ہیں جنھیں شراح ومحشین ذکر کرتے ہیں۔ **لم یبق غیباً ای مختصا بالله تعالیٰ** درمختار مع ردالمحتار جلد دوم ص ۳۰۰ (ج۔ ۴ ص ۹۹ دارالکتب العلمیہ، بیروت) میں ہے۔ **تزوج بشهادة الله ورسوله لم یجز۔ بل قیل یکفر۔** اس قیل نے ضعف ومرجوحیت تکفیر کا اشعار فرمایا علامہ شامی قدس سرہٗ السامی نے اس قول پر ردالمحتار درمختار مع ردالمحتار جلد دوم ص ۳۰۰ (ج۔ ۴ ص ۹۹ دارالکتب العلمیہ، بیروت) میں تحریر فرمایا۔ **قال فی التتار خانیة وفی الحجة ذکر فی الملتقط انه لا یکفر لان الاشیاء تعرض علی روح النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم و ان الرسل یعرفون بعض الغیب قال تعالیٰ فلا یظهر علی غیبه احداً الا من ارتضیٰ من رسول۔** یعنی تاتارخانیہ اور حجہ میں فرمایا کہ ملتقط میں ذکر کیا کہ وہ کافر نہ ہوگا اس لیے کہ اشیا روح نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر پیش کی جاتی ہیں اور بے شک رسل علیہم السلام بعض غیب کی معرفت رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **فَلَا یُظۡهِرُ عَلٰی غَیۡبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارۡتَضٰی مِنۡ رَّسُوۡلٍ۔** (سورۂ جن آیت۔ ۲۷۔۲۶) پھر قلت لکھ کر مقطع کا بند یہ فرمایا جس نے وہابیہ کو بالکل ہی ذبح کردیا، ان کی گردن یکسر قطع فرمادی۔ **بل ذکروا فی کتب العقائدان من جملة کرامات الاولیاء الاطلاع علی بعض المغیبات وردوا علی المعتزلة المستدلین بهذه الآیة علی نفیها بان المراد الاظهار بلا واسطة والمراد من الرسول الملک لا یظهر علی غیبه بلا واسطة الا الملک اما النبی والاولیاء فیظهرهم بواسطة الملک او غیره و قد بسطنا الکلام علی هذه المسألة فی رسالتنا المسماة سل الحسام الهندی لنصرة سیدنا خالد النقشبندی فراجعها فان فیها فوائد نفیسة۔** (ردالمحتار ج۔ ۴ ص ۹۹ فصل فی المحرمات، دارالکتب العلمیہ، بیروت) یعنی میں کہتا ہوں بل کہ بعض علمانے کتب عقائد میں ذکر فرمایا کہ اولیا کو کرامات سے بعض مغیبات پر اطلاع ہے اور ان ائمہ نے معتزلیوں کا رد فرمایا جو

اس آیت سے نفی غیب پر دلیل لاتے تھے کہ مراد آیت اظہار بلا واسطہ ہے اور مراد رسول سے ملک ہے یعنی نہیں مسلط فرماتا اپنے غیب پر کسی کو بلا واسطہ مگر ملک کو لیکن نبی اور اولیا تو غیب پر انھیں بواسطہ ملک یا کسی اور واسطہ سے مسلط فرماتا ہے اور بے شک ہم نے اس مسئلہ پر کلام مبسوط کیا ہے اپنے رسالہ ''سل الحسام الہندی لنصرۃ سیدنا خالد النقشبندی'' میں تو اس کی طرف مراجعت کرو اسے دیکھو کہ اس میں فوائد نفیسہ ہیں۔

امام برہان الدین مرغینانی صاحب ہدایہ نے تجنیس والمزید اور علما اصحاب فتاویٰ عالمگیری نے فتاویٰ ہندیہ میں اس قول کے ضعف یا بطلان کی طرف اس کے ترک سے اشارہ فرمایا کہ مسئلہ صرف اتنا ہی لکھا **من تزوج امرأۃ بشهاد الله ورسوله لا يجوز النكاح** (فتاویٰ عالمگیری مع خانیہ جلد ۱، ص ۲۶۸) وہ ٹکڑا **لاعتقاده ان النبی عليه الصلوٰة والسلام يعلم الغيب** چھوڑ ہی دیا۔ قیل لگا کر بھی نہ لکھا مضمرات وخزانۃ الروایات اور معدن الحقائق میں ہے **والصحيح انه لا يكفر لان الانبياء عليهم الصلوٰه والسلام يعلمون الغيب وتعرض عليهم الاشياء فلا يكون كفرا**۔ اور صحیح یہ ہے کہ بہ تحقیق وہ شخص کافر نہ ہوگا اس لیے کہ انبیا علیہم السلام غیب جانتے ہیں اور ان پر اشیا پیش کی جاتی ہیں۔ تو (ان کو علم غیب کا اعتقاد) کفر نہ ہوگا۔ وہابیہ بحر الرائق کی عبارت ہی دھوکہ کو نہیں دکھاتے اکثر شرح عقائد کی عبارت یہ ہے۔ **العلم بالغيب تفرد به الله تعالىٰ لا سبيل اليه للعباد** (شرح عقائد ص ۱۷۰) مگر عبارت اتنی ہی نہیں اس کے ساتھ اسی میں یہ بھی ہے۔ **الا باعلام منه او الهام** تو یہ عبارت علم عطائی ثابت کر رہی ہے نہ کہ علم عطائی ماننے والے کو کافر مشرک ٹھہرا رہی ہے۔ یوہیں شرح فقہ اکبر کی یہ عبارت **ذكر الحنفية تصريحا بالتكفير باعتقاد ان النبی صلی الله عليه وسلم يعلم الغيب** (شرح فقہ اکبر ص ۱۸۵) اتنی پیش کرتے ہیں اور اس کے متصل اس سے اوپر کا اتنا ٹکڑا ہضم کر جاتے ہیں۔ **ثم اعلم ان الانبياء عليهم السلام لم يعلموا الغيب الا ما اعلمهم الله تعالىٰ احيانا** اس کے بعد وہی عبارت ہے۔ **وذكر الحنفية الخ** اوپر کی عبارت نے روز روشن سے زیادہ واضح وآشکار کر دیا کہ علم عطائی کا اثبات کفر نہیں۔ وہ تو عقیدہ اسلامیہ ہے ذکر الحنفیۃ تصریحا بالتکفیر الخ میں علم ذاتی ہی کے اثبات پر تکفیر ہے۔ علم عطائی تو اعلمہم اللہ تعالیٰ کہہ کر مصنف نے خود مانا۔ تو کیا آگے خود اپنی تکفیر کا ذکر کیا؟ وذکر الحنفیۃ الخ۔ وہابی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہمارے پیشواوں کے کلام میں بھی علم ذاتی کے اثبات پر حکم کفر وشرک ہے کہ وہابیہ کے پیشواوں کی عبارتیں جو اوپر گذریں ان میں صاف تصریح ہے کہ علم ذاتی مانے یا عطائی ہر طرح شرک ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

کیا معاذ اللہ یہ اکابر علما اور دین کے ائمہ قدیم وحدیث ذات احدیت اور خود اپنے اوپر اپنی عبارتوں میں حکم کفر کر رہے ہیں؟ صحابہ و اہل بیت اطہار اور عرفا وعلما دین کی تصریحات سے آفتاب سے زیادہ روشن کہ انبیا واولیا علوم غیب پر مطلع ہیں۔ حضور تو حضور ہیں صلی اللہ علیہ وعلیہم وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔ جمع النہایہ میں علامہ شنوانی فرماتے ہیں۔ **وقد ورد ان الله تعالىٰ لم يخرج النبی صلی الله تعالىٰ عليه وسلم حتى اطلعه على كل شئی**۔ فتوحات وہبیہ شرح اربعین نوویہ میں ہے۔ **الحق كما قال جمع ان الله سبحانه وتعالىٰ لم يقبض نبينا صلی الله تعالىٰ عليه وسلم حتى اطلعه على كل ما ابهمه عنه الا انه امر بكتم بعض او الاعلام ببعض** علامہ صاوی حاشیہ جلالین زیر کریمہ **يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَا اِلَّا هُوَ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً يَسْئَلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ قُلْ لَّا اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّ بَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ**۔ (سورۂ اعراف ۷/۱۸۷) تحریر فرماتے ہیں **قوله كانك حفی عنها عن بمعنی الباء والمعنی**

كانك عالم بهاو متيقين لهاقوله "تاكيد"اى لماقبله لبيان انهامن الامر المكتوم الذى استأثر الله بعلمه فلم يطلع عليه احد الا من ارتضاه من الرسل والذى يجب الايمان به ان رسول الله لم ينتقل من الدنيا حتى اعلمه الله بجميع المغيبات التى تحصل فى الدنيا والآخرة فهو يعلمها كماهى عين يقين لماورد رفعت لى الدنيا فانا انظر فيها كما انظر الى كفى هذه وورد انه اطلع على الجنة وما فيها والنار وما فيها وغير ذٰلك مما تواترت به الاخبار ولكن امر بكتمان البعض قوله وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ ان قلت ان هٰذا يشكل على ماتقدم لنا انه اطلع على جميع مغيبات الدنيا والآخرة۔ والجواب انه قال ذلك تواضعاً واو ان علمه بالمغيب كلا علم من حيث انه لا قدرة له على تغيير ما قدر الله وقوعه فيكون المعنى حينئذٍ لوكان لى علم حقيقى بان اقدر على ماارید وقوعه لاستكثرت الخ۔ (تفسیر صاوی جلد دوم، ص ۱۰۴)

ہاں! ہاں! او دل بیمار وہابی! جل کر خاک ہو جا! واحد قہار اور زیادہ تجھے دنیا و آخرت میں جلنا نصیب کرے۔ پھر جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ تجھے جلائے۔ دم بدم تری جلن زیادہ کرے۔ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضاً (سورہ بقرہ آیت ۱۰) ہاں! ہاں! او دیوبندی! اپنے آتش غیظ میں بھن کر کباب ہو جا۔ اللہ تجھے بھنتا رکھے۔ یستحكم بعذاب ذلک جزاء اعداء الله النار۔ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (سورہ آل عمران، آیت ۱۱۹) او کذاب مفتری! او بہتان پر جری! تو تو علمائے اسلام پر اتہام رکھتا ہے کہ وہ انبیا کے لیے علم غیب ماننے والے کو کافر کہتے ہیں۔ مگر اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِىْ كَيْدَ الْخَائِنِيْنَ (سورہ یوسف آیت ۵۲) او کیّاد مکار، خائن! تیرا کوئی کید کوئی مکر چھل فریب نہ چلا، تیرے مکر و کید چھل فریب کی دھجیاں تو ان ہی عبارات علما سے اڑ گئیں۔ آگے اور اپنی بے نور آنکھیں پھاڑ کر دیکھ تفسیر نیشاپوری مصری جلد ۳، ص ۴۴ میں ہے۔ مَنْ ذَا الَّذِىْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗ اِلَّا بِاِذْنِهٖ۔ هٰذَا الاستثناء راجع الى النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كأنه قيل مَنْ ذَا الَّذِىْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗ يوم القيمة الا عبده محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ما بين ايدهم من اوليات الامر قبل خلق الخلائق وما خلفهم من احوال القيامة۔

حضرت سیدی شیخ محقق عبدالحق قدس سرہٗ مدارج شریف میں فرماتے ہیں "ہر چہ در دنیا ست از زماں آدم تا اوان نفخۂ اولی بروے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منکشف ساختند تا ہمہ احوال او را از ازل تا آخر معلوم گردید یاران خود را نیز از بعضے ازاں احوال خبر داد (ص ۱۳۹ باب پنجم، مطبع مظہر العجائب۔ ۱۲۷۱ھ) نیز (ایضاً ص ۳ پر) فرماتے ہیں رحمہ اللہ تعالیٰ وہو بکل شئ علیم۔ وو ی صلی اللہ تعالیٰ علیہم وسلم دانا ست بہمہ چیز از شیونات و احکام الٰہی و احکام صفات حق و اسما و افعال و آثار و بہ جمیع علوم ظاہر و باطن و اول و آخر احاطہ نمودہ و مصداق فوق کل ذی علم علیم شدہ علیہ من الصلوٰت افضلہا و من التحیات اتمہا و اکملہا۔ درۃ الغواص اور الجواہر والدرر کلاہما للعارف سیدی الامام عبدالوہاب الشعرانی قدس سرہٗ الربانی میں ہے۔ محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم هو الاول والآخر والظاهر والباطن قد ولج حين اسرى به عالم الاسماء اولها مركز الارض وآخرها السماء الدنيا بجميع احكامها وتعلقاتها ثم ولج البرزخ الى انتهائه وهو السماء السابعة ثم ولج عالم العرش الى ما لا نهاية له وانفتح فى برزخيته صور العالم الالٰهية والكونية۔ "محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہی اول ہیں وہی آخر، وہی ظاہر وہی باطن (یعنی خلق میں) وہ شب معراج عالم اسما میں داخل ہوئے جس کی ابتدا مرکز ارض اور انتہا سمائے دنیا ہے۔ اس عالم کے جملہ احکام و تعلقات جان لیے۔ پھر عالم برزخ میں داخل ہوئے اس کے منتہا ساتویں آسمان تک۔ پھر عالم عرش میں وہاں تک جس کی انتہا ہی نہیں اور حضور کے باطن میں عالم الٰہی اور حادث عالموں کی صورتیں منکشف ہو گئیں۔

حضرت سیدی عارف باللہ شیخ اکبر محی الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتوحات مکیہ کے باب دہم میں فرماتے ہیں وصل زمان نشأة

الجسم الظاهری المحمدی **صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم فظهر مثل الشمس الباهرة الی قوله و ظهرت سیادته التی کانت باطنة فهو الاول والآخر والظاهر والباطن وهو بکل شئی علیم فانه قال اوتیت جوامع الکلم و قال عن ربه ضرب بیده بین کتفی فوجدت بردانا مله بین ثدی فعلمت علم الاولین والآخرین الخ۔**(ج۔۱ص۱۳۶دارالکتب العربیہ،مصر) جسم ظاہری محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آفرینش کا وقت پہنچا تو روشن سورج کی طرح حضور نے ظہور فرمایا (تا) اور حضور کی سیادت باطنہ ظاہر ہوگئی تو (مخلوق میں) محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی اول وآخر وظاہر وباطن ہیں اور ان کا علم ہر شئی کو محیط ہے۔امام اجل قاضی عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ شفا شریف میں فرماتے ہیں **لٰکنه صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه و سلم اوتی علم کل شئی** ۔حضرت عارف مولانا رومی قدس سرہٗ نے مثنوی میں فرمایا ؎

گرچہ بر غیبے خدامارا نمود دل دراں لحظہ بخود مشغول بود

تفسیر روح البیان (جلد ۱۰،ص ۱۰۴) میں زیر کریمہ مَا اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّکَ بِمَجْنُوْنٍ فرمایا **بل انت عالم بماکان خبیر بما سیکون** نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض جلد ۳ میں فرمایا **الانبیاء صلاة اللّٰہ وسلامه علیهم اجمعین من جهة الاجسام والظواهر مع البشر و بواطنهم و قواهم الروحانیة ملکیة ولذا تری مشارق الارض و مغاربها و تسمع اطیط السماء و تشم رائحة جبرئیل علیه الصلاة والسلام اذا اراد النزول الیهم** ۔(ج۔۵ص۴۲-۱۴۱،دارالکتب العلمیہ ،بیروت) سب انبیا بہ نظر ظاہری اجسام بشر کے ساتھ ہیں اور ان کے باطن اور روحانی قوتیں ملائکہ کی سی ہیں۔اسی لیے مشارق ارض ومغارب زمین ان کی نظر میں ہوتے ہیں اور آسمان کی چرچراہٹ سنتے اور جبریل امین علیہ الصلاۃ والسلام کی خوشبو جب وہ انبیا ی طرف نزول کا ارادہ کرتے ہیں اسی وقت سے سونگھ لیتے ہیں۔

عارف کبیر سیدی حضرت سید احمد رفاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر امام شعرانی قدس سرہٗ النورانی الطبقات الکبری بندہ کامل کے بارے میں فرماتے ہیں **اطلعه علی غیبه لا تنبت شجرة و لاتخضر ورقة الا بنظره** مولیٰ تعالیٰ اپنے غیب پر اسے مطلع فرماتا ہے یہاں تک کہ کوئی پیڑ نہیں اگتا کوئی پتہ نہیں ہریا تا ہے مگر اس کی نظر کے سامنے۔حضرت عارف سامی مولانا جامی قدس سرہٗ نفحات الانس شریف میں فرماتے ہیں سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے امام جلیل الشان حضرت سیدی عزیزان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے۔زمین درنظریں ایں طائفہ چوسفرہ ایست۔نیز نفحات میں ہے کہ حضرت خواجۂ خواجگان خواجہ نقشبند رضی اللہ تعالیٰ عنہ،حضرت عزیزان رضی عنہ اللہ المنان کا وہ کلام شریف نقل فرماتے۔پھر فرماتے وما لی گوئیم چوں روی ناخنے است ہیچ چیز از نظر ایشاں غائب نیست۔حضور پرنور سید الاسیاد،غوث الاغواث،قطب الاقطاب،غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے قصیدۂ خمریہ مبارکہ میں اپنی نسبت ارشاد فرماتے ہیں۔

نظرت الی بلاد اللّٰہ جمعا کخردلة علی حکم اتصال

حضرت سیدی شریف عبدالعزیز پھر حافظ الحدیث سجلماسی اپنی کتاب مستطاب ابریز میں فرماتے ہیں۔ **ما السموٰت السبع والارضون السبع الا کحلقة ملقاة فی فلاة من الارض** ۔اولیا کی نظر میں زمین مثل دسترخوان ہے عارف کی نگاہ میں روے ناخن کی طرح کوئی چیز ان کی نظر سے غائب نہیں۔سید العرفا کی نظر اقدس کے حضور رائی کے دانے کے مانند۔مومن کامل کی نظر میں ساتوں آسمان ساتوں زمینیں ایسی جیسے کسی لق ودق میدان میں چھلا پڑا ہوا۔

وہابی بے دین تو حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے عطائی علم غیب کے اعتقاد کو کفر لکھتا اور حنفیہ معتقد علم غیب عطائی کی تکفیر کا

افترا و بہتان کرتا ہے۔ کیا حنفیہ کے نزدیک معاذ اللہ یہ علما اولیا عرفا جنھوں نے انبیا اولیا کے لیے یہ کچھ فرمایا کافر ہیں؟ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ ایسی نجس ناپاک گندی گھنونی خبیث تکفیر و انکار پر حضرت مولانا روم قدس سرہٗ نے خوب فرمایا ہے۔ رومی سخن کفر نہ گفتہ است و نہ گوید منکر مشوید ش کافر شدہ آں کس کہ بانکار برآمد مردود جہاں شد۔ وہابیہ دیوبندیہ کے گروگنگوہی کا اندھا پن ملاحظہ ہو۔ قرآنی ارشادات **نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْئٍ**۔ (سورۂ /) ہم نے تم پر یہ کتاب اتاری ہر چیز کے روشن بیان کو۔ **ما فرطنا فی الکتاب من شئی**۔ ہم نے اس کتاب میں کوئی شی اٹھا نہ رکھی۔ **لَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ**۔ (سورۂ /) ہر تر و خشک کتاب مبین میں ہے۔ اوران کے سوا اور آیات باہرات جو اوپر گذریں اوران کے علاوہ اور احادیث شریفہ زاہرہ جو اوپر بیان ہوئیں اوران کے علاوہ۔ ان سب کو پیٹھ دے کر براہین قاطعہ ص ۵۱۸ **لما امر اللہ بہ ان یوصل** میں اپنے ایک انبیٹھی خلیل احمق عدو احمد کے نام سے۔ اللہ کے حبیب محبوب کو یہ صریح دشنام اور ابلیس کی تام چھاپ دی۔ شیطان کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا حصہ ایمان کا ہے۔ شیطان کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی فخر عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے جس سے تمام نصوص رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے"۔ معاذ اللہ! معاذ اللہ! معاذ اللہ! **(وھو تعالیٰ اعلم)**

مسئلہ : وتر باجماعت کے احکام

الجواب : جس نے فرض باجماعت نہ پڑھے ہوں، وہ وتر کی جماعت میں شامل نہ ہو کہ اس میں جماعت نہیں مگر تبعاً کہ وہ من جہۃٍ نفل ہے۔ وتر میں جماعت رمضان ہی میں یا بہ تبعیت فرض ہے یا کہ بہ تبعیت رمضان یا بہ تبعیت تراویح اور مشہور یہی ہے کہ بہ تبعیت جماعت فرض یا بہ تبعیت جماعت تراویح ہے۔ علما کا اس میں اختلاف ہے کہ جس نے فرض جماعت سے نہ پڑھے وہ تراویح بھی بہ جماعت پڑھے یا نہ پڑھے؟ اگرچہ صحیح یہی ہے کہ وہ تراویح بہ جماعت پڑھ سکتا ہے۔ جماعت فرض کے تابع ہے جب تو ظاہر ہے کہ اگر فرض بہ جماعت نہ پڑھے ہوں تو وتر بہ جماعت نہیں پڑھ سکتا اور بہ تبعیت رمضان ہے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ رمضان میں اور جماعت ہی سے پڑھے بل کہ رمضان میں جماعت سے پڑھ سکتے ہیں۔ بہر صورت جماعت ہی سے پڑھنا اس سے کہاں نکلتا ہے؟ یوہیں اگر بہ تبعیت جماعت تراویح ٹھہرائیں جب بھی۔ اور میں کہتا ہوں کہ تبعیت فرض سے جماعت وتر کچھ کہو نہیں نکلتی۔ رمضان کے تابع کہو تو اس کے یہی معنیٰ ہیں کہ رمضان ہی میں وتر کی جماعت بہ تبعیت عشا یا بہ تبعیت تراویح ہوگی۔ یہ نہیں کہ رمضان میں اس میں جماعت علی الاستقلال ہے۔ **فانہ لم یقل بہ احد**۔

وتر کا نماز مستقل غیر تابع عشا ہونا اور بات ہے اور اس میں جماعت کا استقلال اور بات۔ اس خلاف کا ثمرہ یہ نہیں کہ جن کے نزدیک جماعت وتر تابع جماعت فرض ہے، وہی بہ حالت فوت جماعت عشا جماعت وتر سے ممانعت کریں اور جن کے نزدیک اس کی جماعت تابع جماعت تراویح ہے۔ وہ اس نے جب کہ جماعت تراویح فوت نہ کی ہو یا اور جن کے نزدیک تابع رمضان ہے اسے مطلقاً جماعت وتر کی اجازت دیں بل کہ اس خلاف کا ثمرہ یہ ہے کہ جس نے فرض ایک امام کے پیچھے پڑھے اور تراویح دوسرے امام کے پیچھے یا فرض وتراویح دونوں ایک امام کے پیچھے اور وتر دوسرے کی اقتدا سے یا فرض جماعت سے اور تراویح بے جماعت پوری یا کچھ جماعت سے یا بالکل نہ پڑھیں تو جو اس کی جماعت تابع جماعت فرض ٹھہراتے ہیں وہ امام فرض کے پیچھے ان سب صورتوں میں اس کی جماعت جائز بتاتے ہیں دوسرے کے پیچھے اجازت نہیں دیتے اور جو جماعت تراویح کے تابع بتاتے ہیں وہ امام تراویح کے پیچھے بہ شرطے کہ اس نے تراویح سب یا کچھ جماعت سے ادا کی ہوں اور جو اسے رمضان کے تابع ٹھہراتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ امام کے پیچھے پڑھے یا امام تراویح کے یا کسی اور امام کے خواہ تراویح سب یا کچھ جماعت سے پڑھی ہوں یا علاحدہ یا بالکل نہ پڑھی ہوں۔

غنیۃ میں فرمایا اذالم یصل الفرض مع الامام فعن عین الائمۃ الکربیسی انہ لا یتبعہ فی التراویح ولا فی الوتر و کذا اذا لم یتابعہ فی التراویح لا یتابعہ فی الوتر (غنیۃ، ص ۳۹۱) اسی میں فرمایا لو صلی العشا وحدہ فلہ ان یصلی التراویح مع الامام وھو الصحیح حتی لو دخل بعد ماصلی الامام الفرض و شرع فی التراویح فانہ یصلی الفرض اولا وحدہ ثم یتابعہ فی التراویح و فی القنیۃ لو ترکوا الجماعۃ فی الفرض لیس لھم ان یصلوا التراویح جماعۃ لانھا تبع للجماعۃ۔

ردالمحتار میں تاتارخانیہ اس میں تتمہ سے ہے۔ سئل علی بن احمد عمن صلی الفرض والتراویح وحدہ او التراویح فقط ھل یصلی الوتر مع الامام قال لا اھ اس کے بعد شامی میں فرمایا ثم رأیت القھستانی ذکر تصحیح ماذکرہ المصنف (من جواز الوتر جماعۃ لمن صلی التراویح منفرداً ای والفرض جماعۃ ۱۲ جدالممتار) ثم قال لٰکنہ اذ لم یصل الفرض معہ لا یتبعہ فی الوتر (ردالمحتار جلد اول ص ۵۲۴ مطبوعہ کوئٹہ) اعلیٰ حضرت سیدنا الوالد الماجد قدس سرہٗ نے حاشیہ شامی جدالممتار میں فرمایا۔ فالمتحصل مما ذکر ان من صلی الفرض بجماعۃ یجوز لہ الدخول فی جماعۃ الوتر سواء صلی الفرض خلف ھٰذا الامام او خلف غیرہ سواء صلی التراویح وحدہ او خلف ھٰذا الامام او خلف غیرہ بل و من لم یصلھا راسا کما یشملہ اطلاق قولہ ولم یصلھا بالامام یصلی الوتر فانہ یصدق بانتفاء القید والمقید کلیھما فلیحرر واللہ تعالیٰ اعلم۔ والمنفرد فی الفرض ینفرد فی الوتر۔ (جلد اول ص ۳۳۸)

مجمع الانہر میں ہے: لو ترکوا الجماعۃ فی الفرض لم یصلوا التراویح بجماعۃ ولو لم یصلھا مع الامام صلی الوتر بہ لانہ تابع لرمضان و عند البعض لا لانہ تابع للتراویح عندہ و فی القھستانی یجوز ان یصلی الوتر بالجماعۃ وان لم یصل شیئا من التراویح مع الامام او صلاھا مع غیرہ وھو الصحیح ۔ (ج۔ ا ص ۵۷۔ ۱۷۴، داراحیاء التراث العربی ، بیروت)

صغیری اور اس کی اصل کبیری میں یہ مسئلہ ہماری نظر میں دو جگہ ہے کہ اگر کسی کا ایک تراویح یا دو تراویح کا اکثر فوت ہو گئے اور امام وتر کو کھڑا ہو گیا تو یہ امام کے ساتھ وتر پڑھے یا اپنی باقی تراویح ادا کرے دونوں جگہ اس کا کہیں پتہ نہیں کہ اگر چہ فرضوں میں شامل نہیں ہوئے۔ کیوں کہ جماعت وتر تابع جماعت تراویح کے ہے۔ صغیری و کبیری کی عبارت یہ ہے۔ ان فاتتہ مع الامام ترویحۃ او ترویحتان او اکثر ھل یقضیھا قبل الوتر او یوتر ثم یقضیھا ذکرہ فی الذخیرۃ اختلف المشایخ فی زماننا قال بعضھم یوتر مع الامام ثم یقضی مافاتہ من التراویح احراز الفضیلۃ الوتر بالجماعۃ مع ان التراویح یجوز بعدہ و قال بعضھم یصلی التراویح المتروکۃ ثم یوتر (غنیۃ ص ۳۸۶) انھیں میں دوسری جگہ زیر فروع ہے۔ فاتتہ ترویحۃ او ترویحتان و قالم الامام الی الوتر یوتر مع الامام ثم یقضی مافاتہ (غنیۃ ص ۳۹۱) ان میں یہ کہاں ہے کہ اگر چہ فرضوں میں شامل نہیں ہوئے اور نہ یہاں یہ ہے کہ جماعت وتر تابع جماعت تراویح ہے۔ اس صورت مسئلہ کو فوت جماعت فرض سے کیا تعلق وہ صورت ان دونوں کتابوں میں زیر فروع اسی مسئلہ مذکورہ سے متصل ذکر فرمائی ہے کہ اور جب کہ فرض امام کے ساتھ نہ پڑھے ہوں تو امام عین الائمہ کرابیسی سے منقول ہے کہ نہ امام کے ساتھ تراویح پڑھے نہ وتر۔

پھر اس صورت میں بھی کبیری میں بعد بیان اختلاف حکم و وجہ ہر حکم تحریر فرمایا کہ لا شک ان تاخیر الوتر اولی و ان فاتت

الجماعة فيه فان الانفراد به اولی علی قول الجمهور كما سيأتی انشاء اللّٰه تعالی۔ (غنیۃ ص ۳۸۶) یعنی بے شک تاخیر وتر اولی ہے اگر چہ وتر کی جماعت جاتی رہے کہ وتر میں انفراد ہی برقول جمہور اولی ہے جیسا کہ عن قریب مذکور ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ۔ نیز صغیری میں بعد بیان اختلاف فرمایا۔ **ولا شک ان تاخير الوتر اولی، كذلك الا انفراده به** کہاں یہ اور کہاں وہ کہ اگر چہ فرضوں میں شامل نہیں ہوئے کیوں کہ جماعت وتر جماعت تراویح کے تابع ہے اس سے لزوم جماعت وتر یا بہر حال بے کراہت اس کا جواز کیوں کر نکلا کہ اگر چہ فرضوں کی جماعت کھوئی ہو مگر وتر جماعت ہی سے پڑھے تابع ہونے کا حاصل تو اتنا ہی ہے کہ تراویح جماعت سے پڑھی جاتی ہیں تو رمضان میں ان کی تبعیت سے وتر بھی بہ جماعت پڑھ سکتے ہیں نہ یہ کہ وتر بہر حال جماعت ہی سے پڑھیں۔

ہاں صغیری کی یہ عبارت **واذالم يصل الفرض مع الامام قيل لا يتبعه فی التراويح والا فی الوتر وكذا اذالم يصل معه التراويح لا يتبعه فی الوتر والصحيح انه يجوز ان يتبعه فی ذلک كله الخ** میں اس کا ایہام ضرور ہے کہ اگر چہ فرض بے جماعت پڑھے ہیں وتر میں شامل ہو سکتے ہیں مگر یہ نرا وہم ہے، اس کا کوئی قائل نہ ہوا۔ کتب فقہ دیکھ جائیے دور کیوں جائیے کبیری ہی دیکھ لیجیے۔ اختصار کے سبب یہ وہم پیدا ہو گیا۔ تصحیح دو قولوں سے ایک کی ہوتی ہے یہاں کوئی دوسرا قول ہی نہیں۔ **ومن ادعیٰ فعليه البيان** پھر اگر ہوتا بھی تو اصحاب تصحیح سے اس کی تصحیح اگر ہوتی تو علامہ ابراہیم حلبی صاحب صغیری یہ فرما سکتے کہ **والصحيح الخ** کہ خود یہ اصحاب تصحیح سے نہیں کہ خود کسی قول کی تصحیح کریں۔ بات یہ ہے کہ اس میں اختلاف ہے۔ خود کبیری ملاحظہ کیجیے۔ اس میں پہلے امام عین الائمہ کرابیسی سے یہ نقل فرمایا کہ جس نے فرض جماعت سے نہ پڑھے وہ نہ تراویح جماعت سے پڑھے نہ وتر۔ یوہیں جس نے امام کے ساتھ تراویح نہ پڑھیں وہ وتر بھی امام کے ساتھ نہ پڑھے۔ پھر اس میں خلاف نقل فرمایا کہ فرمایا۔ **و قال ابو يوسف البانی اذا صلی مع الامام شيئا من التراويح يصلی معه الوتر وكذا اذالم يدرک معه شيئاً منها** (غنیۃ ص ۳۹۱) یعنی امام ابو یوسف البانی نے فرمایا کہ اگر کچھ تراویح بھی امام کے ساتھ پڑھی ہوں تو اس کے ساتھ وتر پڑھ سکتا ہے۔ یونہی اگر کچھ بھی امام کے ساتھ نہ پڑھی ہوں وتر اس کے ساتھ پڑھے۔

پھر فرمایا **وكذا اذا صلی التراويح معه غيره له ان يصلی الوتر معه** یعنی یوں ہی جب کہ امام کے سوا کسی اور امام کے ساتھ تراویح پڑھیں تو اسے امام وتر کے ساتھ وتر پڑھنا چاہیے۔ **وهو الصحيح ذكره ابو الليث** یہ صحیح ہے امام ابو اللیث نے اسی کو صحیح فرمایا آگے فرمایا **وكذا قال ظهير الدين المرغينانی لو صلی العشاء وحده فله ان يصلی التراويح مع الامام وهو الصحيح** ۔ یوں ہی امام ظہیر الدین مرغینانی نے فرمایا کہ اگر عشا تنہا پڑھی تو اسے جائز ہے کہ تراویح امام کے ساتھ پڑھے۔ **وهو الصحيح** ۔ اور یہی صحیح ہے **حتی لو دخل بعد ما صلی الامام الفرض و شرع فی التراويح فانه يصلی الفرض او لا وحده ثم يتابعه فی التراويح** ۔ یہاں تک کہ اگر امام کے فرض پڑھ لینے اور تراویح شروع کر دینے کے بعد آیا تو پہلے فرض علاحدہ پڑھ لے پھر تراویح میں امام کی اتباع کرے۔ کبیری میں اس کا کہیں نشان ہے کہ فرض بے جماعت پڑھے ہوں تو بھی وتر جماعت سے پڑھ سکتا ہے؟ حاشا کہیں نہیں۔ اس کا کہیں پتہ ہی نہیں، تصحیح کیسی؟ انھوں نے پہلے امام عین الائمہ سے تین حکم نقل فرمائے۔ (۱) جس نے فرض بے جماعت پڑھے ہوں وہ تراویح میں امام کی اتباع نہ کرے۔ (۲) یوں ہی وتر میں (۳) جس نے تراویح میں اتباع امام نہ کیا ہو وہ وتر میں بھی اتباع نہ کرے۔ یہ مسئلہ مختلف فیہ تھا اس میں اختلاف ذکر کیا۔ پھر امام ابو اللیث سے امام ابو یوسف البانی کے اس قول کی تصحیح نقل فرمائی کہ تراویح ایک کے پیچھے پڑھیں تو دوسرے کے پیچھے وتر پڑھ سکتا ہے۔ یوں ہی پہلے میں بھی اختلاف تھا اور قول آخر یعنی جواز جماعت تراویح بہ حال فوت جماعت فرض صحیح تھا۔ اسے لکھا اور اس کی امام ظہیر الدین مرغینانی سے تصحیح نقل فرمائی۔

دیکھیے امام عین الائمہ کرابیسی کے جواب میں انھوں نے ان دونوں مسئلوں میں امام ابواللیث وامام ظہیرالدین مرغینانی سے تصحیحیں نقل فرمائیں اور جہاں سادہ خلاف قول تھا وہاں سادہ نقل فرمایا۔ان کا وہ دوسرا مسئلہ کہ جس نے فرضوں کی جماعت کھوئی ہے وہ وتر جماعت سے نہ پڑھے، خلاف سے ہی پاک تھا۔اسی لیے اس کے خلاف کوئی سادہ قول بھی نقل نہ فرمایا۔اگر اس کے خلاف کوئی قول ہوتا تو ضرور نقل فرماتے۔اب بحمدہٖ تعالیٰ روشن تر ہوگیا کہ صغیری کی عبارت سے جو وہم ہوتا ہے وہ نرا وہم ہے۔ ہرگز ان کی مراد یہ نہیں کہ فرض بے جماعت پڑھے ہوں جب بھی وتر جماعت سے پڑھے یہی صحیح ہے کہ اس کا صحیح ہونا درکنار یہ کسی کا قول ہی نہیں۔ فالحمدلله والنعمة على كشف الغمة وهو ولى النعمة وكتبت على تلك العبارة الموهمة على هامش الصغيرى قوله فى ذٰلك كله يعنى اتباعه فى التراويح صحيح فيما اذا لم يصل الفرض جماعة وكذا اتباعه فى الوتر فيما اذا لم يصل التراويح بالجماعة لا ان اتباعه فى الوتر يصح فيما اذا لم يصل الفرض مع الامام فافهم وتدبر وتثبت وتشهد۔ لماقلنا اقتصارة فى التصريح على لفظه التراويح هذا كله كتبته بتوفيق الله تعالىٰ تفقها ثم بعد تحريره بشهر او ازيد ظفرت بصغيرى مكتبة سيدنا الوالد الماجد رحمه الله تعالىٰ عنها فراجعتها فوجدت بحمدالله تعالىٰ ما حاشية على تلك العبارة الموهمة۔ اجاب عنها بعينه ما اجبت وبحث ما بحثت ولله الحمد وهذا ما نصه قوله والصحيح انه يجوز ان يتبعه فى ذلك كله ليس هو رحمه الله تعالىٰ من اصحاب التصحيح وانما هو ناقل ويرشدك مطالعة۔ شرحه الكبير الملخص منه هٰذا الصغير ان التصحيح للامام الفقيه ابى الليث وللامام ظهير الدين المرغينانى وانهما انما يرجحان الى تصحيح جواز الاتباع فى الوتر وان لم يتبع فى التراويح وجواز الاتباع فى التراويح وان لم يتبع فى الفرض ولا اثر فيهما لتصحيح جواز الاتباع فى الوتر وان لم يتبع فى الفرض فراجعه ص(۴۱۰) فالواقع هٰهنا نشأ من اقتصار فحل فليتنبه۔ ليس الفرق بينهما الافرق اللسان كانه هو فانظر الى هذا التوارد ومن انا وايش انا ما هٰذا الا بفضل الله فيض خدمته رضى الله تعالىٰ عنه وارضاه عنا ثم بعد ما مضى على هذا برهة من الزمان ظفرت بكرم الله تعالىٰ بباب الوتر والنوافل من فتاواه المنيفة المباركة قدس الله تعالىٰ سرهٗ وافاض علينا بره فراجعته فوجدت فيها هٰذا الفتوىٰ بالعربية ما قولكم رحمكم الله تعالىٰ فى الرجل الذى اقتدىٰ بالامام فى التراويح وقد صلى الفرض فى بيته او مع غير الامام هل يصلى الوتر بالجماعة ام لا والوتر بالجماعة تابع لرمضان ام لجماعة الفرض۔

مسئلہ: مدرسہ کے نام وقف روپے کے احکام۔

الجواب: کچھ روپیہ مدرسہ اسلامیہ کے لیے وقف ہے، اس کا مطلب ظاہر تو یہی ہے کہ کسی نے خود روپیہ وقف کیا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مدرسہ پر کوئی جائداد وقف ہے اس کا روپیہ۔ یا یہ کہ مدرسہ کے چندوں کا روپیہ۔اگر مطلب وہی ہے جو اس عبارت کا ظاہر تو یہاں روپے کا وقف بوجہ عدم عرف وتعامل صحیح نہیں کہ منقول کا قصداً وقف اگرچہ مختلف فیہ ہے اور صحیح ومفتی بہ مذہب، جواز ہی ہے مگر جن کے نزدیک جائز ہے ان کے نزدیک بھی جب ہی جب کہ اس شی منقول کا وقف عرفاً رائج ومعمول بہ ہو۔ قیاس کا مقتضی تو یہی ہے کہ شی منقول کا وقف صحیح ہی نہ ہو۔ لان من شرط الوقف التابيد والمنقول لا يدوم، مگر جو حضرات تعامل کے سبب اس کے جواز کا قول کرتے ہیں وہ بوجہ حدیث، ماراٰه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن (مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۳۷۹) فرماتے ہیں کہ تعامل سے قیاس متروک ہوجاتا ہے۔اور ہندوستان میں خود دراہم ودنانیر کے وقف پر تعامل نہیں۔تو یہاں اس کے جواز کا قول کسی طرح نہیں کیا جاسکتا۔ہاں

اگر بعض اقطار ہند میں اس کا وقف آج کل رائج و معروف ہو تو ان اقطار میں جب تک ایسا رائج و معروف رہے اس کے جواز کا فتویٰ دیا جائے گا۔ تنویر الابصار و درمختار میں اختیار سے ہے۔ **صح وقف کل منقول قصدا فیه تعامل کفأس و قدوم بل و دراهم و دنانیر و مکیل و موزون و قدر و جنازة و ثیابها و مصحف و کتب لان التعامل یترک به القیاس لحدیث ما رآه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن بخلاف ما لا تعامل فیه و هٰذا قول محمد و علیه الفتویٰ ، اختیار اه** مختصراً (در مختار جلد ۴، ص ۳۳۶ سے ۳۶۵، مطبوعہ مصر)

ردالمحتار میں ہدایہ امام برہان الدین سے اسی کو مختار اکثر فقہا اور اسعاف فی احکام الاوقاف سے اسی کو صحیح اور فتاویٰ ظہیر الدین مرغینانی سے اسی کو قول اکثر مشائخ نقل فرمایا۔ ردالمحتار میں زیر قول شارح **کل منقول قصدا** فرمایا **عند محمد یجوز مافیه تعامل من المنقولات و اختاره اکثر فقهاء الامصار کما فی الهدایة وهو الصحیح کما فی الاسعاف وهو قول اکثر المشایخ کما فی الظهیریة لان القیاس قد یترک بالتعامل۔** (ردالمحتار جلد ۴، ص ۳۶۳، مطبوعہ مصر) اس صورت میں وہ روپیہ جس نے وقف کیا اس کی ملک ہے۔ مدرسہ میں چندے کے روپے کی طرح ہے۔ اس سے دریافت کریں جو جائز بات وہ بتائے اس طرح خرچ کریں اور اگر ان دیار میں درہم و دینار کا وقف رائج و معمول ہو تو البتہ وقف مانا جائے گا۔ اگر وقف ہے تو اس صورت میں اسے مضاربت پر دینا جائز۔ اسے مضارب پر دیں اور نفع کو مدرسہ پر صرف کریں۔ یونہی لوٹ پھیر کرتے رہیں اور نفع مدرسہ پر خرچ کریں۔ مجمع الانہر و عامۂ کتب میں ہے **واللفظ للمجمع "رجل" وقف الدراهم او الطعام او مایکال او یوزن ... یجوز ... و یدفع الدراهم مضاربة ثم یتصدق بفضلها فی الوجه الذی وقف علیه اه** (ج۔ ۲ ص ۳۸۰، داراحیاء التراث العربی، بیروت) مختصراً مگر قوم نے جب اسے قرض دیا لیا ہے تو یہ حرام و ناجائز لیا ہے۔ یہ معاملہ نرا سود کا ہے۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

اور اگر مدرسہ کی کسی وقفی جائداد کا روپیہ ہے تو بھی اگر تجارت قوم کی ہے، روپیہ قرض لیا ہے۔ یہی حکم ہے کہ محض ناجائز و ناروا ہے۔ مدرسہ کی پاک آمدنی کو سود کی نجاست سے ناپاک کیا ہے اور اگر وہ تجارت مدرسہ کی مدرسہ کے روپے سے کرتے تو بھی جائز نہ ہوتا کہ تجارت میں نفع و نقصان سود وزیاں دونوں کا احتمال یکساں۔ انھیں مدرسہ کے روپے سے تجارت کا کوئی حق نہیں۔ خصوصاً اس صورت میں جب کہ واقف کی شرط کے خلاف یہ تجارتی کارروائی ہو۔ ایک اس کی شرط کا خلاف یہ ناروا کام ناجائز و حرام۔ **لان شرط الواقف کنص الشارع فی وجوب الاتباع و العمل به کما نصوا علیه قاطبة۔** (ردالمحتار، جلد سوم، ص ۴۱۷، مطبوعہ کوئٹہ) دوسرے مدرسہ کی آمدنی کو معرض ہلاک میں ڈالنا۔ اس صورت میں جب کہ نقصان ہو تو جتنا نقصان ہوگا اس کا تاوان ان کے ذمہ لازم ہوگا۔ دو روپیہ سیکڑا گھٹے یا چار یا دس یا بیس جو گھٹے۔ جو گھٹی ہوگی اس کی ادا ان کے ذمہ لازم ہوگی اور اگر چندوں کا روپیہ ہے تو اس صورت کا حکم بھی تقریر بالا سے ظاہر ہے۔

و قال شیخنا و ملاذنا و استاذنا المجدد سیدنا الوالد الماجد رحمه الله تعالیٰ و قدس سره و قدسنا باسراره الشریفة فی فتاواه المنیفة، العطایا النبویة فی الفتاویٰ الرضویة۔ "چندہ کے روپے چندہ دینے والوں کی ملک پر رہتے ہیں، ان سے اجازت لی جائے جو جائز بات وہ بتائیں اس پر عمل کیا جائے۔ **و بیان المسئلة و تحقیقها فی کتاب الوقف من فتاوانا** ایسی کمپنی میں جو سود کا لین دین کرتی ہو شامل کر کے بڑھانا حرام ہے اگرچہ چندہ دہندہ اجازت دیں۔ **فلیس لاحد ان یحل ما حرم الله و قال فی جواب السوال الآخر"** "اوقاف میں شرط واقف مثل نص شارع واجب الاتباع ہوتی ہے، اس میں بلا شرط واقف یا اجازت

خاصہ شرعیہ کوئی تغیر تبدل جائز نہیں۔ مدرسہ کے مال سے مسجد کا قرض نہیں ادا کیا جا سکتا جو ادا کرے گا تاوان اس پر ہے'' **وقال فی موضع آخر فی جواب ھٰذا السوال** (فتاویٰ رضویہ، جلد ۶، ص ۴۳۸) مسجد کا جو پیسہ جمع ہے اسے کسی منفعت پر خرید وفروخت، تجارت کر سکتے ہیں؟ مسجد کے جمع مال افزود کے لیے؟ الجواب، تجارت میں نفع ونقصان دونوں کا احتمال ہے اور کارکنوں میں امین وخائن دونوں طرح کے ہوتے ہیں اور مال وقف میں شرط واقف سے زیادت کی اجازت نہیں الخ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) اس صورت میں جب کہ وہ زیادت سود ہوا گر خاص اس سودی روپیہ سے تنخواہیں دی جائیں تو کسی کو اس خاص زرحرام کا اخذ جائز نہیں۔ نہ مدرس نہ کسی اجیر کو نہ کسی مسلمان کو، وہ مال حرام لینا حلال نہیں اور اگر وآمدنی سے مخلوط کر دیا جاتا ہے تو وہ سودی روپیہ علاحدہ نہیں رکھا جاتا تو امام اعظم کے نزدیک اخذ جائز ہے مگر مکروہ اور صاحبین کے نزدیک اب بھی ناجائز، ایسی صورت میں اگر تنخواہیں پاک روپے قرض لے کر ادا کی جائیں تو مدرسین ارتکاب حرام یا مکروہ سے محفوظ رہیں گے۔ فتاویٰ خانیہ میں ہے۔ **ان کان السلطان خلط الدراھم بعضھا ببعض فانہ لا بأس بہ وان دفع عین الغصبۃ من غیر خلط لم یجز اخذہ قال الفقیہ ابو اللیث ھٰذا الجواب یستقیم علی قول ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لان عندہ اذا غصب الدراھم من قوم و خلط بعضھا ببعض یملکھا الغاصب اما علی قول ابی یوسف ومحمد فانہ لا یملکھا وتکون علی ملک صاحبھا واللہ تعالیٰ اعلم۔**

(۳) اگر صورت سود کی ہے اور اس رجسٹر میں سود کا حساب بھی لکھا جاتا ہے تو حدیث میں سود کے کاتب ومحاسب وشاہد سب پر لعنت فرمائی۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ جسے حساب فہمی زرمقصود ہو اور اس میں سود کا حساب بھی درج ہے تو زر مدرسہ کی حساب فہمی میں حرج نہیں۔ **لان الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ مانوی** (بخاری جلد ۱) سود کا حساب اس کا مقصود نہیں۔ جیسے کوئی مدرسہ یا مسجد جائے اور راہ میں کوئی منکر پائے جب تک اس منکر کی طرف بالقصد ملتفت نہ ہوگا اس پر کوئی الزام نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۴) مدرسہ یا کسی دینی کام میں زرحرام کا صرف حرام اور اس پر امید ثواب حرام برحرام۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۵) اس کا جواب بھی اوپر کے جواب سے واضح دوآنے چارآنے اور دوروپے چارروپے اور ماہوار اور سالانہ اور روزانہ سے حکم نہیں بدلتا۔ اپنا جائز مطالبہ باقساط لینے سے سود نہیں ہو جاتا۔ جیسی صورت ہوگی ویسا حکم ہوگا۔ اگر سود کی صورت ہے اور جو قوم مدرسہ سے قرض لے کر نفع دیتی ہے تو یہی صورت ہے تو چاہے پیسہ دے یا آنہ یا روپیہ روزانہ دے یا ماہانہ یا سالانہ حرام حرام حرام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۶) جب تک اصل ادا نہ ہو برابر ۴/ یا ایک پیسہ نفع لیے جانا نرا سود ہے۔ دس کا نوٹ ساڑھے بارہ یا سو کو بیچنا حلال **کما نص علی جواز بیع قطعۃ الکاغذ بالف فی فتح القدیر** (فتح القدیر جلد ۵، ص ۴۱۵ باب الکفالۃ) قرضوں بیچے یا نقد۔ جتنے میں بیچا اس سے ایک پیسہ زائد نفع لیا وہ سود ہوگا۔ باقساط لے یا یکمشت جس قدر کو بیچا ہے اتنے ہی لے خواہ یکمشت یا باقساط۔ اب یا جب۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۷) سود حرام قطعی ہے، نہ مسلمان سے لینا حلال، نہ کافر سے، نہ ذمی سے، نہ حربی سے۔ سود ہونے کے لیے مال معصوم درکار ہے جس کا مال معصوم ہو اس سے زائد لینا سود ہوگا۔ کہیں لے۔ اور جس کا مال معصوم نہیں اس سے جو کچھ ملے وہ حرام وسود نہیں۔ ہاں غدر، بدعہدی نہ کرے کہ حرام ہے۔ یہ حکومت جو نفع دیتی ہے وہ درحقیقت سود ہی نہیں۔ یوں ہی یہاں کے اور کفار کہ سب حربی ہی ہیں **وما لھم لیس بمعصوم**۔ سود سمجھ کر لینا گناہ ہے مگر جوشی ہے سمجھتے ہوئے کہ سود ہے، لی وہ سود نہیں بکری کو سوٴر سمجھ کر کھانا گناہ مگر جو کھایا وہ سوٴر نہیں، بکری ہی تھی۔ **قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لا ربا بین المسلم والحربی فی دارالحرب** ۔ (نصب الرایہ ،

ج۔۴ص ۴۴حدیث۔۶۳۹۵ موسسۃ الریان، بیروت) دارالحرب کی قید اتفاقی ہے۔احترازی نہیں کہ’’ داردون دار‘‘ کی کوئی تخصیص نہیں ’’فی دارالحرب‘‘ بحسب واقع ارشاد ہوا کہ اس زمان برکت نشان میں کوئی ایسی صورت ہی نہ تھی کہ دار، دارالاسلام ہو اور کفار’ حربیٔ اصل علت وہی عدم عصمت ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ ہم مذہب اہل سنت وجماعت ان تمام عقائد سے جو ہمارے مذہب اور عقائد کے خلاف ہیں بیزار ہیں، بیزار رہیں گے۔اس حالت میں اگر ہم ایک جماعت خاکساران تیار کریں اور اس میں شریک ہوں اور خاکساران میں جو ناظم اعلیٰ ہو اس کے اصول میں باستثنا اس کے عقائد کے اس کا اتباع کریں ایسی صورت میں کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔ذخیرہ کے سوال میں جس عبارت پر خط کردیا گیا ہے اس کے بجائے یہ عبارت ہے خاکساران میں جو ناظم اعلیٰ ہو اور وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو۔

الجواب : جو کوئی ادعائے اسلام کرتا ہے اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو ضروری نہیں کہ وہ فی الحقیقت مسلمان ہو۔خصوصاً اس زمانۂ قرب قیامت میں۔قرب قیامت تو حالت یہ ہوگی کہ حدیث میں فرمایا صبح کرے گا اس حال میں کہ مسلمان ہوگا،شام اس حال میں کرے گا کہ کافر ہوگا۔شام کو مسلمان ہوگا صبح کافر ہوجائے گا۔والعیاذ باللہ تعالیٰ۔قرآن عظیم کا ارشاد ہے۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ؕ (سورہ بقرہ، آیت ۸)

عہد شریف حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی تک منافق نہ رہے کہ پھر منافقوں کا بیج مارا گیا ہو۔ہر زمانہ میں رہے اور آج تو وہ اس کثرت سے ہیں جن کا شمار خدا ہی جانے۔مشرقی کے طور پر تو اسلام کفر ہے اور مسلمان سب کافر اور خود وہ بھی اس گڑھے ہوئے اسلام پر بھی مسلمان نہیں ٹھہر سکتا۔اس کے اقوال چھپے ہوئے نہیں، چھپے ہوئے ہیں۔ان پر مطلع ہوتے ہوئے سوال میں یہ لکھنا کہ’’ ناظم اعلیٰ اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو‘ بہت ہی عجیب ہے خصوصاً اس عبارت کے ساتھ کہ’’ان تمام عقائد سے جو ہمارے مذہب اور عقائد کے خلاف ہیں۔‘‘ اپنے آپ کو مسلمان کہہ دینے سے کوئی شخص باوجود اپنے کفریات پر اصرار کے مسلمان ٹھہر جاتا ہے اور اس کے کفریات مٹ جاتے ہیں؟ مگر یہ قرآن کے خلاف ہے۔ابھی اوپر آیت ذکر ہوئی کہ’’ بعض لوگ ان میں وہ ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ اور قیامت پر حالاں کہ وہ مسلمان نہیں۔وہ اللہ اور مسلمانوں کو فریب دینا چاہتے ہیں۔اور وہ فریب نہیں دے رہے ہیں مگر اپنی جانوں کو اور انھیں اس کا شعور نہیں۔‘‘

اللہ سچا اور اس کا کلام سچا۔تو محض ادعائے اسلام اس کے کام نہیں آسکتا۔جو سنی مسلمان اپنے دین ومذہب پر قائم رہتے ہوئے کسی کافر سے اگرچہ وہ کیسا ہی اظہار مؤدت وصداقت کرتا ہو جو موالات کرے گا اگرچہ فقط اتنا ہی کہ اس کا حلیف بنے، بہ حکم قرآن وحدیث شدید گنہ گار ہوگا خصوصاً مرتد سے اگرچہ وہ اسلام کا مدعی ہو کہ مرتد سے تو نری معالمت بھی حرام ہے۔تو کسی کافر خصوصاً مرتد کو والی بنانا،اس کے ہاتھوں پڑنا، اسے سربراہ کار کرنا کیا اشد حرام ہوگا؟ یہ تو موالات صوریہ کا حکم ہے اور اگر معاذ اللہ حقیقیہ ہو جب تو آفت بہت سخت ہے۔ایسے کے لیے قرآن عظیم کا ارشاد ہے۔ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ (سورہ مائدہ آیت ۵۱) اور فرماتا ہے لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ (سورہ مجادلۃ، آیت ۲۲) اور فرماتا ہے۔وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ (سورہ مائدہ آیت ۸۱)

حرمت موالات کفار کی آیات بہت کثیر ہیں یہاں دو تین آیتیں ذکر کی جاتی ہیں۔فرماتا ہے۔يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا

الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَکُمْ هُزُوًا وَّ لَعِبًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَ الْکُفَّارَ اَوْلِیَآءَ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ (سورہ مائدہ آیت ۵۷) اے ایمان والو انھیں جنھوں نے تمھارے دین کو ہنسی کھیل ٹھہرالیا، جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی اور سب کفار ان میں کسی کو حبیب نہ بناؤ۔ ولی و مددگار نہ ٹھہراؤ۔ اور اللہ سے ڈرو اگر تم مسلمان ہو۔ اور فرماتا ہے۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِکُمْ لَا یَاْلُوْنَکُمْ خَبَالًا وَّدُّوْا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَ مَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَکْبَرُ قَدْ بَیَّنَّا لَکُمُ الْاٰیٰتِ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ (سورہ آل عمران، آیت ۱۱۸)

اے مسلمانو اپنے غیروں سے کسی کو رازدار نہ بناؤ۔ وہ تمھاری نقصان رسانی میں کمی نہ کریں گے۔ تمھارا مشقت میں پڑنا ان کے دل کی تمنا ہے۔ دشمنی ان کے منھوں سے ظاہر ہو چکی اور وہ جو ان کے سینوں میں دبی ہے اور بڑی ہے۔ بے شک ہم نے تمھارے لیے نشانیاں صاف بیان فرمادیں، اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِیْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا الَّذِیْنَ یَتَّخِذُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اَیَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا ۝ (سورہ نساء آیت ۱۳۸) منافقوں کو عذاب الیم کی بشارت دیجیے جو مسلمانوں کے سوا کافروں کو مددگار بناتے ہیں۔ کیا کافروں کے پاس عزت ڈھونڈتے ہیں تو عزت تو ساری اللہ کے لیے ہے۔ اسی کے قبضہ میں ہے۔

تفاسیر دیکھیے۔ تفسیر ابن جریر میں پہلی آیت کے نیچے ہے **لا تتخذوهم ایها المؤمنون انصارا و اخوانا و حلفاء فانهم لا یألونکم خبالا و ان اظهروا الکم مودة و صداقة۔** (ج۔ ۴ ص ۶۲۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت) اے مسلمانو! کافروں کو مددگار یا بھائی اور حلیف نہ بناؤ وہ تمھاری ضرر رسانی میں کمی نہ کریں گے اگرچہ دوستی اور یارانہ ظاہر کریں۔ تفسیر کبیر میں امام فخر الملة والدین رازی زیر آیۂ ثانیہ تحریر فرماتے ہیں۔ **ان المسلمین کانوا یشاورونهم فی امورهم و یوانسونهم لماکان بینهم الرضاع و الحلف ظنا منهم انهم و ان خالفوهم فی الدین فهم ینصحون لهم فی اسباب المعاش فنهاهم اللّٰه تعالیٰ بهٰذه الآیة عنه فمنع المؤمنین ان یتخذوا بطانة من غیر المؤمنین فیکون ذٰلک نهیا عن جمیع الکفار۔** (تفسیر کبیر جلد ۳، ص ۳۳۹)

وقال تعالیٰ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَ عَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ (سورہ ممتحنہ آیت۔ ۱) یعنی کچھ مسلمان کچھ یہود سے اپنے معاملوں میں مشورہ لیا کرتے اور باہم مؤانست رکھتے، دل بہلایا کرتے کہ کوئی کس کا دودھ شریک تھا، کوئی کسی کا حلیف تھا۔ اس گمان پر یہ مشورت وغیرہ تھی کہ وہ اگرچہ دین میں ہمارے مخالف ہیں، دنیوی امور میں تو ہماری خیر خواہی کریں گے۔ تو اللہ عزوجل نے اس آیت سے انھیں اس مشورت وغیرہ سے روکا اور حکم فرمایا کہ کسی کافر کو اپنا رازدار نہ بناؤ۔ تو یہ ممانعت صرف یہود سے نہیں، جمیع کفار سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے اور اپنے دشمن کو یار نہ بناؤ۔ اھ۔

علامۃ الوجود حضرت سیدی ابوالسعود علیہ رحمۃ ربہ الودود زیر آیت سوم فرماتے ہیں۔ **انکار لرأیهم و ابطال له، بیان لخیبة رجائهم و قطع لاطماعهم الفارغ ای یطلبون بموالاة الکفرة القوة و الغلبة (فان العزة لله) جمیعا تعلیل لبطلان رایهم فان انحصار جمیع افراد العزة فی جنابه عزو علا بحیث لا ینالها الا اولیائه الذین کتب لهم العزة و الغلبة۔ قال تعالیٰ (ولله العزة و لرسوله و للمؤمنین) یقتضی بطلان التعزز بغیره سبحانه و استحالة الانتفاع به۔** (فتوحات الٰہیہ ج۔ ۲ ص ۱۳۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

تفسیر لباب التاویل میں ہے **المعنی لا یجعل المؤمن ولایته لمن هو غیر المؤمن نهی اللّٰه المؤمنین ان یوالوا الکفار**

و یلاطفوهم لقرابة بینهم او محبة او معاشرة۔ مدارک میں ہے۔ ای لا تتخذوهم اولیاء تبصرونهم و تستنصرونهم و تواخونهم و تعاشرونهم معاشرة المؤمنین (تفسیر مدارک ج۔۱ ص ۲۸۷ دار الباز، مکۃ المکرمہ)۔ کبیر میں ہے المراد ان اللہ تعالیٰ امر المسلم ان لا یتخذ الحبیب و الناصر الا من المسلمین۔ نیز اسی میں ہے لا تتخذوهم اولیاء ای لا تعتمدوا علی الاستنصار بهم و لا تودوا الیهم۔ (تفسیر کبیر جلد ۴، ص ۳۷۵) تفسیر ابوالسعود و فتوحات الٰہیہ میں ہے نهوا عن موالاتهم لقرابة او صدقة جاهلیة و نحوهما من اسباب المصادقة و المعاشرة و عن الاستعانة بهم فی العزة و سائر الامور الدینیة۔

ان آیات اور تفاسیر کی عبارات سے روشن کہ کسی کافر سے دوستی بھائی چارہ محبت ان کو انصار و مددگار بنانا، ان کے حلیف بننا، ان سے مل کر غلبہ و عزت چاہنا حتی کہ ان سے مشاورت و موانست دینی امور نہیں دنیوی باتوں ہی میں سہی ان سے ملاطفت ان سے مسلمانوں کی معاشرت سب حرام ہے۔ تو مرتد تو مرتد ہے والعیاذ باللہ تعالیٰ، کافر سے میل کیسا؟ اس کی طرف ادنیٰ میل حرام ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے۔ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ۔ (سورہ ہود، آیت ۱۱۳) ان کی طرف ادنیٰ میل نہ کرو جنھوں نے ظلم کیا کہ تمھیں آگ چھوئے گی۔ کافروں بل کہ فاسقوں سے مجالست کی ممانعت ہے۔ مولیٰ عزوجل فرماتا ہے۔ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۔ (سورۂ انعام ۶/ ۶۸) اور اگر تجھے شیطان بھلا دے تو یاد آنے پر ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھ۔ تفسیرات احمدیہ میں ہے الظّٰلمین یعم المبتدع و الفاسق و الکافر و القعود مع کلهم ممتنع۔ (پارہ۔ ۷ ص ۲۵۵ مطبع علیمی، دہلی)

حدیث میں فرمایا لا تجالسوهم حدیث میں مبتدع کے بارے میں فرمایا من اعرض عن صاحب بدعة بغضاله ملأ اللہ قلبه امنا و ایمانا و من انتهر صاحب بدعة آمنه اللہ یوم الفزع الاکبر و من اهان صاحب بدعة رفعه اللہ فی الجنة مائة درجة۔ من سلم (کنز العمال ج۔۱ حدیث۔ ۵۵۹۹، بیت الافکار الدولیہ، الریاض) علی صاحب بدعة او لقیه بالبشر او استقبله بما یسره فقد استخف بما انزل علی محمد صلی اللہ علیه و سلم۔ اور حدیث میں ہے اذا لقیتم صاحب بدعة فاکفهروا فی وجهه۔ منافق کے لیے حدیث میں ارشاد ہوا۔ لا تقولوا للمنافق سیداً فان یکن سیدکم فقد اسخطتم ربکم۔ (مشکوٰۃ شریف، حدیث۔ ۴۷۸۰، دار الفکر، بیروت) تو منافق فاسق کی تعظیم حرام ہے۔ حدیث میں ہے۔ اذا مدح الفاسق غضب الرب و اهتز لذلک العرش (مشکوٰۃ شریف ص ۴۱۴)

تو کسی مرتد کے ساتھ دوستی محبت، اس کی اطاعت، اس کی نصرت، اس کی استعانت، اس سے مشاورت، اس سے موانست و ملاطفت، اس سے خواہش غلبہ و عزت، اس کے ساتھ عوام نہیں خواص مسلمین سے بھی باخص الخواص کی سی معاشرت اسے راز دار سربراہ کار بنانا ہی نہیں اس کے ہاتھوں پڑنا اس کے ہاتھ میں اپنی گردنیں دے دینا اسے والی و امام ماننا کیسا اشد ظلم اور اشد حرام اخبث و اشنع کام ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

آیات کریمہ و احادیث و تفسیر کے یہ ارشادات دیکھنے کے بعد سچے دل سے خدا کی طرف رجوع کر کے دل پر ہاتھ دھر کے کہو کیا وہ جس نے کہا کہ ''لوگ انبیا کی وساطت سے قانون خدا کی تعمیل کرنے اور ان کو ذریعہ علم سمجھنے کی بجائے ان کے پیچھے لگ گئے۔ فرقہ بند بن گئے، خدا کو تسلیم کرنے مسلم بننے بجائے (الی قولہ) محمدی بن گئے۔ ان کو سراہنا ان کو اپنے افعال و اعمال میں بت بنا لینا جز و دین جانا۔'' اسلام کو شرک ٹھہرا کر انبیا کی اطاعت و محبت ان کے سراہنے کو بت بنا لینا، اسے شرک سمجھا کر خدا کی تسلیم سے اسے انکار اور سارے مسلمانوں کو نا مسلم مشرک کافر صراحۃً بتا کر، خود کافر مرتد ہوا یا نہیں؟ مبتدع نہیں فاسق کے متعلق اوپر حکم معلوم ہو چکا۔ تو خود بتاؤ کہ ایسے شخص کو والی و

امام بنانے والا کیسا ہوگا؟

کیا وہ جس نے نماز اور ارکان اسلام کے متعلق یہ کہا کہ ''صوم وصلاۃ حج وزکاۃ کو رسماً یا عادتاً یا تعظیماً ادا کر لینا یا کلمۂ شہادت کو بہ صحت تمام پڑھ لینا میرے نزدیک قطعاً کوئی عبادت نہیں۔'' اور کہے'' قرآن کی الصلاۃ نوکر کا پنج وقتہ سلام ہے (الی قولہ) مگر عبادت قطعاً نہیں۔'' اور جس نے کہا کہ ص ۹۰ کام چور اور حرام خور نوکر کے لیے یہ ہر وقت سلام کرتے رہنا یہ ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جانا یا مؤدب سر وقد ہو جانا پرلے درجہ کی بدمعاشی ہے'' اور جس نے کہا ص ۱۱۲ ''جس طرح کسی آقا کی ملازمت میں وقت کی تخصیص نہیں ہوتی اسی طرح عبادت بھی وقت سے حتماً بے نیاز ہے۔ الصلاۃ صرف ایک پنج وقتہ حاضری اور سلام ہے بجائے خود عبادت نہیں۔'' نیز جس نے کہا ص ۹۹ پتھر کی رسمی پرستش یا خدا کے آگے رسمی سجدے کر لینے سے کسی قوم یا فرد کے عابد خدا یا عابد ماسوا ہونے کا فیصلہ نہیں ہوسکتا۔'' اس کے مشرک موحد ہونے کا معاملہ طے نہیں ہوسکتا۔'' نیز کہا ''اگر کوئی فرد یا قوم اپنے اعمال میں خدا کے احکام پر چل رہی ہے لیکن رسماً یا عادتاً یا رواجاً کسی بت، کسی پتھر، کسی شمس وقمر کے آگے ماتھا ٹیک رہی ہے تو وہ درحقیقت خدا کی عابد ہے۔'' نیز جس نے کہا ص ۱۵۰ ''مسلم کا خدا کو منہ سے ایک جیتے رہنا کلمے اور لاحول پڑھ کر جنت کا حق دار بننا۔ قرآن کا ایک ایک حرف پڑھ کر دس دس نیکیوں کا منتظر رہنا، پیروں کی پرستش، قبروں کی زیارت، پھونکا پھانکی اور استنجاؤں کو دین سمجھنا وغیرہ فی الحقیقت ناکار براز اور بے دلیل باتیں ہیں کہ ہر سلیم الذہن شخص کو ان سے اعراض کرنے کے سوا چارہ نہ تھا۔''

خود بتاؤ کہ یہ شخص بیخ کن اسلام اشد مرتد بے لگام ہوا یا نہیں؟ اور جو ایسا ہوا خود سمجھو کہ اسے مطاع ٹھہرانا اپنے سیاہ سپید کا اختیار دینا کیسا ہے؟ کیا اسلام دشمنی، مسلم بیخ کنی اس کے منہ سے ظاہر نہ ہوچکی؟ کیا اس نے جو کچھ اسلام اور ارکان اور شعائر دین اور سنن سید المرسلین کے متعلق کہا اس سے آشکار نہ ہوا کہ اس نے تمھارے دین کو ہنسی کھیل بنا لیا؟ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ باوجود اصرار بسیار، کہ بے اس کے کام نہ چلے گا ایک کافر کو محرری کا عہدہ دینے پر راضی نہ ہوئے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ''میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کی کہ میرا ایک محرر نصرانی ہے فرمایا تمھیں اس سے کیا تعلق؟ خدا تم سے سمجھے۔ کیوں نہ کسی کھرے مسلمان کو محرر رکھا۔ کیا تم نے یہ ارشاد الٰہی نہ سنا اے ایمان والو! یہود ونصاریٰ کو یار نہ بناؤ۔ میں نے عرض کیا، اس کا دین اس کے لیے ہے مجھے تو اس کی محرری سے کام ہے۔ اس پر صاف فرمادیا کہ میں کافروں کو گرامی نہ کروں گا جب کہ اللہ نے انھیں خوار کیا۔ نہ انھیں عزت دوں گا جب کہ اللہ نے انھیں ذلیل کیا۔ نہ انھیں قرب دوں گا جب کہ اللہ نے انھیں دور کیا۔''

جب حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر عرض کیا کہ ''بصرہ کا کام بے اس کے نہ چلے گا۔'' اس پر فرمایا: **مات النصرانی والسلام** یعنی فرض کرو کہ وہ نصرانی مرگیا۔ اب اس کے بعد کیا کروگے؟ جو اس وقت کروگے، وہ اب کرو۔ کسی مسلمان کو مقرر کرکے اس سے بے پرواہ ہو جاؤ۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری کو ایک فرمان بھی تحریر فرمایا تھا جس میں ہے **لیس لنا ان نأتمنهم وقد خونهم الله ولا ان نرفعهم وقد وضعهم الله ولا ان نعزهم وقد امرنا بان يعطوا الجزية عن يدوهم صاغرون۔** ہمیں جائز نہیں کہ کافروں کو امین بنائیں حالاں کہ اللہ تعالیٰ انھیں خائن بتاتا ہے یا ہم انھیں رفعت دیں حالاں کہ اللہ نے انھیں پستی دی یا انھیں عزت دیں حالاں کہ ہم حکم فرمائے گئے کہ کافر ذلت وخواری کے ساتھ اپنے ہاتھ سے جزیہ پیش کریں۔

حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کافر نصرانی کو باوجود اصرار، محرری نہیں دیتے، اسے حرام فرماتے ہیں کہاں یہ۔ اور کہاں یہ کہ آج ایسے شخص کو جو اسلام ومسلمین کا بیخ کن ہے، ان کا ایسا دشمن پرفن ہے جس کے منہ سے دشمنی بار بار ظاہر وآشکار ہوچکی، جو اسلام کو کفر،

کفر کو اسلام ٹھہراتا ہے، اسے اپنا والی اپنی جانوں کا مختار بنانا چاہا جاتا ہے کہ ''اس کے عقائد سے بیزار ہیں۔ بیزار رہیں گے مگر اپنی جانیں اس کے سپرد کیوں نہ کردیں۔'' انا للہ وانا الیہ راجعون'' ع ببیں تفاوت رہ از کجاست تا کجا۔

اس کا جواب بھی حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشاد سے سمجھ لو۔ کہ اس کے عقائد سے ہم بیزار ہیں، بیزار رہیں گے یعنی اس کے عقیدے اس کے لیے ہیں ہمیں تو اس کی تحریک کا کام ہے۔ پھر لطف یہ کہ اس کی تحریک مذہبی تحریک ہے۔ جسے زبردستی یہ کہا جاتا ہے کہ وہ مذہبی نہیں۔ اس کا انکار آفتاب کے انکار سے زیادہ بدتر ہے۔ اس کی کتابیں پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ یہ تحریک مذہبی ہے۔ اس نے ایک اسلام اور گڑھا ہے۔ جسے رواج دینا چاہتا ہے۔ اور اس اسلام کو کفر ٹھہراتا ہے۔

بہت کثیر عبارات اس کی ایسی پیش کی جاسکتی ہیں اس وقت صرف ایک ہی عبارت پیش کی جاتی ہے ۔''جو بات بالکل واضح کرنا چاہتا ہوں، یہ ہے کہ خاکسار تحریک خالص مذہبی تحریک ہے۔'' اور اس نے اپنا دین اپنا عقیدہ اپنا مذہب بھی کھول کھول کر بتایا ہے اور چوبیس (۲۴) اصول میں بھی اسے رکھا ہے اگر چہ وہاں لفظ دین و مذہب و عقیدہ نہیں لکھا ہے۔ تحریک چودہ (۱۴) نکات سے بھی ایک عبارت پڑھ لیجیے۔''

(۲) قرن اول یا قرون اولیٰ کا عمل اسلام ہی صحیح اسلام ہے۔ خاکسار سپاہی رسول (خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے طریق عمل کے سوا کسی شی کو دین اسلام نہیں سمجھتا۔

(۳) مولوی کا آج کل کا بنایا ہوا راستہ غلط ہے۔ خاکسار سپاہی اس غلط مذہب کو صفحۂ زمین سے مٹانے اور اس کی جگہ نبوی اسلام پھر رائج کرنے کے لیے اٹھا ہے۔'' کہیے جب وہ تحریک مذہبی ہے اور سپاہی اس کو رواج دینے کا پابند اور حلف نامہ یا عہد نامہ جو ہو وہ جب یہ سب کچھ دیکھ کر لکھے گا تو کیوں کر اس کے دین و مذہب سے علاحدہ رہ سکے گا اور اگر کوئی بالفرض بے دیکھے بھالے بے سوچے سمجھے دستخط کرے گا تو بعد علم اگر رہے گا تو کیسے اس کے دین سے علاحدہ رہے گا؟ اس کا دین تو اسی عمل کا نام ہے و بس۔ اس کی تصریحات بے شمار سے یہ آشکار۔ جو مشرقی کے گروپ میں شریک ہوگا شرع ہی کو پیٹھ نہ دے گا بل کہ عقل سے بھی کوئی واسطہ نہ رکھے گا جب کہ اس کے اقوال پر مطلع ہو کر شرکت کرے گا۔ کہ بیخ کن اسلام و مسلمین سے خدمت ایمان و مومنین کی امید باندھنے اور اسے بل کہ اسی کو اس کا اہل جاننے والے ایسے ہی ہیں جیسے پہلے گاندھی کی آندھی میں پتے کی طرح اڑتے پھرنے اور اسے مربی بے کس مسلمانوں کا حامی و یار و یاور، مسیحا مردہ قوم کو جلانے والا۔ آب چشمۂ حیوان پلانے والا۔ فخر قوم، ایک خدا سے ڈرنے والا۔ رحمت خدا بن کر مبعوث من اللہ نبی بالقوۃ مسجود ملائکہ کہنے اور یہ لکھنے والے ؎ ہمیں امید ہے ہم کامیاب ہوں گے ضرور۔ کہ ہیں ہماری مدد پر مہاتما گاندھی بجائے خطبہ جمعہ گاندھی کی مدح کے گیت گانے والے اسے مقدس ذات ستودہ صفات کہنے والے اس کی مدح میں ایسے ہوش گمانے والے حمد الٰہی کا مصرع اس کی مدح میں پڑھنے والے، یہ شعر گانے والے ؎

تعریف کوئی کرے ان کی یہ خاموشی از ثنائے تو حد ثنا تست

نادرست

جب گاندھی کی آندھی کا گرد و غبار بکرم کردگار دفع ہوا اور آنکھیں کھلیں اور اپنی زبوں تر حالت اور سراسر نقصان نظر آیا اور سمجھے کہ ہم بڑے عظیم جال میں پھانسے گئے تھے۔ اور ہمارے حلیف دراصل ہمارے حریف تھے۔ وہ برادران وطن نہ تھے بل کہ ہمارے خون کے پیاسے تھے۔ جنھوں نے ہمیں سبز باغ دکھلا کر اور طرح طرح بہلا کر ہمارا بھیجا ہی نہ کھایا بل کہ سراپا ہمیں چوس کر نچھوڑی ہڈی کی طرح کر چھوڑا۔ جب بھیانک سیاہ رات کی تاریکی دور ہوئی اور خدا نے نور کا تڑکا کیا اور آنکھ کھلی تو دیکھا کہ اس رات ہماری عشق بازی کسی کالی بلا

کے ساتھ رہی جیسا جب بے نتیجہ افسوس۔ یوں ہی اب آنکھیں بند کر کے اندھا دھند اتباع اطاعت محبت کا نتیجہ ہوگا۔ تاریکی دور ہونے دو ،نور کا تڑکا ہونے دو۔ کچھ دیر جاتی ہے کہ صبح ہوتی ہے اور معلوم ہوجائے گا ؎

بوقت صبح شود ہم چو روز معلومت کہ با کہ باختہ عشق در شب دیجور

اللہ مسلمانوں کی آنکھیں کھولے اور اس فتنہ اور تمام فتنوں سے محفوظ رکھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ : صاحب بہار شریعت نے تحریر فرمایا ہے کہ اگر حوض دہ در دہ سے چھوٹا ہے اور کسی شخص نے اس حوض میں بلا دھوئے ہوئے ہاتھ وغیرہ ڈال دیا تو اس پانی سے وضو درست نہیں ہوگا مگر زید کہتا ہے کہ مسئلہ مذکورہ بالا صاحب بہار شریعت نے غلط تحریر فرمایا ہے اور فتاویٰ قاضی خان جلد اول وغیرہ سے عبارت مندرجہ ذیل صاحب موصوف کے خلاف اور اپنے دعویٰ کے اثبات میں پیش کرتا ہے۔ (۱) جلد فتاویٰ قاضی خان بہامش عالمگیریہ ص ۱۵ **المحدث والجنب اذا ادخل یدہ فی الاناء للاغتراف و لیس علیھا نجاسۃ لا یفسد الماء و کذا اذا وقع الکوز فی الحب فادخل یدہ فی الجب الی المرفق لاخراج الکوز لا یصیر الماء مستعملا اھ** پس التماس ہے کہ صاحب بہار شریعت حق پر ہیں یا زید کا دعویٰ حق ہے؟ بینوا بالکتاب توجروا یوم الحساب۔

الجواب : زید غلط کہتا ہے۔ بہار شریعت میں مسئلہ صحیح لکھا ہے۔ فتاویٰ امام قاضی خان کی عبارت بہار شریعت کے مخالف نہیں۔ بہار شریعت کا مطلب یہ ہے کہ بے ضرورت دہ در دہ سے کم گہرے ہوئے پانی میں ہاتھ ڈال دے گا تو مستعمل ہوجائے گا اور فتاویٰ قاضی خاں کا مطلب یہ ہے کہ اگر ضرورت سے ڈالے گا تو مستعمل نہ ہوگا۔ یہ دونوں صحیح ہیں۔ ایک دوسرے سے معارض نہیں۔ اگر زید اس عبارت کے آگے یہ لفظ بھی دیکھ لیتا تو مسئلہ سمجھ جاتا اور بہار شریعت کے مسئلہ کو غلط بتانے کی جرأت نہ کرتا عبارت مذکورہ سوال کے آگے بالکل اسی کے متصل ہی ہے۔ **و کذا الجنب اذا ادخل یدہ فی البئر لطلب الدلو لا یصیر الماء مستعملا لمکان الضرورۃ** (خانیہ مع عالمگیری جلد اول ص ۱۵) پھر کچھ آگے ہے **ولو ادخل یدہ او رجلہ فی الاناء للتبرد یصیر الماء مستعملا لانعدام الضرورۃ**۔ (خانیہ مع عالمگیری جلد اول ص ۱۵) اخراج کوز تو ضرورت ہی ہے۔ اغتراف بھی عاقل ضرورت ہی سے کرتا ہے کہ پانی نکالنے کا کوئی ظرف موجود نہیں '' للاغتراف '' خود ضرورت بتا رہا ہے **اغترف** نہیں فرمایا بل کہ یوں فرمایا **ادخل یدہٗ فی الاناء للاغتراف** تو خانیہ کے ان دونوں مسئلوں میں ضرورت ہے اور بے شک ضرورت کے وقت محض ہاتھ ڈالنے سے حکم استعمال نہ ہوگا۔ اسی مسئلہ اغتراف کو اگر عالمگیری میں دیکھا ہوتا تو وہاں **للضرورۃ** مل جاتا عالمگیری میں یہ مسئلہ یوں لکھا **اذا ادخل المحدث او الجنب او الحائض التی طھرت یدہ فی الماء للاغتراف لا یصیر مستعملا للضرورۃ کذا فی التبیین**۔ (فتاویٰ عالمگیری مع خانیہ، جلد اول، ص ۲۲) خود امام قاضی خان نے دونوں مسئلوں کے بعد تحریر فرمایا ہے **لمکان الضرورۃ** جس کا تعلق دونوں سے ہے نہ صرف صورت اخیر سے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ : از مرزا امتاز بیگ رضوی چتر پور (ایم پی)

سیدی مرشدی و مولائی حضور مفتی اعظم دامت برکاتہ العالیہ

کیا فرماتے ہیں علماے دین خاندانی منصوبہ بندی (فیملی پلاننگ) کے متعلق نسبندی کے آپریشن کرانے کے بارے میں (عورتوں مردوں کے بارے میں) کیوں کہ آج کل گورنمنٹ کی طرف سے ایسے احکام آئے ہیں کہ نسبندی کا آپریشن نہ کرانے والے گورنمنٹی ملازم کو ملازمانہ ترقی نہ دی جائے گی (وغیرہ وغیرہ) عین نوازش ہوگی۔ حضور بذاتِ خود تکلیف فرما کر اس مسئلہ کو حل کر کے روانہ کریں کیوں کہ میں گورنمنٹی ملازم ہوں اور گورنمنٹ کو اس کا جواب دینا ہے۔ فتویٰ قرآن و حدیث سے مدلل ہونا چاہیے۔؟

الجواب: **بعون الملک الوھاب** ۔ضبط تولید کے لیے مرد کی نسبندی یا عورت کا آپریشن متعدد وجوہ سے شرعاً ناجائز وحرام ہے۔ اس میں اللہ کی پیدا کی ہوئی چیز کو بدلنا ہے اور قرآن وحدیث کی نص سے ناجائز وحرام ہے۔قرآن عظیم میں ہے۔**وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ** (سورہ نسا آیت ۱۱۹) یعنی شیطان بولا میں ان کو بہکاؤں گا تو وہ اللہ کی پیدا کردہ چیزوں کو بدلیں گے۔تفسیر صاوی میں ہے **من ذلک تغییر الجسم** (تفسیر صاوی جلد اول ص ۲۳۱) اور اس میں سے ہے جسم کی تغیر اور تفسیر کبیر میں ہے **ان معنی تغییر خلق اللّٰہ ھھنا الاخصاء** الخ (تفسیر کبیر جلد ۴، ص ۲۲۳) یعنی اس آیت میں تغییر خلق کا معنی خصی کرنا وغیرہ ہے۔بخاری ومسلم کی حدیث ہے۔**لعن اللّٰہ المغیرات خلق اللّٰہ** (ملخصاً) یعنی اللہ کی لعنت ہے ان عورتوں پر جو اللہ کی پیدا کی ہوئی چیز (جسم کی قدرتی بناوٹ) کو بدلنے والی ہیں۔

نیز اس میں بے وجہ شرعی ایک نس اور عضو کاٹا جاتا ہے وہ بھی ایسی نس ایسا عضو جو توالد وتناسل کا ذریعہ ہے اور بے ضرورت شرعی دوسرے کے سامنے ستر وہ بھی ستر غلیظ کھولا جاتا ہے اور اس کو چھوتا بھی ہے اور یہ تینوں امور بھی حرام ہیں **کما فی کتب الفقہ** اور قاطع توالد ہونے کے سبب معنی خصا میں داخل ہے اور انسان کا خصی ہونا یا کرنا بھی بہ نص قرآن وحدیث حرام ہے جیسا کہ آیت وحدیث سے اوپر گزرا۔

نیز حدیث میں حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا **لیس منا من خصی واختصی** (مشکوٰۃ) جس نے دوسرے انسان کو خصی کیا یا خود خصی ہوا وہ ہم میں سے نہیں (مشکوٰۃ شریف) پھر یہ گمان کہ کثرت اولاد مفلسی کا باعث ہے، غلط ہے۔بل کہ اللہ ورسول کی نافرمانی وبے حیائی کے کام مفلسی کے اسباب سے ہیں۔مولیٰ تعالیٰ فرماتا ہے ''**لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِیَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ**'' (سورۂ انعام آیت ۱۵۱)

یعنی اپنی اولاد کو قتل نہ کرو مفلسی کے باعث ہم ہی تمھیں اور انھیں سب کو رزق دیتے ہیں اور بے حیائیوں کے پاس نہ جاؤ جوان میں کھلی ہیں اور جو چھپی۔الحاصل نسبندی یا آپریشن شریعت اسلامیہ میں ہرگز جائز نہیں لہٰذا اس سے نفرت واحتراز لازم ہے۔والمولیٰ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ : زید کہتا کہ تجہیز وتکفین کے بعد میت کی قبر پر بہ آواز بلند اذان کہنا بدعت ہے اور اس کے ثبوت میں شامی اور توشیح کی مندرجہ ذیل عبارت پیش کرتا ہے جواب طلب امر یہ ہے کہ شامی اور توشیح اہل سنت کی مستند قابل العمل کتابیں ہیں یا نہیں؟ اور آیا اس خاص مسئلہ میں شامی اور توشیح کی محققہ فیصلہ کی بنا پر اذان علی القبر درست رہے گی یا نہیں؟ بہر دوصورت ادلۂ اربعہ شرعیہ سے دلیل قائم کی جاوے اور صاحب مذہب کا قول نقل کیا جائے۔بینوا توجروا۔وہ دونوں عبارتیں یہ ہیں: **لا یسن الاذان عند ادخال المیت فی قبرہ کما ھو مختار الائمۃ وقد صرح ابن حجر فی فتاواہ بدعۃ** شامی جلد ۱، ص ۶۰۰ اور توشیح سے عبارت نقل کرتا ہے۔**الاذان علی القبر لیس بشئی۔**

الجواب: کتاب کا مستند اور معتمد ہونا اور بات ہے اور کتاب میں جو کچھ ہے وہ سب معتمد علیہ ہونا اور بات، اذان قبر کو سنت کس نے بتایا ہے؟ جس پر شامی کی عبارت دکھائی جاتی ہے کہ اس میں اسے بدعت لکھا۔بے شک بدعت ہے مگر بدعت حسنہ اس کے ثبوت کو ایذان الاجر فی اذان القبر دیکھیں۔شامی اور توشیح کا محققہ فیصلہ یہی تو ہے کہ اذان قبر جو مسلمانوں میں آج کل رائج ومعتاد ہے مسنون نہیں یا ان کی عبارت میں یہ ہے کہ یہ فعل حرام ہے، ناجائز ہے، گناہ ہے۔بدعت تو مسجد کے گنبد ومینار بھی ہیں۔بدعت تو یہ مروجہ مدارس بھی ہیں۔بدعت تو قرآن عظیم میں زیر وزبر پیش وغیرہ کی کتابت بھی ہے۔بدعت تو تعلیم علوم دینیہ پر اجرت بھی ہے۔کیا یہ عبارت پیش کرنے والے مساجد کے گنبد ومینار ڈھانے اور ان کے ناجائز وناروا ہونے کے فتوے دیں گے؟ اور کیا یہ لوگ ان مدارس کو از بیخ برکندہ کریں گے؟ اور اس کے اجرا کو حرام بتائیں گے؟ کیا ایسے مصحف جن میں ضبط حرکات کی بدعت ہے، معاذ اللہ دفن کرادیں گے؟ اور اس بدعت واجبہ کو ممنوع وحرام

ٹھہرائیں گے جس کے بغیر قرآنِ عظیم کا پڑھنا تقریباً ناممکن ہے اس قدر دشوار ہے؟۔

جو امر غیر مسنون مسلمانوں میں شرقاً غرباً رائج و معتاد ہے۔ علما از راہ احتیاط تنبیہ کے لیے اسے فرمائیں۔ یہ مسنون نہیں کہ کہیں مسلمان اسے سنت سمجھ کر غلطی میں مبتلا نہ ہوں اسے علما کے **لا یسن** فرمانے سے بدعت محرمہ اعتقاد کرنے والے جیسے خوش فہم میں ظاہر ہے، رہا صاحب توشیح کا اسے **لیس بشئی** کہنا تو وہ خود لیس بشی ہے کہ اذان ذکرِ الٰہی ہے اور ذکر سے نزول نور و رحمت و سرور و اطمینان قلب یقینی (**قال تعالیٰ الا بذکر اللّٰہ تطمئن القلوب**۔ (سورہ رعد، آیت ۲۸) اذان سے فائدہ دفع وحشت ورد بلا و فرار شیطان بھی ہے اور تلقین بھی اور وقت (تو) اور، وہ وقت سوال کیسا شدید وقت ہے۔ اللّٰہ اللّٰہ حسبنا ربنا و نعم الوکیل۔ اس وقت نزول سکینہ و رحمت اور دفع وحشت و غفلت و سکون و اطمینان لب کی کیسی شدید حاجت ہے تو اس کے لیے اذان لیس بشی ہوگی یا شی عظیم النفع۔ جس سے زندہ اور مردہ دونوں کا بھلا۔ یہاں ذکر اللہ مستحب ہوگا یا لیس بشی۔ وہ وقت نہایت نازک وقت ہوتا ہے اور عدو ایمان، دشمن مسلمان یعنی ابلیس لعین اس وقت ایمان کی گھات میں اندرون قبر پیش میت فریب دہی کو کھڑا ہوتا ہے۔ سوال منکر نکیر من ربک پر اپنی جانب اشارہ کرتا ہے کہ معاذ اللہ میت اس شیطان کو اپنا رب بتادے۔ ایسے وقت اذان جس سے وہ ملعون گوز زنان بھاگے اور میت مسلمان اسے سنے اور غفلت سے جاگے ۔لیس بشی ہوگی؟ یا اعلیٰ درجہ کی مستحسن۔

حدیث میں خاص اذان کے لیے بھی ارشاد ہوا کہ میت ہمیشہ اذان سنتی ہے جب تک قبر کی تطیین نہ ہو۔ **فی المغنی و عنہ فی الغنیۃ عن الحسن عن ابن مسعود قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم لا یزال المیت یسمع الاذان مالم یطین قبرہ**۔ (غنیہ ص ۵۵۵، مطبوعہ رحیمیہ) مگر وہابیہ بدخواہ مسلمان خیر خواہِ شیاطین کو کیونکر گوارہ ہو کہ اس وقت کسی مسلمان کو اس ذکر اللہ سے نفع پہونچے اور شیطان وہاں سے گوز زناں بھاگے ولاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ اللہ اللہ۔ اگر یہ عبارت پیش کرنے والے کچھ بھی سمجھ سے کام لیتے یا سمجھ کر الٹی نہ کہتے انصاف کے گلے پر چھری نہ چلاتے تو یہ عبارتیں ہرگز پیش نہ کرتے اور عوام کو نہ بہکاتے۔ ان سے عبارتوں کے کون سے لفظ نے یہ بتایا کہ اذان علی القبر نادرست و ناروا و ناجائز و ممنوع و حرام و گناہ ہے۔ حرام و گناہ ہوتی تو **لا یسن** ہی کیوں کہا جاتا؟ ممنوع و ناروا ہوتی تو **لیس بشئی** ہی کیوں بتایا جاتا؟ اگر یہاں کراہت پر کوئی قرینہ ہوتا تو اس سے کسی طرح یہ قول کیا جاسکتا کہ کراہت مراد ہے اور جس کراہت کا قرینہ ہوتا اسی کراہت کا کوئی قول کرسکتا۔ پھر بھی یہ مسئلہ ایسا نہ ہوتا کہ وہابیہ اس کی بنا پر اس کے مجیز پر بدعتی ہونے کا حسب عادت مستمرہ زبردستی منہ آتے کہ اس کا مکروہ و مندوب یا جائز و مکروہ تحریمی ہونا بدعت و سنت ہونے کی طرح مختلف فیہ ہوتا۔

ابنِ حجر کا بدعت بتانا تو نظر آیا اور اسی ردالمحتار میں علامہ خیر الدین رملی کے حاشیہ بحر سے جو انھوں نے نقل کیا ہے کہ میں نے بعض کتب میں دیکھا ہے کہ مردہ کو قبر میں اتارتے وقت اذان کو مسنون کہا گیا ہے، نہ دیکھا۔ یہ تو باب الاذان میں تھا وہیں کتاب الجنائز میں اس عبارت میں جو سوال میں پیش کی گئی ہے، بدعت کے بعد ہے۔ و من ظن انہ سنۃ الخ یہ نظر نہ آیا۔ یہی ابن حجر جو اس کے سنت ہونے کے منکر ہیں اسے بدعت فرماتے ہیں۔ انھوں نے سنت بتانے والے کو بدعتی نہ بتایا اتنا فرمایا کہ **لم یصب** جس نے اسے سنت کہا اس نے ٹھیک نہ کہا۔ یہ عبارت پیش کرنے والے صاحب درمختار کا قول **لا یسن لغیرھا** کہ اذان غیر نماز فرض کے لیے مسنون نہیں ہے۔ دیکھ کر مولود کے کان میں اذان دیں گے۔ یونہی مہموم، یونہی مصروع، یونہی سخت غضب ناک یونہی شریر جانور یونہی بدعادت انسان کے کان میں اذان کہتے ، یونہی وقت جنگ یونہی آگ لگ جانے کے وقت یونہی جن کی سرکشی اور شرارت و ایذا دہی کے وقت، یونہی وہ شخص جو جنگل بیابان میں راہ بھٹکے اس کی اذان کو بدعت سیۂ حرام و ناجائز و گناہ بتائیں گے؟

اگر چہ علامہ شامی اس کے حاشیہ (ردالمحتار جلد اول ص ۳۸۵، مطبوعہ مصر) میں علامہ خیر الدین رملی کے حاشیہ بحر سے یہ نقل کیا کریں کہ **فی حاشیة البحر للخیر الرملی رایت فی کتب الشافعیة انه قد یسن الاذان لغیر الصلاة، کما فی اذان المولود، والمهموم، والمصروع، والغضبان، و من ساء خلقه من انسان او بهیمة ، و عند مزدحم الجیش و عند الحریق ، قیل و عند انزال المیت القبر قیاسا علی اول خروجه للدنیا لکن رده ابن حجر فی شرح العباب و عند تغول الغیلان ای عند تمرد الجن لخبر صحیح فیه، اقول و لا بعد فیه عندنا اھ** ۔ اگر چہ وہ **شرعة الاسلام** سے نقل کیا کریں کہ **ولمن ضل الطریق فی ارض قفر**۔ یوں ہی اگر چہ وہ کہا کریں کہ امام ابن حجر نے اذان و اقامت خلف مسافر کو مسنون بتایا ہے۔ اللہ اللہ یہ عبارتیں جو سوال میں ہیں خود افادۂ جواز فرما رہی ہیں۔

مگر الٹی گنگا بہانے والے ان سے ناجواز ہی سمجھ رہے ہیں۔ اے سبحان اللہ۔ ارے خوش فہمو۔ جو ناجائز و ناروا ہوگا، اسے حرام کہا جائے گا، ممنوع بتایا جائے گا، گناہ فرمایا جائے گا۔ ایسی بدعت کو بدعت سیئہ لکھا جائے گا یا **لیس بشئی**۔ **لیس بشئی** کہنے ہی نے اسے جائز بتایا ع وہ الزام ہم کو دیتے تھے قصورِ فہم اپنا تھا۔ اللہ اللہ۔ جواذانِ قبر پر دلیل طلب کرنا تو الٹی بات ہے کہ اصل جواز ہے تو جو ممنوع و حرام کہے اس سے پوچھا جائے کہ کس دلیل سے حرام بتایا ہے اور وہ بھی ذکر اللہ کو۔ کون سی وجہ حرمت و کراہت عارض ہے۔ مکروہ تنزیہی (خلاف اولیٰ) تک کے لیے تو بہ تصریح علما دلیل خاص درکار **کما فی البحر و رد المحتار و غیرهما من الاسفار**۔ مگر معاندین کی ہر ہٹ ختم کرنے اور ہر ضد پوری کرنے کو ہم تیار ہیں سنیے اللہ عزوجل اپنی کتاب مجید فرقانِ حمید میں ارشاد فرماتا ہے: **یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًا**۔ (سورہ احزاب آیت ۴۱) نیز فرماتا ہے **اذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا** (سورہ بقرہ، آیت ۲۰۰) اور فرماتا ہے **فَاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ** (سورہ بقرہ، آیت ۱۵۲) حدیث میں نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کا ارشاد عظیم ہے۔ **اذکرو اللّٰه عند کل شجر و حجر**۔ نیز فرماتے ہیں **علیه الصلاة و السلام الی یوم القیام: اذکرو اللّٰه حتی یقولوا مجنون**۔ (الکامل فی ضعفاء الرجال، لابن عدی، ج۔ ۲ ص ۹۸۰ دار الفکر، بیروت) اور فرماتے ہیں **صلی اللّٰه تعالیٰ علیه و آله وسلم لم یفرض اللّٰه علی عباده فریضة الا جعل لها حدا معلوما ثم عذر اهلها فی حال العذر غیر الذکر فانه لم یجعل له حدا انتهی الیه ولم یعذر احدا فی ترکه الا مغلوبا علی عقله و امرهم به فی الاحوال کلها**۔

دیکھیے اللہ و رسول عز جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ذکر کا حکم مطلقاً فرمایا ذکر الٰہی ہر جگہ مطلوب و مندوب ہوا تو کسی خاص جگہ ممنوع ہونے کے لیے دلیل خاص درکار ہے اور جہاں نہی نہیں آئی ہے، وہاں زبردستی ذکر الٰہی ممنوع بتانا اور تو کیا کہا جائے، نری ڈھٹائی سخت بے حیائی نہیں تو اور کیا ہے؟ اذان بھی ہر اس مسلمان کے نزدیک بل کہ اس کے نزدیک بھی جو محض نام اسلام رکھتا ہو، ذکرِ خدا ہے۔ تو ہر جگہ خوب و مرغوب ہے۔ ہر جگہ میں نزد قبر مسلم بھی ہے اور یہاں کوئی نہی موجود نہیں تو جواز کیا مستحسن و مندوب ہے۔ کیا کوئی نہی دکھائی جا سکتی ہے کہ قرآن پاک یا حدیث اور جانے دو کسی معتبر و معتمد امام بل کہ کسی عالم نے اسے ممنوع بتایا ہو۔ مگر **لا یسن** نہ ہو کہ **لا یسن** کا ترجمہ **لا یجوز** نہیں۔ یا یہ ٹھہرائی ہے کہ جو مسنون نہیں ناجائز ہے۔ پھر دیکھیے ہمارے علما کا اجتماعی قاعدۂ مسلمہ ہے کہ اصل اشیا میں اباحت ہے تو اذان علی القبر بھی اصل میں اجماعاً مباح ہے۔ اور عروض کراہت و حرمت کسی دلیل سے ثابت نہیں۔ **هذا اجمال الکلام و التفصیل فی رسالة سیدنا الوالد العلام المجدد الامام شیخ المسلمین و الاسلام ایذان الاجر فی اذان القبر، واللّٰه تعالیٰ اعلم**۔ رہا صاحب مذہب کے قول کا مطالبہ تو اگر یہی لیل و نہار ہیں تو فقہ حنفی کے وہ معدود مسائل ہیں جن میں امام اعظم کا نص موجود ہو لائق تسلیم ہوں گے، باقی

سب رد۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم الصمد واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ : زید جو حنفی المذہب ہے، اختلافی مسائل میں اگر قول امام ابوحنیفہ کے سوا امام ابو یوسف کا قول مانے تو حنفی المذہب رہے گا یا نہیں۔ اگر نہیں رہے گا تو مسائل اختلافی میں صدہا جگہ قول امام ابوحنیفہ کو چھوڑ کر قول امام ابو یوسف کو علمانے کیوں اختیار کیا ہے؟

الجواب : قول امام ابو یوسف یا قول امام محمد یا ان کے سوا امام زفر وغیرہ تلامذہ حضور امام الائمہ، کاشف الغمہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر عمل سے حنفی، یوسفی یا زفری وغیرہ نہ ہو جائے گا کہ مذہب نہیں مگر امام اعظم کا ان کے اقوال امام اعظم ہی کے اقوال ہیں۔ جو جس سے مروی ہوا اس کی طرف منسوب ہوا۔ جس مسئلہ میں امام کا کوئی قول نہیں ملتا امام ابو یوسف مضطرب ہوتے اور حیران رہتے، خود ان سے یہ منقول ہوا۔ علامہ محقق ابن نجیم مصری بحر الرائق شرح کنز الدقائق میں فتاویٰ ظہیریہ سے ناقل۔ **کل مالم یرو عن ابی حنیفة رحمه اللّٰه تعالیٰ فیه قول بقی کذلک مضطر باًالی یوم القیامة و حکی عن ابی یوسف رحمه اللّٰه تعالیٰ انه کان یضطرب فی بعض المسائل و کان یقول کل مسئلة لیس لشیخنا فیها قول فنحن فیها ھکذا۔** ہر وہ امر جس میں امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کوئی قول مروی نہ ہوا قیامت تک مضطرب ہی رہے گا۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کوئی قول مروی نہ ہوا قیامت تک مضطرب ہی رہے گا۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے حکایت ہوا کہ وہ بعض مسائل میں مضطرب حیران و پریشان ہوتے اور فرمایا کرتے ہر وہ مسئلہ جس میں ہمارے شیخ کا کوئی قول نہیں، ہمارا اس میں یہی حال ہے۔ ایسی جگہ کبھی یہ امام ابو یوسف یا امام کے اصحاب سے کوئی صاحب جو فرمائیں وہ بھی امام ہی کا ارشاد ہے کہ یہ جو کچھ فرماتے ہیں آخر انھیں اصول و قواعد سے جن پر امام اعظم کے مذہب کی بنا ہے۔ یہ حادثہ اگر امام اعظم کے عہد میں حدوث پاتا، امام کے حضور پیش ہوتا، انھیں اصول سے امام کا بھی ہر ارشاد ہوتا۔

قول دو طرح کا ہوتا ہے صوری وضروری، صوری وہ جو مقول منقول ہو، ضروری وہ جس کا قائل نصاً قائل نہیں لیکن ضمناً ضرور قائل ہے جیسے کوئی اپنے خدام کو کسی شیخ صالح کے اکرام کا حکم دے اور بار بار بہ تکرار اس سے کہے کہ ان کی تعظیم کیا کرو اور تعظیم فاسق سے روکے کہ کسی فاسق کی تعظیم کبھی ہرگز نہ کرنا۔ پھر وہی شخص جو صالح تھا معاذ اللہ فاسق ہو کر آئے تو خدام پر اس کی تعظیم ان کے آقا کے اس ممانعت عام سے ممنوع ہے اگر چہ ان کے آقا نے اس شخص کے اکرام پر نص کی تھی اور یہاں اس کے ترک تعظیم پر نص نہیں۔ خدام پر اس عام ممانعت کی بنا پر اس خاص کی ترک تعظیم لازم اگر وہ باوجود اس ممانعت کے اس کی تعظیم کریں گے اپنے آقا کی اطاعت نہیں، نافرمانی کریں گے۔ خدام اس اس کا اکرام و تعظیم نہ کریں تو کون عاقل ہے جو یہ کہے گا کہ اس کے خدام نے اس کی نافرمانی کی۔ ظاہر ہوا کہ قول وہ ہی نہیں جو مقول ہو نصاً بل کہ قول وہ بھی ہے جو ضمنی ہو۔

العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ میں اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں : **القول قولان صوری و ضروری فالصوری ھو المقول المنقول والضروری مالم یقله القائل نصا بالخصوص لکنه قائل به فی ضمن العموم الحاکم ضرورة بان لو تکلم فی ھذا الخصوص لتکلم کذا و ربما یخالف الحکم الضروری الحکم الصوری و حینئذ یقضی علیه الضروری حتی ان الاخذ بالصوری یعد مخالفة للقائل والعدول عنه الی الضروری موافقة او اتباعاًله کأن کان زید صالحاًفامر عمرو خدامه باکرامه نصاً جھارا و کرر ذلک علیھم مرارا و قد کان قال لھم ایام ان تکرموا فاسقا ابدا فبعد زمان فسق زید علانیة فان اکرمه بعد خدامه عملاً بنصّه المکرر المقرر لکانوا عاصین و ان ترکوا اکرامه کانوا مطیعین۔** (فتاویٰ رضویہ جلد اول، ص ۳۸۵، مطبوعہ رضا اکیڈمی، بمبئی)

اس تقریر سے ظاہر ہوگیا کہ ایسے حوادث جن میں امام کا کوئی قول مقول منقول نہیں ۔حضرت امام ابو یوسف یا کسی اور امام اصحاب امام الائمہ کا قول ہے تو وہ مقول ان کا ہے صوری اور قول امام ہے ضمنی ضروری۔ درالحکام میں ہے **اذا حکم الحنفی بما ذھب الیه ابو یوسف او محمد و نحوھما من اصحاب الامام فلیس حکما بخلاف رأیه**۔ علامہ شامی درر سے عبارت مذکورہ ردالمحتار میں نقل کر کے فرماتے ہیں۔" **افاد ان اقوال اصحاب الامام غیر خارجة عن مذھبه فقد نقلوا عنھم انھم ما قالوا قولا الا ھو روی عن الامام کما اوضحت ذلک فی شرح منظومتی فی رسم المفتی**۔"

(ردالمحتار جلد سوم،ص ۴۰۹، مطبوعہ کوئٹہ)

نیز جلد چہارم ردالمحتار میں بھی ایسا ہی فرمایا کہ حنفی مذہب ابو یوسف یا مذہب محمد جو حکم کرے وہ اس کے مذہب حنفی ہی کا حکم ہے۔

اگر یہ صوری وضروری اقوال مختلف ہوں تو یہ مطلب نہ ہوگا کہ امام کا مذہب کچھ ہے اور ان کے اصحاب سے اس قائل کا مذہب کچھ ہے۔ بل کہ وہ ایسا ہی ہے جیسے خود اقوال مقولات امام میں اختلاف۔ اختلاف عصر وزمان اختلاف ہی نہیں ایسے وقت جو یہ فرمارہے ہیں، امام بھی یہی فرماتے۔ تو ان کا یہ قول امام ہی کا ارشاد ہے جیسے احادیث میں عورتوں کو مساجد سے روکنے کی حضور نے ممانعت فرمائی۔ **لا تمنعوا اماء الله مساجد الله**۔ عورتوں کو حاضری کا حکم تھا یہاں تک کہ حائضات کو بھی کہ وہ عیدگاہ میں علاحدہ حاضر رہیں اور دعا میں شریک ہوں۔ یہاں تک کہ بعض نے عرض کیا کہ ہمارے پاس جلباب چادر نہیں۔ ارشاد ہوا چادر والی اپنی ساتھی کو بھی اپنی چادر میں لے لے۔ اوکما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ مگر باوجود ایسے حکم اور اس نہی کے حضرت سیدنا عمر امیر المؤمنین فاروق اعظم نے عورتوں کو مسجد سے نکالا اور انھیں روک دیا۔ وہ شکایت لے کر حاضر خدمت حضرت ام المؤمنین صدیقہ ہوئیں انھوں نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام ہم میں اگر وہ ملاحظہ فرماتے جو ہم دیکھتے ہیں تو وہ بھی عورتوں کو مسجدوں سے روک دیتے جیسے بنی اسرائیل نے اپنی عورتوں کو روک دیا تھا۔ کیا معاذ اللہ حضرت صدیقہ اور حضرت سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضور کے ارشاد کا خلاف کیا۔ لا واللہ بل کہ وہی کیا جو حضور فرماتے۔ تو ان کا یہ قول و فعل حضور ہی کا قول وفعل ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وبارک وسلم۔

العطایا النبویہ میں عبارت منقولۂ بالا سے آگے فرمایا۔ **و مثل ذلک یقع فی اقوال الائمة اما الحدوث ضرورة او حرج او عرف او تعامل او مصلحة مھمة تجلب او مفسدة ملة تسلب و ذٰلک لان استثناء الضرورات و دفع الحرج و مراعاة المصالح الدینیة الخالیة عن مفسدة تربو علیھا و درء المفاسد و الاخذ بالعرف و العمل بالتعامل کل ذلک قواعد کلیة معلومة من الشرع لیس احد من الائمة الا مائلا الیھا و قائلا بھا و معولا علیھا فاذا کان فی مسألة نص للامام ثم حدث احد تلک المغیرات علمنا قطعا ان لو حدث علی عھده لکان قوله علی مقتضاه لا علی خلافه و رده فالعمل حینئذ بقوله الضروری الغیر المنقول عنه ھو العمل بقوله لا الجمود علی المأثور من لفظه و قد عد فی العقود مسائل کثیرة من ھذا الجنس ثم احال بیان کثیر اخر علی الاشباہ ثم قال فھذہ کلھا قد تغیرت احکامھا لتغیر الزمان اما للضرورة و اما للعرف و اما القرائن و الاحوال قال و کل ذلک غیر خارج عن المذھب لان صاحب المذھب لو کان فی ھذا الزمان لقال بھا و لو حدث ھذا التغیر فی زمانھم ینص علی خلافھا قال و ھذا الذی جرأ المجتھدین فی المذھب و اھل النظر الصحیح من المتاخرین علی مخالفة المنصوص علیه من صاحب المذھب فی کتب ظاھر الروایة بناء علی ما کان فی زمنه کما مر تصریحھم به الخ**

اقول بل ربما یقع نظیر ذلک فی نص الشارع صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم فقد قال صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا استأذنت احدکم امرأتہ الی المسجد فلا یمنعنھا و فی لفظ لا تمنعوا اماء اللّٰہ مساجد اللّٰہ ۔ و قد امر صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم باخراج الحیض و ذوات الخدور یوم العیدین فیشھدن جماعۃ المسلمین و دعوتھم و تعتزل الحیض المصلی قالت امرأۃ یا رسول اللّٰہ احدٰنا لیس لھا جلباب قال صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم لتلبسھا صاحبتھا من جلبابھا و مع ذٰلک نھی الائمۃ الشواب مطلقاً و العجائز نھارا ثم عمموا النھی عملا بقولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم الضروری المستفاد من قول ام المؤمنین الصدیقۃ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھا لو ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ و سلم رای من النساء ما راینا لمنعھن من المسجد کما منعت بنو اسرائیل نسائھا۔

پھر خود یہی مسئلہ خروج نساء الی المساجد لیجیے۔ اب مذہب یہی ہے کہ مطلقاً عورتوں کا خروج ممنوع ہے۔ شواب ہوں یا عجائز۔ جماعت سے نماز کے لیے حاضر ہونا چاہیں اگر چہ جمعہ کی یا عید کی یا وعظ کے مجمع میں حالانکہ صاحبین عجائز کے لیے حضور مطلقاً مباح فرماتے تھے اور امام غیر ظہر و عصر و جمعہ میں ان کا حضور جائز رکھتے تھے۔ کون عاقل کہہ سکتا ہے کہ یہ امام و صاحبین کے خلاف ہے۔ ان کا مذہب اب بھی اباحت حضور نسا ہے اور ان علما کا مذہب وہ ہے جو امام کا مذہب نہیں بل کہ علما نے جو کہا وہ امام ہی کا قول ہے انھیں کے قول سے ماخوذ ہے۔ العطایا النبویہ میں فرمایا۔ قال فی التنویر و الدر (یکرہ حضورھن الجماعۃ) ولو لجمعۃ و عید و وعظ (مطلقاً) ولو عجوزا لیلا (علی المذھب) المفتی بہ لفساد الزمان واستثنی الکمال بحثہ العجائز المتفانیۃ اھ والمراد بالمذھب مذھب المتأخرین ولما رد علیہ البحر بان ھذہ الفتویٰ مخالفۃ لمذھب الامام و صاحبیہ جمیعا فانھما اباحا للعجائز الحضور مطلقاً و الامام فی غیر الظھر و العصر و الجمعۃ فالافتاء بمنع فی الکل مخالف للکل فالمعتمد مذھب الامام اھ بمعناہ اجاب عنہ فی النھر قائلا فیہ نظر بل ھو ماخوذ من قول الامام و ذٰلک انہ انما منعھا لقیام الحامل و ھو فرط الشھوۃ بناء علی ان الفسقۃ لا ینتشرون فی المغرب لانھم بالطعام مشغولون و فی الفجر و العشاء نائمون فاذا فرض انتشارھم فی ھذہ الاوقات لغلبۃ فسقھم کما فی زماننا بل تحریھم ایاھا کان المنع فیھا اظھر من الظھر اھ ۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ا، ص ۳۸۶، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی)

علماے کرام نے جہاں کہیں قول ظاہر امام سے عدول کیا اور قول صاحبین اختیار کیا اس کے وجوہ فتاویٰ رضویہ کی عبارت منقولہ بالا میں گزرے ضرورت، دفع حرج، عرف، تعامل، کسی دینی ضرورت مصلحت کے حامل یا کسی فساد موجود یا مظنون بظن غالب کے زائل کرنے کے لیے نیز ضعف دلیل نظر آنا جائز ہے اگر اختلاف صوری نہیں واقعی ہو اور وجوہ مذکورہ سے کوئی وجہ نہ پائی جائے تو بے وجہ امام کے قول ظاہر سے عدول ناجائز ہے۔ کما نصوا علیہ قاطبۃ ۔ بحر الرائق میں ہے قد صححوا ان الافتاء بقول الامام (بحر الرائق جلد ۶، ص ۲۵۳ فصل یجوز تقلید من شاء من المجتہدین، مطبوعہ بیروت) فینتج من ھذا انہ یجب علینا الافتاء بقول الامام و ان افتی المشایخ بخلافہ۔ (مذکورہ بالا عبارت کا یہ آخری ٹکڑا بحر الرائق میں ابتدائی ٹکڑے کے ساتھ موجود نہیں)

خیریہ میں ہے المقرر ایضاً عندنا انہ لا یفتی و لا یعمل الا بقول الامام الاعظم و لا یعدل عنہ الا قولھما او قول احدھما او قول غیرھما الا لضرورۃ من ضعف دلیل او تعامل بخلافہ۔ (مقدمہ رد المحتار ج۔۱ ص ۱۷۳ بحث رسم المفتی دار الکتب العربیہ، بیروت) امام العلما، مقدام الفقہا، شیخ الاسلام برہان الدین مرغینانی صاحب ہدایہ تجنیس میں فرماتے ہیں۔ والواجب

عندی ان یفتی بقول ابی حنیفة علی کل حال ۔ (علامہ طحطاوی علامہ نوح آفندی سے ناقل) **لا یرجح قولھما علی قولہ الا بموجب من ضعف دلیل او ضرورة او تعامل او اختلاف زمان** (طحطاوی علی الدر، ج۔۱ص ۱۷۵، اختلاف فی وقت المغرب، بیروت) **ولم یوجد شئی من ذلک فالعمل علی قولہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔**

☆☆☆☆☆

ساتواں باب

علم حدیث اور علم فقہ میں خیر سے دوسوکنوں کا سا معاملہ رہا ہے ، علم فقہ حدیث کے فروغ و ارتقا کے ابتدائی ادوار محدثین اور فقہا کے درمیان نوک جھونک کے لیے مشہور رہے ہیں۔محدثین کا یہ دعوی تھا کہ فقہا اہل رائے اور قیاس ہیں، جب کہ فقہا کا عندیہ یہ تھا کہ ارباب حدیث ایسے صیادلہ ہیں جن کے یہاں دوا تو ہے ، مگر انہیں تشخیص نہیں۔لیکن یہ ایک وقت میں پلنے والے دو صالح علمی رجحان تھے ۔اس رجحان سے دونوں کو فائد پہنچا، علم وفن کی دونوں شاخوں کو عروج نصیب ہوا ، کبھی کسی نے کسی حریف کی بے حرمتی نہ کی، اور سچی بات یہی ہے کہ علم حدیث کا ''حفظ و حذق، بجائے خود مقصد نہیں، اصل مقصد تو ان اقوال و افعال کی توضیح و تشریح ہے ،فکر و اجتہاد کے ذریعہ ان سے معانی نفیسہ اور مطالبہ عالیہ کو کرید کر کے اہل علم و عوام کے سامنے جلوہ آرا کرنا ہے تاکہ وہ اس سے بہرہ ور ہوسکیں۔لیکن سوال یہ ہے کہ اگر اصل الفاظ ہی محفوظ نہ ہوں تو اجتہاد کا قصر عظیم جن بنیادوں پر استوار ہوگا اس کی حیثیت ریت کے گھروندوں سے زیادہ نہ ہوگی۔غرضے کہ دونوں کے ذمہ ایک ہی کام کے دو مرحلے لگادیے گئے ہیں۔لیکن اتنا ضرور ہے کہ پہلا مرحلہ حفظ و اثبات کا ہے ۔جب کہ دوسرا مرحلہ فقہ و اجتہاد کا ہے اور یہی وہ مرحلہ ہے جو ہر محدث کو حاصل نہیں ہوتا ، یعنی محدث کے لیے فقیہ ہونا ضروری نہیں جب کہ فقیہ کے لیے محدث ہونا بنیادی شرط ہے ۔ سلف صالحین اسی اصول پر کاربند رہے اور تاہنوز ہیں ، امام احمد رضا کے حوالے سے بعض عاقبت نااندیشوں نے یہ اندیشہ ظاہر کیا تھا کہ وہ فن حدیث میں بہت کم معلومات رکھتے تھے اس الزام کی وجہ یہ نہیں کہ واقعی امام احمد فن حدیث میں بے مایہ تھے ،

مفتی اعظم کا محدثانہ منصب

رئیس القلم علامہ ارشد القادری مصباحی علیہ الرحمہ
نائب صدر ورلڈ اسلامک مشن، بریڈ فورڈ، لندن

یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ حدیث کے ساتھ فقہ کا تعلق لازم وملزوم کی طرح ہے۔ لہٰذا مفتی کے لیے اگر فقیہ ہونا ضروری ہے تو فقیہ کے لیے محدث ہونا بھی لازمی ہے۔ لیکن محدث کے لیے فقیہ ہونا قطعاً ضروری نہیں ہے۔ یہ بات ذہن نشین ہوگئی ہو تو فن حدیث میں مفتی اعظم کے رسوخ وتبحر کی نہ بھی صراحت کی جائے جب بھی یہ بات اپنی جگہ پر ثابت ہے کہ فن حدیث میں بھی ان کا مقام وہی ہے جو فقہ میں انھیں حاصل تھا۔ میرا موضوع سخن مفتی اعظم کے فقہی مقام کی وضاحت نہیں ہے ورنہ ان کے فتاوے کے مجلدات سے میں ان مباحث کی نشان دہی کرتا جن سے مہر نیم روز کی طرح واضح ہو جاتا کہ فقہ میں ان کے رسوخ وتبحر، ان کی مجتہدانہ بصیرت اور ان کی ذکاوت واستحضار کی شان کتنی بلند ہے۔ لیکن مجھے اپنے عنوان کے مطابق حضور مفتی اعظم کے محدثانہ منصب پر ایک حیرت انگیز بحث کا آغاز کرنا ہے۔ اس لیے میں اصل موضوع کی طرف اپنے قلم کا رخ پھیرتا ہوں۔

علمی بحث کی ایک عظیم تاریخ : ۱۳۳۲ھ کی بات ہے کہ اذان خطبہ کے مسئلے پر اعلیٰ حضرت امام اہل سنت کے ایک فتویٰ سے علماے بدایوں ورام پور نے اختلاف کیا۔ اس مسئلے میں اعلیٰ حضرت کا موقف یہ تھا کہ اذان خطبہ خارج مسجد منبر کے سامنے دی جائے اور مخالفین کا کہنا تھا کہ یہ اذان مسجد کے اندر منبر کے سامنے دی جائے۔

اعلیٰ حضرت نے اپنے موقف کی تائید میں اقوال ائمۂ احناف کے علاوہ جن احادیث کریمہ سے استدلال فرمایا تھا ان میں سنن ابوداؤد کی وہ حدیث بھی تھی جو حضرت سائب بن یزید سے مروی ہے اور جس میں اس بات کی صراحت ہے کہ اذان خطبہ عہد رسالت سے لے کر صحابہ تک مسجد کے باہر دروازے پر دی جاتی تھی جس سے ثابت ہوتا تھا کہ اذان خطبہ کا خارج مسجد ہونا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی سنت ہے اور خلفاے راشدین کی بھی۔

کہ وہ کتاب میں موجود ہے۔ البتہ جب ان کے لیے کوئی چارہ نہیں رہ گیا تو اس حدیث کو بے اثر کرنے کے لیے مولانا اشرفعلی تھانوی نے ایک نیا شوشہ چھوڑا کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور اپنے ضعف کی وجہ سے وہ قابل استدلال نہیں ہے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب تھانوی صاحب کانپور میں رہتے تھے۔ ضعف کی وجہ سے انھوں نے یہ بیان کی کہ اس حدیث میں محمد بن اسحاق نام کے ایک راوی ہیں جو ائمۂ جرح وتعدیل کے نزدیک یا تو کذّاب ہیں یا متہم بالکذب ہیں۔

ایک جلیل القدر تابعی کی ذات پر تھانوی صاحب کا یہ جارحانہ حملہ حضور مفتی اعظم کی غیرت دینی برداشت نہیں کرسکی۔ انھوں نے اسی عالم کرب میں قلم اٹھایا اور تھانوی صاحب کے استدلال کی دھجی اڑا دی۔ ”وقایۃ اھل السنۃ“ کے نام سے حضور مفتی اعظم کی یہ گراں قدر تصنیف آج بھی اہل علم کے کتب خانوں میں موجود ہے۔ کتاب کھولتے ہی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضور مفتی اعظم کے نوک قلم کا ہر قطرہ علم و

تحقیق کا بحر زخار بن کر کتاب کے صفحات پر پھیلتا چلا جا رہا ہے۔ جو ورق اُلٹیے فن حدیث کے نت نئے جلووں سے آنکھیں خیرہ ہونے لگتی ہیں۔ عقل حیران ہے کہ صرف جرح وتعدیل کے ایک مسئلے میں جس کی وسعت معلومات اور دقت نظر کا یہ عالم ہے، فن حدیث میں اس کے احاطۂ علم وفکر کے وسعتوں کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔

اب آیئے ! دیدۂ شوق وا کیجیے اور علم وفن کے ایک مہکتے ہوئے گلشن کی سیر کیجیے۔ تاکہ حضور مفتی اعظم کے متعلق میرا یہ دعویٰ کہ جس شان کے وہ مفتی تھے اسی شان کے وہ محدث بھی تھے۔ ''شنیدہ'' سے ''دیدہ'' کی منزل میں آجائے۔

حضور مفتی اعظم اس بحث کا آغاز کرتے ہوئے تھانوی صاحب کے خلاف ان لفظوں میں الزام عائد کرتے ہیں۔

''جان توڑ کر یہ کوشش کی کہ کسی طرح مدینہ طیبہ کے ایک جلیل القدر تابعی امام المغازی محمد بن اسحاق کو کذّاب یا متہم بالکذب ثابت کرے۔''

الزام کی وضاحت کے بعد اب جواب کے مراحل کا آغاز یوں کرتے ہیں۔

بحث کا پہلا مرحلہ: ''سنّی بھائیو! آپ کو معلوم ہے کہ حنفیوں کے امام مذہب تین ہیں۔

امام اعظم ابو حنیفہ اور ان کے دو مصاحب امام ابو یوسف اور امام محمد رضی اللہ عنہم۔''

اس تمہید کے بعد اب ضرب ملاحظہ ہو۔

یہ محمد بن اسحاق جن پر تھانوی صاحب نے کذّاب ہونے کی تہمت باندھی ہے یہ امام اعظم کے استاد بھائی اور امام ابو یوسف کے استاد اور امام محمد کے استاذ الاستاذ ہیں۔ یوں ہی امام اعظم کے تلمیذ رشید اور محدثین وفقہا کے متفق علیہ امام حضرت عبداللہ بن مبارک نے بھی ان کی شاگردی کی ہے۔

(۲)

امام ابو یوسف نے اپنی مشہور تصنیف کتاب الخراج میں بہت سی حدیثیں محمد بن اسحاق سے روایت کی ہیں۔ کتاب کے صرف پہلے حصے میں یہ سات حدیثیں مروی ہیں۔

۱۔ **حدثنی محمد بن اسحق حدثنی عبداللّٰہ بن المغیرہ**	مجھ سے محمد بن اسحاق نے بیان کیا وہ عبداللہ بن مغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔
۲۔ **حدثنی محمد بن اسحق عن عبداللّٰہ عن الزھری**	مجھ سے محمد بن نے بیان کیا، وہ عبداللہ سے اور ابن شہاب زہری سے روایت کرتے ہیں
۳۔ **حدثنی محمد بن اسحٰق عن یزید بن یزید بن جابر**	مجھ سے محمد بن اسحاق نے بیان کیا، وہ یزید بن یزید بن جابر سے روایت کرتے ہیں۔
٤۔ **اخبرنی محمد بن اسحٰق عن ابی جعفر**	مجھے محمد بن اسحاق نے خبر دی وہ ابو جعفر سے روایت کرتے ہیں۔
٥۔ **حدثنی محمد بن اسحق عن الزھری**	مجھ سے محمد بن اسحاق نے بیان کیا وہ زہری سے روایت کرتے ہیں۔
٦۔ **حدثنی محمد بن اسحق عن الزھری**	مجھ سے محمد بن اسحاق نے بیان کیا وہ ابن شہاب زہری سے روایت کرتے ہیں۔

۷۔ **حدثنی محمد بن اسحق عن الزهری** مجھ سے محمد بن اسحاق نے بیان کیا وہ ابن شہاب زہری سے روایت کرتے ہیں۔

واضح رہے کہ کتاب الخراج کے صرف پہلے حصہ سے یہ سات حدیثیں نقل کی گئی ہیں۔ جنھیں حنفی مذہب کے رکن رکین امام ابو یوسف نے محمد بن اسحاق سے روایت کی ہیں۔

(۳)

حنفیہ کے محدث اجل واکبر حضرت امام جعفر طحاوی کہ تیسری صدی میں تھے اور اس وقت سے آج تک حدیث وفقہ کا ایسا جامع امام شاذ ونادر ہی پیدا ہوا، وہ بھی محمد بن اسحاق کی روایت کردہ حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں۔

چناں چہ کتاب "**الحجة علی ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فتح مکة عنوة**" نامی کتاب کی دوسری جلد میں ان سے ایک حدیث روایت کر کے فرماتے ہیں۔

هذا حدیث متصل الاسناد صحیح۔ یہ حدیث صحیح ہے اور اس کی اسناد متصل ہے۔

(۴)

مذہب حنفی کے رکن جلیل القدر محقق علی الاطلاق امام ابن الہمام فتح القدیر شرح ہدایہ (ج۔۱ ص ۱۸۱ فصل فی استحباب التعجیل، مرکز اہل سنت برکات رضا، پور بندر) میں ارشاد فرماتے ہیں۔

اما ابن اسحق فثقة ثقة لا شبهة عندنا فی ذلک ولا عند المحققین۔ ابن اسحاق ثقہ ہیں ثقہ ہیں اس بات میں نہ ہمیں کوئی شبہ ہے اور نہ محققین محدثین کو کوئی شک ہے۔

نیز اسی کتاب کے ص ۹۲ پر تحریر فرماتے ہیں۔

توثیق ابن اسحق هو الحق الا بلج ومانقل عن کلام مالک فیه لا یثبت ولو صح لم یقبله اهل العلم وقد قال شعبة فیه هو امیر المومنین فی الحدیث۔

(ج۔۱ ص ۲۳۱، فصل فی استحباب التعجیل، مرکز اہل سنت برکات رضا، پور بندر)

ابن اسحاق کو ثقہ ماننا ہی نہایت روشن حق ہے اور امام مالک سے جو ان پر طعن منقول ہوا یا تو وہ ثابت اور صحیح نہیں اور صحیح بھی فرض کر لیں تو اہل علم نے وہ طعن قبول نہیں کیا۔ اور کیوں کر قبول ہو جب کہ امام شعبہ نے فرمایا کہ محمد بن اسحاق حدیث میں سارے مسلمانوں کے سردار ہیں۔

نتیجۂ استدلال: پہلے مرحلے کی ان ساری عبارتوں سے استدلال کی وجہ یہ ہے کہ تھانوی صاحب کے الزام کے مطابق اگر ابن اسحاق واقعی کذاب یا متہم بالکذب ہوتے تو ان سارے ائمہ احناف نے نہ ان کی شاگردی کی ہوتی اور نہ اپنی اپنی کتابوں میں ان سے حدیثیں روایت کی ہوتیں۔ اس لیے دوسرے لفظوں میں تھانوی صاحب کا الزام صرف ابن اسحاق کے خلاف نہیں بل کہ سارے احناف کے خلاف ہے اور انھوں نے غیر مقلدین وہابیہ کو موقع فراہم کیا ہے کہ وہ حنفی مذہب پر طعن کریں کہ اس مذہب کے ائمہ جھوٹے اور غیر ثقہ لوگوں کے شاگرد ہیں اور انھیں جھوٹے راویوں کی حدیثوں پر حنفی مذہب کی اساس ہے۔

بڑے شرم کی بات ہے کہ یہ لوگ اپنے آپ کو حنفی بھی کہتے ہیں اور حنفی مذہب کی بنیاد پر تیشہ بھی چلا رہے ہیں۔ اس لیے ہمیں کہنے دیا جائے کہ محمد بن اسحاق کے خلاف تھانوی صاحب کا طعن ایک بار نہیں ایک ہزار بار رد کر دیا جائے گا لیکن ان کے حق میں امام اعظم سے لے

کر اکابر ائمہ احناف تک سارے اساطین کی رائے ہرگز ہرگز مسترد نہیں کی جاسکتیں۔

(۵)

تھانوی صاحب کے طعن سے خود حنفی مذہب پر جو ضرب پڑتی ہے اس کی تفصیلی بحث سے فارغ ہونے کے بعد اب حضور مفتی اعظم بحث کا ایک دوسرا رخ اختیار کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

''تھانوی صاحب کی یہ عنایت فقط ائمہ احناف ہی پر نہیں ہے بل کہ انھوں نے صحاح ستہ کو بھی نہیں بخشا ہے۔ کیوں کہ محمد بن اسحاق کی روایت کردہ حدیثیں صحاح ستہ کی ساری کتابوں میں موجود ہیں۔ صحیح بخاری میں تعلیقاً اور صحیح مسلم وسنن اربعہ میں منداً ہیں۔''

''امام ترمذی نے ابن اسحاق کی حدیثوں کو صحیح کہا ہے اور ابوداؤد نے ان کی راویت کردہ حدیثوں پر سکوت فرمایا ہے۔ خود یہ حدیث کہ زمانۂ اقدس میں اذان جمعہ دروازہ مسجد پر ہوتی تھی اسے بھی ابوداؤد نے روایت کرکے سکوت فرمایا ہے۔ اور اسی کتاب میں ان کی یہ عادت بھی منقول ہے کہ وہ انھیں حدیثوں پر سکوت فرماتے ہیں جو ان کے نزدیک صحیح یا حسن ہوتی ہیں۔

''علاوہ ازیں اکابر ائمہ حدیث جیسے امام عبدالعظیم منذری، امام ابوعمرو، ابن الصلاح، امام اجل ابوزکریا نووی، امام جمال الدین زیلعی امام علاؤالدین ترکمانی، امام ابن ہمام، امام ابن امیرالحاج اور علامہ ابراہیم حلبی نے بھی ان کی اس عادت کے بارے میں اسی طرح کی تصریحات فرمائی ہیں۔

بطور نمونہ ان اکابر کی چند عبارتیں ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) امام حافظ الحدیث عبدالعظیم کتاب الترغیب والترہیب کے خطبہ (ج۔۱ ص ۵، مطبعۃ السعادۃ، مصر) میں تحریر فرماتے ہیں:

کل حدیث عزوت الی ابی داؤدو سکت فھو کما ذکر ابوداؤد لا ینزال عن درجة الحسن و قد یکون علی شرط الصحیحین۔

(اپنی اس کتاب میں) جس حدیث کی نسبت میں ابوداؤد کی طرف کروں اور خاموش رہوں تو ابوداؤد کی صراحت کے مطابق وہ حسن ہے اور کبھی صحیحین کی شرط پر بھی ہوتی ہے۔

(۲) امام ابن الصلاح مقدمہ اصول حدیث (ص ۱۶) میں تحریر فرماتے ہیں:

وما وجدناہ فی کتابه مذکوراًمطلقا عرفنا انه حسن عند ابی داؤد۔

ان کی کتاب میں جو حدیث مجھے بغیر کسی صراحت کے ملی، اس کے متعلق میں نے یہی سمجھا کہ وہ حسن ہے ابوداؤد کے نزدیک۔

(۳) امام نووی تقریب نوع ثانی فرع اول (مع شرح التدریب ص ۹۷۔۹۶، مصری) میں فرماتے ہیں:

ماوجدنافی کتابه مطلقافھو حسن عند ابی داؤد۔

ان کی کتاب میں جو حدیث بغیر کسی تبصرہ کے ملے وہ ابوداؤد کے نزدیک حسن ہے۔

(۴) امام زیلعی نصب الرایہ جلد اول (ص ۶۰) میں فرماتے ہیں:

ان ابا داؤد روی حدیث القلتین و سکت عنه فھو حسن عندہ علی عادته فی ذلک

ابوداؤد نے قلتین کی حدیث روایت کی اور اس پر خاموش رہے تو وہ تو وہ ان کی عادت کے مطابق حسن ہے۔

(۵) امام ابن الترکمانی جوہر النقی کی جلد اول (ص ۱۸۲) میں فرماتے ہیں:

اخرجه ابو داود وسکت عنه فاقل احواله ان یکون حسنا عنده علی ما عرف۔ اس حدیث کی تصریح ابوداؤد نے فرمائی اور خاموش رہے تو ایسی حدیث کا کم سے کم درجہ حسن کا ہے جیسا کہ ان کی مشہور عادت ہے۔

(۶) امام ابن الہمام فتح القدیر جلد اول (ص ۵) میں فرماتے ہیں:

سکت علیه ابوداؤد فهو حجة۔ اس حدیث پر داؤد خاموش رہے تو ایسی حدیث حجت ہے۔

(۷) امام زین الدین عراقی استاذ امام حافظ الشان عسقلانی، پھر شمس الدین سخاوی مقاصد حسنہ (ص ۸۶) میں تحریر فرماتے ہیں:

یکفینا سکوت ابی داود فهو حسن۔ ابوداؤد کا اس حدیث پر خاموش رہنا اس بات کے لیے کافی ہے کہ وہ حسن ہے۔

(۸) امام ابن امیر الحاج حلیہ شرح منیہ میں قبیل صفۃ الصلوۃ تحریر فرماتے ہیں:

رواہ ابوداؤد وسکت علیه فیکون حجة علی ما هو مقتضی شرطه۔ یہ حدیث ابوداؤد نے روایت کی اور اس پر خاموش رہے تو ان کی شرط کے مقتضیٰ کے مطابق وہ حجت ہے۔

(۶)

بحث کا دوسرا رخ : یہاں تک تو محمد ابن اسحاق کے خلاف تھانوی صاحب کے طعن کا الزامی جواب تھا۔ اب تحقیقی جواب ملاحظہ فرمائیے۔ حضور مفتی اعظم طعن کی علمی اور فنّی حیثیت پر بحث کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

''تھانوی صاحب نے جتنے طعن محمد بن اسحاق پر نقل کیے ہیں یا تو وہ سرے سے طعن ہی نہیں ہیں، یا قائل کی طرف سے ان کی نسبت غلط ہے، یا قائل نے اس سے رجوع کر لیا ہے، یا وہ طعن مبہم غیر مفسر ہے۔

مطاعن ابن اسحاق میں جتنے اوراق انھوں نے اپنے نامۂ اعمال کی طرح سیاہ کیے ہیں وہ ان چار وجوہ سے خالی نہیں ہیں۔ پہلی تین قسمیں تو کسی بھی عاقل کے نزدیک طعن ہی نہیں ہیں۔ اب رہ گئی چوتھی قسم تو تمام احناب کا اجماع اور جمہور اکابر ائمہ محدثین کا اتفاق ہے کہ چوتھی قسم بھی زنہار مقبول ومسموع نہیں ہے۔ خصوصیت کے ساتھ محمد بن اسحاق جیسے مشہور محدث کے حق میں جن کو جماہیر ائمۂ حدیث وجملہ ائمہ حنفیہ نے مقبول ومستند اور ثقہ ومعتمد مانا ہے۔''

بحث کا دوسرا مرحلہ : محمد بن اسحاق کے دفاع میں بہت سی ذیلی مباحث سے فارغ ہونے کے بعد اب حضور مفتی اعظم نے ان مآخذ کی طرف اپنے قلم کا رخ پھیرا ہے جہاں سے تھانوی صاحب نے طعن کے مواد فراہم کیے ہیں۔

مآخذ کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں

''جن کتابوں سے دیوبندی مصنف نے محمد بن اسحاق کے خلاف ضعیف وسخیف اور نا قابل التفات جرح کے مواد جمع کیے ہیں وہ چار ہیں۔ میزان الاعتدال۔ تہذیب التہذیب۔ الترغیب والترہیب اور جواہر النقی۔

پیارے بھائیو! اب ہم انھی کتابوں سے جن کے نام دیوبندی مصنف نے لیے ہیں محمد بن اسحاق کی مدح وتوثیق میں وہ روشن عبارتیں نقل کرتے ہیں جنھیں از راہِ خیانت چھپا لیا گیا ہے۔ اسے کمالِ بددیانتی کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ انھی کتابوں میں محمد بن اسحاق کی مدح وستائش اور صلاح وتقویٰ کے بیان میں جو ورق اکابر ائمہ کے ارشادات سے

چمک رہے ہیں، ان کا تو کوئی ذکر نہیں ہے۔ البتہ چند بے بنیاد اور نامقبول مطاعن کو بنیاد بنا کر ان الفاظ میں مضحکہ خیز قیاس آرائی کی گئی ہے۔

''ان ائمہ محدثین کی جرح بالکل معدوم نہ ہو جائیں گی اس لیے اگر محمد بن اسحاق کذاب نہ ہوگا تو متہم بالکذب ضرور ہوگا۔ بدعتی نہ ہوگا تو متہم بالبدعۃ ضرور ہوگا۔''

کسی کے خلاف الزام ثابت کرنے کے لیے اگر دلیل کا معیار یہی ہے تو چھوٹوں کی بات تو درکنار، ائمہ حدیث وفقہ کے اکابر میں بھی کوئی ایسا نہیں ملے گا جن کے خلاف نحیف وسخیف قسم کے دو چار طعن کتابوں میں منقول نہ ہوں۔ اس لیے کسی کے بارے میں فیصلے کا مدار دراصل یہ ہے کہ جمہور اکابر ائمہ کی رائے اس کے بارے میں کیا ہے؟

اتنی تمہید کے بعد اب مذکورہ بالا چاروں کتابوں سے محمد بن اسحاق کے حق میں جمہور اکابر ائمہ حدیث کے کلمات توثیق وتحسین ملاحظہ فرمائیں ماتھے کی آنکھوں سے اس حقیقت کا مشاہدہ کریں کہ محمد بن اسحاق کو مطعون کرنے کے لیے تھانوی صاحب کو تنکے تو نظر آ گئے لیکن ان کی دیانت وثقاہت اور فضل وتقویٰ کے یہ بڑے بڑے پہاڑ نظر نہیں آئے۔

(۱) میزان الاعتدال، جلد دوم کے اقتباسات

نوٹ: عوام کی سہولت اور طوالت سے بچنے کے لیے کتاب کے عربی اقتباسات کے صرف ترجمے پیش کیے جا رہے ہیں۔

۱) مصنف کتاب ارشاد فرماتے ہیں کہ محمد بن اسحاق مدنی، مشاہیر ائمہ حدیث میں سے ایک مشہور امام ہیں۔ انھوں نے جلیل القدر صحابی رسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا ہے۔ (میزان الاعتدال، ج۔۳ ص ۵۳۔۴۵۲، دارالفکر، بیروت)

۲) امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ محمد بن اسحاق کی روایت کردہ حدیث حسن ہے۔ (ایضاً، ج۔۳ ص ۴۵۳)

۳) امام بخاری کے استاد حضرت امام یحییٰ بن معین نے فرمایا کہ ابن اسحاق ثقہ ہیں۔ ہاں اس پایہ کے نہیں ہیں جنھیں محدثین کی اصطلاح میں حجت کہا جاتا ہے۔ (ایضاً، ج۔۳ ص ۴۵۳)

۴) امام بخاری کے استاد امام علی بن مدینی نے فرمایا کہ ابن اسحاق کی حدیث میرے نزدیک صحیح ہے۔ (ایضاً، ج۔۳ ص ۴۵۳)

۵) یحییٰ بن کثیر وغیرہ کہتے ہیں کہ ہم نے امام شعبہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ابن اسحاق حدیث میں سب مسلمانوں کے سردار ہیں۔ (ایضاً، ج۔۳ ص ۴۵۳)

۶) امام شعبہ نے فرمایا کہ ابن اسحاق بہت ہی راست گو اور سچے ہیں۔ (ایضاً، ج۔۳ ص ۴۵۳)

۷) محمد بن عبداللہ بن نمیر کہتے ہیں کہ بعض لوگوں نے ابن اسحاق پر قدریہ مذہب کی تہمت رکھی ہے حالاں کہ وہ اس سے بہت دور تھے۔ (ایضاً، ج۔۳ ص ۴۵۳)

۸) امام ابن مدینی نے فرمایا کہ میں نے ابن اسحاق کی صرف دو حدیثیں غیر محفوظ پائیں۔ (ایضاً، ج۔۳ ص ۴۵۳)

فائدہ: انھوں نے وہ دو حدیثیں بھی بیان کر دیں جن میں اذان خطبہ کی حدیث نہیں ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اذان خطبہ کی حدیث ان کے نزدیک صحیح ہے۔ اب رہ گیا ان کی روایت کردہ حدیثوں میں سے صرف دو حدیثوں کا غیر محفوظ ہونا، تو دنیا میں ایسا کوئی محدث نہیں ملے گا جس کی روایت کردہ ہزاروں حدیثوں میں سے دو چار حدیثیں بھی غیر محفوظ نہ ہوں۔ جیسا کہ ائمہ حدیث نے امام مالک

اورامام بخاری کی روایت کردہ بعض حدیثوں کو بھی غیر محفوظ بتایا ہے۔اس کے باوجود یہ حضرات سب کے نزدیک ثقہ ہیں۔

۹) امام سفیان بن عینیہ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کو نہ سنا کہ ابن اسحاق پر کسی بات میں کچھ طعن کرتا ہو سوائے قول قدر کے۔(حالاں کہ وہ بھی صحیح نہیں ہے) (ایضاً،ج۔۳ص ۴۵۴)

۱۰) امام بخاری نے کتاب الضعفاء میں سارے ضعیف راویوں کا ذکر فرمایا ہے۔لیکن اس میں محمد بن اسحاق کا ذکر نہیں ہے۔اس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ امام بخاری کے نزدیک وہ ضعیف نہیں ہیں۔ (ایضاً،ج۔۳ص ۴۵۵)

۱۱) حضرت عباس دوری امام ابن معین سے روایت کرتے ہیں کہ امام لیث بن سعد نے فرمایا کہ یزید بن ابی حبیب کی احادیث میں محمد بن اسحاق سے زیادہ کوئی قابل اعتماد نہیں ہے۔ (ایضاً،ج۔۳ص ۴۵۵)

فائدہ: امام اجل لیث بن سعد خود یزید بن ابی حبیب کے تلامذہ میں سے ہیں اور ان کے متعلق ابن یونس کہتے ہیں کہ روی عنہ **الاکابر من اهل مصر** یعنی اہل مصر کے اکابر نے ابن حبیب سے حدیثیں روایت کی ہیں۔اس سے ثابت ہوا کہ امام لیث بن سعید، محمد بن اسحاق کو ان سارے اکابر پر ترجیح دیتے ہیں۔

۱۲) ابوزرعہ کہتے ہیں کہ میں نے امام یحییٰ بن معین سے پوچھا کہ کیا محمد بن اسحاق حجت ہیں؟ جواب میں فرمایا وہ نہایت سچے ہیں حجت جسے کہتے ہیں وہ عبید اللہ بن عمر وغیرہ فلاں فلاں اکابر ہیں۔ (ایضاً،ج۔۳ص ۴۵۵)

۱۳) ابوجعفر بن نفیل کہتے ہیں کہ مجھ سے عبداللہ بن قائد نے بیان کیا کہ ہم محمد بن اسحاق کے پاس بیٹھتے تھے جب وہ کسی علم و فن کے بارے میں گفتگو کرتے تو پوری مجلس اسی پر تمام ہو جاتی۔ (ایضاً،ج۔۳ص ۴۵۶)

۱۴) امام شافعی، امام سفیان ثوری، امام اجل ابن شہاب زہری سے روایت کرتے ہیں کہ مدینہ میں علم اس وقت تک باقی رہے گا جب تک ابن اسحاق اس میں موجود ہیں۔ (ایضاً،ج۔۳ص ۴۵۶)

۱۵) امام شعبہ فرماتے ہیں اگر میری سلطنت ہوتی تو میں ضرور محمد ابن اسحاق کو تمام محدثین پر سردار بنا دیتا۔(ایضاً،ج۔۳ص ۴۵۶)

۱۶) ابن مبارک نے محمد بن اسحاق سے ایک حدیث روایت کی ہے جس کا تعلق باب احکام سے ہے اس حدیث کے بارے میں امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔اور ہماری معلومات کے مطابق محمد بن اسحاق اس حدیث کے تنہا راوی ہیں۔(ایضاً،ج۔۳ص ۴۵۷)

۱۷) امام ابن عدی فرماتے ہیں کہ ابن اسحاق سے حدیثیں روایتیں کرنے میں ائمہ اور معتمدین نے کبھی کسی طرح کا تامل نہیں کیا اور ان میں کوئی عیب نہیں ہے۔ (ایضاً،ج۔۳ص ۴۵۷)

۱۸) یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں کہ میں نے امام ابن المدینی سے محمد بن اسحاق کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ میرے نزدیک ان کی حدیث صحیح ہے اس پر میں نے کہا کہ امام مالک نے ان کے بارے میں جو کلام کیا ہے وہ کیا ہے؟ فرمایا کہ مالک کو نہ ان کی صحبت ملی اور نہ مالک نے انھیں پہچانا۔ (ایضاً،ج۔۳ص ۴۵۸)

۱۹) احمد بن عبداللہ عجلی فرماتے ہیں کہ ابن اسحاق ثقہ ہیں۔ (ایضاً،ج۔۳ص ۴۵۸)

یہ عبارتیں نقل کرنے کے بعد حضور مفتی اعظم ارشاد فرماتے ہیں:

''مسلمانو! خدارا انصاف کرو۔محمد بن اسحاق کی توثیق و اعتماد اور مدح و ستائش میں میزان الاعتدال کی ان روشن عبارتوں کو تھانوی صاحب نے کتنی دیدہ دلیری کے ساتھ چھپالیا ہے! کیا اسی کا نام دینداری اور دیانتداری ہے؟

(۲) تہذیب التہذیب

تہذیب التہذیب فن اسماء الرجال کی دوسری عظیم کتاب ہے۔اس میں اکابر ائمہ حدیث کی زبانی محمد بن اسحاق کے بارے میں کیسی کیسی تعریفیں اور توثیقیں منقول ہیں! ملاحظہ فرمائیں۔

۱) مفضل غلابی کہتے ہیں کہ میں نے امام ابن معین سے ابن اسحاق کے متعلق پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ وہ ثقہ ہیں اور ان کی روایت کردہ حدیث حسن ہے۔ (تہذیب التہذیب ج۔۹ ص ۳۹، دار صادر، بیروت)

۲) امام ابن المدینی فرماتے ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیثوں کا مدار چھ اماموں پر ہے۔ پھر ان چھ کا علم بارہ اشخاص کے پاس آیا ہے ان بارہ میں سے ایک محمد بن اسحاق بھی ہیں۔ (ایضاً ج۔۹ ص ۴۰)

۳) ابن ابی خیثمہ نے امام ابن معین سے نقل کیا کہ امام عاصم بن عمر بن قتادہ نے فرمایا کہ جب تک ابن اسحاق زندہ ہیں ہمیشہ لوگوں میں علم باقی رہے گا۔ (ایضاً ج۔۹ ص ۴۰)

۴) ابن ابی خیثمہ ہارون بن معروف سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابو معاویہ کو کہتے سنا کہ محمد بن اسحاق اعلیٰ درجہ کے حافظہ والوں میں تھے۔ اگر کسی کے پاس پانچ یا زیادہ حدیثیں ہوتیں تو وہ انھیں ابو اسحاق کے سپرد کر دیتا تاکہ وہ آنے والی نسلوں کے لیے محفوظ ہو جائیں۔ (ایضاً ج۔۹ ص ۴۰)

۵) امام سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ ستر برس سے زائد ہوئے جب سے میں ابن اسحاق کے پاس بیٹھتا ہوں میں نے اہل مدینہ میں سے نہ کسی کو ان پر کسی بات کی تہمت لگاتے دیکھا اور نہ ان پر کسی کو طعن کرتے ہوئے پایا۔ (ایضاً ج۔۹ ص ۴۰)

۶) امام اثرم نے امام احمد سے روایت کی کہ محمد بن اسحاق کی روایت کردہ حدیث حسن ہے۔ (ایضاً ج۔۹ ص ۴۱)

۷) امام بخاری فرماتے ہیں کہ میں نے علی بن عبد اللہ کو دیکھا کہ وہ ابن اسحاق کی حدیث کو حجت قرار دیتے ہیں۔ (ایضاً ج۔۹ ص ۴۱)

۸) امام بخاری فرماتے ہیں کہ امام ابن المدینی نے فرمایا کہ میں نے کسی کو نہ دیکھا کہ وہ ابن اسحاق کو کسی بات میں متّہم سمجھتا ہو۔ (ایضاً ج۔۹ ص ۴۱)

۹) امام بخاری فرماتے ہیں کہ میں نے اسماعیل بن اویس کو دیکھا (جو امام مالک کے بھانجے اور سب سے زیادہ ان کے پیرو ہیں) کہ انھوں نے غزوات کے سلسلے میں ابن اسحاق کی چند کتابیں مجھے دکھائیں جن سے میں نے بہت سی حدیثیں اخذ کیں۔ (ایضاً ج۔۹ ص ۴۱)

فائدہ: ان کے کہنے کا مدعا یہ ہے کہ اگر امام مالک کو ابن اسحاق کی حدیثوں پر اعتراض ہوتا تو ان کے شاگرد رشید اور بھانجے ابن اسحاق کی کتابوں سے حدیثیں نقل نہ کرتے۔

۱۰) امام بخاری فرماتے ہیں کہ مجھ سے ابراہیم بن حمزہ نے کہا کہ امام ابراہیم بن سعد کے پاس ابن اسحاق سے مغازی کے علاوہ خاص باب احکام میں سترہ ہزار کے قریب حدیثیں تھیں۔ ابراہیم بن سعد مدینہ طیبہ کے کثیر الحدیث محدثین میں سے تھے۔ (ایضاً ج۔۹ ص ۴۱)

۱۱) امام بخاری فرماتے ہیں کہ امام شعبہ نے فرمایا کہ محمد بن اسحاق اپنی قوت حفظ میں سب مسلمانوں کے سردار ہیں۔ (ایضاً ج۔۹ ص ۴۲)

۱۲) امام بخاری فرماتے ہیں کہ مجھ سے امام علی بن عبد اللہ نے فرمایا کہ ابن اسحاق کی کتابیں میں نے دیکھیں تو صرف دو حدیثوں پر مجھے ناگواری ہوئی اور ممکن ہے کہ وہ دو حدیثیں بھی صحیح ہوں۔

۱۳) امام ابی زرعہ دمشقی فرماتے ہیں کہ بے شک اکابر اہل علم نے ابن اسحاق کی شاگردی پر اجماع کیا۔ اور بے شک محدثین نے انھیں

جانچا تو ان کے اندر صدق اور خیر نظر آیا۔ پھر ان کے استاد امام زہری نے ان کی مدح کی۔ (ایضاً ج۔ ۹ص ۴۲)

۱۴) یعقوب ابن شیبہ کہتے ہیں کہ میں نے ابن نمیر کو کہتے سنا کہ ابن اسحاق جب پہچانے ہوئے استاذوں سے حدیث روایت کریں تو ان کی وہ حدیث حسن ہے۔ اور وہ صدوق یعنی بہت سچّے ہیں۔ (ایضاً ج۔ ۹ص ۴۲)

۱۵) ابن اسحاق کی حدیث میں صدق روشن ہے۔ جن اساتذہ سے بہ کثرت حدیثیں خود سنی ہیں ان میں بعض حدیثیں ایک واسطہ سے روایت کرتے ہیں اور بعض دو واسطوں سے۔ (ایضاً ج۔ ۹ص ۴۳)

۱۶) امام علی نے فرمایا میں نے ابن اسحاق کی کوئی حدیث غیر معروف نہ پائی سوائے دو کے۔ ایک یہ کہ جب کسی کو جمعہ کے دن اونگھ آئے ۔ دوسری جب تم میں کوئی اپنی شرم گاہ چھوئے۔ (ایضاً ج۔ ۹ص ۴۳)

۱۷) محمد بن عثمان بن ابی شیبہ کہتے ہیں کہ میں نے امام ابن المدینی سے ابن اسحاق کا حال پوچھا فرمایا صالح ہیں۔ اوسط درجہ کے۔ (ایضاً)

۱۸) ایوب ابن اسحاق نے کہا کہ امام علی، محمد بن اسحاق کے مداح تھے اور انھیں مقدم رکھتے تھے۔ (ایضاً ج۔ ۹ص ۴۳)

۱۹) یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں کہ میں نے امام ابن معین سے پوچھا کہ کیا آپ کے دل میں ابن اسحاق کے سچے ہونے میں کوئی شبہہ ہے۔ فرمایا نہیں، وہ بہت سچے ہیں۔ (ایضاً ج۔ ۹ص ۴۴)

۲۰) امام ابوزرعہ دمشقی کہتے ہیں کہ میں نے امام یحییٰ بن معین کے سامنے فن حدیث کے اس اعلیٰ پایہ کا ذکر کیا جسے محدثین کی اصطلاح میں حجّت کہتے ہیں۔ اور میں نے کہا کہ کیا محمد بن اسحاق اسی درجۂ بلند پر تھے۔ اس پر امام ابن معین نے فرمایا کہ ابن اسحاق ثقہ تھے۔ حجت تو امام مالک اور عبید اللہ بن عمرو ہیں۔ (ایضاً ج۔ ۹ص ۴۴)

۲۱) امام سفیان ابن عیینہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام شعبہ کو فرماتے سنا کہ محمد ابن اسحاق حدیث میں امیر المومنین ہیں۔ کسی نے پوچھا کیوں؟ فرمایا اپنے حفظ کے سبب اور فرمایا اگر حدیث میں کسی کو سردار بنایا جاتا تو محمد ابن اسحاق سب کے سردار ہوتے۔ (ایضاً)

۲۲) امام ابن سعد نے کہا کہ محمد ابن اسحاق ثقہ تھے۔ امام ابن علی نے کہا کہ محمد ابن اسحاق کی حدیث کثیر ہے۔ اور بے شک مسلمانوں کے اماموں نے ان سے حدیثیں روایت کیں اور اپنی اس فضیلت میں تو وہ بالکل منفرد ہیں کہ انھوں نے امرا اور سلاطین کو بے کار اور فضول کتابوں سے پھیر کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جہادوں اور نعت شریف اور ابتداے آفرینش کے واقعات کے مطالعہ میں مشغول کر دیا۔

یہ وہ فضیلت ہے کہ وہی اس میں سابق رہے بعد کے علمانے ان کی پیروی کی۔ مگر ان کے مرتبے تک نہ پہونچے۔ اور اب تک میں نے ان کی روایت کردہ حدیثوں کی جو نہایت کثیر اور وافر ہیں۔ تفتیش کی تو ان میں ایک حدیث بھی ایسی نہ ملی جس میں ضعف کا یقین ہو سکے۔ ہاں کبھی اتفاقاً بعض باتوں میں خطا یا وہم واقع ہوا ہے جیسا کہ اوروں سے بھی ہوتا ہے اور اس طرح کی باتوں میں ہرگز کوئی برائی نہیں۔ (ایضاً ج۔ ۹ص ۴۵۔ ۴۴)

۲۳) امام ابن المدینی نے فرمایا کہ محمد بن اسحاق ثقہ ہیں۔ صرف اس بات سے ان کا مرتبہ گھٹ گیا کہ وہ اہل کتاب سے روایت کرتے ہیں مگر امام ذہبی نے کہا کہ بنی اسرائیل کے وقائع اہل کتاب سے روایت کرنے کو کس نے منع کیا۔ حالاں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل سے روایت کرو، اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔ (ایضاً ج۔۹ ص ۵۴)

۲۴) امام اجل سیدی عبداللہ بن مبارک سے ابن اسحاق کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ بے شک ہم نے انھیں سچّا پایا، بیشک ہم نے انھیں بہت سچّا پایا، بے شک ہم نے انھیں بہت سچا پایا۔ (ایضاً ج۔۹ ص ۴۶۔۴۵)

۲۵) امام ابن حبان نے کہا کہ تمام مدینے بھر میں کوئی ایسا نہ تھا جو علم میں ابن اسحاق کے قریب یا جمع احادیث میں ان کا ہم سر ہو۔ وہ نہایت خوبی سے احادیث روایت کرتے ہیں۔ (ایضاً ج۔۹ ص ۴۶)

۲۶) امام یحییٰ بن یحییٰ کے سامنے ابن اسحاق کا تذکرہ ہوا تو فرمایا وہ ثقہ ہیں۔ (ایضاً ج۔۹ ص ۴۶)

۲۷) امام ابو یُعلیٰ خلیلی نے کہا کہ محمد ابن اسحاق بڑے عالم ہیں۔ ان کی روایت اور ان کا علم وسیع ہے۔ وہ ثقہ ہیں۔ (ملخصاً، ایضاً)

۲۸) امام ابن البرقی نے کہا کہ میں نے علماے حدیث میں سے کسی کو نہ دیکھا کہ ابن اسحاق کے ثقہ اور ان کی روایت کردہ حدیث کے حسن ہونے میں اختلاف کرتے ہوں۔ ہاں نافع سے ان کی روایت کے بارے میں کچھ منقول ہے۔ (ایضاً ج۔۹ ص ۴۶)

۲۹) امام ابوزرعہ نے فرمایا کہ ابن اسحاق بہت صادق ہیں۔ (ایضاً ج۔۹ ص ۴۶)

۳۰) حاکم نے کہا کہ امام محمد بن یحییٰ نے فرمایا کہ ابن اسحاق کی روایت کردہ حدیث حسن ہے۔ ان کے بعد بعض حدیثیں درجۂ افراد میں ہیں۔ اور انھوں نے امام زہری سے روایت کی تو بہت اچھی روایت کی۔ (ایضاً ج۔۹ ص ۴۶)

فائدہ: واضح رہے کہ حدیث اذان جمعہ انھوں نے زہری ہی سے روایت کی ہے اب اس کے اچھے ہونے میں کیا شبہہ ہے۔

۳۱) حاکم نے کہا کہ امام ابوشیخی سے منقول ہے کہ محمد بن اسحاق ہمارے نزدیک ثقہ ہیں۔ (ایضاً ج۔۹ ص ۴۶)

تبصرہ : جلیل القدر اکابر فن حدیث کی ان فکر انگیز توثیقات وکلمات مدائح کے بعد بھی اگر کوئی محمد ابن اسحاق میں عیب تلاش کرتا ہے تو وہ خود شقاوت قلب کے مرض میں مبتلا ہے۔ کیوں کہ اکابر کی یہ رائیں حقائق پر مبنی ہیں۔

(۳) کتاب الترغیب والترہیب

۱) محمد ابن اسحاق مشاہیر ائمہ حدیث سے ہیں۔ (کتاب الترغیب والترہیب ص ۷۳۰، دار ابن حزم، بیروت)

۲) ابن اسحاق کی روایت کردہ حدیث حسن ہے۔ (ایضاً ص ۷۳۰)

۳) امام ابن حنبل نے فرمایا کہ ان کی روایت کردہ حدیث حسن ہے۔ (ایضاً ص ۷۳۰)

۴) امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ ابن اسحاق ثقہ ہیں۔ (ایضاً ص ۷۳۰)

۵) امام علی ابن المدینی نے کہا کہ ابن اسحاق کی حدیث میرے نزدیک صحیح ہے۔ (ایضاً ص ۷۳۰)

۶) امام شعبہ نے کہا کہ ابن اسحاق حدیثوں میں مسلمانوں کے بادشاہ ہیں۔ (ایضاً ص ۷۳۰)

۷) بے شک امام مسلم نے اپنی صحیح میں ابن اسحاق کی روایت کردہ بہت ساری حدیثوں سے استشہاد کیا ہے اور امام ترمذی نے حکم مذی میں سہل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث محمد ابن اسحاق سے روایت کر کے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ (ایضاً ص ۷۳۰)

۸) امام الائمہ ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں ابن اسحاق کو حجت مانا ہے۔ (ایضاً ص ۷۳۰)

۹) خلاصۂ بحث یہ ہے کہ محمد ابن اسحاق کے بارے میں اختلاف ہوا لیکن قولِ فیصل یہ ہے کہ ان کی حدیث حسن ہے۔(ایضاً ص ۳۰۷)

تبصرہ : ملاحظہ فرمایئے محمد ابن اسحاق کے بارے میں اکابر ائمہ حدیث کے یہ باوزن اور گراں قدر کلمات! محمد ابن اسحاق کی ثقاہت وعدالت کے لیے کیا اتنی باوقار شہادتیں تھانوی صاحب کو کافی نہیں تھیں؟

(۴) جوہر النقی

۱) محمد ابن اسحاق ثقہ ہیں۔

۲) بے شک امام ترمذی نے ابن اسحاق سے روایت کر کے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

۳) امام ابوداؤد نے بھی ابن اسحاق سے روایت کر کے اس پر سکوت فرمایا اور ان کی عادت یہ ہے کہ وہ اسی حدیث پر سکوت فرماتے ہیں جو ان کے نزدیک حسن ہوتی ہے۔

تبصرہ : جوہر النقی کی یہ شہادتیں بھی محمد ابن اسحاق کی روایت کردہ حدیثوں پر اعتماد کے لیے بہت کافی ہیں۔لیکن سوائے توفیق ایزدی کے اس غبار کا علاج کسی کتاب میں نہیں ملے گا جو کسی کی طرف سے کسی کے دل میں پیدا ہو جاتا ہے۔

بحث کا تیسرا مرحلہ

محمد ابن اسحاق کی مدح وتوثیق اور ان کی جلالت شان کے اعتراف میں اکابر ائمہ حدیث کے روشن اور گراں مایہ ارشادات میزان الاعتدال، تہذیب التہذیب، کتاب الترغیب والترہیب اور جوہر النقی کے حوالوں سے پچھلے اوقات میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ محمد ابن اسحاق کی عظمت سے آپ کے دل کا گوشہ گوشہ منور ہو گیا ہوگا۔لیکن یہ معلوم کر کے آپ حیران رہ جائیں گے کہ بجائے اس کے کہ اکابر ائمہ حدیث کے ان ارشادات کی روشنی میں محمد ابن اسحاق کی جانب سے دیوبندی مصنف کے دل کی کدورت دور ہوتی اور وہ اپنے سوءِ اعتقاد سے تائب ہوتا الٹے انھیں اکابر ائمہ حدیث پر الزام رکھ دیا کہ یہ لوگ ان جروح کی تاویلات رکیکہ کرتے ہیں یعنی بالفاظِ دیگر امام احمد، امام ابن المدینی، امام بخاری، امام ابن حبّان، امام ترمذی، امام ذہبی، امام عسقلانی، امام ابن ہمام حنفی وغیرہم جیسے اکابر ائمہ رکیک اور لچر پوچ بناوٹوں سے زبردستی ابن اسحاق کو سچا بتاتے ہیں۔

ان اکابر کے خلاف یہ الزامات جتنے سنگین ہیں وہ محتاج بیان نہیں ہیں۔

وجوہِ طعن کی بحث

ابن اسحاق کے خلاف وجوہ طعن کی بحث کا آغاز کرتے ہوئے حضور مفتی اعظم ارشاد فرماتے ہیں:

پہلا طعن : ابن اسحاق کے خلاف سب سے پہلا طعن کذب کا ہے۔اب اس کی تفصیل سنیے۔ان پر کذب کا طعن کرنے والے چند حضرات ہیں۔جن کے نام یہ ہیں۔

سلیمان تیمی، یحییٰ، وہیب، مالک اور ہشام۔سلیمان تیمی کے طعن کا ردائمۂ حدیث نے دو وجہوں سے کیا ہے۔

پہلی وجہ تو یہ ہے کہ انھوں نے اپنے لگائے ہوئے الزام کی نہ کوئی دلیل دی ہے اور ان کے کذب کے بارے میں کوئی مثال پیش کی ہے۔

جیسا کہ تہذیب التہذیب میں ان کے طعن کا رد کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

واما سلیمان التیمی فلم یتبین لی لای شئ تکلم فیه۔ یعنی یہ بات مجھ پر ظاہر نہیں ہوئی کہ سلیمان تیمی نے کس بنیاد پر یہ الزام عائد کیا ہے؟

ائمہ کی صراحت کے مطابق کسی کے خلاف اس طرح کے گول مول الزام کو طعن مبہم کہتے ہیں اور وہ تعدیل کے مقابلے میں رد کردیے جانے کے قابل ہے۔ خصوصاً ایسے امام کبیر کے حق میں جن کی ثقاہت اور جلالت شان کی شہادت کثیر ائمہ حدیث نے دی ہو۔

امام جلال الدین سیوطی تدریب الراوی (ص ۲۰۲، مدینہ) میں **ولا یقبل الجرح الا مبین السبب** (یعنی طعن قابل قبول نہیں جب تک اس کا سبب واضح طور پر بیان نہ کیا جائے) کے تحت ارشاد فرماتے ہیں:

قال الصیرفی وکذا اذا قالوا فلان کذاب لا بد له من بیانه لان الکذب یحتمل الغلط۔ امام صیرفی نے کہا ہے کہ اصحاب جرح اگر کسی کو کذاب کہیں تو اس کی وجہ بیان کرنی ضروری ہے کیوں کہ کذب نادانستہ غلطی کو بھی کہتے ہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ سلیمان التیمی جرح وتعدیل کے اہل ہی نہیں ہیں۔ جیسا کہ امام حافظ الشان تہذیب التہذیب کی نویں جلد کے صفحہ ۴۵ پر فرماتے ہیں ہیں۔

سلیمان التیمی لیس من اهل الجرح والتعدیل۔ یعنی سلیمان تیمی جرح وتعدیل کے اہل نہیں ہیں۔

باقی حضرات کا تنقیدی جائزہ

سلیمان التیمی کے عائد کردہ الزام پر بحث ختم ہوئی۔ اب یحییٰ، مالک، وہیب اور ہشام کی جرح کا جائزہ لیجیے

گنتی میں یہ چار آدمی ہیں لیکن سب کی بات ہشام پر منتہی ہوتی ہے۔ ہشام کے علاوہ تینوں حضرات نے اقرار کیا ہے کہ ہم کو خود اپنے طور پر ابن اسحاق کا کوئی کذب معلوم نہیں ہے بل کہ ہم نے فلاں کو کہتے سنا ہے۔

دعوے کی مضحکہ خیز دلیل

میزان الاعتدال کی جلد نمبر ۶ صفحہ ۳۴۵ پر ہے کہ سلیمان بن داؤد کہتے ہیں کہ یحییٰ بن قطان نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ ابن اسحاق کذاب ہیں۔ میں نے ان سے سوال کیا کہ یہ بات آپ کو کیوں کر معلوم ہوئی انھوں نے کہا کہ مجھ سے وہیب نے کہا تھا۔ پھر جب میں نے وہیب سے پوچھا تو انھوں نے کہا کہ مجھ سے مالک بن انس نے کہا تھا۔ اور جب میں نے مالک سے دریافت کیا تو انھوں نے کہا کہ مجھ سے ہشام بن عروہ نے بیان کیا تھا۔ پھر جب میں نے ہشام بن عروہ سے استفسار کیا تو انھوں نے ابن اسحاق کے کذب کے ثبوت میں کہا کہ وہ میری بیوی فاطمہ بنت المنذر سے حدیث روایت کرتا ہے حالاں کہ فاطمہ جب میرے گھر میں آئیں تو ان کی عمر نو برس کی تھی اور اس کے بعد تادم مرگ انھیں کسی نے نہیں دیکھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ ابن اسحاق نے ان کی طرف اپنی روایت کی جو نسبت کی ہے وہ جھوٹ ہے۔

یہی ہے علم واستدلال کی وہ ساری پونجی جس پر تھانوی صاحب نے ابن اسحاق کے خلاف اتنا بڑا طوفان کھڑا کیا ہے۔ اب ائمہ حدیث نے ہشام کے اس قول کے جو رد کیے ہیں۔ اس کی حیرت انگیز تفصیل ذیل میں ملاحظہ فرمائیے۔

پہلا رد: امام بخاری ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ قول ہشام سے ثابت ہی نہیں ہے۔ (جزء القراءۃ)

دوسرا رد: ہشام سے جو قول مروی ہوا کہ فاطمہ بنت المنذر جب میرے پاس بیاہ کر آئی تھیں تو وہ ان کی عمر نو برس کی تھی۔ یہ صریحاً غلط ہے۔ کیوں کہ وہ اپنے شوہر ہشام سے تیرہ سال بڑی ہیں۔ اس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ جب وہ نو برس کی تھیں تو ہشام ابھی پیدا

بھی نہیں ہوئے تھے بل کہ اس کے چار برس بعد پیدا ہوئے۔

چنان چہ میزان الاعتدال کی جلد ۲ صفحہ ۳۴۵ پر اور تہذیب التہذیب کی جلد۔۹ صفحہ ۴۶ پر ہے۔

قوله وهی بنت تسع غلط لانها اکبر من هشام بثلث عشرة سنة۔

ہشام کا یہ کہنا کہ وہ نو برس کی تھیں غلط ہے کیونکہ وہ ہشام سے تیرہ سال بڑی تھیں۔

جیسا کہ خود ہشام نے بھی اس کو بیان کیا ہے۔ چنان چہ تہذیب التہذیب کی جلد۔۹ صفحہ ۴۴ پر ہے۔

قال هشام بن عروة کانت اکبر منی بثلث عشرة سنة۔

ہشام بن عروہ نے کہا کہ وہ مجھ سے تیرہ سال بڑی تھیں۔

تیسرا رد : فاطمہ پردہ نشین ضرور تھیں اور انھیں غیر شخص نے نہیں دیکھا مگر اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ کوئی نامحرم ان سے روایت بھی نہ کرے۔ حالاں کہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے زائد کس کا پردہ ہوگا؟ پھر بھی سینکڑوں راویوں نے ان سے حدیثیں سنیں اور دوسروں سے روایت کی۔ چنان چہ ابن حبان کتاب الثقات میں ارشاد فرماتے ہیں:

اما قول هشام فلیس مما یجرح به الانسان و ذلک ان التابعین سمعوا من عائشة من غیر ان ینظروا الیها۔
(تہذیب التہذیب ج۔۹ ص ۴۵، دار صادر، بیروت)

ہشام کا قول جرح نہیں ہے کیوں کہ تابعین نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حدیثیں سنیں بغیر اس کے کہ انھیں دیکھا ہو۔

چوتھا رد : ہشام رجل کی نفی کرتے ہیں کہ کسی مرد نے انھیں نہ دیکھا جب کہ رجل مرد بالغ کو کہتے ہیں۔ ممکن ہے کہ ابن اسحاق نے اپنی نابالغی میں فاطمہ سے حدیثیں سنیں ہوں یہ جواب امام بخاری کے استاذ اجل حضرت امام ابن المدینی نے افادہ فرمایا۔ جیسا کہ تہذیب التہذیب میں ہے۔

قال علی الذی قال هشام لیس بحجة لعله دخل علی امرأته وهو غلام فسمع منها۔

علی ابن المدینی نے فرمایا کہ ہشام کا قول حجت نہیں ہے کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ نابالغی میں ابن اسحاق ان کے پاس گئے ہوں اور ان سے حدیث سنی ہو۔

پانچواں رد : ہشام عمر بھر کی نفی کیوں کر کر سکتے ہیں جب کہ ہر وقت ان کا گھر میں رہنا متعذر ہے۔ یہ تسلیم کرنے میں کیا قباحت ہے کہ ابن اسحاق حاضر ہوئے ہوں اور ان سے اذن طلب کیا ہو اور فاطمہ نے پردہ کے اندر سے انھیں حدیث سنائی ہو؟ یہ جواب امام احمد، امام بخاری اور امام ابن حبان نے افادہ فرمایا۔ جیسا کہ تہذیب التہذیب (ج۔۹ ص ۴۱) میں ہے۔

لعله جاء فاستاذن علیها فاذنت له ولم یعلم

ہوسکتا ہے ابن اسحاق نے آکر اجازت طلب کی اور فاطمہ نے اجازت دی اور ہشام کے علم میں یہ بات نہ آئی ہو۔

اور ابن حبان کی کتاب الثقات میں ہے۔

کذلک ابن اسحاق کان سمع من فاطمة والستر بینهما مسبل۔ (تہذیب التہذیب ج۔۹ ص ۴۱)

ایسے ہی ابن اسحاق نے فاطمہ سے سنا ہو دونوں کے درمیان پردہ حائل ہو۔

چھٹا رد : مسلمانوں کی تاریخی اور تہذیبی روایات کے مطابق پردہ نشیں بیبیاں اس زمانے میں بھی نقاب کے ساتھ مساجد میں نماز کے لیے حاضر ہوتی تھیں۔ ہوسکتا ہے مسجد ہی میں انھیں موقعہ مل گیا ہو اور انھوں نے فاطمہ سے حدیث سنی ہو۔ اس کی خبر ہشام کو بھی ہو جائے کیا ضروری ہے۔ جیسا کہ امام ذہبی فرماتے ہیں۔

وما یزری هشام بن عروة فلعله سمع منها فی المسجد۔ ہوسکتا ہے کہ انھوں نے مسجد میں حدیث سنی ہو اس کی ہشام کو کیا خبر
(میزان الاعتدال ج۔۳ ص ۴۴۵، بیروت)

ساتواں رد : بہت ممکن ہے کہ فاطمہ سے ابن اسحاق نے بذریعۂ کتابت روایت کی ہو۔ کہ اہل مدینہ بذریعہ کتابت روایت کو جائز جانتے ہیں جیسا کہ امام بخاری جزء القراءۃ میں ارشاد فرماتے ہیں۔

ولو صح عن هشام جائز ان تكتب اليه فان اهل المدينة يرون الكتاب جائزاً و جائز ان يكون سمع منها و بينهما حجاب۔ اولاً تو ہشام سے یہ اعتراض ثابت ہی نہیں اگر بالفرض ثابت بھی ہو تو جائز ہے کہ فاطمہ نے حدیث ابن اسحاق کو لکھ کر بھیجی ہو کہ اہل مدینہ روایت کو بذریعہ کتابت جائز جانتے ہیں اور یہ بھی کہ ابن اسحاق نے پردے کی آڑے سے حدیث لی ہو۔
(تہذیب التہذیب جلد ۹ ،ص:۴۲)

آٹھواں رد : یہ ساری باتیں نظر انداز بھی کر دی جائیں تو ہشام کے قول کو غلط ہونے کے لیے یہ بہت کافی ہے کہ ابن اسحاق کے علاوہ محمد بن سوقہ کوفی نے بھی فاطمہ سے حدیث روایت کی ہے۔ اور خوشی کی بات یہ ہے کہ اس کے باوجود ابن سوقہ کوفی ثقہ سمجھے جاتے ہیں اور صحاح ستہ کے رجال میں سے ایک جانے پہچانے راوی ہیں۔ آخر انھوں نے فاطمہ سے کیسے حدیث سنی؟ اس کے باوجود اگر ان کے خلاف کذب کا الزام نہیں ہے تو اس بنیاد پر ابن اسحاق کو کذب کے ساتھ متہم کیوں کیا جائے بل کہ تہذیب التہذیب اور میزان الاعتدال کی صراحت کے مطابق محمد بن اسماعیل بن یسار نے بھی فاطمہ سے حدیث روایت کی ہے۔ میزان اور تہذیب کے الفاظ یہ ہیں:

قد روىٰ عنها ايضا غير محمد بن اسحاق من الغرباء محمد بن سوقه۔ (میزان ص ۳۴۵۔ تہذیب ۹/۴۶) فاطمہ سے محمد ابن اسحاق کے علاوہ اور بھی لوگوں نے حدیث روایت کی ہے جیسے محمد بن سوقہ وغیرہ

نواں رد : ہشام تو دیکھنے کے منکر ہیں کہ فاطمہ کو کسی غیر نے نہیں دیکھا اور ابن اسحاق کے مدعی نہیں ہیں۔ صرف ان سے روایت کرتے ہیں۔ حالاں کہ روایت اور رویت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ پھر اعتراض کاہے کا۔ جیسا کہ امام ذہبی فرماتے ہیں۔

فما قال انه رآها افبمثل هٰذا يعتمد على تكذيب رجل من اهل العلم هذا مردود۔ ابن اسحاق کب کہتے ہیں کہ میں نے فاطمہ کو دیکھا کیا ایسی بے علاقہ بات سے ایک عالم کی تکذیب پر اعتماد ہوگا۔ ہرگز نہیں بل کہ یہ رد کر دیا جائے گا۔
(میزان الاعتدال، ج۔۳ ص ۴۵۵)

دسواں رد : سب سے قطع نظر کر لیجیے پھر بھی ابن اسحاق کی ثقاہت و راست گوئی کا یہ پہاڑ اپنی جگہ سے کیسے ہٹے گا کہ کذب کے طعن کو ائمہ نے قبول ہی نہیں کیا۔ پھر ایسی بات جو ائمہ ناقدین کے حضور میں پیش ہو کر رد ہو چکی ہو اسے دستاویز بنانا کیوں کر جائز ہوگا؟ اس طرح کے چلتے پھرتے مطاعن سنے جائیں تو سلف و خلف میں شائد کوئی امام بچے۔ سب سے ہاتھ دھونے پڑیں۔

یہ جواب امام بخاری نے ارشاد فرمایا۔ جیسا کہ وہ اپنی کتاب جزء القراءۃ میں تحریر فرماتے ہیں:

ولم ینج کثیر من الناس من کلام بعض الناس فیھم نحو ما یذکر عن ابراھیم من کلامہ فی الشعبۃ وکلام الشعبہ فی عکرمۃ ولم یلتفت اھل العلم فی ھذا النحو الا ببیان وحجۃ ولم تسقط عدالتھم الا ببرھان وحجۃ۔ (تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۴۱)

ائمہ حدیث میں اکثر ایسے حضرات ملیں گے جن پر کسی نہ کسی نے طعن کیا ہے۔جیسے امام اجل ابراہیم نخعی سے امام اجل شعبہ کے بارے میں کلام منقول ہے اور امام شعبہ سے عکرمہ کے بارے میں لیکن علما ایسی باتوں کی طرف التفات نہیں فرماتے جب تک وہ دلیل وحجت سے ثابت نہ ہو جائے ایسی بے دلیل وحجت،طعن سے کسی کی عدالت ساقط نہیں ہوتی۔

حضرت ابن اسحاق کے دفاع میں دلائل وبراہین کا انبار لگانے کے بعد حضور مفتی اعظم ارشاد فرماتے ہیں:

مسلمانو! یہ ہیں وہ قاہر رد جنھیں دیوبندی مصنف نے رکیک تاویلات سے تعبیر کیا ہے۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔آدمیاں گم شدند

ابن اسحاق کے خلاف دوسرا طعن

ابن اسحاق کے خلاف دوسرا طعن دجل کا ہے جسے امام مالک کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

ائمہ کرام نے اس کے چھ رد ارشاد فرمائے ہیں۔

پہلا رد : امام بخاری فرماتے ہیں کہ امام مالک سے اس کا ثبوت متحقق نہیں ہے بل کہ ثابت نہ ہونا ہی قرین قیاس ہے۔کیوں کہ اس کے بطلان پر قرینہ موجود ہے جیسا کہ تہذیب التہذیب کے حوالے سے امام بخاری کے ارشادات پچھلے اوراق میں نقل کیے جا چکے ہیں۔ثبوت کے لیے اقتباس نمبر ۸ اور ۹ ملاحظہ فرمائیں۔

دوسرا رد : امام مالک نے اپنے اس الزام سے رجوع فرمالیا ہے جیسا کہ فتح القدیر جلد اول کے صفحہ ۹۲ پر امام ابن ہمام نے ارشاد فرمایا ہے۔

ذکرہ ابن حبان فی الثقات وان مالکا رجع عن الکلام فی ابن اسحق و اصطلح معہ و بعث الیہ ھدیۃ ذکرھا ابن حبان۔

ابن حبان نے ابن اسحاق کو ذکر کیا ہے اور یہ کہ امام مالک نے ابن اسحاق کے خلاف اپنے طعن سے رجوع کر لیا ان سے صلح فرمائی اور انھیں ہدیہ بھیجا جس کی تفصیل بھی ابن حبان نے بیان کی ہے۔

ابن حبان نے کتاب الثقات میں اس واقعہ کی مزید تفصیل لکھی ہے کہ امام مالک نے ایک بار ابن اسحاق پر طعن کیا تھا پھر ابن اسحاق کی طرف اچھے برتاؤ کے ساتھ رجوع فرمایا۔مالک کا طعن ان پر حدیث کے سلسلے میں نہ تھا۔بل کہ انھیں یہ بات ناپسند تھی کہ غزوۂ خیبر کے واقعات وہ یہود کی نومسلم اولاد سے روایت کرتے تھے۔حالاں کہ ابن اسحاق کا یہ پوچھنا بھی اس طور پر نہ تھا کہ وہ ان لڑکوں کا بیان حجت سمجھتے تھے۔(تہذیب التہذیب جلد ۹،ص ۴۵)

تیسرا رد : بالفرض امام مالک کا رجوع نہ بھی ثابت ہو جب بھی ائمہ حدیث کے یہاں اس طرح کی مثالیں موجود ہیں کہ امام ناقد کسی خاص وجہ سے کسی خاص امر میں کسی پر طعن کرتا ہے لیکن وہ طعن اتنی ہی بات پر مقتصر رہتا ہے باقی امور میں وہ بھی اسے مقبول رکھتا ہے۔یہاں تک کہ اس سے حدیثیں بھی اخذ کرتا ہے۔یہ جواب امام بخاری نے ارشاد فرمایا۔جیسا کہ جزء القراءۃ میں فرماتے ہیں:

لوصح عن مالک تناوله من ابن اسحق فلربما تکلم الانسان فیه فی صاحبه بشئ ولا یتهمه فی الامور کلها۔ (تہذیب التہذیب جلد ۹،ص ۴۱)

اول تو امام مالک سے ابن اسحاق پر طعن ثابت نہیں اور اگر بالفرض صحیح بھی ہو تو ایسا بارہا ہوتا ہے کہ آدمی اپنے کسی رفیق پر ایک خاص بات میں طعن کرتا ہے اور سب باتوں میں اسے متہم نہیں سمجھتا۔

چوتھا رد : امام مالک کو ابن اسحاق سے کوئی واقفیت نہ تھی۔ کیوں کہ ابن اسحاق مدینہ طیبہ میں زیادہ دنوں قیام پذیر نہ رہے۔ ابتدا ہی میں کوفہ رہے اور پھر بغداد کی طرف کوچ کیا۔ اور بغداد شریف ہی میں قیام پذیر ہوئے یہاں تک کہ وہیں وفات پائی۔ انھوں نے مدینہ طیبہ میں کونسی حدیث روایت کی کہ امام انھیں جانچتے؟ یہ رد امام بخاری کے استاد امام علی بن عبد اللہ نے ارشاد فرمایا۔ (تہذیب التہذیب، میزان)

پانچواں رد : امام مالک کا اعتراض ابن اسحاق پر روایت حدیث کے رخ سے نہیں ہے بل کہ مذہب قدر کے ساتھ تہمت کے سبب سے ہے جیسا کہ عسقلانی جلد ۹ صفحہ ۴۲ پر ہے۔

قال ابو ذرعة الدمشقی ذاکرت رحیما قول مالک فیه فرأی ان ذٰلک لیس للحدیث انما هو لانه اهمه بالقدر۔

ابو ذرعہ دمشقی فرماتے ہیں کہ ابن اسحاق پر امام مالک کے طعن کی بابت رحیم سے میرا مذاکرہ ہوا انھوں نے خیال ظاہر کیا کہ امام مالک کا طعن روایت حدیث کی جہت سے نہیں بل کہ مذہب قدر کے ساتھ تہمت کی وجہ سے ہے۔

اور پچھلے اوراق میں میزان الاعتدال کے حوالہ سے گزر چکا کہ مذہب قدر کی طرف ان کی نسبت محض لوگوں کا خیال ہی خیال ہے ورنہ وہ سب سے زیادہ مذہب قدر سے دور تھے۔

چھٹا رد : امام ابن ہمام نے فتح القدیر میں ارشاد فرمایا ہے کہ ابن اسحاق پر امام مالک کا طعن اول تو ثابت نہیں ہے اور اگر صحیح بھی فرض کر لیں تو علما نے اسے قبول ہی نہیں کیا بل کہ مسترد کر دیا اور کیوں کر اسے مسترد نہ کرتے جب کہ امام شعبہ نے ابن اسحاق کو فن حدیث میں مسلمانوں کا بادشاہ لکھا ہے اور امام اجل سفیان ثوری، ابن ادریس، حماد بن زید، یزید بن زریع، ابن عتبہ، عبد الوارث اور امام اجل عبد اللہ بن مبارک اور عامۂ علمائے محدثین نے ان کو مقبول رکھا۔ (فتح القدیر ج۔۱ ص ۲۳۱ فصل فی استحباب التعجیل مرکز اہل سنت، پور بندر)

یہاں تک ابن اسحاق پر امام مالک کے طعن اور اس کے جواب کی بحث تھی اس مدلل بحث سے یہ بات اظہر من الشمس ہوگئی کہ ابن اسحاق کا دامن دجل کے طعن سے پاک ہے۔

ابن اسحاق پر تیسرا طعن

ابن اسحاق پر تیسرا طعن تشیع کا ہے۔ تھانوی صاحب نے امام ابن حجر کے حوالہ سے ان پر تشیع کا الزام عائد کرتے ہوئے بدترین قسم کی فریب کاری سے کام لیا ہے۔ ہندوستان کے محاورہ میں شیعی رافضی کو کہتے ہیں۔ لیکن ائمہ جرح و تعدیل کے یہاں شیعی وہ ہے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل مانتا ہے۔ اس اصطلاح کو دیدہ و دانستہ نظر انداز کر کے انھوں نے سادہ لوح عوام کو اس فریب میں مبتلا کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ ابن اسحاق کو رافضی سمجھیں۔ معاذ اللہ رب العلمین۔

حضرت علی کو حضرت عثمان سے افضل سمجھنا، اگرچہ جمہور اہل سنت کے مذہب کے خلاف ہے لیکن اہل سنت کی ایک جماعت، خصوصاً ائمہ کوفہ جیسے امام سفیان ثوری اور امام مسلمین حضرت اعمش وغیرہما اسی کے قائل ہیں۔ ایسے تشیع کو بدعت اور بدمذہبی بھی نہیں کہہ سکتے۔ شرح

مقاصد (ج۔۵ ص۲۹۱) میں ہے۔

قال اهل السنة الا فضل ابو بكر ثم عمر ثم عثمان ثم علی قد مال البعض منهم الی تفضيل علی علی عثمان رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما و البعض الی التوقف فيما بينهما۔

علمائے اہل سنت نے فرمایا کہ سب سے افضل ابوبکر ہیں پھر عمر ہیں پھر عثمان ہیں پھر علی ہیں۔ پھر ان میں سے کچھ لوگوں کا مذہب ہے کہ حضرت علی حضرت عثمان سے افضل ہیں اور بعض لوگوں نے توقف سے کام لیا ہے۔

اور امام ابن حجر اپنی گراں قدر تصنیف ہدی الساری (ص ۵۴۱) میں محدثین کے اصطلاحات کی تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

التشيع محبة علی و تقديمه علی الصحابه فمن قدمه علی ابی بكر و عمر فهو غال تشيعه و يطلق عليه رافضی و الا فشيعی فان انضاف الی ذٰلک السب او التصريح بالبغض فغال فی الرفض۔

حضرت علی سے محبت کرنا اور انھیں صحابہ پر فضیلت دینا شیعیت ہے لیکن جو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر سے انھیں افضل سمجھتا ہے وہ رافضی ہے۔ پھر اسی کے ساتھ اگر وہ تبرا بھی کرتا ہے تو وہ خالی رافضی ہے۔

ائمہ جرح و تعدیل کی اصطلاح میں چوں کہ محب علی کو شیعی کہا جاتا ہے اسی بنیاد پر حضرت امام اعمش جو امام اعظم کے استاد ہیں ان کے بارے میں تہذیب التہذیب میں ہے کہ **کان فیه تشیع** ان میں شیعیت تھی یعنی وہ محب علی تھے۔ اتنی تفصیل کے بعد یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ ائمہ حدیث کی اصطلاح میں رافضی اور شیعی میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ حضرت ابن اسحاق پر امام ابن حجر نے تشیع کا طعن کیا ہے۔ رفض کا طعن نہیں کیا ہے۔ صرف اس طعن سے اگر ابن اسحاق کی ثقاہت مجروح ہوتی ہے تو خود بخاری شریف اور مسلم شریف کے رجال میں سینکڑوں راوی ہیں جنھیں شیعی کہا گیا ہے لیکن اس کے باوجود کسی نے بھی ان کی حدیث قبول کرنے سے انکار نہیں کیا ہے۔

الحمد للہ کہ شیعیت بمعنی رفض کے الزام سے بھی حضرت ابن اسحاق کا دامن پاک اور بے داغ ثابت ہوگیا۔

ابن اسحاق پر چوتھا طعن

حضرت ابن اسحاق پر چوتھا طعن تدلیس کا ہے۔ تھانوی صاحب نے ان کے خلاف یہ الزام عائد کرتے ہوئے امام ابن حجر کی کتاب طبقات المدلسین کا حوالہ دیا ہے۔ ذرا بھی انھیں فن حدیث سے واقفیت ہوتی تو وہ اس کتاب کا ہرگز حوالہ نہ دیتے۔ کیوں کہ امام ابن حجر نے مدلسین کو پانچ طبقوں میں تقسیم کیا ہے۔ اول چار وہ ہیں جن میں صرف تدلیس ہی ہے کوئی اور وجہ ضعف نہیں ہے۔ ان میں امام بخاری، امام مسلم اور ان سے اعلیٰ درجہ کے ائمہ داخل ہیں۔ پانچواں طبقہ وہ ہے جن میں تدلیس کے سوا کوئی دوسری وجہ ضعف بھی ہے۔ امام ابن حجر نے ابن اسحاق کو چوتھے درجہ میں رکھا کہ بر بنائے اصول شافعیہ جن کی حدیث بے تصریح سماع حجت نہیں جب کہ ہم حنفیہ، مالکیہ اور حنبلہ کے نزدیک مطلق حجت و مقبول ہے۔ صرف تدلیس کی وجہ سے اگر ابن اسحاق کی حدیث ناقابل حجت ہے تو تھانوی صاحب کو امام بخاری اور امام مسلم کی حدیثوں کا بھی انکار کر دینا چاہیے۔ کیوں کہ امام ابن حجر نے انھیں بھی مدلسین میں شمار کیا ہے۔ بہرحال امام ابن حجر کی تحریر سے اتنی بات بالکل صاف ہوگئی کہ ابن اسحاق میں اور کوئی ضعف نہیں ہے اب وہ لوگ جو ان پر کذب یا دجل کا الزام رکھتے تھے۔ اپنے ہی منہ پر تھپڑ ماریں۔

اتمام حجت

اتنی تشفی بخش اور مدلل بحث کے بعد بھی اگر تھانوی صاحب ابن اسحاق کے عنعنہ کو قابل استناد نہیں سمجھتے تو اب میں اتمام حجت کے طور پر مسند امام احمد کے حوالہ سے ابن اسحاق کی وہ حدیث پیش کر رہا ہوں جس میں حدثنی کے ذریعہ امام زہری سے سماع کی صراحت ہے۔ سلسلۂ سند ملاحظہ فرمائیے۔

حدثنا یعقوب حدثنا ابی عن ابن اسحاق قال حدثنی محمد بن مسلم عبید اللہ الزہری عن السائب بن یزید۔

ثانیاً تہذیب کی روایت کے مطابق محمد ابن اسحاق امام زہری سے کثیر المصاحبۃ کثیر السماع اور کثیر الروایۃ ہیں۔ چنانچہ امام زہری نے اپنے دربان کو حکم دیا تھا کہ ابن اسحاق جس وقت بھی آئیں انھیں نہ روکا جائے۔ امام ذہبی فرماتے ہیں کہ ایسے شیخ سے کسی بھی حدیث کی روایت سماع پر محمول ہے اگرچہ بہ لفظ عن ہو۔

☆☆☆

فن حدیث میں حضور مفتی اعظم کے رسوخ و تبحر کو سمجھنے کے لیے وقایۃ اہل السنۃ کے اتنے اقتباسات ہی بہت کافی ہیں۔ ورنہ اس دریائے ناپیدا کنار کے تلاطم کا تو یہ حال ہے کہ بحث کے جس نکتے پر قلم اٹھتا ہے مختلف سمتوں میں اتنی دور تک پھیل جاتا ہے کہ اس کا سمیٹنا مشکل ہے۔ ابن اسحاق کی حدیث پر حضور مفتی اعظم نے فن حدیث کے ایسے ایسے علمی ذخائر و نوادر کا انبار لگا دیا ہے کہ عقل حیران ہے کہ ہم کس کس رخ سے اس جلوے کا تماشا دیکھیں اور اس چمکتے ہوئے نگارخانے میں کس کس گوہر تابدار کی نشان دہی کریں۔

حضور مفتی اعظم کو اب تک اپنے وقت کے ایک فقیہ اعظم اور مجتہدانہ بصیرت رکھنے والے ایک فقید المثال اور وحید العصر کشور افتا کی حیثیت سے جانتے تھے لیکن وقایۃ اہل السنۃ کے مطالعہ کے بعد ہر انصاف پسند کو یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ وہ صرف مفتی اعظم نہیں تھے بل کہ اپنے دور میں فن حدیث کے امام اعظم بھی تھے۔

قابل مبارکباد ہیں رضا اکیڈمی بمبئی کے اراکین جنھوں نے اس رخ سے بھی حضور مفتی اعظم کو متعارف کروانے کا ہمیں موقعہ دیا ہے۔ حضرت مولانا قمر الحسن بستوی کے اصرار پر یہ مختصر مقالہ سپرد قلم کر رہا ہوں۔ قبول عام کے اعزاز سے خدا اسے سرفراز کرے۔

☆☆☆☆☆

مفتی اعظم اور اسنادِ فقہ واحادیث

مولانا نصر اللہ رضوی مصباحی
استاذ مدرسہ عربیہ فیض العلوم، محمد آباد، ضلع مئو

مسند الوقت حضور سرکار مفتی اعظم علامہ شاہ مصطفی رضا قدس سرہٗ (ولادت ۱۳۱۰ھ وفات ۱۴۰۲ھ ۱۹۸۱ء) کو قدوۃ السالکین سیدنا ابوالحسین احمد نوری مارہروی رحمۃ اللہ علیہ نے سلسلہ قادریہ میں بیعت فرمائی اور جمیع سلاسل طریقت کی اجازت وخلافت نیز سلاسلِ قرآن مجید اور احادیث کریمہ کی اجازات واسناد سے بھی نوازا۔

پھر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے بھی اپنے پیارے فرزند کو جملہ سلاسل کی اجازت وخلافت دے کر قند مکرر یا لطف پیہم کی لذت و عزت عطا فرمائی۔

ان تمام اجازتوں اور سندوں کا بیان تو بڑا تفصیل طلب ہے۔ یہاں ہم خاص طور پر ان کی اسناد فقہ واحادیث کا ذکر کریں گے۔

رسالہ مبارکہ ''**النور والبهاء فی اسانید الحدیث و سلاسل الاولیاء**'' (مصنفہ قدوۃ الکاملین سیدنا الشیخ سید ابوالحسین احمد نوری قدس سرہ القوی) میں ۳۹ سلاسل قرآن مجید واحادیث کریمہ اور سلاسل اولیاے کرام مندرج ہیں۔ ان سب کی اجازتیں حضور مفتی اعظم کو حاصل تھیں۔

صحاح ستہ کی وہ خاص سند جو پوری دنیا میں سب سے عالی ہے اور بہت مختصر۔ اور فتح الباری کے اخیر میں نسائی شریف کی حدیث جو مذکور ہے ان سب بھی آپ کو اجازت حاصل ہے۔

نیز انھیں تمام سلاسل فقہ کی اجازتیں حاصل تھیں۔

آپ کو اعلیٰ حضرت کی ان تمام اسناد کی اجازتیں حاصل تھیں جو ''الاجازات المتینہ'' میں مطبوع ہیں۔ ان میں فقہ کی بھی ایک اہم اور عظیم الشان سند شامل ہے۔

دنیا میں مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی سند سے اصح واعلیٰ کوئی سند نہیں۔ شارح بخاری علامہ محمد مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ

''اس سند کے ہوتے ہوئے کسی اور سند کی کوئی حاجت نہیں۔'' (معارف شارح بخاری)

اب ذیل میں قدرے تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

رسالہ مبارکہ النور والبہاء میں سب سے پہلی سند قرآن مجید کی ہے۔ یہ اجازت قراءت امام عاصم بروایت حفص کی ہے۔

سلاسل حدیث دس سندوں پر مشتمل ہیں۔ یہ کل ۱۱ر سندیں ہوئیں۔

سلاسلِ حدیث :

(۱) حضور مفتی اعظم کو اپنے والد وشیخ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ سے اجازت حاصل تھی۔ ان کو اپنے والد ماجد حضرت مولانا نقی علی خاں صاحب سے۔ ان کو اپنے والد ماجد حضرت مولانا رضا علی خاں صاحب سے۔ ان کو اپنے استاذ مولانا خلیل الرحمن صاحب رام پوری سے (الاجازات المتینہ کے ص ۹۸ پر محمد آبادی تحریر ہے یونہی ترجمہ کے ص:۹۹ پر) ان کو اپنے استاذ حضرت مولانا محمد اعلم صاحب سنڈیلی سے۔ ان کو حضرت ملک العلما ابو العیاش محمد عبد العلی بحر العلوم فرنگی محلی لکھنوی سے۔ ان کو اپنے والد ماجد حضرت مولانا نظام الدین صاحب سے۔ قدست اسرارہم۔

(۲) ایک دوسری سند بھی ہے جو اس سے عالی ہے۔

حضور مفتی اعظم کو مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے۔ ان کو اپنے مرشد برحق خاتم الاکابر مولانا سید شاہ آل رسول مارہروی سے۔ انھیں عارف باللہ مولانا نور الحق مدعو بہ مولانا نور بن مولانا انوار الحق المدعو بہ مولانا انوار سے اور انھیں حضرت بحر العلوم قدس سرہٗ سے۔

یہ دونوں سندیں تفصیلی ہیں۔ تفصیلی ذکر آگے آتا ہے۔

حضور مفتی اعظم کو جن سلاسل کی اجازت حاصل تھی وہ دس اجازتوں پر مشتمل ہیں۔ ۵ر سلسلہ خاندانیہ۔ ۵ر سلسلہ مارہرہ مطہرہ۔ اس طرح دس سلسلے کی اجازتیں ہوئیں۔ پانچ اجازتیں خاص سلسلہ رضویہ کی ہیں جو خاندانی ہیں۔ اور حضرت بحر العلوم ابو العیاش عبد العلی فرنگی محلی لکھنوی قدس سرہٗ کے واسطے سے صحاح ستہ کے مصنفین تک پہنچتی ہیں۔

النور والبہاء میں مندرجہ ذیل سلاسل حدیث کی اسناد ہیں۔

صحاح ستہ، مؤطا امام مالک، حصن حصین بقراءت اطراف، اجازت سنن ابوداؤد بقراءت اطراف، یہ آٹھ سندیں ہوئیں۔

حدیث مسلسل بالاولیۃ :

یہ سند کل تین طرق سے ہے۔

(۱) بطریق شیخ محقق عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہٗ

(۲) بطریق حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی

(۳) بطریق صوفی احمد حسن مرادابادی

پہلے سلسلے میں سیدنا ومولانا سید شاہ ابو الحسین احمد نوری قدس سرہ اور سیدنا حافظ زین الدین عراقی کے مابین بارہ واسطے ہیں۔

اور دوسرے طریقے میں گیارہ۔۔۔۔۔

اور تیسرے طریقے میں صرف چھ۔ اس لیے تیسرا طریقہ سند کے اعتبار سے سب سے اعلیٰ ہے۔ (تینوں سندیں تفصیل سے آگے

ذکر کی جائیں گی۔)

حدیث یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر و رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"الراحمون یرحمهم الرحمن تبارک و تعالیٰ۔ ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء" رحم کرنے والوں پر رحمن رحم فرماتا ہے۔ جو لوگ زمین پر ہیں ان پر تم رحم کرو۔ تم پر وہ رحم فرمائے گا جو آسمان والا ہے۔

حدیث مسلسل بالاضافۃ: (اس سند کے دو طریق ہیں)

(۱) بطریق شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

(۲) بطریق شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (سند کی تفصیل آگے آئے گی)

وہ حدیث یہ ہے

"اضافنی امیرالمومنین علی بن أبی طالب علی الأسودین التمر والماء۔ قال اضافنی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم علی الأسودین التمر والماء۔ قال من اضاف مومناً فکأنما أضاف آدم، و من اضاف اثنین فکأنما أضاف آدم و حواء، و من اضاف ثلثۃ فکأنما أضاف جبرئیل و میکائیل و اسرافیل۔"

(کنز العمال ج۔۱ حدیث۔۲۵۹۷۵، بیت الافکار الدولیہ، الریاض)

(امام حسین شہید کربلا نے فرمایا) امیر المومنین علی بن ابی طالب نے دو کالی چیزوں سے میری مہمانی کی کھجور اور پانی۔ انھوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو کالی چیزوں کھجور اور پانی سے میری مہمانی کی۔ فرمایا جس نے ایک مومن کی میزبانی کی گویا اس نے آدم علیہ السلام کی میزبانی کی اور جس نے دو کی میزبانی کی گویا اس نے آدم اور حوا علیہ وعلیہا السلام کی میزبانی کی اور جس نے تین کی میزبانی کی گویا اس نے جبریل و میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام کی میزبانی کی۔

حدیث مسلسل بالمصافحہ: اس حدیث کے بھی دو طریق ہیں۔

(۱) حضرت شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے۔ (۲) حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے۔

یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ انھوں نے فرمایا:

"صافحت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فلم أر خزا و لا قزا الین من کف رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم"

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کیا۔ تو میں نے کسی ریشمی کپڑے کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک سے زیادہ نرم نہیں پایا۔

حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کو صحاح ستہ کی اپنی خاص سند بھی حاصل ہے جس میں اعلیٰ حضرت مجدد اعظم قدس سرہٗ سے لے کر اصحاب صحاح تک بہت کم وسائط ہیں۔

حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کو نسائی شریف کی اس حدیث کی بھی سند و اجازت حاصل ہے جو سند الحفاظ علامہ علی بن احمد بن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری کے اخیر میں اپنی سند کے ساتھ ذکر فرمائی ہے۔

یہ انتالیس اجازتیں احادیث کریمہ کی ہوئیں۔

اس کے علاوہ النور والبہاء میں مصافحات خمسہ بھی اپنی سندوں کے ساتھ مذکور ہیں۔ (اور الاجازات المتینہ مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی

میں المصافحۃ الاربعہ مذکور ہے)

مصافحاتِ خمسہ :

اول : المصافحۃ الجنیۃ ۔ دوم : مصافحہ جنیہ اخری

یہ خاص ان صحابی جنوں میں سے ایک سے مروی ہے جو لیلۃ الجن میں خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تھے، جن کی عمر سات سو سال ہوئی تھی۔

سوم : مصافحہ خضریہ : اس میں اپنی سند کے ساتھ شاہ عبدالعزیز صاحب نے روایت کیا ہے۔ جو بطریق ابوعبداللہ ہزمیری حضرت ابوالعباس خضر علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔

چہارم : مصافحہ معمریہ : اس میں شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی سند کے ساتھ شیخ ابوالحسن علی باغوزانی سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ حضور نے اپنی انگشتانِ مبارک میری انگلیوں میں داخل فرمائیں اور فرمایا:

”یاعلی! شابکنی فمن شابکنی دخل الجنة و مازال یعد حتی وصل الی سبعة ثم استیقظت و اصابعی فی اصابع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم۔“

اے علی! اس طرح مجھ سے مصافحہ کر۔ اور جو اس طرح مجھ سے مصافحہ کرے گا جنت میں داخل ہوگا۔ (اور جو اس سے مصافحہ کرے گا وہ بھی جنت میں جائے گا پھر جو اس سے مصافحہ کرے گا وہ بھی جنت میں جائے گا) اسی طرح سرکار شمار کراتے رہے یہاں تک کہ سات تک پہنچے اس کے بعد میں جاگا اور میری انگلیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشتانِ مبارک میں تھیں۔

یہ پانچ خاص احادیث کی خاص سندیں ہیں۔ انھیں سابق سے جوڑا جائے تو ۳۹ + ۵ = ۴۴ سلاسل احادیث ہو جائیں گے۔

حضور مفتی اعظم کو اعلیٰ حضرت کی ان تمام اسناد کی اجازت حاصل تھی جو الاجازات المتینہ میں مطبوع ہیں جن میں سند فقہ بھی ہے اور مذکورہ بالا مصافحات بھی المصافحات الاربع کے الفاظ کے ساتھ مطبوع ہیں۔ جن کے بارے میں اعلیٰ حضرت نے فرمایا ہے کہ مجھے بحمدہ تعالیٰ ان چار مصافحوں کے ذریعہ رب ذوالجلال کے خلیفہ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ رسالت تک متصل ہونے کا شرف حاصل ہے۔ ان کے الفاظ ہیں۔

صافحته بالمصافحات الاربع الخضریه والجنیة والمعمریة والمنامیة المتصلات منی بحمد ربی الی حضرة الرسالة والخلیفة الاعظم لذی الجلالة صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم وعلی آله الکرام۔

الاجازات المتینہ کی روشنی میں حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کو مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ سے احادیث وغیرہ کی جو اجازتیں اور سندیں حاصل ہوئی ہیں ان میں اعلیٰ حضرت کے الفاظ اس طرح ہیں:

(فاجزت) علی برکة اللّٰہ و برکة رسوله و احمد رضاہ و کمال قبوله او لا --- اجازة جمیع ماقرأته او سمعته علی اساتذتی و بهذا الوجه الاعلی صحت لی عنهم روایتی من القرآن العظیم و احادیث النبی الکریم علیه و علی آله افضل الصلوٰة والتسلیم۔ وکتب الحدیث من صحاح و سنن و مسانید و جوامع و معاجیم و اجزاء وکتب اصوله علی مسلک المحدثین و طریقة ائمتنا المحققین الاجلاء الغراء والفقه الحنفی الحفی الوفی والصافی الصفی المنتهی

سنده الی امام الأئمة كاشف الغمة، سراج الامة، مالك الازمة شافعي و شافع مقلديه بنص احد من عرفاء الله و واجديه من اصله نابت و فرعه ثابت و فضله ثابت سيدنا الامام الاعظم ابی حنيفة النعمان بن ثابت عن الامام حماد بن سليمان عن الامام ابراهيم النخعي اوحد الزمان عن بحرى العلوم و المكرمة سيدنا اسود و علقمه عن كنيف ملیء علما وعد من اهل بيت الرسالة العظمى من رضى رسول الله صلى الله عليه وسلم لامته مارضى وكره لامته ماكره لها هذا الرضى وهو سيدنا عبدالله بن مسعود رضى عنه و عنهم الكريم الودود عن سيد المرسلين شارع الشرع المبين مفيض الاحكام على ائمة الدين بما ناسبهم و من لهم من المقلدين، صلى الله عليه و عليهم اجمعين عن امين الوحی جبرئيل عليه الصلوٰة بالتبجيل۔ (الاجازات المتينه، ص٦٢-٦٤)

اللہ و رسول (جل جلالہ و صلی اللہ علیہ وسلم) کی برکت، خدا کی محمود ترین غذا اور کمال قبول پر اولاً: ان تمام علوم کی اجازت دیتا ہوں جنھیں میں نے اساتذۂ کرام سے پڑھا اور اس اعلیٰ وجہ کی بنا پر میرے لیے اساتذہ سے قرآن عظیم کی روایت اور نبی کریم علیہ وعلی آلہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم) کی احادیث کی روایت صحیح اور ثابت ہے۔ اور کتب حدیث کی ان تمام قسموں کی بھی جنھیں صحاح، سنن، مسانید، جوامع، معاجیم اجزا کہا جاتا ہے۔ نیز مسلک محدثین کے مطابق اور ہمارے جلیل القدر اماموں کے روشن طریقے کے موافق جتنی اصولِ حدیث کی کتابیں ہیں، ان کی روایت بھی میرے لیے صحیح اور ثابت ہے۔ اور فقہ حنفی کی روایت بھی۔ یہ فقہ پیاری بھی ہے اور پوری بھی، صاف ستھری اور فقہوں میں چنی ہوئی۔ اس کی سند اماموں کے امام، غموں کے کاشف، امت کے چراغ، مالک ازمۂ تحقیق، ایک عارف واصل کی تصریح کے مطابق میری اور جملہ مقلدین کی شفاعت فرمانے والے، جن کے علم و عمل اور فضل و کمال کی جڑ قائم ہے اور اس کی شاخیں اگتی اور پھیلتی رہتی ہیں یعنی سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت (رضی اللہ عنہ) تک پہونچتی ہے۔ پھر آپ امام حماد بن سلیمان سے روایت کرتے ہیں وہ یکتائے زمانہ امام ابراہیم نخعی سے وہ علم وسخا کے دو دریاؤں یعنی سیدنا اسود اور سیدنا علقمہ سے وہ ان سے جو علم سے بھری ہوئی گٹھری ہیں اور رسالت عظمیٰ کے اہل بیت میں شمار کیے گئے ہیں جن کی پسند و ناپسند کو سرکار نے اپنی پسند و ناپسند قرار دیا یعنی سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ و عنہم الکریم الودود وہ ان سے جو رسولوں کے سردار اور شرع مبین کے بانی ہیں اور ائمہ دین پر ان کے شان کے لائق اور ان کے مقلدین پر احکام شرعیہ کا افاضہ فرمانے والے ہیں صلی اللہ علیہ وعلیہم اجمعین۔ آپ وحی کے امین حضرت جبریل سے علیہ الصلوٰۃ بالتبجیل

اور اسی میں آگے ص ۹٦ پر یوں اجازت رقم فرمائی۔

فاجزته على بركة الله تعالىٰ بجميع ما تصح لی روايته من القرآن العظيم و احاديث النبی الكريم عليه افضل الصلاة و التسليم و كتب الحديث من صحاح و سنن و مسانيد و جوامع و معاجيم و اجزاء و شروح و كتب اصوله و اسماء رجاله و الفقه و التفسير و القراء ات و التجويد و الكلام و اصول الفقه و السير و التواريخ و الادب و النحو و الصرف و اللغة و المعانی و البيان و البديع و المنطق و الحكمة و الهندسة و الهيئة و الزيجات و سائر كتب المقاصد و الآلات من كل ما ارويه عن مشايخی الاكرمين۔

میں انھیں علی برکتہ تعالیٰ درج ذیل کتب وعلوم وفنون کی اجازت دیتا ہوں جن کا میں مجاز ہوں۔ قرآن مجید، نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کی احادیث مبارکہ اور کتب احادیث جیسے صحاح، سنن، مسانید، جوامع، معاجم، اجزا، شروح، کتب اصول حدیث، کتب اسماء الرجال، فقہ، تفسیر، قراءت، تجوید، کلام، اصول فقہ، سیر، تواریخ، ادب، نحو، صرف، لغت، معانی، بیان، بدیع، منطق، حکمت، ہندسہ، ہیئات،

زیجات کی کتابیں اور مقاصد وذرائع کی باقی کتابیں جن کی میں اپنے بزرگ ترین مشائخ سے روایت کرتا ہوں۔
مثلاً:

۱- میں اپنے مولیٰ اپنے مرشد اپنے سردار سے راوی ہوں جو میرے لیے سہارا بھی ہیں اور خزانہ بھی ہیں اور دنیا وآخرت میں ذخیرہ بھی جو شریعت وطریقت کے جامع بھی ہیں اور پاک لوگوں کی دونوں جماعتوں عالموں عارفوں کے مرجع۔ جن کی توجہ اصاغر کو اکابر بنا دیتی ہے۔ یعنی سیدنا شاہ آل رسول احمدی (اللہ تعالیٰ انھیں دائمی رضا مرحمت فرمائے) وہ اپنے جلیل القدر مشائخ سے جن میں شاہ عبدالعزیز دہلوی بھی ہیں، وہ اپنے والد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

میں اپنے والد صاحب سے راوی ہوں جو میرے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت میرے آقائے نعمت، میری ذات اور گردن کے مالک ہیں۔ محققین کے خاتم اور مدققین کے پیشوا، سنتوں کے حامی اور فتنوں کے ماحی ہیں۔ عمدہ تصانیف، غالب حجۃ اور روشن طریق والے ہیں۔

یعنی سیدنا مولانا محمد نقی علی خاں قادری بریلوی (قدس سرہ القوی) وہ اپنے کریم باپ عارف ربانی، صاحب فضیلت ووجاہت سیدنا المولوی محمد رضا علی خاں (قدس اللہ سرہ ومثواہ) سے وہ مولانا خلیل الرحمن محمد آبادی سے وہ فاضل محمد اعلم سندیلی سے، وہ علما کے بادشاہ، علوم کے سمندر ابوالعیاش محمد عبدالعلی لکھنوی سے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

۳- میں امن والے شہر مکہ مکرمہ کے شیخ العلما الامام المحدث پختہ رائے والے فقیہ المولیٰ سید احمد بن زین دحلان المکی (قدس سرہٗ الملکی) سے راوی ہوں۔ وہ الشیخ عثمان الدمیاطی وغیرہ سے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

۴- میں مولانا بلند ہمت علامہ مکہ محترمہ میں اللہ تعالیٰ کے روشن چراغ المولوی عبدالرحمن سے راوی ہوں جو مکہ مکرمہ میں احناف کے مفتی الشیخ عبداللہ سراج کے صاحبزادے ہیں۔ وہ مولا جمال بن عبداللہ بن عمر مفتی الاحناف سے، وہ المولا عابد السندی المدنی سے۔

۵- میں نیک سید حسین بن صالح جمل اللیل المکی سے راوی ہوں۔ وہ الشیخ عابد السندی سے۔

۶- میں اپنے مرشد پاک کے پوتے ان کے سجادہ نشین، ان کے علم، سیادت وسعادت کے وارث السید الشاہ ابوالحسین احمد النوری سے راوی ہوں۔ (اللہ تعالیٰ ان کے معنوی اور صوری نور کو برقرار رکھے)

علاوہ ازیں دیگر مشائخ کرام سے راوی ہوں (اللہ تعالیٰ ان سب پر صبح وشام رحمتیں نازل فرمائے۔)

اب یہاں سے ہم حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کی اسناد حدیث وفقہ بہ تفصیل تام ذکر کریں گے پھر اخیر میں ان کا ایک نقشہ بھی پیش کیا جائے گا۔

سند الحدیث المسلسل بالاولیۃ :

له عند شیخنا السید الاجل رضی الله تعالیٰ عنه طریقان احدهما من جهة الشیخ المحقق مولانا الشیخ عبدالحق المحدث الدهلوی والاخری من جهة الشاه عبدالعزیز الدهلوی غفر لهما المولی القوی۔

حدیث ''مسلسل بالاولیت'' کی سند: یہ حدیث ہمارے پیر ومرشد سید اجل (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو دو سندوں کے ساتھ حاصل ہوئی ہے۔ ایک سند الشیخ المحقق مولانا عبدالحق المحدث الدہلوی کی طرف سے ہے اور دوسری الشاہ عبدالعزیز الدہلوی کی طرف سے۔ (قوت والا مولی دونوں کی مغفرت فرمائے۔)

طریق الشیخ المحقق عبدالحق المحدث قدس سرہ :

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم ۔ الحمدللہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین اما بعد فقد حدثنی السید الامام الھمام قطب الزمان حضرۃ الشیخ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ وارضاہ وھو اول حدیث سمعتہ منہ قال حدثنی السیدالسند رحلۃ زمانہ امام اوانہ عمی و شیخی مولای و مرشدی السید آل احمد المقلب بہ اچھے میاں صاحب المارھروی قدس اللّٰہ سرہ العزیز وھو اول حدیث سمعتہ منہ عن السیدالنقی الامام التقی الورع الکامل البارع الفاضل العارف باللہ الاحد السید الشاہ حمزۃ ابن السید آل محمد البلجرامی الحسینی الواسطی وھو اول حدیث سمعہ منہ قال حدثنی السید طفیل محمد الاترولوی وھو اول حدیث سمعتہ منہ قال حدثنی السید السند البارع الاکمل الافضل وحید زمانہ السید مبارک فخرالدین البلجرامی رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ علیہ وھو اول حدیث سمعتہ منہ قال حدثنی الشیخ العالم العامل حاج الحرمین الشریفین استاذی الشیخ ابوالرضا بن الشیخ اسمعیل الدھلوی احداحفادالشیخ عبدالحق الدھلوی سلمہ ربہ ورحمۃ اللّٰہ تعالیٰ علیہ وھو اول حدیث سمعتہ منہ قال حدثنا جدی واستاذی وشیخی افضل المحدثین الشیخ عبدالحق الدھلوی رحمۃ اللّٰہ علیہ وھو اول حدیث سمعتہ منہ قال حدثنا الشیخ الصالح الموفق عبدالوھاب بن فتح اللّٰہ البروجی احد فقراء سیدی الشیخ عبدالوھاب المتقی رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ علیہ وھو اول حدیث سمعتہ منہ قال حدثنا الشیخ الکبیر محمد بن افلح الیمنی وھو اول حدیث سمعتہ منہ قال حدثنا شیخنا الامام وجیہ الدین عبدالرحمن بن ابراھیم العلوی وھو اول حدیث سمعتہ منہ ثنی شیخنا الامام شمس الدین السخاوی القاھری وھو اول حدیث سمعتہ منہ ثنی جماعۃ کثیرون اجلھم علماً وعملاً الشیخ الاستاذ الحجۃ الناقد شیخ مشایخ الاسلام حافظ العصر الشھاب ابوالفضل احمد بن علی العسقلانی عرف بابن حجر رحمہ اللّٰہ تعالیٰ سماعاً من لفظہ و حفظہ وھو اول حدیث سمعتہ منہ قال حدثنی بہ جماعۃ کثیرون منھم حافظ الوقت الزین ابوالفضل عبدالرحیم بن الحسین العراقی وھو اول حدیث سمعتہ منہ۔

ح واخبرنی بہ عالیاً الشیخ شمس الدین ابو عبداللّٰہ محمد بن احمد التدمری اجازۃ وھو اول حدیث رویتہ عنہ قال ھو والعراقی حدثنا بہ الصدر ابوالفتح محمد بن محمد بن ابراھیم المیدومی اجازۃ وھو اول حدیث قال العراقی سمعتہ منہ و قال التدمری حضرتہ عندہ ثنابہ النجیب ابوالفرج عبداللطیف بن عبدالمنعم الحرانی وھو اول حدیث سمعتہ منہ ثنابہ الحافظ ابوالفرج عبدالرحمن بن علی الجوزی وھو اول حدیث سمعتہ منہ ثنابہ ابو سعید اسمعیل بن ابی صالح احمد بن عبدالملک النیسابوری وھواول حدیث سمعتہ منہ ثنابہ والدی ابو صالح احمد بن عبدالملک المؤذن وھو اول حدیث سمعتہ منہ ثنا ابو طاھر محمد بن محمد بن محمش الزیادی وھو اول حدیث سمعتہ منہ ثنا بہ ابو حامداحمد بن محمد بن یحیی بن بلال البزار وھو اول حدیث سمعتہ منہ ثنا بہ عبدالرحمن بن بشر بن الحکم وھو اول حدیث سمعتہ منہ ثنابہ سفین بن عیینۃ وھو اول حدیث سمعتہ منہ عن سفین عن عمرو بن دینار عن ابی قابوس مولی عبداللّٰہ بن عمرو بن العاص عن عبداللّٰہ بن عمرو رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھما ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم قال الراحمون یرحمھم الرحمن تبٰرک و تعالیٰ ارحموا من فی الارض

یرحمکم من فی السماء۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی سند : اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان رحمت والا ہے۔ سب تعریفیں اللہ کو ہیں جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔ اور صلوٰۃ وسلام اللہ کے رسول محمد مصطفی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اور آپ کی آل اور تمام اصحاب پر۔ حمد وصلوٰۃ کے بعد۔ مجھ سے حدیث بیان کی سید پیشوا، بلند ہمت، قطب زمان، حضرت الشیخ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ) نے اور وہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔ انھوں نے فرمایا کہ مجھ سے حدیث بیان کی بااعتماد سردار، مرجع اہل زماں، وقت کے امام میرے چچا، میرے شیخ، میرے آقا، میرے مرشد سید آل احمد ملقب بہ اچھے میاں المارہروی (قدس اللہ سرہٗ العزیز) نے۔ اور وہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔ انھوں نے روایت کی سردار پاکیزہ پیشوا، پرہیزگار، کامل پارسا، فاضل یکتا، عارف باللہ السید الشاہ حمزہ بن السید آل محمد بلگرامی الحسینی الواسطی سے۔ اور وہ پہلی حدیث ہے جو انھوں نے ان سے سنی۔ انھوں نے فرمایا کہ مجھ سے حدیث بیان کی سید طفیل محمد الاترولوی نے اور وہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔ انھوں نے فرمایا کہ مجھ سے حدیث بیان کی بااعتماد سردار، کمالات وفضائل میں یکتا، زمانے کے بے ہمتا سید مبارک فخر الدین بلگرامی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے۔ اور وہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔ انھوں نے فرمایا کہ مجھ سے حدیث بیان کی شیخ عالم عامل حرمین شریفین کے حاجی میرے استاذ شیخ ابوالرضا بن الشیخ اسماعیل الدہلوی نے جو الشیخ عبدالحق الدہلوی کے نواسے ہیں اور وہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔ انھوں نے فرمایا کہ ہم سے حدیث بیان کی میرے نانا میرے استاذ میرے شیخ افضل المحدثین الشیخ عبدالحق الدہلوی (رحمۃ اللہ علیہ) نے، اور وہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔ انھوں نے فرمایا کہ ہم سے حدیث بیان کی الشیخ الصالح صاحب توفیق عبدالوہاب بن فتح اللہ البروجی یکے از فقرائے سیدی عبدالوہاب المتقی (رحمۃ اللہ علیہ) نے اور وہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔ انھوں نے فرمایا کہ ہم سے حدیث بیان کی الشیخ الکبیر محمد بن افلح یمنی نے اور وہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔ انھوں نے فرمایا ہم سے حدیث بیان کی ہمارے شیخ پیشوا وجیہ الدین عبدالرحمن بن ابراہیم العلوی نے اور وہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔ انھوں نے فرمایا مجھ سے حدیث بیان کی ہمارے شیخ، پیشوا، شمس الدین السخاوی القاہری نے اور وہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔ انھوں نے فرمایا مجھ سے حدیث بیان کی محدثین کی بڑی جماعت نے جن میں وہ بھی ہیں جو علم وعمل میں ان سب سے اعلیٰ ہیں یعنی میرے شیخ استاذ حجۃ ناقد مشائخ اسلام کے سردار حافظ العصر الشہاب ابوالفضل احمد بن علی العسقلانی معروف بہ ابن حجر (رحمہ اللہ تعالی) میں نے ان کے لفظ وحفظ سے حدیث کا سماع کیا اور وہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔ انھوں نے فرمایا مجھ سے حدیث بیان کی محدثین کی بڑی جماعت نے جن میں حافظ الوقت صاحب زینت ابوالفضل عبدالرحیم بن حسین العراقی بھی ہیں اور یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔

سند دیگر : اور مجھے خبر دی الشیخ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد التدمری نے بھی اور اجازت دی اور یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے روایت کی۔ انھوں نے اور العراقی دونوں نے فرمایا کہ ہم سے حدیث بیان کی صدر ابوالفتح محمد بن محمد بن ابراہیم المیدومی نے اور اجازت دی العراقی نے کہا کہ یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی اور تدمری نے کہا یہ پہلی حدیث ہے جس کے درس کے وقت میں ان کے پاس حاضر تھا۔ انھوں نے فرمایا ہم سے حدیث بیان کی النجیب ابوالفرج عبداللطیف بن عبدالمنعم الحرانی نے اور یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔ انھوں نے فرمایا ہم سے حدیث بیان کی حافظ ابوالفرج عبدالرحمن بن علی الجوزی نے اور یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔ انھوں نے فرمایا ہم سے حدیث بیان کی ابوسعید اسماعیل بن ابی صالح احمد بن عبدالملک النیشاپوری نے اور یہ پہلی

حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔انھوں نے فرمایا ہم سے حدیث بیان کی میرے والد ابو صالح احمد بن عبد الملک المؤذن نے اور یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔انھوں نے فرمایا ہم سے حدیث بیان کی ابو طاہر محمد بن محمد بن محمش الزیادی نے اور یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔انھوں نے فرمایا ہم سے حدیث بیان کی ابو حامد احمد بن محمد بن یحییٰ بن بلال البزار نے اور یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔انھوں نے فرمایا حدیث بیان کی ہم سے عبد الرحمن بن بشر بن الحکم نے اور یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔انھوں نے فرمایا ہم سے سفیان بن عیینہ نے حدیث بیان کی اور یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔انھوں نے سفیان سے انھوں نے عمرو بن دینار سے روایت کی۔انھوں نے عبد اللہ بن عمرو بن العاص کے مولیٰ ابو قابوس سے انھوں نے عبد اللہ بن عمرو (رضی اللہ عنہما) سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رحم کرنے والوں پر رب رحمان تبارک وتعالیٰ رحم فرماتا ہے تم ان پر رحم کرو جو زمین پر ہیں تو تم پر وہ رحم کرے گا جو آسمان والا ہے۔

طریق الشاہ عبد العزیز الدہلوی :

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد و آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد فقد حدثنی السید الامام الھمام قطب الزمان حضرۃ الشیخ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ و ارضاہ وھو اول حدیث سمعتہ منہ قال حدثنی استاذی علم المحدثین مولانا عبد العزیز الدھلوی رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ علیہ وھو اول حدیث سمعتہ منہ عن ابیہ ذی الفضل والجاہ مولانا ولی اللّٰہ رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ علیہ وھو اول حدیث سمعہ منہ قال حدثنی السید عمر من لفظہ تجاہ قبر النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم وھو اول حدیث سمعتہ منہ قال حدثنی جدی الشیخ عبد اللّٰہ بن سالم البصری وھو اول الخ قال حدثنا الشیخ یحیٰی بن محمد الشھیر بالشاوی وھو اول حدیث سمعناہ منہ قال اخبرنا بہ الشیخ سعید بن ابراھیم الجزائری المفتی الشھیر بقدورۃ قال وھو اول حدیث سمعتہ منہ قال اخبرنا بہ الشیخ المحقق سعید بن محمد المقری قال وھو اول الخ عن الولی الکامل احمد حجی الوھرانی قال وھو الخ عن شیخ الاسلام العارف باللہ تعالیٰ سیدی ابراھیم التازی قال وھو اول الخ قال قرأتہ علی المحدث الربانی ابی الفتح محمد بن ابی بکر بن الحسین المراغی قال وھو اول حدیث قراتہ علیہ قال سمعت من لفظ شیخنا زین الدین عبد الرحیم بن الحسین العراقی قال وھو اول حدیث سمعتہ منہ قال حدثنا ابو الفتح محمد بن محمد بن ابراھیم البکری المیدومی قال وھو الخ بمثل الحدیث سنداًو متناً)

الشاہ عبد العزیز الدہلوی کی سند :

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان رحمت والا ہے۔سب تعریفیں اللہ کو ہیں جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے اور درود وسلام اللہ کے رسول محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی آل اور تمام اصحاب پر۔حمد وصلوٰۃ کے بعد۔مجھ سے حدیث بیان کی سید، پیشوا، بلند ہمت، قطب زماں حضرت الشیخ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ) نے اور یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔انھوں نے فرمایا مجھ سے حدیث بیان کی میرے استاذ علم المحدثین مولانا الشاہ عبد العزیز الدہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے۔اور یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی انھوں نے یہ حدیث اپنے باپ صاحبِ فضل وجاہ مولانا ولی اللہ (رحمۃ اللہ علیہ) سے روایت کی۔اور یہ پہلی حدیث ہے جو انھوں نے ان سے سنی۔انھوں نے فرمایا ہم سے حدیث بیان کی یحییٰ بن محمد نے جو شاوی کے نام سے مشہور ہیں اور یہ پہلی حدیث ہے جو ہم

نے ان سے سنی۔انھوں نے فرمایا خبر دی ہم کو الشیخ سعید بن ابراہیم الجزائری المفتی نے جو قدورہ کے نام سے مشہور ہیں اور یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔انھوں نے فرمایا ہم کو خبر دی الشیخ المحقق سعید بن محمد المقری نے اور یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔ انھوں نے یہ حدیث ولی کامل احمد حجی الوہرانی سے روایت کی اور فرمایا کہ یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔انھوں نے یہ حدیث شیخ الاسلام العارف باللہ سیدی ابراہیم التازی سے روایت کی اور فرمایا کہ یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔انھوں نے فرمایا کہ میں نے یہ حدیث المحدث الربانی ابوالفتح محمد بن ابوبکر بن الحسین المراغی کے حضور پڑھی اور یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان پر پڑھی۔انھوں نے فرمایا میں نے یہ حدیث اپنے شیخ زین الدین عبدالرحیم بن الحسین العراقی سے سنی اور یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔ انھوں نے فرمایا حدیث بیان کی ہم سے ابوالفتح محمد بن محمد بن ابراہیم البکری المیدومی نے اور یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔

(ازاں بعد سند اور متن وہی ہے جس کا طریق اول میں ذکر ہوا۔)

قلت ولی فی الحدیث طریق ثالث عال جدا :

حدثنی مولانا الاجل السید الشاہ ابوالحسین احمد النوری نورنا اللّٰہ بنورہ المعنوی والصوری قال حدثنا افضل العلماء واورع الاتقیاء مولانا احمد حسین الصوفی المراد آبادی رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ علیہ وھو اول حدیث سمعتہ منہ قال حدثنا حدیث الرحمۃ المسلسل بالاولیۃ الشیخ الناسک احمد بن محمد الدمیاطی المشھور بابن عبدالغنی وھو اول حدیث سمعتہ منہ بحضرۃ جمع من اھل العلم قال ثنا بہ المعمر محمد بن عبدالعزیز وھو اول حدیث سمعتہ و اجازہ بجمیع مرویاتہ فقال حدثنا بہ الشیخ المعمر ابوالخیر بن عموس الرشیدی وھو اول حدیث سمعتہ منہ و اجازہ بجمیع مرویاتہ فی ربیع الاول سنۃ اثنین بعد الألف قال حدثنا بہ شیخ الاسلام الشرف زکریا بن محمد الانصاری وھو اول حدیث سمعتہ منہ قال ثنا بہ خاتمۃ الحفاظ الشھاب ابوالفضل احمد بن علی بن حجر العسقلانی وھو اول حدیث سمعتہ منہ قال اخبرنا بہ الحافظ زین الدین ابوالفضل عبدالرحیم بن حسین العراقی وھو اول حدیث سمعتہ منہ۔(الی آخر الحدیث سنداً ومتناً)

تیسری سند جو بہت عالی ہے :

میں نے کہا کہ حدیث مسلسل بالاولیت کی یہ تیسری سند بھی مجھے حاصل ہے جو بہت عالی ہے۔مجھ سے حدیث بیان کی ہمارے جلیل القدر آقا السید الشاہ ابوالحسین احمد النوری نے (اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کے معنوی اور صوری نور سے منور فرمائے) انھوں نے فرمایا ہم سے حدیث بیان کی افضل العلما اورع الاتقیا مولانا احمد حسین الصوفی المرادآبادی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے اور یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔انھوں نے فرمایا رحمت والی حدیث جو مسلسل بالاولیت ہے ہم سے بیان کی شیخ عبادت گزار احمد بن محمد الدمیاطی نے جو ابن عبدالغنی کے نام سے مشہور ہیں اور یہ پہلی حدیث ہے جو ایک جماعت اہل علم کی موجودگی میں میں نے ان سے سنی۔انھوں نے فرمایا ہم سے حدیث بیان کی لمبی عمر والے محمد بن عبدالعزیز نے اور یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی اور انھوں نے تمام مرویات کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا ہم سے حدیث بیان کی لمبی عمر والے الشیخ ابوالخیر بن عموس الرشیدی نے اور یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔اور انھوں نے اپنی تمام مرویات کی ربیع الاول ۱۰۰۲ھ میں اجازت دی۔اور فرمایا ہم سے حدیث بیان کی شیخ الاسلام الشرف زکریا بن محمد الانصاری نے اور یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔انھوں نے فرمایا ہم سے حدیث بیان کی خاتمۃ الحفاظ الشہاب

ابوالفضل احمد بن حجر العسقلانی نے اور یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔ انھوں نے فرمایا خبر دی ہم کو حافظ زین الدین ابوالفضل عبدالرحیم بن الحسین العراقی نے اور یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔ (از اں بعد سند اور متن وہی ہے جس کا پہلے ذکر ہوا)

المصافحات الاربعۃ :

سند المصافحة الجنيه : صافحت حضرة الشيخ رضى الله تعالىٰ عنه قال صافحت الشيخ عبدالعزيز صافح اباه قال صافحت السيد عبيد الله بن عيدروس بن الشيخ على العيدروسى و قال صافحنى جنى اسمه غانم سنة ثمان و تسعين بعد الالف بعدان صلى العصر مع والدى قدس سره فى المسجد ذات يوم و امره والدى ان يصافحنى حين اخبره انه صافحه جنى كان من النفر الذين ذكرهم الله تعالىٰ فى سورة الجن و قد تعمر اكثر من سبعمائة سنة وهو صافحه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم والحمدلله۔

چار مصافحے :

مصافحہ جنیہ کی سند : میں نے حضرت الشیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مصافحہ کیا۔ انھوں نے فرمایا میں نے الشیخ عبدالعزیز سے مصافحہ کیا۔ انھوں نے اپنے والد سے مصافحہ کیا۔ انھوں نے فرمایا میں نے السید عبداللہ بن عیدروس بن الشیخ علی العیدروسی سے مصافحہ کیا۔ انھوں نے فرمایا میں نے سید مصطفیٰ العیدروسی کے صاحبزادے سید جعفر صادق سے مصافحہ کیا۔ انھوں نے فرمایا میں نے ۱۰۹۸ھ میں ''غانم'' نامی ایک جن سے مصافحہ کیا۔ اس جن نے ایک دن مسجد میں نماز عصر میرے والد (قدس سرہٗ) کے ساتھ پڑھی۔ نماز کے بعد والد صاحب نے حکم دیا کہ وہ مجھ سے مصافحہ کرے کیونکہ اس جن نے والد صاحب کو بتایا تھا کہ سورۃ الجن میں اللہ تعالیٰ نے جنوں کی جس جماعت کا ذکر کیا ہے ان میں سے ایک ایسے جن لیے اس سے مصافحہ کیا ہے جس نے سات سو سال سے زیادہ عمر پائی اور رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مصافحہ کرنے کا شرف حاصل کیا۔ (اور سب تعریفیں اللہ کو ہیں)

سند المصافحۃ الخضریۃ :

وبه الى الشاه ولى الله قال صافحنى السيد عمر ابن بنت الشيخ عبدالله بن سالم البصرى المكى و شد على يدى و قال المراد بهذا الشدا الاشتداد فى تاكيد الصحبة قال صافحنى جدى الشيخ عبدالله كذلک كما صافحه شيخه الشيخ محمد بن محمد بن سليمن كما صافحه شيخه ابو عثمان سعيد بن ابراهيم الجزائرى المعروف بقدورة كماصافحه الشيخ ابو سعيد بن احمد المقرى القريشى كماصافحه شيخه سيدى احمد حجى الوهرانى كماصافحه شيخه سيدى سالم التازى كما صافحه شيخه الشيخ صالح الزوادى كماصافحه الفقيه الصالح حافظ عصره سيدى عبدالله بن محمد بن موسى العيد روسى و حدثه بها عن شيخه الاستاذ ابى عبدالله محمد بن جابر الغسانى عن الامام الربانى ابى عبدالله محمد بن على المراكشى شهرته بابن عليوات عن ابى عبدالله الصوفى عن الامام العالم ابى العباس احمد بن البنا عن ولى الله تعالىٰ ابى عبدالله الهزميرى عن ابى العباس الخضر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

مصافحہ خضریہ کی سند :

مصافحہ خضریہ کی سند الشاہ ولی اللہ تک وہی ہے جس کا ذکر مصافحہ جنیہ میں ہوا۔الشاہ ولی اللہ نے فرمایا شیخ عبداللہ بن سالم البصری المکی کے نواسے السید عمر نے مجھ سے مصافحہ کیا اور میرا ہاتھ اچھی طرح دبایا اور فرمایا یہ دبانا تاکید صحبت کے لیے ہے۔انھوں نے فرمایا مجھ سے میرے نانا الشیخ عبداللہ نے یونہی مصافحہ کیا۔ان کے استاذ الشیخ محمد بن محمد بن سلیمان نے ان سے یونہی مصافحہ کیا۔ان کے شیخ ابوعثمان سعید بن ابراہیم الجزائری معروف بقدورۃ نے ان سے یونہی مصافحہ کیا۔ان سے ابوسعید بن احمد المقری القریشی نے یونہی مصافحہ کیا۔ان سے ان کے شیخ سیدی احمد حجی الوہرانی نے یونہی مصافحہ کیا۔ان سے ان کے شیخ سیدی سالم التازی نے یونہی مصافحہ کیا۔ان سے ان کے استاذ شیخ صالح الزوادی نے یونہی مصافحہ کیا۔ ان سے فقیہ صالح ،حافظ العصر سیدی عبداللہ بن محمد بن موسیٰ العیدروسی نے یونہی مصافحہ کیا۔اور انھوں نے مصافحہ کرنے کی روایت کی اپنے شیخ استاذ ابوعبداللہ بن محمد بن جابر الغسانی سے۔انھوں نے الامام الربانی ابوعبداللہ محمد بن علی المراکشی مشہور بن علیوات سے انھوں نے ابوعبداللہ الصوفی سے انھوں نے الامام العالم ابوالعباس احمد بن البنا سے۔انھوں نے اللہ تعالیٰ کے ولی ابوعبداللہ الہز میری سے۔انھوں نے سیدنا ابوالعباس الخضر سے۔انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔

سند المصافحۃ المعمریۃ :

وبہ الیہ قال صافحنی ابوطاھر صافحہ الشیخ احمد النخلی قال صافحنی العارف الکبیر الشیخ تاج الدین الھندی النقشبندی قال صافحنی الشیخ عبدالرحمن الشھیر بحاجی رمزی قال صافحنی الشیخ حافظ علی الاربھی قال صافحنی الشیخان الشیخ محمود الاسفرائنی و السید امیرعلی الھمدانی قالا صافحنا ابو سعید الحبشی الصحابی المعمر قال صافحنی النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم

مصافحہ معمریہ کی سند :

مصافحہ معمریہ کی سند الشاہ ولی اللہ (علیہ الرحمۃ) تک وہی ہے جس کا اوپر ذکر ہوا۔انھوں نے فرمایا مجھ سے مصافحہ کیا ابوطاہر نے۔ ان سے مصافحہ کیا شیخ احمد النخلی نے۔انھوں نے فرمایا مجھ سے مصافحہ کیا عارف کبیر الشیخ تاج الدین الہندی النقشبندی نے۔انھوں نے فرمایا مجھ سے مصافحہ کیا شیخ عبدالرحمن نے جو حاجی رمزی کے نام سے مشہور ہیں۔انھوں نے فرمایا مجھ سے مصافحہ کیا الشیخ حافظ علی الاربہی نے۔ انھوں نے فرمایا مجھ سے مصافحہ کیا دو بزرگوں نے شیخ محمود الاسفرائنی اور سید امیر علی الہمدانی نے۔ان دونوں نے فرمایا ہم سے مصافحہ کیا معمر صحابی ابوسعید الحبشی نے۔انھوں نے فرمایا مجھ سے مصافحہ کیا نبی اکرم سید عالم (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے۔

سند المصافحہ المنامیۃ :

و بالمار فی الخضریۃ الی صالح الزوادی عن عز الدین بن جماعۃ عن الشیخ محمد شیرین عن الشیخ سعد الدین الزعفرانی عن والدہ محمود الزعفرانی عن ابی بکر السواسی و ناصرالدین علی بن ابی بکر ذی النون الملیطی وھما عن محمد بن اسحاق القونوی عن الشیخ الاکبر محی الدین ابن العربی عن الشیخ احمد بن مسعود شداد المقری الموصلی عن الشیخ علی بن محمد بن الحائکی الباھری عن الشیخ ابی الحسن الباغوزائی قال رایت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم فی المنام فشبک اصابعہ باصابعی و قال یاعلی شابکنی فمن شابکنی دخل الجنۃ و مازال یعد حتی وصل الی سبعۃ ثم استیقظت و اصابعی فی اصابع رسول اللّٰہ تعالیٰ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال الشیخ التازی کذا ینبغی من شابک احداً ان یقول شابکنی فمن شابکنی دخل الجنۃ۔اللھم ارزقنا و جمیع اھل السنۃ

آمین۔

مصافحہ منامیہ کی سند :

جو تفصیل مصافحہ خضریہ میں صالح الزوادی تک گزری وہی یہاں ہے۔ انھوں نے مصافحہ منامیہ کی روایت کی عز الدین بن جماعۃ سے۔ انھوں نے شیخ محمد شیرین سے۔ انھوں نے شیخ سعد الدین الزعفرانی سے۔ انھوں نے اپنے والد محمود الزعفرانی سے۔ انھوں نے ابوبکر السواسی اور ناصر الدین علی بن ابوبکر ذوالنون المليطی سے۔ اوران دونوں نے محمد بن اسحاق القونوی سے۔ انھوں نے شیخ اکبر محی الدین ابن العربی سے۔ انھوں نے الشیخ احمد بن مسعود شداد المقری الموصلی سے۔ انھوں نے شیخ علی بن محمد الحائکی الباہری سے۔ انھوں نے شیخ ابوالحسن علی الباغوزائی سے۔ انھوں نے فرمایا کہ میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کی آپ نے اپنے دستِ اقدس کی انگشتانِ مبارکہ میرے ہاتھوں کی انگلیوں میں ڈال کر فرمایا: اے علی! میری انگلیوں میں انگلیاں ڈال، جو میری انگلیوں میں انگلیاں ڈالے گا جنت میں جائے گا۔ اور آپ گنتے گئے یہاں تک کہ سات تک پہنچے پھر بیدار ہوگیا اس وقت میری انگلیاں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مقدس انگلیوں میں تھیں۔ الشیخ التازی نے فرمایا جو (شیخ) کسی (مرید) کی انگلیوں میں انگلیاں ڈال کر مصافحہ کرے اسے یہ کہنا چاہیے۔ میری انگلیوں میں انگلیاں ڈال، جو میری انگلیوں میں انگلیاں ڈالے گا جنت میں جائے گا۔ الٰہی! ہم کو اور سب اہل سنّت کو جنت نصیب فرما۔ آمین

حضور مفتی اعظم کی سندوں کے نقشے ملاحظہ ہوں۔

سندحدیث مسلسل بالاولیت :

حضور نبی اکرم نور مجسم شفیع اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

حضرت ابو قابوس مولیٰ عبداللہ بن عمرو بن العاص

حضرت سفیان بن عمرو بن دینار

حضرت سفیان بن عیینہ

حضرت عبدالرحمن بن بشر بن الحکم

حضرت ابو حامد احمد بن محمد بن یحییٰ بن بلال البزار۔

حضرت ابو طاہر محمد بن محمد محمش الزیادی

حضرت ابو صالح احمد بن عبدالملک المؤذن

حضرت ابو سعید اسماعیل بن ابو الصالح احمد بن عبدالملک نیشاپوری

حضرت حافظ ابوالفرج عبدالرحمن بن علی الجوزی

حضرت ابوالفرج عبداللطیف بن عبدالمنعم الحرانی

حضرت ابوالفتح محمد بن محمد بن ابراہیم البکری المیدومی

شیخ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد التدمری	شیخ زین الدین عبدالرحیم بن الحسین العراقی
شیخ ابوالفضل عبدالرحیم بن حسین العراقی	شیخ ابوالفتح محمد بن ابوبکر بن الحسین المراغی
شیخ الشہاب ابوالفضل احمد بن حجر عسقلانی	شیخ سید ابراہیم التازی
شیخ شمس الدین سخاوی القاہری	شیخ احمد حجی الوہرانی
شیخ وجیہہ الدین عبدالرحمن بن ابراہیم علوی	شیخ سعید بن محمد المقری
شیخ محمد افلح الیمنی	شیخ سعید بن ابراہیم الخزائری المعروف قدورہ
شیخ عبدالوہاب بن فتح اللہ بروجی	شیخ یحییٰ بن محمد شاوی
	شیخ عبداللہ بن سالم البصری
	شیخ سید عمر
	شاہ ولی اللہ محدث دہلوی
شیخ عبدالحق محدث دہلوی	شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی
شیخ ابوالرضا بن اسماعیل دہلوی (نواسہ شیخ عبدالحق)	سید آل رسول احمدی مارہروی
سید مبارک فخر الدین بلگرامی	جاری..................................
سید طفیل محمد اترولوی	امام احمد رضا البریلوی (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

سید شاہ حمزہ بن سید آل محمد بلگرامی حسنی الواسطی

سید آل احمد اچھے میاں مارہروی مفتی اعظم مصطفی رضا (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

سید آل رسول احمدی مارہروی

امام احمد رضا البریلوی (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

مفتی اعظم مصطفی رضا رضی اللہ عنہ

سند حدیث مسلسل بالاولیت

(جو بہت عالی ہے)

حضور نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے لے کر

شیخ الشہاب ابوالفضل احمد بن حجر عسقلانی۔ تک وہی سند ہے جو گزری۔ اس کے بعد سند یوں ہے۔

شیخ الاسلام زکریا بن محمد الانصاری

شیخ ابوالخیر بن عموس الرشیدی

شیخ محمد بن عبد العزیز

شیخ احمد بن محمد الدمیاطی المعروف ابن عبد الغنی

شیخ مولانا احمد حسین الصوفی مرادآبادی

سید شاہ ابوالحسین النوری مارہروی

امام احمد رضا البریلوی (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

مفتی اعظم مصطفی رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سند فقہ حنفی

اس سند کی خوبی یہ ہے کہ اس سند کے تمام اساتذہ ومشائخ حنفی ہیں۔ ملاحظہ ہو:
العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ جلد اول، ص ۵

النبی الکریم الامین علیہ الصلوٰۃ والسلام

حضرت عبداللہ بن مسعود

حضرت علقمہ حضرت الاسود

حضرت ابراہیم

حضرت حماد

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ

حضرت ابوعبداللہ محمد بن الحسن الشیبانی

شیخ احمد بن حفص (الشہیر ابوحفص الکبیر)

شیخ عبداللہ بن ابی حفص البخاری

امام ابوعبداللہ السبذمونی

شیخ ابوبکر محمد بن الفضل البخاری

شیخ القاضی ابوعلی النسفی

امام شمس الائمۃ الحلوانی

امام فخر الاسلام البزودی

جاری۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

امام برہان الدین (صاحب الہدایہ)

امام عبدالستار بن محمد الکردری

شیخ جلال الدین الکبیر

شیخ عبدالعزیز البخاری

شیخ سید جلال الدین الخبازی

شیخ علاء الدین السیرافی

شیخ السراج قاری الہدایہ

شیخ الکمال بن الہمام (صاحب فتح القدیر)

شیخ سری الدین عبدالبر بن الشحنۃ

شیخ احمد بن یونس الشلبی

شیخ محمد بن عبدالرحمن المسیری — شیخ عبداللہ النحریری — شیخ محمد بن احمد الحموی — شیخ احمد محبیّ

شیخ حسن الشرنبلالی (صاحب نورالایضاح وغیرہ) — شیخ علی المقدسی — شیخ الشمس الحانوتی — شیخ عمر بن نجیم

شیخ احمد شوبری

شیخ اسمٰعیل بن عبدالغنی النابلسی (صاحب شرح الدرر والغرر)

شیخ عبدالغنی بن اسمٰعیل بن عبدالغنی النابلسی (صاحب الحدیقۃ الندیۃ وغیرہ)

شیخ اسمٰعیل بن عبداللہ الشہیر علی زادہ البخاری

جاری-----------------------------

شیخ عبدالقادر بن خلیل

شیخ یوسف بن محمد بن علاء الدین المز جاجی

شیخ محمد عابد الانصاری المدنی

شیخ جمال بن عبداللہ بن عمر مفتی مکہ

شیخ عبدالرحمن السراج بن شیخ عبداللہ السراج مفتیِ مکہ

امام احمد رضا قادری بریلوی

حضرت مفتیِ اعظم مولانا مصطفی رضا (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین)

سند فقہ حنفی عکس ص ۵، فتاویٰ رضویہ جلد اول مضمون کے آخری حصے میں ملاحظہ فرمائیں۔

سند روایت:

سند حدیث مسلسل بالا ولیت پیش کرنے کے ساتھ ساتھ ہم امام احمد رضا کی ایک سند روایت بھی پیش کر رہے ہیں جو ۵۴ واسطوں سے امام اعظم سے ہوتی ہوئی امام المجتہدین حضرت ابراہیم نخعی تک پہنچتی ہے۔ اس سند کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس میں تاریخ ومقام روایت کی پوری تفصیل موجود ہے کہ اعلی حضرت نے کب اور کہاں کن سے روایت کی، اور دوسری خوبی یہ ہے کہ سید آل رسول احمدی مارہروی علیہ الرحمہ کی سند میں شیوخ حنفی ہیں، اس سند میں کہیں پر لفظ **انبأنا** ہے کہیں پر **اخبرنا** اور کہیں لفظ **عن** مذکور ہے مگر ہم نے اختصار وسہولت کے پیش نظر سب کو لفظ عن سے تعبیر کیا ہے یہاں پر اسے مختصراً ذکر کیا جارہا ہے اور مفصلاً یہ سند مع حدیث رسالہ ''سرور العید فی حل الدعاء بعد صلاۃ العید'' میں مذکور ہے جو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے روایت کی ہے۔ یہ رسالہ ''العطایا النبویۃ فی الفتاویٰ الرضویۃ'' جلد ثالث میں شامل ہے۔ سند ملاحظہ ہو۔

قال الامام احمد رضا البریلوی

عن عبدالرحمان السراج المکی حنفی مفتی شہر مکہ — عن السید آل الرسول الاحمدی المارہروی

عن جمال بن عبداللہ بن عمر المکی — عن الشاہ عبدالعزیز المحدث الدہلوی

عن الشیخ الاجل عابد السند — عن ابیہ

عن عمہ محمد حسین الانصاری — عن الشیخ تاج الدین القلعی مفتی الحنفیہ

عن الشیخ عبدالخالق بن علی المز جاجی — عن الشیخ حسن العجمی

عن الشیخ محمد بن علاء الدین المز جاجی — عن الشیخ خیر الدین الرملی

عن احمد النخلی — عن الشیخ محمد بن سراج الدین الحانوتی

عن محمد البابلی — عن احمد بن الشبلی

عن سالم السنوری
عن النجم الغیطی
عن الحافظ زکریا الانصاری
عن الحافظ ابن حجر العسقلانی
عن ابی عبد اللہ الجریری
عن قوام الدین الاتقانی
عن البرہان احمد بن سعد بن محمد البخاری والحسام السّغنانی
عن ابراہیم الکرکی (صاحب کتاب الفیض)
عن امین الدین یحیٰ بن محمد الاقصرائی
عن الشیخ محمد بن محمد البخاری الحنفی (محمد پارسا صاحب فصل الخطاب)
عن الشیخ حافظ الدین محمد بن محمد بن علی البخاری الطاہری
عن الامام صدر الشریعہ (شارح الوقایہ)
عن جدہ تاج الشریعہ
عن والدہ صدر الشریعہ
عن حافظ الدین محمد بن محمد بن نصر البخاری (حافظ الدین الکبیر) عن والدہ جمال الدین المحبوبی
عن الامام محمد بن عبد الستار الکردری
عن عمر بن الکریم الورسکی
عن عبد الرحمن بن محمد الکرمانی
عن محمد بن ابی بکر البخاری المعرف بامام زادہ
عن شمس الائمہ الزرنجری
عن شمس الائمہ الحلوانی
عن ابی بکر محمد بن الحسین بن محمد (الامام فخر القضاۃ الارشابندی)
عن عبد اللہ الزوزنی
عن ابی زید الدبوسی
عن ابی جعفر الاستروشنی۔
عن ابی علی الحسین بن خضر النفسی
عن ابی بکر محمد بن الفضل البخاری
عن ابی محمد عبد اللہ بن محمد بن یعقوب الحارثی (الاستاذ السبذمونی)
عن عبد اللہ بن محمد بن ابی حفص الکبیر
عن ابیہ
عن محمد بن الحسن الشیبانی
اخبرنا ابوحنیفۃ
عن حماد
عن ابراہیم (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

سند التفقہ في الفقہ المتسلسل بالحنفیۃ الائمۃ المفتین والمصنفین والمشائخ الاعلام

لہ بحمد اللہ تعالی طرق کثیرۃ من اجلہا انی ارویہ عن سراج البلاد الحرمیۃ مفتی الحنفیۃ بمکۃ المحمیۃ مولانا الشیخ عبد الرحمن السراج ابن المفتی الاجل مولانا عبد اللہ السراج عن مفتی مکۃ سیدی جمال بن عبد اللہ بن عمر عن الشیخ الجلیل محمد عابد الانصاری المدنی عن الشیخ یوسف بن محمد بن علاء الدین المزجاجی عن الشیخ عبد القادر بن خلیل عن الشیخ اسمعیل بن عبد اللہ الشہیر بعلی زادہ البخاری عن العارف باللہ تعالی الشیخ عبد الغنی بن اسمعیل بن عبد الغنی النابلسی (وہو صاحب الحدیقۃ الندیۃ والمطالب الوفیۃ والتصانیف الجلیلۃ الزکیۃ) عن والدہ مؤلف شرح الدرر والغرر عن شیخین جلیلین احمد الشوبری وحسن الشرنبلالی محشی الدرر والغرر (وہو صاحب نور الایضاح وشرحیہ مراقی الفلاح وامداد الفتاح والتصانیف الملاح) بروایۃ الاول عن الشیخ عمر بن نجیم صاحب النہر الفائق والشمس الحانوتی صاحب الفتاوی والشیخ علی المقدسی شارح نظم الکنز و روایۃ الثانی عن الشیخ عبد اللہ النحریری والشیخ محمد بن عبد الرحمن المسیری والشیخ محمد بن احمد الحموی والشیخ احمد المحبی مسعتہم عن الشیخ احمد بن یونس الشلبی صاحب الفتاوی عن سری الدین عبد البر بن الشحنۃ شارح الوہبانیۃ عن الکمال ابن الہمام (وہو المحقق حیث اطلق صاحب فتح القدیر) عن السراج قارئ الہدایۃ عن علاء الدین السیرامی عن السید جلال الدین الخبازی شارح الہدایۃ عن الشیخ عبد العزیز البخاری صاحب الکشف والتحقیق عن جلال الدین الکبیر عن الامام عبد الستار بن محمد الکردری عن الامام برہان الدین صاحب الہدایۃ عن الامام فخر الاسلام البزدوی عن شمس الائمۃ الحلوانی عن القاضی ابی علی النسفی عن ابی بکر محمد بن الفضل البخاری عن الامام ابی عبد اللہ السبذمونی عن عبد اللہ بن ابی حفص البخاری عن ابیہ احمد بن حفص (وہو الامام الشہیر بابی حفص الکبیر) عن الامام الحجۃ ابی عبد اللہ محمد بن الحسن الشیبانی عن الامام الاعظم ابی حنیفۃ عن حماد عن ابرہیم عن علقمۃ والاسود عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم

... تعالی وولد فی حدود سنۃ اربعمائۃ فیکون عمرہ عند وفاۃ الحلوانی نحو ست وخمسین سنۃ ۱۲ منہ دام فیضہ

... قال اخبرنا الامام ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن یعقوب السبذمونی الحارثی فلعل کنیتان ابو محمد وابو عبد اللہ ... ۱۲ منہ دام فیضہ

مفتی اعظم اور علمِ حدیث

مولانا محمد عیسیٰ رضوی قادری
الجامعۃ الرضویہ، مظہر العلوم گرسہائے گنج، ضلع قنوج (یوپی)

عالم اسلام میں تاجدار اہل سنت، شہزادۂ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ محمد مصطفی رضا خاں مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات عالیہ محتاج تعارف نہیں، عرب وعجم میں ان کے نام نامی اسم گرامی کا شہرہ وغلغلہ ہے، دنیاے اہل سنت میں ان کی شہرت ومقبولیت مسلم ہے۔ وہ صرف اپنے خاندان ونسب اور بڑے باپ کے بیٹے ہونے کی بنیاد پر نہیں پہچانے گئے بل کہ وہ اپنے علمی جاہ وجلال، دینی حمیت وغیرت، وقار وتمکنت، رعب ودبدبہ، متانت وسنجیدگی، حلم وبردباری، رحم وکرم ایثار وقربانی، خلوص وللہیت، جوش وجذبہ، عفت وعصمت، امانت و دیانت، عدل وانصاف، عشق وعقیدت، صداقت وراست بازی، خوف الٰہی وخشیت ربانی، ریاضت ومجاہدہ، طاعت وبندگی اور تقویٰ وطہارت کی بنیاد پر بھی پہچانے گئے بل کہ وہ زہد وپرہیز گاری میں یکتاے زمانہ اور نابغۂ روزگار تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے علوم وفنون کی مہارت ودسترس پر زہد وتقویٰ اور طہارت وپاکیزگی کی شہرت وبرتری غالب آ گئی حالاں کہ وہ مختلف علوم وفنون میں مہارت تامہ اور دست گاہ کاملہ رکھتے تھے۔

مجدد دین وملت، عظیم البرکت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کو رب کائنات نے علم لدنی عطا فرمایا تھا، فیض ربانی کے دروازے ان پر کھلے ہوئے تھے، ان کا سینہ عشق رسول کا مدینہ اور ان کا دل اسرار الٰہیہ کا گنجینہ تھا، وہ خداداد صلاحیت واستعداد کے مالک تھے، وہ علوم انبیا کے وارث وجانشین اور دین حق کے سچے علم بردار تھے، ان کے قلم حق ترجمان نے قلیل اور مختصر سی مدت میں علم وتحقیق کا دریا بہا دیا، ان کے تجدیدی کارناموں کی ضوفشانیوں سے ظلمت وجہالت کی شب دیجور مسکرا اٹھی، علم وہدایت کی صبح امید کا اجالا پھیلا، ان کے رشحاتِ قلم کی پرنور شعاعوں سے قلوب واذہان کی تاریکیاں دور ہوگئیں، ضلالت وگمراہی اور بدعات وخرافات کے تاریک وسیاہ بادل چھٹ گئے، افق سنیت پر علم ویقین کا سورج طلوع ہوا جس کی روشنی سے دل ودماغ روشن ومنور ہو گئے، حق وصداقت کا بول بالا ہوا، باطل طاقتیں سرنگوں و سرخمیدہ ہوگئیں، کفر وطغیان کی بے کسی وبے بسی دم توڑ گئی، حسد وعناد کے دبیز پردے پھٹ گئے، تائید غیبی سے فضا خوشگوار اور ماحول دل پذیر وسازگار ہوگیا۔ غرضے کہ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ نے جو کارہاے نمایاں اور علمی ودینی خدمات انجام دیں وہ رہتی دنیا تک زندۂ جاوید رہیں گی۔ ان کے علمی جواہر پارے مینارۂ نور کی حیثیت سے علم ویقین اور ہدایت وارشاد کا اجالا دیتے رہیں گے اور انسانی دنیا کو تہذیب وثقافت اور عشق وعقیدت کا پاکیزہ پیغام ملتا رہے گا۔

حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ ایک ایسے باپ کے جیالے اور نامور فرزند جلیل تھے، عرب وعجم میں جس کے نام اور کارناموں کا خطبہ آج بھی پڑھا جارہا ہے مگر جہاں پر حضور مفتی اعظم کو ایک بڑے باپ کے بیٹے ہونے کا فخر وسعادت حاصل ہے وہیں پر ان کے ذاتی اوصاف وکمالات بھی عظمتوں کے حامل اور قابل تقلید ہیں۔ وہ اپنے والد بزرگوار کی طرح مرجع خلائق ومنبع فیوض وبرکات دکھائی دیتے ہیں،

امام احمد رضا کی بارگاہ علم و دانش میں علما وفضلا کا ہجوم و ازدحام رہا کرتا تھا، اسی طرح حضور مفتی اعظم کی بارگاہِ عالی میں بھی بڑے بڑے افاضل ودانشور کسب علم وفیض کے لیے حاضر ہوتے، ہر خاص وعام حضور مفتی اعظم کے فیوض وحسنات سے سیراب وشاد ماں ہوا کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ حضور مفتی اعظم دنیاے سنّیت کے افق پر ’’تاجدار اہل سنّت‘‘ کی حیثیت سے ابھرے اور اپنی مساعی جمیلہ سے فرزندان توحید کے دلوں میں دین وسنت کا جوش وجذبہ اور عشق وعقیدت کا چراغ فروزاں کر دیا۔

حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان فرائض وواجبات کے ساتھ سنتوں کے ایسے پابند ومحافظ تھے کہ ماضی قریب میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اقوال وافعال میں سنتوں کی پیروی، رفتار وگفتار میں سنتوں کی بجا آوری، اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے، کھانے پینے، سونے جاگنے، خلوت وجلوت وغیرہ ہر چیز اور ہر ادا میں ادائیگی سنت کا خیال رکھتے، بل کہ بالالتزام ہر بات میں سنتوں کو ادا کرنے کا اہتمام فرماتے کسی بھی حال میں انھیں ترک نہیں فرماتے۔ برصغیر میں پون صدی کے اندر سنن ومستحبات کا ایسا پابند شخص دیکھا نہیں گیا، کائنات کے پردے پر ایسی شخصیتیں بہت کم جنم لیتی ہیں جو قابل تقلید اور لائق اتباع ہوں۔ ادائیگی سنت کا عالم یہ ہے کہ اتباع رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر ان کا باب جود وسخا سائلوں کے لیے ہر وقت کھلا رہتا، وہ حاجت مندوں کی حاجت روائی فرماتے، بھوکوں کو کھانا کھلاتے، مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے، غریبوں کی خبر گیری اور کمزوروں پر شفقت کرتے، وہ وفادار رسول سے دوستی ومحبت کرتے ان کے لیے وہ موم کی طرح نرم و نازک تھے، مگر غداران رسول ودشمنانِ دین کے لیے شمشیر برہنہ اور پتھر کی طرح سخت تھے، وہ **اشداء علی الکفار رحماء بینھم** کی عملی تفسیر وتصویر اور زندۂ جاوید مثال تھے، وہ دین وشریعت پر عملی استقامت کے ساتھ گامزن اور متبع سنت تھے، سنن ومستحبات پر دائمی عمل نے ان کو اہل سنت کی آنکھوں کا تارا اور سرمایۂ افتخار بنا دیا۔

علوم نقلیہ وعقلیہ کی دولت لازوال حضور مفتی اعظم کو امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ سے وراثت میں ملی تھی، چوں کہ علماے کرام، علوم انبیا علیہم الصلاۃ والسلام کے وارث وامین ہیں۔ انبیا نے درہم ودینار ترکہ میں نہیں چھوڑا بلکہ علم چھوڑا۔ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ اگر چہ ایک اعلیٰ جاگیر دار گھرانے کے فرد فرید تھے مگر انھوں نے جو اصل اور اہم چیز میراث میں چھوڑی وہ ان کا علمی خزانہ تھا جس سے دنیا بھر کے لوگوں نے فائدہ اٹھایا اور آج بھی افادہ واستفادہ کا سلسلہ جاری وقائم ہے۔ میرا اذعان ویقین کہتا ہے کہ رہتی دنیا تک لوگ اس سے فیض یاب ومستفید ہوتے رہیں گے مگر اس کا کثیر ووافر حصہ شہزادۂ گرامی حضور مفتی اعظم کو تفویض ہوا، وہی اس کے حقیقی مستحق وحق دار تھے، اس خزانۂ علمیہ سے انھوں نے وہ گوہر ہائے آب دار نکالے جن کی چمک سے رشد وہدایت کے وہ عظیم مینار تعمیر ہوئے جن کی بلندی ثریا تک پہنچی، ان کی عظمت وبلندی دیکھ کر کج کلاہان زمانہ کے سر جھک گئے۔ اسی خزانۂ علمیہ سے استفادے کا نتیجہ وبرکت ہے کہ حضور مفتی اعظم کی تصانیف وتحقیقات میں امام احمد رضا کے قلم کا رنگ دکھائی دیتا ہے، دونوں جلیل القدر بزرگوں کے اسلوب تحقیق اور بیان و زبان میں یکسانیت نمایاں طور پر موجود ہے۔ حضور مفتی اعظم کی فکر ونظر کی دہلیز پر کھڑا ہونے کے بعد امام احمد رضا کی علمی برکتوں کا اجالا نظر آتا ہے۔

چالیس سے زائد علوم وفنون پر حضور مفتی اعظم کو مہارت حاصل تھی، علم تفسیر وحدیث اور علم فقہ وغیرہ پر کامل عبور رکھتے تھے، ان کی فتاوی نویسی مشہور زمانہ ہے، ان کے دار الافتا میں شرق وغرب سے استفتے آیا کرتے اور ہمہ اوقات سائلوں کا ہجوم لگا رہتا تھا۔ ان کی بارگاہ عالی میں مشق افتا کے لیے بڑے بڑے علما وافاضل قطار میں لگے رہتے تھے۔ ایک عرصہ دراز تک اپنے خاندانی وصف اور طرۂ امتیاز کو باقی رکھتے ہوئے وہ منصب افتا پر فائز ومتمکن رہے اور دنیا بھر کے سائلوں اور مستفتی حضرات کو اپنے کرم وقلم سے فیض پہنچایا۔ چوں کہ یہاں پر

مجھے حضور مفتی اعظم کی علم حدیث پر مہارت و دستگاہ کا جائزہ لینا ہے اس لیے میں اپنے یقین واعتماد کے حوالے سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ جتنے بڑے مفتی تھے اس سے کہیں زیادہ بڑے وہ محدث تھے کیوں کہ ایک کامیاب وحقیقی مفتی وہی شخص ہوسکتا ہے جو فہم حدیث کی اعلیٰ صلاحیت و استعداد رکھتا ہو، حدیث دانی اور علم حدیث میں وسعت معلومات کے بغیر فن افتا میں مہارت تامہ حاصل ہونا ممکن نہیں، جو جتنا بڑا مفتی ہوگا وہ اتنا ہی بڑا محدث ہوگا ہاں محدث کے لیے مفتی ہونا ضروری نہیں مگر مفتی کا محدث وحدیث داں ہونا ضروری ہے۔

اس سلسلے میں امام اعمش اور امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا واقعہ مشہور ہے کہ امام اعمش محدث تھے مگر فقیہہ نہ تھے، امام اعظم فقیہہ ومجتہد بھی تھے اور محدث بھی، اس لیے امام اعظم نے امام اعمش کی روایت کردہ حدیثوں سے ان مسائل شرعیہ کا استنباط واستخراج فرمایا جن سے امام اعمش حیرت زدہ اور انگشت بدنداں رہ گئے۔ مزید وضاحت وصراحت کے لیے اس واقعہ کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کے حوالے سے ملاحظہ فرمائیں۔

> حضرت امام اجل سلیمان اعمش کہ اجلۂ تابعین وامام ائمہ محدثین سے ہیں، حضرت سیدنا انس بن مالک انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ خادم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شاگرد اور ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے استاذ ہیں، ان سے کچھ مسائل کسی نے پوچھے، اس وقت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی وہاں تشریف فرما تھے، امام اعمش نے ہمارے امام سے فتویٰ لیا، ہمارے امام نے سب مسائل کا فوراً جواب دیا، امام اعمش نے کہا یہ جواب آپ نے کہاں سے پیدا کیے؟ فرمایا ان حدیثوں سے جو میں نے خود آپ سے سنیں، اور وہ احادیث مع اسانید پڑھ کر بتادیں، امام اعمش نے کہا:
>
> **حسبک ما حدثتک به فی مائة یوم تحدثنی به فی ساعة واحدة ماعلمت انک تعمل بهذه الاحادیث یامعشر الفقهاء انتم الاطباء ونحن الصیادلة وانت ایها الرجل اخذت بکلا الطرفین۔**
>
> بس کیجیے۔ میں نے جو حدیثیں آپ سے سو دن میں بیان کیں آپ گھڑی بھر میں مجھے سنائے دیتے ہیں۔ مجھے معلوم نہ تھا آپ ان احادیث پر یوں عمل کرتے ہیں؟ اے مجتہدو! تم طبیب ہو اور ہم محدثین عطار اور اے ابوحنیفہ تم نے دونوں کنارے گھیر لیے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ۴، ص ۴۴۸)

یہ بات بھی کسی پر مخفی وپوشیدہ نہیں کہ بعض محدثین کو اس بات کا احساس واقرار تھا کہ وہ صرف محدث ہیں انھیں احادیث یاد ہیں اور وہ صرف احادیث روایت کرتے ہیں، فقہ واجتہاد پر انھیں عبور ومہارت نہیں، وہ مسائل شرعیہ کا استنباط واستخراج احادیث کریمہ سے نہیں کرسکتے، اور حقیقت بھی یہی ہے کہ بہت سارے محدثین کرام ایسے گزرے ہیں جنھیں ہزاروں لاکھوں حدیثیں زبانی یاد تھیں، انھوں نے احادیث روایت کیں۔ آج ان کی روایت کردہ حدیثوں سے دنیاے علم وعمل مالا مال ہے۔ اگر وہ حزم واحتیاط کے ساتھ روایت حدیث کا اہتمام نہ فرماتے تو آج ہم احادیث مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذخیرے سے یکسر محروم وناواقف رہ جاتے، امت مسلمہ اور ملت اسلامیہ پر ان کا یہ عظیم ووافر احسان ہے۔ محدثین نے احادیث یاد کرنے میں تمغۂ کمال حاصل تو کیا مگر فقہ واجتہاد کے دروازے پر قدم نہیں رکھا، لیکن جس شان سے انھوں نے حدیث کی خدمات انجام دیں اقوام عالم کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اس کے باوجود احکام شرعیہ کا استخراج واستنباط مجتہدین ہی کے حصے میں آیا جو اگرچہ بعض درجے میں محدثین کرام ہی کے خوشہ چیں رہے مگر فقہ واجتہاد میں محدثین پر تفوق وبرتری لے گئے۔

امام اعمش کے استاذ امام عامر شعبی ہیں جنھوں نے علم حدیث پر مہارت و دسترس حاصل کی، امام عامر شعبی علم حدیث میں کس بلند رتبے پر فائز تھے اس سے متعلق اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کی تحریر ملاحظہ فرمائیں آپ فرماتے ہیں۔

امام اعمش سے بدرجہا اجل و اعظم ان کے استاذ اکرم اقدم امام عامر شعبی جنھوں نے پانسو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو پایا، حضرت امیر المومنین مولیٰ علی، سعد بن ابی وقاص، سعید بن زید، ابو ہریرہ، انس بن مالک، عبد اللہ بن عمر، ، عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن عمرو، عبد اللہ بن زبیر، عمران بن حصین، جریر بن عبد اللہ، مغیرہ بن شعبہ، عدی بن حاتم اور امام حسن و امام حسین وغیرہم بہ کثرت اصحاب کرام رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شاگرد اور ہمارے امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے استاذ الاستاذ ہیں جن کا پایۂ رفیع حدیث میں ایسا تھا کہ فرماتے ہیں:

''بیس سال گزرے ہیں کسی محدث سے کوئی حدیث میرے کان تک ایسی نہیں پہنچتی جس کا علم مجھے اس محدث سے زائد نہ ہو۔''

ایسے امام والا مقام بآں جلالت شان فرماتے ہیں

انا لسنا بالفقهاء ولكنا سمعنا الحديث فرويناه للفقهاء من اذا علم عمل۔

ہم لوگ فقیہ و مجتہد نہیں ہم نے تو حدیثیں سن کر فقیہوں کے آگے روایت کر دی ہیں جو ان پر مطلع ہو کر کارروائی کریں گے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ۴، ص ۴۴۸)

امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی بہت بڑے محدث اور جلیل القدر امام حدیث ہیں انھیں چار لاکھ سے زیادہ حدیثیں یاد تھیں۔ صحیح بخاری شریف انھیں حدیثوں کا منتخب مجموعہ ہے، علم حدیث میں ان کے ان گنت شاگرد ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کے شاگرد و تلامذہ نوے ہزار تھے جنھوں نے ان سے احادیث کی روایت کیں۔ امام بخاری حدیث کے ایسے بلند پایہ امام ہیں اس کے باوجود یہ فقہ میں مجتہد مطلق نہیں بلکہ امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقلد و پیرو ہیں۔ اگر چہ بعض مواقع پر انھوں نے اجتہاد کی کوشش کی مگر اس راہ میں انھیں وہ شہرت و کامیابی نہ ملی جو نمایاں اور امتیازی کامیابی علم حدیث میں ملی۔ رب کائنات کی بارگاہ رفیع سے امام بخاری کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے الفاظ کریمہ یاد کرنے اور یاد کرانے کی خدمت تفویض ہوئی۔ اس کار عظیم کی موجودگی میں انھیں فقہ و اجتہاد کی فرصت نہ ملی، اسی بات کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ اس انداز میں بیان فرماتے ہیں:

حدیث کی جمع و تالیف، یہ کار اہم ایسا نہ تھا کہ امام بخاری اس میں ہمہ تن مستغرق ہو کر دوسرے کار اجل و اعظم یعنی فقاہت و اجتہاد کی بھی فرصت پاتے۔ اللہ عز و جل نے انھیں خدمت الفاظ کریمہ کے لیے بنایا تھا، خدمت معانی ائمہ مجتہدین خصوصا امام الائمہ ابو حنیفہ کا حصہ تھا۔ کاش امام اجل سیدنا امام بخاری علیہ رحمۃ الباری اگر فرصت پاتے اور زیادہ نہیں دس بارہ برس ہی امام حفص کبیر بخاری وغیرہ ائمہ حنفیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم سے فقہ حاصل فرماتے تو امام ابو جعفر طحاوی حنفی کی طرح ائمہ محدثین و ائمہ فقہا دونوں کے شمار میں یکساں آتے مگر تقسیم ازل جو حصہ دے۔

(فتاویٰ رضویہ، جلد ۴، ص ۴۴۷ ملخصاً)

لہٰذا ثابت و واضح ہوا کہ مفتی کے لیے محدث ہونا لازم و ضروری ہے۔ مگر محدث کے لیے مفتی ہونا ضروری نہیں۔ محدثین الفاظ کی تحقیق و تفتیش، ان کے نشیب و فراز اور ان کی صحت و عدم صحت پر توجہ مرکوز و مبذول رکھتے ہیں، الفاظ کے مفاہیم و معانی سے انھیں سروکار

نہیں ہوتا وہ صرف الفاظ حدیث کی روایت کرتے ہیں مگر فقہا و مجتہدین کی نظر احادیث پر انتہائی گہری اور وسیع ہوتی ہے اس کے ساتھ وہ الفاظ حدیث کے ظاہر و باطن اور معانی رموز پر غور و فکر کر کے مسائل شرعیہ کے گوہر ہائے آب دار نکالتے ہیں اس لیے ماننا پڑے گا کہ محض محدث کا مقام اور ہے اور محدث وفقیہ کا مقام اور۔ دونوں کے مقام مرتبے میں جو فرق و امتیاز ہے وہ آفتاب نیم روز سے زیادہ روشن و ظاہر ہے مگر وہ جو محدث بھی ہیں اور فقیہ و مجتہد بھی ان کا مقام رفیع ان دونوں سے فزوں تر ہے۔ اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں۔

> محدث و مجتہد کی نسبت عطار و طبیب کی مثل ہے، عطار دوا شناس ہے، اس کی دکان عمدہ عمدہ دواؤں سے مالا مال ہے مگر تشخیص مرض و معرفت علاج و طریقِ استعمال طبیب کا کام ہے، عطار کامل اگر طبیبِ حاذق کے مدارک عالیہ تک نہ پہنچے معذور ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد ۴، ۷۴۴)

ان حقائق و شواہد کے اجالے میں جب ہم حضور مفتی اعظم کی ذات عالیہ کو دیکھتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ واقعی وہ محدث اکبر بھی تھے اور مفتی اعظم عالم بھی، وہ فتاویٰ نویسی میں ماہر و فائق ہونے کے ساتھ حدیث دانی میں بھی بے مثل و بے نظیر تھے۔ یہ کوئی مبالغہ آرائی اور جزاف نہیں ہے بل کہ حقیقت و سچائی یہی ہے کہ انھوں نے عنفوانِ شباب سے ہی فتویٰ نویسی شروع کر دی یہاں تک امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کی موجودگی میں گیارہ سال تک فتاوے لکھے اور کبھی ایسا بھی ہوا کہ امام احمد رضا بریلوی نے اپنے بعض فتاوے پر حضور مفتی اعظم کے تائیدی دستخط کرائے اور ان کی توثیق و تصدیق کو لائق اعتبار جانا۔ اسی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ منصب افتا کے کس عظیم و جلیل مقام پر فائز و متمکن تھے، عالم یہ کہ حضور مفتی اعظم نے ستر سال تک فتاویٰ نویسی کی بے لوث خدمات انجام دیں اور دین و سنت کی ترویج و تشہیر کا خوش گوار فریضہ انجام دیا۔ اس عرصے میں ان کے قلم حق ترجمان سے لاکھوں کی تعداد میں فتاوے جاری ہوئے اور دنیا بھر کے لوگوں نے ان سے استفادہ کیا اور اپنی علمی پیاس بجھائی۔

مگر افسوس کہ شاید ان میں سے اکثر فتوؤں کی نقلیں ضائع ہو گئیں، یا پھر وہ نقلیں دست برد سے محفوظ نہ رہیں۔ ورنہ کیا وجہ ہے کہ جس کے قلم سے لکھے ہوئے فتاویٰ ہزاروں کی تعداد میں ہوں آج اس کا کوئی مجموعۂ فتاویٰ قابل ذکر نہیں؟ آخر یہ ستم ظریفی کیوں؟ انصاف و دیانت کا تقاضا تو یہ تھا کہ حضور مفتی اعظم کے تمام فتوؤں کو عالمی پیمانے پر شائع کیا جاتا اور شایانِ شان انھیں ان کا مقام دیا جاتا۔ کاش حضور مفتی اعظم کے تمام فتوؤں کی نقلیں محفوظ و سلامت رہتیں اور ان کی طباعت و اشاعت کا حسین و عمدہ انداز میں انتظام و اہتمام کیا جاتا تو ان کی حیثیت بھی فتاویٰ رضویہ کی طرح کے اہم مرجع ہوتی اور وہ اصلاح فکر و اعتقاد، پند و نصیحت، عبرت و موعظت، علم و معلومات، رشد و ہدایت، اور مراسم اسلامیہ پر ایک عظیم انسائیکلوپیڈیا ہوتا۔

مجھے حضور مفتی اعظم کے فتاوے اور ان کی فتاویٰ نویسی کا جائزہ لینا نہیں ہے بلکہ مجھے علم حدیث کے تعلق سے حضور مفتی اعظم کی معلومات و خدمات کو واضح و آشکار کرنا ہے، چوں کہ علم حدیث میں ان کی معلومات وغیرہ کا تعلق فتاویٰ نویسی سے ہے اس لیے میں نے یہاں پر ان کے فتاوے پر طائرانہ نظر ڈالی اور سرسری طور پر جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ ان کے مجموعہ فتاوی کے چمن زار میں احادیث و آثار کی ایک حسین دنیا آباد ہے۔ حضور مفتی اعظم کے بعض فتاوے دیکھ کر علم حدیث پر ان کی معلومات و وسعت نظر کا اعتراف و اقرار کرنا پڑتا ہے اور اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ جس طرح فقہ کی باریکیوں پر آپ کی نظر گہری تھی اسی طرح علم حدیث کے آداب و اصول سے بھی آپ کلی طور پر واقف و آگاہ تھے۔

حضور مفتی اعظم کی فتویٰ نویسی میں طرز استدلال بالکل وہی ہے جو امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کا رہا ہے۔ استدلال کا انداز یہی ہے کہ پہلے آیاتِ قرانیہ، پھر احادیث نبویہ، پھر کتب فقہ کی عبارات ونصوص، پھر اقوال ائمہ وفقہا پیش کرتے ہیں۔ یقین جانیے ایسا وہی شخص کرسکتا ہے جو علوم اسلامیہ کا ماہر وفاضل اور ان پر جس کی نظر گہری اور فکر سلیم ہو ورنہ اس کے بغیر دلائل وبراہین کا ایسا استحضار ممکن نہیں۔

فتاویٰ مصطفویہ کے حوالے سے یہاں پر ہم صرف ایک فتوے کا اقتباس نقل کرتے ہیں جس سے واضح ہوجائے گا کہ حضور مفتی اعظم علم حدیث میں بھی ماہر وکامل تھے، فتویٰ نویسی کی طرح حدیث دانی بھی انھیں ورثے میں ملی ہوئی تھی، مسند افتا کے ساتھ وہ مسند حدیث کے بھی شہ نشین تھے۔

حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کی بارگاہ علم ودانش میں سوال پیش ہوا کہ زید کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب حاصل نہیں ہے اور آپ غیب نہیں جانتے تھے؟

حضور مفتی اعظم نے اس سوال کے جواب میں دس آیات قرآنیہ، دس احادیث نبویہ علی صاحبہا التحیۃ والثنا پیش فرمائیں۔ پھر کتب فقہ کی عبارات واقوال ائمہ سے اسے مزین وآراستہ فرمایا۔ آپ فرماتے ہیں کہ

زید بدترین وہابی لعین ہے اس کا حضور پرنور شافع یوم النشور ایمان جان، جان ایمان عالم ما کان وما یکون سرور عالم عالمیاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غیب سے مطلقاً انکار کفر مبین ہے، قرآن عظیم کی آیات باہرہ کثیرہ سے انکار ہے۔ قرآن عظیم کا ارشاد کریم ہے۔

۱- **تلک من انباء الغیب نوحیہا الیک**۔ (سورۂ ہود، ۱۱/ ۴۹)

یہ غیب کی خبریں ہیں کہ ہم تمھاری طرف وحی فرماتے ہیں۔

۲- **وما ھو علی الغیب بضنین**۔ (سورۂ تکویر، ۸۱/ ۲۴)

یہ نبی غیب بتانے پر بخیل نہیں۔

۳- **وما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب ولکن اللہ یجتبی من رسلہ مَن یشاء**۔

(سورۂ آل عمران، ۳/ ۱۷۹)

اللہ اس لیے نہیں کہ اے عام لوگو تمھیں غیب پر مطلع فرمادے اور لیکن اللہ اس کے لیے چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے۔

۴- **لا یظہر علی غیبہ احدا الا من ارتضیٰ من رسول**۔ (سورۂ جن، ۷۲/ ۲۶)

خدا کسی کو غیب پر مسلط نہیں فرماتا مگر رسول مرتضیٰ کو۔

۵- **علمک مالم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک عظیما**۔ (سورۂ نساء، ۴/ ۱۱۳)

خدا نے سکھادیا تمھیں جو کچھ تم نہیں جانتے تھے اور اللہ کا تم پر فضل عظیم ہے۔

۶- **ونزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شئی** (سورۂ نحل، ۱۶/ ۸۹)

ہم نے یہ کتاب تم پر اتاری ہر شئی کے روشن تر بیان کو۔

۷- **ھو بکل شئی علیم**۔ (سورۂ حدید، ۵۷/ ۳)

وہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہرشی کے جاننے والے ہیں۔

۸-**یعلم مابین ایدھم وماخلفھم** (سورۂ بقرہ، ۲/ ۲۵۵)

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جانتے ہیں ابتدائے آفرینش سے روزِ آخر تک کے احوال کو۔

۹- **علم الانسان مالم یعلم** (سورۂ علق، ۹۶/ ۵)

اللہ نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سکھا دیا جو وہ نہ جانتے تھے۔

۱۰-**الرحمن علم القرآن** (سورۂ رحمن، ۵۵/ ۱-۲)

رحمن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا۔

ان آیاتِ مقدسہ کو پیش کرنے کے بعد حضور مفتی اعظم نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب کے ثبوت میں یہ احادیث پیش فرمائی ہیں۔

۱-**ان اللّٰہ قد رفع لی الدنیا وانا انظر الیھا والی ماھو کائن فیھا الی یوم القیمۃ کانما انظر الی کفی ھذہ۔** (زرقانی علی المواہب اللدنیہ)

بے شک اللہ عزوجل نے میرے لیے دنیا اٹھائی یعنی میرے پیش نظر فرما دی تو میں اسے اور جو کچھ اس میں روز قیامت تک ہونے والا ہے سب کو ایسا دیکھ رہا ہوں جیسے اپنے اس ہاتھ کی ہتھیلی کو۔

۲-**اخبرنا عن بدء الخلق حتی دخل اھل الجنۃ منازلھم واھل النار منازلھم۔**

(مشکوٰۃ شریف ص ۵۰۶، کتاب بدء الخلق وذکر الدنیا الفصل الاول مجلس البرکات، مبارک پور)

ہمیں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابتدائے آفرینش سے جنتیوں کے اور جہنمیوں کے اپنے اپنے منازل میں داخل ہونے تک کی خبر دی۔

۳-**اللّٰہ زوی لی الارض فرأیت مشارقھا ومغاربھا۔** (مشکوٰۃ شریف، ص ۵۱۲ باب فضل سید المرسلین ،الفصل الاول مجلس البرکات، مبارک پور)

اللہ عزوجل نے میرے لیے دنیا کو سمیٹ دیا تو میں نے اس کے مشاق ومغارب کو ملاحظہ فرمالیا۔

۴- **تجلی لی کل شئی و عرفت۔** (مشکوٰۃ شریف، ص ۷۲ باب المساجد ومواضع الصلاۃ، الفصل الاول مجلس البرکات، مبارک پور)

ہر چیز مجھ پر روشن ہوئی اور میں نے پہچان لی۔

۵-**علمت مافی السمٰوت والارض۔** (مشکوٰۃ، ص ۷۰)

میں نے جان لیا جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے۔

۶-**قطرت فی حلقی قطرۃ فعلمت ماکان ومایکون۔**

میرے حلق میں ایک قطرہ ٹپکا تو میں نے جان لیا ما کان وما یکون کو یعنی جو کچھ ہو گیا اور جو کچھ ہونے والا ہے سب کو۔

۷-مامن شئی کنت لم اره الا وقد رأیت فی مقامی هذا حتی الجنة والنار۔

(بخاری شریف ج۔۱،ص ۱۸)

جو چیز میں نے نہیں دیکھی تھی انھیں میں نے اپنی اس جگہ پر دیکھ لیا یہاں تک کہ جنت و دوزخ کو بھی دیکھا۔

۸-تجلی لی ما بین السماء والارض۔ آسمان وزمین کے درمیان کی ہر چیز مجھ پر روشن ہوگئی۔

۹-علمت ما بین المشرق والمغرب۔ مشرق ومغرب کے درمیان سب کچھ میں نے جان لیا۔

۱۰-اخبرنا بماکان و بما هو کائن فاعلمنا احفظنا۔ (مسلم شریف ج۔۲،ص ۳۹۰)

جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہونے والا ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں سب کی خبر دی تو ہم میں زیادہ علم والا وہ ہے جسے زیادہ یاد رہا۔

آیات واحادیث اور دیگر دلائل شرعیہ سے جواب کو مبرہن و واضح کرنے کے ساتھ پیشوایان وہابیہ کی بدنام زمانہ کتابوں کی دس کفریہ عبارات نقل کر کے ان کا جواب بھی دیا ہے پھر اس کے آخر میں ایک جگہ حضور مفتی اعظم تحریر فرماتے ہیں۔

آیات واحادیث جن سے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے لیے علم غیب کا ثبوت ہے اور بھی ہیں مگر وہابیہ کے دس انکار کے مقابل دس دس آیات واحادیث پر بس کریں۔ (فتاویٰ مصطفویہ،ص ۱،۲)

علم غیب ہی سے متعلق ایک دوسرے سوال کے جواب میں آپ نے دیگر دلائل وشواہد کے ساتھ ۳۸ احادیث پیش فرمائیں اور قرب قیامت واقع ہونے والے متعدد واقعات وحالات کی طرف احادیث وآثار کے حوالے سے اشارہ فرمایا۔ دنیا جانتی ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ ایک ایک سوال کے جواب میں کبھی کبھی تین تین سو احادیث پیش فرماتے ہیں۔ اور ان گنت و بے شمار دلائل وشواہد سے جواب کو مزین کرتے ہیں کہ اس کا کوئی گوشہ تشنہ نہیں رہ جاتا۔ یہ پروردگار عالم جل جلالہ کا فضل عمیم ہے کہ شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم بھی اسی نقش راہ کی پیروی کرتے نظر آتے ہیں۔ آپ بھی جواب کے ہر پہلو پر نظر ڈالتے اور اسے ہر زاویۂ نگاہ سے مکمل کرتے ہیں اس کا کوئی گوشہ نامکمل رہنے نہیں دیتے۔ دلائل وبراہین کا انبار جس طرح اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کے فتاوے میں نظر آتا ہے۔ یوں ہی حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کے فتوؤں میں بھی دلائل وشواہد کا ہجوم واز دحام نظر آتا ہے۔ حدیث وفقہ میں ان کی نکتہ سنجی بے مثل و بے مثال ہے۔ فہم حدیث کی ذکاوت وتیزی دعوت نظارۂ جمال وکمال دے رہی ہے۔ حدیث مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے استدلال کا جو انداز اعلیٰ حضرت کا ہے بہت حد تک وہی طریقۂ استدلال حضور مفتی اعظم کا بھی ہے، اسی لیے برملا کہنا پڑے گا کہ حضور مفتی اعظم جہاں ایک نابغۂ روزگار مفتی تھے وہیں پر ایک جلیل القدر محدث بھی تھے، فقہ وکلام پر عبور ومہارت کے ساتھ علم حدیث پر بھی دسترس رکھتے تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ ''محدث اعظم'' کی بجائے ''مفتی اعظم'' کا لقب مشہور روز بان زد ہوگیا بلکہ مفتی اعظم کا لقب تو ایسا مشہور و معروف ہوا کہ وہ ان کے نام پر غالب آ گیا۔ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ بھی یہی بات ہوئی کہ آپ جہاں پر ایک فقیہ اور مجتہد تھے وہیں پر آپ ایک عظیم محدث بھی تھے مگر آپ فقیہ ومجتہد سے مشہور ہوئے محدث سے نہیں۔ حالاں کہ فقاہت کے ساتھ آپ کو علم حدیث پر بھی عبور حاصل تھا۔ مگر حق یہ ہے کہ اگر حضور مفتی اعظم کو ''محدث اعظم'' بھی کہا جاتا تو بجا تھا، وہ مختلف علوم وفنون میں یکتائے روزگار تھے۔ اعلیٰ حضرت کے بعد ایسی معتبر شخصیت نظر نہیں آئی۔ دنیا میں ایسی ہستیاں بہت کم ہوتی ہیں جن کے فیض وجود سے تاریخ کی زلفیں سنواری جاتی ہیں۔ یہی وہ خدا رسیدہ اور بارگاہِ رسالت کے فیض یافتہ لوگ ہیں جن کے تذکرۂ جمیل سے تاریخ کے صفحات آج بھی

روشن وفروزاں ہیں۔

خیال یہ تھا کہ اور بھی چند فتاوے اور ان کی دیگر تصانیف سے کچھ اقتباسات پیش کروں جن سے مزید واضح وآشکارا ہوجاتا کہ حضور مفتی اعظم واقعی علم حدیث پر مہارت تامہ ودست گاہ کاملہ رکھتے ہیں مگر مضمون کی طوالت دامن کشاں ہے اس لیے صرف ایک فتویٰ کے اقتباس پر اکتفا کرتا ہوں نمونہ کے لیے یہی ایک کافی ہے۔ہاں صرف یہی ایک فتویٰ اس انداز کا نہیں بل کہ حضور مفتی اعظم کے مجموعۂ فتاویٰ اور دیگر تصانیف میں اس طرح کے بہت سارے فتاوے موجود ہیں جن میں ایک ایک سوال کے جواب کو دلائل و براہین سے مزین وآراستہ کرنے کے ساتھ کئی کئی حدیثیں بھی پیش کی گئی ہیں بل کہ بعض فتاوے تو ایسے ہیں جن میں درجنوں احادیث سے استدلال کیا گیا ہے۔

حضور مفتی اعظم کی حدیث دانی کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ان کا مجموعۂ فتاویٰ جو صرف ۶۴۴ صفحات پر مشتمل ہے۔اس میں ۳۵۷ مسائل ہیں مگر احادیث کی تعداد ۳۵۷ ہے۔دیگر مفتیان کے مقابلہ میں مسائل کی نسبت سے احادیث کی تعداد بہت زیادہ ہے۔پھر یہ کہ حضور مفتی اعظم نے اپنی زندگی میں لاکھوں کی تعداد میں فتاوے تحریر فرمائے ان کے مقابلے میں ۳۵۷ مسائل کی کیا گنتی اور کیا حیثیت ہے آپ خود اس کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

حضور مفتی اعظم نے اپنے والد گرامی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کے سایۂ عاطفت میں درس نظامی کے جملہ علوم و فنون کی تکمیل کے بعد ۱۳۲۸ھ میں سند فراغت حاصل کی۔اس کے بعد ہی مسند تدریس کو بھی زینت بخشی کہ حضور مفتی اعظم نے آخر میں کثرت کار وہجوم فتاوی کے سبب سے درس دینا موقوف کردیا تھا۔اس کے باوجود کبھی کبھی فارغ ہونے والے طلبہ حضور مفتی اعظم سے بخاری شریف کا درس لے لیا کرتے تھے تاکہ انھیں آپ سے شرف شاگردی حاصل ہوجائے،اسی طرح بعض علما نے بھی حصول برکت وشرف تلمذ کے لیے حضور مفتی اعظم سے بخاری شریف اور دیگر کتابوں کا درس لیا ہے۔اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو یہ ثابت وواضح ہوگا کہ آج کے بڑے بڑے علما وفضلا علم حدیث میں آپ کے شاگرد ہیں۔یہ آپ کے فیضان نظر ہی کی برکت ہے کہ جلیل القدر علما وافاضل آپ سے شرف انتساب پر فخر کرتے ہیں۔

برصغیر میں علوم نقلیہ وعقلیہ کے جتنے مشہور ومعروف اساتذہ ہیں ان میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کے سلسلۂ تلمذ کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ ہر فن اور ہر علم کی سند عالی ہے اور پھر اسی ایک سلسلے سے تمام علوم عقلیہ ونقلیہ کی سند حاصل ہوجاتی ہے۔گویا سلسلۂ تلمذ بریلوی جملہ علوم وفنون کا جامع ہے۔حضور مفتی اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت سارے علوم وفنون بریلوی سلسلۂ تلمذ کے واسطے سے نہ صرف حاصل کیے بلکہ ان میں درجہ اختصاص حاصل کیا۔اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی نے ان ۲۵ سلاسل اولیا وسلاسل قرآن وسلاسل حدیث کی بھی اجازت عطا فرمائی جو النور والبہاء میں درج ہیں۔

☆☆☆☆☆

فنِ اسماء الرجال میں مفتی اعظم کی مہارت

مولانا مفتی محمد ناظم علی رضوی مصباحی
استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

تاجدار اقلیم روحانیت، آفتابِ رشد و ہدایت، ماہتابِ شریعت و طریقت، امام العلما سیدنا سرکار مفتی اعظم قدس سرہٗ کی عبقری و یکتائے زمانہ شخصیت مختلف علوم وفنون کی جامع تھی، آپ جس طرح فقہ وافتا کے صدر نشین تھے اسی طرح فن حدیث واصول حدیث واسماء الرجال وغیرہ علوم وفنون میں کامل دسترس رکھتے تھے، مختلف علوم وفنون میں آپ کے علمی افادات ومحققانہ ابحاث کا عظیم ترین سرمایہ موجود ہے جو آپ کے جامع علوم اور کامل فنون ہونے پر روشن شہادت دے رہا ہے۔ فن اسماء الرجال میں آپ کی ناقدانہ ومحققانہ ابحاث اس بات پر شاہد عدل ہیں کہ آپ کو اللہ رب العزت نے اس فن میں یدطولیٰ بخشی تھی۔ آپ کی گراں قدر تحقیقات اور علمی رشحات ایک منصف ودیانت دار کو اس اعتراف پر مجبور کرتے ہیں کہ آپ اس فن میں حیرت انگیز مہارت وکمال رکھتے تھے۔ اس سلسلے میں میرے پیش نظر آپ کے مختلف رسائل ہیں۔ "**وقاية اهل السنة عن مكر ديوبند والفتنة**" اور "**نفی العار عن معايب المولوی عبدالغفار**" وغیرہ کتب فن اسماء الرجال میں آپ کی مہارت کاملہ کی عظیم شہادت ہیں۔

۱۳۳۲ھ میں دیوبندی جماعت کے ایک مشہور عالم جناب مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے مسئلہ اذان ثانی پر ایک تحریر لکھ کر ایک مجہول شخص کے نام شائع کی اور اس میں مدینہ طیبہ کے ایک جلیل القدر، رفیع الشان، بلند پایہ عالم تابعی، امام المغازی محمد بن اسحاق پر جی بھر کر جرحیں کیں۔ آپ پر کذب ودجل اور تشیع ورفض وغیرہ کا طعن کیا۔ آپ کو کذاب یا متہم بالکذب ثابت کرنے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی جب کہ تھانوی جی نے جن کتب ائمہ سے امام محمد بن اسحاق پر بے ثبوت ونامقبول طعن نقل کیا انھیں کتابوں میں ورق کے ورق ایسے ہیں جو محمد بن اسحاق کے ثقہ ومعتمد اور مقبول ومستند ہونے کی روشن شہادت دے رہے ہیں امام شعبہ فرماتے ہیں۔

لوكان لی سلطان لامرت ابن اسحاق على المحدثين۔ اگر میری طاقت وقوت ہوتی تو ابن اسحاق کو تمام محدثین پر امیر مقرر کرتا۔ (میزان الاعتدال ج۔ ۳ ص ۴۵۶، دار الفکر، بیروت)

یحیٰ ابن کثیر وغیرہ فرماتے ہیں ہم نے امام شعبہ سے یہ فرماتے ہوئے سنا۔

ابن اسحاق امیر المؤنین فی الحدیث وقال شعبة ایضاً هو صدوق۔ ابن اسحاق امیر المؤنین فی الحدیث ہیں اور امام شعبہ نے یہ بھی فرمایا کہ وہ انتہائی راست گو ہیں۔ (میزان الاعتدال ج۔ ۳ ص ۴۵۶، دار الفکر، بیروت)

اس تھانوی جرأت و بے باکی اور خدا ناترسی پر حیرت ہوتی ہے کہ اکابر ائمہ جرح وتعدیل کی توثیقیں انھیں رکیک تاویلیں نظر آتی ہیں اور امام محمد بن اسحاق ان کے آئینے میں مجروح ومطعون نظر آتے ہیں۔ نہ صرف امام محمد بن اسحاق بلکہ ائمہ کرام امام اعظم، امام ابو یوسف، امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تمام کتابیں غیر مستند قرار پاتی ہیں۔ ان کی صدہا حدیثیں ناقابل اعتبار ٹھہرتی ہیں۔ مذہب حنفی کا بالکل

صفایا ہوجاتا ہے۔ یہ سب کچھ حسد وعناد اور تعصب ونفس پرستی اور نافہمی وکوتاہ بینی کے سبب ہے ورنہ حقائق کچھ اور ہیں۔ سیدنا سرکار مفتی اعظم قدس سرہ نے اس تھانوی رسالہ کے رد میں ایک گراں قدر محققانہ رسالہ لکھا جس کا نام'' **وقاية اهل السنة عن مكر ديو بند و الفتنة**'' رکھا۔ یہ رسالہ انھیں دنوں شائع ہوا آپ نے اس رسالہ میں نہ صرف امام محمد بن اسحاق کا ثقہ ومعتمد اور صدوق ومستند ہونا ثابت فرمایا بلکہ تھانوی جی اور ان کی جرحوں کی خوب خبر گیری فرمائی ہے اور ایسی کہ ان کی جرحیں تار عنکبوت سے کمزور نظر آتی ہیں اور یہ واضح فرمایا کہ تھانوی جی کا امام محمد بن اسحاق پر یہ کس قدر ظلم شدید ہے کہ ان کی محقق تعدیلوں اور توثیقوں کو پس پشت ڈال کر بے ثبوت طعن پیش کر رہے ہیں۔ تھانوی جی کے طعن کے بہ طور تو صحیح بخاری وصحیح مسلم سے بھی ہاتھ دھونا پڑے گا کہ ان کے بہ طور صحیحین میں بھی کذاب ووضاع بھرے پڑے ہیں ورنہ کم از کم متہم بالکذب والوضع تو ضرور ہیں تو صحیح بخاری وصحیح مسلم کی حدیثیں صحیح ہونا بالائے طاق، اصلاً ناقابل اعتبار ہوں گی بلکہ موضوع ومردود وواہیات ٹھہریں گی تو پھر دین سے امان اٹھ جائے گا اور صرف تھانوی پرچم ایوان نجدیت میں لہرائے گا۔

تھانوی جی کی تحریر نہ فقط امام محمد بن اسحاق نہ صرف مذہب حنفی، نہ صرف کتب صحاح پر ضرب کاری کر رہی ہے بل کہ اس نے مذاہب اربعہ کے جملہ علمائے کرام، مفسرین قرآن وشارحین حدیث حتی کہ تابعین اعلام وصحابۂ کرام اور نہ صرف صحابۂ کرام بل کہ خود حضور اقدس سید الانام اور نہ فقط حضور اقدس سید الانام بلکہ خود رب العزت ذوالجلال والاکرام کسی کو اپنے ناپاک جملوں سے نہ چھوڑا۔

امام اجل، افقہ امت، سیدنا سرکار مفتی اعظم قدس سرہ کی روشن تحریر اور گراں قدر تحقیق نے سیدنا امام محمد ابن اسحاق کی تعدیل وتوثیق کو ایسا محقق فرمایا کہ تھانوی جی کی آرزوؤں کو خاک میں ملا دیا اور باطل کو باطل کے گھر پہنچا دیا۔

میں اس مقام پر فن اسماء الرجال میں آپ کی کامل مہارت واشگاف کرنے اور تھانوی دجل وفریب کو بے نقاب کرنے کے لیے آپ کی گراں قدر، نابغۂ روزگار، مشہور زمانہ تصنیف'' وقایۃ اہل السنۃ'' کے کچھ اقتباسات نذر قارئین کر رہا ہوں تاکہ قارئین پر فن اسماء الرجال میں آپ کی عبقریت روز روشن کی طرح آشکار ہوجائے اور ساتھ ہی ساتھ تھانوی جی کی ہمہ دانی کا پردہ بھی چاک ہوجائے اور امام محمد بن اسحاق پر کی ہوئی جرحوں کی حقیقت بھی واضح ہوجائے۔

آپ نے اولاً اکابر ائمہ اجلہ سے امام محمد بن اسحاق کی کامل مدح وتوثیق کو واشگاف فرمایا اور یہ واضح فرمایا کہ امام محمد بن اسحاق پر تھانوی جی کی جرحیں یا تو وہ سرے سے طعن ہی نہیں، یا قائل سے ثابت نہیں، یا قائل نے خود ان سے رجوع کیا، یا وہ طعن مبہم غیر مفسر ہے۔ اس لیے امام محمد بن اسحاق کو ثقہ اور صدوق ماننا ہی نہایت روشن حق ہے کیوں کہ وہ حدیث میں تمام مسلمانوں کے سردار ہیں۔ جماہیر ائمہ حدیث وجمیع ائمہ حنفیہ نے انھیں مقبول ومستند اور ثقہ ومعتمد مانا ہے۔ کتب ائمہ جرح وتعدیل ان کی توثیق سے مالامال ہیں جیسا کہ آپ اس حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے رقم طراز ہیں:

(ا) جان توڑ کر یہ کوشش کی کہ کسی طرح مدینہ طیبہ کے ایک جلیل عالم، تابعی امام المغازی محمد بن اسحاق کو کذاب یا کم از کم متہم بالکذب ثابت کرے۔ سنی حنفی بھائیو! آپ کو معلوم ہوگا کہ آپ کے امام مذہب تین ہیں۔ امام اعظم ابوحنیفہ، اور ان کے دونوں مصاحب امام ابو یوسف اور امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہم، یہ محمد بن اسحاق آپ کے امام اعظم کے ہم استاذ اور امام ابو یوسف کے استاذ اور امام محمد کے استاذ الاستاذ ہیں۔ یوں ہی امام المحدثین، امام الفقہا، امام الاولیا عبداللہ بن مبارک شاگرد امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ابن اسحاق کی شاگردی کی۔ امام ابو یوسف نے اپنی کتب میں بہت حدیثیں ان سے روایت فرمائیں۔ کتاب الخراج مطبوعہ مصر ص ۵ میں فرماتے ہیں:

حدثنی محمد بن إسحاق حدثني عبيد الله بن المغيرة

حدثني محمد بن إسحاق عن عبد السلام عن الزهري ص٦

حدثنا محمد بن إسحاق عن يزيد بن يزيد بن جابر۔ ص١

أخبرني محمد بن إسحاق عن أبي جعفر۔ ص١

حدثني محمد بن إسحاق عن الزهری۔ ص١

حدثني محمد بن إسحاق عن الزهری۔ ص٢

حدثني محمد بن إسحاق عن الزهری۔ ص٥

اس پہلے ہی جز میں محمد بن اسحاق سات حدیثیں روایت فرمائیں اور سب اجزا کا تتبع کیجیے تو خدا جانے کس قدر ہوں۔

(۲) حنفیہ کے محدث اجل و اکبر امام ابوجعفر طحاوی کہ تیسری صدی میں تھے اور جب سے آج تک ایسا جامع امامت حدیث وفقہ شاذ ونادر ہی ہوا، محمد بن اسحاق کی حدیثوں سے احتجاج فرماتے ہیں اور (شرح معانی الآثار) ''**كتاب الحجة على أن رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم فتح مكّة عنوة**'' جلد ۲، ص ۱۹۰ میں ان سے حدیث روایت کرکے فرمایا ''**هذا حديث متصل الإسناد صحيح**'' یہ حدیث صحیح ہے اور اس کی اسناد متصل ہے۔

(۳) مذہب حنفی کے رکن جلیل القدر، محقق علی الاطلاق، امام ابن الہمام شرح ہدایہ ص ۱۸۱ (فصل فی استحباب التعجیل) میں فرماتے ہیں:

''**أما ابن إسحاق فثقة ثقة لا شبهة عندنا فی ذلک ولا عند محققی المحدثين۔**'' ابن اسحاق ثقہ ہیں، ثقہ ہیں اس میں نہ ہمارے نزدیک کوئی شبہہ ہے نہ محققین محدثین کے نزدیک۔

نیز ص ۹۲ میں فرماتے ہیں:

توثيق ابن إسحاق هو الحق الأبلج وما نقل عن كلام مالک فيه لا يثبت، ولو صح لم يقبله أهل العلم كيف وقد قال شعبة فيه هو أمير المومنين فی الحديث'' ابن اسحاق کو ثقہ ماننا ہی نہایت روشن حق ہے اور امام مالک سے جو ان پر طعن منقول ہوا وہ نقل ثابت نہیں اور اگر صحیح بھی فرض کرلیں تو اہل علم نے وہ طعن قبول نہیں کیا اور کیوں کر قبول ہو حالاں کہ امام شعبہ نے فرمایا کہ محمد بن اسحاق حدیث میں سب مسلمانوں کے سردار ہیں۔ (فتح القدیر ج۔۱ص، ۲۳۱، فصل فی استحباب التعجیل، مرکز اہل سنت برکات رضا)

بالجملہ ائمہ حنفیہ کا ان کے قبول پر اجماع ہے تو انھیں کذاب اور متہم ٹھہرانے میں یہ پیچ ہے کہ حنفیہ کے ائمہ مذہب جھوٹے کذابوں کی شاگردی کرتے اور ایسوں کی حدیثیں اپنی کتابوں میں بھرتے اور ان کو ثقہ اور دین خدا میں معتمد بناتے ہیں تاکہ دیوبندیوں کے عینی بھائی غیر مقلدوں کا اعتراض حنفیہ پر چست ہو کہ حنفیوں کی حدیثیں ایسی کھوٹی ہیں اور ان کے محدث ایسے جھوٹے۔

(۴) دیوبندی تحریر نے فقط حنفیہ پر عنایت نہ کی، بلکہ صحاح ستہ پر بھی کہ محمد بن اسحاق سے ان سب میں روایات واحادیث ہیں۔ صحیح بخاری میں تعلیقاً اور صحیح مسلم وسنن اربعہ میں مسنداً، امام ترمذی نے ابن اسحاق کی حدیثوں کو صحیح کہا، ابوداؤد نے ان پر سکوت کیا، اور خود یہ حدیث کہ اذان جمعہ زمانۂ اقدس میں دروازہ پر ہوتی اسے بھی ابوداؤد نے روایت کرکے سکوت فرمایا اور اس کتاب میں اسی حدیث پر سکوت کرتے ہیں جو ان کے نزدیک صحیح یا حسن ہو، اکابر ائمہ وعلما مثل امام عبدالعظیم منذری، وامام ابوعمرو وابن الصلاح، وامام اجل ابوزکریا نووی، وامام جمال الدین زیلعی، وامام علاؤالدین ترکمانی وامام محقق علی الاطلاق وامام ابن امیر الحاج وعلامہ ابراہیم حلبی نے اس کی

تصریحیں فرمائیں کہ عن قریب آتی ہیں ۔ انشاء المولی تعالیٰ ۔

(۵) دیوبندی تحریر نے جتنے طعن محمد بن اسحاق پر نقل کیے یا تو وہ سرے سے طعن ہی نہیں یا قائل سے ثابت نہیں یا قائل نے ان سے رجوع کی ، یا وہ طعن مبہم غیر مفسر ہے ۔ مطاعن ابن اسحاق میں جتنا ورق اپنے نامہ اعمال کی طرح سیاہ کیا ان چار وجوہ سے خالی نہیں پہلی تین قسمیں تو کسی عاقل کے نزدیک طعن نہیں ہوسکتیں اور تمام ائمہ حنفیہ کا اجماع اور جمہور اکابر ائمہ محدثین کا اتفاق ہے کہ چوتھی قسم بھی زنہار مقبول و مسموع نہیں ۔ خصوصاً امثال محمد بن اسحاق میں جن کو مشاہیر ائمہ حدیث وجمیع ائمہ حنفیہ نے مقبول و مستند وثقہ و معتمد مانا ہے اور اس تحریر نے بہ کمال بددیانتی ظلم یہ کیا کہ جن کتابوں سے نقل کا نام لیا انھیں میں وہیں ورق کے ورق محمد بن اسحاق کی کمال مدح و توثیق میں اکابر ائمہ اجلہ سے مذکور ہیں ان سب کو اڑا گئی ۔ خال خال جو بے ثبوت و نامقبول طعن حکایت کیے گئے تھے وہ سب میں سے چن لائی اور اس خیانت مجرمانہ پر کمال بے حیائی کا پردہ ڈال کر بولی کہ

”ان ائمہ محدثین کی جرحیں بالکل منعدم نہ ہوجائیں گی اس لیے اگر محمد بن اسحاق کذاب نہ ہوگا تو متہم بالکذب ضرور ہوگا ، بدعتی نہ ہوگا تو متہم بالبدعۃ ضرور ہوگا ۔“

ان ائمہ جلیل الشان کی تعدیل و توثیق ذکر فرمانے کے بعد تھانوی جی کی بددیانتی کو واشگاف فرمایا کہ جن کتب ائمہ سے تھانوی جی نے امام محمد بن اسحاق پر بے ثبوت و نامقبول طعن نقل کیا انھیں کتابوں میں ورق کے ورق امام محمد بن اسحاق کی مدح و توثیق سے مزین ہیں ۔ آپ رقم طراز ہیں :

> پیارے بھائیو ! اولاً ہم انھیں کتابوں سے جن کے نام اس تحریر نے لیے ان کی وہ عبارات توثیق و مدائح ابن اسحاق نقل کردیں جن کو یہ اڑا گئی ۔ ان میں میزان الاعتدال ، وتہذیب التہذیب ، وترغیب وترہیب و جوہر النقی بفضلہٖ تعالیٰ ہمارے پاس ہیں ۔ عیون الاثر اس کے پاس بھی نہیں بل کہ اس نے تو ترغیب وترہیب و جوہر النقی سے بھی ایک مجہول رسالے کے حوالے سے نقل کی ہے ضرور ہے کہ عیون الاثر میں صرف مطاعن نہ ہوں بل کہ توثیقات جلیلہ ہوں گی کہ خود عیون الاثر کا بڑا دار و مدار محمد بن اسحاق ہی کی روایات پر ہے ۔ خیر کتب مذکورہ کی جو عبارات مدح و توثیق محمد بن اسحاق اس نے چھوڑی ہیں انھیں سنیے اور وہ بھی بہ اختصار کہ زیادہ طول نہ ہو ۔

میزان الاعتدال میں دیوبندی خیانتیں :

میزان الاعتدال جلد دوم ص ۳۴۳ ۔ (۱) **محمد بن إسحاق المدنی أحد الأئمة الأعلام رأى أنسا** ۔ محمد بن اسحاق مدنی مشاہیر ائمہ سے ایک ہیں انھوں نے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا ۔ (میزان الاعتدال ج ۔ ۳ ص ، ۵۳ - ۴۵۲ ، دارالفکر ، بیروت)

(۲) ص ۳۴۴ - **قال أحمد بن حنبل هو حسن الحديث** ۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا ابن اسحاق کی حدیث حسن ہے ۔ (ج ۔ ۳ ص ، ۴۵۳ ، مطبع مذکورہ)

(۳) **قال ابن معين ثقة وليس بحجة** ۔ امام یحییٰ بن معین استاذ امام بخاری نے فرمایا ابن اسحاق ثقہ ہیں ہاں اس پائے کے نہیں جن کو محدثین کی اصطلاح میں حجت کہا جاتا ہے ۔ (ج ۔ ۳ ص ، ۴۵۳ ، مطبع مذکورہ)

(۴) **قال علی بن المدینی حدیثه عندی صحیح** ۔ امام علی بن مدینی استاذ امام بخاری نے فرمایا ابن اسحاق کی حدیث

میرے نزدیک صحیح ہے۔ (ج۔ ۳ص، ۵۳ ؁، مطبع مذکورہ)

یہ ابن المدینی وہ ہیں جن کو امام بخاری فرمایا کرتے تھے کہ میں سوا ان کے کسی کے پاس اپنے آپ کو چھوٹا نہیں سمجھتا یعنی ان کے علم سے مجھے اپنا علم کم نظر آتا۔

(۵) **قال یحیی بن کثیر وغیرہ سمعنا شعبة یقول ابن إسحاق أمیر المومنین فی الحدیث** ۔ یحییٰ بن کثیر وغیرہ کہتے ہیں امام شعبہ کو کہتے سنا کہ ابن اسحاق حدیث میں سب مسلمانوں کے سردار ہیں۔ یہ امام شعبہ وہ ہیں جن کو امام بخاری امیر المومنین فی الحدیث کہتے ہیں۔ یہ ابن اسحاق کو امیر المومنین فی الحدیث کہتے ہیں۔ (ج۔ ۳ص، ۵۳ ؁، مطبع مذکورہ)

(۶) **وقال شعبة أیضا هو صدوق** ۔ نیز امام شعبہ نے فرمایا ابن اسحاق بہت ہی راست گو ہیں۔

(ج۔ ۳ص، ۵۳ ؁، مطبع مذکورہ)

(۷) **قال محمد بن عبدالله بن نمیر رُمی بالقدر وکان أبعد الناس منه** ۔ محمد بن عبداللہ بن نمیر کہتے ہیں بعض نے ابن اسحاق پر قدر کی تہمت رکھی حالاں کہ وہ سب لوگوں سے زیادہ اس سے دور تھے۔ (ج۔ ۳ص، ۵۳ ؁، مطبع مذکورہ)

(۸) **قال ابن المدینی لم أجد له سوی حدیثین منکرین** ۔'' یعنی امام ابن المدینی نے فرمایا میں نے ابن اسحاق کی صرف دو حدیثیں غیر محفوظ پائیں۔ (ج۔ ۳ص، ۵۳ ؁، مطبع مذکورہ)

اور وہ دو حدیثیں بھی بیان کر دیں جن میں یہ اذان خطبہ کی حدیث نہیں تو بحمدہ تعالیٰ یہ صحیح و محفوظ ہے اور وہ کون سا ہے کہ ہزار ہا حدیثیں ابن اسحاق کی طرح روایت کرے اور ان کی دو ایک بھی غیر محفوظ نہ ہوں۔ ائمہ نے امام مالک و امام بخاری کی بعض احادیث کو بھی تو غیر محفوظ بتایا ہے۔

(۹) **قال سمعت ابن عیینة یقول ما سمعت أحدا یتکلم فی ابن إسحاق إلا فی قوله فی القدر** ۔ امام سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں میں نے کسی کو نہ سنا کہ ابن اسحاق پر کسی بات میں طعن کرتا ہو سوا قول قدر کے۔ (ج۔ ۳ص، ۵۴ ؁ مطبع مذکورہ)

(۱۰) **لم یذکر ابن إسحاق أبو عبدالله البخاری فی کتاب الضعفاء له** ۔ امام بخاری نے ایک کتاب ضعیف راویوں کے بارے میں لکھی اس میں ابن اسحاق کو ذکر نہ فرمایا۔ (ج۔ ۳ص، ۵۵ ؁، مطبع مذکورہ)

(۱۱) **روی عباس عن ابن معین قال اللیث بن سعد لا أثبت فی یزید بن ابی حبیب من محمد بن إسحاق** ۔ عباس دوری امام ابن معین سے راوی کہ امام لیث بن سعد نے فرمایا، یزید بن ابی حبیب کی احادیث میں محمد بن اسحاق سے زائد کوئی معتمد نہیں۔ (ج۔ ۳ص، ۵۵ ؁، مطبع مذکورہ)

یہ امام اجل لیث بن سعد خود بھی تلامذۂ یزید بن ابی حبیب سے ہیں اور ابن یونس نے کہا'' **روی عنه الأکابر من أهل مصر** '' اکابر اہل مصر نے ابن ابی حبیب سے حدیثیں روایت کیں تو امام لیث بن سعد، محمد بن اسحاق کو ان سب اکابر پر ترجیح دیتے ہیں۔

(۱۲) **قال أبو زرعة سألت یحیی بن معین عن ابن اسحاق هو حجة قال هو صدوق الحجة عبیدالله بن عمر الخ** امام ابو زرعہ کہتے ہیں میں نے امام یحییٰ بن معین سے پوچھا کہ محمد بن اسحاق حجت ہیں فرمایا وہ نہایت سچے ہیں حجت جسے کہتے ہیں وہ عبید اللہ بن عمر اور فلاں فلاں اکابر ہیں۔ (ج۔ ۳ص، ۵۵ ؁، مطبع مذکورہ)

(۱۳) **أبو جعفر النفیلی حدثنی عبدالله بن فائد قال کنا نجلس إلی ابن إسحاق فإذا أخذ فی فن من العلم ذهب**

المجلس بذلک الفن ابوجعفر نفیلی کہتے ہیں مجھ سے عبداللہ بن فائد نے بیان کیا ہم محمد بن اسحاق کے پاس بیٹھتے جب وہ علم کے کسی فن میں کلام شروع کرتے تو ساری مجلس اس فن میں ختم ہوجاتی۔(ج۔ ۳ص،۵۶ ۴، مطبع مذکورہ)

امام شافعی وامام سفیان ثوری امام اجل زہری سے روایت فرماتے ہیں:

(۱۴) **لایزال بالمدینة علم مادام بھا**۔یعنی مدینہ طیبہ میں ہمیشہ علم باقی رہے گا جب تک محمد بن اسحاق اس میں ہیں۔

یہ روایت خلاصۂ تہذیب میں ان الفاظ سے ہے۔(ج۔ ۳ص،۵۶ ۴، مطبع مذکورہ)

لایزال بالمدینة علم جم ماکان فیھا ابن إسحاق۔مدینہ طیبہ میں علم کثیر رہے گا جب تک ابن اسحاق اس میں ہیں۔

(۱۵) **قال یزید بن ھارون سمعت شعبة یقول لوکان لی سلطان لأمرت ابن إسحاق علی المحدثین**۔امام شعبہ فرماتے ہیں اگر میری سلطنت ہوتی تو میں ضرور محمد بن اسحاق کو تمام محدثین پر سردار بناتا۔(ج۔ ۳ص،۵۶ ۴، مطبع مذکورہ)

(۱۶) **ابن المبارک عن ابن إسحاق فذکر بسندہ عن سھل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنه۔(فذکر الحدیث ثم قال) فھذا حکم تفرد به محمد قال الترمذی ھذا حدیث صحیح لانعرفه إلا من حدیث ابن إسحاق**۔ یہ حدیث باب احکام کی ہے اور تنہا ابن اسحاق نے روایت کی باایں ہمہ امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث صحیح ہے ہمارے علم میں محمد بن اسحاق کے سوا کسی نے روایت نہ کیا۔(ج۔ ۳ص،۵۷ ۴، مطبع مذکورہ)

(۱۷) امام ابن عدی کہتے ہیں: **لم یتخلف فی الروایة عنه الثقات والأئمة وھو لا باس به**۔ائمہ اور معتمدین ابن اسحاق سے روایت کرنے سے نہ ہٹے اور ابن اسحاق میں کوئی عیب نہیں۔(ج۔ ۳ص،۵۷ ۴، مطبع مذکورہ)

(۱۸) **قال یعقوب بن شیبة سالت ابن المدینی عن ابن إسحاق قال حدیثه عندی صحیح وقلت کلام مالک فیه قال مالک لم یجالسه و لم یعرفه**۔یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں میں نے امام ابن المدینی سے محمد بن اسحاق کی نسبت پوچھا فرمایا میرے نزدیک ان کی حدیث صحیح ہے۔میں نے کہا امام مالک نے جو ان میں کلام کیا ہے،فرمایا مالک کو ان کی صحبت نہ ملی،نہ مالک نے انھیں پہچانا۔ (ج۔ ۳ص،۵۸ ۴، مطبع مذکورہ)

(۱۹) انھیں امام علی کا قول نمبر ۳۹ میں آتا ہے۔

(۲۰) **قال أحمد بن عبداللہ العجلی ابن إسحاق ثقة**۔امام احمد عجلی کہتے ہیں ابن اسحاق ثقہ ہیں۔

تھانوی صاحب نے اس تحریر میں صرف میزان الاعتدال کی عبارت نقل کرنے میں بیس خیانتیں کی ہیں۔مسلمانو!انصاف! کیا اسی کا نام دینداری اور دیانت داری ہے؟(ج۔ ۳ص،۵۸ ۴، مطبع مذکورہ)

سیدنا سرکار مفتی اعظم قدس سرہٗ نے ''میزان الاعتدال'' میں تھانوی جی کی بیس خیانتیں روشن فرمائیں جن سے امام محمد بن اسحاق کا ثقہ،معتمد،مقبول ومستند اور غیر مجروح ومطعون ہونا روشن ہوجاتا ہے۔آپ نے یہ بھی واضح فرمایا کہ اہل مدینہ میں سے کوئی بھی امام ابن اسحاق کو متہم نہ کرتا نہ ان پر کسی طرح کا طعن کرتا بلکہ سیدنا امام بخاری فرماتے ہیں ابن اسحاق کے بارے میں امام مالک سے جو طعن ذکر کیا جاتا ہے وہ ثبوت تک پہنچتا معلوم نہیں ہوتا۔امام ابوزرعہ دمشقی فرماتے ہیں کہ اکابر اہل علم نے ابن اسحاق کی شاگردی پر اجماع کیا ہے اور محدثین نے انھیں جانچا تو صدق وخیر نظر آئے۔پھر خود ان کے استاذ نے مدح کی۔ظاہر ہے کہ یہ اکابر ائمہ اجلہ کسی مجروح و

مطعون اور غیر ثقہ اور غیر معتمد شخص کو حدیث میں مسلمانوں کا امیر نہ فرمائیں گے اور نہ ان کی شاگردی پر اجماع کریں گے اور نہ ہی ان کی تعریف وثنا کریں گے، ورنہ حدیث سے امان اٹھ جائے گا۔ خود صحاح ستہ میں امام محمد بن اسحاق سے روایتیں نہ ملتیں کہ صحیح بخاری میں تعلیقاً اور صحیح مسلم اور سنن اربعہ میں مسنداً ان سے روایات ہیں۔ امام ترمذی نے ابن اسحاق کی حدیثوں کو صحیح کہا۔ یہ سب اس بات کے شاہد ہیں کہ تھانوی جی کا طعن جادۂ انصاف سے دور رفتہ ہے اور امام ابن اسحاق کا دامن تھانوی طعن سے پاک وصاف ہے۔ تھانوی جی کا طعن خواہش ونفس پرستی پر مبنی ہے۔

میزان الاعتدال میں تھانوی جی کی خیانت واضح فرمانے کے بعد تہذیب التہذیب میں ان کی خیانتوں کا پردہ فاش فرمایا۔ ناظرین غور کریں اور انصاف کریں کہ تھانوی جی اس طعن میں کس قدر حق سے دور ہیں؟

تہذیب التہذیب میں دیوبندی خیانتیں :

(۲۱) **قال المفضل الغلابی سالت ابن معین عنه فقال کان ثقة و کان حسن الحدیث۔** مفضل غلابی کہتے ہیں ۔ میں نے امام ابن معین سے ابن اسحاق کی نسبت پوچھا۔ فرمایا ثقہ تھے اور ان کی حدیث حسن ہے۔

(تہذیب التہذیب ج۔۹ ص،۳۹،مطبع، دارصادر، بیروت)

(۲۲) **قال علی بن المدینی مدار حدیث رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه و سلم علی ستة فذکرهم ثم قال فصار علم الستة عند اثني عشر فذکر ابن إسحاق فیهم۔** امام ابن مدینی فرماتے ہیں حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مدار چھ اماموں پر ہے۔ پھر ان چھ کا علم بارہ کے پاس آیا۔ ان میں سے ایک محمد بن اسحاق ہیں۔

(تہذیب التہذیب ج۔۹ ص،۴۰،مطبع، دارصادر، بیروت)

(۲۳) **قال ابن أبی خیثمة عن ابن معین قال قال عاصم بن عمر بن قتادة لا یزال فی الناس علم ما بقی ابن اسحاق۔** ابن ابی خیثمہ نے امام ابن معین سے نقل کیا کہ امام عاصم بن عمر بن قتادہ نے فرمایا جب تک ابن اسحاق زندہ ہیں ہمیشہ لوگوں میں علم باقی رہے گا۔ (تہذیب التہذیب ج۔۹ ص،۴۰،مطبع، دارصادر، بیروت)

(۲۴) **قال ابن أبی خیثمة عن هارون بن معروف سمعت أبا معاویة یقول کان ابن اسحاق من أحفظ الناس فکان إذا کان عند الرجل خمسة أحادیث أو أکثر استودعها ابن إسحاق۔** ابن ابی خیثمہ ہارون بن معروف سے روایت کرتے ہیں میں نے ابو معاویہ کو کہتے سنا محمد بن اسحاق اعلیٰ درجہ کے حافظہ والوں میں سے تھے تو اگر کسی کے پاس پانچ حدیثیں ہوتیں یا زیادہ، انھیں ابن اسحاق کے سپرد کر دیتا یعنی ان کے سامنے روایت کر دیتا کہ وہ احادیث ان کے واسطے سے امت میں محفوظ رہیں۔

(تہذیب التہذیب ج۔۹ ص،۴۰،مطبع، دارصادر، بیروت)

(۲۵) ابن فائد کا قول مذکور نمبر ۱۳

(۲۶) **وقال صالح بن أحمد عن علی بن المدینی عن ابن عیینة قال جالست ابن اسحاق منذ بضع و سبعین سنة و ما یتهمه أحد من اهل المدینة و لا یقول فیه شیئا۔** امام سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں ستر برس سے زیادہ ہوئے جب سے میں ابن اسحاق کے پاس بیٹھتا ہوں۔ اہل مدینہ میں سے کوئی نہ انھیں متہم کرتا نہ ان پر کسی طرح کا طعن کرتا۔ (تہذیب التہذیب

ج۔۹ص،۴۰،مطبع،دار صادر،بیروت)

(۲۷) **قال الا ثرم عن احمد ھو حسن الحدیث۔** اثرم نے امام احمد سے روایت کیا کہ فرماتے ہیں محمد ابن اسحاق کی حدیث حسن ہے۔ (ایضاً)

(۲۸) **قال البخاری رأیت علی بن عبداللّٰہ یحتج بحدیث ابن اسحاق۔** امام بخاری فرماتے ہیں، میں نے علی بن عبداللہ کو دیکھا کہ ابن اسحاق کی حدیث کو حجت قرار دیتے۔ (تہذیب التہذیب ج۔۹ص،۴۱،مطبع،دار صادر،بیروت)

(۲۹) **وقال علی ما رأیت احدا یتھم ابن اسحاق۔** امام بخاری فرماتے ہیں امام ابن المدینی نے فرمایا میں نے کسی کو نہ دیکھا کہ ابن اسحاق کو متہم سمجھتا ہو۔ (ایضاً)

(۳۰) **والذی یذکر عن مالک فی ابن اسحاق لا یکاد یتبیّن۔** امام بخاری فرماتے ہیں ابن اسحاق کے بارے میں امام مالک سے جو طعن ذکر کیا جاتا ہے وہ ثبوت تک پہونچتا معلوم نہیں ہوتا۔ (ایضاً)

(۳۱) **وکان اسماعیل بن ابی اویس من اتبع من راینا المالک اخرج الی کتب ابن اسحاق فی المغازی وغیرھا فانتخبت منھا کثیرا۔** امام بخاری فرماتے ہیں۔ہم نے اسماعیل بن ابی اویس (امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھانجے نیز امام کے چچا زاد بھائی کے پوتے) سے زیادہ امام مالک کا پیرو کسی کو نہ دیکھا۔انھوں نے مغازی وغیرہا میں ابن اسحاق کی کتابیں مجھے دکھائیں۔میں نے ان میں سے کچھ فائدے چنے۔ (ایضاً)

یعنی اگر امام مالک کو محمد بن اسحاق کی حدیث پر اعتراض ہوتا تو ان کے شاگرد اور بھانجے اور پوتے کہ سب سے زیادہ ان کے پیرو تھے ابن اسحاق کی کتابیں روایت نہ کرتے۔

(۳۲) **وقال لی ابراھیم بن حمزۃ کان عند ابراھیم بن سعد عن ابن اسحاق نحو من سبعۃ عشر الف حدیث فی الاحکام سوی المغازی و ابراھیم بن سعد من اکثر اھل المدینۃ حدیثا۔** امام بخاری فرماتے ہیں۔مجھ سے ابراہیم بن حمزہ نے کہا کہ امام ابراہیم بن سعد کے پاس ابن اسحاق سے مغازی کے سوا خاص باب احکام میں سترہ ہزار کے قریب حدیثیں تھیں۔ابراہیم بن سعد مدینہ طیبہ کے کثیر الحدیث محدثین میں سے تھے۔ (ایضاً)

(۳۳)**وقال عبید بن یعیش حدثنا یونس بن بکیر سمعت شعبۃ یقول ابن اسحاق امیر المومنین لحفظہ۔**
امام بخاری فرماتے ہیں امام شعبہ نے فرمایا محمد بن اسحاق اپنی قوت حفظ میں سب مسلمانوں کے سردار ہیں۔
(تہذیب التہذیب ج۔۹ص،۴۲،مطبع،دار صادر،بیروت)

(۳۴) **وقال لی علی بن عبداللّٰہ نظرت فی کتب ابن اسحاق فما وجدت علیہ الا فی حدیثین ویمکن ان یکونا صحیحین۔** امام بخاری فرماتے ہیں مجھ سے امام علی بن عبداللہ نے فرمایا میں نے ابن اسحاق کی کتابیں دیکھیں تو صرف دو حدیثوں پر مجھے ناگواری ہوئی اور ممکن ہے وہ دو بھی صحیح ہوں۔ (ایضاً)

(۳۵) **قال ابو زرعۃ الدمشقی و ابن اسحاق رجل قد اجمع الکبراء من اھل العلم علی الاخذ منہ وقد اختبرہ اھل الحدیث فرأوا صدقا و خیرا مع مدحۃ ابن شھاب لہ۔** امام ابو زرعہ دمشقی فرماتے ہیں بے شک اکابر اہل علم نے ابن اسحاق کی شاگردی پر اجماع کیا اور بے شک محدثین نے انھیں جانچا تو صدق وخیر نظر آئے پھر خود ان کے استاذ امام زہری نے ان کی مدح کی۔ (ایضاً)

(۳۶) محمد بن عبداللہ کا قول نمبر ۷ میں گزرا

(۳۷) **و قال يعقوب بن شيبة سمعت ابن نمير يقول إذا حدث عمن سمع منه من المعروفين فهو حسن الحديث صدوق۔** یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں میں نے ابن نمیر کو کہتے سنا ابن اسحاق جب پہچانے ہوئے استاذوں سے حدیث روایت کریں تو ان کی حدیث حسن ہے وہ صدوق ہیں۔ (ایضاً)

(۳۸) امام ابن المدینی کا قول نمبر ۱۸ میں گزرا

(۳۹) یہی امام فرماتے ہیں: **ان حديث ابن اسحاق ليتبين فيه الصدق ويروى مرة حدثنى ابو الزناد و مرة ذكر ابو الزناد وهو من اروى الناس عن سالم بن ابى النضر وروى عن رجل عنه وهو من أروى الناس عن عمرو بن شعيب و روى عن رجل عن ايوب عنه۔** ابن اسحاق کی حدیث میں صدق روشن ہے جن اساتذہ سے بہ کثرت حدیثیں خود سنی ہیں بعض حدیثیں ان میں سے ایک واسطہ سے روایت کرتے ہیں اور بعض دو واسطہ سے۔

(تہذیب التہذیب ج۔۹ ص، ۴۳ مطبع، دار صادر، بیروت)

(۴۰) **قال يعقوب بن سفيان قال على لم اجد لابن اسحاق الا حديثين منكرين عن نافع ابن عمر عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم اذا نعس احدكم يوم الجمعة والزهرى عن عروة وعن زيد بن خالد إذا مس احدكم فرجه۔"** امام علی نے فرمایا میں نے ابن اسحاق کی کوئی حدیث غیر معروف نہ پائی سوائے دو کے۔ ایک یہ کہ جب کسی کو جمعہ کے دن اونگھ آئے۔ دوسری جب تم میں سے کوئی اپنی شرمگاہ کو چھوئے۔ (ایضاً)

(۴۱) **قال محمد بن عثمان بن ابى شيبة سالت عليا عنه فقال صالح وسط۔** محمد بن عثمان بن ابی شیبہ کہتے ہیں میں نے امام ابن المدینی سے ابن اسحاق کا حال پوچھا فرمایا صالح ہیں، اوسط درجہ کے۔ (ایضاً)

(۴۲) **قال ايوب وكان على بن المدينى يثنى عليه ويقدمه۔** ایوب ابن اسحاق نے کہا امام علی ابن اسحاق کے مداح تھے اور انھیں مقدم رکھتے۔ (ایضاً)

(۴۳) امام ابن معین کا ارشاد نمبر ۳ میں گزرا۔

(۴۴) **قال يعقوب بن شيبة سألت ابن معين عنه فقلت فى نفسك من صدقه شئى؟ قال لا هو صدوق۔** یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں، میں نے امام ابن معین سے پوچھا کیا آپ کے دل میں ابن اسحاق کے سچے ہونے میں کوئی شبہہ ہے فرمایا نہیں۔ وہ بہت سچے ہیں۔ (تہذیب التہذیب ج۔۹ ص، ۴۴ مطبع، دار صادر، بیروت)

(۴۵) **قال ابو زرعة الدمشقى قلت لابن معين و ذكرت له الحجة محمد بن اسحاق منهم فقال كان ثقة إنما الحجة مالك و عبيد الله بن عمرو۔** امام ابو زرعہ دمشقی کہتے ہیں، میں نے امام یحییٰ کے سامنے اس اعلیٰ پایہ کا ذکر کیا، جسے محدثین کی اصطلاح میں حجت کہتے ہیں اور میں نے کہا محمد بن اسحاق اسی درجۂ بلند پر تھے۔ اس پر امام ابن معین نے فرمایا ابن اسحاق ثقہ تھے، حجت تو مالک و عبیداللہ بن عمرو ہیں۔ (ایضاً)

(۴۶) قول امام عجلی کہ نمبر ۲۰ میں گزرا

(۴۷) **قال ابن عيينة سمعت شعبة يقول محمد بن اسحاق امير المومنين فى الحديث و فى رواية عن شعبة**

فقيل له لم؟ قال لحفظه و فی رواية عنه لو سوّد أحد فی الحديث لسوّد محمد بن اسحاق۔ امام سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں میں نے امام شعبہ کو فرماتے سنا کہ محمد بن اسحاق حدیث میں امیر المومنین ہیں، کسی نے پوچھا کیوں؟ فرمایا اپنے حفظ کے سبب۔ اور فرمایا اگر حدیث میں کسی کو سردار بنایا جاتا تو محمد بن اسحاق سب کے سردار ہوتے۔ (ایضاً)

(۴۸) **قال ابن سعد کان ثقة۔** امام ابن سعد نے کہا کہ محمد بن اسحاق ثقہ تھے۔ (ایضاً)

(۴۹) **قال ابن عدی ولمحمد بن اسحاق حديث كثير و قد روی عن ائمة الناس ولو لم يكن له من الفضل الا أنه صرف الملوك عن الاشتغال بكتب لا يحصل منها شئی الا الاشتغال بمغازی رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم و مبعثه و مبدأ الخلق لكانت هذه فضيلة سبق اليها و قد صنفها بعده قوم فلم يبلغوا مبلغه و قد فتشت احاديثه الكثيرة فلم اجد فيها ما يتهيأ أن يقطع عليه بالضعف و ربما أخطأ أو يهم فی الشئی بعد الشئی كما يخطئ غيره و هو لا باس به۔** امام ابن عدی نے کہا، محمد بن اسحاق کی حدیث کثیر ہے اور بے شک مسلمانوں کے اماموں نے ان سے حدیث روایت کی اور ان کی اور کوئی فضیلت نہ ہوتی سوا اس کے کہ انھوں نے بادشاہوں کو بے کار کتابیں دیکھنے سے پھیر کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جہادوں اور بعثت شریفہ اور ابتداے آفرنیش کے مطالعہ میں مشغول کر دیا تو ضرور یہ وہ فضیلت ہے کہ وہی اس میں سابق رہے، ان کے بعد اور علما نے اس میں تصنیفیں کیں۔ مگر ان کے مرتبہ تک نہ پہونچے اور بے شک میں نے ان کی احادیث کی، جو کثیر و وافر ہیں، تفتیش کی تو ان میں ایک حدیث بھی ایسی نہیں جس پر ضعف کا یقین ہو سکے۔ ہاں کبھی اتفاقاً بعض باتوں میں خطا یا وہم واقع ہوتا ہے جیسے اوروں سے ہوتا ہے ان میں اصلاً کوئی برائی نہیں۔ (ایضاً ج۔ ۹ ص، ۴۴۔۴۵)

(۵۰) **قال ابن المدینی ثقة لم يضعه عندی إلا روايته عن اهل الكتاب۔** امام ابن المدینی نے فرمایا محمد ابن اسحاق ثقہ ہیں انھیں اس نے نیچا کیا کہ وہ اہل کتاب سے روایت کرتے ہیں۔ (ایضاً ج۔ ۹ ص، ۴۵)

امام ذہبی نے کہا

ما المانع من رواية الاسرائيليات عن اهل الكتاب مع قول رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم حدثوا عن بنی اسرائيل و لا حرج۔ بنی اسرائیل کے وقائع اہل کتاب سے روایت کرنے کو کس نے منع کیا حالاں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں بنی اسرائیل سے روایت کرو، اس میں کچھ حرج نہیں۔ (میزان الاعتدال ج۔ ۳ ص، ۴۵۴، دار الفکر، بیروت)

(۵۱) **لما سئل ابن المبارک قال إنا وجدناه صدوقا ثلاث مرات۔** امام اجل سیدی عبد اللہ ابن مبارک سے ابن اسحاق کو پوچھا گیا، فرمایا بے شک ہم نے انھیں بہت سچا پایا، بے شک ہم نے انھیں بہت سچا پایا، بیشک ہم نے انھیں بہت سچا پایا۔

(تہذیب التہذیب ج۔ ۹ ص، ۴۵۔۴۶، دار صادر، بیروت)

(۵۲) **قال ابن حبان ولم يكن احد بالمدينة يقارب ابن اسحاق فی علمه و لا يوازيه فی جمعه وهو من احسن الناس سياقا للاخبار۔** امام ابن حبان نے کہا، تمام مدینے بھر میں کوئی ایسا نہ تھا کہ علم میں ابن اسحاق کے قریب یا جمع احادیث میں ان کا ہمسر ہو۔ وہ نہایت خوبی سے احادیث روایت کرتے ہیں۔ (ایضاً ج۔ ۹ ص، ۴۶)

(۵۳) **يحيىٰ بن يحيىٰ وذكر عنده محمد بن اسحاق فوثّقه۔** امام یحییٰ بن یحییٰ کے سامنے ابن اسحاق کا تذکرہ ہوا، فرمایا وہ ثقہ ہیں۔ (ایضاً ج۔ ۹ ص، ۴۶)

(۵۴) **قال ابو یعلی الخلیلی محمد بن اسحاق عالم کبیر واسع الروایة والعلم ثقة**۔ امام ابویعلی خلیلی نے کہا، محمد بن اسحاق بڑے عالم ہیں۔ان کی روایت ان کا علم وسیع ہے، ثقہ ہیں۔(ایضاً ج۔۹ ص،۴۶)

(۵۵) **قال ابن البرقی لم ار اهل الحدیث یختلفون فی ثقته و حسن حدیثه و روایته وفی حدیثه عن نافع بعض الشئی**۔امام ابن البرقی نے کہا۔میں نے علماے حدیث سے کسی کو نہ دیکھا کہ ابن اسحاق کے ثقہ اوران کی حدیث وروایت کے حسن ہونے میں اختلاف کرتے ہوں ہاں! نافع سے ان کی روایت میں کچھ ہے۔ (ایضاً)

(۵۶) **قال ابو زرعة صدوق**۔امام ابوزرعہ نے فرمایا ابن اسحاق بہت صادق ہیں۔ (ایضاً)

(۵۷) **قال الحاکم قال محمد بن یحییٰ هو حسن الحدیث عنده غرائب و روی عن الزهری فاحسن الروایة**۔حاکم نے کہا امام محمد بن یحییٰ نے فرمایا ابن اسحاق کی حدیث حسن ہے۔ان کے پاس بعض افراد ہیں اورانھوں نے زہری سے روایت کی تو بہت اچھی روایت کی۔ (ایضاً)

حدیث اذان جمعہ زہری ہی سے روایت کی ہے۔

(۵۸) **قال الحاکم و ذکر عن البوشنجی انه قال هو عندنا ثقة ثقة**۔ حاکم نے کہا، امام بوشنجی سے منقول کہ محمد ابن اسحاق ہمارے نزدیک ثقہ ہیں، ثقہ ہیں۔ (ایضاً)

یہ اڑتیس (۳۸) خیانتیں تہذیب التہذیب میں ہوئیں، آدمی بہادر ہو تو ایسا ہو۔

گذشتہ شہادتوں سے یہ واضح ہوگیا کہ تھانوی جی نے میزان الاعتدال اور تہذیب التہذیب میں کس قدر دیانت کا خون کیا ہے۔ سیدنا سرکار مفتی اعظم قدس سرہٗ نے ان دونوں کتابوں سے یہاں تک اٹھاون (۵۸) شہادتیں ایسی پیش فرمائیں جن میں اکابر ائمہ نے امام محمد بن اسحاق کی نہ صرف مدح وتوثیق فرمائی بلکہ آپ پر منقول طعن کا ردبلیغ بھی فرمایا مگر تھانوی جی ان حقائق پر پردہ ڈال کر امام ابن اسحاق پر طعن کے درپے ہیں اور ایسا کیوں؟ اسے تھانوی جی اوران کی برادری خوب جانتی ہے۔ان شہادتوں میں غور وفکر سے نہ صرف امام محمد بن اسحاق کی توثیق کے روشن جلوے نظر آتے ہیں بل کہ سیدنا سرکار مفتی اعظم قدس سرہ کی علمی جلالت، فنی مہارت اور اسماء الرجال میں دستگاہ و دسترس کامل خوب خوب واضح ہوجاتی ہے ایک منصف ودیانت دار اور عاقل وذی فہم کے لیے یہ شہادتیں بس ہیں مگر اس موضوع پر آپ کے مزید علمی افادات اور ناقدانہ ومحققانہ ابحاث اس مقام پر نذر قارئین کرنا ازبس لازم وضروری ہے تا کہ فن اسماء الرجال میں آپ کی عبقریت خوب خوب واضح ہوجائے۔ نیز تھانوی جی نے امام محمد بن اسحاق پر جن جن وجھوں سے طعن کیا ہے ان سب کا احاطہ اور دنداں شکن جواب ہوجائے۔ان ناقدانہ ابحاث سے قبل کتاب الترغیب والترہیب میں تھانوی جی کی خیانتوں کے چند نمونے پیش خدمت ہیں۔

کتاب الترغیب والترہیب میں دیوبندی خیانتیں :

(۵۹) **محمد بن اسحاق احد الائمة الاعلام**۔ محمد بن اسحاق مشاہیر ائمہ سے ہیں۔

الترغیب والترہیب ص،۷۳۰، دارابن حزم، بیروت)

(۶۰) **حدیثه حسن**۔ابن اسحاق کی حدیث حسن ہے۔ (ایضاً)

(۶۱) **قال احمد بن حنبل هو حسن الحدیث**۔امام احمد نے فرمایا ان کی حدیث حسن ہے۔ (ایضاً)

(۶۲) **قال احمد العجلی ثقة** ۔امام احمد عجلی نے کہا ابن اسحاق ثقہ ہیں۔ (ایضاً)

(۶۳) **قال علی بن المدینی حدیثه عندی صحیح** ۔ امام علی بن مدینی نے کہا ابن اسحاق کی حدیث میرے نزدیک صحیح ہے۔(ایضاً)

(۶۴) **قال شعبة ابن اسحاق امیر المؤمنین فی الحدیث** ۔امام شعبہ نے کہا، ابن اسحاق حدیث میں مسلمانوں کے بادشاہ ہیں۔ (ایضاً)

(۶۵) **قد استشهد به مسلم فی صحیحه بجملة من حدیث ابن اسحاق و صحح له الترمذی حدیث سهل بن حنیف رضی اللّٰه تعالیٰ عنه فی المذی**۔ بے شک امام مسلم نے اپنی صحیح میں ابن اسحاق کی کتنی ہی حدیثوں سے شہادت لی اور امام ترمذی نے حکم مذی میں، سہل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث محمد بن اسحاق سے روایت کر کے فرمایا یہ حدیث صحیح ہے۔ (ایضاً)

(۶۶) **احتج به ابن خزیمة فی صحیحه** ۔امام الائمہ ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں ابن اسحاق کو حجت مانا ہے۔ (ایضاً)

(۶۷) **و بالجملة فهو ممن اختلف فیه و هو حسن الحدیث** ۔غرض ان میں اختلاف ہوا اور قول فیصل یہ ہے کہ ان کی حدیث حسن ہے۔ (ایضاً)

جوہر النقی میں دیوبندی خیانتیں :

(۶۸) جلد اول ص ۲۳۶ **ابن اسحاق ثقة اه ملتقطا** ۔محمد بن اسحاق ثقہ ہیں۔

(۶۹) **قد اخرجه الترمذی من جهة ابن اسحاق و قال حسن صحیح** ۔ بے شک امام ترمذی نے ابن اسحاق سے حدیث روایت کر کے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(۷۰) **و اخرجه ابو داؤد ایضا من جهته و سکت عنه** ۔ امام ابو داؤد نے بھی ابن اسحاق سے روایت کر کے اس پر سکوت فرمایا۔

سیدنا سرکار مفتی اعظم قدس سرہٗ نے میزان الاعتدال، تہذیب التہذیب اور کتاب الترغیب والترہیب و جوہر النقی میں تھانوی جی کی ستر خیانتیں واشگاف فرمائیں اور ان سے امام محمد بن اسحاق کا ثقہ و مقبول اور معتمد و مستند ہونا واضح فرمایا اور اس کے بعد تھانوی جی کا محاسبہ فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

بعون اللہ تعالیٰ وللہ الحمد! مسلمانو! یہ ہیں وہ قاہر و باہر روشن وظاہر توثیقیں جنھیں اجمال و اہمال کے پردہ میں چھپا کر صرف چند ضعیف وسخیف و مبہم و نامسلم طعن تمھیں دکھائے اس لیے کہ چاند پر خاک ڈالے، تو اکابر ائمہ عظام کی ان عظیم و جلیل توثیقوں کے آفتاب روشن کے حضور طعن بے ثبات کی تاریکی آپ ہی دھواں بن کر اڑ جاتی، یا کم از کم محمد بن اسحاق کی بے وقعتی کے وہم و گمان کو بھی مسلمانوں کے دل میں نہ آنے پاتی۔ خیر چار ہی کتابوں میں ستر خیانتیں تو یہ ہوئیں آگے چلیے۔

ثانیا: ابن اسحاق پر بڑا طعن کذب کا ہے اجلہ ائمہ نے اس کے وہ قاہر جواب ارشاد فرمائے جن کے حضور ہر طالب حق کی گردن جھک جائے اور ایک امام کبیر العلم، جلیل الشان کا دامن صدق اس بدنما داغ سے پاک و صاف نظر آئے۔ وہ عالی جوابات انھیں میزان الاعتدال و تہذیب التہذیب کے انھیں ورقوں میں آفتاب روشن کی طرح چمک رہے ہیں اور یہ دونوں کتابیں اس کے پاس بھی ہیں کہ ان

سے بلا واسطت نقل کی ہے۔ یہ تحریر ان جوابوں کی نقل کو لاتی تو اپنے ہی گھر گھروندا بناتی، سارے مکر وفریب کی بناڈھا جاتی اور خدا جانے کیا مصیبت کیسی کٹھن پڑی کہ جوابوں کی بالکل نفی بھی نہ بن پڑی ورنہ ایسے کو یہ کہتے کیا لگتا کہ طعن کذب کا کسی نے جواب نہ دیا، بلکہ یہ کہتے کیا باک تھا کہ سب نے قبول کرلیا، مگر امام اجل احمد بن حنبل وامام بخاری وغیر ہما اکابر کی برکت کہ اس نے نرا انکار نہ کرنے دیا بلکہ شرمائی ہوئی نظر، چھپی ہوئی نگاہ سے یہ کھسیانی ادا دکھائی کہ دیگر محدثین ان جروح کی تاویلات رکیکہ کرتے ہیں یعنی امام احمد، امام ابن المدینی، وامام بخاری وامام ابن حبان وامام مزی، وامام ذہبی، وامام عسقلانی وامام ابن الہمام حنفی وغیرہم جیسے اکابر ائمہ شان رکیک، لچر پوچ بناوٹوں سے زبردستی ابن اسحاق کو سچا بناتے ہیں۔

میزان وتہذیب میرے سامنے ہے۔ کیوں عوام مسلمین کو دھوکے دیتی ہے، بے ایمانی کی پٹی دیو بندیت کی آنکھ سے اٹھا کر سوجھ کر۔ ائمہ حدیث نے تاویلیں کی ہیں یا حق دکھایا ہے، رکیک بناوٹیں کی ہیں، یا قاہر رد فرمایا ہے؟

مسلمانو! ائمہ دین نے محمد بن اسحاق پر طعن کذب کے بارہ قاہر رد فرمائے ہیں جن کو یہ تحریر یکسر اڑا کر رکیک تاویلوں کا آنچل ڈال کر چھپانا چاہتی ہے۔ یہاں اس نے جو جو عبارتیں میزان الاعتدال اور تہذیب التہذیب کی اڑائی ہیں ستر کے بعد ہم ان کا شمار حاشیہ پر کردیں گے۔

اس کے بعد آپ نے یہ بحث فرمائی کہ تھانوی جی کا امام ابن اسحاق پر سب سے بڑا طعن کذب کا ہے اور آپ پر اس طعن کی دو وجہیں ہیں۔ ایک وجہ سلیمان تیمی سے دوسری وجہ یحییٰ اور وہیب اور مالک وہشام سے ہے پہلی وجہ پر آپ نے دو قاہر رد ارقام فرمائے۔ ایک تو یہ کہ سلیمان تیمی نے اس طعن کی کوئی وجہ ذکر نہ کی تو یہ مبہم جرح ہوئی اور تعدیل کے مقابلہ میں مبہم جرح، مردود نامقبول ہے۔ دوسرے یہ کہ سلیمان تیمی اس فن جرح وتعدیل کے اہل ہی نہیں اس لیے اس سلسلے میں ان کی بات قابل لحاظ نہیں کہ لحاظ اس کی بات کا ہے جو فن جرح و تعدیل کا اہل ہے نہ کہ اہلیت نہ رکھنے والے کا بھی ورنہ پھر دین سے امان اٹھ جائے۔

طعن کی دوسری وجہ کے متعلق آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ یہ وجہ یحییٰ اور وہیب اور مالک وہشام سے ہے اور سب کا مدار ہشام کے بیان پر ہے اور وہ قطعاً مفید وکار آمد نہیں۔ ائمہ حدیث نے دس طریقوں سے اس کا روشن رد فرمایا ہے کہ تھانوی جی اور ان کی برادری اگر انصاف کریں اور دیانت کو بروئے کار لائیں اور ان طریقوں میں عادلانہ اور غائرانہ نظر وفکر کریں تو اس طعن سے رجوع میں عافیت سمجھیں مگر اس برادری کی خلقی فطرت اور جبلی سرشت عناد وہٹ دھرمی، تعسف ونفسیانیت ہے، دیدہ ودانستہ حقائق کی پردہ پوشی کرتی ہے۔ ''**نتبع ماألفيناعليه أباءنا**'' کا ورد کرتی ہے ایک عادل ومنصف اور دیانت دار کے لیے ائمہ اجلہ کے ارشادات باہرہ بس ہیں۔ امام ابن اسحاق پر تھانوی جی کے طعن کذب اور اس کی دو وجہوں کا بیان اور ان کا دندان شکن رد سیدی سرکار مفتی اعظم قدس سرہٗ کے قلم سے ملاحظہ ہو۔ آپ فرماتے ہیں:

مسلمانو! ابن اسحاق پر یہ طعن (کذب) دو وجہ پر منقول ہوا۔ ایک سلیمان تیمی سے اس کے دو کھلے رد ہیں۔

رد اوّل: اس کی کوئی وجہ انھوں نے نہ بتائی۔

(۱۷) تہذیب التہذیب جلد ۹، ص ۴۵

واماسليمان التيمي فلم يتبين لي لأي شئي تكلم فيه ''وہ وجہ مجھ پر ظاہر نہ ہوئی کہ سلیمان تیمی نے کس وجہ سے وہ بات کہی۔ یہ تو جرح مبہم ہے اور تعدیل کے مقابل مبہم بات مردود ہے خصوصاً ایسے امام کبیر کے حق میں، اس کا واضح بیان ان شاء اللہ المنان حصہ

دوم میں آئے گا یہاں اس قدر کافی کہ امام جلال الدین سیوطی تدریب الراوی شرح تقریب امام نووی (ص، ۲۰۲، مدینہ) میں قول مصنف ''ولایقبل الجرح الامبین السبب'' کی مثالوں میں فرماتے ہیں

'' **قال الصیر فی و کذا إذا قالوا فلان کذاب لابد من بیانہ لأن الکذب یحتمل الغلط ۔** '' (تدریب الراوی، ص ۲۰۲، مدینہ) یعنی طعن مقبول نہیں جب تک اس کا سبب بیان نہ کیا جائے۔ امام صیرفی نے کہا مثلاً اگر جرح کرنے والے کسی کو کذاب کہیں تو ضرور ہے کہ اس کی وجہ بیان کریں کہ کذب نادانستہ غلطی کو بھی کہتے ہیں۔

رد دوم: سلمان تیمی اس فن جرح وتعدیل کے اہل ہی نہیں، تو اس میں ان کی بات کا کیا لحاظ۔

(۷۲) امام حافظ الشان تہذیب التہذیب جلد ۹، ص ۴۵ میں فرماتے ہیں:

''**سلیمان لیس من اهل الجرح و التعدیل**'' سلیمان تیمی جرح وتعدیل کے اہل نہیں۔

دوم: یحییٰ و وہیب و مالک و ہشام سے، اس میں مدار صرف بیان ہشام پر ہے باقی تین نے ایک دوسرے کی تقلید کی اور اقرار فرمالیا کہ خود ہم کو کوئی وجہ ابن اسحاق کے کذب کی معلوم نہیں بل کہ ہم نے فلاں کو ایسا کہتے سنا، میزان الاعتدال جلد ۹، ص ۴۵ ۳ میں ہے۔

''سلیمان بن داؤد کہتے ہیں یحییٰ قطان نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ کذاب ہے، میں نے کہا آپ کو کیا خبر؟ کہا مجھ سے وہیب نے کہا تھا اور میں نے وہیب سے پوچھا تھا کہ تم نے کیوں کر جانا؟ تو کہا مجھ سے مالک بن انس نے فرمایا تھا، اور میں نے مالک سے دریافت کیا تھا کہ آپ کو کیا معلوم؟ تو فرمایا مجھ سے ہشام بن عروہ نے فرمایا تھا اور میں نے ہشام سے استفسار کیا تھا کہ تم کیا جانو؟ تو کہا:

'' **حدث عن امرأتی فاطمة بنت المنذر و أدخلت علی وهی بنت تسع و مارأها رجل حتی لقیت اللہ تعالیٰ** ۔ وہ میری زوجہ فاطمہ بنت المنذر سے حدیث روایت کرتا ہے اور فاطمہ نو برس کی تھیں جو میرے گھر بیاہ کر آئیں اور تادم مرگ کسی نے انھیں نہ دیکھا۔

بس یہ ہے وہ شور وغل جس پر یہ تحریر دیوبند کی زمین سر پر اٹھائے لیتی ہے۔ سارا نچوڑ ہشام کے بیان پر ہے اور وہ اصلاً مفید نہیں ائمہ حدیث نے اس کے دس رد فرمائے ہیں۔

رد اوّل: (۷۳) امام بخاری ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ قول ہشام سے ثابت نہیں **کما سیأتی**

رد دوم: ہشام سے جو قول مروی ہوا وہ صریح غلط ہے۔ اس میں ہے کہ فاطمہ بنت المنذر جب میرے پاس بیاہ کر آئیں، نو برس کی تھیں، حالاں کہ وہ اپنے شوہر ہشام سے تیرہ برس بڑی ہیں تو جب وہ نو برس کی تھیں ہشام ابھی پیدا بھی نہ ہوئے تھے۔ اس کے چار برس بعد ان کی ولادت ہوئی۔

(۷۴) امام ذہبی میزان جلد ۲، ص ۴۵ ۳ اور تہذیب التہذیب جلد ۹، ص ۴۶

قوله وهی بنت تسع غلط لأنها اکبر من هشام بثلا ث عشر سنة ۔۔ہشام نے فرمایا: فاطمہ مجھ سے تیرہ سال بڑی تھیں۔

رد سوم: فاطمہ پردہ نشیں ضرور تھیں اور انھیں کسی غیر شخص نے نہ دیکھا، مگر اس سے یہ کب لازم آیا کہ کوئی نامحرم ان سے روایت بھی نہ کرے۔ ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے زائد کس کا پردہ ہوگا۔ پھر صدہا نے ان سے حدیثیں سنیں اور روایت کیں۔

(۷۶) ابن حبان کتاب الثقات میں فرماتے ہیں:

''**أما قول هشام فلیس مما یجرح به انسان و ذلک ان التابعین سمعوا من عائشة من غیر أن ینظروا الیها**''

تہذیب ج۔۹ ص ۴۵، دار صادر، بیروت۔ ہشام کا قول جرح نہیں کیوں کہ تابعین نے حضرت عائشہ سے سنا بغیر اس کے کہ انھیں دیکھیں۔

رد چہارم: ہشام تو ''رجل'' کی نفی کرتے ہیں کہ کسی مرد نے انھیں نہ دیکھا۔ ''رجل'' مرد بالغ کو کہتے ہیں ممکن کہ ابن اسحاق نے اپنی نابالغی میں فاطمہ سے حدیثیں سنی ہوں۔ یہ جواب امام بخاری کے استاد اجل امام ابن المدینی نے افادہ فرمایا۔

(۷۷) **قال علی الذی قال هشام ليس بحجة لعله دخل علی امرأته وهو غلام سمع منها۔** '' تہذیب امام ابوالحاج و تہذیب التہذیب ج۔۹ ص ۴۳، دار صادر، بیروت۔

رد پنجم: ہشام عمر بھر کی نفی کیوں کر کر سکتے ہیں۔ ہر وقت تو گھر میں رہتے نہ تھے، کیا دشوار ہے کہ ابن اسحاق حاضر ہوئے اور اذن طلب کیا، فاطمہ نے اذن فرمایا اور پردے کے اندر سے انھیں حدیث سنائی۔ یہ جواب امام احمد و امام بخاری و امام ابن حبان نے افادہ فرمایا۔

(۷۸) امام مزی و تہذیب التہذیب ج۔۹ ص ۴۱، دار صادر، بیروت۔

قال عبدالله فحدثنا ابی بذلک فقال ولم ينكر هشام لعله جاء فاستاذن عليها فأذنت له قال أحسبه قال ولم يعلم۔ '' ہوسکتا ہے ابن اسحاق نے آ کر اجازت طلب کی اور فاطمہ نے اجازت دی اور ہشام کے علم میں یہ بات نہ ہوئی۔

(۷۹) ثقات ابن حبان میں ہے۔

كذلک ابن اسحاق كان سمع من فاطمة والستر بينهما مسبل۔ '' تہذیب ج۔۹ ص ۴۵۔ ایسے ہی اسحاق نے فاطمہ سے سنا ہو اور دونوں کے مابین پردہ ہو۔

(۸۰) امام بخاری کی عبارت آتی ہے۔

رد ششم: آخر اس زمانہ میں بیبیاں نقاب کے ساتھ مساجد میں آتی ہی جاتی تھیں۔ ممکن ہے کہ ابن اسحاق نے ان سے حدیث سنی ہو۔ اس کی خبر ہشام کو ہونی کیا ضرور۔

(۸۱) امام ذہبی

قلت وما يدری هشام عن عروة فلعله سمع منها فی المسجد۔ میزان الاعتدال۔ ج، ۳ ص ۴۵۴، دار الفکر، بیروت

رد ہفتم: ممکن کہ ابن اسحاق نے فاطمہ سے بذریعہ کتابت روایت کی ہو۔ امام بخاری جزء القرأۃ میں فرماتے ہیں

ولو صح عن هشام جائز ان تكتب إليه فإن أهل المدينة يرون الكتاب جائزا و جائز ان يكون سمع منها و بينهما حجاب۔ یعنی ہشام سے یہ اعتراض ثابت ہی نہیں، اور اگر بالفرض صحیح ہو تو جائز ہے کہ فاطمہ نے حدیث ابن اسحاق کو لکھ بھیجی ہو کہ اہلِ مدینہ بذریعۂ کتابت روایت کو جائز جانتے ہیں اور جائز ہے کہ ابن اسحاق نے پردے کی آڑ سے حدیث سنی ہو۔ تہذیب امام مزی و تہذیب التہذیب۔ جلد ۹، ص ۴۲

رد ہشتم: کچھ بھی سہی محمد بن سوقہ کوفی ثقہ عابد کہ تمام صحاح ستہ کے رجال سے ہیں۔ یہ بھی تو فاطمہ سے روایت فرماتے ہیں انھو ں نے کیسے سنی۔

اُقول یوں ہی محمد بن اسماعیل بن یسار نے بھی فاطمہ سے حدیث سنی کما فی التہذیب من ترجمتہا تو ہشام کا انکار رد ہو گیا۔

(۲۳) ذہبی (۸۴) و امام عسقلانی

قد روی عنها ايضا غير محمد بن اسحاق من الغرباء محمد بن سوقه ۔ المیزان ص ۴۵ ۳ و تہذیب التہذیب ۹ /

۴۶، دار صادر، بیروت۔ فاطمہ سے محمد بن اسحاق کے علاوہ اور بھی لوگوں نے سنا۔ مثلاً محمد بن سوقہ نے۔

رد نہم: ہشام تو دیکھنے کے منکر ہیں کہ فاطمہ کو کسی غیر نے نہ دیکھا اور ابن اسحاق ان سے حدیث روایت کرتے ہیں۔ رویت و روایت میں زمین و آسمان کا فرق ہے، پھر اعتراض کیا ہوا۔

(۸۵) امام ذہبی

والرجل فما قال إنه رأها أفبمثل هذا يعتمد على تكذيب رجل من اهل العلم هذا مردود۔ یعنی ابن اسحاق کب کہتے ہیں کہ میں نے فاطمہ کو دیکھا۔ کیا ایسی بے علاقہ بات سے ایک عالم کی تکذیب پر اعتماد ہوگا؟ یہ مردود ہے۔ میزان الاعتدال۔

(ج۔ ۳، ص ۴۵۵، دار الفکر، بیروت)

رد دھم: سب سے قطع نظر سہی تو ائمہ نے ان پر طعن مقبول نہ رکھا پھر ایسی بات کہ ائمہ ناقدین کے حضور پیش ہوکر رد ہو چکی، اسے دستاویز بنانا، کیوں کر جائز، ایسے مطاعن سنے جائیں تو سلف و خلف میں شاید ہی کوئی امام سلامت بچے۔ سب سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔

(۸۶) یہ جواب امام بخاری نے ارشاد فرمایا، جزء القرأۃ میں فرماتے ہیں۔

ولم ينج كثير من الناس من كلام بعض الناس فيهم نحو ما يذكر عن إبراهيم من كلامه فى الشعبى و كلام الشعبى فى عكرمة ولم يلتفت أهل العلم فى هذا النحو الا ببيان وحجة ولم تسقط عدالتهم الا ببرهان وحجة۔ تہذیب امام مزی و تہذیب التہذیب جلد ۹، ص ۴۱، دار صادر، بیروت۔ یعنی اکثر ائمہ وہی ہیں جن پر کسی نہ کسی نے طعن کیا ہے جیسے امام اجل ابراہیم نخعی سے امام اجل شعبی میں کلام منقول ہے اور امام شعبی سے عکرمہ میں، علما ایسی باتوں کی طرف التفات نہیں فرماتے جب تک دلیل و حجت سے ثابت نہ ہو، نہ جن پر طعن ہو بے دلیل و حجت ان کی عدالت ساقط ہوتی۔

مسلمانو! یہ قاہر رد ہیں جن کو یہ دیوبندی تحریر رکیک تاویلیں بتاتی ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون" آدمیاں گم شدند

گذشتہ اوراق اس بات پر شاہد ہیں کہ امام محمد بن اسحاق پر تھانوی جی نے جو کذب کا طعن کیا تھا اس کی دو وجہیں تھیں۔ افقہ امت سیدنا سرکار مفتی اعظم قدس سرہٗ نے بارہ طریقوں سے اس کا ایسا رد بلیغ فرمایا کہ تھانوی جی کے لیے مجال دم زدن نہیں۔ اس کے بعد آپ نے یہ واشگاف فرمایا کہ امام محمد بن اسحاق پر ایک دوسرا طعن دجل کا بھی ہے جو امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے اور دیوبندی برادری اس طعن کا سہارا لے کر امام محمد بن اسحاق کو مجروح و مطعون قرار دینے میں طرح طرح کی ریشہ دوانیاں کرتی ہے اور ان کی روایت کو قابل اعتنا نہیں جانتی مگر افقہ امت سیدی سرکار مفتی اعظم قدس سرہٗ کی اسماء الرجال میں مہارت تامہ کی داد دیجیے۔ آپ نے اس دجل کو بھی بے نقاب فرمایا اور ائمہ کرام سے اس کے چھ رد ارقام فرمائے جس سے یہ طعن خود مطعون و مردود و نا قابل قبول ہو جاتا ہے۔

یہ طعن **اولاً** تو اس لیے مردود ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ سے یہ طعن پایۂ ثبوت تک نہیں پہونچتا بلکہ طعن کا متحقق نہ ہونا ہی قرین قیاس ہے۔

ثانیاً امام مالک نے اس طعن سے رجوع فرمالیا اور ان سے صلح کرلی۔ **ثالثاً** بالفرض امام مالک کا رجوع نہ سہی تو بسا اوقات امام ناقد کسی دوسرے امام پر کسی خاص وجہ سے کسی ایک مخصوص قضیہ میں طعن فرماتا ہے اور وہ طعن اسی قدر پر منحصر رہتا ہے، باقی امور میں اسے مطعون نہیں جانتا، بلکہ اسے مقبول جانتا ہے یہاں تک کہ وہ خود اس سے احادیث اخذ کرتا ہے۔

رابعاً امام مالک کو ابن اسحاق سے واقفیت نہ تھی۔

خامساً امام مالک نے اعتراض امام ابن اسحاق کی حدیث پر نہیں بل کہ امام کا اعتراض امام ابن اسحاق پر مذہب قدر کی تہمت کے سبب ہے اور گذشتہ اوراق میں گزر چکا کہ امام ابن اسحاق کی طرف مذہب قدر کی نسبت محض خیال ہی خیال ہے، وہ تو مذہب قدر سے حد درجہ دور رفتہ تھے۔

سادساً علماے کرام نے امام ابن اسحاق پر امام مالک کا دجل کا طعن مقبول نہ رکھا۔ آپ ائمہ عظام کی شہادتوں کی روشنی میں اس طعن کا محاسبہ فرماتے ہوئے اور اس کا روشن رد فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں:

ثالثاً: دوسرا طعن دجل کا ہے کہ امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہوا ائمہ کرام نے اس کے چھ رد ارشاد فرمائے۔

رد اول: امام بخاری فرماتے ہیں، امام مالک سے اس کا ثبوت متحقق نہیں بل کہ ثابت نہ ہونا ہی قرین قیاس ہے، اس کے بطلان پر قرینہ موجود ہے جیسا کہ ۳۰ و ۳۱ میں گزرا۔ امام محقق حنفیہ شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں، امام مالک سے محمد بن اسحاق پر طعن ثابت نہیں جیسا کہ گذارش سوم میں گزرا۔

رد دوم: امام مالک نے اس سے رجوع فرمایا۔ امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر جلد اول ص ۹۲، فصل فی استحباب التعجیل پر رقم طراز ہیں۔

ذكره ابن حبان في الثقات و إن مالكا رجع عن الكلام في ابن اسحاق و اصطلح معه و بعث إليه هدية و ذكرها ابن حبان۔ ابن حبان نے محمد بن اسحاق کو ثقات میں ذکر کیا ہے اور یہ کہ امام مالک نے ابن اسحاق پر طعن سے رجوع کر لیا ہے اور ان سے صلح فرمائی اور انھیں ہدیہ بھیجا۔ ابن حبان نے وہ ہدیہ بھی بتایا ہے۔

(۸۷) ابن حبان کتاب الثقات میں فرماتے ہیں:

أما مالك فإن ذلك كان منه مرة واحدة ثم عاد له إلى ما يحب ولم يكن يقدح فيه من أجل الحديث إنما كان ينكر تتبعه غزوات النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من اولاد اليهود الذين أسلموا و حفظوا قصة خيبر و غيرها و كان ابن إسحاق يتتبع هذا منهم من غير أن يحتج بهم وكان مالك لا يرى الرواية إلا عن متقن ۔تہذیب جلد ۹، ص ۴۵، دار صادر، بیروت۔ امام مالک نے ایک بار محمد بن اسحاق پر طعن کیا تھا، پھر ابن اسحاق کے محبوب برتاؤ کی طرف رجوع فرمایا، مالک کا طعن ان پر حدیث میں نہ تھا بلکہ یہ بات ناپسند تھی کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ کے غزوات کے قصے یہود کی اولاد سے پوچھتے جو اسلام لے آئے اور ان کو خیبر وغیرہ کے غزوات یاد تھے۔ ابن اسحاق کا یہ پوچھنا بھی اس طور پر نہ تھا کہ ان لڑکوں کا بیان حجت سمجھتے مگر مالک روایت ایسوں ہی سے روا رکھتے تھے، جو نہایت ضبط و متانت والے ہوں، ابن اسحاق کی صرف اس بات پر امام مالک کا انکار تھا۔

رد سوم: بالفرض رجوع نہ بھی سہی تو امام ناقد کبھی کسی امام پر کسی وجہ خاص سے ایک امر خاص میں طعن فرماتا ہے اور وہ طعن اتنی ہی بات پر مقتصر رہتا ہے، باقی امور میں وہ بھی اسے مقبول رکھتا یہاں تک کہ خود اس سے احادیث اخذ کرتا ہے۔

(۸۸) یہ جواب امام بخاری نے ارشاد فرمایا، جزء القرأۃ میں فرماتے ہیں:

لو صح عن مالك تناوله من ابن إسحاق فلربما يتكلم الانسان فيرمي صاحبه بشيء ولا يتهمه في الأمور كلها قال إبراهيم بن المنذر عن محمد بن فليح نهاني مالك عن شيخين من قريش و قد أكثر عنهما في المؤطا وهما ممن يحتج بهما۔ یعنی اول تو امام مالک سے ابن اسحاق پر طعن ثابت نہیں اور اگر بالفرض صحیح بھی ہو تو ایسا بار ہا ہوتا ہے کہ آدمی اپنے کسی

رفیق پر کسی ایک خاص بات پر طعن کرتا ہے اور سب باتوں میں اسے متہم نہیں سمجھتا ہے۔ محمد بن فلیح کہتے ہیں انھیں امام مالک نے مجھے دو قریشی عالموں سے روایت کو منع فرمایا اور خود مؤطا میں ان سے بکثرت روایت فرمائیں اور فی الواقع وہ دونوں حجت ہیں۔ (تہذیب التہذیب ج۔۹ ص ۴۱، دار صادر، بیروت، ونصب الرأیۃ لاحادیث الھدایۃ آخر کتاب الوصایا ج۔۴ ص ۴۱۶، المکتبۃ الاسلامیہ)

رد چہارم: امام مالک کو ابن اسحاق سے واقفیت نہ تھی، ابن اسحاق مدینہ طیبہ میں نہ رہے، ابتدا ہی میں کوفہ و جزیرہ وری و بغداد کی طرف کوچ کیا اور بغداد شریف ہی میں قیام پذیر ہوئے۔ وہیں وفات پائی انھوں نے مدینہ طیبہ میں کون سی حدیث روایت کی کہ امام مالک انھیں جانچتے۔ یہ رد امام بخاری کے استاذ امام علی بن عبداللہ نے ارشاد فرمایا اور ان کا یہ قول میزان الاعتدال سے ص ۱۸ میں اور تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۴۲ سے ۳۸ نمبر میں گزرا کہ فرمایا۔

" **مالک لم یجالسه ولم یعرفه**۔" (میزان الاعتدال ج۔۳ ص ۴۵۸ دار الفکر، بیروت، تہذیب التہذیب ج۔۹ ص ۴۶، دار صادر، بیروت) تہذیب التہذیب میں امام ابن سعد سے ہے **کان خرج من المدینة قدیما فأتی الکوفة والجزیرة والری و بغداد فأقام بها حتی مات بها سنة ۱۵۱** (تہذیب التہذیب ج۔۹ ص ۴۴ دار صادر، بیروت)

رد پنجم: امام کا اعتراض ان کی حدیث پر نہیں، بلکہ مذہب قدر کی تہمت کے سبب ہے، یہ جواب امام عبدالرحمن بن ابراہیم استاذ امام بخاری نے ارشاد فرمایا، اور امام مصعب زبیری استاذ الاستاذ امام بخاری و استاذ امام ابن معین نے تو مطلق فرمایا کہ ابن اسحاق پر جس نے طعن کیا بوجہ حدیث نہ تھا۔ مزی ص ۹۱ و عسقلانی جلد ۹، ص ۴۲ "قال ابو زرعة الدمشقی ذاکرت رحیما قول مالک فیه فرأی أن ذلک لیس للحدیث إنما هو لانه اتهمه بالقدر۔ ایضا صفحہ مذکورہ۔ **قال ابراهیم الحربی حدثنی مصعب قال کانوا یطعنون علیه بشئی من غیر جنس الحدیث**۔" اور نمبر ے میں گزرا کہ مذہب قدر کی ان کی طرف نسبت بھی محض خیال ہی خیال تھی وہ سب سے زیادہ اس سے دور تھے اور اس سے مفصل جواب حصہ دوم میں آتا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

رد ششم: وہی جو طعن کذب کا رد دہم تھا کہ سب جانے دو، آخر علمائے کرام نے طعن کو مقبول نہ رکھا تو اس سے استناد جہل وخرط القتاد۔ یہ جواب امام محقق علی الاطلاق نے ارشاد فرمایا اور رد دہم میں امام بخاری کا ارشاد اس کے موافق ہے۔ فتح القدیر کا کلام گزارش سوم میں گزرا اور اس کا تتمہ یہ ہے۔

وروی عنه مثل الثوری وإبن ادریس و حماد بن زید و یزید بن زریع و ابن علیة وعبدالوارث و ابن المبارک و احتمله أحمد و ابن معین وعامة أهل الحدیث (فتح القدیر ج۔۱ ص ۲۳۱، فصل فی استحباب التعجیل، مرکز اہل سنت، برکات رضا) اگر ابن اسحاق پر امام کا طعن ثابت فرض کرلیں تو علما نے اسے مقبول نہ رکھا اور کیوں کر قبول ہو حالانکہ امام شعبہ ابن اسحاق کو حدیث میں مسلمانوں کا بادشاہ کہتے اور ان سے امام اجل سفیان ثوری و ابن ادریس وحماد بن زید و یزید بن زریع و ابن علیہ وعبدالوارث و امام اجل عبداللہ بن مبارک جیسے اکابر نے حدیث روایت کی اور امام اجل احمد بن حنبل و امام اجل ابن معین اور عامۂ علمائے محدثین نے ان کو مقبول رکھا۔"

سیدنا سرکار مفتی اعظم قدس سرہٗ نے امام ابن اسحاق پر طعن کذب کے بارہ (۱۲) رد ارقام فرمائے اور طعن دجل کے چھ رد تحریر فرمائے۔ یہ کل اٹھارہ رد ہوئے جو اکابر ائمہ کرام کے ارشادات ہیں۔ اس کے بعد آپ نے مزید دو رد ارقام فرمائے تاکہ بیس کا عدد کامل ہو کہ تھانوی جی کے رد میں اکثر بیس کا عدد ملحوظ رہا۔ آپ وہ دو رد ارشاد فرمانے سے قبل نکہت بار ہیں۔

مسلمانو! یہ وہ جلیل ارشادات ہیں جن کو یہ تحریر تاویلات رکیکہ کہتی ہے۔ ولا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم۔"

فائدہ: یہ اٹھارہ رد ہیں کہ اکابر ائمہ نے ارشاد فرمائے۔ کان پوری تحریر کو متعدد ثقات نے بیان کیا کہ جناب مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کی ہے، جو کسی نامعروف شخص سے نسبت کردی ہے۔ جناب تھانوی صاحب کے رد میں اکثر بیس کا عدد ملحوظ رہا جیسا کہ رسائل ظفر الدین الجید وظفر الدین الطیب، وکین کش پنجہ پیچ، وبارش سنگی و پیکان جاں گداز وغیرہا سے ظاہر ہے۔ لہٰذا مناسب کہ دو رد انھیں کے طرز کے اور اضافہ کریں کہ بیس کا عدد کامل ہو۔

رد نوزدھم: یحییٰ القطان سے ہشام کی حکایت مذکورہ کے راوی ابوداؤد طیالسی ہیں، ان کی نسبت ائمہ محدثین کے یہ خیالات ہیں۔ حافظ الحدیث ابراہیم بن سعید جوہری نے فرمایا۔

أخطأ أبوداؤد فی ألف حدیث ۔ طیالسی نے ایک ہزار حدیثوں میں خطا کی۔ (میزان الاعتدال ج۔۲ ص ۱۶۰، دار الفکر، بیروت، تہذیب التہذیب ج۔۴ ص ۱۸۴، دار صادر، بیروت)

امام ابوحاتم رازی نے فرمایا:

کان کثیر الخطاء ۔ ان کی خطائیں کثیر تھیں۔ (تہذیب التہذیب ج۔۴ ص ۱۸۵، دار صادر، بیروت، میزان الاعتدال ج۔۲ ص ۱۶۰، دار الفکر، بیروت)

امام محمد بن منہال نے فرمایا: **کنت أتھم أباداؤد** میں ان کو متہم سمجھتا ہوں۔ (میزان الاعتدال ج۔۲ ص ۱۶۰، دار الفکر، بیروت)

مجھ سے اقرار کیا کہ میں نے ابن عون سے کچھ نہ سنا۔ پھر میں نے سال بھر وقفہ دیا کہ وہ اپنا کہا بھول جائیں، اس کے بعد پوچھا تم نے ابن عون سے حدیث سنی؟ کہا ہاں۔ بیس سے زائد حدیثیں ہیں۔ میں نے کہا کیا انھوں نے گنائیں؟ تو ان میں سے کوئی حدیث ابن عون کی نہ تھی سب یزید بن زریع کی تھیں، سوائے ایک کے کہ خدا جانے کس کی تھی۔ امام یزید بن زریع نے کہا دو حدیثیں کہ ہم نے شعبہ سے سنی تھیں میں نے طیالسی سے بیان کیں طیالسی نے انھیں مجھ سے لکھ لیا پھر خود انھیں شعبہ سے روایت کرنا شروع کر دیا۔

رد بستم: ابوداؤد طیالسی سے اس کے راوی ابوقلابہ رقاشی ہیں۔ امام دارقطنی نے فرمایا

صدوق کثیر الخطأ فی الأسانید و المتون کان یحدث من حفظه فکثرت الأوهام فی روایته ۔ ہیں تو بہت سچے مگر سندوں اور حدیثوں سب میں بکثرت خطا کرتے ہیں، یاد پر حدیث روایت کرتے تو ان کی روایت میں بہت اغلاط واقع ہوتے۔ (تہذیب التہذیب ج۔۶ ص ۴۲۰، دار صادر، بیروت)

امام ابن خزیمہ نے فرمایا

حدثنا أبو قلابة القاضی ابو بکر بالبصرة قبل ان یختلط و یخرج إلی بغداد یعنی جب سے وہ بغداد گئے ان کی عقل سلامت نہ رہی۔ (تہذیب التہذیب ج۔۶ ص ۴۲۱، دار صادر، بیروت)

ابوالقاسم ابن بنت منیع سے مروی **عندی عن أبی قلابة عشرة أجزاء ما منها حدیث مسلم إما فی الإسناد و إما فی المتن** ۔ میرے پاس ابوقلابہ کی روایت سے دس جز ہیں جن میں کوئی حدیث سلامت نہیں، یا سند میں کوئی خطا ہے یا اصل حدیث میں۔ (تہذیب التہذیب ج۔۶ ص ۴۲۱، دار صادر، بیروت)

امام ابن اسحاق پر کذب ودجل کے طعن کا بیس رد فرمانے کے بعد افقہ امت سیدنا سرکار مفتی اعظم قدس سرہٗ نے ارشاد فرمایا کہ امام ابن اسحاق کی توثیق ثابت کرنے کی ایسی ضرورت نہ تھی وہ تو ائمہ حنفیہ اور عامۂ محققین و محدثین کے نزدیک ثابت شدہ ہے بلکہ در اصل یہ واضح

کرنا مقصود ہے کہ تھانوی جی کی اس تحریر بے لگام نے تمام مذہب حنفی کا صفایا کر دیا، تمام ائمہ حنفی مجروح وغیر ثقہ کر دیے، امام اعظم، امام ابو یوسف و امام محمد رحمہم اللہ تعالی سب کو ہمیشہ کے لیے رد کر دیا۔ اب اگر اس کے جواب میں وہ مدحیں اور توثیقیں پیش کی جائیں جو اکابر ائمہ نے ہمارے ائمہ کرام کی شان میں لکھیں اور طعن کے وہ قاہر رد سنائے جائیں جو انھوں نے ارشاد فرمائے تو اس پر دیوبندیہ کا یہ جواب ہوتا ہے کہ دیگر ائمہ محدثین، ابوحنیفہ و ابو یوسف و محمد کی توثیق بھی کرتے ہیں اور ان کی جرحوں کی رکیک تاویلیں بھی کرتے ہیں تو ائمہ محدثین کی یہ جرحیں بالکل معدوم نہ ہو جائیں گی اس لیے ابوحنیفہ و ابو یوسف و محمد ہر ایک اگر معاذ اللہ کذاب نہ ہوگا تو متہم بالکذب ضرور ہوگا اور اگر بدعتی نہ ہوگا تو متہم بالبدعۃ ضرور ہوگا۔ افقہ امت سیدنا سرکار مفتی اعظم قدس سرہ نے اس مطلق العنان تحریر کا شدید محاسبہ فرمایا اور اس پر ایک تفصیلی بحث فرمائی اور کچھ شواہد پیش فرمانے کے بعد خاتمۂ بحث میں دیوبندیہ کو ایک دندان شکن جواب دیا کہ اگر متہم کی توسیع ایسی ہی چلی تو پھر رجال بخاری کا کیا شمار خود امام بخاری کب بچتے ہیں؟ کیا نہ دیکھا کہ امام المحدثین، سید الفقہا، امام اجل ابو جعفر طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے تلمیذ، سلمہ اندلسی نے کتاب الصلہ میں ان کی نسبت کیا کیا کہا آپ رقم طراز ہیں:

دیوبندی تحریر پہلے آپ کے سب راستے بند کر چکی ہے امام اعظم و صاحبین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اسمائے طیبہ لے کر اپنی چھاتی کی دبی آگ کا بخار نہ نکالا کہ یوں تو ہر حنفی بھڑک جاتا، بلکہ سامان پورے ٹھیک کر لیے اور دوسرے پر ڈھال کر وار کیے اور دوسرا ابھی وہ تجویز کیا جو امام اعظم کا ہم استاذ، صاحبین کا استاذ و استاذ الاستاذ محمد بن اسحاق، ہمارے امام اور وہ ایک ہی جگہ رہتے تھے یعنی بغداد مقدس، اور ایک ہی زمانۂ وفات ہے یعنی ۱۵۰ھ یا ابن اسحاق کی وفات دو ایک برس بعد تاکہ ادھر تو تم کو اس پر جمالے کہ جب کچھ محدثین نے ایک امام پر جرحیں کر دیں تو اوروں کی توثیقیں ان کو معدوم نہیں کر سکتیں اوروں کے جواب کیسے ہی قوی و روشن ہوں، رکیک تاویلیں ٹھہریں، وہ مجروح اگر چنیں و چناں نہ ہوا تو متہم تو ضرور ہوا۔ اور ادھر اپنے سگوں سوتیلوں کو ہلکار دے کہ اب ابوحنیفہ پر طعن کی بوچھار کرو اور ابو یوسف و محمد پر بھر مار کرو، تمھارے دلوں میں تو وہ ناپاک اصول جما ہی چکی ہے، بعینہ وہی کام آجائیں گے اور تینوں امام زیادہ نہیں تو معاذ اللہ متہم بالکذب تو ضرور ٹھہر جائیں گے اور متہم بالکذب وہ بدتر درجہ ہے کہ ضعیف و متروک ساقط و ہالک سے بھی گیا گزرا ہے اس کے بعد کھلے وضاع، کذاب کا مرتبہ ہے۔ (دیکھو تقریب و میزان وغیرہا کتب فن)

اور امام جلال الدین سیوطی، و امام بدر الدین زرکشی وغیرہا ائمہ متہم بالکذب کی حدیث کو موضوع ٹھہراتے ہیں تو حنفیہ کے اماموں کی سب حدیثیں موضوع ٹھہریں، اور مطلقاً مردود ہونے میں تو کچھ شک نہ رہا۔ رہی فقہ اس کے امام کا دین خدا میں امین و معتمد ہونا قطعاً ضرور اور متہم بالکذب امین و معتمد نہیں، لہٰذا فقہ حنفی بھی باطل اور ابوحنیفہ و ابو یوسف و محمد کی تقلید حرام۔

مسلمانو! اب تو اس کی چال سمجھے۔ دیکھو اسی دن کے لیے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ ”**فإیاکم و إیاھم لا یضلونکم ولا یفتنونکم**۔“ (مشکوٰۃ المصابیح ج۔۱ ص ۹۱، دار الفکر، بیروت، کنز العمال ج۔۱ حدیث۔ ۲۹۰۲۴، بیت الافکار، الدولیہ، الریاض) ان سے دور بھاگو اور انھیں اپنے سے دور کرو وہ تمھیں گمراہ نہ کر دیں، وہ تمھیں فتنہ میں نہ ڈال دیں۔ **والعیاذ باللہ رب العالمین ولا حول ولا قوۃ إلا باللہ العلی العظیم**۔

مسلمانو! دیوبندی چوٹ نہ فقط مذہب حنفی بلکہ صحیح بخاری و صحیح مسلم پر بھی بہت گہری ہے۔ اس کے طور پر صحیحین میں بھی کذاب وضّاع بھرے پڑے ہیں ورنہ کم از کم متہم بالکذب والوضع تو ضرور ہیں تو صحیح بخاری و مسلم کی حدیثیں صحیح ہونا بالائے طاق، اصلاً قابل اعتبار بھی نہیں، موضوع و مردود و واہیات ہیں مثلاً رجال صحیحین سے احمد بن عیسی تستری ہیں۔ **قال أبوداؤد کان یحیی بن معین**

يحلف بالله أنه كذاب (تہذیب التہذیب ج۔۱ ص۶۵، دار صادر، بیروت و میزان الاعتدال ج۔۱ ص۱۵۳، دار الفکر، بیروت)

قال أبوزرعة ما رأيت اهل مصر يشكون فى أنه و أشار إلى لسانه۔ (میزان الاعتدال ج۔۱ ص۱۵۳، دارر الفکر، بیروت)

اسماعيل بن ابى اويس۔ قال يحيىٰ بن معين ابن أبى أويس و أبوه يسرقان الحديث و قال أيضا مخلط يكذب و قال النضر بن سلمة المروزى ابن أبى أويس كذاب (میزان الاعتدال ج۔۱ ص۲۴۲، دار الفکر، بیروت، تہذیب التہذیب، ج۔۹ ص۲۸۰، دار صادر، بیروت) و قال الازدى حدثنى سيف بن محمد أن ابن أبى أويس كان يضع الحديث و قال سلمة بن شبيب سمعت إسماعيل بن أبى أويس يقول ربما كنت أضع الحديث لأهل المدينة إذا اختلفوا فى شئى فيما بينهم۔

شجاع ابن الوليد ابو بدر۔ قال الامام أحمد لقيه ابن معين يوما فقال له يا كذاب۔ (تہذیب التہذیب ج۔۴ ص۳۱۴، دار صادر، بیروت)

عبدالحميد الاصبحى ابوبكر الاعشى ۔قال الازدى فى ضعفائه أبوبكر الأعشى يضع الحديث۔ (میزان الاعتدال ج۔۲ ص۴۱۴، دار الفکر، بیروت)

عبدالرزاق بن همام قال العباس بن عبدالعظيم العنبرى والله الذى لا إله إلا هو أن عبدالرزاق كذاب و قال زيد بن المبارك كان عبدالرزاق كذابا يسرق الحديث (میزان الاعتدال ج۔۲ ص۴۷۲، دار الفکر، بیروت، تہذیب التہذیب ج۔۶ ص۳۱۵، دار صادر، بیروت)۔

عكرمة مولى ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما۔ قال ابن لهيعة عن أبى الأسود كانوا يقولون ما أكذبه و قال أبو خلف الخزار عن يحيى البكاء سمعت ابن عمر يقول لنافع لا تكذب على كما كذب عكرمة على ابن عباس و قال إبراهيم بن سعد عن أبيه عن سعيد بن المسيب انه كان يقول لغلامه برديا برد لا تكذب على كما يكذب عكرمة على ابن عباس و قال جرير بن عبدالحميد عن يزيد بن أبى زياد دخلت على على بن عبدالله بن عباس و عكرمة مقيد على باب الحش قلت ما لهٰذا قال إنه يكذب على أبى و رد أيضا عن عبدالله بن الحارث أنه دخل على على الخ۔ و قال القاسم بن محمد بن الصديق إن عكرمة كذاب يحدث غدوة حديثا و يخالفه عشية و قال محمد بن سيرين ما يسؤنى أن يدخل الجنة ولكنه كذاب و قال سعيد بن المسيب كذب مخبثان و قال عطاء و سعيد بن جبير كذب عكرمة و قال يحيى بن سعيد الانصارى كان كذابا۔ (تہذیب التہذیب ج۔۷ ص۲۶۷، تا ۲۶۸، میزان الاعتدال ج۳ ص۹۳ تا ۹۵،)

نافع ذاک الثقة الامام قال سالم بن عبدالله بن عمر رضى الله تعالىٰ عنهم كذب العبد على أبى نوف البكالي قال ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما كذب عدو الله۔

(شرح معانی الاثار ج۔۲ ص۲۵، باب وطی النساء فی ادبارہن)

رجال بخاری سے احمد بن صالح ۔قال النسائى ليس بثقة و لا مامون تركه محمد بن يحيى و رماه يحيى بالكذب و قال أخبرنى معاوية بن صالح قال سألت يحيى بن معين عن احمد بن صالح فقال كذاب يتفلسف۔ (تہذیب التہذیب

ج۔۱ ص ٤١ ، دار صادر، بیروت، میزان الاعتدال ج۔۱ ص ۱۳۰، دار الفکر، بیروت)

اسباط ابو الیسع۔ کذبه یحیی بن معین۔ (تہذیب التہذیب ج۔۱ ص ۲۱۲، دار صادر، بیروت)

اسید بن زید۔ قال ابن الجنید عن ابن معین کذاب أتیته ببغداد فسمعته یحدثه بأحادیث کذب و قال ابن حبان یسرق الحدیث۔ (تہذیب التہذیب، ج۔۱ ص ٣٤٤ ۔ ٣٤٥، دار صادر، بیروت، میزان الاعتدال ج۔۱ ص ۲۷۳ دار الفکر، بیروت)

حسن بن مدرک۔ قال أبو داؤد کان کذابا یأخذ أحادیث فهد بن عوف فیلقیها علی یحیی بن حماد۔ (تہذیب التہذیب ج۔۲ ص ۳۲۱-۳۲۲، دار صادر، بیروت، میزان الاعتدال ج۔۱ ص ۵۱۷، دار الفکر، بیروت)

عبدالله بن صالح۔ کاتب اللیث قال صالح جزرة کان ابن معین یوثقه و عندي أنه یکذب فی الحدیث۔ (تہذیب التہذیب ج۔٥ ص ۲٥۸، دار صادر، بیروت، میزان الاعتدال ج۔۲ ص ۳۳۸، دار الفکر، بیروت)

علی بن عبدالله۔ ذلک الجبل الشامخ قال المروزی سمعت أحمد یکذبه۔

(تہذیب التہذیب ج۔۷ ص ۳٥٤، دار صادر، بیروت)

نعیم بن احمد نسبه أبو بشر الدولابی الحافظ إلی الوضع و قال الأزدی فی الضعفاء کان نعیم یضع الحدیث فی تقویة السنة و حکایات مزورة فی مثالب النعمان کلها کذاب اه۔ أي فی مثالب الامام الاعظم رضی الله تعالیٰ عن الامام الاعظم۔ (تہذیب التہذیب ج۔۸ ص ٥۲۹، دار صادر، بیروت، میزان الاعتدال ج۔٤ ص ۲٤۸، دار الفکر، بیروت)

رجال مسلم سے **احمد بن عبدالرحمن بن وهب ۔ قال زکریا بن یحیی البلخي قیل لمحمد بن إبراهیم البوشنجی إن احمد بن عبدالرحمن حدث بکتاب الفتن عن ابن وهب قال فهذا کذاب إذا۔**

(تہذیب التہذیب ج۔۱ ص ٥٦، دار صادر، بیروت)

جراح بن الملیح قال الادریسی فی تاریخ سمرقند إن ابن معین کذبه و قال کان وضاعاً للحدیث و قال ابن حبان کان یقلب الأسانید زعم یحیی أنه کان وضاعا للحدیث۔ (تہذیب التہذیب ج۔۲ ص ٦۸، دار صادر، بیروت)

خلف بن خلیفة قال أحمد قال رجل لسفیان بن عیینة خلف بن خلیفة یزعم أنه رای عمرو بن حریث فقال کذاب۔ (تہذیب التہذیب ج۔۳ ص ۱٥۱، دار صادر، بیروت)

محمد بن حاتم السمین قال یحیی و ابن المدینی هو کذاب۔ (تہذیب التہذیب ج۔ ۹ ص ۱۰۲، دار صادر، بیروت، میزان الاعتدال ج۔۳ ص ٤۸٤، دار الفکر، بیروت)

حاشا اللہ و استغفر اللہ، معاذ اللہ کہ یہ جروح ہمیں مقبول ہوں ہر گز نہ ان میں کوئی کذاب ہے، نہ ابن اسحاق کذاب، نہ ان میں کوئی متہم ہے، نہ ابن اسحاق متہم ان میں اکثر ثقہ اور بعض تو ائمہ اجلہ، اور باقی صدوق ومقبول ہیں اور ابن اسحاق ثقہ، ثقہ، ثقہ، ثقہ، صدوق، صدوق، صدوق، صدوق۔ مگر دیو بندی تحریر کا ظلم دکھانا ہے کہ اسے محمد بن اسحاق سے غرض ہے نہ اذان سے کام بلکہ وہ تو امام اعظم و امام ابو یوسف و امام محمد و صحیح بخاری و صحیح مسلم کو رد کرنے اٹھی ہے۔

اور متہم کی ایسی ہی توسیع چلی تو رجال بخاری کی کیا گنتی! خود امام بخاری کب بچتے ہیں؟ کیا نہ دیکھا کہ امام المحدثین، سید الفقہا، امام

اجل ابوجعفر طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے تلمیذ سلمہ اندلسی نے کتاب الصلہ میں ان کی نسبت کیا کیا کہا؟ تو اس دیوبندی تحریر کے طور پر امام بخاری معاذ اللہ، معاذ اللہ ۔۔۔ اور اور ۔۔۔ نہ ٹھہرے تو متہم بہ............ ومتہم بہ............ ومتہم بہ............ تو ضرور ٹھہریں گے .... ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

تھانوی جی نے امام ابن اسحاق کا تشیع نقل کرنے میں جو فریب دہی کی ہے وہ انھیں کا خاص حصہ ہے۔ تقریب امام ابن حجر سے یہ نقل کیا کہ امام ابن اسحاق تشیع کے ساتھ متہم ہیں تا کہ سادہ لوح عوام اس امام کبیر الشان کو معاذ اللہ رافضی جانیں کہ جدید محاورہ میں روافض ہی کو شیعہ کہتے ہیں جب کہ ائمہ جرح وتعدیل کی اصطلاح میں رافضی اور شیعی میں زمین وآسمان کا فرق ہے تو امام ابن اسحاق کو بلفظ شیعی تعبیر کرنا اور ائمہ کرام کی اصطلاح نہ بتانا ضرور عام مسلمانوں کو فریب دینا ہے۔ علاوہ ازیں اس میں ایک پوشیدہ چال یہ بھی ہے کہ صحیح بخاری وصحیح مسلم کی وقعت عوام کی نظروں میں کم ہو کہ ان کے رجال بکثرت وہ ہیں جن کو شیعی کہا گیا کہ ان کے رواۃ میں بے شمار ایسے لوگ ہیں جنھیں اصطلاح قدما پر بلفظ تشیع ذکر کیا جاتا یہاں تک کہ تدریب میں حاکم سے نقل کیا ''کتاب مسلم ملآن من الشیعۃ'' مسلم کی کتاب شیعوں سے بھری ہوئی ہے۔ (تدریب الراوی شرح تقریب النواوی روایۃ المبتدع مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیۃ لاہور ۱/ ۳۲۵)

سیدنا سرکار مفتی اعظم قدس سرہٗ نے اصطلاح محدثین وائمہ جرح وتعدیل پر روشنی ڈالی اور رافضی اور شیعی کا فرق واضح فرما کر اس فریب کو واشگاف فرمایا جیسا کہ رقم طراز ہیں۔

مسلمانو! اس نے ابن اسحاق کا تشیع نقل کرنے میں سخت فریب دہی کی چال کھیلی ہے۔ تقریب امام ابن حجر سے یہ نقل کرلائی کہ تشیع کے ساتھ متہم ہے تا کہ عوام بے چارے اس امام جلیل کو معاذ اللہ رافضی جانیں کہ محاورۂ جدیدہ میں روافض ہی کو شیعہ کہتے ہیں اور ائمہ جرح و تعدیل کے محاورہ میں شیعی وہ ہے کہ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو امیر المؤمنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل جانتا ہے۔ اور شک نہیں کہ یہ اگر چہ بعض اہل سنت خصوصاً بہت ائمہ کوفہ مثل امام سفیان ثوری وامام مسلمین اعمش وغیرہما رحمہم اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے ایسے تشیع کو بدعت وبدمذہبی بھی نہیں کہہ سکتے مقاصد میں ہے۔

''الأفضلیۃ عندنا بترتیب الخلافۃ مع تردد فیمابین عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ (مقاصد مع شرح مقاصد ج۔ ۵ ص۔ ۲۹۰، عالم الکتب، بیروت)

شرح مقاصد میں ہے۔

''قال اھل السنۃ الأفضل ابوبکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی و قد مال البعض منھم إلی تفضیل علی علی عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنھما والبعض إلی التوقف فیما بینھما۔'' (شرح مقاصد ج۔ ۵ ص ۲۹۱، عالم الکتب، بیروت)

اسی میں امام الحرمین سے ہے۔

تتعارض الظنون فی عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنھما۔ (شرح مقاصد ج۔ ۵ ص ۲۹۱، عالم الکتب، بیروت)

صواعق میں ہے۔

''أطبق عظماء الملۃ وعلماء الأمۃ أن أفضل ھذہ الأمۃ أبوبکر الصدیق ثم عمر ثم اختلفوا فالأکثرون منھم الشافعی و أحمد و ھو المشھور عن مالک أن الأفضل بعدھما عثمان ثم علی و جزم الکوفیون منھم سفیان الثوری بتفضیل علی علی عثمان و قیل بالوقف عن التفاضل بینھما وھو روایۃ عن مالک۔'' (الصواعق المحرقۃ ص ۳٤،)

تہذیب التہذیب ترجمہ امام اعمش استاذ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں ہے "**کان فیه تشیع**" ہاں اگر حضرت مولیٰ کو حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر تفضیل دے جسے ہمارے عرف میں تفضیلیہ کہتے ہیں، اسے ائمہ جرح و تعدیل شیعی غالی اور کبھی رافضی کہتے ہیں۔ پھر اگر تبرائی ہو تو رافضی غالی ہے۔خود امام ابن حجر نے ان اصطلاحات کی تصریح فرمائی۔ ہدی الساری ص ۵۴۱ میں فرماتے ہیں:

التشیع محبة علی و تقدیمه علی الصحابة فمن قدمه علی أبی بکر و عمر فهو غال فی تشیعه و یطلق علیه رافضی و الافشیعی فإن انضاف إلی ذلک السب أو التصریح بالبغض فغال فی الرفض "زیادة تفصیل هذا المقام فی التحریرات الحدیثة لحضرة مجدد المأة الحاضرة حفظه الله تعالیٰ۔ بالجملہ شک نہیں کہ ائمہ مذکورین کی اصطلاح میں رافضی وشیعی میں زمین وآسمان کا فرق ہے لہٰذا جب ابواسماعیل انصاری نے حاکم (محمد ابن عبد اللہ الضبی النیشاپوری) کو کہا۔**إمام فی الحدیث رافضی خبیث**۔اس پر ذہبی نے کہا "**الله یحب الانصاف ماالرجل برافضی بل شیعی فقط**۔"

(میزان الاعتدال ج۔۳ ص ۵۸۲، دار الفکر، بیروت)

اللہ انصاف کو بہت دوست رکھتا ہے، وہ رافضی نہیں فقط شیعی ہے۔تو اس زمانہ میں ابن اسحاق کو بلفظ شیعی تعبیر کرنا اور اصطلاح ائمہ نہ بتانا ضرور مسلمانوں کو دھوکہ دینا اور عوام کو گمراہ کرنا اور تمام حنفیہ اور عامۂ محدثین کے مسلم امام کو ناحق ناروا رافضی ٹھہرانا ہے۔

آخر نہ دیکھا کہ ذات شریفہ ہی کی تحریر دیکھ کر جاہل بوکھلا اٹھے کہ امام ابن اسحاق معاذ اللہ رافضی ہیں اور اس میں خفی چال اور ہے وہ یہ کہ صحیح بخاری وصحیح مسلم کو عوام کی نگاہ سے گرانا کہ ان کے رجال میں بہ کثرت وہ ہیں جن کو شیعی کہا گیا، ہدی الساری میں صرف صحیح بخاری کے اصول مسانید میں بیس شیعی نام بنام اور تعلیقات بخاری میں اور زائد ہیں اور رواۃ صحیح مسلم چھانٹے جائیں تو غالباً عدد سو سے کم نہ رہے گا تو مطلب یہ ہے کہ دیکھو سنیّو! تمھارے صحیحین میں رافضی بھرے ہیں۔طرفہ تر یہ کہ راویان صحیح بخاری وصحیح مسلم وائمہ کوفہ مثل امام الاولیا وامام المحدثین امام الفقہا سیدنا سفیان ثوری وامام المحدثین استاذ سیدنا امام اعظم امام اعمش وغیرہما رضی اللہ تعالیٰ عنہم تو اس دیوبندی کے طور پر معاذ اللہ رافضی ٹھہرے ہی تھے مگر عیاذاً باللہ یہ ناپاک حرف ایک روایت کی بنا پر خود حضور سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے کہ اس باب میں ان سے بھی ایک روایت موافق ائمہ کوفہ آئی ہے اگرچہ روایت ظاہرہ مشہورہ یہی ہے کہ عثمان افضل ہیں پھر علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جیسا کہ خود امام نے فقہ اکبر میں نص فرمایا۔علی قاری۔منح الروض الازہر میں ہے "**روی عن ابی حنیفة رضی الله تعالیٰ عنه تفضیل علی علی عثمان رضی الله تعالیٰ عنهما و الصحیح ما علیه جمهور أهل السنة و هو ظاهر من قول أبی حنیفة رضی الله تعالیٰ عنه علی ما رتبه هنا وفق مراتب الخلافة اه**۔ (ص ۱۸۷، دار البشائر الاسلامیہ، بیروت) **و علق علیه مجدد الماة الحاضرة فقال یا سبحان بل قوله رضی الله تعالیٰ عنه نص صریح فیه إذ یقول أفضل الناس بعد رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم أبو بکر الصدیق ثم عمر ثم عثمان ثم علی رضی الله تعالیٰ عنهم فأي نص ترید أنص منه اه**

تھانوی جی سے امام ابن اسحاق کی تضعیف کی جب کوئی صورت نہ بن پڑی تو انھوں نے امام ابن اسحاق پر تدلیس کا الزام رکھا اور انھیں مدلس قرار دیا اور حدیث اذان جمعہ کو زہری سے سننے کی تصریح نہ کی بلکہ عن الزہری کہا، تھانوی جی نے یہاں پر بھی دیانت کا خون کیا ہے افقہ امت سرکار مفتی اعظم قدس سرہ نے اس الزام طرازی پر تھانوی جی کی ایسی خبر گیری فرمائی ہے کہ اگر تھانوی جی کے اندر ذرا بھی حیا ہوتی تو اس الزام کی کبھی جرأت نہ کرتے۔خیر تھانوی جی تو شہر خموشاں میں جا بسے مگر آج بھی ان کی برادری ان کی اس الزام طرازی پر ضرور

حیرت کرتی ہوگی۔ افقہ امت سیدنا سرکار مفتی اعظم قدس سرہٗ نے اپنی خداداد اسماء الرجال میں مہارت کاملہ سے ایسی محققانہ بحث فرمائی کہ تھانوی جی کے الزام کے تار و پود بکھر کر رہ گئے اور ان کے خوابوں کا شیش محل زمیں بوس ہوگیا، تھانوی جی اور ان کی برادری اس فن میں آپ کی گرد راہ کو کیا پہنچے گی۔ اس پورے رسالہ میں جو محققانہ ابحاث ہیں تھانوی جی کو ان سے مس نہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تھانوی جی نے امام ابن حجر کی طبقات المدلسین سے امام ابن اسحاق کی تدلیس تو نقل کر دی مگر یہ نہ دیکھا کہ امام ابن حجر نے مدلسین کے پانچ طبقے شمار فرمائے ہیں جن میں چار وہ ہیں جن میں صرف تدلیس ہی ہے اور کوئی ضعف کی وجہ نہیں۔ پانچواں طبقہ وہ ہے جس میں تدلیس کے سوا اور کوئی وجہ ضعف ہے۔ امام ابن حجر نے ابن اسحاق کو چوتھے درجہ میں رکھا اس لیے امام ابن اسحاق میں تدلیس کے سوا اور کوئی ضعف کی وجہ نہیں اور ہم حنفیہ و مالکیہ و حنبلیہ کے نزدیک حدیث بے تصریح سماع مطلقاً حجت و مقبول ہے۔ یہ مسئلہ ارباب علم و دانش میں آفتاب نصف النہار کی طرح روشن ہے۔ ہمارے ائمہ کرام اور جمہور ائمہ کے نزدیک لاجرم مدلس کا عنعنہ بلا دغدغہ حجت و مقبول ہے۔ آپ رقم طراز ہیں۔

اس کو معلوم تھا کہ ابن اسحاق کی تضعیف نہ بن پڑے گی لہٰذا اپنے فکر کا گل سرسبد ابن اسحاق کا عنعنہ رکھا کہ وہ مدلس ہیں اور اس حدیث کو زہری سے سننے کی تصریح نہ کی بلکہ عن الزہری کہا لہٰذا مردود ہے۔ یہ واحد قہار کی شان ہے کہ دغاباز بے ایمانوں کے منہ سے وہ بات نکلوا دیتا ہے جس سے ان کے گھر کا گھروندا ان کے سوت کی کپاس ان کی آنتوں کا ڈھیر ہو کر رہ جاتا ہے۔ **لَایَحِیْقُ الْمَکْرُ السَّیِّئُ اِلاَّ بِأَھْلِہٖ** '' (سورۂ فاطر ۳۵/ ۴۳) برا مکر اس مکر والے ہی کو گھیرتا ہے۔'' **یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَھُمْ بِأَیْدِیْھِمْ وَ أَیْدِی الْمُؤْمِنِیْنَ فَاعْتَبِرُوْا یٰاُوْلِی الْأَبْصَارِ۔**'' (سورۂ حشر ۵۹/ ۲) وہ اپنے گھر ویران کرتے ہیں خود اپنے ہاتھوں اور مسلمانوں کے ہاتھوں تو عبرت پکڑو اے آنکھ والو! بے چاری آفت کی ماری بدنصیب دیوبندی تحریر ابن اسحاق کی تدلیس نقل کرنے بیٹھی تو امام ابن حجر کی طبقات المدلسین سے جس نے اس کے سارے کرتوت جہنم پہنچا دیے۔

مسلمانو! طبقات المدلسین میں امام ابن حجر شافعی نے مدلسین کے پانچ طبقے کیے ہیں۔ اول چار وہ ہیں جن میں صرف تدلیس ہی ہے اور کوئی وجہ ضعف نہیں۔ ان میں امام بخاری، امام مسلم اور ان سے بھی اعلیٰ درجہ کے ائمہ داخل ہیں۔ پانچواں طبقہ وہ رکھا جن میں تدلیس کے سوا اور کوئی ضعف بھی ہے، طبقات کی عبارت یہ ہے۔

''الخامسة من ضعف بأمر أخر سوی التدلیس۔''

امام ابن حجر نے ابن اسحاق کو چوتھے درجہ میں رکھا کہ بر بنائے اصول شافعیہ جن کی حدیث بے تصریح سماع حجت نہیں، اور ہم حنفیہ و مالکیہ و حنبلیہ کے نزدیک مطلقاً حجت و مقبول ہے، اس خوشی میں کہ حنفیت جائے تو جائے، اذان جمعہ کی حدیث سے تو جان بچے گی، آنکھیں بند کر کے جھٹ نقل کر ڈالی، اور نہ سوجھی کہ ساری مکاری کا سویرا ہوگیا۔ ابن حجر نے ابن اسحاق کو پانچویں طبقہ سے عالی چہارم طبقے میں رکھا تو کتنی روشن وجہ سے ثابت ہوگیا کہ ابن اسحاق میں سوائے تدلیس اصلاً ضعف کی کوئی وجہ نہیں، کہاں گئے وہ تیرے کذاب و متہم بالکذب و رافضی و متہم بالرفض کے دعوے؟ دیکھ حجت الٰہیہ یوں قائم ہوتی ہے۔ والحمد للہ رب العالمین۔

سیدنا سرکار مفتی اعظم قدس سرہٗ نے اپنی گراں قدر تحقیقات سے تھانوی جی کے الزام کے پرخچے اڑا دیے اور ان کے سارے دعوے **ھباءً منثورا** کر دکھائے۔ اس کے بعد آپ نے الزام تدلیس کا تحقیقی جائزہ لیا اور ''اقول'' فرما کر اس بحث کو عرش تحقیق تک پہنچا دیا جیسا کہ آپ فرماتے ہیں :

اَقول: **أولاً**: اصل حدیث مسند (امام احمد) میں انھیں ابن اسحاق سے بہ سند صحیح بہ تصریح سماع موجود ہے۔ **حدثنا یعقوب،**

حدثنا أبی عن ابن اسحاق قال حدثنی محمد بن مسلم بن عبید اللّٰہ الزهری عن السائب بن یزیدابن اخت نمیر۔ ’’(مسند امام احمد ابن حنبل ج۔۳ص ۴۴۹، دارالفکر، بیروت) تو احتمال تدلیس جہل وتلبیس ہے۔

ثانیاً: محمد بن اسحاق امام زہری سے کثیر المصاحبت، کثیر السماع، کثیر الروایت ہیں۔ امام زہری نے اپنے دربان کو حکم دیا تھا کہ ابن اسحاق جس وقت آئیں انھیں نہ روکنا۔’’کمافی التہذیب‘‘ امام ابن المدینی نے چھ امام گنے جن پر حدیث رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مدار ہے۔ ان میں ایک امام زہری، پھران چھ کا علم بارہ میں آنا بتایا، ان میں ایک محمد بن اسحاق اور امام ذہبی فرماتے ہیں ایسے شیخ سے روایت سماع پر محمول ہے اگر چہ بلفظ عن ہو میزان الاعتدال میں ہے’’**متی قال ناقلاً کلام و متی قال عن تطرق إلیه احتمال التدلیس إلا فی شیوخ له أکثر عنهم فإن روایته عن هذا الصنف محمولة علی الاتصال۔**‘‘ خصوصاً ابن اسحاق صدوق کہ جن اساتذہ سے بکثرت حدیثیں سنیں اگر کوئی حدیث ان سے بالواسطہ سنی تو صاف بتادیا، دو دو واسطے بیان کردیے یعنی اپنے استاذ کے شاگرد کے شاگرد کی شاگردی ظاہر کردی جیسا کہ ۳۹ میں امام ابن المدینی سے گزرا اور ہم گزارش اول میں کتاب الخراج امام ابو یوسف سے بیان کر آئے کہ زہری سے بھی جو بالواسطہ سنا، واسطہ بتادیا۔’’**حدثنی محمد بن إسحاق عن عبدالسلام عن الزهری۔**‘‘(کتاب الخراج ص ۶، مطبوعہ، مصر)

ثالثاً: آخر کچھ تو تھا کہ امام ابو داؤد نے اذان جمعہ کی حدیث ان سے روایت کر کے اس پر کچھ اعتراض نہ فرمایا۔ کیا وہ نہ جانتے تھے کہ ابن اسحاق میں بعض نے کلام کیا ہے؟ کیا وہ نہ جانتے تھے کہ ابن اسحاق چوتھے طبقہ کا مدلس ہے؟ وہ نہ جانتے تھے کہ اس حدیث میں ’’حدثنا‘‘ نہ کہا’’عن‘‘ کہا ہے؟ بہ ایں ہمہ اسے قبول ہی فرمایا اور اپنی کتاب صحاح میں جگہ دی کہ خاص اثبات احکام شرعیہ کے لیے لکھی، اور جسے ائمہ نے فرمایا’’جس گھر میں یہ کتاب ہو گویا وہاں کوئی نبی باتیں فرمارہا ہے۔‘‘ اب گیارہ سو برس بعد دیوبند کے ناشستہ رو اس حدیث کو رد کریں، خدا کی شان ہی شان نظر آتی ہے۔’’ولاحول ولاقوۃ إلا باللہ العلی العظیم۔‘‘

خود امام ابو داؤد اور بعد کے ائمہ کرام نے حدیث پر سکوت امام ابو داؤد کے معنی یہ بتائے کہ حدیث صحیح یا حسن ہے اور ہمارے ائمہ کرام نے تصریح کی کہ وہ حدیث حجت ہے، مقدمہ امام ابو عمرو میں ہے امام ابو داؤد نے فرمایا:

’’**ذکرت فیه الصحیح و مایشبهه و یقاربه**‘‘ مقدمہ ص ۶

امام ابن کثیر سے فتح المغیث ص ۲۹، تدریب ص ۵۵’’**روی عنه أی عن ابی داؤد ماسکت عنه فهو حسن**‘‘ امام ابو عمر بن عبد البر سے فتح المغیث ص ۲۹’’**کل ما سکت علیه فهو صحیح عنده**‘‘ امام حافظ الحدیث عبد العظیم منذری کے خطبہ کتاب الترغیب والترہیب’’**کل حدیث عزوته إلی أبی داؤد و سکت عنه فهو کما ذکر ابو داؤد لاینزل عن درجة الحسن و قد یکون علی شرط الصحیحین**‘‘(ج۔۱ص ۵، مقدمۃ المولف، مطبعۃ السعادۃ، بمصر) امام ابن الصلاح مقدمہ اصول حدیث، ص ۱۶،’’**وما وجدناه فی کتابه مذکورا مطلقا عرفنا أنه حسن عند أبی داؤد۔**‘‘ امام نووی تقریب نوع ثانی فرع اول’’**ما وجدنا فی کتابه مطلقا ولم یصححه غیره من المعتمدین ولا ضعفه فهو حسن عند أبی داؤد**‘‘(ص ۹۷۔۹۶ النوع الثانی مصری) امام زیلعی نصب الرایہ جلد اول ص ۶۰’’**ماوجدنا فی کتابه مطلقا فهو حسن عند ابی داؤد۔**‘‘ امام زیلعی نصب الرایہ جلد اول ص ۶۰’’**ان أباداؤد روی حدیث القلتین و سکت عنه فهو صحیح عنده علی عادته فی ذلک۔**‘‘ امام ابن الترکمانی جوہر النقی جلد اول ص ۱۸۲’’**أخرجه أبوداؤد و سکت عنه فأقل أحواله أن یکون حسنا عنده علی ما عرف۔**‘‘ امام بن الہمام فتح القدیر جلد اول ص ۵’’**و سکت علیه أبوداؤد فهو حجة**‘‘ امام زین الدین عراقی استاذ امام حافظ الشان عسقلانی، پھر

امام شمس الدین سخاوی مقاصد حسنہ ص ۸۶ "**یکفینا سکوت أبی داؤد علیه فهو حسن۔**" امام ابن امیر الحاج حلیہ شرح منیہ قبیل صفۃ الصلاۃ '' **رواہ ابو داؤد و سکت علیه فیکون حجة علی ماھو مقتضی شرطه** "۔ علامہ ابراہیم حلبی شرح منیہ ص ۳۸۶ (فصل فی النوافل) "**سکت علیه ابوداؤد و المنذری بعدہ فی مختصرہ وھو تصحیح منهما۔**"

بل کہ امام ابن المدینی سے ان کے شاگرد جلیل امام بخاری نے توثیق ابن اسحاق ثابت فرمانے کے لیے استناداً نقل کیا اور مقرر رکھا کہ دو کے سوا ابن اسحاق کی سب حدیثیں معروف و محفوظ ہیں، اور وہ دو ممکن کہ صحیح ہوں جیسا کہ نمبر ۳۴ میں گزرا اور یہ حدیث اذان جمعہ ان دو میں نہیں، جیسا کہ نمبر ۴۰ میں گزرا تو یہ بحمدہ تعالیٰ صحیح و محفوظ ہے۔

بالجملہ اتنے اجلۂ کرام کے ارشاد سے ثابت ہے کہ حدیث اذان جمعہ حسن صحیح حجت ہے مگر دیو بندی جہالت کو اس میں حجت ہے '' انا للہ وانا الیہ راجعون'' آدمیاں گم شدند۔

رابعاً: یہ سب تو محدثوں کے طور پر کلام تھا، دیو بندی کی چال تو آپ نے جانی ہی نہیں مسلمانو! وہ یہاں ائمہ حنفیہ کے اصول حدیث کا ابطال کر رہی ہے، حدیث مرسل، مثلاً تابعی کہے "**قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم**" ہم حنفیہ و مالکیہ و حنبلیہ کے نزدیک صحیح و مقبول ہے، شافعیہ اور کچھ محدثین اس میں کلام کرتے ہیں۔ یہ مسئلہ اہل علم میں آفتاب کی طرح مشہور و معروف ہے، یہ دیو بندی بھی اس سے واقف ہے۔ امام ابن جریر فرماتے ہیں "**أجمع التابعون بأسرھم علی قبول المرسل ولم یأت عنه إنكارہ ولا عن أحد من الأئمة بعدھم إلی راس المأتین**" تمام صحابۂ کرام کو دیکھنے والے ائمہ کا اجماع ہے کہ حدیث مرسل مقبول ہے اس کا انکار نہ کسی تابعی سے منقول ہوا نہ تبع تابعین سے دوصدی کامل تک یعنی امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے انکار کی پہل کی۔ پھر یہ محدث کہ اکثر ان کے مقلد ہیں ان کے پیرو ہوئے۔ مسلم الثبوت وفواتح الرحموت ص ۴۵۹ "**مرسل الصحابی یقبل مطلقا اتفاقاً و إن من غیرہ فالأكثر و منهم الأئمة الثلاثة أبو حنیفة و مالك و أحمد رضی اللہ تعالیٰ عنهم یقبل مطلقاً و الظاھریة و جمهور المحدثین الحادثین بعد المائتین لایقبل**" یعنی صحابہ کرام کا ارسال مطلقاً بالاتفاق مقبول ہے اور غیر صحابی کی حدیث مرسل کو امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد وغیرہم اکثر ائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم مطلقاً قبول فرماتے ہیں اور غیر مقلد اور دوسو برس بعد کے اکثر محدث قبول نہیں کرتے۔

پھر مدلس جو اپنے شیخ سے حدیث بلفظ "**عن فلان یا قال فلان**" روایت کرے جس میں اس سے بلا واسطہ اپنے سننے کی تصریح نہ ہو وہ تو مرسل بھی نہیں، صرف شبہہ ہے کہ شاید بالواسطہ سنی اور واسطہ کو چھوڑ دیا ہو۔ جب ہمارے ائمہ کرام اور دوسو برس تک کے ائمہ تابعین و تبع تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین خود مرسل کو قبول فرما رہے ہیں تو محض شبہہ کی بنا پر رد کیا معنی، لاجرم مدلس کا عنعنہ ہمارے ائمہ اور ان جمہور ائمہ سب کے نزدیک بلا دغدغہ مقبول ہے۔ امام جلال الدین سیوطی تدریب الراوی ص ۹۷ بیان عنعنہ مدلس میں فرماتے ہیں "**قال جمهور من یقبل المراسیل یقبل مطلقاً**" علامہ خسرو حنفی نے فصول البدائع فی اصول الشرائع جلد ۲، ص ۲۵۰ میں فرمایا "**طعن المحدثین بما لا یصلح جرحا لا یقبل کالطعن بالتدلیس فی العنعنة فإنها توھم شبة الارسال و حقیقته لیست بجرح**" امام الحفاظ، سید المحدثین، سند الفقہا، حامل لوائے مذہب حنفی سیدنا امام احمد ابو جعفر طحاوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کتاب مستطاب شرح معانی الآثار جلد ۲ ص ۱۹۰ میں ایک طویل حدیث انھیں محمد ابن اسحاق کی انھیں زہری سے یوں ہی بے تصریح سماع روایت کی جس کی سند یہ ہے "**حدثنا فهد بن سلیمان بن یحیی حدثنا یوسف بن بهلول، حدثنا عبد اللہ بن إدریس، حدثنی محمد بن إسحاق**

قال قال الزهری حدثنی عبیدالله بن عبدالله بن عتبة عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما'' اور اس کے آخر میں فرمایا: **هذا حدیث متصل الاسناد صحیح** ۔ یہ حدیث صحیح ہے اس کی اسناد متصل ہے۔

''قال'' اور ''عن'' دونوں یکساں ہیں کہ دونوں میں اپنا سننا بیان نہ کیا۔ امام نووی تقریب میں فرماتے ہیں ''**تدلیس الاسناد أن یروی عمن عاصره مالم یسمعه منه موهما سماعه قائلا قال فلان أو عن فلان ونحوه**'' تدریب ص ۷۷)

دیکھو وہی ابن اسحاق ہیں، وہی امام زہری ہیں، وہی بے بیان سماع روایت ہے اور فقہا کے امام، محدثوں کے امام، حنفیہ کے خاص امام سیدنا امام طحاوی فرمارہے ہیں ''یہ حدیث صحیح ہے اور یہ سند متصل ہے۔''

الحمدللہ حجۃ اللہ تمام ہوئی اور اس دیوبندی کی عیاری کھل گئی کہ کیسی مذہب حنفی کو رد کر کے الٹی راہ چلی۔ حنفی بھائیو! اپنے اماموں کی تو یہ تصریحات دیکھو، اور اس کی وہ دہن دریدگی کہ اگر محمد بن اسحاق پر کوئی عیب نہ ہو تو اس کا یہی عیب اس کی روایت کو مردود اور نا قابل اعتبار بنانے کے لیے کافی ہے کیونکہ وہ اس روایت کا زہری سے سننا نہیں بیان کرتا بلکہ بلفظ ''عن'' روایت کرتا ہے۔

حنفیو! دیکھو یہ سرباز ار کیسی دن دہاڑے اندھیری ڈال کر تمھیں مذہب سے پھیرا چاہتی ہے۔ بھائیو! ہوشیار رہنا گمراہ گر کے دھوکہ میں نہ آنا، اللہ تمہارا حافظ ہو۔

بھائیو! اس نے حنفیہ کے اصول حدیث ہی کو رد نہ کیا، بلکہ تمھارے ائمہ کرام امام اعظم، امام ابو یوسف امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سب کتابوں کو ردی کردیا، ان کی صدہا حدیثوں کو خاک میں ملا دیا۔ اپنے ائمہ کرام کی کتابیں، امام اعظم کی مسندیں، امام ابو یوسف کی کتاب الخراج، امام محمد کی کتاب الآثار، کتاب الحج وغیرہا مطالعہ کیجیے۔ ان میں کس قدر کثرت سے مرسل حدیثیں اور مدلسین کے عنعنے ملیں گے، اس نے سب کو مردود و نا قابل اعتبار بنادیا، بل کہ اس کی یہ چوٹ صدر اول کے عام ائمہ پر ہے۔ صدر اول میں مرسل کی بہت کثرت تھی اور اس کی پرواہ نہ کی جاتی۔ اتصال کی چھان پھٹک بعد کو ہوئی ہے۔ صحیح مسلم وجامع ترمذی میں امام محمد بن سیرین تابعی تلمیذ حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔

قال لم یکونوا یسألون عن الاسناد فلما وقعت الفتنة قالوا سمّوا لنا رجالکم ۔ (مقدمہ مسلم شریف ج۔ ا ص ۱۱، اصح المطابع) پہلے زمانہ میں اسناد نہیں پوچھتے تھے، جب بدمذہبیاں پھیلیں اس وقت سے سند کی تفتیش ہوئی۔

افضل التابعین سعید بن مسیب وقاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق وسالم بن عبداللہ بن عمر فاروق وامام حسن بصری، وابو العالیہ ریاحی، و امام ابراہیم نخعی وعطا بن ابی رباح، ومجاہد وسعید بن جبیر وطاؤس، وعامر شعبی، وسلیمان اعمش وزہری وقتادہ ومکحول وابو اسحاق سبیعی وابراہیم تیمی و یحیی بن ابی کثیر واسماعیل بن ابی خالد وعمرو بن دینار، ومعاویہ بن قرۃ وزید بن اسلم یہ سب اجلۂ ائمہ تابعین کہ ان میں بہت ہمارے امام اعظم کے استاذ واستاذ الاستاذ ہیں اور ان کے بعد کے اجلہ ائمہ مثل امام مالک، وامام محمد، سفیان ثوری وسفیان بن عیینہ وغیرہم اکابر امت اعاظم ملت جن کے ارشادات پر دین متین کا دارومدار ہے، یہ سب اکابر حدیثوں میں ارسال فرمایا کرتے اور ان میں اکثر تو بہت کثیر الارسال، ارسال میں نامور ہیں۔ اگر جانتے حدیث مرسل مردود ہے تو کیا معاذ اللہ حدیثوں کو مردود بنانے کے لیے ایسی حرکت کرتے؟ اس مدعی حنفیہ کی ان سب پر چوٹ ہے۔

بھائیو! کیا اس گمان میں ہو کہ وہ تحریر فقط حنفی مذہب یا کتب صحاح ہی پر اپنی چوٹ دکھا کر جائے گی نہیں نہیں۔ اس نے مذاہب اربعہ کے جملہ علمائے کرام، مفسرین کرام وشارحین حدیث حتی کہ تابعین اعلام وصحابۂ کرام اور نہ صرف صحابۂ کرام بلکہ خود حضور اقدس سید الانام

اور نہ فقط حضور اقدس سید الانام بلکہ خود رب العزۃ ذوالجلال والاکرام کسی کو اپنے ناپاک حملوں سے نہ چھوڑا۔ عز جلالہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

تھانوی جی نے امام ابن اسحاق کو اس لیے بھی متہم بالکذب قرار دیا کہ اذان جمعہ کی حدیث میں ''علی الباب'' کا لفظ ابن اسحاق نے روایت کیا ہے، دیگر ثقہ راویوں کی روایت میں اس کا بیان نہیں بلکہ اس اضافہ سے خالی ہے۔ اس لیے امام ابن اسحاق کی روایت دیگر ثقات کی روایت کے خلاف ہے اور اس مخالفت ثقات کے سبب وہ متہم بالکذب ٹھہرے۔ سیدنا سرکار مفتی اعظم قدس سرہٗ نے آفتاب سے زیادہ روشن فرمایا کہ امام محمد بن اسحاق ثقہ ہیں اور ایک بات زائد بیان کرنا مخالفت نہیں، مخالفت یہ ہے کہ اور راویوں نے جو کہا تھا یہ اس کے خلاف بیان کرے نہ یہ کہ اور جس امر سے ساکت یہ اس کا افادہ کرے۔ اگر ایک بات زائد بیان کرنا مخالفت ثقات قرار پائے اور اس کے سبب امام ابن اسحاق متہم بالکذب ٹھہریں تو پھر نصوص سے امان اٹھ جائے گا قرآن وحدیث اور تفاسیر وشروح احادیث سے اعتماد جاتا رہے گا قرآن عظیم میں ایک مقام پر وارد ہے ''**وضربت علیهم الذلة والمسكنة وباءو ابغضب من الله**'' (بقرہ آیت ۶۱ پ:۱ رکوع:۷)

اور دوسرے مقام پر ہے:

''**وضربت علیهم الذلة أین ما ثقفوا إلا بحبل من الله وحبل من الناس**'' (آل عمران پ:۴ رکوع:۳ آیت ۱۱۲)

اس طرح سے کثیر آیتیں اور حدیثیں اور تفسیریں ملیں گی جن میں ایک مقام پر زیادتی واقع ہے جبکہ دوسرے مقام پر وہ زیادتی نہیں تو کیا اس زیادتی کے سبب قرآن وحدیث اور تفاسیر کو غیر معتمد اور غیر مستند کہا جائے گا، سیدنا سرکار مفتی اعظم قدس سرہٗ اس مقام کی تفصیل فرماتے ہوتے۔ رقم طراز ہیں:

زہری سے اس حدیث کے اور راویوں نے ''علی باب المسجد'' کا لفظ روایت کیا نہ ''بین یدیہ'' کا فقط اتنا بتایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منبر پر تشریف رکھتے اس وقت اذان دی جاتی، نہ جگہ بتائی دروازہ پر، نہ سمت بتائی کہ حضور کے مقابل اب یہ عیارہ ''بین یدیہ'' کا لفظ سوائے ابن اسحاق کے کسی روایت میں نہ آنے کو الگ کترا گئی کہ اپنے بھی خلاف تھا اور ''علی الباب'' کا لفظ پکڑ لیا کہ اسے ابن اسحاق نے روایت کیا، اوروں کی روایت میں اس کا بیان نہیں۔ اس بنا پر کہتی ہے ''کہ اس کی روایت دیگر ثقات کی روایت کے بھی خلاف ہے۔''

اَقول: **اولاً** اگر اور راویوں کا بیان نہ کرنا معنی خلاف دیتا ہے تو اور راویوں نے یہ بھی بیان نہ کیا کہ اذان حضور کے مقابل ہوتی تو وہ سب ''بین یدیہ'' کے مخالف ہوئے اور ابن اسحاق اس عیارہ کے نزدیک متہم بالکذب ہے اور ان سب راویوں کو ثقہ کہتی ہے تو یہاں سے مالکیہ کا مذہب ثابت ہوا کہ وہ کہتے ہیں خطیب کے سامنے اس اذان کا ہونا بدعت وخلاف سنت ہے۔ بل کہ اور اذانوں کی طرح منارہ پر ہو۔ تو اس کی یہ چوٹ بھی حنفیہ پر ہوئی کہ انھوں نے کثیر ثقہ راویوں کے خلاف متہم بالکذب کی روایت مانی۔

ثانیاً: علما ہزار تصریح فرماتے ہیں کہ ایک بات زائد بیان کرنا مخالفت نہیں، مخالفت یہ ہے کہ اور راویوں نے جو کہا تھا اس کے خلاف بیان کرے نہ یہ کہ اور جس امر سے ساکت یہ اس کا افادہ کرے جوہر النقی جلد ا ص ۱۱۱، ''**ترک بعض الرواة لا یعارض زیادة غیرہ**'' ایضاً ص ۱۰۶ ''**اذکر من ذکر مقدم علی ترک من ترک**۔''

صحیحین وغیر ہا جملہ کتب حدیث میں صد ہا ہزار ہا حدیثیں وہ ملیں گی جن میں بعض رواۃ نے کوئی بات زائد کی ہے اوروں نے بیان نہ کی تو وہ سب شاذ ومنکر ہو کر صحت سے ساقط ہو جائیں گی۔ صحیحین پر اس کی ایک چوٹ یہ بھی ہوئی۔

ثالثاً: بلکہ بکثرت ملے گا کہ ائمہ محدثین متعدد راویوں سے ایک حدیث یوں روایت کرتے ہیں کہ ''**حدثنا فلان و فلان و فلان یزید بعضهم علی بعض**'' یعنی یہ حدیث ہم سے اتنے شیوخ نے بیان کی اور ان میں ایک نے دوسرے سے زیادہ بات کہی، اس

نے وہ کہی جو اس نے نہ کہی تھی، اس نے وہ بڑھائی جو اس نے نہ بتائی تھی۔ امام محدث سب کی زیادتیں جمع کر کے ایک سیاق میں روایت کرتا ہے تو دیوبندی جہالت پر متخالفوں کو جمع کر لیتا ہے۔

رابعاً: علما کا کلام دیکھنا، سمجھنا دیوبندیت کو کہاں نصیب؟ مگر جہان بھر کے ہر ذی عقل سے پوچھ دیکھیے، چھ آدمی کہیں زید عمامہ باندھے ہوئے تھا اور ایک کہے زید سپید عمامہ باندھے ہوئے تھا تو کیا کوئی عاقل اس بیان کو ان بیانوں کے مخالف سمجھ سکتا ہے؟ ہاں! دیوبندی مت کی بات جدا ہے۔

خامساً: علمائے مذاہب اربعہ وجملہ مجتہدین اعلام وصحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں کون سا مفسر قرآن وشارح حدیث ہے جس نے بیان وقائع مذکورہ قرآن وحدیث میں کوئی لفظ زائد نہ بیان کیے ہوں، بلا مبالغہ جس کی ہزار ہا مثالیں کلمات ائمہ وتفاسیر ماثورہ میں ملیں گی اس کے نزدیک معاذ اللہ وہ سب کے سب اللہ ورسول کے مخالف تھے کہ وہ لفظ ذکر کیا جو انھوں نے ذکر نہ فرمایا تھا۔ جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

سادساً: صحیح بخاری وصحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"**ألا أحدثكم حديثاً عن الدجال ماحدث به نبی قومه انه أعور وانه يجيی معه بمثال الجنة والنار فالتی يقول إنها الجنة هی النار وإنی أنذركم كما أنذر به نوح قومه**۔" (بخاری شریف حدیث۔۳۳۳۸، دار الکتاب العربی، بیروت) کیا میں تمھیں دجال کا وہ حال نہ بتاؤں جو کسی نبی نے اپنی قوم کو نہ بتایا وہ کانا ہے اور جنت ودوزخ کی مثال لائے گا تو جسے جنت کہے گا۔ وہ آگ ہے اور تمھیں ایسا ڈراتا ہوں جیسا کہ نوح نے اپنی قوم کو اس سے ڈرایا تھا۔

اس کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان واقع میں معاذ اللہ تمام انبیا علیہم الصلاۃ والسلام کی مخالفت فرمائی کہ وہ بات بیان کی جو ذکر واقعہ دجال میں کسی نبی نے بیان نہ کی تھی۔

سابعاً: خود قرآن عظیم دیکھیے۔ ایک ہی قصہ میں ایک سورت، ایک بیان زائد فرماتی ہے کہ دوسری سورت میں نہ فرمایا تو دیوبندی کے طور پر معاذ اللہ قرآن مجید کی سورتوں کا باہم اختلاف ہوا۔ **لا حول ولا قوة الا بالله العلی العظيم**۔

الحمد للہ۔ آفتاب سے زیادہ روشن ہو گیا کہ محمد بن اسحاق ثقہ ہیں اور دروازۂ مسجد پر اذان جمعہ کی حدیث صحیح ہے، دیوبندی تحریر کی بڑی اصلیں یہی تھیں کہ ایسا شخص کم از کم متہم ہے اور مدلس کا عنعنہ مردود اور راوی کا تفرد مطلقاً مخالفت۔ روشن ہو گیا کہ اس کی ہر اصل میں خطا ہے۔

اب تک جو شہادتیں پیش ہوئیں وہ "**وقاية أهل السنة**" سے گزریں اس کے علاوہ ایک اور محققانہ رسالہ آپ نے ارقام فرمایا جس کا نام "**نفی العار عن معايب المولوی عبد الغفار**" ہے اس میں بھی آپ نے امام محمد ابن اسحاق پر کی ہوئی جرحوں کا بلیغ رد فرمایا جیسا کہ آپ رقم طراز ہیں:

"امام بخاری کے استاذ امام ابن المدینی تو جارح ابن اسحاق کو فرماتے ہیں انہیں ابن اسحاق کا حال معلوم نہ تھا آپ کی اسی تقریب والے ہدی الساری میں فرماتے ہیں جس نے ابن اسحاق پر جرح کی جب سبب بتایا تو ناکافی پایا" (نفی العار عن معایب المولوی عبد الغفار ص: ۱۳)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

"أقول اولا وقایہ دیکھیے یہی امام ابن الہمام کس زور وشور سے فرماتے ہیں کہ ابن اسحاق ثقہ ہے ثقہ ہے اس میں ہمیں اور محققین اہل حدیث کو کچھ شک نہیں اور فرماتے ہیں ابن اسحاق کا ثقہ ہونا ہی نہایت روشن حق ہے اب اگر ابن اسحاق قدری نہیں جب تو یہ آپ کی ساری

تحریر برباد اور اگر قدری ہیں تو کیا امام ابن الہمام ایک محکوم بکفر کو دین الٰہی میں ثقہ ثقہ یقینی ثقہ بتا رہے ہیں اب آپ کے نزدیک ابن الہمام خود کیا ہو گئے۔

ثانیاً بخاری ومسلم دیکھیے ان کے کتنے رواۃ کثیر پر طعن قدر ہے پہلے تو صحیحین کے راویوں کو متروک ہی ٹھہرایا تھا اب کافر ومحکوم بالکفر بنادیا یہ تیس روپے خدا جانے آپ کو کس حال تک پہنچائیں گے۔

ثالثاً تقریب کا پہلا ورق آپ نے پڑھا نہ پڑھیں ملاحظہ ہو جس پر قدر کا طعن ہے اسے پانچویں درجہ میں رکھا اور جس میں کوئی قادح بتایا گیا اسے دسویں میں تو قدر کا طعن ائمہ حدیث کے نزدیک عدالت میں بھی خلل انداز نہیں نہ کہ معاذ اللہ کفر''۔(نفی العارص:۱۵)

مولوی عبدالغفار نے امام ابن اسحاق کو متروک قرار دینے کے لیے عجب گل کھلاے ہیں ایک مقام پر انہوں نے''رمی بالتشیع'' کا ترجمہ کیا''چھوڑا گیا بوجہ شیعہ ہونے کے''۔

سیدنا سرکار مفتی اعظم قدس سرہ نے اس کا شدید فرمایا اور ارشاد فرمایا:

''چلیے امام ابن اسحاق متروک ٹھہرے مولوی صاحب آپ کو ایک ورق تقریب کہیں پڑھ لینا ایسا دوبھر ہے ملاحظہ ہو''رمی بالتشیع'' وغیرہ کو پانچویں درجہ میں رکھا ہے اور متروک کو دسویں میں۔

معلوم ہے کہ صحیح بخاری میں ابن اسحاق سے تعلیقا اور مسلم میں ان سے استشہاداً متعدد حدیثیں روایت کیں تو آپ کے لکھے صحیح بخاری میں متروکین سے تعلیقیں ہیں صحیح مسلم میں متروکوں سے استشہاد ہیں۔

تعلیق واستشہاد کیسے صحیحین کے رواۃ اصول مسانید میں کتنے سوا یسے نکلیں گے کہ تقریب وغیرہ میں ان کو''رمی بکذا'' کہا گیا مولوی صاحب نے صحیح بخاری وصحیح مسلم دونوں ردی کردیں کیا جناب حلف سے کہہ سکتے ہیں کہ کبھی علم حدیث کی ہوا بھی جناب کو لگی ہے۔

اللہ عزوجل نے قذف کی دو صورتیں ارشاد فرمائی ہیں ایک وہ کہ شوہر اپنی عورت کو زنا کی تہمت لگائے اسے فرمایا''والذين يرمون أزواجهم'' اس کے معنی آپ کے نزدیک یہ ہوں گے کہ جو لوگ اپنی بیویوں کو چھوڑیں اور پھر چار گواہ نہ لائیں تو مرد وعورت لعان کریں مولوی صاحب فقہ میں کنز ہی پڑھ لیتے تو اچھا ہوتا۔

دوسرے وہ کہ غیر شوہر کسی پارسا مسلمان عورت کو قذف کرے اسے فرمایا'' و الذين يرمون المحصنات الغافلات المومنات'' اس کے معنی اپنے پر کہیے تو جو لوگ مسلمان پارسا بے خبر عورتوں کو چھوڑتے ہیں ان پر اللہ کی لعنت ہے فرمائیے یہ کون سا چھوڑنا ہے جس پر لعنت کا حکم ہے اللہ عقل دے، حیا دے جناب مولوی صاحب اس علم اس حال پر علوم دینیہ میں جناب کو دخل دیتے شرم چاہیے تھی۔

مولوی صاحب آپ نہیں جانتے کہ''رمی'' بمعنی طعن ہے شرح قاموس میں ملاحظہ ہو تو عبارت تقریب کے یہ معنی تھے کہ ان پر تشیع و قدر کا طعن کیا گیا نہ یہ کہ معاذ اللہ وہ بوجہ تشیع وقدر متروک ہیں۔

پھر طعن کیے جانے سے اس طعن کا واقع میں ثابت ہونا ضرور نہ اس سے راوی کا مجروح قرار پانا لازم آنکھ کھول کر تقریب ہی دیکھیے تو آپ کو اول کی بھی نظیریں ملیں گی''رمي و لم يثبت''طعن کیا گیا اور اس کا ثبوت نہیں اور ثانی کے امثلہ تو نہایت کثرت سے پایئے گا۔

صاحب تقریب کی ہدی الساری مقدمہ صحیح البخاری دیکھ سکیے تو اس میں صحیح بخاری کے ان کثیر راویوں کی فہرستیں پایئے گا جن پر تشیع کا طعن، قدر کا طعن، خروج کا طعن اور کاہے کاہے کے طعن ہوے ہیں'' (نفی العار عن معایب المولوی عبدالغفار ص:۱۲، مطبع اہل سنت و

جماعت بریلی شریف)

گذشتہ اوراق میں سیدنا امام محمد بن اسحاق پر تھانوی جرحوں اور دیوبندی خیانتوں کا سخت علمی محاسبہ اور ناقدانہ ومحققانہ ابحاث اس امر کی روشن دلیل ہیں کہ سیدنا سرکار مفتی اعظم قدس سرہٗ فقہ وافتا کی طرح فن اسماء الرجال میں یکتائے زمانہ اور فرد روزگار تھے بلکہ آپ اپنے دور میں اس فن میں منصب امامت پر جلوہ فگن تھے۔ تھانوی جی اس فن میں آپ کی گرد راہ کو بھی نہیں پہونچ سکتے چہ جائے کہ آپ کے ہمسر ہوں۔ آپ کے یہاں جو گیرائی وگہرائی، نکتہ آفرینی، دقیقہ سنجی، تعمق نظر، وسعت فکر اور محققانہ ابحاث ملتے ہیں تھانوی تحریر میں دور دور تک ان کا نشان نہیں۔

میں نے بہ نظرِ اختصار یہاں پر آپ کی گراں قدر تحریروں کے کچھ اقتباسات اور فنی تحقیقات وتدقیقات پیش کی ہیں از اول تا آخر آپ کی روشن تحریروں کا بہ نظرِ غائر مطالعہ کیا جائے اور انصاف کیا جائے تو جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے حرف بحرف اس کی تائید ملے گی۔ اور اس بات کا واضح ثبوت فراہم ہوگا کہ آپ اس فن میں اپنے والد ماجد کے صحیح اور سچے وارث اور مراۃ جمال وکمال تھے۔

سیدنا سرکار مفتی اعظم قدس سرہ علوم وفنون کے بحر بیکراں فقہ وحدیث واصول حدیث اور فن اسماء الرجال کے بحر ناپیدا کنار تھے۔ اس فن کا شناور ہی کما حقہ آپ کا تعارف کراسکتا ہے۔ آپ اپنے فقہی اوصاف وکمالات اور خصوصی امتیازات کے سبب مفتی اعظم کے حسین مصداق ہیں تو حدیث واصول حدیث اور فن اسماء الرجال میں بھی انفرادی مقام اور امتیازی شان کے مالک ہیں۔

☆☆☆☆☆

ماٰخذ ومراجع

۱-	کتاب الخراج	قاضی الشرق والغرب سیدنا امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ	(م، ۱۸۲ھ)
۲-	فتح القدیر	امام ابن ہمام کمال الدین محمد ابن عبد الواحد سیواسی	(م، ۶۸۱ھ)
۳-	میزان الاعتدال	امام محمد ابن احمد الذہبی	(م، ۷۴۸ھ)
۴-	تہذیب التہذیب	علامہ حافظ شہاب الدین احمد ابن علی ابن حجر عسقلانی	(م، ۸۵۲ھ)
۵-	الترغیب والترہیب	علامہ زکی الدین عبد العظیم ابن عبد القوی منذری	(م، ۶۵۶ھ)
۶-	جوہر النقی	امام ابن الترکمانی	
۷-	تدریب الراوی	علامہ جلال الدین عبد الرحمن سیوطی	(م، ۹۱۱ھ)
۸-	کتاب الثقات	علامہ محمد ابن حبان ابو حاتم تمیمی بستی	(م، ۳۵۴ھ)
۹-	المقاصد الحسنہ	علامہ شمس الدین محمد ابن عبد الرحمن بن محمد سخاوی	(م، ۹۰۲ھ)
۱۰-	مقاصد	علام سعد الدین تفتازانی	(م، ۷۹۱ھ)
۱۱-	شرح مقاصد //	// //	(// //)
۱۲-	الصواعق المحرقہ	علامہ شہاب الدین احمد ابن حجر مکی	(م، ۹۷۳ھ)
۱۳-	ہدی الساری		
۱۴-	طبقات المدلسین	علامہ حافظ شہاب الدین احمد ابن علی ابن حجر عسقلانی	(م، ۸۵۲ھ)

۱۵-	فتح المغیث	علامہ شمس الدین محمد ابن عبدالرحمن بن محمد سخاوی	(م،۹۰۲ھ)
۱۶-	// //	علامہ زین الدین عبدالرحیم ابن حسین عراقی	(م،۸۰۶ھ)
۱۷-	مقدمۂ اصول حدیث	علامہ ابوعمر و عثمان ابن عبدالرحمن ابن صلاح	(م،۶۴۲ھ)
۱۸-	نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ	علامہ ابو محمد عبداللہ ابن یوسف حنفی زیلعی	(م،۷۶۲ھ)
۱۹-	حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی	علامہ محمد ابن محمد شہیر بابن امیر حاج حلبی	(م،۸۷۹ھ)
۲۰-	غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی	علامہ محمد ابراہیم بن محمد حلبی	(م،۹۵۶ھ)
۲۱-	مسلم الثبوت	بحر العلوم علامہ محب اللہ بہاری	(م،۱۱۱۹ھ)
۲۲-	فواتح الرحموت	علام عبدالعلیم محمد بن نظام الدین کندی	(م،۱۲۲۵ھ)
۲۳-	فصول البدائع فی اصول الشرائع	علام شمس الدین محمد ابن حمزہ فناوی	(م،۸۳۴ھ)
۲۴-	شرح معانی الاثار	محدث اجل امام اکبر ابو جعفر بن محمد طحاوی	(م،۳۲۱ھ)
۲۵-	فتاویٰ عالم گیری	جمعیت علماے اورنگ زیب عالم گیر علیہم الرحمہ	
۲۶-	درمختار شرح تنویر الابصار	علامہ محمد ابن علی ابن عبدالرحمن بن محمد حصنی دمشقی	(م،۱۰۸۸ھ)
۲۷-	مسند امام احمد ابن حنبل	امام احمد بن محمد بن حنبل	(م،۲۴۱ھ)
۲۸-	صحیح البخاری	امام محمد بن اسماعیل بخاری	(م،۲۵۶ھ)
۲۹-	صحیح المسلم	امام مسلم بن حجاج قشیری	(م،۲۶۱ھ)
۳۰-	مشکوٰۃ المصابیح	علامہ شیخ ولی الدین عراقی	(م،۷۴۲ھ)
۳۱-	کنز العمال	علامہ علاء الدین علی متقی بن حسام الدین	(م،۹۷۵ھ)

آٹھواں باب

شاعری کا آغاز ابتداءً باب الٰہیات سے ہوا تھا، انسان اپنے معبود کو راضی کرنے کے لیے نغمہ آمیز کلمات کا سہارا لیتا تھا ، مگر بعد میں اس کے دائرے میں وسعت آئی اور اس کا استعمال غزلیہ، ہزلیہ، زرمیہ، مضامین میں زیادہ ہونے لگا، اس تناظر میں اگر دیکھا جائے تو شاعری کا استعمال حمد و نعت میں اصل سے نقل کی طرف مراجعت نہیں بل کہ نقل سے اصل کی طرف

معاودت ہے ۔ دیگر زبانوں کے ساتھ اردو نے بھی صنف نعت سے نگاہیں چرانے میں کم ہی کمی کی ہے ، لیکن یہ امام احمد رضا کا جگر تھا جس نے اپنی سچی اور پاکیزہ مگر شعری محاسن سے مالا مال شاعری سے حمد و نعت کو اس کا وقار واپس کرنے کی تحریک میں تیزی پیدا کر دی ، عصر جدید میں نعتیہ کلاموں کی طرف نئی نسل کا رجحان شعر رضا کا کمال ہے ۔ ابتداءً جب مفتی اعظم نے شاعری کی دنیا میں نعت کے ذریعہ طبع آزمائی کی تو امام احمد رضا نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا ۔ جیسا کہ مولانا مجیب الاسلام ادروی کے مضمون سے اس کی توثیق ہوتی ہے کیوں کہ نوعمری کا یہ دور شاعری کے لیے موزوں نہ تھا ، اس وقت صاحبزادے کو ٹھوس فقہی و علمی تعلیم و تربیت کی ضرورت تھی ، یا حضرت امام کو کشف باطن سے معلوم تھا کہ شاعری تو میرے شہزادے کو بارگاہ غوثیت سے صدقہ مل جائے گی ، اس لیے اس کے لیے جد و جہد کی کیا ضرورت ؟ لیکن حضرت مفتی اعظم جب پختہ عمر کو پہنچ تو رنگ ظاہر ہونا شروع ہو گیا ، آپ نے ہر صنف سخن میں طبع کی آزمائی کی ہے ، حمد ، نعت ، منقبت ، قصیدہ ، رباعیات ، اور سلام وغیرہ کے موضوعات پر کامیاب شاعری کی ہے ۔ اور ہر زمین میں مشکل ہو یا آسان ہر جگہ سرخ رو ہو کر گزرے ہیں ۔ اس باب میں مولانا قمر الحسن قمر بستوی (امریکہ) کا مضمون کافی وقیع ہے ، جس میں انھوں نے جدید تنقیدی میزان میں پیکر تراشی کے حوالے سے گفتگو کی ہے ، نعتیہ شاعری خانوادۂ رضا کا طرہ امتیاز ہے ۔ حضرت نوری بریلوی نے اس سلسلہ خیر و برکت کو آگے بڑھانے میں بہ خوبی اپنا کردار نبھایا ہے ، شاعری سے عشق رسول کا گہرا تعلق ہی نہیں بل کہ اس کے لیے وہ روح کی حیثیت رکھتا ہے ۔ واشگاف لفظوں میں یوں کہنا چاہیے کہ عشق مجازی کے بغیر غزلیہ شاعری کا وجود نہیں اور عشق رسالت پناہی کے بغیر نعتیہ شاعری کا وجود نہیں ۔ جس میں عشق کا مادہ جس قدر زیادہ ہو گا اس کی شاعری میں اسی قدر زور و قوت زیادہ ہو گی ۔ مفتی اعظم کا کلام بلاغت نظام اس گوشے سے بھی کامل نظر آتا ہے ۔ اگلے مقالوں میں اہل علم و فن نے اس باب کے مختلف پہلوؤں سے بحث کی ہے ، مولانا اشرف رضا قادری کا مضمون بڑی تاخیر سے موصول ہوا ۔ لیکن افادیت کے نقطۂ نظر سے شامل کر لیا گیا ہے ۔ اس باب کے آخری مضمون نگار کا نام واضح نہ ہو سکا ، مگر مضمون کی افادیت کے پیش نظر شامل اشاعت کر لیا گیا ہے ۔ صاحب مضمون سے معذرت ہے ۔ اب قارئین انھیں اپنی نظروں میں بسائیں اور عشق رسالت کے آتش مجمر کو خوب ہوا دیں ۔

مقبول احمد سالک مصباحی

مفتی اعظم اور سامانِ بخشش

پروفیسر فاروق احمد صدیقی
شعبۂ اردو، بہار یونیورسٹی، مظفر پور، بہار

علم، تفقہ اور شاعری حضور مفتی اعظم کے خانوادۂ محترم کا طرۂ امتیاز ہے ۔ امام الشعرا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا، استاذ زمن، حضرت علامہ حسن بریلوی، حضرت حجۃ الاسلام حضرت مولانا ریحان رضا، حضرت ازہری میاں قبلہ، ان تمام بزرگوں کو مبدأ فیاض نے دیگر فضائل و

کمالات کے ساتھ ساتھ شعر و سخن کا بھی ذوقِ بلند عطا فرمایا تھا۔ (حضرت جیلانی میاں علیہ الرحمۃ کے شعری کارناموں تک راقم الحروف کی رسائی نہیں۔ اسی لیے ان کا نام نہیں لیا گیا۔) امام احمد رضا کی شاعرانہ عظمت کا تو سارا زمانہ معترف ہے۔ علامہ حسن بریلوی کی شاعرانہ فتوحات کا چرچا عام ہے۔ لیکن حضور مفتی اعظم کی شاعرانہ حیثیت کا عرفان ابھی عام نہیں ہے۔ صرف خواص اہل علم و ادب ہی آپ کی شش جہت شخصیت کے اس پہلو سے بھی واقف ہیں۔ اس لیے ضرورت ہے کہ اس تناظر میں آپ کے فکر و فن کا مطالعہ و تجزیہ کیا جائے۔

'سامانِ بخشش' آپ کا گراں قدر شعری مجموعہ ہے جس کے مشمولات صنف وار کچھ اس طرح ہیں۔

حمد ۲، نعت ۵۳، منقبت ۴، سلام ۴، رباعیات ۶،

حمد خدائے بزرگ و برتر کی تعریف و توصیف کو کہتے ہیں۔ اس میں اس کی عظمت و کبریائی کے جلوۂ صد رنگ کا بیان ہوتا ہے اردو شاعری کے آغاز سے ہی حمد نگاری کی روایت ملتی ہے۔ اردو کا کوئی ایسا شاعر نہیں جس نے تبرکاً و تیمناً ہی سہی، حمد الٰہی میں ایک دو شعر نہیں کہا ہو۔ اس طرح اردو میں حمدیہ شاعری کی بڑی مضبوط اور معتبر اور مسلسل تاریخ موجود ہے۔ یہ اور بات ہے کہ کسی اردو شاعر کے یہاں اس صنف لطیف کو شاعرانہ محاسن سے آراستہ کرنے کی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں ملتی ہے۔ سارے اشعار فکر منظوم کا خشک و بے کیف نمونہ نظر آتے ہیں۔ اس پس منظر میں حضور مفتی اعظم کی حمدیہ شاعری کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں ہر جگہ جمالیاتی حسن کا احساس ہوتا ہے۔ ایک نرم سیر دریا میں جو خوب صورت اور فطری بہاؤ کی کیفیت ملتی ہے وہ یہاں بھی بدرجۂ اتم موجود ہے۔ بعض مقامات پر تو شاعری نے ساحری کا روپ دھار لیا ہے اور صاف محسوس ہوتا ہے کہ (آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں)۔ لطافت خیال اور پاکیزگی بیان کے دل کش نمونے مندرجہ ذیل بندوں میں ملاحظہ ہوں۔ ع

بلبل خوشنوا، طوطی خوش گلو زمزمہ خواں ہیں، گاتے ہیں نغماتِ ہُو
قمریٔ خوش تھا، بولی حق سرۂ فاختہ خوش ادا نے کہا دوست تو

اللہ ہو، اللہ ہو، اللہ ہو، اللہ ہو

صبح دم کر کے شبنم سے غسل و وضو شاہدانِ چمن بستہ صف روبرو
ورد کرتے ہیں تسبیح سبحانہ ہو ولا غیرہ ، ہو ولا غیرہ

اللہ ہو، اللہ ہو، اللہ ہو، اللہ ہو

نغمہ سنجانِ گلشن میں چرچا ترا چہچہے ذکرِ حق کے ہیں صبح و مسا
اپنی اپنی چہک اپنی اپنی صدا سب کا مطلب ہے واحد کہ واحد ہے تو

اللہ ہو، اللہ ہو، اللہ ہو، اللہ ہو

یہ حمد بیس بندوں پر مشتمل ہے اور مخمس کی ہیئت میں ہے۔ اس کا عنوان ہے 'ضربات ہو' اور ٹیپ کا مصرع ہے۔ اللہ ہو، اللہ ہو، اللہ ہو، اللہ ہو۔ یہ ایک طویل حمد ہے، اس سے مفتی اعظم کی پُرگوئی، قادر الکلامی اور انتاجی صلاحیتوں کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ادب و فن کی شریعت میں مجرد قادر الکلامی کوئی قابل تعریف بات نہیں اگر کلام شاعرانہ حسن سے عاری ہے۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ اساتذۂ قدیم کے کلام کا سب سے بڑا حسن یہ ہے کہ اس میں کوئی عیب نہیں ہوتا۔ اور اس کا سب سے بڑا عیب یہ ہے کہ اس میں کوئی حسن نہیں ہوتا۔ یہاں عیب سے مراد لسانی و عروضی اعتبار سے کلام میں کسی نقص کا نہیں ہونا ہے اور حسن سے مراد بھی شاعرانہ آب و رنگ ہے۔ مفتی اعظم کا کمال یہ ہے

کہ آپ کا کلام عروضی ولسانی لحاظ سے بھی بے عیب ہے اور ادبی وفنی محاسن کے اعتبار سے بلند و برگزیدہ ہے۔اس لیے یہ کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ ؂

جب مہر نمایاں ہوا سب چھپ گئے تارے تو مجھ کو بھری بزم میں تنہا نظر آیا

آیئے اب ان کی دوسری حمد کا تجزیہ کریں۔اس کا عنوان ہے ''اذکارِ توحید ذات اسما وصفات وبعض عقائد'' یہ ۹۹ بندوں پر مشتمل ہے۔جیسا کہ عنوان سے مظہر ہے۔اس میں خداے عزوجل کی ۹۹ صفات کا بیان ہوا ہے۔اور ساتھ ہی بعض عقائد بھی زیر بحث آئے ہیں۔ یہ بھی مخمس کی ہیئت میں ہے اور ٹیپ کا مصرعہ ہے ''لا الہ الا اللہ، آمنا برسول اللہ'' اس حمد میں بھی آپ کا تخلیقی شعور تموج پر ہے۔فنی لحاظ سے اس میں حیرت انگیز روانی اور تسلسل کا احساس ہوتا ہے۔ساتھ میں یہ بھی خوش گمانی ہوتی ہے کہ مفتی اعظم حمد نہیں لکھ رہے ہیں۔ بلکہ حمد ربّانی خود جوش طرب میں ان کے خامۂ زرنگار سے باہر آنے کے لیے بے تاب ہے۔ملاحظہ ہو۔

سوتا، پیتا، کھاتا نہیں اس کا رشتہ ناتا نہیں
اس کے پتا اور ماتا نہیں اس کے جورو جاتا نہیں
لا الہ الا اللہ ، آمنا برسول اللہ

روزمرہ کے ہندی الفاظ کا ایسا بے تکلف اور فن کارانہ استعمال شاید ہی کسی اور شاعر کے یہاں ملتا ہو۔آمد ہی آمد ہے اور کیسی جامعیت ہے۔ایک بند میں خداے وحدہ لاشریک کی کئی صفتوں کا بیان ہوگیا ہے۔اس کو کہتے ہیں کوزہ میں سمندر سمودینا۔اور شاعری کے حمد یہ سرمائے میں اس کی مثال عنقا ہے۔

اور اب عقیدہ سے متعلق ایک بند ملاحظہ ہو۔آپ کے زمانۂ پاک میں علماے دیوبند نے امکان کذب باری تعالیٰ کا عقیدۂ باطلہ گڑھا۔اور اس کی صحت پر اصرار کرنے لگے۔اور سادہ لوح عوام کو یہ تاثر دینے لگے کہ توحید کے تنہا ٹھیکے دار وہی ہیں۔ایسے ظالم، جاہل، خودسر اور بدبخت لوگوں کی سرکوبی ضروری تھی۔چناں چہ حضور مفتی اعظم نے اس فریضہ کو اپنی اس حمد میں بخوبی انجام دیا ہے۔ملاحظہ ہو۔

جہل و ظلم و کذب و زنا خواری ، مئے خواری، سرقہ
اس سے یہ ممکن؟ جس نے کہا لاریب اس نے کفر بکا
لا الہ الا اللہ آمنا برسول اللہ

ہے وہ زمان وجہات سے پاک وہ ہے ذمیم صفات سے پاک
وہ سارے محالات سے پاک وہ ہے سب حالات سے پاک
لا الہ الا اللہ آمنا برسول اللہ

روشن ہے یہ جیسے دن اس کا تلوث ناممکن
واقع کہتا ہے موہن اور پھر ہنستا ہے مومن
لا الہ الا اللہ آمنا برسول اللہ

صدقِ رب جب واجب ہے کذب محال اے خائب ہے
جمع دو ضد کب جائز ہے عقل تری کہاں غائب ہے

لا الہ الا اللہ آمنا برسول اللہ

اس طرح حضور مفتی اعظم نے اپنی حمدیہ شاعری سے احقاق حق اور ابطالِ باطل کا بھی کام لیا ہے۔ اس لحاظ سے بھی اردو کے حمد نگار شاعروں میں آپ کی شان امتیاز وانفرادی قائم ہوتی ہے۔ آپ کی حمدیہ شاعری میں مفصل مطالعے کی متقاضی ہے۔ مگر صفحات کی قید لگادی گئی ہے۔ اس لیے اب ''سامان بخشش'' کی نعتیں زیر بحث لائی جارہی ہیں۔ جو تعداد میں ۵۳ ہیں مگر اقدار و معیار کے اعتبار سے اس کے بعض اشعار دوسروں کے دفتر پر بھاری ہیں۔

نعتیہ شاعری سے آپ کا قلبی، روحانی اور ایمانی لگاؤ کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ عشق رسول کی دولت گراں مایہ آپ کے اسلاف کرام اور اجدادِ عظام سے منتقل ہوتی ہوئی آپ تک پہنچی اور آپ نے بڑی فیاضی اور فراخدلی کے ساتھ اس کو اللہ کے بندوں تک پہنچایا ہے۔ جس طرح سیدی اعلیٰ حضرت کے بارے میں ہم اہل عقیدت ہیں۔ ' ڈال دی عظمت مصطفی قلب میں ان کے بعد آپ پر بھی یہ بات پوری طرح منطبق ہوتی ہے۔ کہ یہی آپ کی حیات پاک کا سب سے اہم مشن اور مقدس نصب العین رہا ہے۔ ایسی ذاتِ محمود الصفات جن کے تقویٰ وطہارت کی قسم کعبے میں بھی کھائی جاسکتی ہے۔ اس کے عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پوچھنا ہی کیا۔ جب تک دل عشق رسول میں بریاں اور آنکھیں ان کے فراق میں گریاں نہیں ہوں اس طرح کے اشعار کارگاہِ فکر میں ڈھل ہی نہیں سکتے ؎

کچھ ایسا کردے مرے کردگار آنکھوں میں — ہمیشہ نقش رہے، روے یار آنکھوں میں
کرم یہ مجھ پہ کیا ہے مرے تصور نے — کہ آج کھینچ دی تصویر یار آنکھوں میں

اوراس شعر کے لب ولہجہ پر غور کیجیے اور قربان جائیے۔

فرشتے پوچھتے ہو مجھ سے کس کی امت ہے — لو، دیکھ لو، یہ ہے تصویر یار آنکھوں میں

میں شاہ نشیں ٹوٹے دل کو نہ کہوں کیسے — ہے ٹوٹا ہوا دل ہی مولیٰ ترا کاشانہ

گر پڑ کے یہاں پہنچا مرمر کے اسے پایا — چھوٹے نہ الٰہی اب سنگ در جانانہ

پاؤں کیا میں دل میں رکھ لوں، پاؤں جو طیبہ کے خار — مجھ سے شوریدہ کو کیا کھٹکا ہو نوکِ خار کا

سینہ پہ قدم رکھنا، دل شاد مرا کرنا — دردِ دلِ مضطر کی سرکار دوا کرنا

شہرہ بھی عیسیٰ کا جس بات میں ہے مولا — تم جان مسیحا ہو ٹھوکر سے ادا کرنا

برباد نہ ہو مٹی اس خاک کے پتلے کی — اللہ مجھے ان کی خاکِ کفِ پا کرنا

طائر جاں کی طرح، دل اڑ کے جا بیٹھا کہاں — میرے پہلو میں ابھی تھا، کیا ہوا ملتا نہیں

اردو شعروادب کے ناقدین کی غالب اکثریت اس نقطۂ نظر کی حامل رہی ہے کہ مذہبی شاعری بالخصوص نعتیہ شاعری کا تعلق چوں کہ عقیدے اور عقیدت سے ہے اس لیے اس میں شعری محاسن اور جمالیاتی رنگ کا پیدا ہونا ممکن نہیں۔ اس کا بھرپور جواب تو خود امام

الشعرا حضرت امام احمد رضا نے اپنے ایک شعر میں بہت پہلے دے دیا ہے کہ ؎

جو کہے شعر و پاسِ شعر، دونوں کا حسن کیوں کر آئے　　لا اسے پیش جلوۂ زمزمۂ رضا کے یوں

اور راقم الحروف کہتا ہے کہ ع

تلوار کاٹتی ہے مگر ہاتھ چاہیے

دیکھیے حضور مفتی اعظم نے اپنی نعتیہ شاعری کو کس طرح شاعرانہ آب و رنگ سے مزین کیا ہے۔ بہ الفاظ دیگر اس کو فکرِ بلند اور فنِ لطیف کا دل کش نمونہ بنا کر پیش کیا ہے

طبق پر آسماں کے لکھتا میں نعتِ شہ والا　　قلم اے کاش مل جاتا مجھے جبریل کے پر کا

فق ہو چہرہ مہر و مہ کا ایسے منہ کے سامنے　　جس کو قسمت سے ملے بوسہ تری پیزار کا

آبلوں کے سب کٹورے آہ خالی ہوگئے　　منہ ابھی تر بھی نہ ہونے پایا تھا ہر خار کا

تیرے باغِ حسن کے رونق کا کیا عالم کہوں　　آفتاب ایک زرد پتا ہے ترے گل زار کا

قفس جسم سے چھٹتے ہی یہ پراں ہوتا　　مرغ جاں گنبدِ خضرا پہ غزل خواں ہوتا

کیا کہوں کیسے ہیں پیارے تیرے پیارے گیسو　　دونوں عارض میں ضحیٰ، لیل کے پارے گیسو

شب کو شبنم کی مانند رویا کیے　　صورتِ گل وہ ہم کو ہنسا کر چلے

جو ساقی کوثر کے چہرے سے نقاب اٹھے　　ہر دل بنے مئے خانہ، ہر آنکھ ہو پیمانہ

وہ کہتے نہ کہتے کچھ، وہ کرتے نہ کرتے کچھ　　اے کاش وہ سن لیتے مجھ سے مرا افسانہ

اس طرح کے خوبصورت اور خوش رنگ اشعار سے ''سامان بخشش'' کی نعتیں مملو اور مزین ہیں۔ میں نے بالقصد محض چند نمونوں کے نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ حسب حکم مقالے کو طول نہیں دینا ہے ورنہ ابھی اس بحر میں باقی ہیں لاکھوں لولوے لالہ۔

اور اب چند سطور ''سامان بخشش'' کی منقبت سے متعلق عرض ہیں۔ اس میں کل چار منقبتیں ہیں۔ تین حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی شان میں اور ایک علاء الملت والدین علی احمد صابر کلیری رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں۔ سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے خانوادۂ رضا کی بے پایاں عقیدت و شیفتگی کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ وہ تو دوپہر کے سورج کی طرح درخشاں اور تابناک ہے۔ سلسلۂ قادریہ، سلسلۂ رضویہ کا نشان امتیاز ہے۔ سیدنا امام احمد رضا اور مرشدنا حضور مفتی اعظم اور ان کے تلامذہ و خلفا نے ''بادشاہِ پیر'' کا دامن اس مضبوطی سے ہاتھوں میں تھما دیا کہ وہ انشاء اللہ حشر تک کسی سچے سنّی سے نہیں چھوٹے گا۔ میں بخوف طوالت حضور مفتی اعظم کی تینوں منقبت غوث سے صرف دو دو شعر نقل کروں گا۔ تینوں کی ردیف غوثِ اعظم ہے۔ لیکن قوافی الگ الگ ہیں۔ ملاحظہ ہوں۔

ترا جلوہ نورِ خداغوث اعظم ترا چہرہ ایماں فزا غوث اعظم

خدا تو نہیں ہے مگر تو خدا سے جدا بھی نہیں ہے ذرا غوث اعظم

کھلا میرے دل کی کلی غوث اعظم مٹا قلب کی بے کلی غوث اعظم

نہیں کوئی بھی ایسا فریادی آقا خبر جس کی تم نے نہ لی غوث اعظم

ترا حل ہے تیرا حرم غوث اعظم عرب تیرا، تیرا عجم غوثِ اعظم

خبر لو ہماری کہ ہم ہیں تمھارے کرو ہم پہ فضل و کرم غوث اعظم

اور یہ حضرت علی احمد صابر کلیری رضی اللہ عنہ کی منقبت ہے۔ جو بزبان ہندی ہے۔ نو اشعار پر مشتمل ہے۔ یہاں صرف تین اشعار نقل کیے جا رہے ہیں۔

کیسے کاٹوں رتیاں صابر تارے گنت ہوں سیّاں صابر

مورے کر جوا ہُوک اٹھت ہے موکو لگا لے چھتیاں صابر

تن من دھن سب تو پہ وارے نوریؔ مورے سیّاں صابر

''سامانِ بخشش'' میں چار سلام بہ حضور سیدانام ہیں۔ اور چوں کہ یہ نعت نبی کا حصہ ہے اور نعت رنگ میں ہے۔ اس لیے اس میں تفصیلی گفتگو کرنے کی بجاے میں حضور مفتی اعظم کی رباعیات کو زیر بحث لانا چاہتا ہوں۔ رباعیات تعداد میں کل چھ ہیں۔ رباعی ایک مشکل ترین صنف شاعری ہے۔ اس کے فنی تقاضوں سے عہدہ برآ ہونا ہر شاعر کے بس کی بات نہیں۔ لیکن حضور مفتی اعظم نے اس وادی پرخار کو بھی بڑی سلامت روی سے طے کیا۔ اور یہ اس امر کا بیّن ثبوت ہے کہ آپ خداداد انتاجی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ زبان و بیان پر آپ کو کامل دسترس حاصل تھی۔ اظہارِ خیالات میں کہیں آپ کا قلم عجز بیانی کا شکار نہیں ہوا ہے۔ بل کہ یہاں بھی آپ نے شعری حسن کو برقرار رکھا ہے۔ ایک رباعی میں آپ نے اپنی شاعرانہ فتوحات کا یوں تذکرہ کیا ہے ؎

گل ہاے ثنا سے مہکتے ہوے ہار
سقمِ شرعی سے ہیں منزّہ اشعار
دشمن کی نظر میں نہ کھٹکیں کیوں کہ
ہیں پھول مگر ہیں چشم اعدا میں خار

عام طور پر شاعروں کے ہاں فخر کا اظہار ملتا ہے۔ اس کو شاعرانہ تعلّی بھی کہتے ہیں۔ دنیا کا کوئی ایسا شاعر نہیں جس نے ایک دو شعر ہی سہی، اس مزاج و نوعیت کے نہیں کہے ہوں۔ اس کے برعکس حضور مفتی اعظم کا تقدس مآب قلم اپنی ہیچ مدانی کا یوں تذکرہ کرتا ہے۔ ؎

دنیا تو یہ کہتی ہے سخن ور ہوں میں
سارے شعرا کا آج سرور ہوں میں
میں یہ کہتا ہوں یہ غلط ہے سو بار غلط
سچ تو ہے یہی کہ سب سے احقر ہوں میں

حضور مفتی اعظم بلاشبہ اپنے وقت کے ولی کامل اور قطب اعظم تھے۔ وہ گفتار میں، کردار میں اللہ کی برہان تھے لیکن ایک رباعی میں ان کا حد درجہ انکسار اور خشیت الٰہی ملاحظہ ہو۔

حد بھر کا زیاں کار وسیہ کار ہوں میں
امت میں بڑا سب سے گنہ گار ہوں میں
پر دل کو ہے اپنے اس سے ڈھارس
فرماتا ہے اللہ کہ غفار ہوں میں

ہم میں سے ہر شخص اس رباعی کے مرکزی خیال کو اگر پیش نظر رکھے تو واقعی اس کی عاقبت سنور جائے گی۔

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہیے اس بحر بے کراں کے لیے

☆☆☆☆☆

حضرت نوری بریلوی کی شاعرانہ پیکر تراشی

مولانا محمد قمر الحسن قمر بستوی مصباحی

ایم۔اے۔علیگ (امریکہ)

”یہ مقالہ امام احمد رضا قدس سرہٗ کے چھوٹے صاحب زادے عارف باللہ علامہ اجل حضرت شاہ مصطفیٰ رضا خاں قادری برکاتی ملقب بہ مفتی اعظم متخلص بہ نوری بریلوی علیہ الرحمہ کی شاعری کے متعلق ”حضرت نوری بریلوی کی شاعرانہ پیکر تراشی“ کے عنوان سے ترتیب دیا گیا ہے۔جس میں اسلوب نعت کی رواداری کے ضمن میں کلام کی پیکریت پر بحث کی گئی ہے۔“ راقم غفرلہ

نبی مرسل صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ سِحْراً وَاِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حِکَماً۔ (۱) اس حدیث کی روشنی میں یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ بعض بیانات میں جادو کا اثر اور بعض اشعار میں حکمت ودانائی ہوتی ہے۔اس کا ثبوت شعراے متقدمین ومتاخرین کے دواوین ہیں جن کو دیکھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ اشعار نے وقت پر کتنا اہم کارنامہ انجام دیا ہے اور کیسے کیسے ماحول کی کایا پلٹ دی ہے؟ اس دعویٰ کے پیش نظر نظامی عروضی سمرقندی کے یہ خیالات بڑی اہمیت کے حامل ہوجاتے ہیں:

شاعری صناعتی ست کہ شاعر بداں صناعت اتساق مقدمات موہمہ کند والتیام قیاسات منتجہ برآں وجہ کہ معنی خرد را بزرگ گرداند ومعنی بزرگ را خرد ونیکو را درخلعتِ زشت باز نماید وزشت را درصورت نیکو جلوہ کند و بایہام قوتہاے غضبانی وشہوانی را برانگیز دتا بداں ایہام طباع را انقباضی وانبساطی بود وامور عظام را درنظام عالم سبب شود (۲)

شاعری ایک ایسی صنعت ہے کہ شاعر اس سے مقدمات موہمہ کی ترتیب اور قیاسات منتجہ کی آمیزش ایسے طریقہ پر کرتا ہے کہ چھوٹے معنیٰ کو بڑا کردیتا ہے اور بڑے کو چھوٹا، نیز عمدہ کو برے لباس میں ڈھال دیتا ہے اور قبیح کو صورت جمال میں جلوہ گر کردیتا ہے۔ایہام کے ذریعہ قوت غضبانی وشہوانی ابھارتا ہے تاکہ اس ایہام سے طبیعت کو انقباض و انبساط حاصل ہو اور نظام عالم میں بڑے کاموں کا ذریعہ ہو۔

شاعری کے تنوعات میں نعت، قصیدہ، مثنوی، رباعی، غزل اور نظم وغیرہ سبھی آتے ہیں۔ان جملہ اصناف میں پیکر تراشی کی قدریں کچھ زیادہ ہی قدیم ہیں۔خصوصاً قصائد کی تشبیب اور غزل میں پیکر کا عنصر بہت پرانا ہے۔مثلاً عربی شاعر ابوطیب احمد بن حسین جعفی معروف بہ متنبی (متوفی ۳۵۴ھ) نے اپنے ایک قصیدہ کی تشبیب میں محبوب کو ایک ایسے نورانی پیکر میں ڈھالا ہے جہاں ظلمتوں کا گزر نہیں ہوتا۔

اَمِنَ ازْدِیَارکِ فِی الدُّجٰی الرُّقَبَاءُ اِذْحَیْثُ کُنْتِ مِنَ الظَّلَامِ ضِیَاءُ (۳)

ترجمہ: رقیبوں کو اطمینان ہے کہ میں تاریکی میں تجھ سے نہیں مل سکتا۔کیوں کہ تو تاریکیوں میں جہاں کہیں ہوتا ہے روشنی ہی روشنی ہوتی ہے۔

پھر ایک دوسرے قصیدہ میں جو سیف الدولہ کی بہن کے انتقال پر مرثیہ کہا ہے ایک بڑی دل کش پیکر تراشی کی ہے۔جس کا شعر یہ ہے۔

حَتّٰی اِذَا لَمْ یَدَعْ لِیْ صِدْقُہٗ اَمَلاً شَرِقْتُ بِالدَّمْعِ حَتّٰی کَادَ یَشْرَقُ بِیْ (۴)

ترجمہ: یہاں تک کہ جب اس کی موت کی سچی خبر نے میرے لیے کوئی امید نہیں چھوڑی تو کثرت اشک کے باعث مجھے اچھّو ہو گیا۔ یہاں تک کہ قریب تھا کہ میری وجہ سے آنسوؤں کو اچھّو لگ جائے۔

اس شعر میں حسّی پیکر تراشا گیا ہے۔ آنسوؤں کو اُچھّو لگنا ایک علامتی پیکر بنایا گیا اور اس کی تجسیم کے بعد پھر اس کی لمسی پیکریت اجاگر ہوئی۔

اسی طرح فارسی شاعری میں بھی پیکریت کا تصور بہت پہلے سے موجود ملتا ہے اور ان تصورات کی چاندنی ہر جگہ سجی نظر آتی ہے۔ فارسی کا قدیم صاحبِ دیوان شاعر ابوعبداللہ جعفر بن محمد بن حکیم بن عبدالرحمن بن آدم معروف بہ رودکیؔ (متوفی ۳۲۹ھ) سامانی دور کے حکمران اپنے ممدوح نصر بن احمد سامانی کی مدح میں ایک قصیدہ کے اندر کہتا ہے

ریگ آموی و درشتی راہ او زیر پایم پرنیاں آید ہمی

دریائے آموی کی سخت ریت میرے پیروں میں پرنیاں بن کر آ رہی ہے۔

میر ماہست و بخارا آسماں ماہ سوی آسماں آید ہمی

میر چاند ہے اور بخارا آسمان، چاند آسمان کی طرف آرہا ہے۔

میر سروست و بخارا بوستاں سرو سوے بوستاں آید ہمی (۵)

میر سرو ہے اور بخارا باغیچہ سرو باغیچہ کی طرف آرہا ہے۔

ان تمام اشعار میں ریت کا پرنیان سے، شخص کا ماہ و سرو سے استعارہ پیکریت کا گل کھلا رہا ہے۔

نعت کے ساتھ جملہ اصناف سخن میں پیکر تراشی کا تصور تقریباً ہر دور میں پایا جاتا رہا ہے۔ اس طرح کی شاعری میں پیکریت کا دائرہ بہت وسیع ہوتا ہے۔ کیوں کہ فکر کے دائرۂ عمل کی کوئی حد متعین نہیں ہوتی، اس لیے حسی، مادی اور دیگر طرح کے پیکر تراشنے میں کوئی قباحت لازم نہیں آتی مثلاً غالب کے ان اشعار کو دیکھیے:

رگ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا جسے غم سمجھ رہے ہو وہ اگر شرار ہوتا

دل مرا سوز نہاں سے بے محابا جل گیا آتش خاموش کی مانند گویا جل گیا

مجھے اب دیکھ کر ابر شفق آلود یاد آیا کہ فرقت میں تری آتش برستی تھی گلستاں پر

ان اشعار میں رگِ سنگ سے لہو کا ٹپکنا، غم کا شرارہ ہونا، آتش خاموش کے مانند جلنا، فرقت میں گلستاں پر آتش کا برسنا سے آتشیں پیکر تراشے گئے ہیں اور استعاروں سے پیکریت کا کام لیا گیا ہے۔

اسی طرح مومن کی شاعری میں پیکریت کی جو گہما گہمی دکھائی پڑتی ہے وہ بھی اسی وسیع دائرۂ فکر کی ایک تابندہ تصویر ہے۔ ان اشعار کو دیکھیے:

اس غیرت ناہید کی ہر تان ہے دیپک شعلہ سا لپک جائے ہے آواز تو دیکھو

نامہ روتے میں جو لکھا تو یہ بھیگا کاغذ کہ بنا ہم گہرِ صفحۂ دریا کاغذ

ان دونوں شعروں میں استعارہ کے زور سے لطیف پیکر تراشے گئے ہیں۔ کیونکہ پہلے شعر میں مغنیہ کا ناہید فلک سے استعارہ کیا گیا

ہے جس میں ہر تان ایک شعلہ کی مانند لپکتی ہے اور دوسرے شعر میں آنسو کا گہر سے اور کاغذ کا دریا سے، اس طرح پیکر تراشی کے مفہوم کو ایک وسیع وعریض میدان فراہم ہورہا ہے۔ مگر نعتیہ شاعری میں پیکر تراشی محدود ہوتی ہے۔ کیوں کہ استعارہ سے حاصل شدہ مفاہیم میں اگر ذرا سی کمی ہوئی یا کچھ زیادتی ہوئی تو تنقیص وغلو کی وجہ سے بہر نوع ایمان کے لیے خطرہ رہتا ہے۔ ہاں! اتنی بات ضرور ہے کہ پیکریت کی ہر نوع کو بہ قرینۂ ادب صنف نعت میں جگہ دی جاسکتی ہے۔ خواہ حسّی ہو یا مجرد یا مادّی مگر نعتیہ شاعری میں پیکریت کی جملہ ساماں طرازیاں اس وقت دوبالا ہوجاتی ہیں جب پیکر تراشی میں بے مثلیت کا تصور ابھر کر نظروں میں آتا ہے۔ اس لیے کہ نعت کے علاوہ جتنی بھی اصناف سخن ہیں ان کی شاعرانہ تکنیک میں محبوب کے لیے تشبیہات واستعارات میں ہر مشبہ اور مستعار منہ کا استعمال جائز ہے لیکن نعتیہ شاعری میں پیکر تراشی کے لیے بے مثلیت درکار ہوتی ہے۔ اس لیے کہ ممتنع النظیر ذات کے لیے لفظوں کا توازن غیر معتدل اور سقیم نہیں ہونا چاہیے۔ جیسی بے مثل ذات ہو اسی طرح متوازن، وقیع، پاکیزہ اور خوبصورت الفاظ کا ذخیرہ فراہم کیا جائے۔

میں پیکر تراشی پر روشنی ڈالنے سے پہلے اس امر کی وضاحت ناگزیر سمجھ رہا ہوں کہ پہلے شاعر کا مستویٰ مقرر کیا جائے پھر اس تناظر میں اس کے کلام کا جائزہ لیا جائے چوں کہ سخن کی جملہ اصناف کے لیے معیار شاعری کیا ہوتا ہے یہ قریب قریب واضح ہے۔ جیسا کہ نظامیؔ عروضی سمرقندی کا خیال ہے۔

''اما شاعر باید کہ سلیم الفطرۃ، عظیم الفکرۃ، صحیح الطبع، جید الرویہ، دقیق النظر باشد۔ <u>درانواع علوم متنوع باشد و در اطراف رسوم مستطرف</u> زیرا کہ چناں کہ شعر در ہر علمی بکار ہمی شود و ہر علمی و در شعر بکار ہمی شود''(۶)

''لیکن شاعر کو چاہیے کہ سلیم الفطرۃ، بلند فکر، صحیح طبیعت، عمدہ خیال اور دقیق نظر ہو۔ اقسام علوم میں متنوع اور طرح طرح کی عادات وآئین بہرہ ور اور مستفیض ہو کیوں کہ جس طرح شعر کا تمام علوم میں کام پڑتا ہے۔ اسی طرح شعر میں تمام علوم کی ضرورت ہوتی ہے۔''

نعتیہ شاعری کے لیے خط کشیدہ عبارت ''درانواع علوم متنوع ودر اطراف رسوم مستطرف'' سنگ میل کا درجہ رکھتی ہے۔ اس لیے کہ اس میں اگر علمی تنوعات کا فقدان ہوگا تو لامحالہ کہیں نہ کہیں ٹھوکر لگے گی اور شعر کا قالب بجائے مدح کے ذم کا لباس پہن لے گا۔ اس لیے خصوصاً علم قرآن، علم حدیث، علم تفسیر، علم فقہ، علم کلام، علم منطق وفلسفہ وغیرہ پر ید طولیٰ ہونا ضروری ہے۔ اگر شاعر ان سے متعدد حصہ نہیں رکھے گا تو اشعار میں تازگی وشگفتگی، لذت وسوختگی اور محبت واطاعت کے جذبات کا انگیز کما حقہ نہیں ہوسکے گا بلکہ اشعار لفظوں کی مربوط شکل تو ہوں گے مگر شعریت سے عاری۔

پیکر تراشی پر بحث : قدیم شاعری میں جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ پیکر تراشی کے نمونے ضرور ملتے ہیں۔ تشبیہات و استعارات کے روپ میں ان کی جلوہ گری نظر آتی ہے مگر جدید شاعری میں یہ اصطلاح انگریزی ادب کے لفظ امیجری (Imagery) سے لی گئی ہے جیسا کہ خورشید احمد صدیقی کا خیال ہے کہ :

''انگریزی تنقید کے اثر سے اردو میں Image (امیج) کا تصور اب غیر معروف نہیں رہا۔ اس کا ترجمہ اردو والوں نے پیکر، نقش، تمثال یا شبیہہ کیا ہے۔ لیکن پیکر ہی کا چلن اب زیادہ ہوگیا ہے۔''(۷)

مگر۔۔۔۔ عبدالنعیم عزیزی کا خیال ہے کہ:

''اردو شاعری میں پیکر کی اصطلاح انگریزی ادب سے لی گئی ہے۔ جدید اردو شعرا کے یہاں پیکر تراشی کا

رجحان زیادہ ہے اور جدید شاعری کی پیکریت میں تصویری حسن، خیال کی ندرت، اور تلازموں کی فضا سے معنویت بڑھی ہے اور اس نئی شاعری کے پیکر اپنے دور کے تہذیبی اور معاشرتی حالات کا نتیجہ ہیں۔'' (۸)

پیکر تراشی کی اب تک کوئی جامع تعریف نہیں کی گئی ہے جس سے اس کا کلیۃً احاطہ کیا جاسکتا البتہ ارباب نقد نے کچھ اس طرح اظہار خیال فرمایا ہے۔ خورشید احمد صدیقی رقمطراز ہیں:

''اب تک پیکر کی کوئی ایسی تعریف نہیں پیش کی جاسکی جسے سب مانتے ہوں۔ مثال کے طور پر اکلٹن تجریدی الفاظ (مثلاً سچائی وغیرہ) میں بھی پیکر کی موجودگی تسلیم کرتے ہیں۔ جب کہ شر برِ، اسے تشبیہ اور استعارے تک ہی محدود رکھنا چاہتے ہیں۔ اور کچھ لوگ ایسی تشبیہوں کو جو ہمارے حواس خمسہ کو متاثر نہیں کرتیں۔ (مثلاً اتنا پیاسا تھا میں اس دن جتنا چاہ کا مارا ہوا) پیکر کے زمرے سے خارج سمجھتے ہیں۔ ہمارے نزدیک پیکر کی آسان تعریف جذبہ انگیز، حسیاتی، لفظی تصویر ہے۔'' (۹)

عبدالنعیم عزیزی نے پیکر کی تعریف سے متعلق مندرجہ ذیل ناقدین کی آرا جمع کی ہیں۔

۱) ''مس ڈانی (Miss Dawney) کا خیال ہے کہ پیکر کو محض مادی یا مادی تصویر کی حیثیت سے نہیں دیکھنا چاہیے۔ جس میں ایک قسم کی حسی خصوصیت ہوتی ہے۔

۲) مس اس پرجیون (Miss Spurgean) پیکر کی اصطلاح تشبیہہ، استعارہ اور ان کے تمام مرکبات یا ان جیسی چیزوں کے لیے استعمال کرتی ہیں۔

۳) سی۔ ڈے۔ لیوس (C. Day Lewes) کا خیال ہے کہ پیکر لفظوں سے بنائی گئی تصویر ہے اور اس خصوصیت کی وجہ سے فوگل (Fogle) پیکر کو شاعری کے حسّی عناصر قرار دیتا ہے۔'' (۱۰)

مگر پروفیسر عنوان چشتی نے پیکر کے تعلق سے جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ یوں ہیں:

''پیکر تراشی کا عمل شاعر کے تخلیقی عمل سے وابستہ ہے۔ وہ مادی اشیا حقائق اور احوال کو اپنے تخلیقی سفر کا نقطۂ آغاز بناتا ہے۔ اور ادراک کو جذبے اور جذبے کو تخیّل سے ہم کنار کرتا ہے۔ تخییل ادراک اور جذبے کے کیف مرکب میں رنگ بھرتی ہے اور اس کو نئی معنویت عطا کرتی ہے۔ شاعر کی تخلیقی قوت اس کو ذہنی پیکروں اور علامتوں میں تبدیل کرتی ہے۔ اس عمل میں شعور اور لاشعور ایک دوسرے سے اشتراک کرتے ہیں۔ مختصراً کہا جاسکتا ہے کہ تخلیقی عمل کے دوران شاعر کا سفر خارج سے باطن کی طرف اور پھر باطن سے خارج کی طرف ہوتا ہے۔ پہلی منزل میں شاعر ادراک، تاثیر اور کیفیات کو تجرید عطا کرتا ہے۔ اور پھر ذہنی پیکروں کو لسانی پیکریت میں تبدیل کر کے اس تجرید کی تجسیم کرتا ہے۔ اس لیے ذہنی پیکروں اور لسانی پیکروں میں نامیاتی تعلق ہے۔ لسانی پیکر ذہنی پیکر کا خارجی روپ ہوتا ہے۔'' (۱۱)

ان خط کشیدہ تحریروں میں پیکر تراشی کے جن خط و خال کو اجاگر کیا گیا ہے۔ ان سے پیکریت کی بھرپور عکاسی ہوتی ہے۔ خارج سے باطن کی طرف سفر کے دوران شاعر کی فکر تجریدی مراحل کو عبور کرتی ہے جس میں مادیات کو تجریدی قالب میں ڈھال کر اس میں فنون شعر کی سحر طرازیاں کی جاتی ہیں۔ پھر یہی عمل جب تجرید سے مادیات کی طرف منتقل ہوتا ہے تو اس میں جاذبیت، حسن، جمالیاتی عناصر اور مشمومات جیسے بے شمار پیکر ابھرتے ہیں۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی پیکر تراشی پر نظر ڈالتے ہوئے اس کی تعبیر ان مختصر لفظوں میں پیش کرتے ہیں۔

''شاعر کے فنی پہلو میں پیکر تراشی بنیادی حیثیت رکھتی ہے اور اس کا ہیولیٰ شاعر کے ذاتی اور اجتماعی تجربات کے ہاتھوں تیار ہوتا ہے۔''(۱۲)

گویا ڈاکٹر عبادت بریلوی کے نزدیک پیکر تراشی کے لیے ذاتی اور اجتماعی تجربات کلیدی حیثیت رکھتے ہیں۔اس تناظر میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ موصوف پیکر تراشی کو ذاتی آہنگ تک مقید رکھنا چاہتے ہیں۔اگر چہ اس کے داخلی اور خارجی احساسات وسیع تر ہوں۔تاہم رنگ و جمال کے تار و پود یا تصورات کے محسوس ہیولیٰ جات اس وقت تک وجود پذیر نہیں ہو سکتے، جب تک شاعر کا ذاتی تجربہ اس میں ماہیت بن کر شامل نہ ہو۔

مذکورہ بالا بیانات میں پیکر کی جو آئینہ بندی کی گئی ہے ان میں حس کو محور قرار دیا گیا ہے۔مگر تمثال یا پیکر کا صرف حسّی ہونا کوئی ضروری نہیں بلکہ ذہنی بھی ہو سکتا ہے۔ابن فرید کا خیال ہے کہ:

''تمثال کے بارے میں ایلیٹ (Eliot) اور ایزراپاونڈ (Ezrapound) وغیرہ نے اس امر پر زور دیا ہے کہ یہ صرف حسی نہیں ذہنی بھی ہو سکتی ہے۔لیکن نہ صرف یہ لوگ بلکہ ٹوئی (Tuve) اور کرموڈ (Kermode) بھی جب تفصیل میں جاتے ہیں تو ان کی ذہنی تمثالیں حسّی تمثال تک ہی محدود ہو کر رہ جاتی ہیں۔اس لیے تمثال کو حواس خمسہ سے غیر متعلق کرنا اسے اس کے فطری حسن سے محروم کر دینا ہے اور یہ کسی طرح ممکن بھی نہیں ہوتا۔''(۱۳)

ان تمام بحثوں کا مدار پیکریت کے اس خدوخال کو اجاگر کرتا ہے جس کا محور عرضیے اگر چہ اس میں ذہنی احساسات اور ذاتی و خارجی ادراکات و تجربات کو داخل کر لیا گیا ہے مگر تعریف کی فصل ممیز اس کو نہیں بنایا جاسکتا۔بلکہ پیکریت کا مفہوم اخذ کرنے کے لیے فن کی اصطلاحات کا سہارا بھی لینا پڑتا ہے جن کو تعریف کی جنس قریب کہا جاسکتا ہے مثلاً استعارہ، کنایہ، تشبیہ، علامت، اسم، فعل وصفت وغیرہ جیسا کہ خورشید احمد صدیقی کا خیال ہے:

''پیکر کی تخلیق استعارہ، کنایہ، تشبیہ، علامت اسم و فعل صفت وغیرہ سے ہوتی ہے۔ان میں استعارات و تشبیہات، کنایات اور افعال پیکر سازی کے بہترین وسائل ہیں۔''(۱۴)

پیکریت کی تقسیم : پیکر کی دو قسمیں کی جاسکتی ہیں: (۱) بسیط پیکر (۲) مخلوط پیکر

بسیط پیکر : کسی حقیقت کو تخیل کے ذریعہ بے پناہ وسعت مل جائے۔اس سے جو پیکر ابھرے گا وہ بسیط پیکر ہوگا یا کسی ماہیت کو قوت متخیلہ کے ذریعہ منفرد حس کا لباس پہنایا جائے۔

مخلوط پیکر : جب کئی پیکر ایسے ہوں جو مختلف حواس سے متعلق ہوں اور سب مل کر ایک پیکر کھڑا کریں تو وہ مخلوط پیکر ہوگا۔

پھر بسیط پیکر کی حواس خمسہ کے اعتبار سے پانچ قسمیں ہوتی ہیں۔

(۱) **بصری پیکر** : جس کا تعلق قوتِ باصرہ سے ہوتا ہے کہ قوت متخیلہ حالات و واقعات، رنگ و حرکت سے پیکر بنائے۔

(۲) **لمسی پیکر** : جو قوت لامسہ پر موقوف ہو کہ کسی شی کے چھونے یا سردی و گرمی سے قوت خیالیہ اس کو اخذ کرے۔

(۳) **مذوقی پیکر** : جو قوت ذائقہ کو متاثر کرے کہ قوت خیالیہ چکھنے سے اس کو حاصل کرے۔

(۴) **مشامی پیکر** : جو قوت شامہ سے متعلق ہو کہ کسی خوشبو یا اس کے لوازمات سے قوت متخیلہ مشام کو متاثر کرے۔

(۵) **سماعی پیکر** : جس کا تعلق قوت سامعہ سے ہے یعنی کسی صوتی حسن و آہنگ یا حالات و واقعات سے قوت سامعہ متاثر ہو۔

اس مذکورہ تمہید کے بعد اب میں آپ کی توجہ حضرت نوریؔ بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی شاعری میں پیکر تراشی کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ مگر شعری نقد سے پہلے شاعر کی ذاتی زندگی کا جاننا ناگزیر ہے تا کہ یہ واضح ہو جائے کہ جس کی شاعری پر بحث کی جا رہی ہے اس کی زندگی کا معیار کیا تھا۔

حضرت نوریؔ بریلوی علیہ الرحمہ

جب بھی کسی شخص کی شاعری اور اس کی فکری کاوش کا جائزہ لینا ہو تو یہ امر ضروری ہوتا ہے کہ اس کے گرد و پیش پائے جانے والے اس ماحول کو دیکھا جائے جس میں اس کی جولانی طبع افکار کے موتی لٹا رہی ہے۔ کیوں کہ ماحول کا شعر پر بہت گہرا اثر پڑتا ہے۔ شاعر جب اپنے گرد و پیش سے متاثر ہوتا ہے تو اس کے کلام میں سوز و شگفتگی دونوں ایک ساتھ جنم لیتی ہیں۔ اس تناظر میں حضرت نوریؔ بریلوی علیہ الرحمہ کے تاریخی پس منظر کا خاکہ سجانا بھی از بس کہ ضروری ہے۔

حضرت نوریؔ بریلوی علیہ الرحمۃ نے ۲۲؍ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ - ۷؍جولائی ۱۸۹۳ء کو بروز جمعہ اس خاک دان گیتی میں آنکھ کھولی۔ (۱۵) ۱۲۲۸ء میں تعلیم مکمل فرمائی (۱۶)

یہ وہ دور تھا جس میں ہندوستان کے اندر اسلامی قدروں کا استحصال ہو رہا تھا، ایک طرف انگریز سامراج تھا اور دوسری طرف ہندوتوا کا سازشی جال بچھایا جا رہا تھا۔ پھر ۱۴؍محرم الحرام ۱۴۰۲ھ - ۱۲؍نومبر ۱۹۸۱ء کو آپ نے رحلت فرمائی۔ (۱۷) اس ۹۱ برس کا جو ماحول ہندوستان کی تاریخ میں گزرا وہ کوئی ایسا نہ تھا جس میں گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر ضرب حق کا شغف رکھا گیا ہوتا۔ بل کہ ہر محاذ پر سینہ سپر ہو کر مقابلہ کیا جا رہا تھا۔ پورے ہندوستان میں زہریلی ہوائیں چل رہی تھیں اور ہر طرف ماتم پر شور کا عالم تھا، قتل و غارت گری، شعائر اسلام کی پامالی، شدھی تحریک کا زور، بساط سیاست پر کانگریسی ملاؤں کی ترک تازیاں مسلمانوں کا احساس محرومی کیا کچھ نہ تھا۔ ایسے ماحول میں حضرت نوریؔ علیہ الرحمہ کی ذمہ داریاں یک گونا نہیں بلکہ گونا گوں تھیں۔ ادارہ کا اہتمام، فتویٰ نویسی، رشد و ہدایت، مناظرہ و مباحثہ، سیاست سے پنجہ آزمائی، شدھی تحریک کا انسداد، مسلمانوں کی دل جوئی، شعائر اسلام کا تحفظ اور ناموس رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حفاظت کیا کیا نہ تھا سب کچھ کرنا تھا۔ دل میں شعائر اسلامی کے مٹائے جانے پر لاوا پکتا رہتا۔ گویا زندگی کا لمحہ لمحہ شدید ترین مصروفیت کی نذر ہو گیا تھا۔ بہ قول مولانا سید شاہد علی رضوی:

> ''حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ رضوی دار الافتا کے اہتمام اور کارِ فتویٰ کی زیادتی کے سبب صرف مخصوص طلبہ کو پڑھاتے تھے۔'' (۱۸)

پھر کچھ دور آگے چل کر رقم طراز ہیں:

> ''امام احمد رضا قدس سرہٗ کے وصال کے بعد رضوی دار الافتا میں آنے والے ہزارہا مسائل کے لکھنے والے صرف دو تھے ایک حضرت مفتی اعظم دوسرے حضرت صدر الشریعہ۔ حضرت حجۃ الاسلام قدس سرہٗ اگر چہ حضرت مفتی اعظم کے استاد تھے۔ خود زبردست مفتی تھے مگر مسائل ان دونوں حضرات کے یہاں ارسال فرما دیتے۔ بہت کم ایسا اتفاق ہوتا کہ خود کوئی فتویٰ تحریر فرماتے۔ اور جب حضرت صدر الشریعہ اجمیر شریف چلے گئے تو تنہا مفتی اعظم رضوی دار الافتا میں آنے والے تمام مسائل کو لکھا کرتے۔'' (۱۹)

ان تمام مصروفیات کے باوجود مشق سخن کی جولانیت کو بھلا کب راہ ملتی۔ مگر سوز عشق کی جلوہ سامانیاں قلب عاشق پر ابھرنے والے

زریں نقوش کو صفحۂ قرطاس پر اتارتی رہتیں اور یوں ہزار مصروفیت کے رہتے ہوئے بھی مشق سخن جاری رہتی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت نوری کی شاعری میں خارجی اثرات کے جذباتی احساسات سوز دروں بن کر داخل کو مزید رنگ آمیز کر دیتے تھے۔ بات صرف سخن سنجی کی نہ تھی بل کہ اسلام کے تحفظ اور ناموس رسالت کی عصمت کی تھی۔ پھر کیا تھا اشعار کے قالب میں دو دعشق کی گرمی اتر آئی۔

نعتیہ شاعری میں پیکر تراشی : جس طرح پیکر تراشی اصناف سخن کے لحاظ سے قدیم ہے اسی طرح نعت میں اس کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ اگر چہ قدیم شاعری بیشتر سادہ، سپاٹ اور طبعی ہوتی تھی مگر کہیں کہیں پیکریت کی ایسی تابناک مثالیں ملتی ہیں جن سے وجدان میں سرور پیدا ہوجاتا ہے۔ بارگاہ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کے محبوب ترین شاعر حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ (متوفی ۵۴ھ - ۶۷۴ء) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں رطب اللسان ہیں شعر دیکھیے:

فَاَمسٰی سِرَاجاً مُستَنِیْراً وَهَادِیاً یَلُوْحُ کَمَا لَاحَ الصَّقِیْلُ الْمُهَنَّدُ (۲۰)

ترجمہ: تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک روشن چراغ ہیں اور ہدایت فرمانے والے۔ اس طرح چمک رہے ہیں جیسے صیقل کی ہوئی ہندوستانی تلوار۔''

اس میں دو طرح کے پیکرِ آتشیں و نوری تراشے گئے ہیں۔ روشن چراغ ہونا صیقل شدہ تلواروں کی طرح چمکنا پیکر تراشی کی جاذب اور دلکش مثالیں ہیں۔

خواجہ الطاف حسین حالی کا خیال ہے کہ بعض وہ الفاظ جو نعتیہ شاعری کے لیے غیر مناسب تھے جب قدیم شعرا نے ان کو اس پاکیزہ سرزمین پر اتارا تو اس کے حقیقی معنیٰ کے غیر منطبق ہونے کی وجہ سے مجازی معنیٰ میں ڈھال دیا گیا یا پھر اس سے دوسرے معنیٰ کا استعارہ کیا گیا۔ ان کی اپنی زبان میں:

''اگلوں نے عشق الٰہی یا محبت روحانی کو جو ایک انسان کو دوسرے انسان کے ساتھ ہوسکتی ہے مجازاً شراب کے نشہ سے تعبیر کیا تھا اور اور اس مناسبت سے جام و صراحی، خم و پیمانہ اور ساقی و مئے فروش وغیرہ کے الفاظ بطور استعارہ استعمال کیے تھے۔''(۲۱)

گویا نعتیہ شاعری میں پیکر تراشی کے لیے انھیں عناصر کو بروے کار لایا گیا جو شاعری کی دیگر صنفوں میں پائے جاتے تھے۔ فرق یہ کیا گیا کہ ان کو مفہوم کی طہارت و نظافت عطا کی گئی جس سے ان کا قالب عطر بیز و گہر ریز ہو گیا۔

نعتیہ شاعری میں پیکریت کے جو تصورات ابھرتے ہیں وہ دیگر اصناف سخن سے ذرا الگ تھلگ ہوتے ہیں۔ کیوں کہ یہاں فقط زبان کے چٹخارے، لفظوں کی بندش، صوتی آہنگ، تشبیہات کی ندرت، استعاروں کی چاشنی اور بحروں کی موزونیت نیز افاعیل کی موسیقی ہی کافی نہیں بل کہ تقاضاے ادب سب سے ضروری اور اولین مرحلہ ہوتا ہے، اس لیے شاعر کا علمی مطالعہ، فکر کی گیرائی و گہرائی، عشق رسول کی تڑپ جس قدر زیادہ ہوگی شعر کا معیار اور اس کے داخلی اثرات، اسی قدر زیادہ ہوں گے۔ یہاں مبالغہ کی وہ جملہ اقسام قلم زد کر دی جاتی ہیں جن کا خارجی مصداق یا خود شاعر کا داخلی مصداق غیر منطبق ہوگا۔ پہلی صورت یعنی خارجی مصداق میں اگر شاعر نے اغراق وغلو سے کام لیا تو دامنِ عزت پر دھول پڑنے کا خطرہ ہے اور دوسری صورت یعنی داخلی مصداق میں اگر شاعر نے بارگاہ رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ایسی کوئی واردات قلبی پیش کی جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہ ہو تو وہ کذب محض ہوگا جس سے شاعر کی ذات غیر معتبر اور خطا کار ہوجائے گی۔ جب کہ یہ دونوں باتیں اس بارگاہ میں ناروا ہیں۔

نعتیہ شاعری کے زیر وبم میں قرآن وحدیث، فقہ وتفسیر اور تصوف کی وہ چاشنی پنہاں ہوتی ہے جس سے کلام دوآتشہ بنتا ہے۔ اگر صرف لفظوں کے گل بوٹے سجانے کی بات ہوتی اور مفہوم کی داخلی صیانت ملحوظ نہ رکھی جاتی تو حضرت حسانؔ، جامیؔ وسعدیؔ اور رضاؔ وحسنؔ علیہم الرحمہ کے کلام کو کسی بھی عام شاعر کے کلام کے مقابلے میں پیش کیا جاسکتا تھا۔ بقول شخصے:

’جو شعر برائے شعر کہتے ہیں، جو اپنے آرائشی طرز بیان سے اپنے ممدوح کو سنوارتے ہیں جو شعر کی موزونیت سے زیادہ اس کی ادبیت اور عروض وقوافی کے حسن پر نظر رکھنے کے عادی ہیں، جن کی شاعری کوئی عبادت نہیں بل کہ ادب کا شاہکار اور ذریعہ شہرت ہے وہ فن شعر گوئی کے مسلم الثبوت استاد ہوتے ہوئے بھی نعت گوئی کی دنیا میں قدم رکھتے ہوئے لرزتے ہیں۔ میں کسی کا نام نہیں لینا چاہتا مگر ہر شاعر کے پاس اس کی شاعری کا اعمال نامہ موجود ہے اگر وہ خود تلاش کریں تو اپنے پاس نعت کا سرمایہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ میں رئیس المتغزلین کو رئیس المتغزلین ہی مانتا ہوں، میں استاذ الشعرا کو استاذ الشعرا ہی جانتا ہوں، میں اردو ادب کے شاہ کار والوں کو شاہکار والا ہی سمجھتا ہوں۔ مگر کیا یہ غلط ہے؟ کہ جس ایوان میں حسنؔ بریلوی عزت ووقار کے ساتھ باریاب ہیں، وہاں ان کے استاذِ محترم اور شعر گوئی کے مسلم و مشہور استاد حضرت داغؔ دروازہ کے باہر کھڑے ہیں۔ امیرؔ صاحب جہاں مسند نشین ہیں ان کے استاد وہاں دور کھڑے ہیں۔ محسنؔ کاکوروی جہاں منبر پر بیٹھے ہیں ان کے استاد معظم اشک وغیرہ نمونہ رشک نظر آتے ہیں۔‘‘ (۲۲)

نعتیہ شاعری میں شعر کی اہمیت کے باوجود منصب ذات رسالت کا احترام ماہیت کا درجہ رکھتا ہے۔ اسی لیے اس میں طبع آزمائی تلوار کی دھار پر چلنے کے برابر ہے۔ اس میں تائید خداوندی کے ساتھ ہمت پرواز کا جذبۂ مستانہ بھی ہونا چاہیے۔ ڈاکٹر ابواللیث کا خیال ہے کہ:

’’نعت گوئی کی فضا جتنی وسیع ہے اتنی ہی اس میں پرواز مشکل ہے۔ پرواز سے پہلے یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ فضا سازگار بھی ملے گی یا نہیں؟ اگر ہمت پرواز مشکل مقام پر پہنچا دے تو بھی اڑنے والے کا یہ کمال ہونا چاہیے کہ وہ اور کامیابی سے وہاں سے گزر جائے۔‘‘ (۲۳)

جب ہم اس تناظر میں حضرت نوریؔ بریلوی علیہ الرحمہ کی شاعری کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ آپ کی شاعری نہ صرف مفہوم کے تعمق کی متحمل ہے بل کہ شکوہ الفاظ، ترکیبوں کی چستی، تشبیہ واستعارات کا طمطراق اور غرابت معنیٰ کا ایک بحر زخار موج زن ملتا ہے۔ سید اسماعیل رضا ذبیح ترمذی نے نعتیہ شاعری کے انھیں اوصاف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

’’اہلِ فن لکھتے ہیں کہ اگر کسی شاعر نعت گو و نعت نگار کا قلم معنی آفرینی کے ساتھ شکوہ الفاظ، بے ساختگی اور بندوشوں کی چستی سے عہدہ برآ ہو جائے تو واقعی یہ اس کا کمال شاہی ہے۔‘‘ (۲۴)

کلامِ نوریؔ میں پیکر تراشی: اب آیئے حضرت نوریؔ بریلوی علیہ الرحمہ کی شاعری میں پیکر تراشی کا جائزہ لیا جائے۔ اور پیکر تراشی کے حسین امتزاج کی منھ بولتی تصویروں کا مشاہدہ کیا جائے۔

بصری پیکر: بصری پیکر جس میں محاکات کو عمل میں لایا گیا ہے حسب ذیل اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

دنیا ہے اور اپنا مطلب بے غرض مطلب کوئی — آشنا ملتا نہیں ناآشنا ملتا نہیں

ان کو دیکھا تو گیا بھول میں غم کی صورت — یاد بھی اب تو نہیں رنج و الم کی صورت

بھیک اپنے مرہم دیدار کی کردو عطا چاہیے کچھ منھ بھی کرنا زخم دامن دار کا

ہیں صفات حق کے نوری آئینے سارے نبی ذات حق کا آئینہ مہر عجم ماہ عرب

ذرہ ذرہ سے عیاں ہے ایسا ظاہر ہو کے بھی قطرے قطرے میں نہاں ہے برملا ملتا نہیں

دل گیا اچھا ہوا اس کا نہیں غم، غم ہے یہ لے گیا پہلو سے جو وہ دل ربا ملتا نہیں

کھلے ہیں دیدۂ عشاق قبر میں یوں ہی ہے انتظار کسی کا ضرور آنکھوں میں

نہ ایک دل کہ مہ و مہر انجم و نرگس ہے سب کی آرزو رکھیں حضور آنکھوں میں

نظر نہ آیا قرار دل حزیں اب تک نگاہ رہتی ہے یوں بے قرار آنکھوں میں

کون کہتا ہے آنکھیں چرا کر چلے کب کسی سے نگاہیں بچا کر چلیں

مذکورہ بالا اشعار میں دنیا کی غرض برآری میں آشنا و ناآشنا کا ملنا محبوب کو دیکھ کر غم اور رنج والم کی صورت کا بھول جانا، مرہم دیدار کی بھیک سے زخم دامن دار کا منہ کرنا، انبیا کا صفات حق کا نوری آئینہ ہونا اور مہر عجم ماہ عرب کا ذات حق کا آئینہ ہونا، ذرہ ذرہ سے عیاں ہو کر بھی برملا نہ ملنا، دل چلا جانا، پھر دلربا کا نہ ملنا، قبر میں دیدہ عشاق کا کسی کے انتظار میں کھلنا، مہر و انجم و نرگس کا آنکھوں میں رکھنے جانے کی آرزو کرنا، نگاہوں کا آنکھوں میں بے قرار رہنا، آنکھیں بچا کر اور چرا کر چلنا۔ یہ سب وہ بصری پیکر ہیں جن کو حضرت نوری بریلوی نے اپنے داخلی جذبات سے متکیف ہو کر تراشا ہے۔ کیوں کہ نعت نبی میں عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے داخلی محرکات ہی سے تجربات و مشاہدات کو جلا ملتی ہے اور پیکریت کے محاسن جنم لیتے ہیں۔ رنج والم کی صورت کا حسی و بصری پیکر، زخم دامن دار کا مرہم دیدار کے لیے منھ کرنا، مہر و ماہ کا ذات حق کا آئینہ ہونا، دیدہ عشاق کا انتظار میں کھلا رہنا، نگاہ کا آنکھوں میں بے قرار رہنا یہ سارے کے سارے بصری پیکر کی جیتی جاگتی تصویریں ہیں جہاں بصری پیکر اپنی پوری عشوہ طرازیوں کے ساتھ موجود ہے۔

لمسی پیکر:

فق ہو چہرہ مہر و مہ کا ایسے منھ کے سامنے جس کو قسمت سے ملے بوسہ تیری پیزار کا

چاک تقدیر کو کیا سوزنِ تدبیر سے لاکھ وہ بخیہ کرے چاک گریباں ہوگا

کاسہ لیسی سے ترے دربار کی مہتاب بھی کیسا منور ہوگیا ماہ عجم مہر عرب

یوں بھیک لیتا ہے دو وقتہ آسماں انوار کی صبح و مسا ہے جبہہ سا ماہ عجم مہر عرب

اس جبہ سائی کے سبب شب کو اسی سرکار نے انعام میں ٹیکہ دیا ماہ نجم مہر عرب

موم ہے ان کے قدم کے لیے دل پتھر کا سنگ نے دل میں رکھی ان کے قدم کی صورت

ہے رگِ گردن سے اقرب نفس کے اندر ہے وہ یوں گلے سے مل کے بھی ہے وہ جدا ملتا نہیں

یہ آج کا ہے کی شادی ہے عرش کیوں جھوما لب زمیں کو لب آسماں نے کیوں چوما

ذرا سا بھی نہیں سایہ کہیں پر عرق اتنا بہا دریا بہا ہے

جانِ کونین کے پیزار کے بوسہ پر چومنے والے کا منھ دیکھ کر مہر و مہ کا چہرہ فق ہونا، چاک تقدیر کو سوزن تدبیر سے سینا پھر چاک گریباں ہونا، در اقدس کی کاسہ لیسی سے مہتاب کا منور ہونا، آستاں پر جبہ سائی، آسمان کا صبح و مسا انوار کی بھیک لینا، آسماں کو در اقدس سے چاند کا ٹیکہ دیا جانا، پتھر کا ان کے قدم کی صورت کو دل میں رکھنا، رگِ گردن سے قریب اور نفس کے اندر، رگ گلو سے ہم کنار رہ کر بھی نہ ملنا، شادی میں لب آسمان کا زمین کے لب کو چومنا، عرق کا دریا بن کر بہنا ان اشعار میں لمسی پیکریت کو قالب میں ڈھالا گیا ہے۔ ان میں کا ہر شعر کسی لمسی کیفیت کا حسی تصور پیش کرتا ہے جہاں شاعر تشبیہ و استعارہ اور کنایہ سے لمسی پیکر تراش رہا ہے۔ ان کلمات پر غور کیجیے۔ بوسہ لینا، سینا، کاسہ لیسی، جبہ سائی، ٹیکہ دینا، دل میں صورت رکھنا، گلے سے ملنا، لب چومنا لمس کی لذاتی کیفیت کو اجاگر کرتے ہیں جس سے نعت کا بانکپن دوبالا ہو رہا ہے۔

مذوقی پیکر :

آبلوں کے سب کٹورے آہ خالی ہو گئے منھ ابھی تر بھی نہ ہونے پایا تھا ہر خار کا

جو ساقی کوثر کے چہرے سے نقاب اٹھے ہر دل بنے میخانہ ہر آنکھ ہو پیمانہ

بجھے گی شربت دیدار ہی سے تشنگی اپنی تمھاری دید کا پیاسا ہوں یوں پیاسا ہوں کوثر کا

آبلوں کے کٹوروں کا خالی ہونا، خار کا منھ تر نہ ہو پانا، دل کا مئے خانہ اور آنکھوں کا پیمانہ بننا، شربت دیدار سے تشنگی بجھانا، ان جملہ اشعار میں مذوقی پیکر کے وہ تمام احساسات موجود ہیں جو ذائقہ کی حس سے متعلق ہوتے ہیں۔ یہ شاعر کا فنی کمال ہے کہ ان میں جن علامتوں کو برتا گیا ہے ان سے وجدان میں ایک خاص لذت ذائقہ ابھرتی ہے جو کہیں خشک دہن کی تری کہیں شربت دیدار، کہیں دل کے مئے خانہ اور آنکھ کے پیمانہ بننے کے پیکر میں جلوہ گر ہیں۔ مگر ان اشعار میں نعت کا اسلوب اپنے پورے آہنگ کے ساتھ سبک خرام ہے۔ قدم قدم پر مذاق فن کی تہہ داری دلوں میں لذت ذائقہ پیدا کرتی ہے۔ جہاں نہ تو قوت ذائقہ کی تلخیاں ہیں اور نہ ہی سُقم کی بے کیفی و بے لذتی۔

مشامی پیکر :

کوچۂ دل کو بسا جاتی مہک سی تیری کام اتنا بھی مجھے بادِ صبا نے نہ دیا

خاک طیبہ سے اگر کوئی نکھارے گیسو سنبل خلد تو کیا حور بھی ہارے گیسو

عنبرستاں بنے محشر کا وہ میداں سارا کھول دے ساقی اگر حوض کنارے گیسو

کیوں زلف معنبر سے کوچے نہ مہک اٹھیں ہے پنجۂ قدرت جب زلفوں کا تری شانہ

جس گلی سے تو گذرتا ہے مرے جان جہاں ذرہ ذرہ تری خوشبو سے بسا جاتا ہے

ان تمام اشعار میں مشامی پیکر کی جن تہوں کو عشق کی خوشبو سے عطر بیز کیا گیا ہے وہ نعت کا جوہر کہے جاسکتے ہیں۔کوچۂ دل کا مہک سے بسنا، خاک طیبہ سے گیسو کا نکھارنا پھر اس پر سنبل اور حور کا اپنے گیسو کا ہارنا، حوض کے کنارے گیسو کھل جانے پر محشر کا عنبرستاں بن جانا، زلف معنبر سے کوچوں کا مہک اٹھنا، پنجۂ قدرت کا زلف اقدس کو شانہ کرنا، گلی سے گزرنے پر ذرہ ذرہ کا خوشبو سے بس جانا، مشامی پیکر کی جس تمثالی کیفیت کو واضح کرتے ہیں وہ قوت شامہ کے لیے پیکریت کی دل کش اور نادر مثالیں ہیں جن میں گہری معنویت کے ساتھ ایک مانوس فضا بھی پائی جاتی ہے جہاں مشامی پیکر کے علائم کلی طور پر موجود ہیں۔ یہاں عشق رسول کی وہ سوختگی جلوہ فرما ہے جو کسی عاشق مہجور کے ہر عضو بدن کو قوت شامہ عطا کرتی ہے۔

سماعی پیکر :

انھیں کی نعت کے نغمے زبور سے سن لو زبان قرآں پہ ان کے ترانے آئے ہیں

جن کے دعوے تھے ہم ہی ہیں اہل زباں سن کے قرآں زبانیں دبا کر چلے

نغمہ سنجان گلشن میں چرچا ترا چہچہے ذکر حق کے ہیں صبح و مسا
اپنی اپنی چہک اپنی اپنی صدا سب کا مطلب ہے واحد کہ واحد ہے تو
اللہ، اللہ، اللہ، اللہ
بلبل خوشنوا، طوطی خوش گلو، زمزمہ خواں ہیں گاتے ہیں نغماتِ ہُو
قمری خوش لقا، بولی حق سرہٗ، فاختہ خوشنوا نے کہا دوست تُو
اللہ، اللہ، اللہ، اللہ

پڑھوں وہ مطلع نوریؔ ثنائے مہر انور کا ہو جس سے قلب روشن جیسے مطلع مہر محشر کا

سماعی پیکر کے مذکورہ بالا اشعار میں نعت کے نغمے زبور سے سننا، زبانِ قرآن پر محبوب کے ترانے آنا، قرآن سن کر زبانیں دبا کر چلنا، ثنائے مہر انور کا مطلع نوری پڑھنا، ذکر حق کے صبح و مسا چہچہے ہونا، نغمہ سنجانِ گلشن کا چرچا کرنا، بلبل خوشنوا اور طوطی خوش گلو کا نغمات گانا، قمری اور فاختہ کا بولنا یہ سماعی پیکر کی مثالیں ہیں۔ جن میں استعارہ و کنایہ سے سماعی پیکر تراشے گئے ہیں۔ گویا اپنی معنویت کے لحاظ سے ان پیکروں میں

سماعی حس کی اٹھان شباب پر ہے۔اور پورا نظامِ سماع حسّی جولانی سے ہم کنار نظر آتا ہے۔یہ سماعی پیکر کی جاذب اور دل کش تصویریں ہیں۔

مخلوط پیکر : ان بسیط پیکروں کی بحث کے بعد مخلوط پیکر کی چند مثالیں ناگزیر ہیں۔چوں کہ مقسم میں پیکر کی جس تقسیم سے بحث کی گئی ہے اس میں مخلوط پیکر کے خاکہ کو بھی واضح کیا گیا ہے۔مخلوط پیکر دراصل بسیط پیکروں کے مرکب سے بنتا ہے کہ اس کی ترکیب کبھی دو دو کبھی تین تین اور کبھی کبھار کئی بسیط پیکروں سے ہوتے ہے۔ اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

دیکھ مت مجھے گرم نظر سے خاور شوخی چشم سے تو آپ پریشاں ہوگا

تم اگر چاہو تو اک چین جبیں سے اپنی کردو اعدا کو قلم شاخ قلم کی صورت

سر پر بادل کالے کالے دودعصیاں کے ہیں چھالے دم گھٹتا ہے میرے مولیٰ صلی اللہ علیک وسلم

شب کو شبنم کے مانند رویا کیے صورت گل وہ ہم کو ہنسا کر چلے

نگاہ مہر جو اس مہر کی ادھر ہوجائے گنہ کے داغ مٹیں دل مرا قمر ہوجائے

پہلے شعر میں بصری پیکر، آتشیں پیکر اور جمالیاتی پیکر کو اجاگر کیا گیا ہے۔دوسرے شعر میں حسی پیکر، حرکی پیکر اور بصری پیکر کو پیش کیا گیا ہے۔تیسرے شعر میں لونی، آتشیں اور مذوقی پیکر ہے۔چوتھے شعر میں سیال، جمالیاتی اور سماعی پیکر ہے۔پانچویں شعر میں بصری، نوری، لمسی اور جمالیاتی پیکر ہیں۔

بے مثل پیکر : نعتیہ شاعری میں پیکریت کا دائرۂ فکر کچھ اس قدر وسیع ہے جو دیگر اصناف سخن میں کم پایا جاتا ہے۔مادی، بسیط، مخلوط اور آتشیں پیکر کی مثالیں تو بہت ساری اصناف سخن میں ملتی ہیں مگر بے مثل پیکریت یہ صرف نعت کا خاصہ ہے۔کیوں کہ علاقۂ تشبیہ یا استعارہ سے جب بھی کسی علامت یا تمثال کے تصورات ابھریں گے تو فوراً طرفین کے درمیان ایک نسبت قدر مشترک بن کر پیکریت کا خاکہ تیار کرے گی۔مگر نعت میں ایک ایسی منزل بھی ہے جہاں مشبہہ کے لیے مشبہ بہ کا کوئی فرد ہزار تتبع و تلاش کے باوجود بھی نہیں مل سکے گا اس وقت پیکریت ایک ممتنع النظیر تمثال کے سانچے میں ڈھلی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔اس کی ایک تازہ مثال کلام الامام امام الکلام حضرت رضا بریلوی (متوفی ۱۳۴۰ھ-۱۹۲۱ء) کے کلام سے ملاحظہ فرمائیں جو پوری طرح بے مثل پیکریت پر مبنی ہے:

رخ دن ہے یا مہر سما یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں شب زلف یا مشک ختا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

خورشید تھا کس زور پر کیا بڑھ کے چمکا تھا قمر بے پردہ جب وہ رخ ہوا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں (۲۵)

ان محولہ بالا اشعار میں پیکریت کے تمثال و تصورات کی نفی کردی گئی ہے جس سے بے مثل پیکر ابھرتا چلا جارہا ہے۔اب حضرت نوریؔ بریلوی کے ان اشعار کو دیکھیے کہ بے مثل پیکریت کی رنگ آفرینی سے فن نعت کے کتنے گل بوٹے سجائے گئے ہیں۔

محال عقل ہے تیرا مماثل اے مرے سرور توہّم کر نہیں سکتا ہے عاقل تیرے ہمسر کا

مثل ممکن ہی نہیں ہے ترا اے لاثانی ‫ ‫ وہم نے بھی تو ترا مثل سمانے نہ دیا

آپ کا مثل شہا کیسے نظر میں آئے ‫ ‫ کس نے دیکھی ہے بھلا اہل عدم کی صورت

دو جہاں میں کوئی تم سا دوسرا ملتا نہیں ‫ ‫ ڈھونڈتے پھرتے ہیں مہر و مہ پتہ ملتا نہیں

نظر نظیر نہ آیا نظر کو کوئی کہیں ‫ ‫ جچے نہ غلماں نظر میں نہ حور آنکھوں میں

جس کا ثانی ہوا، اورنہ ہے اورنہ ہو ‫ ‫ وہ عطا کر چلے وہ سخا کر چلے

نہ ہے تم سا نہ کوئی ہوگا آگے ‫ ‫ نہ اے آقا کوئی تم سا ہوا ہے

یہ کیا میں نے کہا مثل سا تم ہو معاذ اللہ ‫ ‫ منزہ مثل سے، برتر زہر وہم وگماں تم ہو

عقلاً مماثل کا محال ہونا، ہمسری کا تو ہم نہ کرسکنا، ایسا ثانی کہ وہم میں اس کا مثل نہ سمانا، اہل عدم کی صورت نہ دیکھنا، مہر و مہ کے ڈھونڈنے پر بھی دوسرا نہ ملنا، نظر کونظیر کا نظر نہ آنا، ماضی وحال ومستقبل میں ثانی نہ ہونا، وہم وگمان میں بھی مثل سے منزہ وبرتر ہونا۔ یہ بے مثل پیکریت کے ایسے تصورات ہیں جن سے ذات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بےنظیر پیکرا بھرتا ہے۔ اگرچہ اس میں بے مثل پیکریت کے جس اسلوب کو مدنظر رکھا گیا ہے وہ بہت سادہ ہیں تاہم فنِ نعت کا یہی سب سے بڑا کمال ہے کہ اس میں عصمت رسول کو اس انداز میں پیش کیا جائے کہ دامن اقدس پر تنقیص کی گرد بھی نہ پڑ سکے۔ جہاں سے حضرت نوریؔ بریلوی علیہ الرحمہ بہت اہتمام سے گزر گئے ہیں۔

نوری پیکر : نوری پیکر بھی صنعت نعت کی ایک اہم پیکری علامت ہے جس میں تشبیہات کے ان تنزیہی تصورات کو اجاگر کیا جاتا ہے جو ممدوح کی ذات کے تناظر میں نورانی کوائف کا ماحصل لیے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نعت کے تقدیسی ماحول میں نوری پیکر کی فراوانی ہوتی ہے۔ اشعار دیکھیے:

بنا عرش بریں مسند کفِ پائے منور کا ‫ ‫ خدا ہی جانتا ہے مرتبہ سرکار کے سر کا

مٹے ظلمت جہاں کی نور کا تڑکا ہو عالم میں ‫ ‫ نقاب روئے انور اے مرے خورشید اب سرکا

وصف کیا لکھے کوئی اس مہبط انوار کا ‫ ‫ مہر و مہ میں جلوہ ہے اس چاند سے رخسار کا

حسن کی بے پردگی پردہ ہے آنکھوں کے لیے ‫ ‫ خود تجلی آپ ہی پردہ ہے روئے یار کا

ہر شی میں ہے جلوہ تیرا تجھ سے روشن دین ودنیا ‫ ‫ بانٹا تونے نور کا باڑا صلی اللہ علیک وسلم

وہ آئیں تیرگی ہو دور میرے گھر بھر کی　　شب فراق کی یارب کبھی سحر ہوجائے

نصیب تیرا چمک اٹھا دیکھ تو نوریؔ　　عرب کے چاند لحد کے سرہانے آئے ہیں

یہ سر طور سے گرتے ہیں شرارے نوریؔ　　روئے پُرنور پہ یا وارے ہیں تارے گیسو

عرش بریں کا کف پائے منور کا مسند بننا، نقاب روئے انور سے عالم میں نور کا تڑکا ہونا، مہر و مہ میں چاند سے رخسار کا جلوہ ہونا، حسن کی بے پردگی اور تجلی کا آنکھوں کے لیے پردہ ہونا، نور کا باڑہ بٹنا، شب فراق کا سحر ہونا، عرب کے چاند کا لحد کے سرہانے آنا، روئے انور پہ سر طور سے شرارے کا گرنا یا گیسوؤں کا تارے نچھاور کرنا، ان تمام اشعار میں نوری پیکریت کے لطیف تمثالی تصورات جگمگا رہے ہیں۔ جس سے نعت کا کیف دوبالا ہوا جا رہا ہے۔

اب آیئے کچھ گفتگو جمالیاتی، آتشیں اور لونی پیکر پر ہوجائے۔ اگرچہ یہ سارے پیکر نوری پیکر کا لازمہ کہے جاسکتے ہیں۔ مگر قدرے فرق کی وجہ سے ان کو الگ بیان کرنے کی ضرورت پڑی۔ چوں کہ کلام نوری بریلوی میں یہ سارے علائم موجود ہیں۔

جمالیاتی پیکر : اس میں لونی پیکر بھی شامل ہوتا ہے۔ مگر لونی پیکر میں ایک خاص رنگت کا استدرا کی پہلو متصور ہوتا ہے اس لیے محاکات میں لون کو جمال پر نہیں قیاس کیا جاسکتا۔ کیوں کہ جمالیاتی پیکر میں بہ نسبت اس کے وسعت نمایاں ہوتی ہے اور اس کا دائرہ لونی پیکر سے بہت وسیع ہوجاتا ہے۔ برخلاف لونی پیکر کے کہ علامت کی جن تشبیہوں کا ذکر ہوتا ہے وہ ایک مخصوص نوعیت کی متحمل ہوتی ہیں۔ کلام نوریؔ میں جمالیاتی پیکر ملاحظہ ہو۔

کھلے ہیں دیدۂ عشاق خواب مرگ میں بھی　　کہ اس نگار کا ہے انتظار آنکھوں میں

بسا ہوا ہے کوئی گل عذار آنکھوں میں　　کھلا ہے چار طرف لالہ زار آنکھوں میں

یہ گھٹا جھوم کے کعبہ کی فضا پر آئی　　اڑ کے، یا ابرو پہ چھائے ہیں تمھارے گیسو

وہ حسیں کیا جو فتنے اٹھا کر چلے　　ہاں حسیں تم ہو فتنے مٹا کر چلے

خواب مرگ میں انتظار کے لیے دیدۂ عشاق کا کھلنا، گل عذار کا آنکھوں میں بسنا، چاروں طرف لالہ زار کا آنکھوں میں کھلنا، فضائے کعبہ پر اڑ کے گھٹا کا آنا، ابرو پہ گیسو کا چھا جانا، حسین کا فتنے مٹا کر چلنا، جمالیاتی پیکر کی انتہائی دل کش تصویریں ہیں۔ جن میں پیکر تراشی کا نامیاتی تصور بلند ہوتا جا رہا ہے۔

آتشیں پیکر : آتشیں پیکر کا نوری پیکر سے ایک گہرا تعلق ہے۔ مگر یک گونہ آتشیں پیکر نوری سے علاحدہ ہے۔ چونکہ آتشیں پیکر میں سوختگی کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے اس لیے ہر نوری پیکر کو آتشیں پیکر سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔ پھر آتشیں پیکر میں دود کا کثیف مادہ بھی ہوتا ہے جس کو صنف نعت میں برتنے کے لیے شعری محاسن پر گہری نظر بھی ہونی چاہیے ورنہ اس سے پیکریت کی چادر تطہیر داغ دار ہوجائے گی۔ جیسا کہ حضرت رضاؔ بریلوی فرماتے ہیں۔

وہ کمال حسن حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

اس لیے پیکریت کے ان علائم سے دھواں کا کوئی تعلق نہیں۔ بریں بنا آتشیں پیکر کی وہ قدریں جو متعلقات سے تعبیر ہیں ان کو صنف نعت میں جگہ دی جاسکتی ہے۔ اوراس سے پیکر تراشنا قبیح نہیں۔ شعر دیکھیے۔

مرقد نوریؔ پہ روشن ہے یہ لعل شب چراغ یا چمکتا ہے ستارا آپ کی پیزار کا

شربت دید نے اور آگ لگادی دل میں تپش دل کو بڑھایا ہے بجھانے نہ دیا

وہ ہیں خورشید رسالت نور کا سایہ کہاں اس سبب سے سایہ خیرالوریٰ ملتا نہیں

دل تپا سوز محبت سے کہ سب میل چھٹے تپنے کے بعد ہی تو سونا کھرا ہوتا ہے

لعل شب چراغ کا روشن ہونا، پیزاروں کا ستارہ چمکنا، شربت دید سے دل میں آگ لگنا، خورشید رسالت کا بوجہ نورانیت سایہ نہ ہونا، سوز محبت میں دل تپ کر میل کا چھٹنا محاکات شعری کے آتشیں پیکر ہیں۔

لونی پیکر : لون کا جمالیات سے گہرا تعلق ہے۔ یہ دراصل جمالیات ہی کے دائرۂ کار کی تابندگی کا ایک پیکری کردار ہوتا ہے۔ تاہم قدرے تمایز کی وجہ سے اس کو الگ رکھا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ مذکور ہوا۔ اب لونی پیکر کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

تیرے باغ حسن کی رونق کا کیا عالم کہوں آفتاب اک زرد پتا ہے تیرے گلزار کا

زرد رو کیوں ہوگیا خورشید تاباں سچ بتا دیکھ پایا جلوہ کیا اس مطلع انوار کا

جو سوختہ ہیزم کو چاہو تو ہرا کردو مجھ سوختہ جاں کا بھی دل پیارے ہرا کرنا

آفتاب کا باغ حسن کا ایک زرد پتہ ہونا، مطلع انوار کا جلوہ دیکھ کر خورشید کا زرد ہوجانا، دل سوختہ جاں کا ہرا کرنا۔ یہ سب لونی پیکر کی زندہ مثالیں ہیں۔

ان ساری تفصیلات میں حضرت نوریؔ بریلوی علیہ الرحمہ کے کلام کا صرف ایک گوشہ پیش کیا گیا ہے۔ جس میں محاکات یا پیکر تراشی پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اگر اسی طرح آپ کے مجموعۂ کلام ''سامانِ بخشش'' کا تجزیاتی جائزہ لیا جائے تو اس میں شعر کی وہ جملہ تاثیرات محسوس کی جاسکتی ہیں جو کسی استاذ الشعرا کے کلام میں پائی جاتی ہیں۔ آپ نے صرف عشق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والہانہ جذبہ کو حرز جان رکھا اور تاحیات مدح مصطفوی کے نغمے لٹاتے رہے۔ ان کی نعتیہ شاعری کے محرکات داخلی اور خارجی دونوں ہیں مگر داخلیت اس قدر غالب ہے کہ آئینۂ روح کو صیقل کرتی ہوئی محسوس ہورہی ہے۔ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ صنف سخن کی اس دل کش اور جاذب سوغات میں زندگی کے وہ لمحات گردش کررہے ہیں جو علمی مشاغل سے کسی صورت بچالیے جاتے تھے یا بچ جاتے تھے۔ ہم ان کو ان کی بالاستیعاب شاعری نہیں کہہ سکتے۔ اگر وہ اپنے جملہ اوقات کو شاعری کی طرف مرتکز کرتے تو خدا جانتا ہے کہ سخن کے کس ذروۂ کمال پر ہوتی۔

☆☆☆☆☆

حواشی:

۱) کنز العمال حدیث۔ ۸۰۰۷، بیت الافکار الدولیہ، الریاض

۲) احمد بن عمر بن علی نظامی عروضی سمرقندی، چہار مقالہ ص ۴۰، پبلشرز لالہ رام نرائن بینی مادھوکٹرہ، الہ آباد
۳) ابوالطیب احمد بن حسین جعفی ، دیوان متنبی، ص ۶
۴) ابوالطیب احمد بن حسین جعفی ، دیوان متنبی، ص ۲۸
۵) احمد بن عمر بن علی نظامی عروضی سمرقندی، چہار مقالہ ص ۵، پبلشرز لالہ رام نرائن بینی مادھوکٹرہ، الہ آباد
۶) احمد بن عمر بن علی نظامی عروضی سمرقندی، چہار مقالہ ص ۴۵، پبلشرز لالہ رام نرائن بینی مادھوکٹرہ، الہ آباد
۷) علی گڑھ میگزین ۷۷-۱۹۷۶ء ص ۳، مطبوعہ لیتھوکلر پرنٹرس اچل تال علی گڑھ
۸) عبدالنعیم عزیزی (علیگ)، کلام رضا کے نئے تنقیدی زاویے ص ۳۸، ناشر الرضا اسلامک اکیڈمی، بریلی شریف
۹) علی گڑھ میگزین ۷۷-۱۹۷۶، ص ۳۹-۳۸، مطبوعہ لیتھوکلر پرنٹرس اچل تال علی گڑھ
۱۰) عبدالنعیم عزیزی (علیگ)، کلام رضا کے نئے تنقیدی زاویے ص ۳۹، ناشر الرضا اسلامک اکیڈمی، بریلی شریف
۱۱) روح ادب سہ ماہی، کلکتہ، اپریل تا ستمبر ۱۹۶ء ص ۳۰، مطبوعہ اعجاز پرنٹرس، ۱۸ زکریا اسٹریٹ، کلکتہ
۱۲) ماہنامہ افکار (غالب نمبر) کراچی، فروری-مارچ ۱۹۶۶ء، ص ۲۱۴، مطبوعہ مشہور آفسٹ پریس کراچی، پاکستان
۱۳) ابن فرید میں، ہم اور ادب، ص ۷۳، مطبوعہ اسرار کریمی پریس الہ آباد
۱۴) علی گڑھ میگزین ۷۷-۱۹۷۶، ص ۴۰، مطبوعہ لیتھوکلر پرنٹرس اچل تال علیگڑھ
۱۵) محمد شہاب الدین رضوی بہرائچی، مفتی اعظم اور ان کے خلفاء جلد اول ص ۲۰، ناشر رضا اکیڈمی، ۱۳۰ علی عمر اسٹریٹ، بمبئی
۱۶) محمد شہاب الدین رضوی بہرائچی، مفتی اعظم اور ان کے خلفاء جلد اول ص ۳۰، ناشر رضا اکیڈمی، ۱۳۰ علی عمر اسٹریٹ، بمبئی
۱۷) محمد شہاب الدین رضوی بہرائچی، مفتی اعظم اور ان کے خلفاء جلد اول ص ۱۰۲، ناشر رضا اکیڈمی، ۱۳۰ علی عمر اسٹریٹ، بمبئی
۱۸) محمد شہاب الدین رضوی بہرائچی، مفتی اعظم اور ان کے خلفاء جلد اول ص ۱۴۱، ناشر رضا اکیڈمی، ۱۳۰ علی عمر اسٹریٹ، بمبئی
۱۹) محمد شہاب الدین رضوی بہرائچی، مفتی اعظم اور ان کے خلفاء جلد اول ص ۸۸، ناشر رضا اکیڈمی، ۱۳۰ علی عمر اسٹریٹ، بمبئی
۲۰) یٰسین اختر مصباحی مولانا، المدیح النبوی، ص ۳۶، مطبوعہ مطبع کوثر سرائے میر اعظم گڑھ
۲۱) الطاف حسین حالی خواجہ، مقدمہ شعروشاعری، ص ۱۶۳، مطبوعہ تاج آفسٹ پریس الہ آباد
۲۲) مقدمہ فرش پر عرش (دیوان محدث اعظم) ص ۷، ناشر، رضوی کتاب گھر، بھیونڈی تھانہ
۲۳) انوار رضا، ص ۵۶۶، مطبوعہ، معارف پرنٹنگ پریس، لاہور
۲۴) معارفِ رضا، شمارہ ہشتم ۱۹۸۸ء، ص ۱۲۳، ناشر ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضا کراچی
۲۵) احمد رضا امام حدائق بخشش، ص ۶۴، ناشر رضا دارالاشاعت بہیڑی بریلی شریف۔

☆☆☆☆☆

حضور مفتی اعظم کی حمد نگاری

ڈاکٹر محمد امجد رضا خاں
ایڈیٹر سہ ماہی رفاقت، پٹنہ

کائنات کی ہرشی خداے تعالیٰ کی حمد وثنا کرتی ہے، اس کی عظمت وقدرت کے گن گاتی ہے، اس کی تسبیح وتہلیل اور تقدیس وتنزیہ کے نغمے الاپتی ہے۔قرآن پاک میں متعدد مقامات پر اس کی صراحت آئی ہے۔سورۂ صف میں ہے۔ **سَبَّحَ لِلّٰہِ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ** ۔(۶۱/۱) سورۂ حدید میں ہے۔ **سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضِ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ**۔ (۵۷/۱) سورہ رعد میں ہے۔ **وَ یُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِہٖ**۔ (۱۳/۱۳) سورۂ نور میں ہے: **اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یُسَبِّحُ لَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰاتِ وَ الْاَرْضِ**۔ (۲۴/۴۱) سورۂ اسرا میں ہے۔ **تُسَبِّحُ لَہُ السَّمٰوٰاتُ السَّبعُ وَالْاَرْضُ وَمَافِیْھِنَّ**۔ (۱۷/ ۴۴) اسی سورہ میں دوسری جگہ ہے: **وَاِنْ مِنْ شَئْیٍ اِلاَّ یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَلٰکِنْ لاَ تَفْقَھُوْنَ تَسْبِیْحَھُمْ**۔ (۱۷/ ۴۴) سب کا ماحصل یہی ہے کہ

بذکرش ہر چہ بینی در خروش است ولے داند دریں معنی کہ گوش است
نہ بلبل بر گلش تسبیح خوانے ست کہ ہر خارے بہ تسبیحش زبانے ست (سعدی)

یعنی ہر چیز اللہ کی ذکر میں بے خود ہے مگر اس راز کو وہی سمجھ سکتا ہے جو حق آشنا ہے۔ صرف بلبل اپنے پھول کو دیکھ کر تسبیح نہیں پڑھتا بلکہ کانٹے بھی خدا کی تسبیح میں رطب اللسان ہیں۔

انسان خدا کی تخلیق کا حسین شاہکار ہے، اسے خدا نے احسن تقویم عطا کیا ہے۔ اسی کے سر پر **لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ آدَمَ**۔ (سورۂ اسراء، ۱۷/ ۷۰) کا تاج رکھا ہے۔ **عَلَّمَهُ الْبَيَانَ**۔ (سورۂ رحمن ۵۵/ ۴۴) اس کی شان اور **عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ**۔ (سورۂ علق ۹۶/ ۵) اس کی صفت ہے۔ اسے خداوند قدوس نے عقل کی قوت، فکر کی دولت، احساس کی حدت، زبان کی وسعت، بیان کی ندرت، جذبات ومحسوسات کے اظہار کی طاقت اور کائنات پہ حاکمیت عطا کی ہے پھر وہ خدا کی تسبیح وتحمید سے کیسے محروم رہ سکتا تھا۔

اس یقین کے باوجود کہ بندہ خدا کی حمد وثنا کا حق ادا نہیں کرسکتا کیوں کہ اس کے لیے خدا کی کامل معرفت درکار ہے اور بندے کو کما حقہ خدا کی معرفت ہو ہی نہیں سکتی۔ سب سے زیادہ رب کو پہچاننے والی ذات گرامی آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: **مَاعَرَفْنَاکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ**۔ یعنی ہم نے تجھ کو اس طرح نہیں پہچانا جس طرح تجھے پہچاننے کا حق ہے۔ پھر دوسرا کون ہے جو خدا کی حقیقی اور کلی معرفت کا دعویٰ کرے مگر اس کے باوجود حمد سرائی اور ثنا گوئی کا عمل صدیوں سے جاری ہے بل کہ ابتدائے آفرینش سے جاری ہے اور اس وقت بھی جاری رہے گی جب کوئی نہ ہوگا اور خدا خود اپنی کبریائی بیان کرے گا۔ **لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ**۔ (سورۂ غافر ۴۰/ ۱۶) انسان اشرف المخلوقات ہے اور اس نے رب کی حمد وثنا میں بھی اشرفیت کا مظاہرہ کیا ہے اور کررہا ہے۔ خدا کی ذات **كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ** (سورۂ رحمن ۵۵/ ۲۹) ہے۔ تو اس کا بندہ اس کی صفت کے اظہار میں **كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ** کا مظہر ہے۔ وہ ہر انداز اور ہر رنگ میں اس کی خلاقیت ورزاقیت اور قدرت وصنعت کے گن گاتا ہے۔ کبھی اس کا یہ عمل اضطراری اور غیر شعوری طور پر ہوتا ہے اور کبھی کامل یکسوئی اور شعور کی پوری قوت کے ساتھ۔ کبھی زبان کو جنبش دے کر اور کبھی قلم کو حرکت دے کر یعنی جذبات کے اظہار کے جتنے ذرائع ہیں، انسان نے ان سبھی ذرائع کو خدا کی حمد سے مشرف کیا ہے، ان ذرائع میں ایک پراثر ذریعہ شاعری ہے، جس میں نثر سے زیادہ اثر انگیزی اور اثر پذیری کی قوت پنہاں ہے، صفات ربانی سے معمور دل والوں نے خدا کی حمد وثنا میں اظہار کے اس مؤثر ذریعہ کو بھی بھرپور انداز میں استعمال کیا ہے، چناں چہ عربی، فارسی، اردو تینوں زبانوں میں خدا کی تسبیح وتہلیل کے اشعار موجود ہیں مگر میرا موضوع چوں کہ اردو کی حمدیہ شاعری بالخصوص حضور مفتی اعظم کی حمدیہ شاعری ہے اس لیے میں عربی اور فارسی کی حمدیہ شاعری پر بحث نہیں کروں گا۔ ہاں اتنا ضرور کہوں گا کہ عربی اور فارسی کی بہ نسبت اردو میں حمد گوئی پر قابلِ ذکر کام ہوا ہے اس کا اندازہ پندرہویں صدی سے اس وقت تک کے مختلف شعرا کے دواوین، مجموعۂ کلام اور دیگر کتابوں میں شامل حمدیہ اشعار کو دیکھنے سے ہوتا ہے۔ اب تک لاکھوں اشعار کہے جاچکے ہیں اور مختلف شعرا نے خالص حمدیہ مجموعے بھی شائع کیے ہیں۔

عابد سلطانی نے حمد کے دو انتخابی مجموعے بھی شائع کیے ہیں پہلا مجموعہ ''خزینۂ حمد'' ہے جس میں مختلف شعرا کی حمدیں ہیں اور دوسرا مجموعہ ''اذانِ دیر'' ہے جس میں غیر مسلم شعرا کی حمدیں جمع کی گئی ہیں۔ جناب شفقت رضوی نے ان میں سے اکثر کتابوں پر تبصرے کیے ہیں۔ جس سے حمد نگاری میں اب تک کی ہوئی پیش رفت اور تجربے کا پتہ چلتا ہے۔

چودہویں صدی کے مجدد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اور آپ کے تمام اہل خاندان نے مذہبی و علمی خدمات کے علاوہ اردو زبان وادب کی جو خدمتیں انجام دی ہیں وہ ناقابل فراموش ہیں۔ اردو نثر میں امام احمد رضا نے جو کتابیں لکھ دی ہیں وہ کمیت وکیفیت ہر دو اعتبار سے اردو کی پوری تاریخ میں نمایاں ہیں اور آپ کا دیوان ''حدائق بخشش'' اردو شاعری میں بہ ہر نوع سب

سے زیادہ قابل استناد وافتخار ہے۔اسی لیے آپ کو امام الکلام اور آپ کے کلام کو کلام الامام کہا جاتا ہے۔آپ کے برادرِ مکرم استاذ زمن حضرت مولانا حسن رضا خان حسن بریلوی کا نعتیہ مجموعہ ''ذوقِ نعت'' شعریت وشریعت کا حسین سنگم ہے۔اعلیٰ حضرت کے خلف اکبر حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خان کا دیوان اگرچہ محفوظ نہیں مگر ''انتخاب کلام حامدؔ'' کے نام سے جو مجموعہ شائع ہوا ہے۔وہ حمد ونعت کا نہایت ہی قابل قدر نمونہ اور اردو کی نعتیہ شاعری میں گرانقدر اضافہ ہے۔اعلیٰ حضرت کے خلف اصغر مولانا شاہ مصطفی رضا مفتی اعظم کا نعتیہ دیوان ''سامانِ بخشش'' بھی زبان وبیان، علم وعرفان، شستگی و برجستگی اور سہل ممتنع کی نادر مثال ہے۔یہاں میرا موضوع ان کی حمد نگاری ہے اس لیے میں صرف ان کے حمدیہ اشعار کے حوالہ سے گفتگو کروں گا۔

فن حمد نگاری میں خانوادہ رضویہ نے جو قابل قدر نمونے چھوڑے ہیں اس سے حمد نگاری کی نئی جہتیں سامنے آئی ہیں۔اعلیٰ حضرت کے شعری سرمایہ میں حمد کا انداز بہت ہی نرالا اور انوکھا ہے۔انھوں نے اپنے حمدیہ اشعار میں نعت کے پہلو کو پیش نظر رکھا ہے۔اور حمد ونعت کی یک جائی کی نادر مثال قائم کی ہے ان کے ایک عربی قصیدے کے ابتدائی دو اشعار ملاحظہ ہوں جن میں توحید کی عظمت اور رسول مکرم سے محبت کا بڑا کیف پرور بیان ملتا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلْمُتَوَحِّدِ بِجَلَالِهٖ الْمُتَفَرِّدِ
وَصَلَاتُهٗ دَوَماً عَلیٰ خَیْرِالْاَنَامِ مُحَمَّدِ

اردو میں بھی حمد کا انداز دیکھیں جس میں حمد ونعت دونوں کی یک جائی اپنی انفرادیت کی شہادت دے رہی ہے۔

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا ہمیں بھیک مانگنے کو ترا آستاں بتایا
تجھے حمد ہے خدایا

مژدہ باد اے عاصیو! شافع شہِ ابرار ہے تہنیت اے مجرمو! ذات خدا غفار ہے
محمد مظہر کامل ہے حق کی شان عزت کا نظر آتا ہے اس کثرت میں کچھ انداز وحدت کا
تو ہی بندوں پہ کرتا ہے لطف وعطا ہے تجھی پہ بھروسا تجھی سے دعا مجھے جلوۂ پاک رسول دکھا تجھے اپنے ہی عز وعلیٰ کی قسم

حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا کے ''انتخاب کلام حامدؔ'' میں گیارہ گیارہ بند پر مشتمل دو حمدیں ہیں جو فنی اعتبار سے لازوال شاہ کار ہیں اور دونوں حمدیں اسلوب اور کیفیت کے اعتبار سے قاری وسامع پر روحانی کیف پیدا کرتی ہیں۔نمونے کے طور پر یہ دو بند دیکھیں اس میں بھی تجنیس تام اور ذولسانین (عربی، اردو) ہونے کی بھی سند موجود ہے۔

کون میں کون ہے تو ہی تو تو ہی تو ہے یامن ھو
تو ہی تو ہے تو ہر سو یا من لیس الا ھو
لا الہ الا ھو یامن لیس الا ھو

روح میں تو ہے دل میں تو میری آب وگل میں تو
اصل میں تو ہے ظل میں تو حق حق حق ھو ھو ھو
لا الہ الا ھو یامن لیس الا ھو

اور نغمہ توحید کے عنوان سے دوسری حمد یوں شروع ہوتی ہے۔

دل مرا گدگداتی رہی آرزو آنکھ پھر پھر کے کرتی رہی جستجو
عرش تا فرش ڈھونڈ آیا میں تجھ کو تو نکلا اقرب ز حبل ورید گلو

اللّٰہ اللّٰہ اللّٰہ اللّٰہ

حضور مفتی اعظم کے نعتیہ دیوان ''سامانِ بخشش'' میں اسی انداز اور اسی بحر میں دو حمدیں موجود ہیں جو دراصل حجۃ الاسلام ہی کی حمدوں کے پھیلاؤ اور متنوع انداز میں وسعت کے مناظر پیش کرتی ہیں۔ پہلی حمد **ضرب ھو** کے عنوان سے شروع ہوتی ہے جس میں بیس بند ہیں ہر چار مصرعے کے بعد اللہ ھو اللہ ھو کی ضربیں لگائی گئی ہیں۔ یہ حمد دینی محافل اور دینی مجالس میں بڑے ذوق وشوق سے پڑھی جاتی ہیں اور اس کے ضرب ہوسے واقعی دل پر حق کی ضرب پڑتی ہے۔

اللہ رب العزت کی رویت کی آرزو اس کے جلوے کی تلاش اس کے عرفان کی جستجو اور اقرب ز حبل ورید گلو ہونے کے باوجود اس کی دید کی تڑپ ہر دل ہر آنکھ اور ہر متنفس کو ہے اور تمام حمد نگار شعرا نے اس پہلو کو اپنی حمد کا موضوع بنایا ہے۔ مگر جو انداز حجۃ الاسلام اور حضور مفتی اعظم علیہما الرحمۃ والرضوان کا ہے وہ واقعی دیدنی ہے۔ حضور مفتی اعظم کا انداز ملاحظہ فرمائیں۔ جس میں صنعت ردعروض وابتداعلی الصدر اور صنعت تکرار کی جمالیت بھی جلوہ ریز ہے۔

تو کسی جا نہیں اور ہر جا ہے تو تو منزہ مکاں سے مبرا ز سو
علم و قدرت سے ہر جا ہے تو کوبکو تیرے جلوے ہیں ہر ہر جگہ اے عفو

اللّٰہ ھو اللّٰہ ھو اللّٰہ ھو

قلب کو اس کی رویت کی ہے آرزو جس کا جلوہ ہے عالم میں چار سو
بلکہ خود نفس میں ہے وہ سبحانہٗ تیرے جلوے ہیں ہر ہر جگہ اے عفو

اللّٰہ ھو اللّٰہ ھو اللّٰہ ھو

دنیا کی ہر شی اور ہر مخلوق خدا کی حمد وثنا بیان کرتی ہے۔ خود قرآن پاک کا ارشاد گزرا ''**وان من شئی الا یسبح بحمدہ** اس مفہوم کو حضور مفتی اعظم کس عالمانہ انداز میں بیان کرتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

وہ بھی تسبیح سے رکھتا ہے اشتغال جو نہیں رکھتا منہ اور لسان مقال
پھر بھی گویا ئے تسبیح ہے اس کا حال اس کی حالی زباں کہتی ہے تو ہی تو

اللّٰہ ھو اللّٰہ ھو اللّٰہ ھو

ان کی دوسری حمد ''اذکار توحید ذات واسما وصفات وبعض عقائد'' کی سرخی کے تحت کہی گئی ہے۔ جس میں کل ننانوے بند ملتے ہیں مگر یہ نامکمل ہیں اس حمد کے دو رخ ہیں باسٹھ بند تک خالص حمدیہ مضامین ہیں اور اس کے بعد سینتیس بندوں میں نعت وحمد دونوں پہلوؤں کو بیان کیا گیا ہے۔ آپ کی یہ حمد علم وعرفان، زبان وبیان اور سلاست وبرجستگی کے لحاظ سے کسی بھی زبان کی حمدیہ شاعری میں سب سے ممتاز اور منفرد ہے۔ اس میں بعض مکمل بند اور بعض مصرعے عربی زبان میں ہیں مگر زبان کی سلاست اور ندرت اپنی جگہ مسلم ہے۔ بہ طور نمونہ یہ چند بند ملاحظہ کریں۔

لا موجود الا اللّٰہ لامشھود الااللّٰہ

لامقصود الا اللّٰہ لامعبود الا اللّٰہ
لا الہ الا اللّٰہ أمنا برسول اللّٰہ
لیس الھادی الا ھو کہتا ہے یہ ہر بن مو
سنتا ہوں میں از ہر سو لیس سواک یا من ھو
لا الہ الااللّٰہ أمنا برسول اللّٰہ
نت نئے جلوے ہیں ہر آں کل یوم ہوفی شان
خود ہی درد و خود درماں خود ہی دست وخود داماں
لا الہ الا اللّٰہ أمنا برسول اللّٰہ

حضور مفتی اعظم کی شاعری میں قرآنی تلمیحات کی کثرت ہے، نعت ہو یا حمد آپ نے برجستہ، برمحل قرآنی آیات کو بہ طور استدلال پیش کیا ہے اور اس خوبصورتی سے کیا ہے کہ بحر کی روانی میں ذرہ برابر بھی فرق محسوس نہیں ہوتا۔ یہ چند بند دیکھیں جن میں سورہ اخلاص اور سورہ ناس وفلق کی تفسیر وتوضیح صاف نمایاں ہے۔

لیس کمثلہ شئی لیس لہ کفواً احد
اس سے بن ہے وہ نہیں بن البصر السمع دیکھ اور سن
اللّٰہ الہ و رب واحد فردو واحد و ترو صمد
جس کا والد ہے نہ ولد ذات وصفات میں بے حد وعد
ایک حقیقی ہے وہ احد ایک نہیں وہ جو ہے عدد
پاک ہے وہ از صورت وحد کیف یصور کیف یحد
حق ھو حق ھو حق ھو حق رب ناس و رب فلق
غیر نہیں تیرا مطلق بھولوں گا میں یہ نہ سبق
لا الہ الا اللّٰہ أمنا برسول اللّٰہ

حمد میں اسمائے باری تعالیٰ کو اس سے پہلے بھی شعرا نے منظوم کیا ہے مگر حضور مفتی اعظم نے اسمائے باری کو اپنی حمد میں اس خوب صورتی اور روانی کے ساتھ منظوم کیا ہے کہ اس میں موسیقیت وغنائیت پیدا ہوگئی ہے۔ نمونہ کے طور پر یہ بند دیکھیں جس میں صنعت تنسیق صفات یعنی صفاتی الفاظ اور صفاتی مفہوم دینے والی اضافی ترکیب کا اس طرح بیان ہوا ہے کہ وجدان جھوم اٹھتا ہے۔ نیز دامن و دائرے کا تسلسل بھی اس طرح قائم کیا گیا ہے کہ شاعر کی قادرالکلامی کا اعتراف کرنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے اس ایک بند میں پانچ دامن (ع ع ع ع ع) اور پانچ دائرے (ق ی ی ی ل) کی یکجائی ملاحظہ کریں۔

منعم حق و سمیع و بصیر باقی باری بر و خبیر

جامع مانع ضار و کبیر رافع نافع حی و قدیر
لا اله الا الله أمنا برسول الله

اوراب بغیر کسی تبصرے کے چندوہ اشعار ملاحظہ کریں جن میں بڑے فن کارانہ اور عارفانہ انداز میں اسماے باری تعالیٰ کو منظوم کیا گیا ہےاوراس کے پڑھنے سے وہ کیفیت پیدا ہوتی ہے جو موحدانہ اورادو وظائف کا خاصہ ہے۔

والی ولی متعالی حکیم وهّاب ورزاق علیم
مالک یوم دین و جحیم مالک ملک خلد نعیم
تواب و مغنی هادی مقسط محیی ممیت غنی
منتقم و قیوم و قوی مقتدر و واسع محی
مبدی جلیل وحفیظ و مجید معطی وکیل و سلام و معید
وہ ہے لطیف و ودود وحید اور شهید و حمید و رشید
قابض و باعث خالق ہے خافض وارث رازق ہے
جو ہے اس کا عاشق ہے غیر ناطق ناطق ہے
لا اله الا الله أمنا برسول الله

حضور مفتی اعظم کی شعری زبان نہایت پاکیزہ وشستہ اور کوثر وسلسبیل میں ڈھلی ہوئی ہے۔ اس میں سادگی بھی ہے اور رنگینی بھی۔ پڑھنے اور سننے والا ان کے کلام کے زیر وبم میں ایسا کھوجاتا ہے کہ اسے اس کے عوارف ومعانی اپنے دل کے غارِ حرا میں اترتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ خدا کی ذات وصفات کو کس پیرایہ میں بیان کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں اور یہ بھی دیکھیں صنعت سوال سے وہ کس طرح استفادہ کا پہلو نکالتے ہیں۔ اوران کے اس اسلوب سے کس طرح ذہن کو تحریک ملتی ہے۔

اللہ واحد یکتا ہے ایک خدا بس تنہا ہے
کوئی نہ اس کا ہمتا ہے ایک ہی سب کی سنتا ہے
ایک نہ ہوتا گر اللہ کیسے رہتے ارض و سما
ہوتا نہ اک محتاج اک کا کس لیے وہ اس سے ملتا
لا اله الا الله أمنا برسول الله

خدائے تعالیٰ منزہ عن العیوب ہے۔ کسی بھی چھوٹے بڑے عیب سے اس کا کوئی علاقہ نہیں مگر اس کے باوجود بعض گمراہ فرقہ والوں نے خدائے تعالیٰ کو کذب سے ملوث اور عدم کذب کو نقص فی القدرت گردانا ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی نے اس موضوع

پر نہایت ہی مدلل رسالہ ''سبحٰن السبوح عن عیب کذب مقبوح'' لکھ کر اس مسئلہ کی پوری وضاحت کر دی ہے۔حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے بھی اس مفہوم کو اپنی اس حمد میں بڑے صاف سلیس اور فن کارانہ انداز میں بیان فرمایا ہے۔نمونے کے لیے یہ چند بند ملاحظہ کریں جن میں اصل موضوع کے علاوہ تنسیق صفات ذم اور تجنیس مطرف کی صنعتیں بھی موجود ہیں اور زبان اتنی صاف وشیریں اور آسان ہے کہ اس کی نثر نہیں بنائی جاسکتی۔

جہل و ظلم و کذب و زنا خواری میخواری سرقہ
اس سے یہ ممکن؟ جس نے کہا لاریب اس نے کفر بکا
روشن ہے یہ جیسے دن اس کا تلوث ناممکن
واقع کہتا ہے موہن اور پھر بنتا ہے مومن
صدق رب جب واجب ہے کذب محال اے خائب ہے
جمع دو ضد کب جائز ہے عقل کہاں تیری غائب ہے

لا اله الا الله أمنا برسول الله

سہل ممتنع کے اشعار کہنا شاعر کی قادرالکلامی،فن پہ کلی گرفت اور زبان و بیان پر قدرت کی علامت سمجھی جاتی ہے۔ہر بڑے شاعر کی پہچان اسی امر سے ہوتی ہے کہ وہ اپنے خیالات وجذبات کو کس پیرایہ میں بیان کرتا ہے اور کس تنوع میں بیان کرسکتا ہے۔حضور مفتی اعظم نے اس حمد میں خدا کی ذات وصفات کے اظہار اور اپنے جذبات کی تعبیر میں کس تنوع اور فنکاری سے کام لیا ہے وہ قارئین نے ملاحظہ کیا۔اب سہل ممتنع کے بھی چند اشعار دیکھیں جو اپنی مثال آپ ہیں اس رنگ کا ایک بند حضور حجۃ الاسلام کے یہاں بھی موجود ہے۔

روح میں تو ہے دل میں تو میری آب وگل میں تو
اصل میں تو ہے ظل میں تو حق حق حق ہو ہو ہو

لا اله الا هو يا من ليس الا هو

اسی بند کی تحریک پر حضور مفتی اعظم نے اس انداز کے نو بند کہے ہیں۔فرق یہ ہے کہ حضور حجۃ الاسلام کے یہاں اس رنگ کا صرف ایک بند ہے اور حضور مفتی اعظم نے اس رنگ میں نو بند کہہ کر حمد نگاری کی فضا کو باغ و بہار بنا دیا ہے۔چند بند ملاحظہ فرمائیں جس میں تجنیس مطرف زائد،تجنیس صورت اور صنعت تضاد بھی موجود ہے۔

آنکھوں میں وہ ہے سر میں وہ دل میں وہ ہے جگر میں وہ
سمع میں وہ ہے بصر میں وہ طبع میں وہ ہے فکر میں وہ
نور میں وہ ہے نظر میں وہ شمس میں وہ ہے قمر میں وہ

پروانہ میں وہ ہے پر میں وہ شمع میں وہ ہے شرر میں وہ

داؤ دوا و اثر میں وہ نفع میں وہ ہے ضرر میں وہ

تخم میں وہ ہے شجر میں وہ شاخ میں وہ ہے ثمر میں وہ

لا الہ الا اللہ أمنا برسول اللہ

اب نمونے کے ایسے دو اشعار ملاحظہ کریں جن میں صنعت تحت نقاط بہ سہ اصوات کو استعمال کیا گیا ہے۔ پہلے شعر کی صنعت تحت نقاط میں موحد و مثنیٰ نقاط والے حروف یعنی ب/ ج/ ی استعمال ہوئے ہیں اور دوسرے شعر میں صنعت تحت نقاط کے ساتھ صنعت وصل الشفتین بھی استعمال ہوئی ہے۔ جس کے ہر اسم کے اظہار میں دونوں ہونٹ آپس میں ملتے ہیں جیسے ماہ، مدر، بحر، بر

ابر میں وہ ہے گہر میں وہ کوہ میں وہ ہے حجر میں وہ

ماہ میں وہ ہے مدر میں وہ بحر میں وہ ہے بر میں وہ

لا الہ الا اللہ أمنا برسول اللہ

اسی رنگ اور اسی روانی میں یہ بند بھی ملاحظہ کرلیں جس میں صنعت تضاد بھی ہے اور صنعت ترجمہ بھی۔ آخری شعر میں این و آن و دیگر کا ترجمہ اس میں اُس میں ہر میں کر کے صنعت ترجمہ والی شاعری کو اس مقام پر پہونچا دیا ہے جہاں شاعری اپنے اسلوب میں جمال وحی بن جاتی ہے اور شاعر تلمیذ الرحمن (رحمن کا فیض یافتہ) کہلانے کا مستحق ہو جاتا ہے۔

سوز میں وہ ہے ساز میں وہ ناز میں وہ انداز میں وہ

حسن بت طناز میں وہ عشق کے راز و نیاز میں وہ

تو میں وہ من میں وہ جان میں وہ ہے تن میں وہ

آبادی میں وہ بن میں وہ سر میں وہ ہے علَن میں وہ

قرب و بقا و وصل میں وہ بعد و فراق و فصل میں وہ

فرض میں وہ ہے نفل میں وہ اصل میں وہ ہے نقل میں وہ

فتح و ضم و جر میں وہ پیش و زیر و زبر میں وہ

این و آن و دیگر میں وہ اس میں اس میں ہر میں وہ

لا الہ الا اللہ أمنا برسول اللہ

حضور مفتی اعظم کی شاعری میں علم و فن کی جلوہ گری کے ساتھ عشق و عرفان کی جو سرمستی ہے وہ اردو شاعری میں خال خال ہی کہیں نظر آتی ہے۔ ان کی شاعری کا علمی فنی اور لسانی تجزیہ کرنا ہمارے جیسے کم علم کا کام نہیں۔ ہم نے دو چند جملے لکھ کر صرف یہ تاثر دیا ہے کہ ارباب علم

وادب اور شعروسخن کے پارکھ کے لیے ان کی شاعری میں بہت کچھ ہے۔ انھیں اس طرف مائل ہونا چاہیے تاکہ اردو شاعری نئی دریافت سے آشنا ہو اور اس کا وقار واعتبار بلند سے بلند تر ہو۔

☆☆☆☆☆

مفتی اعظم کے

سقم شرعی سے منزہ اشعار

مفتی محمد اشرف رضا صدیقی قادری نوری

قاضی شریعت ادارۂ شرعیہ مہاراشٹر ممبئی واستاذ دار العلوم حنفیہ رضویہ قلابہ، ممبئی

نعت اصناف سخن میں مشکل ترین صنف ہے، اس میں طبع آزمائی کرنے والوں کا زہرہ پانی پانی ہوجاتا ہے۔ اگر ذرا بھی افراط و تفریط ہوئی تو ایمان جانے کا خطرہ رہتا ہے۔ سیدی الکریم مرشدی العظیم سرکار مفتی اعظم قدس سرہ العزیز مشکل ترین مقام پر بھی نہایت سہل انداز میں شعر کہہ کر گذر گئے ہیں۔ جس میں نہ تو کہیں تنقیص کا شائبہ اور نہ کہیں غلو کا وہم ہوسکتا ہے۔ آپ کے پورے دیوان کو از اول

تا آخر دیکھ جائیں، کہیں بھی سقم شرعی نہیں ملے گی ۔ گویا پورا دیوان شرعی نقائص سے پاک ہے۔ ہاں کہیں کہیں حقیقت بیانی اور مسلک اہل سنت کی ترجمانی سے کلام میں کچھ ایسا رنگ پیدا ہو گیا ہے جو دشمنوں کی نظر میں کانٹا بن کر چبھ رہا ہے۔ آپ نے اس کے بارے میں ایک رباعی بھی کہی ہے ؎

گلہائے ثنا سے مہکتے ہوئے ہار
سقم شرعی سے منزہ اشعار
دشمن کی نظر میں یہ نہ کھٹکیں کیوں کر
ہیں پھول مگر ہیں چشم اعداء میں خار

آپ نوری تخلص استعمال کرتے تھے۔ آپ کے نعتیہ کلام کا انتخاب ''سامان بخشش'' کے نام سے مکتبہ امجدی پچپر وا، گونڈہ، یوپی نے ۱۳۸۸ھ میں شائع کیا تھا، پھر آل انڈیا اسلامک مشن، مدن پورہ، بنارس یوپی نے مزید اضافے کے ساتھ خوب صورت ایڈیشن شائع کیا ہے۔ مگر اس میں سب کلام نہیں آ سکے ہیں۔ سید عبدالعلیم قادری صاحب بمبئی نے آپ کے غیر مطبوعہ بیاض سے نقل کیا ہے اس کی زیروکس راقم سطور کے ذخیرۂ کتب میں محفوظ ہے۔ اس میں اسّی سے زائد اشعار گاندھی اور اس کی تحریک کے خلاف ہے۔ مطبوعہ نسخہ کوئی مکتبہ والوں نے جیبی سائز میں بھی شائع کیا ہے۔ درحقیقت یہ کتاب اسم بامسمّٰی ہے۔ اس میں ایک مومن کے لیے بخشش ومغفرت کا سامان موجود ہے۔ آپ کے نعتیہ کلام سے محسن انسانیت صلی اللہ تعالی علیہ وبارک وسلم کی ذات والاصفات سے والہانہ محبت اور خلوص وعقیدت کا رنگ جھلکتا ہے۔ آپ کی نعتوں کے مطالعہ سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے جو کچھ کہا ہے دل کی گہرائی اور عقیدت مندی سے کہا ہے، آپ کی نعتیں جذبات شعری کی صالح قدروں کی بھرپور ترجمانی کرتی ہیں، آپ کی نعتیں محفل عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وبارک وسلم وجلسہ سیرت رسول علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ افضل الصلاۃ واشرف التسلیم کے علاوہ بڑی بڑی اسلامی کانفرنسوں میں بڑے ذوق وشوق سے پڑھی اور سنی جاتی ہیں جن سے حضور اکرم علیہ ازکی التحیات وانمی البرکاتکی ذات والاصفات سے شدت محبت اور ایک طرح کی تڑپ کا احساس ہوتا ہے۔

زبان وبیان:

حضور مفتی اعظم قدس سرہ العزیز کا کلام شیریں بیانی کے اعتبار سے بھی اہل زبان کے دیوان عام میں سکہ رائج الوقت ہے۔ بلاشبہہ اسے اپنے اہل زمانہ پر فوقیت حاصل ہے۔ آپ کی زبان شگفتگی اور روانی میں ان ساتذہ کی زبان سے جن کو سلاست وسادگی اور محاورہ کے اعتبار سے مسلّم مانا گیا ہے کسی طرح بھی کم نہیں۔ تمثیلا چند اشعار نقل کر رہا ہوں ؎

ان کے جلوے ہیں مری آنکھوں میں اچھی ساعت سے موت آئی ہے

چمن طیبہ میں تو دل کی کلی کھلتی ہے کیا مدینہ سے سوا روضۂ رضواں ہوگا
وہ گلستاں ہے جہاں آپ ہوں جانِ جاناں آپ صحرا میں اگر آئیں گلستاں ہوگا
آپ جائیں جو چمن سے تو چمن جانِ چمن خاصۂ یک خاک بسر دشتِ مغیلاں ہوگا

سرکار نوری کے تمام کلام میں زبان کی شگفتگی کا یہی عالم ہے اب حسن زبان کے ساتھ محاورہ بندی کی بہار بھی دیکھیے ؎

جان ایماں ہے محبت تری جانِ جاناں جس کے دل میں یہ نہیں خاک مسلماں ہوگا

نورِ ایماں کی مشعل رہے روشن پھر تو روز و شب مرقدِ نوری میں اجالا ہوگا

رشک سلطاں ہے وہ گدا جس نے تیرے کوچہ میں دھونی رمائی ہے

غم والم مٹادیں گے شاد کردیں گے ہم اپنے غم کا قضیہ چکانے آئے ہیں
مدینہ ہم سے فقیر آگے لوٹ جائیں گے درِ حضور پر بستر جمانے آئے ہیں

اب زبان کی شیرینی، روانی وحسن بیان اور محاورہ آرائی کے ساتھ زورِ کلام کا تلاطم دیکھیے ؎

رسل انھیں کا تو مژدہ سنانے آئے ہیں انھیں کے آنے کی خوشیاں منانے آئے ہیں
جو چاہیں گے جسے چاہیں گے یہ اسے دیں گے کریم ہیں یہ خزانے لٹانے آئے ہیں
سنو گے لا نہ زبانِ کریم سے نوری یہ فیض و جود کے دریا بہانے آئے ہیں

تشبیہ و استعارہ :

شعر میں مشکل اور پیچیدہ مضامین کو ادا کرنے میں تشبیہ واستعارہ سے مدد لینی پڑتی ہے۔تشبیہ واستعارہ کسی خیال یا مضمون کا تصور پیدا کرنے میں ایک مصور کا رول ادا کرتا ہے اس کی وجہ سے شعر میں رنگینی اور دل کشی پیدا ہوجاتی ہے لیکن تشبیہ واستعارہ کے استعمال کرنے میں اس کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے کہ مشبہ بہ اور مستعار منہ عام ہو جس کا علم ہر کسی کو ہو اس کے برخلاف غیر معروف تشبیہیں اور نامانوس استعارے استعمال کیے گئے تو وہ کلام میں حسن پیدا کرنے کی بجائے کلام کو ایک چیستاں بنادیتے ہیں۔حضور مفتی اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے نازک خیالات کے اظہار میں نہایت لطیف اور دل نشیں تشبیہوں اور حسین استعاروں سے کام لیا ہے۔ذیل کے اشعار میں تشبیہات کی کارفرمائی ملاحظہ فرمائیں ؎

کب چمکتا یہ ہلال آسماں ہر ماہ یوں جو نہ ہوتا اس پہ پرتو ابروے سرکار کا

ہلال کو ابروے سرکار سے تشبیہ دی جو پُرلطف تشبیہ ہے۔مزید لطف کا باعث یہ ہے کہ اس کی چمک کو ابروے پاک کے پرتو پر موقوف رکھا ہے گویا پرتو ابروے سرکار اصل ہے اور ہلال کی چمک دمک اس کا عکس و پرتو ہے۔ایک اور شعر ملاحظہ فرمائیں ؎

یہ گھٹا جھوم کے کعبہ کی فضا پر آئی اڑ کے یا ابرو پہ چھائے ہیں تمھارے گیسو

اس شعر میں گیسو کو گھٹا سے اور ابرو کو کعبہ سے تشبیہ دی گئی ہے۔

سر بسجدہ ہوئے محرابِ خم ابرو میں کعبہ جاں کے جو آئے ہیں کنارے گیسو

اس شعر میں خم ابرو کو محراب سے اور حضور کو کعبہ جان سے اور کنارے گیسو کو سر بہ سجدہ سے تشبیہ دی گئی ہے

حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کلام میں تشبیہات کی طرح استعارے بھی اچھوتے ہیں۔تمثیلاً چند اشعار نقل کرتا ہوں ؎

یہ مہ وخور یہ ستارے چرخ کے فانوس ہیں شمع روشن ان میں ہے جلوہ ترے رخسار کا

اس شعر میں آپ نے مہ وخور اور ستارے کو فانوس سے اور جلوۂ رخسار کو شمع روشن سے استعارہ کیا ہے۔

حسن وہ پایا ہے خورشید رسالت تو نے تیرے دیدار کا طالب مہ کنعاں ہوگا

الفاظ کے بارے میں بے شمار صنعتیں ہیں لیکن میں یہاں ان ہی صنعتوں کا ذکر کروں گا جو حضور مفتی اعظم قدس سرہ العزیز کے کلام

میں بکثرت پائی جاتی ہیں۔

دور ساحل موج حائل پار بیڑا کیجیے ناؤ ہے منجدھار میں اور ناخدا ملتا نہیں

اس شعر میں موج کی مناسبت سے منجدھار اور ساحل اور ناؤ کی رعایت سے ناخدا لایا گیا ہے، اس شعر میں صنعت مراعات النظیر ہے۔

یہ گل یہ غنچے یہ گلشن کے بیل اور بوٹے انھیں کے دم کی ہے ساری بہار آنکھوں میں

اس شعر میں گلشن کی مناسبت سے گل و غنچہ اور بیل بوٹے پھر مزید بہار کا ذکر شعر میں عجیب دل کشی پیدا کرتا ہے یہ شعر بھی صنعت ماقبل کی جنس سے ہے۔

کوئی دم کے مہماں ہیں آ جاؤ اس دم کہ سینے میں اٹکا ہے دم غوث اعظم

اس شعر میں صنعت تجنیس ہے۔

ہم نے یوں شمع رسالت سے لگائی ہے لَو سب کی جھولی میں تمھارا ہی دیا ہوتا ہے

لَو کا ایک معنی شوق و آرزو اور دوسرا شعلہ کے ہیں یہاں پہلا معنی مراد ہے لیکن شمع کی لَو کہنے سے شعلے کی طرف خیال جاتا ہے۔ اس شعر میں دیا کا لفظ بھی ہے جو شمع کا ہم معنی ہے یو ہیں جھولی کی مناسبت سے عطا کا معنی بھی لیے ہوا ہے۔ اس شعر میں صنعت ایہام ہے۔

اشارہ پائے تو ڈوبا ہوا سورج برآمد ہو اٹھے انگلی تو مہ دو بلکہ دو دو چار ہو جائے

اس شعر میں صنعت سیاق الاعداد ہے۔

صنعت تلمیع : وہ صنعت ہے کہ کوئی شعر دو یا تین زبانوں میں کہا جائے، آپ کے کلام میں یہ صنعت بکثرت پائی جاتی ہے۔ اس صنعت کے کچھ اشعار تمثیلاً نقل کر رہا ہوں، ملاحظہ فرمائیں ؎

بڑھو ادب سے کرو عرض السلام علیک و اھل بیتک و الآل و الذین لدیک

انت قاسم ربک معطی تم ہی نے سب کو نعمت دی د ید و مجھ کو میرا حصہ صلی اللہ علیہ وسلم

تیری رحمت کی امید ہے اے عفُو کہ ہے ارشاد قرآن لاتقنطوا

صنعت تلمیح : حضور مفتی اعظم قدس سرہ العزیز کے کلام میں علمی، دینی اصطلاحیں، تاریخی واقعات، آیات واحادیث اور قصص قرآنی کی طرف لطیف اشارے پائے جاتے ہیں، معجزات کے حوالے بھی صنعت تلمیح میں داخل ہیں۔ تمثیلاً چند اشعار نقل کر رہا ہوں ؎

قبلۂ کونین ہیں سرکار امام القبلتین آپ ہیں فتح خدا فاتح بدر و حنین

وہ ہیں خورشید رسالت نور کا سایہ کہاں ان کے فرضی ظل سے بھی ظل ہما ملتا نہیں
دہر یہ الجھا ہوا ہے دہر کے پھندے میں یوں سارا الجھا سامنے ہے اور سرا ملتا نہیں

کتاب حضرت موسیٰ میں وصف ہیں ان کے   کتاب عیسیٰ میں ان کے فسانے آئے ہیں
انھیں کے نعت کے نغمے زبور سے سن لو   زبان قرآں پہ ان کے ترانے آئے ہیں

تمھارے فیض سے لاٹھی مثالِ شمع روشن ہو   جو تم لکڑی کو چاہو تیز تر تلوار ہو جائے
اشارہ پائے تو ڈوبا ہوا سورج برآمد ہو   اٹھے انگلی تو مہ دو بلکہ دو دو چار ہو جائے

یوں تو آپ کے اکثر اشعار میں قرآنی آیات کا مفہوم ہے لیکن بعض اشعار میں آیات یا احادیث کا صاف صاف حوالہ موجود ہے۔ اس طرح کے اشعار بھی صنعت تلمیح کے قبیل سے ہیں۔ تمثیلاً چند اشعار نقل کر رہا ہوں ؎

قول حق ہے قول تمہارا   اِن ھو الّا وحی یوحیٰ
فعل تمہارا فعل خدا ہے   اس کا گواہ اللّٰہ رَمیٰ ہے

آپ کا یَدُ یدِ ربِ واحد   فَوقَ اَیدِیھِم ہے شاہد

سبھی رسل نے کہا اِذْھَبُوا اِلیٰ غَیری   اَنا لَھا کا یہ مژدہ سنانے آئے ہیں

جز بشر اور کیا دیکھیں خیرہ نظر   اَیُّکُم مِثلِی گو وہ سنا کر چلے

بیانِ عیبِ دشمن نعت ہی ہے   کہ قرآن میں بھی تَبَّتْ یَدا ہے

ایک بار آپ بریلی ضلع کے ایک گاؤں میں تشریف لے گئے۔ صاحب خانہ کی آٹھ سالہ لڑکی کے ہاتھ میں کتاب کا ایک ورق تھا جس میں مرزا داغ دہلوی کی ایک غزل مرقوم تھی جس کا مصرع اس طرح تھا ؎ کون کہتا ہے آنکھیں چرا کر چلے

آپ کو یہ مصرع پسند آیا اور وہیں تھوڑی دیر میں ۲۴ اشعار پر مشتمل ایک نعت کہہ دی جس کا مطلع یہ ہے:

کون کہتا ہے آنکھیں چرا کر چلے   کب کسی سے وہ آنکھیں بچا کر چلے
وہ حسیں کیا جو فتنے اٹھا کر چلے   ہاں حسیں تم ہو فتنے مٹا کر چلے

یوں ہی ایک بار آپ سفر میں تھے راستہ میں کاغذ کا ایک ورق ملا جس پر اکبر الہٰ آبادی کی ایک نظم کے کچھ اشعار تھے جس میں ڈور، الجھاؤ، پتنگ وغیرہ کا تذکرہ آتا تھا۔ یہ مضمون آپ کو پسند آیا پھر وہیں آپ نے ۱۴۶ اشعار پر مشتمل ایک طویل نعت لکھی جو اس مطلع سے شروع ہوتی ہے ؎

دو جہاں میں کوئی تم سا دوسرا ملتا نہیں   ڈھونڈتے پھرتے ہیں مہر و مہ پتہ ملتا نہیں

اس نظم میں آپ نے اسی مضمون کو ایک دوسرے پیرایہ میں استعمال کیا ہے جس میں فرقہ دہریہ کا کھلا رد بھی ہو گیا ہے، لکھتے ہیں ؎

دہریہ الجھا ہوا ہے دہر کے پھندے میں یوں   سارا الجھا سامنے ہے اور سرا ملتا نہیں

آپ نے مشکل زمینوں میں بھی نعتیں کہی ہیں جن سے آپ کی قادر الکلامی اور مہارت فن کا ثبوت ملتا ہے۔تمثیلاً چند اشعار نقل کررہاہوں ؎

توشمعِ رسالت ہے عالم ترا پروانہ تو ماہِ نبوت ہے اے جلوۂ جانانہ

سنگ درِجاناں پر کرتاہوں جبیں سائی سجدہ نہ سمجھ نجدی سر دیتاہوں نذرانہ

سنگ درِجاناں ہے ٹھوکر نہ لگے اس کو لے ہوش پکڑ اب تو اے لغزش مستانہ

کرم آپ کا جو اے سیدا برار ہو جائے تو ہر بدکار بندہ دم میں نیکوکار ہو جائے

جو مومن دیکھے تک تم محرم اسرار ہو جائے جو کافر دیکھ لے تم کو تو وہ دیں دار ہو جائے

تمھارے حکم کا باندھا ہوا سورج پھرے الٹا جو تم چاہو کہ شب دن ہوا بھی سرکار ہو جائے

میرا گھر غیرت خورشید درخشاں ہوگا خیر سے جانِ قمر جب کبھی مہماں ہوگا

جو تبسم سے عیاں اک دُرِّ دنداں ہوگا ذرہ ذرہ مرے گھر کا مہ تاباں ہوگا

صبح روشن کی سیہ بختی سے اب شام ہوئی کب قمر نوردہِ شام غریباں ہوگا

چھوٹی زمینیں:

چھوٹی زمینوں میں دل نشیں اشعار کہنا ایک کہنہ مشق شاعر کا کام ہے،اس میں زبان بہت سہل اختیار کرنی پڑتی ہے،شعر ایسے ہوتے ہیں جیسے گفتگو ہورہی ہو۔حضور مفتی اعظم قدس سرہ العزیز نے بھی چھوٹی زمینوں میں نہایت سہل زبان میں کامیاب نعتیں کہی ہیں۔تمثیلاً آپ کے دیوان سے صرف دونعتوں کے تین تین اشعار نقل کررہاہوں ؎

حبیبِ خدا کا نظارا کروں میں دل و جان اس پر نثارا کروں میں

میں کیوں غیر کی ٹھوکریں کھانے جاؤں ترے در سے اپنا گذارا کروں میں

ترے در کے ہوتے کہاں جاؤں پیارے کہاں اپنا دامن پسارا کروں میں

تم کو دیکھا تو دم میں دم آیا آپ آئے کہ جان آئی ہے

مر رہا تھا تم آئے جی اٹھا موت کیا آئی جان آئی ہے

درودوسلام :

حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وبارک وسلم کی محبت وعقیدت میں درود وسلام کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ہر نعت گو شاعر نے جہاں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وبارک وسلم سے محبت وشیفتگی کو اشعار کے قالب میں ڈھالا ہے انھوں نے درودوسلام کا نذرانہ بھی اشعار کی صورت میں ضرور پیش کیا ہے۔سرکار مفتی اعظم رَحِمَہُ اللّٰہُ تعالیٰ نے بھی بارگاہ رسالت مآب علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ واہل محبتہٖ افضل الصلاۃ واشرف السلام میں درود وسلام کا نذرانہ عقیدت بہ صورت اشعار پیش کیا ہے۔آپ نے ۱۸۰ اشعار پر مشتمل ایک سلام کہا ہے۔جس میں ہر دوسرے شعر کا مصرعہ ثانی ''تم پر لاکھوں سلام'' ہے۔ایک اور سلام ۱۱۸ اشعار پر مشتمل ہے،جس میں ہر دوسرے شعر کے بعد تیسرے شعر کے

مصرع اول میں ''الصلاۃ والسلام، الصلاۃ والسلام'' کے استعمال نے منظوم صلاۃ وسلام میں ایک جاذبیت پیدا کردی ہے۔

آپ نے ۸۷ اشعار پر مشتمل عشق رسول میں ڈوب کر ایک ایسی نعت رفیع کہی ہے جس کے ہر دوسرے شعر کے مصرع ثانی میں'' صَلَّی اللّٰہُ صلی اللّٰہ صلی اللّٰہ علیکَ وسلّم صلی اللّٰہ صلی اللّٰہ'' کی پیوند کاری نے اس نعت کو سونے کی ڈلی بنادی ہے۔

اس کے علاوہ ۱۸ اشعار پر مشتمل ایک اور نعت لکھی ہے جس میں ہر ایک شعر کے اخیر میں درود پاک ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کو ایسے انداز میں استعمال کیا ہے کہ وہ اس شعر کا جز مکمل بن کر رہ گیا ہے۔ آدمی نعت شریف پڑھنے کے ساتھ درود شریف پڑھنے کا بھی شرف حاصل کرلیتا ہے۔

آپ نے نعت وسلام کے علاوہ ۴۰ اشعار پر مشتمل حمد باری تعالیٰ کہی ہے جو تخلیق انسان کا مقصود اصلی ہے اس میں آپ نے ہر دو شعر کے بعد ''اللّٰہ ھو اللّٰہ ھو اللّٰہ ھو اللّٰہ ھو'' کی تکرار رکھا ہے جس کے پڑھنے سے معصیت کا دفتر بجلی الٰہی سے مجلّٰی ومصفّٰی ہوجاتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور نظم رفیع تقریباً ۲۰۰ اشعار ہر مشتمل کہا ہے اور اس میں یہ التزام رکھا ہے کہ ہر دو شعر کے بعد ''لاالٰہ الااللّٰہ آمنّا بِرسولِ اللّٰہ'' کو مخمس کے طور پر استعمال کیا ہے۔ اس نظم کے اوائل میں آپ نے حمد باری تعالیٰ اور اسماء حسنیٰ اور صفات کبریٰ کا تذکرہ کیا ہے۔ اور آخر میں اسی التزام کے ساتھ نعت رسول انام علیہ وعلیٰ آلہ الکرام وصحبہ العظام ازکیٰ الصلاۃ وانمیٰ السلام لکھی ہے۔

حمد باری تعالیٰ ونعت مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کے علاوہ آپ نے سیدنا سرکار بغداد، دافع الفساد، واہب المراد، نافع العباد، غوث الثقلین، غیث الکونین، شیخ الملائکۃ والجن الانس، محی الاسلام والملۃ والدین عبدالقادر الجیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں بھی اپنی عقیدت ونیاز مندی کا اظہار کیا ہے۔ درحقیقت آپ چودہویں صدی میں نائب ومظہر غوث اعظم تھے، ان کی شان میں ۹۷ اشعار پر مشتمل تین منقبتیں کہی ہیں جن سے صرف دو شعر تبرکاً نقل کر رہا ہوں جس سے مفتی اعظم قدس سرہ العزیز کا سیدنا ومولانا غوث اعظم قدس سرہ العزیز سے کمال عقیدت کا پتہ چلتا ہے ۔

کچھ ایسا گمادے محبت میں اپنی کہ خود کہہ اٹھوں میں منم غوث اعظم
یہ دل یہ جگر ہے یہ آنکھیں یہ سر ہے جہاں چاہو رکھو قدم غوث اعظم

☆☆☆☆☆

مفتی اعظم اور ذکر مدینہ

مولانا محمد افروز قادری
پچھّم محلہ، چریا کوٹ، مئو

اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیا کی ہرشی سے بڑھ کر جس سے ہمیں پیار کرنے کو کہا گیا ہے، وہ محبوب اعظم، باعث تکوین کائنات علیہ التحیۃ والتسلیمات کی ذات ستودہ صفات ہے۔ بلکہ یہی محبت مدار ایمان اور مایۂ نجات ہے۔ کسی موقع پر حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ

عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ بجز میری جان، دنیا جہان کے لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب ہیں تو سرکار نے ارشاد فرمایا: عمر ابھی تیرا ایمان نامکمل ہے۔ پھر جب حضرت عمر نے سرکار کو اپنی جان سے بھی عزیز تر پالیا تو حضور نے فرمایا: **الآن یا عمر** ۔ اے عمر اب کہیں جا کر تمھارا ایمان مکمل ہوا۔

مدینہ منورہ، روضۂ رسول کریم اور مسجد نبوی کی وجہ سے مسلمانانِ عالم میں عقیدت و احترام کا مقام تسلیم کیا جاتا ہے، علمائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مدینہ منورہ کو دنیا کے تمام شہروں پر فضیلت حاصل ہے۔ (شاہ کار اسلامی انسائیکلو پیڈیا: ص ۱۴۴۳، لاہور)

مکان کی قیمت مکینوں سے ہوتی ہے اور شہر کی عظمتوں کا راز اس کے باشندے ہوتے ہیں۔ آج مدینہ کے ذرہ ذرہ پر اہل جہاں کی نگاہیں عقیدتوں کا خراج لٹا رہی ہیں اور اہل دل کی پیشانیاں اس شہر مقدس کے احترام میں جھکی جاتی ہیں تو یہ صرف سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود با جود کا صدقہ ہے۔

عالم کون و مکان میں جس طرح مایہ ناز عظمت و جلالت اور جمیع اوصاف سے متصف شاہ خوباں پیغمبر آخر الزماں کی ہستی ہے اسی طرح انسانی بستیوں میں ''مدینہ''، تعظیم و تکریم اور اپنی مخصوص امتیازی شان میں یگانہ روزگار رہے۔

اگر نگہ و دل جھک رہے ہیں، گردنیں خم ہو رہی ہیں اور پیشانیاں سجود نیاز لٹا رہی ہیں تو یہ اس شہر مقدس کا حق ہے۔ لیکن اگر نگہ عاشق میں بے حد محترم و مقبول ہو تو اس کے شہر و مکاں سے انس و محبت ہونا فطری امر ہے۔ اہل محبت کے دل اس شہر محبت کی طرف کیوں نہ جھکیں کہ خود سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں اس شہر مقدس کی بے پناہ عظمت و محبت تھی۔ چنان چہ آپ جب اسفار سے واپس آتے اور مدینہ کے قریب پہنچتے تو اپنی سواری کو اور تیز کر دیتے تاکہ فراق کی گھڑیاں جلد از جلد ختم ہوں اور وصال دیار مدینہ سے قلب مبارک کو سکون و طمانیت نصیب ہو۔ (مشکوٰۃ ص ۲۶۰، وفاء الوفا ص ۲۳)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ طیبہ کی گرد و غبار اور خاک پاک سے اس قدر انس و پیار تھا اور اس کی عزت و عظمت آپ کے قلب اطہر میں اتنی زیادہ تھی کہ اگر آپ کے رخ انور پر گرد و غبار پڑ جاتا تو اسے صاف نہیں فرمایا کرتے تھے۔ (تاریخ مدینہ منورہ، ص ۵۹)

اس سے ہٹ کر ایک دوسرے رخ سے آپ عظمت مدینہ کا جائزہ لیں کہ پہلے اس شہر کا نام ''یثرب'' تھا مگر اس لفظ میں ملامت، عار اور خرابی کا معنی پایا جاتا ہے اس لیے سرکار نے اس کا نام طیبہ رکھ دیا اب اگر کسی نے ''مدینہ'' کو ''یثرب'' کہہ دیا تو وہ شریعت کی نظر میں مجرم ہے اور ارباب عشق کے نزدیک معتوب۔ اس جرم کا کفارہ یہ ہے کہ وہ دس بار پھر ''مدینہ'' کہے۔ ایک حدیث کے الفاظ یہ ہیں: **من قال للمدینۃ یثرب فکفارتہ أن یقول "المدینۃ" عشر مرات** ۔ (جمع الجوامع للسیوطی، جلد ۷، ص ۲۲۹، حدیث: ۲۲۶۲۹ لبنان)

اور حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کا اس سلسلہ میں موقف یہ ہے کہ جو شخص مدینہ پاک کی زمین کو عدم طیب سے نسبت کرے اور اس کی ہوا کو ناخوش گوار کہے وہ واجب التعزیر ہے، اس کو قید کیا جائے یہاں تک کہ سچی توبہ کرے۔ (جذب القلوب الی دیار المحبوب ص: ۶ مترجم)

امام احمد اور امام ابو یعلی نے مرفوعاً روایت کی ہے کہ اگر کوئی شخص مدینہ طیبہ کو یثرب کہے تو اسے چاہیے کہ جناب باری عز اسمہ میں استغفار کرے۔ اس کا نام طابہ ہے، یہ طیبہ ہے۔ (جمع الفوائد جلد ۱، ص ۲۰۱، السیرۃ الحلبیہ جلد ۲، ص ۶۲)

مدینہ منورہ ہر عہد میں عقیدت و فدائیت کا مینارہ نور رہا اور ارباب عشق و محبت نے مدینہ کا احترام بے پناہ کر کے ایک حیرت انگیز مثال قائم کر دی ہے۔ سیرت و سوانح کی کتب خاک مدینہ کے ذروں پہ دل نچھاور کرنے والوں کی داستان محبت نشان سے بھری ہوئی

ہیں۔ یہاں میں صرف امام مالک علیہ الرحمہ کے عشق رسول اور محبت مدینہ کی ایک جھلک دکھانے پر اکتفا کر رہا ہوں تاکہ اپنے موضوع پر بحث آسان ہو۔

حضرت مالک بن انس کی خاک طیبہ کے ساتھ انس اور محبت اس حد تک بڑھی ہوئی تھی کہ آپ نے ساری زندگی مدینۃ الرسول میں بسر کی مگر مدینہ طیبہ سے باہر اس خوف سے تشریف نہیں لے جاتے تھے کہ مبادا باہر ہی میری موت آجائے اور میں مدینہ میں دفن ہونے کی سعادت سے محروم ہو جاؤں۔ صرف ایک مرتبہ حج فرض ادا کرنے کے لیے مکہ معظّمہ تشریف لے گئے تھے۔ بالآخر شادکام ہوئے اور مدینہ میں رحلت فرمائی۔ آج بقیع الغرقد میں استراحت کناں ہیں۔ (جذب القلوب ص ۲۵)

اسی طرح پندرہویں صدی کے اوئل میں عشق ومحبت کی سرمستیوں میں نہائی ہوئی اور امام مالک کے عشق بے پایاں سے حصہ فراواں پانے والی ایک ذات کا پتا ملتا ہے جسے بجا طور پر تحریکِ محبت رسول کا نام دیا جاسکتا ہے۔ اسی عاشق صادق کا نام دنیا نے ''مفتی اعظم'' رکھا ہے۔

۱۳۴۵ھ میں جب اس عاشق صادق کا مقدر جاگا اور بارگاہِ رسالت مآب میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی تو ایک بار مواجہہ اقدس میں صلاۃ وسلام پڑھنے کے بعد حرم شریف کے ایک خادم سے جھاڑو لے کر درود وسلام پڑھتے ہوئے، اس مبارک سرزمین کو بُہارا۔ اس وقت آپ کے جذب وشوق کا کیف وسرور نا قابل بیان ہے۔ آپ نے ایک بار نعت پاک میں فرمایا تھا ؎

خدا خیر سے لائے وہ دن بھی نوری مدینہ کی گلیاں بُہارا کروں میں

اس کو سچ کر دکھایا۔ (ماہنامہ استقامت کا مفتی اعظم نمبر، ص ۳۱۲)

کعبہ دیکھنے کے بعد کعبے کا کعبہ دیکھنے کا منظر ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی نے خوب بیان کیا ہے:

''حضرت حج کی ادائیگی کے بعد بیت اللہ سے اللہ کے محبوب کے شہر کی جانب روانہ ہوئے حضرت شام ڈھلے مدینہ منورہ کی حدود میں داخل ہوئے۔ ....عبد الہادی صاحب افریقی نے سلام ''مصطفی جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام'' پڑھنا شروع کیا۔ شہر محبوب میں محبوب کو صلاۃ وسلام کی نذر پیش کی جارہی ہے اور غلام مصطفی مصطفی رضا خاں صاحب سلام کے ایک ایک مصرعہ پر سر عقیدت خم کرتے جارہے تھے اور وہ تصور محبوب میں اس قدر غرق تھے کہ خود کا ہوش نہ تھا۔ آخر جب حضرت مولانا ضیاء الدین صاحب علیہ الرحمہ کے دولت کدے کے سامنے گاڑی رکی اور سلام ختم ہوا تو حضرت عالم جذب سے باہر آئے۔

یہ دیوانہ رسول دیارِ حبیب میں ہر ہر قدم پر درودوں کے لعل وگہر نذر کرتا ہوا، سر جھکائے، نظریں نیچی کئے، راستہ طے کرتا تھا اور ہر روز بعد نمازِ فجر اور بعد نمازِ عشا روضۂ انور پر حاضر ہوتا اور مواجہہ شریف سے تین ہاتھ فاصلہ پر کھڑے ہو کر سر عقیدت خم کیے، نگاہیں جھکائے اور دل میں عشق حبیب کی چاندنی کا جلوہ بسائے، صلوٰۃ وسلام کے نذرانے پیش کرتا۔

اہل مدینہ سے حضور مفتی اعظم کی محبت کا یہ عالم تھا کہ مدینہ میں حضرت کی قیام گاہ پر ہر وقت اہل مدینہ اور دوسرے ممالک کے حجاج کرام کا ہجوم رہا کرتا تھا۔ اہل مدینہ تعویذ کو آیا کرتے تھے، اس وقت حضرت تمام کام روک کر اور تمام حضرات سے معذرت کر کے صرف اہل مدینہ ہی کا کام کرتے تھے۔

(مفتی اعظم: ص ۳-۱۳۶، بریلی شریف)

حضور مفتی اعظم نے اپنے اشعار میں طیبہ و مدینہ کا ذکر اتنی کثرت سے کیا ہے کہ اگر سب کو تشریحی و تحلیلی نوٹ سے سجایا جائے تو بلا مبالغہ ایک دفتر درکار ہوگا۔ لفظ مدینہ کے اس کثرت استعمال سے آپ کے قلب میں بیٹھی محبت رسول اور ذوق ہمایوں پر چھائے عشق رسول کا بھرپور مظاہرہ ہوتا ہے۔ عشق شہر رسول کا عالم یہ ہے کہ آپ نے ''مدینہ'' ردیف میں مکمل ایک نعت ہی رقم فرمائی ہے جس کا ہر شعر عشق وعرفان کا ترجمان اور مدینہ وشاہِ مدینہ سے عقیدت بے پناہ کا آئینہ دار ہے۔ ذیل میں اس نعت کے کچھ منتخب اشعار پیش ہیں:

پیام لے کے جو آئی صدا مدینے سے — مریض عشق کی لائی دوا مدینے سے
ملے ہمارے بھی دل کو جلا مدینے سے — کہ مہر و ماہ نے پائی ضیا مدینے سے
سنو تو غور سے آئی صدا مدینے سے — قریں ہے رحمت و فضل خدا مدینے سے
تمام شاہ و گدا پل رہے ہیں اس در سے — ملی جہاں کو روزی سدا مدینے سے
وہ آیا خلد میں جو آ گیا مدینے میں — گیا وہ خلد سے جو چل دیا مدینے سے
نہ چین پائے گا یہ غم زدہ کسی صورت — مریض غم کو ملے گی شفا مدینے سے
چمن کے پھول کھلے مردہ دل بھی جی اٹھے — نسیم خلد سے آئی ہے یا مدینے سے
کرے گی مردوں کو زندہ یہ تشنوں کو سیراب — وہ دیکھو اٹھی کرم کی گھٹا مدینے سے
مدینہ چشمۂ آب حیات ہے یارو! — چلو ہمیشہ کی لے لو بقا مدینے سے
فضائے خلد کے قرباں مگر وہ بات کہاں — مل آئیں حضرت رضواں ذرا مدینے سے
ہمارے دل کو تو بھایا ہے طیبہ ہی زاہد — تمھیں ہے مکہ تو ہوگا سوا مدینے سے
چلے جو طیبہ سے مسلم تو خلد میں پہنچے — کہ سیدھا خلد کا ہے راستہ مدینے سے
تم ایک آن میں آئے گئے تمھارے لیے — دو گام بھی نہیں عرش علا مدینے سے
تمھارے قدموں پہ سر صدقے جاں فدا ہوجائے — نہ لائے پھر مجھے میرا خدا مدینے سے
ترے حبیب کا پیارا چمن کیا برباد — الٰہی! نکلے یہ نجدی بلا مدینے سے
ترے نصیب کا نوریؔ ملے گا تجھ کو بھی — لے آئے حصہ یہ شاہ و گدا مدینے سے

سچی بات یہ ہے کہ جذبۂ عشق جس دل میں گھر کر جائے اسے شمع نبوت کا جاں نثار وفدا کار بنا دیتا ہے۔ اس کی نظر میں جہان رنگ وبو کی رعنائیاں اور گلشن ہستی کی بہاریں کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔ ذکر رسول کی لذت، گل زار طیبہ کی مہک، ہوائے بطحا کی خنکی، اور فضائے مدینہ کی خوش گواری یہی سرمایۂ عشق ان کے لیے سامانِ راحت اور تاج افتخار ہے۔

عشق کے یہ تعلق جس قدر پختہ، گہرے، راسخ اور اٹوٹ ہوں گے، خیالات اتنے ہی پاکیزہ اور بے پایاں محبت کے آئینہ دار ہوں گے۔

محبوب کا گھر، دیار، علاقہ اور اس دَربارِ دُربار سے نسبت رکھنے والی ہر شی یہاں تک کہ دیارِ حبیب کا خار بھی پھولوں کی سیج سے زیادہ جاذب نظر اور باعث کشش ہوتا ہے۔ مدینہ کے خاروں سے مفتی اعظم کے دلی لگاؤ کی کیفیت اور آپ کی نگاہ میں ان کا مقام ومرتبہ ذیل کے

اشعار سے معلوم کرنا چنداں مشکل نہیں ؎

پاؤں کیا میں دل میں رکھ لوں پاؤں جو طیبہ کے خار مجھ سے شوریدہ کو کیا کھٹکا ہو نوک خار کا
نہ کیسے یہ گل و غنچہ ہوں خار آنکھوں میں بسے ہوئے ہیں مدینے کے خار آنکھوں میں
خار گل سے دہر میں کوئی چمن خالی نہیں یہ مدینہ ہے کہ ہے گلشن گلِ بے خار کا

چمن طیبہ، ہوائے مدینہ، فضائے مدینہ اور خاکِ مدینہ کا ذکر بھی جابہ جا ہوا ہے۔ ؎

کھل جائیں چمن دل کے اور حزن مٹیں دل کے طیبہ سے صبا آکے امداد ذرا کرنا
کب گل طیبہ کی خوشبو سے بسیں گے دل وجاں دیکھیے کب کرم باد صبا ہوتا ہے
کب بہارِ چمن طیبہ نظر آتی ہے دیکھیے کب دل پژمردہ ہرا ہوتا ہے
فضائے طیبہ کے قربان جاؤں نسیم خلد سی جس کی ہوا ہے

کیسی پرنور ہے جنت کی فضا اے نوریؔ پھر بھی طیبہ کا مزا اس کی فضا نے نہ دیا
چمن طیبہ میں تو دل کی کلی کھلتی ہے کیا مدینہ سے سوا روضۂ رضواں ہوگا
مدینہ جان چمن اور خزاں سے ایمن ہے لگائے خاک وہاں کی ہزار آنکھوں میں
خاک طیبہ سے اگر کوئی نکھارے گیسو سنبل خلد تو کیا حور بھی ہارے گیسو
سنبل طیبہ کو دیکھے جو سنوارے گیسو سنبل خلد کے رضواں بھی نثارے گیسو

حضور مفتی اعظم نے مدینہ کی عظمت بیان کرنے کا ایک منفرد پیرایہ اپنایا ہے اور اس در کی حضوری کو عصیاں کی دوا بل کہ مدینہ کو مکمل ''دارالشفا'' قرار دیا ہے ؎

زمیں پاک وہ جس کو خدا نے کتاب اللہ میں ارض اللہ کہا ہے
اس در کی حضوری ہی عصیاں کی دوا ٹھہری ہے زہر معاصی کا طیبہ میں شفا خانہ
مریض معاصی کو لے چل مدینہ مدینہ ہی عصیاں کا دارالشفا ہے

مکہ و مدینہ کی افضلیت کے سلسلہ میں علمائے کرام نے بڑی بحثیں کی ہیں۔ اور اپنے اپنے موقف کے اثبات میں دلیلوں کی نہریں بہادی ہیں مگر حضور مفتی اعظم نے مسئلہ صاف فرمادیا ؎

اگرچہ ہے مکہ کی عظمت مسلم مگر میرا دل طیبہ ہی پر فدا ہے

سعادت حرمین طیبین (زادہما شرفا وعظما) کا کون دل آرزومند نہ ہوگا؟ بالخصوص دیار حبیب کا نظارہ کون آنکھ نہ چاہے گی؟ ذیل کے اشعار حضور مفتی اعظم کی اسی دیرینہ آرزو کے اظہار ہیں ؎

آہ قسمت مجھے دنیا کے غموں نے گھیرا ہائے تقدیر کہ طیبہ مجھے جانے نہ دیا
ہاتھ پکڑے ہوئے لیجاتے جو طیبہ مجھ کو ساتھ اتنا بھی تو میرے رفقا نے نہ دیا

عمر ساری تو کٹی لہو میں اپنی نوریؔ کب مدینہ کی طرف کوچ کا ساماں ہوگا

طیبہ جاؤں وہاں سے نہ واپس آؤں میرے جی میں تو اب یہ سمائی ہے

شہر حبیب کے راستوں پر جان چھڑکنے کی سرخروئی اور آنکھیں بچھانے کی سعادت اہل عشق ووفا کا سب سے زریں اعزاز اور تمغہ امتیاز ہے۔امام احمد رضا محدث بریلوی عشق کی سرفرازیوں میں سرشار ہوکر کہتے ہیں ۔

حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا ارے سر کا موقعہ ہے اور جانے والے

عارف باللہ حضرت آسی سکندر پوری، خیال ادب میں دو قدم اور آگے بڑھ کر فرماتے ہیں ۔

اے پائے نظر ہوش میں آ کوئے نبی ہے آنکھوں سے بھی چلنا تو یہاں بے ادبی ہے

اور حضور مفتی اعظم اپنے عشق وادب کا عندیہ یوں بیان فرماتے ہیں ۔

آبلے پاؤں میں پڑ جائیں جو چلتے چلتے راہ طیبہ میں چلوں سر سے قدم کی صورت

حقیقت یہ ہے کہ انسان جو عشق ووارفتگی کے منتہائے عروج پر پہنچ جاتا ہے اور جملہ علائق سے بے نیاز ہوکر صرف اور صرف در محبوب کا ہوکر رہ جاتا ہے اور محبوب ہی اس کی چاہتوں کا محور اور محبتوں کا مرکز ہو چکا ہوتا ہے تب اس قسم کے اشعار پیکر معنی میں ڈھلتے ہیں اور زبان وبیان کا نرخ اونچا کر جاتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

کلامِ نوری میں عقیدۂ ختم نبوت کی ضیاباریاں

غلام مصطفیٰ رضوی
نوری رضوی مشن، مالیگاؤں، ضلع ناسک

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے : مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ۔

’’محمد تمھارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں۔ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے۔‘‘(سورۂ احزاب ۳۳/۴۰)

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری نبی ہونا یعنی خاتم الانبیا ہونا اجماعی عقیدہ ہے اور آفتاب نیم روز کی طرح روشن وظاہر۔

انبیاے کرام نے بشارتیں دیں اور نوید بھی کہ نبی آخرالزماں آتے ہیں۔ چنان چہ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور ۱۹۳۱ء کی شائع کردہ یوحنا کی انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حوالے سے مرقوم ہے: ''لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمھارے لیے فائدہ مند ہے کیوں کہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمھارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمھارے پاس بھیج دوں گا۔''

صدرالافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی (م ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء) فرماتے ہیں: ''اس میں حضور کی بشارت کے ساتھ اس کا بھی صاف اظہار ہے کہ حضور خاتم الانبیا ہیں۔ آپ کا ظہور جب ہی ہوگا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی تشریف لے جائیں۔ اس کی تیرہویں آیت ہے: ''لیکن جب وہ یعنی سچائی کی روح آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمھیں آئندہ کی خبریں دے گا۔'' اس آیت میں بتایا گیا کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پر دینِ الٰہی کی تکمیل ہوجائے گی اور آپ سچائی کی راہ یعنی دین حق کو مکمل کردیں گے۔ اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ ان کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔''

(خزائن العرفان مشمولہ کنزالایمان مطبوعہ رضا اکیڈمی، بمبئی)

عقیدۂ ختم نبوت پر جب بھی شب خون مارنے کی کوشش ہوئی۔ علماے امت، محدثین اور فقہاے کرام نے کسی بھی فتنے کا منہ توڑ جواب دیا۔ ابتداے اسلام میں ہی بعض جھوٹے دعوے دار نمودار ہوئے جنھیں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور صحابۂ کرام نے کیفر کردار تک پہنچایا۔

عہدِ امام احمد رضا (۱۲۷۲ھ/ ۱۸۵۶ء- ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء) بڑا ہی پر آشوب تھا۔ بھانت بھانت کی بولیاں بولی جارہی تھیں۔ نت نئے فتنے جنم لے چکے تھے۔ اسلامی عقائد وافکار کو متزلزل کرنے کے لیے مذہبی، تعلیمی، سائنسی، سیاسی، اقتصادی اور نظریاتی حملے وارد تھے۔ ان دینی فتنوں میں سب سے خطرناک فتنہ ''فتنۂ دیوبند'' تھا۔ عناصرِ دیوبند، اہانتِ رسول کا ارتکاب کرکے ایک عظیم فتنے کے لیے راہ استوار کرچکے تھے حتیٰ کہ جماعت دیوبند کے سرخیل مولوی قاسم نانوتوی نے اپنی کتاب ''تحذیر الناس'' میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی کسی اور نبی کا پیدا ہونا جائز مان لیا تھا۔ اس طرح دیوبند کی اس تھیوری پر چل کر قصبہ قادیان ضلع گورداس پور صوبہ پنجاب سے مرزا غلام احمد قادیانی نے ۱۹۰۰ء میں دعویٔ نبوت کیا جس کی پشت پناہی حکومت برطانیہ نے کی اور ہنوز قادیانیت کے استحکام کے لیے انھیں مواصلاتی سٹیلائٹ ٹکنالوجی کی قوت دے دی گئی ہے۔ دنیا کے ان خطوں میں جہاں مسلمانوں پر ہر طرح کے جوروستم روا رکھے گئے ہیں، قادیانیوں کو کھلی آزادی حاصل ہے۔

اس فتنہ کے سد باب میں امام احمد رضا محدث بریلوی نے تین رسائل تصنیف فرمائے نیز ختم نبوت کی تشریح میں دو کتابیں لکھیں۔ امام احمد رضا کے تلامذہ، خلفا اور دونوں فرزندانِ گرامی حجۃ الاسلام مولانا شاہ محمد حامد رضا خاں قادری (م ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء) اور حضور مفتی اعظم مولانا شاہ محمد مصطفی رضا نوریؔ علیہ الرحمۃ والرضوان نے بھی عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے اور فتنۂ قادیانیت کے سد باب کے لیے تحریری وتصنیفی خدمات انجام دیں۔ اس مضمون میں ہم اپنے موضوع کی رو سے حضور مفتی اعظم مولانا شاہ محمد مصطفی رضا نوریؔ علیہ الرحمۃ والرضوان کی نعتیہ شاعری میں عقیدۂ ختم نبوت کے بیان میں جو مضامین نظم ہوئے ہیں ان کا اجمالی جائزہ لیں گے۔

نعت کا موضوع بڑا وسیع ہے۔ ارباب ادب کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل وخصائل، سیرت وشمائل کے مقدس اذکار نیز جمال جہاں آرا کی ضیاباریوں کے احوال پر نظم ہو یا نثر وہ نعت ہی ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری نبی ہونا آپ کے فضائل سے ہے لہٰذا اس کے منکر کا احتساب یا تردید بھی نعت کے موضوعات میں ضرور شامل ہے۔

حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کے نعتیہ دیوان ''سامانِ بخشش ۱۳۵۴ھ'' میں نادر تشبیہات، دلچسپ استعارات، صنعات عروضی

خوبیوں نیز فنی خصوصیات کا استعمال بجا طور پر موجود ہے تاہم یہاں عقیدۂ ختم نبوت کے مضامین پر گفتگو مقصود ہے۔ذیل کے اشعار دیکھیں جن میں اس عقیدے کی جلوہ گری موجود ہے ؎

تم ہو فتح باب نبوت!! تم سے ختم دورِ رسالت
ان کی پچھلی فضیلت والے صلی اللہ صلی اللہ علیک وسلم
صلی اللہ صلی اللہ

موج اول بحر رحمت جوش آخر بحر رأفت
فیض وجود و سخاوت والے صلی اللہ صلی اللہ علیک وسلم
صلی اللہ صلی اللہ

تم ہو اول تم ہو آخر، تم ہو باطن تم ہو ظاہر حق نے بخشے ہیں یہ اسما صلی اللہ علیک وسلم !
تمھیں سے فتح فرمائی تمھیں پر ختم فرمائی!! رسل کی ابتدا تم ہو نبی کی انتہا تم ہو
تمھیں باطن تمھیں ظاہر تمھیں اول تمھیں آخر نہاں بھی ہو عیاں بھی مبتدا و منتہا تم ہو
تمھارے بعد پیدا ہو نبی کوئی نہیں ممکن! نبوت ختم ہے تم پر کہ ختم الانبیا تم ہو

ان اشعار میں کھلے لفظوں خاتمیتِ سرورِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم پر عقیدے کی پختگی کا اظہار موجود ہے۔اور اس صفت خاتمیت کے بیان میں فتح باب نبوت، ختم دورِ رسالت، موج اول جوش آخر، بحر رحمت، بحر رأفت، اول و آخر، رسل کی ابتدا و انتہا، ختم الانبیا جیسی اصطلاحات برتی گئی ہیں۔

حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کے حمدیہ کلام ''اذکار توحید ذات، اسما و صفات و بعض عقائد'' میں عقیدۂ ختم نبوت کے جلوے آشکار ہوئے ہیں۔دو بند ملاحظہ فرمائیں:

اپنے مظہر اول کو اپنے حبیب اجمل کو
پہلے نبی افضل کو پچھلے مرسل اکمل کو
لا الہ الا اللہ آمنا برسول اللہ

موج اول بحر قدم موج آخر بحر کرم
سب سے اعلیٰ اور اعظم سب سے اولیٰ اور اکرم
لا الہ الا اللہ آمنا برسول اللہ

بعض اشعار میں اشارے اور کنارے میں فضائل و شمائل نبوی کے ساتھ ساتھ ختم نبوت کا مضمون بھی نظم ہوا ہے ان اشعار کا مطالعہ فرمائیں:

نورِ علم و حکمت والے نافذ جاری حکومت والے
رب کی اعلیٰ خلافت والے تم پر لاکھوں سلام
تم پر لاکھوں سلام

سارے رسولوں سے تم برتر — تم سارے نبیوں کے سرور
سب سے بہتر امت والے — صلی اللہ صلی اللہ علیک وسلم
صلی اللہ صلی اللہ

جتنے سلاطیں پہلے آئے سکّے ان کے ہوگئے کھوٹے — جاری رہے گا سکہ تیرا صلی اللہ علیک وسلم
یوں ہی ہیں ماہ رسالت بھی سب نبیوں میں — کرو آنکھوں نہیں بے شمار آنکھوں میں
خدا کی سلطنت کا دو جہاں میں کون دولھا ہے — تم ہی تم ہو تم ہی تم ہو یہاں تم ہو وہاں تم ہو
نبیوں میں ہو ایسے نبی الانبیا تم ہو — حسینوں میں تم ایسے ہو کہ محبوب خدا تم ہو
جو سب سے پچھلا ہو پھر اس کا پچھلا ہو نہیں سکتا — کہ وہ پچھلا نہیں اگلا ہوا اس سے ورا تم ہو
تو شمع رسالت ہے عالم ترا پروانہ — تو ماہِ نبوت ہے اے جلوۂ جانا نہ
انبیا کو رسائی ملی تم تک — بس تمھاری خدا تک رسائی ہے
شب معراج سے اے سید کل ہو گیا ظاہر — رسل ہیں مقتدی سارے امام الانبیا تم ہو
نہ ہوتے تم نہ ہوتے وہ کہ اصل جملہ تم ہی ہو — خبر تھے وہ تمھاری میرے مولیٰ مبتدا تم ہو

پہلے بند میں یہ اشارہ ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت قیامت تک جاری رہے گی۔ ''ختم نبوت'' کے اعزاز کو'' رب کی اعلیٰ خلافت'' سے یاد کیا گیا ہے۔

دوسرے بند میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سروری کا ذکر ہے نیز یہ بیان بھی نظم ہوا ہے کہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بہتر امت والے ہیں۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا فرمائی گئیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہ دی گئیں۔ حدیث پاک میں پانچویں خصوصیت یہ بیان ہوئی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انسانوں کی طرف مبعوث فرمایا گیا۔

(خزائن العرفان، مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی)

اس میں ہمہ گیری و آفاقیت کا اظہار ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اکملیت و خاتمیت کے پیش نظر امت کو بھی بہتر امت قرار دیا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اس کے تحت پیر محمد کرم شاہ ازہری رقم طراز ہیں: ''اگرچہ پہلی امتیں بھی امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور ایمان باللہ سے مشرف تھیں۔ لیکن جو شان تمھارے امر بالمعروف کی ہے جو جلال تمھارے نہی عن المنکر میں ہے اور جو گہرائی، گیرائی اور کمال تمھارے ایمان باللہ میں ہے وہ تم سے پہلے کسی امت کو نصیب نہیں ہوا۔'' (ضیاء القرآن، جلد اول، ص ۲۶۳، مطبوعہ دہلی)

المختصر اس امت کی فضیلت بھی حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت کا پرتو ہے لہٰذا شعر مذکور میں خاتمیت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہے۔

شعر نمبر ۳ کے مصرعۂ ثانی میں ''سکہ جاری رہنا'' محاورہ ہے جس کے معنی ہیں حکم چلنا/نقش جمنا۔ لاریب! ہمارے آقا حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے سلسلے کا نقش آخر ہیں۔ اور آپ کی ملک میں سارا عالم ہے لہٰذا آپ کا سکہ پوری کائنات پر مرتسم ہے۔ آپ کے ہوتے کسی کا سکہ جاری ہونا ممکن ہی نہیں محال ہے۔

شعر نمبر ۴ میں ''ماہ رسالت'' کہہ کر تمام انبیا میں آپ کی افضلیت وعلوے مرتبت کا روشن بیان ہے۔

شعر نمبر ۵ میں دو باتیں ذکر ہوئی ہیں: (۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبیوں کا نبی یعنی ''نبی الانبیا'' کہہ کر ''خاتم الانبیا'' کہا گیا ہے (۲) حسنِ بے داغ کے حوالے سے مقام محبوبیت کا بیان ہے۔اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ فرماتے ہیں ؎

مہ بے داغ کے صدقے جاؤں یوں دمکتے ہیں دمکنے والے

شعر ۷، ۸ میں جو مضمون صفحۂ قرطاس پر سجایا گیا ہے اس میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کو تمام انبیا سے ورا کہا گیا ہے۔ شانِ اولیت کا بھی ذکرِ جمیل ہے اور ''ماہ نبوت'' اور ''شمع رسالت'' سے معنون کیا گیا ہے۔اور یہ کہ انبیا کی بارگاہ الٰہی عزوجل تک رسائی کا ذریعہ اور واسطہ حضور ہیں۔

شعر نمبر ۹، ۱۰، ۱۱ میں واقعہ معراج کے فلسفے پر روشنی پڑتی ہے کہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد اقصیٰ میں تمام انبیا کی امامت فرمائی۔اور ''امام الانبیا'' ٹھہرے لہٰذا تمام انبیاے کرام مقتدی تو کھل گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور یہ فضیلت تمام انبیا کی امامت سے ہی آشکار ہو جاتی ہے اور یہ کہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم باعث تخلیق کونین ہیں۔تمام انبیاے کرام نے اپنی اپنی امت کو خبر دی کہ آخری نبی آتے ہیں اور آپ کا ظہور آخر میں ہوا۔حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کیا دل لگتی بات کہہ گئے ؎

رسل انھیں کا تو مژدہ سنانے آئے ہیں انھیں کے آنے کی خوشیاں منانے آئے ہیں

ختم نبوت کا تاج زریں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اقدس ہی سجتا ہے اور تمام انبیاے کرام کی نبوت فیض ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت کا نیز اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اولیت کا بھی ذکر ہے۔

حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کے کلام میں عقیدۂ ختم نبوت کے پیش نظر مختلف جہات سے مضامین نظم ہوئے ہیں۔راقم نے صرف اجمالی جائزہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے اور ذہن پر نقش ہونے والے بعض خاکے قرطاس پر ثبت کیے ہیں۔ضرورت ہے کہ حضور مفتی اعظم مولانا شاہ مصطفیٰ رضا نوری کے کلام کا ادبی وفنی خصوصیات کے ساتھ ہی اسلامی عقائد کے آئینے میں تجزیہ کیا جائے۔اشعار نوری میں عقائد حقہ کے منور و معتبر تذکرے افکار کو حق شناسی کا جوہر عطا کرتے ہیں نیز کلامِ نوری میں ''عقیدۂ ختم نبوت'' کی انفرادیت و اہمیت آشکار ہوتی ہے۔

☆☆☆☆☆

مفتی اعظم کا ادبی سراپا

سامانِ بخشش کے آئینے میں!

یکے از گدائے مفتی اعظم

ہر دور میں عموماً شعرانے شاعری کو سفلی جذبات کی ترجمانی، نفسانی خواہشات کے اظہار اور محبوب وممدوح کی جھوٹی تعریف اور قصیدہ خوانی کا ذریعہ بنایا۔چنان چہ زمانۂ جاہلیت میں شعراے عرب ایسی ہی بے مقصد، غیر کارآمد اور مبتذل شاعری میں لگے ہوئے تھے اور اپنی

قوت شعر گوئی اور قادر الکلامی کو محبوب کے لب ورخسار، کاکل وگیسو، قد وقامت کی تعریف اور اس کی نازک اندامی کی تصویر کشی میں صرف کررہے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری اخلاقی گراوٹ، تمدنی انحطاط اور پھوہڑ انداز فکر کا بھرپور ثبوت فراہم کرتی ہے، امرأالقیس اور اس کے ہم عصر رفقا دورِ جاہلیت کے ایسے فصیح وبلیغ اور یکتائے روزگار شاعر تھے جن کے قصائد فصاحت وبلاغت اور سلاست ولطافت کا نادر نمونہ ہونے کے باعث کعبۂ مکرمہ کے دروازے پر آویزاں کیے جاتے تھے۔لیکن مضمون کے اعتبار سے قصیدے عریاں خیالات اور برہنہ تصورات کی جیتی جاگتی تصویر ہوتے تھے گویا اس دور میں شعرا عشق ومحبت کے واقعات، قلبی واردات اور عاشقانہ احساسات کو کھلم کھلا بیان کرنے میں قطعاً کوئی عار محسوس نہ کرتے تھے۔ اوران کی شاعری کذب، مبالغہ اورفحش مضامین کا پلندہ ہوا کرتی تھی۔مگر جب خورشید اسلام طلوع ہوا، دنیا کو روشنی ملی، اسلامی تعلیمات عام ہوئیں، خیالات میں پاکیزگی آئی، سماجی حالات سدھرے، تہذیب نے اپنے رخِ زیبا سے نقاب الٹی، تمدن نے آسودہ انگڑائی لی اور ایک عالم گیر اور خوش گوار انقلاب آیا تو شاعری بے مقصد چیز سے بامقصد چیز بن گئی۔ شاعری ہی سے معاشرہ کو سدھارنے کا کام لیا جانے لگا اور رفتہ رفتہ شاعری حقائق کو اجاگر کرنے، صالح و پاکیزہ خیالات کو پیش کرنے نیز دلوں میں حرارت، ولولہ، جوش اور عزم وعمل کی برقی رو دوڑانے کا ذریعہ بن گئی۔ اس طرح وہی شاعری جو ناپسندیدہ، غیر محمود اور ناقابلِ اعتنا شی بن گئی تھی، قابلِ قدر، محمود اور مقدس شی کے روپ میں ڈھل گئی اور کہنے والوں نے اس کے بارے میں یہاں تک کہہ دیا کہ ع

شاعری جزو یست از پیغمبری

اور شعرا جو مبتذل شاعری کے باعث اپنا وقار کھو بیٹھے تھے جب انھوں نے بامقصد، کارآمد صالح شاعری کو زندگی کا نصب العین بنالیا تو ان کو عزت وآبرو نصیب ہوئی۔ اور وہ بلند مراتب پر فائز ہوئے۔ مگر اب بھی کچھ ایسے شاعر تھے جو اپنی پرانی روش پر قائم رہے اور ہر وادی میں بھٹکتے رہے۔ اور وہ کہتے جو خود نہ کرتے اور بعض شعرا جو خورشید اسلام سے وابستہ نہ ہوئے تھے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بیہودہ گوئیاں کرتے اور ہجویہ قصائد لکھتے اور اپنی شاعری کے ذریعہ مسلمانوں اور اسلامی تعلیمات کا مضحکہ اڑاتے۔ قرآن کریم نے ایسے بیہودہ گو شاعروں کی سخت مذمت کی اور اس سے ان شاعروں کا استثنا کیا جو دائرۂ اسلام میں داخل ہو کر دیوانۂ رسول بن چکے تھے۔ اور جنھوں نے شاعری کو تہذیب ومعاشرہ کی سنوارنے اور رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی مدح وثنا کرنے کا وسیلہ بنایا قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے: وَالشُّعَرَاۗءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ۝ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَالَا يَفْعَلُوْنَ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا۔ (سورۂ شعراء ۲۶/ ۲۷-۲۶-۲۵-۲۲۴) ترجمہ: ''اور شاعروں کی پیروی گم راہ کرتے ہیں۔ کیا تم نے نہ دیکھا کہ وہ ہر نالے میں پراگندہ پھرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں جو نہیں کرتے۔ مگر وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے اور بدلہ لیا بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہوا۔'' مذکورہ بالا بحث اور ارشادِ خداوندی سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ شعر وشاعری بنفسہٖ بری نہیں جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے بلکہ صرف وہ شاعری معیوب اور مذموم ہے جس میں بیہودہ، مبتذل اور مخرب اخلاق باتیں پائی جاتی ہیں اور قرآن نے انھیں شعرا کی مذمت کی ہے جو بدگو اور ہر وادی میں سرگرداں پھرنے والے ہیں۔ اور وہ شاعری جس میں حقیقت بیانی، پند وموعظت، حکمت ودانائی، رسولِ پاک کی تعریف وتوصیف اور توحید ورسالت کے عنوانات پر مشتمل باتیں پائی جاتی ہیں، پسندیدہ اور محمود ہے۔ خود سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی شاعری کو پسند فرمایا ہے جیسا کہ بہت سے واقعات شاہدِ عدل ہیں۔ حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقبول شاعر تھے، جب وہ اپنا قصیدہ سناتے تو ان کے لیے مسجد نبوی میں باقاعدہ منبر رکھا جاتا۔ آپ کے علاوہ حضرت علی اور کعب بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ودیگر بہت سے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم

اجمعین بھی مدّاحِ رسالت تھے اور شعر وشاعری کا نہایت صالح ولطیف ذوق رکھتے تھے۔حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بذات خود شاعر نہ تھے لیکن آپ کا یہ قول ’’**علموا او لادکم الشعر** اپنی اولاد کو علمِ شعر سکھاؤ‘‘ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ کو بھی شاعری سے کافی لگاؤ تھا۔شعر کی تاثیر کے علاوہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی نہایت مشہور اور عین واقع کے مطابق ہے’’**ان من الشعر لحکما و ان من البیان لسحرا**‘‘(کنز العمال حدیث۔۸۰۰۷بیت الافکار الدولیہ،الریاض)یعنی’’بے شک بعض شعر حکمت ہے اور بعض کلام جادو ہے۔‘‘ المختصر!وہ شاعری جس میں مرکزِ عقیدت محسنِ انسانیت محبوبِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف اور مدح وثنا کی جائے تو اسے نعت گوئی کا نام دیا جاتا ہے۔اصنافِ سخن میں یہ صنف نہایت مشکل صنف ہے۔یہ ایک ایسی پُر خطر اور پُرخار وادی ہے جس میں پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا ہے۔ذرا سی لغزش شاعر کو قعرِ مذلت میں گرا دیتی ہے۔صحیح بات تو یہ ہے کہ طوفان خیز موجوں سے نبرد آزما ہو کر ایک کنارے سے دوسرے کنارے پہنچ جانا تو کوئی مشکل نہیں،سر بہ فلک پہاڑوں کو سر کر لینا آسان ہے۔چاند کی زمین پر قدم رکھ دینا سہل ہے لیکن نعت گوئی کی منزل سے کامیاب وکامراں گزر جانا از حد دشوار ہے۔اس پُرخار اور سنگلاخ وادی میں قدم رکھنے کے بعد بڑے بڑے فصحا و بلغا اور اقلیمِ سخن کے شہر یاروں نے اپنے عجز ودر ماندگی کا اعتراف کیا ہے۔بایں ہمہ ہر دور میں شعرائے اسلام نے نعت گوئی کے میدان میں قدم رکھنے کی جسارت کی اور انھوں نے بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی عقیدت ومحبت کا نذرانہ پیش کیا اور بعض خوش نصیب شاعر تو تاریخ کے دامن پر ایسے پائے جاتے ہیں جنھوں نے اپنی زندگی نعت گوئی میں گزار دی اور ہمیشہ گلشنِ اسلام میں عندلیبِ خوش نوا بن کر چہکتے رہے اور اسی نعت گوئی کے صلہ میں انھیں شہرتِ دوام اور حیاتِ جاوداں نصیب ہوئی۔ایسے ہی نصیبہ ور،فیروز بخت اور فخرِ روزگار نعت گو شعرا کی صف میں شہزادۂ اعلیٰ حضرت،تاجدارِ اہل سنت،آبروئے عشق ووفا،سراجِ بزم علما،شہر یارِ اقلیم کشف و کرامات مرشدی ومولائی حضرت مولانا علامہ الحاج محمد مصطفی رضا خاں صاحب مفتی اعظم قدس سرہٗ ایک منفرد اور نمایاں مقام رکھتے تھے۔ ۲۲؍ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۱ء کو محلہ خواجہ قطب بریلی شریف میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔اور ۱۴؍محرم ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۲؍نومبر ۱۹۸۱ء کو محبوبِ حقیقی سے جا ملے۔

آپ بلند پایہ عالم اور یگانۂ روزگار فقیہ تھے۔نیز تمام علوم عقلیہ ونقلیہ میں آپ دست گاہ کامل رکھتے تھے۔آپ کی ذات حدیثِ پاک’’**من یرد اللہ خیرا یفقھه فی الدین**‘‘یعنی’’اللہ تبارک وتعالیٰ جس کے لیے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے،اس کو دین کا فقیہ بنا دیتا ہے۔‘‘ کی مکمل آئینہ دار تھی۔آپ کی فقہی بصیرت اور علمی سوجھ بوجھ کی ایک دنیا معترف تھی۔آپ کے بارے میں خطیبِ مشرق علامہ مشتاق احمد صاحب نظامی ایک جگہ رقم طراز ہیں:

’’اگر آپ لکھنے پر آ جاتے تو اپنے وقت کا شہنشاہِ قلم گھٹنے ٹیک دیتا،نکاتِ علمی بیان کرنے پر آ جاتے تو امام رازیؔ وغزالیؔ کی یاد تازہ ہو جاتی،اگر آپ فنِ حدیث کو موضوعِ گفتگو بناتے تو امام بخاری اور امام مسلم کی محفل سنور جاتی ۔‘‘

میرے گمان میں آپ کی شخصیت کی جامعیت کے لیے اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ مجددِ دین وملت،اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضاؔ خاں صاحب بریلوی علیہ الرحمہ کے فرزند ارجمند تھے اور آپ نے براہِ راست اعلیٰ حضرت جیسے علوم وفنون کے بحر ذخّار سے اکتسابِ فیض کیا تھا۔اصحابِ فہم وذکا پر قطعاً یہ مخفی نہیں کہ جس کا یہ عالم ہو پھر اس کی ذات کی ہمہ گیری اور آفاقیت میں کیا شبہہ ہو سکتا ہے یہی وہ دیدہ ور ہستیاں ہیں جن پر شاعر مشرق کا یہ شعر صادق آتا ہے ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

آپ اس کائنات آب وگل میں کل اکانوے سال بقید حیات رہ کر زینتِ بزمِ مئے خانۂ معرفت اور بہارِ گلشنِ علم وادب بنے رہے۔آپ نے اپنی اس طویل عمر میں سیماب صفت،متحرک اور فعال رہ کر پرچمِ حق وصداقت بلند کرنے کی جو دینی،علمی،سماجی اور معاشرتی خدمات انجام دیں ان کو ملتِ اسلامیہ کبھی فراموش نہیں کرسکتی۔ایک طرح سے آپ نے خود کو دینِ مبین کی اشاعت کی ترویج واشاعت،عظمتِ ناموسِ رسالت کے تحفظ اور سماجی خدمات کے لیے وقف فرما دیا تھا۔اس طرح آپ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ مصروف تھا۔مگر اس کے باوجود آپ نے شعروشاعری سے بھی شغف رکھا اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت سرائی میں رطب اللسان رہے۔سوز وگداز،کیف واثر اور نور ونکہت سے معمور آپ کی نعتوں کا مجموعہ ''سامانِ بخشش'' ایک ایسا سدا بہار گلدستہ اور گنجینۂ علم ومعانی ہے جو ہمیشہ اہلِ معرفت،اصحابِ علم ودانش اور اربابِ فکر وبصیرت سے خراجِ تحسین حاصل کرتا رہے گا۔اور اس مجموعہ میں شامل وجد آفریں نعتیں عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دلوں کو ہمیشہ ادب وقرینہ سے دھڑکنا سکھاتی رہیں گی۔آپ درحقیقت ایک قادرالکلام شاعر تھے۔آپ کے کلام میں فصاحت وبلاغت،لطافت ودل کشی،سلاست وروانی،نازک خیالی ومعنی آفرینی ندرتِ تراکیب استعارات ومحاورات کا برمحل استعمال شوکتِ الفاظ،سوز وگداز،حقیقت بیانی،لطیف جذبات واحساسات کی فراوانی وجملہ فنی وشعری خوبیاں پائی جاتی ہیں۔سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ آپ کے کلام میں کہیں کوئی شرعی سقم نظر نہیں آتا جیسا کہ آپ خود ارشاد فرماتے ہیں ؎

گلہائے ثنا سے مہکتے ہوئے ہار سقمِ شرعی سے ہیں منزّہ اشعار
دشمن کی نظر میں نہ کیوں کر کھٹکیں ہیں پھول مگر ہیں چشمِ اعدا میں خار

شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ فی الحقیقت ایک سچے عاشق رسول تھے۔آپ صرف ایک غازی نہ تھے جیسا کہ عموماً شعرا کی عادت ہوا کرتی ہے وہ عشق ومحبت کا دعویٰ تو خوب کرتے ہیں لیکن خود ان کی ذات میں عاشقانہ خُو بُو کا دور دور تک نام ونشان نہیں پایا جاتا اور جب کوئی آزمائش یا امتحان کی گھڑی آتی ہے تو وہ بغلیں جھانکنے لگتے ہیں اور اس وقت ان کی حالت دیکھ کر مقبول بریلوی دہلوی کے اس شعر کی صداقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ ؎

محبت کے لیے کچھ خاص دل مخصوص ہوتے ہیں یہ وہ نغمہ ہے جو ہر ساز پر گایا نہیں جاتا

ایسے ہی شعر ہیں جن کے بارے میں قرآن کریم کا ارشادِ گرامی ہے''**یقولون مالا یفعلون**''وہ جو کہتے ہیں کرتے نہیں'' قول وعمل کا یہ تضاد آپ کو کم وبیش سبھی شاعروں میں نظر آئے گا۔(الا ماشاء اللہ) لیکن جب ہم حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کو اس اعتبار سے دیکھتے ہیں تو آپ شعرا کی بھیڑ میں ہمیں نہایت قدآور اور ممتاز نظر آتے ہیں۔آپ کے یہاں قول وعمل میں زبردست یکسانیت پائی جاتی ہے آپ نے اگر تاجدارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق ومحبت کا دعویٰ کیا ہے تو ایسا نہیں کہ آپ نے اپنے آقا ومولیٰ کے احکام وفرامین سے روگردانی کرکے عشق کی عظمت کو بٹہ لگایا ہے۔یہی وجہ ہے کہ آپ کی پوری زندگی سنت رسول کے سانچے میں ڈھلی نظر آتی ہے اور یہی وہ ناموسِ عشق کی پاس داری کا جذبہ تھا جس نے آپ کو ہمیشہ شہنشاہِ رسالت کا مدحت سرا اور رضائے محبوب کا طالب ومتلاشی بنائے رکھا۔

حاضر در ہے نوری مضطر آپ کا یہ موروثی ثنا گر خواہاں ہے رضا کا ابن رضا

انیس بے کساں باعثِ تخلیقِ دوجہاں،غمگسارِ کائنات،فخرِ موجودات،محبوبِ خلاق دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف کما حقہ ناممکن ہے کیوں کہ آپ کی ذات ممدوح خالق اکبر ہے۔حدیث قدسی ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے: **لو لاک لما خلقت الافلاک**

والارضین، اے محبوب! اگر میں آپ کو وجود کا لبادہ نہ پہنا تا تو نہ آسمانوں کو پیدا کرتا اور نہ زمین کو" معلوم ہوا کہ ستاروں کی انجمن سجائی گئی تو آپ کے لیے۔ زمین کا فرش بچھایا گیا ہے تو آپ کے لیے۔ آسمان کا شامیانہ قائم کیا گیا ہے تو آپ کے لیے۔ گلوں کو نکہت، ہواؤں کو لطافت، پہاڑوں کو رفعت، اور شمس و قمر کو تابانی عطا کی گئی ہے تو آپ کے لیے، گویا کائنات کی تخلیق خود آپ کی تعریف ہے اور خالقِ کائنات آپ کا ثنا خواں تو جب خود خالق کائنات آپ کا ثنا خواں ہے تو پھر ایک مشتِ خاک سے بنے انسان کی کیا مجال کہ وہ آپ کی تعریف و توصیف کر سکے۔ بل کہ وہ اس قابل بھی نہیں کہ وہ آپ کا نام نامی اسمِ گرامی اپنی زبان پر لا سکے۔ بقول عرفی۔

هزار بار بشویم دہن زمشک و گلاب هنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی ست

مگر اس کے باوجود شعرائے اسلام نے ہر دور میں آپ کی بارگاہ پروقار میں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے اور آپ کے ذکرِ جمیل سے خود اپنے آپ کو مشرف کرنے کی کوشش کی ہے اور یہ بات قرین قیاس بھی ہے کہ ایک گدا اپنے آقا کا اور ایک محب اپنے محبوب کا گن نہ گائے گا تو پھر کس کا گائے گا؟ یہی وہ سوزِ عشق اور جذبۂ شوق تھا کہ جس کی بنا پر حضور مفتی اعظم نے بھی ہمیشہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و توقیر کا خطبہ پڑھا ہے۔

تو شمعِ رسالت ہے عالم ترا پروانہ تو ماہِ نبوت ہے اے جلوۂ جانا نہ
جو ساقی کوثر کے چہرے سے نقاب اٹھے ہر دل بنے میخانہ ہر آنکھ ہو پیمانہ
میں شاہ نشیں ٹوٹے دل کو نہ کہوں کیسے ہے ٹوٹا ہوا دل ہی مولا ترا کاشانہ
اس در کی حضوری ہی عصیاں کی دوا ٹھہری ہے زہر معاصی کا طیبہ ہی شفا خانہ
ہر پھول میں بُو تیری ہر شمع میں ضو تیری بلبل ہے ترا بلبل پروانہ ہے پروانہ
سنگِ درِ جاناں پر کرتا ہوں جبیں سائی سجدہ نہ سمجھ نجدی سر دیتا ہوں نذرانہ
گر پڑ کے یہاں پہونچا مر مر کے اسے پایا چھوٹے نہ الٰہی اب سنگِ درِ جانا نہ
آباد اسے فرما ویراں ہے دلِ نوریؔ جلوے ترے بس جائیں آباد ہو ویرانہ

عہدِ رسالت میں صحابہ کرام کو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے جو والہانہ عشق اور فدا کارانہ لگاؤ تھا الفاظ کے سہارے کما حقہ اس کی عکاسی ناممکن ہے۔ تاریخ کے اوراق اس بات پر شاہد ہیں کہ انھوں نے خود آپ کی محبت میں سر کٹانا گوارا کر لیا لیکن آپ کے پائے ناز میں ایک کانٹا چبھنا گوارا نہیں کیا۔ گویا عشق کا یہ درس مسلمانوں کو وراثت میں ملا ہے اور یہ حقیقت بھی ہے کہ مسلمانوں کی زندگی کی اگر کوئی اصل پونجی ہے تو وہ وابستگی رسول ہے جیسا کہ خود سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ" **لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین**"(بخاری شریف، حدیث۔۱۵ کتاب الایمان، دارالکتاب العربی، بیروت)

تم میں سے اس وقت تک کوئی مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے ماں باپ، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔" اس حدیث سے یہ خوب اچھی طرح واضح ہو گیا کہ محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی تمام اعمال وافعال اور ایمان کی جان ہے اور اگر کسی کا دل اس دولت سے خالی ہے تو وہ صحیح معنوں میں مومن کامل ہی نہیں۔ عارف باللہ حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ نے اسی مفہوم کو شعر کا جامہ اس طرح پہنایا ہے ؎

جانِ ایماں ہے محبت تیری جانِ جاناں جس کے دل میں یہ نہیں خاک مسلماں ہوگا

ایک عاشقِ صادق اور دیوانۂ محبوب کی یہ دلی تمنا ہوا کرتی ہے کہ وہ محبوب کی بارگاہِ ناز میں ہمیشہ سرخم رہے اور سنگِ درِ جاناں پر نیاز مندی کے سجدے لٹا کر آتش شوق کی تسکین کا سامان فراہم کرے۔ حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ بھی ایک ایسے ہی شیدائے محبوب تھے۔ آپ کے دل میں آتشِ شوق کی چنگاریاں روشن تھیں۔ آپ بھی کوے حبیب کی گدائی کو حاصلِ زیست تصور کرتے تھے۔ آپ کی پیشانی بھی آستانۂ محبوب پر سجدہ لٹانے کے لیے بے قرار رہا کرتی تھی لیکن آپ جس حسنِ سراپا کے فدائی وشیدائی تھے، جس کے عشق سے آپ کی پوری زندگی عبارت تھی، اسی کے لائے ہوئے دینِ مبین کے آپ واقف کار اور اسی کی شریعت کے پیروکار بھی تھے۔ اس لیے آپ یہ بات خوب اچھی طرح جانتے تھے کہ عشق میں ہر طرح کی سرشاری، سرمستی اور شوریدہ سری کو راہ تو مل سکتی ہے لیکن حدودِ شرعیہ سے تجاوز کرنے کی اجازت ہرگز نہیں مل سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے شریعت کے احکام کی پاس داری کو عشق کی شوریدہ سری پر مقدم رکھا۔ دو شعر حاضر ہیں ملاحظہ فرمائیں اور اندازہ لگائیں کہ آپ کو انتہائے شوق کے عالم میں کس قدر حدود شرعیہ کا پاس ولحاظ ہے ؎

حسرتِ سجدہ یونہی کچھ تو نکلتی لیکن سر بھی سرکار نے قدموں پہ جھکانے نہ دیا

سجدہ کرتا جو مجھے اس کی اجازت ہوتی کیا کروں اذن مجھے اس کا خدا نے نہ دیا

آپ کو رسول کریم علیہ التحیۃ والثنا سے غایت درجہ کی محبت وعقیدت تھی۔ آپ کا سینہ درحقیقت محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ تھا آپ کا دل صحیح معنوں میں جلوہ گہ جمالِ جہاں آرا ہونے کی بدولت رشکِ صد مہر و ماہ تھا۔ یہی سبب ہے کہ آپ کو قبر کی ہولناکی اور موت کا ذرہ بھر غم نہ تھا بلکہ آپ کو اس بات کا یقینِ کامل تھا کہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور نورِ ایمان کی بدولت مرقد میں شب و روز اجالوں کی حکمرانی ہوگی اور قبر کی کوٹھری انوار وتجلیات سے بقعۂ نور بنی رہے گی۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں:

نورِ ایمان کی شمع رہے روشن پھر تو روز وشب مرقدِ نوریؔ میں چراغاں ہوگا

محبوب کے بارے میں شاعروں کے یہاں یہ تصور عام طور پر پایا جاتا ہے کہ وہ فتنہ پرور اور وفا ناآشنا ہوتا ہے۔ اس کی رفتار میں ایک قیامت پوشیدہ ہوتی۔ ہے وہ جدھر کا رخ کرتا ہے سوئے ہوئے فتنے جاگ اٹھتے ہیں گویا غزل گو شاعر کی زبان میں محبوب کے حسن و جمال کی کوئی جامع و مانع تعریف ہوسکتی ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ محبوب جس سمت بھی اپنے پائے ناز اٹھادے فتنے بھی اپنا سر اٹھادیں لیکن جب حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ نے اپنے محبوب کے حسن و جمال اور خوبی رفتار کی تعریف کی تب پتہ چلا کہ دراصل حسین کہلانے کا مستحق کون ہے آپ فرماتے ہیں:

وہ حسیں کیا جو فتنے اٹھا کر چلے ہاں حسیں تم جو فتنے مٹا کر چلے

فتنے جو اٹھے مٹا ڈالے روش نے آپ کی کیوں نہ ہو دشمن بھی قائل خوبی رفتار کا

نعت گوئی میں فنی محاسن سے زیادہ اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ ہر شعر شریعت کی حدود میں رہ کر کہا گیا ہو اور اگر ساتھ ساتھ اشعار شعری وادبی اوصاف ومحاسن کا مرقع ہوں تو یہ شاعر کی قادر الکلامی کا واضح ثبوت ہوتا ہے اس نقطۂ نگاہ سے جب ہم ''سامانِ بخشش'' کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں بہت سے اشعار اس معیار پر پورے ملتے ہیں اور اس طرح کے تمام اشعار بجا طور پر حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کی قادر الکلامی اور آپ کے ماہرِ زبان وفن ہونے کا بھرپور ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ اس قبیل کا صرف ایک شعر نمونہ کے طور پر زیبِ قرطاس ہے اس ایک شعر میں لفظ ''سرور'' چار مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ لیکن حسنِ بیان نے لفظ کی تکرار کے باوجود شعر کو زمین سے آسمان پر پہونچا دیا

ہے جب کہ عموماً ایک ہی معنی میں کسی لفظ کی تکرار شعر کے حق میں نقص وعیب خیال کیا جاتا ہے۔ شعر ملاحظہ فرمائیں:

سرور ہے وہی سرَوَرا ے سرَ ورِ ہر سرَ وَر
ہے آپ کے قدموں پر سر جس کو فدا کرنا

الحاصل! شہزادۂ اعلیٰ حضرت تاجدارِ اہل سنت عارف باللہ حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ ایک طرف جہاں گوناگوں خصوصیات کے حامل تھے، وہیں آپ ایک عظیم المرتبت اور بلند پایہ شاعر بھی تھے۔ آپ کا مجموعۂ کلام ''سامانِ بخشش'' ایک ایسا علمی وادبی شاہکار ہے جو ہمیشہ قدر وقیمت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا اور اس مجموعۂ کلام کی بدولت آپ کا نام ایک وفادار عاشق مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت سے صفحۂ دہر پر تا قیام قیامت زندہ وتابندہ رہے گا۔

☆☆☆☆☆

نواں باب

ملفوظات، تصنیفات وتالیفات سے الگ ایک دل چسپ اور معلومات افزا ادبی صنف ہے۔ ملفوظات کے لیے ضروری نہیں کہ متعلقہ شخصیت خود قلم بند کرے۔ عموماً کسی رجل عظیم کا کوئی ہم نشیں یا ندیم، اپنی یاد داشت سے یا روز بہ روز الگ الگ مجلسوں میں جو کچھ ارشاد ہوا اسے بلا کم وکاست ضبط تحریر میں لاتا ہے۔ یومیہ مجالس میں بسا اوقات ایسے مسائل زیر بحث آتے جاتے ہیں، جو عام خطابات میں نہیں آتے یا نہیں آسکتے۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ملفوظات کو جمع کرنے کے لیے بھی معقول حد تک قلمی شعور، حافظہ اور استحضار دماغ کی ضرورت ہے، سننے والا بڑا ہی بیدار مغز اور زیرک ہو، جملوں کے مزاج اور ساخت سے پوری واقفیت رکھتا ہو ورنہ وہ کچھ کا کچھ لکھ سکتا ہے اور بہتر یہ ہوگا کہ یاد داشت یا قوت حافظہ پر

اعتماد کرنے کی بجائے مجلس برخاست ہونے کے بعد فورا تحریر کرے۔ ایسے ہی مسائل سے نمٹنے کے لیے محدثین نے روایت کے ساتھ درایت اور جرح و تعدیل کے اصول وضع کیے۔ احادیث کریمہ انسانی تاریخ میں کسی بھی شخصیت کے ملفوظات کو جمع کرنے کا سب سے شان دار مرقع ہیں جسے محدثین عظام کی زہرہ گدازی اور ان کے عشق رسول کا ثمرہ بھی کہا جاسکتا ہے۔ ملفوظات کی کیا اہمیت ہوتی ہے اور اسے کیوں جمع کیا جاتا ہے؟ اس سے آگاہی کے لیے مولانا فیضان المصطفیٰ کی درج ذیل تحریر پڑھنی ہوگی۔

"بزرگوں کے ملفوظات ان کے عہد کے ترجمان ہوتے ہیں، ان سے بزرگوں کی زندگی گزارنے کے طریقے معلوم ہوتے ہیں، فکر و خیال کی دینی تربیت ہوتی ہے، شریعت کے آداب معلوم ہوتے ہیں، طریقت کے اسرار ورموز واشگاف ہوتے ہیں، معرفت و حقیقت کی راہیں کھلتی ہیں۔ ایک جملے کے اندر حقائق کا خزانہ سمودینا عارفین کے لیے آسان سی بات ہے۔ اگر وہی جملے، وہی فرمودات، جو بزرگوں کی زبان سے نکلے تھے، صحیح طور پر مفہوم معلوم ہوجائیں تو ان کی روشنی میں تلاش حقیقت کا سفر آسان ہوجاتا ہے، زندگی کی الجھی ہوئی گتھیاں سلجھائی جاسکتی ہیں، حیات و کائنات کے لاینحل مسائل حل کیے جاسکتے ہیں، انفس و آفاق کے حقیقی راز معلوم کیے جاسکتے ہیں۔ اسی اہمیت کے پیش نظر صوفیۂ کرام کے ملفوظات کی ترتیب و تدوین کا سلسلہ چل پڑا جس کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔"

مفتی اعظم نے امام احمد رضا کے ملفوظات کو اگر جمع نہ کیا ہوتا تو آج ملت اسلامیہ ایک عظیم علمی و ادبی سرمایہ سے محروم رہ جاتی۔ الفاظ ہوا میں اڑ کر تحلیل ہوجاتے ہیں مگر فنا نہیں ہوتے لیکن نوک زبان سے نکلنے کے بعد ان کو دوبارہ ضبط تلفظ میں لانے کا اب تک کوئی سائنسی آلہ ایجاد نہ ہوسکا اور نہ مستقبل قریب میں دور دور تک ایسا ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ ہاں الفاظ کو اشکال میں بدل کر اس کے معنوی اور داخلی احساسات کو صفحۂ قرطاس پر ضرور قید کیا جاسکتا ہے۔ یہی کام الملفوظ میں مفتی اعظم نے اپنے ولی نعمت امام احمد رضا کے حوالے سے بھی کیا۔ اپنے بزرگوں کی دستاروں پر نقد و جرح کے تیر برسانے والی نئی نسل کیا آج اپنے زندہ بزرگوں کے ساتھ یہ برتاؤ کر رہی ہے اگر نہیں تو کیوں؟ اور اس کا جواز کیا ہے؟

مقبول احمد سالک مصباحی

مفتیِ اعظم کا عظیم اور لازوال کارنامہ

اعلیٰ حضرت رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ کے ارشادات کے گراں قدر مجموعہ

الملفوظ کی ترتیب وتدوین

رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ والرضوان

(بانی) جامعہ حضرت نظام الدین اولیا، نئی دہلی

ایک ادنیٰ سا مسلمان بھی اس بات سے اچھی طرح واقف ہے کہ ہمارے اوپر تین طرح کے حقوق ہیں:

(۱) بندہ ہونے کی حیثیت سے خدا کا حق۔

(۲) امتی ہونے کی حیثیت سے رسول کا حق۔

(۳) انسان ہونے کی حیثیت سے انسان اور دوسری مخلوق کا حق۔

اس لحاظ سے رسول کا حق بھی اللہ ہی کا حق ہے کہ وہ اللہ ہی کی طرف سے بندوں پر عائد کیا گیا ہے، لہٰذا جو لوگ رسول کے حق کا قولاً، عملاً، اعتقاداً کسی درجہ میں بھی انکار کرتے ہیں وہ صرف رسول ہی کے نہیں بل کہ خدا کے بھی منکر ہیں۔

قرآن کریم نے عہدِ رسالت میں پیدا ہونے والے اس طبقے کی بار بار نشان دہی فرمائی ہے جو خدا کی الوہیت کا بھی اقرار کرتا تھا، توحید و رسالت کی بھی برملا شہادت دیتا تھا اور نماز با جماعت کا بھی پابند تھا لیکن ان ساری باتوں کے باوجود حبیب کبریا، رسولِ مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے دل کے نفاق و عناد میں مبتلا ہونے کے باعث وہ ہمیشہ خدا کے قہر و غضب کا نشانہ بنا رہا۔ نہ اس کا کلمہ اس کے کام آیا اور نہ اس کی نماز خدا کے عذاب سے اسے بچا سکی۔

قرآنِ کریم کی اس مضمون کی سیکڑوں آیتیں واضح طور پر اس عقیدے کی توثیق کرتی ہیں کہ خدا اور بندے کے درمیان رسول ہی کی ذات مرکزِ تعلقات ہے۔ نجات اخروی اور رضائے الٰہی کے حصول کا بجز اس کے اور کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ سب سے پہلے رسول کی رضا حاصل کی جائے اور یہ صرف عقیدہ نہیں بل کہ تاریخ کے حوالے سے کھلی آنکھوں کا مشاہدہ بھی ہے کہ جنم جنم کے کفار و مشرکین جب رسول پاک کی پناہ میں آ گئے تو خدا نے بھی ان پر اپنی رحمت و خوشنودی کا دروازہ کھول دیا۔ پہلے رسول کے قدموں میں ان کے دل جھکے تب پیشانیوں کو خدا کے حضور میں سجدہ ریز ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ لوگوں نے پہلے خدا کو مانا ہو تب رسول کو تسلیم کیا ہو۔

منصبِ رسالت کی عظمت و جبروت کے خلاف منافقین مدینہ کی اٹھائی ہوئی تحریک جس کی قرآن میں بار بار اور واضح لفظوں میں نشان دہی فرمائی گئی ہے وہ چودھویں صدی میں پھر منظم ہو گئی اور غضب کی بات یہ ہوئی کہ اس فتنے کے علم برداروں نے اپنے دلوں کا غیض و غضب چھپانے کے لیے اسے ایک دینی تحریک کی شکل دے دی اور اس خوب صورتی کے ساتھ عظمت پیغمبرانہ کے خلاف اپنا مشن چلایا کہ لوگ عرصۂ دراز تک یہی سمجھتے رہے کہ یہ نبی کی تنقیص کا نہیں بل کہ عقیدۂ توحید کے تحفظ کا مشن ہے۔ لیکن خدائے غافر و قدیر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز کی تربت پر اپنی رحمت و نعمت کے پھول برسائے کہ اس مردِ سرفروش اور عاشقِ وفا کیش نے اس ناپاک تحریک کے خلاف قلم کی تلوار اٹھا کر امت کو کفر و نفاق کے ایک بہت بڑے فتنہ میں مبتلا ہونے سے بال بال بچا لیا۔ اور ہزاروں اوراق پر پھیلے ہوئے کتاب و سنت، تفسیر و فقہ اور اقوالِ سلف کے مقدس ذخائر کی روشنی میں ثابت کر دکھایا کہ منصب رسالت کا احترام عقیدۂ توحید سے متصادم نہیں، بل کہ عقیدۂ توحید کا عین مقتضا اور مطلوب ہے۔

دل اگر نفاق کے آزار میں مبتلا نہیں ہے تو یہ ماننا پڑے گا کہ اعلیٰ حضرت امامِ اہل سنت نے اپنے پیچھے جو لٹریچر چھوڑا ہے وہ اسلام کی روح، دین کی غیرت و حمیت اور ایمان کے چشمے سے پھوٹنے والی قوتوں کا تحفظ کرتا ہے۔

اعلیٰ حضرت کے علوم و معارف کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ''الملفوظ'' بھی ہے جو ان کے ارشادات اور کلمات طیبات پر مشتمل ہے، اگر چہ یہ اعلیٰ حضرت کی تصنیف نہیں بل کہ ان کی زبانِ مبارک سے نکلے ہوئے جواہر پاروں اور ذخائرِ علم و حکمت کا ایک گنج گراں مایہ ہے اور یہ احسان ہے حضور مفتیِ اعظم ہند رحمۃ والرضوان کا کہ انھوں نے اعلیٰ حضرت کی علمی مجالس کے ان خزائن و ذخائر کو قلم بند فرمایا، اور ''الملفوظ'' کے نام سے چار

جلدوں میں انھیں شائع کر دیا۔ ان بکھرے ہوئے موتیوں کو حضور مفتیِ اعظم نے رشتۂ تحریر میں منسلک نہ کیا ہوتا تو آج ہم علم وحکمت اور دین و سنت کے ان نادر روزگار ذخائر سے محروم ہو جاتے، جن کی چمک سے دلوں کے آفاق پر اجالا پھیلتا ہے اور دیکھنے والوں کی آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں۔

الملفوظ کے مقدمہ میں حضور مفتیِ اعظم ہند نے اس کے جلوہائے سبب تالیف پر روشنی ڈالتے ہوئے اعلیٰ حضرت کی مجلسِ علم وحکمت اور فیض وبرکت کا جو نقشہ کھینچا ہے، وہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔

تحریر فرماتے ہیں کہ:

''یہاں جو دیکھا کہ شریعت وطریقت کے وہ باریک مسائل جن میں مدتوں غور وخوضِ کامل کے بعد بھی ہماری کیا بساط، بڑے بڑے سر ٹیک کر رہ جائیں، فکر کرتے کرتے تھک جائیں اور ہرگز نہ سمجھیں اور صاف انالا ادری کا دم بھریں، وہ یہاں ایک فقرے میں ایسے صاف فرما دیے جائیں کہ ہر شخص سمجھ لے گویا اشکال ہی نہ تھا۔

اور وہ دقائق ونکاتِ مذہب وملت جو ایک چیستاں اور ایک معما ہوں، جن کا حل دشوار سے زیادہ دشوار ہو وہ یہاں منٹوں میں حل فرما دیے جائیں تو خیال ہوا کہ یہ جواہر عالیہ اور زواہر غالیہ یوں ہی بکھرے رہے اور انھیں سلکِ تحریر میں نہ لایا گیا تو اندیشہ ہے کہ وہ کچھ عرصہ کے بعد ضائع ہو جائیں۔

پھر یہ کہ ان ملفوظاتِ عالیہ سے یا تو خود متمتع ہوتے یا زیادہ سے زیادہ ان کا نفع حاضر باشان دربار عالی ہی کو پہنچتا باقی اور مسلمانوں کو محروم رکھنا ٹھیک نہیں۔ بل کہ ان کا نفع جس قدر عام ہو اتنا ہی بھلا، لہٰذا جس طرح ہو یہ تفریق جمع ہو۔

مگر یہ کام مجھ بے بضاعت اور عدیم الفرصت کی بساط سے کہیں سوا تھا اور گویا چادر سے زیادہ پاؤں پھیلانا تھا اس لیے بار بار ہمت کرتا اور بیٹھ جاتا۔ میری حالت اس وقت اس شخص کی سی تھی جو کہیں جانے کے ارادے سے کھڑا ہو مگر متذبذب ہو کر ایک قدم آگے ڈالتا اور دوسرا پیچھے ہٹا لیتا ہو۔

مگر دل بڑا بے چین تھا، کسی طرح قرار نہ لیتا تھا۔ آخر **السعی منی و الاتمام من اللہ** کہتا کمرِ ہمت چست کرتا اور **حسبنا اللہ و نعم الوکیل** پڑھتا اٹھا اور ان جواہرِ نفیسہ کا ایک خوش نما ہار تیار کرنا شروع کیا اور میں اپنے ربِ عز وجل کے کرم سے امید رکھتا ہوں کہ وہ اس ہار کو میری جیت کا ذریعہ بنائے۔ ع: ایں دعا از من واز جملہ جہان آمین باد

واللہ تعالیٰ ولی التوفیق وھو حسبی و خیر رفیق و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ سیدنا و مولینا محمدٍ وَّ اٰلہٖ و صحبہٖ اجمعین و بارک و سلم۔

(الملفوظ، ص:۵، مطبوعہ محبوب المطابع دہلی)

اعلیٰ حضرت کے ارشادات کو جمع کرنے کا یہ سلسلہ تسلسل کے ساتھ جاری نہیں تھا۔ دوسری مصروفیات کے باعث اکثر ناغے بھی

ہو جاتے تھے، جیسا کہ خود جامعِ ملفوظات نے اپنے مقدمہ میں اس کی صراحت فرمائی ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

''میں نے چاہا تو یہ تھا کہ روزانہ کے ملفوظات جمع کروں مگر میری بے فرصتی آڑے آئی اور میں اپنے اس عالی مقصد میں کامیاب نہ ہوا۔ غرض جتنا اور جو کچھ مجھ سے ہوسکا، میں نے کیا۔ آگے قبول واجر کا اپنے مولیٰ تعالیٰ سے سائل ہوں۔ وھو حسبی و ربی۔ (ایضاً، ص:۶)

جامعِ ملفوظات حضور مفتیِ اعظم ہند کا اندازِ بیان یہ ہے کہ وہ مجلس میں بیٹھنے والے کسی سائل کے سوال کو عرض اور اعلیٰ حضرت کے جواب کو ارشاد سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور چوں کہ سوالات کے درمیان کوئی فنی ترتیب نہیں ہے، اس لیے اعلیٰ حضرت کے ارشادات علم وفن کے بے شمار اصناف پر مشتمل ہیں اور رنگارنگ پھولوں کی پنکھڑیوں کی طرح چارسو صفحات پر بکھرے ہوئے ہیں۔ کتاب میں پھیلے ہوئے ان منتشر مباحث کو بڑی حد تک مندرجہ ذیل اصناف میں سمیٹا جاسکتا ہے۔

(۱) حکایات وقصص (۲) معارفِ قرآن (۳) مباحثِ حدیث (۴) عقائد وایمانیات (۵) فقہی مسائل (۶) ردفرقہ ہائے باطلہ (۷) ہیئت وفلسفہ (۸) تاریخ (۹) تصوف (۱۰) ہندوبیرون ہند کا سفرنامہ۔

اپنے جذبۂ نفاق اور بدعقیدگی کے نتیجے میں مدت ہوئی الملفوظ کے چند مقامات پر اہلِ سنت کے حریفوں نے اعتراض کیے تھے جن کے شافی اور مدلل جوابات نقیب اہلِ سنت حضرت علامہ مفتی شریف الحق صاحب محدث امجدی نے تحقیقات کے نام سے کتابی شکل میں شائع فرما کر ہمیشہ کے لیے مخالفین کی زبانوں پر تالے ڈال دیے۔

جھریا کے مشہور مناظرے میں بھی ان اعتراضات کے نہایت محققانہ اور دنداں شکن جوابات دیے گئے تھے جو مناظرہ کی مطبوعہ روداد میں شائع کردیے گئے ہیں۔

اتنی تفصیلات کے بعد اب الملفوظ کے سہارے اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنت کی مجلسِ علم وعرفان میں چلیے، جہاں وقت کے بڑے بڑے اساتذہ اور اصحابِ فضل وکمال سائل کی طرح دامن پھیلائے بیٹھے ہیں اور امام اہل سنت کے منہ سے حقائق ومعارف کے پھول جھڑ رہے ہیں۔

اب الملفوظ کے مباحث کے چند اقتباسات نہایت اختصار کے ساتھ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

حکایات وقصص:

عبرت وموعظت کی راہ سے حقائق ومعانی کو قلوب میں راسخ کرنے کے لیے قرآنِ کریم نے جگہ جگہ حکایات وقصص سے کام لیا ہے۔ قرآن کی پیروی میں اعلیٰ حضرت نے بھی گفتگو کے دوران بزرگوں کے واقعات وحکایات بیان کرکے معنوی حقائق کو پیکرِ محسوس میں منتقل کرنے کا انداز بیان اختیار فرمایا ہے۔

نمونے کے طور پر چند بصیرت افروز، روح پرور اور فکر انگیز حکایات ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، جو حضور پُرنور، جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی ہیں اور مشہور صحابیِ رسول حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں۔ وہ اپنے عہد طالب علمی کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں جس سے استاد کے منصب احترام وادب کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

ارشاد فرماتے ہیں کہ جب میں درس کے لیے اپنے استاذ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دولت کدے پر حاضر ہوتا اور

وہ گھر کے اندر ہوتے تو میں از راہِ ادب انھیں باہر سے آواز نہ دیتا بل کہ ان کی چوکھٹ پر سر رکھ کر لیٹ جاتا۔ ہوا خاک اڑا کر میرے اوپر ڈالتی اور میں ان کے قدموں کا غبار اپنے چہرے پر مل کر خوش ہوتا۔ یہاں تک کہ وہ کاشانۂ اقدس سے باہر تشریف لاتے اور مجھے اس حال میں دیکھتے تو بے قرار ہو جاتے اور ارشاد فرماتے کہ ابن عم رسول اللہ (حضور کے چچا کے صاحب زادے) آپ نے مجھے اطلاع کیوں نہ کرا دی کہ میں باہر آجاتا۔ اس کے جواب میں عرض کرتا کہ یہ خلافِ ادب تھا کہ میں آپ کو اپنے آنے کی اطلاع دیتا یا باہر سے آواز لگاتا۔ قرآنِ حکیم نے ہمیں بارگاہِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی ادب سکھلایا ہے کہ انھیں باہر سے آواز نہ دو بل کہ صبر کے ساتھ انتظار کرو کہ وہ خود باہر تشریف لائیں۔

(۲) ایک بار یہی حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھوڑے پر سوار تھے کہ اسی درمیان حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما تشریف لے آئے اور ان کے گھوڑے کی رکاب تھام لی۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا۔ اے ابن عم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟ جواب دیا، ہمیں اسی طرح اہلِ علم کے ادب کا حکم دیا گیا ہے۔

یہ سنا تھا کہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھوڑے سے نیچے اتر پڑے اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ہاتھ پر فرطِ عقیدت سے بوسہ دیا اور فرمایا کہ ہمیں بھی حکم دیا گیا ہے کہ ہم اہلِ بیت کا اسی طرح ادب کریں۔

سبحان اللہ! وہ علم کا ادب تھا، یہ نسبتِ رسالت کا ادب ہے، دونوں ادبوں کے نقش ونگار سے ایمان کی تصویر مکمل ہوگئی۔

(۳) حضرت امام کسائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو قراءت سبعہ کے ایک جلیل القدر امام ہیں اور حنفی مذہب کے ستون۔ حضرت امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خالہ زاد بھائی ہیں۔ ایک دن ان کی بارگاہ میں عالمِ اسلام کا مشہور بادشاہ ہارون رشید حاضر ہوا اور درخواست کی کہ آپ میرے بچے مامون رشید کو اپنی شاگردی میں قبول فرما لیجیے۔ امام کسائی نے ارشاد فرمایا کہ میں قبول تو کرتا ہوں لیکن شہزادے کو آ کے گھر پر پڑھانے نہیں جاؤں گا کہ یہ علم کی توہین ہے۔ آپ اسے میرے گھر پر بھیج دیا کیجیے، میں پڑھا دیا کروں گا۔ ہارون رشید نے کہا آپ کی یہ شرط مجھے منظور ہے، لیکن اتنی رعایت فرمائیے گا کہ اس کا سبق پہلے ہو جایا کرے۔ فرمایا، یہ ترجیح بھی علم کی شان کے خلاف ہے، بل کہ جو پہلے آئے گا اسی کا سبق پہلے ہوگا۔ غرض امام کسائی کی اس شرط پر مامون کی پڑھائی کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

اتفاقاً ایک دن ہارون رشید کا اس طرف گزر ہوا۔ اس نے دیکھا کہ امام کسائی وضو فرما رہے ہیں اور مامون ان کے پاؤں پر پانی ڈال رہا ہے۔ بادشاہ غضب ناک ہو کر گھوڑے سے نیچے اتر پڑا اور مامون کو کوڑے لگاتے ہوئے کہا، او بے ادب! خدا نے تجھے دو ہاتھ کس لیے دیے ہیں؟ ایک سے پانی ڈال اور دوسرے ہاتھ سے اپنے استاد کے پاؤں دھو۔

اس واقعے سے اندازہ لگائیے کہ ہارون رشید جیسے قاہر وجابر بادشاہ کے دل میں علم کی کیسی قدر ومنزلت تھی؟

(۴) یہی ہارون رشید ہے جس نے ایک دن اپنے زمانے کے جلیل القدر عالمِ دین اور خدا رسیدہ بزرگ حضرت ابو معاویہ ضریر رضی اللہ عنہ کی دعوت کی، وہ آنکھوں سے معذور تھے۔ جب آفتابہ اور سلپچی ہاتھ دھلانے کے لیے لائی گئی تو سلپچی اس نے اپنے خدمت گار کو دے دی اور آفتابہ لے کر خود ان کا ہاتھ دھلانے لگا۔

ہاتھ دھلاتے ہوئے اس نے سوال کیا کہ کیا آپ کو پتہ ہے، آپ کا ہاتھ کون دھلا رہا ہے؟ یہ سن کر حضرت ابو معاویہ نے ارشاد فرمایا، جیسی آپ نے علم وتقویٰ کی عزت فرمائی، ویسی ہی اللہ آپ کی عزت بڑھائے۔ ہارون نے عرض کیا، بس اسی دعا کے لیے میں نے یہ

خدمت سرانجام دی ہے۔

اس واقعے سے ہارون رشید جیسے وقت کے عظیم شہنشاہ کا وہ جذبۂ نیازمندی آشکار ہوتا ہے جو اسے اللہ والوں کے ساتھ حاصل تھا۔

(۵) ہارون رشید کا عام دستور تھا کہ جب اس کے دربار میں کوئی عالمِ دین تشریف لاتے تو وہ ان کی تعظیم کے لیے سروقد کھڑا ہوجاتا۔ ایک دن درباریوں نے کہا کہ یاامیرالمومنین آپ کے اس طرزِ عمل سے سلطنت کا رعب زائل ہوتا ہے۔

ہارون رشید نے جواب دیا کہ علماے اسلام کی تعظیم سے اگر سلطنت کا رعب زائل ہوتا ہے تو وہ زائل ہونے ہی کے قابل ہے۔ میں رعب سلطنت کے لیے علمِ دین کی عزت کو مجروح نہیں ہونے دوں گا۔

ہارون رشید کی یہی وہ اداے دلبرانہ تھی جس نے ساری دنیا میں اس کی صولت وجلالت کے ڈنکے بجادیے اور وقت کے بڑے بڑے سلاطین اس کی سطوت وجبروت سے لرزہ براندام رہا کرتے تھے۔

(۶) یمن میں ایک عیسائی رہتا تھا۔ اس نے مسلمانوں کا امتحان لینے کے لیے عیسائیت کا لبادہ اتار کر مسلمانوں کا لباس پہن لیا۔ گلے کی صلیب جو کپڑے کے اوپر لٹکتی رہتی تھی، اسے گریبان کے اندر چھپالیا۔ یہاں تک کہ بالکل مسلمانوں کے لباس میں وہ علما کے پاس جاتا اور ان سے سوال کرتا کہ حضور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: اتقو افراسۃ المؤمن فانہ ینظر بنور اللہ۔ مومن کی فراست سے بچو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ اس حدیث کے کیا معنیٰ ہیں؟

علما اس کا جواب دیتے لیکن وہ جواب پاکر بھی پوچھنے سے باز نہیں آتا۔ یہاں تک کہ وہ پوچھتے پوچھتے بغداد تک پہنچ گیا۔ وہ زمانہ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جلالتِ شان کا تھا۔ سارے بغداد میں ان کی شوکت وولایت کا ڈنکا بج رہا تھا۔ وہ ان کی بارگاہ میں بھی حاضر ہوا اور ان سے بھی اس حدیث کے معنی پوچھے۔ انھوں نے پُرجلال آواز میں ارشاد فرمایا کہ اس حدیث کے معنیٰ یہ ہیں کہ صلیب توڑ، عیسائیت چھوڑ اور اسلام قبول کر۔ یہ سنتے ہی وہ قدموں پر گر پڑا اور کلمۂ شہادت پڑھ کر دولتِ اسلام سے مشرف ہوگیا۔

اس کے بعد اس نے عرض کیا کہ حضور! یہ حدیث لے کر میں بہت سارے علما ومشائخ کے پاس گیا لیکن کسی نے بھی مجھے نہیں پہچانا۔ کیا بات ہے کہ صرف آپ نے مجھے پہچان لیا؟

حضرت نے ارشاد فرمایا کہ پہچانا تو تجھے سب نے تھا، لیکن چوں کہ تیرا اسلام میرے ہاتھ پر لکھا ہوا تھا، اس لیے کسی نے تجھ پر یہ راز فاش نہیں کیا۔ مطلب یہ ہے کہ انھیں صرف تیرا ہی حال نہیں معلوم تھا، بل کہ انھیں یہ بھی معلوم تھا کہ تو میرے ہاتھ پر مسلمان ہوگا۔

اس واقعہ سے اولیاے کرام کی غیبی قوت ادراک کا پتہ چلا جس کے ذریعہ وہ مخفی حالات سے باخبر ہوجاتے ہیں۔

(۷) ایک بی بی نے انتقال کے بعد خواب میں اپنے لڑکے سے فرمایا کہ میرا کفن ایسا خراب اور بے وقعت ہے کہ مجھے اپنے ساتھیوں میں بیٹھتے شرم آتی ہے۔ پرسوں فلاں شخص آنے والا ہے، اس کے ہم راہ اچھے کپڑے کا کفن بھیج دینا۔ صبح صاحب زادے نے اٹھ کر اس شخص کا پتہ چلایا تو معلوم ہوا کہ وہ بالکل تندرست ہے اور مرنے کے کوئی آثار اس کے اندر موجود نہیں ہیں۔ اچانک تیسرے دن اسے خبر ملی کہ اس کا انتقال ہوگیا۔ لڑکے نے نہایت عمدہ کفن تیار کر کے اس کے کفن میں رکھ دیا اور جنازہ کے سامنے کھڑے ہوکر کہا کہ یہ میری ماں کو دے دینا۔

رات کو وہ صالحہ بی بی خواب میں تشریف لائیں اور بیٹے سے کہا، خدا تجھے جزاے خیر دے، تو نے بہت اچھا کفن بھیجا۔ اب مجھے اپنی ساتھیوں میں کوئی شرمندگی محسوس نہیں ہوگی۔

اس واقعہ سے چند باتیں معلوم ہوئیں۔

پہلی بات تو یہ معلوم ہوئی کہ عالمِ دنیا اور عالمِ برزخ کے درمیان رابطے کا کوئی نہ کوئی روحانی ذریعہ ضرور ہے۔ اور مرنے کے بعد بھی مردہ کے اندر سے خون کے رشتے کا احساس اور شعور باقی رہتا ہے۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ موت طاری ہونے کے بعد بھی اللہ کے ولیوں کی غیبی قوت ادراک محفوظ رہتی ہے اور اسی قوت کے ذریعہ وہ دنیا میں پیش آنے والے واقعات سے باخبر رہتے ہیں۔

تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اچھے کفن سے مردے کو خوشی ہوتی ہے اور خراب کفن سے وہ خفت محسوس کرتا ہے۔

اور چوتھی بات یہ معلوم ہوئی کہ کسی کے خواب میں آنا اللہ والوں کے اپنے اختیار میں ہے، وہ جب چاہیں اور جس کے خواب میں چاہیں تشریف لا سکتے ہیں۔ انھیں اپنے اور بیگانے کا بخوبی امتیاز ہوتا ہے اور وہ اپنا گھر در بھی پہچانتے ہیں۔

(۸) اھبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک صحابیِ رسول ہیں۔ جب ان کا انتقال ہوا اور انھیں کفن پہنایا گیا تو غلطی سے ان کے کفن میں ایک تہبند زائد چلا گیا۔ شب کو اپنے صاحبزادے کے خواب میں تشریف لائے اور فرمایا، یہ تہبند لو! اور الگنی پر ڈال دیا۔ صبح جب آنکھ کھلی تو دیکھا کہ تہبند الگنی پر رکھا ہوا ہے۔

اس واقعہ سے بھی عالمِ دنیا اور عالمِ برزخ کے باہمی تعلق پر روشنی پڑتی ہے۔

(۹) ایک بزرگ کا انتقال ہوا، ان کے صاحب زادے روزانہ قبر پر حاضر ہوتے اور قرآنِ عظیم کی تلاوت کیا کرتے، کچھ مدت گزر جانے کے بعد وہ جوشِ محبت جاتا رہا، یہاں تک کہ ایک دن ناغہ ہو گیا۔ شب کو وہ بزرگ خواب میں تشریف لائے اور تنبیہ فرمائی کہ ایسا نہ کرو۔ روزانہ میری قبر پر آیا کرو اور تھوڑی دیر تک میرے مواجہہ میں کھڑے رہا کرو، یہاں تک کہ میں تمھیں جی بھر کر دیکھ لوں۔ پھر میرے لیے دعاے رحمت کرو اور رخصت ہو جاؤ۔

اس واقعہ سے بھی پتہ چلتا ہے کہ خونی رشتہ کا احساس مرنے کے بعد بھی باقی رہتا ہے۔ اور مردے کو یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ کون آیا ،کون نہیں؟ نیز یہ بھی واضح ہوا کہ چہرے کے سامنے کھڑے ہونے پر قبر کی مٹی حائل نہیں ہوتی۔ مردہ اسے دیکھتا اور پہچانتا ہے۔

(۱۰) ایک شخص ایک قبرستان میں ایک قبر کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی ہی دیر میں اسے نیند آ گئی خواب میں دیکھا کہ ایک بی بی اس قبر کے اندر سے فرماتی ہیں کہ اے خدا کے بندے! اس بلا کو میرے پاس سے دفع کر جو تھوڑی دیر میں آنے والی ہے۔ اس کی فوراً آنکھ کھل گئی اور اس نے دیکھا کہ ایک نئی قبر اس قبر کے پہلو میں کھودی جا رہی ہے اور سامنے سے ایک جنازہ جو کوئی رئیس کا تھا، چلا آ رہا ہے۔

اس نے لوگوں کو منع کیا کہ یہ جگہ ٹھیک نہیں ہے، ایسی ہے، ویسی ہے، کسی دوسری جگہ قبر تیار کر لو۔ لوگوں نے اس کی بات مان لی اور دوسری جگہ اس میت کو دفن کیا۔

رات کو اس شخص نے خواب میں دیکھا کہ وہ بی بی تشریف لائی ہیں اور فرماتی ہیں کہ خدا تجھے جزاے خیر دے کہ تو نے اس آگ کو میرے پاس سے دفع کیا۔

اس واقعے سے بھی چند باتیں معلوم ہوئیں۔

پہلی بات تو یہ معلوم ہوئی کہ جس طرح دنیا میں برے ہم سایہ سے تکلیف پہنچتی ہے اور آدمی اس سے دور رہنا چاہتا ہے، اسی طرح

مرنے کے بعد بھی مردے کو اچھے اور نیک ہم سایہ سے خوشی ہوتی ہے اور برے ہم سایہ سے اذیت پہنچتی ہے۔

دوسری بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ اللہ کا ولی اپنی خداداد قوت ادراک کے ذریعہ صرف اتنا ہی نہیں جانتا کہ کون مرنے والا ہے؟ کون مر گیا ہے؟ اور کس کا جنازہ آنے والا ہے؟ بل کہ اپنی قبر کے اندر لیٹے لیٹے وہ یہ بھی جانتا ہے کہ آنے والا کیسا ہے؟ اچھا ہے یا برا؟ مستحقِ عذاب ہے یا سزاوارِ رحمت وکرم ہے

تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ مرنے والا خواب میں کوئی بات کہے تو اسے نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ مرحومین کی دعاؤں سے نہال ہونے کا یہ بھی ایک ذریعہ ہے۔

(۱۱) ایک دن تین قلندر حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کھانا طلب کیا۔ حضرت نے خدام کو کھانا حاضر کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ خدام نے جو کچھ اس وقت موجود تھا، ان کے سامنے لا کر رکھ دیا۔

ان میں سے ایک قلندر نے وہ کھانا اٹھا کر پھینک دیا اور کہا اس سے اچھا کھانا لاؤ۔ حضرت نے ناشائستہ حرکت کا کچھ خیال نہ فرمایا اور خدام کو اس سے بہتر کھانا لانے کا حکم دیا۔ خادم پہلے سے بھی اچھا کھانا لایا، لیکن اس بار بھی اس نے اٹھا کر پھینک دیا۔ تب حضرت نے اس سے بھی اچھا کھانا لانے کا حکم دیا، لیکن جب اس بار بھی قلندر نے اٹھا کر پھینک دیا تو حضرت نے اسے اپنے قریب بلایا اور کان میں ارشاد فرمایا کہ یہ کھانا اس مردار بیل سے تو اچھا تھا جو تم نے راستے میں کھایا تھا۔

یہ سنتے ہی قلندر کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ راستے میں تین دن کے فاقوں کے بعد انھیں ایک مرا ہوا بیل ملا تھا جس کا یہ گوشت کھا کر آئے تھے

قلندر فرطِ ندامت سے بے خودی کی حالت میں حضرت کے قدموں پر گر پڑا۔ حضرت نے اسے اٹھا کر سینے سے لگا لیا اور ایک آن میں اسے دولتِ باطنی سے مالا مال کر دیا۔ اس وقت وہ رقص کرتا اور عالمِ وجد میں کہتا پھرتا تھا کہ میرے مرشد نے مجھے نہال کر دیا، مالا مال کر دیا۔

حاضرین نے کہا، بے وقوف! تجھے جو کچھ ملا ہے وہ تو حضرت نے عطا کیا ہے، یہاں تک کہ تو تو بالکل خالی آیا تھا۔ اس نے جواب دیا۔ بے وقوف تم ہو، میرے مرشد کی اگر مجھ پر نظرِ کرم نہ ہوتی تو حضرت کا کرم میری طرف کیوں کر متوجہ ہوتا۔

یہ جواب سن کر حضرت بہت خوش ہوئے اور فرمایا، یہ سچ کہتا ہے۔ اور اس کے بعد لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا، بھائیو! مرید ہونا اس سے سیکھو۔

اس واقعہ سے چند باتیں معلوم ہوئیں۔

پہلی بات تو یہ معلوم ہوئی کہ حضرت محبوب الٰہی کو خدا کی طرف سے غیر معمولی قوتِ ضبط عطا کی گئی تھی کہ بار بار کی گستاخی اور نازیبا حرکات کے بعد بھی حضرت ذرا بھی غضب ناک نہیں ہوئے۔

حضرت کے اس بلند اخلاق وکردار سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ میزبان کو اپنے مہمان کے حق میں کتنا حلیم اور وسیع القلب ہونا چاہیے؟ اور کیوں نہ ہو کہ اولیاے کرام کی زندگی رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ عالیہ کا آئینہ ہوتی ہے۔

اس واقعہ سے دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ حضرت محبوب الٰہی پر وہ سارے احوال روشن تھے جو قلندروں کو سفر کے دوران پیش آئے تھے۔ یہی ہے وہ غیبی قوتِ ادراک جسے مالکِ قدیر اپنے مقرب بندوں کو عطا فرماتا ہے اور جس کے ذریعہ انھیں مخفیات کا علم حاصل ہوتا ہے۔

اور تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ہر مرید سعید کو یہی اعتقاد رکھنا چاہیے کہ فیض کہیں سے بھی ملے وہ اس کے مرشد ہی کی چشمِ کرم کا صدقہ ہے۔

(۱۲) ایک فقیر مفلس، بے نوا، نانِ شبینہ کا محتاج، رات کے وقت دعا کیا کرتا تھا کہ الٰہی رزقِ حلال عطا فرما، میری تنگ دستی دور کر دے۔ اتفاقاً کسی شب ایک گاے اس کے گھر میں گھس آئی۔ اس نے سمجھا کہ دعا کے نتیجے میں یہ رزقِ حلال پردۂ غیب سے مجھے عطا ہوا ہے۔ یہ سوچ کر اس نے گاے ذبح کی اور اس کا گوشت پکایا اور کھایا۔

صبح مالک کو خبر ہوئی، اس نے سیدنا داؤد علیہ السلام کی عدالت میں اس کے خلاف مقدمہ دائر کر دیا۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ تو مال دار شخص ہے، اس نے ایک گاے ذبح کر لی تو کیا ہوا؟ جانے دے، درگزر کر۔ یہ سن کر وہ بگڑ گیا اور غصہ میں کہا کہ مجھے میرا حق دلوایا جائے۔ میں انصاف چاہتا ہوں۔ فرمایا کہ اگر تو حق اور انصاف چاہتا ہے تو سن لے کہ حق اور انصاف یہی ہے کہ وہ گاے اسی کی تھی۔ وہ اپنی گاے ذبح کر کے کھا گیا۔ اس نے تیرا کیا لیا؟ یہ سن کر وہ اور برہم ہوا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اب بھی تجھے ہوش نہیں آتا تو لے صاف صاف سن لے کہ نہ صرف گائے اس کی تھی بل کہ جو کچھ تیرے پاس ہے، سب اسی کا ہے۔ یہ سن کر جب وہ غصے سے بے قابو ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ اب تیار ہو جا، میں ایک سربستہ راز سے پردہ اٹھاتا ہوں۔ سن لے، نہ صرف زر، زمین اور مال وجائداد اسی کا ہے بل کہ تو بھی اسی کی ملکیت ہے، اسی کا غلام ہے۔

اب تو اس کی بے تابی کی حد نہ تھی۔ آپ نے فرمایا، پیچ وتاب نہ کھا، صبر سے کام لے۔ ان ساری باتوں کی تصدیق چاہتا ہے تو میرے ساتھ چل۔ یہ کہہ کر اس فقیر اور گائے والے کو اپنے ہم راہ لیا اور جنگل کی طرف نکل گئے۔ واقعہ اتنا عجیب وغریب تھا کہ تماشا دیکھنے کے لیے خلق کا ایک بہت بڑا ہجوم آپ کے گرد جمع ہو گیا۔ ایک درخت کے نیچے پہنچ کر آپ کھڑے ہو گئے اور حکم دیا کہ یہاں کھودو۔ تھوڑی سی گہرائی کے بعد وہاں سے انسان کا ایک سر نکلا اور اس کے قریب ہی ایک خنجر دفن تھا۔ جب اسے نکالا گیا تو اس پر مقتول کا نام کندہ تھا۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے درخت کو حکم دیا کہ جو تو نے دیکھا ہے اس کی شہادت دے۔ درخت نے عرض کیا، یا نبی اللہ! یہ سر اس فقیر کے باپ کا ہے، یہ گائے والا اسی کا غلام تھا۔ اس نے موقع پا کر اپنے آقا کو اسی کے خنجر سے ذبح کیا اور خنجر کے ساتھ یہاں دفن کر دیا۔ اس کے سارے اموال وجائداد پر قابض ہو گیا، مقتول کا یہ بیٹا اس وقت بہت کم سن تھا، جب اس نے ہوش سنبھالا تو اپنے آپ کو بالکل تنگ دستی اور محتاجی کی حالت میں پایا۔ وہ یہ بھی نہیں جان سکا کہ اس کا باپ کون تھا، اور اس کے پاس کچھ مال وزر تھا یا نہیں۔

درخت کی اس کھلی ہوئی شہادت کے بعد اس گائے والے کو بھی اپنے جرم کا اقرار کرنا پڑا۔ یہاں تک کہ قتلِ ناحق کی سزا میں غلام کی گردن ماری گئی اور اپنے مقتول باپ کا جائز وارث ہونے کی حیثیت سے فقیر ساری جائداد اور مال وزر کا مالک بن گیا۔

(۱۳) پچھلی امتوں میں خدا کا ایک عابد وزاہد بندہ تھا جو سمندر کے ایک جزیرے میں پہاڑ کی چوٹی پر رہتا تھا۔ وہ شب وروز خدا کی عبادت کرتا تھا۔ پہاڑ پر وہی اکیلا ایک آدم زاد تھا، اس لیے ان تمام گناہوں سے وہ بالکل پاک صاف تھا، جو ہم جنس کے تعاون سے وجود میں آتے ہیں۔

اپنی رحمت وکرم سے خداے کریم نے اپنے بندۂ عابد کے لیے پہاڑ پر ایک شیریں چشمہ جاری کر دیا اور سامنے ہی میٹھے انار کا درخت اگا دیا، وہ انار کے پھل کھاتا اور شیریں چشمے کا پانی پیتا۔

اسی طرح وہ چار سو سال تک خدا کی تسبیح وتہلیل اور عبادت وریاضت میں مصروف تھا۔ یہاں تک کہ جب اس کی موت کا وقت آیا تو حضرت

عزرائیل علیہ السلام اس کے پاس تشریف لائے، اس نے کہا، اتنی اجازت دیجیے کہ میں تازہ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھ لوں اور دوسری رکعت کے آخری سجدے میں جاؤں تو آپ میری روح قبض کرلیں۔عزرائیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ میں تمھارے لیے اتنی اجازت لے کر آیا ہوں۔

چنان چہ اس نے تازہ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھی۔ جیسے ہی دوسری رکعت کے آخری سجدے میں گیا کہ روح جسد عنصری سے پرواز کر گئی۔ان کا بدن اب تک سلامت ہے اور اسی طرح سجدے کی حالت میں ہے۔

حضرت سیدنا جبریلِ امین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا کہ میں جب بھی آسمان پر جاتا ہوں، یا آسمان سے اترتا ہوں، اس بندۂ عابد کو اسی طرح سر بہ سجود دیکھتا ہوں۔

یہ بندہ اس شان سے خدا کے دربار میں قیامت کے دن حاضر ہوگا کہ عبادت وخیر کے سوا، نامۂ اعمال میں ایک گناہ کا بھی اندراج نہ ہوگا۔اس لیے نہ حساب کی ضرورت پیش آئے گی اور نہ میزانِ عمل پر کھڑے ہونے کی۔

فرشتوں سے ارحم الراحمین ارشاد فرمائے گا: **اذھبوا بعبدی الیٰ جنتی برحمتی** (ترجمہ) میرے بندے کو میری رحمت سے جنت میں لے جاؤ۔

رب العزت کا یہ فرمان سن کر وہ بندہ کہے گا رحمت سے نہیں بل کہ میرے عمل سے۔یعنی میں نے عمل ہی ایسے کیے ہیں کہ میں جنت میں جانے کا مستحق ہوں۔

اس کی یہ بات سن کر پروردگارِ عالم ارشاد فرمائے گا، لوٹاؤ میرے بندے کو اور میزان کھڑی کرو۔اس کے ایک پلے میں اس کی چار سو برس کی عبادت رکھو، دوسری پلے میں میرے لاکھوں نعمتوں میں سے صرف ایک نعمت آنکھ رکھ دو اور دونوں کو وزن کرو۔ جب وزن کیا جائے گا تو چار سو برس کی عبادت صرف ایک آنکھ کی نعمت کے مقابلے میں کم ہو جائے گی۔

ارشاد ہوگا: **اذھبوا بعبدی الیٰ ناری بعدلی** (ترجمہ) میرے اس بندے کو میرے عدل سے جہنم میں لے جاؤ۔ یہ سنتے ہی وہ آہ وزاری کرتے ہوئے چیخ پڑے گا کہ اے میرے رب تو مجھے بخش دے، میں اپنے عمل کا نہیں تیری رحمت کا سہارا لیتا ہوں، میں تیرے عدل کا نہیں، تیرے کرم کا سائل ہوں۔

اس کا تڑپنا اور بلکنا دیکھ کر خدا کو رحم آئے گا اور ارشاد ہوگا کہ: **اذھبوا بعبدی الیٰ جنتی برحمتی** (ترجمہ) لے جاؤ میرے اس بندے کو میری جنت میں میری رحمت وکرم سے۔

(۱۴) حق العبد کے سلسلے میں اعلیٰ حضرت نے حدیث کے حوالہ سے قیامت کے دن کا ایک واقعہ نقل فرمایا کہ ایک شخص کو جنت میں جانے کا حکم ہوگا۔ جیسے ہی وہ جنت کی طرف قدم بڑھائے گا، ایک شخص راستہ روک کر کھڑا ہو جائے گا اور خداوند قدوس سے عرض کرے گا کہ اے میرے رب! میرے اس بھائی سے میرا حق دلا دے۔حکم ہوگا کہ اپنی نیکیاں اسے دے کر اس کا حق ادا کر۔اس کی ساری نیکیاں ختم ہو جائیں گی، لیکن اس کا حق ہنوز باقی رہے گا۔

حق کے بدلے میں نیکیوں کا تناسب بیان کرتے ہوئے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ’’تین پیسے کے بدلے میں سات سو نمازِ باجماعت دلائی جائیں گی۔‘‘

اس کی نیکیاں ختم ہو جانے کے بعد حق دار پھر کھڑا ہوگا اور استغاثہ پیش کرے گا کہ اس سے میرا حق دلا یا جائے اور اسے حکم ہوگا کہ

حق دار کے گناہوں کا بوجھ اپنے او پر لاد کر اس کا حق ادا کر۔ حق دار کے تمام گناہ ختم ہو جائیں گے پھر بھی اس کا حق باقی رہے گا۔

پھر وہ کھڑا ہوگا اور عرض کرے گا کہ اے میرے رب! میرا حق میرے بھائی سے دلا دے۔ ارشاد ہوگا! اس کی تمام نیکیاں تجھے مل گئیں، تیرے تمام گناہ اس پر لاد دیے گئے، اب اس کے پاس کیا ہے جو تو اس سے لے گا؟ عرض کرے گا، اے میرے رب! میرا حق ابھی باقی ہے، اس سے دلوا دے۔

تب فرشتوں کو حکم ہوگا کہ جنت کا ایک محل خوب آراستہ کر کے عرصۂ محشر میں لایا جائے جیسے ہی میدان میں چاندنی کی طرح چمکتا ہوا محل لا کر رکھا جائے گا کہ سب لوگ نہایت اشتیاق کے ساتھ اسے دیکھنے لگیں گے۔

رب العزت ارشاد فرمائے گا کہ میں اس مکان کو بیچتا ہوں، کوئی ہے جو اسے خرید لے؟ حق دار عرض کرے گا، بھلا اس کی قیمت کس کے پاس ہوگی جو اسے خرید سکے گا؟ حق تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ اس کی قیمت تیرے پاس موجود ہے۔

ارشاد ہوگا اپنے بھائی کا حق معاف کر دے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر جنت میں چلا جا۔ وہ خوشی سے جھومتے ہوئے اپنے بھائی کے ہم راہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔

(۱۵) ایک صاحب حضور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مریدوں میں تھے۔ انھوں نے نیم بیداری کی حالت میں دیکھا کہ ایک ٹیلہ پر یاقوت کی کرسی بچھی ہے، اس پر سید الطائفہ سیدنا جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف فرما ہیں اور نیچے ایک مخلوق جمع ہے۔ ہر ایک اپنی اپنی عرضی ان کے دستِ مبارک مین دیتا ہے اور وہ اسے بارگاہِ رب العزت میں پیش کرتے ہیں۔

یہ صاحب بھی اسی ہجوم میں شامل ہیں، لیکن بالکل خاموش کھڑے ہیں۔ حضرت نے انھیں اس حال میں دیکھا تو ارشاد فرمایا: **هات اعرض قصتک** لاؤ میں تمھاری عرضی بھی بارگاہِ رب العزت میں پیش کر دوں۔ انھوں نے فوراً عرض کیا: **او شیخی عزلوہ** کیا میرے شیخ کو معزول کر دیا گیا۔ فرمایا **واللہ ما عزلوہ ولن یعزلوہ** خدا کی قسم نہ ان کو معزول کیا اور نہ کبھی انھیں معزول کریں گے۔

یہ سننے کے بعد مرید سعید نے عرض کیا تو پھر میرا شیخ میرے لیے بہت کافی ہے۔ آنکھ کھلی تو فوراً دربارِ غوثیت میں حاضر ہوئے تاکہ واقعہ عرض کریں۔ قبل اس کے کہ سرکار میں کچھ عرض کرتے، حضور نے دیکھتے ہی ارشاد فرمایا: **هات اعرض قصتک** لاؤ میں خود تمھاری عرضی بارگاہِ رب العزت میں پیش کر دوں۔

یہ واقعہ بیان کر کے اعلیٰ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ کیا کہنے ہیں سرکارِ غوثیت مآب کے کہ

ع: ہمہ شیرانِ جہاں بستۂ ایں سلسلہ اند

پھر فرمایا کہ جب تک مرید یہ اعتقاد نہ رکھے کہ میرا شیخ تمام اولیاے زمانہ سے میرے لیے بہتر ہے، نفع نہ پائے گا۔

احادیثِ کریمہ :

قصص وحکایات کے اقتباسات کے بعد اب ملفوظات کے سیکڑوں صفحات پر احادیث کے منتخبات ملاحظہ فرمائیے۔

پہلی حدیث:

حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اغد عالماً او متعلماً او مستمعاً او محباً و لا تکن الخامس فتھلک۔

(ترجمہ) یعنی صبح اس حال میں کرکہ تو خود عالم ہو، یا علم سیکھتا ہو، یا علما کی زبان سے دین کی باتیں سنتا ہو یا تیرے اندر یہ خوبیاں نہ پیدا ہوسکیں تو کم ازکم اتنا کرکہ تو اہل علم سے محبت کرتا ہو، دنیا اور آخرت کی سعادت انہی چار چیزوں میں منحصر ہے اور پانچواں مت بنا کہ اس میں تیرے لئے ہلاکت ہے۔ یعنی اپنی ایسی حالت مت بنانا کہ نہ خود عالم بنے نہ علم سیکھے نہ علما کی باتیں سنے اور نہ ان سے محبت کرے۔

دوسری حدیث:

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی مصیبت زدہ یا کسی بیمار کو دیکھ کر یہ دعا پڑھے گا مولیٰ تعالیٰ اس دعا کی برکت سے اسے اس بیماری یا اس مصیبت سے محفوظ رکھے گا وہ یہ دعا ہے۔

الحمد للہ الذی عافانی مما ابتلاک بہ و فضلنی علیٰ کثیر ممن خلق تفضیلاً۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے تھے کہ میں نے اپنی زندگی میں اس دعاے مبارک کے سیکڑوں تجربات کیے۔ جب بھی کسی ابتلا کو دیکھ کر میں نے یہ دعا پڑھی بفضلہٖ تعالیٰ اس ابتلا سے تاحیات محفوظ رہا۔

تیسری حدیث :

ایک صحابی سید اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ دنیا نے مجھ سے پیٹھ پھیر لی ہے، یعنی میں افلاس وتنگ دستی کا شکار ہوگیا ہوں۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کیا تمھیں تسبیح ملائکہ یاد نہیں ہے، جس کی برکت سے روزی دی جاتی ہے۔ تم طلوعِ فجر کے ساتھ سو بار وہ تسبیح پڑھ لیا کرو۔ دنیا تمھارے قدموں میں ذلیل وخوار ہوکر آئے گی۔ وہ تسبیح یہ ہے: **سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم استغفر اللہ۔**

چوتھی حدیث :

قیامت کے دن ایک شخص حساب کے لیے بارگاہِ رب العزت میں لایا جائے گا، اس سے سوال ہوگا، دنیا سے کیا لایا؟ جواب دے گا فرض نمازوں کے علاوہ میں نے اتنے نوافل پڑھے، فرض روزوں کے علاوہ میں نے اتنے نفلی روزے رکھے، زکوۃ کے علاوہ میں نے اتنے صدقات وخیرات کیے، حجِ فرض کے علاوہ میں نے اتنے نفلی حج کیے۔

جب وہ اپنے سارے حسابات وعبادات بیان کرلے گا تو رب العزت اس سے ارشاد فرمائے گا: **ھل والیت لی ولیا وعادیت لی عدوا۔** (ترجمہ) کبھی میرے دوستوں سے محبت بھی کی اور کبھی میرے دشمن کو اپنا دشمن گردانا؟

یعنی میری رضا اور خوشنودی کا سب سے بڑا ذریعہ یہی ہے، کیوں کہ روزہ رکھ لینا، نماز پڑھ لینا، زکوۃ دے لینا اور حج کر لینا آسان ہے لیکن صرف خدا اور سول کے لیے کسی سے رشتہ توڑ لینا اور کسی سے رشتہ جوڑ لینا بہت مشکل ہے۔

پانچویں حدیث:

حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت یہ تھی کہ شب میں اپنے اصحاب کے مشاغل کا معائنہ فرماتے۔ ایک رات کا واقعہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تہجد کے وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر گزر فرمایا۔ دیکھا کہ وہ تہجد کی نماز میں بہت دھیمی آواز سے قرآن کی تلاوت فرما رہے ہیں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف تشریف لے گئے تو ملاحظہ فرمایا کہ وہ بہت بلند آواز سے

قرآن کی تلاوت فرمارہے ہیں۔ سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قریب سے گزرے تو دیکھا کہ وہ جابہ جا سے قرآن کی متفرق آیتیں پڑھ رہے ہیں۔

صبح کو ہر ایک سے اس کے اندازِ تلاوت کی وجہ دریافت فرمائی۔ صدیق اکبر نے بیان کیا، یارسول اللہ! اسمعت من اناجیه میں اس ذات کو سنارہا تھا جس کے ساتھ میں مناجات میں مشغول تھا۔

حضرت فاروق اعظم نے عرض کیا، یارسول اللہ! اطرد الشیطان و اوقظ الوسنان۔ میں بلند آواز سے قرآن پڑھ کر شیطان کو بھگاتا ہوں اور سوتوں کو جگاتا ہوں۔

حضرت بلال نے بیان کیا، کلام طیب یجمع اللہ بعضه مع بعض پاکیزہ کلام ہے کہ اللہ اس کے بعض کو بعض کے ساتھ ملاتا ہے۔

سب کا بیان سننے کے بعد حضور نے ارشاد فرمایا کلکم قد اصاب تم میں سے ہر ایک کا عمل ٹھیک ہے مگر اے صدیق تم قدرے اپنی آواز بلند کرو اور اے فاروق تم قدرے پست کرو اور اے بلال تم ایک سورت ختم کرلو تب دوسری سورت کی طرف چلو۔

چھٹی حدیث:

ایک دن ایسا ہوا کہ نماز کی اقامت ہوئی، حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر تحریمہ فرمانا ہی چاہتے تھے کہ دفعتاً صحابۂ کرام کو ارشاد فرمایا: علیٰ رسلکم تم اپنی جگہ ٹھہرے رہو۔ یہ فرماکر کاشانۂ اقدس کے اندر تشریف لے گئے، پھر باہر تشریف لائے اور فرمایا، آج تقسیم کرتے کرتے تین دینار بچ گئے تھے، اچانک ابھی یاد آیا کہ وہ گھر میں رکھے ہوئے ہیں۔ میں ڈرا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان پر رات گزر جائے، اس لیے میں انھیں جاکر تصدق کر آیا۔

ساتویں حدیث:

حضرت مولائے کائنات سیدنا علی شیرِ خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں: الاعداء ثلثه عدوک وعدو صدیقک و صدیق عدوک۔ دشمن تین طرح کے ہوتے ہیں، ایک تیرا اپنا دشمن، دوسرا تیرے دوست کا دشمن، تیسرا تیرے دشمن کا دوست۔

یوں ہی خدا کے دشمنوں کی بھی تین قسمیں ہیں۔ ایک اس کے اصل دشمن جیسے کفار ومشرکین، دوسرے اس کے محبوبوں کے دشمن جیسے اس وقت کے منافقین اور آج کے وہابیہ، تیسرے اس کے دشمنوں میں سے کسی کے دوست۔

آٹھویں حدیث:

حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ اور البتہ قریب ہے کہ آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

اس وقت حضور شافعِ یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اذن لا ارضیٰ و واحد من امتی فی النار۔ ایسا ہے تو میں اس وقت راضی ہی نہ ہوؤں گا، جب تک کہ میری امت کے سارے افراد جہنم سے آزاد نہ ہو جائیں گے۔

نویں حدیث:

ایک حدیث خاص رافضیوں (شیعوں) کے بارے میں وارد ہوئی ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: یاتی قوم لهم نبز یقال لهم الرافضة لا یشهدون جمعةً ولا جماعة ویطعنون علی السلف فلا تجالسوهم ولا تواکلوهم ولا تشاربوهم

ولا تناکحوھم واذا مرضوا فلا تعودھم واذا ماتوا فلا تشھدوھم۔

(ترجمہ) ایک قوم آنے والی ہے، ان کا ایک برا لقب ہوگا۔ انھیں رافضی کہا جائے گا، وہ نہ جمعہ میں حاضر ہوں گے نہ جماعت میں اور سلف صالحین کو برا کہیں گے۔ تم ان کے پاس نہ بیٹھنا، نہ ان کے ساتھ کھانا اور نہ ان سے شادی کرنا اور بیمار پڑ جائیں تو نہ انھیں پوچھنے جانا اور مرجائیں تو ان کے جنازے میں شریک نہ ہونا۔

دسویں حدیث:

ایک صاحب حضور پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے، ان کے ہاتھ میں پیتل کی انگوٹھی تھی۔ ارشاد فرمایا: **مالی اریٰ فی یدک حلیۃ الاصنام۔** کیا ہوا کہ میں تمھارے ہاتھوں میں بتوں کا زیور دیکھتا ہوں۔

انھوں نے فوراً اتار دی۔ دوسرے دن لوہے کی انگوٹھی پہن کر حاضر ہوئے، فرمایا: **مالی اریٰ فی یدک حلیۃ اھل النار۔** کیا ہوا کہ میں تمھارے ہاتھوں میں دوزخیوں کا زیور دیکھتا ہوں۔

یہ سنتے ہی انھوں نے اتار کر پھینک دیا اور عرض کی، یارسول اللہ! کس چیز کی انگوٹھی بناؤں؟ ارشاد فرمایا: **اتخذہ من الورق ولا تتم مثقالاً۔** چاندی کی بناؤ اور اس کا وزن ایک مثقال سے کم رکھو (یعنی ساڑھے چار ماشے تک کی)۔

گیارہویں حدیث:

حضورِ اکرم سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **لا تمارضوا فتمرضوا۔** بہ تکلف بیمار نہ بنو کہ حقیقۃً بیمار ہو جاؤ گے۔

دوسری حدیث میں اس سے بھی زیادہ سخت وعید ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں: **لا تمارضوا فتمرضوا فتموتوا فتدخلوا النار۔** جھوٹے بیمار مت بنو کہ سچے بیمار ہو جاؤ گے اور اگر مر گئے تو جہنم میں پہنچ جاؤ گے۔

بارہویں حدیث:-

حدیث شریف میں ہے، ایک بار سیدنا جبریل علیہ السلام حضورِ اکرم سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور دوسرے دن حاضر ہونے کا وعدہ کر کے چلے گئے۔ دوسرے دن حضورِ پاک صاحبِ لولاک کو ان کی آمد کا انتظار رہا۔ جب ان کے آنے میں دیر لگی تو حضور باہر تشریف لائے۔ دیکھتے کیا ہیں حضرت جبریل باہر دروازے پر کھڑے ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ، یہاں کیوں کھڑے ہو، اندر کیوں نہیں آتے۔ جب جبریل نے عذر پیش کیا کہ: **انا لا تدخل بیتا فیہ کلب او تصاویرہ۔** رحمت کے فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویر ہو۔

یہ سن کر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لے گئے۔ ہر طرف تلاش کیا، کچھ نہیں ملا۔ دیکھا تو چارپائی کے نیچے کتے کا ایک بچہ بیٹھا ہوا تھا۔ اسے باہر نکالا اور حضرت جبریل علیہ السلام اندر تشریف لے گئے۔

تیرہویں حدیث:

حضورِ اکرم سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اذا ظھرت الفتن او قال البدع ولم یظھر العالم علمہ فعلیہ لعنۃ اللہ والملٰئکۃ والناسِ اجمعین لا یقبل اللہ منہ صرفا ولا عدلا۔

(ترجمہ) جب فتنے ظاہر ہوں، بدعت پھیلنے لگے اور ایسے موقع پر عالمِ دین اپنا علم ظاہر نہ کرے یعنی اپنی کسی مصلحت یا مفاد کے لالچ میں خاموش رہے تو اس پر اللہ کی اور تمام فرشتوں کی اور سارے انسانوں کی لعنت ہے، اللہ نہ اس کا فرض قبول کرے گا اور نہ نفل۔

چودہویں حدیث:

حدیث میں ہے کہ ایک دن حضورِ اکرم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک صحابی سے دریافت کیا۔ کیف اصبحت تم نے صبح کس حال میں کی؟ انھوں نے جواب دیا، اصبحت مومنا حقا۔ ایک سچے مومن کی حالت میں میں نے صبح کی۔

پھر حضور نے ارشاد فرمایا کہ ہر دعویٰ کی ایک دلیل ہوتی ہے جس سے اس دعوے کی سچائی ثابت ہوتی ہے۔ تمھارے پاس اپنے دعوے کی سچائی کے لیے کوئی دلیل ہو تو پیش کرو، جو تمھارے سچے مومن ہونے کی کیفیت کو ثابت کرے۔

انھوں نے بیان کیا کہ میں نے اس حال میں صبح کی کہ عرش سے تحت الثریٰ تک جملہ موجودات میرے پیشِ نظر ہیں۔ اہلِ جنت کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ جنت کے باغوں میں عیش کر رہے ہیں، اور یہیں سے جہنمیوں کی وہ لرزہ خیز چیخیں سن رہا ہوں جو دردناک عذاب کے نتیجے میں ہر وقت بلند ہو رہی ہیں۔

یہ سن کر حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اطمینان رکھو، تم منزلِ مقصود پر پہنچ گئے۔

پندرہویں حدیث:

حضورِ اکرم سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وصدقة السر تدفع ميتة السوء وتطفئ غضب الرب۔ چھپا کر صدقہ دینا آدمی کو بری موت سے بچا لیتا ہے اور خداوند قہار کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے۔

پھر فرمایا کہ زندگی میں اپنے واسطے صدقہ کرنا موت کے بعد کے صدقے سے افضل ہے۔ ارشاد فرمایا: افضل الصدقة ان تصدق وانت صحيح شحيح تامل الغنى وتخشى الفقر ولا تمهل حتى اذا بلغت الحلقوم قلت لفلان كذا ولفلان كذا۔ بہترین صدقہ یہ ہے کہ تو اس حال میں خرچ کرے، جب تو تن درست اور مال پر حریص ہو۔ دولت کی خواہش رکھتا ہو اور محتاجی سے ڈرتا ہو، اس وقت کا صدقہ کسی کام کا نہیں، جب کہ دم گلے میں آکر اٹک گیا ہو اور تو وصیت کرے کہ اتنا فلاں کو دے دینا اور اتنا فلاں کو دے دینا۔

فقہی مسائل:

کھانے کا مسنون طریقہ:

داہنا پاؤں کھڑا ہو اور بایاں بچھا رہے اور روٹی بائیں ہاتھ میں لے کر داہنے ہاتھ سے توڑنا چاہیے۔ روٹی ایک ہاتھ سے توڑ کر کھانا اور دوسرا ہاتھ نہ لگانا متکبرین کی عادت ہے۔

اللہ کو میاں کہنا منع ہے:

اردو زبان میں لفظ میاں کے تین معنی ہیں، ان میں سے دو معنیٰ ایسے ہیں جو شان الوہیت کے قطعاً خلاف ہیں اور ان معنی سے خدا کی ذات بالکل پاک اور منزہ ہے۔ البتہ ایک معنی ایسا ہے جس کا اطلاق خدا کی ذات پر ہو سکتا ہے، لہٰذا جب ''میاں'' کا لفظ دو خبیث معنوں اور اچھے معنیٰ میں مشترک ٹھہرا اور شرع شریف میں وہ وارد بھی نہیں ہے تو ذاتِ باریِ تعالیٰ پر اس کا اطلاق ممنوع ہوگا۔ اس کے ایک معنی ''مولا'' کے ہیں۔ بلا شبہہ اس معنیٰ کا اطلاق اس کی ذات پر صحیح ہے اور دوسرے معنی ''شوہر'' کے ہیں، جب کہ تیسرے

معنیٰ ''دلال'' (زنا کا دلال) جو زانیہ اور زانی کے درمیان رابطہ قائم کرے اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ خدا کی ذات ان دونوں معنیٰ کے صدق سے پاک ومنزہ ہے۔

کس طرح کے گناہ توبہ سے معاف ہوتے ہیں:

جس گناہ میں حق اللہ ہو اور حق العبد نہ ہو وہ توبہ سے معاف ہو جائے گا۔ لیکن وہ گناہ جس میں حق العبد بھی شامل ہو جب تک حق والے سے نہ معاف کرائے صرف توبہ سے معاف نہ ہوں گے۔

زنا میں بعض وقت عورت کا بھی حق ہوتا ہے، جب کہ جبراً اس کے ساتھ یہ فعل کیا جائے اور اس کے باپ، بھائی، شوہر، جس جس کو اس خبر سے عار لاحق ہو ان سب کا حق ہے، جب تک وہ بھی معاف نہ کردیں صرف توبہ سے یہ گناہ معاف نہ ہوگا۔ اب یہ ایک الگ مسئلہ ہے کہ ان لوگوں سے کن لفظوں میں معافی مانگنی چاہیے۔ بعض علمائے کرام کا کہنا ہے کہ چھپے ڈھکے الفاظ میں ان سے مانگے اور بعض علما فرماتے ہیں کہ صاف لفظوں میں ان سے معافی مانگنی ہوگی کہ مجھ سے یہ گناہ سرزد ہوا ہے، معافی چاہتا ہوں۔ جمہور علما نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔

نکاح کی ولایت:

لڑکی اگر نابالغ ہو تو اس کے نکاح کا ولی باپ ہے، باپ کے بعد دادا اور دادا نہ ہو تو بھائی اور بھائی نہ ہو تو بھتیجا اور بھتیجا نہ ہو تو چچا پھر چچازاد بھائی۔

باپ کو صرف نکاح کی ولایت حاصل ہے طلاق کی نہیں، یعنی باپ اگر اپنے نابالغ لڑکے کی طرف سے اس کی بیوی کو طلاق دے تو یہ طلاق واقع نہ ہوگی، کیوں کہ باپ نکاح کرا دینے کا مالک ہے کہ وہ نفع ہے، طلاق کا نہیں کہ وہ ضرر ہے۔

قضا نمازیں کس طرح ادا کی جائیں:

قضا نمازیں جلد سے جلد ادا کرنا لازم ہیں۔ نہ معلوم کس وقت موت آجائے۔ قضا صرف فرض نمازوں اور وتر کی ہے، جن کی یومیہ تعداد بیس رکعت ہے، جن لوگوں پر بہت سی نمازیں قضا ہوں ان کے لیے تخفیف اور جلد ادا ہونے کی صورت یہ ہے کہ اخیر کی دو یا ایک رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے بجائے صرف تین بار **سبحان اللہ** پڑھ لے اور رکوع وسجود میں صرف ایک ایک بار **سبحان ربی العظیم** اور **سبحان ربی الاعلیٰ** پڑھ لینا بھی کافی ہے۔ اور **التحیات** کے بعد درود ماثورہ اور دعاے استغفار کے بجائے **اللھم صل علی سیدنا محمد و آلہ** اور وتر کی نماز میں بجائے دعاے قنوت کے **رب اغفر لی** پڑھ لینا کافی ہے۔

قضا نمازوں کی نیت کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلی فجر جو مجھ سے قضا ہوئی اس کی نیت کرتا ہوں، سب سے پہلی ظہر یا عصر یا مغرب یا عشا کی جو نماز مجھ سے قضا ہوئی اس کی نیت کرتا ہوں، اس وقت تک پڑھتا رہے جب تک کہ ظن غالب نہ ہو جائے کہ ایک نماز بھی اب اس کے ذمہ باقی نہیں ہے۔ کیوں کہ جب تک فرض ذمہ باقی رہتا ہے، کوئی نفل قبول نہیں کیا جاتا۔

عمامہ کے ساتھ نماز پڑھانے کی فضیلت:

عمامہ کے ساتھ ایک نماز بغیر عمامہ کے ستر نماز کے برابر ہے۔

زمانۂ عدت میں نکاح پڑھانے کی برائی:

طلاق کی عدت کے ایام میں نکاح کا پیام دینا بھی حرام ہے، جس نے دانستہ عدت میں کسی کا نکاح پڑھایا، اگر حرام جان کر پڑھایا

تو وہ سخت فاسق اور زنا کا دلال ہے اور اگر حلال جان کر پڑھا یا تو خود اس کا نکاح جاتا رہا اور وہ اسلام سے خارج ہو گیا۔ یہی حکم اس نکاح میں شریک ہونے والوں کا بھی ہے۔

تعظیم وتوہین کا معیار:

تعظیم وتوہین عرف پر مبنی ہے۔ ایک چیز ایک زمانے میں تعظیم یا توہین ہوتی ہے دوسرے زمانے میں نہیں، اسی طرح ایک چیز ایک جگہ تعظیم یا توہین سمجھی جاتی ہے، دوسری جگہ نہیں، اس لیے جگہ اور وقت میں تبدیلی کے ساتھ ساتھ تعظیم وتوہین کے احکام بھی تبدیل ہو جاتے ہیں ۔

طلاق کب واقع ہوتی ہے:۔

کوئی شخص دل میں اگر اپنی بیوی کو طلاق دے تو اس سے طلاق واقع نہ ہوگی جب تک طلاق کے الفاظ اتنی آواز سے نہ کہے کہ کوئی مانع موجود نہ ہو تو خود اس کے کان سن لیں۔

حدِ قذف کہاں کہاں جاری ہوتی ہے:

جس طرح شریعت میں زانی کے لیے سزا مقرر ہے، اسی طرح اس شخص کے لیے بھی سزا مقرر ہے جو کسی پر زنا کا جھوٹا بہتان لگاتا ہے۔ جب تک کہ چار عینی گواہوں سے وہ الزام ثابت نہیں کر دیتا وہ قاذف کہلائے گا اور اس پر حدِ قذف جاری کی جائے گی۔ کسی کو حرامی کہنا یا کسی لڑکی کو حرام زادی کہنا، یا بیٹی بہن کے ساتھ وہ برا لفظ بولنا بھی قذف ہی کے دائرے میں آتا ہے۔

نوکر اگر نماز نہ پڑھے تو آقا پر مواخذہ ہے:

جس طرح شریعت کی طرف سے والدین پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی ہے کہ وہ اپنے بچوں کو نماز کا پابند بنائیں اور ذمہ داری سے عہدہ برآ نہ ہونے کی صورت میں ان پر مواخذہ ہے اور قیامت کے دن اس جرم میں بھی پکڑے جائیں گے۔ انھوں نے اپنی اولاد کو نماز پڑھنے کے لیے تاکید کیوں نہیں کی۔ اسی طرح اگر کسی کے پاس کوئی مسلمان نوکر ہے تو آقا کی ذمہ داری ہے کہ اسے اپنی حد بھر نماز پڑھنے کی تاکید کرے ۔ اگر آقا اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ نہ ہو تو اس پر بھی مواخذہ ہے اور وہ بھی قیامت کے دن پکڑا جائے گا۔

مرنے کے بعد شوہر اور بیوی کے احکام:

بیوی کے مرنے کے بعد شوہر اس کے جسم کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ ہاتھ میں کپڑا وغیرہ لپیٹ کر چھو سکتا ہے ۔ اسے کاندھا بھی دے سکتا ہے اور قبر میں بھی اتار سکتا ہے۔ لیکن عورت کو بغیر کسی شرط کے اپنے مرحوم شوہر کو چھونے کی اجازت ہے۔

مرنے کے بعد مصنوعی دانت کا حکم:

مرنے کے بعد مصنوعی دانت نکال لینا چاہیے بشرطے کہ نکالنے میں کوئی تکلیف نہ ہو۔ اگر تکلیف ہو تو نہ نکالے اور اس کے ٹوٹے ہوئے اصلی دانت کفن میں رکھ دینا چاہیے۔

جنازہ کی نماز کے اوقات:

جنازہ اگر طلوعِ آفتاب یا غروبِ آفتاب کے وقت آیا یا عصر کی نماز کے بعد آیا تو پڑھ سکتا ہے اور اگر جنازہ پہلے سے لا کر رکھا ہے تو جب تک آفتاب غروب نہ ہو جائے، یا طلوع ہونے کے بعد بلند نہ ہو جائے، نہ پڑھے۔

شراب کی حرمت:

شراب کی حرمت نجاست کی وجہ سے ہے، صرف نشہ آور ہونے کے سبب نہیں، کیوں کہ وہ پیشاب کی طرح نجس ہے۔ شراب کا ایک قطرہ بھی کنویں میں گر جائے تو سارا کنواں نجس ہو جائے گا۔

مفتی اعظم اور الملفوظ

رئیس التحریر علامہ یٰسین اختر مصباحی اعظمی

بانی وصدر دار القلم، قادری مسجد روڈ، ذاکر نگر، نئی۔ دہلی ۲۵

علم اور علما کی فضیلت وعظمت اور مجالسِ علم وعلما کی افادیت واہمیت سے ایک عام آدمی بھی اچھی طرح واقف ہے۔ دریائے فیض جب بہتا ہے اور ابرِ کرم جب برستا ہے تو وہ ہر وادی وکوہسار کو سیراب کر دیتا ہے اور روح کی تشنگی جب انسان کو مضطرب اور بے قرار بنا دیتی ہے تو وہ افتاں وخیزاں کسی نہ کسی طرح کوئی ایسا چشمہ اور آبشار تلاش کر کے ہی دم لیتا ہے جس سے اس کی تڑپتی روح کو سکون میسر آ سکے۔ افادہ واستفادہ کا یہ سلسلہ ابتدائے آفرینش سے جاری ہے اور قیامت تک یوں ہی جاری رہے گا۔

خدائے علیم وخبیر علم وعلما اور صحبت ومجالست ومذاکرۂ علما وصالحین کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے۔

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ۔ (سورۃ المجادلۃ- آیت ۱۱)

اللہ تمھارے ایمان والوں کے اور ان کے جن کو علم دیا گیا ہے درجے بلند فرمائے گا۔

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا۔ اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ غَفُوْرٌ۔ (سورہ فاطر-آیت ۲۸)

اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔ بے شک اللہ بخشنے والا عزت والا ہے۔

یُؤْتِی الْحِکْمَۃَ مَنْ یَّشَآءُ وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا۔ وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔ (سورۃ البقرہ-آیت ۲۶۹) اللہ حکمت دیتا ہے جسے چاہے اور جسے حکمت ملی اسے بہت بھلائی ملی۔ اور نصیحت وہی مانتے ہیں جو عقل والے ہیں۔

وَمَا کَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِیَنْفِرُوْا کَآفَّۃً۔ فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ کُلِّ فِرْقَۃٍ مِّنْھُمْ طَآئِفَۃٌ لِّیَتَفَقَّھُوْا فِی الدِّیْنِ وَلِیُنْذِرُوْا قَوْمَھُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَیْھِمْ لَعَلَّھُمْ یَحْذَرُوْنَ۔ (سورۃ التوبہ-آیت ۱۲۲)

اور مسلمانوں سے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ سب کے سب نکلیں تو کیوں نہ ہو کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آ کر اپنی قوم کو ڈر سنائیں اس امید پر کہ وہ بچیں۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ۔ (سورۃ التوبہ-آیت ۱۱۹)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔

فَسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ (سورۃ الانبیا-آیت ۷)

تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہ ہو۔

معلم کائنات فخر موجودات پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

اُغْدُ عَالماً او متعلّماً او مُستمِعاً او مُحبًّا وَلَا تکنِ الخامسَ فَتَھلِکَ۔ (رواہ البزار والطبرانی عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ)

عالم دین بنو یا طالب علم بنو یا عالم دین کی بات سننے والا بنو یا اس سے محبت کرنے والا بنو اور پانچواں نہ بنو کہ ہلاک ہو جاؤ گے۔

مَنْ یُرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خیراً یُفَقِّھْہُ فی الدین۔ (صحیح بخاری عن معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما)

اللہ تبارک وتعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے اسے دین کا فقیہ بنا دیتا ہے۔

مسجد نبوی میں ایک بار صحابۂ کرام کی ایک مجلسِ ذکر اور ایک مجلسِ علم کو دیکھ کر آپ نے ارشاد فرمایا۔

کلاھما علیٰ خیرٍ واحدھما افضل من صاحبہٖ۔ اما ھٰؤُلاء فیدعون اللّٰہ ویرغبون الیہ فان شاء اعطاھم وان شاء منعھم۔ واما ھٰؤُلاء فیتعلّمون الفقہ او العلم ویُعلّمون الجاھلَ فھم افضل۔ وانما بعثت معلّماً۔ ثم جلس فیھم۔ (رواہ الدارمی عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما، مشکوٰۃ المصابیح)

یہ دونوں مجالسِ خیر ہیں مگر ان میں ایک مجلس دوسری سے افضل ہے۔ رہے یہ لوگ تو اللہ سے دعاء کر رہے ہیں اور اس کی طرف راغب ہیں۔ وہ اگر چاہے تو انھیں عطا فرمائے اور چاہے تو کچھ نہ دے۔ اور یہ لوگ فقہ دین اور علم سیکھ رہے ہیں اور نہ جاننے والوں کو سکھاتے ہیں تو یہ افضل ہیں اور میں معلم ہی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ پھر آپ مجلسِ علم میں بیٹھ گئے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔

مجالسۃُ العلماعبادۃ (رواہ الدیلمی فی مسند الفردوس) علما کے ساتھ بیٹھنا عبادت ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

لا تفارقوا مجالسَ العلماء فاِنَّ اللّٰہَ لم یخلق تربۃً علیٰ وجہِ الارض اکرم من مجالس العلماء (تفسیر کبیر للرازی جلد اول) علماے کرام کی مجلسوں کو نہ چھوڑو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے روے زمین پر علما کی مجلسوں سے زیادہ شرف رکھنے والی کوئی مٹی نہیں پیدا فرمائی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔**کلمۃ حکمۃ یسمعھا الرجل خیر لہٗ من عبادۃِ سنۃٍ والجلوس ساعۃً عند مذاکرۃ العلم خیر مِن عِتقِ رَقَبَۃٍ** (رواہ الدیلمی) شریعت وحکمت کی ایک بات کا سننا سال بھر کی عبادت سے بہتر ہے۔اور علم دین کی گفتگو کرنے والوں کے پاس ایک گھڑی بیٹھنا غلام آزاد کرنے سے بہتر ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔

''جب میں بہ غرضِ تحصیلِ علم حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے درِ دولت پر جاتا اور وہ باہر تشریف نہ رکھتے ہوتے تو براہِ ادب ان کو آواز نہ دیتا۔ ان کی چوکھٹ پر سر رکھ کر لیٹ رہتا۔ ہوا خاک اور ریت اڑا کر مجھ پر ڈالتی۔ پھر جب حضرت زید کا شانۂ اقدس سے تشریف لاتے اور فرماتے، اے ابن عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے مجھے اطلاع کیوں نہ کرادی؟ میں عرض کرتا! مجھے لائق نہ تھا کہ آپ کو اطلاع کراتا۔ یہ وہ ادب ہے جس کی تعلیم قرآن عظیم نے فرمائی۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُنَادُوۡنَکَ مِنۡ وَّرَآءِ الۡحُجُرٰتِ اَکۡثَرُہُمۡ لَا یَعۡقِلُوۡنَ۔ وَلَوۡ اَنَّہُمۡ صَبَرُوۡا حَتّٰی تَخۡرُجَ اِلَیۡہِمۡ لَکَانَ خَیۡرًا لَّہُمۡ۔ وَاللّٰہُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ (سورہ الحجرات-آیت ۵) وہ جو حجروں کے باہر سے تمھیں آواز دیتے ہیں ان میں بہت کو عقل نہیں۔اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ تم باہر تشریف لاتے تو ان کے لیے بہتر تھا۔اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

ایک مرتبہ حضرت زید (بن ثابت) رضی اللہ عنہ گھوڑے پر سوار ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے رکاب تھامی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا! یہ کیا ہے اے ابن عم رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم؟ انھوں نے کہا ہمیں یہی تعلیم دی گئی ہے کہ علما کے ساتھ ایسا ادب کریں۔ اس پر حضرت زید رضی اللہ عنہ گھوڑے سے اترے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے ہاتھ پر بوسہ دیا اور فرمایا! ہمیں یہی حکم ہے کہ اہل بیت اطہار کے ساتھ ایسا ہی کریں۔ (الملفوظ حصہ اول)

علم وفضل، ورع وتقویٰ، صدق وصفا، نور ونکہت اور شرافت وکرامتِ طبع ونفس کی یہ ایمان افروز اور روح پرور باتیں صدر اول کی ہیں جن کی برکتوں کا ظہور دورِ تابعین وتبع تابعین وائمۂ مجتہدین رضوان اللہ اجمعین میں بھی ہوتا رہا جنھیں آج ہم اپنی ظاہری نگاہوں سے نہیں دیکھ سکتے لیکن ان کے نقوشِ حیات کی کچھ تجلیات کا ان کتابوں کے صفحات پر مشاہدہ کرسکتے ہیں جو گردشِ روزگار سے محفوظ رکھ کر امین ودیانت دار ہاتھوں نے بطور وراثت ہم تک منتقل کی ہیں اور ہمیں ان سے مستفیض ومستنیر ہونے کے زریں مواقع فراہم کیے ہیں۔ اپنے طائرِ فکر وخیال اور چشم تصور کے سہارے ہم ان صفحات پر وہ مجالس ومحافلِ علم وحکمت آباد اور زندہ وتابندہ دیکھ سکتے ہیں جہاں ایمان ویقین، روحانیت وتقدس، دانش وبینش اور فضل وکمال کے خزانے لٹ رہے ہیں اور بقدر ظرف وصلاحیت ہر شخص کو اس کا حصہ مل رہا ہے۔

سرزمینِ ہند کا دامن بھی ایسے علما وفقہا وفضلا واعاظم واکابر واسلاف کرام کی دولت اور ان کی یادوں سے معمور ہے جو اپنے اپنے

عہد وعصر میں زمانِ برکت نشان کے پرتو تھے اور جنھیں دیکھنے، جن کی بات سننے، جن کی محفل میں بیٹھنے، جن کی خدمت کرنے، جن کا ادب واحترام بجالانے اور جن کا ذکر و بیان و مدح وستائش کرنے کو عبادت قرار دیا گیا ہے۔

چودھویں صدی ہجری کی وہ مقتدر شخصیت بھی ایسے ہی نفوسِ قدسیہ کی فہرست میں شامل ہے جس کی زیارت ومجالست کو علما ومشائخِ دہر نے باعثِ برکت وسعادت سمجھا اور جس نے خود بھی اپنے معاصر علما ومشائخ کے ساتھ یہی رویہ اور یہی روش اپنا کر وقارِ علم وعلما کی روایت کو نہ صرف یہ کہ برقرار رکھا بلکہ اسے پروان بھی چڑھایا۔ جسے شیخ الاسلام والمسلمین فقیہ اسلام مرجعِ انام حضرت مولانا الشاہ امام احمد رضا حنفی قادری برکاتی بریلوی قدس سرہٗ (متولد ۱۲۷۲ھ/ ۱۸۵۶ء- متوفی ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء) کے نام سے عالم اسلام میں قابلِ رشک شہرت وعزت حاصل ہے۔

ملک العلما حضرت مولانا محمد ظفر الدین قادری رضوی بہاری (متولد محرم الحرام ۱۳۰۳ھ/ اکتوبر ۱۸۸۵ء- متوفی جمادی الآخرہ ۱۳۸۲ھ/ نومبر ۱۹۶۲ء) احترام واکرامِ علم وعلما کے ایک روحانی اور تاریخی واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''دبدبۂ سکندری رام پور مورخہ یکم اپریل ۱۹۱۲ء میں ہے کہ رمضان المبارک ۱۲۹۲ھ کا مبارک مہینہ ہے کہ اعلیٰ حضرت (مولانا الشاہ احمد رضا) مدظلہم الاقدس گنج مراد آباد تشریف لے گئے اور ایک جگہ قیام فرما کر اپنے دو ہم راہیوں کو (حضرت) شیخ (فضل رحمن گنج مراد آبادی تلمیذ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی) علیہ الرحمۃ کی خدمت مبارک میں بھیجا اور تاکید فرمادی کہ صرف اتنا کہنا! ایک شخص بریلی سے آیا ہے، ملنا چاہتا ہے۔

حضرت شیخ علیہ الرحمہ نے معاً فرمایا! وہ یہاں کیوں آئے ہیں؟ ان کے دادا اتنے بڑے عالم، ان کے والد اتنے بڑے عالم، اور وہ خود عالم، فقیر کے پاس کیا دھرا ہے؟

پھر بکمالِ لطف فرمایا! بلایئے، تشریف لائیں۔

بعد ملاقات اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس نے مجلس (میلاد) شریف کی نسبت حضرت شیخ علیہ الرحمہ سے استفسار کیا۔ ارشاد فرمایا! پہلے تم بتاؤ؟ اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس نے فرمایا! میں مستحب جانتا ہوں۔

فرمایا! آپ لوگ اسے بدعتِ حسنہ کہتے ہیں اور میں سنت جانتا ہوں۔ صحابہ جو جہاد کو جاتے تھے تو کیا کہتے تھے؟ یہی نا کہ مکہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر قرآن اتارا، انھوں نے یہ معجزے دکھائے، اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ فضائل دیے۔ اور میلاد شریف میں کیا ہوتا ہے؟ یہی بیان ہوتے ہیں جو صحابہ اس مجمع میں کرتے تھے۔ فرق اتنا ہے کہ تم اپنی مجلس میں لڑوا (لڈو) بانٹتے ہو، وہ اپنی مجلس میں موڑوا (سر) بانٹتے تھے۔

غرض شیخ علیہ الرحمہ نے اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس کو بہ کمالِ اعزاز واکرام بہ اصرار تام تین روز ٹھہرایا۔ انتیس ماہِ مبارک کو رخصت کیا جب عید سر پر آگئی۔ اور وقتِ رخصت فرش مسجد کے کنارے تک تشریف لائے۔

(ص ۷۷-۴- حیات اعلیٰ حضرت حصہ اول ترتیب جدید مطبوعہ ۱۴۲۴ھ/ ۲۰۰۳ء رضا اکیڈمی ممبئی ۳)

''جامعِ حالات فقیر محمد ظفر الدین قادری رضوی غفرلہٗ کہتا ہے کہ جس زمانہ میں قصیدہ آمال الابرار وآلام الاشرار اعلیٰ حضرت (مولانا الشاہ احمد رضا) کو سنایا کرتا تھا جب اس شعر پر پہنچا۔

اذا حلّوا تمصّرتِ الایادی
اذا راحوا فصار المصر بیدا

جب وہ تشریف فرما ہوتے ہیں تو ویرانہ شہر بن جاتا ہے اور جب وہ کوچ کرتے ہیں تو شہر ویران ہو جاتا ہے۔

میں نے عرض کیا کہ یہ تو محض شاعرانہ مبالغہ معلوم ہوتا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا!

نہیں بل کہ یہ واقعہ ہے۔ حضرت تاج الفحول محب الرسول مولانا عبدالقادر (بدایونی) صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی یہی شان تھی کہ جب وہ یہاں فروکش ہوتے، عجیب رونق اور چہل پہل ہو جاتی، در و دیوار روشن ہو جاتے، انوار و برکات کی بارش ہوتی۔ اور جب واپس تشریف لے جاتے باوجودیکہ صرف وہی ایک جاتے، گھر کے سب لوگ، محلہ والے، سب کے سب رہتے لیکن عجیب اداسی اور ویرانی چھا جاتی۔ دولھا گیا، رہ گئے براتی (ق ۱۹۶، ۱۹۷)

جامع حالات غفرلہٗ کہتا ہے کہ میرے زمانۂ قیام بریلی شریف یعنی ۱۳۲۱ھ سے ۱۳۲۹ھ تک علمائے اہل سنت ومشائخ کرام وداعیانِ دین وملت ودیگر حضرات اہل سنت وجماعت برابر تشریف لایا کرتے۔ کوئی دن ایسا نہ ہوتا کہ ایک دو مہمان تشریف نہ لاتے ہوں۔ ان سب کی خاطر ومدارات حسبِ مرتبہ کی جاتی۔ اور علمائے کرام کی تشریف آوری کے وقت اعلیٰ حضرت (مولانا الشاہ احمد رضا) کی مسرت کی جو حالت ہوتی احاطۂ تحریر سے باہر ہے۔

خصوصاً حضرت محدث سورتی مولانا شاہ وصی احمد صاحب پیلی بھیتی، حضرت ابو الوقت شیر بیشۂ اہل سنت مولانا ہدایت الرسول صاحب لکھنوی، حضرت مولانا سراج الدین ابو الذکا شاہ سلامت اللہ صاحب اعظمی رام پوری، حضرت مولانا شاہ ظہور الحسین صاحب رام پوری، حضرت مولانا شاہ ریاست علی خاں صاحب شاہ جہاں پوری، حضرت مولانا عید الاسلام شاہ عبد السلام صاحب جبل پوری، حضرت مولانا سید شاہ محمد فاخر صاحب اجملی الہ آبادی، حضرت مولانا سید شاہ علی حسین صاحب اشرفی کچھوچھوی اور ان کے صاحبزادہ حضرت مولانا سید شاہ احمد اشرف صاحب، جناب مولانا قاضی عبد الوحید صاحب عظیم آبادی، مولانا محمد عمر الدین صاحب ہزاروی نزیل ممبئی، حضرت مولانا سید دیدار علی صاحب الوری ثم لاہوری، حضرت مولانا شاہ احمد مختار صاحب صدیقی میرٹھی، حضرت الاستاذ مولانا شاہ عبید اللہ صاحب الہ آبادی ثم کان پوری، مولانا مشتاق احمد صاحب کانپوری، مولانا سید شاہ سلیمان اشرف صاحب بہاری ثم علی گڑھی، مولانا رحیم بخش صاحب بہاری آروی، مولانا سید شاہ عبد الغنی صاحب سہسرامی وغیرہ وغیرہ علمائے کرام کی تشریف آوری کے وقت کا سماں تو بیان سے باہر ہے۔ (ص ۲۱۷ تا ۲۱۹ حیاتِ اعلیٰ حضرت اول ترتیب جدید)

اپنے سفر حج وزیارت ۱۳۲۳ھ کے ایام میں حرمین طیبین کے اکابر علما کی ملاقات اور ان سے مذاکراتِ دینیہ وعلمیہ وغیرہ کے احوال امام احمد رضا حنفی قادری بریلوی قدس سرہٗ خود اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

''زمانۂ قیام میں علما وعظمائے مکہ معظمہ نے بکثرت فقیر کی دعوتیں بڑے اہتمام سے کیں۔ ہر دعوت میں علما کا مجمع ہوتا، مذاکراتِ علمیہ رہتے۔ شیخ عبد القادر کردی مولانا شیخ صالح کمال کے شاگرد تھے، مسجد الحرام شریف کے احاطے ہی میں ان کا مکان تھا۔ انھوں نے تقررِ دعوت سے پہلے بہ اصرار تام پوچھا کہ تجھے کیا چیز مرغوب ہے؟ ہر چند عذر کیا نہ مانا۔ آخر گزارش کی **الحلو البارد** شیریں سرد۔ ان کے یہاں دعوت میں انواعِ اطعمہ جیسے اور جگہ ہوتے تھے ان کے علاوہ ایک نفیس چیز پائی کہ **الحلو البارد** کی پوری مصداق

تھی، نہایت شیریں وسرد اور خوش ذائقہ۔ ان سے پوچھا کہ اس کا کیا نام ہے؟ کہا رضی الوالدین۔ اور وجہِ تسمیہ یہ بتائی کہ جس کے ماں باپ ناراض ہوں یہ پکا کر کھلائے، راضی ہو جائیں گے۔ فقیر دعوتوں کے علاوہ صرف چار جگہ ملنے کو جاتا۔ مولانا شیخ صالح کمال، وشیخ العلما مولانا محمد سعید بابصیل ومولانا عبدالحق مہاجر الہ آبادی اور کتب خانہ میں مولانا سید اسمٰعیل کے پاس۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

یہ حضرات اور باقی تمام حضرات فرودگاہِ فقیر پر تشریف لایا کرتے۔ صبح سے نصف شب کے قریب تک ملاقاتوں ہی میں وقت صرف ہوتا۔ مولانا شیخ صالح کمال کی تشریف آوری کی تو گنتی نہیں۔ اور مولانا سید اسمٰعیل التزاماً روزانہ تشریف لاتے۔ خصوصاً ایامِ علالت میں کہ یکم محرم الحرام ۱۳۲۴ھ سے سلخ محرم تک مسلسل رہی۔ دن میں دو بار تشریف لاتے اور ایک بار کا آنا تو ناغہ ہی نہ ہوتا الخ (الملفوظ دوم)

یہاں (مدینہ منورہ) کے حضرات کرام کو حضرات مکہ معظّمہ سے زیادہ اپنے اوپر مہربان پایا۔ بحمد اللہ اکتیس روز حاضری نصیب ہوئی۔ بارہویں شریف کی مجلس مبارک یہیں ہوئی۔ صبح سے عشا تک علما کا اسی طرح ہجوم رہتا، بیرون باب مجیدی (مدینہ منورہ) مولانا کریم اللہ رحمۃ اللہ علیہ تلمیذ حضرت مولانا عبدالحق مہاجر الہ آبادی رہتے تھے ان کے خلوص کی تو کوئی حد ہی نہیں۔ (الملفوظ دوم)

علمائے کرام نے یہاں (مدینہ منورہ) بھی فقیر سے سندیں اور اجازتیں لیں۔ خصوصاً شیخ الدلائل حضرت مولانا سید محمد سعید مغربی کے الطاف کی تو حد ہی نہ تھی۔ اس فقیر سے خطاب میں یاسیدی فرماتے۔ میں شرمندہ ہوتا۔ ایک بار میں نے عرض کی! حضرت سید تو آپ ہیں۔ فرمایا! واللہ تم سید ہو۔ میں نے عرض کی! میں سیدوں کا غلام ہوں۔ فرمایا! تو یوں بھی سید ہوئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **مولی القوم منہم**، قوم کا غلام آزاد شدہ انہیں میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ سادات کرام کی سچی غلامی اور ان کے صدقہ میں آفات دنیا وعذاب قبر وعذاب حشر سے کامل آزادی عطا فرمائے۔ آمین۔

یوں ہی حضرت مولانا سید عباس رضوان، ومولانا سید مامون بری، ومولانا سید احمد جزائری، ومولانا شیخ ابراہیم خربوتی، ومفتی حنفیہ مولانا تاج الدین الیاس، ومفتی حنفیہ سابقاً مولانا عثمان بن عبدالسلام داغستانی وغیرہم حضرات کے کرم بھولنے کے نہیں۔ (الملفوظ دوم)

واللہ اعلم وہ کیا بات تھی جس نے حضرات کرام مدینہ طیبہ کو اس ذرۂ بے مقدار کا مشتاق بنا رکھا تھا۔ یہاں تک کہ مولانا کریم اللہ صاحب فرماتے تھے کہ علما تو علما اہلِ بازار تک کو تیرا اشتیاق تھا۔ (الملفوظ دوم)

ایسا عالمِ ربانی کہ دانشِ برہانی سے جس کا دل دماغ روشن ہو۔ جس کا پورا وجود علم وفضل وکمال سے معمور ہو۔ جو شہیر حل وحرم اور مقبولِ عرب وعجم ہو۔ اکابر حجاز مقدس جس سے سندیں اور اجازتیں لیں، جس کی کتب ورسائل اور فتاویٰ تصدیقات وتقریظاتِ مشاہیرِ علمائے اسلام سے مزین ہوں، جس کی مجالس ومحافل میں ہر لحہ ذکر خدا ورسول ہو اور جس کی زیارت سے اللہ کی یاد تازہ ہو جائے، جس کے روئے زیبا کا دیدار عبادت ٹھہرے، جس کی ہر بات اور ہر ادا سنتِ مصطفی علیہ التحیۃ والثنا کی مجسم تصویر ہو اور جو اسلاف کرام کا سچا متبع اور ان کی روایتوں کا امین ہو اس کے ملفوظات کیوں نہ جمع ہوں اور جو ملفوظات جمع ہو چکے ہیں وہ کیوں نہ عام کیے جائیں اور دنیا بھر میں ان کا ذکر اور چرچا ہو؟

یہاں واضح رہے کہ جمعِ ملفوظات کی یہ کوئی پہلی اور طبع زاد کوشش نہیں بل کہ صدیوں پہلے سے علما ومشائخ کرام کے ملفوظات جمع کیے جاتے رہے ہیں اور ان سے عوام وخواص استفادہ کرتے رہے ہیں۔ عربی زبان میں ''امالی'' کے نام سے کئی کتابیں ملتی ہیں۔ ہندوستان میں دلیل العارفین اور فوائد الفؤاد وغیرہ ملفوظاتِ مشائخ اس جمعِ ملفوظات کی ابتدائی اہم کڑیاں ہیں۔

یہ (جمع الملفوظ) کام ہوا اور جتنا بھی ہوا وہ بڑا جامع بڑا مفید بڑا مستند اور بڑا ہی دل پذیر ہوا۔ کیسے اور کتنا ہوا؟ کیوں اور کس طرح

ہوا۔ اور جو نہیں ہوسکا اس پر کتنا افسوس ہوا؟ یہ سب جاننے کے لیے مرتبِ ملفوظات شہزادۂ امام احمد رضا حنفی قادری قدس سرہٗ سیدی و مرشدی حضرت مفتی اعظم مولانا الشاہ مصطفی رضا حنفی قادری برکاتی بریلوی قدس سرہٗ (متولد ۱۳۱۰ھ/ ۱۸۹۳ء- متوفی ۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۱ء) کی یہ تحریر پُرتنویر ملاحظہ فرمائیں۔

''غرض میری جان ان پاک قدموں پر قربان، جب سے یہ قدم پکڑے، آنکھیں کھلیں، اچھے برے کی تمیز ہوئی، اپنا نفع وزیاں سوچھا، مَنہیات سے تابمقدور احتراز کیا اور اَوامر کی بجا آوری میں مشغول ہوا۔ اور اب اعلیٰ حضرت (مولانا الشاہ احمد رضا) مدظلہٗ الاقدس کی بافیض صحبت میں زیادہ رہنا اختیار کیا۔

یہاں جو دیکھا کہ شریعت وطریقت کے وہ باریک مسائل جن میں مدتوں غور وخوض کامل کے بعد بھی ہماری کیا بساط، بڑے بڑے سر ٹیک کر رہ جائیں۔ فکر کرتے کرتے تھکیں اور ہرگز نہ سمجھیں اور صاف **اَنَا لا اَدری** کا دم بھریں۔ وہ یہاں ایک فقرے میں ایسے صاف فرمادیے جائیں کہ ہر شخص سمجھ لے، گویا اشکال ہی نہ تھا۔ اور وہ دقائق ونکاتِ مذہب وملت جو ایک چیستاں اور ایک معما ہوں، جن کا حل دشوار سے زیادہ دشوار ہو، یہاں منٹوں میں حل فرمادیے جائیں۔ تو خیال ہوا کہ یہ جواہر عالیہ وزواہر غالیہ یوں ہی بکھرے رہے تو اس قدر مفید نہیں جتنا سلکِ تحریر میں نظم کر لینے کے بعد ہم فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

پھر یہ کہ خود ہی متمتع ہونا یا زیادہ سے زیادہ ان کا نفع حاضر باشانِ دربارِ عالی کو ہی پہنچنا، باقی اور مسلمانوں کو محروم رکھنا ٹھیک نہیں۔ ان کا نفع جس قدر عام ہو اتنا ہی بھلا۔ لہٰذا جس طرح ہو یہ تفریق جمع ہو۔ مگر یہ کام مجھ بے بضاعت اور عدیم الفرصت کی بساط سے کہیں سوا تھا اور گویا چادر سے زیادہ پاؤں پھیلانا تھا اس لیے بار بار ہمت کرتا اور بیٹھ جاتا۔

میری حالت اس شخص کی سی تھی جو کہیں جانے کے ارادے سے کھڑا ہو مگر مذبذب ہو، ایک قدم آگے ڈالتا اور دوسرا پیچھے ہٹا لیتا ہو۔ مگر دل جو بے چین تھا کسی طرح قرار نہ لیتا۔ آخر **السعی منی والاِتمام مِن اللّٰہ** کہتا کمر ہمت چست کرتا اور **حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیل** پڑھتا اٹھا اور ان جواہر نفیسہ کا ایک خوش نما ہار تیار کرنا شروع کیا۔ اور میں اپنے رب عزوجل کے کرم سے امید رکھتا ہوں کہ وہ اس ہار کو ہی میری جیت کا باعث بنائے۔ ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد۔

واللّٰہ تعالیٰ ولیُّ التوفیق وھو حسبی وخیر رفیق۔ وصلّی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ اجمعین وبارک وسلم۔

میں نے چاہا تو یہ تھا کہ روزانہ کے ملفوظات جمع کروں مگر میری بے فرصتی آڑے آئی اور میں اپنے اس عالی مقصد میں کامیاب نہ ہوسکا۔ غرض جتنا اور جو کچھ مجھ سے ہوسکا میں نے کیا۔ آگے قبول واجر کا اپنے مولیٰ تعالیٰ سے سائل ہوں۔ **وھو حسبی ونعم الوکیل**۔ (تمہید الملفوظ حصہ اول)

امام احمد رضا حنفی قادری برکاتی نے جمعِ ملفوظات کی خدمت پر اظہار مسرت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

میرے ملفوظ کچھ کیے محفوظ　　مصطفی، مصطفی کا ہو ملحوظ

نام تاریخی اس کا رکھتا ہوں　　زبر و بینہ میں الملفوظ

۱۳۳۸ھ

اعداد نکالنے کے عام طریقے سے الملفوظ کے ساتوں حروف کے اعداد ۷۰۱ ہوتے ہیں اور ہر حرف کو پورا (الف، لام وغیرہ) لکھ کر

مجموعی اعداد ۱۳۳۸ ہوتے ہیں۔ آخری مصرع میں یہی بات کہی گئی ہے۔

الملفوظ (۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء) کئی سال کی متفرق کاوشوں کا نتیجہ اور علوم واسرار وحقائق کا گنجینہ ہے جس کا مطالعہ بیش قیمت معلومات حاصل کرنے کا ذریعہ اور مجالس ومحافلِ رضویہ تک اپنے آپ کو پہنچانے کا بہترین وسیلہ ہے۔ اس بزم رضا کی برکت وسعادت اور معارفِ رضا کی رنگارنگی دیکھ کر طبیعت مچل اٹھتی ہے اور روح پکار اٹھتی ہے کہ۔

بہت لگتا ہے جی صحبت میں ان کی وہ اپنی ذات سے اک انجمن ہیں

علوم ومعارفِ قرآن حکیم، عقائد وکلام، فقہ وافتا، تصوف وتزکیہ، سیرت وتاریخ، احقاق حق وابطال باطل، تحقیق وتردید، ہیئت وفلسفہ، واقعات وحکایات، متنوع مباحث ومسائل، تفصیلاتِ اسفار، ان سب کا مجموعہ ہے یہ الملفوظ پہلے الرضا بریلی وتحفۂ حنفیہ پٹنہ ویادگار رضا بریلی میں متفرق طور پر شائع ہوا۔ پھر حسنی پریس بریلی سے پہلی بار کتابی شکل میں اس کی اشاعت ہوئی۔ اس کے اکثر قدیم نسخے جو نقل در نقل ہوتے رہے ان میں کتابت کی غلطیاں بل کہ بعض تصرفات بھی نظر آتے ہیں۔ اب یہ کوشش کی گئی ہے کہ تصحیح واصلاح میں کوئی بے توجہی اور خامی نہ رہ جائے۔ پھر بھی غلطیوں کا امکان باقی ہے اور اس سے کوئی مفر بھی نہیں ہے۔

الملفوظ کے بعض مقامات عام قارئین کی فہم سے بالاتر ہیں اور بعض ایسے مقامات بھی ہیں جنھیں سمجھنے میں کچھ لوگوں نے ٹھوکر کھائی ہے۔ اور ایسا بھی ہوا ہے کہ اہل سنت کے ایک حریف طبقہ نے محض عناد ومخاصمت کے جذبات سے مغلوب ہو کر چند مقامات کو نشانۂ طعن وتشنیع وتنقیص وملامت بنا کر اپنی تحریر وتقریر کے ذریعہ غلط فہمی وبدگمانی پھیلانے کی ایک مسلسل اور مذموم حرکت کی ہے جس کا علمائے اہل سنت نے بار بار تحقیقی والزامی جواب دیا ہے مگر وہ ابھی تک قبول حق کی صلاحیت سے اپنے آپ کو محروم اور نااہل ثابت کرتا چلا آرہا ہے۔

یہاں نہایت اختصار واجمال کے ساتھ ہم بعض ان مقامات کی نشان دہی اور اہل سنت کے انہیں جوابات کا اعادہ کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ تفصیل کے لیے قارئین کرام علمائے اہل سنت کی کتب ورسائل بالخصوص تحقیقات از شارح بخاری نائب مفتی اعظم حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی سابق صدر شعبۂ افتا الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور ضلع اعظم گڑھ، یوپی (متوفی ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء) کا مطالعہ فرمائیں۔

عرض وارشاد کی شکل میں سوال وجواب تحریر کیے گئے ہیں۔ ملفوظات کا آغاز مبلغ اسلام حضرت مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی قدس سرہٗ (متوفی ۱۳۷۴ھ/۱۹۵۴ء) کے سوال اور امام احمد رضا کے جواب سے اس طرح ہوتا ہے۔

عرض:- حضور! سب سے پہلے کیا چیز پیدا فرمائی گئی؟

ارشاد:- حدیث میں ارشاد فرمایا گیا۔ **یا جابر ان اللّٰہ قد خلق قبل الاشیاء نور نبیک من نورہ**۔ اے جابر بے شک اللہ سبحٰنہ وتعالیٰ نے تمام اشیا سے پہلے تیرے نبی کا نور پیدا فرمایا۔ (الملفوظ اول)

اس حدیثِ نور کو قدیم ومستند محدثین اور اجلۂ علمائے کرام نے اپنی اپنی کتابوں مثلاً مصنف عبدالرزاق، مواہب لدنیہ، زرقانی علی المواہب، فتاویٰ حدیثیہ، سیرت حلبیہ، مدارج النبوۃ وغیرہ میں ذکر کیا ہے۔

اس وقت میرے سامنے فضیلۃ الدکتور عیسیٰ بن عبداللہ بن محمد بن مانع الحمیری مدیر عام دائرۃ الاوقاف والشئون الاسلامیہ بدُبئی (الامارات العربیۃ المتحدۃ) کی ایک سو پانچ صفحات پر مشتمل تازہ ترین کتاب (مطبوعہ ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۵ء) "**الجزء المفقود من الجزء الاول من المصنف**" **للحافظ الکبیر ابی بکر عبد الرزاق بن همام الصنعانی (المتولد سنة ۱۲۶ھ-**

المتوفی ۱۲۱۱ھ) ہے جس کے اندر حدیث نور اور اس سے متعلق مکمل تحقیق کے ساتھ شبہات و اشکالات کے اطمینان بخش جوابات بھی درج ہیں۔ شیخ عیسیٰ مانع سابق وزیر حج و اوقاف دوبئی لکھتے ہیں۔

ومن توفیقِ اللّٰہ عزوجل اننا عثرنا فی ھٰذہ النسخة علیٰ حدیث جابر مسندا۔ بل وتبیّن لنا ان النسخة المطبوعة قد سقط منها عشرة ابواب، بعد اجراء المقابلة بین النسختین المطبوعة والمخطوطة۔ کما سیعرف القاری الکریم من المقارنة بین النسختین فی ھذا التحقیق ان شاء اللّٰہ تعالیٰ۔

وتبیّن لنا بعد ذلک صحة الحدیث الذی یرویه عبد الرزاق عن معمر عن بن المنکدر عن جابر بن عبد اللّٰہ الانصاری (قال: سألت رسول اللّٰہ عن اول شئ خلقهٗ اللّٰہ تعالیٰ فقال: ھو نور نبیک یا جابر...) الحدیث

فثبت لدینا ان سیدنا ومولانا محمدا صلی اللّٰہ علیه وعلیٰ آله وسلم اول مخلوق فی العالم ای اول روح مخلوقة وآدم اول شبحیة مخلوقة اذأن آدم مظهر من مظاھرہ صلی اللّٰہ علیه وعلیٰ آلہٖ وسلم۔ ولا بدّ للجوھر ان یتقدمه مظھر۔ فکان آدم متقدماً بالظھور فی عالم التصویر والتدبیر۔ وسیدنا محمد صلی اللّٰہ علیه وعلیٰ آله وسلم مقدماًفی عالم الامر والتقدیر۔ لانهٗ حقیقة الحقائق وسراج المشارق فی کل المغارب (ص ۸،۷- الجزء المفقود للدکتور عیسیٰ بن عبد اللّٰہ بن محمد بن مانع الحمیری عمید کلیة الامام مالک للشریعة والقانون بدبی۔ الطبعة الاولی سنة ۱۴۲۵/ ۲۰۰۵م)

مصنف عبد الرزاق کے حوالے سے الجزء المفقود میں حدیثِ نور کا ابتدائی حصہ یہ ہے۔

عبد الرزاق عن معمر عن ابن المنکدر عن جابر قال سألت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم عن اول شئ خلقهٗ اللّٰہ تعالیٰ؟ فقال: ھو نور نبیک یا جابر! خلقهٗ اللّٰہ، ثم خلق فیه کل خیر، وخلق بعدهٗ کل شئ۔

اس حدیثِ نور میں نورِ محمدی کی متعدد تقسیمات کا ذکر ہے اور پھر اس کا آخری حصہ یہ ہے۔

فلما اخرج اللّٰہُ النور من الحجب رکّبهٗ اللّٰہ فی الارض فکان یضئ منها ما بین المشرق والمغرب کالسراج فی اللیل المظلم، ثم خلق اللّٰہ آدم من الارض فرکب فیه النور فی جبینهٖ، ثم انتقل منه الیٰ شیث، وکان ینتقل من طاھر الیٰ طیب، ومن طیب الیٰ طاھر، الیٰ ان اوصلهٗ اللّٰہ الی صلب عبد اللّٰہ بن عبد المطلب، ومنهٗ الیٰ رحم آمنة بنت وھب۔

ثم اخرجنی الیٰ الدنیا فجعلنی سید المرسلین، وخاتم النبیین، ورحمة للعٰلمین، وقائد الغر المحجّلین، وھکذا کان بدء خلق نبیک یا جابر۔ (ص ۶۶،۶۵- الجزء المفقود من الجزء الاول من المصنف، بتحقیق الدکتور عیسیٰ مانع، المطبوع سنة ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۵م)

الملفوظ کے اندر مذکور حدیث نور سے متصل ایک عرض کے ارشاد میں تخلیق ارض وسما کا مسئلہ ہے۔ قرآن حکیم میں سورۂ حٰم سورۃ البقرہ سورۃ نازعات سورۂ یونس وغیرہ میں تخلیق ارض وسما کا ذکر ہے۔ کتب تفسیر واحادیث میں اس کی تشریح وتفصیل ہے کہ زمین وآسمان کی تخلیق میں کون متقدم اور کون متاخر ہے؟ اور مفسرین ومحدثین نے تطبیق واختلاف کی صورتیں بھی تحریر فرمائی ہیں کہ آسمان وزمین اور ان کے درمیان کی چیزیں کتنے دنوں میں اور کس طرح پیدا اور ظاہر ہوئیں؟

سورہ اعراف آیت ۵۴، سورۂ یونس آیت ۳، سورۂ ھود آیت ۷، سورہ فرقان آیت ۵۹، سورۂ قٓ آیت ۹، سورہ حدید آیت ۴، سورہ سجدہ آیت ۴ میں چھ دن میں تخلیق زمین وآسمان کا ذکر ہے۔ سورہ حٰم السجدہ آیت ۱۰، ۱۱ میں دو دن میں زمین دو دن میں آسمان اور دو دن میں ان کے درمیان کی چیزوں کی تخلیق کا ذکر ہے۔ اور آنے والی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے زمین اور اس کے بعد آسمان کی تخلیق ہوئی جس کی تائید بیہقی وحاکم وطبری کی ایک روایت سے ہوتی ہے اور ابن عباس وزمخشری اور اکثر مفسرین اسی کے قائل ہیں کہ زمین پہلے بنی۔ ترجمۂ آیات یہ ہے۔ وہی ہے جس نے تمہارے لیے بنایا جو کچھ زمین میں ہے اور پھر آسمان کی طرف استوا (قصد) فرمایا تو ٹھیک سات آسمان بنائے۔ (سورۃ البقرہ آیت ۲۹) کیا تم لوگ اس کا انکار کرتے ہو جس نے دو دن میں زمین بنائی اور اس کے ہمسر ٹھہراتے ہو؟ وہ ہے سارے جہان کا رب۔ اور اس میں اس کے اوپر لنگر ڈالے اور اس میں برکت رکھی اور اس میں اس کے بسنے والوں کی روزیاں مقرر کیں۔ یہ سب ملا کر چار دن میں، ٹھیک جواب پوچھنے والوں کو۔ پھر آسمان کی طرف قصد فرمایا اور وہ دھواں تھا تو اس سے اور زمین سے فرمایا کہ دونوں حاضر ہو خوشی سے چاہے ناخوشی سے۔ دونوں نے عرض کی ہم رغبت کے ساتھ حاضر ہوئے تو انھیں پورے سات آسمان کر دیا دو دن میں اور ہر آسمان میں اسی کے کام کے احکام بھیجے۔ (سورۂ حٰم السجدہ آیت ۹ تا ۱۲)

مقاتل وقتادہ وسدی وبیضاوی اس کے قائل ہیں کہ پہلے آسمان بنا اور وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔ ''اور اس کے بعد زمین پھیلائی اس میں سے اس کا پانی اور چارہ نکالا اور پہاڑوں کو جمایا۔ (سورۂ نازعات آیت ۳۰ تا ۳۲)

ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی (متوفی ۷۱۰ھ) لکھتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ اللہ نے اتوار اور دوشنبہ کو زمین کی تخلیق کی۔ منگل کو پہاڑ اور بدھ کو پانی، آبادی، ویرانہ۔ اور جمعرات کو آسمان اور جمعہ کو چاند، سورج، فرشتے بنائے۔ آدم علیہ السلام کو جمعہ ہی کے دن آخری گھڑی میں بنایا۔ (ترجمہ ص ۸۹ جلد ۴ مدارک التنزیل)

استاذ محترم بحر العلوم حضرت مفتی عبدالمنان اعظمی مدظلہ العالی سابق شیخ الحدیث الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور ضلع اعظم گڑھ یوپی کا ایک تحقیقی مضمون اس موضوع پر اس وقت میرے سامنے ہے جو ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور صفحہ ۱۲ تا ۱۹ شمارہ مئی جون ۱۹۸۵ء میں شائع ہو چکا ہے، اس مسئلہ کی مزید تحقیق وتفصیل اس کے اندر دیکھی جا سکتی ہے۔ بحر العلوم مدظلہ العالی نے اس مضمون میں ثابت کیا ہے کہ امام احمد رضا کا ارشاد قرآن وحدیث اور کتب تفسیر کے مطابق ہے۔ اور پہلے زمین بنی یا آسمان یا ان میں سے کس کا کب کس طرح ظہور ہوا اس

کے بارے میں مفسرین کرام کے درمیان اختلاف ہے مگر کسی نے کسی مفسر و عالمِ دین کو مخالفِ قرآن و حدیث نہیں کہا۔ اس مضمون کے آخری حصہ میں آپ امام احمد رضا کے حوالے ہی سے یہ تحقیق نقل کرتے ہیں کہ۔

''نورِ احدیت کے پرتو سے نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم بنا۔ اور اس کے پرتو سے تمام عالم ظاہر ہوا۔ اول پانی پیدا ہوا پھر اس میں دھواں اٹھا اس سے آسمان بنا۔ پھر پانی کا ایک حصہ منجمد ہوکر زمین ہو گیا اسے خالق عزوجل نے پھیلا کر سات پرت کر دیا۔ پھر اسی طرح آسمان کے سات طبقے کیے۔ یوں ہی پانی سے آگ بنی۔ ممکن ہے کہ پانی کسی قسم کی حرارت پا کر ہوا ہُوا ہو۔ اور ہوا گرم ہوکر آگ یا جس طرح مولیٰ سبحٰنہ وتعالیٰ نے چاہا۔ غرض پانی مادہ تمام مخلوقات کا ہے۔

امام احمد، ابن حبان، وحاکم کی حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ **کل شئ خلق من الماء**۔ ہر چیز پانی سے بنی ہے۔ (ص۸-کشف حقائق از امام احمد رضا)

حفاظتِ الفاظ و معانی قرآن سے متعلق ایک سوال و جواب اس طرح ہے۔

عرض:- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ**۔ قرآن شریف کی حفاظت کا وعدہ فرمایا گیا جب اس کے الفاظ محفوظ ہوئے تو معانی کی حفاظت ضرور کہ معانی الفاظ سے منفک نہیں ہو سکتے اور معانی قرآن کی صفت **تِبْیاناً لِکُلِّ شئ** ہے تو قرآن عظیم ہی سے **تِبْیاناً لِکلِ شئ** کا دوام ثابت ہو گیا۔

ارشاد:- قرآن عظیم کی حفاظت کا وعدہ فرمایا گیا اگرچہ معانی ان الفاظ کے ساتھ ہیں لیکن ان معانی کا علم میں ہونا کیا ضرور؟ نبی کلام الٰہی کے سمجھنے میں بیانِ الٰہی کا محتاج ہوتا ہے **ثُمَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ**۔ اور یہ ممکن ہے کہ بعض آیات کا نسیان ہوا ہو۔ **اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰهُ** (الملفوظ حصہ سوم)

اس جامع اور علمی و تحقیقی ارشاد پر معاندین و مخالفین نے بے جا اعتراضات کا سلسلہ شروع کر دیا کہ اس کے اندر معاذ اللہ حفاظت قرآن کا انکار ہے۔ قرآن عظیم کی توہین ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی توہین ہے۔ جس کا بڑا ہی اطمینان بخش اور مُسکت جواب علمائے اہل سنت نے دیا جو مختصراً درج ذیل ہے۔

''سائل کی دلیل کا پہلا مقدمہ یعنی الفاظ کی حفاظت معانی کی حفاظت کو مستلزم ہے درست تھا اس لیے کہ معانی الفاظ سے جدا نہیں ہو سکتے لیکن دوسرا مقدمہ کہ معانی کی حفاظت معانی کی صفت **تِبْیَاناً لکلِ شی** کو مستلزم ہے درست نہیں۔ اس لیے کہ معانی کا **تبیاناً لکلِ شئ** ہونا ان معانی کے سمجھنے پر موقوف ہے۔ صرف محفوظ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ سمجھ بھی لیے جائیں ورنہ لازم آئے گا کہ الفاظ کے علم میں آتے ہی تمام معانی کا بھی علم ہو جائے تعلیمِ الٰہی کی ضرورت نہ رہے حالاں کہ ایسا نہیں۔

نبی الفاظ قرآن کے علم کے بعد معانی مراد جاننے کے لیے بیان الٰہی کا محتاج ہے جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے **ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیانَهٗ** یعنی قرآن پاک کو آپ کے سینے میں جمع کرنے کے بعد ہم پر اس کا بیان ہے تو واضح طور پر ثابت ہوا کہ الفاظِ قرآن کی محفوظی اور **تِبْیَاناً لِکُلِّ شئ** ہونے کی محفوظی کے درمیان ملازمہ نہیں اور جب ملازمہ نہیں تو اس دلیل سے سائل کا مدعیٰ یعنی قرآن کے **تِبْیَاناً لِکلِ شئ** ہونے کا دوام ثابت نہیں۔ یہی بات اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ نے جواب میں افادہ فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں۔ قرآن کے الفاظ کی حفاظت کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔ اگرچہ معانی ان الفاظ کے ساتھ ہیں لیکن ان معانی کا علم میں ہونا کیا ضرور؟ نبی کلام الٰہی کے سمجھنے میں بیانِ الٰہی محتاج ہوتا ہے **ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بیانَهٗ**۔

ظاہر ہے کہ جوابِ مذکور میں اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا نے نہ الفاظِ قرآن کے محفوظ ہونے کا انکار کیا ہے نہ معانی کے محفوظ ہونے کا نہ تِبْیاناً لِکلِ شئٍ ہونے کا۔ بل کہ سائل کی پیش کردہ دلیل سے تِبْیَاناً لِکلِ شئٍ ہونے کے دوام کے ثبوت کا انکار کیا ہے جو عقل ونقل کی روشنی میں درست ہے۔

عقلاً تو یوں کہ ملازمہ نہ ہونا واضح ہے اور نقلاً خود اسی آیت سے ثابت ہے جو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمائی ہے۔ **فَلِلّٰہِ الحجۃ السامیۃ**۔

رہا اس کے بعد یہ فرمانا کہ ''اور ممکن ہے کہ بعض آیات کا نسیان ہوا ہو'' دلیل مذکور سے مدعیٰ کے ثابت نہ ہونے پر دوسری تنبیہ ہے۔ یعنی جب بعض آیات کا نسیان ممکن ہے اور معانی الفاظ کے ساتھ ہیں تو معانی کا نسیان بھی ممکن۔ تو تِبْیَاناً لِکلِّ شئٍ کے دوام کا اس آیت سے کیسے اثبات ہوگا؟ ظاہر ہے کہ اس میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی توہین نہیں نہ قرآن کے محفوظ ہونے کا انکار ہے بل کہ نسیان ہونا تو خود قرآن سے ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ **مَا نَنْسخ مِن اٰیۃٍ اَوْ نُنْسِھَا نَاْتِ بِخَیرٍ منھا او مِثلھا**۔ جب کوئی آیت ہم منسوخ فرمائیں یا بھلا دیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی لے آئیں گے۔

رہا یہ کہ محفوظ ہونے کا کیا مطلب ہے تو وہ یہ ہے کہ نسخ و انساء کے بعد جو بچا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتراً منقول ہے جس کو حضرت ابوبکر صدیق نے پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما نے جمع فرمایا اور ما بین الدفتین آج تک موجود ہے وہ ہر قسم کی تبدیلی وتغیر سے محفوظ ہے اور رہے گا''۔

جواب مذکور جو علمائے اہل سنت کی طرف سے شائع و ذائع ہے وہ نہایت کافی وشافی ہے جس کی مکمل تائید قرآن وحدیث سے ہوتی ہے۔ چنان چہ حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔

ایک انصاری رات میں تہجد کے لیے اٹھے، سورۂ فاتحہ کے بعد جو سورت ہمیشہ تلاوت کرتے تھے اس کو پڑھنا چاہا لیکن وہ بالکل یاد نہ آئی۔ صبح کو دوسرے صحابی سے ذکر کیا انھوں نے بتایا کہ میرا بھی یہی حال ہے۔ دونوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا! آج شب میں وہ سورت اٹھالی گئی۔ (بیہقی)

تفسیر ابن کثیر میں ہے۔

> **عن قتادہ فی قولہٖ ما ننسخ من اٰیۃ او ننسھا قال کان عزوجل یُنسی نبیہٗ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ما یشاء وینسخ ما یشاء۔ عن الحسن انہ قال فی قولہٖ او ننسھا ان نبیکم صلی اللّٰہ علیہ وسلم قرأ قرآنا ثم نسیہ۔ عن ابن عباس انہ قال کان ینزل علی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم الوحی باللیل وینسھا بالنھار فانزل اللّٰہ ما ننسخ من اٰیۃ او ننسھا نأت بخیر منھا او مثلھا۔** (صفحہ ۱۵۰، جلد اول)

قتادہ سے آیۂ کریمہ ماننسخ کی تفسیر میں روایت ہے کہ اللہ عزوجل اپنے نبی کو جو چاہتا بھلا دیتا جو چاہتا منسوخ فرمادیتا۔ حسن بصری سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ قرآن پڑھا پھر اسے بھول گئے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انھوں

نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر رات میں وحی نازل ہوتی اور دن میں بھول جاتے تو یہ آیت **ما ننسخ من اٰیۃ او ننسھا نأت بخیر منھا او مثلھا** نازل ہوئی۔

حضرت ملا علی بن سلطان محمد ہروی (متوفیٰ ۱۰۱۴ھ) تحریر فرماتے ہیں۔

> **والمنسوخ انواع۔ منھا التلاوۃ والحکم معاً وھو ما نسخ من القرآن فی حیاۃ الرسول صلی اللّٰہ علیہ وسلم بالانساء حتیٰ روی ان سورۃ الاحزاب کانت تعدل سورۃ البقرۃ۔ منھا الحکم دون التلاوۃ کقولہٖ تعالیٰ لکم دینکم ولی دین۔ ومنھا التلاوۃ دون الحکم کاٰیۃ الرجم۔** (صفحہ ۲۱۵، جلد اول مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

منسوخ کی کئی قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ تلاوت اور حکم دونوں منسوخ ہوں۔ یہ قرآن کا وہ حصہ ہے جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہری میں بھلا کر منسوخ کیا گیا یہاں تک کہ روایت ہے کہ سورۂ احزاب سورۂ بقرہ کے برابر تھی۔ ایک یہ کہ حکم منسوخ ہو تلاوت باقی ہو جیسے **لکم دینکم ولی دین**۔ ایک یہ کہ تلاوت منسوخ ہو نہ کہ حکم جیسے آیت رجم۔

ایسا ہی شیخ احمد معروف بہ ملا جیون امیٹھوی (متوفی ۱۱۳۰ھ) نے بھی تفسیرات احمدیہ میں لکھا ہے۔ رب عزوجل قرآن حکیم میں ایک جگہ ارشاد فرماتا ہے۔ **سَنُقْرِئُکَ فَلَا تَنسیٰ اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہُ۔**

آیت **وَمَا ننسخ من الاٰیۃ** کا ترجمہ دیوبندی حکیم الامت اشرف علی تھانوی نے یہ کیا ہے۔ ''ہم کسی آیت کے حکم کو منسوخ کر دیتے ہیں یا اس آیت ہی کو ذہنوں سے فراموش کر دیتے ہیں تو اس آیت سے بہتر یا اس آیت کے مثل لاتے ہیں''۔

امکانِ نظیر محمدی کے اپنے خودساختہ عقیدہ کا اثبات کرتے ہوئے شاہ اسمٰعیل دہلوی نے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ۔

بعد اخبار ممکن ہست کہ ایشاں را فراموش گردانیدہ شود۔ پس قول بامکان مثل اصلاً منجر بتکذیب نصے از نصوص نگردد وسلب قرآن بعد انزال ممکن است۔ (رسالہ یکروزی)

ممکن ہے کہ یہ آیت (**ولکن رسول اللّٰہ وخاتم النبیین**) لوگوں کو بھلا دی جائے۔ تو اب یہ کہنا کہ حضور جیسا دوسرا ممکن ہے کسی نص کو جھوٹا کہنے کا موجب نہ ہوگا اور نازل کرنے کے بعد سلب قرآن ممکن ہے۔

ترجمہ: ان حقائق ودلائل سے مذکورہ عبارتِ الملفوظ کا صرف بے غبار ہونا نہیں بل کہ اہل ایمان کا اس پر اجماع ہونا ثابت ہے اور قرآن حکیم جو متواتر اً ہم تک منقول ہے اس پر ایمان رکھنا فرض ہے۔

ایک عرض کے جواب میں امام احمد رضا قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔

ارشاد:- انبیاے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات حقیقی حسّی دنیاوی ہیں۔ ان پر تصدیق وعدۂ الٰہیہ کے لیے محض ایک آن کو موت طاری ہوتی ہے پھر فوراً ان کو ویسے ہی حیات عطا فرما دی جاتی ہے۔ اس حیات پر وہی احکام دنیویہ ہیں۔ ان کا ترکہ بانٹا نہ جائے گا۔ ان کی ازواج کو نکاح حرام نیز ازواج مطہرات پر عدت نہیں۔ وہ اپنی قبور میں کھاتے پیتے نماز پڑھتے ہیں۔ بل کہ سیدی محمد بن عبد الباقی زرقانی فرماتے ہیں کہ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی قبور مطہرہ میں ازواج مطہرات پیش کی جاتی ہیں وہ ان کے ساتھ شب باشی فرماتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ان کو حج کرتے ہوئے لبیک پکارتے ہوئے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ اور اولیا، علما، شہدا کی حیات

برزخیہ اگر چہ حیات دنیویہ سے افضل واعلیٰ ہے مگر اس پر احکام دنیویہ جاری نہیں۔ ان کا ترکہ تقسیم ہوگا ان کی ازواج عدت کریں گی۔ اور حیات برزخیہ کا ثبوت تو عوام کے لیے بھی ہے۔ الخ (الملفوظ حصہ سوم)

اس مسئلہ میں بھی شور وغوغا مچایا جاتا ہے اور طرح طرح کی بے سروپا نکتہ آفرینیاں کی جاتی ہیں۔ اہل ایمان جانتے ہیں کہ موت طاری ہونے کے باوجود انبیاے کرام کا نکاح باقی رہنا ان کے خصائص میں سے ہے اور انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ مسلمانوں کو جنت میں ان کی بیویاں ملیں گی جن سے وہ مجامعت ومباشرت کریں گے اور وہاں نکاح جدید بھی نہ ہوگا بل کہ دنیا میں جو مومن کی منکوحہ تھی آخرت میں بھی وہ اس کی زوجہ ہوگی۔ یہی تمام احادیث وآثار سے ثابت ہے۔ اگر کوئی شخص اس کے خلاف دعویٰ رکھتا ہے تو ثبوت پیش کرے۔

حضرت امام محمد بن عبدالباقی زرقانی (متوفی ۱۰۹۹ھ) لکھتے ہیں۔

نقل السبکی فی طبقاتہٖ عن ابن فورک انہ علیہ السلام حیّ فی قبرہٖ علیٰ الحقیقۃ لا علیٰ المجاز۔ یصلی فیہ باذان واقامۃ۔ قال ابن عقیل ویضاجع ازواجہٗ ویتمتع بھن اکمل من الدنیا۔ وحلف علیٰ ذلک وھو ظاھر لا مانع عنہٗ۔ (زرقانی علی المواھب)

ترجمہ- امام سبکی نے اپنے طبقات میں ابن فورک سے نقل کیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر انور میں حقیقی حیات کے ساتھ زندہ ہیں نہ کہ مجازی حیات کے ساتھ۔ وہ اذان واقامت کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں۔ ابن عقیل نے کہا اور اپنی ازواج کے ساتھ مضاجعت وشب باشی فرماتے ہیں۔ اور دنیا میں جس طرح ان سے تمتع حاصل کرتے تھے اس سے زیادہ تمتع حاصل کرتے ہیں۔ ابن عقیل نے اس پر قسم کھائی۔ اور یہ ظاہر ہے اس سے کوئی چیز مانع نہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ بات کہی گئی ہے مگر دیگر انبیاے کرام کی طرف اس کی نسبت کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں کیوں کہ کوئی بات جب ایک صنف یا کسی نوع کے ایک فرد یا چند افراد کے لیے ثابت ہو تو پوری صنف اور نوع کی طرف اس کی نسبت درست ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے۔ **وَخُلِقَ الْاِنْسَانَ هَلُوْعًا**۔ اور۔ **وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَئٍ جَدَلًا**۔

مومن صالح کی قبر جب حد نظر تک وسیع کر دی جاتی ہے جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ **ویفسح لہٗ فیھا مدّ بصرہ (باب اثبات عذاب القبر مشکوٰۃ المصابیح)** حد نظر تک اس کی قبر کشادہ کر دی جاتی ہے۔ پھر آپ اور دیگر انبیاے کرام کی قبر کی کشادگی کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟ اور عالم برزخ وآخرت کی باتوں کو دنیا کی باتوں پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

سفر معراج کے موقع پر حضور اقدس نے انبیاے سابقین کی امامت فرمائی جس سے واضح ہے کہ روح مع الجسم تھی اور انبیا نے اپنی حیات جسمانی کے ساتھ نماز پڑھی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّ اللّٰہ تعالیٰ حرم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء فنبی اللّٰہ حی یرزق (ابن ماجہ) اللہ تعالیٰ نے زمین کے لیے انبیا کے اجسام کو کھانا حرام فرما دیا ہے تو اللہ کے نبی زندہ ہوتے ہیں جنھیں رزق دیا جاتا ہے۔

اسی ضمن میں اس بات کو سمجھ لینا بھی بہتر ہے جو ابریز از شیخ عبدالعزیز دبّاغ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے الملفوظ حصہ دوم میں مذکور ہے کہ سید احمد سجلماسی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ہی خواب گاہ میں ایک بیوی کی موجودگی میں اپنی دوسری بیوی سے ہم بستری کی یہ سوچ کر کہ پہلی بیوی سو چکی ہے اور پھر جب آپ حضرت شیخ عبدالعزیز دباغ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے اس پر تنبیہ فرمائی۔ اور کہا کہ چوتھے

بستر پر کون تھا؟ اسی سے ملتا جلتا ایک دوسرا واقعہ شیخ عبد الرحمن کا بھی ہے جو ابریز میں مذکور ہے۔ یہ دنیاوی واقعہ ہے مگر اس میں روحانی تصرف کارفرما ہے اور اس کا اس مزعومہ بے غیرتی و بے حیائی سے کوئی تعلق نہیں جس پر معاندین ومخالفین کی طرف سے واویلا ہوتا رہتا ہے۔
کیا انھیں معلوم نہیں کہ کراماً کاتبین ہر ایک کے ساتھ لگے رہتے ہیں اور وہ ان کے سارے حالات وواقعات دیکھتے ہیں اور انھیں لکھتے بھی ہیں؟ اور کیا انھوں نے یہ نہیں پڑھا کہ۔

انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

اِن اللّٰہ تبارک وتعالیٰ وکّل بالرحم ملکا یقول یا رب نطفة یا رب علقة یا رب مضغة فاذا اراد اللّٰہ ان یقضی خلقهٗ قال هل ذکر ام انثیٰ شقی ام سعید فما الرزق فما الاجل قال فیکتب فی بطنِ امهٖ (کتاب الانبیاء، کتاب القدر صحیح بخاری)

اللہ تعالیٰ نے رحم پر ایک فرشتہ مقرر فرمایا ہے۔ وہ کہتا ہے اے پروردگار! نطفہ ہے۔ اے پروردگار! بستہ خون ہے۔ اے پروردگار! گوشت کا لوتھڑا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمادیتا ہے اس کی پیدائش کا تو فرشتہ پوچھتا ہے مرد ہے یا عورت؟ بدبخت ہے یا نیک بخت؟ اس کی روزی کتنی ہے؟ عمر کتنی ہے؟ یہ سب لکھ دیا جاتا ہے اور بچہ ماں کے پیٹ میں رہتا ہے۔

اذا استقرت النطفة فی الرحم اخذها الملک بکفهٖ وقال ای رب اذکرا و انثیٰ (ص ۴۰۸، جلد ۱۱، فتح الباری) جب نطفہ رحم میں ٹھہر جاتا ہے فرشتہ اس کو اپنے ہاتھ میں لے کر پوچھتا ہے اے رب! مرد ہے یا عورت؟

اور کیا انھوں نے اس کا بھی کوئی جواب سوچا ہے کہ۔

''ایک دفعہ حضرت گنگوہی جوش میں تھے۔ فرمایا! تین سال کامل حضرت امداد کا چہرہ میرے قلب میں رہا اور میں نے ان سے پوچھے بغیر کوئی کام نہیں کیا''۔ (ص ۲۹۰، ارواح ثلثہ از تھانوی)

پیغمبروں کی شہادت سے متعلق ایک سوال وجواب اس طرح ہے۔

عرض:- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **کَتَبَ اللّٰہُ لَاَ غلبنّ انا ورُسلی** تو بعض انبیا کیوں شہید ہوئے؟

ارشاد:- رسولوں میں سے کون شہید کیا گیا؟ انبیا البتہ شہید کیے گئے۔ رسول کوئی شہید نہ ہوا۔ **یقتلون النبیین** فرمایا گیا نہ کہ **یقتلون الرسل**۔ (الملفوظ حصہ چہارم)

بعض مطبوعہ نسخوں کے سوال میں ختم اللہ ہے جو سائل کا سہو ہے قرآن کی آیت کتب اللّٰہ ہے۔ **کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ۔ اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ** (سورۃ المجادلہ ۵۸، آیت ۲۱) اللہ لکھ چکا کہ ضرور میں غالب آؤں گا اور میرے رسول۔ بے شک اللہ قوت والا عزت والا ہے۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کتابت کی غلطی سے **کَتَبَ اللّٰہُ** کی جگہ **خَتَمَ اللّٰہُ** ہوگیا ہو۔ اس کا بھی امکان ہے کہ حضرت مجیب یا حضرت مرتب کی اس وقت اس جانب توجہ نہ ہوئی ہو۔ کتابت کی غلطی یا نقل وتلاوت میں سہو کوئی نادر بات نہیں۔ ایسے حادثات ہوتے رہتے ہیں۔ معاندین ومخالفین کی کتب ورسائل میں خود اس طرح کے نمونے ملتے ہیں۔ جو تحقیقات از حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی میں منقول ہیں۔ جواب میں رسولوں کی شہادت کا انکار ہے جو قرآن وتفاسیر کے مطابق ہے۔ نبی اصطلاحاً اس انسان کو کہتے ہیں جس کی جانب

وحی کی جائے خواہ وہ صاحب شریعت جدیدہ ہو یا نہ ہو۔ اور رسول وہ نبی ہے جو صاحب شریعت جدیدہ ہو۔ کتب تفسیر مثل بیضاوی و مدارک وغیرہ میں یہ اصطلاحی تعریف درج ہے۔ متعدد آیات میں رسول بمعنی نبی بھی وارد ہے۔ امام احمد رضا نے رسول بمعنی صاحب شریعت جدیدہ مراد لیا ہے، قرآن میں جن انبیاے بنی اسرائیل کی شہادت کا ذکر ہے وہ سب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر تھے ،صاحب شریعت جدیدہ نہ تھے رسول بمعنی صاحب شریعت جدیدہ کوئی شہید نہیں ہوا اس لیے جواب مذکور بالکل صحیح اور برحق ہے اور اس کے خلاف شور و شر کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

مزید تحقیق کے لیے تحقیقات از حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی کا مطالعہ کریں۔

ایک عالم دین حضرت مولانا مولوی برکات احمد کے بارے میں امام احمد رضا نے اپنا یہ واقعہ اور یہ خواب ذکر کیا ہے۔

جب ان کا انتقال ہوا اور میں دفن کے وقت ان کی قبر میں اترا تو مجھے بلا مبالغہ وہ خوشبو محسوس ہوئی جو پہلی بار روضۂ انور کے قریب پائی تھی۔ ان کے انتقال کے دن مولوی سید امیر احمد صاحب مرحوم خواب میں زیارت اقدس حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے کہ گھوڑے پر تشریف لیے جاتے ہیں۔ عرض کی یا رسول اللہ! حضور کہاں تشریف لیے جاتے ہیں؟ فرمایا! برکات احمد کے جنازہ کی نماز پڑھنے۔ الحمد للہ! یہ جنازۂ مبارکہ میں نے پڑھایا۔ الخ (الملفوظ حصہ دوم)

اس پر بھی اعتراض کیا جاتا ہے کہ مولانا احمد رضا نے اپنے آپ کو امام اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مقتدی بنادیا اور اپنی برتری ثابت کی۔ معاذ اللہ! خدا جب دین لیتا ہے تو عقلیں چھین لیتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت میں نماز نہیں ادا کی تھی (صحیح بخاری) اور کیا حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اس جماعت کے امام نہیں تھے جس میں خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شریک تھے؟

فلما سلّم عبد الرحمن بن عوف قام رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم یتم صلوٰتہ۔ الی آخر الحدیث (صحیح مسلم) عبدالرحمن بن عوف نے جب سلام پھیرا تو رسول اللہ کھڑے ہو گئے اور اپنی نماز پوری کرنے لگے۔

حضرت ملا علی قاری اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں۔ **فیہ دلیل علیٰ جواز اقتداء الافضل بالمفضول اذا علم ارکان الصلوٰۃ** (ص ۳۶۲ جلد اول مرقاۃ شرح مشکوٰۃ) اس میں اس پر دلیل ہے کہ افضل کو مفضول کی اقتدا کرنی جائز ہے جب کہ مفضول ارکان صلوٰۃ جانتا ہو۔

امام کا ہر مقتدی سے افضل یا مساوی ہونا ضروری نہیں۔ اور امام احمد رضا کا یہ کہنا کہ الحمد للہ یہ جنازۂ مبارکہ میں نے پڑھایا یہ بطور اظہار تشکر ہے کہ مجھے ایسی عظیم سعادت میسر آئی۔ اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تصرف روحانی سے کسی کی نماز جنازہ میں شرکت فرمائیں یہ بھی کوئی محال و مستبعد نہیں کیوں کہ وہ بہ حیات حقیقی جسمانی زندہ ہیں اور جہاں چاہیں وہاں تشریف لے جاسکتے ہیں۔ اور جہاں تشریف لے جائیں، وہاں برکت ہی برکت اور خوشبو ہی خوشبو ہوتی ہے جو ظاہر و باہر ہے۔ ایسی صورت میں مولانا برکات احمد کی قبر میں وہی خوشبو رسول کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی نوازش و کرم گستری سے محسوس کی گئی جو روضۂ انور کے قریب اہل دل اور اہل محبت محسوس کرتے ہیں اسی حقیقت کا اظہار امام احمد رضا نے اپنے ان الفاظ میں کیا ہے کہ ان کی قبر میں اترا تو مجھے بلا مبالغہ وہ خوشبو محسوس ہوئی جو پہلی بار روضۂ انور کے قریب پائی تھی۔

معترضین کوکسی دوسرے پر حملہ و تیر اندازی سے پہلے اپنے گھر کی بھی خبر رکھنی چاہیے۔ ان کے عالم خلیل احمد انبیٹھوی کے تذکرہ وسوانح میں مذکور ہے کہ۔

شیخ سعید تکرونی کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور مجھ سے کسی نے کہا کہ یہ رسول اللہ ہیں اور ایک عالم ہندی خلیل احمد کا انتقال ہو گیا ہے ان کے جنازہ کی نماز میں شرکت کے لیے تشریف لائے ہیں۔
(صفحہ ۳۰۴، تذکرۃ الخلیل، از عاشق الٰہی میرٹھی)

اور شیخ الاسلام نمبر الجمعیۃ دہلی جو مولانا حسین احمد کے فضائل ومناقب پر مشتمل ہے اس میں ایک خواب لکھا ہے کہ۔

حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام گویا کسی شہر میں جامع مسجد کے قریب ایک حجرہ میں تشریف فرما ہیں۔ جامع مسجد کے قریب بہ وجہ جمعہ مصلیوں کا بڑا مجمع ہے۔ مصلیوں نے فقیر سے فرمائش کی کہ تم حضرت خلیل اللہ سے سفارش کرو کہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام مولانا مدنی کو جمعہ پڑھانے کا ارشاد فرمائیں۔

فقیر نے جرأت کر کے عرض کیا۔ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے مولانا مدنی کو جمعہ پڑھانے کا حکم فرمایا۔ مولانا مدنی نے خطبہ پڑھا اور نماز جمعہ ادا فرمائی۔ فقیر بھی مقتدیوں میں شامل تھا (صفحہ ۱۶۴، کالم ۳، شیخ الاسلام نمبر الجمعیۃ دہلی)

امام احمد رضا قدس سرہٗ کو متہم ومطعون کرنے کے لیے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انھوں نے ایک صحابی یا تابعی کی توہین کی ہے اور ثبوت میں یہ عبارت پیش کی جاتی ہے۔

ایک بار عبدالرحمن فزاری کہ کافر تھا اپنے ہم راہیوں کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں پر آپڑا چرانے والوں کو قتل کیا اور اونٹ لے گیا الخ۔ (الملفوظ حصہ دوم)

یہ عبدالرحمن فزاری یقینا کافر وظالم وسرکش تھا جو محرم الحرام ۷ھ کے غزوۂ ذات القرد میں مقتول ہوا اور حضرت ابوقتادہ نے اسے قتل کیا۔ اور وہ عبدالرحمن بن عبدالقاری جو بقول جمہور تابعی اور بقول واقدی صحابی ہیں ان کی ولادت ۲ھ اور وفات ۸۱ھ میں ہوئی اس لیے مذکور الصدر عبدالرحمن فزاری کو صحابی یا تابعی کہنا خود غلط اور خلاف واقعہ ہے بل کہ خلاف اسلام ہے۔ الملفوظ کے بعض قدیم نسخوں میں مجیب ومرتب نے نہیں بل کہ بعد کے کسی ناقل وکاتب نے فزاری کی بجائے قاری لکھ کر اسے بنی قارہ کا فرد بتا کر اپنے زعم میں تشریح واصلاح اور درحقیقت ایک غلطی کی جس سے مجیب ومرتب کا دامن پاک ہے۔ عبدالرحمن کے اس واقعہ کا ذکر مشکوٰۃ المصابیح اور صحیح مسلم میں بھی ہے جہاں عبدالرحمن قاری نہیں بل کہ عبدالرحمن فزاری کا ذکر ہے اور اس کے کافر ہونے میں کسی کو شبہہ نہیں۔

عبدالرحمن بن عبدالقاری جو تابعی ہیں ان کا مختصر حال یہ ہے۔

عبد الرحمن بن عبد القاری یقال انه ولد علیٰ عهد رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ولیس له منه سماع ولا روایة۔ وعدّهٗ الواقدی من الصحابة فی من ولد علیٰ عهد النبی صلی اللّٰه علیه وسلم۔ المشهور انه تابعی وهو من جملة تابعی المدینة وعلماء ها۔ سمع عمر بن الخطاب۔ مات سنة احدٍ وثمانین وله ثمان وسبعون سنة۔ (الاکمال)

عبدالرحمن بن عبدالقاری کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیدا ہوئے۔ اور نبی کریم سے ان

کو نہ سماع ہے نہ روایت۔ واقدی نے انہیں صحابہ میں شمار کیا ہے جو عہد رسالت میں پیدا ہوئے۔ مشہور یہ ہے کہ یہ تابعی ہیں۔ یہ مدینہ کے علما وتابعین میں سے تھے۔ انھوں نے حضرت عمر بن خطاب سے حدیث سنی۔ ۸۱ھ میں وفات پائی اور آپ کی عمر ۸۷ سال کی تھی۔

ایرانی بادشاہ نوشیرواں کو لاعلمی میں بہت سے لوگ سلطان عادل کہتے ہیں۔ اس سلسلے میں ایک عرض وارشاد یہ ہے۔

عرض:- نوشیرواں کو عادل کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟

ارشاد:- نہیں! اور اگر اس کے احکام کو حق جان کر کہے کفر ہے ورنہ حرام۔ (الملفوظ حصہ چہارم)

اس ارشاد کے خلاف بھی انگشت نمائی کی جاتی ہے اور نوشیرواں کو عادل کہنے کے لیے یہ موضوع حدیث بطور ثبوت پیش کی جاتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ **ولدت فی زمن الملک العادل**۔ میں بادشاہ عادل کے زمانہ میں پیدا ہوا۔

حضرت ملاعلی قاری اس باطل وموضوع حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں۔

قال السخاوی لا اصل لهٗ۔ قال الزرکشی کذب باطل۔ وقال السیوطی قال البیهقی فی شعب الایمان تکلم شیخنا ابو عبد اللّٰه الحافظ بفلان مایرویه بعض الجهلاء عن نبینا صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم ولدت فی زمن الملک العادل یعنی انوشیروان۔
(ص ۷۹، موضوعات کبیر)

علامہ ابوطاہر فتنی لکھتے ہیں۔

لا اصل لهٗ ولا یجوز ان یسمّی من یحکم بغیر حکم اللّٰه عادلاً (ص ۲۱۹، جلد خامس، مجمع بحار الانوار) اس کی کوئی اصل نہیں۔ جو شخص اللہ کے حکم کے خلاف حکم کرے اس کو عادل کہنا جائز نہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں۔

ونزد محدثین ایں صحیح نیست، وچوں درست باشد وصف مُشرک بعدل وحال آں کہ شرک ظلم عظیم است۔ **قال اللّٰه تعالیٰ اِنَّ الشِرک لَظُلم عظیمٌ**۔ وی گویند کہ مراد بعدل ایں جا سیاستِ رعیت وداد ستانی وفریادرسی است کہ اہل عرف آں را عدل می خوانند۔ اما جریان اسم عادل برزبان سید انبیا صلوات اللہ وسلامہٗ علیہ بعید است۔ (ص ۲۲۴، جلد دوم- مدارج النبوۃ)

اور مولانا سلیمان ندوی نے لکھا ہے کہ۔

ایرانیوں میں اس (نوشیرواں) کی عدل پروری اب تک مشہور ہے مگر اس کو یہ مبارک لقب اپنے عزیزوں اور افسروں اور ہزاروں بے گناہوں کے قتل کی بدولت ملا۔ (ص ۱۶۴ جلد ۴، سیرۃ النبی)

ایک مسئلہ بتاتے ہوئے امام احمد رضا نے فرمایا۔

''امام محمد بوصیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ نفس بچہ کی مثل ہے کہ اگر اس کو دودھ پلائے جاؤ جوان ہوجائے گا اور پیتا رہے گا اور اگر چھوڑ دو، چھوڑ دے گا۔ میں نے خود دیکھا۔ گاؤں میں ایک لڑکی ۱۸ یا ۲۰ برس کی تھی۔ ماں اس کی ضعیفہ تھی اس کا دودھ اس وقت تک نہ چھڑایا تھا۔ ماں ہر چند منع کرتی وہ زورآور تھی، پچھاڑتی اور سینے پر چڑھ کر دودھ پینے لگتی۔ (الملفوظ حصہ سوم)

اس بات کو بداندیش معاندین چٹخارے لے کر بیان کرتے ہیں کہ مولانا احمد رضا ایک جوان لڑکی کو اس طرح دودھ پیتے دیکھتے اور اسے

بیان بھی کرتے ہیں۔ اور انھیں یہ سوچنے کی توفیق نہیں ہوتی کہ یہ واقعہ امام احمد رضا نے اپنے بچپن میں دیکھا جسے وہ اپنے دور جوانی یا بڑھاپے میں عبرت ونصیحت کے لیے بیان فرما رہے ہیں۔ یہ بدنصیب مخالفین کی شوشہ بازی اور کردار کشی کا ایک شقاوت آمیز اور شر انگیز نمونہ ہے۔

امام احمد رضا فرماتے ہیں کہ حیوانات ونباتات بھی اللہ کی تسبیح وتقدیس کرتے ہیں اور ان کے اندر بھی مادۂ معصیت ہے۔ اسی ضمن میں یہ بیان فرماتے ہیں۔

جب مجمع ہوا کفار کا مدینہ طیبہ پر کہ اسلام کا قلع قمع کر دیں، غزوۂ احزاب کا واقعہ ہے۔ رب عز وجل نے مدد فرمانا چاہی اپنے حبیب کی، شمالی ہوا کو حکم ہوا۔ جا اور کافروں کو نیست ونابود کر دے۔ اس نے کہا۔ **الحلائل لا یخرجن باللیل**۔ بیبیاں رات کو باہر نہیں نکلتیں۔ **فاعقمها اللّٰہ تعالیٰ**۔ تو اللہ نے اس کو بانجھ کر دیا۔ اسی وجہ سے شمالی ہوا سے کبھی پانی نہیں برستا۔ پھر صبا آئی اور اس نے کہا۔ **سمعنا واطعنا**۔ تو اس نے عرض کی، ہم نے سنا اور اطاعت کی۔ وہ گئی اور کفار کو برباد کرنا شروع کیا۔ (الملفوظ حصہ چہارم)

اس پر یہ تبصرہ کہ بادشمالی پر اللہ کا حکم نہیں چلا اور اس سے پانی نہیں برستا جب کہ ہندوستان میں اس سے پانی برستا ہے۔ یہ نہایت لغو ولا طائل بات ہے۔

کسی پر حکم نہ چلنا اور کسی کا تعمیل حکم نہ کرنا یہ دونوں الگ الگ باتیں ہیں۔ امام احمد رضا نے ہرگز یہ نہیں فرمایا ہے کہ بادشمالی پر اللہ کا حکم نہیں چلا۔ بادشمالی نے حکم نہیں مانا یہ ابلیس جیسا اس کا عمل ہے کہ اللہ نے سجدۂ آدم کا حکم دیا اور سارے فرشتوں نے اس پر عمل کیا مگر ابلیس نے انکار وسرکشی کی جس کے نتیجے میں وہ راندۂ درگاہ ہوا۔ اور بادصبا نے تعمیل حکم کر کے فرشتوں کی اتباع کی اور سرخروئی حاصل کی۔ اسی طرح توحید ورسالت پر ایمان واقرار حکم الٰہی ہے جس کی تعمیل اہل ایمان کرتے ہیں اور اس سے تمرد وطغیان کر کے اہل کفر وشرک اپنے برے انجام کو پہنچتے ہیں۔

رہ گئی بات حیوانات ونباتات وجمادات میں مادۂ معصیت کی تو وہ صحیح ہے۔ جیسا کہ ام شریک رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ **ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم امر بقتل الوزغ وقال انه کان ینفخ علیٰ ابراهیم علیه السلام** (صحیح بخاری) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گرگٹ کے قتل کا حکم دیا اور فرمایا کہ وہ ابراہیم علیہ السلام پر پھونک مارتا تھا۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ماصید صید ولا عضدت عضادة ولا قطعت وشیجة الا بقلة التسبیح (تاریخ الخلفا) جو جانور بھی شکار کیا جاتا ہے جو درخت کاٹا جاتا ہے وہ تسبیح کی کمی کی وجہ سے۔ ایک روایت میں ہے۔ **ما صید صید ولا عضدت من شجرة الا ضیعت من التسبیح** (تاریخ الخلفا) کوئی جانور شکار نہیں کیا جاتا اور کوئی درخت نہیں کاٹا جاتا مگر یہ کہ وہ تسبیح ضائع کرے۔

امام سدی روایت کرتے ہیں۔ **قال علیه السلام مااصطید حوت فی البحر ولا طائر یطیر الا بما یضیع من تسبیح اللّٰہ تعالیٰ** (تفسیر مدارک ج ا ص ۲۱۶) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سمندر میں کوئی مچھلی اور کوئی پرندہ شکار نہیں ہوتا مگر اس سبب سے کہ وہ تسبیح ضائع کرتا ہے۔

بادشمالی سے پانی نہ برسنے کی بات عرب کے تعلق سے کہی گئی ہے۔ ہندوستان کے موسم اور حالات کا عرب کے موسم اور حالات پر قیاس کرنا کیوں کر صحیح ہوسکتا ہے؟

ایک عرض وارشاد اس طرح ہے۔

عرض:- کافر جو ہولی دیوالی میں مٹھائی وغیرہ بانٹتے ہیں، مسلمانوں کو لینا جائز ہے یا نہیں؟

ارشاد:- اس روز نہ لے۔ ہاں! اگر دوسرے روز دے تو لے لے۔ نہ یہ سمجھ کر کہ ان خبثا کے تیوہار کی مٹھائی ہے بل کہ مال موذی نصیب غازی سمجھے۔ (الملفوظ حصہ اول)

اس ارشاد پر بھی نکتہ چینی کی جاتی ہے جب کہ خاص تیوہار کے روز کافروں کی مٹھائی لینے سے منع فرمایا گیا ہاں دیگر ایام میں مال موذی نصیب غازی سمجھ کر لیا جا سکتا ہے۔

مخالفین کو پہلے اپنے گھر کی خبر لینی چاہیے۔ دیوبندی قطب الاقطاب رشید احمد گنگوہی صاحب کا مسئلہ تو یہ ہے کہ۔

مسئلہ: ہندو تیوہار ہولی یا دیوالی میں اپنے استاد یا حاکم یا نوکر کو کھیلیں یا پوری یا کچھ کھانا بہ طور تحفہ بھیجتے ہیں، ان چیزوں کا لینا اور کھانا استاد و حاکم و نوکر مسلمان کو درست ہے یا نہیں؟

الجواب:- درست ہے۔ فقط (ص ۱۰۷ حصہ دوم فتاویٰ رشیدیہ)

علاج چشم کے تعلق سے ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے امام احمد رضا فرماتے ہیں۔

میرے استاد جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بہ اصرار فرمایا کہ اسے (ڈاکٹر کو) آنکھ دکھائی جائے۔ علاج کرنے نہ کرنے کا اختیار ہے۔ (الملفوظ حصہ اول)

امام احمد رضا کی اندھی مخالفت کرنے والوں نے حضرت مرزا غلام قادر بیگ بریلوی کا ڈانڈا قادیانی کذاب مرزا غلام احمد سے ملا کر طوفان مچانا شروع کر دیا کہ دیکھیے مولانا احمد رضا کے استاد مرزا قادیانی کے بھائی تھے۔ العیاذ باللہ

حضرت مولانا مرزا غلام قادر بیگ بریلوی امام احمد رضا قدس سرہٗ کے ابتدائی استاد تھے اور بعد میں انھوں نے امام احمد رضا سے بعض کتابیں بھی پڑھیں۔ اب آگے کے حقائق کیا ہیں انہیں پڑھ کر آپ کو صحیح حالات معلوم ہو جائیں گے۔

حضرت مرزا غلام قادر بیگ بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پوتے مرزا عبد الوحید بیگ بریلوی نے مرزا غلام قادر بیگ بریلوی کے بارے میں اپنا جو سوانحی مضمون تحریر کیا ہے اس کے چند اقتباسات افادۂ قارئین کے لیے درج ذیل ہیں۔

''حضرت مولانا حکیم مرزا غلام قادر بیگ صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ میرے حقیقی دادا حضرت مولانا مرزا مطیع بیگ صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بھائی تھے۔ اور میرے دادا حضرت حکیم مرزا حسن بیگ مرحوم مغفور لکھنوی کی بیاض کے مطابق حضرت مولانا مرزا غلام قادر بیگ صاحب ۲۵ رجولائی ۱۸۲۷ء مطابق یکم محرم الحرام ۱۲۴۳ھ کو پیدا ہوئے تھے۔ آپ کی پیدائش محلہ جھوائی ٹولہ لکھنؤ میں ہوئی تھی۔ آپ کے والد مرحوم نے لکھنؤ کی سکونت ترک کر کے بریلی میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ لہٰذا آپ جامع مسجد بریلی کے شرق میں واقع مکان محلہ قلعہ میں رہتے تھے۔ آپ کا مکان آج بھی موجود ہے''۔ (ص ۶۱- ماہنامہ حجاز جدید دہلی، شمارہ اکتوبر ۱۹۸۸ء)

''ہمارا خاندان نسلاً ایرانی یا ترکستانی مغل نہیں ہے اور بیگ کے خطابات اعزاز شاہانِ مغلیہ کے عطا کردہ ہیں۔ اسی مناسبت سے ہمارے بزرگوں کے ناموں کے ساتھ مرزا اور بیگ کے الفاظ لکھے جاتے رہے ہیں۔ ہمارا سلسلۂ نسب حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے۔ حضرت احرار رحمۃ اللہ علیہ نسلاً فاروقی تھے''۔ (ص ۶۱، حوالہ مذکور)

''حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی رضی اللہ عنہ کے اجداد کرام بھی شاہانِ مغلیہ سے وابستہ رہے ہیں۔ اسی زمانہ سے ہمارے اور

امام احمد رضا رضی اللہ عنہ کے خاندان سے قریبی روابط رہے ہیں۔ یہ تعلق و روابط حضور مفتی اعظم مولانا مصطفی رضا بریلوی رضی اللہ عنہ کی حیات ظاہری تک برابر رہے حتی کہ میری دو ہمشیرگان بھی حضرت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ کے خاندان میں بیاہی گئیں''۔(ص۶۱،حوالہ مذکور)

''ہمارے خاندان کا کبھی بھی کسی قسم کا کوئی واسطہ و تعلق مرزا غلام احمد قادیانی کذاب سے نہیں رہا حتی کہ ہمارے دور کے عزیزوں کا بھی نہیں''۔(ص ۶۲،حوالہ مذکور)

''یہ الزام لگانا کہ حضرت مولانا غلام قادر بیگ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مرزا غلام احمد قادیانی کذاب کے بھائی تھے، انتہائی لغو، بے بنیاد اور کذب صریح ہے۔ غلام احمد قادیانی کذاب کا کوئی بھائی غلام قادر بیگ ہو تو یقیناً وہ دیگر شخص ہے۔ اس سے امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا استادی و شاگردی کا کوئی تعلق نہیں رہا ہے''۔(ص ۷۲،حوالہ مذکور)

''حضرت مولانا مرزا غلام قادر بیگ رحمۃ اللہ علیہ کا وصال بریلی شریف میں ہوا۔ میرے والد مرحوم نے اپنی بیاض میں آپ کی تاریخ وفات ۱۸/ اکتوبر ۱۹۱۷ء یکم محرم الحرام ۱۳۳۶ بعمر نوے سال لکھی ہے۔ آپ محلہ باقر گنج میں واقع حسین باغ (بریلی) میں دفن کیے گئے تھے''۔ (ص ۶۲، ماہنامہ حجاز جدید دہلی اکتوبر ۸۸ء)

اگر اتنے تاریخی شواہد پر بھی کسی کو یقین نہ آئے اور یہ الزام وہ دہراتا رہے کہ مرزا غلام قادر بیگ بریلوی، مرزا غلام احمد قادیانی کے بھائی تھے تو ایسے لوگ اس الزام کے جواب میں کیا ثبوت پیش کریں گے کہ شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی یہودی النسل اور احسان الٰہی ظہیر نصرانی الاصل تھے؟۔

حضرت مولانا احمد رضا بریلوی نے جہاں مرزا غلام احمد قادیانی کذاب و دجال کی تکفیر فرمائی ہے وہیں اس کے خلاف مندرجہ ذیل کتابیں بھی تحریر فرمائی ہیں۔

(۱)**المبین ختم النبیین** (۲)**السوء والعقاب علی المسیح الکذاب** (۳)**جزاء اللّٰہ عدوہ بابائہ ختم النبوۃ** (۴)**الجراز الدیانی علی المرتد القادیانی**۔ علاوہ ازیں ردِّ قادیانیت میں بریلی شریف سے ایک مستقل رسالہ بھی اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے جاری فرمایا جس کا نام ہے۔ **قہر الدیان علیٰ مرتد بقادیان**۔

معترضین و معاندین و مخالفین کو ان کے گھر تک پہنچانے کے بعد اب واپس آیئے بارگاہ رضوی میں اور دیکھئے کہ اس محفل ذکر و فکر اور مجلس علم و حکمت میں حقائق و معارف کی کیسی دولت تقسیم ہو رہی ہے اور کیسے کیسے جواہر کی چمک دمک ہے۔ ایک جھلک آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

● کلمۂ طیبہ کے اختصار سے پورا کلمہ مراد ہے یا نصف کلمہ اس کے بارے میں امام احمد رضا قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔

''لا الٰہ الا اللہ کلمۂ طیبہ کا علم ہے جس سے پورا کلمہ مراد ہے۔ اگر کہیے الحمد سات بار کہو یا قل ھو اللہ گیارہ بار کہو۔ کیا اس سے صرف لفظ الحمد یا لفظ قل ھو اللہ مراد ہوگا؟ ہرگز نہیں بل کہ پوری سورتیں کہ اختصاراً جن کے یہ نام ہیں۔ کلمہ طیبہ کا اختصار لا الٰہ نہیں ہو سکتا تھا کہ نفیِ محض بلا استثنا تو معاذ اللہ کلمۂ کفر ہے۔ لاجرم نصف کلمہ اس کا اختصار ہوا۔ یہ ایک ظاہر جواب ہے۔

اور میرے نزدیک تو حقیقتِ امر یہ ہے کہ بے شک صرف لا الٰہ الا اللہ نجات کا ضامن ہے اور اسی سے وہ ملعون قول کہ محمد رسول اللہ کی معاذ اللہ حاجت نہیں کفر خالص ہے۔ لا الٰہ الا اللہ سے فقط الفاظ مراد نہیں بل کہ اس کے معنی کی تصدیق سچے دل سے اس پر ایمان لانا کہ

جس کی ذاتِ جامع جمیع کمالات منزّہ از جمیع عیوب ونقائص کا عَلَمِ پاک واقع میں اللہ ہے، جس نے سچی کتابیں اتاریں، سچے رسول بھیجے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو افضل الرسل وخاتم النبیین کیا، وہ جس کے کلام کا ایک ایک یقینی قطعی حق ہے جس میں کذب یا سہو یا خطا کا اصلاً کسی طرح امکان نہیں۔

جس نے اللہ کو اس طرح پہچانا اسی نے اللہ کو جانا، اسی نے لا الٰہ الا اللہ مانا، اور جسے ضروریات دین سے کسی بات میں شک یا شبہہ ہے اس نے ہرگز اللہ کو جانا نہ لا الٰہ الا اللہ کو مانا۔ مثلاً توحید کی گواہی دیتا ہے ایسے کو اللہ سمجھتا ہے جس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ بھیجا اور وہ ہرگز اللہ نہیں، اس نے اپنے خیال میں ایک باطل تصور جما کر اس کا نام اللہ رکھ لیا ہے۔ یہ اللہ پر مومن نہیں بل کہ اللہ کے ساتھ مشرک ہے۔

اللہ یقیناوہ ہے جس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا تو اللہ پر ایمان وہی لائے گا جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا ہے۔ اس پر تمام ضروریاتِ دین کو قیاس کرلو۔ مثلاً جو اللہ کا مُقر اور قیامت کا منکر ہے یقیناً اللہ کا منکر اور اس اقرار میں مشرک ہے تو ایسے کو اللہ ٹھہرایا جو قیامت نہ لائے گا۔ حالاں کہ اللہ وہ ہے کہ قیامت جس کا سچا وعدہ ہے۔ (الملفوظ حصہ دوم)

● مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی افضلیت کے بارے میں امام احمد رضا قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔

''جمہور حنفیہ کا یہی مسلک ہے (کہ مکہ افضل ہے) اور امام مالک رضی اللہ عنہ کے نزدیک مدینہ طیبہ افضل ہے اور یہی مذہب امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے۔ ایک صحابی نے کہا مکہ معظّمہ افضل ہے۔ فرمایا کیا تم کہتے ہو کہ مکہ مدینہ سے افضل ہے؟ انھوں نے کہا واللہ! بیت اللہ وحرم اللہ۔ فرمایا! میں بیت اللہ وحرم اللہ کے بارے میں کچھ نہیں کہتا۔ کیا تم کہتے ہو کہ مکہ مدینہ سے افضل ہے؟ انھوں نے کہا کہ خانۂ خدا وحرم خدا۔ فرمایا! میں خانۂ خدا اور حرم خدا کے بارے میں کچھ نہیں کہتا۔ کیا تم کہتے ہو کہ مکہ مدینہ سے افضل ہے؟ وہ وہی کہتے رہے اور امیر المومنین یہی فرماتے رہے۔ اور یہی میرا مسلک ہے۔

صحیح حدیث میں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ **المدینة خیر لهم لو کانوا یعلمون**۔ مدینہ ان کے لیے بہتر ہے اگر وہ جانیں۔ دوسری حدیث نص صریح ہے کہ فرمایا۔ **المدینة افضل من مکة**۔ مدینہ مکہ سے افضل ہے۔

اور تفاوتِ ثواب کا جواب باصواب شیخ محقق عبد الحق دہلوی رحمۃ تعالیٰ علیہ نے کیا خوب دیا ہے کہ مکہ میں کمیت زیادہ ہے اور مدینہ میں کیفیت زیادہ ہے یعنی وہاں مقدار زیادہ ہے اور یہاں قدر افزوں جیسے یوں سمجھیے کہ لاکھ روپیہ زیادہ ہے کہ پچاس ہزار اشرفیاں؟ گنتی میں وہ دونے ہیں اور مالیت میں یہ دس گنی۔ مکہ معظّمہ میں جس طرح ایک نیکی لاکھ نیکیاں ہیں یوں ہی ایک گناہ لاکھ گناہ ہیں۔ اور وہاں گناہ کے ارادے پر بھی گرفت ہے جس طرح نیکی کے ارادے پر ثواب۔ مدینہ طیبہ میں نیکی کے ارادے پر ثواب اور گناہ کے ارادے پر کچھ نہیں۔ اور گناہ کرے تو یوں ہی ایک گناہ اور نیکی کرے تو پچاس ہزار نیکیاں۔ عجب نہیں کہ حدیث میں **خیر لهم** کا اشارہ اسی طرف ہو کہ ان کے حق میں مدینہ ہی بہتر ہے۔

(الملفوظ دوم)

نادانی ولاعلمی میں عوام اکثر ''اللہ میاں'' کہتے ہیں اس کے بارے میں امام احمد رضا قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔

''زبان اردو میں لفظ میاں کے تین معنی ہیں۔ ان میں سے دو ایسے ہیں جن سے شانِ الوہیت پاک ومنزہ ہے۔ اور ایک کا صدق

ہوسکتا ہے۔تو جب لفظ دو خبیث معنوں اور ایک اچھے معنی میں مشترک ٹھہرا اور شرع میں اردنہیں تو ذات باری پر اس کا اطلاق ممنوع ہوگا۔ اس کا ایک معنی مولیٰ، اللہ تعالیٰ بے شک مولیٰ ہے۔دوسرا معنی شوہر، تیسرا معنی زنا کا دلال کہ زانی اور زانیہ میں متوسط ہو۔ (الملفوظ اول)

● حمد ونعت میں افراط وتفریط پر تنبیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"حقیقۃً نعت شریف لکھنا نہایت مشکل ہے جس کو لوگ آسان سمجھتے ہیں۔اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔اگر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے۔البتہ حمد آسان ہے کہ اس میں ایک طرف راستہ صاف ہے جتنا چاہے بڑھ سکتا ہے۔غرض حمد میں ایک جانب اصلاً حد نہیں اور نعت شریف میں دونوں جانب سخت حد بندی ہے۔ (الملفوظ دوم)

اپنے دل دو نیم کے نقوش کے بارے میں فرماتے ہیں۔

"بحمد اللہ اگر میرے قلب کے دو ٹکڑے کیے جائیں تو خدا کی قسم ایک پر لکھا ہوگا لا الٰہ الا اللہ۔دوسرے پر لکھا ہوگا محمد رسول اللہ۔ (الملفوظ سوم)

● اللہ اور اس کے رسول سے محبت پیدا کرنے کا طریقہ اور نسخۂ کیمیا بتاتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

"تلاوتِ قرآن مجید اور درود شریف کی کثرت اور نعت شریف کے صحیح اشعار خوش الحانوں سے بہ کثرت سنے۔اور اللہ ورسول کی نعمتوں اور رحمتوں میں جو اس پر ہیں غور کرے۔(الملفوظ اول)

● صاحب جوامع الکلم افصح العرب والعجم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم شعر وشاعری سے متعلق امام احمد رضا قدس سرہٗ ارشاد فرماتے ہیں۔

"آیۂ کریمہ (وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ) کے یہ معنی نہیں کہ اوروں کے اشعار حضور کے علم میں نہیں بل کہ یہ معنی کہ حضور کو ہم نے شعر گوئی پر قدرت نہیں دی اور نہ یہ حضور کے لائق۔

صحابہ قصائد عرض کرتے کیا ان کے اشعار ہمارے حضور کے علم میں نہ آتے؟ بل کہ بعض بعض مواقع پر اصلاح فرمائی ہے۔کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ نے قصیدۂ نعتیہ عرض کیا۔

اِن الرسول لنارٌ يستضاء به

وصارم من سيوف الهند مسلول

ارشاد ہوا نار کی جگہ نور کرو اور "**سيوف الهند**" کی جگہ "**سيوف الله**"۔جب بعض اشعارِ دیگراں علم اقدس میں آنا منافی آیۂ کریمہ **وما علّمنٰهُ الشعر** نہ ہوا تو جمیع اشعار اولین وآخرین مکتوباتِ لوح مبین کو علم اقدس کا محیط ہونا کیا منافی ہوسکتا ہے؟ جو ایجاب جزئی کسی سلب کلی کا نقیض نہیں اس کا ایجاب کلی بھی یقیناً منافی نہیں۔البتہ ملکۂ شعر گوئی حضور کو عطا نہ ہوا اور اس پر بھی رب العزۃ نے دفعِ وہم فرمادیا کہ یہ کوئی خوبی نہ تھی جو ہم نے ان کو نہ دی بل کہ **وما ينبغى له** یہ ان کی شانِ رفیع کے لائق ہی نہیں تو ان کے حق میں منقصت تھی اور وہ جمیع نقائص سے منزہ ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔بل کہ شعر گوئی بالائے طاق اگر نادراً کبھی دوسرے کا شعر پڑھتے تو اسے وزن سے ساقط فرمادیتے۔

لبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شعر۔

ستبدى لک الايام ماكنت جاهلا

ویاتیک بالاخبار من لم تزوّد

کا مصرعِ دوم یوں پڑھتے۔ **ویاتیک من لم تزوّد بالاخبار**۔اس پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو شعر سے منزہ فرمایا ہے۔شاعر نے یوں کہا ہے۔

ویاتیک بالاخبار من لم تزود۔(الملفوظ دوم)

● اردو زبان کے دوسرے شعرائے نعت کا کلام سننے کے تعلق سے اپنے بارے میں امام احمد رضا قدس سرہٗ ایک موقع پر یوں ارشاد فرماتے ہیں۔

''سوا دو کے کلام کے کسی کا کلام قصداً نہیں سنتا۔مولانا کافی (مرادآبادی) اور حسن میاں مرحوم (بریلوی) کا کلام اول سے آخر تک شریعت کے دائرہ میں ہے۔البتہ مولانا کافی کے یہاں لفظ رعنا کا اطلاق جا بجا ہے اور یہ شرعاً ناروا و بے جا ہے۔مولانا کو اس پر اطلاع نہ ہوئی ورنہ ضرور احتراز فرماتے۔حسن میاں مرحوم کے یہاں بفضلہٖ تعالیٰ یہ بھی نہیں۔ان کو میں نے نعت گوئی کے اصول بتادیے تھے۔ان کی طبیعت میں ان کا ایسا رنگ رچا کہ ہمیشہ کلام اسی معیارِ اعتدال پر صادر ہوتا جہاں شبہہ ہوتا مجھ سے دریافت کر لیتے۔ایک شعر میں خیال میں آیا۔

خدا کرنا ہوتا جو تحتِ مشیت

خدا ہو کے آتا یہ بندہ خدا کا

میں نے کہا ٹھیک ہے۔یہ شرطیہ ہے جس کے مقدم اور تالی کا امکان ضرور نہیں۔اللہ عزوجل فرماتا ہے۔**قُلْ اِنْ کَانَ لِلرحمٰنِ وَلَدٌ فانا اولُ العابِدِیْن**۔اے محبوب! تم فرمادو کہ اگر رحمٰن کے کوئی بچہ ہوتا تو اسے سب سے پہلے میں پوجتا۔ہاں شرط و جزا میں علاقہ چاہیے وہ آیۂ کریمہ کی طرح یہاں بھی بروجہِ احسن حاصل ہے۔ (الملفوظ دوم)

● احترام سیادت کے بارے میں آپ ارشاد فرماتے ہیں۔

''قاضی جو حدودِ الٰہیہ قائم کرنے پر مجبور ہے اس کے سامنے اگر کسی سید پر حد ثابت ہوئی تو باوجود اس کے کہ اس پر حد لگانا فرض ہے اور وہ حد لگائے گا لیکن اس کو حکم ہے کہ سزا دینے کی نیت نہ کرے بل کہ دل میں یہ نیت رکھے کہ شہزادے کے پیر میں کیچڑ لگ گئی ہے اسے صاف کر رہا ہوں۔تو قاضی جس پر سزا دینا فرض ہے اس کو تو یہ حکم ہے تا بہ معلم چہ رسد؟ (الملفوظ سوم)

● امرونہی کے ایک ضابطۂ شرعیہ کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں۔

''شریعتِ مطہرہ کا ایک عام قاعدہ ہے کہ کسی کام کو منع فرماتی ہے کسی مصلحت سے اور جب بندہ کو ضرورت پیش آجاتی ہے فوراً اپنی ممانعت اٹھا لیتی ہے۔خمر و خنزیر سے بڑھ کر کون سی چیز حرام فرمائی گئی؟ مگر ساتھ ہی مضطر کا استثنا فرمایا۔جنگل میں ہے پیاس کی شدت ہے شراب موجود ہے پانی کہیں نہیں ہے نہ کوئی اور چیز ہے جس سے پیاس بجھ سکے۔اب اگر شراب نہ پئے تو پیاس کی وجہ سے مرجائے گا۔یا نوالہ اٹکا ہوا ہے اور سوائے شراب کے کوئی ایسی چیز نہیں جس سے نوالہ اتر جائے اگر نہ پیے دم گھٹ کر مرجائے گا۔ایسی حالت میں اگر اس نے شراب نہ پی اور مرگیا گنہ گار ہوا۔حرام موت مرا،یا مثلاً بھوک کی شدت ہے اگر اب کچھ نہ کھائے تو مرجائے گا اور سوائے خنزیر کے گوشت کے کچھ موجود نہیں اگر اس نے نہ کھایا اور مرگیا تو گنہ گار ہوا حرام موت مرے گا۔(الملفوظ سوم)

● عرفِ تعظیم و توہین سے تبدیلی احکام کے بارے میں فرماتے ہیں۔

''تعظیم وتوہین عرف پر مبنی ہیں۔ایک چیز ایک زمانہ میں تعظیم یا توہین ہوتی ہے دوسرے زمانہ میں نہیں۔ یا ایک قوم میں ہوتی ہے دوسری قوم میں نہیں۔ مثلاً عرب میں بڑے چھوٹے سب کو صیغۂ مفرد سے خطاب ہے۔ **انت قلت** تو نے کہا۔ یہ وہاں کوئی توہین نہیں اور ہمارے یہاں توہین ہے۔(الملفوظ اول)

- نرمی کے فوائد کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں۔

''دیکھو نرمی کے جو فوائد ہیں وہ سختی میں ہرگز حاصل نہیں ہوسکتے۔اگر اس شخص سے سختی برتی جاتی تو ہرگز یہ بات نہ ہوتی۔

جن لوگوں کے عقائد مذبذب ہوں ان سے نرمی برتی جائے کہ وہ ٹھیک ہوجائیں۔ یہ جو وہابیہ میں بڑے بڑے ہیں ان سے بھی ابتداءً بڑی نرمی برتی گئی۔الخ (الملفوظ اول)

- ابطالِ باطل اور شرعی گرفتوں سے اصلاح پذیر ہونے کی بجاے معاندین ومخالفین آپ پر سب وشتم کرتے جس کا جواب دیتے ہوئے ایک موقع پر آپ فرماتے ہیں۔

''دل میں کیا برملا فحش گالیاں دیتے ہیں۔بعض خبثا تو مغلظات سے بھرے ہوئے بیرنگ خطوط بھیجتے ہیں۔ پھر ایک نہیں اللہ اعلم کتنے آتے ہیں۔ مجھے اس کی پرواہ نہیں۔اس سے زیادہ میری ذات پر حملے کریں تو میں شکر ادا کرتا ہوں کہ اللہ عزوجل نے مجھے دین حق کی سپر بنایا کہ جتنی دیر وہ مجھے کوستے گالیاں دیتے برا بھلا کہتے ہیں اتنی دیر اللہ ورسول جل جلالہٗ وصلی اللہ علیہ وسلم کی توہین وتنقیص سے باز رہتے ہیں۔ادھر سے کبھی اس کے جواب کا وہم بھی نہیں ہوتا اور نہ کچھ برا معلوم ہوتا ہے کہ ہماری عزت ان کی عزت پر نثار ہی ہونے کے لیے ہے بل کہ ان پر نثار ہونا ہی عزت ہے۔ (الملفوظ دوم)

- اولاد ومال کی محبت کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں۔

''الحمدللہ کہ میں نے مال من حیث ھو مال سے کبھی محبت نہ رکھی صرف انفاق فی سبیل اللہ کے لیے اس سے محبت ہے۔اسی طرح اولاد من حیث ھو اولاد سے بھی محبت نہیں صرف اس سبب سے کہ صلہ رحم نیک عمل ہے اس کا سبب اولاد ہے اور یہ میری اختیاری بات نہیں میری طبیعت کا تقاضا ہے۔(الملفوظ چہارم)

- افتا اور ردِ وہابیہ کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں۔

''ردِ وہابیہ اور افتا یہ دونوں ایسے فن ہیں کہ طب کی طرح یہ بھی صرف پڑھنے سے نہیں آتے ان میں بھی طبیب حاذق کے مطب میں بیٹھنے کی ضرورت ہے۔ میں بھی ایک طبیب حاذق کے مطب میں سات برس بیٹھا۔ مجھے وہ وقت وہ دن وہ جگہ وہ مسائل اور جہاں سے وہ آئے تھے اچھی طرح یاد ہیں۔ (الملفوظ اول)

- روح اور قلب ونفس کا فرق بتاتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

''اصل میں تین چیزیں علاحدہ علاحدہ ہیں۔نفس، روح، قلب۔روح بمنزلۂ بادشاہ کے ہے اور نفس وقلب اس کے دو وزیر ہیں۔ نفس اس کو ہمیشہ شر کی طرف لے جاتا ہے اور قلب جب تک صاف ہے خیر کی طرف بلاتا ہے۔(الملفوظ سوم)

- مفید، مستفید، منفرد کے بارے میں آپ ارشاد فرماتے ہیں۔

''آدمی تین قسم کے ہیں۔مفید، مستفید، منفرد۔ مفید وہ کہ دوسروں کو فائدہ پہنچائے۔مستفید وہ کہ خود دوسرے سے فائدہ حاصل

کرے۔منفرد وہ کہ دوسرے سے فائدہ لینے کی اسے حاجت نہ ہو اور نہ دوسرے کو فائدہ پہنچا سکتا ہو۔

مفید اور مستفید کو عزلت گزینی حرام ہے اور منفرد کو جائز بل کہ واجب (امام ابن سیرین کا واقعہ بیان کر کے ارشاد فرمایا) وہ لوگ جو پہاڑ پر گوشہ نشیں ہو کر بیٹھ گئے تھے وہ خود فائدہ حاصل کیے ہوئے تھے اور دوسروں کو فائدہ پہنچانے کی ان میں قابلیت نہ تھی ان کو گوشہ نشینی جائز تھی اور امام ابن سیرین پر عزلت حرام تھی۔ (الملفوظ سوم)

● عالم کون ہے اور غیر عالم کو وعظ کہنا کیسا ہے اس کے بارے میں فرماتے ہیں۔

غیر عالم کو وعظ کہنا حرام ہے۔عالم وہ ہے کہ عقائد سے پورے طور پر آگاہ اور مستقل ہو اور اپنی ضروریات کو کتابوں سے نکال سکے بغیر کسی کی مدد کے۔ (الملفوظ اول)

یہ اور اس طرح کے بہت سے جواہر پارے الملفوظ کے صفحات پر بکھرے ہوئے ہیں جن کی جمع و ترتیب کی خدمت انجام دے کر شہزادۂ امام احمد رضا سیدی و مرشدی حضور مفتی اعظم مولانا الشاہ مصطفی رضا قادری برکاتی بریلوی نے انھیں قوم کے سامنے پیش کیا ہے۔

مفتی اعظم بھی اپنے والد ماجد کی طرح علم و فضل اور تدین و تقویٰ میں بے مثال تھے۔اپنے وقت کے جلیل القدر فقیہ و مفتی تھے۔ مرجع علما و فقہا تھے۔مقبول انام تھے۔اور آپ کی درجنوں تصانیف بھی موجود ہیں جن سے اہل علم استفادہ کرتے رہتے ہیں۔آپ کے تلامذہ و خلفا پورے برصغیر اور اس سے باہر سرزمین حجاز تک پھیلے ہوئے ہیں۔معتقدین و مریدین کی تعداد شمار سے باہر ہے۔آپ مدبر و مفکر، عالم و فاضل، مصلح، شاعر، متقی، سب کچھ تھے جس کی شہادت ہزاروں نہیں بل کہ لاکھوں خواص و عوام دیتے ہیں اور دیتے رہیں گے۔

الملفوظ میں آپ نے دین و دانش، فضل و کمال، شریعت و طریقت، حقائق و معارف، اسرار و رموز کا ایک جہان اور ایک دنیا آباد کر دی ہے اب یہ اس کے دیکھنے پڑھنے والوں پر منحصر ہے کہ اس سے وہ کس حد تک اپنا دامن بھرتے ہیں اور اپنی دنیا آباد کر کے اپنی عاقبت سنوارتے اور اسے قابل رشک بناتے ہیں۔گویا

بیاورید گر ایں جابود زباں دانے
غریب شہر سخنہائے گفتنی دارد
لگا رہا ہوں مضامینِ نو کے میں انبار
خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینوں کو

☆☆☆

الملفوظ کا مقام اور مفتی اعظم

مولانا فیضان المصطفیٰ مصباحی

جامعہ امجدیہ، گھوس، مئو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ العزیز (۱۸۵۶ء تا ۱۹۲۱ء مطابق ۱۲۷۲ھ تا ۱۳۴۰ھ) نے پینسٹھ سالہ زندگی میں متعدد علومِ عقلیہ ونقلیہ کے جو جواہر آب دار لٹائے۔ اس سے برِ صغیر میں علم وفن کی ایک نئی تاریخ وجود میں آ گئی۔ دنیا میں بڑے بڑے عقلا اور دانش ور آئے، بڑے بڑے زبان آور اور ادیب پیدا ہوئے۔ ارض گیتی نے بڑے بڑے کشور کشایان علم وفن کو اپنے دامن میں پروان چڑھایا۔ چشمِ فلک نے حکمت و دانائی اور فہم وفراست کے ان تاجوروں کو بھی دیکھا ہے جو علم وفن کے پہاڑ تھے۔ مگر یہ کون ہے جو بریلی کی سرزمیں پر پیدا ہوا،

وہیں پلا بڑھا، ۱۴ رسال کی عمر میں جملہ علوم عقلیہ ونقلیہ کی تکمیل کی۔تصنیف وتالیف اورفتویٰ نویسی کی طرف توجہ کی،علم وفن کے دریا بہائے ،نادر تحقیقات کے اضافے فرمائے،زبان وادب کو نیا رخ دیا،اسلامی فکر وفلسفہ کا معیار قائم کیا اور حقانیت کی علامت بن کر پوری علمی دنیا پر پائے دار نقوش ثبت کر گیا۔اور کیوں نہ ہو،جس کا عالم یہ ہو کہ اکابر اس کی علمی وجاہت پر رشک کریں۔ہم عصر اور اصاغر محو حیرت واستعجاب رہیں۔علمی جولانیت،فقہی تدبر، وسعت مطالعہ، بلندیٔ فکر، بے مثال قوت حافظہ، زبردست قوت استدلال یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے فرد واحد میں جمع کر دیا تھا۔یہی وجہ ہے کہ ارباب نظر نے انھیں اللہ کی نشانی کہا۔ہم عصر علما نے انھیں رسول کونین کا معجزہ قرار دیا۔کسی نے مجدد اعظم کہا۔کسی نے اعلیٰ حضرت کہا۔کسی نے امام اہل سنت کہا۔

ذہن وفکر میں تخیلات نہیں نصوص کے سربستہ اسرار ڈھلتے تھے۔دل میں عشق رسالت کا سمندر موج زن رہتا تھا۔نوک قلم سے تحریر نہیں علم وفن کے آبشار پھوٹتے تھے۔زبان سے الفاظ نہیں،حکمت ودانائی کے پھول جھڑتے تھے۔تحریر وقلم کے باقیات صالحات تو سیکڑوں ہیں،لیکن ارشادات وفرمودات کا یہی ایک گل دستہ الملفوظ پوری قوم کے لیے ایک تحفہ بھی ہے،ایک دستور العمل بھی۔ایک پیغام بھی ہے اور ایک امانت بھی۔

امام احمد رضا کی تصنیفات تحقیق کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔دقیق مضامیں،استدلالی انداز بیان پر مشتمل تمام تصنیفات پوری دنیا کے لیے عموماً اور اہل سنت کے لیے خصوصاً ایک اہم نصاب کی حیثیت رکھتی ہیں۔مگر کسی کو تنگیٔ وقت کا گلہ ہے۔تو کسی کو کثرت کار وافکار کا شکوہ۔کسی پر مضامیں کی دقت بھاری،تو کوئی ذوق مطالعہ سے عاری،لیکن الملفوظ تو ہر ایک کے لیے تحفہ ہے۔اس سے ہر شخص بہ آسانی اعلیٰ حضرت کے علمی وفکری فیوض سے بہرہ مند ہوسکتا ہے۔

ملفوظات کی تاریخی حیثیت:

ہر دور میں برگزیدہ شخصیتوں کے فرمودات اور پند ونصائح کو ان کے معتقدین نے آئندہ نسلوں کے لیے محفوظ کرنے کی کوشش کی۔کیوں کہ بزرگوں کے فرمودات بڑے معنی خیز اور موثر ہوتے ہیں۔ان کے جملے دل کی گہرائی میں اترتے ہیں اور دیرپا اثر چھوڑ جاتے ہیں۔اگر چہ وہ بہ ظاہر ایک سادہ سا جملہ ہو جس کے اندر زیادہ معنویت بھی نہ ہو،مگر وہی جملہ اگر کسی اللہ والے کی زبان فیض ترجمان سے ادا ہو جائے تو قوم کی تقدیر بدلنے کے لیے کافی ہوتا ہے۔کیوں کہ ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود گر چہ از حلقوم عبداللہ بود

صوفیہ وصالحین،سالکین وواصلین،اور عارفین ومقربین کو باختلاف مراتب اللہ تعالیٰ نے بلند سے بلند تر مقام ومرتبہ سے نوازا ہے۔یہ بندگان خدا اپنے مقام ومرتبے پر رہتے ہوئے نچلی سطح کی بات نہیں کرتے۔اسی وجہ سے کبھی کبھی ان کی بات عقل وفہم سے بالاتر ہوتی ہے۔ظاہر ہے کہ ان کے ملفوظات وفرمودات ہی ان کے افکار ونظریات کے ترجمان ہوتے ہیں۔لہٰذا قدرداں عقیدت مند افراد ان فرمودات سے آگاہی اور ان بلند افکار ونظریات سے آشنائی کے مشتاق ہوتے ہیں۔اسی لیے بزرگوں سے قربت رکھنے والوں نے اپنے مرشد ومقتدیٰ کی تعلیمات کو آئندہ نسلوں میں منتقل کرنے کے لیے ان کے ملفوظات کو محفوظ رکھنے کا سلسلہ شروع کیا۔

بزرگوں کے ملفوظات ان کے عہد کے ترجمان ہوتے ہیں۔ان سے بزرگوں کی زندگی گزارنے کے طریقے معلوم ہوتے ہیں،فکر وخیال کی دینی تربیت ہوتی ہے،شریعت کے آداب معلوم ہوتے ہیں،طریقت کے رموز واسرار واشگاف ہوتے ہیں،معرفت

وحقیقت کی راہیں کھلتی ہیں۔ایک جملے کے حقائق کا خزانہ سمو دینا عارفین کے لیے آسان سی بات ہے۔اگر وہی جملے، وہی فرمودات جو بزرگوں کی زبان سے نکلے تھے صحیح طور پر ان کے مفہوم معلوم ہو جائیں تو ان کی روشنی میں تلاش حقیقت کا سفر آسان ہو جاتا ہے۔زندگی کی الجھی ہوئی گتھیاں سلجھائی جاسکتی ہیں۔حیات وکائنات کے لاینحل مسائل حل کیے جاسکتے ہیں، انفس وآفاق کے حقیقی راز معلوم کیے جاسکتے ہیں۔اسی اہمیت کے پیش نظر مشائخ اور صوفیۂ کرام کے ملفوظات کی ترتیب وتدوین کا سلسلہ چل پڑا جس کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اقوال کی روایتوں کو ہم اس سلسلے کی اساس مان سکتے ہیں۔تاہم احادیث کی مرکزی حیثیت تشریعی تھی جس کے لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کے ساتھ آپ کے افعال واعمال اور تقریرات کی بھی پورے اہتمام کے ساتھ روایت کی گئی۔جب کہ ملفوظات کی حیثیت نصیحت ووصیت، پندوموعظت اور تصوف کے اسرار ورموز سے روشناس کرانے کی ہوتی ہے،

ملفوظات کا جو کچھ سرمایہ اس وقت ہمارے پاس محفوظ ہے اس میں زیادہ تر مشائخ اور صوفیہ کرام کے ملفوظات ہیں۔ان میں مبارک وگراں قدر ملفوظات کا جو سرمایہ محفوظ ہے اس کے پیش نظر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کی ترتیب وتدوین کا آغاز چھٹی ساتویں صدی ہجری میں ہوا جب حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرہ کے ارشادات ''فیہ مافیہ'' کے نام سے مرتب کیے گئے، جو ملفوظات کے سلسلے کی پہلی کڑی ہے۔حالاں کہ ''امالی'' کی تدوین کا سلسلہ بہت قدیم ہے جو ملفوظات ہی کی ایک شکل ہے۔

تاریخی حیثیت سے خواجہ معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہ کے مرتب کردہ ملفوظات **''انیس الارواح''** برصغیر میں شائع ہونے والا ملفوظات کا پہلا مجموعہ ہے جس میں حضرت خواجہ غریب نواز نے اپنے پیر ومرشد حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہ کے ملفوظات جمع فرمائے ہیں۔اس کے بعد ترتیب ملفوظات کا ایک سلسلہ چل پڑا۔حضرت خواجہ غریب نواز قدس سرہ کے ملفوظات آپ کے خلیفۂ خاص حضرت قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے **''دلیل العارفین''** کے نام سے مرتب فرمائے۔حضرت خواجہ قطب الاقطاب کے ملفوظات آپ کے خلیفۂ خاص حضرت بابا فرید گنج شکر نے **''فوائد السالکین''** کے نام سے مرتب فرمائے۔حضرت بابا فرید گنج شکر کے ملفوظات آپ کے مرید ومحب خاص شیخ المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی نے **''راحت القلوب''** کے نام سے مرتب فرمائے۔حضرت بابا فرید کے ملفوظات کا دوسرا مجموعہ **''اسرار الاولیا''** کے نام سے خواجہ بدر اسحاق قدس سرہ نے مرتب فرمایا......حضرت محبوب الٰہی قدس سرہ کے ملفوظات کو آپ کے مرید وخلیفہ حضرت امیر حسن علا سنجری نے **''فوائد الفوائد''** کے نام سے ترتیب دیا۔اور آپ کے ملفوظات کا ایک دوسرا مجموعہ **''راحت المحبین''** کے نام سے آپ کے مرید وخادم خاص خواجہ امیر خسرو نے ترتیب دیا۔خواجہ محبوب الٰہی کے مرید وخلیفہ حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی قدس سرہ کے ملفوظات **''مفتاح العاشقین''** کے نام سے آپ کے مرید خواجہ محب اللہ نے ترتیب دیا۔خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی کے خلیفہ حضرت بندہ نواز گیسو دراز جو گلبرگہ میں آسودۂ خاک ہیں ان کے ملفوظات **''جوامع الکلم''** کے نام سے مقبولِ انام ہو چکے ہیں۔سلسلۂ چشتیہ کے ایک اور بزرگ حضرت مخدوم جہانگیر اشرف سمنانی قدس سرہ السامی کے ملفوظات **''لطائفِ اشرفی''** کے نام سے کافی مقبولیت حاصل کر چکے ہیں، جنھیں ان کے مرید حضرت نظام الدین یمنی ملقب نظام صاجی الیمنی نے ترتیب دیا ہے۔

خواجہ شرف الدین یحییٰ منیری قدس سرہ (متوفی ۷۸۲ھ) کے گراں مایہ ملفوظات **''معدن المعانی''** کے نام سے خواجہ زین بدر عربی نے مرتب فرمائے۔

یہ وہ ملفوظات ہیں جو کافی مقبول و مشہور ہو چکے ہیں۔

متاخرین میں حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ کے ملفوظات تمام ملفوظات میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں، جو اس وقت ہمارا موضوع ہے۔ غرض یہ کہ ہمارے پاس ملفوظات کا وہ عظیم سرمایہ ہے جس سے دوسری قومیں محروم ہیں۔ جو ہمارے لیے حقائق کا گنجینہ، شریعت و طریقت کے سربستہ رموز و اسرار کا بیش بہا خزانہ اور مذہبی زندگی کے لیے دستور العمل کی حیثیت رکھتا ہے۔

الملفوظ کا علمی مقام اور اہمیت:

امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ العزیز کے ملفوظات کا مجموعہ ''الملفوظ'' جس کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ کے شہزادے مفتیِ اعظم ہند حضور مصطفیٰ رضا خاں بریلوی قدس سرہ العزیز نے مرتب فرمایا ہے[1] ملفوظات کے سرمایے میں بڑی اہمیت کا حامل اور اہم ترین اضافہ ہے۔ ملفوظات کا جتنا سرمایہ ہمارے پاس موجود ہے اس میں تصوف اور طریقت و معرفت سے متعلق مواد زیادہ ہے، مگر اس باب میں الملفوظ کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اس میں طریقت و معرفت کے آداب اور تصوف و سلوک کے رموز و اسرار کے ساتھ ساتھ شریعت کی بھر پور تعلیمات بھی موجود ہیں۔ اس میں جا بہ جا اصولی و فروعی مسائل میں نقلی دلائل کے ساتھ عقلی دلائل بھی پیش کیے گئے ہیں۔ جا بجا بزرگوں کے واقعات و حکایات، ذاتی تجربات و مشاہدات اور اہم معلومات درج ہیں۔ بہت سارے ان پیچیدہ سوالات کے جوابات ہیں جو علوم و فنون سے اشتغال رکھنے والوں کے ذہن میں پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ ''الملفوظ'' عامۃ المسلمین کے لیے بھی نفع بخش اور دل چسپ ہے اور خواص کے لیے بھی علمی و دینی ذوق وطلب کی تسکین کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔ الملفوظ میں علمِ قرآن و تفسیر بھی ہے اور علمِ حدیث بھی، فقہ و فتاویٰ بھی ہیں اور عقائد و کلام کے مسائل بھی، اسلامی فلسفہ و سائنس کے نظریات بھی ہیں اور تصوف و طریقت کی تعلیمات بھی، اکابر ملت اور اسلاف امت کے واقعات بھی ہیں اور نئی نسلوں کے لیے پند و موعظت بھی، جا بہ جا طبیعیات و الٰہیات کی بھی بحثیں ہیں غرض کہ حضور مفتیِ اعظم ہند نے حضور اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی بارگاہ سے علم و ادب کے گراں قدر موتیوں کو چن چن کر ایک ہار بنایا اور قوم کے گلے میں ڈال دیا، یا حکمت و تدبر کے رنگا رنگ پھولوں کا ایک گلدستہ سجا کر نئی نسل کو پیش کیا ہے۔

الملفوظ کی ثقاہت :

ملفوظات کی ثقاہت کا دارومدار تمام تر راوی کی ثقاہت پر ہے۔ اگر راوی ثقہ ہے تو اس کی روایت بھی مستند اور معتمد مانی جاتی ہے اور راوی کی ثقاہت مشکوک ہو تو روایت کی اعتباریت اسی حیثیت سے گھٹتی جاتی ہے۔ ظاہر ہے حضور مفتیِ اعظم ہند قدس سرہ (مرتب الملفوظ) کی ثقاہت میں کس کو شک ہو سکتا ہے۔ ان کا زہد و تقویٰ اور دیانت داری ایک مسلم امر ہے۔ نیز ان کی علمی وجاہت، دقیقہ سنجی، نکتہ رسی، ژرف نگاہی، وسعتِ مطالعہ اور زبردست قوت حافظہ کی پوری قوم معترف ہے۔ لہذا حضور مفتیِ اعظم ہند قدس سرہ کی مرتب الملفوظ میں شک کی کوئی گنجائش نہیں بل کہ یہ اعتماد و استناد کے بلند درجہ پر فائز ہے۔ لیکن بعد میں حضور مفتیِ اعظم کی مرتبہ الملفوظ کی جن لوگوں نے نقلیں لیں اور پھر ان نقلوں سے بعد والوں نے کتابت کروائی اس میں کتابت کی بہت سی غلطیاں در آئیں۔ جن میں یا تو احتیاط سے کام نہیں لیا گیا یا غلطیوں کی اصلاح پر توجہ نہیں ہوئی۔

ایک پرانے نسخے میں بعض مقامات پر حواشی سے ناقل سے سہو اور عبارت چھوٹ جانے کا واضح اشارہ ملتا ہے۔ مثلاً، رضوی کتب خانہ بہاری پور بریلی سے شائع ہونے والے نسخے میں ایک جگہ حاشیہ پر ہے۔

یہاں بھی عبارت میں سقط معلوم ہوتا ہے، اصل ندارد ہوگئی۔ (حاشیہ ص: ۷۰ چہارم مطبوعہ رضوی کتب خانہ بہاری پور بریلی)
چہارم صفحہ ۶۷ کی اس عبارت پر:

''ہر عاقل کے نزدیک اس کا جواب نفی میں ہوگا اور اس کا جواب معاذ اللہ اثبات میں ہوگا کہ ہزاروں سے زائد خالق خدا کے سوا موجود ہیں جو اپنے افعال کے خود خالق ہیں، معاذ اللہ۔''

یہاں یہ حاشیہ درج ہے:

''تناقص ہوا اور تناقص عیب اور اللہ عزوجل ہر عیب سے پاک، تو غالباً یہاں یہ اور عبارت ہے جو ناقل سے رہ گئی، اصلؔ باقی نہ رہی۔''

نیز چہارم ص ۶۶ پر اس عبارت پر ''تھا اور ہے اور رہے گا'' یہ سب زمانے پر دلالت کرتے ہیں اور وہ زمانے سے پاک'' حاشیہ میں یہ درج ہے۔

''یہاں کچھ اور عبارت معلوم ہوتی ہے، اصل باقی نہیں، ناقل صاحب نے جو نقل کی اس میں کچھ چھوڑ دیا، اصل دیمک نے ختم کر دی'' (ایضاً ص ۶۶) [۲]

اس سے اندازہ ہوا کہ امام احمد رضا کے ملفوظات کے ساتھ وہ اعتنا نہیں کیا گیا جو ہونا چاہیے تھا۔ اس سے یہ بات طے ہو جاتی ہے کہ جو غلطیاں در آئیں ان سے صاحب ملفوظات کا کوئی تعلق نہیں۔

حضور مفتی اعظم کی بارگاہ کے بعض فیض یافتہ علما سے احقر نے سنا کہ حضور مفتی اعظم بعد والے نسخوں میں نقل و کتابت کی غلطیوں پر ناراضی ظاہر فرماتے تھے۔ اور فرماتے کہ نہ جانے کیسے چھپوا دیا ہے۔ [۳]

اس سے انداہ ہوتا ہے کہ بعد میں چھپوانے والوں نے احتیاط سے کام نہیں لیا۔ جس کی وجہ سے اب تک چھپنے والے نسخوں میں کتابت کی غلطیاں رہ گئیں۔

متعدد نسخوں سے مقابلے کے بعد راقم کو شدید احساس ہوا کہ بعد والوں نے الملفوظ میں کہیں کہیں تصرف بھی کیا ہے۔ اس کی ایک مثال یہ ہے۔

ایک بار عبد الرحمٰن قاری کہ کافر تھا اپنے ہم راہیوں کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں پر آ پڑا چرانے والے کو قتل کیا اور اونٹ لے گیا۔ اسے قراءت سے قاری نہ سمجھ لیں بل کہ بنی قارہ سے تھا۔ (حصہ دوم، صفحہ ۷۴ سطر ۸)

خط کشیدہ عبارت نہ اعلیٰ حضرت کا ارشاد ہے نہ حضور مفتی اعظم کی توضیح، بل کہ یہ سراسر کسی کا تصرف ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ آگے جو تفصیلی واقعہ اعلیٰ حضرت نے بیان فرمایا ہے وہ مشکوٰۃ شریف میں صفحہ ۳۴۸ ر پر اجمالاً اور مسلم شریف ثانی ص ۱۱۴ ر پر تفصیلاً موجود ہے۔ جس میں ''عبد الرحمٰن فزاری'' درج ہے نہ کہ ''عبد الرحمٰن قاری۔'' کتابت یا نقل کی غلطی سے ''فزاری'' ''قاری'' ہو گیا۔ قاری چوں کہ قرآن کا علم رکھنے والے کو کہا جاتا ہے۔ اور ایک کافر پر اس کا اطلاق غیر موزوں محسوس ہوا، اس لیے ناقل کو خط کشیدہ عبارت بڑھانی پڑی، صاحب ملفوظ اس سے بری ہیں۔ اس توضیح کے بعد اس کے متعلق مخالفین کا اعتراض بیجا اور بے محل ہو گیا جس کے جواب کی کوئی ضرورت نہیں۔

نیز حصہ اول ص ۶۴ پر اہرام مصر کی تعمیر کے بارے میں ہے۔

''حضرت آدم علیہ السلام سے چودہ ہزار برس پہلے کی تعمیر ہے۔''

خط کشیدہ عبارت یا تو اضافہ ہے یا اس مقام پر کچھ عبارت حذف ہوگئی ہے۔ کیوں کہ آگے کی تفصیلات ''آدم علیہ السلام'' کی تخلیق سے چھ ہزار برس پہلے کی تعمیر ثابت کر رہی ہیں، نہ کہ چودہ ہزار برس پہلے کی۔ لہذا عبارت یوں ہونا چاہیے ''آج سے چودہ ہزار برس پہلے کی تعمیر ہے''۔ یا صرف ''چودہ ہزار پہلے کی تعمیر ہے''۔ تفصیلات اسی مقام پر ملاحظہ کی جاسکتی ہیں ۔

اس طرح کے تصرف کی اور مثالیں بھی دی جاسکتی ہیں۔

مخالفین کے اعتراضات :

جب سے امام احمد رضا بریلوی نے علماے دیو بند کی تحریروں سے ان کے باطل عقائد کی نقاب کشائی فرمائی اسی وقت سے علماے دیو بند اوران کے پیرو کاروں نے امام احمد رضا قدس سرہ کی طرف منسوب کتابوں میں نقائص تلاش کرنے شروع کر دیے۔ ان کی تصیفات میں کوئی نقص نکال کر ثابت کرنا آسان نہ تھا لہذا انھوں نے مجموعۂ ملفوظات کو اپنی عیب جوئی اور تنقید کا خاص نشانہ بنایا۔ ہر چند کہ اعلیٰ حضرت بات پورے وثوق واعتماد سے ہی فرماتے تھے اور مفتی اعظم کی روایت ودرایت پر بھی کسی قسم کا شبہہ نہیں کیا جاسکتا، تاہم مختلف جہتوں سے جائزہ لیا جائے تو استناد واعتماد میں تصنیف وتحریر کے مقابلے میں ملفوظات کی حیثیت ثانوی ہوتی ہے۔

واضح رہے کہ الملفوظ کا سال تالیف ۱۳۳۸ھ ہے اور سال اشاعت معلوم نہیں۔ ۱۳۴۰ھ میں اعلیٰ حضرت کا وصال ہو گیا، مولانا شہاب الدین نے اپنے مضمون ''الملفوظ کا مقام ومرتبہ'' میں لکھا ہے کہ ''الملفوظ کے بعض حصے اس وقت کے بعض رسائل مثلاً تحفہ حنفیہ اور ''ماہنامہ الرضا'' وغیرہ میں قسط وار شائع ہوتے رہے۔'' پھر بعد میں انھیں مکمل کتابت کر کے شائع کیا گیا، جس میں قلت احتیاط کا شکوہ بے جا نہیں۔ نیز نسخوں سے نسخے نقل اور کتابت کیے جاتے رہے لہذا کتابت کی غلطیاں بجائے کم ہونے کے جدید نسخوں میں بڑھتی رہیں۔ نتیجۃً مخالفین کو زبان درازی کا موقع مل گیا۔

الملفوظ کی عبارتوں پر مخالفین کے بہت سارے اعتراضات سامنے آئے ہیں۔ جن میں کچھ کا جواب ضمیمہ کے طور پر ایک ایڈیشن کے آخر میں شامل ہے جس کے بارے میں واضح نہ ہو سکا کہ کس کی کوشش ہے۔ کچھ کا جواب شارح بخاری مفتی شریف الحق صاحب امجدی علیہ الرحمہ نے دیا جو ''التحقیقات'' اور مختلف مضامین میں شائع ہوئے۔ اور بھی لوگوں نے جوابات دیے ہیں۔

دراصل اعلیٰ حضرت کے ملفوظات پر اعتراض کر کے مخالفین کا مقصد یہ ہے کہ اہل سنت کو دفاعی پوزیشن میں رکھا جائے۔ اس کا تحقیقی جواب دینے کے بجائے الزامی جواب کافی ہے، کیوں کہ عام طور پر معترض کم علم اور کوتاہ فہم لوگ ہی ہوتے ہیں۔ ورنہ بے جا اعتراض تو کسی کی عبارت پر کیا جاسکتا ہے۔ اعتراض کرنے والے قرآن پر بھی اعتراض کر رہے ہیں۔ لیکن ہر مکتب فکر میں سنجیدہ طبقہ ضرور ہوتا ہے جو اس رائے سے اتفاق کرے گا کہ کوئی متبحر عالم کچھ بیان کر رہا ہے تو وہ بات بے بنیاد نہیں ہوگی، یہ اور بات ہے کہ اوروں کی رسائی وہاں تک نہ ہو سکے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ عدم وجدان وجدان عدم نہیں۔ محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد صاحب علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ کوئی حدیث اگر نہیں مل رہی ہے تو یہ نہ کہے کہ یہ حدیث نہیں، بل کہ اپنی لاعلمی ظاہر کرے، کیونکہ حدیث کی تقریباً ساڑھے تین سو کتابیں ہیں ۔ امام ابن ہمام نے بھی فتح القدیر میں مختلف مقامات پر یہ افادہ فرمایا ہے۔ آج کے لوگوں کا حال یہ ہے کہ دس بارہ متداول کتب حدیث میں دیکھ لیا، نہیں ملی تو انکار کر دیا۔ یہ سخت جرأت ہے، اس سے پرہیز چاہیے۔ علم حدیث میں اعلیٰ حضرت کی وسعت مطالعہ کا اندازہ اس سے لگایا

جا سکتا ہے کہ ان کی تصنیفات وفتاویٰ میں درج کی گئی احادیث کا مجموعہ تیار کیا گیا ہے۔ جو مولانا محمد حنیف صاحب کی انتھک کوششوں سے تخریجات کے ساتھ جامع الاحادیث کے نام سے دس ضخیم جلدوں میں شائع ہو چکا ہے۔

اس مقام پر پروفیسر مسعود احمد کی کتاب ''محدث بریلوی'' کا یہ اقتباس بالکل برمحل ہے۔

امام احمد رضا سے جب دریافت کیا گیا:

آپ نے حدیث شریف کی کون کون سی کتابیں درس کی ہیں؟ تو آپ نے جواباً مندرجہ ذیل کتبِ حدیث کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

''مسند امام احمد و موطا امام محمد و کتاب الآثار امام محمد و کتاب الخراج امام ابو یوسف و کتاب الحج امام محمد و شرح معانی الآثار امام طحاوی، موطا امام مالک و مسند امام شافعی و مسند امام محمد و سنن دارمی و بخاری و مسلم و ابوداؤد و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ و خصائص نسائی و، منتقی الجارود و علل متناہیہ و مشکوٰۃ و جامع کبیر و جامع صغیر و ذیل جامع صغیر و منتقی ابن تیمیہ و بلوغ المرام و عمل الیوم واللیلۃ ابن السنی و کتاب الترغیب خصائص کبریٰ و کتاب الفرج بعد الشدت و کتاب الاسما والصفات وغیرہ پچاس سے زائد کتب حدیث میرے درس و تدریس و مطالعہ میں رہیں۔ (اظہار الحق الجلی، ص:۲۴-۲۵ بحوالہ محدث بریلوی، ص:۶-۷)

امام احمد رضا کی تحریروں پر مخالفین کا ایک گروہ شبانہ روز تحقیق اور ریسرچ کرنے کے بعد اپنی کوئی نئی اور انوکھی دریافت منظرِ عام پر لاتا ہے اور بڑے اعتماد کے ساتھ کہتا ہے کہ یہ بات کہیں نہیں۔ جب علمائے اہلِ سنت کی طرف سے اس کا صحیح حوالہ پیش کر دیا جاتا ہے تو مخالفین پھر اس سلسلے کا دوسرا شگوفہ چھوڑتے ہیں اور علمائے اہلِ سنت اس کے حوالہ کی تلاش میں سرگرم ہو جاتے ہیں۔ بالآخر دوسرے کا بھی حوالہ دیا جاتا ہے تو مخالفین خاموشی کے ساتھ کسی تیسرے فتنے کی تیاری میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ [۴] ظاہر ہے یہ سلسلہ رکنے والا نہیں۔ ہاں، مخالفین کے سنجیدہ افراد سے یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ مولوی محمد تقی عثمانی نے ماکول اللحم جانوروں کے پیشاب کی طہارت و نجاست کے بیان میں درس ترمذی میں بیان کیا ہے کہ:

''حضرت گنگوہی نے الکوکب الدری میں اس مقام پر فرمایا کہ اس حدیث کے بعض طرق میں یہ تصریح ہے کہ جب ان کی اہلیہ سے دریافت کیا گیا تو انھوں نے فرمایا وہ مویشی چرایا کرتے تھے اور ان کے ابوال سے تحرز نہیں کرتے تھے۔ حضرت سعد بن معاذ کی وفات کے واقعہ میں اہلیہ سے پوچھنے کا یہ قصہ احقر کو حدیث کی کسی کتاب میں نہیں ملا، لیکن حضرت گنگوہی نے اسے بڑے وثوق کے ساتھ نقل کیا ہے۔'' (درس ترمذی، جلد:۱، ص:۲۹۰)

حضرت سعد بن معاذ کے بارے میں گنگوہی صاحب نے جو کچھ تحریر کیا اسے علمِ حدیث میں درک و شغف رکھنے والا تلاش بسیار کے باوجود نہیں پا سکا تو گنگوہی صاحب کی اس تحریر کے بارے میں کیا کہا جائے؟

اعترافِ حقیقت :

امام احمد رضا کا محقق ہونا جانب دار اور غیر جانب دار اربابِ فکر و دانش کے نزدیک مسلم امر ہے۔ چنان چہ شاعرِ مشرق ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں:

''ہندوستان کے دورِ آخر میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ جیسا طباع اور ذہین فقیہ پیدا نہیں ہوا۔'' (امام احمد رضا: اربابِ علم

ودانش کی نظر میں۔ص: ۹۴)

دیوبندی مکتبِ فکر کے مولانا شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

''مولانا احمد رضا خاں کو تکفیر کے جرم میں برا کہنا بہت ہی برا ہے، کیوں کہ وہ بہت بڑے عالمِ دین اور بلند پایہ محقق تھے۔'' (رسالہ ہادی دیوبند،ص: ۲۰، ذی الحجہ ۱۳۶۹ھ بحوالہ معارفِ رضا، شمارہ یازدہم ۱۹۹۱ص: ۲۵۲)

مولانا محمد انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں:

''مولانا احمد رضا خاں صاحب کی تحریریں شستہ اور مضبوط ہیں، جسے دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مولوی احمد رضا صاحب ایک زبردست عالمِ دین اور فقیہ ہیں۔'' (رسالہ دیوبند، ص: ۲۱، جمادی الاول ۱۳۳۰ھ بحوالہ معارفِ رضا ،شمارہ یازدہم ۱۹۹۱ء ص: ۲۵۳)

مولانا محمد شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

''مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی جو اپنے عقائد میں سخت ہی متشدد ہیں مگر اس کے باوجود مولانا صاحب کا علمی شجرہ اس قدر بلند درجہ کا ہے کہ اس دور کے تمام عالمِ دین اس مولوی احمد رضا خاں صاحب کے سامنے کوئی بھی حیثیت نہیں رکھتے۔'' (رسالہ الندوہ، ص: ۱۷، اکتوبر ۱۹۱۴ء بحوالہ معارفِ رضا، ۱۹۹۱ء ص: ۱۵۴)

مولوی ابوالحسن ندوی لکھتے ہیں:

''وہ نہایت ہی کثیر المطالعہ، وسیع المعلومات اور متبحر عالم تھے، رواں دواں قلم کے مالک اور تصنیف وتالیف میں جامع فکر کے حامل تھے۔ فقہ میں ان کی نظیر مشکل سے ملے گی۔'' (ملخصاً نزہۃ الخواطر، ۸/ ۴۰-۴۱)

جس کی محققانہ شخصیت اس قدر مسلم ہو کہ اس کی عبارتوں پر کیے گئے اعتراضات پر مولوی اشرف علی تھانوی کا یہ بیان حد درجہ موزوں اور برمحل ہے:

''ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اعتراض کرنا کون سا مشکل کام ہے، زبان ہی تو ہلانی پڑتی ہے، تحقیق کا درجہ مشکل ہے، اسی لیے محقق پر سیکڑوں اعتراضات ہوتے ہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اس کی نظر تمام جوانب پر ہوتی ہے اور غیر محقق کی صرف ایک بات پر ہوتی ہے، سو مختلف جوانب کو جمع کرنا کس قدر مشکل ہے۔''

(الافاضات الیومیہ فی الافادات القومیہ، ج: ۷، ص: ۱۹۷، ملفوظ نمبر: ۲۹۶)

اعتراضات کے کچھ نمونے :

صرف الملفوظ پر کیے گئے اعتراضات کا مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اس قسم کے بھونڈے اعتراضات خود اپنی حالتِ زار واضح کررہے ہیں، انھیں پڑھتے وقت ایک عام آدمی کو بھی حیرت ہوگی کہ اعلیٰ حضرت کی عبارتوں پر اعتراض کرتے وقت علماے دیوبند کا اندازِ بیان اور طرزِ استدلال کہاں چلا جاتا ہے! ان کا جواب تو ایک اوسط درجے کا مقرر بھی بخوبی دے سکتا ہے۔ ذیل میں ہم قدرے تجزیہ کرتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت ایک مقام پر انبیا علیہم السلام کی حیات برزخیہ کے متعلق سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں:

''ارشاد: انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی حیات حقیقی حسی دنیاوی ہے، ان پر تصدیق وعدۂ الٰہیہ کے لیے محض ایک آن کو موت طاری ہوتی ہے پھر فوراً ان کو ویسے ہی حیات عطا فرمادی جاتی ہے، اس حیات پر وہی احکام دنیویہ ہیں، ان کا ترکہ بانٹا نہ جائے گا، ان کی ازواج کو نکاح حرام، نیز ازواج مطہرات پر عدت نہیں، وہ اپنی قبور میں کھاتے پیتے نماز پڑھتے ہیں، بل کہ سیدی محمد عبد الباقی زرقانی فرماتے ہیں کہ انبیا علیہم الصلاۃ والسلام کی قبور مطہرہ میں ازواج مطہرات پیش کی جاتی ہیں، وہ ان کے ساتھ شب باشی فرماتے ہیں۔ (الملفوظ، حصہ سوم، ص:۳۰)

اس پر ایک دیوبندی کا تبصرہ ملاحظہ کریں:

''اس میں کس قدر انبیا کی تذلیل کی ہے، اور ان کو خواہش پرست قرار دیا ہے۔'' (بریلوی مسلک کی حقیقت، ص:۶۰)

آگے حاشیہ میں درج ہے:

''واضح رہے کہ احمد رضا خاں صاحب نے بغیر کسی دلیل کے اس قول کو نقل فرما کر اس کی تقریر و توثیق فرمائی ہے کہ نعوذ باللہ انبیا علیہم السلام قبور میں ازواج سے شب باشی کرتے ہیں'' کس قدر حیاسوز اور شرمناک بات ہے کہ امہات المومنین اور انبیا علیہم السلام کی شان میں ایسی بات بلا دلیل کہ دی جائے، کسی بیٹے کے لیے تو اپنی ماں کے بارے میں اس قسم کی کھلی بات گوارا نہیں کی جاتی چہ جائے کہ امہات المومنین اور سید الانبیا کی بابت ایسی بے باکی سے لب کشائی کی جائے۔ (ایضاً)

حالاں کہ یہی بات زرقانی میں درج ہے:

''نقل السبکی فی طبقاته عن ابن فورک انه علیه السلام حی فی قبره علی الحقیقة لا المجاز یصلی فیه باذان واقامة۔ قال ابن عقیل ویضاجع ازواجه ویتمتع بهن اکمل من الدنیا و حلف علی ذلک وهو ظاهر و لا مانع عنه۔ (بحوالہ تحقیقات اول، ص:۱۳۴)

یعنی علامہ سبکی نے طبقات میں ابن فورک سے نقل کیا ہے کہ حضور علیہ السلام اپنی قبر میں حقیقۃً زندہ ہیں نہ کہ مجازاً۔ اس میں اذان و اقامت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ ابن عقیل نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ شب باشی فرماتے ہیں۔ اور انھوں نے اس پر قسم بھی کھائی اور یہ ظاہر ہے، جس سے کوئی مانع نہیں۔

اس قسم کے ارشادات جو اکابر کی تحریروں سے ماخوذ ہیں ان پر اعتراض امام احمد رضا پر اعتراض نہیں بل کہ اسلاف و اکابر پر اعتراض ہے۔ نیز اس سے معترضین کی عجلت پسندی اور کم علمی کا بھی پتہ چلتا ہے کہ اگر انھیں پہلے سے علم ہوتا کہ یہ بات کہاں سے ماخوذ ہے اور کس کا فرمان ہے تو اعتراض کی جرأت نہ کرتے۔

دراصل انبیا کرام کی حیات بعد وفات کے حسی حقیقی دنیوی ہونے پر علماے اہلِ سنت کا اجماع ہے۔ (**ملاحظه هو حیات النبی للبیهقی**) لہٰذا ان کی وفات کے بعد بھی ان کی ازواج ان کے نکاح میں باقی رہتی ہیں، اس لیے ازواج مطہرات سے پوری زندگی کسی کا نکاح نہ ہوگا۔ لہٰذا جب صورتِ حال یہ ہے کہ وفات کے بعد بھی انبیا کی حیات حسی حقیقی ہے اور ان کی ازواج ان کے نکاح میں باقی رہیں تو قبر میں انھیں معیت حاصل ہو تو کیا حرج ہے.....؟ کیا ''شب باشی'' (**یضاجع ازواجه**) او **لا مستم النساء**'' کے مثل وطی سے کنایہ ہے؟ اور اگر

ہوتو کیا قباحت ہے؟ کیا حضور نے نکاح نہ کیا......؟ کیا حضور کی اولاد نہ ہوئی......؟ اگر یہ شبہہ ہو کہ بعد وفات یہ امر درست نہ ہو تو سوال یہ ہے کہ بقائے نکاح کی تقدیر پر قبل وفات جو چیز حلال تھی بعد وفات وہ حرام ہوگی؟ یا زوجیت کے باوجود ان کی طرف انتساب حرام ہوگا......؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ جنت تو قبر سے بھی زیادہ مقدس اور اعلیٰ وارفع جگہ ہے، کیا وہاں ازواج کے ساتھ مباشرت نہ ہوگی؟ کیا قرآن و حدیث کے اندر صاف صاف لفظوں میں ازواج سے قربت کا جو بیان ہے وہ سب افسانہ ہے؟ کیا دیوبندیوں کا عقیدہ اس بارے میں وہی ہے جو نیچریوں کا ہے؟؟ بولیں اور صاف بولیں!

معترضین کی عجلت پسندی:

یہ بات بالکل واضح ہے کہ مخالفین نے جذبۂ عداوت میں اعتراض کرنے میں بڑی عجلت سے کام لیا ہے۔ امام احمد رضا کی کسی عبارت کے خلاف کہیں کوئی عبارت کسی ہیئت میں ملی اس کے سہارے فوراً اعتراض جڑ دیا، اور یہ بھی غور نہ کیا کہ جو اعتراض کیا جا رہا ہے وہ واقعۃً اس پر وارد ہوتا بھی ہے یا نہیں؟ جو معنی بتائے جا رہے ہیں، اس کا اس میں احتمال بھی ہے یا نہیں......؟

پہلی مثال :

گزشتہ صفحات میں گزرا کہ الملفوظ میں جس عبدالرحمٰن فزاری کا واقعہ بیان کیا گیا ہے وہ کتابت کی غلطی سے عبدالرحمٰن فزاری کے بجائے عبدالرحمٰن قاری ہو گیا، تو اس پر ''مقدس صحابی رسول کی تکفیر'' ہیڈنگ لگا کر لکھا کہ ''احمد رضا نے ایک صحابی رسول جن کا نام عبدالرحمٰن قاری ہے ان کی تکفیر کی ہے۔'' اور دلیل کے طور پر اسد الغابہ، تقریب اور تہذیب کے حوالہ سے عبدالرحمٰن قاری کے بجائے عبدالرحمٰن ابن عبد القاری کا نام پیش کیا ہے۔ (بریلی مسلک کی حقیقت، ص:۵۹)

دوسری مثال:-

قبر میں منکر نکیر کے سوال کے تعلق سے اعلیٰ حضرت ارشاد فرماتے ہیں:

> ''اس کے بعد سوال کرتے ہیں **ماتقول فی هذا الرجل** ؟ ان کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ اب نہ معلوم کہ سرکار خود تشریف لاتے ہیں یا روضۂ مقدسہ سے پردہ اٹھا دیا جاتا ہے، شریعت نے کچھ تفصیل نہ بتائی اور چوں کہ امتحان کا وقت ہے اس لیے **هذا النبی** نہ کہیں گی **هذا الرجل** کہیں گے۔

اس پر ایک دیوبندی مولوی کا یہ ریمارک پڑھیے:

> ''**هذا النبی** نہ کہیں گے'' یہ بات بھی خان صاحب کے غیر محقق ہونے کی دلیل ہے ورنہ تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتہ قبر میں ''**من نبیک**'' کہہ کر بھی سوال کرتا ہے۔ چنان چہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں ''لفظ مصابیح ایں چنیں است **اذا قیل له من ربک و مادینک و من نبیک** چوں گفتہ می شود او را کیست پروردگار تو، چیست دین تو، وکیست پیغمبر تو۔'' (اشعۃ اللمعات، ج:۱، ص:۱۲۴) (رضا خانیت کے علامتی مسائل، ص:۱۹)

دراصل مشکوٰۃ شریف میں حضرت انس کی روایت میں ہے کہ منکر نکیر ''**ماکنت تقول فی هذا الرجل**'' کہہ کر سوال کریں گے، اور

یہی الفاظ حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں بھی ہیں۔ (مشکوٰۃ شریف، ص: ۲۴-۲۵، و بخاری شریف اول، ص: ۱۸۴) اور حضرت براء بن عازب کی روایت میں ہے کہ سوال یوں ہوگا: **ماهذا الرجل الذی بعث فیکم** (مشکوٰۃ شریف، ص: ۲۵)

غرض کہ کسی روایت میں **ماتقول فی هذا النبی** وارد نہیں ہوا۔ لہٰذا اگر امام احمد رضا نے اس کی توجیہ یہ فرمائی کہ چوں کہ یہ امتحان کا وقت ہے اس لیے **هذا النبی** نہ کہیں گے، **هذا الرجل** کہیں گے، تو یہ توجیہ روایتوں کے خلاف نہیں بل کہ ان کے مطابق ہے۔ ہاں شیخ محقق نے جو فرمایا کہ مصابیح کے الفاظ اس قسم کے ہیں **اذا قیل له من ربک و مادینک و من نبیک** تو عرض ہے کہ اولاً شیخ محقق نے مصابیح کے الفاظ کا جو حوالہ دیا ہے اس کے لیے ''این است'' کے بجائے ''این چنین است'' فرمایا، جس سے بعینہ الفاظ کے عدم ثبوت کا اشارہ ملتا ہے۔ ثانیاً: اگر ثابت بھی ہو تو اتنا ہوگا کہ فرشتے **و من نبیک** کہ کر سوال کریں گے۔ اور اعلیٰ حضرت نے اس کی نفی نہیں کی، آپ نے **هذا النبی** کی نفی کی ہے۔ **هذا النبی** اور **من نبیک** میں فرق آگے آتا ہے۔ ثالثاً: اعلیٰ حضرت نے جو وجہ بیان فرمائی ہے وہ آزمائش و امتحان ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ چوں کہ آزمائش مقصود ہے اس لیے اگر یوں سوال کیا جائے کہ ''**ماتقول فی هذا النبی**'' تو مخاطب نفسِ سوال سے سمجھ جائے گا کہ یہ نبی ہیں۔ اور جواب دینا اس کے لیے مشکل نہ ہوگا، برخلاف اس کے اگر ''**ماتقول فی هذا الرجل**'' کہا جائے تو مخاطب نفس سوال سے یہ نہ سمجھ پائے گا کہ جس آدمی کے بارے میں پوچھا جا رہا ہے وہ نبی ہے یا نہیں؟ اس لیے جواب اسی وقت دے سکے گا جب کہ وہ پہلے سے صاحبِ ایمان ہو۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ اگر کسی روایت سے یہ ثابت ہو جائے کہ ''**من نبیک**'' کہ کر سوال کیا جائے تو اس سوال سے بھی مقصود امتحان فوت نہ ہوگا۔ معمولی عربی داں جانتا ہے کہ ''**من نبیک**'' (تمھارا نبی کون ہے؟) کے سوال سے نبی کی تعیین نہیں ہو سکے گی کہ مخاطب سوال سے جواب اخذ کر لے، برخلاف ''**ماتقول فی هذا النبی**'' کے، کہ اس سوال سے ہی جواب مستفاد ہو سکتا ہے۔ تو ''**ماتقول فی هذا النبی**'' کی نفی اور ''**من نبیک**'' کے ثبوت میں تنافی کہاں ہے؟

خلاصہ یہ کہ نبی کی جانب اشارہ کیے بغیر اور نبی کا نام بتائے بغیر کسی سے پوچھا جائے، تیرا نبی کون ہے؟ تو اس سوال میں ضرور اس کا امتحان ہے۔ اس کے بعد نبی کی جانب صاف اشارہ کر کے اگر یوں کہا جائے؛ تو اس مرد کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ تو یہ سوال اب بھی اس کے لیے امتحان ہے۔ ہاں اگر یوں پوچھیں کہ اس ''نبی'' کے بارے میں تو کیا کہتا ہے؟ تو سوال کے ساتھ جواب بھی بتا دیا گیا۔ امتحان کیا رہا؟ یہ فرق ایک عام آدمی بھی سمجھ سکتا ہے۔ اگر معترضین کی عقل عداوت کے نشے میں غائب نہ ہوتی تو وہ ایسا اعتراض لکھنے کی جرأت ہی نہ کرتے۔

تیسری مثال :

اس قسم کے اعتراض کی تیسری مثال یہ ہے:

زندگی میں ہی اپنی قبر تیار کرنے کے تعلق سے سوال کے جواب میں اعلیٰ حضرت نے فرمایا:

> ''ارشاد: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **وماتدری نفس بای ارض تموت** کوئی نہیں جانتا کہ وہ کہاں مرے گا؟ قبر تیار رکھنے کا شرعاً حکم نہیں، البتہ کفن سلوا کر رکھ سکتا ہے کہ جہاں کہیں جائے اپنے ساتھ لے جائے اور قبر ہم راہ نہیں رہ سکتی۔ (الملفوظ، حصہ اول، ص: ٦٧)

اس پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ عالمگیری میں مسئلہ اس کے برخلاف ہے۔ **من حفر قبراً لنفسه فلا باس به ویؤجر علیه کذا**

فی التتار خانیه (عالم گیری اول، ص:۱۶۶) اور تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ اس سلسلے میں جو مسئلہ محققہ ہے وہی امام احمد رضا نے بیان فرمایا ہے۔ چنان چہ درمختار میں ہے:

ویحفر قبراً لنفسه وقیل یکره و الذی ینبغی ان لا یکره تهیئة نحو الکفن بخلاف القبر۔

یعنی اپنے لیے قبر تیار کی جا سکتی ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایسا کرنا مکروہ ہے اور مناسب یہ ہے کہ کفن جیسی چیزوں کو تیار کر لینے میں کوئی کراہت نہیں برخلاف قبر کے۔

اس کے تحت شامی میں **والذی ینبغی** پر ہے:

کذا قاله فی شرح المنیة، وقال: لأن الحاجة الیه متحققة غالباً بخلاف القبر، لقوله تعالیٰ وما تدری نفس بأی أرض تموت

(شامی جلد ثالث، ص: ۱۵۴، مطبع زکریا بک ڈپو، دیوبند)

یوں ہیں (یعنی قبر کے بجائے کفن وغیرہ اپنے لیے تیار رکھنا) شرح منیۃ المصلی میں ہے اور فرمایا کہ بسا اوقات کفن جیسی چیزوں کی ضرورت کا پایا جانا متحقق ہے برخلاف قبر کے۔

نحو الکفن بخلاف القبر کہ کر دونوں میں جس فرق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ ہر عاقل سمجھ سکتا ہے کہ کفن ایسی چیز ہے جو قابلِ انتقال ہے اور اسے ساتھ ساتھ رکھا جا سکتا ہے، لیکن قبر کو ساتھ ساتھ رکھا نہیں جا سکتا، ظاہر ہے کوئی کفن تیار کر کے ساتھ رکھے تو جہاں کہیں موت آ جائے وہ اس کے کام آ سکتا ہے، لیکن قبر تیار کر لے تو دوسری جگہ موت کی صورت میں قبر کی تیاری عبث اور لغو ہو گی، اور قرآن فرماتا ہے کہ کسی کو اپنی موت کا مقام نہیں معلوم۔ اسی لیے فقہ حنفی کے مسائل محققہ مرجحہ پر مشتمل کتاب ''بہارِ شریعت'' میں ہے:

''مسئلہ: اپنے لیے کفن تیار رکھے تو حرج نہیں اور قبر کھود وا رکھنا بے معنی ہے، کیا معلوم کہاں مرے گا۔ (درمختار)

(بہارِ شریعت ۴/ ۱۶۰)

رہا تتارخانیہ کے حوالے سے عالم گیری کا مسئلہ اور اس کی تائید میں شامی کا تتارخانیہ سے یہ نقل کرنا ''**هکذا عمل عمر بن عبد العزیز و الربیع بن خیثم وغیرهما**'' تو بیان مسئلہ میں امام احمد رضا قدس سرہ کے کلمات سے اس کے احتیاط کی عکاسی ہوتی ہے اور اندازہ ہوتا ہے کہ اس پہلو کو بھی مدِ نظر رکھا گیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ ''قبر تیار رکھنے کا شرعاً حکم نہیں۔'' ان الفاظ میں اور عالم گیری کے **لا باس به** میں کوئی تعارض نہیں۔

چوتھی مثال:-

امام احمد رضا ارشاد فرماتے ہیں:

''جب میرے پیر بھائی برکات احمد کا انتقال ہوا اور دفن کے وقت ان کی قبر میں اترا تو مجھے بلا مبالغہ وہ خوشبو محسوس ہوئی جو پچھلی مرتبہ روضۂ انور کے قریب آئی تھی۔'' (الملفوظ، حصہ دوم، ص: ۲۵)

اس پر یہ اعتراض کہ احمد رضا صاحب نے اپنے پیر بھائی کی قبر کو روضۂ اقدس کے برابر کر دیا۔ اس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی

اور حضور کے روضۂ اقدس کی کھلی توہین ہے۔ (بریلوی مسلک کی حقیقت، ص: ۵۴)

وہابیہ اور دیابنہ کے پاس فضائل کو ناپنے کے بہت ہی حساس پیمانے ہیں کسی کی تعریف کو دوسرے کی تعریف سے ذراسی مناسبت ہوئی کہ برابری ہوگئی۔ رسول کے لیے علم ما کان و ما یکون مانا تو اللہ کے علم سے برابری ہوگئی۔ کسی نیک امتی کی قبر میں وہ خوشبو ملی تو جو روضۂ اقدس کے قریب بھی ملی ہو تو گویا اس قبر کو روضۂ اقدس کے برابر کر دیا۔ یہی منطق اپنے گھر کے بزرگوں کے حق میں کی گئی تعریف وتوصیف پر کیوں نہیں چلتی۔ وہاں فضائل ناپنے والے آلے بے حس کیوں ہو جاتے ہیں؟

اعلیٰ حضرت قدس سرہ بارگاہِ رسالت میں ان کی مقبولیت اور ان پر آقا یانہ کرم فرماتے ہو سرکار کی تشریف آوری کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں اور خاص اس خوش بو کو تشریف ارزانی کی علامت کے طور پر بیان کر رہے ہیں۔ مگر دیو بندی عقل اس سے مساوات اور برابری کا نتیجہ اخذ کر رہی ہے۔ یہ لوگ تو رسول کو صاف صاف اپنے جیسا بشر، اپنا بڑا بھائی، یا زیادہ سے زیادہ گاؤں کے زمیں دار اور چودھری جیسا ''تقویۃ الایمان'' میں لکھ چکے، جسے پوری برادری چھاپتی، لکھتی پڑھتی اور مانتی چلی آرہی ہے اور اس میں رسول کی کوئی توہین نظر نہیں آتی۔ اور ایک بزرگ کی قبر پر سرکار کی تشریف ارزانی کی وجہ سے امام احمد رضا نے سرکار کی خوشبو پانے کی علامت بیان کر دی تو اس میں سرکار کی توہین نظر آنے لگی۔

احادیث وسیرت کی متعدد کتب میں ایسے واقعات موجود ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مستفیض ہونے والے متعدد صحابہ میں مشک وعنبر وغیرہ کی خوشبو آتی تھی، مثلاً ایک صحابی کا بیان کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مصافحہ کر لیتا تو سارا دن اپنے ہاتھوں میں خوشبو محسوس کرتا تھا، جب وہ نور مجسم اپنے دستِ شفقت کسی بچے کے سر پر پھیرتے تو وہ خوشبو کے باعث دوسروں سے پہچانا جاتا تھا۔ (کتاب الشفا للقاضی عیاض مترجم، ص: ۱۲۵) ایک عورت کو تھوڑا پسینہ عنایت ہوا، جب کپڑوں میں ملتی، تمام گھر مہک جاتا، یہاں تک کہ لوگ اس کے گھر کو ''بیت المطیبہ'' کہنے لگے اور کئی پشت تک ان کی اولاد میں خوشبو باقی رہی۔ محمد بن سعید بن مطرب نے خواب میں دیکھا کہ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میرے رخسار پر بوسہ دیا، بے دار ہوئے تو تمام گھر مہک رہا تھا اور اس رخسار سے آٹھ دن تک مشک کی خوشبو آتی رہی۔ اور سید قمر الدین اورنگ آبادی خواب میں مصافحہ شریفہ سے مشرف ہوئے، مدت تک مشک کی خوشبو ان کے ہاتھوں سے محسوس ہوتی تھی۔ (الکلام الاوضح فی تفسیر الم نشرح، ص: ۱۱۴)

حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے جس امتی پر جس طرح چاہیں کرم فرمائیں۔ امام احمد رضا کے پیر بھائی حضرت برکات احمد پر یہ کرم فرمایا کہ ان کی قبر میں تشریف لائے یا اپنے روضۂ انور سے خوشبوؤں کی نوازشات فرمائی، خصوصاً ایسے موقع پر جب **ما تقول فی هذا الرجل** کے طفیل جلوہ نمائی ہونے والی ہے۔ اس سے امام احمد رضا کے پیر بھائی پر سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عنایت اور ان کی بارگاہِ رسول میں مقبولیت کا پتہ چلتا ہے۔

رہی حضور کی توہین کی بات تو جن کی ساری زندگی شانِ الوہیت ورسالت میں توہین کرتے ہی گزر رہی ہے، ایسے لوگ اگر اعلیٰ حضرت پر توہینِ رسالت کا الزام دھریں تو ان کے لیے ابو الکلام آزاد کا یہ جملہ برمحل ہوگا:

''مولانا احمد رضا خاں ایک سچے عاشقِ رسول ہیں۔ میں تو یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ ان سے توہینِ نبوت ہو۔''

(امام احمد رضا اربابِ علم ودانش کی نظر میں، ص: ۹۶)

روایت باللفظ یا روایت بالمعنیٰ :

الملفوظ میں کچھ مقامات وہ ہیں جہاں احادیث کریمہ کی عبارتیں درج ہیں جو بہ لفظہٖ حدیث میں نہیں ملتیں بل کہ کچھ تبدیلی کے ساتھ مثلاً خضابِ سیاہ کی حرمت پر چھ حدیثیں پیش کی گئی ہیں جن میں پہلی حدیث بحوالہ مسلم شریف یوں درج ہے: **"غیروا ھذاالشیب ولا تقربواالسواد"** اور مسلم شریف میں یہ حدیث یوں ہے "غیروا ھذا بشئ واجتنبوا السواد" دوسری حدیث سنن نسائی کے حوالے سے یوں پیش کی گئی ہے **"یاتی ناس یخضبون بالسواد کحو اصل الحمام لا یریحون رائحة الجنة"** (الملفوظ، حصہ دوم، ص:۱۰۳) جب کہ سنن نسائی میں اس کا متن یہ ہے **"قوم یخضبون بھذا السواد اٰخر الزمان کحواصل الحمام لا یریحون رائحة الجنة"**

اس قسم کے لفظی اختلاف کو پیش کر کے تحریف جیسے سنگین الزامات عائد کیے جاتے ہیں۔ ۵ ؎

دراصل ملفوظات کی تدوین امالی کی شکل میں نہیں ہوئی تھی کہ اعلیٰ حضرت ارشاد فرماتے اور ساتھ ہی ساتھ املا کیا جاتا ہو، بل کہ یہ مختلف نشستوں کے افادات، یا استفسار کے جوابی ارشادات ہوتے جنھیں اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے سننے کے بعد یادداشت کے سہارے قلم بند کر لیا جاتا۔ صحتِ نقل کی تقدیر پر اس قسم کے فرق کو زیادہ سے زیادہ روایت بالمعنیٰ کا فرق قرار دیا جاسکتا ہے۔ روایت باللفظ کی اہمیت و فضیلت سے انکار نہیں، لیکن روایت بالمعنیٰ ایک متبحر عالم جو نصوص کے معانی کو اچھی طرح سمجھتا ہو، کر سکتا ہے۔ چناں چہ اصولِ حدیث کی کتاب **نزھة النظر شرح نخبة الفکر** علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

> **لا یجوز تعمد تغییر المتن ولا الاختصار منه بالنقص ولا ابدال اللفظ باللفظ المرادف له الا لعالم بمدلولات الالفاظ وبما یحیل المعانی علی الصحیح۔ (ص:۶۶)**

ترجمہ: حدیث کے متن کو جان بوجھ کر بدلنا اور کلماتِ حدیث میں کمی کر کے اس میں اختصار کرنا اور کسی کلمے کو کسی مرادف کلمے سے بدلنا جائز نہیں مگر اس شخص کے لیے جو الفاظ کے معنی، اور ان تغیرات کو جانتا ہو جن سے معنی بدل جاتے ہیں۔

آگے مزید فرماتے ہیں:

> **واما الروایة بالمعنی فالخلاف فیه شهیر ، الأکثر علی الجواز ایضاً ومن أقویٰ حججهم الاجماع علی جواز شرح الشریعة للعجم بلسانهم للعارف به فاذا جاز الابدال بلغة أخری فجوازه باللغة العربیة أولیٰ وقیل إنما یجوز فی المفردات دون المرکبات وقیل إنما یجوز لمن یستحضر اللفظ لیتمکن التصرف فیه وقیل إنما یجوز لمن کان یحفظ الحدیث فنسی لفظه وبقی معناه مرتسماً فی ذهنه فله ان یرویه بالمعنی لمصلحة تحصیل الحکم منه بخلاف من کان مستحضراً للفظه۔ (ص:۶۷)**

ترجمہ: روایت بالمعنی کے سلسلے میں اختلاف مشہور ہے۔ اکثر علما اس کے جواز پر ہیں، ان کے مضبوط دلائل میں یہ ہے کہ شریعت کی توضیح وتشریح اہلِ عجم کے لیے ان کی زبان میں جانکار آدمی کے لیے جائز ہونے پر اجماع ہے۔تو جب دوسری زبان سے بدلنا جائز ہے تو عربی زبان سے بدلنا بدرجۂ اولیٰ جائز ہوگا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ متنِ حدیث کے مفردات میں تبدیلی جائز ہے مرکبات میں نہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اس کے لیے جائز ہے جسے لفظ اس طرح مستحضر ہو کہ اس میں تصرف کر سکے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایسا اس شخص کے لیے جائز ہے جسے حدیث یاد تھی، پھر الفاظ بھول گیا اور اس کا معنیٰ اس کے ذہن میں باقی ہے تو وہ روایت بالمعنی کر سکتا ہے تا کہ اس سے حکم لے سکے، برخلاف اس کے جسے الفاظ حدیث مستحضر ہوں۔

اس مقام پر محشی مفتی عبداللہ ٹونکی لکھتے ہیں:

قیل ویدل علیه ایضاً روایة الصحابة ومن بعدهم القصة بالفاظ مختلفة ویدل ماروی من حدیث عبد اللّٰه ابن سلیمان اللیثی قال قلت یا رسول اللّٰه انی اسمع منک الحدیث لا استطیع أن أو دیه کما أسمع منک ازید حرفاً أو أنقص فقال اذا لم تحلوا حراماً ولا تحرموا احلالاً واصبتم المعنی فلا بأس۔(ایضاً)

ترجمہ: کہا گیا ہے کہ صحابہ اور تابعین ایک ہی واقعہ کو مختلف الفاظ سے روایت کرنا اس پر دلیل ہے اور حضرت عبداللہ ابن سلیمان اللیثی کی حدیث بھی اس پر دلیل ہے، فرماتے ہیں، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں آپ سے حدیث سنتا ہوں اور جیسی سنتا ہوں ویسی ہی ادا نہیں کر پاتا، کچھ کمی بیشی ہو جاتی ہے تو حضور نے ارشاد فرمایا، اگر تم حرام کو حلال اور حلال کو حرام نہ کر دو اور مفہوم کی صحیح ادائیگی ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔

ان اقتباسات سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ بیانِ حدیث میں اگر مفہوم نہ بدلا ہو تو روایت بالمعنی پر اعتراض لایعنی اور ذخیرۂ حدیث کے ایک بڑے حصے کو لغو قرار دینے کے مرادف ہے۔

سالِ تالیف وترتیب:-

المملفو ظ نام سے واضح ہے کہ اس کی ترتیب ۱۳۳۸ھ میں ہوئی اور یہ مختصر سی مدت کے ملفوظات ہیں، جیسا کہ ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو صاحب لکھتے ہیں کہ یہ ملفوظات دو سال کچھ مہینوں کے ہی قلم بند کیے گئے ہیں [۱] اور وہ بھی اعلیٰ حضرت کی حیاتِ طیبہ کے آخری سالوں میں۔ اعلیٰ حضرت نے خود اس کا نام ''المملفو ظ'' رکھا۔ جو اس کی تاریخ تالیف پر مشتمل ہے۔ اور یہ شعر عنایت فرمایا ؎

میرے ملفوظ کچھ کیے محفوظ — مصطفیٰ مصطفی کا ہو ملحوظ

نام تاریخی اس کا رکھتا ہوں — زبر و بینہ میں المملفو ظ

۱۳۳۸ھ

اس کا تاریخی نام بھی دلچسپ نوعیت کا ہے، جس کی طرف مذکورہ شعر میں اشارہ کیا گیا ہے۔ تفصیل یہ ہے کہ جس طرح تاریخی نام

ہوتے ہیں اگر ''الملفوظ'' کے اعداد نکالے جائیں تو (۱۳۳۸) کے بجائے (۱۰۹۷) آتے ہیں لیکن کلمہ ''الملفوظ'' جو سات حروف پر مشتمل ہے، اس کے ہر حرف کو الگ الگ پورا پورا لکھا جائے تو اس کے اعداد ابجدی جوڑنے سے ۱۳۳۸ آجاتے ہیں مثلاً:

الف	لام	میم	لام	فا	واو	ظا
۱۱۱ +	۷۱ +	۹۰ +	۷۱ +	۸۱ +	۱۳ +	۹۰۱ = ۱۳۳۸

لیکن راقم الحروف کا اندازہ ہے کہ اس میں مختلف عہد کے ملفوظات ہیں، جن کی ترتیب کا کام حضور مفتیِ اعظم ہند نے ۱۳۳۸ھ میں کیا۔

پہلا عرصہ حضرت علامہ عبد العلیم صدیقی میرٹھی کا ہے۔ اندازہ ہے کہ حضرت موصوف ۱۹۱۰ء کے بعد اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ ندوہ کے صدر دوم مولوی سید محمد شاہ صاحب سے ایک مکالمہ بھی حصہ اول میں درج ہے جو ۱۳۱۶ھ میں ہوا۔ دوسرے سفرِ حج ۱۳۲۳ھ کی تفصیلی روداد بھی حصہ دوم میں ہے۔

حواشی

۱۔ اکرام امام احمد رضا، ص:۱۰۱ پر مفتی محمد برہان الحق جبل پوری کے بارے میں ہے۔شوال ۱۳۳۲ھ/ ۱۹۱۴ء میں بریلی حاضر ہوئے، دارالافتا میں امام احمد رضا کے ارشادات قلم بند کیے۔ (اکرام امام احمد رضا، ص:۱۰۱) اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضور مفتیِ اعظم ہند کے علاوہ اور لوگ بھی اعلیٰ حضرت کے ارشادات قلم بند کرتے تھے۔ ہاں اکثر حصہ حضور مفتیِ اعظم ہند نے ہی زیب قلم کیا ہے۔ جیسا کہ دیباچہ سے سمجھ میں آتا ہے۔

۲۔ واضح رہے کہ یہ تینوں حواشی بھی بعد کے نسخوں میں (جو اس وقت چھپ رہے ہیں) کتابت میں چھوٹ گئے ہیں۔ منہ

۳۔ ۲۵؍ اکتوبر ۲۰۰۲ء کو راقم الحروف بریلی شریف حاضر ہوا، جانشینِ مفیِ اعظم ہند تاج الشریعت حضرت علامہ ازہری صاحب قبلہ مدظلہ العالی سے ملاقات ہوئی۔ عرض کیا کہ وہ کون سا نسخہ ہے جسے حضور مفتیِ اعظم ہند نے خود شائع کروایا تھا اس پر حضرت موصوف نے لاعلمی ظاہر فرمائی اور فرمایا کہ بعد والے نسخوں پر حضور مفتیِ اعظم ہند ناراضگی ظاہر فرماتے تھے اور فرماتے تھے کہ ''نہ جانے کیسے چھپوا دیا ہے''۔ حضور محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب قبلہ مدظلہ نے بھی اس کی تائید فرمائی اور اس سلسلہ میں حضور مفتیِ اعظم ہند سے اپنے ایک استفسار اور ان کے ارشاد کا بھی حوالہ دیا۔ منہ ۱۲

۴۔ دلھن کے پاؤں دھو کر مکان میں چھڑکنے پر، یوں ہی ایک پیر کا اپنے مرید کے ساتھ ہمہ وقت رہنے سے متعلق امام احمد رضا کے افادات پر اعتراض و جواب کی تفصیلات تحقیقات، تعزیرات وغیرہ میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

۵۔ حالاں کہ اسی کی ایک دوسری مثال یہ بھی ہے۔ ''الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ'' (ملفوظات حکیم الامت) میں استخارہ کے سلسلے میں مولوی اشرف علی تھانوی نے بھی تقریباً چھ حدیثیں پیش کی ہیں، جو ملفوظات حکیم الامت جلد دہم ص:۲۵۶ تا ص:۲۵۸ پر درج ہیں۔ ان میں پہلی حدیث بخاری کے حوالے سے یوں درج ہے۔ **اذا دعا احدکم فلا یقل اللھم اغفرلی ان شئت ارحمنی ان شئت ارزقنی ان شئت، ولیعزم المسئلۃ انہ یفعل مایشاء لا مکرہ لہ رواہ البخاری** (ملفوظات حکیم الامت، جلد دہم، ص:۲۵۶)

حالاں کہ بخاری شریف میں وہ حدیث حضرت انس کی روایت سے یوں ہے: **عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا دعا احدکم فلیعزم المسئلۃ ولا یقولن اللھم ان شئت فاعطنی فانہ لا مستکرہ لہ۔ (بخاری شریف ثانی، ص:۹۳۸)**

اور حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے یوں ہے: **ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یقولن احدکم اللھم اغفرلی ان شئت اللھم ارحمنی ان شئت لیعزم المسئلۃ فانہ لا مکرہ لہ۔ (ایضاً)**

دوسری حدیث مسلم شریف کے حوالے سے یوں درج ہے: **اذا دعا احدکم فلا یقل اللھم اغفر ان شئت ولکن لیعزم المسئلۃ ولیعزم**

الرغبة فان اللہ تعالی لا یتعاظمه شئ اعطاہ رواہ مسلم (ایضاً، ص:۲۵۷)

جب کہ مسلم شریف جلد دوم ص: ۳۴۲ پر وہ حدیث حضرت انس کی روایت میں یوں ہے: **قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اذا دعا احدکم فلیعزم الدعاء ولا یقل اللھم ان شئت فاعطنی فان اللہ لا مستکرہ له۔**

اور حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں یوں ہے: **قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لا یقولن احدکم اللھم اغفرلی ان شئت اللھم ارحمنی ان شئت لیعزم فی الدعاء فان اللہ صانع ماشاء ولا مکرہ له۔ ۱۲**

۶۔ ماہنامہ جہانِ رضا لاہور، ص: ۳۹، ستمبر ۱۹۹۴ء بحوالہ مولانا شہاب الدین رضوی، مضمون: الملفوظ اور اس کا مقام ومرتبہ۔

☆☆☆☆☆